مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

گلدستۂ تفاسیر



مُرتّب
حضرۃ مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ العالی

پسند فرمودہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہٗ
حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ

اُردو کی چھ مستند تفاسیر سے منتخب

اوّل مکمل تفسیرِ عثمانی ۔ تفسیر ابن کثیر
تفسیر مظہری ۔ تفسیر عزیزی
معارف القرآن ۔ معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم ۔ حضرت مولانا کاندھلوی
تفسیر میرٹھی مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات

حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ ۔ مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ ۔ حضرت علامہ شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اَشرفیہ
چوک فوارہ مُلتان پاکستان
(061-4540513-4519240



مدینہ منورہ کی مبارک فضاؤں میں
ترتیب دی جانیوالی عظیم تفسیر
دورِ حاضر کے تقاضوں کے عین مطابق

جلد اوّل

جدید گلدستۂ تفاسیر

سورۃ الفاتحہ تا سورۃ آل عمران

مرتب حضرۃ مولانا عبدالقیوم مدظلہ العالی مہاجر مدنی
مسترشد خاص
شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور عباسی المدنی نور اللہ مرقدہ

پسند فرمودہ
حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ
حضرت مولانا قاری محمد عثمان نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند
حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالی
مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ
حضرت مولانا محمد موسیٰ کرماڈی مدظلہ العالی

اوّل مکمل تفسیر عثمانی
تفسیر مظہری
تفسیر عزیزی
تفسیر ابن کثیر
معارف القرآن
حضرت مولانا مفتی اعظم رحمہ اللہ
معارف القرآن
حضرت مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ
تفسیر میرٹھی
مولانا عاشق الٰہی میرٹھی رحمہ اللہ

تفسیری افادات و نکات
حضرت شیخ احمد مجدد الف ثانی رحمہ اللہ
مجدد الملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ
شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ
حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب رحمہ اللہ
حضرت علامہ الزماں شمس الحق افغانی رحمہ اللہ

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(061-4540513-4519240

گلدستہ تفاسیر

تاریخ اشاعت .... محرم الحرام ۱۴۲۸ھ

ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان

طباعت .... سلامت اقبال پریس ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کام کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ ...... چوک فوارہ ...... ملتان
ادارہ اسلامیات .... انارکلی .... لاہور
مکتبہ سید احمد شہید .... اردو بازار ...... لاہور
مکتبہ رحمانیہ .... اردو بازار .... لاہور
اسلامی کتاب گھر ...... خیابان سرسید روڈ ...... راولپنڈی
دارالاشاعت .... اردو بازار .... کراچی
مکتبہ القرآن .... بنوری ٹاؤن .... کراچی
مکتبہ دارالاخلاص ...... قصہ خوانی بازار ...... پشاور
مکتبہ رشیدیہ .... سرکی روڈ .... کوئٹہ

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BL1 3NE. (U.K.)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

الحمدللہ کہ ''گلدستہ تفاسیر'' آپ کے ہاتھوں میں ہے اور یہ ضروری ہے کہ اس تفسیر کے باقاعدہ مطالعہ سے قبل اس سے متعلق ہماری معروضات آپ کے نظرنواز ہوجائیں جس سے اس تفسیر کی خصوصیات اور اس کی تالیف کی مشکلات سے آپ کو آگاہی ہو۔

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ یہ تفسیر چھ مستند تفاسیر کی تلخیص اور چھ مستند اکابرین یعنی حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ، قطب العالم حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ، شیخ الاسلام حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمہ اللہ، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ، اور علامۃ الزماں حضرت مولانا شمس الحق افغانی رحمہ اللہ کے تفسیری افادات ونکات کا مجموعہ ہے،

تو اس طرح اس تفسیر میں جو کچھ بھی ہے وہ اسلاف کی تفاسیر سے اقتباسات اور اکابرین علماء کے علوم ومعارف کا انتخاب ہی ہے مرتب کی طرف سے اس میں ایک حرف بھی شامل نہیں کیا گیا۔

ہمارے والد ماجد حضرت مولانا حاجی عبدالقیوم مہاجر مدنی دامت برکاتہم العالیہ نہ صرف یہ کہ صاحب نسبت بزرگ ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالغفور المدنی رحمہ اللہ سے اپنی اصلاح وتربیت کرائی اور پھر اہل حق نقشبندیہ اور چشتیہ تھانویہ سلسلہ میں ماشاءاللہ مجاز ہیں۔ اللہ کی طرف سے ان کو اس تفسیر کی تالیف وترتیب کے دوران کئی ساری مبشرات سے بھی مشرف فرمایا گیا ہے جو اس تفسیر کے مقبول عنداللہ ہونے اور مسلمانوں کے لئے نفع مند ہونے کی علامات ہیں۔

ان مبشرات کے ساتھ ایک بشارت یہ بھی ہے کہ اس تفسیر کا کام مدینہ منورہ میں ہوا بلکہ بعض بعض مقامات تو ایسے ہیں جن پر نظر ثانی وغیرہ خود مسجد نبوی (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) ہی میں ہوئی ہے اور یہ بات حصول برکت وقبولیت کا قوی وسیلہ ہے۔

اس تفسیر کیلئے حضرت والد صاحب دامت برکاتہم نے جس لگن سے کام کیا اور جس طرح ان کے اوقات میں برکت ڈال دی گئی اور ہمارے اشاعتی مراحل میں بھی جس طرح غیبی امداد کے کرشمے دیکھے گئے اس پر ہم رحمت خاص کے متوجہ ہونے کا یقین رکھتے ہیں۔ **اللھم لک الحمد ولک الشکر**

چونکہ یہ کام انتہائی عظیم اور بے حد احتیاط سے کرنے کا تھا اس لئے ہم نے پہلے فقط جلد اوّل شائع کی تاکہ اس پر اکابر علمائے کرام اور دیگر اہل علم حضرات کی آراء، راہنمائی اور تبصرے آجائیں چنانچہ الحمدللہ حضرات علمائے کرام نے بڑی فراخدلی اور علمی دیانتداری کے ساتھ اپنی آراء سے نوازا ہم تہہ دل سے ان کے مشکور ہیں (جزاہم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء) اب ان حضرات کی رہنمائی کی روشنی میں ہم نے ترتیب وتالیف کا پورا کام کیا ہے تو گویا اب یہ کام اکابر علماء کی ایک بڑی جماعت کا پسند فرمودہ وتجویز کردہ ہے۔

بہرحال اپنی طرف سے اس کام میں بھرپور احتیاط سے کام لیا گیا ہے مگر اہلِ علم اور خصوصاً تصنیف وتالیف کے شعبہ سے وابستہ حضرات بہتر جانتے ہیں کہ اس راستہ کی مشکلات کیا ہوتی ہیں ایک نئی تصنیف کے مقابلہ میں مختلف اقتباسات کی ترتیب قدرے مشکل ہوتی ہے اس لئے اگر اصحاب علم اب بھی تفسیر کا کوئی مقام یا کوئی پہلو مشورہ کے قابل سمجھیں تو ہمیں ضرور اپنے مشورہ سے نوازیں اور جہاں کوئی بات صرف نظر کے قابل ہو تو وہاں اپنی شانِ کریمی سے نوازدیں۔ ۔ ۔ بپوش گر بخطائے رسی وطعنہ مزن کہ ہیچ نفس بشر خالی از خطا نبود

ہم نے اس کی اشاعت میں بھی ہر طرح کے حُسن وزیبائش کا پورا پورا خیال رکھنے کی کوشش کی ہے تفسیر میں موقع ومقام کی مناسبت سے مقدس وتاریخی مقامات کی تصاویر دی ہیں تاکہ قارئین کو زیادہ فائدہ ہو اور ان کی طبیعت کی بشاشت بڑھے۔ خلاصہ یہ ہے ع ہم نے تو کچھ کمی نہ کی جو ہم سے ہوسکا

آخر میں ہم اپنے معاون حضرت مولانا زاہد محمود قاسمی صاحب مدظلہ (مدرس قاسم العلوم ملتان) کے مشکور ہیں جنہوں نے گلدستہ تفاسیر کی ترتیب میں ہمارا بھرپور تعاون کیا اور طبع ہونے سے پہلے پورے مسودہ کو حرف بحرف پڑھا اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمل میں برکت اور قبولیت عطاء فرمائیں، آمین۔

موجودہ ایڈیشن قارئین کی سہولت کیلئے جلد ۳-۴ اور جلد ۵-۶ کو اکٹھا کرکے مکمل 7 حصے پانچ جلدوں میں شائع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرف قبولیت نصیب فرمائیں۔

محتاج دعاء محمد اسحٰق عفی عنہٗ محرم ۱۴۲۸ھ



عرض مرتب

اب اس گلدستہ سے کما حقہ مستفیض ہونے کیلئے ضروری ہے کہ اپنے دل میں آداب وعقیدت وجذبہ محبت کلام اللہ پیدا کیا جائے اور باوضو ہو کر اوّل وآخر درود شریف پڑھ کر مکمل توجہ سے مطالعہ کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری روحانی دنیا اس گلدستہ کی خوشبوؤں سے معطر نہ ہو، قارئین سے التماس ہے کہ وہ اس کی قبولیت وافادیت کو عام کریں اور مجھے اور میرے بزرگوں کو اپنی دُعائے خیر میں یاد فرمائیں۔

یہ "گلدستہ تفاسیر" جو خالصتاً اللہ رب العزت کی رحمت ومدد اور علماء کرام کی مشاورت اور دُعاؤں سے مدینہ منورہ کی بابرکت فضاء میں ترتیب دیا گیا ہے امت مسلمہ کیلئے علوم قرآنی کی اشاعت کا ایک حصہ ہے اس وقت امت مسلمہ کے سامنے اُردو میں متعدد تفاسیر موجود ہیں لیکن عصر حاضر کے ذوق کو مدنظر رکھتے ہوئے اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ مستند اور مقبول عام تفاسیر کے خلاصہ جات ایک جگہ اختصار کا لحاظ رکھتے ہوئے جمع کر دیئے جائیں تا کہ ایک قاری کو متعدد روحانی باغات کی خوشبوئیں ایک ہی گلدستہ میں میسر ہو جائیں جن حضرات کی تفاسیر کو گلدستہ تفاسیر کی زینت بنایا گیا ہے وہ بحمد اللہ مسلمانان عالم میں ایک معتمد مقام رکھتے ہیں اور ان کا سلسلہ علم بالواسطہ حضور اقدس ﷺ سے مربوط ہے اس لئے ان کا کلام بلا شک وشبہ قارئین کیلئے تصحیح عقائد واصلاح باطن کیلئے اکسیر اعظم کا درجہ رکھتا ہے۔

اس تفسیر میں اگر چہ علمائے متقدمین کی علمی بلند پروازی نہیں ہے مگر دَورِ حاضر اور آئندہ آنے والی نسلوں کی ذہنی سطح کے مطابق ان کیلئے بہت مفید ہے۔

پوری تفسیر میں جا بجا متن قرآنی کے نیچے ترجمہ کے علاوہ آیات کے مختلف حصوں اور مختلف الفاظ کے معانی بھی دیئے گئے ہیں تا کہ پڑھنے والے کو قرآنی الفاظ اور ترکیبوں سے واقفیت پیدا ہو۔

فہم قرآن کے شائقین کیلئے بعض مقامات پر آیاتِ قرآنی سے متعلقہ عربی گرائمر اور فصاحت وبلاغت کے رموز وقواعد کی وضاحت بھی کر دی گئی ہے اسی طرح آیات سے تعلق رکھنے والے فقہی مسائل اور عقائد کی بحث بھی ذکر کی گئی ہے۔

جن قرآنی سورۃ وآیات کے پس منظر میں کوئی واقعہ یا کوئی مسئلہ ہے تو ہم نے متعدد تفاسیر سے اس واقعہ کی تفصیلات پر مبنی روایات احادیث، صحابہ اور تابعین کے اقوال نقل کر دیئے ہیں تا کہ کوئی پہلو اوجھل اور تشنہ نہ رہ جائے۔ اس کے علاوہ حسب موقع علم تصوف کی ضروری مباحث بھی تفسیر مظہری سے نقل کی گئی ہیں، آج کل اسلام کے اس بنیادی علم سے بڑی اجنبیت پیدا ہو رہی ہے حالانکہ تاریخ گواہ ہے کہ اسی تصوف اور صوفیاء کی برکت سے قرآنی تعلیمات عام ہوئیں اسلام پھیلا اور اقوام عالم فوج در فوج مسلمان ہوئیں، آج کے دَور کی اشد ضرورت ہے کہ کسی اللہ والے کی صحبت میں رہ کر تصوف کی حقیقت کو سیکھا اور اپنایا جائے سب سے اہم اور آخری گزارش یہ ہے آیات واحکام کی تفسیر وتفصیل میں جہاں اہل علم کے مختلف اقوال ہیں وہاں شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے مسلکِ راجح کی جو وضاحت فرمادی ہے اسے اولیت دی گئی ہے اس کے بعد مختلف تفاسیر سے جو روایات اقوال وغیرہ نقل کئے گئے ہیں ان میں اگر کسی مرجوح قول کا ذکر آ گیا ہے تو اس سے جمہور کے موقف پر کوئی اثر نہیں پڑتا اور ہم نے تفسیر عثمانی اسی لئے بھی اولاً مکمل لی ہے تا کہ مسلکِ حق اور صراطِ مستقیم سے کہیں لغزش نہ ہونے پائے۔

قارئین کی خدمت میں بھی یہی التماس ہے کہ وہ کسی بھی انفرادی قول کو لے کر اس پر اپنے ذہنی اختراع کا نقشہ پڑھا کر خدانخواستہ کسی فکری واعتقادی گمراہی کا شکار ہونے کی بجائے جمہور علمائے اہلسنت والجماعت کے دامن سے وابستہ رہیں اسی میں دنیا وآخرت کی بھلائی ونجات اور ایمان کا تحفظ ہے۔

لاشے عبدالقیوم   رجب ۱۴۲۶ھ

تأثرات

حضرت مولانا قاری محمد عثمان منصور پوری مدظلہٗ العالی

(استاذ حدیث و نائب مہتمم دار العلوم دیوبند)

ایک نایاب تحفہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم حامداً ومصلیاً ومسلماً! محترم الحاج حضرت عبد القیوم صاحب مہاجر مدنی زید مجدھم کی مرتب فرمودہ ''گلدستہ تفاسیر'' کی جلد چہارم کو متعدد مقامات سے مطالعہ کرنے کی توفیق میسر ہوئی۔ الحمد للہ والمنۃ۔

یہ گلدستہ چھ مستند تفاسیر کے اقتباسات حاصل کر کے تیار کیا گیا ہے۔ مرتب کی جانب سے اس میں ایک حرف بھی شامل نہیں کیا گیا۔ واقعی یہ ایک بہت مشکل اور صبر آزما کام تھا مگر خداوند کریم کی خاص توفیق و تیسیر سے مرتب محترم کیلئے یہ کام آسان ہو گیا۔ اور استفادہ کے خواہشمند حضرات کیلئے طویل وعریض تفاسیر کے منتخب علمی، تحقیقی، تاریخی، واصلاحی مضامین ایک جگہ جمع ہو گئے۔

اس ''گلدستہ تفاسیر'' کو متعدد جید علماء کرام نے پسند فرما کر اس پر اپنی شاندار تقریظات تحریر فرمائی ہیں۔ احقر بھی باری تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرتا ہے کہ اس گلدستہ سے استفادہ کی توفیق مرحمت فرمائے۔ اور مرتب محترم کو اس کا بہتر سے بہتر بدلہ دنیا و آخرت میں عطا فرمائے۔ اور اسکی نشر واشاعت کا اہتمام فرمانے والے حضرات کو بھی اپنی خصوصی رحمتوں سے نوازے۔ آمین محمد عثمان منصور پوری خادم مدرس و نائب مہتمم دار العلوم دیوبند

Ph: 01336-223567
Mohd. Usman Mansoorpuri
Ustaz-e-Hadith
Nazim All India Majlis-e-Tahaffuz Khatm-e-Nubuwwat
Darul Uloom Deoband-247554



محمد عثمان منصور پوری
استاذ حدیث
ناظم کل ہند مجلس تحفظ ختم نبوت
دار العلوم دیوبند

ایک نایاب تحفہ

کلمات مبارکہ

از حضرت اقدس استاد العلماء مولانا مفتی عبدالستار صاحب مدظلہم

(مفتی جامعہ خیر المدارس ملتان)

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم اَمَّا بَعْدُ!

ہمارے مشفق ومہربان جناب الحاج عبدالقیوم صاحب مہاجر مدنی مدظلہٗ کے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے عجیب شدت سے یہ جذبہ پیدا کیا کہ عامۃ المسلمین کے نفع کے لئے ایک جامع تفسیر ہو جس میں آیات کی مختلف تفسیریں یکجا جمع ہوں اور اس کے علاوہ تفسیر کے متعلق ضروری مضامین بھی آجائیں۔ تاکہ علماء وطلباء وعوام کے لئے قرآن مجید کی آیات کے مفہوم وتفسیر کو سمجھنا آسان ہو اور متفرق تفاسیر کی ورق گردانی سے بے نیاز ہو جائیں جو چیزیں بہت سے اوراق پلٹنے کے بعد حاصل ہوتی تھیں وہ ایک ہی جگہ بآسانی میسر ہوسکیں۔ اسی جذبہ کے پیش نظر جناب موصوف نے مختلف تفاسیر کو کھنگال کر گلدستہ تفاسیر کے نام سے ایک تفسیری مجموعہ تیار کیا ہے۔ میں نے اس کے بعض اجزاء کو دیکھ کر مفید پایا۔ امید ہے کہ اس کاوش کی بدولت علماء وطلباء اور عوام الناس سب کو ہی بے حد نفع ہوگا۔ اور قارئین حضرات اس کو بہت پسند فرمائیں گے۔ چونکہ یہ تفسیری مضامین مختلف تفاسیر سے منتخب شدہ ہیں، ممکن ہے کہ کہیں کوئی بات بے ربط یا نامکمل رہ گئی ہو تو ایسی جگہ حوالہ کو مدنظر رکھ کر قارئین کرام اصل تفسیر کی طرف رجوع فرما سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے، جناب مؤلف صاحب کو کہ وہ امت مسلمہ کے دینی نفع کیلئے بہت متفکر اور کوشاں رہتے ہیں۔

چنانچہ اسی فکر کی وجہ سے پہلے بھی ایک اسلامی انسائیکلو پیڈیا دینی دسترخوان کے نام سے مرتب کر چکے ہیں۔ جو کہ تین ضخیم جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ اسی طرح تعمیر انسانیت بھی موصوف کی مرتب شدہ کتاب ہے۔ جو کہ دو ضخیم جلدوں میں شائع ہو کر مقبول عام ہو چکی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ مجموعہ تفسیر بھی موصوف کی دیگر کتب کی طرح بہت نافع اور مفید ثابت ہوگا۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ موصوف کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشیں، اور اس کے نفع کو عام وتام بنادیں اور باعثِ بخشش ونجات بنادیں۔

وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔ عبدالستار [illegible]

فہم قرآن کے شائقین کیلئے قرآنی علوم کا گلدستہ

(حضرت مولانا مفتی عبدالقادر صاحب مدظلہ العالیٰ شیخ الحدیث دارالعلوم کبیر والا)

بندہ نے گلدستہ تفاسیر مؤلفہ الحاج جناب عبدالقیوم صاحب ملتانی ثم مدنی کو چند مقامات سے دیکھا ماشاء اللہ بہت مفید اور آسان پایا مؤلف دام مجدہ نے اس امر کا اہتمام فرمایا ہے کہ اکابر کی اُردو تفاسیر کو جمع کر کے یکجا کردیا ہے فہم قرآن کا طالب بہت آسانی سے تھوڑے وقت میں بہت سے اکابر کے علوم سے مستفید ہو جاتا ہے حق تعالےٰ اس تفسیر کو بہت ہی نافع اور مقبول بنائیں۔ وماذٰلک علی اللہ بعزیز۔

''گلدستہ تفاسیر''

دَورِ حاضر کی چھ شاہکار تفسیروں کا حاصل

(حضرت علامہ ڈاکٹر خالد محمود صاحب مدظلہ العالیٰ ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال)

الحمدللہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ امابعد

اس دَور میں پاک و ہند میں جہاں بھی درس قرآن کی مجالس قائم ہیں وہ حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کے اس ارشاد کا حاصل ہیں کہ جہاں تک ہوسکے اس دور میں علوم قرآن کو عام کیا جائے آپ نے مالٹا کے ایام اسیری میں برصغیر پاک وہند کے مسلمانوں کی دینی فلاح اسی میں سمجھی۔

علی العموم مسلمانوں کو اس ترجموں کے سیکھنے اور سمجھنے کی رغبت بھی دلائی جائے۔ علمائے کرام اہل اسلام کو خاص طور سے ترجموں کے سیکھنے اور پڑھنے کی ضرورت اور اس کی منفعت دل نشین کرنے میں کوتاہی نہ فرمائیں بلکہ ترجمہ کی تعلیم کیلئے ایسے سلسلے ہی قائم فرمادیں کہ ہر بات بسہولت اپنی حالت کے مناسب اور فرصت کے موافق حاصل کر سکے۔

اس ملک میں اُردو میں لکھی گئیں دو بڑی تفسیریں (۱) معارف القرآن حضرت مفتی اعظم رحمہ اللہ (۲) معارف القرآن حضرت شیخ الحدیث والتفسیر مولانا کاندھلوی رحمہ اللہ برصغیر پاک وہند میں وہ شہرت پائے ہوئے ہیں کہ درس قرآن دینے والا کوئی عالم دین ان دو سے مستغنی نہیں رہ سکتا۔ تاہم ان دونوں ضخیم تفاسیر کو ساتھ ساتھ رکھنا خاصا مشکل کام تھا حدیث کا خصوصی ذوق رکھنے والوں کیلئے تفسیر ابن کثیر کا ساتھ رکھنا ایک اور کڑی منزل تھی یہ درس قرآن پاک و ہند کے ہر علمی حلقے میں قبولیت سے اس کیلئے سرتاج علماء سند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کا نام نامی اور اسم گرامی اس درجہ ضمانت میں ہے کہ اسے پاک و ہند کا ہر شخص بلا کسی اختلاف کے گھر بیٹھے علم قرآن اور مرادات قرآن پر مطلع ہوسکتا ہے فقہی نقطہ نظر سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمہ اللہ کی تفسیر مظہری نقشبندی سلسلہ کے سالکین کیلئے حرف آخر ہے۔

مولانا عبدالقیوم صاحب نے ان تمام تفاسیر پر خاصی محنت کر کے اس حاصل مطالعہ کو عصر حاضر کے عظیم علمی شاہکار تفسیر عثمانی کے ساتھ جمع کر کے ایک ''گلدستہ تفاسیر'' عوام کے سامنے رکھ دیا ہے جس طرح دعوت کا کام چھ نمبروں پر چل رہا ہے اور اس دَور کی یہ خدمت قرآن بھی ان چھ نمبروں پر چلی ہے۔

راقم الحروف اس گلدستہ کی صرف مہک سے متاثر ہو کر بلکہ حضرت مفتی عبدالستار صاحب کی نظر پسند پر پورا اعتماد کر کے اس خدمت قرآن میں ان چند سطور سے شامل ہو رہا ہے ؎

اجازت ہو تو آ کر اس میں شامل ان میں ہو جاؤں سنا ہے کل تیرے دَر پر ہجومِ عاشقاں ہو گا

قارئین کرام سے گزارش ہے کہ درس قرآن کے ان چھ نمبروں کو ہمیشہ ذہن میں رکھیں اور ہو سکے تو ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان سے یہ چھ علمی ذخیرے اپنے پاس منگوا رکھیں اور کبھی کبھی گلدستہ تفاسیر کے مطالعہ میں ان اصل ماخذ کو بھی دیکھ لیا کریں اس سے یہ بات آپ پر ضرور کھل جائے گی کہ مولف مولانا عبدالقیوم صاحب کس قدر اپنی علمی سفر میں کامیاب ہوئے ہیں۔

آخر میں اللہ رب العزت مؤلف اور اس گلدستہ تفاسیر کے جملہ مقرظین کو ان چھ مفسرین کے ساتھ جمع کرے آمین۔

؎ زہے نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

خالد محمود عفی اللہ عنہ

(ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی آف مانچسٹر حال وارد مدرسہ نعمتُ الرحیم ملتان)

یہ تفسیر اکابر کی تفاسیر کا نچوڑ ہے اور مسلکِ حق کی پوری پوری ترجمانی ہے

(حضرت مولانا نعیم الدین صاحب مدظلہ العالی مدیر"انوار مدینہ" اُستاذِ حدیث جامعہ مدنیہ لاہور)

"ادارہ تالیفات اشرفیہ" ملتان کے مؤسس و بانی مولانا محمد اسحاق صاحب زید مجدہم کے والد محترم مولانا عبدالقیوم مدنی مدظلہم کو اللہ تعالیٰ نے اُمتِ مسلمہ کی اصلاح کا ایک خاص جذبہ عطاء فرمایا ہے اس جذبہ کے تحت انہوں نے بہت سی وقیع کتابیں تحریر فرمائی ہیں جنہیں عوام الناس میں پذیرائی حاصل ہوئی ہے حال ہی میں مولانا موصوف نے عامۃ المسلمین کے نفع کے پیش نظر ایک جامع تفسیر لکھنی شروع کی ہے، زیرتبصرہ کتاب "گلدستہ تفاسیر" میں تفسیر عثمانی مکمل اور تفسیر ابن کثیر، تفسیر مظہری، تفسیر معارف القرآن (حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ)، تفسیر معارف القرآن (حضرت مولانا مفتی اعظم مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ) کا خلاصہ درج کیا ہے۔

مزید برآں یہ کہ موقع ومحل کی مناسبت سے دیگر اکابر واعلام رحمہم اللہ کے تفسیری نکات اور معارف وبصائر ذکر کیے ہیں۔

اس لحاظ سے اس تفسیر کو اکابر کی تفاسیر کا نچوڑ اور خلاصہ کہا جا سکتا ہے، بلاشبہ حضرت موصوف نے اس میں نہایت عرق ریزی سے کام لیا ہے اور واقعتاً مستند تفاسیر کا گلدستہ عوام کے سامنے پیش کر دیا ہے۔

یہ تفسیر اس لحاظ سے بھی بہترین تفسیر کہی جاسکتی ہے کہ اس میں مسلکِ حق کی پوری پوری ترجمانی کی گئی ہے خدا کرے کہ یہ تفسیر پایۂ تکمیل کو پہنچے اور عوام الناس کی رشد وہدایت کا ذریعہ بنے۔

اللہ تعالیٰ مفسر اور ناشر دونوں کی کوشش وکاوش کو قبول فرمائے۔ کتاب کی طباعت اور کتابت انتہائی عمدہ ہے اور کتاب حُسنِ معنوی کے ساتھ حُسنِ ظاہری سے بھی آراستہ ہے، عوام الناس، عُلماء، طلباء اس سے ضرور فائدہ اُٹھائیں۔

مفسر قرآن حضرت مولانا محمد اسلم شیخوپوری مدظلہ

(کالم نگار ضرب مومن کراچی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم اما بعد

اشتغال بالقرآن کو افضل الاشغال قرار دیا گیا ہے جس خوش قسمت انسان کا کلام اللہ سے سچا تعلق قائم ہو جاتا ہے اسے پھر کسی دوسرے کام اور کلام میں مزہ نہیں آتا قرآن کی تلاوت اور اس میں فہم وتدبر کے ذریعے باری تعالیٰ سے جو تعلق جڑتا ہے وہ کبھی نہیں ٹوٹتا۔

حضرت نظام الدین سلطان المشائخ رحمہ اللہ سے مولانا فخر الدین رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ کلام اللہ میں مشغولی بہتر ہے یا ذکر میں؟ تو آپ نے ارشاد فرمایا "ذکر سے وصول جلد ہوتا ہے مگر ساتھ ہی خوف زوال بھی لگا رہتا ہے تلاوت میں وصول دیر سے ہوتا ہے مگر زوال کا خوف نہیں ہوتا"

قرآن مجید ایک ناپیدا کنار سمندر ہے اسی کی تہہ میں لاتعداد خزانے مخفی ہیں چودہ سو سال سے باذوق اہل ایمان ان خزانوں کی تلاش میں ہیں اور بقدر استطاعت استخراج واستنباط میں لگے ہوئے ہیں لیکن کسی کو یہ دعویٰ کرنے کی جرأت نہیں ہوئی کہ میں نے وہ سارے حقائق واسرار، رموز واشارات، معانی ومفاہیم طشت از بام کر دئے ہیں جو اس میں پوشیدہ ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ کسی نہ کسی انداز میں اس کتاب مقدس کی خدمت میں لگے رہنا ہی سعادت ہے حضرت مولانا حاجی عبدالقیوم مہاجر مدنی دامت برکاتہم نے بھی "گلدستہ تفاسیر" ترتیب دے کر حصول سعادت کی کوشش کی ہے اس بات کا فیصلہ اہل علم اور قارئین کریں گے وہ اس کوشش میں کہاں تک کامیاب ہوئے ہیں، جہاں تک بارگاہ الٰہی کا تعلق ہے وہاں سچی طلب اور اخلاص کو دیکھا جاتا ہے۔ حضرت حاجی صاحب کی گذشتہ زندگی گواہی دیتی ہے کہ انہیں یہ دونوں نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔ اللہ کرے کہ ایسا ہی ہو اور وہ تازندگی امت مسلمہ کی فلاح واصلاح کیلئے سوچتے تڑپتے اور لکھتے رہیں۔

والسلام　محتاجِ دعا　محمد اسلم شیخوپوری

تأثرات

حضرت مولانا محمد اکرم کشمیری مدظلہ العالی

(استاذ حدیث و مدیر ''ماہنامہ الحسن'' جامعہ اشرفیہ لاہور)

''گلدستۂ تفاسیر'' مخدوم العلماء الحاج حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہم کی ایک ایسی تالیف لطیف ہے جسے مؤلف نے برصغیر کی مشہور ترین اردو اور عربی تفاسیر سے یکجا کر کے بجا طور پر ایک گلدستہ کی شکل میں امت مسلمہ کے استفادہ کے لئے پیش فرمایا ہے۔ مؤلف گرامی علمی عملی لحاظ سے عصر حاضر کی مایہ ناز ہستی ہیں، آبائی وطن پاکستان کو چھوڑ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہر مدینہ منورہ میں جلوہ افروز ہیں ان کی ہجرت من کانت هجرته الى الله ورسوله فهجرته الى الله ورسوله. (یعنی جس نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا اور خوشنودی کے لئے ہجرت کی، اپنا وطن چھوڑا تو اس نے واقعی اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف ہجرت کی کا مصداق ہے۔ حضرت ہمہ وقت فکر آخرت اور تبلیغ دین کی مساعی جمیلہ میں مصروف رہتے ہیں۔ علم و عمل میں ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے شب و روز کوشاں رہتے ہیں اصلاح امت کا غم انہیں مسلسل لگا رہتا ہے۔ حضرت نے علم و عمل کی طرح ان کے قلم میں بھی بڑی برکت اور کشش ہے غالباً بلکہ یقیناً ان کے خلوص کا اثر ہے کہ ان کی تصانیف و تالیفات کو اللہ تعالیٰ نے جو شرف پذیرائی بخشا ہے وہ کم ہی کسی کو نصیب ہوا ہے۔ مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی مدظلہ نے اس خیال سے کہ مصروفیت کے اس دور میں جب کہ لوگ طویل تفاسیر کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتے بلکہ ان کے مطالعہ سے بھی قاصر ہیں ایک مختصر مگر جامع تفسیر ''گلدستۂ تفاسیر'' کے نام سے پیش کی ہے۔ یہ تفسیر اپنے اندر ان گنت خوبیاں رکھتی ہے جن میں سے چند ایک یہ ہیں۔

یہ تفسیر کہنے کو مشہور چھ تفاسیر (جن میں (۱) تفسیر عثمانی۔ (۲) تفسیر ابن کثیر۔ (۳) تفسیر مظہری۔ (۴) تفسیر عزیزی۔ (۵) تفسیر معارف القرآن کاندھلوی۔ (۶) تفسیر معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع قدس اللہ سرہ کا خلاصہ اور نچوڑ ہے جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اس تفسیر میں متقدمین اور متاخرین کے علوم کو سمو دیا گیا ہے۔ تفسیر عثمانی جو خود کوزے میں دریا بند کرنے کا مصداق ہے اکابر کے علوم و معارف کا انمول خزانہ ہے اس میں مکمل شامل ہے۔ پھر حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی قدس سرہ کی تفسیر عزیزی جس کے بارے میں علماء کرام کا کہنا یہ ہے کہ اگر یہ تفسیر مکمل ہو جاتی تو شاید کسی اور تفسیر کی ضرورت ہی نہ پڑتی کے رموز و حقائق، تفسیر ابن کثیر کی مستند روایات۔ مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ کے مسائل و معارف اور حضرت الاستاذ مولانا محمد ادریس کاندھلوی قدس سرہ کے علمی نکات نے اس گلدستۂ تفاسیر کو اور بھی چار چاند لگا دیے ہیں۔

یہ تفسیر عوام و خواص کیلئے نہایت مفید ہے

(حضرت مولانا موسی کرماڈی مدظلہ العالی کا لندن سے مکتوب)

محترم المقام حضرت الحاج عبدالقیوم صاحب مدظلہ العالی مہاجر مدنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

بعدہٗ، امید ہے کہ آپ حضرات بخیر و عافیت ہونگے دیگر آنجناب کی ترتیب شدہ تفسیر بنام ''گلدستہ تفاسیر'' کی پہلی جلد برخوردار یہ ٹرسٹ کراچی کی معرفت موصول ہوئی الحمدللہ پڑھ کر بہت ہی مسرت ہوئی، ماشاء اللہ ہمارے بزرگوں کی معتبر تفاسیر کو سامنے رکھ کر ایسی ضروری باتیں ایک جگہ جمع کر دی گئی ہیں جو عوام و خواص سب کیلئے نہایت مفید اور کارآمد ثابت ہوں گی اور بار بار ان تفاسیر کی اوراق گردانی کی ضرورت باقی نہیں رہے گی، یہ سلسلہ بہت ہی پسند آیا مبارک ہو اللہ پاک آنجناب کو مزید ہمت و توفیق عطا فرمائے، اگرچہ یہ کام کافی لمبا اور دشوار ہے مگر ہمت مرداں مدد خدا.................. اللہ کرے یہ مبارک سلسلہ جلد مکمل ہو۔ آمین

مولانا موسی سلیمان کرماڈی

سیکرٹری: اسلامک ایجوکیشن ٹرسٹ یو۔ کے ۸۶ ھامپٹن روڈ فوریسٹ گیٹ، لندن

فہرست عنوانات

سورة الفاتحه تا سورة آل عمران



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَۙ‏ ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِۙ‏ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِؕ‏ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ

سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو پالنے والا سارے جہان کا بے حد مہربان نہایت رحم والا مالک روز جزا کا تیری ہی ہم

نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُؕ‏ ﴿۴﴾ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَۙ‏ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيۡنَ

بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں بتلا ہم کو راہ سیدھی راہ ان لوگوں کی

اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ﴿۷﴾

جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے

تمہید سورۃ الفاتحہ

حمد بے حد اور سپاس بے قیاس خالی مدح سے نہیں ہوتی اس لئے کہ حمد کا اکثر اطلاق اس غنی حمید ہی پر ہوتا ہے نیز حمد زندہ ہی کی ہوتی ہے۔

امام کے پیچھے فاتحہ کا مسئلہ: اس سورت کا نماز میں پڑھا جانا تو ضروری ہے مگر ہر نمازی کے لئے نہیں بلکہ جو امام ہو یا منفرد ہو یعنی اپنی تنہا نماز پڑھتا ہو اس کے لئے نماز میں فاتحہ کا پڑھنا ضروری ہے اور مقتدی کے لئے امام کے پیچھے سننا اور خاموش رہنا فرض اور لازم ہے مقتدی کو امام کے پیچھے کچھ پڑھنا جائز نہیں۔ اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ کا ارشاد ہے۔ **واذا قری القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون۔**

''یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو نہایت غور اور توجہ کے ساتھ امام کی قراءت کی طرف کان لگا کر سنو اور بالکل خاموش رہو۔ امید ہے کہ اگر تم نے امام کی قراءت کو سنا اور خاموش کھڑے رہے اور امام کے ساتھ قرآن میں کوئی منازعت اور مخالجت نہ کی تو تم پر رحم کیا جائے گا یعنی مقتدیوں سے رحمت خداوندی کا وعدہ سننے اور چپ رہنے کے ساتھ مشروط ہے ورنہ پھر یہ وعدہ نہیں اور یہ آیت بالا جماع قراءت خلف الامام کے بارہ میں نازل ہوئی جیسا کہ امام بیہقی اور زرقانی نے اس کی تصریح کی ہے اور احادیث صحیحہ مشہورہ میں ہے کہ **اذاقرا فانصتوا** ۔ جب امام پڑھے تم خاموش رہو اور جس حدیث میں یہ آیا ہے کہ **لاصلوة الا بفاتحة الكتاب** کہ بغیر فاتحہ کے نماز نہیں ہوتی سو امام احمد بن حنبلؒ اور سفیان بن عیینہ سے ترمذی اور ابوداؤد میں ہے کہ یہ حکم امام اور منفرد کا ہے احادیث دو قسم کی ہیں ایک وہ قسم ہے کہ جس میں امام اور منفرد کے احکام وارد ہوئے ہیں ان میں یہ آیا ہے کہ نماز میں فاتحہ پڑھنا ضروری ہے اور دوسری قسم احادیث کی وہ ہے کہ جس میں مقتدی کے احکام آئے ہیں ان تمام احادیث میں صرف یہی حکم آیا ہے کہ **اذاقرا فانصتوا** کہ جب امام پڑھے تم خاموش رہو امام کے احکام الگ ہیں اور مقتدی کے احکام الگ اپنی اپنی جگہ دونوں ٹھیک ہیں امام پڑھے اور مقتدی خاموش رہے دونوں میں کوئی تعارض نہیں۔

وہ کلمات جنہیں نصاریٰ اپنی نمازوں میں پڑھتے ہیں

انجیل متی باب ششم آیت نہم میں ہے کہ اس طرح نماز پڑھا کرو۔ ''اے ہمارے باپ تو جو آسمان پر ہے تیرا نام پاک ہو تیری بادشاہت آتی جائے۔'' ''تیری مشیت جیسے آسمان پر پوری ہوتی ہے ایسے ہی زمین پر بھی ہو ہماری روز کی روٹی آج ہمیں دے'' ''اور ہماری خطاؤں کو معاف کر جیسا کہ ہم اپنے خطا کاروں کی خطائیں معاف کرتے ہیں'' ''اور ہم کو آزمائش میں نہ ڈال بلکہ برے لوگوں سے بچا آمین۔ یعنی قبول فرما۔''

ارباب فہم و بصیرت اگر سورۃ فاتحہ کے بعد اس عبارت پر ایک نظر ڈالیں تو ان کو بخوبی منکشف ہو جائے گا کہ اس عبارت کو سورہ فاتحہ کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں جوثری (خاک) کو ثریا سے ہے۔

خواب میں قرآن کی سورتوں کو پڑھنے کی تعبیر

جس نے سورہ فاتحہ کو پورا یا کچھ خواب میں پڑھا تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ وہ ایسی دعائیں کرے گا جو قبول ہوں گی اور ایسا فائدہ حاصل کرے گا جس سے اس کو مسرت ہوگی اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی تعبیر یہ ہے کہ اس کے پڑھنے والے کی عمر دراز ہوگی اور اُس کا خاتمہ ایمان پر ہوگا اور وہ مستجاب الدعوات ہوگا اور جس کی دلیل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا ہے کہ آپ ہر دعا کے بعد پہلے اور بعد الحمد للہ رب العلمین پڑھا کرتے تھے۔ (تعبیر الرؤیا علامہ ابن سیرین)

اسرار مجموعہ سورت:۱۔ اس صورت میں دس چیزیں مذکور ہیں۔ پانچ چیزیں خدا تعالیٰ کے متعلق ہیں اور پانچ بندوں کے متعلق ہیں۔ خدا کے متعلق جو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں۔ الوہیت' ربوبیت' رحمانیت' رحیمیت' مالکیت بندہ کے متعلق جو چیزیں ہیں وہ یہ ہیں۔ عبادت' استعانت' طلب ہدایت۔ طلب استقامت' طلب نعمت۔

بندہ کی یہ پانچ صفتیں اسی ترتیب سے خدا تعالیٰ کی پانچ صفتوں سے متعلق ہیں اور معنی کلام یہ ہیں کہ اے خدا تعالیٰ ہم خاص تیری عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ تو ہمارا اللہ یعنی معبود ہے اور خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اس لئے کہ تو ہی تمام جہانوں کا مربی اور پرورش کرنے والا ہے اور تجھ ہی سے ہدایت کی درخواست کرتے ہیں۔ اس لئے کہ تو رحمٰن ہے تیری رحمت اور مہربانی عام ہے اور تجھ ہی سے استقامت کی التجا کرتے ہیں اس لئے کہ تو رحیم ہے۔ تیری خاص رحمت خاص اہل ایمان اور اہل ہدایت ہی پر مبذول ہے اور تجھ ہی سے انعام کے امیدوار ہیں۔ اس لئے کہ تو ہی جزاء اور سزا کا مالک ہے ایسی کامل نعمت ہم کو عطا فرما کہ جو غضب اور ضلال کے شائبہ سے بالکل پاک ہو (تفسیر کبیر ص۱۵۱ جلد۱)

۲۔ نیز بندہ جب مقام مناجات میں کھڑا ہوا اور خدا کی صفات کمال بیان کرتا ہوا مالک یوم الدین تک پہنچا تو بے اختیار سیر الی اللہ کا شوق دامنگیر ہوا۔ ارادہ سفر کا مصمم کیا تو سفر کے لئے عبادت کا توشہ لیا۔ اور استعانت اور امداد خداوندی کی سواری پر سوار ہوا۔ زاد اور راحلہ کے مکمل ہو جانے کے بعد راستہ معلوم کیا۔ جب سیدھا راستہ معلوم ہوگیا تو رفقاء طریق کی فکر ہوئی کہ جن کی رفاقت اور معیت سے راستہ سہولت سے قطع ہو اور راہزنوں یعنی اہل غضب اور اہل ضلال کا کوئی خدشہ اور دغدغہ باقی نہ رہے۔ (تفسیر عزیزی ص ۴۸)

۳۔ جن علوم کی حضرات انبیاء علیہ الصلوۃ والسلام نے دعوت دی وہ تین علم ہیں۔ علم شریعت' علم طریقت' علم حقیقت اور پھر علم شریعت کی دو قسمیں ہیں۔ اول علم عقائد' دوم علم احکام۔ سو الحمد للہ رب العلمین الرحمن الرحیم مالک یوم الدین۔ میں الٰہیات یعنی خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کا بیان ہے اور اھدنا الصراط المستقیم الخ میں ہدایت اور ضلالت سعادت اور شقاوت کا بیان ہے اور چونکہ الذین انعمت علیہم سے انبیاء صدیقین' شہداء اور صالحین مراد ہیں۔ اس لئے اس آیت میں مباحث نبوت و امامت کی طرف اشارہ ہے اور ایاک نعبد میں علم احکام کی طرف اشارہ ہے علم طریقت جس میں نفس اور قلب کے امراض اور معالجات سے بحث کی جاتی ہے۔ اس کے تین مرتبے ہیں۔ پہلا مرتبہ توحید فی العبادۃ ہے کہ سوائے خدا تعالیٰ کے کسی کی عبادت نہ کرے۔ دوسرا مرتبہ توحید فی الاستعانت ہے یعنی سوائے خدا کے کسی سے مدد نہ مانگے۔ تیسرا مرتبہ استقامت ہے یہ سلوک کا اعلیٰ مرتبہ ہے کہ طریق عبودیت اور جادہ اخلاص و محبت پر قدم ایسا ٹھیک جم جائے کہ ذرہ برابر ادھر ادھر ہٹنے نہ پائے۔ ان مراحل اور مقامات کے طے ہو جانے کے بعد درجہ ہے مکاشفات اور تجلیات کا کہ قلب پر سحائب الہام کی بارش ہونے لگے اور علوم اور معارف اسرار اور لطائف منکشف ہونے لگیں۔ یہ علم حقیقت ہے اللہ تعالیٰ جس پر چاہے اپنا انعام فرمائے۔ صراط الذین انعمت علیہم میں اسی علم کی طرف اشارہ ہے۔

(حضرت کاندھلوی [illegible])

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ﴿شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے﴾

رحمٰن اور رحیم دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور رحمٰن میں رحیم سے زیادہ مبالغہ ہے ترجمہ میں ان سب باتوں کا لحاظ ہے۔

بسم اللہ قرآن کی ایک آیت ہے

اس پر تمام اہلِ اسلام کا اتفاق ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ قرآن میں سورۂ نمل کا جزو ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ سوائے سورہ توبہ کے ہر سورت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰهِ لکھی جاتی ہے، اس میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ سورۂ فاتحہ کا یا تمام سورتوں کا جز ہے یا نہیں؟ امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ ہے کہ بِسْمِ اللّٰهِ بجز سورۂ نمل کے اور کسی سورت کا جزء نہیں، بلکہ ایک مستقل آیت ہے، جو ہر سورۃ کے شروع میں دو سورتوں کے درمیان فصل اور امتیاز ظاہر کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے،

بسم اللہ سے شروع کرنے کا حکم

اہلِ جاہلیت کی عادت تھی کہ اپنے کاموں کو بتوں کے نام سے شروع کیا کرتے تھے، اس رسم جاہلیت کو مٹانے کے لئے قرآن کی سب سے پہلی آیت جو جبرئیل امین لے کر آئے اس میں قرآن کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کا حکم دیا گیا، (اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ)۔

علامہ سیوطیؒ نے فرمایا کہ قرآن کے سوا دوسری تمام آسمانی کتابیں بھی (بِسْمِ اللّٰهِ) سے شروع کی گئی ہیں، اور بعض علماء نے فرمایا ہے کہ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) قرآن اور امت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے، دونوں کی تطبیق یہ ہے کہ اللہ کے نام سے شروع کرنا تو آسمانی کتابوں میں مشترک ہے، مگر الفاظ (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) قرآن کی خصوصیت ہے، جیسا کہ بعض روایات میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی ابتداء میں ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کرنے کے لئے بِاسْمِكَ اللّٰهُمَّ کہتے اور لکھتے تھے، جب آیت: (بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) نازل ہوئی تو انہیں الفاظ کو اختیار فرما لیا، اور ہمیشہ کے لئے یہ سنت جاری ہوگئی، (قرطبی روح المعانی)

قرآن کریم میں جا بجا اس کی ہدایت ہے کہ ہر کام کو اللہ کے نام سے شروع کیا جائے، اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر مہم کام جو (بِسْمِ اللّٰهِ) سے شروع نہ کیا جائے وہ بے برکت رہتا ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ گھر کا دروازہ بند کرو تو بسم اللہ کہو، چراغ گل کرو تو (بِسْمِ اللّٰهِ) کہو، برتن ڈھکو تو (بِسْمِ اللّٰهِ) کہو، کھانا کھانے، پانی پینے، وضو کرنے، سواری پر سوار ہونے اور اترنے کے وقت (بِسْمِ اللّٰهِ) پڑھنے کی ہدایات قرآن و حدیث میں بار بار آئی ہیں۔ (قرطبی)

احکام و مسائل

مسئلہ تعوذ: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھنا، قرآن کریم میں ارشاد ہے: (ترجمہ) ''یعنی جب تم قرآن کی تلاوت کرو تو اللہ سے پناہ مانگو شیطان مردود کے شر سے۔''

قرأت قرآن سے پہلے تعوذ پڑھنا با جماع امت سنت ہے، خواہ تلاوت نماز کے اندر ہو یا خارج نماز (شرح منیہ) تعوذ پڑھنا تلاوت قرآن کے ساتھ مخصوص ہے، علاوہ تلاوت کے دوسرے کاموں کے شروع میں صرف بسم اللہ پڑھی جائے تعوذ مسنون نہیں، (عالمگیری، باب رابع من الراہیہ)

مسئلہ: قرآن کی تلاوت شروع کرنے کے وقت اول اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور پھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنا سنت ہے، اور درمیان تلاوت بھی سورۂ برأت کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے،

تفسیر: بسم اللہ، یہ کلمہ تین لفظوں سے مرکب ہے، ایک حرف باء، دوسرے اسم، تیسرے اللہ، حرف باء، عربی زبان میں بہت سے معانی کے لئے استعمال ہوتی ہے، جن میں سے تین معنی مناسب مقام ہیں، ان میں سے ہر ایک معنی اس جگہ لئے جا سکتے ہیں:

اول، مصاحبت، یعنی کسی چیز کا کسی چیز سے متصل ہونا، دوسرے، استعانت، یعنی کسی چیز سے مدد حاصل کرنا، تیسرے تبرک، یعنی کسی چیز سے برکت حاصل کرنا۔ لفظ اسم میں لغوی اور علمی تفصیلات بہت ہیں، جن کا جاننا عوام کیلئے ضروری نہیں، اتنا سمجھ لینا کافی ہے کہ اردو میں اس کا ترجمہ نام سے کیا جاتا ہے،

لفظ اللہ، اللہ تعالیٰ کے ناموں میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ جامع نام ہے، اور بعض علماء نے اسی کو اسم اعظم کہا ہے۔ (تفسیر معارف القرآن مفتی اعظم)

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ

سب تعریفیں اللہ کیلئے ہیں

سب تعریفوں کا مستحق:

یعنی سب تعریفیں عمدہ سے عمدہ اول سے آخر تک جو ہوئی ہیں اور جو ہونگی خدا ہی کو لائق ہیں۔ کیونکہ ہر نعمت اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا وہی ہے خواہ بلا واسطہ عطا فرمائے یا بواسطہ جیسے دھوپ کی وجہ سے اگر کسی کو حرارت یا نور پہنچے تو حقیقت میں آفتاب کا فیض ہے۔

حمدرا باتو نسبتے ست درست بردر ہر کہ رفت بردرتست

﴿تفسیر عثمانی﴾

رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝۱

جو پالنے والا سارے جہان کا

عالم: مجموعہ مخلوقات کو عالم کہتے ہیں اور اسی لئے اس کی جمع نہیں لاتے۔ مگر آیت میں عالم سے مراد ہر ہر جنس (مثلاً عالم جن، عالم ملائکہ عالم انس وغیرہ وغیرہ) ہیں۔ اس لئے جمع لائے تا کہ جملہ افراد عالم کا مخلوق جناب باری ہونا خوب ظاہر ہو جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝۲ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝۳

بے حد مہربان نہایت رحم والا ملک روز جزا کا

روزِ جزاء:

اس کے خاص کرنے کی اول وجہ تو یہی ہے کہ اس دن بڑے بڑے امور پیش آئیں گے ایسا خوفناک روز جو نہ پہلے ہوا نہ آگے کو ہوگا دوسرے اس روز بجز ذات پاک حق تعالیٰ کے کسی کو ملک وحکومت ظاہری بھی تو نصیب نہ ہوگی۔ (لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ) ﴿تفسیر عثمانی﴾

بادشاہ اور مالک:

بعض علماء ملک بمعنی بادشاہ کی قراءت کو راجح قرار دیتے ہیں بادشاہ کا حکم تمام ملک اور تمام رعایا پر جاری اور نافذ ہوتا ہے، بادشاہ کی اطاعت سب پر واجب ہے اور مالک کی اطاعت فقط اس کے مملوک پر واجب ہے مالکیت انسان اور غیر انسان سب کو شامل ہے مملوک بھاگ کر مالک کی ملکیت سے نہیں نکل سکتا۔ مالک اپنی مملوک کو فروخت کر سکتا ہے، بادشاہ رعایا کو فروخت نہیں کر سکتا غلام پر مولی کی خدمت واجب ہے، رعایا پر بادشاہ کی خدمت واجب نہیں، غلام بغیر آقا کی اجازت اور اذن کے کوئی تصرف نہیں کر سکتا غلام کے پیش نظر ہر وقت آقا کی خوشنودی رہتی ہے غلام کو آقا سے توقع رحم وکرم کی ہوتی ہے اور رعیت کو بادشاہ سے عدل وانصاف کی امید ہوتی ہے بادشاہت میں ہیبت زیادہ ہے اور مالکیت میں شفقت اور عنایت زیادہ ہے بادشاہ کے سامنے جب لشکر پیش ہوتا ہے تو ضعیفوں اور کمزوروں اور بیماروں کو نظر انداز کر دیتا ہے اور مالک ضعیف اور کمزور غلاموں پر اور مزید توجہ کرتا ہے۔

بادشاہ کو رعایا سے اتنی محبت اور تعلق نہیں جتنا کہ آقا کو غلام سے ہوتا ہے اور عاشقوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مژدہ جانفزا نہیں کہ محبوب کو ہم سے محبت اور تعلق ہے کھیتی پک جانے کے بعد اگر اس پر درانتی نہ چلائی۔ گندم اور بھوسہ الگ الگ نہ کیا جائے تو اس کھیتی کو ضائع کرنا ہے اسی طرح اگر اس عالم کی تربیت ختم ہو جانے کے بعد مومن اور کافر سعید اور شقی کو جدا جدا نہ کیا جائے تو عالم کی تربیت کا ضائع اور بیکار ہونا لازم آئے گا۔

بادشاہت کیلئے روز جزاء کو اس لئے خاص کیا گیا کہ اس کے جلال و جمال کا بلا واسطہ ظہور علی وجہ التمام والکمال عالم کے ہر ہر فرد کے سامنے ایک ہی آن میں صرف اسی روز ہوگا۔

رحمت کی یہ فراوانی کہیں بندوں کو مغرور نہ بنا دے اس لئے مالک یوم الدین کا اضافہ فرمایا تا کہ رغبت کے ساتھ رہبت کا ضروری ہونا معلوم ہو جائے جیسے (غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ) کے بعد شَدِيْدِ الْعِقَابِ کی صفت کا ذکر فرمایا۔

اور عجب نہیں کہ (الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) کا (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) سے پہلے ذکر کرنا سَبَقَتْ رَحْمَتِیْ غَضَبِیْ کی جانب مشیر ہو۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝۴

تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں

﴿اس آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ اس کی ذات پاک کے سوا کسی سے حقیقت میں مدد مانگنی بالکل ناجائز ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

استعانت وتوسل کی تحقیق

مدد ماتحتِ اسباب:

☆ یہ دوسرا مسئلہ کسی سے مدد مانگنے مسئلہ کا ذرا تشریح طلب ہے، کیونکہ ایک مدد تو مادی اسباب کے ماتحت ہر انسان دوسرے انسان سے لیتا ہے، اس کے بغیر اس دنیا کا نظام چل ہی نہیں سکتا، صنعت کار اپنی صنعت کے ذریعہ ساری مخلوق کی خدمت کرتا ہے، مزدور، معمار، بڑھئی، لوہار سب مخلوق کی مدد میں لگے ہوئے ہیں، اور ہر شخص ان سے مدد لینے پر مجبور ہے، ظاہر ہے کہ یہ کسی دین اور شریعت میں ممنوع نہیں، وہ اس استعانت میں داخل نہیں، جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، اسی طرح غیر مادی اسباب کے ذریعہ کسی نبی یا ولی سے دعاء کرنے کی مدد مانگنا یا ان کا وسیلہ دے کر براہِ راست اللہ تعالیٰ سے دعاء مانگنا روایاتِ حدیث اور اشارات قرآن سے اس کا بھی جواز ثابت ہے، وہ بھی اس استعانت میں داخل نہیں جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص اور غیر اللہ کے لئے حرام وشرک ہے۔

مخصوص مدد:

اب وہ مخصوص استعانت وامداد جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اور غیر اللہ کے لئے شرک ہے کونسی ہے اس کی دو قسمیں ہیں، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی فرشتے یا پیغمبر یا ولی یا کسی اور انسان کو خدا تعالیٰ کی طرح قادر مطلق اور مختارِ مطلق سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگے، یہ تو ایسا کھلا ہوا کفر ہے کہ عام مشرکین بت پرست بھی اس کو کفر سمجھتے ہیں، اپنے بتوں، دیوتاؤں کو بالکل خدا تعالیٰ کی مثل قادرِ مطلق اور مختارِ مطلق یہ کفار بھی نہیں کہتے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کو کفار اختیار کرتے ہیں، اور قرآن اور اسلام اس کو باطل و شرک قرار دیتا ہے، ایاک نستعین میں یہی مراد ہے، کہ ایسی استعانت وامداد ہم اللہ کے سوا کسی سے نہیں چاہتے، وہ یہ ہے کہ اللہ کی کسی مخلوق فرشتے یا پیغمبر یا ولی یا کسی دیوتا کے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ اگرچہ قادرِ مطلق اللہ تعالیٰ ہی ہے اور کامل اختیارات اسی کے ہیں، لیکن اس نے اپنی قدرت واختیار کا کچھ حصہ فلاں شخص کو سونپ دیا ہے، اور اس دائرے میں وہ خود مختار ہے یہی وہ استعانت واستمداد ہے جو مومن وکافر میں فرق اور اسلام وکفر میں امتیاز کرتی ہے، قرآن اس کو شرک وحرام قرار دیتا ہے، بت پرست مشرکین اس کے قائم اور اس پر عامل ہیں،

محتاط مقام: اس معاملے میں دھوکہ یہاں سے لگتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بہت سے فرشتوں کے ہاتھوں دنیوی نظام کے بہت سے کام جاری کرتے ہیں، دیکھنے والا اس مغالطے میں پڑ سکتا ہے کہ اس فرشتے کو اللہ تعالیٰ نے یہ اختیار سپرد کر دیا ہے، یا بہت انبیاء علیہم السلام کے ذریعے بہت سے ایسے کام وجود میں آتے ہیں جو عام انسانوں کی قدرت سے خارج ہیں، جن کو معجزات کہا جاتا ہے، اسی طرح اولیاء اللہ کے ذریعے بھی ایسے ہی بہت سے کام وجود میں آتے ہیں، جن کو کرامات کہا جاتا ہے، یہاں سرسری نظر والوں کو یہ مغالطہ لگ جاتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کاموں کی قدرت واختیار ان کو سپرد نہ کرتا تو ان کے ہاتھ سے یہ کیسے وجود میں آتے؟ اس سے وہ ان انبیاء واولیاء کو ایک درجے میں مختار کار ہونے کا عقیدہ بنا لیتے ہیں حالانکہ حقیقت یوں نہیں، بلکہ معجزات اور کرامات براہِ راست حق تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے، صرف اس کا ظہور پیغمبر یا ولی کے ہاتھوں پر ان کی عظمت ثابت کرنے کے لئے کیا جاتا ہے، پیغمبر اور ولی کا اس کے وجود میں آنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا، قرآن مجید کی بے شمار آیات اس پر شاہد ہیں۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

ارشادات اولیاء (وسیلہ کے متعلق)

قرآن پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

اے ایمان والو! ڈرتے رہو اللہ پاک سے اور ڈھونڈو اس تک وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تاکہ تمہارا بھلا ہو۔

اَیْ تَقَرَّبُوْا اِلَیْهِ بِطَاعَةِ وَالْعَمَلِ بِمَایُرْضِیْهِ.

یعنی اللہ کا قرب حاصل کرو اس کی فرمانبرداری اور رضامندی کیساتھ۔

آیت کریمہ میں مخاطب مومن ہے۔ پہلا حکم اس کو تقویٰ کا دیا جاتا ہے اس لئے کہ تقویٰ مِلَاکُ الْحَسَنَاتِ یعنی ساری نیکیوں کی جڑ اور اصل ہے خوف خدا ہی انسان کو برے کاموں سے باز رکھتا ہے۔

دوسرا حکم وسیلہ کا ہے۔ جس کی تفسیر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور تابعین عظام نے طاعت اور عمل صالح سے کی ہے تو جیسا کہ وسیلہ

میں ایمان اور عمل صالح داخل ہیں اسی طرح انبیاء وصلحاء کی صحبت و اطاعت بھی داخل ہے فرمان خداوندی ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو۔

تو انبیاء علیہم السلام سچے، صلحاء سچے، تو ان کی معیت واجب اور ان کو وسیلہ بنانا درست اور اسی بنا پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت عباسؓ کو ایک موقع پر بارش کے لئے وسیلہ بنایا تھا اور عرض کیا تھا کہ اے اللہ جب تک تیرے حبیب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں موجود تھے تو ہم ان کو وسیلہ بناتے تھے، اب ہم ان کے عم محترم کو وسیلہ بناتے ہیں اس قحط کو دور کر دیجئے اور بارش برسا دیجئے۔ چنانچہ اللہ پاک نے دعا قبول فرمائی اور باران رحمت شروع ہو گیا۔

تیسرا حکم جہاد کا ہے جہاد دو قسم کا ہے ایک جہاد مع الکفار ہے اور دوسرا جہاد مع النفس ہے اور یہ آخری جہاد پہلے سے زیادہ ضروری ہے اور سخت بھی ہے چنانچہ جب ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے خلاف جہاد سے واپس ہوئے تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ارشاد فرمایا۔

رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ۔

''واپس ہوئے ہم چھوٹے جہاد سے بڑے جہاد کی طرف''

اَیْ الْجِهَادُ مَعَ النَّفْسِ یعنی نفس کے ساتھ جہاد کو بڑا فرمایا اور کفار کے ساتھ جہاد کو چھوٹا جہاد فرمایا۔

کافر ایسا دشمن ہے جس کا مقابلہ تیر وتفنگ سے ہو سکتا ہے قلعہ وحصار سے ہو سکتا ہے اور اگر یہ دونوں طریقے کامیاب نہ ہو سکیں تو انسان حفاظت جان کے لئے راہ فرار اختیار کر سکتا ہے۔ لیکن اَعْدٰی عَدُوِّکَ نَفْسُکَ الَّتِیْ بَیْنَ جَنْبَیْکَ سخت سے سخت دشمن اے انسان تیرا نفس ہے جو تیرے بدن میں ہے اس سے نہ تجھے قلعہ وحصار بچا سکتا ہے نہ تیر و تفنگ، نہ راہ فرار بلکہ اس سے نجات کا ہتھیار اگر ہے تو استغفار ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت سے فرمایا ہے کہ میں نے تم میں دو عظیم الشان نشانیاں چھوڑی ہیں، ایک کتاب اللہ اور دوسری اپنی آل ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑو، تم کبھی گمراہ نہ ہو گے کتاب اللہ پر عمل کرنے سے اعمال کی درستی نصیحت و عبرت اور خدا کی مرضی کے مطابق زندگی بسر کرنا نصیب ہو گا اور آل کی متابعت کرنے میں تزکیہ نفس اور تصفیہ باطن حاصل ہو گا اور آل صرف سادات پر منحصر نہیں بلکہ ایک دوسری حدیث شریف میں ہے:

کُلُّ تَقِیٍّ نَقِیٍّ فَهُوَ اٰلِیْ یعنی ہر پرہیزگار اور نیکوکار میری آل ہے تو نیکوکار سید ہو یا غیر سید اس کا دامن پکڑنا اور اس کے طریقہ پر چلنا ایسا ہی ضروری ہے جیسے کتاب اللہ کو مضبوطی سے پکڑنا اور اس پر عمل کرنا۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ غنیۃ الطالبین میں فرماتے ہیں کہ شروع سے اللہ تعالیٰ نے روحانی تربیت کا سلسلہ اس طرح قائم کیا ہے کہ ایک فیض دیتا ہے اور دوسرا فیض لیتا ہے انبیاء علیہم السلام اور ان کے جانشین صحابہ کرام اور ان کے بعد ان کے تربیت یافتہ حضرات علی ہذا القیاس یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا اور یہ امر نہایت شاذ و نادر ہے کہ خداوند قدوس کسی دوسرے کی تربیت کے بغیر مقامات عالیہ تک ترقی دے دے۔ مثال کے طور پر حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات اقدس کو لیجئے کہ بے شک ان کو مقامات تو مل گئے لیکن چونکہ صحبت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم حاصل نہ ہوئی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ اطہر سے بالمشافہ فیض حاصل نہیں کیا تو تابعین کی صف میں آ گئے اور اس افضلیت سے محروم رہے جو صحبت کے اثر سے حاصل ہوتی۔

اسی طرح عام انسانوں کی حالت کو مدنظر رکھتے ہوئے شیخ کامل کی ضرورت ثابت ہوتی ہے کیونکہ اکثر یہی ہوا ہے کہ بلا تربیت شیخ کامل کوئی شخص منازل سلوک طے نہیں کر سکتا:

فَلَا یَنْبَغِیْ لَهٗ اَنْ یَّنْقَطِعَ عَنِ الشَّیْخِ حَتّٰی یَتَغَنّٰی عَنْهُ بِالْوُصُوْلِ اِلٰی رَبِّهٖ عَزَّوَجَلَّ۔

یعنی مرید کو شیخ کی خدمت سے اس وقت تک جدا نہ ہونا چاہیے جب تک وصول الی اللہ نصیب نہ ہو کیونکہ قدیم سے رسم چلی آتی ہے اور تجربہ اس پر گواہ ہے کہ اندرونی نجاستوں اور غلاظتوں سے پاک صاف ہونا اور نماز کو خشوع وحضور قلب سے ادا کرنا جیسا کہ:

اُعْبُدُ اللّٰهَ کَاَنَّکَ تَرَاهُ فَاِنْ لَّمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَاِنَّهٗ یَرَاکَ۔

(یعنی اللہ کی ایسی عبادت کرو گویا تم اس کو دیکھ رہے ہو اور اگر یہ مقام نصیب نہ ہو تو پھر عبادت میں یہ دھیان کرو کہ اللہ تم کو دیکھ

رہا ہے) اور یہی مقام احسان ہے تو بھلا یہ مقام بغیر تربیت شیخ کیسے ہاتھ آئے گا۔ یہ مقام علم کے حاصل کر لینے اور انبار در انبار کتابوں کے مطالعہ کر لینے سے حاصل نہیں ہوسکتا۔

در کنز و ہدایہ نہ شناسی تو خدارا
در مصحف دل بیں کہ کتابے بہ ازیں نیست

یعنی کنز و ہدایہ کے پڑھنے سے معرفت حق حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ دل کی کتاب میں نظر کرو، معرفت رب کے لئے دل کی کتاب سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے انوار قدسیہ میں شیخ کامل کی پیروی کو واجب لکھا ہے دلیل یہ بیان کی ہے کہ اندرونی نجاستوں کا دور کرنا واجب ہے اور وہ بغیر تربیت شیخ کامل ممکن نہیں پس شیخ کامل کا دامن پکڑنا بھی واجب ہے پھر کہتے ہیں:

وَلَوْ تَكَلَّفَ لَا يَنْفَعُ بِغَيْرِ شَيْخٍ وَلَوْ حَفِظَ اَلْفَ كِتَابٍ

''اگر انسان خود بخود کوشش کر کے اس مقام کو بلا واسطہ شیخ حاصل کرنا چاہے تو اس کو نفع نہ ہوگا اگر چہ ہزاروں کتابیں حفظ کر لے۔

مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

مولوی ہرگز نہ شد مولائے روم
تا غلام شمس تبریزی نہ شد

''یعنی مولانائے روم رحمۃ اللہ علیہ کو ناموری اس وقت تک حاصل نہ ہوئی جب تک انہوں نے حضرت شمس تبریزؒ کی مریدی نہ اختیار کی'' اور اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ علم سینہ ہے علم سفینہ نہیں۔

لہٰذا اے برادران عزیز! کسی شیخ کامل کی تلاش کرلو، اس کے دامن کو پکڑلو تاکہ نفس کے شکار نہ ہو جاؤ، نفس کا ڈاکہ مومن کے ایمان پر ہوتا ہے اور ایمان کی حفاظت فرض ہے اور ایمان کی حفاظت کا وسیلہ شیخ کامل ہے وہ تم کو شریعت پر چلنے کی تلقین کرے گا کتاب وسنت پر لگائے گا اور جب کتاب وسنت دونوں کو مضبوطی سے پکڑے رہو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے ایمان محفوظ رہے گا۔

امام احمد بن حنبلؒ صاحب المذہب ابتداء میں اپنے بیٹے کو وصیت فرماتے تھے کہ دیکھو بیٹے صوفیاء کی صحبت میں کبھی نہ بیٹھنا کیونکہ یہ لوگ شریعت کے احکام سے بے خبر ہوتے ہیں حدیث کا علم حاصل کرو اور اس میں مشغول رہو لیکن جب ابوحمزہ بغدادیؒ کی مجلس میں حاضر ہوئے اور ان کی زبان سے رموز شریعت سنے تو آنکھیں کھل گئیں اور بیٹے سے فرمانے لگے بیٹا صوفیوں سے بدظن نہ ہو جاؤ بلکہ ان کی صحبت لازمی طور پر اختیار کرو اس لئے کہ اسرار الٰہیہ اور معارف شریعت کے خزانوں سے مطلع ہونا انہی کا حق ہے ہم لوگ تو بے بہرہ ہیں یہی لوگ حقیقی زہد تقویٰ اور اخلاص کے مالک ہیں جنہیں فقہاء محدثین سینکڑوں دفتروں سے بھی حاصل نہیں کر سکتے ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ مجتہد اعظم فرماتے ہیں:

اَلْفَقِيْهُ مُحْتَاجٌ اِلٰى مَعْرِفَةِ اِصْلَاحِ الصُّوْفِيَةِ لِيُفِيْدَ لَهُ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَمْ يَكُنْ عِنْدَهُ یعنی فقہ کا عالم اپنی اصلاح نفس کے لئے صوفی کا محتاج ہے تاکہ علم کا فائدہ جو کہ اصلاح نفس ہے اسے حاصل ہو جس کا حصول بغیر صحبت شیخ کے ممکن نہیں۔

جلیل القدر محدث، حافظ ابن حجرؒ شارح بخاری فرماتے ہیں ''طالب خدا کو چاہئے کہ کسی شیخ عارف کو اپنا پیر بنا لے جو احکام شریعت وطریقت سے خوب واقف ہو اور جب ایسا کامل رہبر کسی کو مل جائے تو اس پر حرام ہے کہ اس کی صحبت کو چھوڑ دے اور میرے اس دعوے پر چار گواہ موجود ہیں کتاب سنت اجماع امت اور قیاس۔

شمس الدین امام المسلمین امام ابوحنیفۃ النعمان علیہ رحمۃ المنان کا یہ جملہ مشہور ہے لَوْلَا السَّنَتَانِ لَهَلَكَ النُّعْمَانُ اگر یہ دو سال (تصوف کے) نہ ملتے تو نعمان (یعنی میں) ہلاک ہو جاتا۔

ارشاد خداوندی ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو''

سچے وہ لوگ ہیں جو ظاہراً و باطناً شریعت مطہرہ کے پابند ہوں، ان کی معیت کی وجہ سے ظاہر شریعت پر عمل کرنے سے آراستہ ہو جائے گا اور باطن انوار معرفت سے منور ہو جائے گا اور آخرت میں بھی ان کی معیت حاصل ہو گی۔ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے اس کو محبت ہوتی ہے۔

شنیدم کہ درروز امید وبیم بداں را بہ نیکاں بخشد کریم

بروں کو یعنی نیکی میں کوتاہی کرنے والوں کو قیامت کے دن اللہ کریم نیکوں کے طفیل بخش دے گا

مور مسکیں ہوسے داشت کہ در کعبہ رسد
دست درپائے کبوتر زود ناگاہ رسید

ضعیف چیونٹی کو کعبہ جانے کا شوق تھا تا کہ اس کا طواف کرے اس آرزو کی تکمیل کے لئے وہ کسی کبوتر کے قدم سے چمٹ گئی کبوتر اڑا اور خانہ کعبہ پہنچا اور بیت اللہ کے سات چکر کئے اس طرح مسکین چیونٹی کا بھی طواف ہو گیا۔ یہ ایک تمثیل ہے مرید صادق چیونٹی کی طرح کمزور بھی ہو، اس کے باوجود اگر وہ شیخ کامل کے قدم مضبوطی سے پکڑ لے اور اس کے دامن سے پیوستہ و وابستہ رہے تو اللہ پاک اس کے وسیلہ سے مرید کو بھی منزل مقصود تک پہنچا دے گا۔

برادر عزیز! شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ مادرزاد ولی تھے لیکن وہ بھی شیخ کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے بغیر نہ رہ سکے اسی طرح بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ مادرزاد ولی تھے لیکن داخل سلسلہ ہونے کے لئے شیخ کے محتاج تھے الغرض بہت سے اولیاء اللہ مادرزاد ولی پیدا ہوئے لیکن بغیر صحبت شیخ کے نہ رہ سکے اس لئے کہ اَلصُّحْبَةُ مُؤَثِّرَةٌ ہر صحبت کا اثر ہوتا ہے۔ نیک کا نیک برے کا برا۔

صحبت صالح ترا صالح کند صحبت طالح ترا طالح کند

اچھے کی صحبت تجھے اچھا بنا دے گی برے کی برا اور یہ اثر صرف انسان ہی میں نہیں بلکہ حیوان میں بھی پیدا ہوتا ہے۔

سگ اصحاب کہف روزے چند پئے نیکاں گرفت مردم شد

اصحاب کہف کے کتے نے تھوڑے دن نیکوں کی پیروی کی آدمی بن گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کی ماہیت اور حقیقت بدل گئی کہ ﴿وَكَلْبُهُمْ بَاسِطٌ ذِرَاعَيْهِ بِالْوَصِيدِ﴾ ان کا کتا غار کی دہلیز پر دونوں ہاتھ پھیلائے بیٹھا تھا نص قطعی ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ اس کی صفات بدل گئیں کیونکہ روایت ہے کہ وہ کتا جنت میں جائے گا اب آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب صلحاء و اولیاء کی صحبت سے کتے کو یہ مقام حاصل ہو سکتا ہے تو اگر مومنین و موحدین صلحاء کے ساتھ صحیح صحبت رکھیں تو ان کا مقام کتنا بلند ہوگا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح محبت رکھنے والا مومن و موحد ظاہراً و باطناً شریعت کا عامل بھی ہو تو اس کا مقام کتنا بلند ہوگا؟ اور حیوان کو چھوڑیئے جمادات بھی صحبت کے اثر کو قبول کرتے ہیں۔

گلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکی یا عبیری کہ از بوئے دلاویزے تو مستم
بگفتا من گلے ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہمنشین درمن اثر کرد وگرنہ من ہماں خاکم کہ ہستم

شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، ایک دن ایک دوست نے حمام میں مجھے مٹی دی جس سے خوشبو آتی تھی، میں اس مٹی سے ہم کلام ہوا اور پوچھا یہ بتا کہ تو مشک ہے یا عبیر کہ تیری دلآویز خوشبو سے میں مست ہوا جا رہا ہوں۔ (خدا نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی اور اس نے جواب دیا، میں بیکار مٹی تھی لیکن کچھ دن پھول کے ساتھ رہی تو اس کی خوبی اور خوشبو نے میرے اندر اپنا اثر کیا اور مجھے بھی خوشبودار بنا دیا ورنہ میں تو وہی مٹی ہوں جو پہلے تھی۔

تو اے برادر! جب مجتہدین مذاہب اور مادرزاد اولیاء اہل باطن کی صحبت سے بے نیاز نہیں ہوئے تو بتایئے ہماری کیا حیثیت ہے کہ ہم اس نعمت کے محتاج نہ ہوں۔ برادران عزیز! دلائل سے جب علمی و عملی بیعت اور صحبت شیخ کی ضرورت واضح ہو گئی تو اٹھو، دیر مت کرو، شیخ کامل کی تلاش کر لو۔ اس کے ہاتھ پر توبہ کر لو۔ آخرت کی فکر میں لگ جاؤ۔ اس کے لئے توشہ جمع کر لو تا کہ وہاں مفلس نہ رہو۔ دنیا کی عزت مال سے ہے آخرت کی عزت اعمال سے ہے۔ پتہ نہیں زندگی کتنی باقی ہے ایسا نہ ہو کہ دنیا سے بلا توبہ چلے جاؤ۔

عمر برف است موت آفتاب تموز اند کے ماند خواجہ غرہ ہنوز

یعنی عمر بہ منزلہ برف کے ہے اور موت بہ منزلہ تیز دھوپ کے جس طرح دھوپ برف کو پگھلاتی اور بالآخر فنا کر دیتی ہے اسی طرح موت عمر کو کھا جاتی ہے اور زندگی کو ختم کر دیتی ہے تو اے بھائی! آخر کب تک یہ خواب غفلت؟ بیدار ہو جا اور موت کی اچانک آمد سے پہلے جلد از جلد توبہ کر لے۔

عَجِّلُوْا بِالتَّوْبَةِ قَبْلَ الْمَوْتِ مرنے سے پہلے توبہ کرنے میں جلدی کرو کہ موت کا وقت معلوم نہیں ہر دن عمر کا آخری دن سمجھ لو اور ہر رات آخری رات۔

بیعت وصحبت شیخ کی ضرورت واہمیت کے بیان سے آپ پر روز روشن کی طرح اس کی ضرورت واضح ہوگئی تو آپ کے لئے ان آداب کا جاننا بھی ضروری ہے جو ہر مرید کے لئے ضروری ہیں اس لئے وہ بھی بطور اختصار بیان کئے جاتے ہیں اور کچھ شرائط جو شیخ کے لئے ضروری ہیں وہ بھی واضح کی جاتی ہیں تا کہ رسمی بیعت اور گندم نما جوفروشوں کے چکر میں پھنس کر طالبان حق اپنا قیمتی وقت ضائع نہ کریں اور بالآخر پشیمان نہ ہوں۔ ﴿ارشادات حضرت عبداللہ شاہ صاحبؒ﴾

اسلوب کی تبدیلی:

شروع سورت میں حمد اور ثناء کا ذکر تھا اور تعریف اور ثناء غائبانہ زیادہ بہتر ہے اس لئے کہ غائبانہ حمد زیادہ اخلاص کی علامت ہے اور (اِیَّاکَ نَعْبُدُ) میں عبادت کا ذکر ہے اور عبادت اور خدمت حضوری میں ہوتی ہے (۲) نیز نمازی نے جب نماز شروع کی تو شروع نماز میں بمنزلہ اجنبی کے آ کر کھڑا ہو گیا اور خداوند ذوالجلال کی غائبانہ حمد وثناء شروع کی اور (اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) کہا یعنی اسم ظاہر کے ساتھ اس کی حمد و ثناء کی اور اسم ظاہر حکم میں غائب کے ہے اور جب حمد وثناء حد کمال کو پہنچی تو جو حجابات درمیان میں تھے وہ اٹھ گئے اور بعد قرب سے اور اجنبیت یگانگت سے بدل گئی اور یہ شخص اس قابل ہو گیا کہ خداوند ذوالجلال کے حضور بصیغہ خطاب عرض معروض کر سکے (۳) نیز (اِیَّاکَ نَعْبُدُ) کے بعد ہدایت کے سوال کا ذکر ہے اور سوال اور درخواست حضور ہی میں زیادہ بہتر اور مناسب ہوتی ہے اس لئے کہ جب سخی سے سامنے سوال کیا جائے تو سخی اور کریم اس کے رد کرنے سے شرماتا ہے۔

پناہ بلندی و پستی توئی   ہمہ نیستند آنچہ ہستی توئی

توحید وجود الٰہی دلیل کا محتاج نہیں ہے:

امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص وجود باری یا توحید باری کا منکر ہو وہ ناجی نہیں بلکہ ناری ہے اگرچہ اس کو کسی نبی کی دعوت نہ پہنچی ہو اس لئے کہ وجود باری اور توحید باری کا مسئلہ فطری اور عقلی اور بدیہی ہے اور عقلاء عالم کا اجماع ہے بعثت انبیاء پر موقوف نہیں حجت پوری ہو چکی ہے لہذا اب کوئی عذر مسموع نہیں۔

اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ
بتلا ہم کو راہ سیدھی راہ
الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ
اُن لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا جن نہ تیرا غصہ ہوا
عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّآلِّیْنَ ۝
اور نہ وہ گمراہ ہوئے

انعام یافتہ:

جن پر انعام کیا گیا وہ چار فرقے ہیں نبیین وصدیقین وشہداء وصالحین کلام اللہ میں دوسرے موقع پر اس کی تصریح ہے۔

گمراہ مغضوب:

اور (اَلْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ) یہود اور ضالین سے نصاری مراد ہیں۔ دیگر آیات وروایات اس پر شاہد ہیں اور صراط مستقیم سے محرومی کل دو طرح پر ہوتی ہے۔ عدم علم یا جان بوجھ کر کوئی فرقہ گمراہ اگلا پچھلا ان دو سے خارج نہیں ہو سکتا سو نصاری تو وجہ اول میں اور یہود دوسری میں ممتاز ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

صراط کا معنیٰ:

حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ صراط اصل میں اس راستہ کو کہتے ہیں جو۔ (۱) مستقیم یعنی سیدھا ہو (۲) اور موصل الی المقصود ہو یعنی مقصد تک پہنچانے والا ہو (۳) سب سے زیادہ قریب اور نزدیک ہو (۴) وسیع اور کشادہ ہو (۵) اور مقصد تک پہنچنے کے لئے اس کے سوا اور کوئی راستہ نہ ہو جس راستہ میں یہ پانچوں باتیں پائی جائیں اس کو صراط کہتے ہیں۔

سورۃ کے مضامین

یہ سورت خدا تعالیٰ نے بندوں کی زبان سے فرمائی کہ جب ہمارے دربار میں حاضر ہو تو ہم سے یوں سوال کیا کرو اس لئے اس سورت کا ایک نام تعلیم مسئلہ بھی ہے اس سورت کے ختم پر لفظ امین کہنا مسنون ہے اور یہ لفظ قرآن شریف سے خارج ہے معنی اس لفظ کے یہ ہیں کہ "الٰہی

ایسا ہی ہو" یعنی مقبول بندوں کی پیروی اور نافرمانوں سے علیحدگی میسر ہو اس سورت کے اول نصف میں اللہ تعالیٰ کی ثنا وصفت اور دوسرے حصہ میں بندہ کیلئے دعا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

سورۂ فاتحہ میں پہلے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء ہے، پھر صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کا اقرار اور اس کا اظہار ہے کہ اس کے سوا کسی کو اپنا حاجت روا نہیں سمجھتے، یہ گویا حلف وفاداری ہے جو انسان اپنے رب کے ساتھ کرتا ہے، اس کے بعد پھر ایک اہم دعاء ہے جو تمام انسانی مقاصد و ضروریات پر حاوی ہے، اور اس میں بہت سے فوائد اور مسائل ضمنی آئے ہیں، ان میں سے اہم کو لکھا جاتا ہے،

دعاء کرنے کا طریقہ

(۱) اس خاص اسلوب کلام کے ذریعہ انسان کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ جب اللہ جل شانہٗ سے کوئی دعاء ودرخواست کرنا ہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے اس کی حمد وثناء کا فرض بجالا کر پھر حلف وفاداری اس بات کا کرو کہ اس کے سوا نہ کسی کو لائق عبادت سمجھتے ہیں اور نہ کسی کو حقیقی معنی میں مشکل کشا اور حاجت روا مانتے ہیں، اس کے بعد اپنے مطلب کی دعاء کرو، اس طریقہ سے جو دعا کی جائے گی اس کے قبول ہونے کی قوی امید ہے۔ (احکام جصاص)

جامع دُعاء:

اور دعاء میں بھی ایسی جامع دعاء اختیار کرو جس میں اختصار کے ساتھ انسان کے تمام مقاصد داخل ہو جائیں، جیسے ہدایت صراط مستقیم کہ دنیا ودین کے ہر کام میں اگر انسان کا راستہ سیدھا ہو جائے تو کہیں ٹھوکر لگنے اور نقصان پہنچنے کا خطرہ نہیں رہتا، غرض اس جگہ خود حق تعالیٰ کی طرف سے اپنی حمد وثناء بیان کرنے کا اصل مقصد انسان کو تعلیم دینا ہے۔ ﴿معارف القرآن مفتی اعظم﴾

سورۃ البقرہ

خلاصہ: لکھا ہے کہ پانچ سو حکم شرعی اس سورۃ میں مندرج ہیں۔ اور ہر چند کہ اس سورۃ میں قسم قسم کے امور عجیبہ اور صنف صنف کے حالات غریبہ الہیہ مذکور ہیں چھ ہزار اکیس کلمے ہیں اور پچیس ہزار پانچ سو حرف ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

سورۂ بقرہ کے فضائل

قرآن کی بلندی:

حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ بقرہ قرآن کی کوہان ہے اور اس کی بلندی ہے اس کی ایک ایک آیت کے ساتھ اسی اسی فرشتے نازل ہوتے تھے اور بالخصوص آیت الکرسی تو خاص عرش کے نیچے سے نازل ہوئی اور اس سورت کے ساتھ ملائی گئی سورہ یٰسٓ قرآن کا دل ہے جو شخص اسے اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور آخرت طلبی کے لئے پڑھے اسے بخش دیا جاتا ہے اس سورت کو مرنے والوں کے سامنے پڑھا کرو۔ (مسند احمد)

گھروں میں پڑھو:

مسند احمد، صحیح مسلم، ترمذی اور نسائی میں حدیث ہے کہ اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ جس گھر میں سورہ بقرہ پڑھی جائے وہاں شیطان داخل نہیں ہوسکتا۔

شیطان سے نجات

مسند دارمی میں حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جس گھر میں سورۂ بقرہ پڑھی جائے اس گھر سے شیطان گوز مارتا ہوا بھاگ جاتا ہے ہر چیز کی اونچائی (چوٹی) ہوتی ہے اور قرآن کی اونچائی (چوٹی) سورۂ بقرہ ہے ہر چیز کا لباب (خلاصہ) ہوتا ہے اور قرآن کا لباب مفصل کی سورتیں ہیں۔

اے بقرہ والو!:

ابن مردویہ میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے اپنے اصحابؓ میں کچھ سستی دیکھی تو انہیں یَا اَصْحَابُ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ کہہ کر پکارا غالباً یہ حنین والے دن کا ذکر ہے جب لشکر کے قدم اکھڑ گئے تھے تو حضورؐ کے حکم سے حضرت عباسؓ نے اے درخت والو یعنی اے بیعت الرضوان کرنے

والے اور اے سورۂ بقرہ والو کہہ کر پکارا تھا تاکہ انہیں خوشی اور دلیری پیدا ہو چنانچہ اس آواز کے ساتھ ہی صحابہؓ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔

حضرت اُسیدؓ کا واقعہ:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک مرتبہ رات کو سورۂ بقرہ کی تلاوت شروع کی ان کا گھوڑا جوان کے پاس ہی بندھا ہوا تھا اس نے اچھلنا کودنا اور بدکنا شروع کیا۔ آپ نے قرات چھوڑ دی گھوڑا بھی سیدھا ہو گیا آپ نے پھر پڑھنا شروع کیا گھوڑے نے بھی پھر بدکنا شروع کیا آپ نے پھر پڑھنا موقوف کیا گھوڑا بھی ٹھیک ٹھاک ہو گیا۔ تیسری مرتبہ بھی یہی ہوا چونکہ ان کے صاحبزادے یحیٰی گھوڑے کے پاس ہی لیٹے ہوئے تھے اس لئے ڈر معلوم ہوا کہ کہیں بچے کو چوٹ نہ آ جائے قرآن کا پڑھنا بند کر کے اسے اٹھا لیا آسمان کی طرف دیکھا کہ جانور کے بدکنے کی کیا وجہ ہے؟ صبح حضورؐ کی خدمت میں آ کر واقعہ بیان کرنے لگے آپ سنتے جاتے ہیں اور فرماتے جاتے ہیں اسید پڑھتے چلے جاؤ حضرت اسیدؓ نے کہا حضور! تیسری مرتبہ کے بعد تو یحیٰی کی وجہ سے میں نے پڑھنا بالکل بند کر دیا۔ اب جو نگاہ اٹھی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نورانی چیز سایہ دار ابر کی طرح کی ہے اور اس میں چراغوں کی طرح کی روشنی ہے بس میرے دیکھتے ہی دیکھتے وہ اوپر کو اٹھ گئی آپؐ نے فرمایا جانتے ہو یہ کیا چیز تھی؟ یہ فرشتے تھے جو تمہاری آواز کو سن کر قریب آ گئے تھے اگر تم پڑھنا موقوف نہ کرتے تو وہ صبح تک یونہی رہتے اور ہر شخص انہیں دیکھ لیتا کسی سے نہ چھپتے۔ یہ حدیث کئی کتابوں میں کئی سندوں کے ساتھ موجود ہے واللہ علم۔

دو نورانی سورتیں:

مسند احمد میں ہے قرآن پڑھا کرو یہ اپنے پڑھنے والوں کی قیامت کے دن شفاعت کرے گا دو نورانی سورتوں بقرہ اور آل عمران کو پڑھتے رہا کرو یہ دونوں قیامت کے دن اس طرح آئیں گی کہ گویا دو سائبان ہیں یا دو ابر ہیں یا پر کھولے پرندوں کی دو جماعتیں ہیں اپنے پڑھنے والوں کی طرف سے خدا تعالیٰ سے سفارش کریں گی۔

اسمِ اعظم:

ایک شخص نے اپنی نماز میں سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھی اس کے فارغ ہونے کے بعد حضرت کعبؓ نے فرمایا خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان میں خدا کا وہ نام ہے کہ اس نام کے ساتھ جب کبھی اسے پکارا جائے وہ قبول فرماتا ہے اب اس شخص نے حضرت کعب سے عرض کی کہ مجھے بتلائیے کہ وہ نام کونسا ہے؟ حضرت کعب نے اس سے انکار کیا اور فرمایا اگر میں بتا دوں تو خوف ہے کہ کہیں تو اس نام کی برکت سے ایسی دعا نہ مانگ لے جو میری اور تیری ہلاکت کا سبب بن جائے۔

سورۃ بقرہ کے حافظ کی فضیلت

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لشکر بھیجتے تھے اور امیر مقرر کرنے میں تردد کرتے تھے ہر ایک کو اہل لشکر سے روبرو اپنے بلا کر تفتیش فرماتے کہ کون کون سی سورۃ قرآن سے پڑھتے ہو تو جو کوئی جو کچھ یاد رکھتا تھا پڑھتا تھا یہاں تک کہ نوبت ایک جوان کی پہنچی کہ عمر میں سب سے چھوٹا تھا اس سے بھی پوچھا کہ تجھ کو کونسی سورۃ قرآن سے یاد ہے اس نے عرض کی کہ فلانی سورۃ اور فلانی سورۃ اور سورۃ بقرہ بھی آنحضرت نے فرمایا کہ کیا سورت بقرہ بھی یاد ہے تجھ کو عرض کیا کہ ہاں یا رسول اللہ فرمایا جا تو اس لشکر کا امیر ہے اس وقت میں اس قوم کے بزرگوں میں سے ایک شخص نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ مجھ سے بھی ہو سکتا تھا یاد کرنا سورۃ بقرہ کا لیکن ڈرا میں کہ اگر سورۃ بقرہ کو یاد کروں میں پس تہجد میں بسبب بڑی ہونے اس کی ہر روز نہ پڑھ سکوں گا اس سبب سے اس سورۃ کو یاد نہ کیا میں نے۔ ارشاد فرمایا یہ خیال نہ کرو اور قرآن کو سیکھو اس واسطے کہ جو کوئی قرآن کو سیکھے اور تہجد میں پڑھے مثال اس کی ایسی ہے جیسا کہ ایک تھیلا مشک سے پر ہے کہ منہ اس کا کھول دیا ہے بو اس کی ہر مکان میں پہنچتی ہے اور جو کوئی کہ قرآن کو یاد کرتا ہے اور نہیں پڑھتا اور قرآن اس کے سینہ میں ہو وہ مانند اس تھیلا کے ہے کہ مشک سے پر ہے اور منہ اس کا خوب باندھ رکھا ہے اور اس حدیث کو ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابو ہریرہؓ سے روایت کیا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی سورۃ بقرۃ اور آل عمران کو جمعہ کی رات کو پڑھے اس کو اس کا ایسا ثواب دیتے ہیں کہ مابین لبیدا اور عروبا کا پر کرنا ہے لبیدا نام ساتویں زمین کا ہے اور عروبا نام ساتویں آسمان کا ہے۔

ابوعبید نے ایک سفید ریش اہل مدینہ منورہ سے روایت کی ہے کہ اہل محلّہ انصار کے ایک دن صبح کے نزدیک آنحضرت کے پاس آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ رات کو محلے ہمارے میں ایک طرفہ عجوبہ نمودار ہوا کہ تمام گھر ثابت

بن قیس بن شماس کا چراغوں کی روشنی سے پر تھا سبب اس کا معلوم نہیں۔

آنحضرت نے فرمایا کہ شاید وہ اپنے گھر میں سورۃ بقرہ پڑھتا ہوا اس سے پوچھو چند آدمی آگے ثابت بن قیس کے گئے اور پوچھا کہ شب کو تہجد میں کیا تو نے پڑھا تھا کہا سورۃ بقرہ اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ حضرت امیر المومنین عمرؓ بن الخطاب نے سورۃ بقرہ کو بارہ برس میں پڑھا تھا تمام حقائق اور دقائق کے ساتھ اور ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے کھانا بہت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یاروں کو کھلایا تھا اور ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ سورۃ بقرہ کے پڑھنے میں آٹھ برس مشغول رہے بعد آٹھ برس کے ختم کی خلاصہ یہ ہے کہ یہ سورۃ نزدیک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اور صحابہ کرام کے بڑی عظمت رکھتی تھی کہ اور سورتیں اس قدر نہیں رکھتی تھیں اور اس سورۃ کے آزمودہ خواص سے یہ ہے کہ وقت نکلنے آبلہ اطفال کے کہ اس کو چیچک کہتے ہیں صبح کے وقت نہار منہ اس سورۃ کو خوب حرفوں کو ادا کر کے آہستہ آہستہ بچہ کے سامنے پڑھ کر دم کریں اور لڑکا بھی نہار منہ ہو ساتھ فضل خدا کے اس برس چیچک اس لڑکے کے نہ نکلے اور اگر نکلے تکلیف زیادہ نہ ہو اور کچھ نقصان نہ پہنچے لیکن شرط یہ ہے کہ اس کے شروع کے وقت ڈھائی پاؤ چاول شکر اور دہی کے ساتھ کہ بقدر حاجت ہو کسی مستحق کو اس جگہ بٹھا کر کھلائیں اور وہ مستحق روبرو پڑھنے والے اس لڑکے کے کھاوے۔

سورۂ بقرہ مدینہ میں نازل ہوئی اس میں دو سو

چھیاسی آیتیں اور چالیس رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ

حروف مقطعات:

ان حروف کو مقطعات کہتے ہیں ان کے اصلی معنی تک اوروں کی رسائی نہیں۔ بلکہ یہ بھید ہے اللہ اور رسول کے درمیان جو بوجہ مصلحت وحکمت ظاہر نہیں فرمایا اور بعض اکابر سے جو ان کے معنی منقول ہیں اس سے صرف تمثیل وتنبیہ وتسہیل مقصود ہے یہ نہیں کہ مراد حق تعالیٰ کی یہ ہے تو اب اس کو رائے شخصی کہہ کر تغلیط کرنا محض شخصی رائے ہے جو تحقیق علماء کے بالکل خلاف ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ الٓمٓ اور حمٓ اور الٓمٓصٓ اور صٓ یہ سب سورتوں کی ابتدا ہے جن سے یہ سورتیں شروع ہوتی ہیں۔

مقطعات کا مجموعہ:

سورتوں کے شروع میں اس طرح کے کل چودہ حرف آئے ہیں ا ل م ص ر ک ہ ی ع ط س ح ق ن۔ ان سب کو اگر ملا لیا جائے تو یہ عبارت بنتی ہے نص حکیم قاطع لہ سر۔ تعداد کے لحاظ سے یہ حروف چودہ ہیں اور جملہ حروف چونکہ اٹھائیس ہیں اس لئے یہ پورے آدھے ہوئے۔

ان حروف کو لانے کی غرض:

ان حروف کے بعد کلام پاک کی عظمت وعزت کا ذکر ہے جس سے یہ بات قوی معلوم ہوتی ہے کہ یہ حروف اس لئے لائے گئے ہیں کہ لوگ اس کے معارضے اور مقابلے سے عاجز ہیں واللہ اعلم۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

قرآن میں ان کی حیثیت

☆ میرے شیخ واستاد قدس اللہ سرہ نے فرمایا ہے اور کیا ہی خوب فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص سارے قرآن کو من اولہ الی آخرہ نظر کشف سے دیکھے گا تو اس پر یہ بات بخوبی ظاہر ہو جائے گی کہ قرآن مجید گویا برکات الٰہیہ کا ایک نہایت عمیق اور گہرا دریا ہے اور اس عمیق اور طویل وعریض دریا میں حروف مقطعات ایسے ظاہر ہوتے ہیں جیسے بحر ذخار میں ابلتے ہوئے چشمے اور جوش مارتے ہوئے فوارے جن سے ایک بڑا دریا نکل کر بہتا ہے۔

یہودیوں کی حیرت:

امام بخاریؒ نے اپنی تاریخ میں اور ابن جریرؒ نے بسند ضعیف بیان کیا ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کچھ یہودی آئے اور آپ نے ان کے روبرو سورہ بقرہ پڑھی تو انہوں نے حساب لگا کر اور جی ہی جی میں کچھ شمار کر کے کہا کہ ہم ایسے دین میں کیونکر داخل ہو سکتے ہیں جس کے راج کی مدت زیادہ سے زیادہ اکہتر برس ہیں کیونکہ الٓمٓ کے کل اعداد بحساب ابجد اکہتر ہوتے ہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا تو

مسکرا کر خاموش ہو گئے اس پر یہودیوں نے حضور کی طرف متوجہ ہو کر کہا کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی آپ پر نازل ہوا ہے؟ فرمایا ہاں الٓمٓصٓ اور الٓرٰ اور الٓمٓرٰ یہ سن کر یہود بولے کہ ابوالقاسم! تم نے ہم کو اشتباہ میں ڈال دیا (کیونکہ الٓمٓصٓ کے عدد ۱۶۱ اور الٓرٰ کے عدد ۲۳۱ اور المر کے عدد ۲۷۱ ہیں) اب ہم حیران اور سخت حیران ہیں کہ کس کو لیں اور کس کو چھوڑیں۔

مقطعات ومتشابہات کے معانی:

حروف مقطعات خدا اور اس کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان اسرار ہیں جنہیں نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا دوسرا سمجھ نہیں سکتا۔ ہاں اگر خدا چاہے تو آپ کے اتباع کاملین بھی سمجھ سکتے ہیں (اس قول کی بنا پر جس طرح حروف مقطعات کی حقیقت فہم عوام سے خارج ہے) اسی طرح قرآنی متشابہات کی حقیقت بھی انہیں دریافت نہیں ہو سکتی مثلاً آیت (یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ) اور (اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى) اور: (هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ یَّاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ) وغیرہ۔

خداتعالیٰ کی [illegible] وہ خود فرماتا ہے:

(قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ)

"(یعنی اے پیغمبران لوگوں سے کہو کہ اگر میرے پروردگار کی باتوں کے لکھنے کے لئے سمندر کا پانی سیاہی کی جگہ ہو تو قبل اس کے کہ میرے پروردگار کی باتیں تمام ہوں سمندر ختم ہو جائے گا۔ اور فرمایا:

(وَلَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ)

"(یعنی زمین میں جتنے درخت ہیں اگر ان سب کے قلم ہوں اور سمندر کی سیاہی اور وہ بھی اس طرح پر کہ اس کے ہو چکے پیچھے ویسے ہی سات سمندر اور اس کی مدد کریں غرض ان تمام قلموں اور ساری روشنائیوں سے خدا کی باتیں لکھی جائیں تو بھی خدا کی باتیں تمام نہ ہوں)

یہی وجہ ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دعا میں فرمایا کرتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ بِکُلِّ اِسْمٍ هُوَلَکَ سَمَّیْتَ بِهٖ نَفْسَکَ اَوْ اَنْزَلْتَهٗ فِیْ کِتَابِکَ اَوْعَلَّمْتَهٗ اَحَداً مِنْ خَلْقِکَ اَوِاسْتَاْثَرْتَ بِهٖ فِیْ عِلْمِ الْغَیْبِ عِنْدَکَ. (یعنی بار خدایا میں تیرے ہر اس نام کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں جو تیرے لئے مخصوص ہے اور جو تو نے اپنے لئے مقرر کر رکھا ہے یا اپنی کتاب میں نازل فرمایا ہے یا اپنی مخلوق میں سے کسی کو بتا دیا ہے یا غیب کے پردہ میں اپنے پاس رکھ کر کسی کو اس کی اطلاع تک نہیں دی ہے) اس حدیث کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے مستدرک میں روایت کیا۔

خواص کا مرتبہ:

خواص لوگ باوجود حصول ادراک کے اس کی حقیقت کا ادراک مرتبہ ذات میں نہیں کر سکتے جیسا کہ رئیس الصدیقین کا قول ہے شعر:

اَلْعِجْزُ عَنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ
وَالْبَحْثُ عَنْ سِرِّ الذَّاتِ اِشْرَاکٌ

(یعنی ادراک کے پالینے سے عاجز ہونا بھی ایک قسم کا ادراک ہے۔ اور ذات خداوندی کے سر کی تلاش وجستجو میں مستغرق رہنا شرک۔ (تفسیر مظہری)

دلیلِ اعجاز:

قرآن کریم کی بعض سورتوں کو ان حروف سے شروع کرنے میں اعجاز قرآن کی طرف اشارہ ہے کہ یہ قرآن جس کے کلام الٰہی ہونے کا تم لوگ انکار کرتے ہو وہ انہی حروف سے مرکب ہے جن سے تم اپنے کلام کو ترکیب دیتے ہو پس اگر یہ قرآن خدا کا کلام نہیں تو تم اس جیسے کلام کے بنانے سے کیوں عاجز ہو پھر اس ذاتی اعجاز کے علاوہ اس پر بھی تو نظر کرو کہ ان حروف مقطعات کا پیش کرنے والا شخص محض امی ہے جس نے نہ کبھی کسی مکتب کا دروازہ جھانکا اور نہ کسی استاذ اور کاتب کے سامنے زانوئے ادب تہ کیا اور تم فصحاء اور بلغاء اور ادباء اور خطباء ہو اور اس نبی امی نے جن حروف کو پیش کیا ہے ان میں ایسے ایسے دقائق اور نکات کی رعایت کی گئی ہے کہ جن کی بڑے سے بڑا ادیب اور ماہر عربیۃ بھی رعایت نہیں کر سکتا۔

صد ہزاراں دفتر اشعار بود ‏ ‏ ‏ پیش حرف امیش آں عار بود

حروف مقطعات کے نازل کرنے سے مقصود یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اور ان کے من جانب اللہ ہونے کا یقین کریں تاکہ بندوں کا کمال انقیاد ظاہر ہو۔

زباں تازہ کردن باقرار تو
نینگیختن علت از کار تو
بہار عالم حسنش دل و جاں تازہ می دارد
برنگ اصحاب صورت رابواز باب معنی را

(تفسیر حضرت کاندھلوی)

کوڈ ورڈز:

ہر زبان میں کچھ مختصر حروف ہوتے ہیں جو خاص معنی اور مفہوم کے لئے مستعمل ہوتے ہیں اور جن کو خاص خاص لوگ ہی سمجھ سکتے ہیں جن کو انگریزی میں ''کوڈ ورڈز'' کہتے ہیں اسی طرح یہ حروف مقطعات قرآن میں ہیں۔

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ
اس کتاب میں کچھ شک نہیں

قرآن شک وشبہ سے پاک ہے:

﴾ یعنی اس کے کلام الٰہی ہونے اور اس کے جملہ مضامین کے واقعی ہونے میں کچھ شبہ نہیں جاننا چاہیے کہ کسی کلام میں اشتباہ ہونے کی دو صورتیں ہیں یا تو خود اس کلام میں کوئی غلطی اور خرابی ہو، یا سننے والے کے فہم میں خلل ہو۔ اول صورت میں محل ریب یہ کلام ہے اور دوسری صورت میں محل ریب حقیقت میں سمجھنے والے کا فہم ہے کلام بالکل حق ہے گو اس کو اپنی نافہمی سے وہ کلام محل ریب معلوم ہو۔ سو اس آیت میں ریب کی صورت اول کی نفی فرمائی ہے تو اب یہ شبہ کہ کلام اللہ کے کلام الٰہی اور حق ہونے میں تو سب کفار کو ریب وانکار تھا پھر اس نفی کے کیا معنی، بالکل جاتا رہا باقی رہی صورت ثانی اس کو آگے چل کر فرما دیا گیا۔ (وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا) الخ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تورات، انجیل اور قرآن:

☆ توریت اور انجیل کو دیکھئے کہ اصل ہی سے مشکوک ہے مضامین فقط اس درجہ ہیمیں نہیں کہ عقل کو ان میں کوئی شک اور تردد ہو بلکہ عقل قطعاً ان کو لغو اور باطل سمجھتی ہے۔

قرآن کریم نے چند سال میں جو لوگوں کو ہدایت کی طرف کھینچا توریت انجیل اس کی نظیر تو کیا عشر عشیر بھی نہیں پیش کر سکتی چند ہی روز میں عرب جیسے وحشی ملک کو خدا پرستی کا گہوارہ بنا دیا یکلخت عرب کے درندے شمع نبوت کے پروانے بن گئے حواریین کی بے وفائی کے خود نصاری معترف ہیں کہ حضرت مسیح کو چھوڑ کر بھاگ گئے اور یہود سے تیس درم رشوت لے کر حضرت مسیح کو گرفتار کرادیا۔

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ
راہ بتلاتی ہے ڈرنے والوں کو

صراط مستقیم کی تفصیل:

یہاں سے اخیر قرآن تک جواب ہے: (اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ) کا جو سوال بندوں کی طرف سے ہوا تھا۔

یعنی جو بندے اپنے خدا سے ڈرتے ہیں ان کو یہ کتاب راستہ بتلاتی ہے کیونکہ جو اپنے خدا سے خائف ہوگا اس کو امور مرضیہ اور غیر مرضیہ یعنی طاعت ومعصیت کی ضرور تلاش ہوگی اور جس نافرمان کے دل میں خوف ہی نہیں اس کو طاعت کی کیا فکر اور معصیت سے کیا اندیشہ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تقویٰ:

لغت میں تقویٰ کے معنی صیانت اور حفاظت کے ہیں اور اصطلاح شریعت میں ان چیزوں سے بچنے کو تقویٰ کہتے ہیں جو آخرت کے لحاظ سے ضرر رساں ہوں۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

لَا تَحْقِرَنَّ صَغِيْرَةً اَنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحَصٰى

یعنی ''چھوٹے اور بڑے اور سب گناہوں کو چھوڑ دو، یہی تقویٰ ہے، ایسے رہو جیسے کانٹوں والی راہ پر چلنے والا انسان، چھوٹے گناہ کو بھی ہلکا نہ جانو، دیکھو پہاڑ کنکروں سے ہی بن جاتے ہیں۔

ابن ماجہ میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں سب سے عمدہ فائدہ جو انسان حاصل کر سکتا ہے وہ خدا کا ڈر ہے اس کے بعد نیک بیوی ہے کہ خاوند جب اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جو حکم دے اسے بجالائے اور اگر قسم دیدے تو پوری کر دکھائے اور جب وہ موجود نہ ہو تو اس کے مال کی اور اپنے نفس کی حفاظت کرے۔

حسن بصریؒ فرماتے ہیں متقی وہ ہے جو حرام سے بچے اور فرائض بجالائے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بندہ حقیقی متقی نہیں ہو سکتا جب تک کہ ان چیزوں کو نہ چھوڑ دے جن میں حرج نہیں اس خوف سے کہ کہیں وہ حرج میں گرفتار نہ ہو جائے ترمذی اسے حسن غریب کہتے ہیں ابن ابی حاتم میں ہے حضرت معاذؓ فرماتے ہیں جب کہ لوگ ایک میدان میں قیامت کے دن روک لئے جائیں گے اس وقت ایک پکارنے والا پکارے گا کہ متقی کہاں ہیں؟ اس آواز پر وہ کھڑے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے بازو میں لے لے گا اور بے حجاب انہیں اپنے دیدار سے مشرف فرمائے گا۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

حضرت معاذ بن جبلؓ فرماتے ہیں متقی وہ قوم ہے جو شرک وبت پرستی سے بچتی ہے اور خالص خدا ہی کی عبادت کرتی ہے۔ ﴿درس محمد احمدؒ﴾

متقی بننے کا عمل:

اور یہ بھی سعید معبری سے لائے ہیں کہ ایک شخص آگے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے آیا اور کہا یا معلم الخیر مجھ کو نشان دے کہ متقی کیونکر ہو سکے فرمایا کہ امر بہت آسان ہے ساتھ تمام دل اپنے کے محبت خدا کی بجا لا اور بقدر قوت استطاعت اپنی کے واسطے اس کے عمل کر اور اوپر ہم جنس اپنے کے ایسی رحمت فرما کہ اوپر جان اپنی کے رحمت کرے تو اس نے کہا کہ ہم جنس میری کون ہے فرمایا کہ تمام بنی آدم اور جو چیز کہ تجھ کو خوش نہ آوے کہ میرے ساتھ کی جائے تو وہ چیز اور کے ساتھ مت کر۔ اگر یہ سب کام کرے تو حق تقویٰ کا بجالائے۔

متقی کے اوصاف:

روایت لائے ہیں کہ اس زمانہ کے حکیموں میں سے ایک شخص عبدالملک بن مروان کے پاس آیا عبدالملک نے اس سے پوچھا کہ وصف متقی کا کیا ہے اس حکیم نے کہا کہ متقی وہ مرد ہے کہ خلقت کو چھوڑ کر اس نے خدا کو اختیار کیا اور دنیا کو چھوڑ کر آخرت اختیار کی اور مطلبوں اور خواہشوں سے ہاتھ دھویا ہو اور دل کی آنکھ سے روح کے بلند مرتبوں کو دیکھ کر ان مرتبوں کی طرف متوجہ ہوا اور آدمی سوئے رہتے ہیں اور وہ ترقی کے غم میں بیدار رہتا ہے شفا اس کی قرآن اور دوا اس کی حکمت اور نصیحت کی بات دنیا کو اس کے بدلے میں پسند نہیں کرتا اور کوئی لذت سوائے اس کے نہیں جانتا۔

حاضرین مجلس نے کہ اکثر بڑے بڑے تابعین تھے ان کلموں کو نہایت پسند کیا اور وہ بھی قتادہ سے لائے ہیں کہ جس وقت حق تعالیٰ نے بہشت کو پیدا فرمایا ارشاد کیا کہ کچھ کہہ بہشت نے کہا کہ طُوْبٰی لِلْمُتَّقِیْن

شعر

یُرِیْدُ الْمَرْءُ اَنْ یُّعْطٰی مَنَاهُ   وَیَاْبَی اللّٰهُ اِلَّامَا یُرَادُ !!!
یَقُوْلُ الْمَرْءُ فَائِدَتِی وَذُخْرِیْ   وَتَقْوَی اللّٰهِ اَفْضَلُ مَااسْتَفَادُ

پس محبین وہ آدمی ہیں کہ اول مجاہدہ اور انابت اختیار کرتے ہیں بعد اس کے رتبہ معرفت کا ان کے اوپر کھولا جاتا ہے اور محبوبین وہ آدمی ہیں کہ اول ان کو مقبول کر کے معرفت حاصل کروادے بعد اس کے ان کے تئیں شوق مجاہدہ اور انابت کا دل میں ڈالے اور ان دونوں فرقوں کو اہل اللہ کہتے ہیں اور تینوں فرقہ اصحاب الیمین کو اہل آخرت کہتے ہیں اور دونوں فرقوں اشقیا کا اہل دنیا نام رکھتے ہیں۔ (تفسیر عزیزی)

مشتبہ امور سے بچنا:

☆ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حلال بھی ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے اور ان دونوں کے درمیان میں بہت سے مشتبہ امور ہیں جنہیں اکثر لوگ نہیں جان سکتے تو جو شخص مشتبہ امور سے بچ گیا اس نے اپنی آبرو اور دین کو بے لوث اور پاک کر لیا اور جو مشتبہ امور میں پڑ گیا وہ حرام میں جا پڑا مثلاً اگر کوئی چرواہا کسی محفوظ ممنوع چراگاہ کے گرد اگرد جانور چرا رہا ہو تو قریب ہے کہ وہ چراگاہ میں جا پڑے سنو! اور غور سے سنو کہ ہر بادشاہ کا ایک ممنوع باڑہ ہوتا ہے اور زمین پر خدا کا ممنوعہ علاقہ اس کے محارم ہیں سنو! جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے جب وہ درست اور اصلاح یافتہ ہوتا ہے تو سارا بدن درست اور صحیح رہتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتا ہے تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے سنو! ''وہ گوشت کا لوتھڑا دل ہے''۔ حدیث میں جو دل کی صلاحیت اور درستی کا ذکر ہوا ہے فنائے قلب مراد ہے یعنی دل کی صلاحیت یہی ہے کہ اسے فنا فی اللہ کر دیا جائے اور یہ مراتب ولایت میں سے پہلا مرتبہ ہے۔

تقویٰ اور ولایت:

تقویٰ ولایت کو لازم ہے اور ہر متقی بشرطیکہ وہ کامل اور پورا متقی ہو ولایت کے ممتاز مرتبہ تک پہنچتا اور ضرور پہنچتا ہے) ان ہی متقیوں کی بابت خدا نے فرمایا ہے: (اِنْ اَوْلِیَآؤُهٗۤ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ)۔

یعنی خدا کے ولی تو صرف پرہیزگار لوگ ہیں۔

متقی اس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے تئیں ایسی چیز سے محفوظ رکھے جو اسے آخرت میں ضرر رساں اور تکلیف دہ ثابت ہو پھر اگر وہ (مضرت دہ چیز) شرک ہے اور اس سے آدمی بچتا ہے تو یہ تقویٰ کا ادنیٰ مرتبہ ہے گناہ اور معصیت سے بچنا تقویٰ کا وسطی مرتبہ ہے مگر اعلیٰ درجہ کا متقی وہ ہے جو لایعنی چیزوں سے منہ موڑ کر ذکر الٰہی میں مستغرق ہو۔ (تفسیر مظہریؒ)

خَلِّ الذُّنُوْبَ صَغِیْرَهَا وَکَبِیْرَهَا ذَاکَ التُّقٰی

چھوٹے اور بڑے سب گناہوں کو چھوڑ دے۔ یہی تقویٰ ہے۔

وَاصْنَعْ کَمَاشٍ فَوْقَ اَرْضِ الشَّوْکِ یَحْذَرُ مَا یَرٰی

خدا کی راہ میں اس طرح چل جس طرح کہ خاردار جنگل میں ڈر ڈر کر اور سنبھل سنبھل کر کوئی چلتا ہے۔

لَا تَحْقِرَنَّ صَغِیْرَةً   اِنَّ الْجِبَالَ مِنَ الْحِصٰی

چھوٹے سے چھوٹے گناہ کو بھی حقیر مت سمجھ۔ چھوٹے چھوٹے سنگریزوں ہی سے پہاڑ بنتے ہیں۔

حضرت عمرؓ نے ابیؓ بن کعب سے تقویٰ کی حقیقت دریافت کی تو یہ جواب دیا کہ اے امیر المومنین کیا آپ کبھی کسی خاردار راستہ پر سے بھی گذرے ہیں فرمایا کیوں نہیں۔ ابیؓ بن کعبؓ نے کہا کہ اے امیر المومنین پھر آپ نے اس وقت کیا کیا فرمایا کہ میں نے دامن چڑھائے بچا بچا کر قدم رکھے کانٹوں سے بچنے کے لئے اپنی تمام جدوجہد کو خرچ کرڈالا ابیؓ بن کعبؓ نے کہا کہ اے امیر المومنین بس یہی تقویٰ ہے یعنی حق جل وعلا کی معصیت اور نافرمانی سے بچنے کے لئے اپنی پوری ہمت اور طاقت کو خرچ کردینے کا نام تقویٰ ہے اسی لئے ارشاد خداوندی ہے۔

﴿اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ﴾

یقیناً خدا کے نزدیک سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ خدا سے ڈرنے والا اور اس کی نافرمانی سے بچنے والا ہے۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ
جو کہ یقین کرتے ہیں بے دیکھی چیزوں کا

ایمان بالغیب:

یعنی جو چیزیں ان کے عقل وحواس سے مخفی ہیں (جیسے دوزخ، جنت، ملائکہ وغیرہ) ان سب کو اللہ اور رسول کے ارشاد کی وجہ سے حق اور یقینی سمجھتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان امور غائبہ کا منکر ہدایت سے محروم ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

بغیر دیکھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے والے

☆ابو جمعہ صحابی سے ابن محیریزؒ نے کہا کہ کوئی ایسی حدیث سناؤ جو تم نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو۔ فرمایا اچھا میں تمہیں ایک بہت ہی عمدہ حدیث سناؤں۔ ہم نے حضورؐ کے ساتھ ایک مرتبہ ناشتہ کیا ہمارے ساتھ (حضرت) ابوعبیدہ بن جراح بھی تھے انہوں نے کہا یا رسول اللہ! کیا ہم سے بہتر بھی کوئی اور ہے؟ ہم آپ کے ساتھ اسلام لائے آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپؐ نے فرمایا ہاں وہ لوگ جو تمہارے بعد آئیں گے مجھ پر ایمان لائیں گے حالانکہ انہوں نے مجھے دیکھا بھی نہ ہوگا۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دیکھا اور آپ کی پاک صحبت میں حاضر ہوا اس پر آپ کی نبوت آفتاب سے زیادہ واضح اور ظاہر تھی اور اس کا حضور پر ایمان لانا آپ کے دعوے کی تصدیق کرنا قابل تعریف نہ تھا ایمان تو اس شخص کا قابل تعریف اور لائق مدح وثنا ہے جو نادیدہ آپ پر ایمان لایا مجھے اس قادر مطلق خدا کی قسم جسکے سوا کوئی پرستش کا استحقاق نہیں رکھتا کوئی متنفس ایمان میں اس سے بہتر وافضل نہیں ہوسکتا جو بن دیکھے حضورؐ پر ایمان لاتا اور آپ کے دعاوی کی تصدیق کرتا ہے پھر انہوں نے استشہاد میں یہ آیتیں یعنی الم سے (الْمُفْلِحُوْنَ) تک پڑھیں۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

☆مسند احمد وغیرہ میں مذکور ہے کہ ایک روز حارث بن قیس نے جماعت صحابہؓ میں بیان کیا کہ اے اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو نہایت افسوس وحسرت ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دیدار سے مشرف نہ ہوئے۔ ہائے اس دولت سے محروم رہ گئے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا یہ صحیح ہے مگر ایک نعمت سے ہم محروم رہ گئے۔ وہ تم کو نصیب ہے وہ یہ کہ تم بے دیکھے غائبانہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائے۔ خدا تعالیٰ کی قسم جس نے صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھ سے دیکھ لیا۔ اس کے نزدیک آپ کی نبوت آفتاب سے زیادہ روشن ہوگئی۔ ایمان تمہارا ہے کہ بغیر دیکھے ایمان لائے۔

ابوداؤد میں روایت ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے پاس آئے اور کہا اے ابوعبدالرحمٰن آپ نے ان آنکھوں سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا ہاں پھر اس نے کہا آپ نے اپنی زبان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کیا ہے۔ انہوں نے کہا ہاں پھر اس نے کہا آپ نے اپنے ہاتھوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں میں دے کر بیعت کی ہے؟ انہوں نے کہا ہاں۔ یہ سن کر وہ شخص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شوق میں زار زار رونے لگا اور ایک حالت وجد اس کو پیدا ہوگئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا میں تجھ کو ایک خوشخبری سناتا ہوں جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی تھی وہ یہ کہ آپ نے فرمایا ہے خوشحالی ہے اس کو کہ جو بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لایا۔ (درس قرآن محمد احمد)

علم ضروری اور علم حضوری:

☆ہر شخص اپنی ذات کو بغیر تصور ذہنی کی وساطت کے جانتا ہے تو یہ انکشاف حضوری کہلاتا ہے۔ دھوپ کو دیکھنے اور آگ کی حرارت معلوم کرنے کے لئے کسی ترتیب ذہنی اور غور وخوض کی ضرورت نہیں ہوتی تو ایسا علم ضروری اور بدیہی کہلاتا ہے اللہ کا علم حضوری ہے۔

اسلام، ایمان اور احسان:

صحیح مسلم میں حضرت عمرؓ بن الخطاب سے روایت ہے کہ ہم ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے کہ دفعۃً ایک شخص نمودار ہوا

جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال بہت سیاہ تھے نہ تو اس پر سفر کا کچھ اثر معلوم ہوتا تھا اور نہ ہم میں سے کوئی اسے پہچان سکتا تھا غرضیکہ وہ یہاں تک بڑھا چلا آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ گیا اور اپنے زانو حضرت کے زانو سے ملا کر بیٹھ گیا اور اپنی دونوں ہتھیلیاں حضرت کے زانو پر رکھ دیں اور عرض کیا اے محمد! مجھے اسلام کی حقیقت بتلائیے۔ آپ نے فرمایا اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ خدا کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں اور محمدؐ رسول خدا ہیں اور نماز ٹھیک طور پر پڑھ زکوۃ دے۔ رمضان کے روزے رکھ اگر کسی سواری کا مقدور ہو تو خانہ خدا کا حج کر۔ اس شخص نے کہا آپؐ نے بالکل سچ فرمایا حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ یہ شخص خود ہی تو سوال کرتا ہے اور خود ہی تصدیق کرتا ہے پھر اس نے کہا حضرت! مجھے ایمان کی حقیقت بتلائیے فرمایا ایمان یہ ہے کہ تو خدا کو اس کے فرشتوں کو اس کی کتابوں کو اس کے پیغمبروں کو روز قیامت کو تقدیر کے برے بھلے کو دل سے مانے اس نے کہا آپؐ نے ٹھیک فرمایا پھر کہا اب احسان کی حقیقت سے اطلاع دیجئے۔

ارشاد ہوا احسان یہ ہے کہ تو خدا کی اس طرح عبادت کرے جیسے کہ اس کو دیکھ رہا ہے اور اگر اس طرح نہ ہو سکے تو (یہ یقین رکھ کہ) وہ تجھے دیکھ رہا ہے پھر اس نے کہا قیامت کے متعلق فرمائیے کہ کب برپا ہو گی ارشاد فرمایا جواب دینے والا پوچھنے والے سے اس کو کچھ زیادہ نہیں جانتا (یعنی قیامت کی ناواقفی میں میں اور آپ دونوں برابر ہیں اس نے کہا تو اس کے پتے ہی بتا دیجئے فرمایا قیامت کی نشانی یہ ہے کہ لونڈی اپنے مالک اور آقا کو جنے۔ مطلب یہ کہ قیامت کے قریب لونڈی کے بچوں کی کثرت ہو گی دوسری نشانی یہ ہے کہ ننگے پاؤں برہنہ بدن محتاج بکریوں کے چرواہے باہم مقابلہ میں اونچی اونچی عمارتوں پر فخر کریں گے۔

حضرت عمرؓ کہتے ہیں اس کے بعد وہ شخص چلا گیا میں تھوڑی دیر تک حضرت کی خدمت میں بیٹھا رہا حضرت نے مجھ سے فرمایا عمرؓ! تم جانتے ہو یہ سائل کون تھا میں نے عرض کیا خدا اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں فرمایا جبرئیل تھے اور اس غرض سے آئے تھے کہ تمہیں تمہارے دین کی تعلیم دیں۔

غیب سے مراد وہ چیزیں ہیں جو آدمیوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں مثلاً خدا کی ذات وصفات، فرشتے، آدمیوں کا مرے پیچھے زندہ اٹھ کھڑا ہونا، جنت ودوزخ پل صراط میزان عذاب قبر وغیرہ۔

ایمان کیا ہے؟

☆ایمان جاننے اور پہچاننے اور یقین کرنے کا نام نہیں بلکہ ماننے کا نام ایمان ہے۔

مثلاً کوئی شخص نماز کا شعار اسلام اور فریضہ دین ہونا تو تسلیم کرتا ہے مگر یہ کہتا ہے کہ صلوٰۃ سے مطلق دعاء اور خشوع اور خضوع مراد ہے اور نماز کی فرضیت بہ ہیئت مخصوصہ یعنی بطریق قیام وقعود اور رکوع اور سجود۔ تسلیم نہیں کرتا تو ایسا شخص قطعاً دائرہ ایمان سے خارج ہے یا مثلاً زکوۃ کی فرضیت کو تو تسلیم کرے مگر یہ کہے کہ زکوۃ سے محض تزکیہ اور تطہیر مراد ہے یہ خاص نصاب اور مال کی خاص مقدار ضروری نہیں تو ایسا شخص مومن نہیں ملحد اور زندیق ہے اصطلاح شریعت میں ملحد اور زندیق اس شخص کو کہتے ہیں جو شریعت کے الفاظ کو بحال اور برقرار رکھے اور اس کی حقیقت کو بدل دے یہ ایمان نہیں بلکہ دین کا تمسخر اور مذاق ہے۔

اصل ایمان تو تصدیق قلبی ہے اور زبانی اقرار حقیقت ایمان کی حکایت ہے ورنہ سوائے مکر وفریب کے کوئی شئی نہیں۔ محض ایک جھوٹ ہے جو صدق اور راستی کے لباس میں نمودار ہے۔

حضرات متکلمین فرماتے ہیں کہ ایمان کی اصل حقیقت تو تصدیق قلبی ہے اور اقرار لسانی دنیوی احکام کے جاری کرنے کیلئے شرط ہے۔

امام غزالی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لائی ہوئی چیزوں میں سے کسی ایک چیز کی بھی تکذیب کر دینے کا نام کفر ہے اور تمام امور میں آپ کی تصدیق کرنے کا نام ایمان ہے۔

ہر خوفناک چیز سے حفاظت:

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص رات کو سوتے ہوئے بیدار ہو جائے اگر وہ دس بار بسم اللہ اور دس بار سبحان اللہ اور دس بار اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَكَفَرْتُ بِالطَّاغُوتِ (تصدیق کی میں نے اللہ کی اور تکذیب کی میں نے طاغوت یعنی شیطان کی) پڑھے تو وہ ہر خوفناک چیز سے محفوظ رہے گا۔ رواہ الطبرانی فی الاوسط عن ابن عمرؓ (حصن حصین ص۷۶)

جھوٹے مقدمے لڑنے اور جھوٹی گواہی دینے والا:

وہ شخص جو دوسروں کا حق غصب کرنے کے لئے جھوٹے مقدمے لڑتا ہے جھوٹی گواہی دے رہا ہے اللہ تعالی کے فرمان کے خلاف حرام مال کمانے اور کھانے میں لگا ہوا ہے یا دنیا کے ذلیل مقاصد حاصل کرنے کے لئے خلاف شرع ذرائع اختیار کر رہا ہے وہ ہزار بار آخرت پر ایمان لانے کا اقرار کرے اور ظاہر شریعت میں اس کو مومن کہا بھی جائے، لیکن قرآن جس ایقان کا مطالبہ کرتا ہے وہ اسے حاصل نہیں اور وہ ہی انسان کی زندگی میں انقلاب لانے والی چیز ہے۔ ﴿تفسیر مفتی اعظم﴾

ایمان کی صورت اور حقیقت:

حضرات صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ ایمان کی ایک صورت ہے اور ایک حقیقت تصدیق بالقلب اور اقرار باللسان ایمان کی صورت ہے اور اطمینان نفس یعنی نفس کا مطمئن ہو جانا یہ ایمان کی حقیقت ہے۔ اطمینان نفس سے مراد یہ ہے کہ مقتضائے شریعت، مقتضائے طبیعت بن جائے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ هَوَاهُ تَبْعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ.

تم میں سے کوئی مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کی طبعی خواہش میری لائی ہوئی شریعت کے تابع نہ ہو جائے۔

امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس سرہ

کے قلم مبارک سے فتویٰ

اگر کوئی شخص باوجود دعویٰ ایمان کے معاذ اللہ کفر سے تبری اور بیزاری نہ ظاہر کرے تو وہ دو متضاد دینوں کی تصدیق کرنے والا ہے جو داغ ارتداد سے داغی ہے اور درحقیقت ایسا شخص منافق کے حکم میں ہے نہ ادھر نہ ادھر۔ پس ایمان کے ثابت کرنے کے لئے کفر سے تبری اور بیزاری ضروری اور لابدی ہے جس کا ادنیٰ مرتبہ یہ ہے کہ کم از کم دل سے بیزار ہو اور اعلیٰ مرتبہ یہ ہے کہ قلب اور قالب یعنی زبان اور قلب اور ظاہر اور باطن دونوں سے کفر سے تبری اور بیزاری ظاہر کرے اور تبری کے معنی یہ ہیں کہ خدا کے دشمنوں سے دشمنی رکھے خواہ فقط دل سے ہو اگر اظہار میں ضرر کا اندیشہ ہو اور خواہ زبان اور دل دونوں سے اس دشمنی کا اظہار ہو اگر کسی ضرر کا اندیشہ نہ ہو۔

ایمان ظاہری اگرچہ ایمان حقیقی کے لحاظ سے بہت معمولی اور ادنیٰ شی ہے مگر کفر اور شرک کے اعتبار سے بہت اعلیٰ اور ارفع ہے۔

آسمان نسبت بعرش آمد فرود — لیک بس عالی ست پیش خاک تود

اسی وجہ سے حدیث میں ہے:

مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ وَاِنْ زَنٰی وَاِنْ سَرَقَ.

جس نے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہا وہ جنت میں داخل ہو گیا اگرچہ زنا اور چوری کرے۔ معاذ اللہ اس حدیث سے زنا اور سرقہ کی اجازت مقصود نہیں۔ بلکہ مقصد یہ ہے کہ اے لوگو تم کسی طرح لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہہ کر کفر اور شرک کے دائرہ سے نکل آؤ۔

ایمان کی خاصیت:

ہرقل شاہ روم نے جب ابوسفیان سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات دریافت کئے تو اس میں یہ بھی دریافت کیا کہ کوئی شخص آپ پر ایمان لانے کے بعد آپ کے دین سے بیزار ہوکر مرتد بھی ہو جاتا ہے؟ ابوسفیان نے کہا نہیں۔ اس پر ہرقل نے کہا۔ ایمان کی یہی خاصیت ہے کہ جب اس کی مسرت دلوں میں رچ جاتی ہے تو وہ پھر کسی طرح نکل نہیں سکتی۔

ایمان کے تین وجود:

علامہ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ تفسیر غرائب القرآن میں فرماتے ہیں کہ ایمان کے تین وجود ہیں۔ ایک وجود عینی دوسرا وجود ذہنی تیسرا وجود لسانی۔ اصل ایمان وجود عینی یعنی وجود خارجی ہے۔ وہ یہ ہے کہ جب بندہ اور خدا تعالیٰ کے درمیان حجابات مرتفع ہو جائیں۔ تو اس وقت مومن کے دل میں ایک نور حاصل ہوتا ہے۔ یہی نور ایمان کا وجود عینی ہے۔ ﴿معارف القرآن کاندھلویؒ﴾

ایمان اور اسلام:

حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ایمان اور اسلام کی مسافت ایک ہے فرق صرف ابتداء و انتہاء میں ہے' یعنی ایمان قلب سے شروع ہوتا ہے اور ظاہر عمل پر پہنچ کر مکمل ہوتا ہے' اور اسلام ظاہر عمل سے شروع ہوتا ہے اور قلب پر پہنچ کر مکمل سمجھا جاتا ہے۔ اگر تصدیق قلبی ظاہری اقرار و اطاعت تک نہ پہنچے وہ تصدیق ایمان معتبر نہیں' اسی طرح اگر ظاہری اطاعت و اقرار تصدیق قلبی تک نہ پہنچے تو وہ اسلام معتبر نہیں۔

اصطلاح شرع میں خبر رسول کو بغیر مشاہدہ کے محض رسول کے اعتماد پر یقینی طور سے مان لینے کا نام ایمان ہے' لفظ غیب لغت میں ایسی چیزوں کے لئے بولا جاتا ہے جو نہ بدیہی طور پر انسان کو معلوم ہوں' اور نہ انسان کے حواس خمسہ اس کا پتہ لگا سکیں' یعنی نہ وہ آنکھ سے نظر آئیں' نہ کان سے سنائی دیں نہ ناک سے سونگھ کر یا زبان سے چکھ کر ان کا علم ہو سکے' اور نہ ہاتھ سے چھو کر ان کو معلوم کیا جا سکے۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

علم غیب کے مشہور اختلافی مسئلہ پر بے مثل تحقیق

از حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہٗ مہتمم دارالعلوم دیوبند

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

غیب کا معنیٰ: امام راغب آیت کریمہ ﴿وَیُقِیْمُوْنَ بِالْغَیْبِ﴾ کے تحت لکھتے ہیں۔

قولہ (وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ) ۔

مِنْ حَيْثُ لَا يُدْرِ كُوْنَهُ بِبَصَرِ هِمْ وَلَا ببصير تهم.

''اللہ تعالیٰ کے قول (وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍ بَعِيْدٍ) میں غیب کے معنی یہ ہیں کہ نہ اس کا ادراک بصر حاسہ نگاہ سے کر سکیں گے نہ بصیرت یعنی کسی اندرونی حاسہ سے کر سکیں گے۔''

یہاں غیب سے کون مراد ہے:

امام راغب ہی لکھتے ہیں:

''وَالْغَيْبِ فِىْ قَوْلِهٖ تَعَالٰى يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ لَا يَقَعُ تَحْتَ الْحَوَاسِ وَلَا يَقْتَضِيْهِ بَدَاهَتُهُ الْعُقُوْلَ وَاِنَّمَا الْعِلْمِ بِخَبَرِ الْاَنْبِيَاءِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ.'' (مفردات راغب ص ۳۷۳)

''اور غیب اللہ تعالیٰ کے قول (يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ) میں وہ ہے جو نہ حواس کی گرفت میں آ سکے نہ عقلی تقاضوں سے دریافت ہو سکے۔ بلکہ وہ صرف انبیاء کی خبر سے جانا جائے۔''

(اِنَّهٗ بِكُلِّ شَىْءٍ مُّحِيْطٌ) ۔ نیز اس کے علمی احاطہ سے کوئی چیز باہر رہتی ہی نہیں کہ باہر کسی علمی وسیلہ کی بود و نمود ہو۔ (اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا) اگر اس سے اول کوئی وسیلہ علم مانا جائے تو اس سے پہلا ہے کون؟ جو اسے علم سکھائے کہ وہی سب کا اول ہے۔ اس کے بعد اگر کسی کو وسیلہ مانا جائے تو اس کا بعد ہے کب؟ کہ کوئی اس کے بعد آئے۔ کیونکہ وہی سب کا بعد اور آخر ہے اس کے اوپر کوئی وسیلہ مانا جائے تو اس سے اوپر ہے کون کہ اس پر علم کا اثر ڈالے کہ وہی سب سے اوپر ہے اور اس کے اندر ذات سے الگ کوئی استعداد اور قوت مانی جائے جو علم قبول کرے تو اس کے اندر غیر ذات ہے کون؟ جو باہر کا علمی اثر قبول کرے کہ وہی سب کا اندرون اور باطن ہے۔

اوّل، آخر، ظاہر باطن سب اللہ ہی اللہ:

هُوَ الْاَوَّلُ لَيْسَ قَبْلَهٗ شَىْءٌ، وَهُوَ الْاٰخِرُ لَيْسَ بَعْدَهٗ شَىْءٌ، وَهُوَ الظَّاهِرُ لَيْسَ فَوْقَهٗ شَىْءٌ، وَهُوَ الْبَاطِنُ لَيْسَ دُوْنَهٗ شَىْءٌ

ترجمہ ارشاد رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم:

''وہی اول ہے، اس سے قبل کوئی شے نہیں وہی آخر ہے اس کے بعد کوئی شے نہیں، وہی ظاہر ہے اس سے اوپر اور نمایاں کوئی شے نہیں، وہی باطن ہے اس کے اندر کوئی شے نہیں۔''

غرض اللہ تعالیٰ ہی کی وہ ذات ہے جو اول، آخر، ظاہر و باطن ہے! جس میں صفات کمال بھی ہوئی نہیں ہیں بلکہ اس کی ذات سے صادر ہو رہی ہیں۔ منبع کمال خود ذات ہے، ذات کو صفات کمال سے عروج نہیں ہے بلکہ صفات کمال کو ذات سے عزت ملی ہے کہ وہ اس سے اسی طرح پھوٹ رہی ہیں، جیسے سورج سے شعاعیں پھوٹتی ہیں، پس جیسے سورج کی عزت کرنوں سے نہیں بلکہ کرنوں کی عزت سورج سے ہے کہ اس سے وابستہ ہیں۔ ایسے ہی علمی اور عملی کمالات سے اسے عزت نہیں ملی بلکہ ان کمالات کی عزت اس لئے ہے کہ وہ ذات عزت کے آثار ہیں اور اس سے سرزد شدہ ہیں۔

علم غیب صرف اللہ کیلئے ہے:

پس ذات خول نہیں ہے کہ صفات اس میں پانی کی طرح بھری ہوئی ہیں بلکہ صمد ہے، ٹھوس ہے کہ ہر کمال ذات کا جوہر ہے جو ذات سے سرزد ہو رہا ہے اس لئے غیب اس کی ذات کا جوہر ہے۔ کسی داخلی یا خارجی یا اوپر نیچے کے وسیلے یا سبب سے حاصل شدہ نہیں اور ظاہر ہے کہ جب ذات خود بذاتہ عالم الغیب ہے تو علم غیب اصل میں ذات حق کی چیز ہوئی۔ کسی غیر کی نہ ہوئی۔ کیونکہ جو غیر بھی غیب پر مطلع ہوگا وہ اس کے واسطہ سے ہوگا اور ظاہر ہے کہ علم کا اس کے واسطہ سے آنا ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ علم اپنا نہیں۔ جیسے بلا واسطہ از خود ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ علم اپنا ہے۔ اس سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ علم غیب صرف حق تعالیٰ کی چیز ہے، وہیں علم غیب کی جامع تعریف بھی نکل آئی کہ۔

علم غیب کی جامع مانع تعریف

علم غیب وہ ہے جو بلا واسطہ اسباب ہو، جب بھی وہ بالواسطہ آئے گا تو حقیقی معنی میں علم غیب نہ ہوگا بلکہ علم غیب کی ہو بہو حکایت اور من وعن نقل ہوگی اور سب جانتے ہیں کہ علم کے عادی وسائل میں سے وحی الٰہی بھی ایک وسیلہ ہے، بلکہ اولین وسیلہ ہے جس کے توسط سے عالم بشریت کے علم کی ابتداء ہوتی ہے۔

کشف، الہام، فراست، وجدان و وحی:

کشف ہو یا الہام، فراست ہو یا وجدان سب بعد کے وسائل اور وحی کے دست نگر توابع میں سے ہیں۔ خود اصل نہیں۔ اس لئے عادتاً حصول علم کا سب سے پہلا، سب سے زیادہ قطعی اور یقینی وسیلہ یہی وحی الٰہی ہے۔ جس کے ذریعہ انسان علم سے آشنا ہو کر عالم کہلاتا ہے۔ پس جیسے سمع، بصر، عقل و خرد حدس و تجربہ، کشف و الہام علم کے کھلے اور چھپے ذرائع ہیں۔ جن کے راستہ سے'' (عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ)

''اس ظلوم وجہول انسان کو علم سے سرفراز فرماتا ہے۔

وحی صرف انبیاء علیہم السلام پر آتی ہے:

ایسے ہی وحی بھی ایک رفیع المنزلت اور لطیف ترین وسیلہ علم ہے' جو صرف انبیاء علیہم السلام جیسے لطیف الاجسام' لطیف الارواح' لطیف القلوب اور لطیف الاسرار مقدس گروہ کو عطا ہوتا ہے اور وہ اس کے واسطہ سے علوم الہیہ' مرضیات خداوندی اور شرائع ربانی کو جذب کرتے ہیں یا ان کی پاکیزہ ارواح غیب کے عالم کی طرف رخ کرتی ہیں جو عام نگاہوں سے اوجھل اور تمام علوم وکمالات کا سرچشمہ ہے' وہاں انہیں حقائق اور ملکوت کا روحانی مشاہدہ ہوتا ہے اور وہ ان سے علم اخذ کرکے دنیا کو دیتی ہیں' جس سے دنیا میں روشنی پھیلتی ہے اور جن وبشر عالم کہلائے جانے کے مستحق قرار پاتے ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ وحی کے سوا دوسرے وسائل کسبی ہیں۔ جنہیں مشق ومحنت اور ریاضت ومجاہدہ سے حاصل کرکے حصول علم کا ذریعہ بنایا جاسکتا ہے۔ لیکن وحی الٰہی نبوت کے بغیر نہیں ہوتی اور نبوت محض ایک موہبت الٰہی ہے جو بہ انتخاب خداوندی منتخب افراد بنی آدم کو دی جاتی ہے۔ اس لئے وحی بھی ایک موہبت ربانی ہے جو بلاکسب ومجاہدہ محض عطا الٰہی سے مخصوص نفوس قدسیہ کو دی جاتی ہے۔

(اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسٰلَتَهٗ)

اسلئے وحی کا علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے' جس میں شک کی گنجائش نہیں ہوتی کہ انکی بنیاد انتخاب الٰہی اور عطائے ربانی کی طاقتوں پر ہے۔

عام وسائل، خاص وسائل اور اخص وسائل:

بعض وسائل بلا استثناء ہر انسان کو حسب لیاقت عطا ہوئے جیسے سمع' بصر اور عقل وخرد وغیرہ اور بعض مخصوص طبقات کو ملے ہیں' جیسے کشف والہام وغیرہ' اور بعض اخص خواص طبقہ کو دیئے گئے۔ جیسے وحی خداوندی جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہے اور ہم علم غیب کی روشنی میں عرض کرچکے ہیں کہ اس کے معنی بلا واسطہ سبب علم کے ہیں اس لئے پیغمبروں کی خبر سے ہمیں اگر وہی علم حاصل ہو جو ان کو ہوتا ہے' تو وہ علم غیب نہ ہوگا۔ کیونکہ وہ ایک عادی سبب سے بالواسطہ پہنچا' اس لئے اسے حکایت وبیان علم غیب کہا جائے گا۔

شریعت میں ''علم غیب'' کا مخصوص معنیٰ:

شریعت میں علم غیب کا لفظ لغت نہیں بلکہ اصطلاح کے طور پر استعمال ہوا ہے' جس کے معنی چھپی ہوئی یا غائب اشیاء کے جان لینے کے نہیں بلکہ اس علم کے ہیں جو عادی وسائل کے واسطہ کے بغیر خود بخود حاصل ہو۔ یعنی وہ اسباب عادیہ سے غائب ہو' اور جو ان کے ذریعہ نمایاں نہ ہو۔

مثلاً ہم حواس خمسہ کے ذریعہ محسوسات کا علم حاصل کریں تو اسے علم غیب نہیں کہا جائے گا۔ یا مثلاً ہم نے سوچ بچار' عقل وتدبر اور فکر ونظر سے چند نامعلوم نتائج معلوم کرلئے جو بلاشبہ ہمارے لحاظ سے غیب تھے۔ لیکن نہیں کہا جائے گا کہ ہمیں علم غیب حاصل ہوگیا۔ کیونکہ ان نتائج کا ادراک ہمیں فکر ونظر اور سوچ بچار کے وسیلہ کے بعد ہوا۔ جو اس کام کے حاصل کرنے کے طبعی اسباب مانے جاتے ہیں۔ اور اسباب طبعیہ کے توسط سے جو علم حاصل ہوا اسے اصطلاح میں علم غیب نہیں کہا جاتا۔

مثلاً تجربہ سے ہمیں بہت سی مخفی باتیں معلوم ہوجاتی ہیں جو ناتجربہ کاروں کو معلوم نہیں ہوتیں۔ مگر پھر بھی ان مخفیات کے علم کو علم غیب نہیں کہیں گے۔ کیونکہ تجربہ خود آلات علم میں سے ہے۔ جو عادتاً تجرباتی علوم کے لئے بطور سبب اور وسیلہ کے استعمال ہوتا ہے۔

یا مثلاً اہل اللہ اور اولیائے کرام کو کشف والہام کے ذریعہ کسی بات کا علم ہوجائے' جو یقیناً ایک مخفی امر تھا تو لغتاً تو اسے علم غیب کہہ سکیں گے' کہ غیبی امور کا انکشاف ہوا۔ لیکن شرعاً علم غیب نہ کہیں گے۔ کیونکہ کشف والہام بھی بہرحال حصول علم کا ایک قدرتی اور عادی وسیلہ ہے' جو مخصوص افراد کو دیا جاتا ہے' اور وہ اس کے ذریعہ بڑے بڑے اسرار پر مطلع ہوجاتے ہیں۔

علم غیب خاصۂ خداوندی ہے:

بہرحال علم کے حسی وسائل ہوں یا معنوی' کھلے ہوئے ذرائع ہوں یا چھپے ہوئے' ان سے حاصل شدہ علم کو شرعاً علم غیب نہیں کہا جائے گا۔ اور ظاہر ہے کہ جب اصطلاحاً علم غیب وہی ہوگا جو عادی وسائل سے بالاتر ہوکر بلا واسطہ اسباب از خود ہو' تو حاصل یہ نکل آیا کہ علم غیب بجز ذات بابرکات خداوندی اور کسی کے لئے نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ غیر خدا کو جب بھی علم ہوگا اور جیسا بھی ہوگا' وہ عطاء الٰہی ہوگا اور مذکورہ وسائل میں سے کسی نہ کسی وسیلہ کے واسطہ سے ہوگا' خواہ وحی سے ہو یا کشف والہام سے' تجربے سے ہو یا حواس سے' یا عقل وخرد سے' یعنی ظاہری وسائل کے راستہ سے ہو یا باطنی اور معنوی اسباب کے طریق سے۔

اس لئے علم غیب خاصہ خداوندی نکل آتا ہے اور یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ کسی بھی بشر کو علم غیب حاصل نہیں' جبکہ کوئی بھی غیر اللہ بلا توسط اسباب خود بذاتہ عالم نہیں ہوسکتا۔ خواہ انبیاء ہوں یا اولیاء' ملائکہ ہوں یا ارواح

قدسیہ۔ یہ الگ بات ہے کہ انبیاء اور بالخصوص سردار انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام مخلوقات کے علم سے بدر جہا زائد اور فائق ہے۔ اس لئے کسی پیغمبر پر بھی عالم الغیب کا اطلاق نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ قرآن حکیم نے علم غیب کو حصر کے ساتھ جگہ جگہ صرف اللہ ہی کی ذات کی طرف منسوب اور اسی کے ساتھ مخصوص بتلایا ہے۔ فرمایا۔

ترجمہ: ''تو کہہ دے کہ غیب کی بات اللہ ہی جانے' سو منتظر رہو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرتا ہوں۔''

''تو کہہ خبر نہیں رکھتا جو کوئی ہے آسمان اور زمین میں چھپی ہوئی چیز کی مگر اللہ اور اللہ ہی کے پاس ہے' چھپی بات' آسمانوں کی اور زمین کی اور اس کی طرف رجوع ہے ہر چیز کا۔''

''اور اسی کے پاس کنجیاں ہیں غیب کی کہ ان کو کوئی نہیں جانتا اس کے سوا۔''

''اور اگر میں جان لیا کرتا غیب کی بات تو بہت کچھ بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھ کو برائی کبھی نہ پہنچتی۔''

پہلی آیت میں مثبت انداز میں انما کے ساتھ علم غیب کا اثبات صرف اللہ کے لئے کیا گیا جو حصر کا کلمہ ہے' دوسری میں نفی عام کے بعد استثنائی کلمہ سے علم غیب کو صرف اللہ کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا جو حصر کی ترکیب ہے۔ تیسری آیت میں تقدیم خبر تاخیر مبتداء کے ساتھ مرجع الامر اور عالم الغیب صرف ذات حق کو بتلایا گیا جو حصر کا اسلوب ہے' اور چوتھی آیت میں سید الاولین والآخرینؐ نے حکماً اور مامور ہو کر اپنے سے علم غیب کی نفی فرمائی اور جب آپ کو ہی علم غیب نہیں جو کمالات بشری کے منتہی اور خاتم ہیں' تو مخلوقات میں کون رہ جاتا ہے جس کے لئے یہ کمال ثابت کیا جائے۔

اس لئے نتیجتاً علم غیب کا استحقاق اور ثبوت حصر کے ساتھ صرف حق تعالیٰ کے لئے ہی رہ جاتا ہے اور حاصل یہ نکل آیا کہ عطائے علم حقیقی علم غیب نہیں ہوسکتا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ قرآنی تصریحات کے مطابق علم غیب صرف اللہ رب العزت کو ہے اور کسی کو نہیں۔

مخفی وعیاں سب کا بلاواسطہ علم ''علم غیب'' ہے:

اس سے دوسرا نتیجہ یہ نکلا کہ علم غیب کا لفظ مخفیات اور مغیبات ہی کے ساتھ خاص نہ ہوگا' جبکہ اس کے معنی ہی مخفی شے کے جاننے کے نہیں' بلکہ بلا سبب و بالذات جاننے کے ہیں' خواہ وہ چھپی ہوئی ہو یا کھلی ہوئی' اس لئے آسمان و زمین کا جاننا ذروں اور ستاروں کا علم اور ستارے کی حرکات کا علم بھی علم غیب ہوسکتا ہے' اگر بلاتوسط اسباب عادیہ ہو یعنی عطاء غیر نہ ہو' بلکہ ذاتی ہو۔

غرض نہاں و عیاں سب کے علم کو علم غیب کہیں گے' جبکہ وہ بالذات ہو' نہ کہ محض مخفی شے کے علم کو علم غیب کہا جائے گا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کسی شے کا غیب یا مخفی ہونا ہمارے لحاظ سے ہے' نہ کہ حق تعالیٰ کے لحاظ سے کہ اس کے سامنے تو ہر چیز ہمہ وقت حاضر اور عیاں ہے۔ اگر چھپی ہوئی اور اوجھل شے کے جاننے کا نام علم غیب ہوتا تو حق تعالیٰ کو کسی وقت بھی عالم الغیب نہ کہہ سکتے کہ وہاں کوئی چیز بھی غیب یعنی مخفی اور اوجھل ہے ہی نہیں' اس سے واضح ہے کہ ذات حق میں علم غیب کے معنی مخفیات کے علم کے نہیں' بلکہ بالذات علم کے ہیں۔

بخلاف بشر کے کہ بہت سی مخفیات اور امور غائبہ علم کے بعد بھی اس سے غائب ہی رہتی ہیں' جیسے جنت و نار' عرش و کرسی ہے' لوح و قلم وغیرہ کا قطعی علم اور حتمی عقیدہ رکھتے ہیں۔ لیکن پھر بھی یہ اشیاء ہم سے غائب ہیں۔ اس لحاظ سے لغوی توسعات سے اگر عالم الغیب کہلایا جاسکتا تھا تو صرف انسان نہ کہ ذات حق۔ لیکن جب کہ شرعاً علم غیب کے معنی ہی یہ نہیں کہ مخفی شے کو جان لیا جائے' بلکہ یہ ہیں کہ اشیاء کو بلاتوسط وسائل ذاتی طور پر جانا جائے تو اس لحاظ سے اللہ کے سوا کوئی غیر اللہ عالم الغیب نہیں ہوسکتا۔ صرف خدا ہی کو عالم الغیب کہنے کا حق ہوگا۔ اس لئے اسی کی عمومی شان فرمائی گئی۔

عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيْرُ الْمُتَعَالِ ۝ سَوَآءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِالَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۝

''جاننے والا پوشیدہ اور ظاہر کا' سب سے بڑا برتر' برابر ہے تم میں جو آہستہ بات کہے اور جو کہے پکار کر اور جو چھپ رہا ہے رات میں اور جو گلیوں میں پھرتا ہے دن کو۔''

پس وہ غیب و شہادت کو بطور علم غیب کے جانتا ہے۔ یعنی بلاتوسط اسباب بذاتہ اس پر مطلع ہے' خواہ اس کی یہ معلومات ہماری نظر سے چھپی ہوئی ہوں یا ہماری نگاہوں کے سامنے ہوں۔ پس غیب و شہود ایک تو معلوم کی صفت ہے وہ تو لغتہ ہے یعنی آنکھ' ناک' کان وغیرہ حواس سے اوجھل چیز تو غیب ہے اور ان مدرکات کے سامنے آئی ہوئی چیز مشاہدہ ہے' اور ایک غیب صفت علم کی ہے' وہ اصطلاح شریعت ہے جس سے مراد حسب معروضہ سابق وہ علم ہے جو حواس ظاہرہ و باطنہ اور عادی اسباب علم سے بالاتر ہو کر خود ذات میں موجود ہو۔ ظاہر ہے کہ وہ ذات بجز اللہ کے دوسری نہیں' کیونکہ اس کا علم خود اپنا اور اپنی ذات سے ہے۔ کسی کا دیا ہوا یا کسی کے واسطہ سے نہیں۔ کہ اسے وسیلہ اور سبب کی ضرورت پڑے۔ ہاں اس کے سوا جسے

بھی کچھ علم ہے وہ اس کے دینے سے ہے از خود نہیں اور اس کا دینا ہی بالواسطہ علم کا آنا ہے کیونکہ اس کی عطایا اسباب ظاہرہ سے ہوگی جیسے حواس ظاہرہ یا اسباب باطنہ سے ہوگی۔خواہ وہ اسباب خفیہ ہی ہوں جیسے عقل وفکر، کشف والہام اور وحی چنانچہ شق اول کے بارے میں ارشاد ربانی ہے۔

﴿وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا ۙ وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ ۙ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾

''اور اللہ نے تم کو نکالا تمہاری ماں کے پیٹ سے نہ جانتے تھے تم کسی چیز کو اور دیئے تم کو کان آنکھیں اور دل تاکہ تم احسان مانو۔''

شق ثانی کی نسبت فرمایا:

﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا ۭ مَا كُنْتَ تَدْرِيْ مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ نَّشَاۗءُ مِنْ عِبَادِنَا ۭ وَاِنَّكَ لَتَهْدِيْٓ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ﴾ (شوریٰ)

''اور اسی طرح بھیجا ہم نے تیری طرف ایک فرشتہ اپنے حکم سے تو نہ جانتا تھا کہ کیا ہے کتاب اور ایمان ولیکن ہم نے رکھی ہے یہ روشنی اس سے راہ سمجھا دیتے ہیں جس کو ہم چاہیں اپنے بندوں میں سے اور بے شک تو سیدھی طرف رہنمائی کرتا ہے۔''

دوسری جگہ فرمایا:

ترجمہ: ''یہ خبریں غیب کی ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلموں کو کہ کون پرورش میں لے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے۔''

انسان کا علم ہر حال میں عطائی ہے:

انسان خواہ مشاہدات کا علم حاصل کرے یا مخفیات کا، چونکہ وہ اسباب عادیہ کا تابع ہے، خواہ وہ حسی ہوں یا معنوی، اس لئے اس کا علم ذاتی نہ ہوگا، عطائی ہوگا اور عطائی علم چونکہ اسباب عادیہ کے تحت ہوتا ہے، اس لئے اس کے حامل کو ''عالم الغیب'' نہ کہیں گے۔ہاں حق تعالیٰ کا علم تمام چیزوں کے متعلق خواہ وہ کھلی ہوئی ہوں یالغتاً چھپی ہوئی ہوں علم غیب ہوگا۔کہ سارے اسباب سے بالاتر محض ذاتی ہے۔جس میں عطائی ہونے کا شائبہ تک نہیں۔

چنانچہ ایک موقع پر فرمایا گیا:

﴿وَمَا مِنْ غَاۗىِٕبَةٍ فِي السَّمَاۗءِ وَالْاَرْضِ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ﴾

''اور کوئی چیز نہیں جو غائب ہو زمین اور آسمان میں مگر موجود ہے کھلی کتاب میں۔''

قرآن کی اس تصریح کے باوجود کہ کوئی چیز بھی اس سے کسی وقت بھی غائب نہیں۔ہر چیز ہمہ وقت اس کے سامنے حاضر ہے کہ اس کا علم ہی حضوری ہے حصولی نہیں، پھر بھی اسے عالم الغیب کہا جا رہا ہے تو اس کے معنی بجز اس کے اور کیا ہو سکتے ہیں کہ عالم الغیب ہونے کے معنی اشیاء غائبہ کے جان لینے کے نہیں۔بلکہ تمام اشیاء کو ذاتی طور پر جاننے کے ہیں، جس میں اسباب ووسائل کا ادنیٰ دخل نہ ہو، جس سے واضح ہے کہ یہ غیب کسی غائب کی صفت نہیں جو لغت ہے، بلکہ اسباب سے بالاتر اور بالذات کے معنی میں ہے جو اصطلاح شریعت ہے۔اس لئے کوئی بشر باصطلاح شریعت اور بمعنی مذکور عالم الغیب بن ہی نہیں سکتا۔

علم غیب کے معنی اور اس کے شرعی حکم کے بارے میں کتاب وسنت کی تشریحات پیش کی گئیں۔جن سے علم غیب کا شرعی نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

علم غیب کی تشریح:

ارشاد حق تعالیٰ ہے:

ترجمہ: اور غیب کا جاننے والا وہ ہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو، تو اس پیغمبر کے آگے پیچھے پہرہ چوکی بٹھلا دیتا ہے (محافظ فرشتے بھیجتا ہے اور خلقی قوتوں کی ناکہ بندی کر دیتا ہے) تاکہ اللہ جان لے (واضح کر دے) کہ رسولوں نے (رسول ملکی نے نبی تک اور رسول بشری نے امت تک) اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے۔اور اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کا احاطہ کئے ہوئے ہے جو ان (رسل) کے پاس ہے اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے!''

کسی شے کا پتہ دینے والا وہی ہو سکتا ہے جس کے علم میں وہ شے ہو اور پتہ لینے والا وہی ہو سکتا ہے جو اس شے اور اس کے علم سے خالی ہو۔ورنہ اگر پتہ دینے والا اس سے بھرپور نہ تھا اس نے پتہ کس چیز کا دیا؟ اور پتہ لینے والا خالی نہ تھا تو اسے لینے اور دوسرے کے آگے اپنی احتیاج ظاہر کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس لئے حق تعالیٰ کا اطلاع دہندہ غیب ہونا، اس کے عالم الغیب ہونے کی دلیل نکلتا ہے، گویا ابتداء آیت میں کلمہ عالم الغیب ایک دعویٰ ہے اور ﴿فَلَا يُظْهِرُ﴾ اس کی دلیل ہے اور ظاہر ہے کہ جب یہ اطلاع دہی اسی کے ساتھ مخصوص ہے جیسا کہ آیت کا نظم اور انداز بیان بتلا رہا ہے، تو عالم الغیب ہونا بھی لامحالہ اسی کی ذات کے ساتھ مخصوص ہونا چاہئے جو آیت کا مدعا ہے۔

وہی یکتا وتنہا عالم الغیب ہے اور وہی بلاشرکت غیرے اطلاع دہندہ غیب ہے۔

حاصل یہ ہے کہ اظہار یا اطلاع غیب اختیاری فعل ہے جو کسی صاحب اختیار ہی سے سرزد ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے کہ روئی کے کاغذ اور لوہے کی مشینیں با اختیار اشیاء نہیں ہیں کہ ارادہ سے اطلاع دہی کا فعل کر دکھلائیں یعنی یہ اشیاء وسائل اطلاع ہیں اطلاع کنندہ نہیں کہ ان کی غیر ارادی اور غیر شعوری نشاندہی کو اطلاع غیب کہا جائے۔ چہ جائیکہ ان کے بارے میں غیب دانی کا کوئی سوال پیدا ہو۔ اس لئے ان مثالوں سے حق تعالیٰ کی اطلاع دہندگی غیب کی خصوصیت پر کوئی حرف نہیں آ سکتا۔

نکتہ: اطلاع غیب کی آیت کو اپنے ذاتی نام (اللہ) سے شروع کرنے کے بجائے اپنی صفت عالم الغیب سے شروع فرمایا۔ تاکہ پہلی ہی نظر میں واضح ہو جائے کہ اطلاع دہندہ غیب وہی ہوسکتا ہے جو خود بھی غیب دانی کی صفت سے متصف اور عالم الغیب ہو۔ نہ کہ اطلاع کنندہ اور ذریعہ خبر رسانی ہو۔

وحی کے ذریعہ انتہائی حفاظت کے ساتھ علم اللہ تعالیٰ دیتا ہے:

الغرض وحی الٰہی میں مہبط وحی یعنی نبیؑ کے ذاتی تفکر اور تجربہ اور سعی وجستجو کا کوئی دخل نہیں ہوتا تھا اور نہ خطرات ووساوس کی مخفی قوتیں (شیاطین) ذرہ برابر دراندازی کرسکتی تھیں کہ ان پر پہرہ چوکی بٹھا دیا جاتا تھا۔ قبول وحی کے لئے نبی کی وہ فطرت ملکی مہبط بن جاتی تھی جو صرف انبیاء کے لئے مخصوص ہے۔ جو علم کا قطعی اور غیر مشتبہ واسطہ اور وسیلہ ہے لیکن وسیلہ پھر وسیلہ ہی ہے۔ اس لئے وسائل سے حاصل شدہ علم کے حامل کو" عالم الغیب" نہیں کہہ سکتے کہ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس کا علم عطائی نہیں ذاتی ہے! علم کا اطلاع دہندہ نہیں کہا جائے گا کہ حق تعالیٰ کی اطلاع دہی غیب میں کسی قسم کے شرک کا واہمہ پیدا ہو۔ پس علم غیب کی اطلاع دہی کی شان صرف حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مخصوص رہی جبکہ وہی عالم الغیب بھی رہا اور وہی اطلاع دہندہ غیب بھی۔

علم نجوم، رمل وغیرہ اور کشف وکرامات:

منجم، جفار، رمال، کاہن، طبیب، پامسٹ وغیرہ بہت سی پیشین گوئیاں کرتے اور مستقبل کی خبریں اپنے علم مہارت اور ظن وتخمین سے دیتے ہیں۔

یہ لوگ فنی طور پر قواعد فن سے استدلال کر کے ان معلومات تک پہنچتے ہیں، جو ظن وتخمین کی حدود سے آگے نہیں بڑھتیں، اور سب جانتے ہیں کہ ظنی امور جیسے اتفاقی طور پر واقعہ کے مطابق ہوسکتے ہیں ایسے ہی خلاف واقعہ بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔

ایسے ہی اولیاء اللہ کا کشف ان کے ریاضت ومجاہدہ کا ثمرہ ہوتا ہے نہ کہ اطلاع حق کا نتیجہ۔ اس لئے وہ شرعی حجت نہیں ہوتا کہ اس سے اشتباہ والتباس کلیۃً رفع نہیں ہوتا۔

پس عالم الغیب اور اطلاع دہندہ غیب ہونا صرف حق تعالیٰ ہی کی ذات بابرکات کی خصوصیات رہ جاتی ہیں جس میں کوئی اس کا شریک وسہیم نہیں ہوسکتا۔

صرف اللہ تعالیٰ کا علم ذاتی ہے:

یعنی (عَلٰی غَیْبِہٖ) کے کلمہ سے غیب کو اپنی ذات کی طرف منسوب فرما کر اور بالفاظ دیگر غیب کو اپنی ذاتی چیز بتلا کر واضح فرما دیا کہ وہ اطلاع دہندہ غیب اور عالم الغیب اس لئے ہے کہ اس نے کسی سے اطلاع پا کر غیب کی اطلاع نہیں دی اور وہ کسی کے بتائے سکھائے سے غیب دان نہیں ہوا۔ بلکہ غیب اس کی اپنی ذاتی چیز ہے اور وہ بذاتہٖ عالم الغیب ہے۔ بخلاف انبیاء ورسل کے کہ وہ اگر غیب کی باتیں امت کو بتاتے ہیں، تو نہ اس لئے کہ یہ غیب ان کی ذات میں تھا، یا وہ از خود اس پر ازل سے مطلع تھے، بلکہ اللہ کے بتانے اور سکھانے پر انہوں نے غیبی حقائق پر اطلاع پائی، اور اطلاع دی، اس لئے انبیاء کرام کے علم کو "علم الغیب" نہیں کہہ سکتے کہ ان کا یہ علم بالواسطہ ہے۔ گو قطعی اور یقینی ہے۔

حواس خمسہ، آنکھ، ناک، کان، زبان اور جلد سے دیکھ کر، سن کر، سونگھ کر، چکھ کر اور چھو کر جو کچھ علم ہمیں ہوتا ہے وہ خود ہماری ہی ذات سے ہم میں ابھرتا ہے جس میں کسی دوسرے کی مدد شامل نہیں ہوتی، ہم ہی دیکھتے، سنتے ہیں، کوئی دوسرا ہماری آنکھ کان سے نہیں دیکھتا، سنتا کہ اس کے دیکھنے سننے کو ہم اپنا علم بنالیں۔

(فَلَا یُظْھِرُ) اور کلمہ رَصَداً کے مجموعہ میں موجود ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ یہ عقل وسمع یا سوچ بچار کا علم اطلاع خداوندی سے نہیں، بلکہ تخلیق خداوندی سے ہے۔ خلقی شعور، خلقی سوچ بچار کو اطلاع خداوندی نہیں کہتے کہ علم غیب کا سوال پیدا ہو، بلکہ سوچ سوچ کر کوئی بات پیدا کر لینا خود اس کی دلیل ہے کہ وہ ہم میں نہیں تھی کہیں سے لائی گئی ہے، اگر وہ ہم میں ہوتی تو اس میں اس کاوش اور دماغ سوزی کی ضرورت نہ پڑتی۔

محسوسات اور معقولات کا علم گو بظاہر ذات کی قوتوں سے ابھرنے کی وجہ سے ذاتی نظر آتا ہے۔ مگر یہ قوائے ذات جبکہ خود ذات کی اپنی قوتیں نہیں، بلکہ ذات میں ودیعت شدہ ہیں کہ ودیعت رکھنے والا جب چاہے رکھ دے اور

جب چاہے نکال لے اس لئے وہ گھٹتی بڑھتی اور آتی جاتی رہتی ہیں تو ان سے حاصل شدہ علم بھی اپنا یا اپنی ذات کا نہیں کہلایا جائے گا اسے بھی ودیعت شدہ کہا جائے گا کہ جب چاہے ودیعت کرنے والا ہم میں ڈال دے اور جب چاہے نکال لے۔ چنانچہ اس سمع بصر اور فواد کے علم کی انسانی عمر کی ابتداء میں بھی اس سے نفی کی گئی ہے کہ (لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا) اور انتہاء میں بھی نفی کی گئی کہ (لِكَيْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْئًا)۔

جس سے واضح ہے کہ اس ابتداء وانتہاء کے درمیان گھڑی ہوئی محدود مدت کے لئے یہ عقل وحس کا علم آجاتا ہے اور آخر میں اول کی طرح رخصت ہو جاتا ہے۔ جو اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ علم انسان کا اپنا نہیں جسے ذاتی کہہ کر اس پر علم غیب کا لیبل چپکا دیا جائے۔

ترتیب یوں ہوگئی کہ ان سے حاصل شدہ علم تو عقل وحس کے واسطہ سے ہوا اور عقل وحس وغیرہ ذات کے واسطہ سے ہوئے اور خود ذات خالق کے واسطہ سے نمودار ہوئی۔ تو یہ علم بہ واسطہ ہم میں پہنچا' سوایسے واسطہ در واسطہ علم کو اپنا ذاتی علم کہنے کی جرات وہی کرے گا جسے علم وعقل سے کوئی واسطہ نہ ہو۔ چہ جائیکہ اس علم پر غیب کا عنوان قائم کیا جائے۔

وحی کے وقت حواسِ عادیہ پر پابندی لگانے کی حکمت

یہی وجہ ہے کہ وحی کے وقت ان تمام ظاہرہ وسائل علم' فکر وخیال' اور حدس وتجربہ وغیرہ نیز تمام قوائے حسیہ' سمع ونظر' ذوق ومذاق وغیرہ اور پھر تمام جذبات طبعیہ' شہوت وغضب اور سرور وحزن وغیرہ پر پہرہ چوکی بٹھا دیا جاتا تھا' کہ نزول وحی کے وقت ان کی آمیزش سے وحی کا علم قطعی مشتبہ نہ ہونے پائے' بلکہ ان طبعی وسائل سے حاصل شدہ معلومات بھی جو پہلے سے قوت حافظہ میں محفوظ ہوتی ہیں یا عام طبعی عادات واخلاق جو خلقتاً طبیعت میں بطور جوہر نفس کے پڑے ہوئے ہوتے ہیں' وحی کے وقت سب پیچھے ہٹا دیئے جاتے تھے اور انہیں وحی اترنے کے اوقات میں سبقت کرنے اور آگے بڑھنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جاتی تھی۔ زبان کی حرکت تک کے بارے میں یہ فرمایا گیا۔

(لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۝ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ ۝ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۝ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ ۝)

''(اے پیغمبر) اپنی زبان نہ ہلایئے کہ (وحی کو یاد کرنے میں) جلدی کرنے لگیں' ہمارے ذمہ ہے اس کا (آپ کے سینہ میں) جمع کر دینا اور (آپ کی زبان سے) پڑھوا دینا پھر اس کو کھول دینا بھی ہمارے ہی ذمہ ہے۔''

نکات: (۱) قرآن نے اس استثنائی ترکیب اطلاع غیب کے سلسلہ میں کسی پیغمبر کا نام نہیں لیا فلاں فلاں کو غیب پر مطلع کیا گیا کہ اس سے ان مقدسین کی ذوات مستحق اطلاع غیب سمجھی جاتیں۔ بلکہ مِنْ رَّسُوْلٍ کا لفظ لاکر وصف رسالت کا تذکرہ کیا ہے۔ جس سے واضح ہے کہ اطلاع غیب کی مستحق اور متقاضی کسی رسول کی ذات نہیں بلکہ وصف رسالت ہے۔ بالفاظ دیگر اس اطلاع غیب کا تحمل صرف وصف رسالت ہی کرسکتا ہے کسی بشر کی ذات یا وصف بشریت حتی کہ بشیریت کے دوسرے اونچے اونچے کمالات تقویٰ وطہارت' زہد وقناعت اور صلاح ورشد وغیرہ میں سے بھی کوئی وصف نہیں کرسکتا۔ خلاصہ یہ کہ جیسے علم غیب اللہ کی ذات کے ساتھ مخصوص ہے جس میں کوئی غیر اللہ شریک نہیں' ایسے ہی اللہ کی جانب سے غیب پر مطلع ہونا رسولوں کے ساتھ مخصوص ہے جس میں کوئی غیر رسول شریک نہیں۔ پس (اطلاع غیب کا) استحقاق ذات رسول کے ساتھ نہیں' بلکہ وصف رسالت اور عہدہ ومنصب نبوت کے ساتھ مخصوص نکلا۔ جو لفظ مِنْ رَّسُوْلٍ کا طبعی تقاضا ہے۔ ورنہ اس موقع پر مِنْ رَّسُوْلٍ کا لفظ لانا عبث اور بے معنی ہو جاتا!

اور ظاہر ہے کہ رسول کی رسالت کا موضوع اور مقصد اصلاح خلق اللہ اور بندگان خدا کی رہنمائی اور تربیت کی تکمیل ہے' اس لئے وصف رسالت کا فطری تقاضا وہی علوم غیب ہوسکتے ہیں جو ہدایت واصلاح میں کارآمد ہوں' جن علوم غیبیہ کا اصلاح وتربیت میں دخل نہ ہو تو خود وصف رسالت ہی ان سے کنارے کنارے رہے گا۔

(۲) اسی طرح کلام الٰہی کے اعجازی نظم میں جبکہ مِنْ رَّسُوْلٍ کی قید کے ساتھ وصف رسالت کا عنوان لاکر یہ کہا گیا کہ ہم نے رسول کو غیب پر مطلع کر دیا ہے تو اس کے معنی اس کے سوا اور کیا ہوسکتے ہیں کہ اس وصف رسالت اور منصب رسالت سے متعلق امور غیب بتلا دیئے ہیں۔

(۳) مِنْ رَّسُوْلٍ کے لفظ کا فطری تقاضا اور قواعد فن کا اقتضاء یہ ہے کہ رسول جمیع غیب پر مطلع نہ ہوں' بلکہ اطلاع خداوندی سے صرف اتنے ہی غیب سے باخبر ہوں جو ہدایت ورہنمائی کے لئے ضروری ہو' خواہ وہ حوادث کا علم ہو یا احکام کا' تکوین کا ہو یا تشریع کا۔ اس لئے خدا اور رسول کے علم کی برابری کا تخیل خواہ وہ کسی بھی نوعیت سے ہو' اور خواہ اس پر ذاتی کا عنوان رکھا جائے یا عطائی کا لیبل چسپاں کیا جائے' لفظ مِنْ رَّسُوْلٍ کے تقاضوں کے خلاف' بلکہ ان تقاضوں کی تردید کرنے کے مترادف ہے۔

تو قرآن نے اس کھٹک کو بھی ''فَلَا يُظْهِرُ'' ہی کے کلمہ سے رفع دفع کر دیا ہے'

(۴) جس کی تشریح یہ ہے کہ تعلیم غیب کو اظہار غیب اور اطلاع غیب کے عنوان سے تعبیر فرمایا' عطاء غیب سے نہیں۔ جس میں لطیف اشارہ اس طرف

ہے کہ رسولوں کو علم کا یہ حصہ بعینہٖ سپرد نہیں کر دیا جاتا' صرف اس کی اطلاع دے دی جاتی ہے' جس کے معنی یہ نکلے کہ رسولوں کا یہ علم ذاتی تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ علم غیب کہلائے' عطائی بھی نہیں بن سکتا۔ بلکہ صرف اطلاعی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اول تو اظہار کے معنی لغت ہی میں عطاء کے نہیں کہ اظہار غیب کو عطائے غیب کہا جائے اور رسولوں کے علم کو عطائی علم کا عنوان دیا جائے۔

(۵) دوسرے یہ کہ عطاء علم کے معنی مخلوق میں اسلئے بھی نہیں بن سکتے کہ عطاء دے دینے کو کہتے ہیں اور دے دینے کی حقیقت کسی شے کو اپنے سے جدا کر کے منتقل کر دینے کی ہے۔ اپنے پاس رکھ کر اس کی اطلاع کر دینے کو عطاء نہیں کہتے۔ اور ظاہر ہے کہ علم حق تعالیٰ کی اپنی صفت ہے۔ اس کا حق تعالیٰ سے جدا ہو کر منتقل ہو جانا محال ہے' ورنہ بصورت منتقلی وہ صفت ذات باقی نہیں رہ سکتی جو عقلاً اور شرعاً محال ہے۔

پس حق تعالیٰ بلا شبہ معطی اور عطاء کنندہ ہیں' مگر اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں کی حد تک' جو ذات کے اندر نہیں ہوتیں' خود اپنی ذات یا ذاتیات کے حق میں معطی نہیں ہیں' کہ اپنی ذات دوسرے کو دے کر خدا بنا دیں اور خود معاذ اللہ خدا نہ رہیں یا اپنی صفات اسے دے دیں اور خود معاذ اللہ معریٰ عن الصفات رہ جائیں۔

اطلاع کردہ شے ان سے جدا نہیں ہوتی اور دوسرے تک بعینہٖ نہیں پہنچ جاتی' بلکہ اس شے کی مثال اور تصویر پہنچتی ہے' جس کے معنی یہ نکلے کہ اطلاع علم حکایت علم ہوتا ہے' عین علم نہیں' عین علم اصل عالم کی ذات ہی میں قائم رہتا ہے۔ کیونکہ عین علم یا اصل علم کے معنی یہ ہیں کہ عالم میں اس کی جڑ اور اس کا منشاء قائم ہے' اور وہ اس کی ذات کا جوہر اور عین ہے' جو بلا وسیلہ اور بلا توسط اسباب خود بخود اس میں موجزن' ہمہ وقت اس کے سامنے حاضر اور اس میں سے امنڈتا رہتا ہے! جس میں نہ نسیان کا دخل ہے' نہ بھول چوک کا خلل' نہ کہیں سے اسے لانے کی ضرورت ہے' نہ منتقل کرانے کی۔ جیسے کوئی اپنی ذات کو نہیں بھول سکتا۔ ایسے ہی اپنی خوبیوں اور اپنی صفات نفس کو بھی نہیں بھول سکتا' کیونکہ بھول چوک ہمیشہ باہر سے حاصل شدہ چیز میں ہوتی ہے' جو اپنی اور اپنے قبضہ کی نہ ہو۔ خود اپنی اندرونی چیزوں میں نہیں ہوتی۔ یہی شان خلق کے علم کی بھی ہے کہ وہ ذات میں جڑ پکڑے ہوئے ہے۔ یعنی خود ذات ہی منشاء انکشاف ہے! جس سے علم اس کی ذاتیات میں سے ہے!

ظاہر ہے کہ مخلوق کے علم کی یہ شان کبھی نہیں ہو سکتی' اگر مخلوق کا علم بھی اس کا اپنا اور خانہ زاد ہوتا' یعنی اس کی ذات ہی منشاء انکشاف ہوتی' جس سے یہ علم ہمیشہ اس کے سامنے حاضر رہا کرتا' تو اس میں بھول چوک نسیان وذہول اور خطاء فکری واجتہادی کبھی ممکن نہ ہوتی' حالانکہ وہ نہ صرف ممکن بلکہ واقع ہے اور انبیاء علیہم السلام تک کے حق میں شاذ صورتوں میں وقوعی امکان کے ساتھ ممکن ہے' جس سے واضح ہے کہ خالق کی طرف سے مخلوق میں علم اس طرح نہیں آ سکتا کہ اپنے اصل چشمہ سے جدا ہو کر یہاں پہنچ جائے' اور مخلوق کا جوہر ذات بن جائے!

اس لئے یہی ایک صورت متعین ہو جاتی ہے کہ رسولوں کو جو علم بھی ہو وہ بعینہٖ ذات حق سے منتقل ہو کر ان میں نہ آئے۔ بلکہ علم کے مخفی وسائل واسباب (جیسے وحی والہام) کے راستہ سے اس کی حکایت وشباہت ان میں ڈال دی جائے۔ جو علم الٰہی کا عکس وظل پرتو ہو۔ اور اس طرح یہ پاکباز بندے اور ان کے مصفا قلوب نور علم سے منور ہو جائیں' بالکل اسی طرح جیسے طلوع آفتاب کے بعد مثلاً شفاف آئینہ منور اور روشن ہو جاتا ہے۔ لیکن اصل نور آفتاب کی ذات ہی کے ساتھ قائم رہتا ہے' صرف اس کی ضیاء اور چمک یا اس کا عکس آئینہ پر پڑتا ہے۔ جس سے وہ روشن نظر آنے لگتا ہے۔ لیکن اس حالت میں بھی یہ چمک دمک آئینہ کی ذاتی چیز نہیں بن جاتی کہ وہ اسے سورج سے جدا کر کے اپنے پاس رکھ لے' اور کسی حالت میں اپنے سے جدا نہ ہونے دے۔

پس انبیاء علیہم السلام کے آئینہ قلوب میں جس قدر بھی علم آتا ہے وہ ذات حق سے منتقل اور جدا ہو کر نہیں آتا کہ یہ محال ہے' بلکہ اطلاع حق سے اس کا پرتو اور ظل ان میں سما جاتا ہے۔ جس سے ان کے قلوب جگمگا اٹھتے ہیں۔

وہ کل کا کل ہر وقت آپ کے سامنے رہتا ہوا اور آپ علم شرائع کی حد تک گویا حاضر وناظر ہوں' اس لئے کبھی کبھی "انسا" (یعنی کسی آیت کا ذہن سے فراموش کر دیا جانا' یا کسی ماحول کے باہمی نزاع سے کسی علم کا قلب مبارک سے اٹھا لیا جانا بھی واقع کر دیا گیا ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ رسولوں کو جتنا علم دیا جاتا ہے وہ بھی جوہر ذات نہیں ہو جاتا کہ کبھی زائل نہ ہو سکے۔ یہ الگ بات ہے کہ حق تعالیٰ اپنے فضل سے القاء فرمودہ علم رسولوں سے کبھی زائل نہیں ہونے دیتے۔ یہ نسیاں طرازی یا رفع علم کی چند مثالیں محض اس لئے واقع کی جاتی ہیں کہ علم سے نابلد لوگ رسولوں کو اس القاء شدہ علم میں بھی خدا کا شریک یا اس سے بے نیاز نہ سمجھ بیٹھیں' بلکہ اسی حقیقت کو نمایاں کرنے کے لئے حضورؐ پر شریعت کے مختلف مہمات ومسائل کی وحی الگ الگ اور وقتاً فوقتاً کی گئی ہے!

یہ صورت نہ تھی کہ آپ کو نبوت کے مقام رفیع پر پہنچا کر بیک دم اور اچانک ذات پاک نبوی کو منشاء علم بنا دیا گیا ہو اور ضرورتوں یا حوادث کے وقت خود بخود آپ کے اندر سے علم ابھر آتا ہو! اگر یہ صورت ہوتی تو تئیس برس تک تدریجی وحی نازل نہ ہوتی' اور مسائل پوچھے جانے کے وقت آپؐ وقتاً فوقتاً یوں نہ فرماتے کہ "مجھ پر ابھی تک اس بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا۔" نیز آپ کبھی بھی کسی حکم کی وحی کے انتظار میں بار بار چہرہ مبارک اٹھا کر آسمان کی طرف نہ دیکھتے' جیسا کہ تحویل قبلہ کے بارے میں آپؐ نے کئی بار ایسا کیا۔

بہر حال حضورؐ کا یہ علم خاص (علم شرائع واحکام) بھی علم غیب نہیں ہے۔ اس لئے خدا اور رسول میں اس علم خاص کی نوعیت کی حد تک مساوات یا شرکت کا خیال باندھ لینا کہ یہ مخصوص علم جو خدا کو ہے وہی رسول کو ہے' فرق صرف عطائی اور ذاتی کا ہے' محض ایک خیال فاسد رہ جاتا ہے جس کی کوئی سند کتاب وسنت سے نہیں نکلتی۔

پس قرآنی کلمہ ﴿فَلَا يُظْهِرُ﴾ نے اس جزوی مساوات کے شبہ کو بھی رد کر دیا اور واضح ہو گیا کہ مسئلہ علم میں کسی نہج سے بھی خدا اور رسول میں کوئی مساوات یا شرکت نہیں' علم ہمہ وقت صرف اللہ تعالیٰ کو ہے!

اس حقیقت کی مزید تائید اس آیت کے جملہ ﴿وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ﴾ سے بھی ہوتی ہے اور وہ اس طرح کہ اگر رسول کی طرف اللہ کا یہ علم بعینہٖ منتقل ہو جاتا' تو رسول کا یہ علم خدا کے علمی احاطہ سے نکل جاتا' حالانکہ اطلاع غیب کے بعد احاطہ کا لفظ بولا جانا اس کی واضح دلیل ہے کہ رسول جس علم پر مطلع ہیں' اور ان کے پاس جو بھی علمی سرمایہ ہے' وہ اب بھی بدستور خدا ہی کے علمی احاطہ میں ہے' اس سے باہر نہیں' ظاہر ہے کہ کسی چیز کا کسی کے احاطہ میں گھرا ہوا ہونا اس کے اپنے ہاتھ میں ہونے اور اپنے قبضے میں رہنے کی دلیل ہے' اگر اپنے پاس سے جدا ہو جائے تو اسے اندرون احاطہ نہیں کہہ سکتے۔

نادان مدعیانِ محبت:

پس کہاں رسول کے لئے مدعیان محبت رسولؐ کی طرف سے علم کلی اور علم ما کان وما یکون کے بلند بانگ دعاوی اور کہاں قرآن کا یہ اعلان کہ وہ علم بہ نسبت علم الٰہی کے علم جزوی ہے اور وہ بھی صرف اطلاع کی حد تک ہے' جو ذات حق سے کسی طرح جدا نہیں کہ مخلوق میں بعینہٖ چلا آئے۔

وسوسہ اور اس کا جواب:

اس مرحلہ پر پہنچ کر ممکن ہے کہ کوئی خارج از عقل انسان' خدا اور رسول کے علم میں برابری ثابت کرنے کے لئے یہ کہنے کی جرات کرے کہ جتنے علم پر خدا نے رسول کو مطلع فرمایا ہے' ہو سکتا ہے کہ اس کا سارے کا سارا علم یہی ہو' اس سے زائد کچھ نہ ہو۔ تو اس صورت میں صورت مساوات پھر وہی پیدا ہو جاتی ہے جس کا رفع دفع کیا گیا تھا۔ سو اس وسوسہ کے دفعیہ کے لئے اسی آیت میں ﴿وَاَحَاطَ بِمَا لَدَيْهِمْ﴾ کے بعد:

﴿وَاَحْصٰى كُلَّ شَيْءٍ عَدَدًا﴾' کا بھی اضافہ فرما دیا گیا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ جو علم رسولؐ کے پاس ہے وہ تو اس کے احاطہ میں ہے ہی' اس کے علاوہ بھی ہر ہر چیز اور ہر ہر ذرہ گن گن کر اس کے علم میں ہے۔

مَالَدَيْهِم کا علم اور ہے جس پر رسول صلی اللہ علیہ وسلم مطلع ہیں اور ﴿كُلَّ شَيْءٍ﴾ کا علم اس علم کے علاوہ بھی ہے جو رسولوں کی اطلاع میں لایا جا چکا ہے۔ اور پھر وہ لامحدود بھی ہے' جس میں ذرہ ذرہ شمار اور گنتی کے ساتھ علم ازلی میں آیا ہوا ہے۔ کیونکہ اسے ﴿كُلَّ شَيْءٍ﴾ کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس لئے احاطۂ کلی صرف خدا ہی کے علم کا خاصہ ثابت ہوتا ہے اور علم خدا ورسول میں اس خیالی مساوات کا اب کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا۔ جس کے داخل کرنے کی باطل سعی کی جاتی ہے۔

یعنی اطلاع غیب کو استثناء ترکیبی کے ساتھ رسولوں کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے' اور ظاہر ہے کہ امت کو اس غیب کی خبر اس اطلاع یعنی وحی والقاء کے ذریعے نہیں ہوتی' جس سے رسول کو ہوتی ہے۔ کیونکہ امت اولاً نبی کو ان کی نشانیوں سے نبی مان کر پھر ان کی خبر کو تسلیم کرتی ہے' تو امت کا یہ علم استدلالی ہو جاتا ہے۔ اطلاعی نہیں رہتا!

امت تک یہ علم استدلال سے آتا ہے کہ فلاں ذات بدلائل قطعیہ رسول خدا ہے' اور رسول کی خبر واجب التسلیم ہے اور واجب القبول ہے۔ البتہ رسول تک اس غیب کی اطلاع کا سلسلہ چونکہ مخفی اور غیبی ہے' اس لئے یہاں پہرہ چوکی بھی علم کے تمام مخفی وسائل پر جو انسان کے اندر ہوں' بٹھلایا جاتا ہے۔ تاکہ وحی الٰہی غیر مشتبہ طریق سے رسول تک پہنچے۔ مگر امت کو یہی خبر چونکہ ظاہری وسائل سے پہنچتی ہے اور پیغمبرؐ سے لے کر ہم تک اطلاع دہندہ سب انسان ہیں' جو خبر کی سند کے سلسلہ میں جڑے ہوئے ہوتے ہیں' اس لئے یہاں پہرہ چوکی استدلالی رنگ کا ان ظاہری وسائل یعنی خبر کی سند اور طریق پر بٹھلایا گیا کہ راوی ثقہ ہوں' معلوم الحال ہوں' عادل ہوں' متقی ہوں اور پھر ہر دور میں اتنے ہوں کہ عادتاً اور عقلاً ان کا جھٹلا دیا جانا محال اور فطرت کے خلاف ہو۔ پس امت کے اس اخبار غیب کی سند کا کم از کم متواتر ہونا ضروری ہے تاکہ یہ غیبی حکایت بلا اشتباہ پہنچے۔ اور واجب القبول بن سکے۔ سو اصل اطلاعی غیب

جو سارے علوم شرعیہ کی جڑ و بنیاد ہے یعنی قرآن کریم حضور تک تو باطنی تواتر کے ساتھ انتہائی تحفظ سے پہنچا کہ جس میں بعض بعض آیتوں کے ساتھ علاوہ جبریل علیہ السلام کے ستر ستر ہزار فرشتوں کا لشکر ہوتا تھا' جو مل کر اس کی حفاظت کرتے تھے۔ جس میں تمام غیبی موانع یعنی جنات وشیاطین وغیرہ پر پہرہ چوکی بٹھلایا ہوا تھا۔ اور ہم تک یہی قرآن ظاہری تواتر کے ساتھ پہنچا' کہ ہر ہر قرن میں دس بیس نہیں ہزاروں ہزار مستند حفاظ سینوں میں لے کر اس کی روایت اور کتابت سے اس کی حفاظت کرتے رہے۔ جن میں تمام ظاہری موانع اور انسانی تلبیس کے ممکن سے ممکن پردے اصول روایت کی رو سے چاک ہوتے رہے اور کسی دراندازکو موقع نہ مل سکا' کہ اس کے الفاظ یا معنی میں کوئی ادنیٰ تحریف یا تلبیس کر سکے۔ وہاں رسولوں کو معصوم کیا گیا کہ عصمت ہر دراندازسے حق کو بچاتی رہے۔ یہاں امت کو مجموعی حیثیت سے ''محفوظ'' رکھا گیا کہ بحیثیت مجموعی اس سے حق منقطع نہ ہوا اور یہ حق سرچشمہ (قرآن حکیم) بہرحال اپنے الفاظ ومعانی وکیفیات کے ساتھ محفوظ رہے۔

رہی قرآن کی اولین شرح اور تفسیر یعنی حدیث رسول ؐ جو نا گزیر ہے اس کا کوئی حصہ تواتر سے ثابت ہے' کوئی شہرت سے' کوئی ندرت وغیرہ سے ثابت ہے اور کوئی غرابت سے۔ سو اس کے درجات ثبوت ہی کی قدر اس کی قبولیت اور حجیت کے مراتب ہیں' جو فن میں محفوظ ہیں اور اس طرح قرآن اور حدیث اپنے اپنے درجہ میں کلیۃً امت میں محفوظ ہیں۔ جن پر ظاہری اور باطنی پہرے چوکی لگے ہوئے ہیں کہ کسی دراندازکو ان میں تبدیلی اور تحریف کا موقع نہیں مل سکتا۔ چنانچہ امت کی تیرہ سو سالہ تاریخ شاہد ہے کہ اس قسم کے در انداز برساتی کیڑوں کی طرح بارہا ابھرے اور مختلف روپوں میں نمایاں ہوئے۔ مگر بالآخر موسم نکل جانے پر خود ہی اپنی موت مر گئے جن کا آج نشان پا تلک نہیں ملتا۔ اور قرآن وحدیث اپنی اس آب وتاب کے ساتھ زندہ اور درخشندہ ہیں اور تا قیامت رہیں گے! اب شہادت کی گنجائش باقی نہیں رہی۔

اللہ تعالیٰ ہمہ وقت اور دوامی عالم غیب ہے:

اس موقع پر آیت نے حق تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کو فعل کے صیغے سے ذکر نہیں فرمایا بلکہ صفت کے صیغے سے ذکر کیا ہے' یوں نہیں کہا گیا کہ ''یَعْلَمُ الْغَیبِ'' (وہی جانتا ہے غیب کو) بلکہ یوں کہا گیا (عٰلِمُ الْغَیْبِ) (وہی جاننے والا ہے غیب کو) کیونکہ فعل زمانے ہوتا ہے' جو کسی نہ کسی زمانہ ہی کے ساتھ مقید اور مخصوص ہو کر پایا جاتا ہے ماضی کا فاعل ہے تو وہ مستقبل میں نہیں ہوتا اور مستقبل کا ہے تو ماضی اس سے خالی ہوتا ہے۔ اور حال ہے تو ماضی ومستقبل دونوں اس سے خالی ہوتے ہیں۔ غرض فعل ہمہ وقت نہیں ہوتا۔ کسی وقت ہوتا ہے کسی وقت نہیں' یعنی جس وقت کا وہ فعل ہے اسی وقت میں پایا جائے گا۔ دوسرے اوقات میں نہیں۔

اس لئے اگر علم غیب کے اثبات کے لئے فعل ماضی کا صیغہ لا کر یوں کہا جاتا کہ ''اس نے غیب جان لیا'' تو مستقبل میں علم غیب ثابت نہ ہوتا' اور اگر مستقبل کا عنوان دے کر یوں کہا جاتا کہ ''وہ غیب کو جان لے گا'' تو ماضی میں اس کا عالم الغیب ہونا نہ نکلتا اور اگر حال کا عنوان رکھ کر یوں کہتے کہ ''وہ جانتا ہے غیب کو'' تو فی الحال تو وہ عالم الغیب ثابت ہو جاتا۔ مگر ماضی ومستقبل دونوں اس فعل سے خالی ثابت ہوتے اور علم غیب دوامی نہ ثابت ہوتا۔ اس لئے فعل کے بجائے صفت کے صیغہ سے علم غیب کا اثبات کیا گیا جو کسی زمانہ کے ساتھ مقید اور مخصوص نہیں ہوتی۔ بلکہ ذات کے ساتھ وابستہ اور تا قیام ذات دوامی ہوتی ہے۔

کہ وہ ازل میں عالم الغیب ہے اور ابد میں بھی ہے' اور اس پر کوئی لمحہ ایسا نہیں آ سکتا کہ وہ عالم الغیب نہ ہو' اور اس لمحہ میں کسی ہنگامی شریک کی گنجائش نکلے جو اس بوجھ کو اٹھائے اس لئے وہ اپنے علم لامحدود میں دواماً واستمراراً ازلاً وابداً عالم الغیب اور اس ذاتی صفت میں ہمہ وقت وحدہ لاشریک لہ ہے۔ نہ اس کا کوئی شریک مستقل ہے' نہ شریک عارضی وہنگامی۔

قرآن پاک کی اعجاز بیانی:

بہرحال قرآن حکیم نے اپنے اعجازی نظم اور معجزانہ طرز اسلوب بیان سے مسئلہ علم الغیب کو نکھار کر صاف کر دیا اور اس میں کسی شرک پسند کے لئے مشرکانہ واہموں کی گنجائش نہیں چھوڑی۔ بالخصوص آیت اظہار غیب اس بارے میں ایک جامع ترین ہدایت نامہ ہے۔ جس نے اس مسئلہ کو ہر قسم کے زمانی' مکانی' ذاتی' عرضی' دوامی اور ہنگامی شرکاء سے بری کر کے اور اللہ کی علمی توحید کو ہر شک وشبہ سے پاک کر کے مسئلہ کے ہر مثبت اور منفی پہلو کو کھول دیا ہے۔

مسئلہ ''علمی توحید'' کا خلاصہ:

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اولاً اس نے۔

(۱) لفظ ''(عٰلِمُ الْغَیْبِ)'' سے ابتداء کر کے اللہ کے عالم الغیب ہونے کا اعلان کیا۔

(۲) پھر اسے ''اطلاع دہندہ غیب'' بتا کر علم غیب کو اس کا خاصہ ثابت کیا۔ جس سے ہر غیر اللہ سے علم غیب کی نفی ہو گئی۔

(۳) پھر (عَلٰی غَیْبِہٖ) کے لفظ سے علم غیب کو اس کا ذاتی علم ثابت

کیا جس سے ہر مخلوق کے حق میں ذاتی علم کی نفی ہوگئی۔

(۴) پھر تلقین غیب کو "اطلاع غیب" کا عنوان دے کر غیر اللہ کے لئے صرف اطلاعی علم ثابت کیا۔ جس سے عطائی علم کی مخلوق سے نفی ہوگئی۔ تا کہ خالق کی ذات کسی بھی حصہ علم سے خالی نہ سمجھی جائے۔

(۵) پھر حق تعالیٰ کے علم غیب کے اثبات کے لئے فعل کے بجائے صفت کا صیغہ (عالم الغیب) استعمال کر کے علم خداوندی کو ازلی' ابدی اور دوامی واستمراری ثابت کیا۔ جس سے غیر اللہ کے لئے علم دوامی کی نفی ہوگئی اور مخلوق کا علم ہنگامی اور عارضی ثابت ہوا۔

(۶) پھر "اظہار غیب" کے کلمہ سے اسے غیب کی اطلاع دینے میں فاعل مختار ثابت کیا۔ جس سے تمام وسائل علم غیب کے اطلاع دہندہ غیب ہونے کی نفی ہوگئی۔

(۷) پھر ظہور غیب کو "اطلاع خداوندی" کے ساتھ مقید اور منحصر ثابت کر کے ہر استدلالی علم کو علم غیب ہونے سے خارج کیا۔ جس سے فنی طور پر مستقبل کی باتیں بتلانے والوں کے غیب داں ہونے کی نفی ہوگئی۔

(۸) پھر کلمہ "مِنَ الرَّسُولِ" کے اقتضاء سے رسول کے لئے علم کلی کی نفی ہوگئی۔ اور بشر کے لئے علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنَ کا سوال ختم ہوگیا۔

(۹) پھر اسی مِنْ رَّسُولٍ کے کلمہ سے رسول کے لئے علم جزئی ثابت کر کے خدا اور رسول کے علم کا فرق واضح کیا کہ خدا کا علم محیط اور کلی ہے اور رسول کا اس کے لحاظ سے جزئی اور محدود جس سے خدا اور رسول کے علم میں مساوات کا تخیل منفی ہوگیا۔

(۱۰) پھر اس علم کو پیغمبرؐ کے حق میں اطلاعی کہہ کر مِنْ رَّسُولٍ ہی کے کلمہ سے امت کے حق میں اسے رسالاتی علم ثابت کیا۔ جس سے امت کے حق میں اس کے اطلاعی علم ہونے کی بھی نفی ہوگئی۔ بلکہ یہ غیبی علم اس کے حق میں استدلالی ہوگیا۔ (تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ)۔

مسئلہ کا مثبت و منفی پہلو:

غرض آیت کریمہ کے بلیغ بیان اور اس کے ایک ایک لفظ سے علم غیب کے مثبت اور منفی پہلو دونوں ساتھ ساتھ نکھرتے چلے گئے ہیں۔ اثباتی پہلو سے تو ذات حق کے لئے اس علم کے تمام مراتب وشئون تخصیص کے ساتھ ثابت ہوتے گئے ہیں اور منفی پہلو سے غیر اللہ سے اس علم کے تمام شئون ومراتب منفی ہوتے چلے گئے ہیں اور اس طرح یہ اعجازی آیت مسئلہ علم غیب کے تمام مہمات اور اس کے تمام مالہ وماعلیہ کا جامع ترین بیان ثابت ہوتی ہے۔ جس سے توحید خداوندی کا یہ اہم ترین رکن (علم غیب) ہر شرک آمیز تصور اور منافی توحید توہم سے منزہ مقدس اور بے غبار ہو کر نمایاں ہوگیا۔

بے دلیل دعویٰ:

ان قرآنی تصریحات وتلمیحات کے ہوتے ہوئے حضرت سید الاولین والآخرینؐ کے لئے علم غیب کا دعویٰ اور وہ بھی علم کلی اور علم ما کان وما یکون کی قید کے ساتھ نہ صرف بے دلیل اور بے سند بلکہ مخالف دلیل' معارض ناقابل التفات ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا علم بے نظیر و بے مثال ہے:

مگر اس سے اس حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا کہ تمام کائنات جن و بشر اور روح وملک میں سب سے وسیع تر' سب سے زیادہ اور بے نظیر و بے مثال علم حضرت اعلم الاولین والآخرین صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ہے۔ عالم میں نہ اتنا بڑا عالم باللہ اور عارف حق پیدا ہوا' نہ ہوگا۔ اگر کوئی حضورؐ کے اس علم کی عظیم وسعت وکثرت اور زیادت وجامعیت میں شک کرے اور آپ کے اعلم الخلائق ہونے میں اس کو تامل ہو تو وہ اپنے ایمان کی فکر کرے۔ لیکن اس یقینی اور ناقابل تامل علم عظیم کی وسعت ثابت کرنے کا یہ طریقہ نہیں کہ رسولوں کو خدا کہا جائے۔ مخلوق کو خالق کے برابر کردیا جائے۔ اور انہیں ذرہ ذرہ کا عالم اور ما کان وما یکون کا جاننے والا کہہ کر ان کے علوم ہدایت واصلاح میں زید' عمر' بکر کی خانگی جزئیات دنیا بھر کے انسانوں کے تمام ذہنی وساوس وخطرات اور حوادث عالم کے روزمرہ کے تمام افسانے ان کے علم کا جز وقرار دے دیئے جائیں کہ اس سے نہ صرف سلیم طبائع ہی انکاری ہیں۔ بلکہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی انکار واعراض فرما رہے ہیں اور نہیں چاہتے کہ یہ جزئی جزئی قصے اور دور دراز کار معلومات آپ کے ظرف علم میں بھرے جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابہ کو ہدایت:

چنانچہ حضورؐ نے اپنے اکابر صحابہؓ کو ہدایت فرمائی کہ لوگوں کی کمزوریاں میرے سامنے لا کر نہ رکھو، میں چاہتا ہوں کہ دنیا سے سلیم الصدر رخصت ہوں گویا اس قسم کی معلومات سے قلب مبارک خود کنارہ کش رہنا چاہتا تھا، جو اصل مقصود نبوت سے تعلق نہ رکھتی ہوں۔ اور اوپر سے قلب کی یکسوئی اور جمعیت میں خلل انداز بھی ہوں۔ بلکہ دنیا سے "سلیم الصدر رخصت ہونے" کے جملے سے اور بھی اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اس قسم کی معلومات رخصتی کے آخری لمحات میں بھی حضورؐ کو گوارا نہیں تھیں کہ وہ ذہن مبارک میں آئیں جنہیں زبردستی

مدعیان عشق رسول ان آخری لمحات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف حضورؐ کے لئے تجویز کرنے سے نہیں شرماتے۔

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک دن ایک منقش مصلے بچھا دیا تو آپؐ نے اسے اٹھا دیا اور فرمایا کہ ''اس کے گل بوٹوں نے مجھے مشغول کر لیا'' (یعنی نماز کی یکسوئی اور دل جمعی میں فرق آ گیا) جس سے واضح ہے کہ اس قسم کی جزئیاتی معلومات و محسوسات جن کا ارشاد و ہدایت سے کوئی تعلق نہ ہو، آپؐ اپنے خزانہ خیال میں جمع فرمانا بھی پسند نہیں فرماتے تھے۔ اس لئے کہ شان رسالت کے لئے موزوں اور مناسب ہی یہ تھا اور یہی اس شان اقدس کا فطری تقاضا بھی تھا۔ کہ آپؐ کو صرف ان ہی مقاصد و احکام کا علم دیا جائے، جو بنی نوع انسان کے لئے حصول سعادت کا ذریعہ اور شقاوت سے بچاؤ کا وسیلہ ہوں اور آپؐ کے نفس طیبہ کے لئے ہمہ وقتی ترقی اور قرب خداوندی کی بیشی کا ذریعہ ہوں اب اگر انبیاء علیہم السلام کو علوم شرعیہ کے علاوہ علوم طبعیہ، علوم ریاضیہ، علوم فلسفیہ، علوم منطقیہ، مثل سائنس، فلسفہ، ریاضی ہیئت ہندسہ، شعر و شاعری، سحر و ساحری، کہانت، نجوم اور زید، عمر، بکر، کے گھریلو قصے معلوم نہ ہوں تو علم کی یہ تحدید ان کے لئے نقص نہیں، بلکہ عین کمال اور ان کی پاک فطرتوں کا عین مقتضاء ہے۔

علم نافع و غیر نافع:

چنانچہ حدیث نبویؐ میں خبر دی گئی ہے کہ آپ نے کسی موقع پر ایک ہجوم دیکھا جو کسی شخص کے ارد گرد جمع تھا۔ پوچھا، یہ کیسا مجمع ہے؟ عرض کیا گیا کہ۔

''رَجُلٌ عَلَّامَةٌ'' ایک بڑا عالم ہے جس پر لوگ ٹوٹے پڑ رہے ہیں اور وہ علم کی باتیں لوگوں کو بتلا رہا ہے، فرمایا، کیسا علم؟ عرض کیا گیا شعر اور انساب کا علم تو ارشاد فرمایا۔

عِلْمُهُ لَا يَنْفَعُ وَجَهْلُهُ لَا يَضُرُّ اِنَّمَا الْعِلْمُ آيَةٌ مُحْكَمَةٌ اَوْسُنَّةٌ قَائِمَةٌ اَوْفَرِيْضَةٌ عَادِلَةٌ.

''یہ وہ علم ہے کہ نہ تو اس کا جاننا کچھ نافع ہی ہے اور نہ اس کا نہ جاننا ہی کچھ مضر ہے علم تو (حقیقتاً) آیت محکمہ (قرآن) یا سنت قائمہ (حدیث) یا فریضہ عادلہ (جو ان دو جیسا ہو یعنی اجتہاد مجتہد یا اجماع) ہے''

اس سے واضح ہے کہ نبوت کی نگاہ میں نہ ہر علم مطلقاً نافع ہی ہے اور نہ ہر علم علی الاطلاق مطلوب، ورنہ علم کی تقسیم نافع اور مضر کی طرف لغو اور فضول ہو جاتی۔ درحالیکہ قرآن حکیم نے بھی اس تقسیم کو قبول فرمایا اور اس پر متنبہ کیا ہے۔ سحر و ساحری کے بارے میں فرمایا:

﴿وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ﴾

شعر و شاعری کو اپنے رسول سے دور رکھتے ہوئے گویا اس کے مضر ہونے کی طرف اشارہ فرمایا کہ:

﴿وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ﴾

''اور ہم نے اسے شاعری نہیں سکھائی اور وہ اس کے لئے مناسب (یعنی شایان شان) بھی نہیں ہے''

وہ علوم جو شان رسالت کیلئے مناسب نہیں:

ظاہر ہے کہ جس علم کو حق تعالیٰ اپنے رسول کے لئے غیر موزوں بتلائے اور جس کے مضر ہونے کی صراحت فرمائے اس کا شوق رسول پاکؐ کے ذہن مبارک میں کیسے آ سکتا تھا، اور اس پاک ظرف میں یہ دور از کار نبوت معلومات کیسے ڈالی جا سکتی تھیں! بہرحال اس قسم کے غیر رسالاتی علوم بلاشبہ ظرف نبوت میں پہنچ کر الجھن ہی کا باعث ہوتے کہ مقصد سے بے تعلق تھے، اس لئے قابل قبول نہ ٹھہرے تو ان سے ظرف نبوت کا خالی رہنا ہی نبوت کا کمال ہو سکتا ہے، نہ کہ اس کا نقص اندریں صورت اللہ کے اس عظیم الشان رسول کے لئے علم ماکان و مایکون ثابت کرنے کی لا حاصل سعی کرنا ان کے وصف رسالت کے تقاضوں کو بے اثر دکھلانا ہے جو وصف رسالت کی توہین ہے نہ کہ تعظیم۔

علم غیب کلی کی نفی:

اس لئے اگر نبی کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم خود ہی اپنے سے علم غیب کی کلی نفی اور علم کلی کا صاف اور واضح انکار فرمائیں اور مامور من اللہ ہو کر فرمائیں تو یہ نفی ایک حقیقت ہوگی نہ کہ تواضع و انکسار۔ چنانچہ قرآن کی زبان میں آپ نے فرمایا اور مامور من اللہ ہو کر فرمایا: ''تو کہہ میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے اور نہ میں جانوں غیب کی بات اور نہ میں کہوں تم سے کہ میں فرشتہ ہوں، میں اسی پر چلتا ہوں جو میرے پاس اللہ کا حکم آتا ہے اور میں تو صرف (کھلے طور پر) ڈرانے والا ہوں''

اس میں اپنے سے علم غیب کی علی الاطلاق نفی ہے۔ جس میں کلی کی قید ہے نہ جزئی کی، جس کا حاصل یہی ہے کہ میں کچھ بھی علم غیب نہیں رکھتا۔ جس کی وجہ آگے ذکر فرمائی گئی ہے کہ میرا منصب انذار اور بد انجام کی ہلاکت اور عذاب خداوندی سے ڈرانا ہے جس کیلئے علم غیب کی ضرورت نہیں صرف ان امور کے علم کی ضرورت ہے جن کو اس ڈرانے میں دخل ہو

اور وہ اس انذار وتبشیر میں موثر ثابت ہوں۔

اس لئے اب ان عرض کردہ آیات و روایات یعنی کتاب وسنت کو سامنے رکھ کر علم کی تقسیم یوں نہ ہوگی کہ اللہ کا علم ذاتی اور رسول کا علم عطائی یعنی نوعی فرق کے ساتھ دونوں کا برابر گویا ایک حقیقی خدا، اور ایک مجازی خدا یا بقول عیسائیوں کے ایک الہ مجرد، اور ایک الہ امجد۔ معاذ اللہ بلکہ یوں ہو گی کہ ایک علم، علم غیب ہے یعنی علم ذاتی جو بلا وسیلہ واسباب ذات سے ابھرے اور بالذات ہو بالغیر نہ ہو، یہ علم کلیۃً حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے، غیر اللہ کو اس علم کا نہ کل حاصل ہے نہ جز و نہ کلی نہ جزوی۔

رسول پاکؐ کے لئے اس قسم کے علم کا دعویٰ رکھنے والے اپنے دعوے میں مخلص ہوں اور بزعم خود محبت رسول میں غرق ہو کر خوش اعتقادیوں سے ہی وہ یہ دعویٰ کرتے ہوں۔ سو ان کی نیت اور جذبہ پر حملہ مقصود نہیں مگر یہ گذارش ضرور ہے کہ یہ دعویٰ خواہ کتنا ہی جوش عقیدت وعظمت اور ولولہ شوق ومحبت سے کیا گیا ہو مگر ہم مسلمان صرف عقائد واحکام ہی میں آسمانی ہدایات کے پابند نہیں بنائے گئے، بلکہ عشق ومحبت کے جذبات اور اظہار عقیدت ومحبت میں بھی شرعی حدود وقیود کے پابند کئے گئے ہیں۔

بہر حال مدعیان عشق میں تو ممکن ہے کہ مدح رسول کی یہ دفعہ مل جائے کہ علم رسول صلی اللہ علیہ وسلم علم خدا کے برابر ہے لیکن خود خدا کے کلام میں اس دفعہ کا کوئی وجود نہیں اور کسی ایک آیت میں بھی رسول کریم کے عالم الغیب ہونے یا عالم ما کان وما یکونہونے کا دعویٰ نہیں کیا گیا۔ اور کیا گیا ہے تو اس علم کی کلی نفی کا جیسا کہ مذکورہ اوراق سے کافی روشنی میں آچکا ہے۔ حتیٰ کہ کسی صریح حدیث میں بھی یہ دفعہ نہیں مل سکتی۔

متشابہ کلام:

البتہ یہ ممکن ہے کہ حدیث کے کسی متشابہ کلام کی آڑ لی جائے اور محض اپنے دعوے کی لاج رکھنے کی سعی کی جائے چنانچہ اس کے لئے سب سے زیادہ نمایاں کر کے حدیث معاذ ابن جبل رضی اللہ عنہ کو پیش کیا جاتا ہے جو مشکوٰۃ میں روایت کی گئی ہے شاید اسی کے ایک ذو معنی لفظ سے حضورؐ کے علم کلی کا تخیل قائم کیا گیا ہے مضمون حدیث کا حاصل یہ ہے کہ۔

''ایک دن سرور دو عالم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھ دیر سے کھلی، قریب تھا کہ آفتاب طلوع ہو جائے اور نماز صبح قضا ہو جائے کہ آپ گھبرائے ہوئے باہر تشریف لائے اور مختصر سی نماز پڑھ کر لوگوں کو بیٹھے رہنے کا حکم دیا اور دیر سے آنے کی وجہ ارشاد فرمائی کہ نماز تہجد میں مجھے اونگھ سی آگئی، بدن بوجھل ہو گیا تو اچانک میں نے اپنے رب کو نہایت ہی پاکیزہ صورت میں خواب میں دیکھا اور یہ حق تعالیٰ نے مجھے تین دفعہ خطاب فرما کر پوچھا کہ اے محمد! ملاء اعلیٰ کس چیز میں جھگڑتے ہیں؟ میں نے تینوں دفعہ لا ادری کہہ کر اپنی لاعلمی کا اظہار کیا آخر جناب باری تعالیٰ عزاسمہ نے اپنی ہتھیلی (جیسی ہتھیلی اس کی شان کے مناسب ہو) میرے دونوں مونڈھوں کے درمیان رکھ دی تا آنکہ میں نے ان کے پوروؤں کی ٹھنڈک سینہ کے درمیان محسوس کی''

فَتَجَلّٰى لِي كُلُّ شَيْءٍ وَعَرَفْتُهُ.

''تو ہر چیز مجھ پر منکشف ہوگئی اور میں پہچان گیا''

یہی کُلُّ شَیْءٍ کا مبہم کلمہ ہے جو علم غیب کلی کے لئے بطور دلیل پیش کیا جاتا ہے۔

استدلال کا باطل ہونا:

تو اس کی بنیاد پر تو کسی نظریہ کی بھی عمارت نہیں اٹھائی جا سکتی، چہ جائیکہ عقیدہ کی عمارت کھڑی کی جائے۔

(۱) سواول تو کل شئی سے ذرہ ذرہ اور ما کان وما یکون مراد لئے جانے کی کوئی دلیل نہیں بالخصوص جبکہ اطلاع غیب کی آیت کے کلمہ من رسول سے ابھی واضح ہو چکا ہے کہ شرعیات اور ان کے متعلقات کے سوا باقی معلومات وصف رسالت کا مقتضاء ہی نہیں ہیں کہ یہاں دوراز کار اشیاء کا علم کُلُّ شَیْءٍ کے عموم میں داخل کیا جائے اس لئے کل شئی سے موضوع رسالت ہی کی کل اشیاء مراد لی جائیں گی۔ حدیث میں حضورؐ سے سوال کیا گیا (یعنی ملاء اعلیٰ کے جھگڑنے کی چیزیں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اپنی لاعلمی ظاہر فرمائی۔ مقام کا تقاضا ہے کہ وہی کل اشیاء آپؐ پر منکشف ہوئیں اور آپؐ کو ان کی کامل معرفت حاصل ہوگئی جس کا سبب حق تعالیٰ کا ید قدرت آپؐ کے سینہ مبارک کے درمیان رکھ دینا ہوا، جو تصرف تھا حضورؐ کی روحانیت میں اور وہ بھی انتہائی قرب کے ساتھ۔ کیونکہ ہاتھ رکھ دینا کمال قرب کی انتہا ہے۔

یہ تصرف ایسا ہی تھا جیسا کہ پہلی وحی میں جبکہ حضرت جبریل علیہ السلام نے ظاہر ہو کر آپؐ سے تین مرتبہ اقراء کہا اور آپ نے تینوں مرتبہ مَا اَنَا بِقَارِئٍ فرما کر لاعلمی کا اظہار فرمایا تو انہوں نے تین دفعہ حضورؐ کو سینے سے لگا کر دبایا اور سخت دبایا جس کا تعب آپ کو محسوس ہوا یہ درحقیقت ملکیت کے ساتھ آپؐ کو انتہائی طور پر قریب کر کے بلکہ ملا کر روح پاک میں تصرف کرنا تھا جس کا اثر علم وانکشاف کی صورت میں ظاہر ہوا اور آپؐ نے اقراء کے جواب میں قرات وحی شروع فرما دی اور حقیقت حال کا انکشاف ہو

گیا۔ ایسے ہی یہاں بھی حق تعالیٰ نے تین بار اختصام ملاء اعلیٰ کا سوال فرمایا اور آپ ؐ نے تینوں بار لاعلمی کا اظہار کیا تو براہ راست ید قدرت سے انتہائی قرب بخش کر بلکہ اپنے سے ملا کر تصرف فرمایا جس سے وہ لاعلمی ختم ہوگئی علوم مقصودہ کا انکشاف ہوگیا اور اس سوال کے جواب اور جواب کے تمام مضمر علوم کی استعداد آپ ؐ میں دفعتاً پیدا ہوگئی جنہیں زبان و بیان سے آپ ؐ نے کھولنا شروع فرمادیا گویا جتنی باتوں کا سوال کیا گیا تھا، آپ ؐ کو انہی کے کل مضمرات کا انکشاف ہوا اور اسی کو کل شئی سے تعبیر فرمایا گیا پس اس کل شئی کے مفہوم کو ذرہ ذرہ پر محیط مان کر علم ما کان و ما یکون مراد لیا جانا ایک بے دلیل دعویٰ ہے جس کی اس روایت میں کوئی سند نہیں۔

(۲) لیکن اگر مذکورہ شرعی قاعدہ اور قرآنی اصول کو (کہ حضور ؐ کے لئے مَايَنْبَغِىْ لَه یعنی مناسب شان نبوت ہی علوم مراد لئے جائیں) نظر انداز کرکے محض حدیث کے الفاظ ہی پر جمود کیا جائے اور کل شئی کو ذرہ ذرہ کے لئے عام ہی مانا جائے تو پھر اس پر بھی غور کرلینا چاہئے کہ تجلی کے معنی علم کے نہیں بلکہ کسی چیز کے پرتو اور عکس وظل کے سامنے کردینے کے ہیں جیسے (فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ) میں تجلی کے معنی اس کے سوا دوسرے نہیں کہ حق تعالیٰ نے شجرہ مبارکہ پر اپنے نورانی ظل وعکس سے جلوہ گری فرمائی اور اپنی شان کو نمایاں فرمادیا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ کسی مادی ظرف میں اس کی لطیف وخبیر ذات کا بعینہ اتر آنا قطع نظر اس بے انتہاء لطافت اور پاکیزہ شان کے لائق نہ ہونے کے یہ ممکن بھی کب ہے کہ محدود میں لامحدود سما جائے جیسے آئینہ میں آفتاب کے اتر آنے کا مطلب یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اس چھوٹے سے ظرف میں یہ زمین سے گیارہ کروڑ بڑا نورانی جسم خود اتر آیا کہ یہ ناممکن ہے بلکہ یہ ہوتا ہے کہ آفتاب کا عکس یا پرتو اس میں آگیا مگر مجازاً کہا یہی جاتا ہے کہ آفتاب آئینے میں اتر آیا۔

اسی طرح تجلی اشیاء کا مطلب اس کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا کہ اچانک عالم کی کل اشیاء مجھ پر منکشف ہوئیں یعنی ان کی صورت مثالی میرے سامنے آگئی سو اسے کشف کہیں گے علم نہیں کہیں گے اور اگر علم کا لفظ بھی بولا جائے گا تو مناسب مقام اس کے معنی بھی انکشاف اور کشف ہی کے ہوں گے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ حدیث کسوف شمس میں ہے کہ بحالت نماز حضور ؐ نے جنت و دوزخ دونوں کو دیوار قبلہ میں دیکھا تو یہ وہی جنت و دوزخ کی صورت مثالی کا انکشاف تھا علم نہ تھا علم تو ان دونوں کا پہلے ہی سے حضور ؐ کو تھا۔

بہرحال اس تجلی مثالی کا نام کشف ہے علم نہیں اور کشف آنی ہوتا ہے کہ اچانک سارا عالم سامنے آجائے مگر جب وہ کشفی حالت رفع ہو تو وہ بھی اوجھل ہوجائے حضرت معاذ بن جبل ؓ کا ضغطہ قبر (قبر کا آپ کو دبانا) حضور ؐ پر منکشف ہوا جو وقتی حال تھا بعض اہل قبور کا عذاب آپ ؐ پر منکشف ہوا جو ایک ہنگامی حال تھا بعد میں نہیں رہا۔ یہ نہیں کہ آپ ؐ اسے ہر وقت دیکھتے ہی رہے یا جہان بھر کی تمام قبروں کے حالات حضور ؐ پر ہمہ منکشف رہتے تھے۔

بہرحال کشف احوال و مواجید میں سے ہے جو ہمہ وقت نہیں رہتا بخلاف علم کے کہ وہ ہم رنگ نفس بن کر پائیدار ہوتا ہے پس حق تعالیٰ کے ید قدرت کے تصرف کا یہ قدرتی اثر تھا کہ قلب اکرم ؐ چمک اٹھا اور اسمیں کائنات کی ساری اشیاء اپنی مثالی صورتوں کے ساتھ اچانک زیر نظر آگئیں لیکن یہ تجلی مقصود نہ تھی صرف تصرف حق کی خصوصیت تھی اس سے مقصد اصلی قلب نبوۃ کو چمکا کر وہ علوم اس میں پیدا کرنے تھے جن کا سوال حق تعالیٰ کی طرف سے کیا گیا تھا کہ "فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَأُ الْاَعْلٰى" (ملاء اعلیٰ والے کس چیز میں جھگڑتے ہیں؟) چنانچہ وہ روشن ہوئے تو اسی کو آپ ؐ نے فرمایا "وعرفت" یعنی میں حقیقت حال پہچان گیا" اور اس کے بعد ہی آپ نے اس سوال کے جواب پر اپنے بیان سے روشنی ڈالنی شروع کردی۔

اس کی مثال بعینہ ایسی ہی ہے جیسے کہ کوئی شخص کتاب کا مطالعہ کرنے کے لئے چراغ جلائے اور سارا گھر روشن ہوجائے اور مقابل کی ہر چیز نظر آنے لگے لیکن یہ انکشاف اشیاء خانہ چراغ جلنے کی خاصیت ہوتی ہے خود ان اشیاء کا سامنے لانا اور دیکھنا مقصود نہیں۔ مقصود اصلی مطالعہ کتاب ہوتا ہے، تاکہ مسائل کا علم ہو ٹھیک اسی طرح تصرف خداوندی جو قلب مبارک پر ہاتھ رکھنے کی صورت سے ہوا چراغ روشن کرنے کے مشابہ ہے جس سے شفاف لطیفہ نبوت اکرم ؐ چمک اٹھا۔ اس چمک میں اشیاء کائنات کا اک دم متجلی اور منعکس ہوجانا گھر کی چیزوں کے روشن ہوجانے کے مشابہ ہے اور اسی روشنی میں مطالعہ کتاب جو اصل مقصد ہے، سوال خداوندی کا جواب ذہن میں آجانے کے مشابہ ہے اس لئے حدیث میں تجلی اشیاء سے تو کشف مراد ہے جو خود مقصود نہیں، اور معرفت سے علوم مقصود کا کھل جانا مراد ہے جو اس تصرف الٰہی کا اصل مقصود تھا پس کل اشیاء کائنات کا اچانک آپ کے سامنے کھل جانا کشف تھا، علم نہ تھا اور ظاہر ہے کہ کشف اگر ساری کائنات کا بھی ہوجائے تو آنی اور دفعی ہوتا ہے جس میں استقرار نہیں ہوتا گویا وہ ایک حال ہوتا ہے جو آتا ہے اور چلا جاتا ہے بسا اوقات اہل حال، اہل اللہ پر ایسے واردات کا ورود دفعتہً ہوا ہے کہ کل کا کل عالم فرش سے عرش تک اور اس سے بھی اوپر کے اور بڑے بڑے جہاں ان پر اچانک منکشف ہوکر سامنے آگئے۔

یہ علم نہیں بلکہ اجمالی مشاہدہ ہے جس میں کل کائنات اچانک سامنے

آجاتی ہے اور فوراً ہی یہ مشاہدہ ختم ہوجاتا ہے اگر ہم ہوائی جہاز پر سوار ہوکر دلی کے اوپر پرواز کریں اور کہیں کہ اس وقت کل دلی ہمارے سامنے ہے تو دعویٰ صحیح ہے مگر نہیں کہا جاسکتا کہ ہم نے دلی جزئی جزئی تفصیل کے ساتھ دیکھ لی اور ہماری نگاہیں اس کے ایک ایک گھر میں گھسیں اور اس کے ذرہ ذرہ کا مشاہدہ کرآئیں اور جتنی مشاہدہ میں آئیں وہ مشاہدہ صفت نفس بن گیا اور مرتے دم تک قائم رہا یہی صورت پورے عالم کے کشف کلی کی ہوتی ہے۔

اسی قسم کے انکشاف غیب کے بارے میں روح المعانی میں غیب کے معنی بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ۔

اور ایسے ہی موقع پر کہا گیا ہے کہ غیب مشاہدہ کل کا نام ہے جو عین حق سے ہو چنانچہ کبھی بندہ پر احسان کیا جاتا ہے کہ اسے نوافل کے ذریعہ قرب خداوندی عطا کیا جاتا ہے تو حق تعالیٰ ہی اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس سے وہ دیکھتا ہے اور وہی اس کا کان بن جاتا ہے جس سے وہ سنتا ہے پھر اس سے ترقی کرکے جب وہ فرائض کے ذریعہ قرب الٰہی پاتا ہے نور مجسم بن جاتا ہے اور اس وقت یہ غیب اس کے لئے شہود ہوجاتا ہے اور جو چیزیں ہم سے مفقود ہیں اس کے سامنے موجود ہوجاتی ہیں (گویا اشیاء کائنات اس کے مشاہدہ میں آجاتی ہیں) مگر اس کے باوجود بھی جو بھی اس مقام پر پہنچے اس کے لئے یہ گنجائش نہیں ہے کہ اسے عالم الغیب کہا جائے ارشاد حق ہے کہ "اے پیغمبر! فرمادیجئے کہ کوئی بھی زمین میں ہو یا آسمان میں غیب نہیں جانتا بجز اللہ کے"۔

اس سے واضح ہے کہ اس قسم کا مشاہدہ کل علم ہی نہیں۔ چہ جائیکہ علم کلی ہو اور نہ ایسے صاحب کشف پر عالم الغیب کا اطلاق ہی آسکتا ہے بلکہ یہ ایک وقتی انکشاف ہے جو غیر نبی کو بھی بطفیل انبیاء میسر آسکتا ہے۔

بہرحال "تَجَلّٰی لِیْ کُلُّ شَیْءٍ" میں تجلی سے کشف مراد ہوگا جو تجلی کی حقیقت ہے اب اگر کُلُّ شَیْءٍ سے اس خاص دائرہ کی کل اشیاء کا کشف مراد لیا جائے جن کا حق تعالیٰ نے سوال فرمایا تھا تو یہ مسائل کا کشف ہوگا جسے فنی اصطلاح میں کشف الٰہی کہتے ہیں کہ حقائق شرعیہ منکشف ہوجائیں اور اگر کُلُّ شَیْءٍ سے کائنات کی تمام اشیاء کا کشف مراد لیا جائے تو کشف کونی ہوگا مگر ان میں افضل ترین کشف مسائل کا ہے جو مقصود ہیں نہ کہ اشیاء کائنات کا جو بذاتہ مقصود ہی نہیں پس اول تو اس حدیث سے کشف کونی پر زور دینا اور کشف الٰہی سے باوجود اس کے ممکن ہونے کے یکسو ہوجانا مرتبہ نبوت کی عظمت وجلالت قدر سے قلیل المعرفتی کی علامت ہے اور اوپر سے اس تجلی کشفی سے علم غیب پر استدلال کرنا اور وہ بھی علم ما کان وما یکون پر کلمات حدیث کو ان کے مواضع سے ہٹا دینا ہے جو تحریف کے ہم معنی ہے کیونکہ تجلی کے معنی نہ لغت میں علم کے آتے ہیں نہ شریعت کی یہ اصطلاح ہے۔

پھر "کشف تو کشف" وہ علم بھی انبیاء کے لئے مدار فضیلت نہیں بن سکتا جو خصائص نبوت میں سے نہ ہو یعنی غیر نبی کو بھی ہوسکتا ہو اور محض تجرباتی اور طبعیاتی قسم کے امور ہوں جیسے کھجوروں کے پیوند باندھنے کے بارے میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

"اَنْتُمْ اَعْلَمُ بِاُمُوْرِ دُنْیَاکُمْ"

"اپنی دنیا کے امور کے بارے میں تم ہی اسے زیادہ جانتے ہو" (مسلم)

ظاہر ہے کہ جس علم میں امتی کو نبی سے زیادہ جاننے والا فرمایا جائے وہ علم یقیناً خصائص نبوت میں سے نہیں ہوسکتا۔ ورنہ نبی کے واسطہ کے بغیر کسی امتی کو کبھی مل ہی نہ سکتا پس ایسے علوم وفنون پر نہ نبوت کی بنیاد ہے اور نہ وہ اس مقدس اور پاکباز طبقہ کے لئے سبب فضیلت ہیں ان کے پیغمبرانہ کمالات کی بنیاد علوم شرائع واحکام ہیں۔

مثلاً آپ مدینہ کے بہت سے منافقین کو نہیں جانتے تھے جیسے قرآن نے فرمایا: لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ۔

ترجمہ: آپ نہیں جانتے ہم انہیں جانتے ہیں۔

آپ علم شعر نہیں جانتے تھے، جیسا کہ قرآن نے فرمایا:

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْۢبَغِيْ لَهٗ

"ہم نے انہیں (پیغمبر کو) نہ شعر کی تعلیم دی اور نہ یہ ان کے مناسب شان ہے"

حتی کہ آخر عمر شریف تک بھی یہ فن آپ کے علم میں نہیں لایا گیا کیونکہ آیت بالا نے صرف اس علم ہی کی آپ سے نفی نہیں کی، بلکہ آپ کی شان اقدس کے لئے اس کی ناپسندیدگی کا اظہار بھی فرمایا اس لئے یہ کیسے ممکن تھا کہ نامناسب اور خلاف شان باتوں کی آپ کو کسی وقت بھی تعلیم دی جاتی۔

آپؐ کا کسی میت کے بارے میں سوال فرمانا کہ یہ کب مرا ہے؟ آپؐ کا بعض قبروں میں عذاب کا مشاہدہ کرکے یہ فرمانا کہ کن لوگوں کی قبریں ہیں؟ لاعلمی کا اظہار ہے فتح خیبر کے موقع پر آپؐ کے سامنے زہر آلود کھانا پیش کیا گیا اور لاعلمی کے سبب آپ نے اسے زبان پر رکھا اور کچھ اثر بھی اندر پہنچا جس نے عمر بھر تکلیف پہنچائی اس قسم کی تمام مضرت رساں چیزوں کے بارے میں آپ کا قرآنی زبان میں یہ فرمانا کہ:

وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ
وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ
لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (القرآن الحکیم)

''اگر میں عالم الغیب ہوتا تو خیر کثیر جمع کر لیتا اور مجھے برائی نہ چھو سکتی۔ میں تو صرف ایک ڈرانے والا اور بشارت سنانے والا ہوں ایمان والوں کے لئے''

یہ آیت ظاہر ہے کہ محکم اور دوامی ہے منسوخ شدہ نہیں اور واقعات میں نسخ ہو بھی نہیں سکتا اس لئے یہ آیت تا قیامت یہی اعلان کرتی رہے گی کہ آپؐ کو علم غیب نہ تھا جس کے معنی یہ ہیں کہ قیامت تک آپ کو علم غیب نہیں ہوگا۔

اولاً تو قرآن نے جب صراحتاً علم غیب کے عنوان ہی کو آپ کے لئے نہیں رکھا، اور اس عنوان ہی کی مستقلاً نفی کر دی تو اسی عنوان کا آپ کے لئے ثابت کرنا قرآنی عنوان کا معارضہ ہے جو انتہاء درجے کی گستاخی اور شوخ چشمی ہے دوسرے یہ کہ اس شبہ کو خود یہ آیت ہی رد کر رہی ہے کیونکہ اس میں غیب سے لاعلمی کا ثمرہ یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ مجھے اذیت وکلفت کبھی نہ چھوتی لیکن سب جانتے ہیں کہ اذیت ومصائب نے آپ کو چھوا۔ تو نتیجہ ظاہر ہے کہ آپ ان مصائب سے لاعلم رہے ورنہ پیش بندی فرما لیتے اور ظاہر ہے کہ مصائب کا چھونا مطلقاً لاعلمی سے ہوسکتا ہے یہ نہیں کہ اگر آپ بالذات عالم ہوتے تب تو مصائب نہ چھو سکتے مگر جبکہ بالعرض عالم تھے تو مصائب نہ رک سکیں کیونکہ مصائب کا دفعیہ نہ ہوسکنا لاعلمی پر مبنی ہوتا ہے جس میں ذاتی اور عرضی کی کوئی قید نہیں نہ کہ علم کی خاص نوعیت کی نفی پر۔

حاصل یہ نکلا کہ بالذات تو مجھے علم ہے ہی نہیں کہ میں عالم الغیب کہلاؤں اور مصائب کی پیش بندی کرلوں۔ تمام مصائب کے بارے میں یہ علم مجھے بالعرض بھی نہیں کہ تمام مصائب کا پہلے سے کوئی بندوبست سوچ لوں یعنی ہر ہر مصیبت کے بارے میں مجھے پہلے سے کوئی اطلاع نہیں ہوتی کہ میں پہلے سے پیش بندی کرلیا کروں۔

حاصل وہی علم کلی اور علم ما کان وما یکون کی نفی نکلا کہ اس قسم کی روزمرہ کی جزئیات اور زمانے کے حوادث سب کے سب میرے علم میں نہیں نہ حال کے نہ مستقبل کے نہ ذاتی طور پر نہ عارضی طور پر بجز اس کے کہ حق تعالیٰ جب مناسب جانیں اور جس حد تک مناسب جانیں مجھے اطلاع فرما دیں۔

مگر ساتھ ہی ان کوئی جزئیات کی لاعلمی سے کوئی ادنیٰ نقص بارگاہ نبوت میں لازم نہیں آتا کیونکہ ان امور کا جاننا نبوت کی غرض وغایت نہیں ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

اگر یہ کہا جائے کہ اس قسم کی جزئیات کا علم وفات کے وقت دے دیا گیا تھا جیسا کہ کہا جاتا ہے اور اس طرح حضور کو عالم ما کان وما یکون ثابت کر کے گویا اپنے نزدیک نبوت کی عظمت بیان کی جاتی ہے تو پہلا سوال تو یہ ہے کہ اس دعوے کی دلیل کتاب وسنت سے کیا ہے؟ اور جب نہیں تو دعویٰ خارج اور ناقابل سماعت ہے۔

دوسرے یہ کہ ما کان وما یکون کے تمام امور جو عین وفات کے وقت دیئے گئے اگر ان کا منصب نبوت سے کوئی تعلق تھا تو ایسے وقت میں ان کا دیا جانا جبکہ کار نبوت اور عمل تبلیغ ختم ہو رہا ہے عبث اور بے نتیجہ ہی نہیں بلکہ بعد از وقت ہو جانے کی وجہ سے خلاف حکمت بھی ہے جس سے اللہ ورسول بری ہیں اس لئے نہ یہ عقیدہ ہی بن سکتا ہے کہ اس کے بارے میں کوئی نص قطعی موجود نہیں بلکہ ہے تو اس کے مخالف ہے جیسا کہ بکثرت ایسی نصوص پیش کی جاچکی ہیں۔

انوکھی تعظیم:

لوگ چلتے ہیں نبوت کی تعظیم کے نام سے اور اتر آتے ہیں حق تعالیٰ کی توہین پر جس سے نبوت کی توہین پہلے ہو جاتی ہے۔ مثلاً آپؐ نے فرمایا کہ:

''میں شفاعت کبریٰ کے وقت مقام محمود پر پہنچ کر اللہ کے اتنے محامد اور محاسن بیان کروں گا جو نہ کسی نے اب تک بیان کئے ہوں گے اور نہ آئندہ کوئی کرے گا اور وہ اس وقت بھی میرے علم میں نہیں اسی وقت میرے قلب پر القاء کئے جائیں گے''

یا مثلاً آپ نے فرمایا کہ ''حوض کوثر سے ملائکہ بعض لوگوں کو کوڑے مار مار کر ہٹائیں گے اور میں کہوں گا ''اصحابی، اصحابی'' (یہ تو میرے لوگ ہیں، میرے ہیں) تو جواباً ملائکہ کہیں گے "اِنَّکَ لَاتَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَکَ" (آپ کو پتہ نہیں ہے کہ انہوں نے آپ کے بعد کیا کیا نئی بدعتیں ایجاد کی تھیں)

اسی طرح مثلاً آپؐ کو شفاعت کی اجازت دی جائے گی اور آپؐ اپنی دانست میں ان کو جہنم سے نکال لائیں گے جن کے دلوں میں ادنیٰ ادنیٰ مثقال ذرہ کے برابر بھی ایمان ہوگا اور یہ سمجھ کر مقام شفاعت سے واپس ہوں گے کہ اب ایمان والا جہنم میں کوئی باقی نہیں رہا۔ جس کی شفاعت کی جائے تب حق تعالیٰ دو لپیں دو مٹھیاں بھر کر ان گنت انسانوں کو جہنم سے نکالیں گے ان کے گلوں میں تختیاں ڈال دی جائیں گی جن پر "عُتَقَاءُ اللّٰه" لکھا ہوا ہوگا یعنی اللہ کے آزاد کردہ لوگ۔

اس سے واضح ہے کہ ان لوگوں کا ایمان اس درجہ خفی ہوگا کہ اللہ کے سوا سے کوئی بھی حتی کہ سید الاولین والآخرین بھی نہ جان سکیں گے۔

اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ:

''لوگوں کی کمزوریاں میرے سامنے لاکر مت رکھو میں چاہتا ہوں کہ تم سب سے ٹھنڈے سینے سے رخصت ہوں''

عقل ونقل کی شہادت:

بہر حال عقل ونقل دونوں اس پر کھلے بندوں اپنی پوری عدالت کے ساتھ شاہد ہیں کہ سید البشر کو اگرچہ ساری مخلوقات سے زیادہ علم تھا مگر علم محیط نہ تھا جو خاصہ خداوندی ہے نہ وفات سے قبل نہ وفات کے بعد، نہ برزخ میں نہ عرصات قیامت میں۔ ہاں آپ کو علم تھا امور دین کے بارے میں یعنی اصلاح بشر کے سلسلہ کا کوئی قانون اور کوئی اصول ایسا نہ تھا جو آپ کو عطا نہ کیا گیا ہو کیونکہ آپ خاتم النبیین اور عالی رسول بنا کر بھیجے گئے تھے دنیا کی ہر قوم کے لئے آپ مصلح اور مربی تھے اصولاً اقوام عالم کی جتنی ذہنیتیں ہو سکتی تھی اتنے ہی رنگ کے قوانین اصلاح بھی ہو سکتے تھے اور آپؐ جبکہ ان ساری رنگ برنگ ذہنیتوں اور صدالوان مزاجوں کی قوموں کے مصلح بنا کر بھیجے گئے تھے تو ان کے حسب حال الوان ہدایت کا بھی آپ کو جامع ہونا چاہئے تھا اس لئے ہدایت وارشاد کے سلسلہ کا کوئی اصولی قانون اور کلی ضابطہ ایسا نہیں ہو سکتا جس کے آپ جامع نہ ہوں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم محیط:

پس علم محیط اگر مانا جائے گا تو انواع ہدایت وارشاد کا اور قوانین شریعت کا نہ کہ انواع کائنات کے اقسام تجربیات، اصناف طبعیات و ریاضیات آج اور آج سے پہلے دنیا کی اقوام نے مادیات میں ترقی کر کے بڑے بڑے تمدن پیدا کئے اور آج کی مغربی اقوام نے تو تمدن کو مشینی بنا کر انتہائی عروج پر پہنچا دیا ہے لیکن ان کی ایجادات کا استناد کون سی نبوت کی طرف ہے؟ اور کس نبی کے حکم سے انہوں نے برق و بخار کی یہ مشینیں ایجاد کی ہیں؟ اگر نبوت کا کوئی فیضان اب مادہ پرستوں کے قلوب پر ہوتا تو ان کے تمدن کی صورت ہی کچھ اور ہوتی اور وہ اس طرح دنیا کے حق میں کھلے مفسد اور نمایاں فاسد ثابت نہ ہوتے۔

علم غیب یعنی علم ذاتی اور علم کل یعنی علم ما کان و ما یکون خاصہ خداوندی ہے جس میں کوئی بھی غیر اللہ اس کا شریک نہیں ہو سکتا حضرت سید الاولین و الآخرین صلی اللہ علیہ وسلم کا علم تمام عالم بشریت، عالم ملکیت اور عالم ارواح سے فائق اور بدر جہا بڑھ چڑھ کر ہے مگر علم الٰہی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کو کیا نسبت! یہی نصوص شرعیہ کا مقتضاء اور خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہے۔

اس مسئلہ کا تعلق چونکہ عقیدہ سے ہے اس لئے کلیۃ رائے کو، ذوق، جذبات اور طبعی تقاضوں کو بالائے طاق رکھ کر صرف کتاب وسنت کی تصریحات اور ائمہ اہل سنت والجماعت کی تشریحات میں محدود رہنا چاہیے۔

حقیقت علم غیب بیان کرنے کی ضرورت

ہر مسئلہ کے ظاہر کے ساتھ اس کا باطن بھی لگا ہوا ہے اور جبکہ اسلام کے ہر حکم میں اس کی حکمت بھی چھپی ہوئی ہے تو حکم کو لے کر حکمت کو نظر انداز کر دینا یقیناً مسئلہ کی بحث کو نا تمام چھوڑ دینا ہے ساتھ ہی جبکہ مسئلہ کے عقلی ہونے کے معنی اختراعی ہونے کے نہیں بلکہ قرآن حکمت وفلسفہ سے ماخوذ ہونے کے ہیں۔

بنص حدیث جس طرح علم وکمال کے مراتب مختلف ہیں کہ لِکُلِّ آیَۃٍ ظَھْرٌ وَبَطْنٌ (ہر آیت کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی) اسی طرح بنص قرآنی علمی افراد کے درجات بھی متفاوت اور کم وبیش ہیں کہ (وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ) (ہر عالم کے اوپر ایک عالم ہے) جس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے اور یہی ہو بھی سکتا ہے کہ جو علم جس ذہنیت کے حسب حال ہوتا ہے، وہ طبعی کشش سے اسی میں جا لگتا ہے اور اسی کی گہرائیوں میں بے تکلف اتر جاتا ہے اس لئے مخاطبوں کی رعایت کا بھی قدرتی تقاضا ہے کہ خطاب میں ان سب کے علم وفہم کے درجات ملحوظ رکھے جائیں اور ہر ایک ذہن کو اس کے مناسب مزاج غذا پہنچائی جائے سادہ لوحوں کے لئے بیان حکم کر دیا جائے اور فلسفہ پسندوں کو بیان حکمت سے مخاطب بنایا جائے تا کہ ہر ذہن اپنے طبعی تقاضوں کو پورا ہوتے دیکھ کر ادھر جھک پڑے اور اپنے طبعی انداز سے مسئلہ کی منزل تک پہنچ جائے اس لئے علم غیب کی حقیقت پر بحث کرنا فطری تقاضوں کے عین مطابق ہے۔

علم کلی مخلوق کیلئے ممکن نہیں

نقل و روایت سے یہ دعویٰ ثابت ہو چکا ہے جسے آپ پڑھ چکے ہیں کہ علم محیط (یعنی کائنات کے ذرہ ذرہ کا جزئی جزئی علم جسے علم ما کان و ما یکون کہتے ہیں) خواہ وہ ذاتی ہو جس کا نام علم غیب ہے خواہ اطلاعی ہو جسے علم عارضی کہنا چاہیے کسی بھی مخلوق کے لئے شرعاً ممکن نہیں غور کیا جائے تو عقل سلیم اس کی صرف مؤید ہی نہیں بلکہ دعویدار ہے وجہ یہ ہے کہ یہ کائنات ایک مرتب اور منظم کائنات ہے جس کا کارخانہ بے جوڑ یا انکل پچو سے نہیں چل رہا ہے بلکہ بنانے والے نے اپنے لامحدود علم وحکمت سے اسے ایک ایسے حکیمانہ نظام اور ایسی محکم اور فطری ترتیب سے بنایا اور چلایا

ہے کہ اس کا کوئی ایک ذرہ اور جزئیہ بھی اس نظام کی گرفت سے باہر نہیں ہوسکتا۔ چنانچہ اس کارخانہ کا ایک ایک جزیہ اور ایک ایک حادثہ کسی نہ کسی اصل کلی سے وابستہ ہے جو اس میں رچی ہوئی اور سمائی ہوئی اپنا کام کر رہی ہے اور اندر ہی اندر اس کے جزوی وجود کو تشکیل دے رہی ہے ظاہر میں ہمیں وجود صرف اس جزئی کا دکھائی دیتا ہے لیکن حقیقتاً وجود اس کلی کا ہے جو اس میں چھپی ہوئی اسے نشوونما دے رہی ہے وہ بظاہر آنکھوں سے اوجھل ہے لیکن بنگاہ حقیقت وہی ان جزئیات کے پردہ میں خود جلوہ گری کئے ہوئے ہے بلکہ اسی کے عام اور وسیع وجود کی بدولت یہ جزئی تشکیل پاکر وجود کہلانے کے قابل بنی ہے۔

نظام کائنات

پھر اس جزئی میں یہی ایک قریبی کلی کام نہیں کرتی بلکہ اس کے اوپر اور بھی قریب وبعید کلیات وحقائق تہ بہ تہ ہیں جو اس جزئی کی تشکیل میں دخیل اور کارفرما ہیں اور ساتھ ہی یہ کلیات باہم منظم اور آپس میں اس طرح ترتیب وار جڑی ہوئی بھی ہیں کہ ان میں سے ہر ایک کے نیچے والی کلی اوپر والی کلی کے احاطہ میں آئی ہوئی اور اس کی جزئی بنی ہوئی ہے اور وہ اوپر کی کلی اس نیچے کی کلی کے حق میں مربی اور اس کی تشکیل کنندہ ہو کر اس میں خود جلوہ نمائی کر رہی ہے اس طرح ان کلیات میں سب سے اوپر کی کلی سب سے زیادہ عام، سب سے زیادہ وسیع اور سب کے اوپر محیط ہے جس سے یہ ساری ماتحت کلیات اس کے حق میں جزئیات ہوگئی ہیں اور وہ تن تنہا ان سب کو نشوونما دے کر ان کی تشکیل میں کارفرما ہے اور جبکہ ساری جزئیات ایک ہی اصل کے نیچے آئی ہوئی ہیں تو یہ صرف اپنی اصل ہی سے وابستہ اور مربوط نہیں ہوں گی بلکہ خود ان جزئیات عالم میں بھی باہم ایک قدرتی ربط اور رشتہ کا ہونا لازمی ہے جبکہ وہ حقیقی بھائیوں کی طرح ایک ہی اصل کی شاخیں بنی ہوئی ہیں اس لئے جیسے کلیات آپس میں مربوط ہیں کہ کسی نہ کسی اوپر والی کلی کے نیچے آئی ہوئی ہیں اسی طرح جزئیات بھی باہم مربوط ہیں کہ سب کی سب کسی نہ کسی اصل کے نیچے آئی ہوئی ایک ہی نظام کے سلسلہ میں منسلک ہیں جس نے ان سب کا علاقہ اور رشتہ ایک بنا دیا ہے جس سے ان کا ربط باہمی قائم ہے اور اس طرح مرتب سلسلہ کلیات وجزئیات کے تحت کائنات کی ایک ایک جزئی اولاً اپنی اپنی اصل کلی سے وابستہ ہو کر اور ثانیاً یہ درمیانی کلیات اپنے سے اوپر والی کلیات سے سلسلہ وار جڑ کر آخر کی اہم ترین کلی یعنی کلی الکلیات سے جا ملتی ہیں اور اس طرح عالم کی یہ ان گنت جزئیات کثرتوں سے وحدتوں کی طرف اور آخر کار ایک وحدت واحدہ کی طرف سمٹتی چلی گئی ہیں۔

اگر یہ وسیع سے وسیع تر اصول وکلیات اس جزئی کی حقیقت بنانے میں اپنا فطری عمل نہ کریں تو ایک چھوٹی سے چھوٹی جزئی بھی اس عالم رنگ وبو میں نمایاں نہیں ہوسکتی اور اس طرح یہ کلیات درجہ بدرجہ ان جزئیات کی حقیقت کا جزو ثابت ہوتی ہیں اس صورت حال سے یہ نتیجہ کھل کر سامنے آجاتا ہے کہ ایک حقیر سے حقیر جزئی کا بھی کلی علم وادراک اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ موجودہ اور ممکنہ کائنات کا یہ سارا کلیاتی نظام اپنی حقیقت سمیت علم میں نہ آجائے اور ذہن ان سارے حقائق وکلیات کا احاطہ نہ کرلے۔

(یہ تھے ارشادات حضرت قاری محمد طیب قاسمی قدس سرہ کے۔ مسئلہ علم غیب کے متعلق)۔

وَيُقِيمُونَ الصَّلٰوةَ
اور قائم رکھتے ہیں نماز کو

اقامت صلوٰۃ:

اقامت صلوٰۃ کا یہ مطلب ہے کہ ہمیشہ رعایت حقوق کے ساتھ وقت پر ادا کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

☆ حضرت قتادہؒ کہتے ہیں وقتوں کا خیال رکھنا، وضو اچھی طرح کرنا، رکوع سجدہ پوری طرح کرنا اقامت صلوٰۃ ہے۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی بنائیں پانچ ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی توحید اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کی گواہی دینا، نماز قائم رکھنا، زکوٰۃ دینا، رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کا حج کرنا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

☆ جو نماز کی کما حقہ نگرانی کرتے ہیں اس کی حدود وشرائط بجالاتے اور ارکان اور صفات ظاہرہ یعنی سنن وآداب اور صفات باطنہ یعنی خشوع وخضوع اور دلی توجہ سے ادا کرتے اور اوقات کی پوری حفاظت کرتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

ایک دیہاتی کی کامیابی

☆ صحیحین میں ہے کہ ایک اعرابی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام کے کچھ مسائل اور احکام دریافت کئے۔ آپ نے فرمایا اللہ نے دن رات میں پانچ نمازیں تم پر فرض کی ہیں اعرابی نے کہا کہ کیا اور بھی کوئی نماز ان پانچ کے علاوہ مجھ پر فرض ہے۔ آپ نے

فرمایا نہیں۔ اس کے بعد اس شخص نے زکوٰۃ اور صوم کے متعلق دریافت کیا اور یہ کہتا ہوا رخصت ہوا

وَ اللّٰهِ لَا اَزِيْدُ عَلٰى هٰذَا اَوْلَا اَنْقُصُ مِنْهُ.

خدا کی قسم اپنی طرف سے اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کروں گا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔

اَفْلَحَ الرَّجُلُ اِنْ صَدَقَ.

فلاح پائی اس شخص نے اگر سچ کہا۔ ﴿کاندھلویؒ﴾

وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾
اور جو ہم نے روزی دی ہے ان کو اس میں سے کچھ کرتے ہیں

طاعتوں کی اصل:

سب طاعتوں کی اصل تین ہیں۔ اول جو باتیں دل سے تعلق رکھتی ہیں، دوسری بدن سے، تیسری مال سے سو اس آیت میں ہر سہ اصول کو ترتیب وار لے لیا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

رزق کہتے ہیں اس چیز کو جس سے جاندار فائدہ اٹھائے۔ رہا انفاق اس کے اصلی معنی کسی چیز کو ہاتھ سے یا ملک سے نکال دینے کے ہیں۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

خرچ کرنیکی سات قسمیں ہیں

۱-زکوٰۃ مفروضہ ۲-صدقہ فطر

۳-مہمانوں کی ضیافت اور حاجت مندوں کو قرض دینا

۴-وقف جیسے بناء مساجد و مدارس اور کنواں اور مہمان سرائے اور مسافر خانہ۔

۵-مصارف حج ۶-مصارف جہاد

۷-نفقات واجبہ جیسے نفقہ عیال اور نفقہ زوجہ اور نفقہ محارم۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

زکوٰۃ

شریعت نے اسلام کی پیروی کرنے والوں میں جو مالدار ہو زکوٰۃ دینا فرض قرار دیا ہے اور وہ یہ ہے کہ سال بھر میں ایک مرتبہ اپنے مال کا تھوڑا سا حصہ محتاجوں کو دے دیا کریں تا کہ انسانی خصوصیتیں ہاتھ سے نہ جانے پائیں۔ لوگوں کے ساتھ شفقت اور ہمدردی کرنے کا حق ادا ہوتا رہے۔ بخل کے عیب سے لوگوں کے نفوس پاکیزہ رہیں پھر خوبی یہ کہ شریعت نے اتنے سے قلیل مال کے دینے پر بہت بڑے ثواب کا وعدہ کر کے امیدوار بھی بنادیا ہے۔ پوری پوری پابندی کی جائے تو لوگوں کی حاجت براری بخوبی ہو جایا کرے اور حاجت مند ڈھونڈے نہ ملیں۔

زکوٰۃ ادا کرنے میں جہاں یہ دو فائدے پائے جاتے ہیں کہ حاجت مند کی کاربراری ہوتی ہے اور دولت مند کا نفس پاک ہوتا ہے اور اسے داد و دہش کے ساتھ جس کا کہ اعلیٰ درجہ کے اخلاق میں شمار ہوتا ہے الفت پیدا ہوتی ہے وہاں اس بات کا بھی امتحان ہو جاتا ہے کہ دیکھیں زکوٰۃ دینے والے کو خدا تعالیٰ سے کہاں تک محبت ہے؟ کہ محض اسکی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے مال ایسی محبوب شے کو وہ اپنے پاس سے جدا کئے دیتا ہے اب اس موقع سے ایماندار کو ضرور پتہ لگ گیا ہوگا کہ زکوٰۃ ساقط کرنے کیلئے حیلہ بازی کرنا اللہ تعالیٰ کے نزدیک کبھی مقبول نہیں ہوسکتا کیونکہ اس صورت میں زکوٰۃ دینے سے جو دونوں فائدے مقصود تھے وہ فوت ہو جاتے ہیں بھلا بتلایئے کہ جب صاحب مقدرت کے ہاتھ سے کچھ نکلے ہی گا نہیں تو کیونکر کسی بے چارے کی کاربرآری ہوسکتی ہے یا خود وہ دولت مند مرض بخل سے کیونکر پاک ہوسکتا ہے حالانکہ اپنی محبوب چیز کو خدا کی راہ میں اس نے اپنے پاس سے جدا نہیں ہونے دیا۔ (رسالہ حمیدیہ)

وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تیری طرف
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾
اور اس پر جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں

آیات:

اس سے پہلی آیت میں ان لوگوں کا بیان تھا جن مشرکین نے ایمان قبول کیا (یعنی اہل مکہ) اور اس آیت میں ان کا بیان ہے جو اہل کتاب (یعنی یہود و نصاریٰ) مشرف باسلام ہوئے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

اہل کتاب کا بیان:

صحیح حدیث میں ہے کہ جب تم سے اہل کتاب کوئی بیان کریں تو تم نہ اسے سچاؤ نہ اسے جھٹلاؤ بلکہ کہہ دیا کرو کہ ہم تو جو کچھ ہم پر اترا اسے بھی مانتے ہیں اور جو کچھ تم پر اترا ہے اس پر بھی ایمان رکھتے ہیں۔

بمبئی کا مسافر اگر غلطی سے کلکتہ میل میں بیٹھ جائے اور ریل چھوٹنے کے

بعد معلوم ہو کہ یہ گاڑی بجائے بمبئی کے کلکتہ جارہی ہے تو اس مسافر کی پریشانی کی کوئی حد نہیں رہتی اور کلکتہ کے مسافروں کو نہیں ہوتی ہے۔ ان کو اطمینان ہوتا ہے کہ ہمارا راستہ صحیح ہے اور ہم دیر یا سویر میں ضرور منزل مقصود پر پہنچ جائیں گے۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہم نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ عہد رسالتؐ میں مومنین متقین دو طرح کے حضرات تھے ایک وہ جو پہلے مشرکین میں سے تھے، پھر مشرف باسلام ہوئے دوسرے وہ جو پہلے اہل کتاب یہودی یا نصرانی تھے، پھر مسلمان ہو گئے اس سے پہلی آیت میں پہلے طبقہ کا ذکر تھا اور اس آیت میں دوسرے طبقہ کا ذکر ہے، اسی لئے اس آیت میں قرآن پر ایمان لانے کے ساتھ پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان لانے کی بھی تصریح فرمائی گئی کہ وہ حسب تصریح حدیث دوہرے ثواب کے مستحق ہیں۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی ہیں
الْمُفْلِحُوْنَ ۝
مراد کو پہنچنے والے

اہل ایمان کے دو گروہ:

یعنی اہل ایمان کے دونوں گروہ مذکورہ بالا دنیا میں ان کو ہدایت نصیب ہوئی اور آخرت میں ان کو ہر طرح کی مراد ملے گی جس سے معلوم ہو گیا کہ جو نعمت ایمان اور اعمال حسنہ سے محروم رہے ان کی دنیا و آخرت دونوں برباد ہیں اب ان دونوں فریق مومنین سے فارغ ہو کر اس کے آگے کفار کی حالت بیان کی جاتی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

☆ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوتا ہے کہ حضورؐ قرآن پاک کی بعض آیتیں تو ہمیں ڈھارس دیتی ہیں اور امید قائم کرا دیتی ہیں اور بعض آیتیں کمر توڑ دیتی ہیں اور قریب ہوتا ہے کہ ہم ناامید ہو جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، لو میں تمہیں جنتی اور جہنمی کی پہچان صاف صاف بتلا دوں، پھر آپ نے **الم** سے **مفلحون** تک پڑھ کر فرمایا یہ تو جنتی ہیں صحابہؓ نے خوش ہو کر فرمایا الحمد للہ ہمیں امید ہے کہ ہم انہی میں سے ہوں پھر ان الذین کفروا سے عظیم تک تلاوت کی اور فرمایا یہ جہنمی ہیں انہوں نے کہا ہم ایسے نہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ (ابن ابی حاتم، ابن کثیرؒ)

مُفلح: مفلح اس کو کہتے ہیں کہ جو اپنی مراد کو بخوبی پہنچ جائے اور اس میں کسی قسم کی رکاوٹ اور کمی واقع نہ ہو۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اور یہی لوگ آخرت کے گھر میں من مانی مرادیں پائیں گے) یعنی تمام مقصودوں پر فتح یاب ہوں گے اور ہر قسم کی کامیابیاں انہیں حاصل ہوں گی۔ (الْمُفْلِحُوْنَ) سے مراد وہ لوگ ہیں جو فلاح و خیر میں کامل اور مکمل ہیں ہاں اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ جو لوگ ان جیسے نہ ہوں ان کو کمال درجہ کی خیر و فلاح نصیب نہیں ہو سکتی۔ شرع میں کفر کہتے ہیں ایمان کی ضد اور خداوندی نعمت کے چھپانے کو۔ ﴿مظہریؒ﴾

ہدایت کے تین درجے:

☆ ہدایت کے تین درجے ہیں ایک درجہ تمام نوع انسان بلکہ تمام حیوانات وغیرہ کے لئے بھی عام اور شامل ہے، دوسرا درجہ مومنین کے لئے خاص اور تیسرا درجہ مقربین خاص کے لئے مخصوص ہے پھر اس کے درجات کی کوئی حد و انتہا نہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

جادو اور جنات کیلئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل

بیہقی نے بیچ کتاب الدعوات کے ابی بن کعب سے روایت کی ہے کہ میں ایک دن پاس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹھا تھا ناگاہ ایک اعرابی آیا اور عرض کی کہ ایک بھائی میرا ہے درد سخت میں مبتلا ہے فرمایا کیا درد ہے عرض کیا کہ آسیب جن کا اس کے اوپر معلوم ہوتا ہے فرمایا کہ اس کو روبرو ہمارے لا اعرابی نے اپنے بھائی کو روبرو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بٹھلایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیتوں کے ساتھ دم فرمایا فی الفور اچھا ہوا اور اٹھا گویا کبھی مرض اس کو نہ تھا وہ عمل یہ ہے سورۂ فاتحہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ۝ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۝ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۝ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ۝

سورہ بقرہ کی اوّل چار آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ۝

اول سورہ بقرہ سے اور دو آیتیں

وَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنفَعُ
النَّاسَ وَمَا أَنزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِن مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ
بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِن كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيَاحِ وَالسَّحَابِ
الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ۝

اور یہ آیت الکرسی

اللَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّومُ ۚ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَّهُ
مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَن ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِندَهُ
إِلَّا بِإِذْنِهِ ۚ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۖ وَلَا يُحِيطُونَ
بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَاوَاتِ
وَالْأَرْضَ ۖ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ۝

اور تین آیتیں آخر سورہ بقرہ سے

لِّلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ
أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُم بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ ۗ
وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِن رَّبِّهِ
وَالْمُؤْمِنُونَ ۚ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
أَحَدٍ مِّن رُّسُلِهِ ۚ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا ۖ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ۝
لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۗ
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِن نَّسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إِصْرًا كَمَا
حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ ۖ وَاعْفُ
عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۚ أَنتَ مَوْلَانَا فَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۝

اور ایک آیت سورۃ آل عمران یعنی:

شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَائِمًا
بِالْقِسْطِ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اور سورہ اعراف سے

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ
اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا
وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُومَ مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَ
الْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ۝ ادْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَ
خُفْيَةً ۚ إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ
بَعْدَ إِصْلَاحِهَا وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا ۚ إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ
قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ۝

اور سورہ مومنون سے

فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ ۖ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝
وَمَن يَدْعُ مَعَ اللَّهِ إِلَٰهًا آخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهُ بِهِ فَإِنَّمَا حِسَابُهُ
عِندَ رَبِّهِ ۚ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الْكَافِرُونَ ۝ وَقُل رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ
وَأَنتَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ ۝

اور سورۃ صافات سے دس آیتیں

وَالصَّافَّاتِ صَفًّا ۝ فَالزَّاجِرَاتِ زَجْرًا ۝ فَالتَّالِيَاتِ ذِكْرًا ۝ إِنَّ إِلَٰهَكُمْ
لَوَاحِدٌ ۝ رَّبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝
إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّن كُلِّ شَيْطَانٍ
مَّارِدٍ ۝ لَّا يَسَّمَّعُونَ إِلَى الْمَلَإِ الْأَعْلَىٰ وَيُقْذَفُونَ مِن كُلِّ
جَانِبٍ ۝ دُحُورًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ وَاصِبٌ ۝ إِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ
فَأَتْبَعَهُ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝

اور سورہ حشر سے

هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ ۖ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ۖ هُوَ
الرَّحْمَٰنُ الرَّحِيمُ ۝ هُوَ اللَّهُ الَّذِي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْمَلِكُ
الْقُدُّوسُ السَّلَامُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ۚ
سُبْحَانَ اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ۝ هُوَ اللَّهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ ۖ لَهُ الْأَسْمَاءُ
الْحُسْنَىٰ ۚ يُسَبِّحُ لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝

اور سورہ جن سے دو آیتیں

وَأَنَّهُ تَعَالَىٰ جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ۝
وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِيهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطًا ۝

سُورَةُ الْإِخْلَاصِ مَكِّيَّةٌ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

قُلْ هُوَ اللَّهُ أَحَدٌ ۝ اللَّهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُولَدْ ۝
وَلَمْ يَكُن لَّهُ كُفُوًا أَحَدٌ ۝

سُورَةُ الْفَلَقِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۝ مِن شَرِّ مَا خَلَقَ ۝ وَمِن شَرِّ

غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِی الْعُقَدِ ۙ وَ
مِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ۚ

سُوْرَةُ النَّاس

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ مَلِكِ النَّاسِ ۙ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۙ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ
صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۚ

(یہ عمل روزانہ ایک بار کریں اور اوّل آخر درود شریف)

قرآن محفوظ رکھنے کا عمل:

بیہقی کی شعب الایمان میں اور زید بن منصور کی بیچ مسند اپنی کے اور دارمی کی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ سے کہ عبداللہ بن مسعود کے یاروں میں سے تھا وارد ہوا ہے کہ جو کوئی دس آیتیں سورۃ بقرہ سے وقت خواب کے پڑھے قرآن کو فراموش نہیں کرے گا چار آیتیں اول سے اور آیت الکرسی اور دو آیتیں بعد اس سے اور تین آیتیں آخر سورہ بقرہ سے کہ شروع (لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ) ہے۔

مردے پر بقرہ کا اوّل وآخر پڑھا جائے:

طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا ہے کہ فرماتے تھے جو کوئی تم میں سے مرے اس کو گھر میں نہ رکھ چھوڑو بلکہ جلدی سے قبر میں پہنچا دو اور چاہئے کہ قبر پر کھڑے ہو کر مردہ کے سر کے پاس شروع سورہ بقرہ کا پڑھو اور پیر کی طرف آخر سورہ بقرہ کا۔

عجیب واقعہ:

اور ابن البخاری نے تاریخ اپنی میں محمد بن سیرین سے روایت کی ہے کہ ایک بار ہم نے شہر تستر کے کنارہ پر خیمہ کھڑا کیا آدمی اس جگہ آئے اور کہا یہ جگہ خوف کی ہے جو قافلہ اس جگہ اترتا ہے اسباب اس کا چور لوٹ لے جاتے ہیں ہم اپنے امیر کے کہنے سننے سے شہر میں آ گئے اور میں بسبب اس حدیث کے کہ عبداللہ بن عمرؓ سے سنی تھی اسی مکان میں ٹھہرا رہا اور حرکت نہ کی اور وہ حدیث یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی رات میں تینتیس آیتیں پڑھے اس کو اس رات میں کوئی درندہ اور چور ایذا نہ پہنچائے گا لیکن گھر کا چور نہ ہو اور جان اور اہل اور مال اس کا محفوظ رہے صبح تک ہرگاہ کہ رات ہوئی چوروں کے ڈر سے میں نہ سویا یہاں تک کہ دیکھا میں نے کہ ایک جماعت بڑی شمشیر برہنہ لئے میرے اوپر تیس بار سے زیادہ حملہ آور ہوئی لیکن پاس میرے نہ آ سکی جب صبح ہوئی وہاں سے کوچ کیا راستے میں ایک بوڑھے آدمی سے ملاقات ہوئی اس نے مجھ سے کہا کہ تو جنس آدمی کی ہے یا جن کی میں نے کہا کہ میں انسان ہوں اس نے کہا رات کو کیا حال تیرا تھا کہ ہم ستر آدمی سے زیادہ تھے اور اوپر تیرے حملہ کرتے تھے اور ہمارے اور تیرے درمیان ایک قلعہ لوہے کا پیدا ہوا تھا اس ضعیف مرد کے روبرو میں نے قصہ اس حدیث کا ذکر کیا اس نے پوچھا کہ وہ تینتیس آیتیں کون کون سی ہیں میں نے کہا:

چار آیتیں شروع سورہ بقرہ سے یوقنون تک

الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَیْبَ ۛ فِیْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِیْنَ ۙ
الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ وَیُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا
رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ۙ وَالَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ وَمَآ
اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ ۙ

اور تین آیتیں آیت الکرسی سے خالدون تک

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۗ
لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ
اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۗ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ
بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۔
لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ ۚ فَمَنْ
یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ
الْوُثْقٰى ۗ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ۔
اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ ۗ
وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِیٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی
الظُّلُمٰتِ ۗ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۔

اور تین آیتیں آخر سورہ بقرہ کی

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ۗ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ
اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۗ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیُعَذِّبُ مَنْ
یَّشَآءُ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۔ اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ
اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۗ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓىِٕكَتِهٖ

وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ وَقَالُوْا سَمِعْنَا
وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ۝ لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ
نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ رَبَّنَا
لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا اَوْ اَخْطَاْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا
كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ
وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

اور تین آیتیں اعراف سے

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ
ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهٗ حَثِيْثًا
وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِهٖ اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ
تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ اُدْعُوْا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ
لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۝ وَلَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ بَعْدَ اِصْلَاحِهَا
وَادْعُوْهُ خَوْفًا وَّطَمَعًا اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

اور دو آیتیں بنی اسرائیل سے

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ اَيًّا مَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ
ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ
شَرِيْكٌ فِي الْمُلْكِ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِيْرًا ۝

اور دس آیتیں اول سورہ صافات کی

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۝ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۝ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۝ اِنَّ اِلٰهَكُمْ
لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ۝
اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ۝ وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ
مَّارِدٍ ۝ لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ
جَانِبٍ ۝ دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ۝ اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ
فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ۝ فَاسْتَفْتِهِمْ اَهُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمْ مَّنْ
خَلَقْنَا اِنَّا خَلَقْنٰهُمْ مِّنْ طِيْنٍ لَّازِبٍ ۝

اور دو آیتیں سورۃ رحمٰن کی

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اِنِ اسْتَطَعْتُمْ اَنْ تَنْفُذُوْا مِنْ اَقْطَارِ السَّمٰوٰتِ
وَالْاَرْضِ فَانْفُذُوْا لَا تَنْفُذُوْنَ اِلَّا بِسُلْطٰنٍ ۝ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ۝
يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرٰنِ ۝

اور آخر سورہ حشر:

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ
اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ۝
هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ هُوَ
الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ هُوَ اللّٰهُ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْمَلِكُ
الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ
سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ
الْحُسْنٰى يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝

اور دو آیتیں سورۃ جن

وَّاَنَّهٗ تَعٰلٰى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا ۝
وَّاَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ سَفِيْهُنَا عَلَى اللّٰهِ شَطَطًا ۝

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ
بے شک جو لوگ کافر ہو چکے برابر ہے ان کو تو ڈرائے
اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝
یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے

بعض مخصوص کافر:

ان کفار سے خاص وہ لوگ مراد ہیں جن کے لئے کفر مقرر ہو چکا اور دولت ایمان سے ہمیشہ کے لئے محروم کر دیئے گئے جیسے ابوجہل ابولہب وغیرہ) اور ورنہ ظاہر ہے کہ بہت سے لوگ جو کافر تھے مشرف باسلام ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

پیغمبر کی دعوت میں کوئی نقص نہیں:

آپ کی تبلیغ اور دعوت کا قصور نہیں بلکہ ان کی فاسد اور بگڑی ہوئی استعداد اور فطرت کا قصور ہے اصل کافر وہی ہے کہ جس کا خاتمہ اور موت اللہ کے علم میں کفر پر مقرر ہو چکا ہو جیسے ابوجہل اور ابولہب و امثالہم ورنہ جس شخص کا خاتمہ ایمان پر ہونے والا ہے وہ فی الحال محض ظاہر کے اعتبار سے کافر ہے حقیقت اور انجام کے اعتبار سے مومن ہے

بد عمر را نام انجابت پرست ~~~ لیک مومن بود نامش درالست

دشمنان حق و ہدایت اپنی طبعی زیغ اور جبلی کجروی کی وجہ سے اس درجہ اور اس حالت کو پہنچ گئے ہیں کہ اخلاق ذمیمہ اور رذائل ان کے دلوں میں اس درجہ راسخ اور پختہ ہو چکے ہیں کہ ہر فحشاء اور منکر ان کو مستحسن نظر آتا ہے اور حق جل وعلاء کی ہر نافرمانی ان کو لذیذ معلوم ہوتی ہے ان کی حالت نجاست کے کیڑے کی طرح ہے کہ جس کو گندگی سے طبعی رغبت ہوتی ہے اور خوشبو سے

اس کو طبعی نفرت ہوتی ہے اور بسا اوقات یہ نجاست کا کیڑا عطر کی تیز خوشبو کو برداشت بھی نہیں کرسکتا اور بعض اوقات عطر کی خوشبو سے مر بھی جاتا ہے۔

اعتبار خاتمہ کا ہے:

شیخ ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کسی کافر کو کافر نہیں کہہ سکتے جب تک کہ خاتمہ اس کا اوپر کفر کے نہ ہو اور اس مسئلہ کا نام نزدیک اشاعرہ کے مسئلہ موافات کا ہے اور حقیقت کفر کی یہ ہے کہ کسی چیز کا کہ یقیناً دین محمدی سے ہے انکار کرے اور معنی انکار کے نہ ماننا ہے خواہ حقیقت اس کی پہچانے یا نہ پہچانے خواہ اقرار ساتھ حقیقت اس کی بھی کرے یا نہ کرے پس اگر یہ حالت تادم مرگ معاذ اللہ مستمر رہی کفر حقیقی ہوا والا صورت کفر کی ہے حقیقت میں کفر نہیں اس واسطے کہ ایمان اور کفر میں اعتبار خاتمہ کا ہے۔ (تفسیر عزیزی)

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۭ وَعَلٰٓى
مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے
اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝
کانوں پر اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے

ان کے دلوں پر مہر کر دی (یعنی حق بات کو نہیں سمجھتے) اور کانوں پر مہر کر دی (یعنی سچی بات کو متوجہ ہو کر نہیں سنتے) اور آنکھوں پر پردہ ہے (یعنی راہ حق کو نہیں دیکھتے) کفار کا بیان ختم ہو گیا اب منافقوں کا حال اس کے بعد تیرہ آیتوں میں ذکر کیا جاتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

ران، طبع اور اقفال:

مجاہدؒ فرماتے ہیں قرآن میں ران کا لفظ ہے طبع کا لفظ ہے اور اقفال کا لفظ ہے ران طبع سے کم ہے اور طبع اقفال سے کم ہے اقفال سب سے زیادہ ہے مجاہدؒ نے اپنا ہاتھ دکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی طرح ہے اور بندے کے گناہ کی وجہ سے وہ سمٹ جاتا ہے اور بند ہو جاتا ہے۔

گناہ کا دل پر اثر

ابن جریرؒ کا فیصلہ یہ ہے کہ حدیث میں آچکا ہے کہ مومن جب گناہ کرتا ہے اس کے دل میں ایک سیاہ نقطہ ہو جاتا ہے اگر وہ باز آ گیا توبہ کر لی رُک گیا تو وہ نقطہ ہٹ جاتا ہے اور اس کا دل صاف ہو جاتا ہے اور اگر وہ گناہ میں بڑھ گیا تو وہ سیاہی بھی پھیلتی جاتی ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتی ہے یہی وہ ران ہے جس کا ذکر اس آیت میں ہے:

﴿كَلَّا بَلْ ۜ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾

یعنی یقیناً ان کے دلوں پر ''ران'' ہے ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے۔ (ترمذی، نسائی ابن جریر) امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

قلب کیا ہے:

اور قلب لغت میں نام گوشت صنوبری کا ہے کہ بائیں طرف سینہ کے ایک جگہ خالی میں رکھا ہوا ہے اور روح حیوانی اسی گوشت میں پیدا ہوتی ہے اور یہ ایسی روح ہے کہ منشا حس اور حرکت کی ہے اسی گوشت سے طرف باقی اعضا کے بواسطہ شرائین کے پہنچتی ہے اور بیچ اصطلاح اہل شرع کے نام لطیفہ انسانی کا ہے کہ انسانیت انسان کی اسی کے ساتھ ہے اور فرماں برداری امر ونواہی شرع کی اور عمل کرنا بموجب تکلیفات الٰہیہ کے اسی سے ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا ہے:

﴿اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ﴾

اور یہ لطیفہ عالم امر سے ہے کہ وجود اس کا مادہ پر موقوف نہیں

﴿اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـــًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ﴾

جیسا کہ گوشت صنوبری بلکہ تمام بدن عالم خلق سے ہے کہ وجود اس کا موقوف اوپر مادہ کے ہے اور کبھی اس لطیفہ سے قرآن مجید میں نفس کے ساتھ بھی تعبیر فرمائی ہے جیسا کہ بیچ آیت:

﴿وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰىهَا ۝ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰىهَا ۝﴾

اور کبھی روح کے ساتھ تعبیر آتی ہے جیسا کہ بیچ آیت:

﴿قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ﴾ اور ﴿وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ﴾

کے اور اس مقام میں لفظ قلب سے بھی لطیفہ مراد لیا ہے اس واسطے کہ دلیل سے استدلال پکڑنا اور مدلول کو نکالنا کام اسی لطیفہ کا ہے اور یہی لطیفہ ہے کہ اس کو مشعر کلام الٰہی اور محل الہام ربانی مقرر کیا ہے۔ ﴿تفسیر عزیزی﴾

ان کے دلوں پر خدا نے مہر لگا دی ہے تو وہ بھلائی اور نیک باتوں کو یاد نہیں رکھ سکتے قلب ایک گوشت کے لوتھڑے کا نام ہے (جو صنوبری شکل میں بائیں جانب پسلیوں کے قریب لٹکا ہوا ہے) لیکن کبھی اس کا اطلاق عقل اور

معرفت پر بھی ہوا کرتا ہے جیسا کہ قرآن مجید کے دوسرے مقام پر ارشاد ہوا:

اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ

جناب نبی عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

(یعنی تمام بنی آدم کے دل خدا کی دو انگلیوں میں اس طرح واقع ہیں جیسے ایک دل وہ دل کو جس طرف چاہتا ہے پلٹ دیتا ہے پھر آپ نے فرمایا بارخدایا دلوں کے پلٹ دینے والے تو ہمارے دلوں کو اپنی فرمانبرداری کی طرف پلٹ دے۔ (مسلم)

سمع کو شرط نبوت کی لکھا ہے اس واسطے کہ کوئی پیغمبر نہیں کہ بہرا ہوا ہو اور بعضے پیغمبر اندھے ہوئے ہیں مثل حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام کے اور یہ کہ قوت سمع کے سبب سے معارف اور نتائج دوسروں کی عقلوں کے فہم کی طرف پہنچتے ہیں بخلاف بصر کے کہ محض محسوسات کو اس کے ساتھ ظاہر کر سکتے ہیں اور یہ کہ ادراک قوت سامعہ کا چھ طرفوں سے ممکن ہے بخلاف ادراک قوت بینائی کے کہ محض جانب سامنے کی سے ہے۔

چنانچہ نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ ایک دن ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا:

مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ

"یعنی جو چیز کہ خدا نے چاہی اور آپؐ نے چاہی ہو جائے گی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

جَعَلْتَنِيْ لِلّٰهِ نِدًّا بَلْ مَاشَاءَ

یعنی مقرر کیا تو نے مجھ کو اللہ کا شریک بلکہ خدا ہی کی مشیت سے ہر چیز ہوتی ہے۔

مثال اس کی یہ ہے کہ ایک مریض کا کوئی عضو بسبب کسی زخم کے گل گیا اور اس میں تعفن پیدا ہو گیا اور خوف اس کا ہے کہ دوسرے عضو کی طرف اعضائے رئیسہ سے کیفیت سمیہ اس کی سرایت کرے اور کوئی طبیب حاذق کاٹنا اور داغ دینا اس عضو کا تجویز فرمائے اور یہ مریض ناقص العقل اس سے پرہیز کرے اور کہے کہ کاٹنا اور داغ دینا اس عضو کا فاسد کرنا بنیاد بدن کا ہے مجھ کو چاہیے کہ اصلاح بدن اپنے کی کروں اور پہلے سے جیسا کہ تھا ویسا ہی رہنے دوں اور جو چیز کہ اس میں موجود تھی اپنے حال پر باقی رہے کہ یہ تجویز اس کی صریح خطا ہے اور موجب ہلاکت کی ہے۔ (تفسیر عزیزی)

مُہر کرنے کا مطلب:

الغرض چونکہ خدا تعالیٰ کو کفار کے دلوں کا پاک کرنا منظور نہ تھا اس لئے ان کو آیات میں فکر کرنے اور قدرت کی نشانیوں میں غور کرنے سے روک دیا اگرچہ انہوں نے آیات و معجزات بھی دیکھے مگر اس کے بعد بھی ان کے دلوں میں ایمان و یقین کے اثر قبول کرنے کا ملکہ پیدا نہیں کیا اسی عدم تاثر اور تصریف قلوب کو کہیں ختم سے اور کہیں طبع سے کسی موقعہ پر اقفال سے کسی جگہ اقساء اور غشاوہ سے مجازاً تعبیر کیا گیا ہے۔

یہ معنی نہیں ہیں کہ خدا نے اس گوشت کے لوتھڑے پر جسے ہم دل کہتے ہیں کوئی پتھر یا شیشے کی سچ مچ مہر لگا دی ہے بلکہ مہر لگانے کا یہ مطلب ہے کہ اس نے دلوں میں یہ صلاحیت و قابلیت ہی پیدا نہیں کی کہ وہ ایمان و یقین کے اثر کو قبول کر لیں یا یوں کہئے کہ خدا نے ان کے دلوں کو اور حواس کو ان چیزوں سے تمثیل دی ہے جن پر پردہ ڈال دیا جاتا ہے یا یوں کہو کہ ختم سے وہ سیاہی مراد ہے جو گناہوں کے مرتکب ہونے کی وجہ سے خدا تعالیٰ گنہگاروں کے دلوں پر پیدا کر دیتا ہے چنانچہ امام بغوی نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جناب نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مومن جب گناہ کرتا ہے تو ایک چھوٹا سا سیاہ نقطہ اس کے دل میں پیدا ہو جاتا ہے پھر اگر اس نے جھٹ پٹ توبہ کر لی اور آگے کو گناہ سے باز رہا اور بارگاہ الٰہی میں عفو جرائم کی درخواست کی تو اس کے دل سے وہ سیاہ نقطہ چھیل دیا جاتا اور قلب صاف شفاف کر دیا جاتا ہے اور اگر اور گناہوں میں مبتلا ہوتا ہے تو وہ سیاہ نقطہ بھی بڑھتا اور پھیلتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ سارے دل پر چھا جاتا ہے تو جس زنگ کا خدا نے اپنی کتاب یعنی آیت:

كَلَّا بَلْ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ

میں ذکر فرمایا ہے یہ وہی زنگ ہے۔

میں کہتا ہوں یہاں دل کے سیاہ ہونے کا وہی مطلب ہے جو سابق کی حدیث میں مذکور ہو چکا یعنی دل کا بگڑ جانا اور اس کا خراب و فاسد ہو جانا ارشاد فرمایا تھا اِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهٗ اور فساد قلب ضد ہے صلاح قلب کی اور جب مومن کے گناہ کی یہ کیفیت ہے کہ ایک گناہ کرنے سے دل سیاہ ہو جاتا ہے تو کافر کی کیا کچھ کیفیت ہو گی۔ مہر لگانے سے اس کے مضبوط کرنے اور چھپانے میں مبالغہ کرنا مقصود ہوا کرتا ہے۔

دلوں کے فاسد و خراب ہونے کا یہ آخری نتیجہ ہے کہ وہ اس مہر لگانے کے بعد بالکل نکمے اور بے کار ہو جاتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

دل کے مرض کی وجہ:

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ دلوں کے امراض خواہشات

نفسانی کے اتباع سے پیدا ہوتے ہیں، جیسے بدن انسان کے امراض اخلاط انسان کی بے اعتدالی سے پیدا ہوتے ہیں اس آیت میں ان کے دلوں میں مخفی کفر کو مرض فرمایا گیا ہے جو روحانی اور جسمانی دونوں اعتبار سے بڑا مرض ہے۔

ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ انسان جب کوئی گناہ کرتا ہے تو اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے پھر اگر وہ توبہ کر لے تو صاف ہو جاتا ہے۔ ﴿درس محمد احمد﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ
اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر
الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾
اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز مومن نہیں

منافقوں کا ایمان:

یعنی دل سے ایمان نہیں لائے جو حقیقت میں ایمان ہے صرف زبان سے فریب دینے کے لئے اظہار ایمان کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شانِ نزول:

یہ آیت عبداللہ بن ابی بن سلول اور معتب بن قشیر اور جد بن قیس اور ان کے رفقاء کے بارہ میں نازل ہوئی ہے جن میں اکثر تو یہودی تھے اور بعض منافق۔ ﴿از تفسیر مظہری﴾

قادیانیوں کا جھوٹ:

قادیانی گروہ کہتا ہے کہ ہم بھی عقیدہ ختم نبوت کو مانتے ہیں۔ یہ منافقین بھی تو قبلہ کی طرف سب مسلمانوں کی طرح نماز پڑھتے تھے، مگر یہ صرف رو بقبلہ نماز پڑھنا ان کے ایمان کے لئے اس بناء پر کافی نہ ہوا کہ ان کا ایمان صحابہ کرام کی طرح تمام ضروریات دین پر نہیں تھا۔

جب انسان اپنے انسانی اخلاق کھو بیٹھا، تو انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں فساد ہی فساد آ جاتا ہے، فساد بھی ایسا عظیم جو نہ درندے جانوروں سے متوقع ہے نہ ڈاکوؤں اور چوروں سے کیونکہ ان کے فساد کو قانون اور حکومت کی طاقت سے روکا جا سکتا ہے مگر قانون تو انسان ہی جاری کرتے ہیں جب انسان انسان نہ رہا تو قانون کی جو گت بنے گی اس کا تماشا آج کھلی آنکھوں ہر شخص ہر محکمہ اور ہر ادارہ میں دیکھتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر عمل کی روح ہے اللہ تعالیٰ کا خوف اور قیامت کے حساب کتاب کی فکر، اس کے بغیر کوئی قانون و دستور اور کوئی محکمہ اور کوئی مدرسہ اور یونیورسٹی انسان کو جرائم سے باز رکھنے پر مجبور نہیں کر سکتی۔ مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا يَخْدَعُوْنَ
دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور دراصل کسی
اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾
کو دغا نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سوچتے

منافقوں کی فریب بازی:

یعنی ان کی فریب بازی نہ خدائے تعالیٰ کے اوپر چل سکتی ہے کہ وہ عالم الغیب ہے اور نہ مومنین پر کہ حق تعالیٰ مومنین کو بواسطہ پیغمبرؐ اور دیگر دلائل و قرائن کے منافقین کے فریب سے آگاہ فرما دیتا ہے بلکہ ان کی فریب بازی کا وبال اور اس کی خرابی حقیقت میں ان ہی کو پہنچتی ہے مگر وہ اس کو اپنی غفلت اور جہالت اور شرارت سے نہیں سوچتے اور نہیں سمجھتے اگر غور کریں تو سمجھ لیں کہ اس فریب بازی سے مسلمانوں کو نقصان نہیں پہنچتا بلکہ اس کا نتیجہ خراب ہم کو پہنچ رہا ہے حضرت شاہ صاحب قدس سرہ (شاہ عبدالقادر صاحبؒ) کے فہم کی نزاکت ہے کہ یہاں یشعرون کا ظاہر ترجمہ چھوڑ کر اس کا ترجمہ بوجھنا یعنی سوچنا فرمایا۔ ﴿از تفسیر عثمانیؒ﴾

کیونکہ رسول زمین میں خدا کا نائب اور اس کا خلیفہ ہوتا ہے۔ خود دھوکہ میں پڑ گئے کہ اپنے نفسوں کو اس بات پر فریب خوردہ کر دیا کہ ہم عذاب و فضیحت سے بے خوف ہو گئے اور نبی وقت اور مسلمانوں پر ہمارا دھوکا چل گیا لیکن حقیقت میں ایسا نہ تھا۔

اور نہیں سمجھتے کہ ہمارے دھوکہ دینے کا ضرر خود ہم ہی پر پلٹ پڑتا ہے شعور کہتے ہیں حواس سے کسی چیز کے معلوم کرنے کو یہاں انہیں کی طرف ضرر پلٹ جانے کو اس محسوس چیز کے قائم مقام کیا گیا جو صرف ماؤف الحواس شخص پر مخفی رہتی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا
ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھا دی اللہ نے ان کی بیماری

منافقوں کے دلوں کا مرض

یعنی ان کے دلوں میں نفاق اور دین اسلام سے نفرت اور مسلمانوں

سے حسد اور عناد یہ مرض پہلے سے موجود تھے اب نزول قرآن اور ظہور شوکت اسلام اور ترقی و نصرت اہل اسلام کو دیکھ دیکھ کر ان کی وہ بیماری اور بڑھ گئی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

خدا نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کر کے اور منافقوں کی دشمنی و عداوت طشت از بام کر کے ان کے مرض کو اور بھی زیادہ کر دیا۔

مرض کسے کہتے ہیں

ان کے دلوں میں یہ پہلے ہی سے کفر کا مرض تھا مرض اسے کہتے ہیں جو بدن کو عارض ہو کر اسے حد اعتدال سے خارج کر دے اور (رفتہ رفتہ) ضعیف و کمزور کر کے ہلاکت (کے گڑھے) تک پہنچا دے اور کبھی اس کا اطلاق اعراض نفسانیہ جیسے جہل حسد کفر اور سوء اعتقاد پر بھی مجازاً ہو جایا کرتا ہے کیونکہ (جس طرح مرض حقیقی مانع صحت ہوتا اور ہلاکت و موت کے پنجہ میں گرفتار کر دیتا ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

اچھائی اور برائی کی پیدائش:

مورد مذمت اور مستحق ملامت صرف وہی لوگ ہوں گے جو ان خبیث استعدادوں کے ظرف اور محل ہیں زہر اور سنکھیہ کا پیدا کرنا تو کمال ہے مگر اس کا استعمال قبیح اور مذموم ہے اسی طرح روحانی زہر (کفر و ضلالت) اور روحانی تریاق (ایمان و ہدایت) کو پیدا کرنا تو کمال ہی کمال ہے مگر اس کو اپنے اختیار سے استعمال کرنے کا حکم دوسرا ہے زمین اچھی ہو یا بری۔

شور اور بنجر ہو یا گلزار اور مرغزار ہو پیدا کرنا تو دونوں ہی کا حکمت ہے مگر برائی کے ساتھ شور اور بنجر زمین ہی کو موصوف کیا جائے گا پیدا کرنے والا تو ہر حال میں قابل حمد و ستائش و لائق صد آفرین و تحسین ہے جس زمین کو حق تعالیٰ نے شور اور بنجر بنایا اور انبات کی صلاحیتوں سے اسے محروم کر دیا تو خداوند ذوالجلال نے زمین کے اس ٹکڑے پر کوئی ظلم نہیں کیا اسی طرح خداوند علیم و حکیم نے اگر کسی کے دل پر مہر لگا کر اور اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال کر اس کی زمین قلب کو ہدایت کی صلاحیتوں سے محروم کر دیا تو کوئی ظلم نہیں اہل حق کہتے ہیں کہ یہ ختم اور غشاوۃ ان کی سرکشی اور عناد کی سزاء ہے یہ مہر ان کو کفر پر مجبور نہیں کرتی اس مہر کا توڑنا انکے اختیار میں ہے حق کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں ابھی مہر ٹوٹتی ہے۔

امام ربانی شیخ مجدد الف ثانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ کفر اور کافروں کے ساتھ حق تعالیٰ شانہ کو ذاتی عداوت ہے اور غیر اللہ کی عبادت کرنے والے اس حق جل وعلا کے بالذات دشمن ہیں اسی وجہ سے ان کا عذاب دائمی ہے اور ان کی مغفرت ناممکن ہے اس لئے کہ صفت رافت و رحمت جو کہ صفات افعال میں سے ہے وہ ذاتی غضب اور ذاتی عداوت کے مقتضا کو ہرگز نہیں بدل سکتی۔

مُہر لگانے والا فرشتہ:

امام بزار اور امام بیہقی شعب الایمان میں عبداللہ بن عمر سے راوی ہیں اور امام بیہقی نے اس کی سند کو ضعیف بتایا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا مہر لگانے والا فرشتہ عرش کا پایہ پکڑے کھڑا رہتا ہے جب کوئی شخص اللہ کے حکم کی بے حرمتی کرتا ہے اور کھلم کھلا اس کی نافرمانیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اللہ کے مقابلہ میں گستاخ اور دلیر ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس مہر لگانے والے فرشتہ کو حکم دیتے ہیں وہ فوراً اس گستاخ اور بے باک کے دل پر مہر لگا دیتا ہے جس کے بعد وہ کسی حق کو قبول نہیں کرتا۔ (درمنثور ص ۲۳۸ ج ۲)

مرض کا ازالہ ضروری ہے:

ہرچہ جز عشق خدائے احسن است
گر شکر خوردن بود جان کندن است

حالت مرض میں مرغ تنجن اور بہتر سے بہتر غذا بھی مفید نہیں ہوتی بلکہ اور مرض اور بیماری میں قوت اور شدت پیدا کر دیتی ہے۔

؎ ہرچہ گیرد علتی علت شود

اول ازالہ مرض کی فکر چاہئے اس کے بعد مناسب غذا دی جائے اسی طرح باطنی اور روحانی مریض کو ایمان و ہدایت کی تلقین کوئی نفع نہیں دیتی بلکہ اور مرض میں اضافہ کر دیتی ہے۔

جو شخص صفرا کے مرض میں مبتلا ہے اس کو قند اور نبات بھی تلخ معلوم ہوتی ہے اور قند اور نبات کے استعمال سے اس کا صفرا اور زیادہ ہو جاتا ہے۔

شیعوں کا تقیہ:

شیعوں کا تقیہ بھی کھلا ہوا نفاق ہے۔ اگرچہ وہ اس کو ایمان کہیں۔

﴿معارف کاندھلویؒ﴾

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿١٠﴾
اور ان کیلئے عذاب دردناک ہے اس بات پر کہ جھوٹ کہتے تھے

جھوٹ بولنا اور جھوٹ کہنا:

اس جھوٹ کہنے سے وہی اسلام کا جھوٹا دعویٰ:

﴿يَقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾ مراد ہے جو اوپر گذر چکا یعنی ﴿عَذَابٌ عَظِيْمٌ﴾ حقیقت میں ان کے نفاق کی سزا ہے نہ مطلق جھوٹ بولنے کی حضرت شاہ صاحبؒ گواسی باریک فرق پر متنبہ فرمانا منظور ہے جو يَكْذِبُوْنَ کا ترجمہ جھوٹ بولنے کی جگہ "جھوٹ کہنا" فرماتے ہیں فجز اہ اللہ ما ادق نظرہ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جھوٹ:

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ بندہ جب جھوٹ بولتا ہے تو اس کے جھوٹ کی بدبو کیوجہ سے فرشتہ ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ ﴿ترمذی﴾

غیبت:

حضرت جابر راوی ہیں کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے یکا یک ایک بدبو اٹھی آپ نے ارشاد فرمایا جانتے ہو یہ کیسی بدبو ہے پھر فرمایا یہ بدبو ان لوگوں کے منہ سے آرہی ہے جو اس وقت مسلمانوں کی غیبت کررہے ہیں یعنی منافقین۔ ﴿مسند احمد﴾

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ
اور جب کہا جاتا ہے ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں تو
قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ⑪
کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنیوالے ہیں

منافقوں کا فساد:

خلاصہ یہ ہے کہ منافقین بچند وجوہ فساد پھیلاتے تھے اول تو خواہشات نفسانیہ میں منہمک تھے اور انقیاد احکام شرعیہ سے کاہل اور متنفر تھے دوسرے مسلمانوں اور کافروں دونوں کے پاس آتے جاتے تھے اور اپنی قدر ومنزلت بڑھانے کو ہر ایک کی باتیں دوسروں تک پہنچاتے رہتے تھے تیسرے کفار سے نہایت مدارات ومخالطت سے پیش آتے تھے۔ اور امور دین کی مخالفت پر کفار پر اصلا مزاحمت نہ کرتے تھے اور کفار کے اعتراضات وشبہات کو جو دین کی باتوں پر ہوتے تھے مسلمانوں کے روبرو نقل کرتے تھے تاکہ ضعیف الاعتقاد اور ضعیف الفہم احکام شرعیہ میں متردد ہوجائیں اور جب کوئی ان فسادات سے ان کو منع کرتا تو جواب دیتے تھے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تمام قوم اور ملک مثل زمانہ سابق شیر وشکر ہوکر رہیں اور دین جدید کی وجہ سے جو مخالفت بڑھ گئی ہے بالکل جاتی رہے۔ چنانچہ ہر زمانہ میں دنیا طلب ہوا پرست ایسا ہی کہا کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وہ کہتے تھے ہم ان دونوں جماعتوں یعنی مؤمنوں اور اہل کتاب کے درمیان صلح کرانے والے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ نری ان کی جہالت ہے جسے یہ صلح جانتے ہیں وہ عین فساد ہے لیکن انہیں شعور نہیں۔

منافقوں کا ملک میں فساد پھیلانا (کیا تھا) مسلمانوں کو دھوکا دیکر لڑائیوں کی شورش پھیلانا' آتش جنگ ہر طرف بھڑکانا! مسلمانوں کے بھیدوں کو طشت از بام کرکے کافروں کو ان پر پل پڑنے کی ترغیب دینا! جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور قرآن مقدس پر ایمان لانے سے لوگوں کو روکنا تھا۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

کفر ونفاق کا اثر:

کفر اور نفاق کے صفرانے اس کی قوت ذائقہ کو تلخ بنادیا ہے اس لئے اس کو ایمان اور ہدایت کی حلاوت محسوس نہیں ہوتی۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ ایک آزار یہ تھا کہ جس دین کو دل نہ چاہتا تھا ناچار قبول کرنا پڑا اور دوسرا آزار اللہ نے زیادہ دیا کہ حکم کیا جہاد کا جن کے خیر خواہ تھے ان سے لڑنا پڑا۔ (تفسیر کاندھلوی)

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ⑫
جان لو وہی ہیں خرابی کرنیوالے لیکن نہیں سمجھتے

حقیقی اصلاح:

یعنی اصلاح تو حقیقت میں یہ ہے کہ دین حق جملہ ادیان پر غالب ہو اور جملہ اغراض ومنافع دنیوی سے احکام شرعیہ کی رعایت زیادہ کی جائے اور در بارۂ دین کسی کی موافقت ومخالفت کی پروانہ ہو۔

"خاک بر دلداری اغیار پاش" منافقین بخیلۂ مصالحت ومصلحت اندیشی جو کچھ کرتے ہیں وہ حقیقت میں فساد محض ہے مگر ان کو اس کا شعور نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا
جب کہا جاتا ہے انکو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں

یعنی اپنے دلوں میں یہ کہتے تھے یا آپس میں یا ان ضعفائے مسلمین سے جو کسی وجہ سے ان کے راز دار بن رہے تھے۔

ابن عساکر نے تاریخ اپنی میں ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ

انہوں نے (اٰمَنَ النَّاسُ) کی تفسیر میں فرمایا ہے کما امن ابوبکرؓ وعمرؓ وعثمانؓ وعلیؓ اور تخصیص ان چاروں یاروں کبار کی اس واسطے ہے کہ خلوص ایمان ان کے کا اس وقت میں خواص اور عوام کے نزدیک مشہور تھا۔

اَنُؤۡمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ
کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بیوقوف

صحابہ کرام کی دانائی:

سفہاء کہا سچے مسلمانوں کو کہ احکام خداوندی پر دل سے ایسے فدا تھے کہ لوگوں کی مخالفت اور اس کے نتائج بد سے اور انقلاب زمانہ کی مضرات گوناگوں سے اپنا بچاؤ نہ کرتے تھے بخلاف منافقین کے کہ مسلمان وکفار سب سے ظاہر بنا رکھا تھا اور اغراض نفسانی کے سبب آخرت کا کچھ فکر نہ تھا مصلحت بینی اس درجہ غالب تھی کہ ایمان و پابندی احکام شرع کی ضرورت نہ سمجھتے تھے فقط دعویٰ زبانی اور ضروری اعمال بجبوری ادا کر لینے پر قناعت تھی۔

سفہ کہتے ہیں خفت عقل کو اور اس کی ضد ہے حلم۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مہاراجہ موتی سنگھ کے مسلمان ہونے کا واقعہ:

مہاراجہ کا یہ معمول ہو گیا کہ صبح سویرے محل سے اٹھ کر شاہ عبداللہ چنگال رحمۃ اللہ علیہ صاحب کی کٹیا پر آ جاتے اور تین گھڑی تک وہیں شاہ صاحب کی خدمت میں بیٹھتے اور ان کی ایمان وعرفان' گیان دھیان کی باتیں سنتے رہتے۔

لوگوں نے مہاراجہ سے کہا کہ خدانخواستہ ٹھنڈی ہوا لگ جائے۔ جواب دیا کہ میں نے بیس سال تک دن چڑھے تک کسی مسلمان کا منہ نہیں دیکھا لہٰذا اب عزم کر لیا ہے کہ اتنی مدت تک صبح سویرے سے دن چڑھے تک مسلمانوں کا چہرہ دیکھوں گا۔

شاہ صاحب نے دریافت کیا کہ کس کی پوجا کرتے ہو۔

مہاراجہ نے کہا حضور یہ پوچھنے کی کیا بات ہے شری کرشن بھگوان کی پوجا کرتا ہوں اور ان کی ہی دن رات مالا جپتا ہوں۔

شاہ صاحب نے فرمایا ٹھیک ہے لیکن بتاؤ کہ ان کے درشن بھی کبھی ہوئے یا یوں ہی گھنٹیاں بجاتے رہتے ہو۔ راجہ نے جواباً کہا حضور ہم پاپی گنہگاروں کو بھلا کرشن بھگوان کے درشن کہاں نصیب ہو سکتے ہیں؟ بس ان کی مورتی کے آگے ڈنڈوت کرتے رہتے ہیں اور خیال کرشن کے تصور سے دل منور کر لیتے ہیں۔ یہ جواب سن کر شاہ صاحب پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہوئی اور جذب کے عالم میں بولے۔ اے من کے اندھے اپنی آنکھوں کو بند کر اور سر کو جھکا پھر دیکھ کیا نظر آتا ہے؟ مہاراجہ نے شاہ صاحب کے کہنے کے مطابق اپنی آنکھوں کو بند کیا اور کچھ دیر بعد جونہی آنکھوں کو کھولا تو اپنا سر شاہ صاحب عبداللہ چنگال کے قدموں میں رکھ دیا۔ آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہونٹوں سے آہ و بکا کی آوازیں اٹھ رہی تھی۔ زبان سے بے ساختہ یہ جملے نکل رہے تھے۔ آج سب کچھ پالیا سچائی مل گئی سچائی کی جوت سے (نور صداقت سے) آنکھ کھل گئی اور میری آتما کو شانتی حاصل ہوگئی (روحانی سکون) بے شک بابا آپ سچے فقیر ہیں باقی سب جھوٹے ڈھکوسلے ہیں۔ آپ کا دین سچا ہے جس کے اندر کوئی شک نہیں۔ غرض اس قسم کے جملے راجہ کی زبان سے نکل رہے تھے۔ ادھر آنکھوں میں آنسو مچل رہے تھے۔ تب شاہ صاحب نے مسکرا کر فرمایا کچھ اپنا حال تو بتاؤ تم پر کیا گزرا اور تمہاری آنکھوں نے کیا دیکھا کیوں رو رہے ہو۔ مہاراجہ موتی سنگھ نے روتے ہوئے اپنا حال اس طرح بتایا کہ بابا داتا جوں ہی میں نے حضور کے حکم سے آنکھوں کو بند کیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ کرشن بھگوان اپنے نورانی چہرے کے ساتھ سامنے کھڑے بانسری ہونٹوں میں لیے بجا رہے ہیں اور ایسے دلکش و دلآویز لے میں بانسری بجا رہے ہیں کہ جس کو سنتے ہی میں مدہوش ہو گیا اتنے میں کرشن بھگوان نے بانسری منہ سے ہٹائی اور میں ہوش میں آ گیا مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ باؤلے مجھے کیا دیکھتا ہے مجھ سے کیا مانگتا ہے یہ دور محمدی نبوت کا دور ہے ان کی نبوت کا سورج نکلا ہوا ہے اور سارے جگ میں انہیں کی شعاعیں پھیلی ہوئی ہیں۔ ان کی شریعت کی روشنی سے دل کو منور اور آنکھوں کو روشن کر کہ انھیں کی راہ نجات ہے۔ پھر بانسری بجانا شروع فرمائی تو اس میں سے صاف کلمہ لا الہ الا اللہ نغمہ جانفزا بلند ہو رہا تھا اس لیے میں نے کرشن بھگوان کی سریلی بانسری سے جو کلمہ طیبہ سنا تھا اسی کو پڑھتا ہوں۔ حضور اپنا ہاتھ بڑھائیں اور مجھے مسلمان کریں تاکہ میں کھلے بندوں آپ کے ہاتھ پر مسلمان ہوں اور اسی ایک خدا پر میرا ایمان ہے۔

شاہ صاحب نے فرمایا کہ جب تم نے سچے دل سے ایک خدا کو مان لیا اور یہ بھی مان لیا کہ وہی سارے زمانے کا مالک ہے وہ کسی کا محتاج نہیں سب اس کے محتاج ہیں وہ اکیلا ہے اور اس کا کوئی ساجھی اور شریک نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سچے رسول اور نبی ہیں۔ (ماخوذ از ''ہندوستان اسلام کے سائے میں'')

صحابہ معیار ہیں:

جو شخص ملائکہ اور جنت اور جہنم وغیرہ وغیرہ کی تصدیق اس معنی کے لحاظ سے نہ کرے کہ جس معنی سے صحابہ کرام تصدیق کرتے تھے۔ بلکہ اپنی ہوائے نفسانی اور شیطان قرین کی القاء کئے ہوئے معنی کے لحاظ سے کرے تو وہ اصلاً معتبر نہیں۔ ایسی تصدیق تکذیب کے مرادف ہے۔ اور ایسا ایمان بلاشبہ کفر کے ہم معنی ہے۔

اوست دیوانہ کہ دیوانہ نشد
اوست فرزانہ کہ فرزانہ نشد

شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

عاقل اور سمجھدار وہ ہے کہ جس نے اپنے نفس کو اللہ کا مطیع اور فرمانبردار بنایا اور مابعد الموت یعنی آخرت کیلئے عمل کیا اور احمق اور بے وقوف وہ ہے کہ جس نے ہوائے نفسانی کا اتباع کیا اور اللہ پر آرزوئیں اور تمنائیں باندھیں۔ ترمذی ابن ماجہ ﴿تفسیر کاندھلویؒ﴾

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾
جان لو وہی ہیں بیوقوف لیکن نہیں جانتے

حقیقی بے وقوف:

یعنی بے وقوف حقیقت میں منافقین ہی ہیں کہ مصالح واغراض دنیوی پا در ہوا کی وجہ سے آخرت کا خیال نہ کیا فانی کو لینا اور باقی کو چھوڑنا کس قدر حماقت ہے اور مخلوقات سے ڈرنا کہ جن سے ہزار طرح اپنا بچاؤ کر سکتے ہیں اور علام الغیوب سے نہ ڈرنا کہ جہاں کسی طرح کوئی امر پیش ہی نہ جا سکے کتنی جہالت ہے اور صلح کل کیسے کہ جس میں احکم الحاکمین اور اس کے مقبول بندوں سے مخالفت کی جاتی ہے مگر منافقین اس درجہ بے وقوف ہیں کہ ایسی موٹی بات بھی نہیں سمجھتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

منافق اور کافر:

منافق مقصد فریب دینے کا کرتا ہے اور جو کافر ظاہر ہے قصد فریب کا نہیں کرتا ہے اور یہی کافر مجاہر مردوں کی مثل ہے کہ جو کرتا ہے ویسا ہی کہتا ہے اور منافق مانند عورتوں ناقص کی ہے کہ کرتا ہے کچھ اور کہتا ہے کچھ اور بھی کافر ہر چند کہ جھوٹا ہے لیکن اپنے زعم میں سچا ہے اور ہرگز واسطے نفس اپنے کے جھوٹ کو پسند نہیں کرتا ہے بلکہ اس سے عار کرتا ہے اور اسی واسطے اپنے دلی عقیدہ کو کھول کر بیان کرتا ہے اور منافق اس قدر کمینہ ہے کہ دیدہ و دانستہ جھوٹ کہتا ہے اور اس جھوٹ کو کمال اپنا جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بندہ اپنے سے معاملہ موافق نیت اور ارادہ اس کے کے کرتا ہے اسی واسطے حدیث شریف میں وارد ہے کہ اَصْدَقُكُمْ رُؤْيَاً اَصْدَقُكُمْ حَدِيْثًا یعنی جو کوئی کلام میں عادت سچ بولنے کی رکھتا ہو خواب میں بھی اس کو غیب سے سچی خبریں دکھلائی دیویں اور جو کوئی باتوں سے دروغ گوئی کی عادت رکھے اس طرف سے بھی باعتبار حال اس کے معاملہ ہوتا ہے۔ ''رای العلیل علیل'' یعنی فکر علیل کی بھی علیل ہوتی۔ (تفسیر عزیزی)

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا
اور جب ملاقات کرتے ہیں مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے
اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ
آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس

شیاطین (یعنی شریر لوگ) مراد ان سے یا تو وہ کفار ہیں جو اپنے کفر کو سب پر ظاہر کرتے تھے یا وہ منافقین مراد ہیں جو ان میں رئیس سمجھے جاتے تھے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ
تو کہتے ہیں کہ بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں

﴿ یعنی کفر و اعتقاد دین کے معاملہ میں ہم بالکل تمہارے ساتھ ہیں تم سے کسی حالت میں جدا نہیں ہو سکتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾
ہم تو ہنسی کرتے ہیں (یعنی مسلمانوں سے)

منافقوں کا استہزاء:

یعنی ظاہری موافقت جو ہم مسلمانوں سے کرتے ہیں اس سے یہ نہ سمجھنا کہ ہم واقع میں ان کے موافق ہیں۔ ہم تو ان سے تمسخر کرتے ہیں اور ان کی بے وقوفی سب پر ظاہر کرتے ہیں کہ باوجودیکہ ہمارے افعال ہمارے اقوال کے مخالف ہیں مگر وہ اپنی بے وقوفی سے صرف ہماری زبانی باتوں پر ہم کو مسلمان سمجھ کر ہمارے مال اور اولاد پر ہاتھ نہیں ڈالتے اور مال غنیمت میں ہم کو شریک کر لیتے ہیں اور اپنی اولاد سے ہمارا نکاح کر دیتے ہیں اور ہم ان کے راز کی باتیں اڑا لاتے ہیں۔ اور وہ اس پر بھی

ہمارے فریب کو نہیں سمجھتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مسلمانوں سے ملتے تو کہتے' ہم تمہارے ساتھ ہیں یعنی جیسے تم ویسے ہی ہم ہیں' ہم تو ان کے ساتھ ہنسی کھیل کرتے۔ ویسے ہی ہم ہیں' ہم تو ان کے ساتھ کھیل کرتے دنیا میں یہ منافق اپنی اس پلید پالیسی سے مسلمانوں کے ساتھ مذاق کرتے تھے خدا نے بھی ان کے ساتھ یہی کیا کہ دنیا میں انہیں امن وامان مل گیا اب یہ مست بن گئے حالانکہ یہ عارضی امن ہے قیامت والے دن انہیں کوئی امن نہیں۔ ﴿ابن کثیرؒ﴾

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ
اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے

چونکہ اللہ تعالیٰ نے مؤمنین کو فرمایا کہ منافقین کے ساتھ مسلمانوں کا سا معاملہ کرو ان کے جان و مال سے ہرگز تعرض نہ کرو اس سے منافقین اپنی حماقات سے سمجھ گئے کہ ایمان لانے سے جو فائدہ مسلمانوں کو ہوا وہ سب فوائد ہم کو بھی صرف زبانی اظہار اسلام سے حاصل ہوگئے اس وجہ سے بالکل مطمئن ہوگئے حالانکہ انجام کار یہ امر منافقین کو سخت بلا میں پھنسانے والا ہے اس کا انجام نہایت خراب ہے تو اب انصاف کیجئے کہ حقیقت میں تمسخر مسلمانوں کا ہوا یا منافقین کا اور یا تمسخر کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس تمسخر کا بدلہ اور سزا ان کو دے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

استہزاء کے جواب میں استہزاء:

استہزاء کے جواب میں استہزاء کرنا عین حکمت اور کمال انصاف ہے جیسا کہ اس آیت میں واقع ہے خصوصاً جو کوئی محبوبوں اپنے سے استہزاء کرتا ہے محبوبوں کی طرف سے واسطے انتقام کے جواب استہزاء کا دینا عالم محبت میں واجبات سے ہے اور اس آیت میں اس مقصد کی نظر سے کمال بزرگی شان خالص مسلمانوں کی نکلتی ہے کہ حق تعالیٰ ان کی حمایت کے واسطے استہزاء منافقوں کا جواب آپ ان کی طرف سے دیتا ہے۔ ﴿از تفسیر عزیزیؒ﴾

اللہ کا ٹھٹھا کیسے ہوگا:

اللہ کا ٹھٹھا کرنا یہ ہے کہ مؤمنین کے لئے ایک نور پیدا کیا جائے گا کہ جس کی روشنی سے پل صراط پر چلیں گے جب منافق اس نور تک پہنچیں گے تو ان کے اور مؤمنین کے مابین ایک پردہ حائل ہو جائے گا۔

ابن ابی الدنیا نے کتاب الصمت میں حسنؒ سے روایت کیا ہے کہ جو لوگوں سے ٹھٹھا کرتے ہیں ان میں سے ایک کے لئے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا اور اسے پکارا جائے گا کہ آ۔ یہاں آ جب وہ وہاں تک پہنچے گا اور دروازہ سے پرے ہی ہوگا کہ دروازہ بند کر دیا جائیگا۔ ایسا ہی ہوتا رہے گا یہ حدیث مرسل اور جید ہے۔ ﴿از تفسیر مظہریؒ﴾

وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾
اور ترقی دیتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں

منافقوں کو ڈھیل دینا:

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو ڈھیل دی گئی حتیٰ کہ انہوں نے سرکشی میں خوب ترقی کی اور ایسے بہکے کہ اس کا انجام کچھ نہ سوچا اور خوش ہوئے کہ ہم مسلمانوں سے ہنسی کرتے ہیں حالانکہ معاملہ بالعکس تھا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى
یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی ہدایت کے بدلے
فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ
سو نافع نہ ہوئی ان کی سوداگری

گھاٹے کی تجارت:

تجارت سے مراد وہی گمراہی کا ہدایت کے بدلے مول لینا ہے جو اس سے پہلے مذکور ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ایک اجماعی مسئلہ:

اجماع اہل عقل اور اہل شرع کا اس پر ہے کہ بعد موت کے کسب دنیا کا ممکن نہیں اور وہ کسب کہ زندگی میں کئے تھے ان کا دور کرنا بھی ممکن نہیں جیسا کہ سورۂ بنی اسرائیل میں فرماتے ہیں:

(وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ فِىْ عُنُقِهٖ)

"یعنی ہر انسان چمٹا دی ہے ہم نے بری قسمت اس کی بیچ گردن اس کی کے اور جو دوسری آیتوں میں فرماتا ہے کہ کافر اور منافق بعد موت کے قیامت کے دن تیز حواس ہوں گے اور سننا و یکھنا ان کا ترقی کرے گا جیسا کہ سورۂ مریم میں:

(اَسْمِعْ بِهِمْ وَاَبْصِرْ يَوْمَ يَاْتُوْنَنَا)

پس مخالف اس آیت کے نہیں اس واسطے کہ تیزی حواس ان کے کی اس بات میں ہوگی کہ جزاء اعمال اپنے کی کہ زندگی میں کئے تھے بخوبی

معلوم کریں گے۔ ﴿تفسیر عزیزی﴾

وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿١٦﴾
اور نہ ہوئے راہ پانے والے

منافق کامیاب نہ ہو سکے:

یعنی منافقین نے بظاہر ایمان قبول کیا اور دل میں کفر کو رکھا جس کی وجہ سے آخرت میں خراب اور دنیا میں خوار ہوئے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان کے احوال پر سب کو مطلع فرما دیا۔ ایمان لاتے تو دارین میں سرخرو ہوتے تو اب ان کی تجارت نے کوئی نفع ان کو نہ پہنچایا نہ دنیا کا اور نہ آخرت کا۔ اور وہ کچھ نہ سمجھے کہ مجرد ایمان زبانی کو کافی اور نافع سمجھ کر اس خرابی اور رسوائی میں گرفتار ہوئے۔ اب ان منافقین کے مناسب حال دو مثالیں بیان فرمائی ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ
انکی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا
اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ
آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی
وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿١٧﴾
اور چھوڑا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے

منافقوں کی مثال:

یعنی منافقوں کی مثال ایسی ہے کہ کوئی شخص اندھیری گھنگھور رات میں آگ روشن کرے جنگل میں راستہ دیکھنے کو اور جب آگ روشن ہوگئی اور راستہ نظر آنے کو ہوا تو خدا تعالیٰ نے اس کو بجھا دیا اور اندھیری رات میں جنگل میں کھڑا رہ گیا کہ کچھ نظر نہیں آتا۔ ایسے ہی منافقین نے مسلمانوں کے خوف سے کلمۂ شہادت کی روشنی سے کام لینا چاہا مگر سردست کچھ فائدہ حقیر (مثل حفظ جان و مال) اٹھانے پائے تھے کہ نور کلمۂ شہادت اور منافع سب نیست و نابود ہو گئے اور مرتے ہی عذاب الیم میں مبتلا ہو گئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

عطاء خراسانی کا قول ہے کہ منافق کبھی کبھی بھلائی کو دیکھ لیتا ہے اور پہچان بھی لیتا ہے لیکن پھر اس کے دل کا اندھا پن اس پر غالب آ جاتا ہے۔

ابو العالیہ فرماتے ہیں جب منافق لا الہ الا اللہ پڑھتا ہے دل میں نور پیدا ہوتا ہے پھر جہاں شک کیا وہ نور گیا جس طرح لکڑیاں جب تک جلتی رہیں روشنی رہی جہاں بجھیں نور گیا۔

حسن بصری فرماتے ہیں موت کے وقت منافق کی بد اعمالیاں اندھیروں کی طرح اس پر چھا جاتی ہیں اور کوئی بھلائی کی روشنی اس کے لئے باقی نہیں رہتی جس سے اس کی توحید کی تصدیق ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿١٨﴾
بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے

ہدایت کے سارے راستے بند:

یعنی بہرے ہیں جو سچی بات نہیں سنتے گونگے ہیں جو سچی بات نہیں کہتے۔ اندھے ہیں جو اپنے نفع و نقصان کو نہیں دیکھتے۔ سو جو شخص بہرا بھی ہو اور گونگا بھی ہو وہ کس طرح راہ پر آئے صرف اندھا ہو تو کسی کو پکارے یا کسی کی بات سنے تو اب ان سے ہرگز توقع نہیں کہ گمراہی سے حق کی طرف لوٹیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

منافق کی تین خصلتیں:

صحیحین میں حدیث ہے حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تین خصلتیں ہیں جس میں تینوں ہوں وہ پختہ منافق ہے اور جس میں ایک ہو اس میں ایک خصلت نفاق کی ہے جب تک اسے نہ چھوڑے بات کرنے میں جھوٹ بولنا، وعدہ خلافی کرنا، امانت میں خیانت کرنا۔

چار قسم کے دِل:

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دل چار قسم کے ہیں ایک تو صاف دل جو روشن چراغ کی طرح چمک رہا ہو دوسرے وہ دل جو غلاف آلود ہیں، تیسرے وہ دل جو الٹے ہیں چوتھے وہ دل جو مخلوط ہیں۔ پہلا دل تو مومن کا ہے جو پوری طرح نورانی ہے۔ دوسرا کافر کا دل ہے جس پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ تیسرا دل خالص منافقوں کا ہے جو جانتا ہے اور انکار کرتا ہے چوتھا دل اس منافق کا ہے جس میں ایمان و نفاق دونوں جمع ہیں۔ ایمان کی مثال اس سبزے کی طرح ہے جو پاکیزہ پانی سے بڑھ رہا ہو اور نفاق کی مثال اس پھوڑے کی طرح ہے جس میں پیپ اور خون بڑھتا ہی جاتا ہو۔ اب جو مادہ بڑھ جائے وہ دوسرے پر غالب آ جاتا ہے۔ اس حدیث کی اسناد بہت ہی عمدہ ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ
یا انکی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے اس
وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ
میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی دیتے ہیں انگلیاں اپنے
اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ
کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے
وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾
اور اللہ احاطہ کرنیوالا ہے کافروں کا

منافقوں کی دوسری مثال:

دوسری مثل ان منافقین کی ان لوگوں کی سی ہے کہ ان پر آسمان سے مینہ شدت کے ساتھ پڑ رہا ہو اور کئی طرح کی تاریکی اس میں ہو۔ مثلاً بادل بھی تو بہت غلیظ وکثیف ہے اور قطرات ابر کی بھی بہت کثرت اور ہجوم ہے اور رات بھی اندھیری ہے اور تاریکی شدید کے ساتھ بجلی کی کڑک اور چمک بھی ایسی ہولناک ہے کہ وہ لوگ موت کے خوف سے کانوں میں انگلیاں دیتے ہیں کہ آواز کی شدت سے دم نہ نکل جائے۔ اسی طرح پر منافقین تکالیف وتہدیدات شرعیہ کو سن کر اور اپنی خواری ورسوائی کو دیکھ کر اور اغراض ومصالح دنیوی کو خیال کر کر عجب کشمکش اور خوف وپریشانی میں مبتلا ہیں اور اپنی بیہودہ تدبیروں سے اپنا بچاؤ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ کی قدرت سب طرف سے کفار کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس کی گرفت وعذاب سے وہ کسی طرح بچ نہیں سکتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

دم دار، ستارہ، رعد، شبنم وغیرہ کی تحقیق:

مثلاً جب گرمی موسم گرما کے عناصر میں تاثیر قوی کرتی ہے دریا سے بخار اور زمین سے دھواں اٹھتا ہے اور طرف آسمان کے جاتا ہے پس دھواں کبھی ہوا کے جز سے آگے بڑھ جاتا ہے اور کرہ آگ تک پہنچتا ہے اور وہاں جا کر روشن ہوجاتا ہے اور کبھی کئی روز تک اس کا روشن ہونا باقی رہتا ہے اور ستارہ دم دار کی صورت اور نیزہ کی شکل نمودار ہوتی ہے اور اگر جلدی سے بعد روشن ہونے کے غائب ہوجاتا ہے شہاب ہوتا ہے اور کبھی مشتعل نہیں ہوتا ہے بلکہ احتراق قبول کرتا ہے اور علامات سرخ اور سیاہ آسمان اور زمین کے درمیان ظاہر ہوتے ہیں اور بخار زمین سے جب اٹھتا ہے کئی قسم کا ہوتا ہے اور بہت بلند جاتا ہے۔ اور ایسے مکان پر پہنچتا ہے کہ عکس شعاع آفتاب کا زمین سے اٹھتا ہے اس مکان تک منقطع ہوجاتا ہے اور سردی اور جم جانا قبول کرتا ہے اور قطرہ قطرہ ہوکر زمین پر گرتا ہے اس بخار جمے ہوئے کو ابر کہتے ہیں اور کبھی اتنا لطیف نہیں ہوتا ہے بلکہ ثقل بھی اس میں موجود ہوتا ہے اور اسی واسطے بہت بلند نہیں جاتا ہے اور یہ بخار بسبب سردی کے آخر رات کو جلدی سے منجمد ہوکر گرتا ہے اور اس کو شبنم کہتے ہیں اور کبھی بسبب شدت سردی ہوا کے بخار راستے میں جم کر زمین پر گرتا ہے اور اس کو اولہ کہتے ہیں اور بھی کہا ہے کہ جس وقت بخار اور دھواں اور غبار مخلوط ہوکر زمین سے اوپر کو اٹھتے ہیں اور بعد اٹھنے کے آپس سے جدا ہوتے ہیں غبار الٹا پھرتا ہے اور ہوا تند چلتی ہے باؤ گولہ پیدا ہوتا ہے اور بخار اور دھواں جس وقت برودت کی حد پر پہنچتے ہیں بخار سرد ہوجاتا ہے اور دھواں اوپر کو جانا چاہتا ہے پس بباعث شدت نفوذ کرنے دھویں کے اوپر کو راستہ چاہتا ہے آواز سخت پیدا ہوتی ہے کہ اس کو رعد کہتے ہیں اور کبھی بسبب حرکت سخت کے وہ دھواں روشن بھی ہوجاتا ہے اور بجلی دکھائی دیتی ہے۔

بارش کہاں سے آتی ہے:

خالد بن معدان نے فرمایا۔ بارش عرش کے نیچے سے نکل کر ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی طرف اترتی ہوئی آسمان دنیا میں ایک مقام پر جس کو اثرہ کہتے ہیں جمع ہوجاتی ہے پھر سیاہ ابر ہوجاتا ہے اور وہ بارش اس میں داخل ہوجاتی ہے اور ابر اس کو پی لیتا ہے پھر اس کو اللہ تعالیٰ جس طرف چاہتا ہے لے جاتا ہے۔

خواہش پرستی جنت کے راستہ کی رکاوٹ ہے:

دین میں ایسی چیزیں موجود ہیں جو اتباع اور پیروی کرنے سے روک رہی ہیں اور وہ ہیں! عبادات، مجاہدہ نفس اور نفسانی خواہشوں کا ترک کرنا جو سراسر محنت ومشقت اور رنج اور تکلیف سے لبریز ہیں۔ مسلم، امام احمد اور ترمذی نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت نامرغوبات اور شدائد سے اور دوزخ مرغوبات سے ڈھانکی گئی ہے۔

ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حق تبارک وتعالیٰ نے جنت پیدا کی تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ جاؤ دیکھو حضرت

جبرئیل گئے اور جو کچھ اللہ تعالیٰ نے جنت والوں کے لئے اس میں تیار کیا تھا دیکھ کر حاضر ہوئے اور عرض کیا قسم ہے تیرے عز ہو جلال کی جو اسے سنے گا بغیر جائے اس میں نہ رہے گا پھر اسے اللہ تعالیٰ نے سختیوں اور تکلیفوں سے ڈھانک دیا اور باردیگر ارشاد ہوا کہ اب پھر جا کر دیکھو چنانچہ حضرت جبرئیل بموجب ارشاد باری پھر دیکھ کر واپس آئے اور عرض کیا کہ تیرے عزت وجلال کی قسم اب تو مجھے یہ خوف ہے کہ کوئی بھی اس میں نہ جائے گا۔ اسی طرح جب جہنم کو پیدا کیا تو اس وقت بھی حضرت جبرئیل کو دیکھنے کا حکم ہوا۔ حضرت جبرئیل نے دیکھ کر عرض کیا کہ رب العالمین تیری عزت وقدرت کی قسم جو اسے سنے گا وہ کبھی اس میں نہ جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے مرغوبات سے ڈھانک کر دوبارہ دیکھنے کا حکم فرمایا۔ حضرت جبرئیل گئے اور دیکھ کر عرض کیا کہ الٰہ العلمین تیری عزت وجلال کی قسم کوئی بھی اس میں بغیر داخل ہوئے نہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بھی اس مضمون کو اس طرح فرمایا ہے:

﴿وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ (نماز بیشک گراں ہے مگر انہیں گراں نہیں جو اللہ کے ساتھ عاجزی کرنیوالے ہیں) (یعنی انہیں آسان ولذیذ ہے)

انہیں یہ خوف لگا رہتا تھا کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو عبادتوں کی محنت ومشقت میں پڑجائیں گے اور جو کبھی جہاد کا نمبر آ گیا تو قتل وقتال کرنا ہوگا۔ سو یہ قتل وقتال اور عبادات کی تکالیف ان کی نظر میں بمنزلہ موت تھی۔ ﴿از تفسیر مظہری﴾

مسئلہ معجزات پر حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

کا ایک تحقیقی رسالہ

تقریظ حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ صاحب

اور کشمیری قدس سرہٗ کی چاہت

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَكَفٰى وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى. ایک مدت گزری ہے کہ احقر نے حضرت علامۃ العصر مولانا مولوی شبیر احمد صاحب کی خدمت عالی میں عرض کی۔ مسئلہ معجزات' جس میں اکثر یورپ کے جذبات کے مقلدین تحریف سے کام لیتے ہیں۔ الحمدللہ والمنۃ کہ جناب مستطاب موصوف الصدر نے مسئلہ معجزات کو لکھ لیا ہے اور ان شاءاللہ المستعان ایسا واقع ہوا ہے کہ احقر کے دائرہ تمنا سے بہت اعلیٰ وارفع اور حاوی اور منضبط کہ ہر ایک حق پسند سے یہ امید قائم ہوگئی کہ دیکھتے ہی انشاءاللہ بدون کسی تردد کے مطمئن ہو جائیں گے۔ حق تعالیٰ مؤلف علام کو جملہ اہل حق کی طرف سے جزاء خیر دے واللہ ولی التوفیق۔

احقر محمد انور عفا اللہ عنہ (۱۵ ربیع الاول ۱۳۴۶ھ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خوارق عادات اور قانون قدرت

کا باہمی رشتہ

ہندوستان کی عام فضا اگرچہ خدا کے فضل سے ابھی تک ایسی معلوم نہیں ہوئی کہ خوارق عادات کا لفظ سننے سے لوگوں کو وحشت ہونے لگے لیکن انگلش تعلیم وتربیت کے تیار کئے ہوئے نوجوانوں کی جماعت ایسی موجود ہے جو ان چیزوں کا مذاق اڑاتی ہے' خواہ ملحدین یورپ کی کورانہ تقلید سے یا نئی تعلیم کے خاص اثرات اور ماحول سے یا محض "ینگ مین" کہلانے کے لئے خوارق سے تمسخر کرنا ان کا فیشن ٹھہر گیا ہے۔

اردو زبان کی زرق برق تصنیفات میں چونکہ بیشتر حصہ انہیں صاحبوں کا ہے اس لئے ان کے خیالات کے جراثیم پبلک میں بھی تیزی سے سرایت کرتے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ چند پرانے راسخ الاعتقاد علماء کو مستثنیٰ کرکے ہمارے عربی مدارس کے بہت سے نئے تعلیم یافتہ بھی "خوارق" کے ذکر سے کچھ کترانے لگتے ہیں' کہ مبادا ہم کو مقدم الذکر جماعت کی طرف سے "احمق" اور "وہم پرست" کا خطاب دیا جائے۔

یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ کاتب سطور ایک ایسی جماعت سے تعلق رکھتا ہے۔ جو نہ صرف قدامت پسند ہے بلکہ اپنی قدامت پسندی پر ناز کرتی ہے۔

لہٰذا اس مضمون کے لکھتے وقت اس کا کوئی غم نہیں کہ کچھ لوگ اپنی عقل کے نشہ میں مجھے "سادہ لوح" اور "وہم پرست" یا پرانی لکیر کے فقیر کہیں گے۔ یہ لوگ اپنے کو کتنا ہی عاقل سمجھیں لیکن میری درخواست صرف یہ ہے کہ معصوم نہ سمجھیں۔ جو کچھ ان سے کہا جائے انہیں اختیار ہے رد کردیں۔ مگر بغور سننے کے بعد رد کریں۔

"خوارق عادات" (معجزات وغیرہ) اور "قانون فطرت" کے باہمی تعلق پر ایک صاف اور تیز روشنی ڈالی جائے جو ہمارے اور منکرین خوارق کے اختلافات کے اصلی نقطۂ بحث کو پوری طرح واضح اور آشکار کردے۔

خوارق کا وجود قوانین کا دشمن نہیں

موجودہ سائنس کی ساری عمارت کی بنیاد یہ ہے کہ فطرت یکساں اور باقاعدہ کام کرتی ہے' اگر واقعات عالم ایسے طور سے وقوع میں آئیں جیسے مرض "کابوس" یا خوابہائے پریشاں میں واقع ہوتے ہیں تو فطرت کا مطالعہ کرنا فضول ہوگا۔ اگر خوارق ومعجزات کے پائے جانے سے فطرت کی یکسانی

اور باقاعدگی میں فرق آئے اور قوانین قدرت میں بے ترتیبی اور گڑبڑی پیدا ہو تو جو لوگ خوارق کے امکان پر غور کرنے سے انکار کرتے ہیں ان کو شاید معذور رکھا جائے لیکن واقع میں اس طرح نہیں ہے۔ ہم معجزات و خوارق کو قوانین قدرت کے خلاف نہیں کہہ سکتے بلکہ ہمارے نزدیک وہ ایک ایسی دریچی ہے جہاں سے قدرت کا چہرہ زیادہ صفائی اور زیادہ قریب سے نظر آتا ہے' خوارق کا احیاناً وقوع ہی وہ چیز ہے جس سے ہم اس منظم قوانین قدرت کے متعلق یہ یقین حاصل کرتے ہیں کہ وہ قوانین قدرت ہیں۔ کسی غیر قادر یا غیر مختار ہستی سے یوں ہی بالاضطرار نہیں بن گئے ہیں۔

معجزہ قوانین فطرت کی حمایت کرتا ہے

اگر کوئی احمق کائنات کی پراسرار ہستی میں نہایت محکم اور مرتب قوانین فطرت کی موجودگی سے انکار کرے تو معجزہ بجائے اس کی تائید کرنے کے اس کو رد کرنے کی کوشش کرے گا' کیونکہ معجزہ اسی وقت معجزہ کہلایا جا سکتا ہے جبکہ دنیا میں تکوین کا کوئی ضابطہ اور قانون موجود ہو پھر وہ (معجزہ) اپنے کو اس ضابطہ اور قانون سے اعلیٰ اور ارفع ثابت کرے۔

معجزات وغیرہ کے ماننے سے دنیا کا نظام مختل نہیں ہوتا

اسی لئے معجزات اور خوارق کی حمایت کرنے والے بھی دنیا کو منظم اور مرتب ماننے میں اپنے مخالفین کے ہمنوا ہیں اور ان کے اعمال' تجاویز' توقعات اور سارے انتظامات بھی ایسے ہی مستقل' ہموار اور یکساں ہیں جیسے ان کے جو معجزات وغیرہ کو نہیں مانتے۔

معجزہ قانون قدرت کے مطابق ہے

معجزات وغیرہ اگر گاہ بگاہ وقوع میں آئیں تو وہ اسی خلاق عالم کا کام ہوں گے جو ہمیں روزانہ فطرت کے عمل کے معمولی عجائبات دکھاتا رہتا ہے اور جب ایسا ہے تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ خود معجزات قانون قدرت کے مطابق ہوں۔ البتہ وہ قانون اس قانون سے اعلیٰ ہوگا جس سے طبعی سائنس آشنا ہے۔

معجزہ فطرت کے قوانین اصلیہ کا محافظ ہے

فطرت اور کانشنس دونوں کا یہ تقاضا ہے کہ ہم خدا کی نسبت یہ خیال کریں کہ وہ ابتری و اختلال کو نہیں بلکہ امن و نظم اور ترتیب کو بالذات پسند کرتا ہے لیکن جب انسان خدا کے بخشے ہوئے اختیارات کے غلط اور بے موقع استعمال سے دنیا کے امن و انتظام کو توڑتا ہے تو بسا اوقات ایسے خوارق ظہور پذیر ہوتے ہیں جو ہماری پیدا کی ہوئی ابتری کا علاج اور فطری امن و انتظام کے بحال کرنے کا سبب ہوں، اس صورت میں عام قوانین فطرت کی حفاظت کے لئے خوارق کا ظاہر کرنا بجائے خود ایک قانون فطرت ہے۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ انسانی ارادہ کے ذریعہ سے قوانین فطرت کو توڑے بغیر ہم فطرت کے بعض کاموں میں تبدیلی کر سکتے ہیں' مثلاً جب کوئی سول سرجن کامیابی سے مریض کے جسم کی چیر پھاڑ کرتا ہے یا کوئی طبیب ادویات کے ذریعہ سے کسی بیماری کی رفتار کو روکتا ہے' اگرچہ بظاہر وہ مریض کے طبعی قوانین کے سلسلہ میں خلل ڈالتا ہے' جو اس کی مداخلت کی عدم موجودگی میں اپنا پورا عمل کرتے لیکن اس پر بھی ڈاکٹر اور طبیب کی یہ مداخلت قوانین فطرت کے مخالف نہیں سمجھی جاتی' بلکہ اصلی اور حقیقی فطرت کی اعانت اور خدمت سمجھی جاتی ہے۔

معجزہ ایک اعلیٰ قانون قدرت ہے

خارجی فطرت میں ہمیں چار مختلف عالم نظر آتے ہیں جن میں سے ہر ایک اعلیٰ ادنیٰ پر مبنی اور اس سے ممیز ہے۔

۱۔ اول بظاہر بے ترتیب عالم' جس میں کیمیائی عناصر اور ان کے مرکبات پائے جاتے ہیں یا جسے ہم مردہ مادہ کہتے ہیں۔ یہ عالم اپنے قوانین جرثقیل اور جذب و اتصال وغیرہ کے ماتحت ہے۔

۲۔ اس کے اوپر مرتب اور منتظم عالم (نباتات وغیرہ) ہے جس کی ساخت اس پہلے بے ترتیب عالم سے ہوئی اور اس لحاظ سے یہ قوانین مادہ کے ماتحت ہے لیکن اس کے سوا اس میں فطرت کی ایسی پوشیدہ قوتیں اور شرائط پائی جاتی ہیں جو بے ترتیب عالم کو معلوم ہی نہیں' بنابریں یہ اور قسم کے قوانین کے تابع ہے جن کا ادنیٰ طبقہ سے کچھ تعلق نہیں یعنی منظم زندگی کے قوانین۔

۳۔ ان سے اوپر حیوانی زندگی ہے جس کی خاص صفات و شرائط نشو و نما پرورش اور حرکت ارادیہ وغیرہ کے قوانین ہیں۔

۴۔ اور اس سے بالاتر انسان کی ذی عقل' مدرک' اخلاقی اور ترقی کن زندگی ہے جس کے قوانین پچھلے تینوں عالموں سے جداگانہ ہیں، عالموں کے اس سلسلہ کا ہر اعلیٰ طبقہ ادنیٰ طبقہ کے لحاظ سے فوق العادت اور اعجازی ہے' قدرت کے جو قوانین عالم جماد یا نباتات میں دائر سائر ہیں وہ حیوانات میں نہیں اور جو حیوانات میں ہیں اس سے کہیں بڑھ کر عالم انسان میں پائے جاتے ہیں۔

اگر فرض کرو نباتات یا حیوانات میں ہماری باتیں سمجھنے کی قوت ہو اور ہم ان کی دنیا میں جا کر اپنے انسانی کارنامے اور بنی آدم کے عجیب و غریب احوال اور وہ قوانین فطرت بیان کریں جو عالم انسان میں کارفرما ہیں تو یقیناً

وہ اس ساری داستان کو خلاف قانون فطرت قرار دے کر ہمارا اسی طرح مذاق اڑائیں گے جیسا کہ معجزات نہ ماننے والے معجزات کا اڑاتے ہیں کیونکہ جو قوانین ان نباتات جمادات کے دائرہ وجود میں عمل کر رہے ہیں۔ انسان کے متعلق قوانین فطرت ان سے بہت زیادہ بلند اور رفیع واقع ہوئے ہیں جن کے احاطہ کی ادنیٰ طبقہ کی مخلوقات سے توقع کرنا سفاہت ہے۔

معجزہ انسان کو عالم بالا کی چمک دکھاتا ہے

آگے مذہب کی تعلیم یہ ہے کہ انسان، بے ترتیب، باترتیب، حیوانی اور ذی عقل چاروں عالموں کے اوپر اور ان سے لطیف تر ایک اور عالم کا وجود تسلیم کرے یعنی خالص روحانی اور نورانی عالم جس کے چمکارے وقتاً فوقتاً ہم کو دکھائی دیتے رہتے ہیں۔

انسان چونکہ چوتھے عالم (ذی عقل) اور اس پانچویں عالم (روحانی) کی سرحد پر آباد ہے اس لئے اس کا تعلق (ایک طرف سے دونوں کے ساتھ ہے اعلیٰ اسی طرح اس کا ورثہ ہے جس طرح ادنیٰ لیکن اعلیٰ کے ابھی صرف چمکارے ہی اس کو حاصل ہیں۔

معجزات کا بڑا مقصد یہ ہے کہ اس مزاج اور روح کے خلاف ہم کو آگاہ کریں جو ان چمکاروں کو بے اعتبار سمجھتی اور ان کا انکار کرتی اور ادنیٰ طبقہ ہی میں زندگی بسر کرنا پسند کرتی ہے۔

تمام نوامیس فطرت پر ہمارا احاطہ نہیں

ان پست خیال کوتاہ نظروں کی بڑی فروگزاشت یہ ہے کہ انہوں نے سارے نظام عالم کو چند نوامیس طبعیہ میں منحصر سمجھ لیا ہے جو مادہ اور اس کی قوت کے متعلق انہیں دریافت ہوئے ہیں۔

باوجودیکہ سائنس کے بڑے بڑے اساتذہ یہ اعلان کر رہے ہیں کہ ہم کو ابھی تک کل قوانین قدرت پر تو کہاں اس کے کسی معتدبہ حصہ پر بھی احاطہ حاصل نہیں ہوا لیکن اس پر بھی جب کبھی کوئی چیز ان کے محدود و معدود مدرکات سے باہر ہوتی ہے نہایت بیباکی اور ڈھٹائی سے اس کی تکذیب پر تیار ہو جاتے ہیں۔

دو عجیب الخلقت لڑکیاں:

ہنگری میں دو لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ دونوں کے تمام اعضاء مستقل اور الگ الگ تھے لیکن دونوں کے سرین (پچھاڑی) اس طرح ملی ہوئی تھی کہ مخرج براز بالکل ایک تھا۔ اسی ایک راستہ سے ہر ایک قضاء حاجت کرتی تھی پیشاب گاہ دوسرے اعضا کی طرح جدا جدا تھی اسی لئے جب ایک کو پیشاب کی ضرورت لاحق ہوتی تو دوسری منقبض ہوتی دوسری حاجات طبعیہ میں بھی کشمکش ہوتی جو باہمی تنافر کا سبب بن جاتی تھی عمر کے چھٹے سال دو میں سے ایک کے اعضا کسی مرض کی وجہ سے شل ہو گئے اور اسی حالت میں عمر بھر رہی لیکن دوسری کے اعضاء پر اس کا کوئی اثر نہ تھا بلوغ کی علامات دونوں میں بیک وقت ظاہر ہوئیں۔ جب بائیس سال کی عمر ہوئی تو ایک کو سخت بخار ہوا اور اسی میں انتقال ہو گیا۔ دوسری بھی اس کے تین گھنٹہ بعد مر گئی اور دونوں کو اکٹھا دفن کیا گیا۔

ایک چینی لڑکا:

ایک چینی لڑکا جس کی عمر ۱۲ سال کی تھی وہ اپنے سینہ پر دوسرا بچہ اٹھائے ہوئے تھا۔ اس بچہ کا سر اس کے سینہ کے اندر چھپا ہوا تھا۔ باقی دھڑ اس کے سینہ سے گھٹنوں تک لٹکا رہتا تھا۔ اس بچہ میں کافی حس وشعور تھا ذرا سا چھونے سے بھی متاثر ہوتا تھا۔ اور یہ اٹھانے والا لڑکا بھی اس بچہ کے دکھ سے دکھ اٹھاتا تھا۔

اس قسم کے سینکڑوں مشاہدات ''انسائیکلو پیڈیا'' میں جمع کئے گئے ہیں جن کو حکماء کی اصطلاح میں ''فلتات طبعیہ'' کہتے ہیں ان کو دیکھ کر ایک عاقل مبصر اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ قوانین فطرت کا دائرہ اس قدر تنگ نہیں ہے جتنا کہ سائنس کے خام مدعی اسے تنگ کرنا چاہتے ہیں۔

عالم ارواح

یہ تو مادیات اور جسمانیات کا حال تھا لیکن اگر مادہ کی سرحد سے ذرا قدم باہر نکالا جائے تو پھر ایک ایسا عالم سامنے آ جاتا ہے جہاں ہماری وہ ادھوری توجیہات بھی کچھ کام نہیں دیتیں جن سے ہم ''فلتات طبعیہ'' اور ''قوانین فطرت'' کی تطبیق میں کام لیتے تھے۔

یہ عالم عالم ارواح ہے جس کی طاقتوں اور نوامیس کا حال یورپ کے ملحدوں کو ابھی تھوڑے عرصہ سے کھلا ہے۔ یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے فلاسفر جو مادہ اور اس کی قوت کے سوا کسی دوسری قوت کا نام لینے والے کو وہم پرست اور پاگل کہتے تھے خدا کی شان کہ آج وہ ہی مشاہدات اور تجربیات متواترہ سے عاجز ومبہوت ہو کر روح اور اس کی عجیب وغریب طاقتوں کے ثابت کرنے میں پیش پیش ہیں۔

عالمان مسمریزم ''تھیوسافیکل سوسائٹی'' اور ''سوسائٹی فار سائیکیکل ریسرچ'' وغیرہ بہت سے گروہ پیدا ہو گئے ہیں۔ جنہوں نے روح کی ان طاقتوں پر تھوڑی بہت روشنی ڈالی ہے۔ اور اگرچہ یہ کام ابھی تک تکمیل کو نہیں پہنچا لیکن اس میں اب شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہی کہ نوامیس طبعیہ مادیہ سے بالاتر اور عظیم تر اور بھی نوامیس ہیں جن کے سامنے مادہ اور

اس کی قوتیں کچھ بھی وزن نہیں رکھتیں۔

روح کے متعلق چار نظریے

فرانس کے مشہور آفاق امام فلکیات وطبعیات کامل فلامریون نے ''المجهول المسائل الروحیہ'' کے نام سے ایک کتاب لکھی جس کے کئی ایڈیشن چندروز میں ہاتھوں ہاتھ نکل گئے۔

فلسفہ حسیہ کا یہ فاضل بہت سے مشاہدات اور قوانین ونوامیس پر غور وفکر کرنے کے بعد ان چار نظریات پر پہنچا۔

۱۔روح موجود ہے اور جسم سے علیحدہ مستقل وجود رکھتی ہے

۲۔روح ایسی خصوصیات اور قویٰ اپنے اندر رکھتی ہے جن کی گہرائیوں تک علم ابھی تک رسائی نہیں پا سکا۔

۳۔یہ ممکن ہے کہ روح بدون مساعدت حواس کے بہت دور کی چیزوں پر اپنا اثر ڈال سکے یا ان کے اثر کو قبول کر سکے۔

۴۔آئندہ آنے والے واقعات وحوادث وقوع سے پہلے مقدر ہیں' اور ایسے اسباب کے ساتھ ان کی تحدید ہو چکی ہے جو مستقبل میں ان کو موجود کریں گے' روح بسا اوقات ان واقعات وحوادث پر ان کے وقوع سے پہلے مطلع ہو جاتی ہے۔

ان چاروں نظریات کے ثابت کرنے میں فاضل موصوف نے بہت مضبوط براہین حسیہ سے کام لیا ہے جس کو سننے کے بعد ایک متعنت مادہ پرست کو بھی مجال انکار نہیں رہ سکتی۔

روحانی مناظر کا انکار جہل ہے

اسی قسم کے دلائل وشواہد سے متاثر ہو کر مسٹر ہڈسن کو کہنا پڑا کہ ''میں اپنے یا اوروں کے تجربوں سے ایسے واقعات کا پیش آنا ثابت کرنے کی کوشش میں اپنا وقت ضائع نہ کروں گا۔''

اس کام کا وقت گزر چکا' مہذب دنیا کو یہ واقعات ایسے معلوم ہیں کہ ثبوت کی ضرورت نہیں۔آج جو شخص روحانی مناظر کا انکار کرے وہ منکر نہیں محض جاہل ہے اور ایسے شخص کو روشن خیال بنانے کی کوشش کے بارآور ہونے کی کوئی امید نہیں۔

اگرچہ عالم ارواح کے نوامیس مبہمہ ابھی تک رازہائے سربستہ ہیں اور اس کا نظام ہمارے مادیات کے نظام طبعی سے کہیں زیادہ وسیع اور لطیف ہے۔تاہم روحانی مناظر کا جو ذخیرہ یورپ کی سوسائٹیوں نے اپنی مستند رپورٹوں میں جمع کر دیا ہے وہ بھی بڑے بڑے ماہران طبعیات اور مدعیان ہمہ دانی کو حیرت زدہ اور خجل کرنے کے لئے کافی ہے۔اور جس قدر ''فلتات طبعیہ'' کا وجود عام نوامیس طبعیہ اور قوانین مادیہ کے سلسلہ میں عجیب چیز ہے۔اس سے کہیں بڑھ کر نظام روحانی کا محیر العقول انکشاف پرستاران نوامیس طبعیہ کے ایوانوں میں زلزلہ ڈالنے والا ہے۔

ارواح مجردہ یا ایک لطیف نورانی عالم کا وجود

روحانی قوتوں کی تحقیق کا جو سلسلہ جاری ہے وہ ابھی ختم نہیں ہوا۔حال کے بڑے بڑے فلاسفر اس جانب ترقی کرتے ہوئے نظر آتے ہیں کہ روحانی نظام صرف ان ہی انسانی ارواح کے مجموعہ سے عبارت نہیں ہے جو انسانوں کے جسم کی تدبیر کرتی اور اس سے جدا ہوتی رہتی ہیں بلکہ بہت ممکن ہے کہ ان ارواح کے علاوہ، اور ارواح مجردہ یا کوئی لطیف نورانی مخلوق ایسی پائی جاتی ہو جن کا ان ارواح انسانی سے زیادہ قریب کا رشتہ ہو۔

مسٹر ماٹرس اپنی معلومات کی بنا پر ارواح مجردہ کا صرف امکان تسلیم کرتے ہیں مگر فرنچ فیلسوف موسیولوئی فگئے ایک لطیف استدلال سے ان کا وجود ثابت کرنے پر زور دیتا ہے چنانچہ لکھتا ہے کہ ''ہمارے اردگرد کی زندہ مخلوق میں نباتات سے لے کر انسان تک دائماً اوپر کو جانے والا سلسلہ ہے جو بتدریج کمال حاصل کرتا جاتا ہے۔کائی اور دیگر بحری روئیدگیوں کو جو نظام نباتی کی ابتدائی حالت ہے نقطہ روانگی ٹھہرا کر ہم نباتی دنیا کے کمال حاصل کرنے والے سلسلہ میں سے گزر جاتے ہیں اور ابتدائی حیوانات یعنی گھونگے اور دیگر نبات نما حیوانات تک پہنچ جاتے ہیں اور وہاں سے اعلیٰ تر حیوانات کے بے انتہا درجوں کو طے کرتے ہوئے انسانی قالب میں آ جاتے ہیں اس سیڑھی کا ہر ایک پایہ غالباً غیر محسوس ہے اور ان تغیرات و درجات کی ترتیب ایسی عمدہ ہے کہ اس نے درمیانی ہستیوں کے ایک غیر محدود سلسلے کو گھیرا ہوا ہے جس کا ایک کنارہ کائی ہے اور دوسرا کنارہ ہماری نوع انسانی اور باوجود اس کے ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ آئندہ ہم میں اور خدا میں درمیانی مخلوق کا کوئی واسطہ حائل نہ ہو اور اس تدریجی ترقی کے سلسلہ میں انسان اور خدا کے مابین ایک بڑا غار خالی رہ گیا ہو۔ہم ممکن سمجھتے ہیں کہ تمام نیچر میں چھوٹی سے چھوٹی نبات سے لے کر نوع انسانی تک تدریجی اور بے شمار درجات کی ترتیب ہو مگر انسان اور خدا کے درمیان صرف ایک ناپیدا کنار جنگل ہو؟ بے شبہ یہ ناممکن ہے اور اگر کبھی مذہب یا فلسفہ نے ایسی غلطی کی حمایت کی ہے تو اس کی وجہ صرف مظاہر قدرت کی ناواقفی ہے اس میں شک کرنا ناممکن ہے کہ جس طرح نبات اور حیوان اور انسان کے مابین دیکھا جاتا ہے اسی طرح انسان اور خدا کے مابین ضرور درمیانی مخلوق کی بڑی تعداد ہے جس کی وساطت سے انسان اس

خدا تک پہنچتا ہے جو اس پر اپنی غیر محدود طاقت اور جلال سے حکومت کر رہا ہے غرض یہ تو ہم کو یقین ہے کہ ایسی درمیانی مخلوقات (یعنی جو انسان سے آگے لطافت کے تدریجی منازل طے کرتی ہوئی خدا تک پہنچتی ہے) موجود ہے گو یہ ضرور ہے کہ وہ ہم کو نظر نہیں آتی لیکن اگر ہم ہر ایسی چیز کے وجود سے انکار کریں جس کو ہم دیکھ نہ سکیں، تو نہایت آسانی سے ہماری تکذیب ہو سکتی ہے فرض کرو کہ کوئی علم مادیات کا عالم کسی تالاب سے ایک قطرہ پانی کا لے اور ایک جاہل کو دکھا کر کہے کہ یہ قطرہ جس میں تم کچھ نہیں دیکھتے ہو چھوٹے چھوٹے حیوانات اور نباتات سے بھرا ہوا ہے جو بعینہ محسوس حیوانات اور نباتات کی طرح زندہ رہتے ہیں پیدا ہوتے ہیں اور مرتے ہیں تو وہ جاہل فوراً سر پھیر دے گا اور کہنے والے کو دیوانہ سمجھے گا۔ لیکن اگر اس کی آنکھوں پر خورد بین رکھ دی جائے اور وہ قطرہ کی تشخیص کرے تو اس کو اقرار کرنا پڑے گا کہ کہنے والا سچ کہتا تھا کیونکہ اب اسی قطرہ میں جس کو وہ صاف سمجھتا تھا اس کی آنکھ سائنس کی مدد پا کر چھوٹے پیمانہ پر تمام دنیا کو موجود پائے گی۔

غرض جہاں ہم کچھ نہیں دیکھتے وہاں زندہ مخلوق کی بڑی تعداد موجود ہوتی ہے اور یہ محض سائنس ہی کے امکان میں ہے کہ اس بارہ میں عوام الناس کی آنکھوں کو روشن کرے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ہم بھی اس حکیم کی حیثیت اختیار کریں بیشک انسان اور خدا کے درمیان طبقہ جہلاء کو اور اندھے فلسفہ کو کچھ نہیں سوجھتا لیکن اگر ہم جسمانی آنکھوں کی بجائے روحانی آنکھ سے کام لیں یعنی عقل قیاس مساوات اور تعلیم کو استعمال کریں تو پر اسرار مخلوق روشنی میں آ جائے گی۔

اب اگر ایک ایسی مخلوق کا وجود تسلیم کر لیا جائے جو انسان اور خدا کے درمیان واسطہ کا کام دے خواہ وہ ملائکۃ اللہ ہوں یا ارواح مجردہ تو نظام عالم میں مادیات فلتات طبیعیہ اور عالم ارواح انسانی کے نوامیس سے اوپر بہت سے دوسرے نامعلوم نوامیس قدرت کا اقرار کرنا پڑے گا جن کی ابھی تک ہم کو ہوا بھی نہیں لگی۔

پھر کس قدر شوخ چشمی اور ڈھٹائی ہوگی کہ جو چیز ہمارے مادی علت ومعلول کے سلسلہ سے ذرا باہر ہو جائے ہم یہ کہہ کر اس کی تکذیب کر دیں کہ وہ قانون قدرت یا نوامیس فطریہ کے خلاف ہے۔

میں تو یہ کہتا ہوں کہ اگر فرض کیجئے کہ ہمارا علم نظام طبیعی، نظام روحانی اور نظام ملکوتی کے تمام نوامیس پر بھی محیط ہو جاتا (اگرچہ ایسا نہیں ہے) تب بھی آگے بڑھ کر فاطر ہستی کی لامحدود قدرت کو ہم مقید نہیں کر سکتے تھے چہ جائیکہ صرف طبیعیات کے دس بیس قوانین پر مطلع ہو کر یہ اعلان کر دیں کہ جو واقعہ ہمارے حلقہ علم سے خارج ہوگا وہ واقعہ نہیں ہے۔

خوارق کے انکار کا سبب علمی کم مائیگی ہے

خوارق عادات یا معجزات و کرامات وغیرہ کا انکار فی الحقیقہ ہماری اسی تنگ نظری اور علمی کم مائیگی کا نتیجہ ہے۔

اذا لم ترالهلال فسلم الناس راوه با الابصار

جب تم نے خود چاند نہیں دیکھا تو تم کو ان لوگوں کے قول پر اعتماد کرنا چاہیے جنہوں نے اپنی آنکھوں سے چاند دیکھا ہے۔

خوارک کا ثبوت متواتر ہے

ہماری استدعا یہ ہے کہ "خوارق" کو جھٹلانے والے تھوڑی دیر کے لئے ٹھنڈے دل سے اپنے علم و تحقیق کی حد اور قدرت اور قوانین قدرت کی پہنائیوں پر غور کریں پھر یہ بھی دیکھیں کہ ان خوارق کا ثبوت ہر زمانہ میں ہر جگہ ہر قوم کے ہاں اور ہر عقیدہ اور مذہب کے پیرووں کے نزدیک کس قدر تواتر اور استفاضہ سے ثابت ہے تو ان شاء اللہ تعالیٰ ان کی جرات نہ ہوگی کہ وہ یک قلم خوارق عادات کے وجود یا امکان ہی سے انکار کر بیٹھیں۔

فادر ہل نے ٹھیک کہا ہے "دنیا کے تمام مذاہب میں خواہ جن کی بنیاد فلسفیانہ اصول پر ہو یا الہامی تعلیم پر، معجزات اس کثرت سے اور اس اختلاف انواع سے مروی ہیں کہ سب کے لئے خاص اصول اور قوانین کی تلاش انسان کے لئے کم از کم اس وقت تک ناممکن ہے اور یہ بھی ضرور ہے کہ اکثر بلکہ تمام مذاہب میں ماننے والوں کی خوش اعتقادی یا طرز ادا کی وجہ سے بہت سے غلط واقعات بھی معجزات میں شامل ہو گئے ہوں گے یا ایسے واقعات جو معمولی قواعد جسمانی کے مطابق ظہور پذیر ہوئے ہوں معجزہ کی شکل میں بیان کر دیئے گئے ہوں گے مگر عقل یہ دعویٰ کبھی نہیں کر سکتی کہ تمام قوانین قدرت معلوم ہو چکے ہیں تاکہ جو واقعہ قوانین معلومہ کے مطابق حل نہ ہو سکے اس کو غلط کہہ دیں اور دوسری جانب مذہب یہ دعویٰ نہیں کرتا کہ تمام رطب و یابس اور تمام صحیح وغلط روایات کو یکساں سر آنکھوں پر رکھ لیا جائے بلکہ ایسے موقعہ پر عقل جو کام کیا کرتی ہے مذہب اس سے زیادہ احتیاط کے ساتھ چلنے کو کہتا ہے"

سچا مذہب قوانین فطرت کا وسیع النظر معلم ہے

مذہب کو عقل سے ٹکرانے کی ضرورت نہیں اگر عقل قوانین قدرت کے احترام پر زور دیتی ہے تو مذہب عقل کے اس جذبہ کی قدر کرتا ہے۔

سچا اور مکمل مذہب فی الحقیقہ قوانین فطرت اور سنن الہیہ کا وسیع النظر معلم ہے جو بار بار بتلاتا ہے کہ سنت اللہ کو کوئی طاقت تبدیل نہیں کر سکتی مگر

ساتھ ہی متنبہ کرتا ہے کہ انسان کو سنن الٰہیہ اور نوامیس فطرت کا جو علم دیا گیا ہے بہت تھوڑا ہے وہ بسا اوقات ان کے سمجھنے میں ٹھوکر کھاتا ہے اور بہت دفعہ قوانین قدرت کے کسی اعلیٰ اور ارفع مظہر کو اپنی حد پرواز سے باہر دیکھ کر خلاف قانون قدرت سمجھ بیٹھتا ہے اور روزمرہ کے معمول کے خلاف جو بات سنتا ہے اسے یہ کہہ کر رد کر دیتا ہے کہ یہ سنۃ اللہ کے مخالف ہے:

(وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا)

سنت اللہ کے غیر متبدل ہونے کا غلط مطلب نہ لو

لیکن اگر سنت اللہ کے غیر متبدل ہونے کا یہی مطلب ہو تو دنیا کی تمام ترقیات کا دروازہ ہی بند ہو جائے دیکھو انسان نے ترقی کر کے حیوانی نظام کی جگہ اس سے کہیں زیادہ طاقتور جمادی سسٹم قائم کر دیا، ہزاروں سال کے بعد گھوڑوں، بیلوں، اونٹوں، ہاتھیوں کی جگہ بھاپ اور بجلی نے لیلی۔ اس کا یہ مطلب ہوگا کہ فاطر عالم نے دنیا کی عمر کا بہت ہی طویل حصہ گزر جانے کے بعد دماغی اور عقلی قوتوں کا ایسا جدید نظام پیدا کیا جو چشم فلک نے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اور اختراع و ایجاد کے ایسے انوکھے اصول کی طرف رہبری کی اور اس کے اسباب و رسائل فراہم کر دیئے جن کے نتائج کو اگر اب سے دو چار صدی پہلے کوئی ذکر کرتا تو خالص مجنون یا وہم پرست سمجھا جاتا تو کیا ایسے قدرتی عوامل اور موہوب قویٰ کہ جو ان ایجادات بدیعہ اور دماغی ترکتازیوں کے اسباب قریبہ یا بعیدہ ہیں بے شمار قرون و ادوار گزر جانے کے بعد پیدا اور اکٹھا کر دینا سنۃ اللہ کی تبدیل و تحویل اور قانون قدرت کا نقض و ابطال ہے۔

معجزات و خوارق کے انکار کا اصلی راز

معجزات یا خوارق کا انکار کرنے والے خواہ زبان سے نہ کہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ بے علم و بے شعور مشین کی طرح گھومنے والے مادہ کے سوا کسی ایسی ہستی کو عالم کی تخلیق و نظم میں دخل دینا گوارا نہیں کرتے جو مواقع و محال اور از منہ وامکنہ کے اختلاف و تفاوت کی قادرانہ و حکیمانہ رعایت کر سکے اور جب کبھی وہ کائنات کے اس باقاعدہ عظیم الشان محکم اور منظم سلسلہ کو ایک علیم و حکیم محیط کل اور قادر مطلق ہستی کی طرف منسوب کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور ناچار ان کو ایسی بڑی مضبوط مشین کے چلانے والے کا اقرار کرنا پڑ جاتا ہے تو پھر ان کی تمام تر کوشش یہ ہوتی ہے کہ کسی طرح اس کو آزاد نہ رہنے دیں کہ وہ اپنی اعلیٰ، قابلیت اور ماہرانہ موقع شناسی کو مشین کے گھمانے اور پرزروں کے رد و بدل میں ان کی خواہش اور رائے کے خلاف استعمال کر سکے اور اس طور پر وہ ہمارے علم کو محدود اور ہمارے فہم کو ناقص یا نامکمل ثابت کر دے۔

خوارق کا قانون خود خوارق کے منکروں نے بنوایا

لیکن انسان کی یہ چھوٹی شیخی تنگ نظری اور غیر محدود قوانین قدرت کی مغرورانہ تکذیب ہی وہ چیز ہے جو قدرت کے اس عمل کو حق بجانب ثابت کرتی ہے کہ وہ گاہ بگاہ ایک ایسے نظام تکوین سے بھی دنیا کو روشناس کرے جو ہمارے سمجھے ہوئے قوانین اور محدود و منضبط کئے ہوئے نوامیس طبیعیہ سے بالاتر ہوتا کہ ان رعونت پسند گستاخوں کو بھی (جو معاذ اللہ قدرت لا متناہیہ کو اس کے پیدا کئے ہوئے چند اسباب ظاہرہ کی زنجیروں میں جکڑ دینے کا خبط رکھتے ہیں طوعاً و کرہاً یقین کرنا پڑے کہ ان سے اور ان کے ایتھر (مادہ) سے اوپر کوئی اور غالب و قاہر ہستی بھی ہے جس نے تمام نوامیس طبیعیہ اپنے ارادہ اور کامل اختیار سے وضع کئے ہیں اور وہ ہی ہر وقت ان پر پوری طرح قابو یافتہ ہے۔

پس ایک حقیقہ ثابتہ کے منکر کو اس حقیقت کا منوا دینا جس کے انکار میں خسران عظیم ہے اور عاجز و کم مایہ مخلوق کو متنبہ کرنا کہ وہ اپنی حد سے گزر کر خالق کی قدرت عاملہ اور علم محیط کا انکار نہ کر بیٹھے کیا یہ خود عین قانون قدرت نہیں ہے؟

اگر سچ پوچھو تو جن چیزوں کو خوارق عادات کہتے ہیں ان کا قانون خود خوارق کے منکروں نے بنوایا ہے جب یہ لوگ عام قوانین فطرت کی اعجوبہ کاری کو خود متقنن کی حکمت بالغہ اختیار کامل اور شان خَلَّاقٌ لِمَنْ يَّشَآءُ وَ (فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ) کی طرف منسوب کرنے میں بھی تردد کرنے لگے تو ضروری ہوا کہ ان قوانین کو قوانین قدرت ثابت کرنے کے لئے قدرت ہی کوئی سامان کرتی۔

چنانچہ ابتدائے آفرینش سے آج تک قدرت بے شمار خوارق ظاہر کرتی رہی جنہیں دیکھ کر خواہی نخواہی اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جو فعل جن وسائط کے ذریعہ سے عموماً ہوتا رہتا ہے اسے بلاواسطہ کرنے میں بھی قدرت کو کچھ تعب نہیں ہوتا۔

خوارق کے ماننے سے قوانین طبیعیہ کا اعتبار زائل نہیں ہوتا

اس طرح کے خوارق جو بظاہر عام قوانین طبیعیہ کو توڑنے والے ہیں ہمارے دل سے ان عام قوانین کی عظمت اور اعتبار کو اسی طرح زائل نہیں ہونے دیتے جیسا کہ کروڑوں انسانوں کے دلوں سے یہ علم کہ بہت دفعہ ٹرینوں کا تصادم ہے یا پٹری اکھڑ جاتی ہے یا پل ٹوٹ جاتے ہیں ریلوے

ٹرین کا اعتبار زائل نہیں کرتا کہ وہ اس میں سفر کرنا چھوڑ دیں۔

پس خوارق کی موجودگی میں بھی ہم عام قوانین طبیعیہ سے اسی طرح مستفید ہو سکتے ہیں جس طرح ہم ریل کے سفر سے باوجود مذکورہ بالا حوادث کے برابر متمتع ہوتے رہتے ہیں۔

خوارق کا وجود دماغی ترقی کا سبب ہے

خوارق کا وجود ہمارے علمی اور دماغی ترقیات کے راستہ میں کوئی رکاوٹ نہیں بلکہ ٹھیک ٹھیک کہا جائے تو شدید فکر کے لئے مہمیز کا کام دیتا ہے اور اگر یہ ہی فرض کر لیا جائے کہ وہ آپ کی ارتقائی کوششوں کے راستہ میں حائل ہے تو افسوس یہ ہے کہ اس کا راستہ سے ہٹا دینا بھی آپ کے قبضہ میں نہیں۔

خوارق کی انبیاء کی طرف نسبت ملحدین کو زیادہ تکلیف دہ ہے

تماشہ یہ ہے کہ عام قوانین فطرت کی فضا میں جب بعض غیر معمولی واقعات حسب اتفاق پیش آ جاتے ہیں تو ہم ان کے ماننے والوں سے جنگ نہیں کرتے لیکن اسی کے مشابہ کوئی چیز جو روز مرہ کے عام معمول سے ذرا مستبعد ہوا گر کسی بڑے سے بڑے جلیل القدر پیغمبر کی طرف منسوب ہو جائے تو فوراً شکوک وشبہات کی لہر ہمارے دلوں میں دوڑنے لگتی ہے اور اس کی نفی کرنے کی ہر ممکن صورت پر ہم غور کرنے لگتے ہیں۔

فرانسیسی فلاسفر کا بیان:

فرانس کے مشہور ومعروف فیلسوف کامل فلامریون نے اپنی کتاب المجہول والمسائل الروحیہ میں ایسی عورت کا ذکر کیا ہے جس کا ایک پستان بائیں ران میں تھا اور وہ بچہ کو اسی سے دودھ پلاتی تھی یہ عورت ۱۸۲۷ء میں ''پیرس'' کی جمعیت فضلا کے روبرو پیش ہوئی۔

پھر ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں کہ ایک مرد کے پیٹ سے تشریح کے بعد لڑکا نکلا جو اس مرد کا توام تھا۔ اسی کے جسم میں مدۃ العمر محبوس رہا ڈاڑھی نکلی اور بوڑھا ہوا۔

اب فرض کیجئے کہ اسی طرح کے فلتات طبیعیہ کو اگر کوئی شخص یہ کہہ دے کہ فلاں پیغمبر کے اعجاز فلاں ولی کی کرامت سے فلاں زمانہ میں ایسا ہوا تھا تو منکرین اعجاز کسی نہ کسی عنوان سے اس کی تردید پر فوراً کمربستہ ہو جائیں گے۔

جاپان میں زلزلہ

جاپان میں قیامت خیز زلزلہ آیا کئی ہی بستیاں تباہ ہوئیں اور کتنی ہی مستحکم عمارتیں منہدم ہو گئیں۔

ضلع ہردوئی کا بگولہ

چند سال ہوئے ضلع ہردوئی میں بگولہ اٹھا جس سے ایک جھیل کا پانی بالکل اڑ گیا اور دوسری جگہ جھیل بن گئی اسی طرح کے واقعات جو خوارق میں سے نہیں صرف قلیل الوقوع ہیں۔ ہم سنتے ہیں اور ایک منٹ کے لئے بھی ان کو غلط نہیں سمجھتے۔

ولادتِ نبوی کے وقت ایوان کسریٰ میں زلزلہ

لیکن کیا قیامت ہے کہ سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے وقت اگر معتبر سے معتبر راوی بھی یہ خبر دے کہ ایوان کسریٰ میں زلزلہ آیا، اس کے چودہ کنگرے گر پڑے یا دریائے سادہ خشک ہو گیا یا فارس کی ہزار سالہ آگ بجھ گئی تو متشککین کو اس کے ماننے میں پس وپیش ہونے لگتا ہے۔

خیال کیجئے زلزلہ کا آنا کسی بڑی سے بڑی عمارت کا شکستہ ہونا، دریا کا خشک ہو جانا اور آگ کا بجھنا ان میں سے کونسی چیز محال ہے یہ چیزیں تو فی حد ذاتہ خوارق میں سے بھی نہیں پھر اگر یہ ہی چیزیں سب سے جلیل القدر، اور اولوالعزم پیغمبر کی قرب ووجاہت ظاہر کرنے یا اس کے عظمت مآب مستقبل کی طرف اشارہ کرنے کے لئے حق تعالیٰ ظاہر فرماتا ہے تو تم کو کیوں تردد ہونے لگتا ہے۔

رُوح کا تاثر:

روح کے متعلق یہ ثابت ہو چکا ہے کہ اس کے تاثیر وتاثر میں بُعد مکانی یا زمانی خلل انداز نہیں ہوتا اور اس جوہر لطیف ونورانی کو اپنے عمل میں مسافت جسمانی کی کچھ پرواہ نہیں۔

روحِ محمدی کی نورانیت:

پس اگر روح محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانیت عظیم نے حضرت آمنہ کے لئے مکہ سے بصریٰ تک روشن کر دیا تو اس میں کیا اشکال ہے۔

کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ خداوند قادر وتوانا، نظام تکوین اور قوانین طبیعیہ کے استعمال میں کوئی تصرف آپ کی اطلاع اور مشورہ کے بدون نہ کیا کرے (نعوذ باللہ)

اس کی امید آپ خدا سے تو کیا اس مسکین ایتھر سے بھی نہ رکھیں جو ہر قسم کے علم وشعور، قدرت اور ارادہ سے محروم ہے۔

خوارق کا ماننا وہم پرستی نہیں

آپ خوارق ومعجزات کے ماننے والوں کو ''سادہ لوح'' اور ''وہم پرست'' کہا کریں لیکن تاریخی اوراق آپ کو بتلائیں گے کہ اسی قسم کے

سادہ لوحوں اور وہم پرستوں نے دنیا کو حکیمانہ حقائق سے معمور اور وہم پرستیوں سے نفور کیا ہے ان ہی وہم پرستوں میں ایسے ایسے عالی ہمت اور اولوالعزم انسان اٹھے ہیں جنہوں نے بنی نوع انسان کی کایا پلٹ کر رکھ دی اور اوہام وتخیلات کا سارا تار و پود بکھیر کر رکھ دیا۔

صداقت کے اعلان سے گھبرانا نہیں چاہئے

بلاشبہ آج دنیا کی فضا بہت کچھ بدل چکی ہے اور ''خوارق'' کا نام زبان پر لانا بڑی بہادری کا کام ہے لیکن ایک صداقت کے ماننے اور اعلان کرنے میں آدمی کو گھبرانا نہیں چاہئے وہ وقت آنے والا ہے کہ یہی ''خوارق ومعجزات'' کا مذاق اڑانے والے ان چیزوں کے ثابت کرنے کے درپے ہوں گے جن کو آج رد کر رہے ہیں صداقت ممکن ہے کہ اپنا صاف چہرہ دکھانے میں کچھ تاخیر کرے لیکن وہ ضرور ایک دن ایسی طرح متجلی ہوگی کہ دیکھنے والے اس سے آنکھیں نہ چرا سکیں گے۔

انجام ہمیشہ صداقت کے ہاتھ ہے

دیکھو! دنیا کے سب سے بڑے موحد صلی اللہ علیہ وسلم نے جب نعرہ توحید بلند کیا تو روئے زمین پر کوئی بھی ہمنوائی کرنے والا نہ تھا لیکن فضائے کعبہ سے توحید کا جو صور پھونکا گیا آج ہم مندروں اور کلیساؤں تک میں اس کی گونج محسوس کر رہے ہیں۔

آج جو اقوام وملل دولت توحید سے تہیدست ہیں وہ بھی اندر ہی اندر اپنی محرومی اور تہیدستی کا ماتم کرتی ہیں اور موحدین کے روبرو شرم سے ان کو سر اٹھانا مشکل ہے۔

ہم کو یقین ہے کہ اسی طرح ایک دن پیغمبروں کے اعجاز اور اولیاء کی کرامات کا انکار کرنے والے بھی اپنے اس جہل اور ضیق نظر پر پشیمان ہوں گے جس کا نام انہوں نے علم رکھ چھوڑا ہے اور جسے وہ سائنس کی بڑی بھاری عقیدت مندی سمجھتے ہیں۔

سائنس خوارق کی تسلیم کیلئے راستہ صاف کر رہی ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پس پشت چیزوں کا نظر آنا:

ہم نے احادیث صحیحہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پڑھا تھا رَای وَاللّٰهِ اَبْصِرُ مِنْ وَّرَائِیْ کَمَا اَبْصِرُ مِنْ بَيْنِ يَدَیَّ. یعنی میرا دیکھنا مواجہہ پر موقوف نہیں بلکہ پیٹھ پیچھے کی چیزیں بھی مجھے ایسے ہی نظر آتی ہیں جیسے کہ سامنے کی،

بہت سے متفلسفین اس کو قانون فطرت کے خلاف سمجھ کر درپے تاویل ہو گئے تھے لیکن حافظ ابن حجر وغیرہ محققین نے حدیث کو ظاہر پر حمل کر کے اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص اور خوارق عادات میں شمار کیا۔

انگریز ماہر بصارت کا بیان:

آج ہم دیکھتے ہیں کہ ایک انگریز ماہر علم بصارت نے انسان کی جلد میں قوت باصرہ کے راز پر روشنی ڈالی ہے وہ لکھتے ہیں کہ انسان کے بدن کی جلد کے نیچے چھوٹے چھوٹے ذرات پائے جاتے ہیں جو سارے جسم میں پھیلے ہوئے ہیں یہ ذرے ننھی ننھی آنکھیں ہیں ان میں اسی طرح تصویر اتر آتی ہے جس طرح آنکھ کی پتلی میں اترتی ہے یہ خیال کہ انسان کی کھال بھی اسی طرح دیکھتی ہے جس طرح آنکھیں کوئی نیا نہیں ہے آپ جب کسی نابینا شخص کو بازار میں بھیڑ سے بچ کر گزرتے دیکھتے ہیں تو تعجب کرتے ہیں کہ یہ تو اندھا ہے اسے راستہ کس طرح سوجھتا ہے انسان کی پیشانی کی جلد کے متعلق یہ خیال ہے کہ اس میں قوت باصرہ موجود ہے یہ دماغ کو اسی طرح پیغام پہنچاتی ہے۔

ڈاکٹر فرگول کا بیان:

ڈاکٹر فرگول کا بیان ہے کہ آج سے ہزاروں سال پیشتر آنکھوں کے بغیر پڑھنے کا ہنر اپنے کمال کو پہنچا ہوا تھا اور عام طور پر رائج تھا لیکن جب انسان کو یہ معلوم ہوا کہ وہ آنکھوں سے بھی وہی کام لے سکتا ہے جو بدن کی جلد سے لیتا ہے تو اس نے جلد سے دیکھنے کا طریق ترک کر دیا اور بالآخر جلد سے دیکھنے کی قابلیت اس میں سے مفقود ہو گئی اگر اس حس کو دوبارہ ترقی دی جائے تو تعجب نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے اندھے بھی دیکھنے لگیں۔

بہرحال سائنس کی ترقی خوارق کی تفہیم میں بہت کچھ مدد دے رہی ہے اور اسی لئے ہم یہ امید رکھنے میں حق بجانب ہیں کہ کچھ عرصہ کے بعد ان شاء اللہ تعالیٰ سائنس کے پجاری خوارق کی تسلیم کے لئے گردن جھکا دیں گے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درختوں کا جھکنا:

ابھی چند روز پہلے جب یہ سنتے تھے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے درخت جھک گئے یا انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا یا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایماء سے وہ اپنی جگہ سے سرک گئے تو ملحدین ان قصوں کی (اَسَاطِیْرُ الْاَوَّلِیْنَ) کہہ کر ہنسی اڑاتے تھے اور ان بیانات کو پرانے مسلمانوں کی خوش اعتقادی یا وہم پرستی پر حمل کرتے تھے لیکن آج ماہرین علم

نباتات نے نباتاتی زندگی کے جو حیرت انگیز حالات ظاہر کئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ درخت اور پودے فی الواقع زندگی کے وہ تمام حسیات و تاثرات اپنے اندر رکھتے ہیں جو ابھی تک ذی روح مخلوق کی خصوصیت سمجھے جاتے تھے ہر شخص جو نباتاتی زندگی سے کچھ بھی واقفیت رکھتا ہے جانتا ہے کہ پودے اور پھول بھی اپنی غذا کھاتے اپنا پانی پیتے اور اپنی نیند سوتے ہیں ان میں بھی جنسوں کا وصل و جفت ہوتا ہے ان کی بھی نسل چلتی ہے اور ان میں بھی بڑھاپا آتا ہے اور وہ بھی بالآخر موت کے چنگل میں پھنستے ہیں۔

پودوں کی ذکاوتِ حس:

لیکن بہت کم لوگ یہ یقین کرنے کے لئے تیار ہوں گے کہ پودے دیکھنے اور سننے کی بھی قدرت رکھتے ہیں آپس میں بات چیت بھی کرتے ہیں ان پر عشق و محبت کا وار چلتا ہے رنج و غم ان کو بھی ستاتا ہے اور وہ بھی ہماری طرح جذبات و حسیات سے تاثر پذیر ہوتے ہیں۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ بعض پودے اور پھول محض ہاتھ لگا دینے سے سکڑ جاتے ہیں اور ذرا سے اشارے سے بند ہو جاتے ہیں اس ذکی الحسی کی وجہ سے ایک پودے کا نام ہی ''چھوئی موئی'' پڑ گیا ہے۔

یہ تو وہ حالات ہیں کہ ہر انسان اپنی چشم عریاں سے دیکھ سکتا ہے لیکن آپ ہی کے ایک ہم وطن ماہر سائنس یعنی سر جگدیش چندر بوس نے اپنی مدت العمر کے تجربات سے پودوں اور درختوں کے جو حالات اپنے ایجاد کردہ عجیب و غریب آلات کے ذریعہ معلوم کئے ہیں ان سے علم نباتات میں حیرت انگیز انقلاب پیدا ہو گیا ہے۔

سر جگدیش چندر بوس کی تصنیف:

آپ تو پھول میں سوائے رنگ و بو کے اور کوئی راز فطرت نہیں پاتے لیکن آپ سر جگدیش چندر بوس کی جدید تصنیف کا اگر مطالعہ کریں جو پلانٹس آٹوگرافس اینڈ ویر ریویلیشن کے نام سے حال ہی میں شائع ہوئی ہے تو آپ کو معلوم ہو کہ اس ماہر فن نے پودوں پر کس کس قسم کے تجربات کر کے کیسے کیسے حیرت انگیز انکشافات کئے ہیں اور ان سے فطرت کے کیسے کیسے راز ہائے سربستہ معلوم ہوئے ہیں ان حالات کے دیکھنے اور معلوم کرنے سے بے اختیار زبان پر یہ شعر جاری ہو جاتا ہے۔

برگ درختان سبز درنظر ہوشیار ہر ورقے دفترے ست معرفت کردگار

مختلف قسم کی ادویہ کا پودوں پر بعینہ وہی اثر مترتب ہوتا ہے جو انسان یا جانور پر ہوتا ہے ''کلوروفارم'' پودے کو بھی اسی طرح بے ہوش کر سکتا ہے جس طرح ہمیں آپ کو۔

ایک ایسا آلہ سر بوس نے بنایا ہے جس سے پودے کی حالت خواب کا آپ بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں۔

''مائی موزہ''

سب سے زیادہ ذکی الحس پودہ مائی موزہ ہے کہ ایک ذرا سی بی چھا جانے سے وہ اونگھنے لگتا ہے اور شعاع آفتاب پڑنے سے فی الفور چاق و چوبند ہو جاتا ہے حالت خواب و بیداری کے تجربے اس پودے پر خوب کئے جاتے ہیں۔

''جھنگا پھول'' اس کے برخلاف ''جھنگا پھول'' کا پودہ ہے جو دریائے گنگا کے کنارے بنگال میں زیادہ ہوتا ہے یہ دن کے وقت خواب استراحت میں رہتا ہے اور شب میں اپنی پوری بہار دکھاتا ہے۔

افریقہ کے ناریل: افریقہ میں ناریل کے ایسے درخت ہیں جو ساحل سمندر کی سخت اور تیز ہوا کی وجہ سے ایک طرف کو بالکل جھکے ہوئے ہوتے ہیں لیکن صبح کے وقت جب یہ ہوا نہیں چلتی یہ درخت بالکل سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں اور اس وقت ان کے پھل توڑنا بڑا دشوار کام ہے لیکن وقت مقررہ پر یہ سب پھر جھک جاتے ہیں اور دوسری صبح کو پھر اسی طرح سیدھے کھڑے ہو جاتے ہیں۔

تاڑ کا درخت: بنگال کے اس تاڑ کے درخت کا حال تو اکثر لوگوں کو معلوم ہوگا جو کہ طلوع آفتاب کے ساتھ بیدار ہوتا ہے اور تدریجاً زمین سے اٹھ کر سیدھا کھڑا ہو جاتا تھا لیکن جوں جوں سورج ڈھلتا جاتا تھا یہ درخت بھی جھکنے لگتا تھا اور غروب آفتاب کے ساتھ یہ بھی سربسجود ہو جاتا تھا۔

کیا نباتات کے متعلق یہ جدید انکشافات اور سر بوس کی تصانیف پڑھ کر کسی انصاف پسند طالب حق کو یہ جرات ہو سکتی ہے کہ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ان مستند و معتبر حقائق کی تکذیب کر دے جو نباتات میں حس و شعور ارادہ نطق اور جذبات محبت وغیرہ کی موجودگی پر دلالت کرتے ہیں۔

''یاساریۃ الجبل'' کا واقعہ:

ہم اسلامی تاریخوں میں یَا سَارِیَۃُ الْجَبَلُ کا مشہور واقعہ پڑھتے تھے لیکن وائرلیس کی ایجاد سے پہلے ہمارے لئے یہ سمجھانا کس قدر مشکل تھا کہ شاید ایک روحانی وائرلیس ٹیلیفون کے ذریعہ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آواز ساریہ رضی اللہ عنہ تک پہنچ گئی ہو۔

لاسلکی پیغام: عالمگیر جنگ کے زمانہ میں ایک لاسلکی پیام پڑو گریڈ سے لندن کو چلا راستہ میں بعض جرمن اسے جذب کرنے لگے اوپر سے ایک فرانسیسی

طیارہ نے ان جذب کرنے والوں پر بم پھینکا اور جرمن اپنی سعی میں ناکام رہے۔

دیکھئے یہ مادی واقعہ اس روحانی واقعہ سے کس قدر مشابہت رکھتا ہے کہ عرش سے جو لاسلکی پیام سرزمین حجاز کو جارہا ہے شیاطین اس کو اچکنا چاہتے ہیں لیکن اوپر سے شہاب ثاقب کا گولہ ان کا کام تمام کردیتا ہے اور وہ ناکامیاب و نامراد دھکیل دیئے جاتے ہیں۔

اس قسم کے ہزار ہا سائنٹیفک شواہد و نظائر نے خوارق اور دیگر مشکل اور غامض مسائل کی تفہیم کے متعلق ہمارے کام کو بہت آسان کردیا اور قوانین قدرت کی نسبت اپنی تنگ نظری اور کم مائگی کی بنا پر جو غلطیاں ہم کررہے تھے ان میں سے بہت سی اغلاط کی اصلاح کردی ہے۔

اب قانون کا لفظ استعمال کرتے وقت ہم کو بڑی احتیاط کرنی پڑتی ہے اور کسی چیز کو روزمرہ کے معمول کے ذرا خلاف دیکھ کر جھٹ پٹ یہ دعوے نہیں کرسکتے کہ وہ قانون قدرت کے خلاف ہے

سچ تو یہ ہے کہ ''قانون قدرت'' کے اس لفظ سے بھی ہم کو بہت کچھ دھوکا دیا گیا ہے یہ لفظ مرعوب کرنے والا تو بہت ہے مگر ہم جس مضمون کو اس لفظ سے ادا کرنا چاہتے ہیں اس کی یہ صحیح تعبیر نہیں، فی الحقیقت جس چیز کا نام ہم نے قانون قدرت رکھا ہے وہ قانون عادت ہے۔

قدرت اور عادت

یہ دو لفظ ہیں جن کا فرق ان کے سادہ مدلول ہی سے ہویدا ہے ایک کام کی قدرت (یعنی کرسکنا) اور ایک اس کی عادت (یعنی کرتے رہنا) دونوں الگ الگ چیزیں ہیں۔

ہر انسان اپنے تئیں محسوس کرتا ہے کہ خورد و نوش، لباس، سواری اور معاشرت کے متعلق جو امور اس کی عادت میں داخل ہیں وہ ان کے خلاف پر بھی قادر ہے گو ان کے خلاف عمل کرنا اس کی عادت میں داخل نہیں اسی طرح جو لوگ خدا کی ہستی اور اس کی قدرت کے قائل ہیں ان کو لامحالہ یہ تسلیم کرنا پڑا ہے کہ خدا کی قدرت، ارادہ، عادت، یہ تینوں ایک دوسرے سے بالکل متمیز ہیں ضروری نہیں کہ جو کچھ خدا کرسکتا ہے وہ سب کرڈالے، اور جو کرڈالے اسی کو بار بار اور ہمیشہ کرتا رہے خدا کی قدرت اور عادت کو مترادف ثابت کرنے کی کوئی دلیل ہمارے پاس نہیں ہے بلکہ ایسے دلائل موجود ہیں جو قدرت اور عادت کے تفاوت کو بخوبی ظاہر کرتے ہیں

دیکھو! ہم اس قادر مطلق کی یہ عادت برابر دیکھتے چلے آتے ہیں کہ وہ بچہ کو رحم مادر سے نکالتا ہے اور پھر بتدریج پرورش کرتا ہے چنانچہ ہم میں سے کسی نے نہیں دیکھا کہ کوئی جوان انسان یوں ہی آسمان سے گرادیا گیا ہو یا زمین سے اگ آیا ہو مگر اس کے باوجود ہم یقین رکھتے ہیں کہ اس کی عادت مستمرہ کے خلاف رحم اور نطفہ کے توسط کے بدون انسان کو پیدا کرنا بھی خدا کی قدرت میں داخل ہے آخر ابتداء آفرینش میں جب انسان پیدا کیا گیا تو یقیناً اس کی کیفیت اس متعارف طریقہ پیدائش سے بالکل علیحدہ تھی اور تمام اقوام و ملل کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اس وقت ایک یا متعدد انسان بغیر ازدواجی وسائل اور موجودہ قانون تناسل کے جوان جوان محض خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ سے پیدا ہوگئے۔

پس جو مذہب یہ تسلیم کرتا ہے قطعاً حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کے بعد قادر مطلق کو ظاہری سلسلہ اسباب میں ایسا جکڑ بند کردے کہ خواہ کیسی ہی حکمت اور مصلحت کا اقتضاء ہو مگر وہ ایک منٹ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے علیحدہ ہوکر کوئی چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے بھی مجبور اور عاجز ٹھہرے؟

سبب و مسبب اور علت و معلول کے تمام سلاسل کو کسی ایسی حد پر ختم کرنا ضروری ہے جہاں خلاق عالم کا دست قدرت اسباب و وسائط کو چھوڑ کر براہ راست کسی چیز کو موجود کرتا ہے، پھر کیسے دعویٰ کیا جاسکتا ہے کہ ہزاروں یا لاکھوں سال گذر جانے کے بعد حق سبحانہ وتعالیٰ میں جو لَم یَزل لَا یَزال ہے معاذ اللہ وہ زور قدرت باقی نہیں رہا جو اسباب سے الگ ہوکر اب کسی چھوٹی یا بڑی چیز کو ایجاد کرسکے۔

بلاشبہ اس کے کمالات لازوال اور ہر قسم کے نقص و فتور سے بالکل منزہ ہیں اور اس کی قدرت میں یقیناً یہ داخل ہے کہ جب چاہے سبب کو بدون مسبب کے اور مسبب کو بدون سبب کے پیدا کردے مثلاً آگ موجود ہو اور نہ جلائے یا کوئی چیز جل جائے مگر آگ موجود نہ ہو۔

بے شک آگ سے جلانا اس کی عام عادت ہے لیکن اگر کبھی کسی مصلحت سے اس عادت کے خلاف ظاہر ہو تو وہ بھی تحت القدرۃ ہے۔

خرق عادت یعنی کبھی کبھی سلسلہ اسباب سے علیحدہ ہوکر محض قدرت واسعہ کے اظہار کے طور پر کوئی کام کرنا قدرت کے خلاف نہیں ہوسکتا ہاں عام عادت اور معمول کے خلاف ہوگا لہٰذا اس کو قانون عادت کے خلاف کہنا صحیح ہو تو ہو مگر قانون قدرت کے خلاف قرار دینا اس لفظ کا غلط استعمال اور مغالطہ آمیز تعبیر ہے۔

قدرت اور عادت دو الگ الگ چیزیں ہیں اسباب سے مسبب کا پیدا کرنا خدا کی عادت ہے اور بلا سبب کے مسبب بنا دینا قدرت کا کام ہے اسباب کا سارا سلسلہ قدرت کا بنایا ہوا ہے نہ یہ کہ قدرت اسباب کی بنائی ہوئی ہے اور اسی لئے قدرت تو اسباب پر حاکم ہوگی، لیکن اسباب معاذ اللہ قدرت کے پاؤں میں زنجیر نہیں ڈال سکتے۔

عادت عامہ وخاصہ

معجزہ خدا کی خاص عادت ہے

قدرت اور عادت کی اس تفریق کے وقت ایک اور بات بھی یاد رکھنی چاہئے یعنی جیسا کہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں عادت کی بھی دو قسمیں ہیں۔

ا۔عادت مستمرہ عامہ ۲۔عادت موقتہ خاصہ

عادت عامہ مستمرہ سے میری مراد وہ عادت ہے جس کا استعمال بکرات و مرات، جلد جلد اکثر واربیشتر اوقات میں ہوتا رہتا ہے اور اس کے بالمقابل ''عادت خاصہ موقتہ'' وہ ہوگی جس کا تجربہ گاہ بگاہ نادر مواقع میں ہوا کرے۔

مثلاً ایک شخص کو ہم دیکھتے ہیں کہ بڑا نرم خو، حلیم الطبع اور بردبار ہے، ہزار گالیاں سننے اور اشتعال دلانے پر بھی اسے غصہ نہیں آتا لیکن اس کے باوجود بارہا یہ بھی تجربہ کیا گیا ہے کہ جب کبھی مذہب پر حملہ ہو یا اس کے سامنے پیغمبر علیہ السلام کی ادنیٰ سی توہین کی جائے اس وقت غصہ سے بیتاب ہوکر آپے سے باہر ہوجاتا ہے تو توہین کے وقت اس کی یہ سخت گیری اور درشتی اگرچہ اس کی عام عادت (بردباری، عفوودرگزر) کے مخالف ہے لیکن وہ بجائے خود اس کی ایک خاص اور مستقل عادت ہے جس کے تجربہ کا موقع گاہ بگاہ اس کے اسباب مہیا ہونے پر ملتا رہتا ہے۔

یاد رکھو! جس چیز کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وہ بھی اللہ تعالیٰ کا ایک فعل ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہو مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے موافق ہوتا ہے کیونکہ خاص اوقات میں مخصوص مصالح کی بناپر عام عادت کو چھوڑ کر خوارق ومعجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی حق تعالیٰ کی خاص عادت ہے۔

خدائی فعل انسانی افعال سے ممتاز ہوتا ہے

سلسلہ اسباب ومسببات کا قائم رکھنا اگرچہ اس کی عام عادت ہے لیکن باربار یہ بھی تجربہ ہوچکا ہے کہ جب اپنے سفراء اور مقربین کی تصدیق کرانا ہوتی ہے تو ان کے ہاتھوں پر وہ غیر معمولی علامات ظاہر کرتا ہے جس سے دنیا سمجھ لے کہ بیشک یہ اس کے سفیر اور مقرب ومعتمد ہیں جن کے دعوے کی تصدیق وتنویہ کے لئے وہ خلاف معمول چیزیں پیش کرکے ساری مخلوق کو اس کی مثل لانے سے عاجز کردیتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہئے عقل اور فطرت کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ خدا اپنے خاص وفادار بندوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو دوسروں سے نہ کرے کیا ایک گاؤں کے مکھیا یا نمبردار کے کہنے سے وائسرائے وہ کام کرسکتا ہے جو ایک صوبہ کے گورنر کے کہنے سے کرتا۔

ماں، باپ، بیوی، اولاد، احباب، اقارب، حکام، رعایا غرض ہر ایک کے ساتھ انسان کا معاملہ اور اس کی عادت جداگانہ ہوتی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ یہ حاکم ہے یہ محکوم ہے، یہ باپ ہے یہ لاڈلا بیٹا ہے، بسا اوقات جو بے تکلفی یا خلاف طبع امور کا تحمل آدمی اپنے مخلصوں اور دوستوں کی رعایت سے کرلیتا ہے وہ ہرگز ساری دنیا کے دباؤ سے نہیں کرسکتا ایک استاد کا خاص خاص شاگردوں کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ تمام طلبہ سے مستثنیٰ ہوتا ہے، ان سب صورتوں میں عام عادت سے علیحدہ معاملہ کرنا ہی قرین قیاس اور عقل وفطرۃ کے موافق ہے تاکہ تفاوت مراتب اور اختلاف مدارج کے سمجھنے میں کوئی مغالطہ اور اشکال نہ رہے۔

اس امر کو ملحوظ رکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ معجزہ فطرت کا مقتضا ہے اس کے مخالف کیونکر ہوسکتا ہے بلکہ اگر معجزات ظاہر نہ ہوں تو یہ حکمت کے خلاف ہوگا۔سفاہت ہوگی۔

جو لوگ خدا کے یہاں وجیہ ہیں اپنی جان، اپنی آبرو ہتھیلی پر رکھ کر خدا کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور خدا ہی ان سے یہ دعویٰ کراتا ہے کہ ''آج تمہاری سب کی نجات میرے اتباع میں منحصر ہے'' ضروری ہے کہ ان کی وجہ سے عام عادت سے بالاتر کارنامے خدا کی قدرت کے ظاہر ہوں جو کہ تمام دنیا کو اپنی نظیر پیش کرنے سے تھکادیں اور تمام مخلوق کو عاجز کردیں یہ ہی معنی ہیں معجزہ کے۔

یادرکھئے کہ ''معجزہ'' خدا کا فعل ہوتا ہے اس کو نبی کا سمجھنا سخت غلطی ہے۔

خدائی فعل انسانی افعال سے بداہۃً ممتاز ہوتا ہے

بلاشبہ خدائی فعل اور بندوں کے افعال میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے خدائی کام کی نقل بندہ اتارتا ہے لیکن عاقل مبصر کو اصل اور نقل میں کبھی التباس بھی نہیں ہوسکتا۔

گلاب خدا کا بنایا ہوا ہے۔اب تم بھی کاغذ وغیرہ کے پھول بناتے ہو تمہارے پھول پر پانی کا ایک چھینٹا پڑ جائے تو تمہاری صنعت کا سارا پول کھل جاتا ہے لیکن قدرتی پھول پر پانی گرتا ہے تو اس میں اور زیادہ صفائی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

انسان جانداروں، درختوں، پھولوں کی تصویر کھینچ لیتا ہے، مگر مچھلی کی آنکھ، مکھی کا پر، مچھر کی ٹانگ، بلکہ ایک جو کا دانہ تمام عالم مل کر بھی نہیں بنا سکتا، لاکھوں مجسمے، کروڑوں بیل بوٹے دنیا کے صناع بناتے ہیں مگر مچھر کا ایک پر بنانے سے بالکل عاجز ہیں۔

﴿لَنْ يَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ﴾ (القرآن)

اسی کا نام خدائی فعل ہے اور جب ایسا فعل بدوں توسط ان اسباب کے جو اس کی تکوین کے لئے متعارف ہیں کسی مدعی نبوت کے ہاتھوں پر

ظاہر ہواس کا نام معجزہ ہو جاتا ہے۔

معجزہ کوئی فن نہیں

پس جب یہ ثابت ہوا کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہے جو بدوں تعاطی اسباب کے ظہور پذیر ہو تو دوسرے خدائی کاموں کی طرح اس میں بھی کسی صانع کی صنعت کو دخل نہیں ہو سکے گا بنابریں تنجیم کہانت مسمریزم، سحر، شعبدہ بازی کی طرح معجزہ کوئی فن نہیں جو تعلیم و درس سے حاصل ہوتا ہو یہ فنون سیکھنے سے حاصل ہو سکتے ہیں لیکن معجزہ میں نہ تعلیم و تعلم ہے نہ انبیا کا کچھ اختیار اس میں چلتا ہے نہ معجزہ صادر کرنے کا کوئی خاص ضابطہ اور قاعدہ ان کو سکھلایا جاتا ہے کہ جب چاہیں ویسا عمل کر کے ویسا ہی معجزہ دکھلا دیا کریں بلکہ جس طرح ہم قلم لے کر لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے اور فی الحقیقت اس کو لکھنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا یہی صورت معجزہ کی بھی ہے ایسا نہیں کہ انبیا جس وقت چاہیں مثلاً انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کر دیں بلکہ جس وقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ مقتضی ہوتی ہے جاری ہو سکتے ہیں برخلاف فنون سحریہ وغیرہ کے جو تعلیم و تعلم سے حاصل کئے جاتے ہیں ان پر جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور خاص خاص اوراد کی پابندی سے یکساں نتائج اور ایک ہی طرح کے آثار و کیفیات دکھلائے جا سکتے ہیں مگر آج تک مدعیان نبوت و اعجاز کی طرف سے کوئی درسگاہ معجزہ سیکھنے سکھانے کی نہ بنی، نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ مدون ہوا نہ کوئی کتاب تنجیم مسمریزم سحر کی طرح معجزات سکھلانے والی تصنیف کی گئی بلکہ وہ خدا کا فعل ہوتا ہے جو تمام دنیا کو تھکا دیتا ہے اگر افعال میں سے ہے تو اس جیسے فعل سے دنیا عاجز ہے اور اگر اقوال میں سے ہے تو اس جیسے کلام سے تمام دنیا کے بولنے والے مجبور اور درماندہ ہیں، رسول کے اختیار یا قدرت کو بھی اس میں پورا دخل نہیں اسی واسطے انبیاء سے جب معجزات طلب کئے گئے تو انہوں نے اللہ پر محول کیا فرماتے ہیں۔

(اور وہ تم سے کہتے ہیں کہ ہم تو اس وقت تک تم پر ایمان نہیں لائیں گے کہ یا تو ہمارے لئے زمین سے کوئی چشمہ بہا نکالو یا کھجوروں انگوروں کا تمہارا کوئی باغ ہو اور اس کے بیچ میں تم بہت سی نہریں جاری کر دکھاؤ یا جیسا کہ تمہارا خیال ہے آسمان کے ٹکڑے ہم پر لا کر گراؤ۔ یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لا کھڑا کر دو یا رہنے کے لئے تمہارا کوئی طلائی گھر ہو یا آسمان پر چڑھ جاؤ اور جب تک تم وہاں سے ایک کتاب اتار کر نہ لاؤ کہ ہم آپ اس کو پڑھ لیں ہم تمہارے چڑھنے کو بھی باور کرنے والے نہیں کہہ دو (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ میں رسول تو ہوں مگر بشر رسول ہوں (خدا نہیں ہوں یعنی معجزہ تو بشر کا فعل نہیں ہے خدا کا فعل ہے میرے قبضہ میں یہ نہیں کہ جو چاہو تمہیں دیدوں بلکہ جس قدر خدا میری تصدیق کی علامات کے طور پر کافی اور مناسب جانتا ہے ظاہر کرتا ہے)

معجزہ کچھ ایسے حالات کے ساتھ آتا ہے کہ اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی اور عصا کا معجزہ دکھایا اس کا جواب دینے کے لئے فرعون نے بڑے بڑے ساحروں کو جمع کیا اور وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی لاٹھیاں اور رسیاں لے کر پہنچ گئے وہ سمجھے ہوئے تھے کہ موسیٰ بھی ہمارے ہم پیشہ ساحر ہیں اسی لئے کہا۔

ترجمہ: (پہلے تم ڈالو گے یا ہم)

مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ "تم پھینکو" جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے۔ (فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ) موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرے حالانکہ اگر وہ بھی پیشہ ور ساحر ہوتے تو ڈر کی کوئی وجہ نہ تھی۔

شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ خوف کیوں طاری ہوا اور کیوں طاری کیا گیا؟ یعنی خوف کا منشا کیا تھا اور اس کے طاری کئے جانے میں کیا حکمت تھی؟ اگر کہا جائے کہ سانپوں کی صورت دیکھ کر ڈر گئے تو موسیٰ علیہ السلام جیسے پیغمبر کو ان لاٹھیوں اور رسیوں سے کوئی خوف نہیں ہو سکتا تھا خصوصاً جب کہ اسی نوعیت کے اعلیٰ خوارق کا تجربہ بھی دو مرتبہ کر چکے تھے، پہاڑ پر جو واقعہ القاء کا ہوا اس پر لاتخف سن چکے تھے کیونکہ وہاں بھی خائف ہوئے (وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ) جس کے جواب میں کہا گیا۔

ترجمہ: (اے موسیٰ مت ڈرو یہاں انبیاء ڈرا نہیں کرتے)

پھر دوسری مرتبہ فرعون کے سامنے لاٹھی ڈال کر بھی دیکھ چکے تھے شیخ فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ پہاڑ پر بشری خوف تھا جو کہ وہیں نکل چکا تھا اب دوسری دفعہ جو خوف ساحرین کے مقابلہ میں طاری ہوا، یہ اس وجہ سے کہ موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ میرے ساتھ میں کوئی طاقت اور قدرت نہیں کہیں ساحرین کی اس شعبدہ بازی کے سامنے حق کا کلمہ پست نہ ہو جائے اور بے وقوف لوگ ان جھوٹے کرشموں کو دیکھ کر فتنہ میں نہ پڑ جائیں چنانچہ جواب میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: (ڈرو مت تم ہی سربلند ہو کر رہو گے)

یہ تو خوف کا منشا تھا آگے اس کی حکمت بیان فرماتے ہیں کہ جب ڈر گئے اور

ڈرے ہوئے آدمی پر خوف اور گھبراہٹ کے جو آثار ہویدا ہوتے ہیں ان کو محسوس کر کے ساحرین سمجھے کہ یہ ہمارے پیشہ کا آدمی ہرگز نہیں۔ یا کم از کم اس کو کوئی ساحرانہ عمل ایسا معلوم نہیں جس سے ہمارے مقابلہ میں قلب کو مطمئن رکھ سکے۔

اس کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے اپنا عصا ڈالا جو باذن اللہ تمام جادو کے سانپوں کو نگل گیا تو ساحرین نے یقین کر لیا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے وہ سب بے اختیار سجدے میں گر پڑے اور چلا اٹھے کہ ہم بھی موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں فرعون نے بہت کچھ دھمکیاں دیں اور خوفزدہ کرنا چاہا مگر ان کا جواب صرف یہ تھا۔

ترجمہ آیت: (جو کچھ تجھے فیصلہ کرنا ہے کر گذر تو اس سے زیادہ نہیں کہ صرف اسی دنیا کی (چند روزہ) زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے ہم تو اپنے (حی ولا یموت) پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تا کہ وہ ہماری خطائیں اور ان ساحرانہ حرکتوں کو معاف فرمائے جو تو نے ہم سے زبردستی کرائیں اور اللہ سب سے بہتر اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے)

اور جو لوگ ایسی آیات بینات دیکھ کر بھی راہ حق پر نہ آئے ان کا حال یہ تھا فرمایا:

ترجمہ: (انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا ظلم سے اور زیادتی سے حالانکہ ان کے دلوں کو (سچائی کا) پورا پورا یقین حاصل تھا)

معجزہ خدا کی طرف سے

یہیں سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ معجزہ فی الحقیقت حق تعالیٰ کی طرف سے نبوت کی عملی تصدیق ہے۔

جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں یعنی حق تعالیٰ نے مجھ کو اپنے منصب سفارت پر سرفراز فرمایا ہے اور تمام بنی نوع میں سے مجھ کو اپنے فرامین و ہدایات پہنچانے کے لئے چھانٹ لیا ہے نجات ابدی سے بہرہ ور ہونا صرف میرے ہی اتباع میں منحصر ہے میرے اتباع سے الگ ہو کر عذاب الٰہی سے نکلنے کی کوئی سبیل نہیں۔

یہ سب دعاوی خدا تعالیٰ کے سامنے، اس کی زمین پر اس کے آسمان کے نیچے بآواز بلند بار بار کرتا ہے اور یہ بھی کہتا ہے کہ اللہ جل شانہ میرے ہاتھوں اور زبان سے وہ چیزیں ظاہر فرمائے گا جو اس کی عام عادت کے خلاف ہوں گی اور دنیا ان کی مثال لانے سے عاجز ٹھہرے گی۔ پھر اسی کے موافق مشاہدہ بھی کیا جا رہا ہو تو یہ یقیناً خدا کی جانب سے اس کے دعوے کی عملی تصدیق ہے اور خدا تعالیٰ چونکہ جھوٹی تصدیق نہیں کر سکتا لہٰذا نبی کا دعویٰ معجزہ کے ظہور کے بعد سچا ثابت ہو جاتا ہے۔

اسی لئے بلا خوف تردید یہ یقین رکھتے ہیں کہ حق تعالیٰ جو تمام سچائیوں کا سرچشمہ اور صداقتوں کا خزانہ ہے کسی انسان کو یہ دسترس نہ دے گا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے برابر ایسے خوارق عادات دکھلاتا رہے کہ دنیا اس کے مقابلہ سے عاجز ہو جائے ضرور ہے کہ خدا ایسے حالات بروئے کار لائے گا کہ اس کی طرف سے جھوٹ کی عملی تصدیق نہ ہونے پائے۔

فعلی تصدیق کی مثال

آپ جلسوں میں دیکھتے ہیں اور کونسلوں اور پارلیمنٹوں کا حال سنتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ تجویز یا انتخاب پر بحث چھڑ جاتی ہے تو فریقین کی پوری زور آزمائی اور ردوکد کے بعد فیصلہ کا مدار اس پر ہوتا ہے کہ رائے شمار کر لی جائے جس کے لئے شرکاء اجلاس سے ہاتھ اٹھوائے جاتے ہیں اور یہی ہاتھ اٹھا دینا یا نہ اٹھانا اس ریزولیوشن کی تصدیق و تائید یا تکذیب و تردید کے لئے کافی ہوتا ہے زبان ہلانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

ایک شخص کی نسبت پبلک جلسہ میں رائے لی جاتی ہے کہ آیا جمہور کو اس پر اعتماد ہے؟ اس پر ہاتھ اٹھا دیئے جاتے ہیں یہی اس بات کی علامت ہوتی ہے کہ ان سب کی رائے اس شخص کے حق میں ہے ہم دن رات سینکڑوں دفعہ اپنے ہاتھ کو اوپر اٹھائیں اس کو کسی چیز کے ثابت کرنے یا نہ کرنے میں کوئی دخل نہیں لیکن یہی ہمارا ہاتھوں کی وضع طبعی اور ہیئت اصلی کے خلاف اوپر کو اٹھا دینا جب کسی ریزولیوشن کی تسلیم و انکار یا کسی دعویٰ کی صحت و بطلان کی آزمائش کے موقعہ پر ہو تو غبی سے غبی انسان کو بھی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اس وقت کھڑے ہوئے ہاتھوں ہی کے شمار سے رایوں کا شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر بڑے نازک اور عظیم الشان مسائل کے فیصلے ہاتھ کی اس غیر طبعی حرکت پر بے چون و چرا ہو جاتے ہیں پس جس طرح ہاتھوں کا نیچے لٹکائے رکھنا آدمی کی عادت اور وضع طبعی کے موافق ہے اور اوپر کو اٹھانا کبھی کبھی خاص ضرورت اور مصلحت سے ہوتا ہے اور یہی غیر طبعی وضع جب کسی ریزولیوشن پر ووٹ لینے کے اختیار کی جائے تو اس ریزولیوشن یا دعویٰ کی بے شک و شبہ تصدیق و تائید سمجھی جاتی ہے۔

ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ شانہ کا جو فعل عام سنن طبعیہ کے سلسلہ میں ظہور پذیر ہو وہ اس کی عام سنت اور عادت کہلاتی ہے اور جو اسباب سے علیحدہ ہو کر کسی خاص مصلحت اور حکمت کے اقتضاء سے ظاہر ہو وہ خرق عادت ہے۔

اور یہی خرق عادت جب کسی شخص کے دعویٰ نبوت اور تحدی کے بعد اس سے یا اس کے کہنے کے موافق صادر ہو یہ معجزہ ہے کہ جو من جانب اللہ

اس کے لئے دعویٰ کی فعلی تصدیق ہے۔

معجزہ، کرامت اور ارہاص

لیکن اسی کے مشابہ کوئی خرق عادت اگر کسی نبی کے متعلق اس کے دعویٰ نبوت یعنی بعثت اور تحدی سے پہلے ظاہر ہو اس کو ارہاص کہتے ہیں اور اگر کسی غیر نبی کے ہاتھ پر اتباع نبی کی برکت سے اس قسم کے خارق عادات نشانات دکھلائے جائیں تو اس کا نام کرامت ہے۔

کرامت اور استدراج کا فرق

ہاں ایک چیز ان تینوں کے سوا اور ہے جس کو متکلمین کی زبان میں استدراج کہتے ہیں یعنی وہ خوارق عادات جو گاہ بگاہ کسی بدکار، گمراہ، فاسق یا کافر مشرک اور مکذب انبیا کے ہاتھ سے ظاہر ہوتے ہیں اگرچہ یہ خوارق بھی صورۃً ان خوارق سے مشابہ ہو سکتے ہیں جن کا نام ہم نے کرامات رکھا ہے لیکن سمجھنے والوں کے نزدیک ان دونوں میں ایسا ہی فرق ہے جیسا کہ ایک نجیب الطرفین مولود اور ایک ولد الزنا میں کہ بظاہر دونوں بچے یکساں شکل وصورت رکھتے ہیں اور حسی طور پر دونوں ایک ہی طرح حرکت وعمل کا نتیجہ ہیں مگر محض اس لئے کہ ان میں سے ایک بچہ فعل حرام کا نتیجہ اور دوسرا عمل مشروع اور طیب کا ثمرہ ہے ہم پہلے کے تولد کو مذموم وقابل نفرت اور دوسرے کی ولادت کو محمود اور موجب مسرت سمجھتے ہیں۔

اسی طرح جو "خوارق عادات" رسول اور خدائے واحد کی پرستش کا نتیجہ ہوں وہ "کرامات اولیاء" کہلاتی ہیں جن کے مبارک ومحمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں اس کے برخلاف جو "خوارق" اتباع شیطان عبادت غیر اللہ فسق و فجور کے ثمرات ہوں ان کا نام "استدراج" اور "تصرف شیطانی" ہے اور اسی جگہ سے ہمارا یہ خیال ہے کہ ہم صرف کرامات سے ولی کو نہیں پہچان سکتے بلکہ ولی سے کرامات کو پہچانتے ہیں اور یہ بڑے شکر کا مقام ہے کہ حق تعالیٰ نے محض اپنے فضل سے ہم کو اس قسم کے فروق تلقین فرما کر التباس حق بالباطل سے محفوظ رکھا ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔ (ارشادات حضرت عثمانی)

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ
قریب ہے کہ بجلی اچک لے ان کی آنکھیں جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے
اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَاِذَآ اَظْلَمَ
لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے

عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ
تو کھڑے رہ جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے
بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۟
ہر چیز پر قادر ہے

منافقوں کی حالت کی وضاحت:

حاصل یہ ہے کہ منافقین اپنی ضلالت اور ظلماتی خیال میں مبتلا ہیں لیکن جب غلبہ نور اسلام اور ظہور معجزات تو یہ دیکھتے ہیں اور تاکید وتہدید شرعی سنتے ہیں تو متنبہ ہو کر ظاہر میں صراط مستقیم کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں اور جب کوئی اذیت ومشقت دنیوی نظر آتی ہے تو کفر پر اڑ جاتے ہیں جیسے شدت باراں اور تاریکی میں بجلی چمکی تو قدم رکھ لیا پھر کھڑے ہو گئے مگر چونکہ اس کو سب کا علم ہے اور اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں تو ایسے حیلوں اور تدبیروں سے کیا کام نکل سکتا ہے۔

فائدہ: سورت کے اول سے یہاں تک تین طرح کے لوگوں کا ذکر فرمایا اول مومنوں کا پھر کافروں کا (جن کے دلوں پر مہر ہے کہ ہرگز ایمان نہ لائیں گے) تیسرے منافقوں کا (جو دیکھنے میں مسلمان ہیں مگر دل ان کا ایک طرف نہیں) ﴿تفسیر عثمانی﴾

اللہ کی چاہت وقدرت:

تمام اسباب کی تاثیر حقیقت میں اللہ کے ہی چاہنے سے ہے سو حقیقی سبب اللہ ہی کا چاہنا ہے اسی طرح کل جواہر واعراض اور بندوں کے تمام افعال اللہ ہی کے پیدا کئے ہوئے ہیں اور اسی کی مشیت سے وابستہ ہیں۔

قدرت کسی شے کے ایجاد پر قابو رکھنے کو کہتے ہیں اور قادر کے یہ معنی ہیں کہ جو فعل وہ کرنا چاہے کر گذرے نہ کرنا چاہے نہ کرے لفظ قدیر میں قادر کے بہ نسبت معنی کی زیادتی ہے۔ باری تعالیٰ کے سوا اور کسی پر اس کا اطلاق بہت ہی کم آتا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ
اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے

خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ

پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے تاکہ تم

تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ

پرہیز گار بن جاؤ جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو

فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ

بچھونا اور آسمان کی چھت اور اتارا آسمان سے

مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا

پانی پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے

لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو

توحید کی تعلیم:

اب سب بندوں کو مومن ہوں یا کافر یا منافق خطاب فرما کر توحید جناب باری سمجھائی جاتی ہے جو ایمان کے لئے اصل الاصول ہے خلاصہ معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو اور تم سے پہلوں کو سب کو پیدا کیا اور تمہاری ضروریات اور کل منافع کو بنایا۔ پھر اس کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو معبود بنانا جو تم کو نہ نفع پہنچا سکے نہ مضرت (جیسے بت) کس قدر حماقت اور جہالت ہے حالانکہ تم یہ بھی جانتے ہو کہ اس جیسا کوئی نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شرک کی ممانعت:

صحیحین میں حدیث ہے ابن مسعودؓ پوچھتے ہیں حضور! سب سے بڑا گناہ کون سا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو خالق ہے شریک ٹھہرانا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں ہے کیا جانتے ہو کہ خدا کا حق بندوں پر کیا ہے؟ یہ کہ اس کی عبادت کریں اور کسی کو اس کی عبادت میں شریک نہ کریں دوسری حدیث میں ہے تم میں سے کوئی یہ نہ کہے کہ جو خدا چاہے اور فلاں چاہے بلکہ یوں کہے کہ جو کچھ اللہ اکیلا چاہے پھر جو فلاں چاہے۔ طفیل بن سنجرہؓ۔

حضرت طفیل کا خواب:

حضرت عائشہؓ کے سوتیلے بھائی فرماتے ہیں میں نے خواب میں چند یہودیوں کو دیکھا، میں نے ان سے پوچھا تم کون ہو؟ انہوں نے کہا ہم یہود ہیں میں نے کہا افسوس تم میں بڑی خرابی ہے کہ تم حضرت عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہو انہوں نے کہا تم بھی اچھے لوگ ہو لیکن افسوس تم کہتے ہو جو خدا چاہے اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) چاہیں پھر میں نصرانیوں کی جماعت کے پاس گیا اور ان سے بھی اسی طرح پوچھا انہوں نے بھی یہی جواب دیا میں نے ان سے کہا افسوس تم بھی مسیح کو خدا کا بیٹا جانتے ہو انہوں نے بھی یہی جواب دیا میں نے صبح اپنے اس خواب کا ذکر کچھ لوگوں سے کیا پھر دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر آپ سے بھی واقعہ بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا کسی اور سے بھی تم نے اس کا ذکر کیا ہے؟

میں نے کہا ہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب آپ کھڑے ہو گئے اور اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور فرمایا طفیل نے ایک خواب دیکھا اور تم میں سے بعض سے بیان بھی کیا میں چاہتا تھا کہ تمہیں اس کلمہ کے کہنے سے روک دوں لیکن فلاں فلاں کاموں کی وجہ سے میں اب تک نہ کہہ سکا، یاد رکھو اب ہرگز ہرگز خدا چاہے اور اس کا رسول نہ کہنا بلکہ یوں کہو کہ صرف اللہ تعالیٰ اکیلا جو چاہے۔ ﴿ابن مردویہ﴾

صحیح حدیث میں ہے کہ کسی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا ''جو اللہ چاہے اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہیں'' تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو مجھے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے؟

پانچ باتیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم کرتا ہوں جن کا حکم جناب باری تعالیٰ نے مجھے دیا ہے، مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑے رہنا (اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمان حاکم وقت کے احکام) سننا اور ماننا، ہجرت کرنا اور جہاد کرنا۔ جو شخص جماعت سے ایک بالشت بھر نکل گیا اس نے اسلام کے پٹے کو اپنے گلے سے اتار پھینکا، ہاں یہ اور بات ہے کہ رجوع کر لے۔ جو شخص جاہلیت کی پکار پکارے وہ جہنم کا کوڑا کرکٹ ہے۔ لوگوں نے کہا، حضور اگرچہ وہ روزے دار اور نمازی ہو فرمایا اگرچہ نماز پڑھتا ہو اور روزے رکھتا ہو اور اپنے تئیں مسلمان سمجھتا ہو مسلمانوں کو ان کے ان ناموں کے ساتھ پکارتے رہو جو خود خدا تعالیٰ نے رکھے ہیں مسلمین مومنین اور عباد اللہ یہ حدیث حسن ہے۔

ایک دیہاتی کا عجیب کلام:

کسی بدوی سے پوچھا گیا کہ اللہ تعالیٰ کے ہونے پر کیا دلیل ہے؟ تو اس نے کہا۔

يَا سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْبَعْرَ لَيَدُلُّ عَلَى الْبَعِيْرِ وَاَنَّ اَثَرَ الْاَ قْدَامِ لَتَدُلُّ عَلَى الْمَسِيْرِ فَسَمَاءٌ ذَاتُ اَبْرَاجٍ وَاَرْضٌ ذَاتُ فِجَاجٍ وَبِحَارٌ ذَاتُ اَمْوَاجٍ اَلَا يَدُلُّ ذٰلِكَ عَلٰى وُجُوْدِ اللَّطِيْفِ

الْخَبِیْرِ ۔ یعنی مینگنی سے اونٹ معلوم ہو سکے اور پاؤں کے نشان کو زمین پر دیکھ کر معلوم ہو جائے کہ کوئی آدمی گیا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان یہ راستوں والی زمین اور موجیں مارنے والے سمندر اللہ تعالیٰ باریک بین اور خبردار کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے۔

امام ابوحنیفہؒ کی وجودِ الٰہی پر دلیل:

امام ابوحنیفہؒ سے بھی یہی سوال ہوتا ہے تو آپ جواب دیتے ہیں کہ ''چھوڑو میں ابھی کسی اور سوچ میں ہوں، لوگوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں طرح طرح کی تجارتی چیزیں ہیں نہ کوئی اس کا نگہبان ہے نہ چلانے والا ہے باوجود اس کے وہ برابر آ جا رہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کو خود بخود چیرتی پھاڑتی گزر جاتی ہے ٹھہرنے کی جگہ پر ٹھہر جاتی ہے چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے اور نہ کوئی ملاح ہے نہ منتظم۔ سوال کرنے والے دہریوں نے کہا آپ کس سوچ میں پڑ گئے کوئی عاقل ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی نظام کے ساتھ تلاطم والے سمندر میں آئے جائے اور کوئی اس کا چلانے والا نہ ہو؟ آپ نے فرمایا ''افسوس تمہاری عقلوں پر ایک کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے لیکن یہ ساری دنیا آسمان و زمین کی سب چیزیں ٹھیک اپنے کام پر لگی رہیں اور ان کا مالک حاکم خالق کوئی نہ ہو؟'' یہ جواب سن کر وہ لوگ ہکے بکے ہو گئے اور حق معلوم کر کے مسلمان ہو گئے۔

امام شافعیؒ کی دلیل:

امام شافعیؒ سے بھی یہی سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ توت کے پتے ایک ہی ہیں ایک ہی ذائقہ کے ہیں کیڑے اور شہد کی مکھی اور گائیں بکریاں ہرن وغیرہ سب اس کو کھاتے اور چرتے چگتے ہیں، اسی کو کھا کر کیڑے میں سے ریشم نکلتا ہے مکھی شہد دیتی ہے ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہے اور گائے بکریاں مینگنیاں دیتی ہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

یٰٓاَیُّھَاالنَّاسُ اور یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی (یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ) کر کے خطاب فرمایا گیا ہے اس سے مراد اہل مکہ ہیں اور جہاں (یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) سے یاد فرمایا گیا ہے وہاں اہل مدینہ اس لئے کہ مکہ میں اکثر کافر تھے اور مومن کم تھے اسی لئے ایسا لفظ ارشاد فرمایا گیا کہ دونوں گروہ اس میں داخل ہو گئے اور مدینہ میں چونکہ مومن زیادہ تھے اس لئے ان کی بزرگی ظاہر فرمانے کے لئے ایمان سے تعبیر فرمایا۔

توحید کا رنگ: کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کے پڑھنے والے تو آج دنیا میں کروڑوں ہیں اور اتنے ہیں کہ کسی زمانے میں اتنے نہیں ہوئے لیکن عام طور پر یہ صرف زبانی جمع خرچ ہے توحید کا رنگ ان میں رچا نہیں ورنہ ان کا بھی وہی حال ہوتا جو پہلے بزرگوں کا تھا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

نظامِ کائنات توحیدِ الٰہی کی دلیل ہے

خاص اسی کی عبادت کرو اور کسی دوسرے کو شریک نہ کرو یعنی یہ سارا عالم بمنزلہ ایک مکان کے ہے۔ آسمان اس کی چھت ہے اور زمین اس کا فرش ہے اور شمس و قمر اور نجوم و کواکب اس گھر کے شمع اور چراغ ہیں۔ قسم قسم کے پھل اور الوان نعمت اس کے دسترخوان پر چنے ہوئے ہیں۔ عالم کے تمام شجر اور حجر اور تمام چرند اور پرند انسان کی خدمت کے لئے حاضر اور مسخر ہیں۔ اور یہ مکان اس کے رہنے کے لئے ہے پس جس خدا نے یہ تمام نعمتیں پیدا کیں وہی قابل پرستش ہے جب ان نعمتوں کے پیدا کرنے میں اس کا کوئی شریک اور سہیم نہیں تو اس کی عبادت اور بندگی میں دوسروں کو کیوں شریک کرتے ہو۔

ابرو بادو مہ وخورشید و فلک درکارند
تاتو نانے بکف آری و بغفلت نخوری
ہمہ از بہر تو سرگشتہ و فرماں بردار
شرط انصاف نہ باشد کہ تو فرماں نبری

﴿معارف کاندھلویؒ﴾

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى
اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اتارا ہم نے
عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ
اپنے بندہ پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی

قرآن ....دلیلِ نبوت محمدی:

یہ بات گذر چکی ہے کہ اس کلام پاک میں شبہ کی وجہ یا یہ ہو سکتی تھی کہ اس کلام میں کوئی بات کھٹکے کی ہو سو اس کے دفعیہ کے لئے لَا رَيْبَ فِيْهِ فرما چکے ہیں اور یا یہ صورت ہو سکتی ہے کہ کسی کے دل میں اپنی کوتاہی فہم یا زیادت عناد سے شبہ پیدا ہو تو یہ صورت چونکہ ممکن بلکہ موجود تھی تو اس کے رفع کرنے کی عمدہ اور سہل صورت بیان فرما دی کہ اگر تم کو اس کلام کے کلام بشری ہونے کا خیال ہے تو تم بھی تو ایک سورت ایسی فصیح و بلیغ تین آیت کی مقدار بنا دیکھو اور جب تم باوجود کمال فصاحت و بلاغت چھوٹی سی سورت کے مقابلہ سے بھی

عاجز ہو جاؤ تو پھر سمجھ لو کہ یہ اللہ کا کلام ہے کسی بندہ کا نہیں، اس آیت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مدلل فرما دیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ریب: امام راغب اصفہانی نے فرمایا کہ درحقیقت ریب ایسے تردد اور وہم کو کہا جاتا ہے، جس کی بنیاد کوئی نہ ہو ذرا غور و تامل کرنے سے رفع ہو جائے اسی لئے قرآن کریم میں اہل علم سے ریب کی نفی کی گئی ہے اگر چہ وہ مسلمان نہ ہوں۔

اعجازِ قرآنی: قرآن کا ایک اعجاز تو یہ تھا کہ کوئی اس کے مثل نہیں لاسکتا دوسرا اعجاز یہ ہے کہ پہلے ہی پیشین گوئی کر دی گئی اور غیب کی خبر دیدی گئی کہ قیامت تک کوئی شخص اس کے مثل نہ لا سکے گا بحمد اللہ ساڑھے تیرہ سو برس گذر گئے اور کوئی شخص اس کے مثل نہ لا سکا بالفرض اگر کوئی قرآن کا معارضہ کرتا تو ضرور نقل ہوتا اس لئے کہ ہر زمانہ میں قرآن کے مخالفوں کا عدد ہمیشہ زیادہ رہا ہے اگر کسی نے قرآن کریم کا معارضہ کیا ہوتا تو اس کا مخفی رہنا ناممکن تھا۔

خلاصہ یہ کہ اگر تم اس کا مثل نہ لاسکو اور ہرگز نہ لاسکو گے تو پھر میری نبوت کی تصدیق کرو۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

رسالہ اعجاز القرآن

از: علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ

الحمدللّٰہ و کفی و سلام علی عبادہ الذین اصطفی

طلبہ کیلئے ضرورت:

امابعد! زمانہ کے حالات اس وقت مقتضی ہوئے کہ دارالعلوم دیوبند کے طلبہ کے لئے ایسی تقاریر کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے جن میں اسلام کے عام اصول و قواعد کی تحقیق اور قرآن کریم کی حکیمانہ تعلیم اور اس کی عظمت شان ظاہر کرنے والی حقائق زیادہ سے زیادہ واضح، معقول، اور دلنشین پیرایہ میں بیان کی جائیں اور طلبہ کی ایک جماعت کو اس قابل بنایا جائے کہ وہ یہاں سے جا کر اپنے ناواقف یا کم علم بھائیوں کے ایمان کی حفاظت اور منکرین یا مشککین پر خدا کی حجت تمام کر سکیں، اسی نیت سے اس ناچیز نے چند روز ہوئے کہ ایک سلسلہ بیانات کا شروع کیا۔

آریوں کا شور و غوغا:

اور چونکہ کچھ عرصہ سے آریوں کے شور و غوغا نے ملکی سطح میں تلاطم اور اسلامی حلقوں میں حمایت حق کا ہیجان پیدا کر رکھا ہے اس لئے ان بیانات میں خصوصیت سے آریہ سماج کے اصول و خیالات مرعی رہے ہیں تمام مباحث سے پہلے میں نے مناسب خیال کیا کہ قرآن کریم کے اعجاز اور کلام الٰہی ہونے کے متعلق ایک مبسوط اور مفصل تقریر کر دی جائے جس کے بعد ایک انصاف پرست اور طالب حق کے لئے یہ گنجائش باقی نہ رہے کہ وہ قرآن کریم کی عظمت و جلالت سے انکار کر سکے یا اس کی روشنی کے قبول کرنے سے روگردانی کرے اس بحث کے ضمن میں اور بھی کئی مفید اور اہم بحثیں آ گئی ہیں اور ایسا ہونا ناگزیر تھا۔

ترتیب مباحث:

اعجاز قرآن کی تحقیق اسی وقت حد تکمیل کو پہنچ سکتی تھی کہ اول اعجاز کی بحث ہو یعنی یہ کہ معجزہ کیا چیز ہے اس کی ضرورت کیا ہے اس کا وجود فطرۃً (یا نیچر) کے خلاف تو نہیں، وہ دلیل نبوۃ کس طرح بن جاتا ہے اور معجزہ جیسے فعلی ہوتا ہے قولی بھی ہوتا ہے؟ پھر یہ بتلانا ہوگا کہ وحی کیا چیز ہے اس کی ضرورت بندوں کو کیا ہے اس میں تدریج ہو سکتی ہے یا نہیں قرآن جسے ہم سب سے آخری وحی الٰہی اور کلام ربانی مانتے ہیں اس کو ہم کیوں معجزہ کہتے ہیں اور کس طرح کلام الٰہی اور وحی ربانی ماننے پر مجبور ہوئے ہیں؟ غرض یہ مضمون جب اپنے نزدیک مکمل ہو گیا اور بقدر کفایت اسکے سب اطراف و جوانب روشنی میں آ گئے تو بعض احباب کی قلم بند کی ہوئی یادداشتوں کو خاکسار نے ایک رسالہ کی صورت میں مرتب کر دیا تا کہ غائبین کے حق میں بھی اس کا نفع عام ہو اور مضمون چھپ کر ضیاع سے محفوظ ہو جائے۔ آئندہ بھی اگر خدا نے توفیق دی تو یہی صورت اختیار کی جائے گی۔

قارئین سے التماس:

جن لوگوں کو ان رسائل کے مطالعہ کا اتفاق ہو ان سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ رسالہ کو ایک تقریر کی صورت میں دیکھیں اور مہربانی فرما کر اول سے آخر تک پڑھ جائیں کیونکہ مضمون کا پورا لطف اور فائدہ اس کے بغیر حاصل نہ ہوگا بعض مضامین جو بہت ہی خشک فلسفیانہ ہوتے ہیں خواہ ان کو کتنا ہی سہل عبارت میں ادا کیا جائے لیکن عام لوگوں کو ان کے پڑھنے میں پوری دلچسپی نہیں ہو سکتی ایسے معرکۃ الآرا مسائل کی تحقیق میں ناظرین کو اس طرح کے بعض مضامین سے اکتانا نہیں چاہئے بلکہ مولف کو ان کے ترک نہ کر سکنے میں معذور خیال کیجئے اور ہمت کر کے پوری کتاب کو پڑھ جایئے آخر لکھنے والے کی محنت سے تو پڑھنے والے کی محنت زیادہ نہ ہوگی یہ ہی مضمون (اعجاز القرآن) جو آپ کے سامنے ہے اہل علم اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس کا ابتدائی حصہ کس قدر ضروری ہے جو کسی طرح حذف نہیں کیا جا سکتا تھا اور یہ کہ اس میں کتنے مشکل مسائل کو حل کیا گیا ہے۔

بنیادی اصول:

چونکہ اس رسالہ کا موضوع بحث اعجاز القرآن ہے اس لئے اولاً مجھے چند ایسے اصول مبادی کے طور پر بیان کرنا ضروری ہیں جو قرآن کی عظمت اور اعجاز کے سمجھنے میں مدد دینے والے ہوں۔ لہٰذا وہ اگرچہ آپ کے نزدیک فی الحال اصل مبحث سے بے تعلق ہوں مگر میں ان ہی سے اپنی تقریر کا آغاز کرتا ہوں۔ وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقِ.

اصل اول

''کیوں'' کا سوال:

''کیوں'' کا سوال کہیں نہ کہیں ختم کرنا ضروری ہے جو واقعات و حوادث پیش آتے ہیں ہر چیز پر یہ سوال کر سکتے ہیں کہ یہ کیوں ہوا مگر ہر شخص کو ناچار ایک جگہ پہنچ کر یہ سوال ختم کرنا پڑے گا۔

تشریح: مثلاً لکڑی آگ میں ڈال دی اور آگ نے اس کو جلا دیا تو سوال ہوسکتا ہے کہ آگ نے اس کو کیوں جلا دیا؟ پانی آگ پر بہایا تو سوال ہوسکتا ہے کہ پانی نے آگ کو کیوں بجھا دیا؟ کسی نے زہر کھایا اور مر گیا تو سوال ہوسکتا ہے کہ زہر نے اس کو کیوں مارا؟ آم کے درخت پر صرف آم ہی کیوں لگتا ہے؟ یہ سوالات وہاں بھی پیدا ہو سکتے ہیں جہاں آثار کا صدور ارادہ اور اختیار کے توسط سے نہ ہو جیسے آگ کا جلانا زہر کا مار ڈالنا آم کے درخت پر صرف آم ہی کا لگنا، آگ اور آم کے درخت اور زہر کے اختیار سے باہر ہے، لیکن اگر کہیں توسط ارادہ واختیار بھی ہو، تو وہاں یہ سوال اور بھی زیادہ واضح ہو جاتا ہے جیسے کوئی کافر اسلام لے آئے یا مسلمان مرتد ہو جائے والعیاذ باللہ منہ، تو سوال کر سکتے ہیں کہ اس نے ایسا کیوں کیا غرض کہ ہر چیز (کیوں) سوال کے تحت میں آسکتی ہے۔

کیوں کا جواب:

مگر دیکھنا یہ ہے کہ کیا کہیں کیوں کا سلسلہ بند بھی ہوتا ہے یا نہیں؟ آؤ اس کی تفتیش ہم کسی ملحد یا مادہ پرست کو سامنے رکھ کر کریں مثلاً ایک شخص طاعون کی بیماری سے فوت ہوا تو ہم دریافت کرتے ہیں کہ طاعون کیوں ہوا؟ جواب یہی ملے گا کہ زہریلے جراثیم کے پھیلنے سے پھر ہم دریافت کریں گے کہ جراثیم کیوں پھیلے کہا جائے گا کہ آب وہوا کی خرابی سے؟ بس ابھی ایک یا دو کیوں کا جواب دیکر کیوں کا سلسلہ بند ہو جائے گا اور سنیے آگ کیوں جلاتی ہے اس لئے کہ اس میں حرارت مفرطہ ہے حرارت مفرطہ آگ میں کیوں ہے آگے کیوں کا سلسلہ بند ہو گیا اور اگر ساری دنیا کے فلاسفہ اور حکماء بھی جمع ہو جائیں گے تو اس سے آگے کیوں کا جواب نہیں دے سکتے جو لوگ فاعل مختار کو چھوڑ کر صرف مادہ کے قائل ہو گئے ہیں ان سے اور بھی ایک دو باتیں دریافت کرو جن اجزائے مادہ سے آفتاب بن گیا ان سے چاند کیوں نہیں بنا جن ذرات سے چاند تکون ہوا ان سے بجائے چاند کے سورج کا تکون کیوں نہیں ہوا جن مواد سے تاروں کی کروی الشکل ہستیاں موجود ہوئیں ان مواد سے سنگریزے کیوں نہ بنے؟ جن اجزاء سے پاؤں کے تلوے بنائے گئے ان سے سر کی کھوپڑی کیوں نہ بنی۔ ہاتھی کی روح میں جو طاقت ہے کہ وہ بڑی بڑی قوی چیزوں کو مسل ڈالتا ہے وہ چیونٹی کی روح میں کیوں نہ آئی اور چیونٹی کی روح جو ذرا سے اشارے سے صفحہ ہستی سے رخصت ہو جاتی ہے اس قدر کمزور کیوں واقع ہوئی شیر کی روح نے اس قدر قوت کیوں پائی کہ وہ بڑے بڑے عظیم الجثہ حیوانات کو چیر پھاڑ کر ان کے پرخچے اڑا دیتا ہے مقناطیس صرف لوہے کو کیوں کھینچتا ہے گھاس کے تنکوں کو کیوں نہیں کھینچتا لوہا اسقدر بھاری اور روئی اتنی ہلکی کیوں ہے وقس علی ہذا غرض کہ ارواح کی قوتوں اور مادہ کی استعدادوں اور خواص میں اس قدر تفاوت کیوں ہے ان ہی چند مثالوں سے واضح ہو گیا کہ ہر چیز کی علت اور سبب کی تلاش اور کیوں کے جواب کا سلسلہ کوئی ہستی خواہ وہ خدا پرست ہو یا مادہ پرست ملحد ہو یا موحد زیادہ دور تک جاری نہیں رکھ سکتی بلکہ کسی نہ کسی درجہ پر یہ سلسلہ طوعاً وکرہاً خواہ مخواہ بند کرنا پڑے گا اور بند کرنے میں ملحد اور موحد دونوں برابر ہیں البتہ فرق اگر ہے تو بند کرنے کے طریقہ میں ہے مادہ پرست سوالات مذکورہ کے جواب میں کہے گا کہ مادہ میں جیسی استعداد تھی ویسی صورت قبول کر لی جب یہ سوال کرو گے کہ مادہ میں استعداد کیوں مختلف تھی جواب یہ دیں گے کہ آگے سوال نہیں ہوسکتا آم کے درخت پر آم کے متعلق یہ سنو گے کہ اس کی صورت نوعیہ کا اقتضاء یہ ہے اسی طرح سنکھیا کا مہلک ہونا بھی اس کی صورت نوعیہ پر محمول ہے دیکھو بڑے بڑے دہریہ جب وہ ہیولیٰ کی استعداد اور مادہ کی قابلیت اور صورت نوعیہ کے اقتضاء پر پہنچے تو آگے بڑھنے سے ان کی بلند پروازی رک گئی اسی طرح موحد کا حال ہے کہ وہ بھی ایک خاص حد پر پہنچ کر اپنی پرواز کو ختم کر دیتا ہے۔

کیوں کے بند کرنے میں ملحد اور موحد کا فرق

ملحد سے جب سوالات کرو گے تو وہ مادہ صورت نوعیہ یا روح کے خواص پر سوالات کو ختم کرے گا اور موحد کہے گا کہ جو چیزیں جن خواص وآثار کے ساتھ موجود ہیں اللہ جل جلالہ کے علم ازلی محیط میں ان کا اسی طرح ہونا

مناسب تھا۔ اگر مادہ پرست کہے کہ اللہ کے علم محیط میں یہ ہی کیوں مناسب تھا اس کا جواب یہ ہے کہ جب تم نے مادہ کی استعداد کے سامنے سر جھکا دیا تو اس میں کیا عیب ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کے علم کے سامنے سر جھکائیں؟

اگر تم صورت نوعیہ اور روح و مادہ کے سامنے سجدہ کر کے اور عاجز ہو کر سوالات کے سلسلہ کو بند کرنے کا حق رکھتے ہو تو ایک موحد کو کون روک سکتا ہے کہ وہ اپنے پیمانہ مبہم کو تنگ اور قوۃ ادراک کو علم الٰہی کے روبرو حقیر و ناچیز سمجھ کر اس خدائے قدوس و برتر کے سامنے سجدہ کرے جس کو زمین و آسمان کی ہر چیز سجدہ کرتی ہے جہاں تم نے سوال کا سلسلہ ختم کر دیا روح کی قوت اور مادہ کی استعداد پر وہاں میں کہوں گا کہ اس کو منتہی کر واللہ جل جلالہ کے علم محیط ازلی پر جس طرح مادہ اور روح کے خواص کو تم ازلی کہتے ہو جس میں ارادہ اور اختیار کو کوئی دخل نہیں اسی طرح خیال کر لو کہ اللہ تعالیٰ کا علم محیط بھی ہمارے نزدیک بلکہ تمام اہل ملل کے نزدیک ازلی ہے، خدا کو یہ اختیار نہیں کہ وہ علم کو ایک منٹ کے لئے اپنے سے جدا کر کے جاہل رہ جائے (معاذ اللہ) خلاصہ یہ اختیار نہیں رکھتا کہ وہ اپنے کو خدا نہ رہنے دے۔

(ترجمہ آیات) اور ہر چیز کی انتہا تیرے رب کی طرف سے اس کے کاموں کی نسبت سوال نہیں کیا جا سکتا ہاں بندوں سے باز پرس ہو سکتی ہے اور تم کو تو صرف ایک ذرا سا علم دیا گیا ہے پاک ہے تو (اے پروردگار) جس قدر تو نے بتلا دیا اس کے سوا ہم کچھ نہیں جانتے بیشک تو ہی ہے، جاننے والا اور حکمت والا ہے۔

وَفِی الْحَدِیْثِ الصَّحِیْحِ فَلْیَنْتَهِ وَ الْیَسْتَعِذْ بِا اللّٰهِ.

(جب خدا تک سوال کا سلسلہ پہنچے) تو چاہئے کہ آدمی رک جائے اور اللہ کی پناہ ڈھونڈے۔

قدرت اور عادت میں فرق

جو لوگ خدا کی ہستی اور اس کے وجود کے قائل ہیں ناچار ان کو تسلیم کرنا پڑا ہے کہ اللہ کی ایک قدرت ہے اور ایک ارادہ اور ایک اس کی عادت ہے اور یہ تینوں ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں، قدرت اور عادت میں بسا اوقات التباس ہو جاتا ہے۔ مثلاً عام طور پر ایسے امور کے متعلق جو سلسلہ اسباب و مسببات کے خلاف واقع ہوں کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے اور اہل الحاد اسی بہانہ سے بہت سے صحیح مسائل کو ماننے سے انکار کر دیتے ہیں حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ کہنا ہی غلط ہے کہ یہ امر قانون قدرت کے خلاف ہے یہ لوگ اس لفظ کا غلط استعمال کرتے ہیں اس وقت میرا روئے سخن دہریوں کی طرف نہیں آریوں کی طرف ہے اور آریہ بھی قانون قدرت کا لفظ بہت استعمال کیا کرتے ہیں لیکن خود بھی ''پرمیشور'' کو سرد شکیتمان (قادر مطلق) مانتے ہیں جیسا کہ ہم خدا کو قادر مطلق مانتے ہیں پس اگر وہ واقعی سرد شکیتمان قادر مطلق ہے تو اس کی قدرت میں یقیناً یہ داخل ہے کہ سبب کو بدوں مسبب کے اور مسبب کو بدوں سبب کے پیدا کر دے۔ مثلاً آگ موجود ہو مگر نہ جلاوے یا کوئی چیز جل جاوے مگر آگ موجود نہ ہو یا مثلاً ہم قادر مطلق کی عادت یہ دیکھتے ہیں کہ بچہ عورت کے رحم سے نکلتا ہے اور پھر بتدریج نشوونما پاتا ہے چنانچہ کسی نے نہیں دیکھا ہوگا کہ کوئی جوان انسان آسمان سے اترا ہو یا زمین سے اگ آیا ہو مگر اس عادۃ مستمرہ کے خلاف ماں کے رحم اور نطفہ کے توسط کے بدوں انسان کو پیدا کرنا بھی اس سرد شکیتمان کی قدرت میں داخل ہے کیونکہ ان کا مذہب یہ ہے کہ لیل ونہار کی طرح یہ عالم بھی فنا ہو کر پیدا ہوتا رہتا ہے اور جیسے رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات آتی ہے اسی طرح عالم کا سلسلہ فنا و بقا یکے بعد دیگرے جاری ہے اور عالم کے فنا کے زمانے کو وہ پرلے کا زمانہ کہتے ہیں اور اس وقت میں ان کے خیال کے موافق سارا عالم فنا ہو جاتا ہے اور سب کچھ مٹ مٹا کر خدا کی ذات میں سما جاتا ہے اور جیسا کہ رگوید میں تصریح ہے صرف پر برہم کی سامرتھ خدا کی قدرت باقی رہ جاتی ہے باقی سب کچھ نیست و نابود ہو جاتا ہے اور ایک مدت دراز تک اسی طرح عالم فنا میں پڑا رہتا ہے اس کے بعد نئے سرے سے پھر پیدا ہو جاتا ہے اب دنیا کا جو دور چل رہا ہے اس کا حساب سوامی دیانند نہ معلوم کس بہی کھاتہ سے لگا کر یہ کہا ہے کہ ایک ارب چھیانوے کروڑ کچھ لاکھ ہزار برس سے یہ دنیا موجود ہے اس سے پہلے غیر متناہی مرتبہ دنیا مٹی اور پیدا ہوتی چلی آئی ہے اور موجودہ دور بھی اپنے وقت پر جب خدا چاہے گا فنا ہو جائے گا، اس عقیدہ کا رد اس وقت بہت نہیں بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ جب دنیا پرلے کے بعد نئے سرے سے پیدا ہوتی ہے تو مختلف مخلوقات خصوصاً انسان کہاں سے آتے ہیں سوامی دیانند لکھتے ہیں کہ پرلے کے بعد جو انسان پیدا ہوتے ہیں ان کی پیدائش کی کیفیت متعارف طریقہ سے بالکل علیحدہ ہے یعنی ہزاروں انسان بغیر ماں باپ کے جوان محض خدا کی قدرت اور اس کے ارادہ سے بدوں متعارف سلسلہ اسباب طبعیہ کے بن جاتے ہیں اب جو مذہب یہ کہتا ہے وہ مذہب قطعاً یہ حق نہیں رکھتا کہ وہ اس کے بعد سرد شکیتمان کو اس ظاہری سلسلہ اسباب میں ایسا جکڑ بند کر دے کہ خواہ کیسی ہی حکمت اور مصلحت کا اقتضاء ہو مگر وہ ایک منٹ کے لئے ان اسباب کے سلسلہ سے الگ ہو کر کوئی

چھوٹے سے چھوٹا کام کرنے سے بھی مجبور اور عاجز ٹھہرے۔

جب ان کے اعتراف کے مطابق پرلے کے بعد اس عادت مستمرہ کے برخلاف غیر متناہی دفعہ ایسا ہو چکا ہے اور ہوتا رہے گا تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جو خدا اب سے ایک ارب سال پہلے پرلے کے بعد قادر تھا کہ بدوں ماں باپ کے انسان کو پیدا اور بدوں اسباب کے مسببات کو موجود کر دے اب اس کی قدرت کو کس چیز نے سلب کر دیا کہ ایک یا دو ارب سال کے بعد ایسا نہ کر سکے، معلوم ہوا کہ خرق عادت یعنی کبھی کبھی سلسلہ اسباب سے علیحدہ ہو کر محض وسیع قدرت کے اظہار کے طور پر کوئی کام ایسا کرنا اس کی قدرت کے خلاف نہیں ہاں عادت اور معمول کے خلاف ہوگا۔ لہٰذا اس کو قانون عادت کے خلاف کہنا صحیح ہو تو ہو مگر قانون قدرت کے خلاف قرار دینا اس لفظ کا غلط استعمال اور مغالطہ دینے والی تعبیر ہے مثلاً اہل اسلام کے عقیدہ کے موافق ابراہیم خلیل اللہ کو آگ میں ڈالا گیا اور وہ نہ جلے تو خدا کی اس عام عادت کے تو خلاف ہوا جو آگ کے متعلق ہے کہ وہ جلانے کا سبب ہے لیکن قدرت کے خلاف نہ ہوگا جس نے اس میں یہ خاصہ احراق ودیعت کیا ہے۔

آریوں کے چار رشیوں کے علاوہ کسی اور سے خدا کا ہمکلام ہونا قدرت کے خلاف نہیں البتہ عادت کے خلاف ہے

آریہ کہتے ہیں کہ ہر پرلے کے بعد چار ویدوں کا الہام چار معین اشخاص کو ہوتا ہے جن کے نام بھی لکھے ہیں وایو، اگنی، انگرا، ادیتہ کہا جاتا ہے کہ یہ چار رشی ہیں گو تاریخ ایسے ممتاز انسانوں کا کوئی پتہ نہیں دیتی اور نہ ان کی کوئی سوانح بتلا سکتی ہے بلکہ ان کو چار انسان بتانا بھی سوامی دیانند کی کوشش کا نتیجہ ہے جو ان ہی کے دائرہ اثر تک محدود ہے دوسرے بڑے بڑے فرقے ہنود کے اس کی تشریح دوسری طرح پر کرتے ہیں تاہم مجھے اس وقت اس سے بحث نہیں مجھے تو یہ کہنا ہے کہ آریہ سماج کے نزدیک ہر پرلے کے بعد ان ہی چار رشیوں پر چار ویدوں کا الہام جگ کی ابتدا میں ہوتا ہے بعد میں کوئی کتاب کسی پر نہیں اترتی اور ہر پرلے کے بعد وہی چار وید اترتے ہیں کہ جو پہلے اتر چکے ہیں ان میں بھی تغیر اور تبدل نہیں ہو سکتا میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ ان ہی چار رشیوں سے ابتدائے آفرینش میں کلام کرتا ہے اور کسی سے نہیں کرتا۔ گویا خدا کا بندوں سے ہم کلام ہونا اس کی عام عادت نہیں بلکہ خاص عادت ہے جو خاص زمانہ میں مخصوص بندوں کی نسبت ظاہر ہوتی ہے حالانکہ خدا اس سے مجبور اور عاجز نہیں کہ اگر وہ چاہے تو کسی اور سے بھی کسی وقت کلام کر لے تو مجھے اس وقت یہ کہنا ہے کہ خود آریوں کے اصول کے موافق بھی دو چیزیں الگ الگ ہوئیں ایک قدرت اور ایک عادت اور یہ کہ عادت کے خلاف کوئی کام کرنا بھی قدرت سے خارج نہیں ہے پس اسباب سے مسبب کا پیدا کرنا خدا کی عادت ہے اور بلا سبب کے مسبب بنا دینا قدرت کا کام ہے اسباب کا سارا سلسلہ قدرت کا بنایا ہوا ہے نہ یہ کہ قدرت اسباب کی بنائی ہوئی ہے اور اس لئے قدرت تو اسباب پر حاکم ہوگی لیکن اسباب معاذ اللہ قدرت کے پاؤں میں کوئی زنجیر نہیں ڈال سکتے قرآن کریم نے بھی قدرت اور عادت میں فرق کیا ہے۔

عادت اور قدرت میں فرق ہے اس کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص ہمیشہ عمامہ باندھنے کا عادی ہے یا کوئی ہمیشہ چاول کھاتا ہے یہ تو اس کی عادت ہوگی مگر باوجود اس کے بھی وہ ٹوپی اوڑھنے یا روٹی کھانے پر قادر ہے اسی کا نام قدرت ہے ہر انسان اپنے اندر اس بات کو پاتا ہے مثلاً لڑکا اپنے ناتوان باپ کو مار سکتا ہے یہ اس کی قدرت ہے مگر نہیں مارتا یہ اس کی عادت ہے۔

عادت عامہ و خاصہ

ہاں عادت میں بھی تفصیل ہے ایک عادت عام غیر موقت اور مستمر ہوتی ہے ایسی عادت سے ہر خاص و عام واقف ہو جاتا ہے اسی کو نقل کیا جاتا ہے مثلاً ایک طالب علم مدرسہ میں داخل ہوا اور اساتذہ کی عام عادت دیکھی تو وہ یہاں سے جا کر اسی عادت کو نقل کرے گا جو مدت قیام میں روز مرہ مشاہدہ کرتا رہا ہے دوسری عادت موقت یعنی خاص وقت کے ساتھ مخصوص ہوتی ہے اس کو عادت خاصہ کہنا چاہیے مثلاً کوئی ہمیشہ روٹی کھاتا ہے مگر عید کے روز ہمیشہ چاول کھایا کرتا ہے پس جس شخص نے اس کو عید کے روز چاول کھاتے نہ دیکھا ہو وہ کہے گا کہ چاول کھانا اس کی عادت نہیں مگر جس نے دس بیس مرتبہ عید کی عادت بھی دیکھی ہے وہ کہے گا کہ روٹی کی طرح چاول کھانا بھی اس کی عادت میں داخل ہے ایک عام مستمر عادت ہے دوسری خاص موقت دونوں اپنے اپنے خیال اور تجربہ کے موافق درست کہتے ہیں مگر دوسرے کا کہنا مطابق واقعہ ہے اس لئے کہ اس کو اس شخص کے تمام زمانے پر نظر ہے وہ جیسا عادت عامہ سے واقف ہے ویسا ہی عادت خاصہ سے بھی آگاہ ہے یاد رکھو جس کا نام ہم معجزہ رکھتے ہیں وہ بھی ایک فعل اللہ تعالیٰ کا ہے جو اس کی عام عادت کے گو خلاف ہو مگر عادت خاصہ کے خلاف نہیں ہوتا بلکہ اس کے مطابق اور موافق ہوتا ہے کیونکہ خاص خاص اوقات اور خاص خاص مصلحتوں کے وقت عام عادت

کے توسط کو چھوڑ کر محض قدرت سے خوارق اور معجزات کا ظاہر کرنا یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص عادت ہے مثلاً ایک آدمی کو ہم نہایت متحمل مزاج حلیم الطبع سمجھتے ہیں کہ ہزار گالیاں سننے پر بھی غصہ نہیں آتا مگر اس کی طبیعت میں یہ بھی ہے کہ مذہب پر اگر کوئی حملہ کردے تو باوجود اس قدر بردباری کے غصہ سے بیتاب ہو کر آپے سے باہر ہو جاتا ہے کیا اس کی عادت نہیں سمجھی جائے گی اللہ تعالیٰ کی عام عادت ہے کہ اسباب سے مسببات کو پیدا کرتا ہے لیکن یہ بھی اس کی عادت ہے کہ جب اپنے مقربین انبیاء کرام کی تصدیق کرانا ہوتی ہے تو ان کے ہاتھوں پر وہ علامات ظاہر کرتا ہے جس سے لوگ سمجھیں کہ بیشک یہ اس کے مقربین اور معتمد خاص ہیں جن کے دعویٰ کی تصدیق کے لئے وہ خلاف معمول چیزیں پیش کر کے ساری مخلوقات کو اس کی مثل لانے سے عاجز کر دیتا ہے اور یہی ہونا بھی چاہیئے عقل اور فطرۃ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ خدا اپنے خاص بندوں کے ساتھ وہ معاملہ کرے جو دوسروں سے نہ کرے کیا ایک گاؤں کے مکھیا یا نمبردار کے کہنے سے وائسرائے وہ کام کرسکتا ہے جو کہ ایک صوبہ کے گورنر کے کہنے سے کرتا ہے؟ ماں، باپ، بیوی، احباب، اقارب، حکام، رعایا غرض ہر ایک کے ساتھ انسان کا معاملہ اور اس کی عادت جداگانہ ہوتی ہے جو ثابت کرتی ہے کہ یہ حاکم ہے یہ محکوم ہے اور یہ باپ ہے اور یہ لاڈلا بیٹا ہے بسا اوقات جو بے تکلفی یا خلاف طبع امور کا تحمل آدمی اپنے مخلصوں اور دوستوں کی رعایت سے کر لیتا ہے وہ ہرگز ساری دنیا کے دباؤ سے نہیں کرسکتا ایک استاد کا خاص خاص شاگردوں کے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ تمام طلبہ سے مستثنیٰ ہوتا ہے ان سب چیزوں میں عام عادت سے علیحدہ معاملہ کرنا ہی قرین قیاس اور عقل وفطرت کے موافق ہے تا کہ قریب کا قریب اور بعید کا بعید ہونا لوگوں پر واضح ہو جائے اس امر کو ملحوظ رکھ کر میں یہ کہتا ہوں کہ معجزہ فطرۃ کا مقتضاء ہے اس کے مخالف کیونکر ہوسکتا ہے بلکہ اگر معجزات ظاہر نہ ہوں تو یہ حکمت کے خلاف ہوگا۔ سفاہت ہوگی

"گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی"

جو لوگ خدا کے یہاں وجیہ ہیں، اپنی جان، اپنی آبرو، ہتھیلی پر رکھ کر خدا کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اور خدا ہی ان سے یہ دعویٰ کراتا ہے کہ آج تمہاری سب کی نجات میرے اتباع میں منحصر ہے ضرورت ہے کہ ان کی وجہ سے عام عادت سے بالاتر کارنامے خدا کی قدرت کے ظاہر ہوں جو کہ تمام دنیا کو اپنی نظیر پیش کرنے سے تھکا دیں اور تمام مخلوق کو عاجز کر دیں یہی معنی ہیں معجزہ کے یاد رکھیئے کہ معجزہ خدا کا فعل ہوتا ہے اس کو نبی کا فعل سمجھنا سخت غلطی ہے۔

معجزہ خدا کا فعل اور اس کی خاص عادت

معجزہ قانون عادت عامہ کے خلاف اور عادت خاصہ کے موافق اللہ کا ایک فعل ہے جو کہ تمام مخلوق کو تھکا دینے اور عاجز کردینے والا ہوتا ہے تا کہ اللہ تعالیٰ سچے مدعی نبوت کا وہ رتبہ تمام جہان پر واضح کردے جو کہ اس کے یہاں اس کو حاصل ہے اور یہی حکمت کا اقتضاء بھی ہے کیا میں اپنے بیٹے کے ساتھ جو عادت برتوں گا وہی ایک عامی آدمی کے ساتھ بھی کروں گا؟ نہیں بلکہ جیسے تعلقات ہوتے ہیں ویسا ہی معاملہ ہوتا ہے پس ضروری ہے کہ اللہ کے ساتھ بھی جن کا جیسا تعلق ہو ویسا ہی ادھر سے معاملہ اور برتاؤ بھی ہو یہی معجزہ کی حقیقت ہے جس سے آج کل کے مادہ پرستوں کو اسقدر گھبرانے اور وحشت کھانے کی ضرورت نہیں۔

ہم نے خدا کو اس کے کاموں سے بچانا

اس کے بعد ہمیں سوچنا چاہیے کہ وہ کیا چیز ہے جس نے ہم کو خدا کے ماننے پر مجبور کیا؟

جواب: سو یہ بات ظاہر ہے کہ جب ہم کونا نے میں مختلف افعال و آثار دیکھتے ہیں تو بعض ان میں سے ایسے ہیں کہ چھت گری اور اس کے نیچے کوئی دب کر مر گیا۔ بجلی گری اور کوئی شخص جل گیا اور بعض ایسے ہیں جن کو کسی سبب کی طرف منسوب نہیں کر سکتے جیسے کسی پر بجلی گری مگر نہیں مرا یا چھت گری مگر وہ زندہ نکلا اس قسم کے واقعات کو کسی چیز پر محمول نہیں کرتے بلکہ کہتے ہیں کہ محض خدا کی قدرت سے ایسا ہوا کیونکہ یہاں بظاہر اسباب کا سلسلہ اسی واقعہ کے مخالف تھا۔ چاند سورج کو گہن لگتا ہے اس کا سبب بیان کیا جاتا ہے بارش برستی ہے اس کا سبب بیان کرتے ہیں لیکن اسباب کا سلسلہ ضرور کہیں نہ کہیں مجبوراً بند کیا جاتا ہے اور وہاں پہنچ کر اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ یہ چیزیں قدرتی ہیں غرض قدرتی چیزیں وہ کہلاتی ہیں جن کا بنانا تمام مخلوق کی قدرت سے باہر ہو اور جس کو دیکھ کر لامحالہ ایک قادر مطلق کا اقرار کرنا پڑتا ہے اسی لئے حق تعالیٰ نے ایسی اشیاء کے وجود سے اپنے وجود پر استدلال فرمایا ہے قرآن عزیز میں فرماتے ہیں

آیات کا ترجمہ: بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات دن کے ادل بدل میں اور جہازوں میں جو لوگوں کے فائدہ کی چیزیں (مال تجارت وغیرہ) سمندروں میں لے کر چلتے ہیں اور مینہ جو اللہ آسمان سے برساتا پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو اس کے مرے پیچھے دوبارہ زندہ کرتا ہے اور ہر قسم کے جانوروں میں جو خدا نے روئے زمین پر

پھیلا رکھے ہیں اور ہواؤں کے ادھر سے ادھر اور ادھر سے ادھر پھیرنے میں اور بادلوں میں جو خدا کے حکم سے آسمان و زمین کے درمیان گھرے رہتے ہیں (غرض ان سب چیزوں میں، ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں بہترین نشانیاں موجود ہیں)

آسمان اور جو سیارات اس میں ہیں جیسے چاند سورج وغیرہ ان سب کا وجود قدرتی ہے ان کی پیدائش کو کسی مخلوق کا فعل نہیں کہہ سکتے کیونکہ دنیا کی کوئی طاقت اس کے مثل بنانے کا حوصلہ نہیں کرسکتی زمین ہے کہ جس سے ہر قسم کی غذائیں اور رنگ برنگ کے پھول پھل نکلتے ہیں کسی کی طاقت نہیں کہ ایک ٹکڑہ اس جیسی زمین کا بنادے سورج ایک معین اور مضبوط نظام کے ماتحت ہمیشہ دن کو نکلتا ہے شام کو غروب ہوجاتا ہے کسی کی کیا طاقت ہے کہ اس کو ایک منٹ یا ایک سیکنڈ کے لئے روک لے ہوا ہے کہ اس پر کسی کا قابو نہیں انسان چاہتا ہے کہ پچھوا چلے مگر پروا چلتی ہے سارا جہاں مل کر پانچ منٹ کے لئے بھی پچھوا نہیں چلا سکتا پانی کے بھرے ہوئے بادل کڑکتے اور گرجتے ہوئے نکل جاتے ہیں مگر کسی کو اختیار نہیں کہ بارش حاصل کرسکے زمین و آسمان کے درمیان بادل لٹکا ہوا ہے کسی کی طاقت نہیں کہ دو قطرے لے سکے اور جب برستا ہے تو کسی کی قدرت نہیں کہ روک سکے جب ان امور کو انسان دیکھتا ہے اور عاجز ہوجاتا ہے تو قدرت کو ماننا پڑتا ہے طوفان خیز سمندر میں جہازوں کا چلنا ہواؤں کا ادل بدل یہ سب چیزیں کسی کے قبضہ میں نہیں۔

ترجمہ: اور سورج ہے چلا جارہا ہے اپنے ٹھکانے کی طرف یہ اندازہ ہے زبردست حکیم کا باندھا ہوا اور چاند ہے کہ مقرر کردی ہیں ہم نے اس کی منزلیں یہاں تک کہ پھر لوٹ کر رہ جاتا ہے کھجور کی پرانی ٹہنی کی طرح نہ تو سورج کو یہ لائق ہے کہ وہ جا پکڑے چاند کو اور نہ رات کی مجال ہے کہ وہ آجائے دن ختم ہونے سے پہلے اور ہر سیارہ بڑا اپنے مدار میں گردش کررہا ہے۔

یہ سب اس لئے ذکر کیا گیا کہ آپ سمجھ لیں کہ خدائی کام اور انسانی کاموں میں کس طرح تمیز ہوتی ہے خدائی کام وہ کہلاتا ہے کہ اس جیسا کرنے سے سب مخلوق عاجز ہو ازل وابد کے انسانوں کو بلاؤ لیکن کوئی نہ کرسکے یہی استدلال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی کیا تھا پہلے حیات اور ممات کے متعلق سوال کیا جب اس میں مخاطب (نمرود) کی عبادت دیکھی تو فرمایا:

ترجمہ: ''میرا رب ایک قاعدہ سے ایک ضابطہ سے شمس کو چلاتا ہے خدائی کام وہ کہلاتا ہے کہ دنیا میں کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکے۔

خدائی کام کی طرح خدائی کلام کو بھی سمجھنا چاہئے

ٹھیک اسی طرح خدائی کلام وہ ہے کہ ساری دنیا اس جیسا کلام بنانے سے عاجز اور درماندہ ہو ساری دنیا کو للکارا جائے غیرتیں دلائی جائیں مقابلہ کے لئے کھڑا کیا جائے اور لوگ چاہیں کہ کسی طرح یہ روشنی بجھ جائے مگر پھر بھی ویسا کلام بنا کر نہ لاسکیں تو ہم سمجھیں گے کہ یہ خدا کا کلام ہے خلاصہ یہ ہے کہ جس طرح خدائی کاموں کو بندوں کے کاموں سے الگ کرکے پہچان سکتے ہیں کیونکہ ان دونوں میں بین اور واضح فرق ہوتا ہے گلاب خدا کا بنایا ہوا ہے اب تم بھی کاغذ کے پھول بناتے ہو مگر تمہارے پھول پر پانی کا ایک چھینٹا پڑجاتا ہے تو آپ کی صنعت کا سارا پول کھل جاتا ہے لیکن قدرتی پھول پر پانی گرتا ہے تو اس میں اور زیادہ صفائی اور تازگی محسوس ہوتی ہے۔

بلاشبہ خدائی کام اور بندوں کے کام میں نمایاں امتیاز ہوتا ہے خدائی کام کی نقل بندہ اتارتا ہے لیکن عاقل کو کبھی التباس بھی نہیں ہوسکتا انسان جانداروں درختوں پھولوں کی تصویر کھینچ لیتا ہے مگر ایک مچھلی کی آنکھ ایک مکھی کا پر ایک مچھر کی ٹانگ بلکہ ایک جو کا دانہ تمام عالم مل کر بھی نہیں بنا سکتا لاکھوں مجسمے کروڑوں بیل بوٹے دنیا کے صناع بناتے ہیں مگر مچھر کا ایک پر بنانے سے بالکل عاجز ہیں۔

معجزہ کوئی فن نہیں ہے:

پس تنجیم کہانت مسمریزم سحر شعبدہ کی طرح معجزہ کوئی فن نہیں ہے جو کہ تعلیم و تعلم سے حاصل ہوتا ہو یہ فنون سیکھنے سکھانے سے حاصل ہوسکتے ہیں لیکن معجزہ میں نہ تعلیم و تعلم ہے نہ انبیاء کا کچھ اختیار اس میں چلتا ہے نہ معجزہ صادر کرنے کا کوئی خاص ضابطہ اور قاعدہ ان کو معلوم ہے کہ جب چاہیں ویسا ہی عمل کرکے ویسا ہی معجزہ دکھلا دیا کریں بلکہ جس طرح ہم قلم لے کر لکھتے ہیں اور بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ قلم لکھتا ہے اور فی الحقیقت اس کو لکھنے میں کوئی اختیار نہیں ہوتا یہی صورت معجزہ کی بھی ہے ایسا نہیں کہ انبیاء جس وقت چاہیں مثلاً انگلیوں سے پانی کے چشمے جاری کرسکیں بلکہ جس وقت اللہ کی حکمت بالغہ مقتضی ہوتی ہے تو جاری ہوسکتی ہیں برخلاف ان فنون کے جو تعلیم و تعلم سے حاصل کئے جاتے ہیں ان میں جس وقت چاہیں قواعد مقررہ اور خاص خاص اعمال کی پابندی سے یکساں نتائج اور ایک ہی طرح کے آثار و کیفیات دکھلائے جاسکتے ہیں مگر آج تک مدعیان نبوت و اعجاز کی طرف سے کوئی درسگاہ معجزہ سیکھنے سکھانے کی نہ بنی نہ کوئی قاعدہ اور ضابطہ ممہد ہوا نہ کوئی کتاب تنجیم مسمریزم کی طرح معجزات سکھانے والی تصنیف کی گئی بلکہ وہ خدا کا فعل ہے جو تمام دنیا کو تھکا دیتا ہے اگر وہ فعل ہے تو اس جیسے فعل سے دنیا عاجز ہے اور اگر اقوال میں سے ہے تو اس جیسے کلام سے تمام دنیا کے بولنے والے مجبور

اور در ماندہ ہیں رسول کے اختیار یا قدرت کو بھی اس میں کوئی دخل نہیں۔

معجزہ کچھ ایسے حالات کیساتھ آتا ہے کہ اس میں شبہ کی گنجائش نہ رہے

جب موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو دعوت دی اور معجزہ دکھلانے کے لئے عصا ڈالا اور وہ اژدہا بن گیا اس کا جواب دینے کے لئے فرعون نے بڑے بڑے ساحروں کو جمع کیا اور وہ بھی موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں اپنی لاٹھیاں اور رسیاں لے کر پہنچ گئے وہ سمجھے ہوئے تھے کہ موسیٰ بھی ہمارے ہم پیشہ ساحر ہیں اس لئے کہا:

ترجمہ: تم پہلے ڈالو گے یا ہم مگر موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پھینکو۔ جب انہوں نے اپنی لاٹھیاں اور رسیاں پھینکیں اور وہ چلتے ہوئے سانپ نظر آنے لگے تو (فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُّوسَىٰ) موسیٰ اپنے دل میں ڈرے حالانکہ اگر وہ بھی پیشہ ور ساحر ہوتے تو ڈر کی کوئی وجہ نہ تھی۔ شیخ اکبرؒ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر یہ خوف کیوں طاری ہوا، اور کیوں طاری کیا گیا یعنی خوف کا منشا کیا تھا اور اس کے طاری کئے جانے میں کیا حکمت تھی؟ اگر یہ کہا جائے کہ سانپوں کی صورت دیکھ کر ڈر گئے موسیٰ جیسے پیغمبر کو ان لاٹھیوں سے کوئی خوف نہیں ہوسکتا تھا۔ خصوصاً جب کہ اس نوعیت کے اعلیٰ خوارق کا تجربہ بھی دو مرتبہ کر چکے تھے پہاڑ پر جو واقعہ القائے عصا کا ہوا تھا اس پر لاتخف سن چکے تھے کیونکہ وہاں بھی خائف ہوئے تھے۔

(وَلَّىٰ مُدْبِرًا وَلَمْ يُعَقِّبْ) اور اللہ نے وہیں ڈر اور خوف نکال دیا تھا۔

ترجمہ: اے موسیٰ ڈرومت یہاں انبیاء ڈرا نہیں کرتے۔

پھر دوسری مرتبہ فرعون کے سامنے بھی لاٹھی ڈال کر دیکھ چکے تھے شیخ فرماتے ہیں کہ پہلی دفعہ پہاڑ پر بشری خوف تھا جو کہ وہیں نکل چکا تھا اب جو دوسری دفعہ طاری ہوا یہ اس وجہ سے کہ موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ میرے ہاتھ میں کوئی طاقت نہیں کوئی قدرت نہیں کہیں ساحرین کی اس شعبدہ بازی کے سامنے حق کا کلمہ پست نہ ہو اور بیوقوف لوگ فتنہ میں نہ پڑ جائیں۔ چنانچہ جواب میں ارشاد ہوا:

ترجمہ: ڈرومت تم ہی اونچے ہو کر رہو گے۔

یہ تو خوف کا منشا تھا اب اس کی حکمت فرماتے ہیں کہ جب ڈر گئے اور ڈرے ہوئے آدمی پر خوف اور گھبراہٹ کے جو آثار ہویدا ہوتے ہیں ان کو محسوس کر کے ساحرین سمجھے کہ یہ ہمارے پیشہ کا آدمی ہرگز نہیں یا کم از کم اس کو کوئی ایسا ساحرانہ عمل معلوم نہیں جس سے یہ ہمارے مقابلہ میں اپنے قلب کو مطمئن رکھ سکے اب جو موسیٰ نے اپنا عصا ڈالا جو باذن اللہ ان تمام جادو کے سانپوں کو نگل گیا تو ساحرین نے یقین کر لیا کہ یہ سحر سے بالاتر کوئی اور حقیقت ہے وہ سب بے اختیار سجدہ میں گر پڑے اور چلا اٹھے کہ ہم بھی موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر ایمان لاتے ہیں فرعون نے بہت کچھ دھمکیاں دیں اور خوفزدہ کرنا چاہا مگر ان کا جواب صرف یہ تھا کہ۔

ترجمہ: جو کچھ تجھے فیصلہ کرنا ہے کر گزر تو اس سے زیادہ نہیں کہ صرف اسی دنیا کی (چند روزہ) زندگی کا فیصلہ کر سکتا ہے ہم تو اپنے حی لا یموت پروردگار پر ایمان لا چکے ہیں تاکہ وہ ہماری خطائیں اور ان ساحرانہ حرکتوں کو معاف فرمائے جو تم نے ہم سے زبردستی کرائیں اور اللہ سب سے بہتر ہے اور ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

اور جو لوگ ایسی آیات بینات کو دیکھ کر بھی راہ حق پر نہ آئے ان کا بھی حال یہ تھا۔

ترجمہ: انہوں نے ہماری آیات کا انکار کیا ظلم سے زیادتی سے حالانکہ ان کے دلوں کو (سچائی کا) پورا پورا یقین حاصل تھا۔

خود فرعون کو خطاب کر کے حضرت موسیٰ فرماتے ہیں۔

ترجمہ: تو خوب جانتا ہے کہ یہ آیات آسمان و زمین کے پروردگار کے سوا کسی نے نہیں اتاری اور فرعون بیشک میں تجھے سمجھتا ہوں کہ تو اس علم کے باوجود ہلاکت میں گر چکا ہے۔

معجزہ میں دعویٰ نبوت کی شرط کیوں لگائی گئی

معجزہ میں دعویٰ کی شرط بھی کی گئی ہے یعنی نبوت کا دعویٰ بھی کرے اس کی وجہ یہ ہے کہ سب فرقے مانتے ہیں کہ خدا سب سے زیادہ سچا ہے (وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا) اور جھوٹ کے نقص سے اس کی ذات پاک ہے تو میں کہتا ہوں کہ جھوٹ بھی تو اس طرح ہوتا ہے کہ ایک شخص خود خلاف واقع بات کہے اور کبھی اس طرح کہ جھوٹی بات جو دوسرے نے کہی ہے اس کی تصدیق کر دے پھر تصدیق بھی دو طرح سے ہوتی ہے کبھی زبان سے کبھی عمل سے اور یہ عملی تصدیق بسا اوقات قولی تصدیق سے بڑھ کر موثر ہوتی ہے جیسے ایک شخص بادشاہ کی مجلس میں یہ کہتا ہے کہ بادشاہ کو میرے ساتھ خاص الفت یا رعایت ہے میں اس کا معتمد خاص ہوں جو میں کہوں گا بادشاہ ضرور تسلیم کرے گا اور یہ اس کے دعاوی بادشاہ مجلس میں خود سن رہا ہوں اس کے بعد وہ شخص اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لئے بادشاہ سے کہتا ہے کہ فلاں شخص کو خط لکھ دیجئے فلاں حاکم کو معزول کر دیجئے فلاں امیدوار کو عہدہ دیدیجئے پھر کہتا ہے کہ آپ ذرا کھڑے ہو جائیے پھر کہتا ہے کہ آپ بیٹھ جائیے اور بادشاہ بھی

از راہ مہربانی اپنے عام ضابطہ اور عادت کے خلاف اس کے کہنے کے موافق کرتا چلا جاتا ہے اس صورت میں ظاہر ہے کہ بادشاہ نے اس کی قول کی عملی تصدیق کر دی جو کہ قولی تصدیق سے بہت بڑھ چڑھ کر ہے، اگر بادشاہ قول سے تصدیق کرتا تو شاید اتنا موثر نہ ہوتا اتنی بات اس مثال میں ضرور ہے کہ بادشاہ ایک انسان ہے وہ جھوٹی تصدیق بھی کر سکتا ہے مگر اللہ جل شانہ کے یہاں جھوٹ اور کذب کی قطعاً گنجائش نہیں ہے۔

معجزہ نبوت کی فعلی تصدیق ہے

پس جو نبی دعویٰ کرتا ہے کہ میں نبی ہوں، اگر میری بات سنو گے مانو گے تو نجات ہے ورنہ عذاب مخلد میں گرفتار ہو جاؤ گے

نجات کا راستہ منحصر ہے میری متابعت میں اور یہ دعویٰ اللہ کے سامنے کرتا ہے۔ اللہ کی زمین پر اور اس کے آسمان کے نیچے باواز بلند کہتا ہے کہ میری متابعت کے بغیر کوئی راستہ نجات کا نہیں ہے اور اس کی یہ دلیل پیش کرتا ہے کہ اللہ جل شانہ میرے ہاتھوں اور زبان سے وہ چیزیں ظاہر فرمائے گا جو اس کی عام عادت کے خلاف ہوں گی اور دنیا ان کی مثال لانے سے عاجز ہوگی پھر اس کے موافق مشاہدہ بھی کیا جا رہا ہو تو یہ خدا کی جانب سے عملاً اس کے دعویٰ کی تصدیق ہے درحقیقت معجزہ نبی کے دعویٰ کی عملی تصدیق ہوتی ہے اور اللہ چونکہ جھوٹی تصدیق نہیں کر سکتا لہذا نبی کا دعویٰ معجزہ کے ظہور کے بعد سچا ثابت ہو جاتا ہے اسی لئے ہم بلا خوف تردید یہ یقین رکھتے ہیں کہ خداوند قدوس جو کہ تمام سچائیوں کا سرچشمہ ہے کسی انسان کو یہ دسترس نہ دے گا کہ وہ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کر کے ایسے خوارق عادات دکھلائے کہ دنیا اس کے مقابلہ سے عاجز ٹھہرے جس کا جی چاہے اب بھی اس ضابطہ کا امتحان کر دیکھے ضرور ہے کہ خدا ایسے حالات بروئے کار لائے گا کہ اس کی طرف سے جھوٹے کی عملی تصدیق نہ ہونے پائے۔

فعلی تصدیق کی مثال

آپ جلسوں میں دیکھتے ہیں اور کونسلوں اور پارلیمنٹوں کا حال سنتے ہیں کہ جب کسی مسئلہ پر کسی تجویز پر کسی انتخاب پر بحث ہو جاتی ہے تو ایک طرف سے محرک اپنی تحریک پاس کرانے کے لئے حضار کے سامنے بسط سے دلائل بیان کرتا ہے اور دوسری طرف تردید کرنے والا اس کے تردیدی دلائل مفصلاً سامنے رکھتا ہے اس ردوکد کے بعد فیصلہ کی صورت یہ ہوتی ہے کہ رائے لی جائے جس کی صورت یہ ہے کہ ہاتھ اٹھوائے جاتے ہیں اور یہی ہاتھ اٹھا دینا یا نہ اٹھانا اس ریزولیوشن کی تصدیق وتائید یا تکذیب وتردید کے لئے کافی سمجھا جاتا ہے زبان ہلانے کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی ایک شخص کی نسبت پبلک جلسہ میں رائے لی جاتی ہے کہ آیا اس پر جمہور کو اعتماد ہے؟ اس پر ہاتھ اٹھا دیئے جاتے ہیں یہ ہی علامت ہوتی ہے اس بات کی کہ ان سب کی رائے اس شخص کے حق میں ہے ہم دن رات میں سینکڑوں دفعہ اپنے ہاتھ اوپر کو اٹھائیں اس کو کسی چیز کے ثابت کرنے یا نہ کرنے میں کوئی دخل نہیں لیکن یہی ہمارا ہاتھوں کی وضع طبعی اور ہیئت اصلی کے خلاف اوپر کو اٹھا دینا جب کسی ریزولیوشن کی تسلیم وانکار یا کسی دعویٰ کی صحت و بطلان کی آزمائش کے موقعہ پر ہو تو کسی غبی سے غبی انسان کو بھی شک وشبہ کی گنجائش نہیں رہتی اس وقت ان کھڑے ہوئے ہاتھوں ہی کے شمار سے رایوں کا شمار کر لیا جاتا ہے اور پھر بڑے نازک اور عظیم الشان مسائل کے فیصلے ہاتھ کی اس غیر طبعی حرکت پر پہنچوں و چرا ہو جاتے ہیں پس جس طرح ہاتھوں کا نیچے لٹکائے رکھنا آدمی کی عام عادت اور وضع طبعی کے موافق ہے اور اوپر کو اٹھانا کبھی کبھی خاص ضرورت اور مصلحت سے ہوتا ہے اور یہی غیر طبعی وضع جب کسی ریزولیوشن پر ووٹ لینے کے وقت اختیار کی جائے تو اس ریزولیوشن یا دعویٰ کی بیشک وشبہ تصدیق وتائید سمجھی جاتی ہے ٹھیک اسی طرح حق تعالیٰ شانہ کا جو فعل سنن طبیعیہ کے سلسلہ میں ظہور پذیر ہو وہ اس کی عام سنت اور عادت کہلاتی ہے اور جو اسباب سے علیحدہ ہو کر کسی خاص مصلحت اور حکمت کے اقتضاء سے ظاہر ہو وہ خرق عادت ہے اور یہی خرق عادت جب کسی شخص کے دعوی نبوۃ اور تحدی کے بعد اس سے یا اس کے کہنے کے موافق صادر ہو یہ معجزہ ہے جو کہ من اللہ اس کے دعویٰ کی فعلی تصدیق ہے اور میں کہہ چکا ہوں کہ حق تعالیٰ کسی جھوٹے کی قولاً یا فعلاً تصدیق نہیں کر سکتا لہذا ہم کو ایسے مدعی کے دعوے میں شک کرنے کا کوئی حق نہیں۔

وحی کی تعریف اور ضرورت

اللہ تعالیٰ کا خطاب کسی ایسے شخص سے جس کے دعویٰ نبوت کی تکذیب کے لئے کوئی صحیح علامت نہ پائی جاتی ہو اس کا نام وحی ہے، وحی اصولی طور پر قریب قریب یکساں ہے یعنی نفس فعل میں کوئی اختلاف نہیں، البتہ کلی مشکک کے طور پر وحی کے مراتب اور درجات ہیں جب سے دنیا پیدا کی گئی اس وقت سے بندوں کو ہدایت کی ضرورت ہے یعنی انسان میں یہ معلوم کرنے کی ایک طبعی اور فطری خواہش ہے کہ کن خیالات اور اعمال سے اس کو اللہ کا قرب حاصل ہو سکتا ہے جیسے کہ انسان کو بھوک لگتی ہے غذا کی خواہش میں مضطرب اور بیتاب ہو کر انتڑیاں سکڑنے لگتی ہیں پیاس لگتی ہے پانی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے زبان سوکھ جاتی ہے جس طرح حق تعالیٰ نے فطری طور پر بندہ کو

بھوک یا پیاس لگائی اسی طرح ایک اور بھوک اور پیاس روحانی بھی لگادی ہے جو وصول الی اللہ اور معرفت کی ہے اور یہ پیاس اور بھوک بھی فطری ہے مذاہب اور امکنہ وازمنہ کا اختلاف اس فطرۃ پر کوئی اثر نہیں ڈال سکا مسلمان آریہ، ہندو، عیسائی، یہود، مجوس ایک چیز کی تلاش میں ہیں البتہ بعضوں کا راستہ غلط ہے مگر مقصد ایک ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت کی خواہش، سچائی کی تلاش، وصول الی اللہ، معرفت ربانی اور اللہ سے نزدیک ہونے کی تمنا ایک چیز ہے جو کہ انسان کے لئے فطری اور طبعی امور میں سے ہے۔

وحی کی ضرورت سے انکار کرنیوالوں کی مثال

ہاں جب کبھی جیسا کہ آدمی بیمار ہو جاتا ہے تو بھوک پیاس جیسے فطری اور طبعی امور بھی اس سے کنارہ کر لیتے ہیں ٹھیک اسی طرح وہ ملاحدہ جو کہ دنیا کی زندگی اور لذات میں محو ہو چکے ہیں شاید ان کو معرفت الٰہی کی بھوک اور روحانی پیاس نہیں رہتی ہے اور اسی لئے ایسے روحانی بیماروں کا وجود کسی خاص زمانہ یا مکان میں ایسی وبا کی کثرت ہماری فطری ہونے کے دعویٰ کو مخدوش نہیں کر سکتی۔

وحی کی طرف انسان کی احتیاج ضروری ہے

پس جس طرح حق تعالیٰ نے ہمارے جسمانی امور فطریہ کا انتظام کیا ہے ہماری بھوک کے لئے غلہ زمین سے اگاتا ہے پانی آسمان سے اتارتا ہے ناممکن ہے کہ ہماری روحانی بھوک کے لئے کوئی انتظام نہ کرے بلکہ اس کی رحمت کاملہ سے یقین ہے کہ جس طرح مادی حوائج وضروریات کے لئے مادی سامان مہیا فرماتا ہے اس سے زائد روحانی ضرورت کے لئے روحانی سامان ضرور مہیا کرے گا ظاہری پیاس کے بجھانے کے لئے جس طرح اس نے پانی کے چشمے پیدا کئے ہیں اسی طرح روحانی پیاس کے لئے روحانی چشمے ہونے چاہئیں اور وہ چشمے وحی الٰہی کے صاف اور شیریں چشمے ہیں اور اس بات کو آریہ سماج بھی مانتے ہیں اتنا فرق ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ جو کچھ سامان کرنا تھا وہ ابتدائے آفرینش ہی میں کیا جا چکا ہے پھر بار بار اس میں تغیر وتبدیل یا تجدید اور تدریج کی ضرورت نہیں۔

نقول وحی میں تدریج

ہم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی عادت تکوینیات میں یہ ہے کہ وہ اگر چہ تمام اشیاء کو دفعۃً پیدا کرنے پر قادر ہے بتدریج ہی پیدا کرتا ہے۔

ہر چیز کو دفعۃً پیدا کرنا خدا کے لئے کچھ مشکل نہ تھا مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ درخت کا بیج ڈالو تو بتدریج ایک عرصہ کے بعد درخت بن جائے گا ز وجین کا قربان ہوتا ہے مہینے گذرتے ہیں مختلف اطوار وادوار ہیں بہت سے چکر ہیں تب بچہ بنتا ہے گو بیکدم بنانے پر قادر تھا اور اس کو اس میں تکان بھی نہ ہوتا لیکن عادت برخلاف ہے اب اگر کہو گے کہ یہ عادت کیوں ہے؟ تو ہم کہیں گے کہ مادہ میں استعداد ہی ایسی ہے پھر اگر کہو گے کہ ایسی استعداد کیوں ہے اس کا جواب گذر چکا ہے کہ ہر جگہ کیوں نہیں پوچھا جا سکتا بلکہ آخر میں ایک موحد یہی کہے گا کہ اللہ کے علم محیط میں یہی قرین مصلحت تھا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی عادت یہ معلوم ہوتی ہے کہ بہت سی اشیاء کو بتدریج بناتا ہے اور جن اشیاء کی نسبت ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ وہ شاید دفعۃً پیدا ہوگئی ہوں جیسے چاند سورج ستارے وغیرہ ان میں بھی باعتبار فیض رسانی اور دوسری اشیاء سے تعلق رکھنے کے تدریج اور تغیر وتجدید مشاہد ہے پس ہمارا خیال یہ ہے کہ جس طرح وقتاً فوقتاً ضرورت پیش آنے پر اللہ تعالیٰ بارش نازل کرتا رہتا ہے یہ نہیں کہ ایک ہی بارش ہمیشہ کی ضروریات کے لئے کافی ہو جائے پھر ضروری نہیں کہ ہر ایک بارش یکساں زمانہ تک کفایت کر سکے کبھی دو چار دس دن کے لئے روک تھام ہو جاتی ہے کبھی اتنی بارش ہوتی ہے کہ کئی ماہ تک ضرورت نہیں رہتی ٹھیک اسی طرح اقوام عالم کی ارواح وقلوب کی کھیتوں کو ابھارنے اور سرسبز کرنے کے لئے بھی اللہ تعالیٰ وحی والہام کی بارش حسب ضروریات زمانہ اور حسب استعداد قلوب مختلف زمانوں میں کرتا رہا ہے کبھی تو وحی الٰہی کی بارش ایسے زور و شور کی ہوئی کہ قرنوں تک اس کی تری زمین سے نہ گئی اور کبھی تھوڑا سا ترشح کافی سمجھا گیا ﴿فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ﴾ اسی طرح لگاتار چھوٹی بڑی بارشیں مختلف اقوام وممالک پر ہوتی رہیں اور ہر ایک نے چھوٹی یا بڑی میعاد تک زمین والوں کی روحانی کھیتوں کو سیراب کیا آخر ایک وقت آیا کہ خدا کی ساری زمین خشک اور پیاسی ہوگئی ہدایت کے چشمے سوکھ گئے چاروں طرف آگ برسنے لگی بداعتقادیوں اور بداعمالیوں کی آندھیوں اور لو نے تمام روحانی کھیتیوں کو جھلس ڈالا اس وقت بطحاء کے پہاڑوں سے ایک گھٹا اٹھی جو آخر کار ساری دنیا پر چھا گئی اور وحی الٰہی کی وہ موسلا دھار اور عالمگیر بارش ہوئی جس نے ایک مدت مدید تک دوسری بارش کی کوئی ضرورت باقی نہ چھوڑی جب تک اس بارش کا کافی اثر باقی رہے گا دوسری بارش نہ آئے گی اسی بارش کے پانی سے جو بڑے بڑے تالابوں اور نہروں میں جمع ہو گیا۔ وقتاً فوقتاً زمینوں کی آبپاشی ہوتی رہے گی اور جب یہ پانی تمام ہو جائے گا تو مخبر صادق کی خبر کے موافق یہ دنیا بھی ایک آخری

سنبھالا لے کر داعی اجل کو لبیک کہے گی۔

ترجمہ: یا (ان منافقوں کا ایسا حال ہے) جیسے آسمانی بارش کہ اس میں (کئی طرح کے اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی موت کے ڈر سے مارے کڑک کے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں، اور اللہ منکروں کو گھیرے ہوئے ہے (کہ اس کی پکڑ سے کہیں نہیں نکل سکتے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو ہدایت اور علم دے کر مجھ کو خدا نے بھیجا ہے وہ ایک موسلا دھار بارش کی طرح ہے (جو خدا کی) زمین پر برسی پھر زمین کا ایک عمدہ سیر حاصل قطعہ تھا جس نے بارش کے پانی کو قبول کر کے گھاس اور سبزہ اگایا اور دوسرا قطعہ تھا (جہاں پیداوار کچھ کم نہیں ہوئی لیکن اس نے پانی اپنے اندر روک کے رکھا جس سے لوگ منتفع ہوئے اور انہوں نے خود پیا اور جانوروں کو پلایا اور کھیتوں کو۔

وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ

اور بلاؤ اس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾

اگر تم سچے ہو

تمام فصحاء کو چیلنج ہے:

یعنی اگر تم اپنے اس دعوئی میں سچے ہو کہ یہ بندے کا کلام ہے تو جس قدر قابل اور شاعر اور فصحاء و بلغاء موجود ہیں خدائے تعالیٰ کے سوا سب سے مدد لے کر ہی ایک چھوٹی سی سورت ایسی بنا لاؤ یا یہ مطلب ہے کہ خداوند کریم کے سوا تمہارے جتنے معبود ہیں سب سے تضرع اور گریہ وزاری کے ساتھ دعا مانگو کہ اس مشکل بات میں تمہاری کچھ مدد کریں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

عرب کے فصحاء کو بلانے کا کیوں کہا؟

فصحاء عرب کو جو شہادت کے لئے طلب فرمایا حالانکہ وہ کفار تھے ممکن تھا کہ وہ جھوٹی شہادت دیں اور ان کی بکواس کو قرآن پاک کے ہم پلہ کہہ دیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ عقل سلیم اس بات کو پسند ہی نہیں کر سکتی کہ جس شئے کی خرابی اور فساد آفتاب کی طرح روشن ہو اس کی صحت اور حسن کی گواہی دیدے۔ (یہ تو ایسا ہے کہ جیسا کوئی آسمان کو زمین کہے یا ایسی مثال ہے کہ جیسے کوئی بڑا شاعر فصیح و بلیغ ماہر فن شعر کہے اور اس کے مقابلہ میں ایک ادنی آدمی جو تک بندی سے بھی آشنا نہ ہو تک ملانے لگے تو ظاہر ہے کہ اس کے اشعار آبدار کے سامنے اس کی تک بندی کو کونسا عاقل سن سکتا ہے خواہ وہ موافق ہو یا مخالف سب کے سب ان کی تکذیب کرنے کو موجود ہو جائیں گے۔ ﴿از تفسیر مظہری﴾

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا

پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے

النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖۚ

جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں

اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے

بس آگ سے بچنے کی تدبیر کرو:

پھر اس پر بھی اگر تم ایسی ایک سورت نہ بنا سکو اور یہ بات یقینی ہے کہ ہرگز نہ بنا سکو گے تو پھر ڈرو اور بچو نار دوزخ سے جو سب آگوں سے تیز ہے اس کا ایندھن کافر اور پتھر ہیں جن کی تم پرستش کرتے ہو اور بچنے کی صورت یہی ہے کہ کلام الٰہی پر ایمان لاؤ اور وہ آگ کافروں کے واسطے تیار کی ہوئی ہے جو کہ قرآن شریف اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا بتلاتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جہنم کے پتھر: حجارہ کہتے ہیں پتھر کو یہاں مراد گندھک کے سخت سیاہ اور بڑے بڑے اور بدبودار پتھر ہیں جن کی آگ بہت تیز ہوتی ہے اللہ تعالیٰ ہمیں محفوظ رکھے۔

جہنم کے دو سانس: ایک مطول حدیث میں ہے جنت اور دوزخ میں جھگڑا ہوا الخ۔ دوسری حدیث میں ہے جہنم نے اللہ تعالیٰ سے دو سانس لینے کی اجازت چاہی اور اسے سردی میں ایک سانس لینے کی اور گرمی میں دوسرا سانس لینے کی اجازت دی گئی۔

مسیلمہ کذاب کی جھوٹی سورۃ:

حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب وفد میں مسیلمہ کذاب کے پاس گئے اور ابھی یہ خود بھی مسلمان نہ ہوئے تو مسیلمہ نے ان سے پوچھا کہ مکہ سے تم آرہے ہو بتاؤ تو آج کل کوئی تازہ وحی بھی نازل ہوئی ہے؟ اس نے کہا ابھی ابھی ایک مختصر سی سورت نازل ہوئی ہے جو بے حد فصیح و بلیغ اور جامع اور مانع ہے پھر سورہ والعصر پڑھ کر سنائی تو مسیلمہ نے کچھ دیر سوچ کر اس کے مقابل میں کہا کہ مجھ پر بھی ایک ایسی ہی سورت نازل ہوئی ہے اس نے کہا ہاں تم بھی سناؤ تو اس نے کہا:

يَا وَبرُ يَا وَبر اِنَّمَا اَنْتَ اُذُنَانَ وَصَدْرٌ وَسَآئِرُکَ حَقْرٌ فَقْرٌ.

یعنی اے جنگلی چوہے اے جنگلی چوہے تیرا وجود سوا دو کانوں اور سینے کے اور کچھ بھی نہیں باقی تو تو سراسر بالکل ناچیز ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

جہنم کی آگ:

☆یعنی جہنم کی آگ ایک ہزار برس تک دھونکائی گئی یہاں تک کہ وہ بالکل سرخ ہوگئی پھر ایک ہزار برس اور دھونکائی تو سفید ہوگئی پھر ایک ہزار برس اور دھونکائی گئی یہاں تک کہ سیاہ ہوگئی اب بالکل سیاہ تاریک ہے اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے اور نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اَنْذَرْتُكُمُ النَّارُ اَنْذَرْتُكُمُ النَّار ۔(یعنی میں تمہیں جہنم کی آگ سے ڈراتا ہوں۔راوی حدیث نعمان بن بشیرؓ کہتے ہیں کہ حضور یہی الفاظ فرماتے رہے اور آپ نے اتنی بلند آواز سے فرمایا کہ اگر حضور اس وقت میری جگہ تشریف رکھتے تو آپ کی آواز مبارک کو بازار والے سن لیتے اور اس جوش سے آپ فرماتے رہے کہ جو کلیم آپ زیب تن فرمائے ہوئے تھے وہ قدموں پر آپڑی تھی اس حدیث کو دارمی نے روایت کیا ہے اور ان آیات و احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہنم اب موجود ہے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے (یعنی تمہاری یہ آگ جہنم کی آگ کے ستر حصوں میں سے ایک حصہ ہے۔اس حدیث کو بخاری و مسلم دونوں نے روایت کیا ہے۔نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سب سے کم عذاب والا:

جہنم میں سب سے کم عذاب والا وہ شخص ہوگا جسے دو جوتیاں اور تسمے آگ کے پہنائے جائیں گے اور ان سے اس کا دماغ ایسا جوش مارتا ہوگا جیسے دیگ جوش مارتی ہے اور وہ خیال کرے گا کہ مجھ سے زیادہ سخت عذاب کسی کو نہیں حالانکہ وہ باعتبار عذاب سب سے کم ہوگا اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا۔ ﴿از تفسیر مظہریؒ﴾

جہنم کی پُر ہیبت آمد:

حدیث میں حضور صلی اللہ عیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن دوزخ کو اس جگہ سے جہاں اس کو اللہ نے پیدا کیا ہے اس طرح لایا جائے گا کہ اس کی ستر ہزار باگیں ہوں گی اور ہر باگ ستر ہزار فرشتوں کے ہاتھوں میں ہوگی اور وہ فرشتے اسے کھینچتے ہوئے لائیں گے۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

حضرت ابوذرؓ کی پہلے پہل مکہ آمد:

حضرت ابوذر صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میرا بھائی انیس ایک مرتبہ مکہ معظمہ گیا۔اس نے واپس آکر مجھے بتلایا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو یہ کہتا ہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے' میں نے پوچھا کہ وہاں کے لوگ اس کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں؟ بھائی نے کہا کہ کوئی ان کو شاعر کہتا ہے' کوئی کاہن بتلاتا ہے' کوئی جادوگر کہتا ہے' میرا بھائی انیس خود بڑا شاعر اور کہانت وغیرہ سے واقف آدمی تھا' اس نے مجھ سے کہا کہ جہاں تک میں نے غور کیا لوگوں کی یہ سب باتیں غلط ہیں' ان کا کلام نہ شعر ہے نہ کہانت ہے' نہ مجنونانہ کلمات ہیں' بلکہ مجھے وہ کلام صادق نظر آتا ہے۔

ابوذرؓ فرماتے ہیں کہ بھائی سے یہ کلمات سن کر میں نے مکہ کا سفر کیا اور مسجد حرام میں آکر پڑ گیا تیس روز میں نے اس طرح گزارے کہ سوائے زمزم کے پانی کے میرے پیٹ میں کچھ نہیں گیا' تمام عرصہ میں نہ مجھے بھوک کی تکلیف معلوم ہوئی نہ کوئی ضعف محسوس کیا۔(خصائص ص ۱۱۶ ج ۱)

واپس گئے تو لوگوں سے کہا کہ میں نے روم اور فارس کے فصحاء و بلغاء کے کلام بہت سنے ہیں' اور کاہنوں کے کلمات اور حمیر کے مقالات بہت سنے ہیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے کلام کی مثال میں نے آج تک کہیں نہیں سنی' تم سب میری بات مانو' اور آپ کا اتباع کرو' چنانچہ فتح مکہ کے سال میں ان کی پوری قوم کے تقریباً ایک ہزار آدمی مکہ پہنچ کر مسلمان ہوگئے۔(خصائص ص ۱۱۶ ج ۱)

ابوجہل، ابوسفیان اور اخنس بن شریق کا قرآن کی حقانیت کا اقرار کرنا:

علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ میں بحوالہ بیہقی نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ ابوجہل اور ابوسفیان اور اخنس بن شریق رات کو اپنے اپنے گھروں سے اس لئے نکلے کہ چھپ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن سنیں' ان میں ہر ایک علیحدہ علیحدہ نکلا' ایک کی دوسرے کو خبر نہ تھی' اور علیحدہ علیحدہ گوشوں میں چھپ کر قرآن سننے لگے' تو اس میں ایسے محو ہوگئے کہ ساری رات گزر گئی' جب صبح ہوگئی تو سب واپس ہوئے۔اتفاقاً راستہ میں مل گئے' اور ہر ایک نے دوسرے کا قصہ سنا' تو سب آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے' کہ تم نے یہ بری حرکت کی' اور کسی نے یہ بھی کہا کہ آئندہ کوئی ایسا نہ کرے' کیونکہ اگر عرب کے عوام کو اس کی خبر ہوگئی تو وہ سب مسلمان ہوجائیں گے۔

یہ کہہ سن کر سب اپنے اپنے گھر چلے گئے' اگلی رات آئی تو پھر ان میں سے ہر ایک کے دل میں یہی ٹیس اٹھی کہ قرآن سنیں' اور پھر اسی طرح چھپ چھپ کر ہر ایک نے قرآن سنا' یہاں تک کہ رات گزر گئی اور صبح ہوتے ہی یہ لوگ واپس ہوئے تو پھر آپس میں ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے' اور اس کے ترک پر سب نے اتفاق کیا' مگر تیسری رات آئی تو پھر قرآن کی لذت اور حلاوت نے انہیں چلنے اور سننے پر مجبور کر دیا' پھر پہنچے اور رات بھر قرآن سن کر لوٹنے لگے تو پھر راستہ میں اجتماع ہو گیا' تو اب سب نے کہا کہ آؤ آپس میں معاہدہ کر لیں کہ آئندہ ہم ہرگز ایسا نہ کریں گے' چنانچہ اس معاہدہ کی تکمیل کی گئی اور سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے' صبح کو اخنس بن شریق نے اپنی لاٹھی اٹھائی اور پہلے ابوسفیان کے پاس پہنچا کہ بتلاؤ اس کلام کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اس نے دبے دبے لفظوں میں قرآن کی حقانیت کا اعتراف کیا' تو اخنس نے کہا کہ بخدا میری بھی یہی رائے ہے۔

مسٹر کونٹ کے تاثرات:

مصر کے مشہور مصنف احمد فتحی بک زاغلول نے ۱۸۹۸ء میں مسٹر کونٹ ہنروی کی کتاب الاسلام کا ترجمہ عربی میں شائع کیا تھا' اصل کتاب فرنچ زبان میں تھی' اس میں مسٹر کونٹ نے قرآن کے متعلق اپنے تاثرات ان الفاظ میں ظاہر کئے ہیں۔

''عقل حیران ہے کہ اس قسم کا کلام ایسے شخص کی زبان سے کیونکر ادا ہوا' جو بالکل امی تھا' تمام مشرق نے اقرار کر لیا ہے کہ نوع انسانی لفظاً و معنیً ہر لحاظ سے اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے' یہ وہی کلام ہے جس کی بلند انشاء پردازی نے عمر بن خطاب کو مطمئن کر دیا' ان کو خدا کا معترف ہونا پڑا' یہ وہی کلام ہے کہ جب یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کے متعلق اس کے جملے جعفر بن ابی طالب نے حبشہ کے بادشاہ کے دربار میں پڑھے تو اس کی آنکھوں سے بیساختہ آنسو جاری ہو گئے اور بشپ چلا اٹھا کہ یہ کلام اسی سرچشمہ سے نکلا ہے' جس سے عیسیٰ علیہ السلام کا کلام نکلا تھا'' (شہادۃ الاقوام ص۱۴)

انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا

جلد ۱۶ ص ۵۹۹ میں ہے

''قرآن کے مختلف حصص کے مطالب ایک دوسرے سے بالکل متفاوت ہیں' بہت سی آیات دینی واخلاقی خیالات پر مشتمل ہیں' مظاہر قدرت' تاریخ' الہامات انبیاء کے ذریعہ اس میں خدا کی عظمت' مہربانی اور صداقت کی یاد دلائی گئی ہے' بالخصوص حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطہ سے خدا کو واحد اور قادر مطلق ظاہر کیا گیا ہے' بت پرستی اور مخلوق پرستی کو بلا لحاظ ناجائز قرار دیا گیا ہے' قرآن کی نسبت یہ بالکل بجا کہا جاتا ہے کہ وہ دنیا بھر کی موجودہ کتابوں میں سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے۔''

ڈاکٹر گبن کا اعتراف:

انگلستان کے نامور مورخ ڈاکٹر گبن اپنی مشہور تصنیف (سلطنت روما کا انحطاط و زوال) کی جلد ۵ باب ۵۰ میں لکھتے ہیں

''قرآن کی نسبت بحر اٹلانٹک سے لے کر دریائے گنگا تک نے مان لیا ہے کہ یہ پارلیمنٹ کی روح ہے' قانون اساسی ہے' اور صرف اصول مذہب ہی کے لئے نہیں بلکہ احکام تعزیرات کے لئے اور قوانین کے لئے بھی ہے جن پر نظام کا مدار ہے' جن سے نوع انسان کی زندگی وابستہ ہے' جن کو حیات انسانی کی ترتیب و تنسیق سے گہرا تعلق ہے' حقیقت یہ ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سب پر حاوی ہے' یہ شریعت ایسے دانشمندانہ اصول اور اس قسم کے قانونی انداز پر مرتب ہوئی ہے کہ سارے جہان میں اس کی نظیر نہیں مل سکتی'۔

قرآن نے خبر دی کہ روم وفارس کے مقابلہ میں ابتداء اہل فارس غالب آئیں گے اور رومی مغلوب ہوں گے لیکن ساتھ ہی یہ خبر دی کہ دس سال گزرنے نہ پائیں گے کہ پھر رومی اہل فارس پر غالب آ جائیں گے' مکہ کے سرداروں نے قرآن کی اس خبر پر حضرت صدیق اکبرؓ سے ہار جیت کی شرط کر لی اور پھر ٹھیک قرآن کی خبر کے مطابق رومی غالب آ گئے تو سب کو اپنی ہار ماننا پڑی' اور ہارنے والے پر جو مال دینے کی شرط کی تھی' وہ مال ان کو دینا پڑا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مال کو قبول نہیں فرمایا' کیونکہ وہ ایک قسم کا جوا تھا۔

ڈاکٹر مارڈریس کا اعتراف

فرانس کا مشہور مستشرق ڈاکٹر مارڈریس جس کو حکومت فرانس کی وزارت معارف نے قرآن حکیم کی باسٹھ سورتوں کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں کرنے پر مامور کیا تھا اس نے اعتراف کیا ہے جس کا اردو ترجمہ یہ ہے۔

''بے شک قرآن کا طرز بیان خالق جل وعلا کا طرز بیان ہے' بلاشبہ جن حقائق ومعارف پر یہ کلام حاوی ہے وہ ایک کلام الٰہی ہی ہو سکتا ہے' اور واقعہ یہ ہے کہ اس میں شک وشبہ کرنے والے بھی جب اس کی تاثیر عظیم کو دیکھتے ہیں تو تسلیم واعتراف پر مجبور ہوتے ہیں' پچاس کروڑ مسلمان جو سطح زمین کے ہر حصہ پر پھیلے ہوئے ہیں ان میں قرآن کی خاص تاثیر کو دیکھ کر مسیحی مشن میں کام کرنے والے بالا جماع اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ

ایک واقعہ بھی ایسا پیش نہیں کیا جاسکتا کہ جس مسلمان نے اسلام اور قرآن کو سمجھ لیا وہ کبھی مرتد ہوا یا قرآن کا منکر ہو گیا ہو۔" ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
اور خوشخبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے
اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ
کام کئے کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں
كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا
ان کے نیچے نہریں جب ملے گا ان کو وہاں کا کوئی پھل کھانے
هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ
کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ملا تھا ہم کو اس سے پہلے اور دیئے
مُتَشَابِهًا ؕ
جائیں گے ان کو پھل ایک صورت کے

جنت کے میوے:

جنت کے میوے دنیا کے میووں سے شکل وصورت میں ملتے جلتے ہوں گے مگر لذت میں زمین وآسمان کا فرق ہوگا یا جنت کے میوے باہم ایک شکل وصورت کے ہوں گے اور مزا جدا جدا تو جب کسی میوے کو دیکھیں گے تو کہیں گے وہی قسم ہے جو پہلے دنیا میں یا جنت میں کھا چکے ہیں۔ اور چکھیں گے تو مزا اور ہی پائیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نہریں: حدیث شریف میں ہے کہ نہریں بہتی ہیں لیکن گڑھا نہیں اور حدیث میں ہے کہ نہر کوثر کے دونوں کنارے سچے موتیوں کے قبے ہیں اس کی مٹی مشک خالص ہے اور اس کی کنکریاں لولو اور جواہر ہیں۔ ﴿از تفسیر ابن کثیرؒ﴾

جنت تیار کی جاچکی ہے: حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ حادی الارواح الی بلاد الافراح میں فرماتے ہیں جنت تیار کی جاچکی ہے مگر اس میں کچھ خالی میدان ہیں جن میں بندوں کے اعمال صالحہ سے باغات اور محل تیار ہوتے ہیں مثلاً حدیث میں ہے کہ جو شخص اللہ کے لئے مسجد بنا کرے اس کے لئے جنت میں ایک محل تیار ہو جاتا ہے۔ یا جو شخص ایک مرتبہ سبحان اللہ ایک مرتبہ الحمدللہ ایک مرتبہ اللہ اکبر یا ایک مرتبہ لا الہ الا اللہ کہے اس کے لئے جنت میں ایک درخت لگ جاتا ہے۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا
اور ان کیلئے وہاں عورتیں ہو گی پاکیزہ اور وہ
خٰلِدُوْنَ ﴿٢٥﴾
ہمیشہ وہیں رہیں گے

پاک عورتیں: جنت کی عورتیں نجاسات ظاہرہ وباطنہ (اخلاق رذیلہ) سے سب سے پاک وصاف ہونگی۔

فائدہ: یہاں تک تین چیزیں جن کا جاننا ضروری تھا بیان فرمائیں اول مبدا (یعنی ہم کہاں سے آئے اور کیا تھے) دوسرے معاش (کہ کیا کھائیں اور کہاں رہیں) تیسرے معاد (کہ ہمارا انجام کیا ہے) ﴿تفسیر عثمانی﴾

جنت کا عیش ونشاط:

جنت میں ان لوگوں کو پاک صاف بیبیاں ملنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ دنیا کی تمام ظاہری اور اخلاقی گندگیوں سے پاک ہوں گی بول وبراز حیض ونفاس اور ہر ایسی چیز سے پاک ہوں گی جن سے انسان کو نفرت ہوتی ہے اسی طرح کج خلقی بیوفائی معنوی عیوب سے بھی پاک ہوں گی۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

علامہ بغویؒ نے اپنی سند سے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جنتی سب کچھ کھائیں گے پئیں گے لیکن پیشاب پاخانے اور منہ اور ناک کی ریزش اور جملہ آلائش سے پاک صاف ہونگے اور انہیں حمد اور تسبیح ایسی الہام کی جائے گی جیسے سانس کا آنا (یعنی تسبیح وتحمید بجائے سانس لینے کے ہو جائے گی) ان کا کھانا پینا ڈکار کے ذریعے سے ہضم ہو جایا کرے گا۔ اور پسینہ مشک کی خوشبو کا سا ہوگا۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ (از تفسیر مظہریؒ)

علامہ بغوی نے اپنی سند سے بطریق بخاری ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو گروہ جنت میں پہلے داخل ہوگا وہ ایسا چمکتا دمکتا ہوگا جیسا چودھویں رات کا چاند اور اس کے بعد جو داخل ہوگا وہ ایسا چمکتا ہوا ہوگا جیسا آسمان میں سب سے زیادہ چمکتا ستارہ۔ جنتی پیشاب پاخانہ تھوک سنک اور سب آلائشوں سے پاک صاف ہونگے کنگھیاں ان کی سونے کی۔ پسینہ ان کا مشک کی خوشبو کا۔ انگیٹھیاں ان کی خوشبو کی ہونگی اور بیویاں ان کی حور عین (یعنی نہایت خوبصورت حسین بڑی آنکھوں والی ہونگی) اور ان سب کے اخلاق ایک شخص جیسے ہونگے (یعنی سب سے ملے جلے ہونگے جیسے ایک شخص خود اپنی ذات سے محبت رکھتا

ہے اور بغض نہیں رکھتا اور ایک سی تمنائیں ہوتی ہیں ایسے ہی وہ سب کے سب ہونگے) اور قد ان سب کا مثل قد آدم علیہ السلام ۶۰ گز کا ہوگا۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اول جو گروہ جنت میں جائے گا ان کے چہرے چودھویں رات کے چاند جیسے ہونگے اور دوسرا گروہ ایسا ہوگا جیسا آسمان میں روشن ستارہ۔ ہر شخص کی دو بیویاں ہونگی اور ہر ایک پر ستر حلے ہونگے اور بوجہ نفاست کے ان کی پنڈلیوں کی ہڈی کا گودہ گوشت اور خون اور لباسوں کے اوپر سے نظر آئے گا۔

حوروں کا حسن: انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر جنت کی کوئی عورت زمین پر جھانک بھی لے تو آسمان سے زمین تک اس کی چمک اور خوشبو پھیل جائے اور وہاں کی حور کے سر کا دوپٹہ بھی دنیا اور اس کی ساری نعمتوں سے بہتر ہے۔ اس حدیث کو بھی بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہم سب سے) فرمایا کوئی ہے جو جنت کے حاصل کرنے کے لئے تیار اور مستعد ہو بے شک جنت ایسی شے ہے کہ اس کا کسی دل میں خطرہ تک نہیں گزرا اور قسم ہے رب کعبہ کی کہ جنت ایک چمکتا ہوا نور مہکتی پھلواری، اونچے اونچے مضبوط محل بہتی نہریں تیار اور پکے میوے خوبصورت گوری گوری بیویاں، اور طرح طرح کے بے شمار لباس اور ہمیشہ رہنے کی جگہ۔ اور انواع انواع کے میوے سبزے لباس بیل بوٹے اور طرح طرح کی نعمتیں ہیں۔ سب نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب اس کے لئے تیار اور مستعد ہیں۔ فرمایا ان شاء اللہ کہو۔ اس حدیث کو بغوی نے روایت کیا ہے۔ ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنتی سب کے سب بے رونگٹے بے ڈاڑھی، سرگیں چشم ہونگے نہ ان کی جوانی ختم ہوگی نہ ان کا لباس پرانا ہوگا۔ یہی مضمون مسلم کی حدیث میں ہے۔

اللہ تعالیٰ کی زیارت: ایک طویل حدیث میں مسلم نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ پاک جنت میں اپنے اور جنتیوں کے درمیان سے حجاب اٹھاویگا کہ وہ سب اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی زیارت کریں گے اور اس کے دیدار سے زیادہ کوئی شے بھی ان کے نزدیک پسندیدہ نہ ہوگی۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیۃ کو پڑھا ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ (یعنی نیک کاروں کیلئے حسنٰی یعنی جنت اور زیادتی ہے) زیادتی سے مراد رؤیت باری تعالیٰ ہے۔

سب سے کم درجہ کا جنتی:

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے کم درجہ کا جنتی وہ ہوگا جس کے مکانات بیویاں، نوکر چاکر اور تخت اس کثرت سے ہونگے کہ ہزار برس کی راہ سے وہ انہیں دیکھے گا اور سب سے زیادہ نعمت یافتہ اللہ کے نزدیک وہ شخص ہوگا جو اللہ پاک کے دیدار سے صبح وشام مشرف ہوا کرے گا۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیۃ پڑھی: ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ ۙ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ (یعنی بہت سے چہرے اس روز تروتازہ اور اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہونگے) اس حدیث کو احمد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ﴿از تفسیر مظہری﴾

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْىٖٓ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا
بیشک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال
بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۭ
مچھر کی یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہے

کافروں کے اعتراض کا جواب:

اس آیت میں اس معارضہ کا جواب دیا گیا ہے جو کفار کی طرف سے پہلی آیت پر ہوا۔ خلاصہ اس کا یہ ہے کہ جب چھوٹی سی سورت بھی اس کلام جیسی ان سے نہ ہو سکی جس سے اس کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہو چکا تو کفار نے کہا ہر چند ہم اس کلام کے مقابلہ سے عاجز ہیں مگر ہم دوسری دلیل سے اس کا کلام الٰہی نہ ہونا اور کلام بشری ہونا ثابت کرتے ہیں۔ وہ یہ کہ بڑے بزرگ عظیم الشان اپنے کلام میں ذلیل وحقیر چیزوں کے ذکر سے اجتناب کیا کرتے ہیں حق تعالیٰ جو سب بزرگوں سے برتر اور اعظم ہے اس نے کیسے اپنے کلام میں مکھی اور مکڑی کا ذکر فرمایا اس معارضہ کا جواب دیا گیا کہ اس میں کوئی شرم اور عار کی بات نہیں کہ حق تعالیٰ مچھر یا اس سے بڑی چیز مثل مکھی اور مکڑی کی مثال بیان فرمائے کیونکہ مثال سے تو توضیح وتفصیل ممثل لہ کی مطلوب ہوتی ہے حقارت اور عظمت سے کیا بحث اور یہ مطلوب جب ہی حاصل ہوگا کہ مثال اور ممثل لہ میں پوری مطابقت ہو ممثل لہ حقیر ہوگا تو اس کی مثال بھی حقیر ہونی چاہیے ورنہ تمثیل ہی بیہودہ سمجھی جائے گی۔ ہاں اگر تمثیل میں یہ ہوتا کہ مثال اور مثال دینے والے میں موافقت ضروری ہوتی تو بے وقوفوں کا یہ اعتراض چل سکتا، مگر اس کا تو کوئی بیوقوف

بھی قائل نہ ہوگا اور تورات و انجیل و کلام حکماء و سلاطین میں ایسی مثالیں بکثرت موجود ہیں۔ اس کے خلاف کہنا کفار کی حماقت اور عناد کی بات ہے اور فما فوقھا کے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مچھر سے حقارت اور چھوٹائی میں زیادہ ہو جیسے مچھر کے بازو کہ بعض احادیث میں اس کو دنیا کی تمثیل میں ذکر فرمایا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

دُنیا کی بے قیمتی:

ایک حدیث میں آتا ہے کہ اگر دنیا کی قدر خدا کے نزدیک ایک مچھر کے پر کے برابر بھی ہوتی تو کسی کافر کو ایک گھونٹ پانی بھی نہیں پلاتا۔

اہل دنیا: ربیع بن انس فرماتے ہیں کہ مچھر کی مثال اللہ نے دنیا کے لئے بیان فرمائی ہے مچھر جب تک بھوکا رہتا ہے زندہ رہتا ہے اور جب کھا کر موٹا ہو جاتا ہے تو مر جاتا ہے اسی طرح اہل دنیا جب دنیا سے خوب سیر اور سیراب ہو جاتے ہیں تو اللہ ان کو پکڑتا ہے۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ
سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے
مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ
جو نازل ہوئی ان کے رب کی طرف سے اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں
مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا
کیا مطلب تھا اللہ کا اس مثال سے گمراہ کرتا ہے خدائے تعالیٰ اس مثال سے بہتیروں کو
وَّيَهْدِيْ بِهٖ كَثِيْرًا ۭ
اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہتیروں کو

ان مثالوں کا مقصد:

یعنی ایمان والے تو ان مثالوں کو حق اور مفید سمجھتے ہیں اور کفار بطور تحقیر کہتے ہیں کہ ایسی حقیر مثالوں سے خدا کی مراد اور غرض کیا ہوگی، جواب دیا گیا کہ اس کلام سراپا ہدایت سے بہتیروں کو گمراہی میں ڈالنا اور بہتیروں کو راہ راست دکھلانا منظور ہے (یعنی اہل حق اور اہل باطل میں تمیز تام منظور ہے جو نہایت مفید اور ضروری ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الْفٰسِقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ
اور گمراہ نہیں کرتا اس مثل سے مگر بدکاروں کو جو

يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ
توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد
وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ
اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو

عہد شکنی و قطعِ امر:

جیسے قطع رحم کرنا، انبیاء اور علماء اور واعظین، اور مومنین اور نماز اور دیگر جملہ امور خیر سے اعراض کرنا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

فاسق جانور:

☆ صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں حرم میں اور باہر حرم کے قتل کر دیئے جائیں، کوا، چیل، بچھو، چوہا اور کالا کتا۔ پس لفظ فاسق کافر کو اور ہر نافرمان کو شامل ہے۔ حضرت سعدؓ کہتے ہیں مراد خوارج ہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ
اور فساد کرتے ہیں ملک میں

فساد فی الارض:

فساد سے مراد یہ ہے کہ لوگوں کو ایمان سے نفرت دلاتے تھے اور مخالفان اسلام کو ورغلا کر مسلمانوں سے مقاتلہ کراتے تھے اور حضرات صحابہؓ اور صلحائے امت کے عیوب نکال کر تشہیر کرتے تھے تاکہ آپ کی اور دین اسلام کی بے وقعتی لوگوں کے ذہن نشین ہو جائے۔ اور مسلمانوں کا راز مخالفوں تک پہنچاتے تھے اور طرح طرح کی رسوم و بدعات خلاف طریقہ اسلام پھیلانے میں سعی کرتے تھے۔

اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝۲۷
وہی ہیں ٹوٹے والے

ناشائستہ حرکات کا نقصان:

مطلب یہ ہے کہ ان حرکات ناشائستہ سے اپنا ہی کچھ کھوتے ہیں توہین اسلام اور تحقیر صلحائے امت کچھ بھی نہ ہو سکے گی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا
کس طرح کافر ہوتے ہو خدائے تعالیٰ سے حالانکہ تم بے جان تھے

بے جان عناصر سے زندہ انسان تک:

﴿یعنی اجسام بے جان کہ حس وحرکت کچھ نہ تھی اول عناصر تھے اس کے بعد والدین کی غذا بنے پھر نطفہ پھر خون بستہ پھر گوشت۔﴾ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاَحْيَاكُمْ
پھر جلایا تم کو

نفخ روح:

یعنی حالات سابقہ کے بعد نفخ روح کیا گیا جس سے رحم مادر اور اس کے بعد دنیا میں زندہ رہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ
پھر مارے گا تم کو

موت:

یعنی جب دنیا میں وقت مرنے کا آئے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ
پھر جلائے گا تم کو

پھر زندگی:

یعنی قیامت کو زندہ کئے جاؤ گے حساب لینے کے واسطے۔

ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾
پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے

اب انصاف کرو:

یعنی قبروں سے نکل کر اللہ تعالیٰ کے روبرو حساب وکتاب کے واسطے کھڑے کئے جاؤ گے سو اب انصاف کرو کہ جب تم اول سے آخر تک اللہ تعالیٰ کے احسانات کے مرہون ہو اور ہر حالت اور حاجت میں اس کے محتاج اور اس کے متوقع ہو۔ پھر اس پر بھی کفر کرنا اور اس کی نافرمانی کرنا کس قدر تعجب خیز امر ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا
وہی ہے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے
ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ
سب پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو سات
سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾
آسمان اور خدائے تعالیٰ ہر چیز سے خبردار ہے

سامانِ بقاء:

اس آیت میں دوسری نعمت بیان فرمائی یعنی اللہ نے تم کو پیدا کیا اور تمہاری بقاء اور انتفاع کے لئے زمین میں ہر طرح کی چیزیں بکثرت پیدا فرمائیں (مطعومات اور مشروبات اور ملبوسات اور ہر چیز کے لئے آلات وسامان) اس کے بعد متعدد آسمان بنائے گئے جس میں تمہارے لئے طرح طرح کے منافع ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تخلیق کائنات:

☆ ابن عباسؓ اور دیگر صحابہؓ سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور کسی چیز کو پیدا نہیں کیا تھا، جب اور مخلوق کو رچانا چاہا تو پانی سے دھواں بلند کیا وہ اونچا چڑھا اور اس سے آسمان بنائے پھر پانی خشک ہو گیا اور اس کی زمین بنائی پھر اسی کو الگ الگ کر کے سات زمینیں بنائیں۔ اتوار اور پیر کے دو دن میں یہ ساتوں زمینیں بن گئیں زمین مچھلی پر ہے مچھلی وہ ہے جس کا ذکر قرآن مجید کی اس آیت میں ہے: (نٓ وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُوْنَ) مچھلی پانی میں ہے اور پانی صفاۃ پر ہے اور صفاۃ فرشتے پر اور فرشتہ پتھر پر اور یہ پتھر وہ ہے جس کا ذکر لقمان نے کیا ہے یہ پتھر ہوا پر ہے مچھلی کے ہلنے سے زمین کانپنے لگی تو اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کو گاڑ دیا اور وہ ٹھہر گئی۔ یہی معنے ہیں اللہ تعالیٰ کے فرمان وَجَعَلْنَا فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ بِهِمْ الخ زمین نہ ہلے اس لئے ہم نے اس میں پہاڑ جما دیئے ہیں پہاڑ زمین کی پیداوار درخت وغیرہ زمین کی چیزیں منگل اور بدھ کے دو دنوں میں پیدا کیں۔

مخلوق کی پیدائش کی ابتداء:

ابن جریر میں ہے حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ اتوار سے مخلوق کی پیدائش شروع ہوئی دو دن میں زمینیں پیدا ہوئیں دو دن میں ان کی تمام چیزیں پیدا کیں اور دو دن میں آسمانوں کو پیدا کیا

جمعہ کے دن آخری وقت ان کی پیدائش ختم ہوئی اور اسی وقت حضرت آدم علیہ السلام کو پیدا کیا اور اسی وقت میں قیامت قائم ہوگی۔

پہلے کیا پیدا کیا:

مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین کو آسمان سے پہلے پیدا کیا اس سے جو دھواں اوپر چڑھا اس کے آسمان بنائے جو ایک پر ایک اس طرح سات ہیں، اور زمینیں ایک کے نیچے ایک اس طرح ساتھ ہیں اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ زمین کی پیدائش آسمانوں سے پہلے ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابن عباسؓ سے جب یہ سوال ہوا تو آپ نے جواب دیا کہ زمین پیدا تو آسمانوں سے پہلے کی گئی ہے لیکن پھیلائی گئی ہے بعد میں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

پہاڑوں کی گفتگو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر پکارتا اور دریافت کرتا ہے کہ تجھ پر کوئی اللہ کا یاد کرنے والا بھی آیا ہے وہ اگر جواب دیتا ہے کہ ہاں آیا ہے تو خوش ہوتا ہے اس حدیث کو طبرانی نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

آسمان کا پھٹ جانا عقلاً جائز اور نقلاً واجب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِذَا السَّمَاءُ انشَقَّتْ﴾ (کہ جب آسمان پھٹ جائے گا) اور مثل اس کے بہت سی آیتوں سے آسمان کا پھٹنا ثابت ہوتا ہے اور اسی طرح آسمانوں کا باہم متصل نہ ہونا اور ہر دو آسمان کے مابین مسافت کا ہونا شرعاً ثابت ہے۔ (تفسیر مظہری رحمۃ اللہ علیہ)

ذاتِ خداوندی:

ذات خداوندی اتنی لطیف ہے کہ اس کی لطافت ہر تصور سے ماوراء ہے وہ ایسی نازک حقیقت ہے جو ہر بے حقیقت کو حقیقت کے لباس میں نمودار کرتی اور ہر جگہ ہر وقت ہر شئی کو محیط ہونے کے باوجود خود نہ مرئی ہے نہ مسموع نہ مشموم نہ ملموس نہ معقول گویا ہر چیز اسی کی پرتو اندازی سے ظاہر ہے۔ روحانیت کی لطیف ترین مادی موشگافیاں بھی اسی نتیجہ تک پہنچاتی ہیں جس نتیجہ تک صوفی کا مشاہدہ پہنچتا ہے۔

مادہ:

مادہ اولی کیا ہے جز تو مادہ اولی جو ہر اول کائنات کا سنگ بنیاد اول ترین ایٹم کیا ہے برقیات مثبت منفی لہریں اور متضاد القوی کرنیں قوام ہے وزن ہے جسم ہے مسافت ہے محض طاقت خالص قوت جو پیدائش سے خارج ہے قوت برقیہ کی تلطیف کرو تو ایک بے کیف نور ہر طاقت کو طاقت بنانے والا ہر قوت میں چھپا ہوا اور ہر طاقت کے روپ میں جھلکنے والا ملے گا۔

کرۂ ہائے کائنات:

اس کائنات میں کوئی کرہ دوسرے سے متصل نہیں نہ چسپاں ہے ایک فضائی خلا ہے ہر کرہ اس میں معلق ہے اور ہر سیارہ اور ستارہ سریع اور بطی حرکت کے ساتھ ہموار رفتار سے اس میں تیر رہا ہے پانچ سو برس کہ کروں کے مابین مسافت بعیدہ ہے اور اقتدار خداوندی سب سے بالا ہے سب سے اعلیٰ ہے ممکن ہے کہ کسی کرہ کو عرش بریں فرمایا ہو اور وہ مظہر نور رجمال خصوصیت کے ساتھ اسی طرح ہو جس طرح قلب مومن جلوہ گاہ الوہیت ہے واللہ اعلم۔

تحقیق کی آخری حد نصوصِ قرآنیہ ہیں

تحقیقات کائنات کی کوئی آخری حد نہیں نہ کسی قول کو آخری قول کہا جا سکتا ہے نہ کسی مسلمہ کو یقینی قطعی ناقابل شک کہہ سکتے ہیں ہاں اگر تطبیق ہی دینی ہے تو علوم عقلیہ کو نص قرآنی کے مطابق بنانے کی کوشش مضر نہیں منصوصات الٰہیہ کو اصل ناقابل شک قرار دینا ضروری ہے۔

کواکب کی حرکت:

حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ ٹھہرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ اگر اس طرح افلاک کے درمیان انفصال فرض کر لیا جائے تو جدا جدا افلاک ان کی حرکات سے واجب اور ضروری ہوں گے (اور اس میں کوئی قباحت نہیں)

خلاصہ یہ ہے کہ کواکب اور شمس و قمر سب کے سب آسمان دنیا کے نیچے ہیں اور ہر ایک کی علیحدہ اور مختلف حرکت ہے ہر کوکب اپنے فلک میں ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے مچھلی پانی میں۔

آسمانوں کا اور عرش کا درمیانی فاصلہ:

(حدیث قدسی) ترمذی اور ابوداؤدؒ نے بروایت حضرت عباسؓ ایک حدیث ذکر کی ہے کہ جس میں یہ مضمون ہے کہ آسمان اور زمین کے مابین اکہتر، بہتر، یا تہتر برس کا فاصلہ ہے اور جو آسمان اس سے اوپر ہے اس کے اور اس کے مابین بھی اسی قدر فاصلہ ہے اور اس طرح حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے سات آسمان تک شمار فرمائے اور فرمایا کہ ساتویں آسمان کے اوپر ایک دریا ہے کہ اس کے نیچے اور اوپر والے حصہ کے مابین اتنا فاصلہ

ہے جتنا کہ ایک آسمان سے دوسرے آسمان کا پھر اس سب کے اوپر آٹھ فرشتے بزکوہی جیسے ہیں کہ ان کے سموں اور سرینوں کے مابین اتنی مسافت ہے جتنی ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی اور ان کی پشت پر عرش عظیم ہے کہ اس کے اعلیٰ اور اسفل کے درمیان بھی اتنی ہی مسافت ہے جتنی ایک آسمان سے دوسرے آسمان کی اس پر اللہ تعالیٰ ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

تخلیق کائنات کی ترتیب وترکیب:

روایت سدی کے ابن عباس سے اور گروہ صحابہ کرامؓ سے، ایسا منقول ہے کہ پہلے پیدائش آسمان اور زمین سے دو چیزیں موجود تھیں عرش اور پانی جب ارادہ الٰہی ساتھ پیدائش آسمان اور زمین کے متعلق ہوا پانی سے ایک دھواں اٹھا اور سبب اس دھویں اٹھنے کا بعض روایتوں میں ایسا آیا ہے کہ ہوا کو اس کے اوپر مسلط کیا اور بسبب اس ہوا کے پانی میں موج اور جنبش پیدا ہوئی اور بسبب تختی حرکت کے گرمی پانی میں موجود ہوئی اور اس سبب سے دھواں پیدا ہوا اور اس دھویں نے اوپر کی طرف صعود کیا اور وہی دھواں مادہ آسمان کا ہوا کہ دوسری آیت میں اس کی طرف اشارہ ہے:

﴿ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ وَهِيَ دُخَانٌ﴾

یک شنبہ کے دن ابتداء پیدائش دھویں کی کہ مادہ آسمان کا ہے اور پیدائش کیچڑ جمی ہوئی کہ مادہ زمین کا ہے وقوع میں آئی اور دو شنبہ کے دن زمین کو سات ٹکڑے بنایا اور سہ شنبہ کے دن پہاڑوں کو زمین پر قائم کیا اور نہروں کو جاری کیا اور چہار شنبہ کے دن درختوں کو اُگایا اور قوت جانوروں کی کہ دانہ اور گھاس ہے اس میں پیدا کیا اور پنجشنبہ کے دن آسمان کے مادہ کی طرف متوجہ ہوا اور سات آسمان اس کو کئے اور جمعہ کے دن ہر آسمان میں ستارے پیدا کئے اور گردش ہر ستارے کی مقرر فرمائی اور فرشتوں کو واسطے کاروبار ہر ایک آسمان کے قائم کیا پس تمام پیدائش جہان کی چھ دن میں اس تفصیل کے ساتھ پائی گئی جیسا کہ سورۃ حم السجدہ میں اس تفصیل کی طرف اشارہ فرمایا۔ ﴿تفسیر عزیزی﴾

سمندر کے حالات

اب آیئے ہم اپنی توجہ کو زمین کی طرف مائل کریں اور اس کی جمادی، نباتی اور حیوانی کائنات اور ان امور کی جانب جن کو اس کا جغرافیہ طبعی حاوی ہے اس پر نظر کریں۔

ہم سمندر کو دیکھتے ہیں جس کی مساحت کی مقدار سطح زمین کے چار حصوں میں سے تین حصوں تک پہنچتی ہے یعنی جس کا رقبہ ایک کروڑ چوالیس لاکھ اکہتر ہزار دو سو میل مربع ہے اور وہی آبی مخلوق کے گروہ کا مسکن ہے اور دریائی جواہر کے پیدا ہونے کی جگہ ہے۔ عام ہے کہ وہ غذا کے کام میں آئیں یا دوا کے یا آرائش کے اور وہ سب چیزیں بھی اس میں پائی جاتی ہیں جو خشکی میں موجود ہیں جیسے پہاڑ، وادی سخت ونرم زمین ٹیلے ریگستان، پہاڑیاں، سنگلاخ زمین، ترائی، باغات، رنگ برنگ کے درخت، چھوٹے بڑے حیوانات جن میں نمو ہوتا ہے اور اپنے اجناس انواع اور اصناف کے موافق خاص خاص مقامات میں رہتے ہیں اور سمندر میں بڑے عمیق مواضع ہیں کہ جن میں سے سب سے عمیق موقع کا واقعی طور پر پتہ نہ لگ سکا اور تحقیقی طور پر آپ لوگ نہ دریافت کر سکے۔

غایت درجہ جہاں تک آپ لوگوں کی رسائی ہوئی اس کے موافق نو میل تک گہرائی قیاس کی جاتی ہے پھر اس کا بھی کوئی قرار نہیں اور سمندر کے عجائبات میں سے مدوجزر سطحی اور زیریں اوبال پہاڑوں کی برابر لہریں برف کے پہاڑ جو قطب شمالی کے نزدیک تیرتے رہتے ہیں اور اس کا کھارا پن جس میں کہ بڑی حکمت ہے کیونکہ اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کا پانی ضرور متعفن ہو جاتا اور زراعت اور جان دار ہلاک ہو جاتے اور وہ انسان کے لئے ایسا مسخر ہو رہا ہے کہ لوگ اس کی سطح پر سفر کرتے ہیں اس میں غوطہ لگاتے ہیں اور اس میں بڑے بڑے راستوں اور مختلف ہواؤں کا انہیں سامنا کرنا پڑتا ہے

پہاڑوں کا دلچسپ بیان اور قدرت خدا کا اظہار

پھر ہم خشکی پر نظر ڈالتے ہیں اور ان اشیاء کو دیکھتے ہیں جو کہ اس میں پائی جاتی ہیں تو سب سے پہلے ہماری نظر پہاڑوں پر جاتی ہے کیونکہ پانی کے وہی مخزن ہیں جس سے کہ نباتات اور حیوانات کو سیرابی ہوتی ہے ان ہی میں طیور و وحوش کا ایک بہت بڑا حصہ پناہ گزین ہوتا ہے ان ہی میں بڑے بڑے مضبوط اور نہایت ہی بلند درخت اگتے ہیں جو کہ عمارتوں میں لگانے اور جلانے کے کام آتے ہیں وہی آباد سرزمینوں کیلئے گرم اور سرد ہواؤں سے بڑے محافظ ہیں بعض کا منظر نہایت خوش آئند معلوم ہوتا ہے طرح طرح کی نباتات اور رنگ برنگ کے گل بوٹوں سے مزین نظر آتے ہیں۔ ان میں سے بعض ایسے پہاڑ بھی ہوتے ہیں جہاں برگ و بار کا نام و

نشان ہی نہیں وہاں کی مٹی بارش کے باعث بھی باقی نہیں رہی صرف بڑے بڑے پتھروں کے چٹان رہ گئے ہیں جن کی شکل بڑی بڑی تصویروں کے ڈھانچوں سے جن کا کہ گوشت علیحدہ کر لیا گیا ہو کچھ ملتی جلتی ہوئی معلوم ہوتی ہے پس اس قسم کے پتھر مکانوں اور قلعوں کی تعمیر میں صرف ہوتے ہیں۔ بعض آتش فشاں پہاڑ ہوتے ہیں جن سے راکھ اور جلی ہوئی چیزیں نکلتی رہتی ہیں اس کے تمام اطراف تاریکی کے وقت ان سے روشن ہو جاتے ہیں اسی طرح بعض کسی قسم کے ہوتے ہیں اور بعض کسی قسم کے جو کہ انسان کو حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

سبزہ زاروں اور وادیوں کی کیفیت

دوسرے مرتبہ زمین کا وہ حصہ ہے جو نشیب میں واقع ہے وہاں ایک سے ایک حسین درخت اگتے ہیں قسم قسم کے پھول وپھل دستیاب ہوتے ہیں دلوں کی خوشی اور سرور میسر ہوتا ہے باوجود اس کے ان میں سے بعض تو ایسے ہیں کہ ان کو دنیا کی بہشت کہا جا سکتا ہے۔ جس میں جہاں دیکھو وہاں گنجان سایہ اور شیریں چشمے دکھائی پڑتے ہیں۔ باغات پھولوں سے آراستہ ہیں، درخت بار دار ہو رہے ہیں، نہریں بلندی سے پستی کی جانب اترتی چلی آ رہی ہیں ان کے گرد عجیب دلکش آوازیں مسموع ہو رہی ہیں کہیں بلبل کی صفیر کانوں کو بھلی معلوم ہوتی ہے کہیں سے قمریوں کی کوکو کی صدا آ رہی ہے، کسی طرف ہرن اپنی بولی بولتے ہیں کہیں جنگلی کبوتر اتار چڑھاؤ کے ساتھ غٹرغوں کرتے سنائی دیتے ہیں غرض ایسی ایسی چیزیں ہیں جن سے دل کو خوشی اور آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل ہوتی ہے اور بعضے پہاڑ تو گویا جہنم ہی ہیں کہ جہاں سوائے ناگوار موت کے اور کچھ بھی نہیں صرف بوسیدہ ہڈیاں پڑی نظر آتی ہیں۔

جاوا کی وادی موت کا بیان

جیسے کہ وہ مقام جو جاوئی کے قریب وادی موت کے نام سے مشہور ہے جس کے اندر کی زمین بالکل صفا چٹ پڑی ہے جہاں کہ کسی نبات یا جاندار کا نشان نہیں اور اس میں تپش اور گرمی اس قدر ہے کہ بالکل جلائے دیتی ہے اسی وجہ سے اس میں جہاں کوئی پرندہ اترا یا جان دار گیا یا وحشی جانور نے وہاں ذرا قیام کیا فوراً ہی اس کو خونریز موت نے دبالیا۔

چنانچہ اس میں جا بجا بڑے بڑے جانوروں اور کیڑوں کی پرانی ہڈیاں پڑی ملتی ہیں اور یہ وہاں کے ایک قسم کے زہریلے درخت کا اثر سمجھا جاتا ہے جس کے سوا نباتات کی قسم سے وہاں کچھ نہیں ہوتا لیکن جو بات آپ لوگوں کے نزدیک صحیح سمجھی جاتی ہے اس کے موافق اس کا سبب یہ ہے کہ وہ آتش فشاں پہاڑ کے بالکل قریب واقع ہے اس وجہ سے وہ اپنے منافذ سے زائد مقدار کی زہریلی ہوا نکالتا ہے اور اس سے جاندار مر جاتے اور نباتات خشک ہو جاتی ہیں۔

اب بتلائیے کہ ان مقامات میں سے کس نے بعض کو گویا جنت اور بعض کو جہنم بنا دیا کیا ذرات مادہ کی حرکت ہو سکتی ہے یا وہ صاحب ارادہ اور اعلیٰ درجے کا علم رکھنے والا جس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ جس شے میں جو خاصیت چاہے پیدا کر دے (یعنی خدا) ہے بے شک وہ انتہا درجہ کا واقف کار اور صاحب حکمت ہے۔

کھوہ اور غاروں کا بیان

تیسرا مرتبہ کھوہ اور غاروں کا ہے جس میں کہ حیوانات پناہ گزیں ہوتے ہیں اور جن کے ذریعہ سے پہاڑ اپنے اندر سے بخارات نکالتے ہیں۔

عجائبات میں سے یہ امر ہے کہ بعض غار گرمیوں میں تو اتنے سرد ہوتے ہیں کہ ان کے اندر کا پانی جم جاتا ہے اور جاڑوں میں خوب گرم رہتے ہیں پس بہتیرے حیوانات کہ جو جاڑوں کی سردی نہیں برداشت کر سکتے اس میں پناہ لیتے ہیں۔ خدائے لطیف وخبیر کی پاکی کا کیا کہنا ہے اور ان میں سے بعض موت کے غار ہیں کہ جہاں ان میں کوئی جاندار گیا اور فوراً مرا کیونکہ ان غاروں میں آتش فشاں پہاڑوں کی سانسیں نکلتی ہیں کہ جو اب بجھ گئے ہیں اور ان کی زہریلی ہوا باقی رہ گئی ہے جسکی وجہ سے جہاں کسی جاندار نے انکا تنفس کیا اور وہ مرا پس بعض غار بمنزلہ قلعہ کے محافظ ہیں اور بعض باعث موت ہیں اس فاعل مختار کی عجب شان ہے جو چاہتا ہے وہ پیدا کرتا ہے۔

نرم زمین کا بیان

چوتھا مرتبہ زمین نرم کا ہے اس میں غالب مادہ ایسا ہوتا ہے جس سے نباتات کا قیام ہے جو کہ حیوانات کی غذا بننے کی صلاحیت رکھتی ہے پھر اس کی مٹی مختلف قسم کی ہوتی ہے ان میں سے ہر قسم ایک خاص قسم کے نباتات کے مناسب ہوتی ہے۔ پس اگر سب کی مٹی ایک ہی طرح کی ہوا کرتی تو نباتات کی بہت سی اقسام کی پیدائش میں نقصان آ جاتا اور اس کی بہتیری قسمیں ہم کو دستیاب نہ ہو سکتیں۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مٹی نہ تو بہت سخت ہی ہے اور نہ بہت نرم متوسط درجہ رکھتی ہے۔

پس اگر پتھر کی طرح سخت ہوتی تو اس میں ان چیزوں کی صلاحیت نہ پائی جاتی اور اگر بالکل ہی نرم ہوتی تو حیوانات کے قدم اس میں دھنس جایا کرتے اور اس میں وہ نہ چل سکتے اور نہ ان کے رہنے کے قابل ہوتی۔ پس

بتلایئے کہ پتھروں کو کس نے اس قدر سختی کے ساتھ مخصوص کر دیا کہ وہ تعمیر کے کام میں آسکیں اور اس کے سوا اور زمین کو نہ بہت سخت ہی بنایا اور نہ بہت نرم جس سے حیوانات کی غذا کے اور زراعت کے قابل ہو سکے۔ کیا اس کا بنانے والا صاحب حکمت تمام چیزوں کی خبر رکھنے والے ذی تدبیر اور اعلیٰ درجہ کے علم رکھنے والے (خدا) کے سوا اور بھی کوئی ہو سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

معدنیات کا بیان اور خداوندی قدرت

ہم کائنات زمین میں سے معادن کو دیکھتے ہیں کہ ان کے اندر مختلف خواص اور جدا جدا انواع واصناف کی اشیاء پیدا ہوتی ہیں جو کہ باوجود مختلف ہونے کے زمین کے باشندوں کے لئے بہت ہی نافع ثابت ہوتی ہیں کیونکہ ان میں سے کوئی جامد ہے کوئی سیال' کوئی سخت ہے کوئی نرم' کسی میں چوٹ کھا کر بڑھنے کی صلاحیت ہوتی ہے کسی میں نہیں۔ کسی میں پگھلنے کی قابلیت پائی جاتی ہے اور کسی میں یہ قابلیت نہیں ہوتی۔ کوئی بھاری ہے کوئی ہلکی۔ رنگوں کے اعتبار سے کوئی زرد ہے کوئی سفید' کوئی سرخ ہے اور کوئی سیاہ۔ اسی طرح بہت سے اقسام پائے جاتے ہیں۔

پھر ان سے آدمیوں کو بے شمار نفع پہنچتا ہے۔ مختلف قسم کے آلات تیار کئے جاتے ہیں جو اکل وشرب وغیرہ کی ضرورتوں میں استعمال کئے جاتے ہیں ہتھیار بنتے ہیں' مکانات کی تعمیر میں صرف ہوتے ہیں غرضیکہ فلاحت (جوتنے) زراعت (بونے) اور ادویہ سب ہی میں مستعمل ہوتے ہیں (اور چونکہ لوہا سب سے زیادہ مفید ہوتا ہے اور زمین میں بالکل ہی پوشیدہ ہوتا ہے یہاں تک کہ لوہے کی معدن کی طرح کوئی معدن اتنی پوشیدہ نہیں ہوتی کہ جیسا کہ کتب معدن میں موجود ہے۔ اسلئے قرآن شریف میں لوہے کا بالتخصیص ذکر کر کے خداتعالیٰ نے اس کے پیدا کرنے کا اور نیز اس امر کا احسان جتلایا ہے کہ باوجود اس قدر مخفی ہونے کے اسکے دریافت کرنے کے طریقے مقرر کئے اور انکی ہدایت کی۔ چنانچہ خداتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾

(کہ ہم نے لوہے کو اتارا ہے اس میں بڑی قوت اور لوگوں کے لئے منافع موجود ہیں)

اسی مقناطیس کو لیجئے جو معدنیات میں عجب چیز ہے اس میں لوہے فولاد اور مقناطیس کے کشش کرنے کی قوت ہوتی ہے آپ لوگ اس کشش کی وجہ اسکے ذرات بسیط کی حرکت اور انکی اوضاع کی خاص ترتیب کو بتلاتے ہیں۔

مقناطیس کے خواص اور اہل سائنس

اب میں کہتا ہوں کہ خدا کے پیدا کرنے سے اگرچہ ممکن ہے کہ یہی واقعی وجہ ہو لیکن آپ نے یہ وجہ بالکل بے پتہ بیان کی جس سے عقل کو تسکین نہیں ہو سکتی۔ خصوصاً جب کہ ہمارے آئندہ کے سوالات اس پر وارد ہوں۔

اول سوال یہ ہے کہ ذرات کی حرکت اور ان کی وضع کا صرف یہی نتیجہ کیوں ہوا کہ وہ اشیاء مذکورہ ہی کو کشش کرے اس کی وجہ سے اس میں بقیہ معادن مثل سونے تانبے وغیرہ کے کشش کرنے کی قوت کیوں نہ پیدا ہوگئی۔ اس کی کوئی صحیح وجہ صاف طور پر بیان تو کیجئے۔

دوسرا یہ کہ اس کا کیا سبب ہے کہ مقناطیس جب کسی لوہے کی سلاخ سے ملتا ہے اور اس کو کشش کرتا ہے تو وہ اس میں بھی بغیر اس کے کہ مقناطیس کی قوت میں کچھ کمی ہو کشش کی خاصیت پیدا کر دیتا ہے اس وجہ سے جب تک مقناطیس اس سلاخ سے متصل رہتا ہے مقناطیس ہی کی طرح وہ بھی کشش کرتی ہے اور جہاں اس سے الگ ہوا اور لوہے کی یہ خاصیت گئی۔ اس حالت کو آپ عارضی مقناطیس بننا کہتے ہیں۔ لیکن جب کسی فولادی سلاخ سے مقناطیس لگایا جاتا ہے تو اس سلاخ میں کشش کرنے کی ایسی خاصیت آ جاتی ہے کہ مقناطیس اس سے الگ بھی کر لیا جائے جب بھی وہ خاصیت باقی رہتی ہے۔ اسی طرح جب فولادی سلاخ مقناطیس سے رگڑ دی جائے تو اس میں اس کشش کی استمراری خاصیت آ جاتی ہے اور اس کو مصنوعی مقناطیس بننا کہتے ہیں۔ اب آپ صاف طور پر ذرا بیان تو کیجئے کہ لوہے اور فولاد کی سلاخ میں محض مقناطیس کے لگنے سے یہ خاصیت کیسے پیدا ہو جاتی ہے کیا ان دونوں کے ذرات کی وضع بدل گئی چاہے وہ کتنی ہی طویل کیوں نہ ہوں اور جب ایسی ہی بات ہے تو کیا لوہے کی سلاخ میں وہ ذرات اپنی اصلی وضع پر لحظہ ہی بھر میں لوٹ آئے اور فولادی سلاخ میں اسی طرح رہ گئے یا اس کے علاوہ اور کوئی بات ہے۔ ذرا واضح طور پر لوہے اور فولاد میں یہ فرق ہمیں سمجھا تو دیجئے بلکہ سخت اور نرم لوہے میں بھی تو کوئی چنداں فرق نہیں حالانکہ سخت لوہے کی بھی فولاد ہی کی سی حالت ہے کہ ذرا میں اس میں یہ خاصیت آ جاتی ہے اور مقناطیس کے جدا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہے۔

تیسرا سوال یہ ہے کہ آپ لوگ قائل ہیں کہ مقناطیسی قطعہ کے دونوں سروں پر کشش کی قوت پائی جاتی ہے اور جوں جوں اس کے وسط کے

قریب ہوتے جائیے یہ قوت کم ہوتی جاتی ہے یہاں تک کہ ٹھیک وسط میں یہ قوت ذرا بھی نہیں معلوم ہوتی اور جب اس قطعہ کے ٹھیک بیچوں بیچ سے دو حصے کر دیئے جائیں تو اس سرے میں بھی جہاں سے کہ اس قطعہ کے ٹکڑے کئے گئے ہیں بہت ہی قوت آ جاتی ہے جیسے کہ اصلی سرے میں۔ پس وضاحت کے ساتھ اس کی وجہ بیان کیجئے کہ وہ قوت وسط میں ضعیف اور سروں پر اس قدر قوی کیوں تھی۔

چوتھا سوال یہ ہے کہ آپ لوگ بھی قائل ہیں کہ زلزلہ آنے کے وقت مقناطیس کی قوت جاذبہ زائل ہو جاتی ہے اور اس کے گزر جانے کے بعد پھر اس میں یہ قوت آ جاتی ہے چنانچہ اسی بنیاد پر ایک آلہ ایجاد کیا گیا ہے جس سے زلزلہ کی آمد کچھ پیشتر ہی سے دریافت ہو جاتی ہے۔ پس اس سے محفوظ رہنے کا سامان کر لیا جاتا ہے۔ پس اب ذرا زلزلہ کے وقت ذرات کی وضع کے متغیر ہو جانے اور حرکت میں تبدیلی واقع ہونے کا سبب تو بتلایئے اور یہ کہ یہ امر کس طور پر واقع ہوا؟ اور کیوں ہوا؟ میرے خیال میں تو آپ لوگ ان سوالوں کے شافی جواب دینے پر ہرگز قادر نہیں ہیں بلکہ غایت سے غایت جہاں تک آپ کی نظر پہنچ سکتی ہے آپ یہی کہیں گے کہ مقناطیس کی خاصیت ہی یہی ہے اس میں آثار ہی ایسے ہی پائے جاتے ہیں کہ میں آپ سے کہتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروبھی جب ان چیزوں کو مشاہدہ کر چکے اور ان کے نزدیک مدلل ہو گیا تو یہی کہتے ہیں کہ بے شک مقناطیس کی یہی خاصیت ہے اور اس میں ایسے ہی آثار پائے جاتے ہیں لیکن وہ آپ سے پوچھیں گے کہ اس کو ان خاصیتوں کے ساتھ کس نے مخصوص کر دیا؟ کیا ذرات کی حرکت اس وجہ سے کہ اس سے ان کی وضع میں ایک خاص ترتیب آ جاتی ہے اتنے بڑے بڑے بڑے کام کرتی ہے؟ جن کی صحیح وجہ جس کو کہ عقل بھی مان لے بیان کرنے سے آپ لوگوں کی عقلیں بالکل عاجز ہیں۔

مقناطیسی سوئی کے ذریعہ سے بڑے بڑے صحرا اور سمندروں کو طے کیا جاتا ہے۔ سفر کرنے والے خطروں سے محفوظ رہتے ہیں اس لئے کہ یہ سوئی نہایت ہی امانت دار اور راہبر کا کام دیتی ہے اور صاف صاف راہ بتاتی ہے وہ ذات عجب پاک وذی شان ہے جس نے انسان کو جمادات میں سے ادنیٰ معدن کے ٹکڑے سے راہیں دریافت کرنے کی راہنمائی کی۔

علم نباتات

منجملہ کائنات ارض کے ہم نباتات کو دیکھتے ہیں اس نباتی دنیا کے حالات جس میں کہ حیرت انگیز اور تعجب خیز امور بکثرت موجود ہیں اور اس وجہ سے کہ اس میں مستحکم انتظامات' اسرار اور حکمتیں رکھی گئی ہیں نہایت ہی عجیب وغریب ہیں اور اس کے عجائبات میں سے یہ امر ہے کہ زمین' پانی اور ہوا کے اجزاء کو اپنے ہی طرح کر لیتی ہے اور انہیں اپنے طور پر بنا لیتی ہے۔ چنانچہ کہاں تو ان اشیاء میں نمو اور حیات کا نام ونشان بھی نہیں ہوتا۔ پھر دفعۃً ہم کیا دیکھتے ہیں کہ جہاں یہ اشیاء نباتی ترکیب میں داخل ہوئیں اور انہوں نے جسم نامی کی صورت قبول کر لی نمو ہونے لگا غذا حاصل کرنے لگیں نباتی حیات کے ساتھ موصوف ہو گئیں وہ وہ خواص انہوں نے حاصل کر لئے جو ان میں اس سے پہلے نہ تھے پھر ہم اس نباتی جسم کو دیکھتے ہیں تو ایک جہت سے تو ہم اسے بلا ارادہ اور مفقود الادراک پاتے ہیں اور وہ جماد سے بہت ہی مشابہ معلوم ہوتی ہے اور جب دوسری حیثیت سے ہم نظر کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ غذا حاصل کرنے کے لئے اس کی جڑیں زمین کے اندر گھس گئی ہیں۔ پس وہ حیوان کی طرح اپنی غذا طلب کرنے کے لئے اگرچہ قدموں پر نہیں چلتی لیکن وہ زمین کے اندر وہاں تک پہنچ جاتی ہے جہاں کہ حیوان نہیں پہنچا کرتا اور ہم اس کی شاخوں کو دیکھتے ہیں کہ بلند ہو جاتی ہیں یا وہ اپنے خار اور بیلوں کے ساتھ آفتاب کی روشنی سے نفع حاصل کرنے کے لئے مرتفع مقامات پر قیام کرتی ہے جیسے کہ حیوانات پھلوں کی تلاش میں درختوں پر چڑھ جاتے ہیں۔

شکاری نبات کا ذکر

کہاں تو ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ نبات سوا اجزاء ارضی' پانی اور ہوا کے اور کسی شے سے غذا حاصل نہیں کرتی اور پھر ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نباتات دوسروں کو چیر ڈالنے والی بھی ہوتی ہیں اور ایسی وہ نباتات ہیں جو دوسری نباتات میں اگتی ہیں۔ اور ان کے عرق سے غذا حاصل کرتی ہیں جیسے کہ بعض حیوانات بعض پر بسر کرتے ہیں اور انہی میں اس نبات کا بھی شمار ہے جس کے پتوں پر ایک قسم کا عرق ہوتا ہے جس پر مکھیاں نہایت حرص کے ساتھ گرتی ہیں اور جہاں اس کے پتا پر کوئی مکھی گری اور فوراً ہی اس نے محسوس کیا اور اس کے ساتھ ہی اس کو لے کر وہ بند ہو گیا۔ پھر جب تک وہ اس کا عرق بالکل چوس نہیں لیتا اس کو نہیں چھوڑتا اور اس وقت چھوڑتا ہے کہ جب وہ مردہ ہو کر مثل چھلکے کے رہ جاتی ہے۔ پس یہ نبات اپنی غذا حیوان سے حاصل کرتی ہے گویا اس نے تو نباتی دنیا کا حیوانی دنیا سے انتقام لے لیا۔ کیونکہ حیوان نبات کو کھاتے ہیں۔

ہوائی نبات کا ذکر

گو ہمارا یہ خیال ہے کہ نبات کے لئے اس کی جڑوں کا زمین یا دوسرے درخت سے متعلق ہونا جس میں کہ وہ چیر کر گھس جائے ضروریات سے ہے لیکن نہیں بعض نبات ہوائی بھی ہوتی ہیں اور یہ وہ بیلیں ہیں کہ جو دوسری چیزوں پر معلق رہتی ہیں زمین میں انکی جڑ نہیں ہوتی وہ اپنی غذا ہوا ہی سے حاصل کرتی ہیں اور تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کے پھول مکھی کی قسموں میں سے پروانہ' شہد کی مکھی وغیرہ کے مشابہ ہوتی ہیں اور جب ہوا انکو حرکت دیتی ہے تو دیکھنے والے کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ درخت پر پروانے چکر لگا رہے ہیں یا شہد کی مکھیاں کہ جو پھولوں سے شہد جمع کرتی ہیں۔

انسانی شکل رکھنے والی نبات

اور بعض ایسی بھی ہیں کہ جن کی شکل بالکل انسان کی سی ہوتی ہے اور جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ اگرچہ نبات ہوائی میں سے نہ تھی بلکہ اس کا شمار ان نباتات میں تھا جو کہ پیاز کی طرح زمین میں اگا کرتی ہیں۔ لیکن وہ ایسی نبات تھی جس کے اوپر ایک پھول لگا ہوا تھا جو کہ زرد چڑیا کی صورت پر تھا اس کے سر' آنکھیں' چونچ اور گردن بھی تھی اس کے بازو کسی قدر پھیلے ہوئے تھے اور قد میں اوپر کو اٹھی ہوئی جیسی کہ مرغ کھڑا ہوا کرتا ہے اور اس کے پیٹ کے نیچے ایک سنجابی رنگ کی شہد کی مکھی کی صورت تھی جو کہ اپنے منہ کو اس کے پیٹ پر اس طرح رکھے ہوئے تھی گویا کہ اس میں سے کچھ چوس رہی ہے۔ اس کے بھی سر دونوں آنکھیں موجود تھیں پیٹھ پر نقش و نگار بنے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور اس چڑیا کی رانوں کی جڑ سے اس کے بازو کھچ کر نکلے تھے پس گویا کہ وہی اس مکھی کے بازو ٹھہر سکتے تھے اور وہی اس چڑیا کی رانیں اور یہ سب اعضاء اس میں بالکل صاف صاف نظر آتے تھے۔ یہ بات نہ تھی کہ ان اعضاء کے دیکھنے میں مشابہت ہی مشابہت معلوم ہوتی ہو یہ ایسا تماشہ تھا کہ وہاں سے نظر ہٹتی نہ تھی اور اس کے پیدا کرنے والے کی وحدانیت' اس کی قدرت اور اس کے استحکام کی کھلی شہادت دے رہا تھا اور یہ پھول بیروت کے جنگلوں میں سے اس مقام پر پایا جاتا ہے جس کو کہ ظہور اشرفیہ کہتے ہیں اور اس اطراف کے بعض لوگ اسے چڑیا کا پھول اور بعض شہد کی مکھی کا پھول بھی کہتے ہیں۔ میں نے آپ لوگوں میں سے بعض کو دیکھا ہے کہ حیوانات کی صورت پر اس قسم کے پھولوں کے بننے کی عجب واہی تباہی وجہیں بناتے ہیں۔

حساس اور متحرک نباتات

پھر خیال کیجئے کہ کہاں تو ہم دیکھتے ہیں کہ بعض نبات کو کیسی ہی سختی سے کیوں نہ چھوا جائے لیکن اسے ذرا بھی احساس نہیں ہوتا۔ اسی بنا پر ہم حکم لگاتے ہیں کہ نبات اور حیوان میں جہاں اہم فرق ہیں یہ بھی ہے کہ حیوان میں تو احساس کرنے کی قوت پائی جاتی ہے اور نباتات میں نہیں لیکن یکایک ہم بعض نبات کو ذی حس بھی پاتے ہیں چنانچہ منجملہ ان کے چھوئی موئی کا درخت ہے کہ جب اسے چھوا جائے یا حرکت دی جائے تو اس کے چھوٹے چھوٹے پتے باہم مل جاتے ہیں اور باقی پتے کھچ کر رہ جاتے ہیں اور کوئی کوئی نبات حیوان کا شکار کرتی ہے چنانچہ ہم اس کا پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جب اس پر مکھی گرتی ہے تو اسے محسوس کر کے پکڑ لیتی ہے اور اس کو بالکل چوس جاتی ہے۔ کہاں تو ہمارا یہ خیال ہے کہ نبات جب تک کہ اسے کوئی خارجی فاعل مثل ہوا یا حیوان کے حرکت نہ دے تو وہ حرکت نہیں کرتی لیکن ہم دیکھتے کیا ہیں کہ بعض نبات بلا کسی ظاہری قاسر کے خود بخود بھی حرکت کرتی ہے۔ پس یہ نبات خود بخود ایسی حرکتیں کرتی ہے کہ ان سے ہوا میں ہندسہ کی مخروطی شکلیں بن جاتی ہیں۔ اس کا پتا تین چھوٹی چھوٹی پتیوں سے مل کر بنا ہوتا ہے جن میں سب سے بڑی پتی پتیوں بیچ میں اوپر کو ہوتی ہے اور وہ چھوٹی چھوٹی پتیاں اس سے نیچے دونوں طرف واقع ہوتی ہیں اور وہ دونوں پتیاں جب تک رہتی ہیں اس وقت تک رات و دن' گرمیوں میں' جاڑے میں' دھوپ میں' سایہ میں' خواہ آسمان صاف ہو یا بارش ہوتی ہو ہر حال میں برابر متحرک رہتی ہیں ان کی حرکت کبھی رکتی ہی نہیں۔ لگاتار حرکت متدیر کے ساتھ ان میں سے ایک اوپر کو اٹھتی ہے اور دوسری نیچے کو جھکتی ہے۔ ان کے خلاف اوپر کی درمیانی پتی سوائے صبح و شام کے اور کسی وقت نہیں حرکت کرتی۔

نباتاتی گھڑی

یعنی اس نبات کا ذکر جس کی پتیاں ہر منٹ میں ساٹھ حرکت کرتی ہیں آپ ہی لوگوں کی زبانی معلوم ہوا ہے کہ انہوں نے ہند میں دریائے گنگا کے کنارہ پر ایک گھاس دیکھی ہے جس کی پتیاں اسی طرح ہر منٹ میں ساٹھ حرکت کرتی ہیں۔ پس وہ تو ایک زندہ اور بڑھنے والی گھڑی ہے جو بند ہی نہیں ہوتی اور نہ اپنے رکھنے والے کو اپنے لئے کسی قسم کے صرف کرنے کی تکلیف دیتی ہے۔ ہند کے مشرک اس گھاس کو مقدس سمجھتے ہیں

اور اس کی طرف خداوندی قوت کی نسبت بتلاتے ہیں حالانکہ وہ تو اپنے پیدا کرنے والے کی ربوبیت کے ساتھ متفرد ہونے پر شاہد ہے۔

سورج مکھی کا عجیب وغریب پھول

بعض نبات کی یہ حالت ہے کہ اس کا پھول آفتاب کی حرکت کے ساتھ ساتھ حرکت کرتا اور پھرتا جاتا ہے (جس کو ہند میں سورج مکھی کہتے ہیں) وہ ہماری طرف کے شہروں میں بکثرت پایا جاتا ہے لوگ اس کو فلک اور عابد شمس کہا کرتے ہیں کیونکہ اس کا متدیر پھول جس میں کہ عجیب وغریب رنگوں کے دائرے پائے جاتے ہیں جو کہ نہایت ہی مضبوطی کے ساتھ بنے ہوتے ہیں وہ چاروں طرف سے ریشوں سے گھرا ہوتا ہے جو کہ مثل ریشمی ڈوروں کے معلوم ہوتے ہیں اس میں بعض اقسام میں یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اس کے بیچ میں گھڑی کے کانٹے کے مثل ایک شے ہوتی ہے جس وقت آفتاب نکلتا ہے اس وقت یہ پھول بالکل اسی کے آمنے سامنے ہوتا ہے اور جوں جوں آفتاب بلند ہوتا جاتا ہے اتنا ہی یہ پھول بھی اسی طرف منہ کئے ہوئے اٹھتا جاتا ہے حتیٰ کہ دوپہر کے وقت یہ پھول مسطح نظر آتا ہے اور پھر آفتاب جتنا کہ غروب کے لئے جھکتا جاتا ہے اتنا ہی یہ پھول بھی جھکتا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ غروب ہونے کے وقت اس سے مفارقت ہوجاتی ہے۔

کوہ لبنان اور امریکہ بڑی ترائی میں ایک قسم کا درخت دیکھنے میں آیا ہے اس درخت کی لمبائی تین سو سے چار سو قدم تک ہوتی ہے اور بعض بعض کا قطر تو زمین کے قریب تیرہ قدم تک پایا گیا ہے اور پوست کی موٹائی اٹھارہ قیراط تک کی ہوتی ہے۔ ان میں سے بعض بعض درخت تو اتنے بڑے ہوتے ہیں کہ اگر اس کا تنا اندر سے خالی کر کے ڈال دیا جائے تو اس میں سے سوار اپنے گھوڑے کی پشت پر کھڑے ہو کر اس طرح پر چل سکتا ہے کہ اس کا بدن اس سے چھونے بھی نہ پائے۔ اسکاٹ لینڈ میں ایک درخت ہے جس کا محیط نوے قدم کا ہے اور اسی نوع کے چھوٹے سے چھوٹے درخت سے مقابلہ کر کے اس کی عمر کا حساب لگایا گیا ہے اس حساب سے اس کی عمر پانچ ہزار برس کی معلوم ہوتی ہے اور کیلیفورنیا میں ایک صنوبر کا درخت ہے جس کا طول تین سو قدم کا اور محیط انیس قدم کا ہے عمر چھ ہزار برس کی ہے اور اس سب سے عجیب وغریب ایک عندم کا درخت ہے جو کہ بحر اوقیانوس (اٹلانٹک اوشن) کے جزائر کناریا میں سے ایک میں موجود ہے اس کا تنا اتنا موٹا ہے کہ اگر دس آدمی ہاتھ پھیلا کر اس طرح کھڑے ہوں کہ ایک کی انگلیوں کے سرے سے دوسرے کی انگلیوں کے سرے ملے رہیں جب بھی اس کو گھیر نہیں سکتے۔ قریب چار سو برس کے زمانہ گزرا ہوگا جب سے کہ یہ جزیرہ دریافت ہوا ہے آج تک اس درخت میں بظاہر کوئی تبدیلی محسوس نہیں ہوئی کیونکہ اس قسم کے درخت کا نمو بہت ہی آہستہ آہستہ ہوتا ہے جیسا کہ اس نوع کے چھوٹے چھوٹے درختوں کے مشاہدہ سے معلوم ہوا ہے اس لئے جانے کتنی صدیاں اس پر گزر چکی ہوں گی اور بعض لوگ تو ان میں سے یہاں تک کہتے ہیں کہ میرے نزدیک تو انسان کے پیدائش سے بہتیری صدیوں کے پہلے سے وہ درخت بڑھ رہا ہے۔

نباتات کا بیان جو بذریعہ خوردبین دریافت ہوئیں

نباتات میں سے ہم ایک نہایت ہی چھوٹا عالم بھی دیکھتے ہیں جس کا پتہ بذریعہ خوردبین (مائیکرااسکوپ) کے لگا ہے۔ جیسے کہ کائی جو پانی کی سطح پر تیرتی ہے یا دیواروں وغیرہ پر جم جاتی ہے بذریعہ خوردبین کے دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کہ وہ باغ یا مرغزار یا ایک گنجان جنگل ہے جس میں کہ باوجود اس قدر چھوٹے اور دبے ہوئے ہونے کے پھول اور تخم سب ہی کچھ موجود ہوتا ہے۔ منجملہ اور غبارات کے ہوا میں وہ بھی منتشر ہوتے ہیں دیواروں وغیرہ پر گر پڑتے ہیں۔ پس جب اس کے موافق زمانہ آتا ہے وہ جم کر بڑھنے لگتے ہیں پھر پھول اور تخم پیدا ہوتے ہیں۔ اگرچہ خالی آنکھوں کو تو محض ایک سبز غبار سا نظر آتا ہے اور کچھ بھی نہیں۔ ہم نبات میں ایسی صفات دیکھتے ہیں کہ جن کے اعتبار سے وہ باہم ایک دوسرے کے خلاف ہوتی ہیں ان کی اور ان کے پتوں کی شکلیں مختلف ہوتی ہیں۔ پھول، پھل، تخم، بو اور ذائقہ کے اعتبار سے ان میں نہایت تفاوت پایا جاتا ہے۔ ان کے منافع اور مضرتیں بے شمار ہیں۔

پھولوں کو لیجئے تو ان میں بھی بڑا اختلاف ہے ان کے رنگ اور شکلوں کے بیان میں بڑا طول ہوسکتا ہے چنانچہ کوئی پھول گول ہوتا ہے کوئی لمبا، کوئی اکہرا، کوئی دوہرا، اسی طرح بے شمار شکلیں ہوتی ہیں، رنگوں کو دیکھئے تو سفید، سرخ، زرد، نیلگوں، سبز اور رنگ برنگ کے نقوش سے منقش نظر آتے ہیں۔ پھر کسی میں دو ہی رنگ ہیں، کسی میں بہت متخالف رنگ جمع ملتے ہیں۔ ہر ایک کی خوشبو میں خاصیت ہی جدا ہوتی ہے کوئی خوشبو نہایت پاکیزہ اور دل خوش کن ہوتی ہے کوئی نہایت ہی ناگوار کہ جان ہی لے لیتی ہے۔ خوشبو کے اختلاف کی نسبت اسی قدر آگاہ کر دینا کافی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نوع کے پھول کی خوشبو کو مقدار کے نوع کی خوشبو کے ساتھ پورے طور سے ہم ملتے ہوئے پاتے ہی نہیں اور پھلوں میں شکل، رنگ، بو، ذائقہ اور مقدار کے لحاظ سے تو اتنا اختلاف ہے کہ عقل حیران رہ جاتی ہے چنانچہ بڑے

چھوٹے' چوڑے لمبے گول' کڑوی جھکے ہوئے نوکدار وغیرہ اقسام کے پائے جاتے ہیں پھر ان کا رنگ بھی سرخ زرد' سفید' سیاہ' نیلگوں' منقش وغیرہ دیکھا جاتا ہے۔ بعض پھلوں میں ایسی پاکیزہ خوشبو ہوتی ہے کہ وہ نہ تو اس کے پھول میں پائی جاتی ہے نہ پتوں میں۔ اس کے سروں پر دوسرے قسم کی اسی کے قریب قریب خوشبو ہوتی ہے۔ ذائقہ کو لیجئے تو شیریں' ترش' چاشنی دار' تلخی اسی طرح اتنے ذائقے ہوتے ہیں کہ شمار میں نہیں آسکتے۔

پھلوں میں ایک نہایت عجیب بات یہ ہوتی ہے کہ ان کے چھلکوں میں جو مزہ' رنگ اور بو پائی جاتی ہے وہ ان کے گودے میں نہیں ہوتی اور ان میں سے جو ہم گودہ میں دیکھتے ہیں اس کا پتہ تخم میں نہیں ملتا اور جو تخم میں پایا جاتا ہے وہ درخت کے کامل اجزاء میں نہیں پایا جاتا۔ بعض پھلوں کے اندر مختلف شکلوں کے بیج طرح طرح کی خوشبوئیں' مزے اور رنگ پائے جاتے ہیں۔ بعضے بیج سے بالکل خالی ہوتے ہیں۔ پھر کسی پر ایک غلاف چڑھا ہوتا ہے کسی پر زیادہ اور کسی پر کچھ بھی نہیں ہوتا۔ کوئی پھل ہوتا تو چھوٹا ہے لیکن اس کا درخت بہت بڑا ہوتا ہے جیسے کہ انجیر یا برگد۔ بعض پھل بڑے ہوتے ہیں اور پیدا بیلوں سے ہوتے ہیں جیسے کہ خربوزہ' بعض مہینہ بھر میں بار آور ہوتے ہیں بعض اس سے بھی کم مدت میں۔ بعض کا پھل برسوں کے بعد ہاتھ آتا ہے۔ بعض کے ریشوں' جڑوں' پتوں' پھول' پھل' تخم' پوست' یا عرق سے فائدہ حاصل کیا جاتا ہے۔ بعض کی فقط دو ہی چیزیں کام میں آتی ہیں بعض کی زیادہ' بعض کی کل چیزیں بعض کی جڑ مفید ہے اور پھل' یا پتے' یا پھول ضرر رساں بعض کی اس کے خلاف حالت ہے۔ پس ایک ہی نبات میں مرض اور دوا دونوں ہی مجتمع پائے جاتے ہیں۔

نباتاتی دنیا سے خدا کی صفات کمالیہ

کیا ان تمام صورتوں اتنی نوع بنوع کی چیزوں اور پھر ان پر اس قدر منافع کے مرتب ہونے اور اتنے اسرار ظاہر ہونے کی وجہ باوجودیکہ ان کا اصل مادہ بھی ایک تمام اسباب جو ہر یہ بھی متفق ہیں محض ذرات مادہ کی حرکت قرار پاسکتی ہے اور وہ بھی اندھا دھند ضرورت کے ساتھ یا مجرو اتفاق جو کہ بالکل بے معنی ہے اس کی وجہ ٹھہر سکتا ہے یا وہ قوانین قدرت جو کہ نہ تو کچھ جانتے ہی ہیں اور نہ کچھ ارادہ ہی کر سکتے ہیں اس کا باعث سمجھے جاسکتے ہیں؟ یا یہ بات ہے کہ یہ سب اشیاء کسی ذی قدرت اور عجیب طور پر پیدا کرنے والے' غالب صاحب حکمت اتنے بڑے جاننے والے کے پیدا کرنے سے جس کو کہ جتنی چیزیں ہو چکی ہیں یا ہونے والی سب اس کی خبر سے موجود ہوئی ہیں؟ بے شک یہ سارے عجائب وغرائب پکار پکار کر اس بات کی شہادت دے رہے ہیں کہ ضرور عالم کا کوئی بڑا واقف کار خدا اور ذی حکمت بنانے والا ہے جو کچھ وہ چاہتا ہے پیدا کرتا ہے اور جس امر کا ارادہ کرتا ہے کر گزرتا ہے۔

روٹی کا درخت

پس سنئے کہ نباتی دنیا کی حیرت خیز نعمتوں میں سے روٹی کا درخت ہے جو بحر الکاہل (پیسیفک اوشن) کے جزائر میں پایا جاتا ہے اس میں کروی شکل کے پھل لگتے ہیں جن میں سے چھوٹے سے چھوٹے پھل کا قطر چار قیراط کا اور بڑے سے بڑے کا قطر سات قیراط تک کا ہوتا ہے۔ اس کا وزن چار سو بیس درہم یعنی ایک ہزار چار سو ستر ماشہ کا ہوتا ہے اور ہر سال آٹھ ماہ تک برابر اس میں سے پھل توڑے جاتے ہیں۔ ان جزائر کے لوگ اس قدرتی روٹی پر بسر کرتے ہیں جیسے کہ ہم لوگ مصنوعی روٹی پر گزر کیا کرتے ہیں۔ وہی ان کی ساری غذا ہوتی ہے۔ خدا تعالیٰ نے ان کے لئے بلا کسی مشقت کے جو ہم کو اپنی روٹی کے تیار کرنے میں اٹھانا پڑتی ہے ان کو مہیا کر دیا ہے۔ اس درخت سے ان کو اور بہت سے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ ان کے خوان اس کی لکڑی کے ہوتے ہیں۔ اس کی چھال سے وہ اپنے کپڑے بناتے ہیں اور اس کے تنا کی ان کی ڈونگیاں بنتی ہیں۔

دودھ کا درخت

اسی قبیل سے دودھ کا درخت ہے اس کے اقسام میں سے جو قسم ہیا ہیا (شاید تاڑ یا کھجور کا درخت مراد ہے) کہلاتی ہے ہند میں بھی پائی جاتی ہے اس کے تنا میں شگاف دیتے ہیں پھر اس سے بہت عمدہ دودھ گائے کے دودھ سے ذرا گاڑھا نکلتا ہے۔ برازیل میں ایک درخت ہوتا ہے جس کا نام (ماسارندویا) ہے وہ ماہ شباط (شباط ایک رومی مہینہ کا نام ہے قریب مارچ) میں پھولتا ہے اور اس میں پھل لگتے ہیں جن کا ذائقہ شربت لیموں کا ہوتا ہے اور اس کے تنا سے سفید رنگ کا دودھ نکلتا ہے جو مرغوب الطبع اور بکری کے دودھ سے اچھا ہوتا ہے وہاں کے باشندے اسے بطور غذا کے استعمال کرتے ہیں اور اسی سے ان کو مادۂ حیات حاصل ہوتا ہے۔

بالائی کا درخت

اسی قبیل سے بالائی کا درخت ہے جو کہ ہند اور افریقہ میں پیدا ہوتا ہے اس میں ایسا پھل لگتا ہے جس کے اندر کا گودا قوام اور ذائقہ میں بالکل

بالائی کی طرح ہوتا ہے۔ گرم ملکوں میں مہینوں تک برتنوں میں رکھا رہتا ہے نہ اس کے رنگ میں کچھ فرق آتا ہے اور نہ اس کا ذائقہ ہی بگڑتا ہے۔

اسی قبیل سے جوز ہندی یعنی نارجیل کا درخت ہوتا ہے اس میں اتنے منافع پائے جاتے ہیں کہ وہ سب کسی ایک درخت میں مشکل سے ملیں گے چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اس کے پھل سے پکنے کے قبل شراب بنائی جاتی ہے اور پکنے کے بعد اس سے جو مادہ بنتا ہے بالکل دودھ کے مشابہ ہوتا ہے مثل ترکاری کے اس کے پتے پکتے ہیں اس کے پھول کے عرق سے شکر بنتی ہے اس کے لکڑی اور اس کے پھل کے چھلکے سے برتن پیالے گھڑے تیار ہوتے ہیں۔ گھروں میں اس کی لکڑی کی دھنیاں بھی لگائی جاتی ہیں اس کے پتوں کے ٹاٹ اور سائبان بنے جاتے ہیں۔ اسکی چھال کے ریشوں سے کپڑے چھلنیاں بورے اور رسی تیار کئے جاتے ہیں۔ اس کے پھلوں سے گری کا تیل نکالا جاتا ہے اسکی لکڑی کے برادہ سے لکھنے کی روشنائی بنتی ہے۔ اس کے پتوں سے لکھنے کا کاغذ بنایا جاتا ہے۔ کھجور کا درخت بھی کثرت منافع کے لحاظ سے اس سے کچھ کم نہیں۔ وہ میوہ کا میوہ ہے اور غذا کی غذا۔ ذخیرہ بنا کر رکھئے جب بھی رہ سکتا ہے۔ اس کی لکڑی شاخیں ڈالیاں چھال یہاں تک کہ اسکی گٹھلی بھی کام میں آتی ہے۔ گٹھلی کو پیس کر اونٹوں کو کھلاتے ہیں۔ پس اس منعم حقیقی کی عجب پاک ذات ہے جو اپنے بندوں کو عجیب و غریب نعمتیں عنایت کرتا ہے ان پر طرح طرح کے احسانات کرتا ہے انواع انواع اور قسم قسم کی اشیاء کے پیدا کرنے پر قادر ہے۔

علم نباتات کے جاننے والے خداوندی عظمت وقدرت پر استدلال کرنے کے سب سے زیادہ مستحق ہیں

جنہوں نے جلدیں کی جلدیں اس کے حالات کے بیان میں بھر دی ہیں آپ انہیں دیکھیں گے کہ اس کے احوال سے بحث کرنے میں وہ ایسے مستغرق ہیں کہ اس کے کلہ کے پھوٹ نکلنے اس کے بڑھنے اور اس کے تمام تغیرات سے جو کہ اس کے بونے کے وقت سے لے کر انتہا کو پہنچنے تک اس پر طاری ہوتے ہیں سب سے بحث کرتے ہیں۔ اس کی نسل کے چلنے اور اس پیدائشی مادہ سے باردار ہونے کی کیفیت جو کہ اس میں حیوان کی منی کے قائم مقام ہوتا ہے بیان کرتے ہیں۔ اس کی جڑ تنا شاخوں پتوں اس کے پھل کے غلافوں پھولوں پھلوں اور بیجوں کی ساخت کی تشریح کرتے ہیں اور ان سب چیزوں کے اعضاء اور ان انتظامات کو ظاہر کرتے ہیں جو ان میں قائم ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے خواص کام منافع تغیرات مدت حیات ان کے انواع کے اختلافات کو ذکر کرتے ہیں۔ ان کو قطار گروہ انواع اجناس اور افراد وغیرہ کی جانب منقسم کرتے ہیں۔ ان کا باہمی فرق ظاہر کرتے ہیں۔ بہر حال یہ ساری باتیں ایسی ہوتی ہیں جس سے عقل دنگ رہ جاتی ہے اور ان کے پیدا کرنے والے کی قدرت کی عظمت اور اس کی صورت بنانے والے کی حکمت معلوم ہوتی ہے۔

حیوانی عجائب وغرائب سے خداوندی عظمت

پھر اس زمین کے رہنے والوں میں ہم حیوانی دنیا کو دیکھتے ہیں یہ وہ مصنوع ہے کہ جو عجیب وغریب ہونے کے اعتبار سے جس کا درجہ بہت ہی عالی ہے۔ استحکام اور مضبوطی کے لحاظ سے جس کا مرتبہ بہت ہی بڑھا ہوا ہے۔ چنانچہ کہاں تو ہم نے نبات کو دیکھا تھا کہ زمین میں جم کر غذا حاصل کرنے اور نمو پانے کے ذریعہ سے جمادی مادوں کو اس نے اپنے نباتی ساخت کے مثل بنالیا۔ پھر دفعتہً ہم دیکھتے کیا ہیں کہ حیوان اس کو منہ میں رکھ گیا اور اس نے اسے اپنے منہ کے آلات کے حوالے کر دیا۔ انہوں نے اس کو چبا کر پیسا اور اس طرح کچھ ہضم کیا پھر اس نے اپنے لعاب دہن کے ساتھ ملا ڈالا تاکہ کسی قدر اور ہضم حاصل ہو جائے اس کے بعد اس نے نگل کر اپنے معدہ اور امعاء میں پہنچا لیا وہاں پہنچ کر حرارت اور ہاضم عرقوں کے باعث سے وہ بالکل منہضم ہو گیا اور اس سے ایک غذائی یا پرورش کنندہ مادہ جدا ہوا اور پھر وہ وہ کام وہاں ہونے لگے جن سے عقل کو حیرت سی ہو گئی۔

جو حیوانات خوردبین سے نظر آتے ہیں

اور بعض نہایت ہی چھوٹے ہوتے ہیں حتیٰ کہ بلا مدد خوردبین کے جس کے ذریعہ سے بہت ہی چھوٹے چھوٹے جانداروں کی کائنات کا پتہ لگا ہے نظر ہی نہیں آسکتے۔ اس مخفی مخلوقات کا نام نقاعی رکھا گیا ہے کیونکہ سب سے پہلے یہ اس پانی میں دریافت ہوئے تھے جس میں کہ سبز گھاس بھیگ رہی تھی اور وہ ہزاروں اور لاکھوں ہی ایک قطرہ پانی میں بلا کسی مزاحمت اور رکاوٹ کے تیرتے رہتے ہیں پھر باوجودیکہ وہ اس قدر چھوٹے ہوتے ہیں تب بھی ان میں حیات ہوتی ہے۔ تمام حیات کے آلات پائے جاتے ہیں۔ وہ اجناس انواع اور اصناف پر منقسم ہوتے ہیں۔ ان کی شکلیں بھی مختلف ہوتی ہیں ان کی بعض قسموں میں فاسفورس کا مادہ پایا جاتا ہے جن میں سے بے شمار سمندر کی سطح پر جمع ہو جاتے اور اس طرح پر چمکتے اور روشن ہوتے ہیں جس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آگ کا سیلاب اٹھ رہا

ہے وہ سب رات دن جاگتے ہی رہتے ہیں کسی وقت سوتے ہی نہیں اور نہ کبھی آپ ان کو حالت سکون میں دیکھ سکتے ہیں ہاں جب وہ اپنی اصل سے پیدا ہی نہیں ہوئے تھے اس وقت ساکن ہوں تو ہوں اور علماء علم حیوانات کی بحث وتحقیقات سے یہ بات ظاہر ہوئی ہے کہ ان چھوٹے چھوٹے کیڑوں میں سے سولہ کروڑ کیڑوں کا وزن بھی ایک دانہ گیہوں کے برابر نہیں پہنچ سکتا اور روئے زمین پر جتنے آدمی بستے ہوں گے ان سے شمار میں کہیں زیادہ یہ چھوٹے چھوٹے کیڑے صرف ایک قطرہ پانی میں موجود ہوتے ہیں اور ان لوگوں نے دیکھا ہے کہ ذرا سی دیر میں ہزاروں کے ہزاروں ہی بچے ان میں سے ایک ایک کیڑے کے پیدا ہوتے ہیں۔ پھر ان کیڑوں میں قسم قسم کے اعضاء بکثرت پائے جاتے ہیں انہیں اپنی غذا حاصل کرنے کی سمجھ ہوتی ہے انہیں اتنی تمیز ہوتی ہے کہ نافع چیز کی طرف مائل ہوں اور ضرررساں سے بھاگیں اور اس قدر ہوشیاری ان میں پائی جاتی ہے کہ وہ خطروں سے بچتے ہیں ایک دوسرے سے ٹکراتے نہیں اور نہ کوئی کسی سے مزاحمت کرتے ہیں۔ ہزاروں لاکھوں کروڑوں ہی ایک قطرہ پانی میں تیرا کرتے ہیں جیسا کہ ہم پیشتر بیان کر چکے ہیں وہ بڑی تیزی سے حرکت کرتے ہیں وہ یہاں تک چھوٹے ہوتے ہیں کہ بعضوں کے قول کے مطابق ان میں سے ایک نوع ایسی ہوتی ہے کہ جن میں سے ایک کیڑا اگر دیکھا جائے تو وہ ایک بال کے حجم کے دو ہزار حصوں میں سے ایک حصہ سے کسی طرح زیادہ نہیں ٹھہر سکتا اور اس پر بھی ہر ایک میں اس کی زندگی کے قائم رکھنے کے لئے کافی اعضاء موجود ہوتے ہیں۔ پس وہ ذی قدرت پیدا کرنے والا بڑا ہی بابرکت ہے۔

جانوروں کی عمر اور توالد وتناسل

اور حیوانات میں سے بعض کی عمر بہت ہی بڑی ہوتی ہے اور بعض کی بہت تھوڑی اس طرح پر ان کی عمروں میں عجب اختلاف پایا جاتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کو ایک مدت کے ساتھ خصوصیت پائی جاتی ہے کہ عقل اس کے لئے اسی خاص مدت کے ہونے کی کوئی قطعی وجہ نہیں بتلا سکتی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے سینگ کے جانوروں کی عمر سینگ والے جانوروں سے زیادہ ہوتی ہے اسی طرح جرأت والے جانور بودے جانوروں سے زیادہ مدت تک زندہ رہتے ہیں۔ پانی اور خشکی کے جانور ہوائی جانوروں سے زیادہ عمر والے ہوتے ہیں لیکن گدھ، کرگس طوطے اور کوے اتنے ہی دن زندہ رہتے ہیں جتنے دن کہ انسان اور یہ بات تو مشہور ہے کہ ایک قسم کا کرگس ہوتا ہے جو دو سو برس تک۔ کچھوا دو سو بیس سال تک، ہاتھی سو برس تک زندہ رہتا ہے اور خشکی میں رہنے والا اور آبی مینڈک ان جانوروں سے جو اس کے برابر ہوتے ہیں زیادہ دن تک جیتا ہے اور کسی نے تو ایک مینڈک کی چھتیس سال تک نگہداشت کی تھی اور اس میں ضعیفی کی کوئی علامت بھی ظاہر نہیں ہوئی۔ گھوڑا غالباً تیس سال تک زندہ رہتا ہے اور اب تک تو یہ بات معلوم نہیں ہوئی کہ کوئی گھوڑا ساٹھ برس کی عمر تک پہنچا ہو۔

بکری کی اوسط عمر پندرہ برس کی اور کتے کی اوسط عمر بیس برس کی ہوتی ہے۔ اسی طرح کیا چھوٹے اور کیا بڑے ہر حیوان کی ایک خاص عمر ہوتی ہے۔

حیوانات میں سے بعض ہوا میں زندگی بسر کرتے ہیں۔ بعض پانی میں رہتے ہیں بعض سطح زمین پر بعض دونوں میں پھر کوئی اپنے دو پیروں پر چلتا ہے اور اس کے دونوں ہاتھ غذا کے تناول کرنے اور کام کاج کرنے کے آلات ہوتے ہیں یا وہ اس کے دونوں بازو قرار پاتے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ ہوا پر اڑ سکتا ہے۔ بعض کے چلنے کے لئے چار پیر ہوتے ہیں اور بعض کے اس سے بھی زیادہ کئی کئی دہائیوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے جیسے کہ کھنکھجورا۔ اور بعض اپنے پیٹ کے بل ان چھلکوں کے ذریعہ سے جو اس پر لگے ہوتے ہیں چلتے ہیں۔ درختوں اور دیواروں پر چڑھ جاتے ہیں جیسے کہ سانپ، بعض اپنی غذا کو اپنے ہاتھوں سے لیتے ہیں۔ بعض اپنے منہ سے۔ بعض چونچ سے، بعض ناک سے جیسے کہ ہاتھی۔ بعض اپنی زبان سے لیتے ہیں جیسے کہ گرگٹ۔ وہ اپنی لمبی زبان میں ایک لیس دار مادہ لگا کر نکالتا ہے۔ اس طرح وہ مکھی وغیرہ کو ہوا سے پکڑ لیتا ہے۔

بعض حیوانات کے شکم کے اندر ہی بیضہ ٹوٹ کر بچہ نکل آتا ہے اور وہ وہیں پر تام الخلقت بھی ہو جاتا ہے اس کے بعد پیدا ہوتا ہے جیسا کہ اکثر دودھ پلانے والے حیوانات کا حال ہے اور بعض انڈے دیتے ہیں۔ انڈے کے اندر بچے کی غذا وغیرہ کا پورا سامان مہیا رہتا ہے اور اسی کے اندر اس کی خلقت کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ حالت پرندوں بعض سانپوں اور چھپکلی کی دیکھی جاتی ہے۔

بعض اپنے بچوں کو اپنی پیٹھ پر لادے پھرتے ہیں جیسے کہ ایک جانور امریکہ میں ہوتا ہے۔ بعض اپنے بچوں کو ایک تھیلی میں لئے پھرتے ہیں جو کہ ان کے پیٹ کے پاس ہوتی ہے۔ غذا تلاش کرنے کے وقت اس میں سے نکال لیتے ہیں اور سونے کے وقت پھر اسی میں رکھ لیتے ہیں وہ آسٹریلیا میں ایک قسم کا جانور ہوتا ہے۔ بعض کے فضلہ اور بیضہ کے نکلنے کا ایک ہی راستہ ہوتا ہے۔ بعض کی یہ کیفیت نہیں ہوتی۔ بعض حیوانات کے جفتی

کھانے کا ایک وقت معین ہوتا ہے۔ بعض کا جفتی کا کوئی وقت معین نہیں ہوتا۔ بعض جفتی کے وقت مادہ کے اوپر آ جاتے ہیں۔ بعض اپنی مادہ کی دم سے دم ملا کر جفتی کھاتے ہیں۔ بعض اپنی مادہ کے پہلو سے پہلو ملا کر رگڑتے ہیں یہاں تک کہ وہ انڈے دے دیتی ہے اور ان کے اوپر نر اپنی منی کو گرا دیتا ہے۔ اس طرح پر بچہ بنتا ہے جیسے کہ بعض مچھلیوں کا حال ہے۔ بعض کے انڈوں کے نقوش ان کے رنگوں کے مشابہ ہوتے ہیں جیسے کہ چکور اور بعض ہندی مرغیاں کیونکہ ان کے بیضوں میں رنگ برنگ کے خطوط ہوتے ہیں جو کہ ان کے پروں کے رنگ کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں۔ بعض کے انڈے سفید یا کسی اور رنگ کے ہوتے ہیں جن کو اس کے پروں کے ساتھ ذرا بھی مشابہت نہیں رکھتی۔ پھر یہ انڈے شکل، مقدار اور ہیئت کے اعتبار سے مختلف طرح کے ہوتے ہیں چنانچہ بعض گول ہوتے ہیں بعض لمبے بعض بڑے بعض چھوٹے، بعض کسی اور طرح کے، بعض حیوانات کے ایک ہی بچہ پیدا ہوتا ہے۔ بعض کے زیادہ ہوتے ہیں یہاں تک کہ ان کی تعداد نہایت ہی عظیم ہوتی ہے۔ بعض کا بدن پروں سے ڈھکا ہوتا ہے جن کی وجہ سے وہ گرمی اور سردی سے محفوظ رہتے ہیں اور وہ اپنی مضبوط ساخت کے سبب سے اس کے اڑنے کے لئے بھی موزوں ہوتے ہیں۔ آیئے ہم کسی طائر کے دونوں بازوؤں کے پروں کو دیکھیں کہ پروں کے لئے یہ ضروری امر ہے کہ وہ اڑنے میں ان کے بدن کے اٹھانے کے لئے کافی مقدار پھیلیں۔ اس لئے آگے کے دبیز پر پولے بنائے گئے ہیں تاکہ اڑنے میں ہلکے معلوم ہوں۔ لیکن باوجودیکہ وہ پولے ہوتے ہیں ان کا مادہ ایسا مضبوط اور لوچدار ہوتا ہے جس کی وجہ سے وہ صدمات کے متحمل ہو سکتے ہیں اور آسانی سے ٹوٹتے نہیں اور ان میں سے پچھلے پر ایک نہایت ہلکے گودے کے مثل مادہ سے بھرے ہوتے ہیں جن کا اٹھانا کوئی گراں نہیں گزرتا یہ عجیب حیرت انگیز انتظام کیا گیا ہے جس کو دیکھ کر عقل اس کے بنانے والے کی حکمت کا یقین کر لیتی ہے۔

علاوہ بریں ایک جانور ایسا بھی ہوتا ہے جس کے باوجودیکہ پر نہیں ہوتے لیکن اسے بھی اڑنے کی قوت عنایت ہوئی ہے اس جانور کے بدن پر روئیں ہوتے ہیں اور اس کے دونوں بازو پتلی جھلی کے بنے ہوتے ہیں جن سے کہ وہ اڑا کرتا ہے۔ تمام پرندوں کے خلاف اس میں یہ بات بھی دیکھی گئی ہے کہ اس کے بجائے چونچ کے منہ ہوتا ہے جس میں دانت موجود ہوتے ہیں اور اس کے دونوں بازوؤں پر ہتھیلیاں بھی لگی ہوتی ہیں اس جانور کا نام چمگادڑ ہے جس میں کہ دودھ پلانے والے جانوروں کے خواص پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ ان کو ان کے ساتھ شکل اور منی کے اعتبار سے مشابہت حاصل ہوتی ہے فرق اس بات میں ہے کہ وہ اور پرندوں کی طرح ہوا میں اڑتا ہے۔ وہ ذات نہایت مبرا اور بے مثل ہے جس پر اس کی مصنوعات کے بارہ میں کوئی قانون حکومت نہیں کر سکتا اور نہ اس کی قدرت عمل کے طریقوں میں سے کسی ایک طریقہ کے ساتھ محدود ہو سکتی ہے تاکہ اسے اسی کی پابندی کرنا پڑتی اور وہ اس کی مخالفت کرنے پر قادر نہ ہو سکتا بلکہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور اپنی مخلوقات کو جس طور پر ارادہ کرتا ہے بنا دیتا ہے۔ حیوانات میں سے کسی کا بدن ان سے چھپا ہوتا ہے کسی کا بالوں سے کسی کا روؤں سے کسی کا ہڈی سے جیسے کہ کچھوا کسی کا چھلکوں سے اور کسی کی کھال پر کچھ نہیں ہوتا صاف نظر آتی ہے۔ پھر حیوانات کی شکل اور ہیئت میں جو اختلاف پایا جاتا ہے اس سے عقل دنگ ہو کر رہ جاتی ہے۔ چنانچہ بعض لمبے ہوتے ہیں بعض گولائی لئے ہوئے۔ بعض کی شکل نصف کرہ کی سی ہوتی ہے۔ بعض کے ہاتھ لمبے ہوتے ہیں اور پیر چھوٹے جیسے کہ ظرافہ، بعض کی شکل اس کے خلاف ہوتی ہے جیسے کہ خرگوش، بعض کی گردن چھوٹی ہے بعض کی لمبی یہاں تک کہ کسی کی تو گردن اتنی لمبی ہوتی ہے کہ وہ رسی کی طرح اپنی گردن کو لپیٹ لیتا ہے اس قسم کا طرابلس کے اطراف میں ایک پرندہ پایا جاتا ہے جو عصفور سے ذرا بڑا ہوتا ہے۔ بعض کے دو ہی آنکھیں ہوتی ہیں بعض کے بہت زیادہ جیسے کہ بعض بعض مکڑیوں میں پائے جاتے ہیں۔ بعض کے دم ہوتی ہے بعض کے چکی بعض کے کان لمبے ہوتے ہیں بعض کے گول، پھر حیوانات میں سے بعض کے سم ہوتے ہیں بعض کے کھر، بعض کے خف جیسے کہ اونٹ کے بعض کے قدم۔ بعض کے پنجے۔ بعض حیوانات میں اوجھڑی دیکھی جاتی ہے تاکہ نباتی غذا جس کی زیادہ مقدار میں ضرورت پڑتی ہے اس میں پرورش کے لئے کافی طور پر رہ سکے یہ بات نبات خور جانوروں میں ہوا کرتی ہے اور بعض کے فقط معدہ ہی ہوتا ہے کیونکہ ان کی حیوانی غذا ان کی پرورش کے لئے بہت تھوڑی مقدار میں کافی ہو جاتی ہے۔ بعض حیوانات کے دانت ایسے ہوتے ہیں جن سے وہ گوشت کو جو کہ ان کی غذا ہوتی ہے پارہ پارہ کر سکیں۔ بعض کے دانت اپنی غذا یعنی نباتات کے چبانے کے لائق ہوتے ہیں۔ پھر دانتوں کی ساخت کو ملاحظہ کیجئے خصوصاً انسان میں اور جس ترتیب سے کہ وہ رکھے گئے ہیں اس کے دیکھنے سے اہل نظر کو تو ایک حیرت سی ہو جاتی ہے چنانچہ کاٹنے

والے دانت منہ میں سامنے کو رکھے گئے ہیں جو اپنی تیزی کی وجہ سے ان چیزوں کو جن کو کہ کاٹنے کی ضرورت پڑا کرتی ہے بخوبی کاٹ سکتے ہیں اس کے پاس ہی نوکدار کچلیاں ہوتی ہیں جو توڑنے اور ریزہ ریزہ کرنے کے لئے نہایت ہی موزوں ہیں۔ چنانچہ ان کی شکل ہی کہے دیتی ہے کیونکہ وہ بالکل کداری کے مثل ہوتے ہیں اور ان سے ملی ہوئی داڑہیں واقع ہوتی ہیں جو کہ نظر سے پوشیدہ رہتی ہیں اور اس وضع کی بنائی گئی ہیں جن سے باریک کرنے اور پیسنے کا بخوبی کام نکل سکے۔

پس اب دیکھئے کہ اگر ان کی یہ ترتیب بدل جاتی داڑھیں منہ میں سامنے کو ہوتیں اور کاٹنے والے دانت پیچھے کو تو غذا کے کھانے میں کیسی دقت پڑتی اور منہ بھی عجب بدصورت نظر آتا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا بنانے والا بڑا ذی حکمت اور اعلیٰ درجہ کی واقفیت رکھنے والا (خدا) بے مثل ہے اس میں ذرا بھی نقص نہیں۔ پھر اگر حیوانات کے آلات کے اختلافات پر نظر ڈالئے تو عقل حیرت میں رہ جاتی ہے۔ چنانچہ پنجے دانت سینگ سونڈ ڈنک زہر قاتل اور نہایت ہی ناگوار ہوا جیسے کہ ظربان (ظربان ایک جانور بلی کے برابر ہوتا ہے جس سے سخت بدبو آتی ہے) پھر حیوانات کے غذا حاصل کرنے کے مختلف طریقوں اور تدبیروں کو اگر دیکھا جائے تو سمجھنے والے کو عجب حیرت ہوتی ہے چنانچہ بعض تو اپنے بدن سے ایک مادہ نکالتے ہیں اور اس کو جال کے مثل بنا کر مکھی وغیرہ کے پھانسنے کے لئے لگا دیتے ہیں اس طرح پر اس کا شکار کر لیتے ہیں جیسے کہ مکڑی بعض بالوں میں گڑھا کھود کر اس کے نیچے چھپ رہتے ہیں اور جب ان کے شکار کے اقسام میں سے کوئی جانور اس میں گر پڑتا ہے تو وہ فوراً شکار کر لیتے ہیں اور جب اس میں کوئی ایسی چیز گر پڑتی ہے جو ان کی غذا کے قابل نہیں تو اس کو عجب طرح کی حرکات سے گڑھے سے باہر نکال دیتے ہیں۔ اس قسم کا ایک چھوٹا جانور ہوتا ہے جو ریت میں پایا جاتا ہے اس کو بعض لوگ اسد النمل کہتے ہیں۔ بعض مکھی کے مثل چھوٹے چھوٹے جانوروں کو جو ہوا میں اڑا کرتے ہیں جھپٹ لیتے ہیں جیسے کہ ابابیل بعض اپنی غذا تک رسائی حاصل کرنے کے لئے زمین کھودتے ہیں بعض درخت پر چڑھ جاتے ہیں بعض پانی میں غوطہ لگاتے ہیں۔ بعض میدانوں میں چکر لگایا کرتے ہیں۔ بعض اپنے شکار کے مسکن کے در پر کھڑے رہتے ہیں۔ اور ایسی سخت بدبو اور ہوا نکالتے ہیں جس سے کہ وہ مر جاتا ہے پھر اسے کھا لیتے ہیں جیسے کہ ظربان کا گوہ کے ساتھ حال ہے پھر حیوانات کی غذا کے اختلافات کھانے اور جمع کرنے کی کیفیت کو دیکھئے تو نہایت ہی عجیب وغریب معلوم ہوتی ہے۔ چنانچہ بعض تو دانے کھاتے ہیں بعض پتے بعض پھل بعض گوشت بعض کیڑے مکوڑے کھا کر اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ بعض کی غذا نہایت ہی نفیس ہوتی ہے۔ بعض کو نہایت ہی خراب گندی اور ناپاک غذا اچھی معلوم ہوتی ہے جیسے کہ سور کو بعض اپنی غذا کو یوں ہی نگل جاتے ہیں بعض چباتے ہیں۔ بعض اپنی خوراک کو جمع کر کے نہیں رکھتے۔ بعض اپنی غذا کو یوں ہی نگل جاتے ہیں بعض چباتے ہیں اور پھر جمع بھی عجیب تدبیر کے ساتھ کرتے ہیں جیسے کہ شہد کی مکھی اور چیونٹی کا حال ہے۔ چیونٹی کی تو یہ کیفیت ہے کہ جب اس کی ذخیرہ کردہ اشیاء کو زمین کی رطوبت کا اثر پہنچ جاتا ہے تو وہ اسے آفتاب کی روشنی میں نکال لاتی ہے یہاں تک کہ اس کی رطوبت خشک ہو جاتی ہے اور وہ دانہ میں سوراخ کر دیتی ہے تاکہ رطوبت کے باعث سے جم کر وہ اگ نہ آئے اور بعض بعض دانوں میں کئی کئی سوراخ کر دیتی ہے کیونکہ اسے اتنا ادراک حاصل ہے کہ ایک آدھ سوراخ دانے کو اگنے سے روک نہیں سکتا ہے۔ جیسے کہ دھنئے کا حال ہے۔

پس وہ پیدا کرنے والا بڑا ہی بے مثل ہے جس نے یہ امر کھلے طور پر سمجھا دیا۔ پھر ان کے رنگوں کے اختلاف نظر کو بڑے ہی بھلے معلوم ہوتے ہیں اور ان سے عقل حیرت میں رہ جاتی ہے چنانچہ وہ سفید سرخ زرد نیلگوں سیاہ اور رنگ برنگ کے نقوش سے منقش دیکھے جاتے ہیں۔ پھر اگر ہم ایک نوع کو دیکھتے ہیں کہ اس کے تمام افراد ایک ہی رنگ یا ایک قسم کے نقش رکھنے کے لحاظ سے برابر ہوتے ہیں جیسے کوا چکور اور عصفور کی ایک مختلف اقسام تو دوسری نوع کو کیا دیکھتے ہیں کہ رنگوں یا نقوش کے لحاظ سے اس کے افراد تمام قسم کے ہوتے ہیں جیسے کہ گھوڑا اور مرغ بعض کے نقوش ایک ہی کیفیت پر انتظام کے ساتھ واقع ہوتے ہیں جیسے کہ چیتے اور طاؤس کا حال ہے۔ بعض کی یہ کیفیت نہیں ہوتی جیسے مرغ کبوتر اور بلی میں دیکھا جاتا ہے۔ کہتے ہیں ایک بات سے دوسری بات پیدا ہو ہی جاتی ہے۔

چیتے کی منقش ہو جانے کی عجیب وجہ

چنانچہ اے اہل سائنس میں نے آپ ہی لوگوں میں سے بعض لوگوں کو چیتے کی جلد کے منقش ہونے کی وجہ یوں بیان کرتے سنی ہے کہ وہ گزشتہ زمانے میں عرصہ تک درختوں کے سایہ میں بیٹھا کرتا تھا اور شاخوں میں سے گزر کر آفتاب کی شعاعیں اس پر پڑا کرتی تھیں اس لئے اس کی جلد پر اس طرح کے نقش بن گئے۔ مجھے امید ہے کہ یہ معلل صاحب اس کی بھی

کوئی وجہ بیان کریں گے کہ طاؤس کے پروں پر سنہری سبز نیلگوں سیاہ سرمئی وغیرہ رنگوں کی باقاعدہ شکلیں اور نہایت پائیدار لکیریں کیونکر بن گئیں اور اس کی کیا وجہ ہوئی کہ مرغی کے ہر ہر فرد کے نقش ونگار ایک نئے طرز کے نظر آتے ہیں جس کی نظیر اسی نوع کے بکثرت افراد کی دیکھ بھال سے بھی مشکل سے ملے گی۔ ہر علت کو خالق سبحانہ کے فعل کی طرف راجع کرنا چاہئے ورنہ پھر میں ان سب کی وجہیں پوچھتے پوچھتے ناک میں دم کردوں گا اور آپ لوگوں کو اپنے عجز کا اقرار کرنا پڑے گا۔

پھر میں کہتا ہوں کہ حیوان کے عجائبات میں سے اس کی آواز اور صورت کا مختلف ہونا ہے۔ چنانچہ بعض کی آواز تو ایسی طرب انگیز ہوتی ہے جس کو سن کر دل بھر آتا ہے اور بعض کی ایسی ناگوار آواز ہوتی ہے جس کے سننے سے معلوم ہوتا ہے کہ کان بہرے ہوئے جاتے ہیں۔

بعض ایسے خوب صورت ہوتے ہیں کہ ان پر نظر پڑتے ہی جم کر رہ جاتی ہے اور ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتی جیسے کہ طاؤس' ظرافہ' اور بعض بعض مرغ' سچ پوچھئے تو نوع انسان میں سے جو حسین ہیں وہ ان سب سے خوبصورت اور خوشنمائی میں بے نظیر ہوتے ہیں کیونکہ یہاں تو یہ کیفیت ہوتی ہے کہ نظر ہے وہ بھی حیران رہ جاتی ہے ہوش اڑ جاتے اور دل قابو میں نہیں رہتے۔ بڑے بڑے عقلاء کی عقلیں جواب دے دیتی ہیں۔ بڑے بڑے زبردست اور حکومت والوں کی شان وشوکت بھی کام نہیں آتی ان پر بھی حسینوں کا رعب اپنا قبضہ کرلیتا ہے۔ بھلا بتلایئے تو سہی کہ بندروں میں بھی اس کا نام ونشان کہیں پایا جاتا ہے؟ قسم اس کے حق کی جس نے آنکھوں کو ایسا جادو بھرا بنایا اور پیشانی کو گیسوؤں سے زینت بخشی ہرگز نہیں۔ اب ان لوگوں کی عقلوں کو آفرین کہئے جو انسان اور بندر دونوں کو ایک ہی اصل سے بتاتے ہیں اور بعض حیوان تو ایسے ہوتے ہیں جن کو دیکھ کر بدن کے روئیں کھڑے ہوجاتے ہیں اور دل کانپ جاتے ہیں جیسے کہ بھڑ' اژدہا اور جنگلی سور وغیرہ۔ بعض کو مادہ کے ساتھ خصوصیت ہوتی ہے بعض کو نہیں۔ بعض اپنی غذا تنہا رہ کر تلاش کرلیتے ہیں بعض کے گروہ کے گروہ مل کر جستجو کیا کرتے ہیں۔ بعض کا مجتمع ہونا بھی جمہوری انتظام کی حیثیت رکھتا ہے۔ بعض کا اجتماع کی حالت میں شاہانہ انتظام ہوا کرتا ہے۔ ان میں سے کچھ پہرے پر مقرر ہوتے ہیں کچھ راہبر اور جستجو کرنے والے پانی اور گھاس کی تلاش میں آگے آگے جاتے ہیں۔

ہیڈرا جانور کا ذکر جو کاٹ ڈالنے کے بعد بھی نہیں مرتا بلکہ اس کے ٹکڑے پورے جانور بن جاتے ہیں

اور کسی کی یہ حالت ہے کہ اگر اس کے تین تین ٹکڑے بھی کردیئے جائیں سر الگ' دھڑ الگ' دم الگ' اور پھر چند روز تک اسے یوں ہی چھوڑ دیا جائے تو آپ دیکھیں گے کہ سر میں دھڑ اور دم نکل آئی ہے۔ دھڑ میں سر اور دم اگ آئے ہیں اور دم میں سر اور دھڑ دونوں کے دونوں لگ گئے ہیں اور ان میں ہر ایک ٹکڑا پورا جانور بن گیا ہے اور سب سے پہلے سر میں باقی چیزیں لگ کر پورا جانور بن جایا کرتا ہے اس قسم کا چھوٹے چھوٹے جانوروں میں ایک جانور رہتا ہے جس کا نام ہیڈرا ہے۔

ساری بحث گذشتہ کا خلاصہ یعنی خدا پر کوئی قانون حاکم نہیں وہ فاعل مختار ہے

پس یہ سارے اختلافات اس بات کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں کہ اس حیوانی دنیا کے بنانے والے پر کوئی قدرتی قانون حکومت نہیں چلا سکتا اور نہ کوئی ضرورت اس بات پر مجبور کرسکتی ہے کہ وہ اپنی ایجاد میں کسی ایک طریقہ کا پابند ہوجائے بلکہ وہ نہایت ہی وسیع القدرت اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا اور بڑا ہی مدبر اور منتظم ہے۔ وہ اگر ایک نوع کو کسی کیفیت پر پیدا کرتا ہے جو اس کی زندگی اور نظام حیات کے قائم رکھنے کے لئے کافی ہو اور اس سے اس کی صورت کی پوری زینت ہوگئی ہو تو وہ دوسری نوع کو ایسی کیفیت پر بناتا ہے جو پہلی کیفیت کے بالکل مخالف ہو اور پھر وہ اس کی زندگی کے قائم رکھنے اور اس کے مکمل بنانے کے لئے ویسی ہی کافی ہوتی ہے اور مقصود اس سے یہ ہوتا ہے کہ عقلیں متنبہ ہوجائیں اور لوگوں کے افہام کو چونکا دیا جائے کہ یہ سمجھ لو کہ عالم کا بنانے والا فاعل مختار ہے اسے کوئی شے عاجز نہیں کرسکتی اور نہ اس کے کامل علم سے کوئی پوشیدہ سے پوشیدہ بات چھپی رہ سکتی ہے۔ وہ تمام ان بے جا باتوں سے جنہیں جاہل لوگ بکا کرتے ہیں بالکل پاک اور مبرا ہے۔

خداوندی حکمت اور قدرت

پھر حیوان کی جو چیز دیکھئے اس کی عجیب وغریب ترکیب اس کے ظاہری اور باطنی حواس اور اعضاء کی ساخت ہر عضو کا ایک خاص فعل۔ اس کے بناوٹ کے اختلافات' ان کی باریکیاں اور پھر ان کا بے شمار فوائد اور مصلحتوں پر مشتمل ہونا جو بالکل حکمت پر مبنی معلوم ہوتے ہیں۔ المختصر یہ سب ایسے امور ہیں جن سے عقل کو ایک حیرت سی ہوجاتی ہے۔ افہام حیران وپریشان رہ جاتے ہیں اور ہر عاقل کو یہ بات واضح طور پر معلوم

ہونے لگتی ہے کہ اس عالم کا ضرور کوئی ایسا بنانے والا ہے جو اعلیٰ درجہ کا علم رکھنے والا مدبر ذی حکمت اور صاحب قدرت ہے جو چاہتا ہے کر سکتا ہے اور جس چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے ایجاد کر دیتا ہے۔ (رسالہ حمیدیہ)

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ
اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں
فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ
بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب

حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش کا واقعہ:

﴿اب ایک بڑی نعمت کا ذکر کیا جاتا ہے جو جملہ بنی آدم پر کی گئی اور وہ حضرت آدم علیہ السلام کی آفرینش کا قصہ ہے جو تفصیل سے بیان کیا گیا اور ان کو خلیفۃ اللہ بنایا گیا پہلی آیت میں جو:

(خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ق)

''فرمایا تھا اس میں کسی کو انکار پیش آئے تو قصہ حضرت آدم سے اس کا جواب بھی بخوبی ہو گیا۔'' ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابوبکرؓ کی خلافت:

اہل سنت کی ایک جماعت کا حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نسبت خیال ہے کہ ان کا نام حضورؐ نے خلافت کے لئے لیا تھا۔

امام کے اوصاف وشرائط:

امام کا مرد ہونا' آزاد ہونا' بالغ ہونا' عقلمند ہونا' مسلمان ہونا' عادل ہونا' مجتہد ہونا' آنکھوں والا ہونا' صحیح سالم اعضاء والا ہونا' فنون جنگ سے اور رائے سے خبردار ہونا' قریشی ہونا واجب ہے اور یہی صحیح ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

مسلمانوں کا خلافت کے نظام سے فرار:

جنہیں قرآن کے ماننے کا دعویٰ ہے وہ بھی احکام الٰہیہ کی تنفیذ کے حق میں نہیں ہیں دنیا کے ایک بڑے حصے پر مسلمان کو اقتدار حاصل ہے لیکن قوانین شریعت نافذ کرنے کے لئے تیار نہیں اس سے جان چراتے ہیں دشمنان اسلام کے ترتیب دیئے ہوئے ظالمانہ قوانین کو کورٹ اور کچہری میں استعمال کرتے ہیں کیونکہ شرعی قوانین سے بہت سے دنیاوی منافع اور نفس کی لذتوں پر زد پڑتی ہے اسلئے اللہ کی خلافت سے منہ موڑے ہوئے ہیں اور خلیفۃ اللہ نہ ہونے کی وجہ سے ساری دنیا فتنہ وفساد کی آماج گاہ بنی ہوئی ہے ﴿انوار البیان جلد اول﴾

خلفائے راشدین کے فیصلے:

لَنْ تَجْمَعَ اُمَّتِىْ عَلَى الضَّلَالَةِ.

''میری امت کبھی گمراہی پر مجتمع نہ ہوگی''

خلفائے راشدینؓ کے آخری عہد تک یہ سلسلہ خلافت صحیح اصول پر چلتا رہا' اور اسی لئے ان کے فیصلے صرف دینی اور ہنگامی فیصلوں کی حیثیت نہیں رکھتے' بلکہ ایک محکم دستاویز اور ایک درجہ میں امت کے لئے حجت مانے جاتے ہیں' کیونکہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا۔

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ.

''میری سنت کو لازم پکڑو اور خلفائے راشدین کی سنت کو''

﴿معارف مفتی اعظم﴾

خلافت کیلئے علم کی ضرورت:

خلاصہ یہ کہ خلافت کے لئے ایسے حاوی اور کلی علم کی ضرورت ہے بغیر ایسے علم کے خلافت ناممکن ہے۔ فرشتوں کا علم حاوی اور کلی نہیں' جس خدمت پر وہ مامور ہیں فقط اسی کے قواعد اور ضواط ان کو معلوم ہیں کسی دوسری خدمت اور نظام کا ان کو علم نہیں' اور علیٰ ہذا ملائکہ کی قدرت ومشیت ان کے اختیار اور مرضی کے تابع نہیں بلکہ حق جل شانہ کی مرضی کے تابع ہے بخلاف انسان کے کہ اس کی قدرت ومشیت خود اس کی مرضی کے تابع ہے۔ انسان ہی کا علم اور قدرت حق تعالیٰ شانہ کے علم اور قدرت کا نمونہ ہے۔ خلافت کے لئے علم تام اور عام چاہیے۔ مفردات اور مرکبات کے اسماء اور خواص اور آثار بتلائے صنعتوں اور حرفتوں کا حکم فرمایا ''حفظان صحت اور معالجہ امراض کے اصول وقواعد بتلائے۔ اور ظاہر ہے کہ فرشتوں کو ان چیزوں کا علم نہیں دیا گیا۔ لہٰذا وہ خلافت کا کام کیسے انجام دے سکتے ہیں۔

اولادِ آدم میں مختلف نسلیں:

حضرت آدم کو تمام روئے زمین کی مٹیوں سے بنایا گیا ہے ان کی اولاد میں کوئی سرخ رنگ ہے اور کوئی گورا اور کوئی بین بین ہیں اور کوئی نرم خو اور کوئی ترش رو اور کوئی نیک طینت اور کوئی بدطینت جیسا کہ مسند احمد اور ابوداؤد اور ترمذی کی ایک حدیث میں آیا ہے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا
کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے

وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ

اس میں اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں

وَنُقَدِّسُ لَكَۚ

اور یاد کرتے ہیں تیری ذات پاک کو

فرشتوں کا سوال:

ملائکہ کو جب یہ خلجان ہوا کہ ایسی مخلوق کہ جس میں مفسد اور خونریز تک ہوں گے ہم ایسے مطیع اور فرمانبردار ہوتے ان کو خلیفہ بنانا اس کی وجہ کیا ہوگی؟ تو بطریق استفادہ یہ سوال کیا۔ اعتراض ہرگز نہ تھا۔ باقی یہ امر کہ ملائکہ کو بنی آدم کا حال کیونکر معلوم ہوا اس میں بہت سے احتمال ہیں۔ جنات پر قیاس کیا یا حق تعالیٰ نے پہلے بتا دیا تھا یا لوح محفوظ پر لکھا دیکھا۔ یا سمجھ گئے کہ حاکم وخلیفہ کی ضرورت جبھی ہوگی جب ظلم وفساد ہوگا یا حضرت آدم کے قالب کو دیکھ کر بطور قیافہ سمجھ گئے ہوں (جیسا ابلیس نے حضرت آدم کو دیکھ کر کہا تھا کہ بھکول ہونگے) اور ایسا ہی ہوا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

رات اور دن کے فرشتوں کی رپورٹ

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ دن کے فرشتے صبح صادق کے وقت آتے ہیں اور عصر کو چلے جاتے ہیں اور اس وقت رات کے فرشتے آتے ہیں وہ پھر صبح جائیں گے۔ آنے والے جب آتے ہیں تب اور جاتے ہیں تب صبح کی اور عصر کی نماز میں لوگوں کو پاتے ہیں، اور دربار خداوندی میں پروردگار کے سوال کے جواب میں دونوں جماعتیں یہی کہتی ہیں کہ گئے تو نماز میں پایا اور آئے تو نماز میں چھوڑ کر آئے۔ ﴿ابن کثیرؒ﴾

قَالَ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾

فرمایا بیشک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے

اجمالی جواب:

فرشتوں کو سردست بالاجمال یہ جواب دیا گیا کہ ہم خوب جانتے ہیں اس کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں تم کو ابھی تک وہ حکمتیں معلوم نہیں ورنہ اس کی خلافت اور افضلیت میں شبہ نہ کرتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سوال کی وجہ:

بعض صحابہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں معلوم کرایا تھا کہ اولاد آدم ایسے ایسے کام کرے گی تو انہوں نے یہ پوچھا۔ اور یہ بھی مروی ہے کہ جنات کے فساد پر انہوں نے بنی آدم کے فساد کو قیاس کر کے یہ سوال کیا۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام سے دو ہزار سال پہلے سے جنات زمین میں آباد تھے۔

فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے عرض کیا کہ حضور کونسا کلام افضل ہے فرمایا وہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لئے اختیار فرمایا اور وہ یہ ہے سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ۔ اس حدیث کو مسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا ہے کہ یہ کلمات خلق کے لئے رحمت کے باعث ہیں اور ان ہی کے باعث خلق کو رزق ملتا ہے۔ اسے ابن ابی شیبہ نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اور علامہ بغوی نے حسنؒ سے روایت کیا ہے۔

بندوں سے اللہ کی دوستی:

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میرا بندہ نوافل کے ذریعہ مجھ سے قرب طلب کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ میں اسے دوست رکھتا ہوں۔ اور جب میں اسے دوست رکھتا ہوں تو میں ہی اس کا کان بن جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے اور میں ہی اس کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے فرشتوں نے یہ نہ سمجھا کہ بارگاہ الٰہی میں آدمی کو وہ قرب اور منزلت ہوگی کہ دوسرے کے لئے وہ کسی طرح متصور ہی نہیں ہوسکتی اور اس کے نیک بندوں کو مرتبہ تقرب نصیب ہوگا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فرشتوں کا قیاس:

نافع اور ابن کثیر اور ابوعمرو نے انی کو یا کے فتح سے پڑھا ہے اور دوسرے قاریوں نے سکون سے۔ ملائکہ اللہ تعالیٰ کے خبر دینے سے یہ جانتے تھے کہ بعض انسان نیک اور فرمانبردار ہونگے اور بعض نافرمان وکفار۔ اس لئے انہیں یہ اعتقاد ہوگیا کہ ملائکہ انسان سے افضل ہیں کیونکہ وہ سب کے سب معصوم ہیں خدا کی نافرمانی نہیں کرتے جو حکم کر دیئے گئے اس کے موافق کرتے ہیں اور اسی بناء پر یہ بھی سمجھ گئے کہ ہمیں خلیفہ بنانا اولیٰ اور بشر کو خلافت کا عطا فرمانا فساد کا سبب ہوگا۔ چنانچہ فسادی تھے ان سے فساد ہی واقع ہوا اور ہو رہا ہے مگر انہوں نے یہ جانا کہ اللہ تعالیٰ ان میں سے بعض کے دلوں میں اپنی حقیقی محبت امانت رکھیں گے کہ اس کے سبب انہیں معیت ذاتیہ اور محبوبیت خالص نصیب ہوگی۔ چنانچہ سید المحبوبین سرور کائنات علیہ الصلوات والتحیات نے فرمایا اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ (یعنی آدمی اپنے محبوب کے ساتھ ہے) اس حدیث کو بخاری ومسلم نے ابن مسعود اور انس رضی اللہ عنہما سے اور ابن حبان نے انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

ابلیس کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آنا

اَلدُّنیا مَکَا یَدُ الشَّیطَانِ میں ابن عمرؓ سے روایت لائے ہیں کہ ابلیس نے حضرت موسیٰ سے التجا کی اور کہا کہ اے موسیٰ اللہ تعالیٰ نے تجھ کو اپنی رسالت کے واسطے پسند کیا اور ساتھ تیرے ہم کلام ہوا اور میں چاہتا ہوں کہ توبہ کروں میں شفاعت میری کرتا کہ حق تعالیٰ توبہ میری قبول کرے حضرت موسیٰ نے فرمایا کہ البتہ جناب الٰہی میں دعا کرتا ہوں کہ توبہ تیری قبول کرے حضرت موسیٰ دعا میں مشغول ہوئے جناب الٰہی سے حکم ہوا کہ حق تعالیٰ نے توبہ اس کی بسبب شفاعت تیری کے قبول کی مگر یہ کہہ کر کہ حضرت آدم کی قبر کی طرف سجدہ کرے تا کہ عفو تقصیر تیری کا ہو حضرت موسیٰ نے یہ بات ابلیس سے کہی اس نے جواب میں کہا کہ جب آدم زندہ تھا سجدہ اس کو نہیں کیا اب مردہ کو کیونکر سجدہ کروں پھر ابلیس نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ میرے اوپر تمہارا حق ثابت ہو گیا کہ تم نے میری شفاعت کی میں بھی تم کو ایک فائدے کی بات بتاتا ہوں امت اپنی کو سمجھا دو کہ میری شرارت سے تین حالتوں میں بہت خبردار ہو انہیں تینوں میں سے آدمی کو خراب کرتا ہوں اول بیچ حالت غصے کے کہ اس وقت آدمی کے اندر بجائے خون کے دوڑتا ہوں اور آنکھ اور کان اور زبان اور ہاتھ پاؤں آدمی کو اس کے اختیار سے باہر نکالتا ہوں اور جو چاہتا ہوں اس سے کراتا ہوں دوسرے بیچ حالت جہاد اور لڑائی کے کارواں کے ساتھ میں کہ اس وقت خیال گھر بار اور عورت اور فرزند کا دل میں ڈالتا ہوں اور اس کو ایسے ایسے خیال دلا کر لڑائی کے میدان سے بھگاتا ہوں تیسرے وقت خلوت کے نامحرم عورت کے ساتھ اس وقت کتنا پن رنگ برنگ کا ظاہر کرتا ہوں اور دونوں کے دلوں میں طرح طرح کے فریب ڈالتا ہوں کہ ارادہ گناہ کا یہ دونوں کریں اور ابن المنذر نے عبادہ بن امیہ سے روایت کی ہے کہ سب سے پہلا گناہ جو جہان میں ہوا ہے حسد ہے ابلیس کو حسد آدم علیہ السلام کے نے ایسا تباہ کیا کہ نافرمانی اللہ کے حکم کی کی اور ملعون ہوا۔

آنحضرت ﷺ کی حضرت آدم علیہ السلام پر فضیلت:

بیہقی نے دلائل النبوۃ میں اور خطیب نے بیچ تاریخ کے ساتھ روایت ابن عمرؓ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے کہ فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فُضِّلْتُ عَلٰی آدَمَ بِفَضِیْلَتَیْنِ کَانَ شَیْطَانِیْ مُسْلِماً وَ شَیْطَانُہٗ کَافِرًا وَ اَزْوَاجِیْ عَوْناً لِیْ عَلٰی دِیْنِیْ وَزَوْجَتُہٗ عَوْناً لَہٗ عَلٰی خَطِیْئَتِہٖ. یعنی فضیلت دیا گیا میں اوپر آدم کے ساتھ دو فضیلتوں کے ہو گیا شیطان میرا مسلمان اور شیطان اس کا کافر رہا اور عورتیں میری مددگار میری ہیں اوپر دین میرے کے اور عورت اس کی مددگار رہوئی اوپر خطا اس کی۔

حضرت آدم و حضرت حواء کے اترنے کی جگہ:

منجملہ ان کے یہ بھی ہے کہ جگہ اترنے حضرت آدم کی موافق اکثر روایتوں کے زمین ہے ملک ہند میں سے کہ اس کو دجنا کہتے ہیں اور حاکم اور بیہقی ساتھ روایت ابن عباس کے لائے ہیں کہ حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ نے فرمایا ہے کچھ جانتے ہو تم کہ زمین ہند کی خوشبویات کی زمینوں سے کس واسطے خاص ہے اور قسم قسم کی خوشبوئیں جیسا کہ عود اور جوز اور قرنفل خاص اسی زمین کے ساتھ کیوں ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ جب حضرت آدم اس زمین میں اترے بہشت کے درختوں کے پتے ان کے بدن پر تھے ہوا نے ان پتوں کو منتشر کر دیا جس درخت پر کہ کوئی پتا ان پتوں میں سے پہنچا اور اس درخت سے چمٹ گیا خوشبو اس میں پیدا ہو گئی اور حضرت حوا موافق اکثر روایتوں کے جدہ میں گریں اور ابلیس بیچ جنگل ملیسان کے کہ کئی کوس بصرہ سے ہے اور سانپ اس جگہ کہ اصفہان الفعل آباد ہے جب حضرت آدم نے واسطے توبہ کے حج خانہ کعبہ کا فرمایا اور وہ حج سے فارغ ہوئے حضرت حوا سے ملاقات ہوئی اور توالد و تناسل جاری ہوا اور انہیں میں سے یہ ہے جب حضرت آدم کو بہشت سے زمین پر بھیجا تیس قسم کے میوے جنت کے ہمراہ ان کے کر دیئے کہ وہ زمین میں نہ تھے۔ (تفسیر عزیزی رحمۃ اللہ علیہ)

قوۃ شہویہ کا مثبت پہلو:

فرشتوں کا خیال اس طرف نہ گیا کہ یہی قوت شہویہ جب اس کا رخ خداوند ذوالجلال کی طرف پھیر دیا جاتا ہے تو اس سے وہ ثمرات و نتائج ظہور میں آتے ہیں کہ ان کو دیکھ کر فرشتے بھی عش عش کرنے لگتے ہیں یعنی غلبہ عشق خداوندی اور اس کی محبت کا جوش اور ولولہ خدا کی محبت اور اس کے عشق میں قلب کا بے چین اور بیتاب رہنا یہ وہ نعمت ہے کہ جس پر ملائکہ بھی رشک کرتے ہیں اس لئے کہ ملائکہ میں قوت شہویہ نہ ہونے کی وجہ سے عشق کا مادہ نہیں اطاعت میں اگر فرشتوں کا پلہ بھاری ہے تو عشق اور محبت میں آدم اور بنی آدم کا پلہ بھاری ہے۔

قوۃ غضبیہ کا مثبت پہلو:

اور علی ہذا جب قوت غضبیہ کو کارخانہ خداوندی میں صرف کیا جاتا ہے تو اس سے بھی عجیب و غریب نتائج و ثمرات ظاہر ہوتے ہیں یعنی خدا کی راہ میں جانبازی اور سرفروشی اور اس کے دشمنوں سے جہاد و قتال

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

یہی وجہ ہے کہ صحابہ بدریین کی طرح وہ ملائکہ جو جنگ بدر میں شریک ہوئے ان ملائکہ سے افضل ہیں جو جنگ بدر میں شریک نہیں ہوئے جیسا کہ بخاری میں مذکور ہے اور خدا کی راہ میں شہید ہو جانا یہ ایسی عظیم نعمت ہے کہ ملائکہ اس سے بالکل محروم ہیں۔

خلیفہ کیلئے تمام قوتیں ضروری ہیں:

نیز جب تک قوت عقلیہ کے ساتھ قوت شہویہ اور قوت غضبیہ نہ ہو تو تنہا قوت عقلیہ تجارت وزراعت اور صنعت وحرفت اور تمدن ومعاشرت کے اصول اور قوانین مرتب نہیں کر سکتی جن پر تمام کارخانہ عالم کا دارومدار ہے لہذا خلیفہ کے لئے یہ ضروری ہوا کہ قوت عقلیہ کے ساتھ قوت غضبیہ اور قوت شہویہ کا بھی حامل ہو نیز اگر جہان میں برائیاں اور قباحتیں موجود نہ ہوں تو بعثت رسل اور انزال کتب وشرائع واحکام واوامر ونواہی سب معطل وبیکار ہو جائیں

؎ در کارخانہ عشق از کفر ناگزیر است
دوزخ کرا بسوزد گر بولہب نباشد

فرشتوں اور بنی آدم کی تسبیح میں فرق:

ملائکہ کی تسبیح وتقدیس بنی آدم کی تسبیح کے لحاظ سے مطلق نہیں بنی آدم کی تسبیح وتقدیس، شیطان اور نفس، قوۃ شہویہ اور قوۃ غضبیہ کے معارضہ اور مقابلہ کی وجہ سے زیادہ اکمل اور بہتر ہے۔ بخلاف ملائکہ کے کہ انکی تسبیح وتقدیس بمنزلہ سانس کے اضطراری ہے اور اختیاری تسبیح وتحمید اضطراری تسبیح وتحمید سے بہتر ہے۔ ﴿معارف القرآن کاندھلوی﴾

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى
اور سکھلا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا
الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِئُوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ
ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ
اگر تم سچے ہو بولے پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو
لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝
سکھایا بے شک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا

حضرت آدم کیلئے علم کی نعمت:

خلاصہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدم کو ہر ایک چیز کا نام مع اس کی حقیقت اور خاصیت کے اور نفع اور نقصان کے تعلیم فرما دیا اور یہ علم ان کے دل میں بلا واسطہ کلام القاء کر دیا کیونکہ بدوں اس کمال علمی کے خلافت اور دنیا پر حکومت کیونکر ممکن ہے اس کے بعد ملائکہ کو اس حکمت پر مطلع کرنے کی وجہ سے ملائکہ سے امور مذکورہ کا سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنی اس بات میں کہ تم کار خلافت انجام دے سکتے ہو، سچے ہو تو ان چیزوں کے نام واحوال بتاؤ لیکن انہوں نے اپنے عجز وقصور کا اقرار کیا اور خوب سمجھ گئے کہ بدوں اس علم عام کے کوئی کار خلافت زمین میں نہیں کر سکتا اور اس علم عام سے قدر قلیل ہم کو اگر حاصل ہوا بھی تو اتنی بات سے ہم قابل خلافت نہیں ہو سکتے یہ سمجھ کر کہہ اٹھے کہ تیرے علم وحکمت کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت:

حدیث شریف میں ہے كُنْتُ نَبِيًّا وَ اٰدَمُ بَيْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ. یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس حالت میں نبی تھا کہ جب حضرت آدم روح اور جسم کے درمیان تھے اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور ابو نعیمؒ نے حلیہ میں اور ابن سعد نے ابوالجد عاء سے روایت کیا ہے اس حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حق تعالیٰ کو جو علوم اور کمال نبوۃ حضورؐ کو عطا فرمانے منظور تھے اور وہ تجلیات ذاتیہ جو انبیاء کے ساتھ مخصوص ہیں سب کی سب اسی وقت عطا فرما دی تھیں جبکہ حضرت آدم مابین روح وجسد تھے یعنی روح جسد کے ساتھ مرکب ہو چکی تھی کیونکہ جو تجلیات خالصہ ہیں وہ اس جسد خاکی کے ساتھ مشروط تھیں تو جب حضرت آدم کا جسد بن گیا اور ان کی ذریت کی روحیں ان کی پشت میں جا گزیں ہو گئیں تو وہ سب تجلیات ذاتیہ کے قبول کرنے کے لائق ہو گئے۔

قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ
فرمایا اے آدم بتادے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب
اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ
بتا دیئے اس نے اُن کے نام فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو
اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین

وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو

حضرت آدم کی فرشتوں پر برتری:

اسکے بعد حضرت آدم سے جو تمام اشیائے عالم کی نسبت سوال ہوا تو فرفر سب امور ملائکہ کو بتادیے کہ وہ بھی سب دنگ رہ گئے اور حضرت آدم کے احاطہ علمی پر عش عش کر گئے تو اللہ تعالیٰ نے ملائکہ سے فرمایا کہ کہو ہم نہ کہتے تھے کہ ہم جملہ مخفی امور آسمان و زمین کے جاننے والے ہیں اور تمہارے دل میں جو باتیں مکنون ہیں وہ بھی سب ہم کو معلوم ہیں۔

علم وعبادت:

فائدہ: اس سے علم کی فضیلت عبادت پر ثابت ہوئی دیکھئے عبادت میں ملائکہ اسقدر بڑھے ہوئے ہیں کہ معصوم، مگر علم میں چونکہ انسان سے کم ہیں اسلئے مرتبہ خلافت انسان ہی کو عطا ہوا اور ملائکہ نے بھی اسکو تسلیم کرلیا اور ہونا بھی یوں ہی چاہیے کیونکہ عبادت تو خاصہ مخلوقات ہے خدا کی صفت نہیں البتہ علم خدائے تعالیٰ کی صفت اعلیٰ ہے اسلئے قابل خلافت یہی ہوئے کیونکہ ہر خلیفہ میں اپنے مستخلف عنہ کا کمال ہونا ضروری ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت کبریٰ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایماندار قیامت کے دن جمع ہوں گے اور کہیں گے کیا اچھا ہوتا اگر کسی کو ہم اپنا سفارشی بنا کر خدا کے پاس بھیجتے چنانچہ یہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور ان سے کہیں گے کہ آپ ہم سب کے باپ ہیں اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اپنے فرشتوں سے آپ کو سجدہ کرایا آپ کو تمام چیزوں کے نام سکھائے آپ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہماری سفارش لے جائیں جو ہم اس سے راحت پائیں حضرت آدم یہ سن کر جواب دیں گے کہ میں اس قابل نہیں انہیں اپنا گناہ یاد آجائے گا تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ پہلے رسول ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف بھیجا سب لوگ یہ جواب سن کر حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آئیں گے آپ بھی یہی جواب دیں گے اور خداوند تعالیٰ کی مرضی کے خلاف اپنے بیٹے کے لئے اپنا دعا مانگنا یاد کر کے شرما جائیں گے اور فرمائیں گے تم خلیل الرحمٰن حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ یہ سب آپ کے پاس آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے آپ فرمائیں گے تم موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ جن سے خدا نے کلام کیا اور جنہیں توراۃ عنایت فرمائی یہ سن کر سب کے سب حضرت موسیٰ کے پاس آئیں گے اور آپ سے بھی یہی درخواست کریں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب پائیں گے۔ آپ کو بھی ایک شخص کو بغیر قصاص کے مار ڈالنا یاد آجائے گا اور شرمندہ ہو جائیں گے اور فرمائیں گے تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خدا کے بندے اور اس کے رسول اور کلمۃ اللہ اور روح اللہ ہیں۔ یہ سب یہاں آئیں گے لیکن یہاں سے بھی یہی جواب ملے گا کہ میں اس لائق نہیں تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ جن کے تمام اگلے پچھلے گناہ بخش دیئے گئے ہیں اب وہ سارے کے سارے میرے پاس آئیں گے میں آمادہ ہو جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب کروں گا مجھے اجازت دی جائے گی میں اپنے رب کو دیکھتے ہی سجدے میں گر پڑوں گا جب تک خدا کو منظور ہوگا سجدے میں ہی پڑا رہوں گا پھر آواز آئے گی کہ سر اٹھایئے سوال کیجئے پورا کیا جائے گا کہیے سنا جائے گا، شفاعت کیجئے قبول کی جائے گی اب میں اپنا سر اٹھاؤں گا اور اللہ تعالیٰ کی وہ وہ تعریفیں بیان کروں گا جو اسی وقت اللہ تعالیٰ مجھے سکھائے گا پھر میں شفاعت کروں گا میرے لئے حد مقرر کر دی جائے گی میں انہیں جنت میں پہنچا کر پھر آؤں گا پھر اپنے رب کو دیکھ کر اسی طرح سجدہ میں گر پڑوں گا پھر شفاعت کروں گا پھر حد مقرر ہوگی انہیں بھی جنت میں پہنچا کر تیسری مرتبہ آؤں گا پھر چوتھی بار حاضر ہوں گا یہاں تک کہ جہنم میں صرف وہی رہ جائیں گے جنہیں قرآن نے روک رکھا ہوگا اور جن کے لئے جہنم کی ہمیشگی واجب ہو چکی گی (یعنی شرک و کفر کرنے والے)۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

مسئلہ علم غیب

از حضرت قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ

نظام عالم کی فطری ترتیب

اس حقیقت کو واضح طور پر سامنے لانے کے لئے اس مثال پر غور کیجئے کہ مثلاً زید ایک جزئی حقیقی اور خاص ترین چیز ہے جس میں زید کے سوا کسی اور کی گنجائش نہیں مگر زید کے اوپر ایک عام اور کلی مفہوم انسان ہے، جس میں زید جیسے ان گنت افراد کی کھپت ہے اور یہی انسان کلی زید جیسے بے شمار افراد عمر، بکر، خالد وغیرہ کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ان کی تشکیل کر رہا ہے یہاں کلی سے ہماری مراد وہ ہے جو جزئیات میں مشترک ہو مگر جزئیات پر

محمول نہ ہوسکے۔ اس لئے یہ کلیات بمنزلہ باپ کے ہیں جو اولاد میں مشترک تو ہوتا ہے مگران پر محمول نہیں ہوتا۔ پس مثال محض اشتراک کے اعتبار سے ہے حمل کے اعتبار سے نہیں۔ مگر پھر انسان بھی خاص ہے جس میں غیر انسان کی گنجائش نہیں تو اس کے اوپر ایک عام کلی حیوان ہے جو اس سے بھی زیادہ عام اور وسیع ہے کہ اس میں انسان اور غیر انسان گدھا، گھوڑا، بیل، بکری وغیرہ کی بھی کھپت ہے اور یہی حیوان انسان اور غیر انسان کی تشکیل کر رہا ہے مگر پھر حیوان بھی خاص ہے جس میں غیر حیوان کی گنجائش نہیں تو اس سے اوپر اس سے زیادہ عام کلی نامی ہے (یعنی قابل نشوونما) کہ جس میں حیوان اور غیر حیوان جیسے درخت، بیل بوٹہ پھول پتی اور پھل وغیرہ دونوں کھپے پڑے ہیں اور یہی نامی ان کی تشکیل کر رہا ہے۔ پھر یہ نامی بھی خاص ہے جس میں غیر نامی کی گنجائش نہیں تو اس سے اوپر عام کلی جسم ہے جس میں نامی اور غیر نامی جیسے اینٹ، پتھر، چونہ، ریت، مٹی، چاندی، سونا، جواہرات وغیرہ جیسی جامد چیزیں بھی کھپی پڑی ہیں اور یہی جسم ان کی جسمانیت کا مربی بنا ہوا ہے جس سے وہ جسم کہلانے کے قابل ہوئی ہیں۔ لیکن پھر یہ جسم بھی خاص ہے جس میں غیر جسمانی چیزوں جیسے لطائف و مجردات وغیرہ کی سمائی نہیں ہے تو اس سے اوپر ایک عام مفہوم جوہر ہے جس کے معنی قائم بالذات یعنی دوسرے کے سہارے کے بغیر تھما ہوا ہونے کے ہیں کہ اس میں جسم اور غیر جسم یعنی مجردات اور لطیف اشخاص جیسے ارواح مجردہ وغیرہ دونوں سمائے ہوئے ہیں اور یہی جوہر ان کی تشکیل کر کے ان کی جوہریت قائم کئے ہوئے ہے لیکن پھر جوہر بھی خاص ہے جس میں غیر جوہری اشیاء یعنی اعراض (جو دوسرے کے سہارے بغیر قائم نہیں رہ سکتیں، جیسے رنگ، بو، مزہ، سمت، کیفیت اور نسبت و اہلیت وغیرہ جو کسی ذات سے الگ ہو کر مستقلاً نہیں پائے جا سکتے) کی گنجائش نہیں تو اس سے اوپر اور سب سے زیادہ اہم اور وسیع ترین کلی وجود ہے جس کے نیچے جوہر اور عرض دونوں آئے ہوئے ہیں اور اس کے وسیع ترین احاطہ سے موجودات کا کوئی ذرہ باہر نہیں جا سکتا پس انسان پھر حیوان پھر نامی پھر جسم پھر جوہر و عرض کی لا تعداد جزئیات اپنی بے انتہا کثرتوں کے ساتھ وجود کی وحدت کے نیچے سمٹی ہوئی ہیں اور وجود ان سب کا مربی بنا ہوا ہے۔ وجود آ جاتا ہے تو ان سب کی حقیقتوں انسانیت، حیوانیت، نامیت، جسمانیت، جوہریت اور عرضیت کی بود و نمود قائم ہو جاتی ہے وجود چلا جاتا ہے تو یہ سب نابود ہو کر پردہ عدم میں جا چھپتی ہیں خلاصہ یہ کہ زید اور زید کی طرح ایک عالم کی ہر ہر جزئی کی انتہا ان کلیات سے گزر کر وجود پر ہو جاتی ہے۔

کائنات کی انتہا وجود پر ہے

اس سے ایک نتیجہ تو یہ نکلا کہ اس کائنات کے ذرہ ذرہ میں وجود سرایت کئے ہوئے ان سے مربوط ہے جو مذکورہ کلیات سے گذرتا ہوا جزئیات عالم تک پہنچ رہا ہے اور ان ساری کلیات سے زیادہ وسیع اور سب کلیات و جزئیات پر حاوی اور محیط ہے اس لئے وجود ہی کو اس کائنات کی حقیقت کا آخری مربی اور تشکیل کنندہ کہا جائے گا۔ جس سے ساری کلیات و جزئیات تھمی ہوئی ہیں اور کائنات کی بود و نمود قائم ہے اگر وجود نہ ہو تو نہ انسانیت باقی رہے نہ حیوانیت نہ جسمانیت رہے نہ نامیت نہ جوہریت قائم رہے نہ عرضیت نہ زید ہو نہ عمر، نہ گھوڑا نہ گدھا، نہ درخت ہو نہ اینٹ پتھر، نہ معدن ہوں نہ لطائف و حقائق اس سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ کائنات کا حقیقی علم وجود کی حقیقت کھلے بغیر سامنے نہیں آ سکتا کیونکہ شے کی محض صورت دیکھ لینے حتی کہ اس کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے تک کر کے اسے باہر سے اندر تک ہی دیکھ لینے کا نام علم نہیں۔ یہ محض حس ہے اور حس و احساس علم نہیں وسیلہ علم ہے اور اس وسیلہ سے حاصل شدہ علم کو بھی علم جزئی یا حسی کہیں گے علم کلی نہ کہیں گے علم حقیقی یا علم کلی درحقیقت شے کی حقیقت کھل جانے اور اس کے وجودی سلسلہ کی تمام مرتب کڑیاں سامنے آ جانے اور سلسلہ وجود کی تمام کلیات و جزئیات کا باہمی ربط پھر ان کلیات کے سلسلہ سے جزئیات میں وجود کی آمد و رفت پھر اس کے آنے اور جانے کی تمام کیفیات اور قدروں کے پورے نظام کو جاننے پہچاننے کا نام حقیقی علم اور کائنات کا علم کلی ہے۔ اگر جزئیات ساری کی ساری بھی بالفرض کسی کے ذہن یا آنکھ میں آ جائیں مگر ان کی حقیقت یا ان کے وجود کی آمد و شد اور ابتداء و انتہاء کا مرتب سلسلہ اور نظام تشکیل سامنے نہ آئے یا تو وہ علم جزئی ہی رہے گا جسے حس یا حفظ یا کشف اور انکشاف کہیں گے علم حقیقی نہ ہوگا اور اگر علم حقیقی بھی ہوگا تو علی الاطلاق نہ ہوگا بلکہ فی الجملہ ہوگا، جسے علم محیط یا علم کلی نہ کہا جائے گا کہ وہ وجود کی نوعیت اور موجودات سے اس کا ہمہ گیر رابطہ سامنے آئے بغیر ممکن نہیں۔

وجود کائنات کی نوعیت

رہی وجود کائنات کی نوعیت سو اسے سامنے لانے کے لئے اس پر غور کیجئے کہ اشیاء کائنات کا یہ وجود رہتا ہے چونکہ ہمہ وقت آمد و شد کے درمیان میں ہے اس ہمہ وقتی تغییر سے وہ ہمہ وقت ہیں چونکہ ہمہ وقت ہی

عدم کی طرف رخ کئے رہا ہے اسلئے ایسے بے قرار اور بے ثبات وجود کو جو درحقیقت وجود نما عدم ہے وجود اصلی کبھی نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ وجود اصلی جو عدم کی ضد ہے، عدم کے ساتھ کبھی جوڑ نہیں کھا سکتا کہ اس کی طرف ڈھل جائے یا اس کے اثرات سے متاثر ہو کر تغیر تبدل قبول کر لے یہ شان عارضی وجود ہی کی ہو سکتی ہے کہ آئے اور جائے جس میں آنے کے بعد جانے کی صلاحیت ہو اور جانے کے بعد آنے کی ظاہر ہے کہ ایسا وجود اصلی نہیں کہلائے گا، بلکہ عارضی ہوگا جسے کسی اصل وجود کا پرتو اور سایہ کہیں گے اور اسکا کام وجود ظلی ہوگا اور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ظلی اشیاء کی خود اپنی کوئی ماہیت نہیں ہوتی جیسے سایہ کی کوئی اپنی ماہیت وحقیقت نہیں اس کی ماہیت درحقیقت وہ اصل شے ہوتی ہے جس کا وہ سایہ اور عکس ہے اس لئے اس ظلی وجود کی ماہیت بھی درحقیقت وہ اصلی ہی وجود ہوگا جس کے سایہ کے طور پر یہ وجود دکھائی دے رہا ہے۔

سوال یہ رہ جاتا ہے کہ کائنات کا وہ وجود اصلی کہاں ہے جس کا سایہ عارضی اور تغیر پذیر وجود ہے جسے کائنات کہتے ہیں تو اس کا سیدھا اور مختصر جواب یہ ہے کہ کائنات کا وجود اصلی موجد کائنات کے اندر ہے جس نے اس کائنات کے بنانے کا ارادہ کیا تھا کیونکہ جب یہ کائنات عارضی ہے جو پہلے نہ تھی بلکہ بنانے والے نے بنا کر اسے موجود کر دکھایا تو آخر اس کا کوئی نقشہ اور کوئی خاکہ تو ضرور اس کے اندر ہوگا جس کے مطابق اس نے کائنات کے حسی وجود کی تعمیر کی جس کو ہم ظلی اور عارضی وجود تسلیم کر رہے ہیں۔ اس لئے سب سے پہلے کائنات کی موجودگی اس موجودہ نقشہ کے روپ میں موجد کے باطن میں ہوئی ہے ہم اسی باطنی نقشہ کو کائنات کا وجود اصلی کہیں گے۔

اسے یوں سمجھئے کہ جیسے ایک انجینئر جب کسی مکان کا نقشہ کاغذ پر کھینچ کر سطح زمین پر اس کا کھڑا نقشہ بناتا ہے تو ناممکن ہے کہ یہ نقشہ اس کے ذہن میں نہ ہو ورنہ اس کے قلم اور آلات تعمیر کے ذریعہ یہ کاغذی اور زمینی نقشہ کہاں سے آیا؟

اسی لئے وہ ذہنی نقشہ تو اصل ہوگا اور یہ کاغذی اور زمینی نقشہ اس کی نقل، اس کی فرع اور اس کا ظل وعکس کہلائے گا جو سرتاسر اس ذہنی نقشہ کے تابع ہوگا بنابریں انجینئر کے ذہنی نقشہ کو اس مکان کا وجود اصلی کہیں گے جو اس کے ذہن میں ہے اور اس خارجی نقشہ کو اس کا وجود ظلی۔

ٹھیک اسی طرح کائنات کا مجموعہ ہو یا اجزاء اور اس عالم کی کلیات ہوں یا جزئیات پہلے سے باطن حق میں اسی روپ اور نقشہ کے ساتھ موجود تھیں جو آج کا ہے۔ وقت مقدر آنے اور مشیت الٰہی کے تقاضا کرنے پر اس کے فعل سے ظاہر میں نمایاں ہوئیں پس اس کائنات کا اصلی وجود تو وہ ہے جو باطن حق میں ازل سے تھا اور تشکیلی وجود وہ ہے جو اس کے مطابق لوح محفوظ میں مرقوم ہوا۔ اور پھر ظلی یا ظاہری یا نمائشی وجود وہ خارجی وجود ہے جو اس لکھے پڑھے نقشہ کے مطابق اس خلاء میں نمایاں ہوا گویا اس حکیم مطلق نے اپنے باطنی تصورات کو جو ذہنی تھے اور قائم بذات حق تھے یہ نمائشی وجود دے کر انہیں ذوات واعیان کا درجہ دے دیا جس سے وہ جوہر و جسم اور حیوان وانسان کہلا کر جانے پہچانے گئے ورنہ بلحاظ خارج کے وہ: (لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُورًا) تھے۔

وجود کی حقیقت علم ہے

مگر یہ ظاہر ہے کہ باطن خداوندی میں کسی چیز کے موجود ہونے کے معنی حسی وجود کے تو ہو ہی نہیں سکتے جو آنکھوں سے نظر آنے کی چیز ہو کہ ذہن الٰہی خود ہی مادہ سے پاک اور احساسات سے وراء الوریٰ ہے حتیٰ کہ انجینئر کے ذہن میں بھی (باوجود یکہ وہ مادی الاصل ہے) کسی کوٹھی کے ہونے کے معنی اس کے حسی وجود کے نہیں ہو سکتے کہ اینٹ پتھر، لوہے، لکڑی اور مٹی چونے کے ساتھ وہ اس کے ذہن میں کھڑی ہوئی ہو اور آنکھوں سے نظر آئے بلکہ معنوی وجود ہی کے ہو سکتے ہیں جو نگاہوں سے محسوس نہ ہو سکے صرف عقل وفہم سے سمجھ میں آئے سو اسی معنوی وجود کا نام علم ہے چنانچہ عرفاً بھی جب یہ کہا جاتا ہے کہ فلاں چیز میرے ذہن میں ہے تو اس کے معنی یہی ہوتے ہیں کہ فلاں چیز مجھے معلوم ہے اس لئے ذہن میں موجود ہونے کے معنی درحقیقت معلوم ہونے کے نکلے اور واضح ہوا کہ ذہنی وجود درحقیقت علم ہے اور اس طرح ذہنی وجود اور علم ایک ہی چیز ثابت ہوئے صرف نام دو ہو گئے ٹھیک اسی طرح سمجھو کہ ساری کائنات اور اس کا ایک ایک ذرہ باطن حق میں اس آج کے نقشہ کے ساتھ ازل سے موجود تھا، مگر مادی اور حسی صورتوں کے ساتھ نہیں بلکہ معنوی اور علمی صورتوں کے ساتھ یعنی یہ کائنات اپنے علمی وجود کے ساتھ باطن حق میں موجود تھی جس کا تصوراتی نقشہ بعینہ یہی تھا جو خارجی نقشہ آج ہمیں آنکھوں سے نظر آ رہا ہے انہی باطنی نقشوں کو اہل حقائق صور علمیہ کہتے ہیں۔ گویا یہ حق تعالیٰ کے تصورات ہیں جو اس کے علم ازلی میں ازل سے لپٹے ہوئے اس کے باطن میں موجود تھے اور جبکہ باطنی وجود ہی کا نام علم ہے تو دوسرے لفظوں میں کہا جائے گا کہ یہ کائنات باطن حق میں موجود تھی یعنی معلوم تھی اور علمی رنگ سے اس کا ذرہ ذرہ اس کے باطن کے احاطہ میں آیا ہوا تھا اور اس طرح ان جزئیات عالم کا یہ باطنی وجود علم الٰہی ثابت ہو

جاتا ہے اب ظاہر ہے کہ جب کائنات کے ذرہ ذرہ کا اصل وجود علم خداوندی نکلا گویا اشیاء کائنات کے ذرہ ذرہ کا مادہ ہی علم ازلی ثابت ہوا اور وہ علم ذات کے ساتھ قائم ہے تو ذرہ ذرہ کا علم حق تعالیٰ کا ذاتی علم ہوا کہ جو علم اس کا ہے وہی بعینہ اصل کائنات بھی ہے تو اشیاء کائنات کا علم حق تعالیٰ کو ایسا ہی ہوا جیسا کہ خود اپنی ذات کا علم ہوتا ہے اور اپنی ذات کا علم حصولی نہیں ہوتا کہ کسی کے بتلانے سے ہو بلکہ حضوری ہوتا ہے کہ خود بخود ہو وہ وسائل سے نہیں ہوتا کہ وہ ہوں تو اپنی ذات کو جانا جائے ورنہ اس سے لاعلمی رہے بلکہ بلاواسطہ ہوتا ہے کہ خود بخود ہوا اور اس میں کسی ادنیٰ ریب و شک کی گنجائش نہیں ہوتی کہ خود اپنے ہی ذہن میں اپنی ذات مشکوک اور مشتبہ ہو بلکہ قطعی ہوتا ہے جس سے بڑھ کر یقینی علم دوسرا نہیں ہوسکتا پھر تابقاء ذات ہوتا ہے یہ ناممکن ہے کہ ذات رہے اور ذات کو اپنا علم نہ رہے پھر ناممکن الزوال ہوتا ہے جو ہمہ وقت ذات کے ساتھ قائم رہتا ہے ذات ہی جائے تو یہ علم جائے وجود ہی ختم ہو جائے تو یہ علم ختم ہو اسی طرح ذات حق کو اپنا اور اپنی کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ذات کی طرح حضوری بلاواسطہ ہے بلاریب ہے اور قطعی ہے پھر ذات حق چونکہ ازلی، ابدی اور لم یزل ولایزال ہے اس لئے یہ علم بھی جو ذات کے ساتھ قائم ہے ازلی ابدی ہوا اور یہی علم ذاتی جبکہ وجود کائنات کی اصل بھی ہے تو علم کائنات بھی اس کا ذاتی، ازلی، ابدی اور ناممکن الزوال علم ثابت ہوا۔

علم الٰہی کا تعلق کائنات کے ظاہر و باطن دونوں سے یکساں ہے

اس لئے کائنات کو اللہ تعالیٰ کے جاننے کے یہ معنی نکلے کہ حق تعالیٰ اپنی ذات کو جانتے ہیں اور اس علم سے ساری کائنات اور مخلوقات ان پر خود بخود منکشف اور انہیں معلوم ہے کہ ادھر تو ذات بابرکات حق خود ہی منشاء انکشاف ہے گویا اس کا وجود ہی اس کا علم بھی ہے اور ادھر یہ علم ہی وجود کائنات کا مادہ بھی ہے اس لئے نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کائنات کی جس شے میں بھی وجود پہنچے گا تو دوسرے لفظوں میں اس میں علم پہنچے گا اور شے کے وجود ہونے کے معنی اس کے معلوم ہونے کے ہوں گے اس لئے یہ شے جب باطن حق میں ہے جب ہی معلوم حق ہے کہ یہ علم ہی اس شے کا ذہنی وجود ہے اور جب ظاہر ہو جائے جب بھی معلوم حق ہے کہ ظاہر ہو کر اس نے صرف نمائش کا درجہ حاصل کیا جو محض ظل وجود ہے اور وجود ظلی کی اور ظل کی خود اپنی کوئی ماہیت وحقیقت بجز اصل کی ماہیت کے نہیں ہوتی تو یہ ظلی وجود بھی اصل وجود یعنی علم حق کے تابع ہوگا جو باطن حق میں ہے اور وہ علم ہے تو یہ علم اس وقت بھی کائنات کو لگا رہے گا جبکہ وہ ظاہر ہو کر ظل وجود کے ساتھ دکھائی دینے لگے ورنہ اصل وظل میں وہ تابع ومتبوع ہونے کا علاقہ باقی نہ رہے گا اس لئے کائنات کے ذرہ ذرہ کا ظلی وجود نمایاں ہو کر بھی علم الٰہی سے باہر نہیں ہوسکتا پس کائنات باطن حق میں ہے جب بھی اسے ذرہ ذرہ بالذات معلوم ہے اور ظاہر حق میں ہے جب بھی اسے ذرہ ذرہ کا بالذات علم ہے خلاصہ یہ ہوا کہ کائنات کا علم حق تعالیٰ کو کہیں باہر سے نہیں ہوا بلکہ اپنے اندر سے ہے جبکہ اشیاء کائنات کا وجود ہی اس کے اندرون اور باطن ذات میں پنہاں ہے اس لئے کائنات کا کوئی ذرہ اور ذرہ کا کوئی رگ وریشہ اس کے علمی احاطہ سے باہر نہیں جا سکتا کہ ذات ہی سرچشمہ علم اور منشاء انکشاف ہے اور وہاں وجود شے اور علم شے الگ الگ چیزیں نہیں ہیں بلکہ جو شے ہے وہی بعینہ علم حق ہے تو ہر شے کا جو ہر گویا علم میں گذرا ہوا ہے جس کا ہونا ہی اس کا معلوم ہونا ہے بس اسی کا نام علم غیب ہے کہ حق تعالیٰ اپنے کو جانتے ہیں اور اپنے سے ساری مخلوق اور اسکے ظاہر و باطن کو اسی علم سے جانتے ہیں جس میں نہ کسی کا واسطہ بیچ میں ہے نہ وسیلہ کہ وہی علم اس مخلوق کا اصلی وجود بھی ہے اسلئے اسے نہ جاننے اور بالذات نہ جاننے کے کوئی معنی ہی نہیں ہو سکتے۔

پس علم غیب کی حقیقت یہ نکلی کہ وہ باطن حق میں دل کی سی گذری ہوئی باتوں کا نام ہے یعنی علم غیب ایسا ہے جیسا کہ کوئی اپنے دل کی بات جانا کرتا ہے جو اپنے اندر مخفی ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ دل میں آئی ہوئی یا ضمیر میں پڑی ہوئی بات کا علم کسی واسطہ سے نہیں ہوا کرتا بلکہ صرف ذات سے ہوتا ہے نہ صرف یہی کہ اس میں ذات کے علاوہ کوئی بیرونی واسطہ نہیں ہوتا بلکہ خود ذات کے اندرونی قویٰ جیسے سمع بصر وغیرہ کا بھی واسطہ نہیں ہوتا آدمی اپنی ذات اور ذاتی جذبات کو سمع وبصر، عقل وخرد سے نہیں جانتا بلکہ خود ذات کے تقاضہ سے جانتا ہے اس لئے علم غیب کے معنی ظاہری و باطنی وسائل کے بغیر خود ذات سے ابھرے ہوئے علم کے نکل آئے گویا یہ علم ایسا ہی ہے جیسا کہ خود ذات۔

اس سے علم غیب کی وجہ تسمیہ بھی کھل جاتی ہے کہ وہ دل کی چھپی ہوئی باتوں کا نام ہے اور ظاہر ہے کہ اپنے اندر کی چھپی ہوئی چیز خود اپنی آنکھوں کے سامنے بھی نہیں ہوتی گو آنکھوں دیکھی چیز سے زیادہ یقینی اور قطعی ہوتی ہے کیونکہ شئے آنکھ سے جب نظر آتی ہے جب باہر ہو جائے اور ظاہر ہے کہ باہر آئی ہوئی چیز اپنے سے اتنی قریب نہیں ہوتی جتنا کہ دل میں آئی ہوئی بات اپنے سے قریب ہوتی ہے کہ وہ تو اپنی ذات بنی ہوئی ہوتی ہے اور

ذات کے لئے ذات سے زیادہ قریب اور کیا چیز ہوسکتی ہے؟ اور باہر آئی ہوئی بات خواہ ہمہ وقت آنکھوں کے سامنے ہی رہے پھر بھی ذات نہیں ہوتی اس لئے اس میں پھر بعد کا کوئی نہ کوئی درجہ آ جاتا ہے اندریں صورت جبکہ مخلوق کی اصلیت ہی علم حق ہے جو باطن حق سے وابستہ ہے اگر یوں کہا جائے کہ اس علم غیب کی رو سے حق تعالیٰ اپنی مخلوق سے اتنے قریب ہیں کہ مخلوق بھی اپنے سے اتنی قریب نہیں تو یہ مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہوگا جسے نَحْنُ اَقْرَبُ کی آیت کریمہ نے نمایاں فرمادیا ہے وجہ ظاہر ہے کہ خود مخلوق کا اصل وجود علم خداوندی اور تصورِ الٰہی ہے اور یہ تصور جتنا خود صاحب تصور سے قریب ہے اتنا یہ تصور کردہ شے خود اپنے سے قریب نہیں ہوسکتی۔ اسی لئے ارشادِ حق ہوا کہ ﴿وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ﴾۔ اسلئے علم غیب میں غیب چونکہ ضمیر کی مخفی بات کا نام ہے جو اس قدر غیب اور باطن ہے کہ نہ دوسرے کی آنکھ کے سامنے ہے نہ خود اپنی آنکھ کے سامنے ہے گو آنکھ دیکھے سے زیادہ قطعی ویقینی ہے اسلئے حقیقتاً غیب کا اطلاق ایسی ہی مخفی اور مستور چیز پر آنا بھی چاہئے کہ وہی غیب مطلق ہے حاصل یہ ہوا کہ غیب اسے نہیں کہتے جو اپنے سے اوجھل ہو بلکہ اسے کہتے ہیں جو اپنے میں اوجھل ہو اسلئے نہ تو غیب سے زیادہ کوئی چیز مخفی ہوسکتی ہے کہ کسی کی بھی آنکھ کے سامنے نہیں اگر صاحب غیب یا صاحب ضمیر خود ہی اطلاع نہ دے تو وہ کبھی بھی عالم میں آشکارا نہیں ہوسکتی اور نہ اس غیب سے زیادہ صاحب غیب پر کوئی چیز نمایاں اور کھلی ہوئی ہوسکتی ہے کہ ہر لحظہ صاحب ضمیر کے سامنے ہے جبکہ وہ اسکی ذات بنی ہوئی ہے اور ذات سے زیادہ نمایاں ذات پر کوئی چیز نہیں ہوسکتی۔

بہرحال غیب دانی کے معنی اپنے اندر کی بات کو اندر رہتے ہوئے جاننے کے نکلے جو مشاہدہ سے زیادہ قطعی اور یقینی ہوتی ہے کہ اپنے سے زیادہ قریب اور اپنی ہی ذات کے غیب میں پنہاں رہ کر ذات کی طرح غیب در غیب اور بطون در بطون ہوتی ہے جس تک ذات کے سوا کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی وہی بتلائے تو کھلے ورنہ اس کے کھلنے کی کوئی صورت نہیں۔

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾

اس سے جہاں علم غیب کی حقیقت واضح ہوئی کہ وہ ذاتی اور اندرونی علم کا نام ہے وہیں یہ بھی آئینہ کی طرح نمایاں ہو گیا کہ یہ غیب کا علم غیراللہ کے لئے عقلاً ممکن ہی نہیں کہ اول تو یہ علم جب ایسا نکلا جیسا کہ خود ذات ہے تو ظاہر ہے کہ باطن ذات کا علم ذات کے سوا غیر ذات کو ذاتی طور پر ہو ہی نہیں سکتا کہ یہ غیر خود ذات حق نہیں بن سکتا کہ اسے یہ علم ذات سے ہو جائے۔

ایک کی ذات کا بعینہ دوسرے کی ذات بن جانا اور وہ بھی واجب اور ممکن کا کہ جن میں علاقہ بھی تضاد کا ہو ظاہر البطلان ہے اور یوں زبردستی کسی غیر ذات کو ذات فرض کر لیا جائے اور یہ علم اس کے سر ہی لگا دیا جائے تو اس کا کوئی علاج نہیں۔

دو انسان ایک ہی نوعیت کے دو فرد ہیں اور فرض کرو کہ وہ ایک ہی ماں کے پیٹ میں پیر بھی پھیلائے ہوئے ہوں اور مان لو کہ مکاناً بھی ایک دوسرے سے قریب بلکہ لپٹے ہوئے حتی کہ سینہ سے سینہ اور دل سے دل ملائے ہوئے بیٹھے ہوں مگر پھر بھی ایک کے دل کی بات پر یعنی ایک کے غیب پر دوسرا مطلع نہیں ہوسکتا۔ جب تک یہ صاحب ضمیر اور صاحب غیب خود ہی اپنے غیب کی اسے اطلاع نہ دے پس جبکہ یہاں دونوں کی حقیقت ایک ظرف ایک نوع ایک امور دونوں میں غیر معمولی قرب واتصال اور دونوں کے ممکن ہونے کے باوجود خود بخود ایک دوسرے کے غیب کو نہیں جان سکتا تو حق جل وعلا شانہ جس سے مخلوق کا کوئی اشتراک نہیں۔ آخر اس کے غیب اور اس کے باطن کی چھپی ہوئی باتوں پر یہ مخلوق از خود اور خود بخود کیسے مطلع ہوسکتی ہے جب تک کہ وہی مطلع نہ فرمائے اور جب وہ مطلع فرمائے گا خواہ وحی سے یا کسی ذریعہ سے تو وہ مخلوق کے حق میں غیب نہ رہے گا کہ اطلاع سے یہ علم بالواسطہ ہو گیا اور علم بالواسطہ علم غیب نہیں جیسا کہ غیب کی حقیقت ہی یہ واضح ہو چکی ہے کہ وہ وسائط کے بغیر از خود ہو جس میں بیرونی وسائط تو بجائے خود ہیں، خود اپنے اندرونی قوائے ادراک وغیرہا کا بھی واسطہ نہ ہو اس لئے غیراللہ کو پھر یوں بھی علم غیب اور علم ذاتی کا ہونا محال ہے غور کرنے کی بات ہے کہ جب کائنات کا وجود اصلی وہ علمی نقشہ ہے جو ازل سے باطن حق میں قائم ہے اور اسی کے مطابق فعل الٰہی سے کائنات کا ظہور ہوتا چلا آ رہا ہے جو ٹھیک اس باطنی نقشہ کے مطابق ہے تو آخر یہ ممکن بھی کیسے ہوتا کہ نقشہ تو کسی کے ذہن کا ہو جس پر کائنات بنے اور آ جائے کسی کے ذہن میں وہ تو قدرتاً اسی ذہن یا باطن کی پیداوار ہوسکتا ہے اور اسی میں رہ سکتا ہے جو اس کے مطابق اپنی کائنات بنانے والا ہو پس کائنات کا یہ علمی اور ذہنی نقشہ جسے ہم کائنات کا اصلی اور بنیادی وجود کہتے آ رہے ہیں جس پر آئندہ کائنات کا ظہور بخشا جانے والا تھا اسی کے باطن میں مخفی مانا جا سکتا ہے جس نے اس نقشہ پر کائنات بنانے کا ازلی فیصلہ کر رکھا تھا یہ ممکن ہی نہیں کہ کائنات کا مجوز تو باطن حق ہو جس پر کائنات بنے اور وہ نقشہ آئے غیراللہ کے ذہن میں جو نہ اس کائنات کا مجوز ہو نہ اس کی کسی ایک جزئی کی ایجاد پر قادر ہو نہ اس کے چلانے بڑھانے اور نشوونما

دینے کی قوت رکھتا ہو نہ اس کے نفع نقصان پر دسترس پائے ہوئے ہو۔ بلکہ محض مجموعی کائنات کا ایک جزو ہو جسے کائنات ہی کے سلسلے سے وجود دیا گیا ہو پھر بھی اگر اس ایک جزو کائنات کی ذات میں یہ پورا نقشہ کائنات بعینہ سمایا ہوا مانا جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ جزو میں کل سما جائے یا دوسرے لفظوں میں جزو تو کل ہو جائے اور اس میں سما جانے والا کل خود اپنے ہی جزو کا جزو ہو جائے جو سرتاسر محال اور بدیہی البطلان ہے۔

پھر جیسے اس علمی نقشہ پر کسی مخلوق کا بالذات مطلع ہونا بداہت عقل کی رو سے محال ہے ایسے ہی عطائی طور پر بالعرض بھی اس کا مخلوق کے ذہنی احاطہ میں آجانا ممکن نہیں یعنی یہی عقلاً محال ہے کہ کائنات کا یہ سارا علم نقشہ اور مکمل خاکہ یعنی ذرہ ذرہ کا مرتب علم بالعرض بھی کسی غیر اللہ کے ذہن میں آجائے یا ڈال دیا جائے جس سے اسے عالم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْنُ کہنا ممکن ہو۔

یہ ثابت ہو ہی چکا ہے کہ مخلوق کا وجود کسی درجہ میں بھی ذاتی نہیں جواز خود ہو بلکہ عارضی ہے یعنی وجود اصلی کا محض پرتو اور ظل ہے تو ہر ایک کا یہ حصہ وجود بھی عرضی ہی ہوگا نہ کہ ذاتی جس کا حاصل یہ ہوا کہ کائنات کے کسی بھی جزو کو عارضی طور پر بھی کل وجود نہیں دیا گیا بلکہ مخصوص حصہ وجود دیا گیا ہے یعنی کائنات کا کوئی ایک جزو بھی وجود الکل نہیں۔ حتی کہ بالفاظ دیگر یہ پوری کی پوری کائنات مل کر بھی وجود الکل نہیں کیونکہ خدا ہی کے علم میں ہے کہ اس کائنات کے علاوہ کتنی اور کائناتیں اس کے علم ازلی میں لپٹی ہوئی قابل وجود پڑی ہوئی ہیں جو اپنے اپنے مقدر وقت پر نمایاں ہونے والی ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

تو یہ پوری کائنات بھی قابل وجود کائناتوں کے مجموعہ کا ایک جزو ہی ٹھہرتی ہے نہ کہ کل۔ اس لئے گویا یہ پوری کائنات بھی کل وجود کی حامل نہیں ہوسکتی تو پھر اس جزوی کائنات کے بھی اجزاء میں سے کوئی جزو خواہ وہ کتنا ہی عظیم وجلیل کیوں نہ ہو وجود الکل کیسے قرار پا سکتا ہے کہ اس میں سارا وجود مان لیا جائے بلکہ وہ بھی کسی نہ کسی حصہ وجود ہی کا ظرف ٹھہر سکتا ہے۔

تو نتیجہ صاف یہ نکل آیا ہے کہ کوئی مخلوق پورے علم الٰہی کا ظرف عارضی اور عطائی طور پر بھی کبھی نہیں بن سکتا اس میں کل کی کل معلومات عارضی یا عطائی طور پر بھی نہیں سما سکتیں عارضی طور پر ہی اگر علم آئے گا تو وہ حصہ وجود کی قدر جزوی ہی ہوگا جو اس خط کی استعداد وقابلیت کے مطابق ہوگا نہ کہ کلی اس لئے کسی مخلوق کو بھی عالم الکل نہیں کہہ سکیں گے جبکہ اسے وجود الکل نہیں کہہ سکتے ورنہ اگر صفات خداوندی میں سے کوئی صفت اور ان میں بھی علم کی صفت جو امہات صفات میں سے ہے پوری کی پوری مخلوق میں منتقل ہو جائے تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ خدا اپنی خدائی کو بھی مخلوق میں عطائی طور پر منتقل فرما سکتا ہے گویا ایک کی خدائی بالذات ہوگی اور ایک کی بالعرض حالانکہ یہ ممتنع بالذات ہے کہ خدا اپنے جیسا دوسرا بنا دے۔

بعنوان دیگر جب مخلوق کی اصلیت ہی اللہ کے باطن کی بات یعنی علم ہے گویا مخلوقات کا اصلی وجود تصورات الٰہیہ ہیں جن کو صور علمیہ کہا جاتا ہے جو حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ قائم ہیں اور ان کا علم حق تعالیٰ کا گویا اپنی ذات کا علم ہے اور وہی ہماری اصلیت اور ہمارا وجود اصلی ہے تو ہمیں اپنی بھی پوری اصلیت کا پورا علم حق تعالیٰ کی ذات کا ادراک کئے بغیر ممکن نہیں اور ذات کے یہ معنی ہیں کہ ہم اسے ذہن کے احاطہ میں کسی نہ کسی حد تک لے لیں۔ تو وہ کون ہے جو معاذ اللہ اس لطیف وخبیر سے آگے ہو کر اسے اپنے احاطہ میں لے اور بالفاظ دیگر محدود رہتے ہوئے اس لامحدود کو اپنے اندر سمیٹ لے جو سرتاسر محال ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ

اس کو تو کسی کی نگاہ محیط نہیں ہوسکتی اور وہ سب نگاہوں کو محیط ہو جاتا ہے اور وہی بڑا باریک بیں باخبر ہے۔

ایک کھلی بات ہے کہ جس کو بھی مخلوق فرض کر لیا جائے خواہ وہ ماضی حال میں یا مستقبل میں وہ اللہ کے لامحدود علم یا علم کلی میں ایک جزوی معلوم کی حیثیت سے لپٹا ہوا اور باطن حق میں گھرا ہوا محدود ہوگا جبکہ وہ اس کے علمی احاطہ میں ہے تو پھر وہی جزوی معلوم اندرون احاطہ رہتے ہوئے خود اپنے ہی محیط کو آخر اپنے احاطہ میں کس طرح گھیر سکے گا کہ یہ صریح اجتماع ضدین ہے کہ ایک ہی شے کسی دائرہ میں گھری ہوئی بھی ہو اور اسی حالت میں وہ اس دائرہ کو گھیرے ہوئے بھی ہو جو سرتاسر محال اور ناممکن ہے ایک قطرہ میں پورے سمندر کا سمٹا ہوا ہونا اور ایک ذرہ میں ساری کائنات کا سمایا ہونا باوجود محال ہونے کے فرض کیا جا سکتا ہے کیونکہ دونوں محدود تو ہیں مادی تو ہیں مادہ وصورت میں متحد تو ہیں اور مخلوق ہونے میں برابر کے شریک تو ہیں لیکن خالق کا مخلوق کے احاطہ ادراک میں گھرا ہوا ہونا تو ایسا محال ہے کہ اس کے فرض کر لینے ہی کی گنجائش نہیں کہ خالق ومخلوق میں کسی درجہ کے بھی اشتراک کی کوئی صورت نہیں اس لئے یہ سارے محالات سے بڑھ کر محال ہے اور اس لئے غیر اللہ کو جیسے ساری کائنات کی اشیاء اور اس کے ذرہ ذرہ کا علم حتی کہ صرف اپنی ہی پوری اصلیت کا علم ذاتی محال ہے

جس کا نام علم غیب ہے ایسے ہی ان ساری اشیاء کائنات کا علم محیط عرضی بھی محال ہے کہ دونوں میں محدود کے لئے احاطہ لامحدود کا لازم آتا ہے جس کے امکان کی کوئی صورت نہیں نیز جزوی کا کلی وجود ہو جانا سر پڑتا ہے جو قلب ماہیت ہے۔

بہرحال جبکہ وجود ساری اشیاء کائنات کے ذرہ ذرہ میں سرایت کئے ہوئے اس کی کلیاتی اور جزئیاتی تشکیل کر رہا ہے تو اس کے ایک ایک حصہ کی حقیقت کا علم میں آئے بغیر خواہ وہ موجود ہو یا ممکن ہو۔ کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم ناممکن ہے اور یہ وجود کائنات ہی جبکہ علم الٰہی یہی ہے تو دوسرے لفظوں میں کائنات کا کلی علم اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ اللہ کی یہ صفت علم مخلوق کے احاطہ میں نہ آجائے اور ظاہر ہے کہ یہ محال ہے اس لئے کائنات کا علم کلی بھی مخلوق کے لئے محال ہے جو نہ ذاتی ہوسکتا ہے نہ عرضی نہ عطائی۔

کسی جزئی کا بھی کلی علم غیر اللہ کیلئے ممکن نہیں

بلکہ اگر اور گہری نظر ڈالی جائے تو یہیں سے یہ بھی سمجھ میں آجائے گا کہ پوری کائنات تو بجائے خود ہے کائنات کی کسی ایک جزئی کا بھی علم کلی جو اس کی تمام گہرائیوں پر حاوی ہو غیر اللہ کے لئے ممکن نہیں خواہ وہ اس کا جوہری علم ہو یا اضافی اور نسبتی کیونکہ یہ کائنات موجود ہی نہیں بلکہ اعلیٰ ترین حسن و جمال کے ساتھ موجود ہے اور جمال کے معنی اجزاء و اعضاء کی ترتیب اور توازن و تناسب کے ساتھ ہر ہر جزو کے اپنے اپنے محل پر فٹ ہونے کے ہیں ورنہ بکھرے ہوئے بے جوڑ غیر مرتب اور غیر منظم افراد کے ڈھیر کو کوئی بھی پیکر جمال نہیں کہہ سکتا بلکہ اعضاء و اجزاء کا تناسب و توازن اور برمحل چسپاں ہونا ہی جمال کہلائے گا اور ظاہر ہے کہ جمال میں اجزا کی ترتیب تو یہ چاہتی ہے کہ ہر چیز درجہ بدرجہ اپنی اپنی جگہ پر ہو۔ ناک، کان، آنکھ اپنی جگہ اور ہاتھ، پاؤں اور سینہ اپنی جگہ اگر ان میں سے کوئی ایک چیز بھی بے جگہ ہو جائے ناک کی جگہ آنکھ آجائے اور آنکھ کی جگہ کان تو سارا جمال ختم ہو جائے اور اجزاء کا توازن و تناسب یہ چاہتا ہے کہ ہر جزو کی ایک خاص مقدار ہو آنکھ، ناک، کان وغیرہ کی لمبائی چوڑائی مقررہ حد میں ہوں اگر اس کم و کیف میں فرق آجائے تو پھر بھی جمال باقی نہیں رہ سکتا گویا جمال میں مجموعہ کا ہر ہر جزو دوسرے جزو کا متقاضی اور ہر ایک جزء کی مقدار دوسرے کی مقررہ مقدار کی خواہاں اور متقاضی ہوتی ہے اسی بناء پر اعضاء کائنات، زمین و آسماں، عرش و فرش، لوح و قلم، جنت و نار، صراط و میزان لوا، ومقام، زمان و مکان، شجر و حجر، جماد و نبات، جن و ملک حیوان و انسان جو ہر وعرض وغیرہ اپنے باہمی توازن و تناسب کی وجہ سے باہم مربوط اور اپنی قدروں کے لحاظ سے فطرتاً آپس میں ایک دوسرے کے متقاضی ہیں کہ اگر ان میں سے ایک چیز بھی نہ ہو یا کسی ایک جزء کی وہی مقداراور کمی و کیفی قدر نہ ہو جو ہے تو پوری کائنات ناقص اور بے جمال ہو کر رہ جائے پس جمال میں ترتیب باہمی کے ساتھ کشش باہمی ہونی ضروری ہے ورنہ جمال باقی نہیں رہ سکتا۔

پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ ان متضاد اجزاء کائنات کا یہ جوڑ بند کہ پوری کائنات اول سے آخر تک شے واحد نظر آئے بغیر کسی قدر مشترک کے ممکن نہیں جو ان تمام اعضاء و اجزاء کو باہم ملائے ہوئے ہو ورنہ اس کے بغیر ان اربوں کھربوں متضاد جزئیات میں ربط و کشش قائم نہیں رہ سکتا وہ قدر مشترک یہ حسی وجود ہے جسے ہم نے ظلی وجود کہا ہے اگر وجود نہ ہو تو یہ ساری کلیات و جزئیات اور ان کا باہمی ربط و کشش سب ختم ہو جائے جو جمال کا حاصل ہے خلاصہ یہ کہ کائنات کو اس وجود نے نمایاں اور باجمال کر رکھا ہے جس سے کائنات ایک شخص واحد کی طرح باجمال نظر آرہی ہے۔

اور پہلے یہ ثابت ہو چکا ہے کہ کائنات کا یہ ظاہری وجود اپنے وجود اصلی کا ظل اور عکس ہے اور اس کا اصلی وجود وہی علمی نقشہ ہے جو باطن خداوندی میں علمی رنگ سے قائم ہے یعنی علم خداوندی تو یہ اس کی کھلی دلیل ہے کہ یہ جمال اور موزونیت یہ ترتیب و کشش باہمی جو جمال کا فطری تقاضا ہے علم خداوندی میں بھی موجود ہے ورنہ اس ظاہری نقشہ میں یہ جمال کہاں سے آگیا جو اس باطنی نقشہ کا محض ظل و عکس ہے اور ظل و عکس میں اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا جو اس کی اصل میں ہوتا ہے اس لئے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ کائنات اسی ترتیب و موزونیت کے ساتھ باطن حق میں بھی قائم ہے مگر علمی وجود کے ساتھ یعنی کائنات کا علمی نقشہ بھی ایسا ہی مرتب و منظم اور باجمال ہے جیسا کہ یہ ظاہری اور حسی نقشہ ہے کہ یہ حسی نقشہ تو محض اس علمی نقشہ کی نمائش ہے اس لئے ظل و اصل کے خد و خال میں فرق کی کوئی وجہ ہی نہیں ہوسکتی۔ اس لئے نہ تو اشیاء کائنات کا یہ مرتب ظہور باطن حق کے خلاف ہوسکتا ہے اور نہ ان کی موزونیت اور جمالی شان باطن حق کی علمی ترتیب اور جمالیت کے خلاف جاسکتی ہے پس اندر بھی کائنات کا ایک مربوط و موزوں نقشہ موجود ہے جو علمی رنگ کا ہے اور باہر بھی وہی حکیمانہ ربط و کشش باہمی قائم ہے جس نے کائنات کو جمیل بنا رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ جب باہر کے حسی نقشہ کا جمال اور ربط و کشش حسی وجود سے قائم ہے

جس کا نام وجود ظلی ہے کہ وہی ان اجزاء میں قدر مشترک ہے تو باطن کے علمی نقشہ کا جمال اور ربط وکشش وجود اصلی سے قائم ہونا چاہئے جو علم خداوندی ہے کیونکہ وہاں علمی صورتوں کا قدر مشترک یہ علم ہے۔

پس جس طرح یہاں جمال کائنات کی وجہ سے حسی کائنات کا ایک ایک جزء دوسرے جزء کا ایک ایک جزء کی قدر ومقدار دوسرے جزء کی مقدار کی فطرتاً متقاضی ہے کہ زمین ہے تو آسمان بھی ہو اور آسمان ہو تو چاند، سورج، ستارے بھی ہوں زمین ہو تو انسان حیوان جمادات ونباتات بھی ہوں عرش ہو تو فرش بھی ہو۔ زمان ہو تو مکان بھی ہو جن ہوں تو ملائکہ بھی ہوں اور جس قدر کے ساتھ موجود ہے وہ دوسرے کی اسی قدر کا خواہاں اور متقاضی ہو جو اس کے لئے فطرتاً مقرر شدہ ہے کہ اس کے بغیر مجموعہ کائنات کا جمال قائم نہیں رہ سکتا اسی طرح باطن حق میں بھی کائنات کے اس علمی وجود کے منظم اور باجمال ہونے کے معنی یہی ہو سکتے ہیں کہ ایک ایک علمی صورت فطرتاً دوسری صورت کی متقاضی ہو کہ اگر یہ علمی صورت علم حق میں ہے تو دوسری بھی علم میں ضرور ہو ورنہ اگر ایک جزئی صورت بھی معاذ اللہ علم الٰہی میں نہ رہے تو دوسری بھی نہ رہے اور اس علمی کائنات کے مجموعہ کی یہ جمالی شان معاذ اللہ ختم ہو جائے جو صور علمیہ کی باہمی کشش وربط ہی پر قائم ہے۔ جس کی واضح دلیل یہ حسی کائنات کا جمال ہے جو باطن حق کا محض ظل ہے اگر اصل میں یہ جمالی شان نہ ہو تو ظل میں کہاں سے آئے؟

لیکن یہ بھی ملحوظ خاطر رہے کہ علم کائنات کا دائرہ حسی کائنات سے بدرجہا لامحدود وسیع اور اعم تر ہے کیونکہ حسی وجود کے دائرہ میں تو صرف موجودات آتی ہیں جو نمایاں ہیں یا ہو چکی ہیں لیکن علم کے احاطہ میں ساری معدومات بھی آتی ہیں وجود تو صرف موجود پر مشتمل ہے اور علمی وجود موجود ومعدوم دونوں پر مشتمل ہے اور خدا ہی جانتا ہے کہ ماضی وحال کے علاوہ مستقبل کی کتنی کائناتیں ہیں جو اس کے علم لامحدود میں لپٹی ہوئی پڑی ہیں جو وقت مقدر آنے پر نمایاں ہوں گی اور ہوتی رہیں گی پس علمی کائنات کا مجموعہ صرف وہی نہیں جو حسی وجود کا جامہ پہن چکا ہے بلکہ وہ ہے جو ماضی کے ازل الازال سے لے کر مستقبل کے ابد الآباد تک کے تمام اصول وکلیات اور فروع وجزئیات پر مشتمل ہے اور کون انکار کر سکتا ہے کہ مستقبل کی قابل وجود کائناتیں موجود شدہ کائناتوں سے بدرجہا بیکراں زائد اور لامحدود ہیں کیونکہ موجودات کتنی بھی ہوں ماضی کی ہوں یا حال کی حادث ہیں اور حادث کے لئے محدود ہونا ضروری ہے لیکن معلومات خداوندی حدوث سے بری اور ازل سے ابد تک پھیلی ہوئی ہیں تو ان کے محدود ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس لئے بآسانی یہ عنوان اختیار کیا جا سکتا ہے کہ موجودات محدود ہیں اور علم لامحدود کے ایک حصہ کا ظل ہیں اور معلومات لامحدود میں جو علم لامحدود میں لپٹی ہوئی چل رہی ہیں قرآن حکیم نے اسی حقیقت پر روشنی ڈالتے ہوئے موجود شدہ اشیاء کو بہ نسبت معلوم شدہ اشیاء کے جو خزانہ غیب میں پنہاں ہیں محدود اور قلیل بتلایا ہے جس سے علم کا دائرہ اس ظلی وجود کے دائرہ سے کہیں زیادہ وسیع اور لامحدود ثابت ہوتا ہے ارشاد ربانی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ
وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ

کوئی شے نہیں کہ اس کے خزانے ہمارے پاس موجود نہ ہوں
اور ہم نے اس شے کو (ان خزانوں سے) بقدر معین ہی اتارا ہے۔

ظاہر ہے کہ یہ خزائن جن کے اپنے پاس ہونے کا دعویٰ فرمایا گیا ہے وہی مقدورات اور معلومات الہیہ ہیں جو اس کے علم میں پنہاں اور خزانہ غیب میں لپٹے ہوئے ہیں بلاتعین مقدار انہی کی ایجاد کو تنزیل سے تعبیر فرمایا گیا یعنی ہم جب چاہیں گے بلا مشقت وکلفت ان علمی صورتوں کو حسی وجود کے ساتھ نمایاں کر دکھلائیں گے پس مقدورات کو بلاتعین مقدار خزائن سے تعبیر کر کے ان کے لامحدود ہونے کی طرف اشارہ فرمایا گیا اور موجود کردہ اشیاء کو قدر معلوم کی قید کے ساتھ ذکر فرما کر انکے محدود ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجود شدہ کائناتیں بہ نسبت قابل وجود کائناتوں کے بےحد قلیل ہیں اور علم کا دائرہ ظلی وجود کے دائرہ سے بدرجہا لامحدود وسیع ہے یہی وقت حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی قدس سرہ اس آیت کے تحت تفسیر مظہری میں تحریر فرماتے ہیں۔

قُلْتُ وَلَعَلَّ الْمُرَادُ بِالْخَزَائِنِ الْاَعْيَانُ الثَّابِتَةُ فِیْ عِلْمِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَبِانْزَالِهٖ اِیْجَادُهٗ فِی الْخَارِجِ الظِّلِّیِّ بِوُجُوْدٍ ظِلِّیٍّ.

میں کہتا ہوں کہ شاید یہاں خزائن سے مراد اعیان ثابتہ یعنی صور علمیہ علم الٰہی میں (لپٹے ہوئے) ہیں اور ان کے نازل کرنے کا مطلب انہیں اس ظلی جہاں میں وجود ظلی یا وجود حسی کے ساتھ موجود کر دینا ہے (کیونکہ ظلی وجود بہ نسبت اصلی وجود کے نازل اور گرا ہوا درجہ ہے اس لئے انہیں نزول سے تعبیر فرمایا۔

امام جعفر صادق بن محمد باقر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ نے بر وبحر میں جو کچھ بھی پیدا فرمایا ہے ان سب کی تصویریں عرش میں منقوش ہیں (گویا

عرش پر پوری کائنات وجود کا مصور نقشہ نقش شدہ ہے یہی معنی اس آیت (وَاِنۡ مِّنۡ شَیۡءٍ اِلَّا عِنۡدَنَا خَزَآئِنُهٗ) کے ہیں (حضرت قاضی صاحب فرماتے ہیں میں کہتا ہوں کہ غالباً عرش کو مجموعہ صور کائنات کا محل بتلانے سے امام رضی اللہ عنہ کی مراد عالم مثال ہے جو عالم کے لئے بمنزلہ خیال کے ہے پس جیسے انسان میں خیال کا محل دماغ ہوتا ہے ایسے ہی اس مجموعہ کائنات میں (جو بمنزلہ ایک شخص واحد کے ہے) اس کے خیال کا محل عرش ہے (گویا عرش کائنات کا دماغ ہے جس کے خیال کے مطابق کائنات بنتی بگڑتی رہتی ہے پس جیسے ایک خیال آتا ہے اور ایک جاتا ہے اسی کے مطابق عالم میں ایک شے موجود ہوتی ہے اور ایک معدوم ہوتی ہے۔

یعنی موجود و معدوم کے مجموعہ کو علمی کائنات کہا جائے گا جس پر علم الٰہی محیط ہے اس لئے علمی صورتوں کا ربط باہمی اور درمیانی توازن وتناسب بھی موجود اور ابد تک کی قابل وجود اشیاء کے مجموعہ سے مانا جائے گا کیونکہ جب علم واحد نے ان تمام علمی صورتوں کو جوڑ کر ایک ہی متوازن اور باجمال مجموعہ بنا رکھا ہے اور علم کا دائرہ لانہایت ہے تو جوڑ بند اور جمالی ترتیب وتوازن کی نسبتیں بھی ازل سے ابد تک لامحدود ہی مانی جاویں گی جس میں مستقبل کا ایک ایک ذرہ ماضی کے ایک ایک ذرہ سے بوجہ تناسب باہمی علمی طور پر باہم جڑا ہوا ہوگا۔ جو مجموعی جمال کا فطری تقاضا ہے۔ گویا ماضی کا ایک ذرہ بھی علمی طور پر اس وقت تک مکمل اور باجمال نہیں ہوسکتا جب تک کہ اس کے وجود کی آمد وشد اور قدر معلوم کی کیفیت کے ساتھ دوسرے تمام موجود وقابل وجود ذروں سے اس کی نسبت بھی علم میں نہ ہو کہ یہ جزئی خزانہ غیب کی دوسری جزئیات سے کیا تعلق رکھتی ہے؟ اور اس کے تناسب سے اس کی کیا مقدار ہونی چاہئے؟ اور پھر ان بانسبت جزئیات کا باطن حق میں کن کن کلیات اور اصول اور کن کن صفات خداوندی سے کیا کیا علاقہ ہے؟ ورنہ علمی کائنات کا مجموعی جمال قائم نہیں رہ سکتا۔ جو اس توازن اور باہمی تناسب ہی پر قائم ہے۔

اس سے جہاں یہ ثابت ہوا کہ علم خداوندی ازل سے لے کر ابد تک موجود و معدوم کے ذرہ ذرہ پر محیط ہے وہیں یہ نتیجہ بھی نکلا کہ ہر ہر ذرہ کا علم بھی خود ایک مستقل علم محیط ہے جو اس ذرہ کی تمام کلیاتی گہرائیوں کو اپنے احاطہ میں لئے ہوئے ہے جو تہ بہ تہ اور درجہ بدرجہ ہو کر اس میں سمائی ہوئی اس کی تشکیل کر رہی ہیں۔ اور انہی میں سے گزر گزر کر وجود اس جزئی میں نمایاں ہوا ہے۔ نیز ہر ہر ذرہ ماضی کا علم مستقبل کے ذرات کے علم سے کوئی نہ کوئی نسبت اور جوڑ رکھتا ہے جس سے علم کی مجموعی کائنات میں تناسب وتوازن اور جمالی شان قائم ہے۔ اور اس لئے کسی ایک ذرہ کا علم بھی اس وقت تک تمام نہیں ہوسکتا جب تک کہ مستقبل کے تمام ذرات سے اس کی نسبت اور توازن وتناسب کی کیفیت کا علم نہ ہو گویا ہر محدود ذرہ اپنی علمی نسبتوں کے لحاظ سے لامحدود اور علم لامحدود پر مشتمل ہے جو ازل سے ابد تک یہ پھیلا ہوا ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ جس طرح غیر اللہ کے لئے کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم محیط محال ہے وہیں کسی ایک ذرہ کی تمام حقیقت کا علم محیط بھی محال ہے۔

(اِنَّ اِلٰی رَبِّکَ الرُّجۡعٰی) اس لئے کسی ایک ذرہ کا بھی تمام علم جو اس کی ساری حقائق اور نسبتوں پر چھایا ہوا ہو غیر اللہ کے لئے ممکن نہیں چہ جائیکہ کائنات کے ذرہ ذرہ کا علم محیط غیر اللہ کے حصہ میں آ جائے۔

علم غیب کے پانچ بنیادی اصول

بہر حال علم غیب اور علم محیط یا علم کلی کی دو بنیادیں نکلیں۔ ایک وجود کائنات اور ایک جمال کائنات۔ وجود سے کل کائنات کا علم محیط خاصہ خداوندی نکلتا ہے۔

اللہ کا یہ علم غیب اور علم محیط خواہ کسی ایک جزئی کا ہو یا جمیع کائنات کا ہو نہایت بااصول اور مرتب انداز کا ہے جس میں علمی طور پر درجات ومراتب قائم ہیں۔ وہ اصول سے چل کر فروع تک درجہ بدرجہ ترتیب وار آیا ہوا ہے۔ بے اصول یا غیر مرتب نہیں۔

اگر معاذ اللہ اس کے علمی حقائق میں یہ انتشار ہوتا تو ظہور حقائق میں بھی یہی انتشار اور بدنظمی ہوتی حالانکہ مشاہدہ اس کے خلاف ہے۔ کائنات کا ظہور انتہائی موزونیت اعلیٰ ترین ترتیب اور ہر اعتبار سے محکم ترین نظم وخوبصورتی لئے ہوئے ہے۔ جس میں ساری ہی جمالی شانیں کھپی پڑی ہیں۔ ہر چیز کی پیدائش کا ایک اصول' ایک وقت اور ایک نظام اسباب ہے جس کے ماتحت وہ پردۂ دنیا پر نمودار ہوتی ہے۔ ہر موسم کے ظہور کا ایک ڈھنگ ہے جو اپنے مبادی اور مقدمات کے ساتھ فضا میں نمایاں ہوتا ہے۔

غرض موت ہو یا حیات' ابتدائے وجود ہو یا انتہاء وجود ایک خاص نظم کا پابند ہے، (وَلَنۡ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبۡدِيۡلًا)۔

اس لئے ضروری ہے کہ علم الٰہی میں بھی یہی اصولی ترتیبیں قائم ہوں کہ اس کا علم بھی اصول وکلیات سے پھیلتا ہوا چلے اور فروع تک آئے اور

فروع سے سمٹتا ہوا چلے اور اصول تک جا پہنچے۔ اور ہر چیز کے وجود کی ابتداء سے لے کر اس کی انتہا تک تمام درمیانی درجات ایک فطری نظام کے ساتھ ترتیب وار علم میں سمائے ہوئے ہوں۔ غرض جو ترتیب و نظم ظہور اشیاء میں ہے وہی ترتیب و نظم علم اشیاء میں بھی ہے۔ پس الظاھر عنوان الباطن کے اصول پر ظاہر وجود کا جمال باطن وجود یعنی علمی جمال کا آئینہ دار ہے جیسے مثلاً ایک مقرر نہایت مرتب اور با اصول تقریر کرے تو یہ اسی کی دلیل ہوتی ہے کہ اس کا دماغ بھی سلجھا ہوا با اصول ہے۔ جس میں یہ حقائق منقح طریق پر ترتیب وار آئی ہوئی ہیں اور ان حقائق کو ان کے مقام و مرتبہ کے مطابق صحیح صحیح سمجھے ہوئے ہے اور اسی ترتیب سے ادا کر رہا ہے۔ لیکن اگر تقریر بے ربط بے جوڑ ہو آگے کی بات پیچھے اور پیچھے کی آگے' اصول کی جگہ جزوی چیزیں اور جزئیات کے موقعہ پر اصولی باتیں بے ترتیبی سے ادا ہو رہی ہوں تو یہ اسی کی دلیل ہوتی ہے کہ اس مقرر کا دماغ بھی الجھا ہوا ہے جو نہ حقائق کو سمجھے ہوئے ہے نہ ان کے مرتبہ و مقام کو جانتا ہے۔ صرف الفاظ بے سمجھے رٹے ہوئے ہیں جو طبعی انداز میں نکل رہے ہیں کسی شعور یا ذکاء نفس کا ان میں دخل نہیں۔ ٹھیک اسی طرح ظہور کائنات کی بے مثال ترتیب و تنظیم اس کی واضح دلیل ہے کہ علم خداوندی میں بھی کائنات کی یہ علمی صورتیں اسی طرح مرتب اور منظم ہیں اور اصول و کلیات سے علم چلتا ہوا اجزاء و جزئیات تک ترتیب سے پہنچا ہوا ہے۔

کائنات کا ذرہ ذرہ اور ان کے اصول فرع اور ان سب کی ابتداء و انتہاء مرتب طریق پر ہی یکدم اس کے احاطہ میں آئی ہوئی ہے۔ وہ یہ سب چیزیں جانتا ہے اور ترتیب کے ساتھ جانتا ہے۔ ان میں وجود کی آمد و شد کی ہر ہر ساعت و کیفیت کا اس کو علم ہے اور ترتیب کے ساتھ ہے۔ البتہ علم الٰہی کی یہی مرتب اشیاء جب اسی ترتیب سے زمان و مکان میں ظاہر ہوتی ہیں تو ان میں ترتیب زمانی قائم ہو جاتی ہے۔

علم الٰہی کی ترتیب کو انسانی علم کی ترتیب پر قیاس نہ کیا جائے۔ انسان کا علم چونکہ تدریجی ہے تو یہاں علمی ترتیب بھی زمانہ ہی کے ساتھ ظاہر ہوتی ہے اور اللہ کے یہاں کل علم حضوری' ذاتی اور ازلی ابدی ہے۔ اس لئے وہاں یہ ترتیب اصولی ہوگی جس میں زمانی تقدم تاخر کا دخل نہ ہوگا۔ بالکل اسی طرح جیسے صفات خداوندی میں بھی نظری ترتیب ہے کہ امہات صفات مقدم ہیں دوسری صفات پر حیات مقدم ہے سمع و بصر پر اور علم مقدم ہے قدرت پر۔ مشیت مقدم ہے ارادہ پر بایں معنی کہ زمانہ کے لحاظ سے پہلے اس میں حیات آئی پھر علم آیا پھر قدرت آئی بلکہ بایں معنی کہ ان ساری جمع شدہ صفات و کمال میں نظری طور پر ایک اصولی اور فطری ترتیب بھی ہے۔ ورنہ ظاہر ہے کہ ساری ہی صفات بیک وقت ذات کا جوہر بنی ہوئی ہیں بلحاظ زمانہ ان میں کوئی بھی آگے پیچھے نہیں یہی صورت معلومات خداوندی میں بھی ہے کہ ان میں درجات کے لحاظ سے فطری ترتیب اور موزونیت ہے جس کا معیار زمانہ نہیں بلکہ ذات اور فطرت ذات ہے کہ فطرتاً فلاں معلوم درجہ میں اول ہے اور فلاں ثانی ہے۔ نہ یہ کہ فلاں اول زمانہ میں ہے اور فلاں آخر زمانہ میں ہے۔ غرض ساری کائنات موجود سے لے کر۔

اس مرتب کائنات کے وجود کی ابتداء و انتہاء اور اول و آخر کے معیار سے اللہ کے اس مرتب علم محیط کو دیکھا جائے تو اس کے تین بنیادی اصول نکلتے ہیں جن سے یہ وجود اور دوسرے لفظوں میں علم خداوندی گزر گزر کر کائنات کے ذرہ ذرہ تک پہنچا ہوا اس کے اول و آخر اور ابتداء و انتہا پر محیط ہے۔ ایک مجموعہ کائنات دوسرے اجزائے کائنات۔ تیسرے اجزاء کائنات کے عوارض واحوال اور افعال وخواص۔ اور جب ان تینوں مقاموں میں وجود کی آمد اور پھر رفت ہوگی۔ یعنی وجود سے ان مقامات کا آغاز ہوگا اور رفت سے ان کا اختتام ہو جائے گا جو ممکنات کی شان ہے تو اصولاً وجود کی ان دو حالتوں اور کائنات کی ان تین اصولی نوعوں کو ملا دینے سے چھ بنیادی نوعیں پیدا ہو جاتی ہیں۔

۱- مجموعہ کائنات کے وجود کی ابتداء
۲- مجموعہ کائنات کے وجود کی انتہاء
۳- اجزائے کائنات کے وجود کی ابتداء
۴- اجزائے کائنات کے وجود کی انتہاء
۵- اجزائے کائنات کے افعال وخواص کے وجود کی ابتداء
۶- اجزائے کائنات کے افعال وخواص کے وجود کی انتہاء

عقلاً بھی چھ صورتیں نکلتی ہیں جو وجود کی آمد و شد اور اس کی ابتداء و انتہاء کا راستہ بن سکتی ہیں مگر ان چھ انواع میں سے آخر کی نوع یعنی جزئیات کائنات کے افعال وخواص کے وجود کی انتہا یا ان کی فنا کوئی مستقل نوع کی حیثیت نہیں رکھتی۔ کیونکہ جزئیات عالم کے افعال واحوال کی فنا ان کے وجود ہی کے ساتھ ساتھ چلتی رہتی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ فعل آنی ہوتا ہے اس میں دوام واستمرار نہیں ہوتا۔ بلکہ تجدد ہوتا ہے۔ جس آن ان عوارض کا جو حصہ وجود سے نمایاں ہوتا ہے اس آن وہ گزرتا ہوا اور ختم ہوتا بھی دکھائی دیتا ہے گویا اس کی ابتداء ہی اس کی انتہا بھی ہوتی ہے اس لئے ان افعال وخواص کے وجود کا ذکر ہی ان کی انتہاء وجود کا ذکر بھی ہے مستقلاً

انتہاء وجود کا ذکر کیا جانا ضروری نہیں۔ اس لئے مستقل اصولی انواع ابتداء کی پانچ نوعیں رہ جاتی ہیں جو وجود کی اصل گزرگاہ ثابت ہوتی ہیں۔ اور جبکہ یہ وجود کائنات ہی علم خداوندی بھی ہے تو دوسرے لفظوں میں یہی پانچ اصول درحقیقت علم الٰہی کا مورد بھی ثابت ہوتے ہیں جن میں سے یہ علم شاخ در شاخ ہوکر گزرتا ہوا کائنات کے ذرہ ذرہ تک پہنچا ہوا ہے جسے علم غیب اور علم محیط کہتے ہیں۔

گویا یہ پانچ نوعیں وجود کی ابتداء وانتہاء کا مرکز ومحور بنی ہوئی ہیں اور حسب بیان سابق یہ وجود کائنات ہی علم الٰہی ہے تو جن جن مقاموں سے وجود گزر رہا ہے گویا علم گزر رہا ہے اور جبکہ ان مقاموں سے وجود گزرنا یعنی وجود بخشی اور وجود سلبی خاصۂ خداوندی ہے۔ اسی سے وجود کی ابتداء ہے اور اسی سے انتہاء اور وہی یکہ وتنہا مصداق ہے:

(الَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ) کا تو قدرتاً ان پانچوں بنیادوں کا علم بھی خاصۂ خداوندی ہوگا۔ پس حق تعالیٰ کے علم ازلی میں اولاً کائناتوں کے مجموعوں کے لئے جو ابد تک آنے اور جانے اور بننے اور بگڑنے والے تھے ہر مجموعہ کی ابتداء وانتہاء کا علم مشخص ہے کہ وہ کب بنے گا اور کب بگڑ کر ختم ہوجائے گا جسے قرآن حکیم نے علم غیب کے جو پانچ اساسی اصول یا قرآن ہی کی تعبیر میں پانچ کنجیاں اور مفاتح بیان فرمائی ہیں جنہیں اپنے ساتھ مخصوص بتایا ہے غور کیا جائے تو وہ اسی وجودی سلسلہ اور وجود کی ابتداء وانتہاء کے معیار سے نظر آتی ہیں کیونکہ جس چیز کی ابتداء وانتہا یعنی وجود بخشی اور وجود سلبی اس کے ہاتھ میں ہے تو بلاشبہ خود وہ شے اسی کے قبضہ قدرت میں ثابت ہوگی اور یہی وجود شے جبکہ علم الٰہی ہے تو ہر شے کے اول وآخر کا علم بھی اسی کے ساتھ مخصوص ہوگا۔

(۱) مثلاً مجموعہ کائنات کی انتہاء وجود یا فنا کی ظاہری علامت اس کا یوم آخر ہے جس کا نام ساعت یا قیامت ہے جس میں ساری کائنات کا تارو پود بکھر کر اس کے اجزا منتشر اور گم ہوجائیں گے۔ اس لئے اگر ساعت کے لفظ سے مجموعہ عالم کی انتہاء وجود کی طرف اشارہ ہو تو مستبعد نہیں کیونکہ ظرف بول کر مظروف مراد لینا بلاغۃ کا معروف اصول ہے۔ اس لئے قرآن حکیم نے حصر کے ساتھ فرمایا:

(اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ) ''اللہ ہی کے پاس ہے علم قیامت''

پس یہاں منتہائے عالم کے علم کو (عِلْمُ السَّاعَۃِ) سے تعبیر فرمایا جو مجموعہ کائنات کے وجود کی انتہا ہے۔

(۲) یا مثلاً مجموعہ کائنات کے وجود کا ظاہری سبب اور بالفاظ دیگر مبداء حیات پانی ہے جسے بارشیں لاتی ہیں اور بحر و بر میں پھیلا دیتی ہیں جن کی بدولت بظاہر اسباب مجموعہ کائنات کو وجود کی دولت ملتی ہے۔ (فناء عالم کے بعد جب عالم کو دوبارہ بنایا جائے گا تو ابتداء بارش ہی سے کی جائے گی۔ جس کا پانی مادہ منویہ کے رنگ و بو کا ہوگا۔ جیسا کہ نص حدیث میں مروی ہے)

(وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ) اور وہی نازل کرتا ہے بارش (جو مجموعہ کائنات کے وجود کی ابتداء ہے یعنی علم نزول باراں اسی کو ہے کہ کب آئے گی' کیسے آئے گی کہاں سے آئے گی اور کہاں کہاں آئے گی وغیرہ)

پس یہاں مجموعہ کائنات کی ابتداء کے علم کو تنزیل غیث سے تعبیر فرمایا گیا کہ انزال باراں سبب وجود کائنات ہے جیسے انزال نطفہ سبب وجود اشخاص ہوتا ہے یا انزال تخم سبب وجود درحقیقت ہوتا ہے اور سبب بول کر مسبب مراد لیا جانا زبانوں کا عام مروجہ اصول ہے۔

(۳) اسی طرح کائنات کی بے شمار جزئیات اور اجزاء جمادات ونبات حیوان وانسان ارواح وملائکہ وغیرہ کے جزئی جزئی وجود کی ابتداء کا ظاہری سبب اور نمایاں علامت ان کا ظرف خلقت ہے جس سے ان اشیاء کی ابتدائی نمود ہوتی ہے جسے بطن ام یا رحم مادر کہتے ہیں جو ہر مخلوق کا الگ الگ اور جدا جدا شکل وصورت کا ہے کیونکہ ہر مخلوق کی ام اور اصل بھی الگ الگ ہے۔ اس لئے اگر ماؤں کے رحم کا ذکر کر کے ان میں بنتی ہوئی مخلوق کے شخصی وجود اور اس کی ابتداء کی طرف اشارہ ہو تو کچھ بعید نہیں اس لئے قرآن حکیم نے اسی حصر کے ذیل میں ارشاد فرمایا:

(وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ) اور وہی جانتا ہے کہ رحم مادر میں کیا ہے؟ مثلاً انسانی خلقت کا ظرف رحم مادر ہے تو وہی جانتا ہے کہ اس میں لڑکا ہے یا لڑکی؟ حیوانات عمومی ظرف خلقت رحم مادہ ہے تو وہی جانتا ہے کہ اس میں نر ہے یا مادہ۔ پرندوں کا ظرف خلقت مثلاً بیضہ ہے تو وہی جانتا ہے کہ اس میں مذکر ہے یا مؤنث۔ موتی کی خلقت کا ظرف خلقت سیپ کا رحم ہے تو وہی جانتا ہے کہ اس میں موتی ہے یا قطرۂ پانی۔ درخت کی خلقت کا ظرف یا رحم بطن زمین ہے تو وہی جانتا ہے کہ اس میں درخت ہے یا بیل بوٹہ۔ پس یہاں جزئیات کائنات کے شخصی وجودوں کی ابتداء کے علم کو علم ما فی الارحام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور ظرف بول کر مظروف مراد لینا زبانوں کا عام اصول ہے۔

برائی کو لوگ زمانہ کی طرف منسوب کر کے زمانے کو اچھا برا کہہ دیتے ہیں اور اسی لئے یہ افعال زمانہ ہی کی طرف منسوب کر کے ذکر بھی کئے جاتے ہیں۔

(وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا)

اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کل کو کیا کرے گا (یعنی یہ علم بھی خاصہ خداوندی ہے)

اسی طرح اجزائے کائنات کے جزئی جزئی وجود کی انتہاء یعنی شخصی موت کی علامت جو اس کی زندگی کے خاتمہ کو نمایاں کرتی ہے اس کی زمین موت جہاں وہ مرنے کے وقت کھنچا ہوا چلا آتا ہے خواہ کہیں بھی ہو اور بعد میں لوگ کہتے ہیں کہ فلاں کو اس کی مٹی کھینچ کر لائی تھی۔ سو وہی زمین اس کی جائے دفن اور قبر ہی بن جاتی ہے۔ اس لئے اگر زمین موت کا ذکر کر کے شخصی وجود کی انتہاء کی طرف اشارہ ہو تو یہ ایک باعلاقہ بات ہے کوئی بے جوڑ بات نہیں۔ چنانچہ قرآن نے اسی ترکیب حصر میں جزئی موت یا شخصی وجود کی انتہاء کی طرف زمین موت کا نام لے کر اشارہ فرمایا ہے۔

(وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ)

اور کوئی نفس نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا؟ (کہ یہ علم بھی خاصہ خداوندی ہے)

کیونکہ یہ علم محض ان اشیاء کے ناموں یا صورتوں یا کاموں کا علم نہیں بلکہ ان کے ظاہر و باطن کے وجود کی ابتداء و انتہا اور اس ابتداء و انتہاء کے منظّم وجودی اور سلبی سلسلوں اور ساتھ ہی ان کے ظہور کی ساری مناسبتوں اور نسبتوں کا علم ہے کہ یہ مجموعے یا جزئیات کس طرح وجود پذیر ہوئے۔ کن کن اصول وکلیات سے گزر کر کس طرح انہوں نے وجود کا جامہ پہنا۔ وجود کہاں سے چلا کس کیفیت سے آیا کتنا آیا کب تک کے لئے آیا اور کن کن محرکات و کیفیات سے ان اشیاء میں ان کے افعال وخواص کا ظہور ہوا۔ اور پھر یہ وجود کیسے اور کب اور کیوں اور کس حد تک ان سے سلب ہوگا۔ جس سے ان کا اور ان کے افعال کا اختتام ہو جائے گا۔

کسی شے کا کلی اور محیط علم وجود کی حقیقت سمجھے بغیر ممکن نہیں اور وجود جبکہ ذاتیات حق میں سے بلکہ عین ذات ہے تو اس کی حقیقت کا علم ایسا ہی ہے جیسا کہ ذات خداوندی کی حقیقت کو کوئی جان لے اور یہ محالات میں سے ہے۔ (لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ) اس لئے اشیاء کی حقائق کا کلیۃً جان لینا جو حقیقت وجود جان لینے پر موقوف ہے غیر اللہ کے لئے خود محال نکلا تو نتیجہ صاف نکل آیا کہ ان اصول پنج گانہ کا علم جو وجود کی حقیقت جاننے کا بنیادی سلسلہ ہے حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے کسی مخلوق کو نہیں ہو سکتا۔

(وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَاۤ اِلَّا هُوَ)

'اور اسی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا' جس سے واضح ہے کہ غیب کی کنجیاں بجز خدا کے کسی کے علم میں نہیں۔ اور حدیث نبویؐ میں فرمایا گیا کہ وہ غیب کی کنجیاں یا مفاتیح غیب یہی امور پنجگانہ علم قیامت' علم نزول باران' علم مافی الارحام' علم افعال فرد اور علم زمین موت ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غیب کی پانچ کنجیاں ہیں۔ بیشک اللہ ہی کو قیامت کی خبر ہے اور وہی مینہ برساتا ہے اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحم میں ہے اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا عمل کرے گا اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین پر مرے گا۔ بے شک اللہ سب باتوں کا جاننے والا باخبر ہے۔

مسند احمد اور بخاری نے مزید تفصیل کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے نیز حدیث جبریل نے بھی (جو مسلم و بخاری میں ہے) اس حقیقت پر روشنی ڈالی ہے جس سے واضح ہے کہ یہی پانچوں چیزیں غیب کی کنجیاں ہیں۔

اور سب جانتے ہیں کہ مفتاح اور کنجی ہی وہ چیز ہے جس سے بند قفل کھل کر مکان کی تمام اندرونی اشیاء سامنے آجاتی ہیں جو کنجی نہ ہونے کی صورت میں سامنے نہیں آسکتیں۔ پس کنجی ایک ہوتی ہے اور اس سے نمایاں ہونے والی اشیاء ہزاراں ہزار ہوتی ہیں اور شان کہ ایک سے ہزار ہا کا پتہ چل جائے اصول وکلیات کی ہوتی ہے نہ کہ جزئیات کی کہ جزئی تو جزئی کے لئے حجاب ہوتی ہے نہ کہ منشاء انکشاف۔ اس لئے قرآن نے ان پانچوں امور کے لئے مفتاح کا لفظ بول کر گویا ان پانچوں امور کی اصولیت اور کلیت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ان کے نیچے کی بے شمار جزئیات کا علم ان پانچ کے علم سے چلتا ہے۔ یعنی یہ اصول علوم ہیں اور ماتحت جزئیات آثار علوم ہیں۔

پس انہیں پانچ کو جو مفتاح ہونے کی وجہ سے کلیت کی شان لئے ہوئے ہیں۔ جبکہ مفتاح کہہ کر خاصہ خداوندی فرمایا کہ انہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تو نتیجہ صاف نکل آیا کہ ان امور کے اصول کلی کا مرتبہ خاصہ خداوندی ہے نہ کہ جزئیات منفردہ کا ورنہ مفتاح کا عنوان لایا جانا عبث ہو جائے اس سے کھل گیا کہ ان پانچوں انواع کے نیچے کی جزئیات منفردہ خاصہ خداوندی نہیں بلکہ غیر اللہ کے علم میں بھی آسکتی ہیں۔ مگر ان اصول کے راستہ سے نہیں بلکہ محض جزئی صورت سے یعنی ایک ہے نفس جزئیات کا جاننا اور ایک ہے ان جزئیات کو ان کے اصول وکلیات اور ان کے وجودی سلسلوں سے جاننا۔ مثلاً ایک ہے زید وعمرو کی زمین موت کا جان لینا اور ایک ہے ان کی زمین موت کو اس اصول وضابطہ کی رو سے

جاننا جس کی رو سے یہ زمین ان کی موت کے لئے متعین ہوئی ہے۔
ایک ہے کسی مؤنث کے حمل کی اندرونی پیداوار کو جان لینا اور ایک ہے ان حقائق وکیفیات اور اصول وقواعد کی رو سے جاننا جن کے ترتیبی سلسلہ سے یہ پیداوار حمل میں واقعہ بنی اور پردۂ وجود پر نمایاں ہوئی۔
ایک ہے بارش کا اول وآخر اور کم وکیف اور قدر مقدار علم کے احاطہ میں آ جائے۔ غرض ان پانچوں انواع میں ایک درجہ جزئیات منفردہ کا نکلتا ہے جو محض اپنی جزئی صورتوں سے علم میں آ ئیں۔
پھر جس طرح لفظ مفاتیح سے علوم کا اصول درجہ خاصہ خداوندی ثابت ہوتا ہے جس سے جزئیات منفردہ مستثنیٰ رہ جاتی ہیں وہی اسی لفظ مفاتیح سے یہ بھی نمایاں ہے کہ جزئیات کے سلسلہ میں بھی جمیع جزئیات کا احاطی اور احصائی علم بھی خاصہ خداوندی ہے جو غیر اللہ کے لئے ممکن نہیں۔ کیونکہ یہ اصول جبکہ منشاء جزئیات ہیں اور ساری کی ساری لامحدود علمی جزئیات ان کے اندر خود بخود مندرج ہیں تو جس کے پاس یہ مفاتیح ہیں یقیناً ان کی ساری جزئیات بھی اسی کے پاس ہوسکتی ہیں۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ علم میں اصول مبانی اور منشاء آثار تو ہوں اور ان کے نیچے کی جزئیات اور آثار نہ ہوں ورنہ ان اصول کا مفتاح ہونا باطل ہو جائے گا۔ مفتاح کے معنی ہی یہ ہیں کہ اس کے ذریعہ ہر بند اور مخفی شے جو جو مقفل تھی وہ کھل جائے۔ یہ فرق ضرور ہوگا کہ بشر کے محدود ذہن میں جو اصول کلیہ آتے ہیں گو ان کی جزئیات بھی ذہن میں ضرور ہوتی ہیں مگر بالا جمال حتیٰ کہ افراد کی کتنی ہی تفصیل ہوجائے پھر بھی وہ بشر میں اجمال ہی کا درجہ رکھتی ہے کیونکہ انسانی علم تدریجی ہے جو رفتہ رفتہ آتا ہے۔ بحوائے:

(وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِیْ عِلْمًا)

(اے پروردگار میرے علم کو بڑھاتا رہیو)
اس لئے جتنا بھی آ جائے گا وہ اصل کلی کی تمام تفصیل نہ ہوگی۔
انسان ختم ہو جائے گا اور پھر بھی لامحدود افراد وتفصیلات باقی رہ جائے گی۔ بشر ان انواع پنجگانہ کے اصول پر تو علمی قابو پا ہی نہیں سکتا۔ جہاں اصول اور مفاتیح ہی اس کی دسترس سے باہر ہوں تو وہاں اس کا یہ خاص علم (لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا) کا مصداق ہوکر رہ جائے گا۔ اس اصول پر جبکہ غیر اللہ کو ان مفاتیح غیب اور اصول علم ہی کا پتہ نہیں دیا گیا۔
اسکا حاصل یہ نکلا کہ نہ غیر اللہ کو ان مفاتیح کا علم ہوسکتا ہے نہ ان کے نیچے کی ساری جزئیات کا احاطی علم ہوسکتا ہے کیونکہ تدریجی علم میں بیک وقت احاطہ ممکن نہیں۔

اور اللہ ہی کے پاس ہیں کنجیاں غیب کی ان کو کوئی نہیں جانتا بجز اللہ کے اور وہ تمام چیزوں کو جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہیں اور جو کچھ دریاؤں میں، اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر وہ اس کو جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کے تاریک حصوں میں نہیں پڑتا اور نہ کوئی تر اور خشک چیز گرتی ہے۔ مگر یہ سب کتاب مبین (لوح محفوظ) میں ہے۔
وہی ہے کہ رات میں تمہاری روح کو ایک گونہ قبض کر لیتا ہے اور جو کچھ تم دن میں کرتے ہو اسے جانتا ہے۔ پھر تم کو جگا اٹھاتا ہے تا کہ میعاد معین (عمر) تمام کر دی جائے۔ پھر (بعد انقضاء عمر) اس کی طرف کو جانا ہے پھر تم کو وہ بتلا دے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے۔
ظاہر ہے کہ (مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ) میں ما کلمہ عام ہے تو تمام افراد کائنات کا علم آ گیا خواہ وہ ذی روح ہوں یا غیر ذی روح اور بحر سے متعلق ہوں جیسے بارشوں کا اٹھنا اور گرنا یا خشکی سے متعلق ہوں جیسے موالید ثلاثہ اور عناصر اربعہ۔ سقوط ورقہ سے کائنات کے تمام جماد ونبات کی ہر نقل وحرکت کی طرف اشارہ ہوا ہے تو ان کے افعال وخواص کا پورا علم آ گیا۔ (وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ) میں عموم کے ساتھ بنی آدم کے تمام افعال آ گئے تو انسان کے سارے کسب وعمل کا علم آ گیا۔ (لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى) میں موت اور اس کے متعلقات جیسے قبر وبرزخ وغیرہ آ گئے۔ تو ارض موت کا علم اس میں آ گیا۔ اور (يَبْعَثُكُمْ) میں قیامت کے تمام اجزاء وجزئیات آ جاتے ہیں تو قیامت اور اس کے تمام متعلقات کا علم آ گیا۔ غرض مفاتح الغیب کے لفظ سے تو ان انواع پنجگانہ کے مرتبہ کلی کی طرف اشارہ ہوا۔ جس کا علم خاصہ خداوندی ہے اور آیت کے اس تفصیلی حصہ سے ان انواع کی جمیع جزئیات کو عمومی کلمات سے ادا کر کے جزئیات منفردہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ تا کہ ان جمیع جزئیات کا احاطی علم بھی ان کے اصول کے مفتاحی علم پر متفرع ہونے کی وجہ سے خاصہ خداوندی ثابت ہو جائے۔
اندریں صورت جبکہ آیت کا مفاد ومقصد صرف ان دو علموں (علم مفتاحی اور علم احاطی) کو خاصہ خداوندی بتلانا ہے جو غیر اللہ کو نہیں ہوسکتا تو اس سے خود ہی واضح ہوگیا کہ ان دونوعوں کو چھوڑ کر اگر ان مفاتیح غیب کے نیچے کی جزئیات خاصہ غیر اللہ کے علم میں آ جائیں تو یہ اس آیت کے منافی نہیں۔ اور وہ بھی جبکہ بالذات نہیں بلکہ باطلاع خداوندی علم میں آ ئیں تو علم غیب نہ رہیں گی۔
اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ جب اصولیت کی شان مفتاحیت میں

ہے تو بلا مفتاح کے غیب کے نیچے صرف جزئیات منفردہ رہ جاتی ہیں سو وہ حسب آیات بالا بشر کے علم میں آسکتی ہیں۔

جیسا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر علوم شرائع کا نزول نجماً نجماً ہوا ہے۔ سارا دین اور دین کا سارا علم ایک دم قلب نبوت میں نہیں ڈالا گیا۔ چنانچہ (وَنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا) اس پر شاہد ہے ورنہ قرآن میں حضور سے (وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا) کی درخواست نہ کرائی جاتی۔

خاصہ خداوندی دو علم ثابت ہوئے ایک علم مفتاحی جو اصول غیب اور کلیات وحقائق غیب کا علم ہے اور ایک علم احاطی جو ساری جزئیات اور ان کے ذرہ ذرہ پر چھایا ہوا ہو۔ رہا علم جزئیات خاصہ سو وہ خاصہ خداوندی نہیں بشر کے لئے ممکن ہے۔ بہر حال لفظ اطلاع اور لفظ اظہار اطلاع کردہ علوم کی جزئیت پر دال ہے جن میں احاطہ استغراق نہ ہو۔ چنانچہ ان انواع پنجگانہ کے سلسلے میں یہ علم کلی اور علم جزئی کا فرق صاحب روح المعانی اس آیت اطلاع غیب کے تحت سلف کے آثار کی روشنی میں ان الفاظ میں ظاہر فرمادیا ہے۔

بلاشبہ یہ جائز ہے کہ حق تعالیٰ اپنے بعض منتخب بندوں کو ان انواع پنجگانہ میں سے کسی نوع کے علم سے شرف فرماتے ہوئے فی الجملہ اس کا علم عطا فرما دے۔ وہ علم جو ان انواع پنجگانہ میں اس کے ساتھ خاص ہے وہ وہ ہے جو احاطہ عام اور شمول کلی کے ساتھ ہر ہر چیز کے کل احوال واوصاف ومقادیر پر مشتمل ہو اور اس کی مکمل تفصیلات پر حاوی ہو (یعنی بشر کو جزئیات خاصہ پر اطلاع دی جاسکتی لیکن کلی اور احاطی علم حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے)

آیت میں جبکہ حصر کے ساتھ ان پانچوں انواع وجود کا علم حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص فرمایا گیا جو علم غیب کے اصول ہیں۔ تو اس سے ایک نتیجہ یہ نکلا کہ ان امور کا مرتبہ کلی بنص قرآن ذات بابرکات حق تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے غیر اللہ کے لئے ممکن نہیں اور دوسرے یہ نمایاں ہوا کہ کائنات کی لامحدود جزئیات اور ذرہ ذرہ کا علم جبکہ انہیں اصول پنجگانہ میں محصور ہے تو ذرہ ذرہ کا احاطی اور احصائی علم بھی اسی کو ہوسکتا ہے جسے ان اساسی اصول کا علم ہو اور وہ صرف ذات حق ہے۔

کمالات خداوندی کا لامحدود ہونا امر ضروری ہے۔

حق تعالیٰ شانہ کی ذات وصفات اور کمالات لامحدود ہیں کہ اس کا وجود لامحدود ہے اس لئے کمالات جو وجود کے حصے ہیں قدرتاً لامحدود ہونے ضروری ہیں۔ اگر ان میں حد بندی ہو تو ذات وصفات میں نقص لازم آئے گا۔

مثلاً اگر قدرت خداوندی کو محدود مانا جائے تو (وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ) کے کوئی معنی نہ رہیں گے۔ اگر ارادہ وفعل کو محدود کہا جائے تو (يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ) اور (يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ) کے کوئی معنی نہ رہیں گے۔ اگر بقاء کو محدود مانا جائے تو: (كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ) اور (هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ) کے کوئی معنی نہ رہینگے۔ پس کلام ربانی کی یہ آیتیں اسے قادر مطلق، فاعل مطلق، مرید مطلق، حیی طلق یعنی لامحدود القدرت لامحدود الفعل لامحدود الارادۃ اور لامحدود الحیاۃ بتلا رہی ہیں۔

یہی صورت اس کی تمام صفات کمال میں تسلیم کرنی پڑے گی کہ وہ سب لامحدود ہیں۔

کمالات بشری

بہر حال مخلوق خالق کی طرح وجود محض نہیں ہوسکتا بلکہ اس میں عارضی وجود کے ساتھ ہر سمت میں عدم کی حد بندیاں موجود ہیں جنہوں نے اسے اور اس کے وجود کو محدود بنا رکھا ہے۔

مخلوق میں جو کمال بھی کمالات حق کے پرتو سے ظہور کرے گا اس میں ایک حد ایسی نکلنی ضروری ہوگی۔ جس پر پہنچ کر یہ مخلوق اس کمال سے عاری اور عاجز نظر آئے۔ ورنہ مخلوق کی ذات اور صفات کے محدود ہونے کے کوئی معنی ہی باقی نہ رہیں گے۔

مثلاً کلام میں بشر کی فصاحت وبلاغت کے محدود ہونے کے معنی یہ ہیں کہ ایک حد پر اس کا یہ کمال ختم ہو جائے اور اس سے آگے وہ اس کمال سے عاجز رہ جائے قدرت نہ پاسکے سو وہی حد اعجازی حد ہوگی جہاں سے خالق کی معجزانہ فصاحت وبلاغت کا مقام شروع ہوگا جس سے جن وبشر عاجز وبے بس نظر آئیں گے۔ چنانچہ قرآن کریم اسی معجزانہ فصاحت وبلاغت کا نمونہ ہے جس کے سامنے نہ صرف سارے جن وبشر بلکہ افصح العرب والعجم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی عاجز ہیں اور اس کا مثل لے آنے پر قدرت نہیں رکھتے۔ اسی طرح ہم مصنوعات پر ایک حد تک قدرت رکھتے ہیں اور عناصر اربعہ سے جوڑ توڑ لگا کر مصنوعات تیار کر لیتے ہیں۔ مگر ایک خاص حد تک اس سے آگے کی صنعت پر ہمیں سرے سے کوئی قدرت ہی نہیں کہ ہم زمین یا آسمان یا چاند سورج یا حیوان وانسان یا روح ونفس بنالیں۔ بس یہیں سے خالق کی قدرت کا مقام شروع ہوتا ہے جو ہمارے عجز سے پہچانا جاتا ہے۔ اسی طرح ہم عناصر سے اشیاء بنا سکتے ہیں لیکن خود عناصر کی ایجاد پر ہمیں کوئی قدرت نہیں کہ یہ خالق کا کام اور مقام ہے۔ اسی طرح ہم اسباب بقاء اختیار کر سکتے ہیں اور وہ بھی ایک حد

تک لیکن خود بقاء پر ہمیں کوئی دسترس نہیں ۔ ورنہ کوئی بھی مخلوق اپنے او پر فنا طاری نہ ہونے دیتی ۔ اس لئے بقاء مطلق خالق کا مقام ثابت ہوتا ہے جہاں مخلوق عاجز رہ جاتی ہے ۔ یہی حال سمع وبصر کا ہے کہ ہم مثلاً میل دو میل تک کی چیزیں دیکھ اور سن سکتے ہیں لیکن اس سے آگے پہنچ کر عاجز ہو جاتے ہیں اور اگر کسی حد تک ریڈیو یا دوربین کے آلات سے دور دور دیکھ اور سن پاتے ہیں تو اس کی طاقت بھی ایک حد پر پہنچ کر ختم ہو جاتی ہے تو یہیں سے اللہ کی سمع مطلق اور بصر مطلق کی حدود آ جاتی ہیں کہ وہ زمینوں کی ساتویں تہ کی چیونٹی کی آواز بھی بذات خود سنتا ہے ۔

مخلوق کے لئے خواہ وہ کتنی ہی جلیل وعظیم کیوں نہ ہو حتیٰ کہ ذات بابرکات حضرت سید الکونین نبیٔ برحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھی ذرہ ذرہ کا علم یعنی علم محیط ثابت کیا جانا گویا بشر کے لئے خدائی ثابت کرنا ہے ۔ کیونکہ جب علم جیسی چوٹی کی صفت میں کسی جہت سے بھی مخلوق خالق کی برابری کر سکتا ہے تو قدرت میں برابری کیوں نہیں کر سکے گا؟ جو علم کے آثار میں سے ہے ۔ حکمت میں برابری کیوں نہیں کر سکتا جو علم کے لوازم میں سے ہے اسے بھی آسمان وزمین اور نفس وروح بنا دینے پر قدرت ہونی چاہئے ۔ اسے بھی جہانوں کا حکیمانہ نظام محکم بنانے اور چلانے پر دسترس ہونی چاہئے پھر حیات میں یہ برابری کیوں نہیں ہو سکتی؟ کہ مخلوق بھی ازلی ابدی بن جائے نیز کلام میں یہ مساوات کیوں نہیں ہو سکی؟ کہ بشر بھی قرآن جیسا کلام بنا لائے اور خدائی چیلنج کا خاطر خواہ جواب دے ڈالے اور پھر صاف ہی کیوں نہ کہہ دیا جائے کہ وہ ذات خداوندی اور اس کی خدائی میں بھی خدا کے مساوی کیوں نہیں ہو سکتا؟

بہر حال کسی مخلوق کے لئے علم محیط ماننے سے یہ لازم آنا ضروری ہے کہ یہ مخلوق تمام صفات کمال میں بھی جو علم سے نیچے نیچے کی ہیں حدود کو توڑ کر لامحدود اور خدا کے مساوی ہو سکتا ہے اور پھر کون کہہ سکتا ہے کہ معبودیت میں بندہ خدا کا شریک اور مساوی کیوں نہیں ہو سکتا؟ اگر یہ سب کچھ ہو سکتا ہے تو سوال یہ ہے کہ پھر وہ رد شرک اور توحید کامل کا اثبات کہاں جائے گا جس پر اس دین کو فخر وناز اور ادیان میں اس کا کھلا امتیاز تھا ۔ اور قرآنی تعلیمات کی وہ نمایاں توحیدی خصوصیات کیا ہوں گی جس کی وجہ سے وہ عالم کی تمام کتب سماوی پر غالب اور ان کا مرجع الکل قرار پایا ہوا ہے ۔

اندریں صورت یہ توحید ذات وصفات کے قرآنی مواعظ اور اوصاف افعال خداوندی کے سلسلہ میں خواص الوہیت کا بیان معاذ اللہ سب بے معنی ہو کر رہ جائے گا ۔ بلکہ قرآن سے مطالبہ کیا جائے گا وہ عیسائیوں پر کڑی نکتہ چینی کیوں کرتا ہے اگر وہ خدائے واحد کی طرح ایک دوسرے خدائے متحد کے قائل ہوں ۔ اور ذاتی اور عرضی کے فرق سے بے تکلیف ایک جسمانی خدا کے قائل ہو کر اسے عالم الغیب قادر الکل نجات دہندہ اور عام مخلوق میں مخلوقیت سے بالاتر سمجھیں ۔ یہود پر قرآن ملامت کیوں کرتا ہے ۔ اگر وہ حضرت عزیر علیہ السلام کو ابن اللہ کہہ کر ایک جسمانی خدا کا وجود مان لیں اور ذاتی اور عرضی کے فرق سے وجوہ جواز تلاش کر لیں مشرکین عرب پر انکار کیوں کرتا ہے ۔ اگر وہ ساری خدائی صفات مخلوق میں اتری ہوئی مان کر ایک سے زائد خداؤں کے روپ اور اوتاروں کی فہرست تیار کر لیں ۔ فلاسفر اور بندگان عقل سے وہ مواخذہ کیوں کرتا ہے اگر وہ ہر نوع کا ایک رب النوع مان کر آخر میں عقول عشرہ کو آسمانوں اور زمینوں کا خالق ومتصرف قرار دیں ۔ اب اگر قرآن کی یہ نکیر حق بجانب ہے اور بلاشبہ ہے تو توحید کے معنی اس کے سوا دوسرے نہیں ہو سکتے کہ مخلوق جیسے خدا نہیں ہو سکتی ایسے ہی خدائی صفات کی بھی حامل نہیں ہو سکتی کہ ان خصوصیات ہی سے تو الوہیت پہچانی جاتی ہے اور اس لئے ہر صفت میں مخلوق کے لئے ایک ایسی حد ضرور نکلے گی جس سے خالق ومخلوق میں امتیاز کیا جا سکے گا ۔ سو وہی حد مخلوق میں اولاً یہ ہے کہ اس کا کوئی کمال ذاتی نہیں ہو سکتا کہ وجود ہی اس کا ذاتی نہیں عرضی ہے یعنی پر تو وجود حق سے ہے اور تخلیق حق ہے جس کے معنی کمال کے عرضی ہونے اور ذاتی نہ ہونے کے ہیں دوسرے یہ کہ اس کمال میں احاطہ اور لاتحدیدی کی شان نہیں آ سکتی کہ وہ جمیع افراد اور جمیع شقوق وجوانب پر حاوی ہو کہ مخلوق کا وجود ہی لامحدود نہیں ہو سکتا تو کمال لامحدود کیسے ہو سکتا ہے؟ اس اصول کی رو سے حضرت سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا علم ساری مخلوق سے زیادہ سے زیادہ ہونے کے باوجود نہ ذاتی ثابت ہو سکتا ہے جسے علم غیب کہتے ہیں کہ وجود ہی آپ کا ذاتی نہیں اور نہ محیط اور کلی ثابت ہو سکتا ہے کہ وجود ہی آپ کا محیط الکل اور لامحدود نہیں ۔ اس لئے آپ کے کسی کمال میں کسی جہت سے بھی کمالات خداوندی کے ساتھ برابری یا مساوات تو بجائے خود ہے اس کے لگ بھگ ہونے کا بھی عقلاً ونقلاً امکان نہیں کہ وجود ہی میں برابری تو کیا لگ بھگ ہونے کی بھی کوئی صورت نہیں ۔ ورنہ آپ کے لئے علم غیب یا علم محیط کا دعویٰ آپ کو خدا کی خدائی میں شریک وسہیم ٹھہرانے اور مخلوق کے حق میں ادعاء خدائی کرنے کے ہم معنی ہوگا ۔ اس بناء پر دائرہ مخلوقات کے جو ہر فرد اعلم الخلائق اکمل البشر افضل الموجودات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سے علم غیب اور علم محیط یعنی علم ذاتی اور علم کلی دونوں کی کھلی نفی فرمائی اور حق تعالیٰ

کی طرف سے مامور ہو کر حکماً فرمائی تا کہ اور تو اور آپ کی نسبت بھی کسی کو عالم الغیب اور عالم ماکان ویکون ہونے کا وسوسہ نہ گزرے اور کوئی آپ کی بشریت کو شان الوہیت سے متہم نہ ٹھہرائے۔ مثلاً علم ذاتی کی نفی کے بارے میں آپ سے کہلایا گیا ہے کہ:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ

آپ فرمادیں (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کہ نہ میں دعویٰ رکھتا ہوں کہ میرے ہاتھ میں خدائی خزانے ہیں اور نہ ہی میں غیب دان اور عالم الغیب ہوں اور نہ ہی میں یہ دعویٰ رکھتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں میں تو وحی الٰہی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرتا ہوں۔

اور علم کلی کی نفی کے سلسلہ میں بعض افراد علم کی نفی آپ سے صراحتہً کرائی گئی تا کہ علم کلی کی نفی آپ سے خود بخود ہو جائے جیسا کہ سینکڑوں جزئیات کی نفی آپ نے اپنی احادیث پاک میں خود ہی فرمائی ہے۔ جس کی ایک سے زائد مثالیں گزر چکی ہیں۔ ارشاد ربانی ہے: (قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّىْ) "آپ فرما دیجئے کہ قیامت کے وقت کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے۔"

ایک جگہ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ

آپ کہہ دیجئے کہ نشانیاں سب خدائے تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور تم کو اس کی خبر (بلکہ ہم کو خبر ہے) کہ وہ نشان جس وقت آ جاویں گے یہ لوگ جب بھی ایمان نہ لاویں گے۔

پھر جزئیات علم کے بارے میں بھی جو عرض ہے ذاتی نہیں فرمایا گیا کہ اس میں ذاتی کی دعا مانگتے رہئے تا کہ نمایاں ہو جائے کہ کسی وقت بھی آپ کو ذرہ ذرہ کا علم نہیں ہوا اور نہ ہوگا ورنہ دواماً زیادہ علم طلب کرنے کے کوئی معنی ہی باقی نہیں رہ سکتے۔ ارشاد حق ہے۔

(وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِىْ عِلْمًا) "اور کہئے کہ اے رب مجھے علم میں بڑھاتے رہیے"

یہ آیت اعلان کراتی ہے کہ کسی وقت بھی حتیٰ کہ عین ساعت وفات میں بھی آپ عالم الکل نہیں ہوئے کیونکہ یہ وفات کے وقت بھی یہ آیت بدستور محکم تھی منسوخ شدہ نہ تھی اور آپ اس کے مخاطب تھے ظاہر ہے کہ جب عین ساعت وفات تک بھی آپ کو زیادہ علم کی درخواست کا امر تھا تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ وفات شریف تک عالم الکل اور عالم ماکان وما یکون نہ تھے ورنہ طلب زیادت کے کوئی معنی باقی نہیں رہ سکتے۔ اور جب کہ دائرہ مخلوقات میں آپ جیسی اکمل وافضل ذات کو بھی علم غیب اور علم محیط وکلی نہیں ہوا اور کسی وقت ہو بھی نہیں سکتا تو خود ہی ثابت ہو گیا کہ یہ دونوں قسم کا علم خاصہ خداوندی ہے مخلوق کو بالعرض بھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے علم غیب کے خاصہ خداوندی ہونے کے بارے میں تو قرآن نے حصر کے ساتھ علی الاطلاق یہ اعلان کیا کہ:

(فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ) سو آپ فرما دیجئے کہ غیب کی خبر صرف خدا کو ہے۔ اور (قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ) آپ کہہ دیجئے کہ جتنی مخلوقات آسمانوں اور زمین (یعنی عالم میں) موجود ہیں (ان میں سے) کوئی بھی غیب کی بات کو نہیں جانتا بجز اللہ تعالیٰ کے۔

اور حق تعالیٰ کے علم محیط کے بارے میں جو تمام زمانوں اور تمام جہانوں کو اپنے گھیرے میں لئے ہوئے ہو احاطہ کے لفظ کے ساتھ علم کا دعویٰ صرف اللہ کے لئے فرمایا تا کہ مخلوق سے علم محیط کی نفی خود بخود ہو جائے جبکہ مخلوق خود اپنے اوپر ہی محیط نہیں بلکہ خالق کے علم احاطہ میں آئی ہوئی ہے تو دوسری مخلوقات پر وہ کیا محیط ہو سکتی تھی۔ فرمایا

(اَحَاطَ بِكُلِّ شَىْءٍ عِلْمًا)

اور وہ (ذات حق) ہر شئے کو اپنے علم سے گھیرے ہوئے ہے۔

پھر علم کلی کے بارے میں وہ وسعت تمام اشیاء اور ہر ہر شے کے ذرہ ذرہ پر حاوی ہو یہ اعلان فرمایا کہ۔

(وَسِعَ رَبِّىْ كُلَّ شَىْءٍ عِلْمًا)

"وہ ہر شے پر علمی طور سے چھایا ہوا ہے۔"

تا کہ مخلوق سے علم کلی کی نفی ہو جائے۔ مخلوق جب اپنی ذات سے خود ہی کلیت لئے ہوئے نہیں کہ وہ جزئی ہے تو اس کا احاطہ کائنات کی جزئیات پر نہ وجودی ہو سکتا تھا نہ علمی جس سے واضح ہے کہ علم غیب اور علم محیط اور علم کلی خاصہ خداوندی ہیں مخلوق کے لئے ممکن نہیں کہ مخلوق کا وجود ہی نہ ذاتی ہے نہ لامحدود تو کمالات وجود خواہ علم ہو یا قدرت ملک ہو یا ملک مخلوق کے لئے ذاتی اور کلی کسی حال نہیں ہو سکتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ۔

(۱) علم غیب (علم ذاتی) خاصہ خداوندی ہے جو مفاد ہے آیات (اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ) وغیرہ کا۔

(۲) علم مفاتیح غیب (اصول غیب) خاصہ خداوندی ہے ایات مفاتیح کا۔

(۳) علم کلی (جو ساری جزئیات اور جزئی کے ذرہ ذرہ پر حاوی ہو) خاصہ خداوندی ہے جو مفاد ہے آیت وسع ربی اور آیت علم برو بحر وغیرہ کا۔

(۴) علم محیط جو ہر زمان و مکان یعنی ماضی و مستقبل ازل و ابد اور سارے موجود و معدوم جہانوں پر چھایا ہوا ہو خاصہ خداوندی ہے جو مفاد ہے آیت احاطہ اور آیت طلب زیادت علم کا اس حقیقت کا واضح نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ۔

(۱) مخلوق کو علم ذاتی مطلق نہیں ہوسکتا یعنی کسی ایک ذرہ کا بھی علم غیب مخلوق کے لئے ممکن نہیں۔

(۲) مخلوق کو اصول غیب کا علم بھی نہیں ہوسکتا۔

(۳) مخلوق کے لئے کل جزئیات غیب کا علم بھی ممکن نہیں۔

(۴) مخلوق کے لئے سارے زمان و مکان اور ازل و ابد کا محیط علم نہیں ہوسکتا اس لئے کھلا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ مخلوق کو صرف عرضی اور اطلاعی علم ہوسکتا ہے اور وہ بھی صرف جزئیات معدودہ کی حد تک اور وہ بھی ان کے وجودی سلسلوں سے نیچے نیچے اور وہ بھی تدریجی جو ہر زمانہ اور ہر مکان پر حاوی نہ ہو۔ سو یہ علم نہ علم غیب ہے نہ علم کلی ہے نہ علم محیط نہ علم ذاتی ہے بلکہ عرضی ہے اور محدود ہے اس لئے کوئی بھی مخلوق کسی بھی جہت سے علم میں خدا کی شریک و سہیم نہیں ہوسکتی۔ البتہ یہ اطلاعی علم جو مخلوق کو دیا گیا اس میں کسی بھی جہت سے کوئی بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمسری اور برابری نہیں کرسکتا اور نہ آپ کی علمی خصوصیات میں کوئی آپ کا شریک و سہیم ہوسکتا ہے۔ پس آپ ہی اعلم الخلائق اور اکمل المخلوقات ہیں اور آپ ہی علم اولین و آخرین کے جامع اور پھر اپنے خصوصی اور امتیازی علوم کے سبب آپ ہی اولین و آخرین سے ممتاز اور فائق تر ہیں آپ ہی کو علم کا معجزہ (قرآن کریم) عطا کیا گیا اور اسلئے آپ ہی علوم بشریہ کے منتہاء اور خاتم بنائے گئے نہ آپ سے پہلے کوئی شخصیت خاتم ہوئی نہ آپ کے بعد ہوسکتی ہے کہ آپ خود ہی خاتم العلوم والکمالات ہیں۔

محمد طیب (مدیر دار العلوم دیوبند۔ ۱۲/ ذیعقدہ ۱۳۷۷ھ)

فرشتوں کا امتحان:

زمینی مخلوقات کے اسماء اور ان کے خواص و آثار کا آدم علیہ السلام کو علم دیا گیا جو فرشتوں کے بس کا نہیں تھا اور پھر ان مخلوقات کو فرشتوں کے سامنے کر کے سوال کیا گیا کہ اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو کہ ہم سے زیادہ کوئی مخلوق اعلم و افضل پیدا نہیں ہوگی یا یہ کہ زمین کی خلافت و نیابت کے لئے فرشتے بہ نسبت انسان کے زیادہ موزوں ہیں تو ان چیزوں کے نام اور خواص بتلاؤ جن پر خلیفہ زمین کو حکومت کرنا ہے۔ ﴿معارف القرآن مفتی اعظمؒ﴾

فرشتوں کی درخواست:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی ذریت کو پیدا کیا تو ملائکہ نے عرض کیا اے رب کریم یہ تیرے بندے کھاتے پیتے' نکاح کرتے اور سوار ہوتے ہیں اور ہم سب کے سب ان تمام چیزوں سے بالکل پاک صاف ہیں تو انہیں دنیا کے ساتھ مخصوص کردے اور ہمیں آخرت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ بھلا جس مخلوق کو میں نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی روح کو اس میں پھونکا تو اس مخلوق کی طرح ایسی مخلوق کو کس طرح کردوں گا جو میرے کن کے کہتے ہی فوراً پیدا ہوگئی۔ اس حدیث کو بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا
اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر
اِلَّآ اِبْلِيْسَ
پڑے مگر شیطان

فرشتوں کو سجدہ کا حکم:

جب حضرت آدم کا خلیفہ ہونا مسلم ہو چکا تو فرشتوں کو اور ان کے ساتھ جنات کو حکم ہوا کہ حضرت آدم کی طرف سجدہ کریں اور ان کو قبلہ سجود بنائیں جیسا سلاطین اپنا اول ولیعہد مقرر کرتے ہیں پھر ارکان دولت کو نذریں پیش کرنے کا حکم کرتے ہیں تاکہ کسی کو سرتابی کی گنجائش نہ رہے چنانچہ سب نے سجدہ مذکور ادا کیا سوائے ابلیس کے کہ اصل سے جنات میں تھا اور ملائکہ کے ساتھ کمال اختلاط رکھتا تھا۔

شیطان کی سرکشی کی وجہ:

سبب اس سرکشی کا یہ ہوا کہ جنات چند ہزار سال سے زمین میں متصرف تھے اور آسمان پر بھی جاتے تھے۔ جب ان کا فساد اور خونریزی بڑھی تو ملائکہ نے بحکم الٰہی بعض کو قتل کیا اور بعض کو جنگل پہاڑ اور جزائر میں منتشر کر دیا۔ ابلیس ان میں بڑا عالم و عابد تھا اس نے جنات کے فساد سے اپنی بے لوثی ظاہر کی' فرشتوں کی سفارش سے یہ بچ گیا اور ان ہی میں رہنے لگا اور اس طمع میں کہ تمام جنات کی جگہ اب صرف میں زمین میں متصرف

بنایا جاؤں عبادت میں بہت کوشش کرتا رہا اور خلافت ارض کا خیال پکا تا رہا۔ جب حکم الٰہی حضرت آدم کی نسبت خلافت کا ظاہر ہوا تو ابلیس مایوس ہوا اور عبادت ریائی کے رائگاں جانے پر جوش حسد میں سب کچھ کیا اور ملعون ہوا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ نافرمانی سے پہلے وہ فرشتوں میں تھا۔ عزازیل اس کا نام تھا زمین پر اس کی رہائش تھی اجتہاد اور علم میں بہت بڑا تھا اور اسی وجہ سے دماغ میں رعونت تھی اور اس کی جماعت کا اور اس کا تعلق جنوں سے تھا۔ اس کے چار پر تھے۔ جنت کا خازن تھا' زمین اور آسمان دنیا کا سلطان تھا۔

سعد بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ فرشتوں نے جنات کو جب مارا تب اسے قید کیا تھا اور آسمان پر لے گئے تھے وہاں عبادت کی وجہ سے رہ پڑا۔

اسلام میں اللہ کے سوا کسی کو سجدہ جائز نہیں:

حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے شامیوں کو اپنے سرداروں اور علماء کے سامنے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا تو حضورؐ سے گزارش کی کہ حضور! آپؐ اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے تو آپؐ نے فرمایا کہ اگر میں کسی انسان کو کسی انسان کے سامنے سجدہ کرنے کی اجازت دینے والا ہوتا تو عورتوں کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کریں کیونکہ ان کا ان پر بہت بڑا حق ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

حضرت قیس بن سعد (صحابی) رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں شہر حیرہ میں آیا میں نے لوگوں کو دیکھا کہ وہ اپنے علاقے کے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ میں نے دل میں کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا' تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ شہر گیا تھا وہاں میں نے دیکھا کہ لوگ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں تو (میرے نزدیک) آپ اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ ہم آپ کو سجدہ کریں' آپ نے فرمایا اگر تم میری قبر پر گزرو گے تو کیا سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ نہیں' فرمایا سو (اب بھی) مجھے سجدہ نہ کرو اگر میں حکم دیتا کہ کوئی شخص کسی کو سجدہ کرے تو عورتوں کو حکم دیتا کہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں اس حق کی وجہ سے جو اللہ نے شوہروں کا عورتوں پر رکھا ہے۔ (سنن ابوداؤد ص ۲۹۱ ج ۱) ﴿تفسیر انوار البیان﴾

شیطان کا نام:

ابلیس کے لفظی معنی ہیں سخت ناامیدی کے باعث غمگین ہو کر ششدر اور متحیر ہو جانے والا۔ یہ شیطان کا لقب ہے جس کا مشہور نام عزازیل تھا۔ چونکہ شیطان رحمت حق سے ناامید ہے اس لئے اس کا لقب ابلیس ہوا۔ ﴿درس محمد احمد﴾

قرآن کی اعجاز بیانی:

قرآن عزیز کا یہ بھی ایک اعجاز ہے کہ وہ ایک ہی واقعہ کو مختلف سورتوں میں ان سورتوں کے مضامین کے مناسب نئے اور اچھوتے انداز میں بیان کرنے کے باوجود واقعہ کی اصل حقیقت اور اس کی متانت وسنجیدگی میں ادنیٰ سا فرق بھی نہیں آنے دیتا۔ کہیں واقعہ کی تفصیل ہے' کہیں اجمال' کسی مقام پر اس کا ایک پہلو نظرانداز کر دیا گیا ہے تو دوسرے مقام پر اسی کو سب سے زیادہ نمایاں حقیقت دی گئی ہے' ایک جگہ اسی واقعہ سے مسرت وانبساط اور لذت وسرور پیدا کرنے والے نتائج نکالے گئے ہیں تو دوسری جگہ واقعہ میں معمولی سا تغیر کئے بغیر خوف ودہشت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے' بلکہ بعض مرتبہ ایک ہی مقام پر لذت والم دونوں کا مظاہرہ نظر آتا ہے' مگر موعظت وعبرت کے اس تمام ذخیرہ میں ناممکن ہے کہ نفس واقعہ کی حقیقت اور متانت میں معمولی سا بھی تغیر پیدا ہو جائے۔

بلاشبہ یہ کلام الٰہی کے ہی شایان شان ہے۔

تخلیق آدم:

حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر مٹی سے گوندھا گیا اور ایسی مٹی سے گوندھا گیا جو نت نئی تبدیلی قبول کر لینے والی تھی' جب یہ مٹی پختہ ٹھکری کی طرح آواز دینے اور کھنکھنانے لگی تو اللہ تعالیٰ نے اس جسد خاکی میں روح پھونکی اور وہ یک بیک گوشت پوست' ہڈی' پٹھے کا زندہ انسان بن گیا اور ارادہ' شعور' حس' عقل اور وجدانی جذبات وکیفیات کا حامل نظر آنے لگا۔

تب فرشتوں کو حکم ہوا کہ تم اس کے سامنے سربسجود ہو جاؤ' فوراً تمام فرشتوں نے تعمیل ارشاد کی مگر ابلیس (شیطان) نے غرور وتمکنت کے ساتھ صاف انکار کر دیا۔

فرشتوں پر انسان کی فضیلت:

ملائکۃ اللہ چونکہ اپنی خدمات مفوضہ کے علاوہ ہر قسم کی دنیوی خواہشوں اور ضرورتوں سے بے نیاز ہیں' اس لئے وہ ان کے علم سے بھی ناآشنا تھے اور آدم علیہ السلام کو چونکہ ان سب سے واسطہ پڑنا تھا اس لئے ان کا علم اس کے لئے ایک فطری امر تھا جو رب العلمین کی ربوبیت کاملہ کی بخشش وعطا سے عطا ہوا اور اس کو وہ سب کچھ بتا دیا گیا جو اس کے لئے ضروری تھا۔

بہر حال حضرت آدم کو صفت علم سے اس طرح نوازا گیا کہ فرشتوں

کے لئے بھی ان کی برتری اور استحقاق خلافت کے اقرار کے علاوہ چارۂ کار نہ رہا' اور یہ ماننا پڑا کہ اگر ہم زمین پر اللہ تعالیٰ کے خلیفہ بنائے جاتے تو کائنات کے تمام بھیدوں سے ناآشنا رہتے اور قدرت نے جو خواص اور علوم ودیعت کئے ہیں ان سے یکسر ناواقف ہوتے اس لئے کہ نہ ہم خورد ونوش کے محتاج ہیں کہ زمین میں ودیعت شدہ رزق اور خزانوں کی جستجو کرتے نہ ہمیں غرق کا اندیشہ کہ کشتیوں اور جہازوں کی ایجاد کرتے' نہ مرض کا خوف کہ قسم قسم کے معالجات اشیاء کے خواص' کیمیائی مرکبات معلوم کر لیتے۔

بلاشبہ یہ صرف حضرت انسان ہی کے لئے موزوں تھا کہ وہ زمین پر خدا کا خلیفہ بنے اور ان تمام حقائق ومعارف اور علوم فنون سے واقف ہو کر نیابت الٰہی کا صحیح حق ادا کرے۔

حضرت آدم کا قیام جنت

حضرت آدم ایک عرصہ تک تنہا زندگی بسر کرتے رہے مگر اپنی زندگی اور راحت وسکون میں ایک وحشت اور خلاء محسوس کرتے تھے اور ان کی طبیعت اور فطرت کسی مونس وہمدم کی جویا نظر آتی تھی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت حوا کو پیدا کیا اور حضرت آدم اپنا ہمدم ورفیق پا کر بے حد مسرور ہوئے۔

حضرت آدم کا خلد سے نکلنا

اب ابلیس کو ایک موقعہ ہاتھ آیا اور اس نے حضرت آدم وحوا کے دل میں یہ وسوسہ ڈالا کہ شجر ''شجر خلد'' ہے' اس کا پھل کھانا جنت میں سرمدی آرام وسکونت اور قرب الٰہی کا ضامن ہے اور قسمیں کھا کر ان کو باور کرایا کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں' دشمن نہیں ہوں یہ سن کر حضرت آدم کے انسانی اور بشری خواص میں سب سے پہلے نسیان (بھول چوک) نے ظہور کیا اور وہ یہ فراموش کر بیٹھے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم' حکم امتناعی تھا نہ کہ مربیانہ مشورہ' اور آخر کار جنت کے دائمی قیام اور قربت الٰہی کے عزم میں لغزش پیدا کر دی اور انہوں نے اس درخت سے پھل کھالیا' اس کا کھانا تھا کہ بشری لوازم ابھرنے لگے' دیکھا تو ننگے ہیں' ندامت وشرمساری کے ساتھ اقرار کیا کہ غلطی ضرور ہوئی لیکن اس کا سبب تمرد وسرکشی نہیں ہے بلکہ بربنائے بشریت بھول چوک اس کا باعث ہے تاہم غلطی ہے' اس لئے توبہ واستغفار کرتے ہوئے عفو ودرگزر کا خواستگار ہوں۔

حضرت حق نے ان کے اس عذر کو قبول فرمالیا اور معاف کر دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آدم (علیہ السلام) کی پیدائش جمعہ کے دن ہوئی۔

(۱) اگرچہ ابلیس جنت سے نکال دیا گیا' لیکن پھر بھی اس کا ایک گنہگار اور نابکار مخلوق کی حیثیت میں جنت کے اندر داخل ہونا اس کے مردود ہونے کے منافی نہیں ہے۔ اس لئے اس نے اسی حیثیت سے اندر جا کر حضرت آدم وحوا سے گفتگو کی اور ان کو لغزش میں ڈال دیا آیت' (قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا) ' اسی کی تائید کرتی ہے کہ عاصی کی حیثیت سے ابھی تک اس کا داخلہ ممنوع نہیں تھا۔

بخاری ومسلم کی روایتوں میں الفاظ یہ ہیں۔

عورتوں کے ساتھ نرمی اور خیر خواہی سے پیش آؤ اس لئے کہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔

جس طرح پسلی کے ترچھے پن کے باوجود اس سے کام لیا جاتا ہے اور اس کے خم کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی جاتی اسی طرح عورتوں کے ساتھ نرمی اور رفق کا معاملہ کرنا چاہئے۔ ورنہ سختی کے برتاؤ سے خوشگواری کی جگہ تعلق کی شکست وریخت کی صورت پیدا ہو جائے گی۔

نبی اور رسول:

نبی اس ہستی کو کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے اپنے بندوں کی ہدایت کے لئے چن لیا ہو اور وہ براہ راست اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہوتی ہو اور ''رسول'' اس نبی کو کہا جاتا ہے جس کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے نئی شریعت اور نئی کتاب بھیجی گئی ہو۔

حضرت آدم نبی تھے یا رسول:

نبوت کے جو معنی اسلامی اصطلاح میں بیان کئے گئے ہیں بغیر کسی تاویل کے اس کا اطلاق حضرت آدم پر نظم قرآنی میں بہت سے مقامات میں موجود ہے' جگہ جگہ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی واسطہ کے حضرت آدم علیہ السلام سے ہمکلام ہوتا رہا ہے۔

حضرت ابوذر غفاریؓ سے مروی ہے ''میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ! مجھے بتائیے کیا آدم علیہ السلام نبی تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا' ہاں وہ نبی تھے اور رسول بھی' انہیں اللہ رب العالمین سے شرف تخاطب وتکلم حاصل ہوا ہے'' روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ "قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ آدَمَ نَبِیًّا کَانَ قَالَ نَعَمْ نَبِیًّا رَسُوْلاً کَلَّمَ اللّٰہُ قَبِیْلاً". (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۳۴ قدیم)

حضرت آدم سے کوئی گناہ نہیں ہوا:

حضرت آدم علیہ السلام نے کسی قسم کا کوئی گناہ نہیں کیا جس حد تک معاملہ پیش آیا اس میں بھی ان کے قصد وارادہ سے خلاف ورزی کا مطلق کوئی دخل نہیں ہے بلکہ وہ ایک وسوسہ تھا جو لغزش کی شکل میں ان سے صادر ہو گیا اور وہ بھی نسیان اور بھول چوک کے ساتھ۔

فرشتوں اور جنوں کا وجود:

قرآن عزیز اور نبی معصوم صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو یہ اطلاع دی ہے کہ ملائکہ اور جن اگرچہ ہماری ان نگاہوں سے پوشیدہ ہیں' لیکن بلاشبہ وہ مستقل مخلوق ہیں۔

پس جو چیز عقل کے نزدیک ناممکن نہ ہو اور نقل یعنی وحی الٰہی اس کا یقین دلاتی ہو تو اس کا انکار علم اور حقیقت کا انکار ہے' اور تنگ نظری اور ہٹ دھرمی کی زندہ مثال۔

آج کی دوربینوں اور سائنس کے آلات سے پہلے ہزاروں برس تک ہم کو وہ بہت سی اشیاء محسوس نہیں ہوتی تھیں اور نہ آنکھیں ان کو دیکھ سکتی تھیں جن کا وجود اس وقت بھی موجود تھا مگر آج وہ نظر بھی آتی ہیں اور محسوس بھی ہوتی ہیں تو کیا ہزاروں سال پہلے جن لوگوں نے ان کے وجود کا انکار کیا وہ حقیقی علم پر مبنی تھا یا کوتاہی علم اور ذرائع معلومات وتحقیقات سے ناواقفیت کا نتیجہ' اسی طرح ہم آج بھی بجلی' مقناطیس اور روشنی کی صحیح حقیقت سے ناآشنا ہیں اور ان کو صرف ان کے آثار وعلامات ہی سے پہچانتے ہیں۔

علم کے دو طریقے:

علم دو ہی طرح حاصل ہو سکتا ہے' ایک علوم وفنون کے ذریعہ جو کسب واکتساب کا محتاج ہے اور دوسرے محبت اور عطیہ الٰہی کی راہ سے اور اس کا سب سے بلند درجہ وحی الٰہی ہے' پس اگر کوئی شئے علوم وفنون کی راہ سے ہم نہ معلوم کر سکیں مگر عقل اس کے وجود کو ناممکن نہ سمجھتی ہو اور وحی الٰہی اس کے وجود کا اعلان کرتی ہے تو ہر ذی ہوش اور ذی عقل کا فرض ہے کہ وہ علوم وفنون کی درماندگی کے اعتراف کے ساتھ اس کو تسلیم کرے۔

۱-اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کے بھید بے شمار اور ان گنت ہیں اور یہ ناممکن ہے کہ کوئی ہستی بھی خواہ وہ کتنی ہی مقربین بارگاہ الٰہی میں سے کیوں نہ ہو' ان تمام بھیدوں پر واقف ہو جائے اسی لئے ملائکۃ اللہ انتہائی مقرب ہونے کے باوجود خلافت آدم کی حکمت سے آشنا نہ ہو سکے اور جب تک معاملہ کی پوری حقیقت سامنے نہ آ گئی وہ حیرت ہی میں غرق رہے۔

۲-اللہ تعالیٰ کی عنایت وتوجہ اگر کسی حقیر شے کی جانب بھی ہو جائے تو وہ بڑے سے بڑے مرتبہ اور جلیل القدر منصب پر فائز ہو سکتی اور خلعت شرف ومجد سے نوازی جا سکتی ہے۔

قابیل وہابیل

ان دونوں کا واقعہ بھی چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کے واقعہ کا ایک حصہ ہے۔اس لئے یہاں قابل ذکر ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور بعض دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے منقول ہے' اس کا مضمون یہ ہے۔

دنیائے انسانی میں اضافہ کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کا یہ دستور تھا کہ حوا سے توام (جوڑیا) پیدا ہونے والے لڑکے اور لڑکی کا عقد دوسرے پیٹ سے پیدا ہونے والے توام بچوں کے ساتھ کر دیا کرتے تھے' اسی دستور کے مطابق قابیل اور ہابیل کی شادی کا معاملہ پیش تھا' قابیل عمر میں بڑا تھا اور اس کی ہمشیرہ ہابیل کی ہمشیر سے زیادہ حسین وخوبرو تھی' اس لئے قابیل کو یہ انتہائی ناگوار تھا کہ دستور کے مطابق ہابیل کی ہمشیر سے اس کی شادی ہو اور ہابیل کی اس کی ہمشیر سے' معاملہ کو ختم کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام نے یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں اپنی اپنی قربانی حق تعالیٰ کی جناب میں پیش کریں جس کی قربانی منظور ہو جائے وہی اپنے ارادہ کے پورا کر لینے کا مستحق ہے۔

جیسا کہ تورات سے معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں قربانی (نذر) کی قبولیت کا یہ الہامی دستور تھا کہ نذر وقربانی کی چیز کسی بلند جگہ پر رکھ دی جاتی اور آسمان سے آگ نمودار ہو کر اس کو جلا دیتی تھی' اس قانون کے مطابق ہابیل نے اپنے ریوڑ میں سے ایک بہترین دنبہ خدا کی نذر کیا اور قابیل نے اپنی کھیتی کہ غلہ میں سے ردی قسم کا غلہ قربانی کے لئے پیش کیا' دونوں کی حسن نیت اور نیت بد کا اندازہ اسی عمل سے ہو گیا۔لہٰذا حسب دستور آگ نے آ کر ہابیل کی نذر کو جلا دیا اور اس طرح قبولیت کا شرف اس کے حصہ میں آیا۔

قابیل اپنی اس توہین کو کسی طرح برداشت نہ کر سکا اور اس نے غیظ وغضب میں آ کر ہابیل سے کہا کہ میں تجھ کو قتل کئے بغیر نہ چھوڑوں گا تا کہ تو اپنی مراد کو نہ پہنچ سکے۔

قتل کے بعد قابیل حیران تھا کہ اس نعش کا کیا کرے' ابھی تک نسل آدم موت سے دوچار نہیں ہوئی تھی اور اسی لئے حضرت آدم نے مردے کے بارہ میں کوئی حکم الٰہی نہیں سنایا تھا' یکایک اس نے دیکھا کہ ایک کوے نے زمین کرید کرید کر گڑھا کھودا' قابیل کو تنبہ ہوا کہ مجھے بھی اپنے بھائی

کے لئے اسی طرح گڑھا کھودنا چاہئے اور بعض روایات میں ہے کہ کوے نے دوسرے مردے کوے کو اس گڑھے میں چھپا دیا۔

قابیل نے یہ دیکھا تو اپنی ناکارہ زندگی پر بے حد افسوس کیا۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے ایک روایت کی ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دنیا میں جب بھی کوئی ظلم سے قتل ہوتا ہے تو اس کا گناہ حضرت آدم کے پہلے بیٹے (قابیل) کی گردن پر ضرور ہوتا ہے اس لئے کہ وہ پہلا شخص ہے جس نے ظالمانہ قتل کی ابتداء کی اور یہ ناپاک سنت جاری کی۔ (مسند احمدؒ)

ہابیل کا مقتل:

دمشق کے شمال میں جبل قاسیون پر ایک زیارت گاہ بنی ہوئی ہے جو مقتل ہابیل کے نام سے مشہور ہے اور اس کے متعلق ابن عساکرؒ نے احمد بن کثیر کے تذکرہ میں ان کا ایک خواب نقل کیا ہے جس میں مذکور ہے کہ انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور آپؐ کے ساتھ ہابیل بھی تھے ہابیل نے بقسم کہا کہ میرا مقتل یہی ہے اور آپؐ نے ان کے قول کی تصدیق فرمائی' بہرحال یہ خواب ہی کی باتیں ہیں اور خواب کے سچے ہونے کے باوجود بھی اس سے کوئی شرعی یا تاریخی حکم ثابت نہیں ہوسکتا۔

گناہ کی ایجاد کا وبال:

انسان کو اپنی زندگی میں ہرگز کسی گناہ کی ایجاد نہ کرنی چاہئے تاکہ وہ کل کو بدکاروں اور ظالموں کے لئے ایک نئے حربہ کا کام نہ دے ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ کائنات میں جو شخص بھی آئندہ اس ''بدعت'' کا اقدام کرے گا تو بانی بدعت بھی برابر اس گناہ کا حصہ دار بنتا رہے گا اور موجد ہونے کی وجہ سے ابدی ذلت وخسران کا مستحق ٹھہرے گا' گناہ بہرحال گناہ ہے لیکن گناہ کی ایجاد موجد کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کا وبال سر سے باندھ دیتی ہے۔

سجدہ کی حقیقت:

اصطلاح شرع میں سجود کے معنی عبادت کے قصد سے زمین پر پیشانی رکھنے کے ہیں۔ فرشتوں کو جس سجدہ کا حکم ہوا تھا یا تو اس سے مراد سجدہ شرعیہ ہے تو اس وقت حقیقت میں خدا تعالیٰ مسجود ہوگا اور حضرت آدم کو محض عزت بڑھانے اور ان کی افضلیت کا اقرار کرانے کے لئے قبلہ بنا دیا گیا تھا امام احمد اور مسلم کی ایک حدیث جو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے شرعی معنی مراد ہونے پر دلالت کرتی ہے اور وہ یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جب ابن آدم سجدہ کی آیت پڑھتا ہے اور سجدہ کرتا ہے تو شیطان ایک گوشہ میں الگ جا کر روتا اور کہتا ہے کہ افسوس ابن آدم کو سجدہ کا حکم کیا گیا تو اس نے سجدہ کر کے جنت لے لی اور مجھے سجدہ کا حکم کیا گیا تو میں نے نافرمانی کی اور حکم نہ مانا میں جہنم میں جاؤں گا اس تقدیر پر لادم میں لام الی کے معنی میں ہوگا اور یہ معنی ہوں گے کہ آدم کی طرف متوجہ ہو کر ہمیں سجدہ کرو جیسا کہ حضرت حسان رضی اللہ عنہ کے شعر میں جو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی مدح میں ہے لام۔ الی کے معنی میں ہے' شعر یہ ہے۔

اَلَيْسَ اَوَّلَ مَنْ صَلّٰى لِقِبْلَتِكُمْ
وَاَعْرِفُ النَّاسِ بِالْقُرْاٰنِ وَالسُّنَنِ

حضرت آدم کی تعظیم کی وجہ:

میں کہتا ہوں کہ حضرت آدم کی تعظیم کا جو حکم دیا گیا تھا تو اس کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ آدم علیہ السلام نے جو انہیں اسماءالٰہیہ تعلیم فرمائے تو بطور شکر اور ادائے حق انہیں آدم علیہ السلام کی تعظیم کا حکم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے آدمی کی شکر گذاری نہیں کی اس نے اللہ کا بھی شکر نہیں کیا اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے اور ترمذی نے اس کی تصحیح بھی کی ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٣٤﴾
اس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں کا

شیطان کا تکبر:

یعنی علم الٰہی میں پہلے ہی کافر تھا اوروں کو گو اب ظاہر ہوا یا یوں کہو کہ اب کافر ہوگیا اس وجہ سے کہ حکم الٰہی کا بوجہ تکبر انکار کیا اور حکم الٰہی کو خلاف حکمت ومصلحت اور موجب عار سمجھا یہ نہیں کہ فقط سجدہ ہی نہیں کیا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر میں غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کو جائز قرار دیتا تو بیوی کو حکم دیتا کہ شوہر کو سجدہ کیا کرے (مگر اس شریعت میں سجدہ تعظیم مطلقاً حرام ہے اس لئے کسی کو کسی کے لئے جائز نہیں)

یہ حدیث بیس صحابہ کرام کی روایت سے ثابت ہے۔

غلاموں اور مالکوں کو حکم:

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آقاؤں کو یہ حکم دیا کہ اپنے غلام کو عبد یعنی اپنا بندہ کہہ کر نہ پکاریں اور غلاموں کو یہ حکم

دیا کہ وہ آقاؤں کو اپنا رب نہ کہیں حالانکہ لفظی معنی کے اعتبار سے بندہ کے معنی غلام کے اور رب کے معنی پالنے والے اور تربیت کرنے والے کے ہیں ایسے الفاظ کا استعمال ممنوع نہ ہونا چاہئے تھا مگر محض اس لئے کہ یہ الفاظ موہم شرک ہیں کسی وقت جہالت سے یہی الفاظ آقاؤں کی پرستش کا دروازہ نہ کھول دیں اس لئے ان الفاظ کے استعمال کو روک دیا گیا۔

رکوع اور سجدہ ایسے فعل ہیں جو انسان عادۃً نہیں کرتا، وہ عبادت ہی کے ساتھ مخصوص ہیں اس لئے ان دونوں کو شریعت محمدیہ میں عبادت ہی کا حکم دے کر غیر اللہ کے لئے ممنوع کر دیا۔

حضرت آدم وحضرت یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سجدہ تعظیمی جائز تھا

خلاصہ یہ ہے کہ آدمؑ کو فرشتوں کا سجدہ اور یوسفؑ کو ان کے والدین اور بھائیوں کا سجدہ جو قرآن میں مذکور ہے، یہ سجدہ تعظیمی تھا، جو ان کی شریعت میں سلام، مصافحہ، اور دست بوسی کا درجہ رکھتا تھا، اور جائز تھا، شریعت محمدیہ کو کفر وشرک کے شائبہ سے بھی پاک رکھنا تھا اسلئے اس شریعت میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو بقصد تعظیم بھی سجدہ رکوع کرنا جائز نہیں رکھا گیا۔ ﴿معارف القرآن مفتی اعظم﴾

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ
اور ہم نے کہا اے آدم رہا کر تو اور تیری عورت جنت میں
وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۖ وَلَا تَقْرَبَا
اور کھاؤ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس
هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝
مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم

درخت: مشہور ہے کہ وہ درخت گیہوں کا تھا یا بقول بعض انگور یا انجیر، یا ترنج وغیرہ کا واللہ اعلم۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابوذرؓ نے ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! کیا حضرت آدم نبی تھے؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، نبی بھی رسول بھی بلکہ خدا تعالیٰ نے ان سے آمنے سامنے بات چیت کی اور انہیں فرمایا کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو۔

حضرت حواء کی پیدائش:

ابن عباسؓ ابن مسعودؓ وغیرہ صحابہؓ سے مروی ہے کہ ابلیس کو جنت سے نکالنے کے بعد حضرت آدم کو جنت میں جگہ دی گئی لیکن تن تنہا تھے اس وجہ سے ان کی نیند میں حضرت حوا کو ان کی پسلی سے پیدا کیا گیا جاگ کر انہیں دیکھ کر پوچھنے لگے کہ تم کون ہو؟ اور کیوں پیدا کی گئی ہو؟ حضرت حوا نے فرمایا میں ایک عورت ہوں اور آپ کے ساتھ رہنے اور تسکین کا سبب بننے کے لئے پیدا کی گئی ہوں تو جھٹ سے فرشتوں نے پوچھا فرمایئے ان کا نام کیا ہے؟ حضرت آدم نے کہا حوا۔ انہوں نے کہا اس نام کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لئے کہ یہ ایک زندہ سے پیدا کی گئی ہیں۔ وہیں خدا تعالیٰ کی آواز آئی کہ اے آدم اب تم اور تمہاری بیوی جنت میں بآرام واطمینان رہو اور جو چاہو کھاؤ پیو اس ایک خاص درخت سے روکنا یہ امتحان تھا بعض کہتے ہیں یہ انگور کی بیل تھی کوئی کہتا ہے کہ گیہوں کا درخت تھا۔

جنت میں رہنے کی مدت:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ حضرت آدم عصر کے بعد سے لے کر سورج کے غروب ہونے تک کی ایک ساعت ہی جنت میں رہے حضرت حسنؒ فرماتے ہیں کہ یہ ایک ساعت ایک سوتیس سال کی تھی۔

ہند میں خوشبو کی وجہ:

سدی کا قول ہے کہ حضرت آدم ہند میں اترے آپ کے ساتھ حجر اسود تھا اور جنتی درخت کے پتے تھے جنہیں ہند میں پھیلا دیئے اور اس سے خوشبودار درخت پیدا ہوئے۔

اترنے کی کیفیت:

ابن عمرؓ کا قول ہے کہ حضرت آدم صفا پر اور حضرت حوا مروہ پر اترے۔ اترنے کے وقت ہاتھ گھٹنوں پر تھے اور سر جھکا ہوا تھا اور ابلیس انگلیوں میں انگلیاں ڈالے آسمان کی طرف نظریں جمائے اترا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

شیطان جنت میں کیسے گیا:

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ جب ابلیس نے آدم وحوا علیہما السلام کو بہکانے کے لئے جنت میں جانے کا ارادہ کیا تو اسے جنت کے نگہبانوں نے روکا تو اس کے پاس سانپ آیا چونکہ ابلیس کی پہلے سے اس کے ساتھ دوستی تھی اور یہ سانپ کل جانوروں سے زیادہ خوبصورت تھا اس کے چاروں پاؤں مثل اونٹ کے تھے اور یہ بھی جنت کا محافظ تھا ابلیس نے کہا تو مجھے اپنے منہ میں رکھ کر جنت میں پہنچا دے اس نے قبول کیا اور منہ میں لے کر چلا جب جنت کے اور محافظ ملے تو انہیں کچھ خبر نہ ہوئی کہ ابلیس اس

کے منہ میں بیٹھا ہے یہ اس طریق سے جنت میں چلا گیا۔

شیطان کا مکر:

علامہ بغویؒ نے فرمایا کہ جب حضرت آدم جنت میں گئے تو بولے کیا خوب ہو جو ہمیشہ اس میں رہا کریں پھر جبکہ شیطان جنت میں آدم وحوا کے پاس جا کھڑا ہوا تو انہیں خبر نہ تھی کہ یہ ابلیس ہے (یہ بات سنتے ہی) بے اختیار زار قطار رونے لگا اور اتنا رویا اور نوحہ کیا کہ ان دونوں پر بھی رقت طاری ہوگئی (سب سے پہلے نوحہ کرنے والا ابلیس ہے) جب آدم وحوا نے اس کے نوحہ وزاری کو دیکھا تو بولے کیوں روتا ہے ابلیس نے کہا مجھے تمہارے ہی اوپر رونا آتا ہے کہ اب تم دونوں مروگے اور جنت کی نعمتیں تم سے چھوٹ جائیں گی یہ خبر وحشت اثر سن کر آدم وحوا علیہما السلام کو بھی اثر ہوا اور دونوں کے دونوں غمزدہ ہوگئے جب ابلیس لعین نے دیکھا کہ میرا جادو اثر کر گیا تو چارہ گری کے لہجے میں کہنے لگا کہ خیر جو مقدر میں ہے وہ تو ہو کر ہی رہے گا لیکن اب میں تمہیں ایک تدبیر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ فلاں درخت کھانے سے ہمیشہ کی زندگی نصیب ہو جاتی ہے حضرت آدم نے انکار کیا اور کہا کہ میں اس درخت کو کبھی نہ کھاؤں گا جب اس نے دیکھا کہ میرے ہاتھ سے شکار نکلا تو بولا خدا کی قسم میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔ اس میں کوئی حرج کی بات نہیں۔ آدم وحوا علیہما السلام اس لعین کی باتوں میں آکر دھوکہ کھا گئے اور خیال کیا کہ بھلا ایسا کون ہے جو خدا کی جھوٹی قسم کھائے (آخر کار) پہلے تو حضرت حوا نے پیش قدمی کی اور جا کر اسے کھا لیا پھر حضرت آدم علیہ السلام نے کھایا۔

حضرت حواء کا مہر:

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی کتاب مدارج النبوۃ میں لکھا ہے کہ جب حضرت حوا علیہ السلام پیدا ہوئیں اور حضرت آدم علیہ السلام نے ان پر ہاتھ بڑھانا چاہا تو ملائکہ نے کہا کہ صبر کرو جب تک نکاح نہ ہو جائے اور مہر ادا نہ کردو۔ انہوں نے پوچھا مہر کیا ہے؟ فرشتوں نے کہا کہ رسول مقبول محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر تین بار درود پڑھنا اور ایک روایت میں بیس بار آیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

سانپوں کو مارنے کا حکم:

بغویؒ نے عکرمہ رضی اللہ عنہ سے انہوں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کر کے کہا ہے کہ یہ حدیث مرفوع ہی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سانپوں کے مارڈالنے کا حکم فرمایا کرتے تھے اور فرمایا ہے جو انہیں خوف کی وجہ سے چھوڑ دے اور نہ مارے وہ ہم میں سے نہیں۔ ایک روایت میں ہے جب سے ہماری ان کی (یعنی سانپوں کی) لڑائی ہوئی پھر صلح نہیں ہوئی۔ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مدینہ میں جنوں کی ایک قوم مسلمان ہوگئی ہے اگر تم کہیں سانپ دیکھو تو (اسی وقت نہ مارو ممکن ہے کہ کوئی ان جنوں میں سے ہو) اول اسے تین بار مہلت دو پھر اگر دل چاہے تو مار ڈالو کیونکہ وہ شیطان ہے۔ (تفسیر عزیزی)

نکتہ: وکلا منھا فرمایا اس میں اشارہ اس کی طرف ہو سکتا ہے کہ غذا اور خوراک میں بیوی شوہر کے تابع نہیں، وہ اپنی ضرورت وخواہش کے وقت اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرے اور یہ اپنی خواہش کے مطابق۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

فَأَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَأَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ
پھر ہلا دیا ان کو شیطان نے اس جگہ سے پھر نکالا ان کو اس عزت وراحت سے کہ جس میں تھے

شیطان کی کارروائی:

کہتے ہیں کہ حضرت آدم اور حوا بہشت میں رہنے لگے اور شیطان کو اس کی عزت کی جگہ سے نکال دیا، شیطان کو اور حسد بڑھا بالآخر مور اور سانپ سے مل کر بہشت میں گیا اور بی بی حوا کو طرح طرح سے ایسا پھسلایا اور بہکایا کہ انہوں نے وہ درخت کھا لیا اور حضرت آدم کو بھی کھلایا اور ان کو یقین دلا دیا تھا کہ اس کے کھانے سے اللہ کے ہمیشہ کو مقرب ہو جاؤ گے اور حق تعالیٰ نے جو ممانعت فرمائی تھی اس کی توجیہ گھڑ دی۔ آئندہ یہ قصہ مفصل آئے گا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

شیطان کی کارروائی کی ممکنہ صورتیں:

اللہ تعالیٰ نے جنات وشیاطین کو مختلف شکلوں میں ظاہر ہونے کی قدرت عطا فرمائی ہے ممکن ہے کہ وہ کسی ایسی صورت میں سامنے آیا ہو جس کی وجہ سے آدم علیہ السلام یہ نہ پہچان سکے کہ یہ شیطان ہے۔

شیطان جو آدم کی وجہ سے مردود ہوا وہ خار کھائے ہوئے تھا اس نے کسی طرح موقع پا کر اور مصلحتیں بتلا کر ان دونوں کو اس درخت کے کھانے پر آمادہ کر دیا، ان کی لغزش کی وجہ سے ان کو بھی یہ حکم ملا کہ اب تم زمین پر جا کر رہو، اور یہ بھی بتلا دیا کہ زمین کی رہائش جنت کی طرح بے غل وغش نہ ہوگی بلکہ وہاں آپس میں اختلافات اور دشمنیاں بھی ہوں گی جس سے زندگی کا لطف پورا نہ رہے گا۔

ممکن ہے کہ بغیر ملاقات کے ان کے دل میں وسوسہ ڈالا ہو، اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیطان جنات میں سے ہے اور اللہ تعالیٰ نے جنات کو بہت سے ایسے تصرفات پر قدرت دی ہے جو عام طور پر انسان نہیں کر سکتے ان کو مختلف شکلوں میں متشکل ہو جانے کی بھی قدرت دی ہے ہو سکتا ہے کہ اپنی قوت جنیہ کے ذریعہ مسمریزم کی صورت سے آدم وحوا کے ذہن کو متاثر کیا ہو، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی دوسری شکل میں مثلاً سانپ وغیرہ کی شکل میں متشکل ہو کر جنت میں داخل ہو گیا ہو، اور شاید یہی سبب ہوا کہ آدم علیہ السلام کو اس کی دشمنی کی طرف دھیان نہ رہا قرآن مجید کی آیت:

(وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ)

شیطان کی جھوٹی قسمیں:

ابلیس نے جب دیکھا کہ حضرت آدم اور حوا تردد میں پڑ گئے تو ان کو پختہ کرنے کے لئے بہت سی قسمیں کھائیں۔ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی: (وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ) کہ خدا کی قسم محض تمہاری خیر خواہی سے تم کو یہ مشورہ دے رہا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ تم کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے جو بے ادبی اور گستاخی مجھ سے سرزد ہو چکی ہے اس خیر خواہی سے اس کی کچھ تلافی کر دوں تا کہ عمر بھر تم مجھ کو یاد کرو اور میرے شکر گذار رہو حضرت آدم کو یہ خیال ہوا کہ مخلوق کی یہ جرات اور مجال نہیں کہ خداوند ذوالجلال پر جھوٹی قسم کھائے اور اس تاکیداً کید کے ساتھ کھائے اس لئے بظاہر یہ سچ ہو گا اور قرب اور وصال کے حصول کے شوق میں وَلَاتَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کے حکم سے ذہول ہو گیا اور اس کی عداوت کو بھی بھول گئے (فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا) پس شیطان نے آدم اور حوا کو اس درخت سے بچنے سے اس طرح پھسلا دیا اور معلوم نہیں کہ حضرت حوا اور حضرت آدم کے سامنے اس لعین نے کیا کیا دلفریب باتیں بنائی ہوں گی جس سے وہ دھوکہ میں آ گئے اور عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں بجائے (فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا) کے (فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ) آیا ہے۔

ابلیس لعین اسی وجہ سے ملعون اور مطرود ہوا کہ اس نے حضرت آدم کی افضلیت اور برتری کو تسلیم نہیں کیا جس سے ثابت ہوا کہ حضرت آدم ملائکہ معصومین سے افضل اور برتر ہیں اور ظاہر ہے کہ غیر معصوم۔ معصوم سے افضل نہیں ہو سکتا۔

اہل حق کا اجماعی عقیدہ:

اہل حق کا یہ اجماعی عقیدہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام خداوند ذوالجلال کی نافرمانی سے معصوم ہوتے ہیں صغیرہ اور کبیرہ سے پاک اور منزہ ہوتے ہیں قصداً وارادۃً ان سے حق تعالیٰ کی نافرمانی ممکن نہیں اگر قصداً ان سے حکم الٰہی کی مخالفت ممکن ہوتی تو حق جل شانہ مخلوق کو ان کی بے چون و چرا اطاعت اور متابعت کا حکم نہ دیتا اور ان کی اطاعت کو اپنی اطاعت نہ قرار دیتا اور انبیاء کرام کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو اپنے ہاتھ پر بیعت کرنا نہ قرار دیتا۔

صلح حدیبیہ میں حضرت علی کا لفظ رسول اللہ مٹا دینے سے انکار کر دینا اسی قبیل سے تھا۔

حضرت آدمؑ کی برأت:

حضرت آدم علیہ السلام کا گیہوں کھا لینا بھول چوک کی بنا پر تھا جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

(فَنَسِیَ وَلَمْ نَجِدْ لَهٗ عَزْمًا) حضرت آدمؑ حق جل شانہ کی ممانعت (وَلَاتَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ) کو بھی بھول گئے اور شیطان کی عداوت سے بھی ذہول ہو گیا اور حق تعالیٰ کا یہ ارشاد:

(اِنَّ هٰذَا عَدُوٌّ لَّكَ وَلِزَوْجِكَ فَلَا یُخْرِجَنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقٰی)

یہ بھی یاد نہ رہا سو یہ ماجرا بھولے سے ہو گیا اور بھول چوک کو گناہ اور جرم قرار دینا سراسر غلط ہے حضرت آدم اور حوا دونوں جنت پر شیدا اور فریفتہ تھے اس لئے ابلیس کی قسم سے دھوکہ میں آ گئے اور یہ سمجھے کہ خدا کا نام لے کر کوئی جھوٹ نہیں بول سکتا نیز حضرت آدم کا گیہوں کو کھا لینا بتقاضائے محبت خداوندی تھا خلود اور قرب خداوندی کے شوق میں تھا جیسا کہ:

(وَقَالَ مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ)

اس پر دلالت کرتا ہے۔

انبیاء کرام شرک سے پاک اور بعثت سے پہلے ہی مقرب خداوندی ہوتے ہیں

کہ انبیاء کرام ابتدا ہی سے توحید اور ایمان پر مفطور ہوتے ہیں جب سے پیدا ہوتے ہیں اسی وقت سے ان کے قلوب کفر اور شرک سے پاک اور منزہ اور ایقان وعرفان سے لبریز ہوتے ہیں اور ان کے مبارک چہرے معرفت اور قرب الٰہی کے انوار وتجلیات سے ہر وقت جگمگاتے رہتے ہیں آج تک کسی تاریخ سے یہ ثابت نہیں ہوا کہ حضرت حق جل شانہ نے اپنی

نبوت و رسالت کے لئے کسی وقت بھی ایسے شخص کو منتخب فرمایا ہو کہ جو اس عظیم الشان منصب کی سرفرازی سے پہلے کفر اور شرک کی نجاست میں ملوث اور آلودہ ہو چکا ہو ہرگز نہیں ہرگز نہیں۔ اور حق جل شانہ کا یہ ارشاد:

﴿وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ﴾

اسی طرف مشیر معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء کرام اگرچہ قبل از بعثت نبی نہیں ہوتے مگر خدا کے ولی اور مقرب ضرور ہوتے ہیں اور ایسے ولی اور مقرب ہوتے ہیں کہ دوسرے اولیاء اور مقربین کی ولایت اور قرب کو ان کی ولایت اور قرب کے ساتھ وہ نسبت بھی نہیں ہوتی کہ جو قطرہ کو دریائے عظیم کے ساتھ ہوتی ہے اس لئے امت محمدیہ کے تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام کے دلوں میں کفر اور گمراہی کا اعتقاد ناممکن اور محال ہے البتہ فرقہ امامیہ کے نزدیک بطور تقیہ انبیاء کے لئے کفر جائز ہے۔

امام ابو منصور ماتریدی کا قول:

امام ابو منصور ماتریدی فرماتے ہیں کہ نظر اور فکر کا اقتضاء یہ ہے کہ انبیاء کرام کے حق میں عصمت کا اعتقاد۔ ملائکہ کی عصمت کے اعتقاد سے زیادہ موکد اور اہم ہے اس لئے کہ لوگ انبیاء کرام کی اتباع اور متابعت پر مامور ہیں اور ملائکہ کی اطاعت پر مامور نہیں (المعتمد فی المعتقد للتوربشتی ص ۴۷۔)

انبیاء کی کامل عصمت:

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ عصمت کا تعلق چار چیزوں سے ہے اول عقائد دوم تبلیغ احکام سوم فتوی اور اجتہادات چہارم افعال و عادات و سیرت و کردار۔

حضرات انبیاء کی خطاء کا مطلب:

حضرات انبیاء کے حق میں ترک اولی ایسا ہے جیسا کہ دوسروں کے حق میں خطاء (دیکھو حاشیہ ملا عبدالحکیم علی الخیالی ص ۲۶۱)

حضرات انبیاء کی خطا کے معنی یہ ہیں کہ افضل اور اولیٰ سے چوک گئے اور بھولے سے غیر اولیٰ اور غیر افضل کے مرتکب ہوئے اور اوروں کی خطا کے معنی یہ ہیں کہ حق اور ہدایت سے چوک گئے اور باطل اور ضلالت میں مبتلا ہو گئے حضرات انبیاء کرام باجماع امت ایسی خطا سے معصوم ہیں حضرات انبیاء کی خطا اجتہادی کے یہ معنی ہیں کہ کسی وقت بھول و چوک سے اولیٰ اور افضل کے بجائے خلاف اولی امر ان سے صادر ہو جاتا ہے۔

کوئی شخص اگر نبی اور پیغمبر کی موجودگی میں کوئی کام کرے اور نبی اس فعل پر سکوت کرے تو نبی کا یہ سکوت بالا جماع اس فعل کے جواز کی دلیل سمجھا جاتا ہے پس جب نبی کا سکوت ہی اس فعل کو معصیت سے خارج کر کے جواز اور اباحت کی حد میں داخل کر دیتا ہے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خود نبی کا فعل معصیت سے خارج نہ ہو۔ ﴿معارف القرآن کاندھلوی﴾

انبیاء کرام کا بلند مقام:

اولیاء بسا اوقات مباحات اور جائز امور کو محض حظ نفس اور طبعی میلان اور خواہش کے لئے کر گذرتے ہیں مگر حضرات انبیاء کسی وقت بھی طبعی میلان اور حظ نفس کے لئے مباح اور جائز امر کا ارتکاب نہیں فرماتے ہاں جب کسی شئی کی عنداللہ اباحت اور اس کا خدا کے نزدیک جائز ہونا بتلانا مقصود ہوتا ہے تب اس مباح کو استعمال فرماتے ہیں تاکہ امت کو نبی کے کرنے سے اس فعل کا مباح اور جائز ہونا معلوم ہو جائے اور جس طرح نبی پر فرض کی تعلیم فرض ہے اسی طرح فعل مباح اور امر جائز کی اباحت اور جواز کا بتلانا بھی فرض ہے یہی وجہ ہے کہ نبی کو ایک فعل مباح پر بھی فرض ہی کا ثواب اور اجر ملتا ہے۔ اس لئے کہ نبی کے ذمہ مباح کی اباحت کا بتلانا بھی فرض ہے۔

شیطان کی بے چینی:

حق جل شانہ نے حضرت آدم علیہ السلام کو آئین خلافت سیکھنے کے لئے قسم قسم کی اشیاء سے تمتع اور انتفاع کے طریقے معلوم کرنے کے لئے اپنے حرم خاص جنت میں چند روزہ سکونت کے لئے حکم دیا اور تمام اشیاء سے تمتع اور انتفاع کی عام اجازت عطا فرمائی۔ صرف ایک قسم کے درخت سے منع فرمایا۔ شیطان تاک میں تھا کہ ان سے کوئی گناہ اور لغزش صادر ہو مگر گناہ اور لغزش اسی وقت ہو سکتی ہے کہ جب کوئی قید اور ممانعت ہو جب کسی چیز کی ممانعت ہی نہ ہو تو معصیت کیسے سرزد ہو۔ شیطان کو جب ﴿وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ﴾ کی نہی اور ممانعت کا علم ہوا تو سمجھا کہ شاید اس راہ سے آدم پر میرا کوئی وار چل جائے اور اس طرح اپنی دشمنی نکالنے کا موقعہ مل جائے۔ چنانچہ حضرت آدم کے بہکانے اور پھسلانے کی فکر شروع کی حضرت آدم اور حضرت حوا کے پاس گیا اور یہ کہا کہ تم اپنی اس تعظیم و تکریم پر مغرور نہ ہونا انجام کو بھی سوچو۔ انجام تمہارا موت ہے حضرت آدم نے پوچھا کہ موت کیا ہے شیطان نے مردہ جانور کی صورت بنا کر نزع اور قبض روح کی طرح کچھ کیفیت اور شدت اور غرغرہ کی حالت ان کو دکھلائی دیکھتے ہی گھبرا گئے اور خوف زدہ ہو کر پوچھا کہ اچھا اس سے محفوظ رہنے کی تدبیر کیا ہے شیطان نے کہا۔

هَلْ اَدُلُّكَ عَلٰى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلٰى

کیا میں تم کو اس درخت کی نشان دہی نہ کروں کہ جس کے کھانے سے موت اور فنا نہ آئے اور بقاء اور دوام اور دائمی سلطنت اور لازوال بادشاہت حاصل ہو جائے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ

اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے

امتحان گاہ میں آنا:

اس خطا کی سزا میں حضرت آدم اور حوا اور جو اولاد پیدا ہونے والی تھی سب کی نسبت یہ حکم ہوا کہ بہشت سے زمین پر جا کر رہو باہم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے جس کی وجہ سے تکلیفیں پیش آئیں گی بہشت دارالعصیان اور دارالعداوۃ نہیں۔ ان امور کے مناسب دار دنیا ہے جو تمہارے امتحان کے لئے بنایا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ہبوط: (اترنا) بلندی سے پستی کی طرف ہوتا ہے اس لئے یہ جنت ارضی نہیں ہو سکتی بلکہ ''جنت ماویٰ'' ہی ہو سکتی ہے۔

۳۔ مسلم میں ایک طویل حدیث ہے۔ جس میں یہ جملہ موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ لوگوں کو جمع کرے گا پس اہل ایمان کھڑے ہوں گے جب جنت ان کے قریب ہوگی۔ پھر وہ آدم کے پاس آئیں گے اور کہیں گے اے ہمارے باپ ہمارے لئے اس جنت کو کھولئے! اس پر حضرت آدم فرمائیں گے کیا تم کو جنت سے تمہارے باپ کی خطا کاری ہی نے نہیں نکالا تھا۔

جنت ارضی علماء طبقات الارض کی نظر میں

طبقات الارض کا یہ دعویٰ ہے کہ ربع مسکون میں سے جس خطہ پر جنت قائم تھی وہ آج کائنات ارضی پر موجود نہیں ہے۔ یہ حصہ ''قارۂ مو'' کے نام سے اس دنیا میں آباد تھا مگر مختلف حوادث اور پیہم زلزلوں کے باعث بحر ہند میں ہزاروں سال ہوئے کہ غرق ہو گیا اور یہ کہ جب یہ حادثہ پیش آیا تھا تو اس خطہ پر بسنے والی انسانی آبادی تقریباً (چھ کروڑ) کی تعداد میں ہلاک ہو گئی۔

وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک

دنیا کی زندگی:

یعنی دنیا میں ہمیشہ نہ رہو گے بلکہ ایک وقت معین تک وہاں رہو گے اور وہاں کی چیزوں سے بہرہ مند ہو گے اور پھر ہمارے ہی روبرو آؤ گے اور وہ وقت معین ہر ہر شخص کی نسبت تو اس کی موت کا وقت ہے اور تمام عالم کے حق میں قیامت کا۔ (تفسیر عثمانی رحمۃ اللہ علیہ)

دنیا غموں کا گھر ہے:

دریں دنیا کسے بے غم نباشد　　　وگر باشد بنی آدم نباشد

بخلاف اولیاء اللہ کے کہ وہ اپنی مرضی اور ارادے کو اللہ رب العزت کی مرضی اور ارادے میں فنا کر دیتے ہیں اس لئے ان کو کسی چیز کے فوت ہونے کا غم نہیں ہوتا۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

زمین کے منافع:

زمین ہی حیوانات کے ارزاق و اقوات اور انسان کے لباس کوئی حیوان زمین سے مستغنی نہیں زمین ایک تخم کو اضعافاً مضاعفہ بنا کر واپس کر دیتی ہے آگ میں جو کچھ بھی رکھا جائے جلا کر سب کو خاکستر بنا دے گی۔ زمین کو منافع احیاء اور اموات کا ماویٰ اور ملجا بنایا زندہ اس پر زندگی بسر کرتے ہیں اور مر کر اس میں دفن ہوتے ہیں زمین کے عجائب میں تفکر اور تدبر کا حکم دیا مساجد اور وہ بیوت کہ جن میں صبح و شام اللہ کا نام لیا جاتا ہے زمین ہی پر واقع ہیں بیت حرام کا شرف بھی زمین کا منبع برکات اور سرچشمہ خیرات ہونا بیان فرمایا ہے۔

چشمے اور نہریں اشجار و ثمرات لذائذ و طیبات، رنگ برنگ کے ملبوسات قسم قسم کے حیوانات عجیب و غریب باغات یہ تمام منافع حق جل و علا نے زمین ہی میں پیدا فرمائے ہیں۔

جو چیزیں زمین سے پیدا ہوتی ہیں آگ ان کی خدمت کے لئے ہے جب ضرورت ہوتی ہے تب آگ سلگائی جاتی ہے ضرورت ختم ہوتے ہی آگ کو بجھا دیا جاتا ہے آگ زمین کے لئے بمنزلہ ایک خادم کے ہے اور زمین بمنزلہ مخدوم کے ہے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

حضرت آدم کے ساتھ کیا کیا چیز اتری:

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آدم اتارے گئے ہند میں اور ہمراہ ان کے تین اوزار لوہار کے تھے یعنی آہرن اور جس سے لوہے کو پکڑتے ہیں اور ہتھوڑا اور اتاری گئی حوا بیچ جدہ کے اور ساتھ روایت ابن جریج کے وارد ہوا ہے کہ حجر اسود بھی ہمراہ حضرت آدم کے بہشت سے آیا ہے اور عصا موسیٰ علیہ

السلام کا ہمراہ ان کے بہشت سے آیا اور وہ عصا اس کے درخت کا تھا کہ یہ بھی بہشت کے درختوں میں سے تھا طول اس کا دس گز تھا موافق قد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حج خانہ کعبہ کا ادا کیا حجر اسود کو اوپر پہاڑ ابوقبیس کے رکھا اور وہ پتھر اندھیری راتوں میں چاند کی مانند چمکتا تھا جہاں تک شعاع اس کی پڑی حد حرم کی مقرر ہوگئی۔

حضرت آدم پر دہشت اور اس کا خاتمہ:

طبرانی اور ابونعیم اور ابن عساکر ساتھ روایت ابوہریرہ کے لائے ہیں کہ جب حضرت آدم بہشت سے نکل کر زمین پر پڑے کمال دہشت ان کو تھی حضرتِ جبرئیل نے آ کر آواز بلند سے اذان کہی جبکہ اس کلمہ پر پہنچے کہ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدً الرَّسُوْلَ اللّٰہ۔ حضرت آدم کو بسبب سننے اس نام کے انس اور اطمینان حاصل ہوا اور دہشت دور ہوئی۔

اترنے کی کیفیت:

ابن ابی حاتم نے روایت کی ہے کہ حضرت آدم نے وقت اترنے کے دنیا میں بہشت سے دونوں ہاتھ اوپر دونوں زانوا اپنے کے رکھے تھے اور سر اپنا درمیان دونوں زانو کے رکھ کر شرمندہ کی مانند گردن نیچی ڈالی تھی اور ابلیس نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو پنجہ بنا کر ان دونوں کو اپنی کوکھ پر رکھا تھا اور سر اپنا آسمان کی طرف بلند کر کے شکل حیرت زدوں کے کہ متکبر ہوتے ہیں نیچے اترا تھا۔

بیجوں کو شیطان کا ہاتھ لگنا:

ابن ابی حاتم نے سدی سے روایت کی ہے کہ جب حضرت آدم بہشت سے نکلے ہمراہ ان کے تخم طرح طرح کے دیئے لیکن حضرت آدم بعد اترنے کے ان تخموں کو بسبب غم اور الم گناہ کے اور توبہ کی فکر میں بھول گئے کہ کون کون سے درخت کے تھے ابلیس نے اس وقت میں فرصت پا کر ہاتھ اپنا ان تخموں پر پہنچایا جس تخم کو ہاتھ اس کا لگا بے منفعت ہوگیا اور سمیت پیدا ہوگئی اور جو اس کے ہاتھ سے محفوظ رہا منفعت اس کی برقرار رہی۔

رفع حاجت:

انہیں میں سے یہ ہے کہ حضرت آدم کو بہشت میں کبھی حاجت براز کی نہ ہوئی تھی جب زمین پر آئے اول اول میوہ بھی کا کھایا اور ان کو حاجت پاخانہ کی شکم میں ہوئی نہایت حیران ہوئے دائیں بائیں دوڑتے تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ کیونکر یہ حاجت رفع ہووے جبرئیل آئے اور ان کو طریق قضائے حاجت کا تعلیم کیا جب آپ نے براز میں بدبو سونگھی گریہ اور زاری ان پر غالب ہوئی ستر دن اسی غم میں روئے۔

سونا چاندی:

روایت کیا ہے اس کو ابن ابی الدنیا نے امیرالمومنین علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق اللہ تعالیٰ نے جب پیدا کیا دنیا کو نہ پیدا کیا تھا اس میں سونا اور نہ چاندی پس جب کہ اتارے گئے آدم اور حوا اتارا ساتھ ان کے سونا اور چاندی پس جاری کئے اس کے چشمے زمین میں واسطے فائدے اولاد ان دونوں کے کہ بعد ان کے ہوں گے۔

انبیاء کے پیشے:

دیلمی نے مسند فردوس میں ساتھ روایت انس بن مالک کے آنحضرت سے نقل کی ہے کہ اول من خاک آدم یعنی پہلے کام بننے کا حضرت آدم نے شروع کیا اور حاکم نے ابن عباس سے روایت کی ہے اور ابن عساکر نے بھی کہ کان ادم مراثا یعنی حضرت آدم کاشتکاری کرتے تھے اور معاش اپنی اسی پیشہ سے حاصل کرتے تھے اور حضرت نوح علی نبینا بڑھئی تھے اور حضرت ادریس علیہ السلام درزی تھے اور حضرت ہود اور حضرت صالح دونوں تجارت کرتے تھے اور حضرت ابراہیم بھی زراعت کرتے تھے اور حضرت شعیب صاحب مواشی تھے اور اولاد مواشی کی سے اور دودھ سے اور پشم ان کی سے معاش اپنی کرتے تھے اور حضرت لوط بھی زراعت کرتے تھے اور حضرت موسیٰ نے کچھ مدت تک بکریاں چرائیں اور حضرت داؤد زرہ بنایا کرتے تھے اور حضرت سلیمان علیہ السلام نے خواص تھے اور خواص وہ ہے کہ درخت کے پتوں سے کوئی چیز بنے مثل زنبیل اور بوریا اور پنکھے کے اور باوجود اس کے کہ ان کو بادشاہت تمام زمین کی تھی مگر سوائے کسب ہاتھ اپنے کے نہیں کھاتے تھے اور ہر مہینے میں نو دن روزہ رکھتے تھے تین روز اول چاند کے اور تین روز درمیان سے اور تین اخیر چاند کے اور باوجود اس زہد کے ان کے تئیں قوت بشری اس مرتبہ کی تھی کہ سات سو کنیزیں اور تین سو عورتیں منکوحہ ان کے گھر میں تھیں اور حضرت عیسیٰ سیاحی کرتے تھے۔

حضرت آدمؑ کی درخواست اور شیطان کی درخواست:

حضرت آدم علیہ السلام نے بعد توبہ کے جناب الٰہی میں عرض کی کہ بارخدایا یہ بندہ تیرا کہ ابلیس ہے درمیان میرے اور اس کے عداوت مستحکم ہوئی اگر تو اعانت میری اور اولاد میری کی نہ کرے تو ہم کو قدرت مقابلہ اس کے کی نہ ہوگی حق تعالیٰ نے فرمایا کہ جو شخص اولاد تیری میں سے پیدا

ہوگا اس کے ساتھ ایک فرشتہ اپنے فرشتوں میں سے مقرر کریں گے تاکہ اس کو وسوسہ اس دشمن کے سے منع کرے حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کی کہ بار خدایا اس سے بھی زیادہ اعانت چاہتا ہوں میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ دروازہ توبہ کے واسطے اولاد تیری کے کھلا ہوا رکھیں گے جب تک کہ روح بدن میں ہے توبہ مقبول ہے حضرت آدم علیہ السلام نے کہا کہ اب مجھ کو کفایت ہوئی جب ابلیس نے یہ معاملہ دیکھا ساتھ کمال تضرع اور زاری کے جناب الٰہی میں عرض کی کہ بار خدایا اس بندہ اپنے کی کہ دشمن میرا ہے اس قدر اعانت کی اب کس طرح مجھ کو قدرت اس کے بہکانے پر ہوگی میری بھی مدد فرما حق تعالیٰ نے فرمایا تجھ کو قدرت دی اور تیری اولاد کو ہمراہ ہر ایک شخص کے اس کی اولاد میں سے تیرا بھی ایک فرزند پیدا ہوگا کہ تمام عمر اس کے گمراہ کرنے میں مصروف رہے گا ابلیس نے عرض کی کہ بار خدایا اس سے بھی زیادہ مدد اپنی چاہتا ہوں حق تعالیٰ نے فرمایا پوست بنی آدم میں پھیلیں اور سینہ اور دلوں ان کے میں اپنا گھر بنالیویں ابلیس نے عرض کی کہ اس سے بھی زیادہ اعانت چاہتا ہوں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ تجھ کو قدرت دی اوپر ہر شخص کے میں نے آدمیوں میں تمام فوج اور لشکر اپنا خواہ سوار خواہ پیادہ جمع کرے تو ہر طرف سے اور اوپر اس کے ہجوم کرے اور بیچ مالوں اور اولاد ان کی کے شریک ہووے۔

آدم علیہ السلام نے بارش کا پانی پیا:

ابوالشیخ نے قتادہ سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے تمام عمر مینہ کا پانی پیا زمین کا پانی ہرگز نہ پیا۔

روپیہ اور اشرفی:

ابن ابی شیبہ نے کعب احبار سے روایت کی ہے کہ اول روپیہ اور اشرفی حضرت آدم نے بنایا تھا اور سونے اور چاندی کو چیزوں کی قیمت میں رواج دیا۔

حضرت آدمؑ کی وفات، جنازہ اور تدفین:

ابن سعد اور حاکم اور دوسرے محدثین نے ابن ابی کعب سے اور انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی کہ جب وفات حضرت آدم کی نزدیک پہنچی اس وقت خواہش بہشت کے میوے کھانے کی غالب ہوئی خود بسبب ضعف اور نہ ہونے قوت کے حرکت نہیں کر سکتے تھے بیٹوں اپنوں کو کہا کہ جاؤ تم اور میرے واسطے خدا سے میوے بہشت کے مانگو اور اس وقت میں آدمیوں کی عادت یہ تھی کہ جو مطلب خدا سے مانگتے تھے کعبہ معظمہ کی زمین پر آتے تھے اور وہاں جا کر دعا کرتے تھے حاجت روا ہو جاتی تھی حضرت آدم کے بیٹے اس قصد پر نکلے حضرت جبرئیل اور فرشتے ان سے ملے اور مطلب دریافت کیا انہوں نے حضرت آدم کی فرمائش کا حال بیان کیا فرشتوں نے کہا کہ ہمراہ ہمارے پھر آؤ کہ ہم خود بخود مطلب تمہارا لائے ہیں جب پاس حضرت آدم علیہ السلام کے پہنچے حضرت حوا موت کے فرشتوں کو دیکھ کر ڈریں اور حضرت آدم کے پاس کو ہونے لگیں حضرت آدم نے ان کو ترش روئی سے کہا کہ اس وقت میں مجھ سے دور ہو کہ جو کچھ پہنچا تیرے سبب سے پہنچا میرے درمیان میں اور درمیان بھیجے ہوؤں پروردگار میرے کے حائل مت ہو فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی روح قبض کی اور کہا اے بیٹو آدم کے دیکھو تم کہ ہم ساتھ باپ تمہارے کیا کرتے ہیں ویسے ہی تم بھی اپنے مردوں کے ساتھ کرتے رہو حضرت جبرئیل خوشبو مرکب کی بہشت کی خوشبوؤں سے مانند ارگجہ کے اور کفن بہشت کے کپڑوں سے اور بیر کے پتوں بہشت کی بیریوں میں سے لائے اور حضرت آدم علیہ السلام کو غسل دیا اور کفن پہنایا اور حنوط ملا اور بعد اس کے ان کو اٹھا کر کعبہ میں لے گئے اور اوپر ان کے نماز پڑھی اور متصل مسجد خیف کے دفن کیا اور دار قطنی نے بیچ سنن اپنی کے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صَلّٰی جِبْرِیْلُ عَلیٰ آدَمَ وَکَبَّرَ عَلَیْہِ اَرْبَعاً صَلّٰی جِبْرِیْلُ بِالْمَلٰئِکَةِ یَوْمَئِذٍ فِیْ مَسْجِدِ الْخَیْفِ وَاَخَذَہٗ مِنْ قِبَلِ الْقِبلَةِ وَاَحَدَلَہٗ وَسَنَّمَ قَبْرَہٗ یعنی حضرت جبرئیل نے اوپر جنازہ حضرت آدم علیہ السلام کے امام ہو کر نماز پڑھی اور چار تکبیریں کہیں اس دن بیچ مسجد خیف کے اور بدن ان کا قبلہ کی طرف سے قبر میں لائے اور قبر ان کی بغلی کی اور بعد دفن کرنے کے قبر ان کی کو ڈھلوان کوہان اونٹ کی شکل پر بنایا اور ابن عباس نے ابی بن کعب سے مرفوعاً روایت کی ہے کہ واسطے حضرت آدم علیہ السلام کے قبر بغلی بنائی اور باعتبار عدد طاق کے ان کو غسل دیا۔

بہشت میں حضرت آدمؑ کی خصوصیات:

ابوالشیخ اور ابن عدی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کی ہے کہ کوئی آدمی بہشت سے نہ ہوگا مگر یہ کہ اس کو اس جگہ اس کے نام کے ساتھ بلاویں گے مگر حضرت آدم علیہ السلام کو کہ ان کو ان کی کنیت سے اس جگہ بلاویں گے اور کہیں گے کہ ابا محمد اور کسی بہشتی کے منہ پر داڑھی اور مونچھیں نہ ہوں گی مگر حضرت آدم علیہ السلام کہ ان کی داڑھی لمبی ناف تک ہوگی اور بیہقی نے دلائل النبوۃ میں حضرت امیر المومنین علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ سے

روایت کی ہے کہ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَھْلُ الْجَنَّۃِ لَیْسَتْ لَھُمْ کُنًی اِلَّا آدَمُ فَاِنَّہٗ یُکْنٰی اَبَا مُحَمَّدٍ تَعْظِیْماً وَ تَوْقِیْراً۔ یعنی کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل جنت کے واسطے کنیتیں نہ ہوں گی مگر آدم پس تحقیق ان کی کنیت ابومحمد ہوگی واسطے تعظیم اور توقیر کے اور ابوالشیخ نے اسی مضمون کو بکر بن عبداللہ المزنی سے روایت کی ہے اور ابن عساکر غالب بن عبداللہ عقیلی سے لائے ہیں کہ کنیت آدم کی ابو البشر ہے دنیا میں اور ابومحمد ہے جنت میں اور ابوالشیخ نے خالد بن معدان سے روایت کی ہے کہ اترنا حضرت آدم علیہ السلام کا ہند میں تھا اور بعد مرنے کے ان کو اٹھا کر خانہ کعبہ کے پاس لائے تھے اور ڈیڑھ سو آدمی ان کی اولاد میں سے نوبت بنوبت اٹھانے کی خدمت میں مقرر تھے اور ابو الشیخ نے مجاہد سے روایت کی ہے کہ قبر حضرت آدم علیہ السلام کی منی میں ہے بیچ مقام مسجد خیف کے اور قبر حضرت حوا علیہا السلام کی جدہ میں ہے اور انہیں میں سے یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کو فرمایا کہ:

فَاِمَّا یَاْتِیَنَّکُمْ مِّنِّیْ ھُدًی فَمَنْ تَبِعَ ھُدَایَ
فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ

ابلیس کی کتاب، قرآن، علم اور رسول اور کھانا وغیرہ:

ابلیس نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ بارخدایا آدم کو وعدہ کرامت کا فرمایا تو نے اور واسطے اولاد اس کی کے کتاب اور رسول اور علم اور جگہ رہنے ان کے اور کھانا اور پینا اور شراب اور آواز خوش عنایت فرمائی تو نے مجھ کو فرما کہ ان چیزوں میں سے کیا دیا تو نے مجھ کو خدا نے فرمایا کہ کتاب تیری وسم ہے یعنی نیلا کرنا بدن کا ساتھ سوئی کے اور قرآن تیرا شعر ہے اور رسول تیرا کاہن اور برہمن اور راشیش اور بزم خوان ہے اور علم تیرا سحر ہے اور کھانا تیرا وہ مردار کہ اس کے ذبح کرنے کے وقت نام خدا کا نہ لیا گیا ہو اور پینے تیرے کی چیز جو چیز مست کرنے والی ہے جیسا کہ بھنگ کا پانی اور پوست کا پانی اور شراب اور مانند اس کے اور جگہ رہنے تیرے کی حمام ہے اور باتیں تیری جھوٹے قصے اور موذن تیرا مزامیر اور بربط اور مسجد تیری بازار ہے اور آواز تیری آواز گھنٹے کی اور جال شکار تیرے کا عورتیں ہیں ابلیس نے کہا کہ اے رب میری یہ سب باتیں کافی شافی ہیں اپنی معاش میں مجھ کو۔

تعمیر کعبہ اور طواف کا حکم:

منجملہ ان چیزوں کے یہ بھی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام قرب الٰہی سے دور ہوئے ان کو بسبب اس کے کمال وحشت حاصل ہوئی حق سبحانہ نے ان کو حکم فرمایا کہ جس جگہ اب کعبہ ہے ایک گھر تیار کرو مانند بیت المعمور کے کہ آسمان میں کعبہ فرشتوں کا ہے اور گرد اس کے طواف کرو جیسا کہ فرشتے گرد بیت المعمور کے طواف کرتے ہیں حضرت آدم جیسا کہ فرشتوں کو انہوں نے طواف کرتے ہوئے دیکھا تھا اسی طرح طواف خانہ کعبہ کرتے تھے اور نماز اس کی طرف پڑھتے تھے جیسا کہ فرشتے بیت المعمور کی طرف پڑھتے تھے روایت کیا اس کو طبرانی نے عبداللہ بن عمر سے۔

حضرت آدم کے حج:

بیہقی نے شعب الایمان میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ حضرت آدم نے ہندوستان کی زمین سے چالیس حج پاپیادہ کئے ہیں۔

حضرت آدم اور حضرت موسیٰ کا مناظرہ:

منجملہ ان چیزوں کے یہ بھی ہے کہ صحیح بخاری و مسلم اور باقی صحاح ستہ میں اصل اس قصہ کا مذکور ہے اور بیہقی کتاب اسماء و صفات میں اور واحدی نے کتاب الشریعتہ اور ابوداؤد نے ایسا ذکر کیا ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب نے کہا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد کیا کہ حضرت موسی علیہ السلام نے جناب الٰہی میں عرض کی کہ بارخدایا حضرت آدم سے میری ملاقات کروا دے تاکہ ان سے دریافت کروں کہ انہوں نے ہم کو اور اپنے تئیں بہشت سے کس واسطے نکلوایا اور محنت اور بلاؤں میں دنیا کے اندر پھنسایا حق تعالیٰ نے ان کو ان سے ملوا دیا حضرت موسی علیہ السلام نے بطور اعتراض کے حضرت آدم سے کہا کہ تم وہی آدم ہو کہ حق تعالیٰ نے روح خاص اپنی تمہارے اندر ڈالی اور ہر چیز کے نام تم کو سکھلا دیئے اور فرشتوں سے تم کو سجدہ کروایا اور بہشت اپنی میں تمہاری سکونت مقرر کی حضرت آدم نے کہا کہ ہاں میں وہی آدم ہوں حضرت موسی نے کہا پس کیا سبب ہوا کہ بہشت سے تم نکلے اور ہم کو بھی نکالا اور زمین پر پڑے حضرت آدم نے جب یہ اعتراض سنا ان سے فرمایا کہ تو کون ہے انہوں نے کہا میں موسی ہوں حضرت آدم نے کہا وہی موسی ہے کہ خدا کے ساتھ تو نے باتیں کیں اور تجھ کو پیغمبر برگزیدہ اپنا کیا ہے اور رتبہ مناجات کا تجھ کو عطا کیا اور توریت عنایت کی حضرت موسی نے کہا کہ ہاں میں وہی موسی ہوں حضرت آدم علیہ السلام نے کہا پس سچ کہہ کہ توریت میری پیدائش سے کتنی مدت پہلے لکھی گئی تھی حضرت موسی نے کہا کہ دو ہزار برس پہلے تم سے لکھی گئی تھی پھر حضرت آدم نے کہا کہ آیا توریت میں یہ بات

لکھی ہوئی ہے کہ (وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ) یعنی نافرمانی کی آدم نے رب اپنے کی حضرت موسیٰ نے کہا کہ البتہ موجود ہے حضرت آدم نے کہا پس کس واسطے مجھ کو ملامت کرتا ہے اوپر اس امر کے کہ میری پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اس کو لکھ دیا اور مقدر کر دیا گیا ہے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بعد نقل کرنے اس قصہ کے فرمایا کہ حضرت آدم حضرت موسیٰ پر غالب ہوئے اور حضرت موسیٰ خاموش ہوئے۔

کار پاکاں را قیاس از خود مگیر ۔۔۔۔ گرچہ ماند در نوشتن شیر و شیر

﴿تفسیر عزیزی﴾

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ
پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے رب سے چند باتیں پھر متوجہ ہو گیا اللہ
اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾
اس پر بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان

کلماتِ توبہ کا القاء:

جب حضرت آدم نے حق تعالیٰ کا حکم عتاب آمیز سنا اور جنت سے باہر آ گئے تو بحالت ندامت و انفعال گریہ و زاری میں مصروف تھے اس حالت میں حق تعالیٰ نے اپنی رحمت سے چند کلمات ان کو القا اور الہام کے طور پر بتلائے جن سے ان کی توبہ قبول ہوئی وہ کلمات یہ ہیں۔ (قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا) آخر آیت تک۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

توبہ کا معنی:

توبہ کے اصل معنی لغت میں رجوع کے ہیں اگر بندہ کی طرف منسوب کریں تو گناہ سے پھرنا اور باز رہنا مراد ہوگا اور جو اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کریں تو عذاب کرنے سے اعراض فرمانا اور مغفرت کی طرف توجہ فرمانا مقصود ہوگا الرحیم (بہت بڑا مہربان ہے) مبالغہ کا صیغہ ہے۔

حضرت آدم وحوا کی ندامت اور گریہ:

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ آدم وحوا علیہما السلام دو سو برس روئے اور چالیس روز تک نہ کچھ کھایا نہ پیا حضرت آدم سو برس تک حوا کے پاس نہ آئے یونس بن حباب اور علقمہ بن مرثد فرماتے ہیں کہ اگر سارے زمین والوں کے آنسو جمع کئے جائیں تو حضرت داؤد علیہ السلام کے آنسو ان سے زیادہ ہوں گے اور اگر حضرت داؤد اور زمین والوں کے آنسو جمع کئے جائیں تو حضرت آدم علیہ السلام کے آنسو بڑھ جائیں گے شہر بن حوشب فرماتے ہیں کہ مجھے یہ خبر پہنچی ہے کہ آدم علیہ السلام نے گناہ کی شرمندگی سے تین سو برس تک سر نہیں اٹھایا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

حکمت:

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سہو سے توبہ اور استغفار کا طریقہ بتلانا مقصود تھا کہ جب کبھی کسی سے کوئی گناہ صادر ہو تو فوراً اپنے باپ آدم کی طرح تضرع اور زاری کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں رجوع کرے شیطان کی طرح معارضہ اور مقابلہ نہ کرے بالفرض اگر حضرت آدم سے یہ معصیت نہ سرزد ہوتی تو ہم گنہگاروں کو توبہ اور استغفار کا طریق کیسے معلوم ہوتا۔

سعادت وشقاوت کا افتتاح:

عارف ربانی شیخ عبدالوہاب شعرانی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے علم میں سعادت اور شقاوت دونوں ہی مقدر تھیں اس کی حکمت اس کو مقتضی ہوئی کہ سعادت کا بھی افتتاح ہو اور شقاوت کا بھی اس لئے سعادت کا افتتاح حضرت آدم کے ہاتھ سے کرایا اور شقاوت کا افتتاح ابلیس کے ہاتھ سے کرایا۔

حضرت آدم کی بے چینی:

حضرت آدم علیہ السلام اس خطاب سراپا عتاب کو سنتے ہی بے چین اور بے تاب فوراً بارگاہ خداوندی میں ایسے تضرع اور ابتہال کے ساتھ ملتجی ہوئے کہ سارے عالم کا تضرع اور ابتہال بھی اس کے پاسنگ نہیں ہو سکتا حق تعالیٰ شانہ کی شان عفو اور مغفرت جوش میں آ گئی

اے خوشا چشمے کہ آں گریان اوست ۔۔۔۔ وے ہمایوں دل کہ آں بریان اوست

در پے ہر گریہ آخر خندہ ایست ۔۔۔۔ مرد آخر بیں مبارک بندہ ایست

اور حضرت آدم کو توبہ اور معذرت کے کلمات تلقین فرمائے گئے۔ ابلیس کی معصیت چونکہ تمرد اور سرکشی کی بناء پر تھی اس لئے اس کو توبہ اور معذرت کی تلقین نہیں فرمائی۔

عیسائیوں کی تردید:

حضرت آدم کے توبہ قبول ہو جانے سے عیسائیوں کے اس عقیدہ کی تردید ہو گئی کہ آدم کی معصیت کی وجہ سے ان کی تمام اولاد گناہ کے بوجھ میں لدی ہوئی تھی عیسیٰ نے آ کر تمام بنی آدم کو اپنی صلیبی موت سے گناہوں سے مخلصی دی نصاریٰ کا یہ عقیدہ بالکل مہمل ہے عقل اور نقل کے خلاف ہے۔ ﴿معارف القرآن کاندھلوی﴾

حضرت آدم کی توبہ:

حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس عالم میں توبہ اور استغفار، تضرع اور ابتہال اور بارگاہ خداوندی میں گریہ وزاری کی مبارک سنت جاری فرمائی تاقیام قیامت جس قدر بھی تائبین اور مستغفرین توبہ اور استغفار کرتے رہیں گے اسی قدر حضرت آدم کے درجات میں اضافہ ہوتا رہے گا اس لئے کہ حضرت آدم ہی تمام تائبین اور مستغفرین کے امام اور تمام متضرعین اور خاشعین کے قدوہ اور پیشوا ہیں اور ابلیس نے اباء اور استکبار کی سنت سیئہ کو جاری کیا۔ قیامت تک جوشخص بھی حکم خداوندی سے اعراض وانکار کرے گا اس سے ابلیس کی ملعونیت اور مطرودیت میں برابر اضافہ ہوتا رہے گا اس لئے کہ وہ کافرین اور مستکبرین کا امام اور احکام خداوندی پر اعتراض کرنے والوں کا پیشوا ہے۔

قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا
ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب

توبہ کے بعد خلیفہ بنا کر آدم کو زمین پر رکھا:

مطلب یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی توبہ تو قبول فرمائی مگر فی الفور جنت میں جانے کا حکم نہ فرمایا بلکہ دنیا میں رہنے کا جو حکم ہوا تھا اسی کو قائم رکھا کیونکہ مقتضائے حکمت ومصلحت یہی تھا ظاہر ہے کہ زمین کے لئے خلیفہ بنائے گئے تھے نہ کہ جنت کے لئے اور اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ جو ہمارے مطیع ہوں گے ان کو دنیا میں رہنا مضر نہ ہوگا بلکہ مفید، ہاں جو نافرمان ہیں ان کے لئے جہنم ہے اور اس تفریق وامتحان کے لئے بھی دنیا ہی مناسب ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

واقعہ آدم کے اسرار وحکمتیں:

ہبوط آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسرار وحکم کی اگر تفصیل درکار ہے تو حافظ شمس الدین ابن قیم قدس اللہ سرہ کی تصنیف لطیف یعنی مفتاح دارالسعادۃ کا مطالعہ فرمائیں۔

حافظ موصوف مدارج السالکین میں فرماتے ہیں اے آدم میں نے تجھ کو گناہ میں مبتلا کیا اس لئے کہ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے فضل اور جود وکرم کو گنہگاروں پر ظاہر کروں حدیث میں ہے کہ اگر تم گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو فنا کردیتا اور ایسی قوم کو پیدا کرتا کہ جو گناہ کرکے خدا سے مغفرت طلب کرتے اور خدا ان کی مغفرت فرماتا اے آدم تجھ کو اور تیری ذریت کو اگر معصوم بنادوں تو اپنا حلم اور عفوو کرم اور مغفرت اور معافی کس پر ظاہر کروں۔ حالانکہ میں تواب رحیم ہوں پس ضرور ہے کہ گنہگار موجود ہوں تا کہ میں ان کی توبہ قبول کروں اور ان پر رحم کروں اے آدم میرے اُخْرُجْ مِنْهَا کہنے سے گھبراؤ مت اس لئے کہ جنت کو میں نے تیرے ہی لئے پیدا کیا ہے لیکن اس وقت تم مجاہدہ اور ریاضت کے لئے زمین پر اترو جو تمہارے لئے بمنزلہ خانقاہ یا غار کے ہے اور زمین آسمان کے اعتبار سے بمنزلہ غار ہی کے ہے اور یہاں آکر تقویٰ کے تخم کی کاشت کرو اور چشم گریاں کی بارش سے اس کو سیراب کرو جب یہ دانہ قوی اور مضبوط ہوجائے اور اپنے تنے پر کھڑا ہوجائے تو اس کو کاٹ لو اے آدم تجھ کو اس لئے جنت سے اتارا تا کہ تیرے درجات اور مدارج اور بلند ہوں اور جنت سے چندروز کے لئے اس لئے نکالا تا کہ اس سے بہتر حالت میں جنت کی طرف تو لوٹ کر آئے۔

ترجمہ شعر: اگر ہمارے اور تیرے درمیان میں کوئی رنجش پیش آگئی ہے اور اگر ہمارے اور تیرے درمیان میں منزلوں کا فصل ہوگیا ہے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں اسلئے کہ محبت ومودت کا تعلق اسی طرح باقی ہے اور جو لغزش تم سے ہوگئی ہے اس کا تدارک ہوسکتا ہے۔

اللہ کے نزدیک رحمت عذاب سے اور عفو انتقام سے زیادہ محبوب ہے وقال تعالیٰ: (كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ)

تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو لکھ لیا ہے یعنی لازم کرلیا ہے۔

مگر اس ارحم الراحمین نے غضب کو اپنے اوپر لازم نہیں فرمایا وقال تعالیٰ: (وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً)۔

اللہ ہر چیز کو باعتبار رحمت کے محیط ہے۔

مگر غضب اور انتقام کے اعتبار سے محیط نہیں۔ رحمت اس کی دائمی ہے مگر غضب دائمی نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے روز فرمائیں گے۔

اِنَّ رَبِّیْ قَدْ غَضِبَ الْیَوْمَ غَضَبًا لَمْ یَغْضَبْ قَبْلَهٗ.

میرا پروردگار آج غصہ ہوا ہے ایسا غصہ کہ نہ اس سے پہلے کبھی ایسا غصہ ہوا اور نہ اس کے بعد کبھی ایسا غصہ ہوگا۔

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَايَ
پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا
فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾
میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

خوف اور حزن:

جوصدمہ اور اندیشہ کسی مصیبت پر اس کے ہونے سے پہلے ہوتا ہے اس کو خوف کہتے ہیں اور اس کے واقع ہو چکنے کے بعد جو غم ہوتا ہے اس کو حزن کہتے ہیں مثلاً کسی مریض کے مرجانے کے خیال پر جو صدمہ ہے وہ خوف ہے اور مرجانے کے بعد جو صدمہ ہے وہ حزن ہے اس آیت میں جو خوف وحزن کی نفی فرمائی اس سے اگر خوف وحزن دنیوی مراد لیا جائے تو یہ معنی ہوں گے کہ جو لوگ ہماری ہدایت کے موافق چلیں گے اس میں اس اندیشہ کی گنجائش نہیں کہ شاید یہ ہدایت حقہ نہ ہو شیطان کی طرف سے دھوکہ اور مغالطہ ہو اور نہ وہ اس وجہ سے کہ ان کے باپ سے بالفعل بہشت چھوٹ گئی محزون ہوں گے کیونکہ ہدایت والوں کو عنقریب جنت ملنے والی ہے اور اگر خوف وحزن آخرت مراد ہو تو یہ مطلب ہوگا کہ قیامت کو اہل ہدایت کو نہ خوف ہوگا نہ حزن مگر حزن کا نہ ہونا تو بیشک مسلم لیکن خوف کی نفی فرمانے پر ضرور یہ خلجان ہوتا ہے کہ اس روز خوف تو حضرات انبیاء علیہم السلام تک کو ہوگا کوئی بھی خوف سے خالی نہ ہوگا تو بات یہ ہے کہ خوف دو طرح ہوتا ہے کبھی تو خوف کا باعث اور مرجع خائف (یعنی ڈرنے والے) میں پایا جاتا ہے جیسے مجرم بادشاہی جو بادشاہ سے ڈرتا ہے تو موجب خوف جرم ہے جو مجرم کی طرف راجع ہوتا ہے اور کبھی مرجع خوف مخوف منہ یعنی جس سے ڈرتے ہیں اس میں کوئی امر ہوتا ہے مثلاً اگر کوئی شخص کسی بادشاہ صاحب جاہ وجلال کے روبرو یا شیر کے روبرو ہو تو اس کے خائف ہونے کی یہ وجہ نہیں کہ اس نے بادشاہ یا شیر کا جرم کیا ہے بلکہ قہر وجلال سلطانی اور ہیبت اور غضب ودرندگی شیر موجب خوف ہے جس کا مرجع ذات سلطانی اور خود شیر ہے آیت سے پہلی قسم کی نفی ہوئی نہ دوسری قسم کی شبہ تو جب ہوسکتا تھا کہ (وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ) کی جگہ: لَا خَوْفٌ فِيهِمْ یَا لَا یَخَافُوْنَ فرماتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

آدمیت کا اعزاز:

یہاں زمین پر اتارنے کا ذکر ایک خاص مقصد خلافت آلہیہ کی تکمیل کے لئے اعزاز کے ساتھ ہے اس لئے اس کے ساتھ ہدایت بھیجنے کا ذکر ہے جو خلافت الٰہیہ کے فرائض منصبی میں سے ہے اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اگر چہ زمین پر اترنے کا ابتدائی حکم بطور عتاب اور سزا کے تھا، مگر بعد میں جب خطا معاف کر دی گئی تو دوسری مصالح اور حکمتوں کے پیش نظر زمین پر بھیجنے کے حکم کو اس کی حیثیت بدل کر برقرار رکھا گیا اور اب ان کا نزول زمین کے حاکم اور خلیفہ کی حیثیت سے ہوا اور یہ وہی حکمت ہے جس کا ذکر تخلیق آدم کے وقت ہی فرشتوں سے کیا جا چکا تھا کہ زمین کے لئے ان کو خلیفہ بنانا ہے۔ ﴿معارف القرآن مفتی اعظم﴾

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ
اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ
النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۳۹﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ
میں جانے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اے بنی اسرائیل

یہودیوں سے خطاب:

خلاصہ یہ ہے کہ اے بنی اسرائیل تم میرا عہد محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کا پورا کرو تو میں اپنا عہد تمہاری مغفرت اور جنت کا پورا کردوں گا اور صرف مجھ سے ہی ڈرو اور عوام الناس معتقدین سے نہ ڈرو کہ ان کی منشاء کے خلاف کلمہ حق کہیں گے تو وہ معتقد نہ رہیں گے آمدنی بند ہو جائے گی۔ (تفسیر عثمانی)

امت محمدیہ کی ایک خاص فضیلت

تفسیر قرطبی میں ہے کہ اللہ جل شانہ نے بنی اسرائیل کو اپنی نعمتیں اور احسانات یاد دلا کر اپنی یاد اور اطاعت کی طرف دعوت دی ہے اور امت محمدیہ کو جب اسی کام کے لئے دعوت دی تو احسانات وانعامات کے ذکر کے بغیر فرمایا (فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ) یعنی تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد رکھوں گا اس میں امت محمدیہ کی خاص فضیلت کی طرف اشارہ ہے کہ ان کا تعلق محسن ومنعم سے بلاواسطہ ہے یہ محسن کو پہچان کر احسان کو پہچانتے ہیں بخلاف دوسری امتوں کے کہ وہ احسانات کے ذریعہ محسن کو پہچانتے ہیں۔

عہد شکنی کی سزا:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عہد شکنی کرنے والوں کو جو سزا آخرت میں ملے گی اس سے پہلے ہی ایک سزا یہ دی جائے گی کہ محشر کے میدان میں جہاں تمام اولین وآخرین کا اجتماع ہوگا عہد شکنی کرنے والے پر ایک جھنڈا بطور علامت کے لگا دیا جائے گا اور جیسی بڑی عہد شکنی کی ہے اتنا ہی یہ جھنڈا بلند ہوگا، اس طرح ان کو میدان حشر میں رسوا اور شرمندہ کیا جائے گا۔ (صحیح مسلم عن سعید)

بنی اسرائیل:

بنی کے معنی ہیں اولاد اور اسرائیل کے معنی ہیں اللہ کا بندہ اسرائیل

حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا اور اسی اعتبار سے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور بعد کی نسل کو بنی اسرائیل کا لقب ملا انہی کو یہود بھی کہتے ہیں اسی طرح بنی اسرائیل کے جدامجد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام تھے کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے بڑے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے یہ حجاز میں آباد ہوئے اور ان کی نسل میں نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیدا ہوئے۔

یہودِ مدینہ:

الغرض یہاں یبنی اسرائیل سے خطاب ان یہود کو ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں مدینہ اور اطراف مدینہ میں آباد تھے اور یہود کے مدینہ میں آباد ہونے کے متعلق لکھا ہے کہ ملک شام سے ایک جماعت یہود کی خانہ کعبہ کی زیارت کے لئے آئی تو راستہ میں مقام یثرب میں (جس کا نام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کے بعد مدینۃ النبی اور پھر مدینہ منورہ ہوگیا) وہ اترے اور یہاں وہ آثار پائے گئے۔

یہود سے خطاب کی وجہ:

ہجرت کے بعد یہ سورۃ بقرہ پہلی سورۃ ہے جو مدینہ میں نازل ہوئی اور پہلا فرقہ اہل کتاب میں یہود کا ہے جو مدینہ وخیبر وغیرہ میں آباد تھے اور دوسرا فرقہ نصاریٰ کا شام ویمن وغیرہ میں آباد تھا پس اگر یہود جو اہل علم بھی کہلاتے تھے اور خاندان نبوت سے تھے وہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اور قرآن کا انکار کریں گے تو نصاریٰ بھی ان کا دیکھا دیکھی انکار کریں گے۔ (درس محمد احمد)

اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے

بنی اسرائیل پر خصوصی نعمتوں کا ذکر:

اول (يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا) خطاب عام تھا اور ان نعمتوں کا ذکر فرمایا تھا جو تمام بنی آدم پر عام تھیں مثلاً زمین وآسمان وجملہ اشیاء کا پیدا کرنا پھر حضرت آدم کو پیدا کر کے ان کو خلیفہ بنانا اور بہشت میں داخل کرنا وغیرہ اب ان میں سے خاص بنی اسرائیل کو خطاب کیا گیا اور خاص نعمتیں جو وقتاً فوقتاً پشت در پشت ان پر ہوتی چلی آئیں اور انہوں نے جو کفران نعمت کیا ان سب باتوں کو مفصل ذکر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ بنی اسرائیل تمام فرقوں سے بنی آدم میں ممتاز اور اہل علم وکتاب ونبوت اور انبیاء کو پہچاننے والے سمجھے جاتے تھے کیونکہ حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار نبی ان میں آچکے تھے تمام عرب کی نظریں ان کی طرف تھیں کہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرتے ہیں یا نہیں اس لئے ان انعامات اور خرابیوں کو بسط کے ساتھ ذکر فرمایا کہ شرما کر ایمان لائیں ورنہ اور لوگ ان کی حرکات سے واقف ہو کر ان کی بات کا اعتبار نہ کریں اور اسرائیل نام ہے حضرت یعقوبؑ کا، اس کے معنی ہیں عبداللہ۔

ہزاروں انبیاء ان میں بھیجے گئے توریت وغیرہ کتابیں نازل فرمائیں فرعون سے نجات دے کر ملک شام میں تسلط دیا من وسلویٰ نازل ہوا ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری کئے جو نعمتیں اور خوارق عادات کسی فرقہ کو نصیب نہیں ہوئیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ
اور تم پورا کرو میرا قرار تو میں پورا کروں تمہارا قرار
وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ ﴿۴۰﴾
اور مجھ ہی سے ڈرو

بنی اسرائیل کا عہد:

توریت میں یہ اقرار کیا تھا کہ تم توریت کے حکم پر قائم رہو گے اور جس پیغمبر کو بھیجوں اس پر ایمان لا کر اس کے رفیق رہو گے تو ملک شام تمہارے قبضہ میں رہے گا (بنی اسرائیل نے اس کو قبول کر لیا تھا) مگر پھر اقرار پر قائم نہ رہے بدنیتی کی رشوت لے کر مسئلے غلط بتائے، حق کو چھپایا اپنی ریاست جمائی، پیغمبر کی اطاعت نہ کی بلکہ بعض پیغمبروں کو قتل کیا توریت میں جہاں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت تھی اس کو بدل ڈالا اس لئے گمراہ ہوئے۔ (ف) یعنی منافع دنیوی کے فوت ہونے سے مت ڈرو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ آیت کے معنی یہ ہیں کہ میرے عہد کو پورا کرو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ میں تمہارے عہد کو پورا کروں گا یعنی احکام شاقہ مثل قطع موضع نجاست وغیرہ تم سے اٹھا دوں گا۔ علامہ بغوی نے فرمایا کلبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کی زبانی بنی اسرائیل سے یہ عہد کیا تھا کہ میں بنی اسماعیل میں ایک نبی امی بھیجوں گا جو تم میں سے اس کا اتباع رکھے گا اور جو نور اس کے پاس ہوگا اس کی تصدیق کرے گا تو میں اس کے گناہ بخشدوں گا اور جنت میں داخل کر کے دو چند اجر دوں گا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

بنی اسرائیل تمام آدمیوں سے ممتاز تھے نبیوں کے پہنچاننے میں کہ یہ لوگ نبیوں کی علامتیں خوب جانتے تھے بسبب اس کے کہ حضرت یعقوب سے حضرت عیسیٰ تک چار ہزار پیغمبران میں ہوئے تھے اور بعضے پیغمبر بادشاہوں کی صورت میں گزرے ہیں جیسے کہ حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام اور بعضے عالموں اور مشائخوں کی صورت میں جیسے کہ حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ اور بعضے وزیروں اور مشیروں وغیرہ کی صورت میں جیسے کہ حضرت شموئیل اور بعضے زاہدوں اور راہبوں کی صورت میں جیسے کہ حضرت یونس پس ان باتوں سے ان کو چاہئے کہ نبوت کو منحصر ایک وضع اور ایک شکل میں نہ سمجھیں بلکہ یہ بات جانیں کہ انبیاء کئی وضع پر ہوتے ہیں اور پیغمبر آخر الزماں پر بھی نبی برحق سمجھ کر ایمان لاویں اور فرمانبردار ہوں۔ عالموں میں سے دیکھا گیا کہ جب تک قضا اور افتا کے عہدہ پر متعین تھے باجے اور مزامیر کے سننے سے نہایت کنارہ کش تھے بلکہ لفظ سننے آواز مباح سے بھی اجتناب کرتے تھے جبکہ اس عہدہ سے معزول ہوئے تدارک مافات کا بخوبی عمل میں لائے۔

اسرائیل یعقوب علیہ السلام کا نام ہے جس طرح کہتے ہیں یَا ابْنَ الْكَرِيْمِ افْعَلْ كَذَا اے کریم کے بیٹے ایسا کر۔ یَا ابْنَ الشُّجَاعِ بَارِزِ الْاَبْطَال. اے شجاع کے بیٹے بہادروں کا مقابلہ کر۔ یَا ابْنَ الْعَالِمِ اُطْلُبُ الْعِلْم. اے عالم کے بیٹے علم حاصل کر۔ پھر اس کے علاوہ تمہارے خاندان میں حضرت یعقوب علیہ السلام سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک چار ہزار نبی آئے۔ اس لئے تم کو پیغمبروں کی علامتیں خوب معلوم ہیں لہٰذا تم کو نبی اکرم محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں کوئی تامل نہ ہونا چاہئے۔ علاوہ ازیں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم جب تک مکہ معظمہ میں تشریف فرما رہے اکثر مناظرہ اور مکالمہ قریش کے ساتھ رہتا تھا۔ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف لائے تو یہود سے مناظرہ اور مکالمہ شروع ہوا یہود چونکہ اہل کتاب ہونے کی وجہ سے علماء کہلاتے تھے۔

عالم کی ذمہ داری:

عالم پر دو چیزیں فرض ہیں۔ ایک ترک معصیت یعنی خود معصیت نہ کرنا' دوم یہ کہ دوسرں کو معصیت سے منع کرنا۔ اگر دونوں فرض نہیں بجا لاسکتا تو دونوں کو چھوڑا بھی نہیں جاسکتا:

مَالَا يُدْرَكُ كُلُّهٗ لَا يُتْرَكُ كُلُّهٗ.

طبیب اگر کسی مرض میں خود مبتلا ہو تو اسی مرض کے مریض کا معالجہ کرسکتا ہے لیکن خود اس کا مرض جب ہی زائل ہوگا کہ جب وہ خود بھی دوا کا استعمال کرے۔

حدیث میں ہے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ عالم بے عمل کی مثال شمع کی سی ہے کہ دوسروں کو روشنی پہنچاتی ہے اور اپنے کو جلاتی ہے۔ ﴿معارف القرآن کاندھلوی﴾

بدتر علماء:

مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث ہے کہ حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لوگوں پر ایسا وقت آئے گا کہ اسلام میں سے صرف اس کا نام باقی رہ جائے گا اور قرآن میں صرف اس کے حروف ونقوش رہ جائیں گے ان کی مساجد بظاہر آباد ہوں گی لیکن درحقیقت خراب ان کے علما آسمان کے نیچے کی مخلوق میں سب سے بدتر ہوں گے انہیں سے دین میں فتنہ برپا ہوگا اور انہیں میں لوٹ کر آئے گا۔ ﴿درس محمد احمد﴾

وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ
اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے سچ بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے

قرآن سابقہ کتب کا مُصدّق ہے:

توریت میں بتادیا گیا تھا کہ جو نبی آئے اگر توریت کی تصدیق کرے تو اس کو جانو سچا ہے نہیں تو جھوٹا ہے۔ جاننا چاہئے کہ احکام قرآنی دربارۂ اعتقادات اور اخبار انبیاء واحوال آخرت واوامر ونواہی توریت وغیرہ کتب سابقہ کے موافق ہیں' ہاں بعض اوامر ونواہی میں نسخ بھی کیا گیا ہے مگر وہ تصدیق کے مخالف نہیں' تصدیق کے مخالف تکذیب ہے اور تکذیب کسی کتاب الٰہی کی ہو بالکل کفر ہے۔ منسوخ تو بعض آیات قرآنی بھی ہیں مگر اس کو نعوذ باللہ کون تکذیب کہہ سکتا ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ
اور مت ہو سب میں اوّل منکر اسکے

اے اہل کتاب! تم دیدہ دانستہ کفر نہ کرو:

یعنی قرآن کی دیدہ ودانستہ تکذیب کرنے والوں میں اول مت ہو کہ قیامت تک کہ منکرین کا وبال تمہاری گردن پر ہو' اور مشرکین مکہ نے جو انکار کیا ہے وہ جہل اور بے خبری کے سبب کیا ہے دیدہ ودانستہ ہرگز نہ تھا اس میں تو اول تم ہی ہوگے اور یہ کفر پہلے کفر سے سخت تر ہے۔

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۡ وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ۝٤١
اور نہ لو میری آیتوں پر مول تھوڑا اور مجھ ہی سے بچتے رہو

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ

اور مت ملاؤ صحیح میں غلط اور مت چھپاؤ سچ کو

وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٤٢﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلٰوةَ وَآتُوا

جان بوجھ کر اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو

الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوا مَعَ الرَّاكِعِينَ ﴿٤٣﴾

زکوٰۃ اور جھکو نماز میں جھکنے والوں کے ساتھ

باجماعت نماز:

﴿یعنی باجماعت نماز پڑھا کرو پہلے کسی دین میں باجماعت نماز نہیں تھی اور یہود کی نماز میں رکوع نہ تھا۔ خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ صرف امور مذکورہ بالا نجات کے لئے تم کو کافی نہیں بلکہ تمام اصول میں نبی آخر الزمان کی پیروی کرو۔ نماز بھی ان کے طور پر پڑھو جس میں جماعت بھی ہو اور رکوع بھی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بغیر جماعت نماز:

اگر کوئی شخص عذر شرعی مثلاً مرض وغیرہ کے بغیر تنہا نماز پڑھ لے اور جماعت میں شریک نہ ہو تو اس کی نماز تو ہو جائے گی مگر سنت مؤکدہ کے ترک کی وجہ سے مستحق عتاب ہوگا' اور اگر ترک جماعت کی عادت بنا لے تو سخت گنہگار ہے' خصوصاً اگر ایسی صورت ہو جائے کہ مسجد ویران رہے اور لوگ گھروں میں نماز پڑھیں تو یہ سب شرعاً مستحق سزا ہیں' اور قاضی عیاض نے فرمایا کہ ایسے لوگ اگر سمجھانے سے باز نہ آئیں تو ان سے قتال کیا جائے۔ (قرطبی ۲۹۸ ج ۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے' ''نماز تو صرف تمسکن اور تواضع ہی ہے'' جس کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ جب تمسکن اور تواضع دل میں نہ ہو تو وہ نماز نہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ جس کی نماز اسے بے حیائی اور برائیوں سے نہ روک سکے وہ اللہ سے دور ہی ہوتا جاتا ہے' اور غافل کی نماز بے حیائی سے اور برائیوں سے نہیں روکتی' معلوم ہوا کہ غفلت کے ساتھ نماز پڑھنے والا اللہ سے دور ہی ہوتا جاتا ہے۔

نماز کی روح:

امام غزالی نے مذکورہ آیات و روایات اور دوسرے دلائل پیش کر کے فرمایا ہے کہ ان کا یہ تقاضا ہے کہ خشوع نماز کے لئے شرط ہو' اور نماز کی صحت اس پر موقوف ہو' پھر فرمایا کہ سفیان ثوری' حسن بصری اور معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کا مذہب یہی تھا کہ خشوع کو شرط صلوٰۃ قرار نہیں دیا' بلکہ اسے نماز کی روح قرار دینے کے باوجود صرف اتنا شرط کیا ہے کہ تکبیر تحریمہ کے وقت قلب کو حاضر کر کے اللہ کے لئے نماز کی نیت کرے۔

بری عادت چھوڑنے کا طریقہ:

حضرت سیدی حکیم الامت تھانوی تو فرمایا کرتے تھے کہ جب مجھے اپنی کسی بری عادت کا علم ہوتا ہے تو میں اس عادت کی مذمت اپنے مواعظ میں خاص طور سے بیان کرتا ہوں' تاکہ وعظ کی برکت سے یہ عادت جاتی رہے۔

نماز باجماعت کی اہمیت:

فقیہ الامت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہو کہ کل (محشر میں) اللہ تعالیٰ سے مسلمان ہونے کی حالت میں ملے تو اس کو چاہئے کہ ان (پانچ) نمازوں کے ادا کرنے کی پابندی اس جگہ کرے جہاں اذان دی جاتی ہے' (یعنی مسجد) کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کچھ ہدایت کے طریقے بتلائے ہیں' اور ان پانچ نمازوں کو جماعت کے ساتھ ادا کرنا انہی سنن ہدیٰ میں ہے' اور اگر تم نے یہ نمازیں اپنے گھر میں پڑھ لیں' جیسے یہ جماعت سے الگ رہنے والا اپنے گھر میں پڑھ لیتا ہے (کسی خاص شخص کی طرف اشارہ کر کے فرمایا) تو تم اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ بیٹھو گے' اور اگر تم نے اپنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دیا تو تم گمراہ ہو جاؤ گے (اور جو شخص وضو کرے اور اچھی طرح پاکی حاصل کرے) پھر کسی مسجد کا رخ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ہر قدم پر نیکی اس کے نامہ اعمال میں درج فرماتے ہیں' اور اس کا ایک درجہ بڑھا دیتے ہیں اور ایک گناہ معاف کر دیتے ہیں' اور ہم نے اپنے مجمع کو ایسا پایا ہے کہ منافق بین النفاق کے سوا کوئی آدمی جماعت سے الگ نماز نہ پڑھتا تھا' یہاں تک کہ بعض حضرات کو عذر اور بیماری میں بھی دو آدمیوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر مسجد میں لایا جاتا اور صف میں کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

آثار خشوع کا قصداً اظہار کرنا بھی پسندیدہ نہیں' حضرت عمرؓ نے ایک نوجوان کو دیکھا کہ سر جھکائے بیٹھتا ہے' فرمایا۔ سر اٹھا' خشوع دل میں ہوتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ چاہے کہ کل قیامت کے دن اللہ جل شانہ کی بارگاہ میں مسلمان بن کر حاضر ہو ان نمازوں کو ایسی جگہ ادا کرنے کا اہتمام کرے جہاں اذان ہوتی ہو (یعنی مسجد میں) اس لئے کہ حق تعالیٰ شانہ نے تمہارے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے ایسی سنتیں جاری فرمائی ہیں جو سراسر ہدایت ہیں انہیں میں سے یہ جماعت کی نمازیں بھی ہیں اگر تم لوگ اپنے گھروں میں نماز پڑھنے لگو گے جیسا کہ فلاں شخص پڑھتا ہے تو تم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے چھوڑنے والے ہو گے اور یہ سمجھ لو کہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کو چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے اور جو شخص اچھی طرح وضو کرے اس کے بعد مسجد کی طرف جائے تو ہر ہر قدم پر ایک ایک نیکی لکھی جائے گی اور ایک ایک خطا معاف ہو گی۔ اور ہم تو اپنا یہ حال دیکھتے تھے کہ جو شخص کھلم کھلا منافق ہوتا وہ تو جماعت سے رہ جاتا تھا یا کوئی سخت بیمار ورنہ جو شخص دو آدمیوں کے سہارے سے گھسٹتا ہوا جا سکتا تھا وہ بھی صف میں لا کر کھڑا کر دیا جاتا تھا۔

حقیقی خشوع:

حضرت ابراہیم نخعی کا ارشاد ہے کہ موٹا پہننے، موٹا کھانے اور سر جھکانے کا نام خشوع نہیں، خشوع تو یہ ہے کہ تم حق کے معاملہ میں شریف و رذیل کے ساتھ یکساں سلوک کرو، اور اللہ نے جو تم پر فرض کیا ہے اسے ادا کرنے میں اللہ کے لئے قلب کو فارغ کر لو۔ ﴿معارف القرآن مفتی اعظم﴾

جماعت میں نہ آنے والوں کی مذمت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے بلاشک میں نے ارادہ کیا کہ لکڑیاں جمع کرنے کا حکم دوں جو جمع کر لی جائیں پھر نماز کا حکم دوں، تاکہ اذان دی جائے پھر کسی شخص کو حکم دوں جو لوگوں کا امام بنے اور میں ان لوگوں کے گھروں کی طرف چلا جاؤں جو جماعت میں حاضر نہ ہوئے، پھر ان کے گھروں کو ان پر جلا دوں، (صحیح بخاری ص ۸۹ ج ۱)

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اگر گھروں میں عورتیں اور بچے نہ ہوتے تو میں عشاء کی جماعت قائم کرتا اور اپنے جوانوں کو حکم دیتا کہ (ان لوگوں کے گھروں میں جو کچھ ہے) آگ سے جلا دیں، (جو جماعت میں نہیں آئے) (رواہ احمد کمافی المشکوٰۃ ص ۹۷)

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز فجر پڑھائی اور سلام پھیر کر فرمایا، کیا فلاں شخص حاضر ہے حاضرین نے عرض کیا نہیں فرمایا، کیا فلاں شخص حاضر ہے، عرض کیا نہیں۔ فرمایا، بے شک یہ دونوں نمازیں (عشاء اور فجر) منافقوں پر سب نمازوں سے زیادہ بھاری ہیں اور اگر تم کو معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں کیا اجر و ثواب) ہے تو ان دونوں میں حاضر ہوتے اگرچہ گھٹنوں کے بل چلنا پڑتا۔ اور فرمایا کہ بلاشبہ پہلی صف فرشتوں کی صف کی طرح سے ہے اور اگر تم جان لو کہ اس کی کیا فضیلت ہے تو ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرو اور بلاشبہ ایک شخص کی نماز دوسرے شخص کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے، بہ نسبت تنہا نماز پڑھنے کے، اور دو آدمیوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھنا ایک آدمی کے ساتھ مل کر نماز پڑھنے سے زیادہ پاکیزہ ہے اور جتنی بھی زیادہ تعداد ہو گی، اسی قدر اللہ کو محبوب ہے۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی کمافی المشکوٰۃ ص ۹۶)

منافقت کی علامت:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بلاشبہ میں نے اپنا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ نماز جماعت سے صرف وہی شخص پیچھے رہ جاتا تھا جو منافق ہوتا اور اس کا نفاق کھلا ہوا سب کو معلوم ہوتا تھا یا کوئی مریض ہوتا (بلکہ) مریض کا بھی یہی حال تھا کہ دو آدمیوں کے درمیان چل کر آتا تھا۔ یہاں تک کہ نماز میں حاضر ہو جاتا تھا۔ اور فرمایا کہ بلاشبہ ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت کے طریقے بتائے ہیں اور ہدایت کے طریقوں میں سے یہ بھی ہے کہ مسجد میں نماز پڑھی جائے جس میں اذان دی جاتی ہو۔ (صحیح مسلم ص ۲۳۲ ج ۱)

جنگل میں بھی جماعت کراؤ:

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو بھی تین مرد کسی جنگل یا بستی میں ہوں جن میں نماز باجماعت قائم نہ کی جاتی ہو تو ضرور شیطان ان پر غلبہ پالے گا۔ لہٰذا جماعت کی حاضری کو لازم کر لو کیونکہ بھیڑیا اسی بکری کو کھا جاتا ہے جو گلہ سے دور ہو جائے۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی کمافی المشکوٰۃ)

تفسیر ابن کثیر اور در منثور میں حضرت ابن عباس سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بات نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک یہودی لڑکے کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے جو آپ کی خدمت کیا کرتا تھا آپ تشریف لائے اور اس کے سر کے پاس تشریف فرما ہو گئے اور اس کو اسلام کی دعوت دی اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا، جو وہاں موجود تھا اس کے باپ نے کہا کہ ابوالقاسم (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کی بات مان لے

چنانچہ اس نے اسلام قبول کرلیا اور آپ وہیں سے یہ کہتے ہوئے باہر تشریف لائے کہ سب تعریف اللہ کیلئے ہے جس نے اسے دوزخ سے بچا دیا۔ (صحیح بخاری ص ۱۸۱ ج ۱)

بے عمل عالم:

جو عالم لوگوں کو خیر سکھاتا ہے اور خود عمل نہیں کرتا وہ اس چراغ کی طرح سے ہے جسکی بتی جلتی رہتی ہے لوگوں کو روشنی پہنچتی ہے لیکن بتی خود جل جاتی ہے۔ (ابن کثیر عن الطبرانی فی المعجم الکبیر)

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ
کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو
وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾
اور تم تو پڑھتے ہو کتاب پھر کیوں نہیں سوچتے ہو

علمائے یہود کے کرتوت:

بعض علمائے یہود یہ کمال کرتے تھے کہ اپنے لوگوں سے کہتے تھے کہ یہ دین اسلام اچھا ہے اور خود مسلمان نہ ہوتے تھے اور نیز علمائے یہود بلکہ اکثر ظاہر بینوں کو اس موقع پر یہ شبہ پڑ جاتا ہے کہ جب ہم تعلیم احکام شریعت میں قصور نہیں کرتے اور حق پوشی بھی نہیں کرتے تو اس کی ضرورت نہیں کہ ہم خود بھی احکام پر عمل کریں جب ہماری ہدایت کے موافق بہت سے آدمی اعمال شریعت بجالاتے ہیں تو بحکم قاعدہ اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ وہ ہمارے ہی اعمال ہیں تو اس آیت میں دونوں کا بطلان فرما دیا گیا اور آیت سے مقصود یہ ہے کہ واعظ کو اپنے وعظ پر ضرور عمل کرنا چاہیے یہ غرض نہیں کہ فاسق کسی کو نصیحت نہ کرے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

واعظ! جن کے ہونٹ قینچیوں سے کاٹے جائیں گے:

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں معراج والی رات میں نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جارہے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ تو کہا گیا کہ یہ آپ کی امت کے خطیب اور واعظ و عالم ہیں جو لوگوں کو بھلائی سکھاتے تھے مگر خود نہیں کرتے تھے' باوجود علم کے سمجھ نہیں رکھتے تھے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

بے عمل مبلغ کی سزا:

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص لایا جائے گا کہ اسے آگ میں پھینک دیا جائے گا آگ میں اس کی انتڑیاں اور اوجھ سب نکل پڑے گا پھر اس کے پیچھے اس طرح گھومے گا جیسا کہ گدھا اپنی چکی کے گرد گھومتا ہے اس کا یہ حال دیکھ کر دوزخ والے اس کے گرد جمع ہو جائیں گے اور پوچھیں گے تیرا کیا حال ہے تو تو ہمیں بھلی بات بتلایا کرتا تھا لیکن خود عمل نہیں کرتا تھا وہ کہے گا ہاں میں تمہیں بری بات سے روکتا تھا اور خود اسی میں مبتلا تھا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

ابن عساکر نے ذکر کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بعض جنتی بعض دوزخیوں کو آگ میں دیکھ کر پوچھیں گے کہ تم آگ میں کیونکر پہنچ گئے؟ حالانکہ ہم تو بخدا انہی نیک اعمال کی بدولت جنت میں داخل ہوئے ہیں جو ہم نے تم سے سیکھے تھے' اہل دوزخ کہیں گے۔ "ہم زبان سے کہتے ضرور تھے' لیکن خود عمل نہیں کرتے تھے" ﴿ابن کثیر﴾

کیا فاسق وعظ و نصیحت نہیں کر سکتا؟

لیکن مذکورہ بیان سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ بے عمل یا فاسق کے لئے دوسروں کو وعظ و نصیحت کرنا جائز نہیں اور جو شخص کسی گناہ میں مبتلا ہو وہ دوسروں کو اس گناہ سے باز رہنے کی تلقین نہ کرے' کیونکہ کوئی اچھا عمل الگ نیکی ہے' اور اس اچھے عمل کی تبلیغ دوسری مستقل نیکی ہے اور ظاہر ہے کہ ایک نیکی کو چھوڑنے سے یہ ضروری نہیں ہوتا کہ دوسری نیکی بھی چھوڑ دی جائے۔ جیسے ایک شخص اگر نماز نہیں پڑھتا تو اس کے لئے یہ لازم نہیں کہ وہ روزہ بھی ترک کردے' بالکل اسی طرح اگر کوئی شخص نماز نہیں پڑھتا تو اس کیلئے یہ ضروری نہیں کہ دوسروں کو نماز پڑھنے کیلئے بھی نہ کہے۔ اسی طرح کسی ناجائز فعل کا ارتکاب الگ گناہ ہے' اور اپنے زیر اثر لوگوں کو اس ناجائز فعل سے نہ روکنا دوسرا گناہ ہے' اور ایک گناہ کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ دوسرا گناہ بھی ضرور کیا جائے۔ (روح المعانی)

چنانچہ امام مالک نے حضرت سعید بن جبیرؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر ہر ایک شخص یہ سوچ کر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ دے کہ میں خود گنہگار ہوں' جب گناہوں سے خود پاک ہو جاؤں گا تو لوگوں کو تبلیغ کروں گا' تو نتیجہ یہ نکلے گا کہ تبلیغ کرنے والا کوئی بھی باقی نہ رہے گا' کیونکہ ایسا کون ہے جو گناہوں سے بالکل پاک ہو۔ ﴿معارف القرآن مفتی اعظم﴾

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ
اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے

اقتدار پرستی اور دولت پرستی کا علاج:

علمائے اہل کتاب جو بعد وضوح حق بھی آپ پر ایمان نہ لاتے تھے اس کی بڑی وجہ حب جاہ اور حب مال تھی' اللہ تعالیٰ نے دونوں کا علاج بتا دیا صبر سے مال کی طلب اور محبت جائے گی اور نماز سے عبودیت وتذلل آئے گا اور حب جاہ کم ہوگی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

صبر: حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں روزہ آدھا صبر ہے۔ صبر سے مراد گناہوں سے رک جانا بھی ہے آیت میں اگر صبر سے یہ مراد لی جائے تو برائیوں سے رکنا اور نیکیاں کرنا دونوں کا بیان ہوگیا' نیکیوں میں سب سے اعلیٰ چیز نماز ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ صبر کی دو قسمیں ہیں' مصیبت کے وقت صبر اور گناہوں کے کرنے سے صبر' اور یہ صبر پہلے صبر سے زیادہ اچھا ہے۔

مشکل کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی کام مشکل اور غم میں ڈال دیتا تو آپ نماز پڑھا کرتے فوراً نماز پر لگ جاتے۔ چنانچہ خندق کے موقعہ پر رات کے وقت جب حضرت حذیفہؓ خدمت نبویؐ میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ کو نماز میں پاتے ہیں۔ ﴿معارف القرآن مفتی اعظم﴾

اخلاص اور تکبیر اولیٰ:

ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص چالیس دن اخلاص کے ساتھ اس طرح نماز پڑھے کہ تکبیر اولیٰ فوت نہ ہو (یعنی شروع ہی سے امام کے ساتھ شریک ہو) تو اس کو دو پروانے ملتے ہیں۔ ایک پروانہ جہنم سے چھٹکارہ کا دوسرا نفاق سے بری ہونے کا۔

غزوۂ خندق اور غزوۂ بدر کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ لیلۃ الاحزاب میں (غزوہ خندق کے موقعہ پر) میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس آیا (ان کو ایک کام کے لئے بھیجا تھا) تو آپ چادر اوڑھے ہوئے نماز پڑھ رہے تھے اور آپ کی عادت تھی کہ جب کوئی مشکل درپیش ہوتی تھی تو نماز پڑھنے لگتے تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میں نے غزوۂ بدر کی رات میں دیکھا کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب لوگ سوئے ہوئے تھے آپ برابر نماز میں مشغول رہے اور صبح ہونے تک دعا کرتے رہے۔ (ابن کثیر ص ۸۷ ج ۱، انوار البیان)

بر مراد نفس تا گردی اسیر صبر بگزین وقناعت پیشہ گیر

نکتہ: علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ الصلوٰۃ میں الف لام عہد کا ہے یعنی ایسی نماز پڑھو کہ جیسی صحابہ کرام پڑھتے ہیں۔ منافقوں کی سی نماز نہ پڑھو۔

حدیث میں ہے اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ۔ عبادت کر۔ اللہ کی اس طرح کہ گویا تو اس کو دیکھ رہا ہے۔'' خلاصہ یہ کہ اگر تم کو نفس کا تزکیہ اور اس کی اصلاح مقصود ہے تو صبر اور نماز سے اس بارہ میں مدد حاصل کرو۔

انبیاء کا طریقہ:

اور مسند احمد اور سنن نسائی میں صہیب رومی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے ارشاد فرمایا کہ حضرات انبیاء کو جب پریشانی پیش آتی تو نماز کی طرف متوجہ ہو جاتے۔

حضرت عبداللہ بن عباس کا عمل:

عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ سفر میں تھے کہ بیٹے کی وفات کی خبر دی گئی تو سواری سے اترے اور دو رکعت نماز پڑھی اور (اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ) پڑھا اور یہ فرمایا کہ ہم نے ویسا ہی کیا جیسا اللہ نے ہم کو حکم دیا۔ اور یہ آیت تلاوت فرمائی (وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ) (اخرجہ سعید بن منصور وابن المنذر والحاکم وغیرہم۔

ایمان کے دو حصے:

شکر بمنزلہ دوا کے ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ ''ایمان کے دو حصے ہیں ایک صبر اور دوسرا شکر یعنی ایمان کی صحت اور سلامتی دو چیزوں پر موقوف ہے ایک صبر پر یعنی مضرات سے پرہیز کرنے پر اور دوم دواء شکر کے استعمال پر۔ جب تک پرہیز کامل نہ ہو اس وقت تک دوا پورا نفع نہیں کرتی۔ ﴿معارف القرآن کاندھلویؒ﴾

حاجت پوری ہونے کا عمل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب کوئی مہم پیش آتی تو نماز کی طرف توجہ فرماتے تھے۔ جس کو اللہ سے یا کسی بندہ سے کوئی حاجت ہو تو اسے چاہئے کہ وضو کرے اور اترے دل سے وضو نہ کرے بلکہ خوب اچھی طرح سنوار کر کرے پھر دو رکعت پڑھ کر حق تعالیٰ کی حمد وثنا کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجے پھر یہ دعا پڑھے۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ الْحَلِیْمُ الْکَرِیْمُ سُبْحَانَ اللّٰہِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِیْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِیْمَۃَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَۃَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِیْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَہٗ وَلَا ھَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَہٗ وَلَا حَاجَۃً ھِیَ لَکَ

رِضاً اِلَّا قَضَیْتَهَا یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ. (معارف القرآن مفتی صاحبؒ)

ایمانی صحت کا نسخہ:

حدیث شریف میں وارد ہے کہ: اَلْاِیْمَانُ نِصْفَانِ نِصْفُ فِی الصَّبْرِ وَنِصْفُ فِی الشُّکْرِ. یعنی ایمان کے دو ٹکڑے ہیں ایک ٹکڑا بیچ صبر کے اور ایک ٹکڑا بیچ شکر کے روایت کیا اس حدیث کو بیہقی نے بیچ شعب الایمان کے حضرت انس سے مرفوعاً گویا اس حدیث میں اشارہ فرماتے ہیں اس بات کا کہ ایمان بمنزلہ صحت کے ہے اور صحت دو چیزوں سے حاصل ہوتی ہے پرہیز اور دوا پرہیز صبر ہے اور دوا شکر ہے اور ہر گاہ کہ پرہیز نہ ہو دوا کچھ فائدہ نہیں کرتی ہے جیسا کہ ابن ابی شیبہ سے بیچ کتاب الایمان کے بیہقی نے ان سے روایت کیا ہے کہ: اَلصَّبْرُ مِنَ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَةِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ اِذَا قُطِعَ الرَّأْسُ اَنْتَنَ مَافِی الْجَسَدِ لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَّا صَبْرَ لَهٗ. یعنی صبر کو ایمان سے ایسی نسبت ہے جیسا کہ سر کو بدن سے جس وقت کاٹا جائے سر بگڑ جاتی ہے وہ چیز کہ بدن میں ہے اور نہیں ایمان اس کے واسطے جس میں صبر نہ ہو۔

ایمان کیا ہے؟

حدیث شریف میں بھی ساتھ روایت عبید بن عمر لیثی کے موافق قول حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ کے آیا ہے کہ ایک دن ایک شخص آ گے آ نحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آیا اور پوچھا کہ مَا الْاِیْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ یعنی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہے ایمان فرمایا آپ نے صبر اور سماحت۔

سب سے بہتر عطاء:

صحاح ستہ میں روایت ہے کہ مَا اُعْطِیَ اَحَدٌ عَطَاءً خَیْراً مِنَ الْوَسْعِ یعنی نہیں دیا گیا کسی شخص کو عطا کہ بہتر ہو صبر سے۔

بغیر سیکھے علم اور بغیر بتلائے سیدھا راستہ:

ابن ابی الدنیا اور بیہقی نے حضرت حسن بصریؒ سے روایت کی ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکلے اور اپنے یاروں کو فرمایا کہ تم میں سے کوئی چاہتا ہے کہ اس کو خدائے تعالیٰ بغیر سیکھنے کے علم عطا کرے اور بغیر راہ بتلانے کے راستہ ہدایت کا اس کو ملے اور کوئی تم میں چاہتا ہے کہ حق تعالیٰ اس کی کور چشمی کو دور کر دے اور اس کو بینا کرے یاروں نے عرض کیا کہ ہر شخص ہم میں سے یہی چاہتا ہے فرمایا کہ کوئی دنیا میں زہد قبول کرے اور امید اپنی کو کوتاہ کرے حق تعالیٰ اس کو بغیر سیکھنے کے علم عطا فرماتا ہے اور بغیر ہدایت کے اس کو رشد دیتا ہے اچھی طرح جان لو تم کہ پیچھے میرے آدمی پیدا ہوں گے کہ بادشاہت ان کی بغیر قتل اور تکبر کے رونق نہ پکڑے گی اور دولت ان کی بغیر بخل اور ظلم کے برقرار نہ رہے گی اور محبت ان سے بغیر سستی دین کے اور پیروی خواہش نفس ان کے کی حاصل نہیں ہوگی پس جو کوئی تم میں سے اس وقت کو پاوے اور پر فقر اپنے کے صبر کرے اور دولت ان کی سے اپنے تئیں ہٹاوے اور اوپر ناخوشی ان کی کے صبر کرے اور محبت ان کی سے دستبردار ہو اور اوپر ذات اپنی کے صبر کرے اور عزت کو چھوڑے اور غرض اس کی بیچ ان امور کے سوائے رضامند ہو کے اور کوئی چیز دوسری نہ ہو حق تعالیٰ اس کو ثواب پچاس ولی کا عنایت کرے۔

نافع چیزیں:

اور حکیم ترمذی نوادر الاصول میں روایت ساتھ ابن عباس کے لائے ہیں کہ میں ایک دن ردیف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تھا یعنی پس پشت آنحضرت کے سوار تھا فرمایا کہ میں تجھ کو کئی چیزیں کہ نفع دینے والی ہیں تعلیم کروں میں نے کہا ضروری فرمایا: عَلَیْکَ بِالْعِلْمِ فَاِنَّ الْعِلْمَ خَلِیْلُ الْمُؤْمِنِ وَالْحِلْمُ وَزِیْرُهٗ وَالْعَقْلُ دَلِیْلُهٗ وَالرِّفْقُ اَخُوْهُ وَالصَّبْرُ اَمِیْرُ جُنُوْدِهٖ. یعنی لازم کر لے علم کو تحقیق علم دوست خیر خواہ مومن کا ہے اور حلم بمنزلہ وزیر اس کے ہے اور عقل بمنزلہ راہبر اس کے ہے اور رفق یعنی تواضع اور نرم خوئی بمنزلہ بھائی اس کے ہے کہ ہر وقت اس کے کام میں آتی ہے اور صبر بمنزلہ امیر اور سردار اس کے لشکر کے ہے کہ کوئی مہم بدون اعانت اس کی کے فتح نہیں ہوتی ہے۔

استعانت کے دو طریقے:

بخاری نے کتاب الادب میں اور ترمذی اور ابن ماجہ نے ساتھ روایت عبداللہ بن عمرؓ کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ جو مسلمان آدمیوں کے ساتھ ملا رہے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے بہتر ہے اس مسلمان سے کہ ان کی ایذاؤں پر صبر نہ کرے اور ان کی صحبت کو چھوڑ دے پس استعانت اس کی دو طریق سے ہے طریق پہلا کہ نصیب عوام کے ہے کہ جب کوئی حاجت درپیش آوے اور کوئی چارہ اس کا نہ جانے اور سرانجام اس کا نہ کر سکے اور واسطے حاصل ہونے اس مطلب کے مسجد میں جاوے اور دوگانہ ادا کرے اور دعا میں مشغول ہو اور اس طریق کو ترمذی اور دوسری صحاح نے اس وضع پر روایت کیا ہے کہ:

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ كَانَ لَهٗ حَاجَةٌ اِلَى اللّٰهِ اَوْاِلٰى اَحَدٍ مِنْ بَنِىْ اٰدَمَ فَلْيَتَوَضَّاْءُ وَلْيُحْسِنِ الْوُضُوْءَ ثُمَّ لِيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ ثُمَّ لِيُثْنِ عَلَى اللّٰهِ وَلْيُصَلِّ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ لِيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ اَسْئَلُكَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِكَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِكَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ كُلِّ بِرٍّ وَالسَّلَامَةَ مِنْ كُلِّ اِثْمٍ لَا تَدَعْ لِىْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِىَ لَكَ رِضًى اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ.

"یعنی کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو شخص کہ ہووے اس کو حاجت طرف اللہ کے یا طرف کسی آدمی کے پس چاہئے کہ وضو کرے اور اچھی طرح وضو کرے پھر چاہئے کہ پڑھے دو رکعتیں پس چاہئے کہ ثنا بھیجے اوپر اللہ کے اور چاہئے کہ درود بھیجے اوپر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پس چاہئے کہ کہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ سے آخر تک کا اور فائدہ اس طریق کی استعانت کا یہ ہے کہ آدمی کو کوئی حاجت دنیا کی حاجتوں میں سے اس کو اپنی طرف نہ کھینچے اور بیچ حاصل کرنے اسباب اس کے کے مستغرق نہ کرے اور باعث غفلت کا خدا کی طرف سے نہ ہوجاوے بلکہ پیش آنا حاجتوں دنیاوی کا اس کے حق میں حکم ادا کرنے نماز کا پکڑے اور نظر اس کی اور اسبابوں سے منقطع ہوکر خالص مسبب الاسباب کے ساتھ متعلق ہو۔

بیت

صنمارہ قلندر سزد ار بمن نمائی کہ دراز و دور دیدم رہ رسم پارسائی

پس یہ نماز حکم شغل کا رکھتی ہے جیسا کہ ذکر نفی و اثبات یا اسم ذات کہ واسطے برانگیختہ کرنے شوق اور دور کرنے خطروں کے تریاق مجرب ہے امام احمد اور ابوداؤد نے حذیفہ بن الیمان سے روایت کی ہے کہ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَحْزَنَهٗ اَمْرٌ فَزَعَ اِلَى الصَّلٰوةِ. یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب غم میں ہوتے تھے اور کوئی امر درپیش آتا تھا تو التجا کرتے تھے طرف نماز کے اور نسائی اور ابن ماجہ نے ساتھ روایت صہیب رومی کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ كَانَ الْاَ نْبِيَاءُ يَفْزَعُوْنَ اِذَا فَزَعُوْا فَزَعُوْا اِلَى الصَّلٰوةِ. اور ابن عساکر اور ابن ابی الدنیا ساتھ روایت ابی الدرداء کے لائے ہیں کہ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَانَتْ لَيْلَةُ رِيْحٍ كَانَ مَفْزَعُهٗ اِلَى الْمَسْجِدِ حَتّٰى تَسْكُنَ وَاِذَا حَدَثَ فِى السَّمَاءِ حَدَثٌ مِنْ كُسُوْفِ شَمْسٍ اَوْقَمَرٍ كَانَ مُفْزَعُهٗ اِلَى الصَّلٰوةِ حَتّٰى يَنْجَلِىَ. یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس وقت ہوتی تھی رات کو ہوا سخت واسطے اس کے التجا کرتے تھے طرف مسجد کے یہاں تک کہ ٹھہر جاتی تھی اور جس وقت پیدا ہوتا تھا آسمان میں کوئی حادثہ جیسا کہ گہن سورج یا چاند کا رجوع کرتے تھے آپ طرف نماز کے یہاں تک کہ صاف ہوجاتا تھا۔

فاقہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

محب الدین طبری ساتھ روایت ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لایا ہے کہ جس وقت آنحضرتؐ کے گھر میں فاقہ ہوتا تھا اور رات کو کچھ نہ کھاتے تھے اور بھوک غلبہ کرتی تھی تو بار بار مسجد میں جاتے تھے اور نماز میں مشغول ہوتے تھے۔ (تفسیر عزیزی)

وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ
اور البتہ وہ بھاری ہے مگر انہی عاجزوں پر جن کو
يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ
خیال ہے کہ وہ روبرو ہونے والے ہیں اپنے رب کے اور یہ کہ ان کو اسی کی
رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾
طرف لوٹ کر جانا ہے

نماز خاشعین پر آسان ہے:

یعنی صبر اور نماز حضور دل سے بہت بھاری ہے مگران پر آسان ہے جو عاجزی کرتے ہیں اور ڈرتے ہیں جن کا خیال اور دھیان یہ ہے کہ ہم کو خدا کے روبرو ہونا اور اس کی طرف پھر جانا ہے (یعنی نماز میں خدا کا قرب اور گویا اس سے ملاقات ہے) یا قیامت میں حساب و کتاب کے لئے روبرو جانا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

آنکھوں کی ٹھنڈک اور معراج:

فخر موجودات سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ جُعِلَتْ قُرَّةُ عَيْنِىْ فِى الصَّلٰوةِ. (یعنی میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے) اس حدیث کو حاکم اور نسائی نے روایت کیا ہے۔ (اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ) (کہ ضرور وہ اپنے رب سے ملنے والے) یعنی وہ اس کی توقع رکھتے ہیں کہ اپنے رب کو آخرۃ میں دیکھنے والے ہیں سچ ہے کہ نماز مؤمن کی معراج ہے بندہ کے لئے

رویت باری تعالیٰ کا وسیلہ بن جاتی ہے۔ چنانچہ حق تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا﴾

(یعنی اور رات کے کچھ حصے میں تہجد پڑھو یہ تمہارے لئے فرض زائد ہے۔عنقریب تمہیں تمہارا رب مقام محمود میں کھڑا کرے گا)

جنت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قرب کا عمل:

ربیعہ بن کعبؓ سے مروی ہے کہ میں سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب سویا کرتا تھا ایک رات کا ذکر ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس وضو کا پانی اور بعض حاجت کی چیزیں لایا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مانگ کیا مانگتا ہے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں چاہتا ہوں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنت میں رہوں فرمایا اس کے سوا کچھ اور۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ بس یہی۔ فرمایا اگر یہی مطلوب ہے تو یہ ہمت کر کہ کثرت سے سجدے کیا کر۔ (یعنی کثرت سے نوافل پڑھا کر) اس کو مسلم نے روایت کیا۔

سب سے زیادہ قرب والی حالت:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب حالتوں میں سجدہ کی حالت خدا تعالیٰ سے زیادہ قرب کی ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ﴿اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ﴾ میں لقاء سے حشر اور معاملہ خداوندی مراد ہے۔ ﴿وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ﴾ (اور بلاشبہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں) ﴿تفسیر مظہری﴾

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ
اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے احسان جو میں نے
عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾
تم پر کئے اور اس کو کہ میں نے تم کو بڑائی دی تمام عالم پر

تقویٰ کا آسان طریقہ:

چونکہ تقویٰ اور کمال ایمان کا حاصل کرنا صبر وحضور واستغراق عبادات کے ذریعہ سے دشوار تھا۔ اس لئے اس کا سہل طریقہ تعلیم فرماتے ہیں اور وہ شکر ہے۔ اس وجہ سے حق تعالیٰ اپنے احسانات وانعامات جوان پر وقتاً فوقتاً ہوئے تھے ان کو یاد دلاتا ہے اور ان کی بدکرداریاں بھی ظاہر فرماتا ہے۔ انسان بلکہ حیوانات تک میں یہ مضمون موجود ہے کہ اپنے منعم کی محبت اور اس کی اطاعت دل نشین ہو جاتی ہے اور چند رکوع میں اس مضمون کو شرح وبسط کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے۔

فائدہ: اہل عالم پر فضیلت کا یہ مطلب ہے کہ جس وقت سے بنی اسرائیل کا وجود ہوا تھا اس وقت سے لے کر اس خطاب کے نزول تک تمام فرقوں سے افضل رہے کوئی ان کا ہم پلہ نہ تھا' جب انہوں نے نبی آخر الزمان اور قرآن کا مقابلہ کیا تو وہ فضیلت بالکل جاتی رہی اور ﴿الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ﴾ اور ضلال کا لقب عنایت ہوا۔ اور حضورؐ کے متبعین کو ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ﴾ کا خلعت ملا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اس امت کی فضیلت:

مسانید اور سنن میں مروی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم سترویں امت ہو اور سب سے بہتر اور بزرگ ہو۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اللہ کی نعمتوں اور اپنی تقصیروں کو یاد کرو:

شکر نعمتہائے تو چندانکہ نعمتہائے تو   عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

اور حیاء ایمان کا ایک درمیانی اور مرکزی شعبہ ہے جس پر ایمان کے باقی شعبے گھومتے ہیں۔ چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں ﴿يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾۔ اے بنی اسرائیل یاد کرو تم میری ان خاص خاص نعمتوں کو جن کا میں نے خاص تم پر انعام کیا اور پھر اپنی جناتیوں پر نظر کرو کہ کیا ان نعمتوں کا یہی حق تھا جو تم کر رہے ہو اور ہماری اس تذکیر اور یاد دھانی کی نعمت کو بھی یاد کرو کہ ہم نے تم کو خواب غفلت سے جگایا۔

حضرت یعقوب علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمہارے ہی خاندان سے انبیاء مبعوث ہوتے رہے اور توریت اور انجیل اور زبور سب تمہارے ہی خاندان میں نازل ہوئی۔ تمہارا ہی خاندان نبوت ورسالت اور امامت اور حکمت کا مخزن رہا۔ غرض یہ کہ اس وقت تک تم ہی کو تمام عالم پر بزرگی اور برتری اور فضیلت حاصل رہی اب وقت آیا کہ وہ نبی آخر الزمان ظاہر ہوں کہ جن کی تمام انبیاء ومرسلین حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام خبر دیتے چلے آئے لہٰذا اگر تم کو اپنی فضیلت اور بزرگی کو باقی رکھنا منظور ہو تو فوراً محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاؤ اور دل وجان سے ان کی اعانت اور امداد کرو۔ اور جس طرح قارون اور سامری نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخالفت کر کے خاندان یعقوبی کے شرف کو ضائع کیا تم بھی قارون اور سامری کی

طرح محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کر کے اپنی فضیلت اور بزرگی اور اپنے شرف اور منصب کو ضائع نہ کرو۔ اگر تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لاتے ہو تو تم اپنی سابق فضیلت اور گزشتہ منصب پر قائم ہو بلکہ تم سے دو اجر کا وعدہ ہے اور اگر تم ایمان لانے سے انحراف کرتے ہو تو سمجھ لو کہ تم اپنے منصب سے معزول ہو۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِیْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ
اور ڈرو اس دن سے کہ کام نہ آئے کوئی شخص کسی کے کچھ بھی
شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ
اور قبول نہ ہو اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے
مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾
اس کی طرف سے بدلا اور نہ ان کو مدد پہنچے

بنی اسرائیل کے مزعومات کی تردید:

جب کوئی کسی بلا میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس کے رفیق اکثر یہی کیا کرتے ہیں کہ اول تو اس کے ادائے حق لازم میں کوشش کرتے ہیں یہ نہیں ہو سکتا تو سعی و سفارش سے بچانے کی تدبیر کرتے ہیں یہ بھی نہ ہو سکے تو پھر تاوان وفد یہ دے کر چھڑاتے ہیں اگر یہ بھی نہیں ہو سکتا تو بالآخر اپنے مددگاروں کو جمع کر کے بزور پرخاش اس کی نجات کی فکر کرتے ہیں۔ حق تعالیٰ نے اسی ترتیب کے موافق ارشاد فرمایا کہ کوئی شخص کو کیسا ہی مقرب خداوندی ہو مگر کسی نافرمان عدو اللہ کافر کو منجملہ چاروں صورتوں کے کسی صورت سے نفع نہیں پہنچا سکتا۔ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ ہم کیسے ہی گناہ کریں ہم پر عذاب نہ ہوگا۔ ہمارے باپ دادا جو پیغمبر ہیں ہمیں بخشوالیں گے سو خدائے تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ خیال تمہارا غلط ہے اس سے اس شفاعت کا انکار نہیں نکلتا جس کے اہل سنت قائل ہیں اور جو دیگر آیات میں مذکور ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

کافروں سے عذاب دور کرنے کی کوئی صورت نہ ہوگی:

کسی پر عذاب دور کرنے کی چند صورتیں ہوا کرتی ہیں یا تو زبردستی اس سزا دینے والے کے ہاتھ سے چھڑائے جسے نصرۃ (مدد) کہتے ہیں یا زبردستی تو نہیں کر سکتے مگر کسی کے کہنے سے اسے مفت چھوڑ دیا جاتا ہے۔ اسے شفاعت کہتے ہیں یا جو اس کے ذمے ہو وہ ادا کر دیا جاتا ہے یہ جزا ہے یا جو اس کے ذمے ہے وہ تو ادا نہیں کیا مگر اس کا بدل دیدیا یہ عدل ہے اللہ تعالیٰ نے ان سب صورتوں کی نفی فرمادی تو حاصل یہ ہوا کہ قیامت میں کوئی بھی کسی کافر سے کسی تدبیر کے ساتھ عذاب دفع نہ کر سکے گا۔

شان نزول:

شان نزول اس آیۃ کا یہ ہوا تھا کہ یہود دعویٰ کرتے تھے کہ ہمارے باپ دادا ہماری شفاعت کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان باطل کو رد فرمادیا۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ
اور یاد کرو اس وقت کو جبکہ رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں
سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ
سے جو کرتے تھے تم پر بڑا عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں
نِسَآءَكُمْ ؕ
کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو

فرعون کا خواب اور ظلم:

فرعون نے خواب دیکھا تھا۔ نجومیوں نے اس کی تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو تیرے دین اور سلطنت کو غارت کردے گا۔ فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو بیٹا پیدا ہو اس کو مار ڈالو اور جو بیٹی ہو اسکو خدمت کیلئے زندہ رہنے دو خدائے تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا اور زندہ رکھا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فرعون نے ایک وحشت ناک خواب دیکھا تھا کہ بیت المقدس سے ایک آگ نکلی ہے جس نے مصر کا احاطہ کرلیا ہے۔ ہر قبطی کے گھر میں داخل ہوتی ہے اور اس کو جلاتی ہے بنی اسرائیل سے کوئی تعرض نہیں کرتی کاہنوں نے اس کی یہ تعبیر دی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا پیدا ہوگا جو تیرے اور تیری قوم اور تیری سلطنت کے زوال کا باعث ہوگا اس لئے فرعون نے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو اس کو قتل کر دیا جائے۔ اس زمانہ میں نجوم کا بڑا چرچا تھا اور نجومیوں کو خواب کی تعبیر کا بھی ملکہ تھا اسی زمانہ میں موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے خدا کی قدرت کا کرشمہ دیکھو کہ فرعون ہی کے گھر میں موسیٰ علیہ السلام کی پرورش کرائی۔

در بہ بست و دشمن اندر خانہ بود　　　قصۂ فرعون زین افسانہ بود

قبطیوں کی درخواست:

قبطیوں کے رئیسوں نے یہ حالت دیکھ کر فرعون سے کہا کہ بنی اسرائیل کے بچے تو آپ کے حکم سے مارے جاتے ہیں اور بوڑھے اپنی موت مر رہے ہیں اگر یہی حالت رہی تو بنی اسرائیل بالکل نیست و نابود ہو جائیں گے اور ساری بیگار ہم پر آ پڑے گی اور کوئی مزدور و بیگاری ہمیں نہ مل سکے گا۔ فرعون نے یہ بات سن کر حکم دیا کہ اچھا ایک سال تو بچے قتل کئے جائیں۔ اور ایک سال چھوڑ دیئے جائیں۔ تقدیر الٰہی سے حضرت ہارون اس سال پیدا ہوئے۔ جس میں بچوں کو چھوڑا جاتا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس وقت رونق افروز عالم ہوئے جس میں بچوں کو قتل کیا جاتا تھا۔

فرعون کی ہلاکت کی تیاری:

جب فرعون کے ہلاک ہونے کا زمانہ قریب آیا اور حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کو لے کر چلے جاؤ تو موسیٰ علیہ السلام نے سب کو کہہ دیا کہ راتوں رات یہاں سے چل نکلو اور کوچ کا سب سامان اپنے اپنے گھروں کے اندر ہی کریں حتیٰ کہ گھوڑوں کے زین بھی اندر ہی اندر کسیں۔ تاکہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَفِیْ ذٰلِکُمْ بَلَآءٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ عَظِیْمٌ ﴿۴۹﴾
اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی

بلاء کا معنی:

بلاء کے چند معنی آتے ہیں اگر ذالکم کا اشارہ ذبح کی طرف لیا جائے تو اس کے معنی مصیبت کے ہوں گے اور اگر نجات کی طرف اشارہ ہے تو بلاء کے معنی نعمت کے ہوں گے اور مجموعہ کی طرف ہو تو امتحان کے معنی لئے جائیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

عاشورہ کا روزہ:

مسند احمد میں حدیث ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ میں تشریف لائے تو دیکھا کہ یہودی عاشورے کا روزہ رکھتے ہیں۔ پوچھا کہ تم اس دن کا روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے کہا اس لئے کہ اس مبارک دن میں بنی اسرائیل فرعون کے ہاتھوں سے چھوٹے اور ان کا دشمن غرق ہوا جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ نے یہ روزہ رکھا۔ آپؐ نے فرمایا تم سے بہت زیادہ حقدار موسیٰ کا میں ہوں۔ پس حضورؐ نے خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم دیا۔ بخاری، مسلم ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وَاِذْ فَرَقْنَا بِکُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰکُمْ وَاَغْرَقْنَآ
اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچا دیا ہم نے تم
اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾
کو اور ڈبا دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے

فرعون کی ہلاکت اور اپنے آباؤ اجداد کی نجات کو یاد کرو:

یعنی یاد کروائے بنی اسرائیل اس نعمت عظیم کو کہ جب تمہارے باپ دادا فرعون کے ڈر سے بھاگے اور آگے دریا پیچھے فرعون کا لشکر تھا اور ہم نے تم کو بچا لیا اور فرعون اور اس کے لشکر کو غرق کر دیا۔ یہ قصہ آئندہ مفصل آئے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فرعونیوں کی موت:

قبطیوں میں ایسی مری پڑی کہ بہت سے آدمی ان کے مر گئے اور وہ صبح تک بلکہ طلوع شمس تک ان کے کفن ہی میں لگے رہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام چھ لاکھ یا زیادہ بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکلے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جب مصر میں آئے تھے تو کل بہتر آدمی ان کے ساتھ تھے (اب اتنا سلسلہ ان کا بڑھا) القصہ یہ سب کے سب ابھی حدود مصر سے نکلے بھی نہ تھے کہ ایک میدان ایسا بے پایاں دکھائی دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حیران رہ گئے کہ کس طرف چلیں بوڑھے بوڑھے لوگوں کو بلا کر پوچھا کہ کیا تدبیر کرنی چاہئے انہوں نے عرض کیا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات ہونے لگی تو انہوں نے بھائیوں کو بلا کر وصیت کی تھی کہ جب تم مصر سے نکلو تو مجھے ساتھ لے کر نکلنا میرے بغیر یہاں سے نہ نکلنا تو یہ اس وصیت کا اثر ہے کہ اب ہم راہ بھول گئے جب تک ان کا جسد مبارک اپنے ساتھ نہ لیں گے راستہ نہ ملے گا حضرت موسیٰ نے ان کی قبر کا پتہ دریافت کیا تو سب نے کہا ہمیں خبر نہیں ان کی قبر کہاں ہے پھر آپ نے پکار کر کہا میں خدا کی قسم دیتا ہوں کہ جو تم میں سے یوسف علیہ السلام کی قبر سے واقف ہو وہ مجھے بتلا دے اور جو نہ جانتا ہو اس کے کانوں میں میری آواز نہ پہنچے۔ اللہ کی قدرت کہ آپ کی آواز کو ایک بوڑھیا کے سوا اور کسی نے نہ سنا اس نے کہا اگر میں تمہیں بتا دوں تو جو مانگوں گی وہ مجھے دو گے؟ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا میں اپنے پروردگار سے پوچھ لوں اگر حکم ہوا تو تجھ سے وعدہ کر لوں گا جناب باری سے ارشاد ہوا کہ موسیٰ! تم اس سے وعدہ کر لو کہ جو مانگے گی دیں گے اور اس سے پوچھو پوچھا کیا مانگتی ہے بڑھیا نے کہا دو چیزیں مانگتی ہوں ایک دنیا کی ایک آخرت۔ دنیا کی تو یہ ہے کہ مجھ سے چلا نہیں جاتا مجھے تم یہاں سے کسی طرح لے چلو اور آخرت کی یہ ہے کہ جنت میں جس بالا خانہ پر آپ

تشریف لے جائیں میں بھی آپ کے ساتھ ہوں۔

بڑھیا کا کارنامہ:

موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا دونوں باتیں منظور بڑھیا نے کہا یوسف علیہ السلام کی قبر دریائے نیل کے بیچ میں ہے۔ یہ سن کر آپ نے جناب باری میں عرض کیا دریا پھٹ گیا قبر شریف ظاہر ہوگئی آپ نے وہاں سے تابوت نکلوا کر لدوا دیا اور پھر ملک شام میں لا کر دفن کیا۔ حاصل کلام یہ کہ راستہ مل گیا اور وہاں سے چلے حضرت موسیٰ سب سے پیچھے اور ہارون علیہ السلام آگے آگے تھے ادھر تو یہ گزری۔ اب فرعون کی سنئے کہ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل نکل گئے قوم کو حکم دیا کہ مرغ کے بولتے ہی بنی اسرائیل کی تلاش میں چل نکلو خدا کی قدرت اس رات کوئی مرغ ہی نہ بولا۔ صبح کو فرعون اور اس کے آگے آگے ہامان ایک کروڑ سات لاکھ آدمی لے کر نکلا ستر ہزار سیاہ گھوڑے بھی ہمراہ تھے بنی اسرائیل ابھی دریا ہی تک پہنچے تھے کہ دن نکل چکا تھا اور دریا خوب زناٹے سے بہہ رہا تھا کہ دیکھتے کیا ہیں فرعون مع اپنی قوم کے پیچھا کئے چلا آرہا ہے۔ پاؤں تلے کی مٹی نکل گئی اور حیران رہ گئے۔

فرعون کی سنئے کہ کیا گت ہوئی جب اس نے دیکھا کہ دریا پھٹا ہوا ہے اور راستے بنے بنائے موجود ہیں تو اپنے لوگوں سے فخر یہ کہنے لگا کہ دیکھو دریا میرے خوف سے اس لئے پھٹ گیا کہ اپنے گئے ہوئے بندوں کو پکڑ لوں فرعون ایک سیاہ گھوڑے پر سوار تھا اور سارے لشکر میں گھوڑے تھے گھوڑی نہ تھی۔ حضرت جبریل علیہ السلام بحکم الٰہی بصورت انسان گھوڑی پر سوار ہو کر آئے اور فرعون کے آنے سے پہلے دریا میں گھس گئے۔ دریا کا پاٹ چار فرسخ تھا۔ بعض نے کہا بحر قلزم میں ڈبویا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ
اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا
اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾
پھر تم نے بنا لیا بچھڑا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے

اپنی بے انصافی یاد کرو: اور یہ قصہ اور احسان بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ ہم نے توریت عطا فرمانے کا وعدہ موسیٰ سے چالیس دن رات کا کیا اور ان کے طور پر تشریف لے جانے کے بعد بنی اسرائیل نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی اور تم بڑے بے انصاف ہو کہ بچھڑے کو خدا بنا لیا۔ مفصل یہ قصہ آئندہ آئے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

موسیٰ کا معنی اور وجہ تسمیہ:

اور موسیٰ علیہ السلام اصل لغت میں عبرانی ہیں کہ اصل اس کی میشا تھی می بمعنی پانی کے ہیں اور شا بمعنی درخت کے اور چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فرعون نے نہر میں درختوں کے نیچے پایا تھا یہ نام ان کے واسطے مقرر کیا اور عربی زبان میں ما کو واؤ کے ساتھ اور شین کو سین کے ساتھ بدل دیا۔ موسیٰ ہوا۔

چالیس کے عدد کی خصوصیت:

حدیث میں آیا ہے کہ مَنْ اَخْلَصَ لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا ظَهَرَتْ يَنَابِيْعُ الْحِكْمَةِ مِنْ قَلْبِهٖ عَلٰى لِسَانِهٖ یعنی جو شخص کہ خالص کرے اللہ کے واسطے چالیس دن ظاہر ہوں گے چشمے حکمت کے دل اس کے سے اوپر زبان اس کی کے اور بھی آیا ہے کہ:

خُمِّرَتْ طِيْنُ اٰدَمَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا کہ خمیر کیا گیا مٹی آدم کو چالیس دن اور یہ بچہ آدمی کا پیٹ میں اتنی ہی مدت میں ایک حال سے دوسرے حال کو انتقال کرتا ہے چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے اور چالیس دن تک خون بستہ اور چالیس دن تک گوشت کا ٹکڑا بعد اس کے قابل نفخ روح الٰہی کا ہوتا ہے اور اسی جگہ سے ہے کہ تمام صوفیاء رحمۃ اللہ علیہم نے چلہ کو ریاضت اور خلوت کے واسطے مقرر کیا ہے۔ ﴿تفسیر عزیزی﴾

حضرت آدم کی مٹی کا خمیر چالیس دن تک کیا گیا اور حدیث میں ہے کہ بطن مادر میں چالیس روز تک نطفہ رہتا ہے پھر چالیس روز تک علقہ (خون بستہ) پھر چالیس روز تک مضغہ یعنی پارۂ گوشت اس کے بعد روح پھونکی جاتی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس عدد کو عروج اور ترقی سے کوئی خاص مناسبت ہے پس جس طرح جسمانی عروج اور ترقی کے لئے چالیس کا عدد منتخب ہوا اسی طرح حق جل شانہ نے اپنی اس قدیم سنت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باطنی اور روحانی عروج اور ترقی کے لئے چالیس کا عدد خاص فرمایا:

سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ ۚ

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو چالیس دن تک عمل خالص اللہ کیلئے کرے تو علم اور حکمت کے چشمے اس کے قلب سے نکل کر اس کی زبان پر جاری ہو جائیں گے۔ (رواہ زین العبدری ترغیب وترہیب ص۲۵ ج۱)

بینی اندر خود علوم اولیاء   بے کتاب و بے معید و اوستا

اور اسی طرح نبوت ورسالت پیغمبری اور بعثت کے لئے چالیس کا عدد خالص کیا گیا۔ علاوہ ازیں اصل عمر انسان کی چالیس سال ہے اس کے بعد

انحطاط اور زوال ہے جیسا کہ ﴿حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّہٗ وَبَلَغَ اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً﴾ (سورۂ احقاف) سے معلوم ہوتا ہے۔

اسی وجہ سے حضرات اہل اللہ (حَشَرَنَا اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ زُمْرَتِهِمْ وَاَمَاتَنَا عَلٰی حُبِّهِمْ وَسِيْرَتِهِمْ اٰمِيْن) نے مجاہدہ اور ریاضت خلوت اور عزلت کے لئے چلہ تجویز فرمایا۔ حافظ شیرازی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

شنیدم رہروے در سرزمینے ہمی گفت ایں معما با قرینے

کہ اے صوفی شراب آنگہ شود صاف کہ در شیشہ بماندار بعینے

﴿معارف کاندھلویؒ﴾

رات کی خصوصیت: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا﴾

عرب کا طریقہ یہ تھا کہ جب سفر کرتے تو رات کو چلتے اور دن کو ٹھہرتے اس لئے کہ رات میں راستہ جلد قطع ہو جاتا ہے اسی طرح سیر الی اللہ کے لئے رات کو خاص کیا گیا تا کہ سالک جلد منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ
پھر معاف کیا ہم نے تم کو اس پر بھی تا کہ
تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾
تم احسان مانو

گناہ کے بعد تمہیں معاف کر دیا:

مطلب یہ ہے کہ باوجود اس شرک جلی کے ہم نے تم سے درگذر فرمائی اور تمہاری توبہ منظور کی اور تم کو فی الفور ہلاک نہ کیا (جیسے آل فرعون کو اس سے کم قصور پر ہلاک کر دیا تھا) کہ تم ہمارا شکر ادا کرو اور احسان مانو۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

نعمت کا شکر:

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس نعمت کو منعم حقیقی کی رضا میں صرف کیا جائے بعض نے کہا ہے کہ شکر کی حقیقت شکر سے عجز کا ظاہر کرنا ہے علامہ بغوی فرماتے ہیں منقول ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بارگاہ باری تعالیٰ میں عرض کرتے تھے خداوند مجھے آپ نے سینکڑوں نعمتیں عطا فرمائیں اور مجھے آپ نے ان نعمتوں پر شکر ادا کرنے کا بھی حکم فرمایا مگر اے پروردگار میرا کسی نعمت پر شکر ادا کرنا بھی تو تیری ہی نعمت ہے ارشاد ہوا موسیٰ! تم بڑے عالم ہو تم سے زیادہ اس زمانے میں کسی کا علم نہیں یاد رکھو میرے بندہ کو شکر اتنا ہی کافی ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھے کہ جو نعمت ہے وہ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ
اور جب ہم نے دی موسیٰ کو کتاب اور حق کو ناحق سے جدا کرنے
لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾
والے احکام تا کہ تم سیدھی راہ پاؤ

کتاب اور فرقان:

کتاب تو توریت ہے اور فرقان فرمایا ان احکام شرعیہ کو جن سے جائز ناجائز معلوم ہوا یا فرقان کہا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزوں کو جن سے جھوٹے سچے اور کافر و مومن کی تمیز ہو یا توریت ہی کو کہا کہ وہ کتاب بھی ہے اور اس سے حق اور ناحق بھی جدا ہوتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ
اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے

قوم سے مراد خاص وہ لوگ ہیں جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ کیا۔

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ
اے قوم تم نے نقصان کیا اپنا یہ بچھڑا بنا کر سو اب
الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ
توبہ کرو اپنے پیدا کرنیوالے کی طرف اور مار ڈالو اپنی اپنی جان

بنی اسرائیل کی توبہ:

یعنی جنہوں نے بچھڑے کو سجدہ نہ کیا تھا وہ سجدہ کرنے والوں کو قتل کریں۔ اور بعض کا قول ہے کہ بنی اسرائیل میں تین گروہ تھے۔ ایک وہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہ کی اور دوسروں کو بھی روکا۔ دوسرے وہ جنہوں نے گوسالہ کو سجدہ کیا۔ تیسرے وہ جنہوں نے خود تو سجدہ نہ کیا مگر دوسروں کو منع بھی نہ کیا۔ فریق دوئیم کو حکم ہوا کہ مقتول ہو جاؤ۔ تیسرے فریق کو حکم ہوا کہ ان کو قتل کرو تا کہ ان کے سکوت کرنے کی توبہ ہو جائے۔ فریق اول اس توبہ میں شریک نہیں ہوئے۔ کیونکہ ان کو توبہ کی حاجت نہ تھی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (اور ہلاک کر ڈالو اپنی جانیں)

مطلب یہ ہے کہ توبہ کی تکمیل کے لئے تم میں سے جو بری ہیں وہ مجرموں کو قتل کریں اس تقریر پر یہ قتل توبہ کا تتمہ ہوگا اور خود توبہ نہ ہوگی اور یہ بھی ممکن ہے کہ فاتفسیر کے لئے ہو اس کے موافق یہ قتل ہی خود توبہ ہوگا اور آیۃ کے معنے یہ ہونگے کہ تم اپنے لوگوں کو قتل کردو یہی توبہ ہے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

شرک کرنے والوں کی توبہ:

مفسرین نے لکھا ہے کہ جن جن لوگوں نے بچھڑے کی پرستش کی تھی ان کو اپنے گھروں سے باہر دروازہ پر نیچے ہوکر بیٹھنے کا حکم ہوا اس طرح کہ اپنے سروں کو جھکا کر اپنے زانو پر رکھ لیں اور جنہوں نے کہ بچھڑے کی پرستش نہیں کی تھی ان کو حضرت ہارون علیہ السلام کے ساتھ تلوار لے کر نکلنے کا حکم ہوا تا کہ یہ ان پرستش کرنے والوں کو قتل کریں۔ اب چونکہ قتل ہونے والوں میں قتل کرنیوالوں کے باپ بھائی بھتیجے بھانجے عزیز دوست تھے۔ اس لئے قتل کرنے میں ان کو طبعی شفقت کے باعث تردد ہوا اور ہاتھ رکا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک سیاہ غبار بھیج دیا اور اس قدر تاریکی چھا گئی کہ کوئی کسی کو دیکھ نہ سکتا تھا اور اسی اندھیرے میں قتل شروع ہوا۔ مفسرین نے لکھا ہے کہ صبح سے شام تک ستر ہزار آدمی قتل ہوئے۔ عورتیں اور بچے بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فریاد کرنے لگے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی رحم آیا اور سر برہنہ کر کے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اس پر حکم الٰہی ہوا کہ اچھا ہم نے مرے ہوئے اور زندوں کی سب کی توبہ قبول کی۔ جو مارا گیا اس کو شہید کا اجر دیا اور جو زندہ رہا اس کی بھی توبہ قبول ہوئی اور اس کو جہاد کا ثواب دیا۔ اس طرح آپس میں باپ بیٹوں اور بھائیوں میں قتل وخون موقوف ہوا اور خدائے تواب الرحیم نے ساری قوم کو اس گوسالہ پرستی کے جرم عظیم سے معاف فرمایا۔

خلاصہ آیات:

خلاصہ یہ کہ ان آیات میں حق تعالیٰ نے یہود کو ان کی قوم بنی اسرائیل پر کیا ہوا ایک احسان اور جتلایا کہ تمہاری قوم نے ایک بچھڑے کی پرستش شروع کردی تھی۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس جرم سے بھی درگزر کیا اور مقصود اس سے وہی تبلیغ اسلام ہے تا کہ یہود مدینہ اللہ تعالیٰ کے احسانات وانعامات اپنی قوم پر سن کر اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اختیار کرلیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر اسلام قبول کرلیں۔

بعض بنی اسرائیل کی گستاخی:

ایک روایت تو یہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے توریت لا کر پیش کی کہ یہ کتاب ہے اللہ تعالیٰ کی تو بعض گستاخ بنی اسرائیلیوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دیں کہ یہ ہماری کتاب ہے۔ تو بے شک ہم کو یقین آجائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے باذن الٰہی فرمایا کہ چلو کوہ طور پر یہ بات بھی ہوجائے گی۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے اپنی قوم سے ستر آدمی اس کام کے لئے منتخب کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر روانہ کئے۔ وہاں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا کلام ان لوگوں نے خود سنا تو اس وقت اور رنگ لائے کہ ہم کو تو کلام سننے سے قناعت نہیں ہوتی۔ نہ معلوم کون بول رہا ہوگا اگر خدا کو ہم دیکھ لیں تو بیشک مان لیں۔ چونکہ دنیا میں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کی قوت نہیں رکھتا اس لئے اس گستاخی پر ان پر بجلی آپڑی اور سب ستر آدمی ہلاک ہوگئے۔ دوسری روایت یہ لکھی ہے کہ واقعہ قتل اور قبولیت توبہ کے بعد جس کا ذکر گزشتہ درس میں ہوا موسیٰ علیہ السلام نے باذن الٰہی ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لے جانے کے لئے منتخب فرمایا تا کہ گوسالہ پرستی کی معذرت کریں۔ سب نے روزہ رکھا غسل کیا اور عمدہ کپڑے پہنے۔ جب کوہ طور پر پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ بارگاہ خداوندی میں عرض کیجئے کہ ہمیں اپنا کلام پاک سنائے۔ تھوڑی دیر میں ایک ابر نورانی ظاہر ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام اس میں غرق ہوگئے اور بنی اسرائیل نیچے کھڑے رہے۔ سب نے اللہ کا کلام سنا۔ جب کلام الٰہی ختم ہوگیا اور موسیٰ علیہ السلام اس ابر سے باہر آئے اور دریافت کیا کہ تم نے کلام الٰہی سنا۔ تو اس پر یہ کہا کہ ہم تو کلام الٰہی ہونے کا اس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک کہ اعلانیہ طور پر خدا کو نہ دیکھ لیں اس طرح کہ ہمارے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہ ہو۔ اس گستاخی پر ان پر بجلی آگری اور وہ سب ہلاک ہوگئے۔ (درس محمد احمد)

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ
یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر

قتل نفس توبہ تھی یا توبہ کا تتمہ:

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ مقتول ہوجانا ہی توبہ تھی یا توبہ کا تتمہ تھا جیسا کہ ہماری شریعت میں قاتل عمد کی توبہ کے مقبول ہونے کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اپنے آپ کو وارثان مقتول کے حوالے کردے ان کو اختیار ہے بدلہ لیں یا معاف کریں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قتل کیسے بہتر ہے:

ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ : (یہی قتل) بہتر ہے تمہارے حق

میں تمہارے خالق کے نزدیک) اور اس قتل کے بہتر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ قتل شرک سے پاک کرنے اور حیات ابدی وسرور سرمدی تک پہنچنے کا ذریعہ ہے۔اس حکم الٰہی کے پہنچتے ہی موسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمان واجب الاذعان قوم کے گوش گزار کیا سب نے یہ حکم سن کر عرض کیا کہ ہم اپنے مولیٰ کے حکم پر دل سے صابر ہیں سب کے سب ایک صحن میں اپنی چادروں سے گوٹ مار کر سر جھکا کر بیٹھ گئے۔حکم ہوا کہ اگر کوئی اپنی گوٹ کھولے یا نگاہ اٹھا کر قاتل کو دیکھے یا ہاتھ پیر کے ذریعہ سے بچے تو وہ ملعون ہے۔اور اس کی توبہ مقبول نہ ہوگی۔سب نے حکم الٰہی کی تعمیل کی اور اپنی اپنی گردنیں کھول دیں۔مجرمین میں ان قاتلین کے عزیز واقارب بھی تھے کوئی کسی کا باپ کوئی بیٹا۔کوئی بھائی' کوئی قریبی رشتہ دار' کوئی دوست تھا۔جب امتثال حکم الٰہی کے لئے تلوار اٹھائی تو فرط محبت وشفقت کی وجہ سے تلوار ہاتھ سے چھوٹ گئی اور حق تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ ہوسکی۔سب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا یا نبی اللہ اب ہم کیا کریں ہم تو مغلوب ہوگئے حق تعالیٰ نے آسمان سے ایک ابر سیاہ بھیجا کہ اس سے تاریکی چھا گئی کہ کوئی ایک دوسرے کو نہ دیکھتا تھا۔القصہ قتل شروع ہوا اور کئی روز تک یہ قتل رہا صبح سے شام تک برابر قتل کرتے تھے جب بنی اسرائیل کثرت سے مقتول ہوئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام نے بارگاہ الٰہی میں رو رو کر دعا فرمائی کہ خداوندا: بنی اسرائیل یک لخت ہلاک ہوئے جاتے ہیں اب اپنا رحم فرمایئے حق تعالیٰ نے اس سیاہ ابر کو ہٹا دیا اور حکم بھیجا کہ اب قتل نہ کریں جب ابر کھلا تو دیکھا گیا کہ ہزاروں آدمی مارے گئے۔حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی۔یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بہت غم ہوا حق تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ موسیٰ! کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ میں قاتل اور مقتول دونوں کو جنت میں داخل کروں اور جو قتل ہوئے انہیں شہادت کا مرتبہ دوں اور جو باقی رہیں ان کے گناہ معاف کردوں۔

قبول توبہ:

جب بنی اسرائیل نے یہ طریق توبہ کا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تھا قبول کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے عہد اور پیمان محکم لیا کہ بچھڑے کے پوجنے والے اپنے گھروں سے بے ہتھیار اور بغیر خود اور زرہ کے آویں اور اوپر درازوں اپنے کے زانو مار کر بیٹھ جاویں اور پٹھیں اپنی زانوؤں سے باندھ لیں اور سروں اپنے کو زانو پر رکھ لیویں اور زخم تلوار کا اپنے سر پر لیویں اور زانو بند نہ کھولیں اور بدن کو نہ ہلاویں اور ہاتھ اور پاؤں نہ ماریں اور جو کوئی ان شرطوں سے عدول کرے گا تو یہ اس کی قبول نہیں بعد اس کے جب دوسرا دن ہوا صبح کے وقت حضرت ہارون کو فرمایا کہ بارہ ہزار آدمیوں کو بنی اسرائیل میں سے کہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہ کی تھی اور بیچ انکار اس فعل قبیح کے حضرت ہارون کے شریک رہے تھے شمشیر برہنہ ان کی کروا کر لے جاؤ اور قتل کرنا ان کا شروع کرو اور آپ ایک مکان بلند پر کھڑے ہو کر آواز کرتے تھے کہ یَا مَعَاشِرَ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ اِنَّ اَخْوَانَكُمْ اَتَوْكُمْ شَاهِرِیْنَ سُیُوْفَهُمْ یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّقْتُلُوْكُمْ فَاتَّقُوْا اللّٰهَ وَاصْبِرُوْا۔ یعنی اے گروہ بنی اسرائیل کے تحقیق بھائی تمہارے آئے تمہارے اوپر تلواریں کھینچے ہوئے چاہتے ہیں کہ قتل کریں تم کو پس ڈرو تم اللہ تعالیٰ سے اور صبر کرو اور حسن بصریؒ سے منقول ہے کہ تین گروہ بنی اسرائیل میں سے دو گروہ کو یہ حکم ہوا تھا کہ آپس میں قاتل اور مقتول ہوویں جنہوں نے گوسالہ پرستی کی تھی ان کو حکم تھا کہ مقتول ہوں اور جنہوں نے نہ پرستش کی تھی اور نہ انکار اس کا کیا تھا ان کو حکم ہوا تھا کہ وہ قتل کریں تاکہ توبہ انکار نہ کرنے کی کہ ان سے سرزد ہوا ہے حاصل ہو اور جنہوں نے گوسالہ پرستی نہ کی تھی اور اس کو برا سمجھتے تھے اس توبہ میں شریک نہ ہوئے اس واسطے کہ وہ محتاج توبہ کے نہ تھے اور روایتوں میں آیا ہے کہ جب مارنے والوں نے دیکھا کہ جن کے قتل کرنے کے واسطے حکم ہوا ہے بھائی اور بھتیجے اور بھانجے اور رشتہ دار اور دوست ہمارے ہیں قتل کرنے میں تردد کیا اور بباعث شفقت طبعی کے ہاتھ ان کے کام نہ کرتے تھے حق تعالیٰ نے ایک سیاہ غبار بھیج دیا کہ کوئی کسی کو نہ دیکھتا تھا بے دھڑک مارنا شروع کیا اور رحم طبیعت کا مانع قتل سے نہ ہوا یہاں تک کہ صبح سے اخیر دن تک ستر ہزار آدمی قتل ہوئے اور عورتیں اور بچے بنی اسرائیل کے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے روبرو فریاد کرنے لگے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے سر برہنہ کر کے دعا کی حکم ہوا کہ توبہ مرے ہوؤں اور زندوں کی سب کی قبول ہوئی جو مارا گیا اس نے مرتبہ شہادت کا پایا اور جو کوئی زندہ رہا وہ بھی گناہوں سے پاک ہوا۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو بندہ صدق دل سے توبہ کرتا ہے اور اوپر گناہ کے نادم ہوتا ہے حق تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اگرچہ ایک دن میں ستر بار اس گناہ کو کرے اور یہ اس واسطے ہے کہ اللہ تعالیٰ الرحیم یعنی بہت مہربان ہے اور اوپر بندوں اپنے کے کہ بسبب تحمل اذیت ایک ساعت کے کرامت ہمیشگی کی عنایت فرماتا ہے۔

اُس وقت کے یہودی اور آج کے یہودی:

یہ توبہ بنی اسرائیل کی ایک ہدایت عمدہ تھی کہ اس نے درمیان محق اور مبطل کے فرق کر دیا اور ان کے بزرگوں نے اس ہدایت کو باوجود یکہ مشقت اس میں تھی کمال رضا مندی اور خوشی سے قبول کیا اور جو گروہ بنی اسرائیل کے کہ خطاب کیئے گئے ساتھ اس کلام کے ہیں اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ہیں ہرگز زبان سے بھی توبہ نہیں کرتے ہیں اور عبادت اس شریعت کی باوجود کثرت فضائل کے قبول نہیں کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر عزیزی﴾

سامری اور فرقہ حلولیہ

جلد بازی میں ایک عجل (گوسالہ اور بچھڑا) بنا کر کھڑا کر لیا اور لوگوں سے یہ کہا کہ دیکھو تمہارا خدا یہ ہے جو اس گوسالہ کی صورت میں ظاہر اور نمودار ہوا ہے اور جو تمہارے پاس ہے۔ اور موسیٰ خدا کو کوہ طور پر ڈھونڈتا پھرتا ہے جیسا کہ آج کل ہندوؤں کا عقیدہ ہے کہ خدا کسی جسم میں حلول کر سکتا ہے اصطلاح متکلمین میں اس فرقہ کا نام فرقہ حلولیہ ہے۔ سامری نے لوگوں کو یہی سمجھایا کہ تمہارے پروردگار نے اس گوسالہ کی صورت میں ظہور کیا ہے غرض یہ کہ سامری نے گوسالہ بنا کر کھڑا کر دیا۔ اول تو گوسالہ بنانا ہی بُرا تھا اس لئے کہ ذی روح کی تصویر بنانا قطعاً حرام ہے۔ پھر یہ کہ گوسالہ بنا کر کیا کیا وہ زبان پر لانے کی چیز نہیں اندیشہ ہے کہیں زمین اور آسمان نہ پھٹ جائیں اور تم بڑے ہی ظالم تھے کہ خدائے عز وجل کو چھوڑ کر ایسے جانور کہ جو حماقت میں ضرب المثل ہے اس کی بھی محض ایک تصویر کو اپنا خدا بنا لیا۔ بیل حماقت میں ضرب المثل ہے اور بیل کا بچہ تو بیل سے بھی کم ہے اس لئے کہ وہ بے شعوری اور بے عقلی میں اس سے بڑھا ہوا ہے۔ کیا یہ انتہائی ظلم نہیں۔ ذرا تم اپنے عدل اور انصاف فہم اور فراست کا کچھ تو اندازہ لگاؤ کیا ہاتھ کی بنائی ہوئی چیز بھی خدا اور معبود ہو سکتی ہے۔ نیز تم نے یہ نہ سمجھا کہ موسیٰ جب تم کو فرعون کی عبادت سے روکتے تھے حالانکہ وہ کسی درجہ میں نفع وضرر پر بھی قدرت رکھتا تھا تو اس بے عقل اور بے جان حیوان کی عبادت کی کیسے اجازت دے سکتے ہیں۔ آخر فرعون بیل کے بچہ سے تو بہتر ہی تھا۔

بنی اسرائیل کی توبہ پر رضامندی:

بنی اسرائیل کو یہ حکم خداوندی سنایا تو سب نے کہا ہم دل وجان سے اپنے مولیٰ کے حکم پر راضی ہیں۔ چنانچہ سب ایک میدان میں جمع ہو گئے جن لوگوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی تھی خنجروں اور تلواروں سے گوسالہ پرستی کرنے والوں کو قتل کرنا شروع کیا جیسا کہ حضرت علی اور عبداللہ بن عباس اور حسن بصری اور سعید بن جبیر اور مجاہد اور قتادہ اور ابوالعالیہ وغیرہم سے مروی ہے اور توریت سفر خروج کے بتیسویں باب میں بھی اسی طرح مذکور ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے منقول ہے کہ مقتولین کی تعداد ستر ہزار تھی۔ جب ستر ہزار آدمی قتل ہوئے تو حضرت موسیٰ اور ہارون نے نہایت تضرع اور ابتہال کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں عفو کی درخواست کی۔ حق تعالیٰ نے دعا قبول فرمائی مقتولین کی بھی مغفرت فرمائی اور بقیۃ السیف کو بھی معاف فرمایا۔ جو مارا گیا اس نے مرتبہ شہادت پایا اور جو زندہ رہا وہ گناہوں سے پاک ہوا۔

قتل نفس توبہ کی تکمیل تھی:

امام رازی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ جس طرح ہماری شریعت میں قاتل عمد کی توبہ کی تکمیل اور تتمیم کیلئے یہ ضروری ہے کہ قاتل اپنے کو اولیاء مقتول کے سپرد کرے کہ چاہیں قتل کریں اور چاہیں معاف کریں اسی طرح اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ مرتدین کی توبہ جب مکمل ہوگی کہ جب وہ اپنے کو قتل کے لئے سپرد کریں اھ (تفسیر کبیر) یہی تمہارے لئے ہر طرح سے بہتر اور نافع ہے تمہارے خالق کے نزدیک جب تم نے اللہ کے حکم کی دل وجان سے تعمیل کی تو اللہ نے تم پر توجہ فرمائی اور تمہاری توبہ قبول کی اگرچہ تمہارا جرم فرعون سے بھی زیادہ سخت تھا اس لئے کہ وہ ابتدا ہی سے کافر تھا اور تم نے ایمان کے بعد کفر کیا اور مرتد ہوئے دین الٰہی کی بے حرمتی اور آبروریزی کی۔ بے شک وہ بڑا ہی توبہ قبول فرمانے والا ہے اور بڑا ہی مہربان ہے کہ اس گھڑی کی تکلیف برداشت کر لینے پر ہمیشہ کی عزت اور کرامت عطا فرماتا ہے وہ حیات جس کی حقیقت لہو ولعب سے زائد نہیں ایسی حیات لے کر حیات سرمدی اور فرحت ابدی سے سرفراز فرماتا ہے۔

ے نیم جاں بستاند وصد جاں دہد
آنچہ درو ہمت نیاید آں دہد

ستر منتخب آدمی:

واقعہ قتل کے بعد موسیٰ علیہ السلام نے باذن الٰہی ستر آدمیوں کو کوہ طور پر لے جانے کے لئے منتخب فرمایا تاکہ گوسالہ پرستی کی معذرت کریں۔ سب نے روزہ رکھا اور غسل کیا اور عمدہ کپڑے پہنے جب کوہ طور پر پہنچے تو موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی کہ آپ بارگاہ خداوندی میں عرض کیجئے کہ ہمیں اپنا کلام پاک سنائے۔ تھوڑی دیر میں ایک نورانی ابر ظاہر ہوا موسیٰ علیہ السلام اس

میں غرق ہو گئے اور بنی اسرائیل پیچھے کھڑے رہے سب نے اللہ کا کلام سنا۔ جب کلام الٰہی ختم ہو گیا اور موسیٰؑ اس ابر سے برآمد ہوئے اور دریافت کیا کہ تم نے کلام الٰہی سنا تو اس پر انہوں نے یہ کہا ہم تو کلام الٰہی ہونے کا اس وقت تک یقین نہ کریں گے جب تک علانیہ طور پر خدا کو نہ دیکھ لیں۔ آئندہ آیت میں اسی قصہ کی طرف اشارہ ہے۔ (معارف کاندھلوی)

إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٥٤﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ
بیشک وہی ہے معاف کرنے والا نہایت مہربان اور جب تم نے کہا
يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ
اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو
جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ
سامنے پھر آلیا تم کو بجلی نے اور تم
تَنظُرُونَ ﴿٥٥﴾ ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ
دیکھ رہے تھے پھر اٹھا کھڑا کیا ہم نے تم کو مر گئے پیچھے
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٦﴾
تاکہ تم احسان مانو

منتخب آدمیوں کا حال:

اس وقت کو بھی ضرور یاد کرو کہ باوجود اس قدر احسانات کے جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم ہرگز تمہارا یقین نہ کریں گے کہ یہ اللہ کا کلام ہے جب تک آنکھوں سے صریحاً خدائے تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں۔ اس پر بجلی نے تم کو ہلاک کیا اس کے بعد موسیٰ کی دعا سے ہم نے تم کو زندہ کیا اور یہ اس وقت کا حال ہے کہ حضرت موسیٰ ستر آدمیوں کو منتخب فرما کر کوہ طور پر کلام الٰہی سننے کی غرض سے لے گئے تھے۔ پھر جب انہوں نے کلام الٰہی کو سنا تو انہی ستر نے کہا اے موسیٰ پردے میں سننے کا ہم اعتبار نہیں کرتے آنکھوں سے خدا کو دکھاؤ۔ اس پر ان ستر آدمیوں کو بجلی نے ہلاک کر دیا تھا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی:

قوم نے استدعا کی کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنا کلام پاک سنائے جب موسیٰ علیہ السلام پہاڑ کے قریب ہوئے تو ایک ابر مثل ستون نمودار ہوا اور سارے پہاڑ پر محیط ہو گیا حضرت موسیٰ علیہ السلام اس ابر میں گھس گئے اور اپنی قوم سے کہہ دیا کہ جب تم اس ابر میں آؤ تو سجدہ میں .... گر پڑنا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب حق تعالیٰ سے کلام کرتے تو ان کے مبارک چہرہ پر ایک ایسا نور چمکتا تھا کہ کسی کو اس طرف دیکھنے کی تاب نہ ہوتی تھی پھر ان میں اور نور خداوندی کے مابین ایک حجاب پیدا ہو گیا انہوں نے سنا کہ حق تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو امر و نہی فرماتا ہے منجملہ ان کے یہ بھی گوش زد ہوا بیشک میں اللہ ہوں میرے سوا کوئی معبود نہیں میں قاہر ہوں میں نے تمہیں اپنی قوت شدیدہ سے مصر سے نکالا تم میری ہی عبادت کرو اور کسی غیر کی عبادت نہ کرو۔ (تفسیر مظہری)

ستر آدمیوں کی ہلاکت کے بعد موسیٰؑ کا اندیشہ اور دُعاء:

اللہ تعالیٰ کا کلام سن کر یہ لوگ مطمئن نہ ہوئے اور دوسری کروٹ بدلی اور کہنے لگے کہ ہم تمہاری بات جب مانیں گے جب ہم اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر اپنے آمنے سامنے دیکھ لیں۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ ان کو بجلی کی کڑک نے پکڑ لیا اور وہ دیکھتے کے دیکھتے ہی لقمہ اجل بن گئے۔ جب یہ ماجرا ہوا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فکر لاحق ہوئی کہ پہلے ہی بنی اسرائیل مجھے متہم کرتے تھے اور طرح طرح کی باتیں کرتے تھے اب اتنے آدمی ہلاک ہو گئے تو میں جب یہ بیان کروں گا کہ وہ لوگ بجلی کی کڑک سے مر گئے تو خدا جانے کیا کیا باتیں بنائیں گے اور کیسے اتہام دھریں گے لہٰذا انہوں نے بارگاہ خداوندی میں دعاء کی جس کی وجہ سے دوبارہ زندہ کر دیئے گئے۔ اس نعمت کا شکر ان زندہ ہونے والوں پر اور ساری قوم پر واجب ہوا۔ (ابن کثیر ص ۹۳، ۹۴ ج ۱ والبیضاوی ص ۵۷ ج ۱) (انوار البیان)

بنی اسرائیل کا گستاخانہ سوال اور حضرت موسیٰؑ کی مؤدبانہ التجاء:

بنی اسرائیل اس موقعہ پر دو وجہ سے غضب الٰہی کے مورد بنے۔ اول تو اس کہنے کی وجہ سے کہ اے موسیٰ ہم تمہارے کہنے کا ہرگز یقین نہ کریں گے اور محض تمہارے بھروسہ اور اعتماد پر اس کا کلام الٰہی ہونا تسلیم نہ کریں گے۔ یہی ایک گستاخی نزول عذاب کیلئے کافی تھی اس لئے کہ اللہ کے نبی پر اعتماد اور بھروسہ نہ کرنا اور حسن ظن کے بجائے اس سے بدظن اور بدگمان ہونا یہ کچھ معمولی گستاخی نہیں نبی پر اعتماد نہ کرنا صریح کفر ہے۔ نبی ہی کے اعتماد پر اللہ کی باتوں کو ماننا ایمان ہے اور جو شخص نبی پر اعتماد نہیں کرتا آخر وہ یہ تو سوچے کہ نبی کے بعد پھر کس پر اعتماد کرے گا۔ دوم یہ کہ گستاخانہ اور بے باکانہ طور پر یہ کہہ دینا کہ (حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً) کہ ہم موسیٰ کی تصدیق جب کریں گے کہ جب اللہ کو علانیہ اور ظاہر طور پر دیکھ لیں۔ ہاں اگر ادب

کے ساتھ یہ کہتے کہ اے موسیٰ ہم دیدار الٰہی کے مشتاق اور آرزومند ہیں تو موردغضب نہ بنتے اس کا جواب تو یہ ہوتا کہ تم ابھی اس نعمت کے قابل نہیں آخرت میں جب آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک ہوجاؤ گے تب دیکھو گے غرض یہ کہ اس گستاخانہ اور بے باکانہ سوال کی وجہ سے عذاب الٰہی نے آگھیرا اور موسیٰ علیہ السلام کا رب انی انظر الیک کہہ کر دیدار الٰہی کا سوال کرنا سو اول تو وہ سوال تھا یعنی عاجزانہ اور مؤدبانہ ایک استدعا اور درخواست تھی مطالبہ نہ تھا دوم یہ کہ وہ ایک والہانہ اور عاشقانہ استدعاء نیاز تھی جو سراسر محبت اور اشتیاق پر مبنی تھی۔ حاشا بنی اسرائیل کی طرح تعنت اور عناد اس کا منشا نہ تھا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر جس کا مفصل قصہ سورۂ اعراف میں آئے گا ہم نے تم کو زندہ کیا تمہارے مرجانے کے بعد یعنی حقیقۃً تم مرچکے تھے غشی اور سکتہ کی حالت نہ تھی اور نہ کوئی خواب تھا حقیقۃً مرنے کے بعد ہم نے تم کو اپنی رحمت سے دوبارہ زندہ کیا شاید کہ تم شکر کرو کہ حق جل شانہ نے اپنی رحمت سے ہمارا قصور معاف فرمایا اور اپنی عبادت اور بندگی توبہ اور استغفار انابت اور اعتذار کیلئے اور مہلت عطا فرمائی اور بعث بعد الموت کا نمونہ آنکھوں سے دکھلا دیا تاکہ بعث بعد الموت کے بارہ میں تم کو ذرہ برابر شبہ نہ رہے اور تم اس ایمان شہودی کا شکر ادا کرو۔ ایمان استدلالی میں تزلزل آسکتا ہے مگر ایمان شہودی میں تزلزل ممکن نہیں گویا کہ قیامت تم کو آنکھوں سے دکھلا دی گئی۔ (معارف کاندھلوی)

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ
اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر
الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ
من اور سلویٰ

من وسلویٰ اور سایہ:

جب فرعون غرق ہوچکا اور بنی اسرائیل بحکم الٰہی مصر سے شام کو چلے جنگل میں ان کے خیمے پھٹ گئے اور گرمی آفتاب کی ہوئی تو تمام دن ابر رہتا اور اناج نہ رہا تو من وسلویٰ کھانے کیلئے اترا تامن ایک چیز تھی شیریں دھنیے کے سے دانے ترنجبین کے مشابہ رات کو اوس میں برستے لشکر کے گرد ڈھیر لگ جاتے صبح کو ہر ایک اپنی حاجت کے موافق اٹھالیتا۔ اور سلویٰ ایک پرندہ ہے جس کو بٹیر کہتے ہیں۔ شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جمع ہوجاتے۔ اندھیرا ہوئے بعد پکڑ لاتے کباب کر کے کھاتے مدتوں تک یہی کھایا کئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کھمبی:

صحیح بخاری کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے لئے شفا ہے۔ ترمذی اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔

ترمذی میں ہے کہ عجوہ جو مدینہ کی کھجوروں کی ایک قسم ہے وہ جنتی چیز ہے اور اس میں زہر کا تریاق ہے اور کھمبی من میں سے ہے اور اس کا پانی آنکھ کے درد کی دوا ہے۔ ﴿تفسیر کبیر﴾

انعام

﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَأَنزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوَىٰ﴾

جب بنی اسرائیل کو عمالقہ سے جہاد کرنے کا حکم ہوا تو بہت شاق اور گراں ہوا اور بالآخر یہ کہہ دیا کہ اے موسیٰ تم اور تمہارا رب جا کر جہاد اور قتال کرلو ہم تو یہیں بیٹھے ہیں اس جرم میں چالیس سال تک ایک میدان میں حیران و پریشان پھرنے کی سزا ملی اس وقت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے ایک سفید ابر سایہ کیلئے بھیجا تاکہ دھوپ کی تکلیف نہ ہو اور کھانے کیلئے من وسلویٰ نازل فرمایا اور ایک نور کا ستون عطا فرمایا جو اندھیری راتوں میں چاند کا کام دیتا۔

سایہ دار بادل:

قتادہ سے منقول ہے کہ غمام اس ابر کو کہتے ہیں جو سفید ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ یہ ابر نہایت ٹھنڈا اور پاکیزہ تھا ویسا ابر نہ تھا جو لوگوں میں معروف ہے بلکہ وہ اس قسم کا ابر تھا کہ جس میں بدر کے دن فرشتے نازل ہوئے اور جس میں قیامت کے دن ملائکہ اور حق جل شانہ نزول اجلال فرمائیں گے جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہے:

﴿هَلْ يَنظُرُونَ إِلَّا أَن يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ﴾

بادل کی دو قسمیں:

ابر دو قسم کا ہوتا ہے ایک وہ کہ جو بخار یا دخان وغیرہ کے انجماد سے ظاہر ہو دوسرا وہ کہ عالم غیب اور عالم مثال سے بدون کسی سبب ظاہری کے ظہور میں آئے لہٰذا ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ یہ ابر دوسری قسم کا تھا اور اسی طرح قیامت کے دن جو ابر ظاہر ہوگا وہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔

من اور سلویٰ کیا تھے:

اتارا ہم نے وادی تیہ میں خزانہ غیب سے تم پر من اور سلویٰ۔ من ایک

شریں چیز تھی دھنیے کے سے دانے ترنجبین کے مشابہ رات کو اوس میں برستی صبح کو ہر شخص اپنی ضرورت کے موافق چن لیتا اور سلویٰ ایک پرند کا نام ہے جس کو بٹیر کہتے ہیں یا اور کوئی پرند ہے جو مشابہ بٹیر کے ہوتا ہے شام کو لشکر کے گرد ہزاروں جانور جمع ہو جاتے اندھیرا ہونے کے بعد پکڑ لاتے اور کباب بنا کر کھاتے۔ مدت تک اسی طرح کرتے رہے۔

ترنجبین کے فوائد:

ف: اطباء نے من یعنی ترنجبیں کے بہت فوائد بیان کئے ہیں منجملہ ان کے یہ ہے کہ اس کو باریک پیس کر سونگھا جائے تو مالیخولیا اور وہم اور وساوس اور دماغی ریاح فاسدہ کیلئے بہت مفید پڑتا ہے عجب نہیں کہ بنی اسرائیل کے دماغوں کے تنقیہ کیلئے من تجویز کی گئی ہوتا کہ ان کے دماغ اس قسم کے وساوس اور شبہات سے پاک ہو جائیں اور بٹیر کا گوشت دل کو نرم کرتا ہے یہ ان کی قساوت قلبی دور کرنے کے لئے تجویز کیا گیا ہو واللہ اعلم۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ کوئی ایسی چیز تھی جو درختوں پر نازل ہو جاتی تھی۔ صبح جا کر اس میں سے جس قدر چاہتے کھا لیتے تھے۔ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ یہ ایک قسم کا گوند تھا۔

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عجوہ (مدینہ منورہ کی کھجوروں کی ایک قسم) جنت سے ہے اور اس میں زہر سے شفا ہے اور کھمبی من سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کیلئے شفا ہے۔

(اخرجہ الترمذی فی ابواب الطب) وھوفی البخاری ص ۶۴۳ ج ۲ من غیر ذکر العجوۃ)

راوی حدیث حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ میری ایک باندی چندھی تھی میں نے کھمبی کا پانی لے کر اس کی آنکھ میں ڈالا تو وہ ٹھیک ہو گئی۔

صحابہ کرام کی فضیلت:

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی فضیلت دوسرے حضرات انبیاء کے صحابہ پر ظاہر ہوتی ہے اس لئے کہ صحابہ نے دھوپ اور گرمی میں غزوات اور سرایا کے لئے سفر کئے مگر کبھی اس قسم کے خوارق کے خواہشمند نہ ہوئے کہ بنی اسرائیل کی طرح ہم پر من وسلویٰ نازل کیا جائے۔ اور دھوپ سے بچاؤ کے لئے ابر بھیج دیا جائے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

كُلُوا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ
کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دیں

صبر وشکر کا حکم:

یعنی اس لطیف ولذیذ غذا کو کھاؤ اور اس پر اکتفا کرو نہ آگے کیلئے ذخیرہ جمع کر کے رکھو اور نہ دوسری غذا سے مبادلہ کی خواہش کرو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ
اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی
يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾
نقصان کرتے رہے

بنی اسرائیل کا ظلم:

اول ظلم یہ کیا کہ ذخیرہ کر کے رکھا تو گوشت سڑنا شروع ہو گیا دوسرے مبادلہ چاہا کہ مسور' گیہوں' ککڑی' پیاز وغیرہ ملے۔ جس سے طرح طرح کی تکلیف ومشقت میں مبتلا ہوئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وادی تیہ:

فائدہ: دونوں قصے وادی تیہ میں واقع ہوئے' وادی تیہ کی حقیقت یہ ہے کہ بنی اسرائیل کا اصلی وطن ملک شام ہے' حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں مصر میں آئے تھے' اور یہاں ہی رہ پڑے' اور ملک شام میں عمالقہ نامی قوم کا تسلط ہو گیا' فرعون جب غرق ہو گیا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے' تو اللہ تعالیٰ کا ان کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کرو' اور اپنی اصلی جگہ کو ان کے قبضہ سے چھڑا لو' بنی اسرائیل اس ارادہ پر مصر سے چلے اور ان کی حدود میں پہنچ کر جب عمالقہ کے زور وقوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے صاف انکار کر دیا' اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی یہ سزا دی کہ چالیس برس تک ایک میدان میں سرگرداں و پریشاں پھرتے رہے' گھر پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا۔

یہ میدان کچھ بہت بڑا رقبہ نہ تھا' بلکہ مصر اور شام کے درمیان پانچ چھ کوس یعنی تقریباً دس میل کا رقبہ تھا' روایت یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے وطن مصر جانے کے لئے دن بھر سفر کرتے' اور رات کو کسی منزل پر اترتے صبح کو دیکھتے کہ جہاں سے چلے تھے وہیں ہیں' اسی طرح چالیس سال سرگرداں اور پریشاں اس میدان میں پھرتے رہے' اسی لئے اس میدان کو وادی تیہ کہا جاتا ہے' تیہ کے معنی ہیں سرگردانی اور پریشانی کے۔

یہ وادی تیہ ایک کھلا میدان تھا' نہ اس میں کوئی عمارت تھی نہ درخت' جس کے نیچے دھوپ اور سردی اور گرمی سے بچا جا سکے' اور نہ یہاں کوئی

کھانے پینے کا سامان تھا' نہ پہننے کے لئے لباس' مگر اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرما دیا' بنی اسرائیل نے دھوپ کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سفید رقیق ابر کا سایہ کر دیا' اور بھوک کا تقاضا ہوا تو من وسلویٰ نازل فرما دیا' یعنی درختوں پر ترنجبین جو ایک شیریں چیز ہے بکثرت پیدا کر دی' یہ لوگ اس کو جمع کر لیتے' اس کو من کہا گیا ہے' اور بٹیریں ان کے پاس جمع ہو جاتیں' ان سے بھاگتی نہ تھیں' یہ ان کو پکڑ لیتے' اور ذبح کر کے کھاتے' اسی کو سلویٰ کہا گیا ہے' یہ لوگ دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیتے' چونکہ ترنجبین کی کثرت معمول سے زائد تھی' اور بٹیروں کا وحشت نہ کرنا یہ بھی معمول کے خلاف ہے' لہٰذا اس حیثیت سے دونوں چیزیں خزانہ غیب سے قرار دی گئیں' ان کو پانی کی ضرورت پیش آئی تو موسیٰ علیہ السلام کو ایک پتھر پر لاٹھی مارنے کا حکم دیا گیا اس پتھر سے چشمے پھوٹ پڑے' جیسا کہ دوسری آیات قرآنی میں مذکور ہے' ان لوگوں نے رات کی اندھیری کا شکوہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے غیب سے ایک روشنی عمودی شکل میں ان کے محلہ کے درمیان قائم فرما دی' کپڑے میلے ہوئے اور پھٹنے لگے اور لباس کی ضرورت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے بطور اعجاز یہ صورت کر دی کہ ان کے کپڑے نہ میلے ہوں نہ پھٹیں' اور بچوں کے بدن پر جو کپڑے ہیں وہ ان کے بدن کے بڑھنے کے ساتھ ساتھ اسی مقدار سے بڑھتے رہیں' ﴿تفسیر قرطبی﴾

اور ان لوگوں کو یہ بھی حکم ہوا تھا کہ بقدر خرچ لے لیا کریں' آئندہ کے لئے جمع کر کے نہ رکھیں' مگر ان لوگوں نے حرص کے مارے اس میں بھی خلاف کیا' تو رکھا ہوا گوشت سڑنا شروع ہو گیا' اسی کو فرمایا ہے کہ اپنا ہی نقصان کرتے تھے۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ
اور جب ہم نے کہا داخل ہو اس شہر میں

شہر میں داخلہ کا حکم:

جب جنگل مذکورہ بالا میں پھرتے پھرتے تنگ آ گئے اور من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے تو بنی اسرائیل کو ایک شہر میں داخل ہونے کا حکم ہوا اس کا نام اریحا تھا اس میں قوم عمالقہ جو قوم عاد سے تھی مقیم تھی' اور بعض نے بیت المقدس فرمایا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں کہ اس آیت میں قریہ سے بیت المقدس مراد ہے اور یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب بنی اسرائیل چالیس سال کے بعد میدان تیہ سے یوشع بن نون علیہ السلام کی معیت میں نکلے۔ جمعہ کی شام کو بیت المقدس فتح ہوا اور کچھ دیر کے لئے سورج روکا گیا یہاں تک کہ یہوشع بن نون علیہ السلام کو فتح حاصل ہوئی۔ اس وقت یہ حکم ہوا کہ تم اس شہر کے دروازہ میں سجدۂ شکر کرتے ہوئے اور زبان سے استغفار اور اپنے گناہوں کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے داخل ہو۔ جیسے حق جل جلالہ نے اپنے نبی (علیہ الصلوۃ والسلام) کو حکم دیا۔

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ۝ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ۝ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝

جب اللہ کی نصرت اور فتح آ پہنچی اور اپنے لوگوں کو دین اسلام میں فوج در فوج داخل ہوتا ہوا دیکھ لیا تو اس کے شکر میں اللہ کی تسبیح اور تحمید اور استغفار کیجئے۔ بیشک اللہ تعالیٰ بڑا توجہ فرمانے والا ہے۔

فتح مکہ کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ میں داخلہ:

چنانچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب فتح مکہ مکرمہ کیلئے تشریف فرما ہوئے تو مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے وقت خشوع اور خضوع تواضع اور تذلل کے آثار آپ سے ظاہر اور نمایاں ہو رہے تھے اس شان سے مکہ میں داخل ہوئے اور فتح ہو جانے کے بعد غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی بعض علماء کے نزدیک یہ نماز صلوۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز تھی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صلوۃ الفتح تھی یعنی فتح مکہ کے شکر کی نماز تھی۔ ﴿معارف القرآن کاندھلوی﴾

فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا
اور کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو فراغت سے اور داخل ہو دروازے
الْبَابَ سُجَّدًا
میں سجدہ کرتے ہوئے

سجدۂ شکر:

اس شہر کے دروازہ میں سے سجدۂ شکر کرتے ہوئے جاؤ (اور یہ شکر بدنی ہوا) اور بعض فرماتے ہیں کہ براہ تواضع کمر کو جھکا کر جاؤ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازِ شکر:

حضرت ابن عباسؓ نے حضرت عمرؓ کے سامنے اس سورت کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا تھا جسے آپ نے پسند فرمایا تھا۔ جب مکہ فتح ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار

آپ پر تھے یہاں تک سر جھکائے ہوئے تھے کہ اونٹنی کے پالان سے سر لگ گیا تھا۔ شہر میں جاتے ہی غسل کر کے ضحیٰ کے وقت آٹھ رکعت نماز ادا کی جو ضحیٰ کی نماز بھی تھی اور فتح کے شکر یہ کی بھی۔ ﴿ابن کثیر﴾

وَّقُوۡلُوۡا حِطَّةٌ نَّغۡفِرۡ لَكُمۡ خَطٰيٰكُمۡ‌ؕ وَسَنَزِيۡدُ
اور کہتے جاؤ بخش دے تو معاف کر دینگے ہم تمہارے قصور اور زیادہ
الۡمُحۡسِنِيۡنَ ﴿۵۸﴾
بھی دیں گے نیکی والوں کو

استغفار کا حکم:

اور زبان سے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے جاؤ (یہ شکر زبانی ہوا) جو یہ دونوں باتیں کرے گا اس کی خطائیں ہم معاف کر دیں گے اور نیک بندوں کے لئے ثواب بڑھا دیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

بنی اسرائیل کی حرص و شرارت:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بنی اسرائیل کو حکم کیا گیا کہ وہ سجدہ کرتے ہوئے اور حطۃ کہتے ہوئے دروازے سے جائیں لیکن انہوں نے بدل دیا اور اپنی رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور حطۃ حبۃ فی شعرۃ کہتے ہوئے جانے لگے۔ ﴿ابن کثیر﴾

فَبَدَّلَ الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا قَوۡلًا غَيۡرَ الَّذِىۡ
پھر بدل ڈالا ظالموں نے بات کو خلاف اس کے
قِيۡلَ لَهُمۡ فَاَنۡزَلۡنَا عَلَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا
جو کہہ دی گئی تھی ان سے پھر اتارا ہم نے ظالموں پر
رِجۡزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوۡا يَفۡسُقُوۡنَ ﴿۵۹﴾
عذاب آسمان سے ان کی عدول حکمی پر

حرص و شرارت کی سزا:

تبدیلی یہ کی کہ بجائے حطۃ براہ تمسخر حنطۃ کہنے لگے (یعنی گیہوں) اور سجدہ کی جگہ اپنے سرینوں پر پھسلنا شروع کیا جب شہر میں پہنچے تو ان پر طاعون پڑا' دو پہر میں ستر ہزار یہود مر گئے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ذلت اور مسکنت کی مہر ان پر لگا دی گئی کہ اب وہ کسی طرح ان سے علیحدہ نہیں ہو سکتی۔ یہود جہاں بھی ہیں وہاں دوسروں کے محکوم اور باج گزار ہی ہیں۔ خلاصہ یہ کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے اور پیغمبروں کو قتل کرتے تا کہ رشد اور ہدایت کا سلسلہ ہی منقطع ہو جائے اور فیض عام کا دروازہ ہی بند ہو جائے۔ اس لئے ذلت و مسکنت اور غضب الٰہی کے مورد بنے۔

قیامت میں سب سے زیادہ عذاب والا:

عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ سب سے زائد سخت عذاب والا قیامت کے دن وہ شخص ہوگا کہ جس کو کسی نبی نے قتل کیا یا اس نے کسی نبی کو قتل کیا۔ یا کسی گمراہی کا پیشوا یا تصویر بنانے والا۔ (مسند احمد)

جن انبیاء کو جہاد کا حکم ہوا وہ مظفر و منصور ہوئے:

عبداللہ بن عباس اور حسن بصریؒ فرماتے ہیں جن پیغمبروں کو حق جل شانہ نے کافروں سے جہاد اور قتال کا حکم دیا انہیں سے دشمنوں کے مقابلہ پر فتح و نصرت کا وعدہ کیا کما قال تعالیٰ (اِنَّا لَنَنۡصُرُ رُسُلَنَا) وہ پیغمبر صَدَقَ اللّٰهُ وَعۡدَهٗ وَنَصَرَ عَبۡدَهٗ وَهَزَمَ الۡاَحۡزَابَ وَحۡدَهٗ کے مصداق بنے وہ کبھی دشمنوں کے ہاتھ سے مقتول نہیں ہوئے اس لئے کہ حق جل شانہ کا ان کو جہاد کا حکم دینا پھر ان کی صیانت اور حفاظت نہ فرمانا بظاہر شان حکمت کے مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ ایسے ایسے حضرات ہمیشہ مظفر و منصور اور انکے دشمن ہمیشہ خائب و خاسر ہوئے اور جن پیغمبروں کو جہاد و قتال کا حکم نہیں دیا گیا اور نہ ان سے حق جل وعلا نے کوئی عصمت اور نصرت کا وعدہ فرمایا ان میں سے جس کو چاہا جام شہادت پلایا۔

نشود نصیب دشمن کہ شود ہلاک تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

﴿معارف کاندھلویؒ﴾

فتوحات کے موقعہ پر آنحضرت اور صحابہ کرام کی تواضع اور سجدۂ شکر

جب فتح مکہ کے موقعہ پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم شہر میں داخل ہوئے تو انتہائی تواضع اور مسکینی کے آثار آپ پر طاری تھے۔ یہاں تک کہ سر مبارک آپ جھکائے ہوئے تھے اور اونٹنی کے پالان سے سر مبارک لگ گیا تھا۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد غسل فرمایا اور آٹھ رکعت نماز پڑھی۔ بعض علماء کے نزدیک یہ صلوۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز تھی اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صلوۃ الفتح تھی اور فتح مکہ کے شکر کی نماز تھی۔ صحابہ کرامؓ سے بھی یہی کیفیت ثابت ہے۔ حضرت سعد بن وقاصؓ نے جب ملک ایران فتح کیا

اور کسریٰ کے شاہی محلات میں فاتحانہ داخل ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کے موافق آٹھ رکعتیں نماز شکرانہ کی پڑھیں۔ امام محمدؒ نے روایت فرمایا ہے کہ جب قبرص فتح ہوا حضرت جبیر بن نصیر نے حضرت ابودرداءؓ کو دیکھا کہ اکیلے بیٹھے رو رہے ہیں۔ حضرت جبیر فرماتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ اے ابودرداء ایسے مبارک دن میں رونا کیسا جس میں اللہ تعالیٰ نے اسلام اور اہل اسلام کو عزت دی۔ انہوں نے جواب دیا کہ اے جبیر افسوس ہے تم نہیں سمجھتے۔ جب کوئی قوم اللہ تعالیٰ کے حکم کو ضائع کر دیتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک کیسی ذلیل و بے قدر ہو جاتی ہے۔ دیکھو کہاں تو یہ قوم برسر حکومت تھی لیکن خدا کا حکم چھوڑا اور ذلیل و خوار ہوئی جس کو تم اسوقت ملاحظہ کر رہے ہو، اللہ تعالیٰ نے ایک خاص انعام ہم پاکستانیوں کو بھی عطا فرمایا اور یہ ملک پاکستان عطا کیا۔ (درس محمد احمد)

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا
اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا
اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ
مار اپنے عصا کو پتھر پر سو بہہ نکلے اس سے
اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ
بارہ چشمے

بارہ چشموں کا پھوٹنا:

یہ قصہ بھی اسی جنگل کا ہے پانی نہ ملا تو ایک پتھر پر عصا مارنے سے بارہ چشمے نکلے اور بنی اسرائیل کے قبیلے بھی بارہ ہی تھے۔ کسی قوم میں آدمی زیادہ کسی میں کم ہر قوم کے موافق ایک چشمہ تھا اور وجہ شناخت بھی یہی موافقت تھی۔ یا یہ مقرر کر رکھا تھا کہ پتھر کی فلاں جہت فلاں جانب سے جو چشمہ نکلے گا وہ فلاں قوم کا ہوگا اور جو کوتاہ نظران معجزات کا انکار کرتے ہیں۔ ع

نیستند آدم غلاف آدم اند

دیکھو مقناطیس تو لوہے کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اس پتھر نے پانی کھینچ لیا تو انکار کی کیا وجہ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

عطا فرماتے ہیں کہ موسیٰ علیہ السلام اس پتھر پر بارہ مرتبہ عصا مارتے جس سے ہر جگہ پر عورت کے پستان کی مثل ایک شئی ظاہر ہوتی پھر اس سے پانی رسنا شروع ہوتا اس کے بعد وہ رواں ہوتا اور خوب بہتا (معالم التنزیل) امام رازی فرماتے ہیں۔ ممکن ہے کہ جب ضرورت زیادہ ہوتی ہو اس وقت زیادہ بہتا ہو اور جب ضرورت کم ہوتی ہو تب تھوڑا بہتا ہو۔ اور یہ واقعہ موسیٰ علیہ السلام کا متعدد اعتبارات سے معجزہ تھا۔ اول تو پانی کا پتھر سے نکلنا۔ دوسرے یہ کہ ایک چھوٹے پتھر سے اس قدر کثیر پانی کا نکلنا۔ تیسرے یہ کہ پانی کا بقدر حاجت نکلنا۔ چوتھے یہ کہ محض عصا کے مارنے سے پانی کا بہہ پڑنا۔ پانچویں یہ کہ ضرورت پوری ہو جانے پر پانی کا بند ہو جانا۔ ان اعتبارات سے یہ واقعہ قدرت الٰہیہ کا ایک خاص نشان اور موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا۔ اور اس کے علاوہ بنی اسرائیل کے لئے ایک عظیم الشان نعمت تھی کہ جس کے بغیر حیات اور زندگی کا بقاء ناممکن ہے وہ بغیر کسی مشقت کے عطا فرمائی۔

موسیٰؑ کی دُعاء اور دیگر انبیاءؑ کی دُعائیں

ف: موسیٰ علیہ السلام کی یہ دعاء استسقاء خاص اپنی قوم کے لئے تھی اس لئے صرف پتھر سے پانی جاری کیا گیا۔ بخلاف نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر حضرات انبیاء کرام کے کہ انہوں نے خاص اپنی قوم کے لئے استسقاء کی دعاء نہیں بلکہ تمام جہان کے لئے پانی مانگا اس لئے آسمان سے پانی برسایا گیا اور اس باران رحمت سے مؤمن اور کافر دوست اور دشمن سب ہی منتفع ہوئے۔

نمازِ استسقاء:

ف: موسیٰ علیہ السلام کا استسقاء کیلئے فقط دعاء پر اکتفا فرمانا مسئلہ استسقاء میں امام اعظم قدس اللہ سرہ کے مسلک کی تائید کرتا ہے کہ استسقاء کے لئے خاص نماز ضروری اور لازم نہیں فقط دعاء پر بھی اکتفاء کیا جا سکتا ہے نماز استسقاء سنت ہے واجب نہیں۔ (معارف کاندھلویؒ)

☆ استسقاء کی اصل دعا ہی ہے۔ شریعت موسویہ میں بھی صرف دعاء پر اکتفا کیا گیا۔ جیسا کہ امام اعظم ابوحنیفہ کا ارشاد ہے کہ استسقاء کی اصل پانی کے لئے دعا کرنا ہے' یہ دعا کبھی خاص نماز استسقاء کے لئے عیدگاہ کے میدان میں تشریف لے جانا اور نماز اور خطبہ اور دعا کرنا منقول ہے' اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ بغیر کسی خاص نماز کے صرف دعاء پر اکتفاء کیا گیا' جیسا کہ صحیحین میں حضرت انسؓ کی روایت سے منقول ہے کہ خطبہ جمعہ ہی میں آپؐ نے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما دی۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

عصائے موسیٰ:

مروی ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کا عصا آپ کے قد کی برابر دس ہاتھ لمبا تھا اور اس میں دو شاخیں تھیں تاریکی میں روشن ہو جاتیں اس عصا کو آدم علیہ السلام جنت سے لائے تھے۔ حضرت آدم کے بعد انبیاء میں نسلاً بعد

نسل چلا آیا حتیٰ کہ حضرت شعیب (علیہ السلام) کو مرحمت فرمایا۔

پتھر! جس سے چشمے جاری ہوئے:

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ پتھر آدمی کے سر کے برابر بصورت مربع تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے اپنے توبرہ میں رکھتے تھے۔ عطاء رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پتھر کے چار گوشے تھے۔ ہر گوشہ میں سے تین چشمے نکلے بارہ گروہوں کے لئے بارہ چشمے نکل آئے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ پتھر وہی تھا جس پر موسیٰ علیہ السلام نے غسل کرنے کے لئے کپڑے اتار کر رکھ دیئے تھے۔ پھر وہ پتھر کپڑے لے بھاگا تھا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اس کے پیچھے دوڑے تھے حتیٰ کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت پر گزر ہوا انہوں نے آپ کی نسبت کہا تھا کہ انہیں ادرہ کا مرض ہے اسی لئے پردہ کی بہت احتیاط کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی زبان بند کرنے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بدن دکھلا دیا اور اسی وقت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ حکم الٰہی یہ ہے کہ اس پتھر کو اٹھا لو اس میں میری ایک قدرت اور تمہارا ایک معجزہ ظاہر ہوگا آپ نے اٹھا کر اپنے توبرہ میں رکھ لیا اور اس پتھر کے بھاگنے کا قصہ بخاری و مسلم میں مذکور ہے۔

عبد بن حمید نے قتادہ سے روایت کیا ہے کہ وہ طور کا پتھر تھا۔ بنی اسرائیل اسے اپنے ساتھ رکھتے تھے۔ اس میں اختلاف ہے کہ وہ پتھر کس نوع کا تھا۔ بعض نے کہا سنگ مرمر تھا۔ بعض نے کہا سنگ کدان اس میں بارہ گڑھے تھے ہر گڑھے میں سے ایک شیریں چشمہ جوش زن ہوتا تھا۔ جب ہر گروہ پانی سے سیراب ہو لیتا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اسے اٹھانا چاہتے تو اس میں عصا مارتے تھے پانی بند ہو جاتا۔ وہ پتھر چھ لاکھ آدمیوں کو روزانہ سیراب کرتا تھا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ:

بخاری شریف کی ایک روایت میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم تو معجزات کو برکت سمجھتے تھے اور تم ان کو خوف کی چیز سمجھتے ہو۔ ہم ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔ پانی کی کمی ہوگئی۔ آپ نے فرمایا تلاش کرو کسی کے پاس کچھ پانی بچا ہو تو لے آؤ۔ صحابہ ایک برتن لے آئے جس میں ذرا سا پانی تھا آپ نے برتن میں اپنا دست مبارک ڈالا اور فرمایا چلو اور وضو کا پانی اور خدا کی برکت لو۔ میں نے بچشم خود دیکھا کہ آپ کی انگلیوں سے پانی چشمہ کی طرح پھوٹ رہا ہے

اور آپ کے عہد مبارک میں ایسا بھی ہوتا تھا کہ ہم کھانا کھایا کرتے تھے اور کھانے کی تسبیح اپنے کانوں سے سنا کرتے تھے۔ ﴿درس محمد احمد﴾

قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَاشْرَبُوْا
پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ کھاؤ اور پیو
مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَلَا تَعْثَوْا فِى الْاَرْضِ
اللہ کی روزی اور نہ پھرو ملک میں
مُفْسِدِيْنَ ؀
فساد مچاتے

کھاؤ پیو اور فساد نہ پھیلاؤ:

یعنی پھر فرمایا حق تعالیٰ نے کھاؤ من وسلویٰ اور پیو ان چشموں کا پانی اور عالم میں فساد مت پھیلاؤ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح
وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ
کے کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ
الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا
نکال دے ہمارے واسطے جو اگتا ہے زمین سے ترکاری اور ککڑی
وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ
اور گیہوں اور مسور اور پیاز

ترکاری واناج وغیرہ کا مطالبہ:

یہ قصہ بھی اسی جنگل کا ہے۔ بنی اسرائیل طعام آسمانی من وسلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے تو کہنے لگے کہ ہم سے ایک طرح کے کھانے پر صبر نہیں ہوسکتا۔ ہم کو تو زمین کا اناج، ترکاری، ساگ سبزی چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بنی اسرائیل کی بے ادبی:

یاد کرو اس وقت کو جب تم نے کمال بے ادبی سے موسیٰ علیہ السلام کا نام لے کر پکارا اور تم نے یہ کہا اے موسیٰ مقتضائے ادب یہ تھا کہ یا رسول

اللہ اور یا نبی اللہ اور یا کلیم اللہ کہہ کران سے عرض و معروض کرتے۔ دوسری گستاخی تم نے یہ کی کہ یہ کہا کہ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے یہ کلام بھی تمہاری اندرونی خباثت اور باطنی شرارت کی خبر دے رہا ہے کہ صبر اور تحمل کر تو سکتے تھے۔ ﴿معارف القرآن کاندھلوی﴾

قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِیْ هُوَ اَدْنٰی بِالَّذِیْ
کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں
هُوَ خَیْرٌ
جو بہتر ہے

اے یہودیو! تم کیسے بدعقل ہو؟

یعنی من وسلوی جو ہر طرح بہتر ہے لہسن اور پیاز وغیرہ سے بدلتے ہو۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ
اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے جو مانگتے ہو

﴿اگر یہی جی چاہتا ہے تو کسی شہر میں جاؤ تمہاری مطلوب چیزیں تم کو سب ملیں گی پھر ایسا ہی ہوا۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

وَضُرِبَتْ عَلَیْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ
اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور محتاجی اور پھرے
بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ
اللہ کا غصہ لے کر

یہودیوں کی ذلت:

ذلت یہ کہ ہمیشہ مسلمان اور نصاری کے محکوم اور رعیت رہتے ہیں کسی کے پاس مال ہوا تو کیا حکومت سے بالکل محروم ہو گئے، جو موجب عزت تھی اور محتاجی یہ کہ اول تو یہود میں مال کی قلت اور جن کے پاس مال ہو بھی تو حکام وغیرہ کے خوف سے اپنے آپ کو مفلس اور حاجت مند ہی ظاہر کرتے ہیں شدت حرص اور بخل کے باعث محتاجوں سے بدتر نظر آتے ہیں اور یہ بھی درست کہ ؎ تونگری بدل است نہ بمال

اس لئے مالدار ہو کر بھی محتاج ہی رہے اور عظمت اور عزت جو اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھی اس سے رجوع کر کے اس کے غضب وقہر میں آ گئے۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا یَكْفُرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ
یہ اس لئے ہوا کہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو
وَیَقْتُلُوْنَ النَّبِیّٖنَ بِغَیْرِ الْحَقِّ ذٰلِكَ بِمَا
اور خون کرتے تھے پیغمبروں کا ناحق یہ اس لئے
عَصَوْا وَّكَانُوْا یَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾
کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے

ذلت کا سبب:

یعنی اس ذلت اور مسکنت وغضب الٰہی کا باعث ان کا کفر اور انبیاء علیہم السلام کا قتل کرنا تھا اور اس کفر وقتل کا باعث احکام کی نافرمانی اور حدود شرع سے خروج تھا۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

دجال یہودی:

اور منجملہ ذلت ومسکنت کے یہ بھی ہے کہ یہودیوں سے سلطنت قرب قیامت تک کے لئے چھین لی گئی۔ البتہ بالکل قیامت کے قریب محض لٹیروں کا سا بے ضابطہ تھوڑا زور شور دجال یہودی کا کل چالیس دن کے لئے ہو جائے گا، اور اس کو کوئی عاقل سلطنت نہیں کہہ سکتا اور ان کو یہ بات موسیٰ علیہ السلام کی معرفت جتلا دی گئی تھی، کہ اگر بے حکمی کرو گے تو ہمیشہ دوسری قوموں کے محکوم رہو گے۔ جیسا کہ سورۃ اعراف کی آیت

(وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكَ لَیَبْعَثَنَّ عَلَیْهِمْ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ یَّسُوْمُهُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ)

میں مذکور ہے

اسرائیل:

(موجودہ اسرائیلی حکومت کی حیثیت بھی امریکہ اور برطانیہ کے غلام سے زیادہ کچھ نہیں۔

فلسطین میں یہودیوں کی موجودہ حکومت کی حقیقت سے جو لوگ باخبر ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ حکومت درحقیقت اسرائیل کی نہیں ہے بلکہ امریکہ اور برطانیہ کی ایک چھاؤنی سے زیادہ اس کی حیثیت نہیں یہ اپنی ذاتی طاقت سے ایک مہینہ بھی زندہ نہیں رہ سکتے یورپین طاقتوں نے اسلامی بلاک کو کمزور کرنے کے لئے ان کے بیچ میں اسرائیل کا نام دے کر ایک چھاؤنی بنائی ہوئی ہے، اور اسرائیلی ان کی نظروں میں بھی ان کے فرماں بردار غلام سے زیادہ کوئی حیثیت نہیں رکھتے، صرف قرآن کریم کے

ارشاد (وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ) کے سہارے ان کا اپنا وجود قائم ہے وہ بھی ذلت کے ساتھ۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا
بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے اور جو لوگ یہودی ہوئے
وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ
اور نصاریٰ اور صابئین جو ایمان لایا (اُن میں سے) اللہ پر
وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
اور روز قیامت پر اور کام کئے نیک تو ان کیلئے ہے ان کا ثواب
عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
ان کے رب کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ
يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾
غمگین ہوں گے

ایمان و عمل صالح شرط ہے:

یعنی کسی فرقہ خاص پر موقوف نہیں یقین لانا شرط ہے اور عمل نیک، سو جس کو یہ نصیب ہوا ثواب پایا۔ یہ اس واسطے فرمایا کہ بنی اسرائیل اس بات پر مغرور تھے کہ "ہم پیغمبروں کی اولاد ہیں ہم ہر طرح اللہ کے نزدیک بہتر ہیں"

یہود، نصاریٰ، صابی اور اہل ایمان:

فائدہ: یہود کہتے ہیں حضرت موسیٰ کی امت کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی امت کو، صابئین ایک فرقہ ہے جس نے ہر ایک دین میں سے اچھا سمجھ کو کچھ اختیار کر لیا ہے اور حضرت ابراہیم کو مانتے ہیں اور فرشتوں کی بھی پرستش کرتے ہیں اور زبور پڑھتے ہیں اور کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

علامہ شہرستانی نے اپنی ملل ونحل میں حنفاء اور صابئین کا ایک مناظرہ ذکر فرمایا ہے جو قابل دید ہے اس ناچیز نے اپنے "علم الکلام" میں اس کا ترجمہ بھی کیا ہے جو بحمدہ تعالیٰ شائع ہو چکا ہے وہاں دیکھ لیا جائے۔

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ صائبین کے مذہب کا حاصل یہ ہے کہ یہ لوگ موحد تھے مگر تاثیر نجوم کے قائل تھے اور کواکب کو مدبر عالم سمجھتے تھے اسی وجہ سے جب خلیفہ قادر باللہ نے صائبین کے متعلق ابوسعید اصطخری سے دریافت کیا تو ابوسعید نے ان کے کفر کا فتویٰ دیا۔ تفسیر قرطبی ص ۴۳۵ ج ۱۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

(مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ) الخ۔ سے وہ لوگ مراد ہوں جن کا ایمان تصفیہ و تزکیہ قلب وقالب سے کامل ومنور ہو گیا ہے اور وہ حضرات صوفیہ کرام رضی اللہ علیہ تعالیٰ عنہم اجمعین ہیں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی کامل مومن نہ ہوگا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے باپ اور اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں اس حدیث کو بخاری مسلم احمد نسائی اور ابن ماجہ نے انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں سے کوئی مومن نہ ہوگا جب تک اس کی یہ حالت نہ ہو جائے کہ جو اپنے لئے چاہتا ہے وہی دوسرے کے لئے چاہے اس حدیث کو بخاری مسلم احمد ترمذی نسائی اور ابن ماجہ نے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا بندہ ایمان کی حقیقت پر نہیں پہنچتا جب تک کہ اپنی زبان پر غمگین نہ ہو (یعنی جب تک زبان سے نکلے ہوئے برے الفاظ پر غمگین نہ ہو) اس حدیث کو طبرانی نے روایت کیا ہے علامہ بغویؒ کہتے ہیں ممکن ہے کہ (مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ) الخ سے پہلے واؤ مقدر ہو اور آیت کے یہ معنی ہوں کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو لوگ آپ کے بعد ایمان لائیں گے۔

اہل ایمان بے خوف اور بے غم:

(وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ)

(اور نہ ان کو کسی قسم کا ڈر ہوگا اور نہ غمگین ہوں گے)

یعنی جس وقت کفار عقاب سے ڈریں گے اور کوتاہی کرنے والے اپنی عمر کے اکارت جانے اور درجات سے محروم رہنے پر غمگین ہوں گے اس وقت ان کے پاس نہ خوف کا گزر ہوگا نہ غم کی باریابی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

بلاغت کلام:

حضرت تھانویؒ نے لکھا ہے کہ اس سے کلام میں ایک خاص بلاغت اور ایک خاص وقعت پیدا ہو گئی ہے اور اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقع پر یوں کہے کہ ہمارا قانون عام ہے خواہ کوئی موافق ہو یا مخالف جو شخص اطاعت کرے گا مورد عنایت ہوگا۔ اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے سنانا ہے اصل میں مخالف کو لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہماری جو موافقین پر عنایت ہے سو اس کی علت ان سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ ان کی صفت موافقت اور اطاعت مدار ہے ہماری

عنایت کا، سو مخالف بھی اگر اختیار کرے وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جاوے گا اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔ ﴿درس محمد احمد﴾

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
اور جب لیا ہم نے تم سے قرار اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو کہ
الطُّوْرَ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاذْكُرُوْا مَا
پکڑو جو کتاب ہم نے تم کو دی زور سے اور یاد رکھو جو کچھ
فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾
اس میں ہے تاکہ تم ڈرو

یہودیوں کی شرارت اور علاج:

﴿ کہتے ہیں کہ "توریت نازل ہوئی تو بنی اسرائیل شرارت سے کہنے لگے کہ توریت کے حکم تو مشکل اور بھاری ہیں ہم سے نہیں ہو سکتے" تب خدائے تعالیٰ نے ایک پہاڑ کو حکم کیا جو ان سب کے سروں پر آن کر اترنے لگا اور سامنے آگ پیدا ہوئی۔ گنجائش سرتابی اصلا نہ رہی مجبوراً احکام توریت کو قبول کیا باقی یہ شبہ کہ "پہاڑ سروں پر معلق کر کے تسلیم کرانا توریت کا یہ تو صریح اجبار و اکراہ ہے جو آیۃ (لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ) اور نیز قاعدہ تکلیف کے بالکل خلاف ہے کیونکہ بنائے تکلیف تو اختیار پر ہے اور اکراہ مناقض اختیار ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اکراہ در بارہ قبول دین ہرگز نہیں "دین تو بنی اسرائیل پہلے سے قبول کئے ہوئے تھے" اور بار بار حضرت موسیٰ علیہ السلام سے تقاضا کرتے تھے کہ "کوئی کتاب متضمن احکام ہم کو لا کر دو کہ اس پر عمل کریں" اور اس پر معاہدہ کر چکے تھے۔ جب توریت ان کو دی گئی تو عہد شکنی پر کمر بستہ ہوئے تو اب پہاڑ کا معلق کرنا نقض عہد سے روکنے کے لئے تھا نہ کہ قبول دین کیلئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حق تعالیٰ نے توریت نازل فرمائی تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم کو حکم دیا کہ توریت کو قبول کریں اور اسکے احکام پر عمل کریں۔ بنی اسرائیل نے بعض احکام شاقہ کی وجہ سے قبول کرنے سے صاف انکار کر دیا اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ ایک پہاڑ لا کر ان کے سروں پر قد آدم اونچا کھڑا کر دو جبرئیل نے حکم الٰہی کے مطابق پہاڑ ان کے سروں پر لا کھڑا کر دیا اور یہ کہا اگر تم توریت کو قبول نہ کرو گے تو یہ پہاڑ تم پر چھوڑ دیا جائے گا۔ ﴿معالم التنزیل﴾

☆ عطاءؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے سروں پر طور کو لا کھڑا کیا اور ایک آگ ان کے سامنے سے بھیجی اور دریائے شور پیچھے سے آیا اور حکم ہوا کہ قبول کرو ورنہ یہ چیزیں تمہیں ہلاک کر ڈالیں گی۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْلَا
پھر تم پھر گئے اس کے بعد سو اگر نہ ہوتا
فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ
اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی تو ضرور
مِّنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۶۴﴾
تم تباہ ہوتے

اللہ کا فضل:

یعنی عہد و میثاق کر کے پھر گئے۔ سو اگر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو بالکل تباہ ہو جاتے یعنی اسی وقت ہلاک کر دیے جاتے یا یہ کہ توبہ و استغفار بھی کرتے اور نبی آخر الزمان کی متابعت بھی کرتے تو بھی تمہاری تقصیرات معاف نہ کی جاتیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لہٰذا نبی آخر الزماں کی متابعت کی سعادت حاصل کرو اور اگر تم اس نبی آخر الزماں پر ایمان نہ لائے اور کفر پر مر گئے تو پھر اس خسران اور نقصان کی تلافی کا کوئی امکان نہیں رہے گا۔ توریت میں جو تم سے نبی آخر الزماں پر ایمان لانے کا عہد لیا جا چکا ہے اس کو پورا کرو ورنہ تم بھی عہد شکنی کرنے والوں میں شامل سمجھے جاؤ گے اور عہد شکنی کی سزا کے مستحق ہو گے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اے بنی اسرائیل اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود با جود کا فضل تم پر نہ ہوتا تو تم پر ضرور عذاب الٰہی نازل ہوتا کیونکہ حق تعالیٰ نے حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمت للعالمین بنایا ہے اس لئے حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) کے وجود سراپا جود سے عذاب مؤخر کر دیا گیا اور دھنس جانے اور صورتیں بدل جانے کا عذاب اٹھا لیا گیا۔ (تفسیر مظہری)

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي
اور تم خوب جان چکے ہو جنہوں نے کہ تم میں سے زیادتی کی تھی
السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ ﴿۶۵﴾
ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے ہو جاؤ بندر ذلیل

ہفتہ کے دن شکار کی ممانعت:

بنی اسرائیل کو توریت میں حکم ہوا تھا کہ "شنبہ کا دن خالص عبادت کے لئے مقرر ہے اس دن مچھلی کا شکار مت کرو" وہ لوگ فریب اور حیلہ سے ہفتہ کے دن شکار کرنے لگے تو اللہ نے ان کو مسخ کر کے ان کی صورت بندر کی سی کر دی۔ فہم وشعور انسانی موجود تھا۔ ایک دوسرے کو دیکھتا تھا اور روتا تھا۔ مگر کلام نہیں کر سکتا تین دن کے بعد سب مر گئے اور یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے عہد میں ہوا مفصل سورہ اعراف میں آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں دریا کے کنارے ایک شہر آباد تھا اس میں ستر ہزار بنی اسرائیل تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار حرام فرمایا تھا۔ (تفسیر مظہری)

فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا
پھر کیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کیلئے جو وہاں تھے اور جو
خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾
پیچھے آنے والے تھے اور نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے

سامانِ عبرت:

یعنی اس واقعہ اور اس عقوبت کو ہم نے باعث خوف وعبرت بنا دیا اگلے اور پچھلے لوگوں کے واسطے" یعنی جنہوں نے اس عذاب کا مشاہدہ کیا اور جو آئندہ پیدا ہوں گے" یا جو بستیاں شہر کے آگے اور اسکے پیچھے آباد تھیں۔ (تفسیر عثمانی)

بعد کے زمانہ کے بندر اور خنزیر:

صحیح مسلم میں منقول ہے، کہ بعض لوگوں نے اپنے زمانے کے بندروں اور خنزیروں کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کیا یہ وہی مسخ شدہ یہودی ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم میں مسخ صورت کا عذاب نازل کرتے ہیں تو ان کی نسل نہیں چلتی۔ (بلکہ چند روز میں ہلاک ہو کر ختم ہو جاتے ہیں) (معارف مفتی اعظم)

ڈارون کا فلسفہ اور قرآنی حقائق:

قِرَدَةً کے لفظ سے بندر کی صورت ہونا معلوم ہوا اور کونوا کے خطاب اور خاسئین سے عقل اور انسانی شعور کا باقی رہنا معلوم ہوا اور جب ڈارون کی تحقیقات پر ایمان رکھنے والوں کے نزدیک بندر ترقی کر کے انسان بن سکتا ہے تو اگر انبیاء اللہ کے مقابلہ میں ترقی معکوس ہو کر انسان سے بندر بن جائے تو کیوں محال ہے حرکت کی مسافت ایک ہے حیوانیت سے انسانیت کی طرف ہو یا انسانیت سے حیوانیت کی طرف ہو۔ حیوان کو انسان بنتا تو کسی نے دیکھا نہیں اور ہزار ہا انسانوں کو بندر بنتے ہوئے لاکھوں انسانوں نے حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ میں اپنی آنکھوں سے دیکھا اور قرآن اور حدیث نے اس کی خبر دی۔

﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ﴾

جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا جی چاہے کفر اختیار کرے۔

عطاء خراسانی سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک آواز دی گئی۔

﴿فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِئِيْنَ﴾

اے بستی والو ہو جاؤ بندر ذلیل۔

اس کے بعد لوگ ان کے پاس آتے اور یہ کہتے کہ کیا ہم نے تم کو منع نہیں کیا تھا تو سر سے اشارہ کرتے کہ بے شک۔

تیسرے مسخ معنوی یعنی صفات نفسانیہ کا بدل جانا۔ مثلاً قناعت کا حرص اور طمع سے فہم وفراست کا سفاہت و بلادت سے بدل جانا کہ پہلے قانع تھا اب حریص بن گیا پہلے متواضع تھا اب متکبر ہو گیا اس کو مسخ معنوی کہتے ہیں جس کو حق تعالیٰ نے ختم اور طبع کے ساتھ تعبیر کیا ہے اور آیت: ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا﴾ اور ﴿فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ میں گدھے اور کتے کی مثال سے مسخ معنوی مراد ہے۔

بنی اسرائیل کا مسخ معنوی:

بنی اسرائیل کا مسخ معنوی پہلے ہی ہو چکا تھا اس وقت تو فقط مسخ صوری ہوا کہ بجائے شکل انسانی کے بندر کی شکل بنا دیئے گئے اس لئے کہ مسخ معنوی تو اسی وقت ہو چکا تھا کہ جب انبیاء اور علماء کی نصیحت قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا اور ﴿كَمَثَلِ الْحِمَارِ﴾ اور ﴿كَمَثَلِ الْكَلْبِ﴾ کا مصداق بن چکے تھے۔

اَلْعَبْدُ يُقْرَعُ بِالْعَصَا وَالْحُرُّ تَكْفِيْهِ الْمَلَامَةُ.

غلام کو لکڑی سے تنبیہ کی جاتی ہے اور شریف کو ملامت ہی بہت کافی ہے۔ (تفسیر معارف القرآن کاندھلویؒ)

حیلہ پرستی سے بچو:

حالانکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحیح حدیث میں نصیحت فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ تم وہ نہ کرو جو یہود نے کیا حیلے حوالوں سے اللہ کے حرام

کو حلال نہ کر لیا کرو یعنی احکام شرعیہ میں حیلہ جوئی سے بچو۔ ﴿درس محمد احمد﴾

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ
اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ فرماتا ہے
اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ
تم کو ذبح کرو ایک گائے

بنی اسرائیل کے مقتول کا واقعہ:

یعنی یاد کرو اس وقت کو کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص عامیل نامی مارا گیا تھا اور اس کا قاتل معلوم نہ ہوتا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ''اللہ کا یہ حکم ہے کہ ایک گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا مردے پر مارو تو وہ جی اٹھے اور آپ اپنے قاتل بتا دے'' اللہ تعالیٰ نے اس طرح اس مردے کو جلایا اور اس نے قاتل کو بتا دیا کہ اس کے وارثوں نے ہی بطمع مال قتل کیا تھا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اس کا پورا واقعہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص بہت بڑا مال دار اور تونگر تھا، اسکی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی صرف ایک لڑکی تھی اور ایک بھتیجا تھا، بھتیجے نے جب دیکھا کہ بڈھا مرتا ہی نہیں تو ورثہ کی دھن میں اسے خیال آیا کہ میں ہی اسے کیوں نہ مار ڈالوں؟ تا کہ اس کی لڑکی سے نکاح بھی کر لوں، اور قتل کی تہمت دوسروں پر رکھ کر دیت بھی وصول کروں اور مقتول کے مال کا مالک بھی بن جاؤں اس شیطانی خیال میں وہ پختہ ہو گیا اور ایک دن موقعہ پا کر اپنے چچا کو قتل کر ڈالا۔ بنی اسرائیل کے بھلے لوگ ان کے جھگڑوں بکھیڑوں سے تنگ آ کر یکسو ہو کر ان سے الگ ایک اور شہر میں رہتے تھے۔ شام کو اپنے قلعہ کا پھاٹک بند کر دیا کرتے تھے اور صبح کھولتے تھے کسی مجرم کو اپنے ہاں گھسنے بھی نہیں دیتے تھے اس بھتیجے نے اپنے اس چچا کی لاش کو لیجا کر اس قلعہ کے پھاٹک کے سامنے ڈال دیا، اور یہاں آ کر اپنے چچا کو ڈھونڈنے لگا، پھر ہائی دہائی مچا دی کہ میرے چچا کو کسی نے مار ڈالا، اور ان قلعہ والوں پر تہمت رکھی ان سے دیت کا روپیہ طلب کرنے لگا۔ انہوں نے اس قتل سے اور اس کے علم سے بالکل انکار کیا، لیکن یہ سر ہو گیا یہاں تک کہ اپنے ساتھیوں کو لے کر ان سے لڑائی کرنے پر تل گیا یہ لوگ عاجز آ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور واقعہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ شخص خواہ مخواہ ہم پر ایک قتل کی تہمت لگا رہا ہے حالانکہ ہم بری الذمہ ہیں موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی وہاں سے وحی نازل ہوئی کہ ایک گائے ذبح کر لو۔

اب نکلے ایسی گائے ڈھونڈنے کو، وہ صرف ایک لڑکے کے پاس سے ملی یہ بچہ اپنے ماں باپ کا نہایت فرمانبردار تھا ایک مرتبہ جب کہ اس کا باپ سویا ہوا تھا اور نقدی والی پیٹی کی کنجی اس کے سرہانے تھی، ایک سوداگر ایک قیمتی ہیرا بیچتا ہوا آیا اور کہنے لگا کہ میں اسے بیچنا چاہتا ہوں لڑکے نے کہا میں خریدوں گا قیمت ستر ہزار طے ہوئی لڑکے نے کہا ذرا ٹھہرو جب میرے والد جاگیں گے تو میں ان سے کنجی لے کر آپ کو قیمت ادا کر دوں گا اس نے کہا نہیں ابھی قیمت دو تو دس ہزار کم کر دیتا ہوں اس نے کہا نہیں حضرت میں اپنے والد کو نہیں جگاؤں گا، تم اگر ٹھہر جاؤ تو میں بجائے ستر ہزار کے اسی ہزار دوں گا یونہی ادھر سے کمی ادھر سے زیادتی ہونی شروع ہوتی ہے یہاں تک کہ تاجر تیس ہزار قیمت لگا دیتا ہے کہ اگر تم اب جگا کر مجھے روپیہ دے دو تو میں تیس ہزار میں دیتا ہوں لڑکا کہتا ہے اگر تم ٹھہر جاؤ یا ٹھہر کر آؤ جب میرے والد جاگ جائیں تو میں تمہیں ایک لاکھ دوں گا آخر وہ ناراض ہو کر اپنا ہیرا واپس لے کر چلا گیا باپ کی اس بزرگی کو جاننے اور ان کی راحت رسانی کی کوشش کرنے اور ان کا ادب واحترام کرنے سے پروردگار اس لڑکے سے خوش ہو جاتا ہے اور اسے یہ گائے عطا فرماتا ہے جب بنی اسرائیل اس قسم کی گائے ڈھونڈنے نکلتے ہیں تو سوا اس لڑکے کے اور کسی کے پاس نہیں پاتے اس سے کہتے ہیں کہ اس ایک گائے کے بدلے دو گائیں لے لو، یہ انکار کرتا ہے پھر کہتے ہیں کہ تین لے لو، چار لے لو لیکن یہ راضی نہیں ہوتا دس تک کہتے ہیں مگر پھر بھی نہیں مانتا، یہ آ کر حضرت موسیٰ سے شکایت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں جو یہ مانگے دو اور اسے راضی کر کے گائے خریدو۔ آخر گائے کے وزن کے برابر سونا دیا گیا تب اس نے اپنی گائے بیچی یہ برکت خدا تعالیٰ نے ماں باپ کی خدمت کی وجہ سے اسے عطا فرمائی۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ
وہ بولے کیا تو ہم سے ہنسی کرتا ہے

کیونکہ یہ تو دیکھا نہ سنا کہ گائے کے ٹکڑا مارنے سے مردہ زندہ ہو جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿٦٧﴾
کہا پناہ خدا کی کہ ہوں میں جاہلوں میں

ٹھٹھا کرنا جاہلوں کا کام ہے:

یعنی ٹھٹھا کرنا احمق جاہل کا کام ہے اور وہ بھی احکام شرعیہ میں پیغمبر سے یہ ہرگز ممکن نہیں۔ (تفسیر عثانی)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ ۚ

بولے کہ دُعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کہ وہ گائے کیسی ہے

یعنی اس کی عمر کتنی ہے اور اس کے حالات کیا ہیں نوعمر ہے یا بوڑھی۔ (تفسیر عثانی)

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ

کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی

وَلَا بِكْرٌ عَوَانٌ بَيْنَ ذَٰلِكَ ۖ فَافْعَلُوا مَا

اور نہ بن بیاہی درمیان میں ہے بڑھاپے اور جوانی کے اب کر

تُؤْمَرُونَ ﴿٦٨﴾

ڈالو جو تم کو حکم ملا ہے

یعنی اس گائے کو ذبح کر ڈالو۔ (تفسیر عثانی)

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ

بولے کہ دُعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کیسا ہے

قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ

اس کا رنگ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک گائے ہے زرد خوب گہری ہے

لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا

اس کی زردی خوش آتی ہے دیکھنے والوں کو بولے دُعا کر ہمارے

رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ

واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کس قسم میں ہے وہ

یعنی واضح کر کے بتادے کہ وہ گائے کس قسم اور کس کام کی ہے۔ (تفسیر عثانی)

زرد جوتا:

حضرت ابن عباسؓ کا قول ہے کہ جو زرد جوتی پہنے وہ ہر وقت خوش وخرم رہے گا۔ (تفسیر ابن کثیر)

یہودیوں کی حماقت:

جب ان لوگوں نے جانا کہ گائے ذبح کرنا اب ہم پر اللہ کی طرف سے آہی پڑا اور پہلے سے گائے کے ذبح کرنے اور اپنے مقصود کے حصول میں بعد سمجھے تھے اس لئے یہ خیال ہوا کہ جس گائے کے ذبح کرنے کا حکم ہوا ہے وہ کوئی بڑی عجیب گائے ہوگی اس لئے اس کی صفات کے طالب ہوئے اور یہ ان کی بڑی حماقت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اگر یہ لوگ کوئی سی گائے لے کر ذبح کر دیتے تو کافی تھی لیکن انہوں نے آپ تنگی کی اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر تنگی وتشدد فرمادیا۔

اس حدیث کو حضرت سعید بن منصورؒ نے عکرمہؒ سے مرسلاً روایت کیا ہے اور ابن جریر نے بسند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

اس قیل وقال کی حکمت...... ماں کی خدمت کا ثمرہ:

ان کی اس پوچھ کچھ میں جو انہیں ایک خاص گائے ذبح کرنی پڑی خدا تعالیٰ کی ایک عجیب حکمت تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک مرد صالح تھا اور اس کا ایک صغیر سن لڑکا تھا اور اس کے پاس ایک گائے کا بچہ تھا جسے وہ اپنے مرنے سے پہلے جنگل میں لایا اور اللہ تعالیٰ سے مناجات کی۔ خداوندا میں اس گائے کے بچہ کو اپنے بیٹے کے جوان ہونے تک آپ کے پاس امانت رکھتا ہوں پھر اسے چھوڑ کر چلا آیا اور آکر مر گیا وہ بچھیا جنگل میں چرا کرتی جو اسے دیکھتا اس سے دور بھاگ جاتی جب وہ لڑکا جوان ہوا تو بڑا نیک اٹھا والدہ کا بہت خدمت گذار بنا رات کے تین حصے کر کے ایک میں سوتا دوسرے حصہ میں نماز پڑھتا تیسرے میں اپنی والدہ کے سرہانے بیٹھ جاتا اور سویرے جنگل سے لکڑیاں لاکر بازار میں فروخت کرتا اور اس کی قیمت کے تین حصہ کر کے ایک حصہ تو اللہ کی راہ میں دیتا اور ایک حصہ والدہ کو دیتا اور ایک میں آپ کھاتا پیتا ایک دن اس کی والدہ نے کہا بیٹا تیرا باپ تیرے لئے ایک گائے میراث میں چھوڑ گیا ہے اور فلاں جنگل میں سپرد خدا ہے تو جا اور یہ کہہ کر آواز دے کہ اے ابراہیم و اسماعیل کے معبود وہ گائے عنایت فرما دے اس کی علامت یہ ہے کہ جب تو اسے دیکھے گا تو تجھے معلوم ہو جائے گا کہ اس کی کھال سے گویا سورج کی شعاعیں نکل رہی ہیں اور چونکہ وہ گائے بہت خوبصورت اور زرد رنگ تھی اس لئے لوگ اسے سنہری گائے کہا کرتے تھے وہ جوان اپنی والدہ کے فرمانے کی بموجب اس جنگل میں آیا تو اسے چرتے دیکھ کر جس طرح ماں نے پکارنے کو کہا تھا پکارا وہ گائے بحکم الٰہی دوڑ

کر سامنے چلی آئی جوان گردن پکڑ کر کھینچنے لگا گائے بولی اے ماں کے خدمت گزار مجھ پر سوار ہولے تجھے آرام ملے گا اس نے کہا میری والدہ کا یہی حکم ہے کہ گردن پکڑ کر لانا نہ کہ سوار ہو کر گائے بولی اے جوان تو میرے کہنے سے سوار ہو جاتا تو پھر میں ہرگز تیرے قابو میں نہ آتی اور تیرا ماں کی اطاعت کے سبب وہ مرتبہ ہے کہ اگر تو پہاڑ کو حکم دے تو تیرے ساتھ چلنے لگے القصہ وہ گائے لے کر اپنی ماں کے پاس آیا ماں نے کہا بیٹا تو فقیر ہے دن کو لکڑیاں لانے رات کو قیام کرنے کی تجھ پر سخت مشقت و تکلیف ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ اسے فروخت کر دے جوان نے قیمت پوچھی کہا تین دینار کو دیدے۔ (اس وقت گائے کی عام قیمت یہی تھی) ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ جب بیچنے لگے تو مجھ سے پوچھ لینا جوان اپنی مادر مہربان کے فرمانے کے بموجب گائے کو بازار میں لے گیا ادھر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت دکھلانے اور اس کو اس کی والدہ کی خدمت میں جانچنے کے لئے ایک فرشتہ بھیجا آتے ہی اس نے قیمت پوچھی جوان نے کہا تین دینار مگر شرط یہ ہے کہ میں اپنی والدہ سے پوچھ لوں فرشتہ نے کہا تو مجھ سے چھ دینار لے اور گائے مجھے دیدے ماں سے پوچھنے کی ضرورت نہیں اس نے کہا تو مجھے اگر اس کے برابر سونا بھی تول دے تو میں بلا رضامندی اپنی والدہ کے نہ دوں گا یہ کہہ کر اپنی ماں کے پاس آیا اور کیفیت بیان کی۔

ماں نے کہا جاؤ چھ ہی دینار کو دیدینا مگر خریدار سے میری رضامندی کی شرط کر لینا۔ جوان پھر بازار گیا اور اس سے ملا اس نے کہا تو نے اپنی والدہ سے پوچھ لیا کہا ہاں پوچھ لیا مگر ساتھ ہی یہ بھی کہا ہے کہ میری رضامندی کی شرط کر لینا اس خریدار غیبی نے کہا تو اپنی ماں سے نہ پوچھ اور مجھ سے بارہ دینار لے جوان نے انکار کیا اور اپنی ماں کے پاس آیا اور سارا قصہ بیان کیا ماں نے کہا وہ فرشتہ ہے تیرا امتحان لیتا ہے اب اگر اس سے ملنا ہو تو یہ پوچھنا کہ ہم اسے فروخت کریں یا نہ جب وہ بازار گیا اور اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے بیچنے کی بابت دریافت کیا اس نے کہا اپنی والدہ سے کہنا کہ اسے ابھی فروخت نہ کریں موسیٰ علیہ السلام تم سے ایک مقتول کے معاملہ میں خریدیں گے تم اسے کھال بھر دینار سے کم میں فروخت نہ کرنا چنانچہ انہوں نے اسے فروخت نہ کیا ادھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر یہ مقدر فرما دیا تھا کہ یہ فلاں گائے ذبح کریں گے اس لئے وہ اس کے اوصاف حضرت موسیٰ علیہ السلام سے پوچھتے رہے اور اللہ تعالیٰ اس گائے کے اوصاف بیان فرماتا رہا حتیٰ کہ اس کے تمام و کمال اوصاف بیان کر دیئے گئے یہ سب اس جوان کی نیک نیتی اور اپنی والدہ کی خدمت کا ثمرہ تھا اور اللہ تعالیٰ کا اس پر فضل و رحم تھا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا ۖ وَإِنَّا إِن شَاءَ

کیونکہ اس [illegible] شبہ پڑا ہے ہم کو اور ہم اگر اللہ نے

اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا

چاہا تو ضرور راہ پالیں گے کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک

بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي

گائے ہے محنت کرنے والی نہیں کہ جوتتی ہو زمین کو یا پانی دیتی ہو

الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ

کھیتی کو بے عیب ہے کوئی داغ اس میں نہیں

یعنی اس کے اعضا میں کوئی نقصان نہیں اور اس کے رنگ میں دوسرے رنگ کا داغ و نشان نہیں بلکہ ساری زرد ہے ﴿تفسیر عثمانی﴾

قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا

بولے اب لایا تو ٹھیک بات پھر اس کو ذبح کیا اور وہ لگتے

كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

نہ تھے کہ ایسا کر لیں گے

گائے کی قیمت:

وہ گائے ایک شخص کی تھی جو اپنی ماں کی خدمت بہت کرتا تھا اور نیک بخت تھا۔ اس شخص سے وہ گائے مول لی اتنے مال کو جتنا اس گائے کی کھال میں سونا بھر سکیں پھر اس کو ذبح کیا اور ایسے لگتے نہ تھے کہ اتنی بڑی قیمت کو لے کر ذبح کریں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

پھل میٹھا کرنے کی دُعاء:

یہ آیت پڑھ کر خربوزہ یا کوئی چیز تراشے تو انشاء اللہ تعالیٰ شیریں ولذیذ معلوم ہوگی۔ (اعمال قرآنی)

سوالات بڑھنے سے سختی بڑھتی گئی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حکم ملتے ہی وہ اگر کسی گائے کو بھی ذبح کر ڈالتے تو کافی تھا لیکن انہوں نے پے در پے سوالات شروع

کئے اور کام میں سختی بڑھتی گئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ
اور جب مار ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر
وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾
دھرنے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے

یعنی تمہارے اگلے بزرگوں نے عامیل کو مار ڈالا تھا پھر ایک دوسرے پر دھرنے لگا اور تم جس چیز کو چھپاتے تھے (یعنی اپنے ضعف ایمانی یا قاتل کے حال کو) اللہ تعالیٰ اسکو ظاہر فرمانا چاہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

تمہارے اندرونی خطرات اور دلی خیالات اس طرح عیاں اور آشکارا ہو جائیں جیسے کسی محسوس شئی کو کسی بند صندوق سے نکال کر مجمع میں لا کر سب سے سامنے رکھ دیا جائے کہ سب اس کو اچھی طرح دیکھ لیں پس کہا ہم نے کہ لگاؤ اس مردہ پر اس گائے کا کوئی ٹکڑا از بان یا دم میت پر رکھ دو وہ جی اٹھے گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا مقتول فوراً زندہ ہو گیا اور اپنے قاتل کا نام بتا کر گر پڑا اور مر گیا قاتل کو پکڑا گیا اور قصاص لیا گیا اور میراث سے بھی محروم رکھا گیا اور اسی وقت سے یہ حکم ہو گیا کہ قاتل ہمیشہ میراث سے محروم رہے گا اگرچہ قاتل مقتول کا باپ یا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔ (معارف کاندھلوی)

فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ
پھر ہم نے کہا مارو اس مردہ پر اس گائے کا ایک ٹکڑا

مقتول کا زندہ ہونا:

یعنی جب ایک ٹکڑا اس گائے کا اس کے مارا تو وہ بحکم الٰہی زندہ ہو گیا اور لہو زخم سے بہنے لگا اور اپنے قاتل کا نام بتا دیا جو اسی مقتول کے بھتیجے تھے بطمع مال چچا کو جنگل میں لے جا کر مار ڈالا تھا پھر وہ ان کا نام بتا کر گر پڑا اور مر گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک یہودی کا لونڈی کو قتل کرنا:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ایک یہودی نے ایک لونڈی کا سر پتھر پر رکھ کر دوسرے پتھر سے کچل ڈالا اور اس کے کپڑے اتار لے گیا جب اس کا پتہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو لگا تو آپؐ نے فرمایا اس لونڈی سے پوچھو کہ اسے کس نے مارا ہے لوگوں نے پوچھنا شروع کیا کہ کیا تجھے فلاں نے مارا، فلاں نے مارا؟ وہ اپنے سر کے اشارے سے انکار کرتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب اسی یہودی کا نام آیا تو اس نے سر کے اشارے سے کہا ہاں۔ چنانچہ اس یہودی کو گرفتار کیا گیا اور اس سے باصرار پوچھنے پر اس نے اقرار کیا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اسکا سر بھی اسی طرح دو پتھروں کے درمیان کچل دیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر)

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ
اسی طرح زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور دکھاتا ہے تم
اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۳﴾
کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو

مُردوں کا زندہ کرنا:

یعنی اسی طرح زندہ کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مردوں کو اپنی قدرت کاملہ سے اور اپنی قدرت کی نشانیاں تم کو دکھلاتا ہے کہ شاید تم غور کرو اور سمجھ لو کہ خدائے تعالیٰ مردوں کو زندہ کر سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مقتول کا قول معتبر کیوں مانا گیا:

(ف) مقتول کا قول مرکر زندہ ہونے کے بعد اس وجہ سے معتبر مانا گیا کہ وہ عالم برزخ کو دیکھ چکا ہے لہٰذا اس کے قول میں اب کذب کا احتمال باقی نہیں رہا اور نہ وہم و خیال اور خطا اور نسیان کا جیسے شجر اور حجر کا گواہی دینا نبی کا معجزہ ہے اسی طرح مردہ کا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتلانا موسیٰ علیہ السلام کا معجزہ تھا آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ جس طرح اس واقعہ میں اللہ نے محض اپنی قدرت سے عدل اور قصاص جاری کرنے کے لئے عارضی طور پر تھوڑی دیر کے لئے ایک خاص ضرورت اور مصلحت کے لئے ایک مردہ کو تمہارے روبرو زندہ فرمایا اور اس مردہ کا کلام تم نے اپنے کانوں سے سنا اسی طرح اللہ تعالیٰ قیامت کے دن محض جزا دینے اور عدل قائم کرنے کے لئے اور انصاف کے لئے دوبارہ اپنی قدرت کاملہ سے مردوں کو محض اپنی قدرت سے زندہ فرمائے گا اور سب کا انصاف کرے گا اور مظلوم کا ظالم سے قصاص اور بدلہ لے گا اور وقتاً فوقتاً اپنی قدرت کے نمونے اور کرشمے دکھلاتا رہتا ہے تاکہ تم سمجھو کہ اس قسم کے خوارق اور عجائب قدرت کا انکار بے عقلوں کا کام ہے۔ (تفسیر معارف کاندھلوی)

مسئلہ: اس جگہ صرف مقتول کا بیان اس لئے کافی سمجھا گیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تھا، کہ یہ مقتول سچ بولے گا ورنہ

صرف مقتول کے بیان سے بغیر شرعی شہادت کے کسی پر قتل کا ثبوت کافی نہیں ہوتا۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِکَ

پھر تمہارے دل سخت ہوگئے اس سب کے بعد

دل کی سختی:

یعنی ''عامیل کے جی اٹھنے کے بعد'' مطلب یہ کہ ایسی نشانی قدرت دیکھ کر بھی تمہارے دل نرم نہ ہوئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ اس مقتول کے بھتیجے نے بھی اپنے چچا کے دوبارہ مرنے کے بعد اس کی تکذیب کی اور کہا کہ اس نے جھوٹ کہا اور پھر کچھ وقت گزر جانے کے بعد بنی اسرائیل کے دل بھی پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوگئے۔

دل کی سختی کے اسباب:

تفسیر ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے ذکر کے سوا زیادہ باتیں نہ کیا کرو ایسے کلام کی کثرت دل کو سخت کر دیتی ہے اور سخت دل والا خدا سے بہت دور ہو جاتا ہے امام ترمذیؒ نے بھی اس حدیث کو بیان فرمایا ہے اس کے ایک طریقہ کو غریب کہا ہے بزار میں حضرت انسؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ چار چیزیں بدبختی اور شقاوت کی ہیں خوف خدا سے آنکھوں سے آنسو نہ بہنا، دل کا سخت ہو جانا، امیدوں کا بڑھ جانا، لالچی بن جانا۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

عابدوں کے دل:

بعض قلوب ایسے ہیں کہ اللہ کی عظمت اور جلال کے سامنے پست ہیں۔ تکبر اور غرور سے پاک ہیں کبھی اس کے حکم کے خلاف سر نہیں اٹھاتے یہ عباد اور زہاد کی شان ہے۔

مگر ان کافروں کے دل پتھر سے بھی زائد سخت ہوگئے ہیں کہ غرور اور تکبر عناد اور سرکشی سے کبھی حق کے سامنے جھکتے بھی نہیں اللہ کی ہدایت کو قبول کرنا تو درکنار اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔

عیش و عشرت سے دو عالم کے نہیں مطلب مجھے
چشم گریاں سینہ بریاں کر عطا یارب مجھے

اس مقام پر بھی بنی اسرائیل کی جس قساوت کا ذکر ہے وہ بھی اسی سبب یعنی کثرت کلام کی وجہ سے ہے کہ جب گائے کے ذبح کا حکم ہوا تو معاندانہ سوالات کا ایک سلسلہ شروع کر دیا ان بیہودہ سوالات کا یہ نتیجہ نکلا کہ دل پتھر سے بھی زائد سخت ہوگئے۔

دل کی سختی کا خاصہ:

قساوت قلبی کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ خدا سے غافل بناتی ہے اس لئے حدیث میں آیا ہے اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْقَسْوَۃِ وَالْغَفْلَۃِ۔ اے اللہ میں دل کی سختی اور غفلت سے پناہ مانگتا ہوں۔

حیوانات اور جمادات میں بھی روح ہے:

اہل سنت والجماعت کے نزدیک حیوانات اور جمادات میں بھی روح اور حیات ہے اور ان میں ایک خاص قسم کا شعور اور ادراک ہے جس کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے جیسا کہ امام قرطبی اور علامہ بغوی اور حافظ ابن کثیر نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔

حیوانات اور جمادات کی تسبیح وتحمید اور صلوٰۃ کا ذکر ہے۔ قال تعالیٰ: ترجمہ: ساتوں آسمان اور زمین اور ان میں جو کچھ بھی ہے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں اور کوئی شئی ایسی نہیں کہ جو اللہ کی تسبیح وتحمید نہ کرتی ہو لیکن تم ان کی تسبیح کو سمجھتے نہیں ہر شئے کو اپنی نماز اور تسبیح کا علم ہے۔

گھاس اور درخت اللہ کے لئے سجدہ کرتے ہیں وہ کفار قیامت کے دن اپنی کھالوں سے کہیں گے کہ تم نے ہمارے خلاف کیوں گواہی دی وہ جواب میں کہیں گی کہ ہم کو اس خدا نے گویائی دی جس نے ہر چیز کو گویائی دی ہے اس روز بیان کرے گی (زمین) اپنی خبریں اس وجہ سے کہ اس کو خدا تعالیٰ نے حکم دیا ہوگا۔

اور اسی طرح اشجار واحجار حیوانات وجمادات کا انبیاء ومرسلین کی اطاعت اور فرمانبرداری اور ان سے کلام کرنا احادیث صحیحہ اور متواترہ سے ثابت ہے۔

جمادات کے کلام کرنے کے چند واقعات:

ا۔ستون حنانہ کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ صحیح بخاری میں مذکور ہے جس میں کسی مؤول متفلسف کو تاویل کی ذرہ برابر گنجائش نہیں۔

استن حنانہ از ہجر رسول نالہ میزد ہمچو ارباب عقول
فلسفی کو منکر حنانہ است از حواس انبیا بیگانہ است

۲۔صحیح بخاری میں ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے جبل احد کو دیکھ کر یہ فرمایا ھٰذَا جَبَلٌ یُحِبُّنَا وَنَحْنُ نُحِبُّهٗ یہ پہاڑ ہم کو محبوب رکھتا ہے اور ہم اس کو محبوب رکھتے ہیں اور محبت بدوں معرفت اور ادراک کے ممکن نہیں۔

۳۔صحیح مسلم میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اب بھی اس پتھر کو پہچانتا ہوں کہ جو نبوت سے پیشتر مجھ کو سلام کیا کرتا تھا۔

۴۔ صحیحین میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اور حضرت ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ جبل احد یا حراء پر چڑھے تو پہاڑ کو جنبش ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قدم مبارک پہاڑ پر مارا اور یہ فرمایا کہ اے پہاڑ ٹھہر۔ تجھ پر ایک نبی ہے اور ایک صدیق اور دو شہید۔

۵۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے کہ ہم جب کبھی نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے ساتھ مکہ سے باہر جاتے تو جس درخت یا پہاڑ پر گذر ہوتا تو یہ آواز آتی السلام علیک یارسول اللہ (اخرجہ البغوی باسنادہ فی المعالم)

اس قسم کے اور صدہا واقعات ہیں جو کتب حدیث اور سیر میں مذکور ہیں بطور نمونہ ہم نے چند واقعات ذکر کر دیئے ہیں۔ ☆تفسیر معارف کاندھلوی☆

فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ
سو وہ ہو گئے جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور
مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ
پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں
وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاۗءُ ۭ
اوران میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی
وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ
اوران میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے
اللّٰهِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۷۴
اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے

پتھر اور کافروں کے دل:

یعنی بعض پتھروں سے بڑا نفع پہنچتا ہے کہ انہار اور پانی بکثرت ان سے جاری ہوتا ہے اور بعض پتھروں سے پانی کم نکلتا ہے اور اول قسم کی نسبت نفع کم ہوتا ہے اور بعض پتھروں سے گو کسی کو نفع نہ پہنچے مگر خود ان میں ایک اثر اور تاثر تو موجود ہے مگر ان کے قلوب ان تینوں قسموں کے پتھر سے سخت تر ہیں نہ ان سے کسی کو نفع اور نہ ان میں کوئی مضمون خیر موجود۔ اور اللہ اے یہود یو تمہارے اعمال سے بے خبر ہرگز نہیں۔ ☆تفسیر عثمانی☆

ایک صحیح حدیث میں ہے کہ احد پہاڑ کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے محبت رکھتا ہے اور ہم بھی اس سے محبت رکھتے ہیں۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ جس کھجور کے تنے پر ٹیک لگا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کا خطبہ پڑھا کرتے تھے جب منبر بنا اور وہ تنا ہٹا دیا گیا تو وہ تنا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو میری نبوت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا حجر اسود کے بارے میں ہے کہ جس نے اسے حق کے ساتھ بوسہ دیا ہوگا یہ اس کے ایمان کی گواہی قیامت کے دن دے گا اور اس طرح کی بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں جن سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان چیزوں میں ادراک وحس ہے اور یہ تمام حقیقت پر محمول ہیں نہ کہ مجاز پر۔ ☆تفسیر ابن کثیر☆

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی آدم کے قلوب اللہ تعالیٰ کی دو انگلیوں میں اس طرح ہیں جیسے ایک قلب وہ اس دل کو جس طرف چاہتا ہے پھیرتا ہے پھر اس کے بعد رسول اللہ صلعم نے یہ دعا مانگی:

اَللّٰهُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰى طَاعَتِكَ۔

"(اے خدا دلوں کے پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنی طاعت کی طرف پھیر دے)" اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

حیوانات و جمادات کی تسبیح وخوف:

علامہ بغوی نے فرمایا ہے کہ اہل سنت و جماعت کا مذہب ہے کہ جمادات اور حیوانات میں بھی اللہ تعالیٰ کا عطا کیا ہوا ایک علم ہے کہ اسے اس صاحب علم کے سوا کوئی اور نہیں جانتا اس لئے تمام جمادات وحیوانات دعا بھی کرتے ہیں اور تسبیح بھی اور خوف الٰہی بھی موجود ہے۔

پہاڑ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دشمنوں کی اطلاع دینا:

علامہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جناب سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کوہ ثبیر پر جلوہ افروز تھے اور کفار حضور کی ٹوہ میں لگے ہوئے تھے کہ پہاڑ بول اٹھا یا نبی اللہ آپ مجھ پر سے اتر جایئے مجھے خوف ہے کہ کہیں کفار آپ کو پکڑ لیں اور مجھے اس کے سبب اللہ تعالیٰ عذاب کرے اور کوہ ثور نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ یہاں تشریف لے آیئے اور میرے پاس آیئے۔

ایک بیل کے بولنے کا واقعہ:

اور فرمایا کہ ایک وقت کا واقعہ ہے کہ ایک شخص ایک بیل ہانکنے لئے جاتا تھا جب چلتے چلتے تھک گیا تو اس پر سوار ہو لیا اور اسے مارا بیل بول پڑا ہم سواری

کے لئے پیدا نہیں کئے گئے ہم تو زراعت میں کام آنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں لوگ یہ حیرت انگیز واقعہ دیکھ کر کہنے لگے سبحان اللہ بیل بھی باتیں کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ اس قصہ کی تصدیق کرتے ہیں راوی کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما وہاں موجود نہ تھے۔

بھیڑیئے کی گفتگو:

نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنی بکریوں میں تھا کہ ناگاہ ایک بھیڑیئے نے بکری کو جا دبایا وہ ابھی پوری طرح اس کے قابو میں نہ آئی تھی کہ مالک جا پہنچا اور اسے چھڑا لیا بھیڑیا بول اٹھا اب تو تو نے چھڑا لیا مگر جس دن درندوں ہی کا تسلط ہوگا اس وقت ان کا کون حامی و مددگار ہوگا اس دن ہمارے سوا کوئی اس کا چرواہا نہ ہوگا لوگوں نے سن کر کہا سبحان اللہ بھیڑیا بھی باتیں کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اور ابوبکرؓ و عمرؓ اس قصہ کی تصدیق کرتے ہیں حالانکہ وہ وہاں موجود نہ تھے اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

کوہِ صفا کے ایک پتھر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کوہ حرا پر تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمان و علی و طلحہ و زبیر رضی اللہ عنہم بھی حاضر تھے کہ ایک پتھر کو جنبش ہوئی حضور صلعم نے فرمایا ٹھہر جا تجھ پر سوائے ایک نبیؐ یا صدیق یا شہید کے اور کوئی نہیں اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

پہاڑوں کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام بھیجنا:

مسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ ہم مکہ میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور جب ہم مکہ سے باہر ادھر ادھر پہاڑوں اور درختوں میں گئے تو جس درخت یا پہاڑ پر ہمارا گذر ہوتا تھا وہ پکارتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ۔

کھجور کے تنہ کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جُدائی کی وجہ سے رونا:

نیز صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب منبر تیار ہونے سے پہلے مسجد کے ایک ستون سے جو کھجور کی لکڑی کا تھا تکیہ اور سہارا فرماتے جب منبر تیار ہو گیا اور اس پر آپ جلوہ افروز ہوئے تو وہ ستون بیقرار ہو کر مثل اونٹنی کے رونے لگا حتیٰ کہ اس کی آواز مسجد والوں نے سنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے نیچے تشریف لائے اور اسے گلے سے لگایا وہ آپ کے گلے سے لگتے ہی بالکل چپ ہو گیا (ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ جمادات میں بھی علم اور حیات ہے علامہ بغوی کہتے ہیں کہ مجاہد نے فرمایا جو پتھر اوپر سے نیچے آتا ہے وہ اللہ کے ڈر سے نیچے آتا ہے۔) ﴿تفسیر مظہری﴾

یہودیوں کے دل پتھر، لوہا، تانبا سے زیادہ سخت ہیں:

حالانکہ ہر ایک نشانی رقت قلب کے لئے ایک نسخہ جامعہ تھی خصوصاً مقتول کا زندہ ہو کر اپنے قاتل کا نام بتلانا ایک عجیب و غریب کرشمہ تھا یہ نشانی دلیل قدرت بھی تھی اور دلیل نبوت و رسالت بھی تھی اور دلیل قیامت بھی تھی مگر پھر بھی دل نرم نہ ہوئے پس وہ مثل پتھروں کے سخت ہیں یا سختی میں پتھروں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں تشبیہ اور تمثیل میں لوہے اور تانبے کا اس لئے ذکر نہیں فرمایا کہ لوہا اور تانبا آگ پر رکھنے سے پگھل جاتا ہے مگر ان کے دل اس قدر سخت ہیں کہ تخویف اور ترہیب کی آگ سے بھی نہیں پگھلتے پتھر کی طرح ہیں کہ جو کسی حال میں بھی نرم نہیں ہوتا یا پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں اس لئے کہ بعض پتھر ایسے ہیں کہ ان سے نہریں جاری ہو جاتی ہیں اور بعض ایسے ہیں کہ اگرچہ ان سے نہریں تو نہیں جاری ہو جاتیں لیکن پھٹ جاتے ہیں پھر ان سے پانی آہستہ آہستہ نکلتا رہتا ہے اور بعض ایسے ہیں کہ اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں اسی طرح بعض قلوب ایسے ہیں کہ جن سے علوم و معارف کی نہریں جاری ہو جاتی ہیں کہ جن سے دنیا سیراب ہوتی ہے یہ علماء راسخین اور ائمہ ہادیین کی شان ہے کہ جن کے کلمات طیبات نے مردہ دلوں کے حق میں آب حیات کا کام دیا اور بعض قلوب ایسے ہیں کہ ان سے نہریں تو نہیں مگر علم و حکمت کے چشمے رواں ہو گئے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

اس مقتول کا زندہ ہونا مُردوں کے زندہ ہونے کی دلیل ہے:

ایک موقعہ یہ بھی تھا کہ مقتول نے بحکم خدا زندہ ہو کر قاتل کا نام بتا دیا اور یہ واقعہ حاضرین کے سامنے ہوا، سب نے دیکھ لیا کہ مردہ زندہ ہوا اور تواتر کے ساتھ یہ قصہ لوگوں تک پہنچ گیا تو اب موت کے بعد زندہ ہونے کا انکار کرنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی عقلاً بھی یہ بات ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ کو مردوں کے زندہ کرنے پر قدرت ہے۔

اللہ کے ڈر سے رونا

ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ کے ڈر سے رویا وہ دوزخ میں داخل نہ ہوگا یہاں تک کہ دودھ تھنوں میں واپس ہو جائے (جس طرح دودھ تھنوں میں واپس نہیں جاتا اسی طرح یہ شخص دوزخ میں داخل نہ ہوگا) (الترغیب والترہیب)

نجات کس چیز میں ہے:

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ نجات

کس چیز میں ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اپنی زبان کو قابو میں رکھ کہ تجھے نقصان نہ پہنچا دے اور تیرے گھر میں تیری گنجائش رہے (یعنی بلاضرورت گھر سے باہر نہ جا) اور اپنے گناہوں پر رویا کرو۔ (اخرجہ الترمذی فی ابواب الزہد)

بدبختی کی چیزیں:

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ چار چیزیں بدبختی کی ہیں: (۱) آنکھوں کا جامد ہونا (یعنی ان سے آنسو نہ نکلنا) (۲) دل کا سخت ہونا (۳) لمبی لمبی آرزوئیں رکھنا (۴) اور دنیا کی حرص رکھنا۔ (الترغیب ص۲۹۵ ج۴ عن البزار)

اے لوگو! ابھی رولو:

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ اے لوگو! روؤ اور رونا نہ آئے تو بتکلف رونے کی کوشش کرو کیونکہ دوزخ والے دوزخ میں اتنا روئیں گے کہ ان کے آنسو ان کے چہروں پر اس طرح جاری ہوں گے جیسے چھوٹی چھوٹی نہروں میں پانی جاری ہوتا ہے روتے روتے آنسو ختم ہو جائیں گے تو خون بہنے لگیں گے جس سے آنکھوں میں زخم ہو جائیں گے اور اس قدر کثرت سے خون اور آنسو جمع ہو جائیں گے کہ اگر ان میں کشتیاں چلائی جائیں تو جاری ہو جائیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ص۵۰۴ عن شرح السنۃ)

دل کی سختی کا علاج:

اگر کوئی شخص قبر دوزخ اور حشر کے حالات کا مراقبہ کیا کرے تو آسانی سے سخت دلی دور ہو سکتی ہے اور رونے کی شان پیدا ہو سکتی ہے ایک آدمی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ میرا دل سخت ہے آپ نے فرمایا کہ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کر اور مسکین کو کھانا کھلایا کر۔ (مشکوٰۃ ص۵۰۴)

کثرت ذکر سے دل نرم ہوتا ہے اور زیادہ بولنے سے سختی آتی ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ زیادہ بات نہ کیا کرو کیونکہ ذکر اللہ کے علاوہ بات کرنا دل کی سختی کا سبب ہے اور بلاشبہ لوگوں میں سب سے زیادہ اللہ سے دور وہ شخص ہے جس کا دل سخت ہو۔ (رواہ الترمذی)

سورۃ نور میں فرمایا:

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ
وَالطَّيْرُ صَافَّاتٍ ۖ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَ
تَسْبِيحَهُ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِمَا يَفْعَلُونَ

(کیا تجھ کو معلوم نہیں اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں وہ سب جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں اور پرندے جو پر پھیلائے ہوئے ہیں سب کو اپنی اپنی دعا اور اپنی اپنی تسبیح معلوم ہے اور اللہ تعالیٰ کو لوگوں کے سب افعال کا پورا علم ہے۔

کنکریوں کا تسبیح پڑھنا:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سات یا نو کنکریاں لیں ان کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں تسبیح پڑھی یہاں تک کہ میں نے ان کی ایسی آواز سنی جیسی شہد کی مکھیوں کی بھن بھناہٹ ہوتی ہے پھر آپ نے ان کو رکھ دیا تو ان کی گویائی ختم ہو گئی۔ پھر حضرت عمر کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح پڑھی پھر حضرت عثمان کے ہاتھ میں رکھ دیا تو ان کے ہاتھ میں بھی ان کنکریوں نے تسبیح پڑھی اور ہر مرتبہ میں نے شہد کی مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ سنی۔ (جمع الفوائد فی ذکر کلام الحیوانات والجمادات)

درخت کا بولنا:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کسی نے دریافت کیا کہ جب جنات بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر قرآن سننے لگے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کس نے بتایا کہ جنات حاضر ہیں حضرت ابن مسعود نے جواب دیا کہ وہاں جو ایک درخت تھا اس نے آپ کو بتایا۔ (للشیخین کما فی جمع الفوائد)

بکری کے گوشت کا بولنا:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد کے لئے خیبر تشریف لے گئے تھے وہاں ایک یہودی عورت نے بکری کا ایک ہاتھ بھون کر پیش کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے تناول فرمایا اور آپ کے بعض صحابہ نے بھی اس میں سے کھایا پھر آپ نے فرمایا آپ لوگ ہاتھ اٹھا لیں اور اس یہودی عورت کو بلا کر فرمایا کہ تو نے بکری میں زہر ملایا ہے وہ کہنے لگی آپ کو کس نے بتایا آپ نے فرمایا مجھے بکری کے اس ہاتھ نے بتایا جو میرے ہاتھ میں ہے کہنے لگی ہاں واقعی میں نے زہر ملایا ہے۔ (جمع الفوائد عن ابی داؤد)

پہاڑوں کی آپس میں گفتگو:

حصن حصین میں بحوالہ طبرانی نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک پہاڑ دوسرے پہاڑ کا نام لے کر آواز دیتا ہے اور دریافت کرتا ہے کہ اے فلاں کیا تجھ پر کوئی ایسا شخص گزرا ہے جس نے اللہ کا ذکر کیا ہو وہ دوسرا پہاڑ جب جواب دیتا ہے کہ ہاں ایک شخص اللہ کا ذکر کرنے والا میرے اوپر گزرا ہے تو وہ سوال کرنے والا پہاڑ خوش ہوتا ہے۔ قال العارف الرومی

آب و باد و خاک و آتش بندہ اند   با من و تو مردہ با حق زندہ اند

﴿انوار البیان﴾

اَفَتَطۡمَعُوۡنَ اَنۡ يُّؤۡمِنُوۡا لَكُمۡ وَقَدۡ كَانَ
اب کیا تم اے مسلمانو! توقع رکھتے ہو کہ وہ مانیں تمہاری بات اور
فَرِيۡقٌ مِّنۡهُمۡ يَسۡمَعُوۡنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ
ان میں ایک فرقہ تھا کہ سنتا تھا اللہ کا کلام پھر
يُحَرِّفُوۡنَهٗ مِنۡۢ بَعۡدِ مَا عَقَلُوۡهُ وَهُمۡ
بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ
يَعۡلَمُوۡنَ ﴿۷۵﴾
جانتے تھے

یہودیوں کے لیڈروں کی تحریف:

فریق سے مراد وہ لوگ ہیں جو کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام الٰہی سننے کے لئے گئے تھے انہوں نے وہاں سے آ کر یہ تحریف کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تمام کلام کے آخر میں ہم نے یہ بھی سنا کہ (کر سکو تو ان احکام کو کر لینا ورنہ ان کے ترک کا بھی تم کو اختیار ہے) اور بعض نے فرمایا کہ کلام الٰہی سے مراد توریت ہے اور تحریف سے مراد یہ ہے کہ (اس کی آیات میں تحریف لفظی ومعنوی کرتے تھے) کبھی آپ کی نعت کو بدلا، کبھی آیت رجم کو اڑا دیا وغیرہ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے کلام سننے کو فرمایا۔ اس سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کی وہ جماعت ہے جنہوں نے آپؑ سے اللہ تعالیٰ کا کلام اپنے کانوں سے سننے کی درخواست کی تھی اور جب وہ پاک صاف ہو کر روزہ رکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ طور پہاڑ پر جا کر سجدے میں گر پڑے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا کلام سنایا۔ جب وہ واپس ائے اور نبی اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کا یہ کلام بنی اسرائیل میں بیان کرنا شروع کیا تو ان لوگوں نے اس کی تحریف اور تبدیل شروع کر دی۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

امت محمدیہ کا یہود ونصاریٰ کے قدم بہ قدم چلنا:

بخاری شریف کی حدیث ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت نہ قائم ہوگی جب تک کہ نہ کرنے لگے میری امت اگلے زمانوں کے طریقوں کو بالشت بالشت بھر اور ہاتھ ہاتھ بھر یعنی بے تفاوت جو اگلے زمانہ کے کافروں کی رسمیں تھیں سو میری امت بھی کرے گی۔ اصحاب نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا مجوسی اور نصاریٰ کی طرح لوگ ہو جائیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کون لوگ ہیں سوائے ان کے یعنی انہیں کے قدم بقدم چلیں گے۔

یہود ونصاریٰ کی رسمیں:

اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ مجوس اور نصاریٰ کی یہ رسمیں تھیں۔ ریشمی کپڑا پہننا، چاندی سونے کے برتنوں میں کھانا، نجومیوں سے پوچھ کر کام کرنا، داڑھی منڈانا، گناہوں پر اڑ جانا، توبہ نہ کرنا، شریعت کے حکموں پر خیال نہ کرنا، شراب پینا، سو افسوس کہ یہ سب رسمیں مسلمانوں میں بھی جاری ہو گئیں۔ ﴿درس محمد احمد﴾

جمادات کا روح والا ہونا:

عارف رومی قدس اللہ سرہٗ فرماتے ہیں۔

باد وخاک وآب وآتش بندہ اند	بامن وتو مردہ باحق زندہ اند
آب وباد وخاک ونار پرشرر	بے خبر باما وباحق باخبر
مابعکس آں زغیر حق خبیر	بے خبر از حق واز چندیں نظیر
پیش تو آں سنگریزہ ساکت ست	پیش احمد او فصیح وناطق است
پیش تو استون مسجد مردہ است	پیش احمد عاشق دل بردہ است
جملہ اجزائے جہاں پیش عوام	مردۂ وپیش خدا داناؤ رام

اور اسی پر تمام انبیاء ومرسلین کا اجماع ہے کہ جمادات میں ایک روح مجرد ہے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚ ۖ وَاِذَا
اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے اور جب
خَلَا بَعۡضُهُمۡ اِلٰى بَعۡضٍ قَالُوۡۤا اَتُحَدِّثُوۡنَهُمۡ
تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو
بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيۡكُمۡ لِيُحَآجُّوۡكُمۡ بِهٖ
ان سے جو ظاہر کیا ہے اللہ نے تم پر تا کہ جھٹلائیں تم کو اس سے
عِنۡدَ رَبِّكُمۡ ؕ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ ﴿۷۶﴾
تمہارے رب کے آگے کیا تم نہیں سمجھتے

یہودیوں کی ایک دوسرے کو ملامت:

یہود میں جو لوگ منافق تھے وہ بطور خوشامد اپنی کتاب میں سے پیغمبر آخر الزمان کی باتیں مسلمانوں سے بیان کرتے دوسرے لوگ ان میں سے ان کو اس بات پر ملامت کرتے کہ اپنی کتاب کی سند ان کے ہاتھ میں کیوں دیتے ہو کیا تم نہیں جانتے کہ مسلمان تمہارے پروردگار کے آگے تمہاری خبر دی ہوئی باتوں سے تم پر الزام قائم کریں گے کہ پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو سچ جان کر بھی ایمان نہ لائے اور تم کو لاجواب ہونا پڑے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ
کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں
وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾
اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ علیم ہے وہ سب خبریں بتا سکتا ہے:

یعنی اللہ کو تو ان کے سب امور ظاہر ہوں یا مخفی بالکل معلوم ہیں ان کی کتاب کی سب حجتوں کی خبر مسلمانوں کو دے سکتا ہے اور جا بجا مطلع فرما بھی دیا۔ آیت رجم کو انہوں نے چھپایا مگر اللہ نے ظاہر فرما کر ان کو فضیحت کیا' یہ تو ان کے علماء کا حال ہوا جو عقلمندی اور کتاب دانی کے مدعی تھے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ
اور بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی
اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾
سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور ان کے پاس کچھ نہیں مگر خیالات

جاہل یہودیوں کی آرزو پرستی:

اور جو جاہل ہیں ان کی تو کچھ بھی خبر نہیں کہ توریت میں کیا لکھا ہے مگر چند آرزوئیں جو اپنے عالموں سے جھوٹی باتیں سن رکھی ہیں (مثلاً بہشت میں یہودیوں کے سوا کوئی نہ جائے گا اور ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوا لیں گے) اور یہ ان کے خیالات بے اصل ہیں جن کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ
سو خرابی ہے ان کو جو لکھتے ہیں کتاب
بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ
اپنے ہاتھ سے پھر کہہ دیتے ہیں یہ
عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَوَيْلٌ
خدا کی طرف سے ہے تا کہ لیویں اس پر تھوڑا سا مول سو خرابی ہے
لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ
ان کو اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کو
مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿۷۹﴾
اپنی اس کمائی سے

اہل علم یہودیوں کی جعلسازیاں:

یہ وہ لوگ ہیں جو ان عوام جاہلوں کے موافق باتیں اپنی طرف سے بنا کر لکھ دیتے تھے اور خدا کی طرف ان باتوں کو منسوب کرتے۔ مثلاً توریت میں لکھا تھا کہ پیغمبر آخر الزمان خوبصورت پیچواں بال' سیاہ آنکھیں' میانہ قد' گندم رنگ پیدا ہوں گے' انہوں نے پھیر کر یوں لکھا۔ لمبا قد' نیلی آنکھیں' سیدھے بال' تا کہ عوام آپ کی تصدیق نہ کر لیں اور ہمارے منافع دنیوی میں خلل نہ آ جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تحریف انجیل کے متعلق مولانا رحمت اللہ کیرانوی کی کتابیں:

توریت اور انجیل کی تحریف کے متعلق حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ اعجاز عیسوی ملاحظہ فرماویں کہ جو اس باب میں بے نظیر ہے۔

رسالہ موصوفہ میں اس امر کو نہایت بسط و شرح سے ثابت فرمایا کہ توریت اور انجیل میں ہر قسم کی تحریف ہوئی ہے لفظی بھی اور معنوی بھی۔ کمی اور بیشی زیادتی اور نقصان۔ تغیر اور تبدیل غرض یہ تحریف کی کوئی نوع ایسی نہیں کہ جس سے توریت و انجیل خالی ہو۔

یہ رسالہ اردو زبان میں ہے۔ مولانا موصوف کی دوسری کتاب اظہار الحق جو عربی زبان میں ہے کافی اور شافی تحقیق فرمائی۔ اور بہت حضرات اہل علم اس کی مراجعت فرمائیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک میں تحریف

توریت میں جو صفت لکھی تھی اسے متغیر کردیا۔ چنانچہ توریت میں جناب سرور کائنات فخر عالم رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ یہ لکھا تھا۔ خوبصورت' اچھے بالوں والے' سرگیں چشم' متوسط قد والے' اس کی جگہ ان ظالموں نے یہ لکھ دیا۔ لمبے قد والے' نیلگوں چشم' چھدرے بالوں والے۔ جب عام لوگوں نے ان نام نہاد علماء سے پوچھا کہ نبی آخر الزماں کا توریت میں کیا حلیہ لکھا ہے تو انہوں نے یہی متغیر شدہ الفاظ پڑھ دیئے۔ ان سب نے دیکھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ان سب احوال سے جدا ہیں اس لئے تکذیب کرنے لگے۔

ویل وادی:

سعید بن المسیب رحمتہ اللہ فرماتے ہیں۔ کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے اگر اس میں جہنم کے پہاڑ بھی جلائے جاویں تو وہ بھی ریت ہو جاویں اور یا شدت حرارت سے بالکل پگھل کر پانی کی طرح بہ جاویں۔ علامہ بغوی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ویل جہنم میں ایک وادی ہے کہ کافر اس میں چالیس برس اترتا چلا جاوے گا تب بھی اس کی تہ تک نہ پہنچے گا اور صعود جہنم کی آگ کا پہاڑ ہے کہ اس پر کافر ستر برس تک چڑھایا جاوے گا پھر وہاں سے اتنے ہی برسوں تک گرے گا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً
اور کہتے ہیں ہم کو ہرگز آگ نہ لگے گی مگر چند روز گنے چنے

یہودیوں کی خودفریبی:

بعض نے کہا سات دن اور بعض نے چالیس دن (جتنے روز بچھڑے کی پوجا کی تھی) اور بعض نے چالیس سال (جتنی مدت تیہ میں سرگردان رہے تھے) اور بعض نے کہا ہر ایک جتنی مدت دنیا میں زندہ رہا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ
کہہ دو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے قرار کہ اب ہرگز
يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى
خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے قرار کے یا جوڑتے ہو اللہ

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾ بَلٰى
پر جو تم نہیں جانتے کیوں نہیں

یہودیوں کے خیال کی تردید:

یعنی یہ بات غلط ہے کہ یہودی ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہ رہیں گے۔ کیونکہ خلود فی النار اور خلود فی الجنۃ کا جو قاعدہ کلیہ آگے بیان فرمایا ہے اسی کے مطابق سب سے معاملہ ہوگا یہودی اس سے نکل نہیں سکتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

عہد کا معنی: ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ عہد سے توحید کا عہد مراد ہے جیسا کہ آیت (اِلَّا مَنِ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمٰنِ عَهْدًا) میں بھی عہد سے مراد لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہنے کا عہد ہے۔ اس تقدیر پر حاصل معنی آیت کے یہ ہوئے کہ اے بنی اسرائیل تم نے لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا تو اقرار کیا نہیں کہ تمہارے لئے اللہ کے نزدیک عہد ہوتا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

سبب نزول:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہودی لوگ کہا کرتے تھے کہ دنیا کی کل مدت سات ہزار سال ہے۔ ہر سال کے بدلے ایک دن ہمیں عذاب ہوگا تو صرف سات دن ہمیں جہنم میں رہنا پڑے گا۔ اس قول کی تردید میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں:

یہودیوں کے جھوٹ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے نہ چل سکے

فتح خیبر کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ کے بکری کا پکا ہوا زہر آلود گوشت آیا۔ آپؐ نے فرمایا یہاں کے یہودیوں کو جمع کرلو۔ پھر ان سے پوچھا' تمہارا باپ کون ہے؟ انہوں نے کہا فلاں ہے۔ آپؐ نے فرمایا جھوٹے ہو بلکہ تمہارا باپ فلاں ہے۔ انہوں نے کہا بجا ارشاد ہوا وہی ہمارا باپ ہے۔ آپؐ نے فرمایا دیکھو اب میں کچھ اور پوچھتا ہوں سچ بتانا۔ انہوں نے کہا اے ابوالقاسم (صلی اللہ علیہ وسلم) اگر جھوٹ بھی کہیں گے تو آپ کے سامنے نہ چل سکے گا ہم تو آزما چکے۔ آپؐ نے فرمایا بتاؤ جہنمی کون لوگ ہیں؟ انہوں نے کہا کچھ دن تو ہم ہیں پھر آپ کی امت۔ آپؐ نے فرمایا پرے ہٹو ہرگز نہیں۔ پھر فرمایا اچھا بتلاؤ اس گوشت میں تم نے زہر ملایا ہے؟ انہوں نے کہا ہاں حضور! فرمایا کیوں؟ کہا اگر آپ سچے ہیں تو یہ زہر آپ کو ہرگز ضرر نہ دے گا اور اگر جھوٹے ہیں تو ہم آپ سے نجات حاصل کرلیں گے۔ (مسند احمد' بخاری' نسائی) ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـَٔتُهٗ

جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے

گناہوں کا احاطہ:

گناہ کسی کا احاطہ کرلیں۔ اس کا یہ مطلب ہے کہ گناہ اس پر ایسا غلبہ کرلیں کہ کوئی جانب ایسی نہ ہو کہ گناہ کا غلبہ نہ ہو حتیٰ کہ دل میں ایمان وتصدیق باقی ہوگی تو بھی احاطۂ مذکور محقق نہ ہوگا۔ تو اب کافر ہی پر یہ صورت صادق آسکتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں گناہ کے گھیر لینے کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کرتا ہے اور شرمندہ نہیں ہوتا۔ اھ۔ اور ظاہر ہے کہ یہ حال کافر ہی کا ہوسکتا ہے۔ مؤمن کا نہیں ہوسکتا۔ (معارف کاندھلویؒ)

جنت اور جہنم میں داخلہ کی صورتیں:

ف (۱) اہل سنت والجماعت کے نزدیک جو فریق ایمان لایا اور اعمال صالحہ بھی کئے اس کا ثواب دائمی اور غیر متناہی ہے اور جو فریق نہ ایمان لایا اور نہ اعمال صالحہ کئے اس کا عذاب دائمی اور غیر متناہی ہے فریق اول میں ایمان اور عمل صالح دونوں موجود ہیں اور فریق ثانی میں دونوں نہیں اس لئے فریق اول کا ثواب دائمی ہے اور فریق ثانی کا عذاب دائمی ہے۔ اور جو فریق ایمان تو لایا مگر اعمال صالحہ نہیں کئے اس کی جزا ثواب اور عقاب سے مرکب اور ملی جلی ہے لیکن اول عذاب دیں گے اور بعد میں بہشت میں داخل کریں گے۔ بہشت میں داخل کرکے پھر بہشت سے نکالنا اور دوزخ میں ڈالنا خلاف حکمت ہے۔ عزت دینے کے بعد ذلت کے گڑھے میں ڈالنا لطف اور عنایت کے خلاف ہے یہ تین احتمال ہوئے۔ چوتھا احتمال یہ ہے کہ اعمال صالحہ تو ہوں مگر ایمان نہ رکھتا ہو۔ یہ صورت شرعاً محال ہے۔ اس لئے کہ شریعت میں کوئی عمل صالح بدون ایمان کے معتبر نہیں ہر عمل صالح کے لئے ایمان شرط ہے۔

ف (۲) ہر شریعت میں یہ قاعدہ رہا ہے کہ کافر مخلد فی النار ہے۔ ہمیشہ ہمیشہ اور ابدالآباد تک جہنم میں رہے گا۔ اور مؤمن عاصی چند روز دوزخ میں عذاب پاکر جنت میں داخل کردیا جائے گا۔ کما قال تعالیٰ (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ) علماء رضی اللہ عنہم نے فرمایا ہے کہ اس آیت میں خطیئۃ سے مراد وہ شرک ہے جس پر آدمی مرجاوے۔ (معارف کاندھلویؒ)

نجات کا مدار:

نجات کا دارو مدار ایمان اور عمل صالح پر ہے۔ خاندان نبوت سے تعلق پر نہیں۔ جو ایمان لائے اور عمل صالح کرے خواہ وہ کسی خاندان اور کسی قسم کا ہو اس کی نجات ہوگی اور جو کفر کرے گا وہ ہمیشہ کیلئے جہنم میں جائے گا۔ جیسے نوح علیہ السلام کا بیٹا۔ یہ آخرت کا معاملہ ہے۔

ع در یں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست

فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا

سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے وہ اسی میں

خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

ہمیشہ رہیں گے اور جو ایمان لائے اور عمل کئے

الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ

نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اسی میں

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ

ہمیشہ رہیں گے اور جب ہم نے لیا قرار

بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف

بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی

وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى

اور ماں باپ سے سلوک نیک کرنا اور کنبہ والوں سے

وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ

اور یتیموں اور محتاجوں سے اور کہیو سب لوگوں سے

حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط

نیک بات اور قائم رکھیو نماز اور دیتے رہیو زکوٰۃ

ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہو ہی پھرنے والے

یعنی احکام الٰہی سے اعراض کرنا تو تمہاری عادت بلکہ طبیعت ہوگئی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

افضل عمل:

صحیحین میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے پوچھا

رسول اللہ! کونسا عمل سب سے افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز کو وقت پر ادا کرنا۔ پوچھا کہ اس کے بعد۔ فرمایا ماں باپ کے ساتھ سلوک اور احسان کرنا۔ پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ ایک اور صحیح حدیث میں ہے کسی نے کہا حضور! میں کس کے ساتھ سلوک اور بھلائی کروں۔ آپ نے فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ پوچھا پھر کس کے ساتھ؟ فرمایا اپنی ماں کے ساتھ۔ پوچھا پھر کس کے ساتھ۔ فرمایا اپنے باپ کے ساتھ' پھر اور قریب والے کے ساتھ' پھر اور قریب والے کے ساتھ۔

یتیم و مسکین:

یتیم ان چھوٹے بچوں کو کہتے ہیں جن کا سرپرست باپ نہ ہو۔ مسکین ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو اپنی اور اپنے بال بچوں کی پرورش اور دیگر ضروریات پوری طرح مہیا نہ کر سکتے ہوں۔

اچھا خلق:

حضرت حسنؒ فرماتے ہیں' بھلائی کا حکم دو' برائی سے روکو' بردباری' درگزر اور خطاؤں کی معافی کو اپنا شیوہ بنالو' یہی اچھا خلق ہے جسے اختیار کرنا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اچھی چیز کو حقیر نہ سمجھو اگر اور کچھ نہ ہو سکے تو اپنے بھائیوں سے ہنستے ہوئے چہرے سے ملاقات ہی کرلیا کرو۔ (مسند احمد) ﴿از تفسیر ابن کثیر﴾

والدین کی تربیت:

والدین کی تربیت تربیت خداوندی کا ایک نمونہ ہے۔ والدین عالم اسباب میں اس کے وجود کے ایک ظاہری سبب ہیں۔ ماں باپ اولاد کے ساتھ جو کچھ احسان کرتے ہیں وہ کسی غرض اور عوض کیلئے نہیں اولاد کی تربیت سے ماں باپ کسی وقت ملول نہیں ہوتے۔ اولاد کے لئے جو کمال ممکن ہو والدین دل و جان سے اس کی آرزو کرتے ہیں۔ اولاد کی ترقی اور عروج پر کبھی حسد نہیں کرتے ہمیشہ اپنے سے زیادہ اولاد کو ترقی اور عروج پر دیکھنے کے خواہشمند اور آرزومند رہتے ہیں۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ
اور جب لیا ہم نے وعدہ تمہارا کہ نہ کرو گے خون آپس میں
وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ
اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے

ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾
پھر تم نے اقرار کرلیا اور تم مانتے ہو

یعنی نہ اپنی قوم کو قتل کرو اور نہ ان کو جلا وطن کرو۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ
پھر تم وہ لوگ ہو کہ ویسے ہی خون کرتے ہو آپس میں اور نکال دیتے ہو
فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ
اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے چڑھائی کرتے ہو
عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ
ان پر گناہ اور ظلم سے

قبل اسلام اہل مدینہ میں میدانِ کارزار:

مدینہ میں دو فریق یہودیوں کے تھے ایک بنی قریظہ دوسرے بنی نضیر یہ دونوں آپس میں لڑا کرتے تھے اور مشرکوں کے بھی مدینہ میں دو فرقے تھے ایک ''اوس'' دوسرے ''خزرج'' یہ دونوں بھی آپس میں دشمن تھے بنی قریظہ تو اوس کے موافق ہوئے اور بنی نضیر نے خزرج سے دوستی کی تھی۔ لڑائی میں ہر کوئی اپنے موافقوں اور دوستوں کی حمایت کرتا جب ایک کو دوسرے پر غلبہ ہوتا تو کمزوروں کو جلا وطن کرتے انکے گھر ڈھاتے اور اگر کوئی قید ہو کر پکڑا آتا تو سب رل مل کر مال جمع کر کے اس کا بدلہ دے کر قید سے اس کو چھڑاتے جیسا کہ آئندہ آیت میں آتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

بنی قریظہ کا بھائی چارہ اوس کے ساتھ تھا جب اوس اور خزرج میں جنگ کی ٹھہرتی تو یہودیوں کے یہ تینوں گروہ بھی اپنے اپنے حلیف کا ساتھ دیتے اور ان سے مل کر ان کے دشمن سے لڑتے دونوں طرف کے یہودی یہودیوں کے ہاتھ سے مارے بھی جاتے اور موقعہ پا کر ایک دوسرے کے گھروں کو بھی اجاڑ ڈالتے اور دیس نکالا بھی دیدیا کرتے تھے اور مال و دولت پر بھی قبضہ کرلیا کرتے تھے جب لڑائی موقوف ہوتی تو فریق مغلوب کے قیدیوں کا فدیہ دے کر چھڑا لیتے اور کہتے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ ہم میں سے جب کوئی قید ہو جائے تو ہم فدیہ دے کر چھڑا لیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ
اور اگر وہی آویں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو انکا بدلہ

عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ

دیگر چھڑاتے ہو حالانکہ حرام ہے تم پر ان کا نکال دینا بھی تو کیا تم

الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ

مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو

ہر جگہ حکم الٰہی پر عمل کرو:

یعنی اپنی قوم غیر کے ہاتھ میں پھنستی تو چھڑانے کو مستعد اور خود ان کے ستانے اور گلا کاٹنے تک کو موجود۔ اگر خدا کے حکم پر چلتے ہو تو دونوں جگہ چلو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَمَا جَزَاۗءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ

سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی

فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ

دنیا کی زندگی میں اور قیامت کے دن پہنچائے جاویں

اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

سخت سے سخت عذاب میں اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے

بعض احکام پر عمل اور بعض چھوڑنے سے نفع نہیں ہوتا:

ایسا کرے "یعنی بعض احکام کو مانے اور بعض کا انکار کرے اسلئے کہ ایمان کا تجزیہ تو ممکن نہیں تو اب بعض احکام کا انکار کرنے والا بھی کافر مطلق ہوگا۔ صرف بعض احکام پر ایمان لانے سے کچھ بھی ایمان نصیب نہ ہوگا اس آیت سے صاف معلوم ہوگیا کہ اگر کوئی شخص بعض احکام شرعیہ کی تو متابعت کرے اور جو حکم کہ اس کی طبیعت یا عادت یا غرض کے خلاف ہو اس کے قبول میں قصور کرے تو بعض احکام کی متابعت اس کو کچھ نفع نہیں دے سکتی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

یہودیوں کے دیئے ہوئے زہر کا اثر:

صحیح حدیث میں حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الموت میں فرمایا کرتے تھے کہ میں اس زہر آلود لقمہ کا اثر ہمیشہ محسوس کرتا تھا جو میں نے خیبر میں کھایا تھا اور اب وہ وقت ہے کہ زہر کے اثر نے میری رگ جان کاٹ دی۔

یہودیوں کو دیئے گئے احکام:

اللہ تعالیٰ نے ان کو تین ارشاد فرمائے تھے۔ (۱) آپس کا قتل و قتال چھوڑنا (۲) جلا وطن کرنے کو ترک کرنا (۳) ایک دوسرے کی مدد کرنا انہوں نے تینوں ارشادوں میں مخالفت کی اور صرف فدیہ دے کر چھڑا لینے کو اختیار کر لیا۔ ﴿درس محمد احمد﴾

اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا

یہ وہی ہیں جنہوں نے مول لی دنیا کی زندگی

بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ

آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا ہوگا ان پر عذاب

وَلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

اور نہ ان کو مدد پہنچے گی

مفاد پرستی:

یعنی مفاد دنیوی کو آخرت کے مقابلہ میں قبول کیا اس لئے کہ جن لوگوں سے عہد کیا تھا اس کو دنیا کے خیال سے نبھایا اور اللہ کے جو احکام تھے ان کی پرواہ نہ کی تو پھر اللہ کے ہاں ایسوں کی کون سفارش یا حمایت کر سکتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ

اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے درپے بھیجے اس

بِالرُّسُلِ ۡ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ

کے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے

وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ

صریح اور قوت دی اس کو روح پاک سے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے

مردوں کا زندہ کرنا اکمہ وابرص وغیرہ مریضوں کا صحت یاب ہونا غیب کی خبریں بتانا یہ حضرت عیسیٰ کے کھلے معجزے ہیں اور روح القدس کہتے ہیں حضرت جبرئیل کو جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے یا اسم اعظم کہ جس کی برکت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

موسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کے بعد یوشع اشموئیل شمعون داؤد، سلیمان، ایوب، شعیا، ارمیا، عزیر حزقیل الیسع یونس، زکریا یحییٰ اور الیاس وغیرہم علیہم السلام پیغمبر ہوئے ہیں۔

بَیِّنٰت سے مراد نبوت کی کھلی کھلی دلیلیں ہیں جیسے اندھے مادرزاد اور برص والے کو شفا دینا اور مردوں کو زندہ کرنا۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ روح سے اسم اعظم مراد ہے جس کے ذریعہ سے عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کرتے اور لوگوں کو عجائبات دکھاتے تھے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اسلام کا اخلاقی نظام اور بائبل کے دس احکام

"تو خون مت کر" "تو زنا مت کر" "تو چوری مت کر" اس سے حکم تو معلوم ہو جاتا ہے کہ زنا چوری قتل حرام ہے لیکن معیار حکم کی اس سے نشان دہی اشارۃً بھی نہیں ہوتی کہ آخر ان باتوں کی ممانعت کی بنیاد کیا ہے اور ان امور میں یہ برائی اور قباحت خود اپنی ہے یا کہیں باہر سے آئی ہے اور آئی تو کہاں سے آئی ہے جس کی وجہ سے یہ ممنوع قرار دے دئے گئے۔

خلاصہ یہ کہ فعل کے اچھے برے ہونے کا معیار یہ علت ہوتی ہے اور علت کے اچھے برے ہونے پر حکم کی نوعیت موقوف ہوتی ہے اگر علت حکم اچھی ہے تو حکم اجازت کا ہو جائے گا اور اگر علت بری ہے تو حکم ممانعت کا لگ جائے گا اس لئے حکم کی نوعیت بالآخر علت حکم کی نوعیت پر دائر ہے جو حکم کے لئے روح اور جڑ کا درجہ رکھتی ہے۔

زنا کی ممانعت:

معیار قانون کے اس ضابطہ کو سامنے رکھ کر زنا چوری خون وغیرہ کا معیاری قانون دیکھنا ہو تو وہ یہ نہیں ہو سکتا کہ چوری مت کرنا زنا مت کر تو خون مت کر"۔

چنانچہ یہی زنا چوری خون وغیرہ کے احکام جب قرآن نے بیان کئے تو صرف ان کا حکم ہی نہیں سنا دیا بلکہ اپنی حکیمانہ اسلوب بیان سے اس حکم کی علت پر بھی روشنی ڈالی جو اس حکم کا معیار تھا جس سے یہ حکم ایک وسیع ضابطہ بن گیا اور اس ایک ہی حکم سے کتنے ہی حوادث کا حکمی فیصلہ ہو گیا جو اس علت کی نشان دہی کا ثمرہ ہے مثلاً ممانعت زنا کے بارے میں قرآن نے صرف یہ نہیں کہہ دیا کہ "تو زنا مت کر" بلکہ یہ فرمایا کہ۔

﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰىٓ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً ۭ وَسَاۗءَ سَبِيْلًا﴾ (سورہ بنی اسرائیل)

تم زنا کے پاس بھی مت بھٹکو کیوں کہ وہ فحش (بے حیائی) ہے اور بری راہ ہے۔

اس آیت کریمہ میں زنا سے روکتے ہوئے اس کی بنیادی علت پر بھی متنبہ کیا کہ وہ فحش اور سوء سبیل ہے جو اس کی ممانعت کا معیار ہے کہ اسی کی وجہ سے اس فعل میں حرمت پیدا ہوئی ہے اگر قلب میں فحش کے بجائے عفت و پاکدامنی ہو اور راستہ سیدھا سامنے ہو جو خدا کی بتلائی ہوئی راہ ہے مثلاً نکاح یا باندی پر قبضہ تو پھر یہی فعل بجائے حرام ہونے کے حلال ہو جاتا ہے اس سے واضح ہوا کہ خود یہ فعل اپنی ذات سے نہ برا ہے نہ ممنوع، فحش اور سوء سبیل نے اس میں ممانعت کا حکم پہنچایا ہے اس لئے اس آیت میں حکم زنا کے ساتھ ساتھ اس کا معیار بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وہ فحش اور سوء سبیل ہے یعنی بے حیائی اور بے راہی اندریں صورت اس قرآنی حکم کو معیاری حکم کہیں گے نہ کہ انجیل کے حکم کو کہ جس میں صرف ممانعت مذکور ہے معیار کا پتہ نہیں اور جب کہ یہ علت ہی معیار حکم ہے اور وہ انجیل میں ندارد ہے تو یہ انجیلی حکم معیار اخلاق تو کیا ہوتا معیار احکام بھی نہیں جب کہ اس میں حکم اخلاق پر نہیں یعنی صرف فعل پر ہے علۃ فعل پر نہیں جس سے حکم معیاری بنتا تھا۔

نیز اسی آیت سے جبکہ یہ بھی واضح ہو گیا کہ اس فعل کی ممانعت میں فعل زنا اصل نہیں بلکہ فحش اصل ہے تو حقیقتاً ممانعت فحش کی ہوئی اس کے ضمن میں زنا کی بھی ہوتی ہے اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ فحش ممنوع جس فعل میں بھی پایا جائے گا وہ فعل بھی بضمن فحش درجہ بدرجہ ممنوع ہوتا چلا جائے گا جیسے اجنبی عورت پر نگاہ ڈالنا اس کی طرف بری نیت سے چل کے جانا اسے ہاتھ لگانا اس کے احوال کی تگ و دو کرنا حتیٰ کہ دل میں اس کے خیالات پکانا وغیرہ فحش کے افعال تھے تو ممنوع قرار دیدئے گئے۔ چنانچہ اس فحش پر مبنی کر کے اسلام نے پردہ کا سسٹم جاری کیا اور اسی لئے عورت کے سارے جسم کو گردن سے لے کے ٹخنوں تک ستر عورت قرار دیا اور اسی لئے حدیث نبوی میں نگاہ بازی کو آنکھ کا زنا قرار دیا گیا جس سے غض بصر یعنی نگاہیں نیچی کر لینے کا حکم دیا گیا اور ایسے ہی اجنبیہ کو چھونا ہاتھ کا زنا ٹھہرا اور اس لئے اس کی طرف اس نیت سے چلنا پیر کا زنا ہوا وغیرہ وغیرہ پس فحش کی علت کی بنا پر ایک زنا ہی حرام نہیں ہوا بلکہ وہ سارے افعال بھی ممنوع ہو گئے جن کو فحش و بے حیائی نے ابھارا ہو اور جن کو شریعت اسلام کی اصطلاح میں دواعی زنا کہا گیا ہے۔ پس اس ایک حکم زنا سے ایک ہی آیت کی بدولت بے حیائی کے ہزاروں افعال حرام ہو گئے جو در حقیقت بیان معیار کا اثر ہے۔

قرآن کے اس طرز بیان سے نکل آیا کہ فحش ہی وہ برا مادہ ہے جس سے زنا کا دروازہ کھلتا ہے خود زنا کوئی مادہ نہیں ورنہ ممانعت زنا ایک جزوی حکم ہے جو خود سے اور جزئیات پر نہیں پھیل سکتا تھا جسے آپ خلق سمجھے ہوئے ہیں بلکہ اس مادہ سے سرزد شدہ ایک فعل ہے جسے یہ مادہ ابھارتا ہے پس انجیل نے

صرف ایک فعل کی ممانعت کی اور قرآن نے اس کے منشاء کی ممانعت کرتے ہوئے اس کا اصولی سلسلہ بھی بتلا کر ممنوع قرار دیدیا جس سے فحش کے ممنوعات کا ایک مرتب علمی سلسلہ سامنے آ گیا اور یہی ایک مسئلہ کا اپنی اصولی وسعتوں کے لحاظ سے معیاری نظام ہے جس کی نشاندہی اس آیت کریمہ نے کی۔ جس سے بے حیائی کا نظام مٹ کر حیاداری کا نظام قائم ہو جاتا ہے۔ اب اندازہ کیجئے کہ انجیل کے اس جزوی حکم پر کہ ''تو زنا مت کر'' اخلاقی نظام یا اخلاقی معیار کا اطلاق آ سکتا ہے یا قرآن کے اس مذکور اصولی اور جامع حکم پر جس نے فواحش کی ممانعت کا اصولی سلسلہ پیش کر کے کتنی ہی فروعات فحش کا حکم اسی ایک آیت سے بتلا دیا اور زنا کو نا تمامی کے ساتھ نہیں روکا بلکہ مکمل طریق پر مع اس کے دواعی اور محرکات کے روک دیا۔

چوری کی ممانعت:

چوری جیسے قبیح فعل کی بابۃ بائبل نے کہا کہ ''تو چوری مت کر'' لیکن قرآن نے چوری کی ممانعت کا وہ اسلوب اختیار کیا۔

(وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ) چوری کو ظلم سے تعبیر کر کے اس کے معیار پر بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ظلم ہے جس سے آدمی غیر کے محفوظ مال پر بلا اس کی مرضی کے دست اندازی کرتا ہے پس بلحاظ حقیقت چوری کا فعل ممنوع نہیں بلکہ ظلم ممنوع ہے ظلم چونکہ چوری میں پایا جاتا ہے اس لئے چوری بھی ممنوع ٹھہر گئی جس سے نمایاں ہو گیا کہ ممانعت میں چوری اصل نہیں بلکہ ظلم اصل ہے جس کے تابع ہو کر چوری ممنوع ثابت ہوئی۔ اس کا حاصل یہ نکلتا ہے کہ اگر چوری کے فعل میں ظلم کا دخل نہ ہو بلکہ اس کی ضد عدل کا دخل ہو جائے تو چوری ممنوع نہ رہے گی اور پھر اسے چوری نہیں کہیں گے۔ مثلاً اگر کوئی ظالم کسی کا مال چرا کر لے جائے اور مظلوم کو علم ہو جائے کہ میرا مال فلاں کے یہاں فلاں جگہ چھپا ہوا رکھا ہے جسے وہ دینا نہیں چاہتا تو وہ اپنا مال چرا کر بھی نکال لا سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں چوری کا فعل تو پایا گیا کہ مال محفوظ کو آنکھ بچا کر بے خبری کے ساتھ بلا رضا قابض نکال لایا گیا لیکن ظلم نہ پایا گیا جب کہ ایک شخص نے اپنی جائز شے ناجائز قبضہ سے نکال لی۔ اس لئے یہ فعل بھی ممنوع نہ رہا۔

مثلاً چوری کو ظلم کہہ کر تو اس کی برائی دل میں بٹھلائی ہاتھ کاٹنے کی سزا دے کر جو رسوائی اور فضیحتی ملا کر دی کہ ہاتھ کٹا ہوا دیکھ کر وہ برابر دل میں خجل ہوتا رہے جس سے آئندہ چوری کا جذبہ ہی مضمحل ہو جاتا ہے پھر اس سزا کو خدائی سزا کہہ کر ادھر بھی اشارہ کر دیا کہ یہ سزا جو شرعی ہے جو کسی کے معاف کئے معاف ہونے والی بھی نہیں کہ اس میں کسی کی سعی سفارش چل جائے جس سے چوری کا غیر معمولی خوف بھی دل میں بٹھلا دیا۔

انجیل اور قرآن کا طرزِ بیان:

پس کہاں انجیل کا یہ طرز بیان کہ تو چوری مت کر اور کہاں قرآن کا یہ انداز فرمان کہ چوری کی ممانعت کے ساتھ اس کی ذاتی قباحت اس کے آثار بد اور اس سے پیدا شدہ فساد اخلاق وغیرہ سارے ہی متعلقہ امور کی طرف توجہ دلا کر اس کے سد باب کی مادی اور اخلاقی دونوں قسم کی صورتیں حکم ہی میں بتلا دی گئیں جس سے پورے مالیات میں سے بداخلاقی کا نظام مٹ کر معاشرہ کا اخلاقی نظام قائم ہو جاتا ہے۔ لیکن الزام پھر بھی اسلام ہی پر ہے کہ اس نے اخلاق کا کوئی معیار اور نظام ہی نہیں بتلایا گیا۔

قتل کی ممانعت:

اسی طرح قتل نفس کے بارے میں انجیل کا یہ حکم ''تو خون مت کر'' ظاہر ہے کہ اس سے حفظ جان کا کوئی اصول سامنے آتا ہے نہ نظام تحفظ کا کوئی اسلوب کار صرف ایک فعل کی ممانعت ظاہر ہو جاتی ہے بخلاف قرآن حکیم کے اس نے یہی حکم اس طرح ارشاد فرمایا۔ (پارہ سبحان الذی)

اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل مت کر ہاں مگر حق سے اور جو شخص ناحق قتل کیا جاوے تو ہم نے اس کے وارث کو اختیار دیا ہے سو اس کے قتل کے بارے میں حد سے تجاوز نہ کرنا چاہئے وہ شخص طرفداری کے قابل ہے۔

قرآن نے یہاں بھی بیان حکم کی ساتھ وہی اظہار علت کا حقیقت نما اسلوب اختیار کیا اور بتلایا کہ حقیقتاً قتل نفس ممنوع نہیں بلکہ اسراف فی القتل یعنی قتل بے جا ممنوع ہے جس سے یہ قتل قتل ناحق ہو جاتا ہے اگر اس میں اسراف فی القتل یعنی قتل کے ناحق ہونے کا دخل نہ ہو یعنی قتل میں ظلم اور حدود سے تجاوز یا اللہ کی نافرمانی شامل نہ ہو بلکہ حدود خداوندی کے اندر ہو اور بالفاظ دیگر فرمانبرداری کے تحت ہو جیسے ظالم قاتل کا قتل بصورت قصاص ہو۔ یا زانی کا قتل بصورت سنگساری ہو۔ یا مرتد کا قتل بصورت عدم توبہ ہو تو یہ اسراف فی القتل نہیں بلکہ عدل فی القتل ہے پس اس آیت نے واضح کر دیا کہ قتل کو معصیت بنانے والی روح بھی اسراف وتعدی ہے خون کرنے کا فعل اپنی ذات سے گناہ نہیں جو یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا جائے کہ ''تو خون مت کر'' بلکہ ظلم فی القتل گناہ ہے جو گنہگاری کی روح ہے اس لئے قرآن نے یہ نہیں کہا کہ ''تو خون مت کر'' بلکہ خون کرنے کی دونوں نوع پر روشنی ڈال کر کہ ایک خون ناحق ہے جسے اسراف فی القتل یا ظلم فی القتل کہا جائے گا، سو خون ناحق کو ممنوع ٹھہرایا جس سے واضح ہو گیا کہ

خون کرنا خود ممنوع نہیں بلکہ اس کا ناحق ہونا ممنوع ہے۔ جس سے قتل کے حق ناحق ہونے کا معیار نکل آتا ہے کہ وہ عدل ہے۔ جس کی رو سے قتل کے اچھے برے یا جائز و ناجائز ہونے کو پہچانا جائے گا۔

پس قتل کی یہ تفصیل اور اس کے معیار کا یہ ذکر ہی اس حکم کے فطری نظام کی نشاندہی ہے۔ جس سے جزوی حکم معیاری بن جاتا ہے۔

اصلاحِ معاشرہ کا بلند معیار:

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ

اصلاح معاشرہ کا بلند معیار بتایا گیا ہے کہ ایک انسان دوسرے انسان کے لئے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ میں اذیت و کوفت کا بھی سبب نہ بنے حتیٰ کہ راستہ میں اگر کوئی ایذا دہ چیز جیسے کانٹا یا کچ کا ٹکڑا یا اینٹ پتھر بھی پڑا ہوا دیکھ لیا جائے۔ اسے ہٹا دیا جائے۔

چنانچہ حدیث نبوی نے قرآن حکیم کی روشنی معیار اخلاق قائم کرتے ہوئے ان ستر سے اوپر اخلاقی شعبوں کا اعلان کیا جسے بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے کہ۔

اَلْاِیْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَۃً فَاَفْضَلُھَا قَوْلُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَدْنَاھَا اِمَاطَۃُ الْاَذٰی عَنِ الطَّرِیْقِ اَلْحَیَاءُ شُعْبَۃٌ مِنَ الْاِیْمَانِ (مشکوۃ المصابیح)

ایمان کی کچھ اوپر ستر شاخیں ہیں ان میں سے افضل ترین شاخ لا الہ الا اللہ کا اقرار ہے اور نچلے درجہ کی شاخ راستہ سے ایذا دہ چیز کا ہٹا دینا ہے اور حیاء ایمان کا عظیم ترین شعبہ ہے (کہ اس کے بغیر کسی بھی نیک عمل کی آدمی کو توفیق نہیں ہوسکتی۔

پس کسی اچھے معیاری انسان کی تعریف یہ نہیں ہوسکتی کہ وہ زنا کار نہیں چور نہیں خونی نہیں یہ تعریف نہیں بلکہ مذمت ہے تعریف اگر ہوسکتی ہے تو یہ کہ فلاں انسان ان بڑی برائیوں میں تو کیا مبتلا ہوتا وہ تو دوسروں کی ایذاء رسانی کے تصور سے دور بھاگتا اور بچتا ہے اور حقیر سے حقیر معصیت سے بھی کنارہ کش رہتا ہے۔

عفت مآب اور پاکدامن معاشرہ کا قیام:

بدکاریوں کی سزائیں اسلام نے تجویز کر کے بدکاریوں کے دروازے دنیا پر بند کئے۔

اور اب بھی ہیں کہ چوری کرنے والے کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ زنا کرنے والے کو پتھروں سے سنگسار کر دیا جائے۔ شراب خوار کو اسی کوڑے مارے جائیں اور قطاع الطریق ڈاکوؤں کی گردنیں اڑا دی جائیں وغیرہ جن کی بدولت اسلام آنے کے بعد زمانہ جاہلیت کی یہ بدعادتیں جو ان میں پشت ہا پشت سے چلی آرہی تھی یکسر مٹ گئیں اور ایک ایسا عفت و پاکدامنی کا اجتماعی دور شروع ہوا جس کی نظیر نہ دنیا کی اگلی امتوں میں پائی جاتی ہے نہ پچھلی اقوام میں۔ جس کی شہادت بیت المقدس کی فتح کے وقت خود بیت المقدس کے عیسائیوں نے دی اور صحابہ کی پاکدامنی کا کھلا اعتراف کیا جس کی شہادت ایران کے کمانڈروں نے دی جب مسلمان ایران فتح کرنے گئے اور ان کی پاکدامنی کا ظہور ہوا جس کی شہادت چینیوں نے دی جب صحابہ وہاں تجارت کی لائن سے پہنچے اور معاملات و معاشرت کی سچائی دکھلائی جس کی شہادت ہندوستان کے ہندو راجاؤں اور پرجاؤں نے دی جب مسلمان محمد بن قاسم کی زیر سرکردگی سندھ میں داخل ہوئے اور اپنی پاکی وعفت دکھلائی جس سے ہزاروں آدمی ان کے منور چہرے دیکھ دیکھ کر مسلمان ہوئے۔

قومی مزاج:

آج بھی اگر ان بدعملیوں کے معیار سے مسلمانوں اور عیسائیوں کا مقابلہ کیا جائے تو یورپ و ایشیا کے اخبارات شاید مسلمانوں سے زیادہ عیسائیوں ہی کے مجرم ہونے کی شہادت دیں گے جس سے قومی مزاجوں کا اندازہ ہوسکتا ہے ظاہر کہ مسلمانوں کا تو یہ مزاج قرآنی تعلیمات سے بنا ہے۔ عیسائیوں کے مزاج بننے کا منشا آپ بہتر جانتے ہوں گے مسلمانوں کے عقیدہ میں تو نہ خدا کسی کا باپ ہے کہ اسے بیوی کی ضرورت پڑے اور عورت کی خواہش ہو نہ رسول پاک خدا کا بیٹا ہے کہ وہ اس کی زناشوئی کا نتیجہ ہو۔ نہ خدا کا رسول کفارہ اور فدیہ ہوسکتا ہے کہ وہ امت سیہ کاری میں آزاد نہ خدا سزا دینے پر مجبور ہے کہ رحم و کرم سے کسی کو معاف نہ کر سکے جب کہ وہ ہر چیز پر غالب اور جابر و قاہر ہے نہ کہ مجبور و مقہور نہ اس کی حکمت میں قصور ہے کہ گناہ کوئی کرے اور وہ بھگتائے کسی بے گناہ کو غرض مسلمان نہ خدا کو جنسی میلان کا شکار جانتے ہیں نہ رسول کو قوم کی شہوات کا بار بردار سمجھتے ہیں بلکہ صاف عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ خدا ہر عیب سے پاک بری مقدس اور منزہ ہے اس کے سارے رسول ان خرافات کی ذمہ داریوں سے بری ہیں تو ایسے خدا اور رسولؐ کے ماننے والے بھی جب تک اس کے دین پر چلیں گے بدعملیوں کے مزاج سے بری ہی رہیں گے اور جو ان عقائد کی ضد مانتے ہوں گے ان کا مزاج ویسا ہی رہے گا جیسے یہ عقیدے ہیں۔

حدیث ابوذر:

اسلامی کردار و اخلاق اور اسلامی دور میں بدعملیوں کے دروازے بند

کرنے بلکہ اکھاڑ پھینکنے کی ان میں سے ایک روایت بھی جناب ملاحظہ نہ فرما سکے۔

نظر پڑی تو حدیث ابوذر پر اور اس کے بھی اس بناوٹی مفہوم پر جو جناب ہی کا تراشیدہ ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حدیث ابوذر جواز معصیت کے لئے نہیں آئی بلکہ ایمان کی خاصیت بتلانے کے لئے آئی ہے کہ وہ نجات ہے اور اس میں معصیت حارج نہیں ہوسکتی خواہ نجات کو موخر بھی ہونا پڑے اور عذاب بھگت کر آدمی کو نجات ملے مگر ملے گی ضرور پس اس حدیث کا منشاء صرف ایمان کا اثر بتلانا ہے کہ وہ نجات ہے خواہ اولاً نمایاں ہوجائے یا بدیر ظاہر ہو۔

بیان کی گئی ہے کہ بہت سے لوگ، ہزاراں ہزار برس جہنم کا عذاب بھگت کر جنت میں داخل ہوں گے جب کہ ایمان اور توحید اُنکے دلوں میں ہوگا خواہ وہ کسی درجہ کا بھی ہو چنانچہ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ۔

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے درحالیکہ آپ کے گرداگرد ایک جماعت تھی آپ کے صحابہ میں سے کہ مجھ سے بیت کرو (اور عہد کرو) اس بات کا کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہراؤ گے اور نہ چوری کرو گے اور نہ زنا کرو گے اور نہ اپنی اولادوں کو قتل کرو گے اور نہ منہ درمنہ کسی پر بہتان باندھو گے نہ دین کے نیک کاموں میں نافرمانی کرو گے پس جس نے یہ وعدہ پورا کر دکھایا تو اس کا ثواب اللہ پر ہے اور جو ان ممنوعہ باتوں میں سے کسی چیز کا مرتکب ہوا اور دنیا میں بات کھل گئی اور اسے سزا دیدی گئی (جیسے چوری پر ہاتھ کاٹ دیا گیا زنا پر سنگسار کردیا گیا وغیرہ وغیرہ تو وہ دنیا میں اس کے لئے کفارہ ہوگیا، اور اگر ان باتوں میں سے کسی چیز کا مرتکب ہوا اور دنیا میں بات چھپی رہ گئی ہوگی تو وہ آخرت میں اللہ کی مشیت پر ہے چاہے اسے معاف فرمادے (بشرطیکہ حقوق العباد نہ ہوں) اور چاہے سزا دے یعنی جہنم میں داخل کردے تو ہم نے آنحضرت سے اس بات پر بیعت کی اور عہد کرلیا۔ (رواہ البخاری والمسلم)

چنانچہ خود ہی حضورؐ نے ارشاد فرمایا۔

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الْاَخْلَاقِ

میں بھیجا ہی گیا ہوں اس لئے کہ پاکیزہ اخلاق کو حد کمال تک پہنچادوں۔

علم و ہنر سے بیگانے کو کون اپنا خلیفہ بناتا ہے۔ اس سے اندازہ ہوگیا کہ اخلاق کا معیار ذات حق سبحانہ وتعالیٰ ہے۔

جس نے بھی یہ اخلاقی مقامات حاصل کرلئے وہی حسب استعداد خلیق نام پانے کا مستحق ہوگا۔

اسلامی اخلاق کی تاریخ:

اخلاق کی اس تعلیم کے نیچے اگر اسلامی اخلاق کی تاریخ دیکھی جائے تو عمل کا علم سے سرمو تفاوت نظر نہ آئے گا اور واضح ہوگا کہ اسلام کے بھی وہ پاکیزہ اخلاق اور ان سے پیدا شدہ پاکیزہ اعمال تھے جن کا نمونہ بن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے اور اپنے صحابہ کو تربیت دے کر ان اخلاق پر ڈھالا جن کی مخفی قوت سے عرب کے گردن کش رام ہوئے اور سرکشوں میں اسلام کی روح دوڑ گئی پھر یہ لوگ جہاں بھی پہنچے وہاں ملکوں اور قوموں کو اپنی اخلاقی تلوار سے فتح کرلیا چین میں آٹھ صحابہ تاجر کی حیثیت سے گئے تو آج وہاں آٹھ کروڑ پرستاران توحید موجود ہیں۔

یہی صورت اسلام پھیلنے کی روم و شام میں بھی نظر آتی ہے تلوار اگر اٹھی تو فتنہ پردازی کے خلاف اٹھی نہ کہ غیر مذہب ہونے کے خلاف پھر صحابہ کی تربیت سے بعد کے لوگ اولیاء امت بن کر ہر دور میں چمکے جنہوں نے خدا کی مخلوق کو اخلاق فاضلہ کا درس دیا چنانچہ اسلام کے ایک ایک دور میں ہزارہا علماء فقہا عرفا حکماء راہ بار اور شعراء اخلاق مجسم بن کر نمایاں ہوتے رہے جن میں سے ایک ایک فرد ایک ایک امت کے برابر ثابت ہوا کہ جہاں بھی بیٹھ گیا اس نے اپنی اخلاقی قوتوں سے خطے کے خطے ایمان واخلاق سے رنگ دیئے کروڑوں انسانوں کیلئے اپنے اخلاق وکردار سے نجات کی راہیں کھول دیں بقول مسٹر آرنلڈ مصنف پریچنگ اوف اسلام صرف ایک خواجہ معین الدین اجمیری ہی کو دیکھو تو تنہا ان ایک ہی کے دست حق پرست پر ننانوے لاکھ انسان مشرف باسلام ہوئے اور جو تعداد ان کے خلفاء کے ہاتھ پر ایمان لائی وہ اس کے علاوہ ہے جس سے آج ہندوستان میں کروڑوں انسان اسلام کے حلقہ بگوش نظر آرہے ہیں یہ اخلاق وعلم کی تاثیر نہ تھی تو اور کیا تھی؟ ورنہ ان فقیروں کے ہاتھ میں تلوار کہاں تھی؟

صوفیاء کا کردار:

اس طرح ہزار ہا صوفیاء ہندوستان میں نظر پڑیں گے جنہوں نے اخلاقی خانقاہوں اور تربیت گاہوں کا نظام قائم کرکے ہندوستان کے طول وعرض میں اسلامی اخلاق پھیلائے اور لوگوں کو ان اخلاق سے دائرہ اسلام میں داخل کیا۔

اخلاق کی حقائق بھی کھولیں۔ نہایت جامع اور سہل طریقے بھی بتلائے ان پر لوگوں کو گرویدہ بھی کیا جس سے اخلاق نے اسلام میں ایک مستقل فن کی صورت اختیار کرلی جس کا نام تصوف ہوا اور اس کے تحت

اخلاقیوں کی ایک عظیم جماعت نمایاں ہوئی جس کا نام صوفیاء ہوا۔

کفر و گناہ اور ایمان و عمل کا اثر:

کفر کا اثر دوامی اور ابدی ہلاکت ہے۔ اور معصیت کا اثر صرف وقتی سزا ہے خواہ وہ ہزاروں برس کی بھی ہو۔ اسی طرح ایک ایمان کا اثر کھلا اور ایک نیک عملی کا صلہ اثر اور انعام ہے اور ایمان کا اثر دوامی نجات ہے۔ پس جیسے کسی مطیع وفرمانبردار کو جو اپنا ہے اس کی بدی اپنائیت سے نہیں نکال سکتی ہاں وقتی سزا بھگتوا سکتی ہے۔

یوں سمجھ لیجئے کہ ایک ہے قانون کو نہ ماننا اور ایک ہے خلاف قانون کوئی حرکت کرگزرنا ان دونوں حقیقتوں میں زمین آسمان کا فرق ہے پہلی چیز بغاوت ہے اور دوسری چیز معصیت ہے۔

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک بادشاہ اپنی رعایا سے یہ کہے کہ دیکھو اگر تم بغاوت نہیں کرتے ہو تو کیسے ہی جرائم کرو رعایا ہونے سے نہیں نکل سکتے اور حکومت نے جتنے بھی حقوق ملک کے باشندوں کو دیئے ہیں۔ وہ سب تمہیں حاصل ہونگے۔ تمہاری زمین جائیداد باغ وغیرہ سب تمہارے رہیں گے تو کیا اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تم کو جرائم کی اجازت دی جاتی ہے یا یہ ہوگا کہ تمہیں رعایا باقی رہنے کی تدبیر بتلائی جاتی ہے۔

یہود و نصاریٰ کا وراثتی مزاج:

کسی کلام کے الفاظ کو باقی رکھ کر اس کے معنی کو یکسر الٹ دیا جائے۔ جو یہود و نصاریٰ کا پشتینی مزاج ہے جس کے تحت انہوں نے اپنی آسمانی کتابوں کو بھی محرف کیا اور حسد و عناد سے دوسروں کی کتابوں کے لئے بھی وہی چال چلنا چاہتے ہیں جو خود چل رہے ہیں۔

(يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهِ ۙ وَنَسُوا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوا بِهِ)

اور لوگ کلام کو اس کے مواقع سے بدلتے ہیں اور وہ لوگ جو کچھ ان کو نصیحت کی گئی تھی اس میں سے ایک بڑا حصہ فوت کر بیٹھے۔

مقصد غالباً یہ اعتراض پیدا کرنا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلایا۔ اگر کوئی پارٹی بغاوت اور فتنہ پردازی کا رخ اختیار کر لیتی ہے تو اسے قوت سے دبا دیا جاتا ہے جسے کوئی بھی بے انصافی یا ظلم نہیں کہتا۔

اشاعتِ اسلام کیلئے اسلام کا طریقہ:

اسی طرح دین اسلام نے بھی اپنے تبلیغی نظام میں یہی فطری روش اختیار کی کہ اسلام کو بین الاقوامی دین بتلا کر پوری دنیا میں اس کی تبلیغ کا ایک منظم سلسلہ قائم کیا۔ پھر جس نے بھی اس کے خطاب پر حجت کا مطالبہ کیا تو اس نے عقلی اور نقلی حجتیں پیش کر کے مطمئن کیا گیا یا جس نے اس پر تنقید اور نکتہ چینی کا راستہ اختیار کر کے اس کے اصول وفروع کی تحقیق چاہی تو اسے دلائل و براہین سے تحقیقی بات بتلائی اور شبہات کے جوابات دیئے گئے جگہ جگہ قرآن نے بھی یہی کہا کہ یہ کتاب (قرآن) اسی لئے اتاری گئی ہے کہ لوگ تدبر اور تحقیق کا راستہ اختیار کریں عقل وفکر سے بات کو سوچیں اور سمجھ کر قبول کریں۔ لیکن اگر کسی نے از راہ تعصب وعناد اس نظام تبلیغ میں روڑے اٹکائے اور اس کے خلاف نفرت وحقارت کے جذبات بھڑکا کر انتشار اور فتنہ پھیلانا چاہا تو اسلام نے تلوار اٹھائی اور فتنوں اور فتنہ انگیزوں کو قوت سے دبایا تاکہ فتنہ ختم ہو جائے اور لوگوں کو پرسکون فضا میں دین کے سننے سمجھنے سوچنے اور رائے قائم کرنے کا موقعہ مل آگے قبول کرنا نہ کرنا کلیۃً ان کے اختیار میں دیدیا تاکہ کوئی بھی دین قبول کرنے پر بے سوچے سمجھے مجبور نہ ہو۔ قرآن نے اس بارہ میں صاف طور پر ایک اصولی اعلان کر دیا گیا کہ۔

(لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ)

دین میں کوئی جبر واکراہ نہیں۔

پھر اللہ نے اس اصول کی روشنی میں اپنے رسول کو خصوصیت سے اس جبر سے رکے رہنے کی ہدایت فرمائی کہ۔

(أَفَأَنتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتَّىٰ يَكُونُوا مُؤْمِنِينَ)

تو کیا (اے رسول) آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ وہ مومن ہو جائیں۔ یعنی یہ حق آپ کو نہیں دیا گیا۔

ظاہر ہے کہ جب قرآن کے اعلان کے مطابق دین جبری نہیں اختیاری ہے تو کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی تھی کہ قرآن دین کو جبراً منوانے کے لئے خود اپنے کہے کے خلاف تلوار اٹھانے کا حکم دیتا۔ البتہ اس نے اس فتنہ پردازوں کے خلاف تلوار ضرور اٹھائی جو دین سے روکنے اور اس پر غور تک کی مہلت نہ دینے کے لئے شر وفساد کے راستہ سے سامنے آئے اور اس نظام کو دنیا سے نیست ونابود کر دینے کے منصوبے کھڑے کرنے میں ہمہ وقت لگے رہے۔

نظامِ حکومت کی مصلحت:

اسلام میں مادی شوکت وقوت اور نظام حکمرانی قائم کرنے کی یہ بھی ایک بڑی مصلحت تھی کہ اس آخری دین کے بارہ میں اعلان حق بلا روک ٹوک ہو سکے۔ ہر ملک وقوم میں اس کا آوازہ پہنچ جائے اور جب کہ اس کے دنیا میں آنے کے بعد سابقہ ادیان منسوخ ہو گئے تو دنیا کی کوئی قوم بلا دین کے نہ رہ جائے۔ اب خواہ قبول کرے یا نہ کرے وہ اس کا فعل ہوگا اور اسی کی ذمہ داری

عائد ہوگی تاہم وہ قبول پر مجبور نہیں کیا جائے سوا گر خالص مادی نظاموں کے خلاف فتنہ وفساد اٹھانے پر تلوار اٹھانا خلاف عدل نہیں تو اس تہذیب نفس اور اصلاح عالم کے روحانی نظام کے خلاف فتنہ پردازی پر قوت سے کام لینا جب کہ قبول وعدم قبول میں ہر شخص آزاد بھی ہو کیونکر خلاف عدل ہوسکتا ہے۔

قتال و جہاد کی غرض:

بہرحال قتال و جہاد کی غرض اسلام میں دین منوانا نہیں بلکہ راہ تبلیغ سے فتنوں کو ہٹانا، مٹانا، اور اشاعت اسلام کے خلاف سازشوں اور فتنہ انگیزیوں کے جال کو توڑ دینا ہے، تا کہ دین الٰہی ایک دفعہ پورا کا پورا دنیا کے سامنے آجائے جس کا جی چاہے اسے بصیرت و حجت کے ساتھ قبول کرے جس کا جی چاہے نہ قبول کرے۔

(فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ ۚ إِنَّآ أَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا أَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا)

سو جس کا جی چاہے ایمان لے آئے جس کا جی چاہے کافر رہے بیشک ہم نے ایسے ظالموں کے لئے آگ تیار کررکھی ہے کہ اس آگ کی قناتیں اس کو گھیرے ہوں گی۔

ظاہر ہے کہ یہ طریق کار نہ عقل کے خلاف ہے نہ دیانت کے اور نہ ہی دنیا ماضی وحال کی تاریخ سے الگ کوئی نئی اور نرالی بات ہے جسے لوگ نشانہ ملامت بنانے میں حق بجانب سمجھے جائیں۔

کافروں کے ہتھکنڈے:

جب بھی تبلیغ کا موقعہ آتا تو صورت یہ ہوتی کہ ادہر تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہر بہ شہر قریہ بہ قریہ اور گھر گھر پیغام الٰہی سناتے پھر رہے ہیں اور ادھر ادھر آپ کے پیچھے پیچھے کبھی ابولہب کبھی ابوجہل اور کبھی دوسرے قریشی سردار مع اپنی اپنی پارٹیوں کے چیختے جارہے ہیں کہ لوگو یہ (معاذ اللہ) ساحر ہے مجنون ہے کذاب ہے جادو زدہ ہے اور اشر ہے۔ اس کی آواز پر کان مت دہرو اور باپ دادا کے دین کو اس کے کہنے سے ہرگز مت چھوڑو ادہر قرآن سنایا جارہا ہے اور ادہر شور وشغب مچایا جارہا ہے کہ رسول کی آواز بھی کانوں تک نہ پہنچنے پائے کفار کا مقولہ اور طرز عمل قرآن نے بھی ذکر کیا ہے کہ۔

(لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ)

(اس قرآن کو سنتے ہی نہ دو اور شور مچائے جاؤ تا کہ تم غالب آجاؤ اور دین کی آواز مغلوب ہوجائے۔

ادھر قومی عصبیتوں کو بھڑکا بھڑکا کر اللہ کے رسول کے خلاف قوم میں اشتعال ایسا پیدا کر دیا گیا کہ پیغام رسول تو بجائے خود ہے خود رسول کو ہی دنیا میں چین نہ ملے کہ وہ خود بھی اطمینان سے اللہ کی بندگی کرسکیں اور اپنا کار منصبی انجام دے لیں چنانچہ کوئی ایذا رسانی ایسی باقی نہ رہی جو آپ کے خلاف روا نہ رکھی گئی ہو اور کوئی بھی مکروہ سے مکروہ قسم کی رکاوٹ نہ چھوڑی گئی ہو جو آپ کے راستہ میں حائل نہ کی گئی ہو کہیں آپ پر سحر کرایا گیا کہ آپ بول ہی نہ سکیں کہیں راستوں میں کانٹے بچھا دیئے گئے کہ آپ تبلیغ دین کے لئے چل بھی نہ سکیں کہیں آپ کے پیچھے کتے لا دیئے گئے کہ آپ آبادی میں گھس بھی نہ سکیں کہیں عین عبادت کی حالت میں آپ کی گردن پر اونٹ کی اوجھری کو لاد دیا گیا کہ سر بھی نہ اٹھا سکیں کہیں ٹھٹھے اور تمسخر سے آپ کی بات ہی اڑا دی گئی کہ لوگ ادہر التفات بھی نہ کریں کہیں آپ کا بائیکاٹ کر کے دانہ پانی بند اور گھر سے باہر نکلنا بند کر دیا گیا کہ معاش تک بھی فراہم نہ فرما سکیں پھر آپ کے ساتھیوں پر مظالم کی حد ہوگئی کسی کو مارا جاتا کسی کے زخم لگائے جاتے اور وہ زخم خوردہ حضور کے پاس آتے آپ صبر وتحمل کی تلقین کرتے اور فرمادیتے کہ مجھے قتال کی اجازت نہیں ہے۔

اہل حق کی مظلومی:

غرض ادہر تو نصیحت وموعظت کے راستے بند کر دیئے گئے ادہر اس مقدس واعظ رب کے خلاف نفرت واشتعال پیدا کر دیا گیا جس سے رسول اور پیغام رسول دونوں انتہائی طور پر مظلوم اور بے کس ہو گئے آخر میں مار پٹائی قتل و غارت گری اور آخر کار رسول اور مطیعان رسول کو شہر بدر تک کرنے کی صورتیں پیدا کر کے ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا گیا جس سے آپ کے کتنے ہی خدام گھر بار جائداد اور وطن چھوڑنے پر مجبور ہو گئے اور کتنے ہی حبشہ کی طرف ہجرت کر گئے پھر وہاں بھی ان کا پیچھا نہ چھوڑا گیا اور ریشہ دوانیوں اور سازشوں کے سلسلہ وہاں بھی پہنچا دیئے گئے کہ غیر ملک میں بھی انہیں چین نہ ملے مگر خدا رحم کرے حبش کے عیسائی بادشاہ نجاشی پر کہ اس نے ان مہاجرین کو پناہ دی اور عزت واحترام سے انہیں اپنے ملک میں ٹھہرنے کی اجازت دی اور پھر اپنی حق پسندی سے اسلام بھی قبول کرلیا کیونکہ وہ انجیل کی تعلیم کے مطابق خود بھی نبی آخر زمان کا منتظر تھا۔

ہجرت:

پھر مکہ میں باقی ماندہ افراد کو چین نہ لینے دیا گیا تو بالآخر مکہ کے سارے مسلمان اور آخر کار خود رسول رب العالمین بھی ترک وطن پر مجبور ہو گئے اور یثرب (مدینہ) کی طرف ہجرت فرمائی تو وہاں بھی انہیں چین سے نہ بیٹھنے

دیا گیا اوران کے خلاف یہودیوں سے گٹھ جوڑ کر کے مختلف قسم کی سازشیں کرائی گئیں کہ پیغام الہی کی نشر واشاعت تو درکنار پیغام سنانے والے بھی زندہ نہ رہنے پائیں تاکہ آئندہ بھی اس پیغام کے سامنے آنے کی کوئی صورت باقی نہ رہے غرض مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں کامل تیرہ برس ان اللہ کے نام لیواؤں پر سختیوں کی انتہا ہوگئی

جہاد وقتال کی اجازت:

آخرکار جب پانی سر سے گزر گیا اور صبر وتحمل اور عفو ودرگذر کی حد ہوگئی دین اور مبلغین دونوں عاجز ہوگئے دونوں کی مظلومیت بھی انتہا کو پہنچ گئی اور فتنہ حد سے گزر گیا جس سے اصل مقصد اصلاح عالم اور تبلیغ دین فوت ہونے لگا تب ان مظلوموں کو ظالموں کے خلاف تلوار اٹھانے کی اجازت دی گئی اور ذیل کے پاکیزہ اور بین الاقوامی عنوان سے اجازت قتال وجہاد کی دستاویز انہیں عطا ہوئی تاکہ دین کے پیغام سنانے اور دینی مراکز کے بچانے کی راہ نکلے فرمایا:

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقَاتَلُونَ بِأَنَّهُمْ ظُلِمُوا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ نَصْرِهِمْ لَقَدِيرٌ ۝ الَّذِينَ أُخْرِجُوا مِن دِيَارِهِم بِغَيْرِ حَقٍّ إِلَّا أَن يَقُولُوا رَبُّنَا اللَّهُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعْضَهُم بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيهَا اسْمُ اللَّهِ كَثِيرًا ۗ وَلَيَنصُرَنَّ اللَّهُ مَن يَنصُرُهُ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَقَوِيٌّ عَزِيزٌ ۝

جن سے کافر لڑتے ہیں انہیں لڑائی کی اجازت دی گئی اس وجہ سے کہ ان پر ظلم ہوا اور بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرنے پر قادر ہے وہ جو نکالے گئے اپنے گھروں سے ناحق سوائے اس کے (ان کا کوئی قصور نہیں) کہ وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے۔

اور اگر نہ ہٹایا کرتا اللہ لوگوں کو ایک کو ایک سے تو وہ اپنے اپنے زمانہ میں خلوت خانہ اور مدرسہ اور عبادت خانہ اور مسجدیں جن میں نام لیا جاتا اللہ کا بہت سب منہدم کردیئے جاتے بے شک اللہ تعالیٰ اس کی مدد کرے گا جو اللہ کے دین کی مدد کرے گا۔

اجازتِ قتال کی پہلی آیت اور قتال کا مقصد:

یہ آیت بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ اجازت قتال کی پہلی آیت ہے جو مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں قتال سے روکنے کی ستر سے زاید آیتوں کے بعد نازل ہوئی اس سے صاف واضح ہے کہ اسلام میں تلوار اٹھانے غرض وغایت دوسرے ادیان کو مٹانا یا اسلام کا جبراً پھیلانا نہیں ورنہ اس جہاد کے سلسلہ میں عورتوں بوڑھوں، رہبانوں، بچوں اور معذوروں مثل اندھوں وغیرہ کے قتل کی ممانعت نہ کی جاتی حالانکہ یہ سب غیر مسلم ہی ہوتے تھے نیز محض ملک گیری اور حصول سلطنت ہی علی الاطلاق مقصود جہاد نہیں ورنہ صلح ومعاہدہ سے غیر مسلموں کا ملک انہی کے ہاتھوں میں نہ چھوڑا جاتا اور جزیہ قبول کر کے غیر مسلموں کا ذمہ نہ لیا جاتا بلکہ حقیقی غرض وہی ظلم اور فتنہ کا دبانا اور مظلوموں کو ظالموں کے پنجہ سے چھڑانا ہے خواہ وہ مدافعت سے ہو یا ہجوم سے تاکہ دین کو پرسکون فضا میں لوگوں کے سامنے آنے اور اپنے کو سمجھوانے کا موقعہ مل سکے۔

معترضین کو جواب:

اس آیت نے اعتراض کنندہ کا منہ بند کرنے کے لئے حق تعالیٰ کی اس سنت قدیمہ پر پوری روشنی ڈالی ہے کہ جب بھی باطل پرستوں نے حق پرستوں کے راستے اسی انداز سے بند کیے جو انداز مشرکین مکہ نے اختیار کر رکھا تھا تو اسی طرح اہل حق کو تلوار سے مدافعت اور قتال کی اجازت دی گئی ہے چنانچہ اہل کتاب کے مقابلہ پر بھی جب باطل پرست قومیں آئیں اور ان پر عرصہ حیات تنگ کر دیا اور گرجوں، خانقاہوں، اور عبادت گاہوں کو اجاڑ دینا چاہا تاکہ عبادت خداوندی دنیا سے نیست ونابود ہوجائے تو حق تعالیٰ نے اس وقت کے اہل حق کو تلوار اٹھانے کی اجازت دی اور ایک قوم کی مدافعت دوسری قوم سے کرائی نہ اس لئے کہ وہ اپنا انتقام لیں بلکہ اس لئے کہ خدا کی عبادت گاہوں خانقاہوں اور کلیسوں کو بچا کر اللہ کی یاد کو باقی رکھیں جس سے خدا کا نام نیچا نہ ہونے پائے۔

اللہ تعالیٰ کی سنتِ قدیمہ:

بتلانا یہ ہے کہ اللہ کی جو سنت اہل کتاب اور ان سے بھی پہلی اقوام کے وقتوں سے چلی آرہی ہے جس پر دنیا کی تاریخ شاہد ہے وہی سنت اگر اس نے اسلام کے دور دورے میں بھی قائم رکھی اور مظلومیت کی انتہاء پر مسلمانوں کے ہاتھوں میں بھی تلوار دیدی کہ وہ مسجدوں خانقاہوں اور ذکر و عبادت کے مرکزوں کو فتنوں سے بچا کر خدا کا دین برپا کریں تو آج اہل کتاب ان پر طعنہ زن کیوں ہیں جب کہ وہ خود بھی اور ان پر سے پہلے اور بھی اسی راستہ سے گذر چکے ہیں اور وہی عمل کر چکے ہیں جو آج کے مسلم مظلوموں سے کرایا جارہا ہے بلکہ اہل کتاب کے لئے تو وقت کا تقاضہ اور موقعہ یہ تھا کہ وہ جاہلیت کے مقابلہ پر اسلام کی آواز میں آواز ملاتے اور اسلام کے ساتھ ہوکر جاہلیت کا مقابلہ کرتے کیونکہ جاہلیت کی آواز حقیقتاً کسی آسمانی ملت کی آواز نہ تھی اور مشرکین عرب کی یہ ظالمانہ شرارتیں کسی

ساوی ملت کے تحفظ کی خاطر نہ تھیں بلکہ آبائی رسوم اور قومی رواجوں کے برقرار رکھنے کے لئے تھیں جن میں نہ توحید و رسالت کا کوئی تصور تھا نہ مبدا و معاد کا نہ عالم غیب کا کوئی عقیدہ شامل تھا نہ رجال غیب کا یقین نہ ذات و صفات کے عقیدے تھے نہ تزکیہ نفس اور تہذیب اخلاق کے اصول نہ صالح معاشرت کا کوئی دھیان تھا نہ اصلاح بشری کا کوئی خیال اگر کچھ تھا تو بت پرستی تھی یا نفس پرستی شرکیہ رسوم تھیں یا ناپاک قسم کے نفسانی رواجات ظاہر ہے کہ یہ صرف اسلام کا ہی مقابلہ نہ تھا بلکہ نفس مذہب اور ہر آسمانی ملت کی بیخ کنی تھی اور جاہلیت کے ان مظالم کے رہتے ہوئے اسلام ہی کی نہیں کسی بھی آسمانی ملت کی آواز نہیں ابھر سکتی تھی خواہ وہ نصرانیت ہوتی یا یہودیت اس لئے جب اسلام نے اس مذہب کش حرکت کے مقابلہ میں آواز اٹھائی تو موقعہ تھا کہ تمام آسمانی ملتوں کے مدعی اس کی آواز میں آواز ملاتے جبکہ جاہلیت ان سب کے مٹانے کی فکر میں تھی اور اد ہران کا رشتہ جاہلیت کی نسبت اسلام سے زیادہ قریب کا تھا اور کم از کم وہ بنیادی اصول میں کسی نہ کسی حد تک اسلام سے اشتراک بھی رکھتے تھے چنانچہ اسی بناء پر قرآن نے اس بنیادی اشتراک کو پیش کرتے ہوئے انہیں اپنی طرف کھینچنے کی سعی بھی کی اور اعلان کیا کہ:

(قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ)
(بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ)
(شَيْـًٔا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ)

تو کہہ (اے پیغمبر) اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرادیں اس کا کسی کو اور نہ بنادے کوئی کسی کو رب سوا اللہ کے اور نہ بناوے ہم میں سے کوئی کسی کو رب خدا کو چھوڑ کر۔

اہل کتاب کا غلط عمل:

لیکن افسوس ہے کہ اہل کتاب بجائے اس کے کہ جاہلیت کے مقابلہ میں اسلام اور اس کے جہاد کی حمایت پر کھڑے ہوتے اور جاہلانہ رسم و رواج کے مقابلہ میں آسمانی آواز کا ساتھ دیتے اور الٹا اس جہاد و قتال پر اعتراضات کی بوچھاڑ کرنے کھڑے ہو گئے اور یہ اشتعال انگیز پروپیگنڈہ شروع کر دیا کہ یہ جہاد تو جبراً دین منوانے اور قوموں کو بنوک شمشیر مسلمان بنانے کے لئے اٹھایا گیا ہے حالانکہ قرآن کے اس اعلان جہاد میں ایک لفظ بھی ایسا نہ تھا جس سے یہ مطلب نکالا جاتا مگر حیرت یہ ہے کہ انہوں نے ان غلط منصوبوں کو خود قرآن سے ہی باور کرانے کے لئے آیتوں کے مفہوم غلط لیے اور آج تک اسی قدیم اور غلط روش کی پیروی میں سرگرم عمل ہیں آج بھی آیات قتال کے ترجمے تک غلط کیے جا رہے ہیں تا کہ یہ جبراً دین منوانے کا پروپیگنڈہ قائم رہے جس کی ایک یہودیت و نصرانیت نے جاہلیت کی جگہ لے کر بجائے جاہلیت کی مخالفت کے خود اسلام کی مخالفت شروع کر دی حالانکہ اسلام جاہلیت کے مقابلہ پر انہیں اپنے سے قریب کرنے کے حق میں تھا۔ بہرحال آیت بالا سے (جس کا غلط ترجمہ کر کے اسلام کو جبری دین باور کرانے کی کوشش کی گئی ہے) واضح ہے کہ اسلام نے اپنے کو منوانے پر کبھی کسی کو مجبور نہیں کیا بلکہ تلوار فتنہ کے مٹانے کے لئے اٹھائی اور اگر اہل کتاب کے خلاف بھی اٹھائی تو وہ بھی منوانے کے لئے نہیں بلکہ ان کا فتنہ مٹانے کے لئے اٹھائی جب کہ قرآن نے ہی اپنی آیتوں میں کھلے طور پر یہ اعلان کر دیا کہ دین ہرگز جبری نہیں اور پیغمبر کو حکماً اس کا پابند بنایا کہ وہ جبر و اکراہ سے کسی کو مومن نہ بنائیں حجت و برہان اور خلق عظیم سے دین پیش کریں جیسا کہ عرض کر چکا ہوں۔

اسلام بغیر جبر و اکراہ کے پھیلا:

پھر یہ اسلام کا اصول ہی نہیں تاریخ بھی ہے کہ اس کے ذمہ دار اور مبصر پیروؤں نے قبول دین کے لئے کبھی کسی کو مجبور نہیں کیا صحابہ اور تابعین ائمہ مجتہدین اور علماء ربانیین صوفیاء کرام اور حکماء اسلام کی یہی تاریخ ہے کہ انہوں نے حجت اور محبت سے دین پیش کیا نہ کہ نوک تلوار سے عرب کے بڑے بڑے شیر دل مسلمان صدیق اکبر فاروق اعظم، عثمان غنی، علی مرتضیٰ اور ان جیسے کتنے ہی صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین جو آگے چل کر اسلام کے بہادر جنرل اور اولوالامر ثابت ہوئے اکثر و بیشتر مکہ کی تیرہ سالہ زندگی میں اسلام میں داخل ہوئے جب کہ تلوار ہی نہیں کسی کے مقابلہ پر زبان ہلانے کی بھی اجازت نہ تھی ایشیاء کو چک کے لاکھوں ترک و تاتار اس وقت دائرہ اسلام میں داخل ہوئے جب انہوں نے مسلمانوں کے ہاتھوں سے تلوار چھین لی اور ان کے مرکزوں کو فتح کر لیا۔ ہندوستان میں مسلمان آئے تو ابتداً پست اقوام نہیں بلکہ زیادہ تر وہ بہادر قومیں دائرہ اسلام میں داخل ہوئیں جن کے خود کے ہاتھوں میں تلوار تھی اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں تلوار نہ تھی ان کے بارہ میں یہ تاریخ بنانا کہ وہ جبراً مسلمان بنائے گئے ان کی ان کے خاندان کی اور ان کے پورے دائرہ کی توہین ہے پھر اس کے بعد ہندوستان کے دوسرے دور میں انگریزوں کے تسلط کے بعد مسلمان تین کروڑ سے دس

کروڑ تک پہنچ گئے جب کہ ان کے ہاتھ تلوار اور حکومت سے خالی ہو گئے اس لئے اسلام کی تاریخ بھی بعینہ وہی ہے جو اس کا اصول ہے کہ:

(لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ) ''دین میں کوئی جبر نہیں''

اب اگر کسی بادشاہ یا غیر مبصر مولوی یا غیر ذمہ دار قسم کے کسی مسلمان نے جبراً کسی کو دین میں داخل کیا ہے تو اس کی ذمہ داری اسلام یا اس کی تاریخ پر عائد نہیں ہوسکتی اور نہ ہی ایسے غیر ذمہ دارانہ واقعات سے دین پر کوئی تہمت آسکتی ہے۔

مکمل اخلاقی نظام:

حاصل یہ ہے کہ اخلاقی نظام اگر دنیا کے کسی مذہب نے مکمل کر کے پیش کیا ہے تو صرف اسلام ہے بلکہ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی بڑی غرض وغایت ہی اسلام نے تکمیل اخلاق ظاہر کی ہے۔

بُعِثۡتُ لِاُتَمِّمَ مَكَارِمَ الۡاَخۡلَاقِ.

میں بھیجا ہی اس لئے گیا ہوں کہ کریمانہ اخلاق کی تکمیل کر کے اس کا مکمل نقشہ دنیا کے سامنے پیش کروں۔

قرآن وحدیث کے وہ ابواب جو اخلاق کی قسموں ان کے درجات و مراتب ان کے آثار اور ان کے حاصل کرنے کے اسباب و وسائل پر مشتمل ہیں اس نظام کی تفصیل ہے جس کے لئے ایک مستقل فن مسلمانوں نے قرآن وحدیث کی روشنی سے قائم کیا جس کا نام تصوف ہے اور اس کے حامل ایک عظیم طبقہ ہے جس نے مسلمانوں کو تزکیہ اخلاق پر لگایا جس سے نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی متاثر اور مستفید ہوئے اس لئے یہ دعویٰ کہ اسلام میں اخلاقی نظام نہیں اس سے ہم معنی ہیں کہ اسلام ہی دنیا میں نہیں اور یہ ایک ایسا صریح جھوٹ ہوگا کہ بولنے والے اس سے چاہے نہ شرمائیں مگر دنیائے انسانیت کی گردن شرم سے یقیناً جھک جائے گی۔

رہا یہ کہ بہت سے احکام قرآن میں وہ ہیں جو انجیل میں پہلے سے موجود ہیں تو قرآن نے یہ دعویٰ کب کیا ہے کہ وہ ایسی چیزیں لے کر آیا ہے جو پہلے کبھی نہ تھیں اور اسی نے کوئی ایسا نیا انوکھا دین لا کر پیش کیا ہے جس کا سابق میں کوئی وجود نہ تھا اس کا دعویٰ تو یہ ہے کہ دین آج بھی وہی پرانا ہے جو آدم ونوح ابراہیم وموسیٰ اور داؤد وعیسیٰ کا دین تھا ہاں اس نے اس دین کو بلاشبہ مکمل کیا اور اس نے تشنہ گوشوں کو بھر کر شریعتوں کے وہ امور ختم کر دیئے ہیں جو دنیا کی ترقی یافتہ ذہنیت کے مناسب حال نہ رہے تھے اور جن پر عمل کرنا اس دور کی دنیا میں ممکن نہ تھا اس نے اسی پرانے اور اسی پرانی ملت ابراہیمی کو عمومیت جامعیت ہمہ گیری بین الاقوامیت اور بین الاوطانیت بخشی ہے جس سے ساری دنیا ایک پلیٹ فارم پر آسکے اور پوری دنیا کا دین ایک ہو جائے جیسا کہ یہی جذبات آج پیدا ہو چکے ہیں جو اس کی تعلیمات کا غیر شعوری اثر ہے۔

اسلام تکمیل دین کا دعویدار ہے تاسیس دین (یعنی از سر نو کسی دین لانے) کا مدعی نہیں چنانچہ قرآن کا دعویٰ یہ ہے کہ۔

(وَاِنَّهٗ لَفِىۡ زُبُرِ الۡاَوَّلِيۡنَ)

وہ اگلوں کی کتابوں میں سمایا ہوا ہے نہ یہ کہ وہ اگلوں سے بے تعلق ہو کر کوئی نئی نویلی چیز لایا ہے جس کا اگلوں میں کوئی وجود نہ تھا۔

قرآن کی ہدایت تو اپنے پیغمبر کو یہ ہے کہ:

(فَبِهُدٰٮهُمُ اقۡتَدِهۡ)

انہیں اگلے پیغمبروں کی دلائی ہوئی ہدایت کا آپ بھی اتباع کریں۔

محمد طیب غفرلہ مدیر دار العلوم دیوبند ۱۰ ربیع الاول ۱۳۸۱ھ

اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمۡ رَسُوۡلٌۢ بِمَا لَا تَهۡوٰٓى اَنۡفُسُكُمُ
پھر بھلا کیا جب تمہارے پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ بھایا
اسۡتَكۡبَرۡتُمۡ‌ۚ فَفَرِيۡقًا كَذَّبۡتُمۡ
تمہارے جی کو تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو جھٹلایا

اہل کتاب کی چیرہ دستیاں:

جیسا کہ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جھوٹا کہا۔ (تفسیر عثمانی)

وَفَرِيۡقًا تَقۡتُلُوۡنَ ﴿۸۷﴾
اور ایک جماعت کو تم نے قتل کر دیا

جیسا کہ حضرت زکریا اور یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا۔ (تفسیر عثمانی)

لبید بن عاصم یہودی کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو کرنا:

حضرت عائشہؓ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی نے سحر کیا حتی کہ حضورؐ کی یہ حالت ہوگئی تھی کہ آپ کو یہ خیال ہوتا تھا کہ فلاں کام کر لیا حالانکہ وہ کام کیا ہوا نہیں ہوتا تھا چند روز یہی حالت رہی پھر ایک روز آپ نے اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کی پھر مجھ سے فرمایا عائشہ تمہیں بھی خبر ہے کہ جس کی تحقیق کے لئے میں نے جناب الٰہی میں مناجات کی تھی کہ اس کا حال مجھے معلوم ہو گیا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا ہے فرمایا دو شخص میرے پاس آئے ایک میرے سرہانے بیٹھا اور دوسرا پائینتی پھر ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کو کیا بیماری ہے دوسرے

نے جواب دیا جادو ہے پھر پہلے نے پوچھا کس نے کیا ہے دوسرے نے کہا لبید بن عاصم یہودی نے پوچھا کس شے میں کیا ہے کہا ایک کنگھی اور کچھ بال اور کھجور کے پھل کے غلاف کے اندر کیا ہے پھر پوچھا یہ سب چیزیں کہاں ہیں کہا چاہ ذروان میں اس کے بعد جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مع ایک جماعت صحابہؓ کے اس کنویں پر تشریف لے گئے حضور نے فرمایا وہ کنواں یہی ہے جس کی صورت اور پانی مجھے دکھایا گیا ہے۔ ﴿مظہری﴾

وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ
اور کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے اللہ نے
بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾
ان کے کفر کے سبب سو بہت کم ایمان لاتے ہیں

یہودیوں کے دلوں کا غلاف:

یہود اپنی تعریف میں کہتے تھے کہ "ہمارے دل غلاف کے اندر محفوظ ہیں، بجزا اپنے دین کے کسی کی بات ہم کو اثر نہیں کرتی۔ ہم کسی کی چاپلوسی، سحر بیانی یا کرشمے اور دھوکے کی وجہ سے ہرگز اس کی متابعت نہیں کر سکتے" حق تعالیٰ نے فرمایا "وہ بالکل جھوٹے ہیں بلکہ ان کے کفر کے باعث اللہ نے ان کو ملعون اور اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے۔ اس لئے کسی طرح دین حق کو نہیں مانتے اور بہت کم دولت ایمان سے مشرف ہوتے ہیں" ﴿تفسیر عثمانی﴾

تھوڑا سا ایمان:

تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں (اور تھوڑا ایمان مقبول نہیں پس وہ کافر ہی ٹھہرے)

(ف) یہ تھوڑا سا ایمان ان امور کی بابت ہے جو ان کے مذہب اور اسلام میں مشترک ہیں مثلاً خدا کا قائل ہونا، قیامت کا قائل ہونا کہ ان امور کے وہ بھی قائل تھے، لیکن خود نبوت محمدیہؐ اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے منکر تھے اس لئے پورا ایمان نہ تھا۔

خاندان بنی اسرائیل کے اخیر میں عیسیٰ بن مریم کو نبوت و رسالت کے واضح اور روشن دلائل دے کر بھیجا اور خاص طور سے روح القدس یعنی جبریل امین سے ان کو قوت دی جو ہر وقت ان کے ساتھ رہتے تھے اور دشمنوں سے ان کی حفاظت کرتے تھے ولادت سے لے کر رفع الی السماء کے وقت تک جبریل آپ کے محافظ رہے۔

چار قسم کے دل:

امام احمد نے سند جید کے ساتھ ابو سعید خدریؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دل چار قسم کے ہیں ایک دل تو وہ ہے کہ جو آئینہ کی طرح صاف و شفاف ہے اور اس میں کوئی چراغ روشن ہے اور ایک دل وہ ہے کہ جو غلاف میں بند ہے اور غلاف کا منہ تاگے یا رسی سے بندھا ہوا ہے اور ایک دل الٹا اور اوندھا ہے اور ایک دل وہ ہے کہ جس کے دو صفحے یعنی دو جانبیں ہیں ایک سفید ہے اور ایک صفحہ سیاہ پر صاف و شفاف دل تو مومن کا دل ہے جس میں ایمان کا چراغ روشن ہے اور غلاف میں بند کافر کا دل ہے اور الٹا اور اوندھا منافق کا ہے۔

کہ جس نے حق کو پہچانا اور پھر اس کا انکار کیا اور دو رویہ دل وہ ہے کہ جس میں ایمان اور نفاق دونوں جمع ہیں پس ایمان اس دل میں مثل سبزہ کے ہے کہ پاکیزہ پانی اس کو بڑھاتا ہے اور اس کے دل میں نفاق مثل ناسور کے ہے کہ جو دم بدم پیپ اور خون کو بڑھاتا ہے پس ان دو مادوں میں سے جونسا مادہ غالب آ جائے اسی کا اعتبار ہے۔

اَللّٰهُمَّ نَوِّرْ قُلُوْبَنَا بِاَنْوَارِ طَاعَتِكَ وَمَعْرِفَتِكَ اٰمِيْنَ يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے
مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ
جو سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے
يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ
فتح مانگتے تھے کافروں پر پھر جب پہنچا ان کو
مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۚ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾
جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل یہودیوں کا اقرار:

ان کے پاس جو کتاب آئی وہ قرآن ہے اور جو کتاب ان کے پاس پہلے سے تھی وہ توریت ہوئی۔ قرآن کے اترنے سے پہلے جب یہودی کافروں سے مغلوب ہوتے تو خدا سے دعا مانگتے کہ "ہم کو نبی آخر الزماں اور جو کتاب ان پر نازل ہو گی ان کے طفیل سے کافروں پر غلبہ عطا فرما" جب حضورؐ پیدا ہوئے اور سب نشانیاں بھی دیکھ چکے تو منکر ہو گئے اور

ملعون ہوئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

باوجود یہ کہ اس نبی امی اور قرآن کے واسطہ سے بار بار فتح و نصرت کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا پھر جب وہ نبی امی اور وہ کتاب معجزہ سامنے آئی تو اقرار اور اعتراف کے بعد اس سے انحراف کیا۔ (کاندھلوی)

جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عربی خط اور عبارت بھی نہیں پڑھ سکتے تھے جو کتاب عبرانی خط میں ہو اس کے مضامین کی واقفیت کیسے ہو سکتی ہے سوائے وحی کے اور کوئی ذریعہ علم نہیں اور تعجب ہے کہ یہ لوگ آپ کی نبوت میں تردد کرتے ہیں حالانکہ نزول قرآن اور آپ کی بعثت سے پہلے یہی لوگ کافر اور بت پرستوں کے مقابلہ میں آپ کے نام اور برکت سے فتح و نصرت اللہ سے مانگا کرتے تھے چنانچہ یہود مدینہ اور یہود خیبر کی جب عرب بت پرستوں سے لڑائی ہوتی تو یہ دعا مانگتے۔

اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اِنَّا نَسْاَلُکَ بِحَقِّ اَحْمَدَ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ وَعَدْتَّنَا اَنْ تُخْرِجَهٗ لَنَا فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ وَبِکِتَابِکَ الَّذِیْ تُنَزِّلُ عَلَیْهِ اٰخِرَ مَا تُنْزِلُ اَنْ تَنْصُرَنَا عَلٰی اَعْدَائِنَا

(اخرجہ۔ ابونعیم والحاکم والبیہقی وغیرھم عن ابن عباس وابن مسعود وغیرھم بالفاظ مختلفۃ۔ درمنثور)

اے اللہ ہم تجھ سے اس احمد مصطفیٰ نبی امی کے حق سے سوال کرتے ہیں جس کے ظاہر کرنے کا تو نے ہم سے وعدہ کیا ہے اور اس کتاب کے واسطہ اور برکت سے سوال کرتے ہیں جس کو تو سب سے اخیر میں نازل کرے گا کہ ہم کو ہمارے دشمنوں پر فتح اور نصرت عطا فرما۔

یہ روایت ابن عباس اور ابن مسعود اور دیگر صحابہ سے بالفاظ مختلفہ مروی ہے۔ درمنثور۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ یَّكْفُرُوْا بِمَآ
بری چیز ہے وہ جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو کہ منکر
اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْیًا اَنْ یُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ
ہوئے اس چیز کے جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اتارے اللہ
فَضْلِهٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ
اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے

یعنی جس چیز کے بدلے انہوں نے اپنے آپ کو بیچا وہ کفر اور انکار ہے قرآن کا، اور انکار بھی محض۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ ؕ
سو کما لائے غصہ پر غصہ

دوہرا غضب:

ایک غضب تو یہ کہ قرآن بلکہ اس کے ساتھ اپنی کتاب کے بھی منکر ہو کر کافر ہوئے، دوسرے محض حسد اور ضد سے پیغمبر وقت سے انحراف اور خلاف کیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلِلْكٰفِرِیْنَ عَذَابٌ مُّهِیْنٌ ﴿۹۰﴾
اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلت کا

عذاب کی دو قسمیں:

اس سے معلوم ہے کہ ہر عذاب ذلت کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مسلمانوں کو جو ان کے معاصی پر عذاب ہوگا گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوگا نہ بغرض تذلیل، البتہ کافروں کو بغرض تذلیل عذاب دیا جائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نبی برحق پر حسد کیا اور در پردہ اللہ پر اعتراض کیا کہ یہ منصب رسالت کے اہل نہ تھے ان کو یہ منصب کیوں عطا کیا ان وجوہ کی بناء پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے قسم ہا قسم کے غضب اور غصہ کو مورد بنے پس جو شخص غضب خداوندی کا حامل ہو نہ اس کے عذاب میں تخفیف ہو سکتی ہے اور نہ اس کا عذاب چند روز میں منقطع ہو سکتا ہے اور اگر ان تمام وجوہ غضب سے قطع نظر بھی کر لیا جائے تو دائمی عذاب کے لئے فقط ایک کفر ہی کافی ہے جو ان میں موجود ہے اور کافروں کے لئے ذلیل کرنے والا عذاب ہے اور گنہگار مسلمانوں کو جو عذاب ہوگا وہ اہانت اور تذلیل کے لئے نہ ہوگا بلکہ گناہوں سے پاک کرنے کے لئے ہوگا۔ (معارف کاندھلوی)

وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا
اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے بھیجا ہے تو کہتے ہیں
نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَیَكْفُرُوْنَ بِمَا
ہم مانتے ہیں جو اترا ہے ہم پر اور نہیں مانتے اسکو جو سوا اسکے ہے حالانکہ
وَرَآءَهٗ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ
وہ کتاب سچی ہے تصدیق کرتی ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے

بجز توراۃ سب کا انکار:

جو اللہ نے بھیجا انجیل و قرآن اور جو اترا ہم پر یعنی توریت مطلب یہ ہوا کہ

"بجز توریت اور کتابوں کا صاف انکار کرتے ہیں اور انجیل و قرآن کو نہیں مانتے" حالانکہ وہ کتابیں بھی سچی اور توریت کی تصدیق کرنے والی ہیں۔ (تفسیر عثانی)

قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ
کہہ دو پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾
اگر تم ایمان رکھتے تھے

تم نے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟

ان سے کہہ دو کہ "اگر تم توریت پر ایمان رکھتے ہو تو پھر تم نے انبیاء کو کیوں قتل کیا؟؟ کیونکہ توریت میں یہ حکم ہے کہ "جو نبی توریت کو سچا کہنے والا آئے اس کی نصرت کرنا اور اس پر ضرور ایمان لانا" اور قتل بھی ان انبیاء کیا جو پہلے گذر چکے ہیں (جیسے حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ) جو احکام توریت پر عمل کرتے تھے اور اسی کی ترویج کے لئے مبعوث ہوئے تھے ان کے مصدق توریت ہونے میں تو بیوقوف کو بھی تامل نہیں ہوسکتا (یہ بات لفظ قبل سے مفہوم ہوئی) (تفسیر عثانی)

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ
اور آ چکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر پھر بنا لیا تم
الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾
نے بچھڑا اس کے گئے پیچھے اور تم ظالم ہو

بچھڑے کو پوجتے وقت تمہارا ایمان کہاں تھا:

یعنی حضرت موسیٰ کہ جن کی شریعت پر قائم ہو اور ان کی شریعت کی وجہ سے اور شرائع حقہ کا انکار کرتے ہو خود انہوں نے کھلے کھلے معجزے تم کو دکھائے (جیسے عصاء ید بیضا اور دریا کا پھاڑنا وغیرہ) مگر جب چند دن کے لئے کوہ طور پر گئے تو اتنے ہی میں بچھڑے کو تم نے خدا بنا لیا۔ حالانکہ موسیٰ علیہ السلام اپنے درجہ نبوت پر قائم زندہ موجود تھے تو اس وقت تمہارا حضرت موسیٰ اور ان کی شریعت پر ایمان کہاں جاتا رہا تھا اور رسول آخر الزماں کے بغض و حسد میں آج شریعت موسوی، ایسا پکڑ رکھا ہے کہ خدا کا حکم بھی نہیں سنتے بیشک تم ظالم تمہارے باپ دادا ظالم یہ حال تو بنی اسرائیل کا حضرت موسیٰ کے ساتھ تھا آگے توریت کی نسبت جو ان کے ایمان کی حالت تھی اس کو بتاتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ
اور جب ہم نے لیا قرار تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر
الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا
کوہ طور کو پکڑو جو ہم نے تم کو دیا زور سے اور سنو بولے
سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ
سنا ہم نے اور نہ مانا اور پلائی گئی ان کے دلوں میں محبت اسی بچھڑے
الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ
کی بسبب ان کے کفر کے

یہودیوں کا دوغلہ پن:

یعنی احکام توریت کی جو تکلیف دی گئی اس کو پوری ہمت و استقلال سے مضبوط پکڑو، چونکہ پہاڑ سر پر معلق تھا جان کے اندیشہ سے زبان سے (یا اس وقت) تو کہہ لیا سمعنا یعنی احکام توریت ہم نے سن لئے اور دل سے (یا بعد میں) کہا عصینا یعنی ہم نے قبول نہیں کیا احکام کو اور وجہ اس کی یہ تھی کہ صورت پرستی ان کے دل میں راسخ ہو چکی تھی ان کے کفر کے باعث وہ زنگ بالکل ان کے دل سے زائل نہیں ہوا بلکہ رفتہ رفتہ بڑھتا گیا۔ (تفسیر عثانی)

قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
کہہ دے کہ بری باتیں سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ
ایمان والے ہو کہہ دے کہ اگر ہے تمہارے واسطے آخرت کا
عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ
گھر اللہ کے ہاں تنہا سوا اور لوگوں کے
فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾
تو تم مرنے کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو

یہود کے دعویٰ کی تردید:

یہود کہتے تھے کہ "جنت میں ہمارے سوا کوئی نہ جائے گا اور ہم کو عذاب نہ ہوگا" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یقینی بہشتی ہو تو مرنے سے کیوں

ڈرتے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

چھ چیزوں کے ظاہر ہونے سے پہلے مر رہو:

ابن عبدالبر نے تمہید میں روایت کیا ہے کہ عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ سے موت کی تمنا کی بابت بعض لوگوں نے پوچھا کہ آپ موت کی کیوں تمنا کرتے ہیں اس سے تو منع کیا گیا ہے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے چھ چیزیں ظاہر ہونے سے پہلے مر رہو۔ (یعنی موت کا سوال کرو) جاہل بے وقوفوں کی سلطنت' شرط کی کثرت' حکم کی بیع' خون کے معاہدہ کی پروانہ کرنا' قرابت کو قطع کرنا۔ قرآن کو مزامیر بنانا۔ (تفسیر مظہری)

مومن کا تحفہ:

ابن مبارک نے باب زھد میں اور بیہقی نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مؤمن کا تحفہ موت ہے اور دیلمی نے بھی حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے اس مضمون کو نقل کیا ہے اور حسین بن علی رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً منقول ہے کہ مومن کا پھول موت ہے۔

حضرت عمرؓ کی دُعاء:

امام مالک نے روایت کیا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی دعا میں فرمایا کہ اے اللہ میری قوت ضعیف ہوگئی اور میری عمر زیادہ ہوگئی اور میری رعیت جا بجا پھیل گئی اب اے اللہ مجھے صحیح سالم بلا کسی کے حق کے ضائع اور کوتاہی کئے ہوئے اپنے پاس بلا لے۔ چنانچہ اس دعا کو ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی۔

موت کی دُعاء کا طریقہ:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مصیبت کے سبب کوئی تم میں سے موت کی ہرگز تمنا نہ کرے اگر اس تمنا کرنے کو جی چاہتا ہے اور بغیر تمنا کے رہ ہی نہیں سکتا تو اس قدر کہہ دے کہ اے اللہ جب تک میرے لئے زندگی بہتر ہو تو مجھے زندہ رکھ اور جب میرا مرنا بہتر ہو تو موت دے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے اور انہیں سے ایک روایت میں ہے کہ جب کوئی تم میں سے مرتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے اور عمر خیر ہی کو بڑھاتی ہے (یعنی عمر بری چیز نہیں کچھ نہ کچھ اس میں مومن خیر ہی کرے گا)۔

موت کی تمنا نہ کرو:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ کوئی تم میں سے موت کی ہرگز تمنا نہ کرے کیونکہ یہ شخص یا تو نیک کار ہوگا تو شاید نیکی زیادہ کرے اور یا بدکار ہے تو ممکن ہے کہ بدی سے باز آ جاوے اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

اگر یہودی موت کی تمنا کرتے:

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر یہ یہودی موت کی تمنا کرتے تو اسی دم ہر شخص کا ان میں سے اپنے آب دہن سے گلا گھٹ جاتا اور روئے زمین پر ایک بھی یہودی باقی نہ رہتا سب کے سب ہلاک ہو جاتے۔

یہود کی روش پر تنبیہ:

کیوں جی تم جو یہ کہتے ہو کہ جو ہم پر نازل ہوا ہے اس پر ایمان لاتے ہیں (بولو کیا یہی ایمان لانا ہے کہ گوسالہ کو معبود بنالیا ہے اور باوجود معجزات دیکھنے کے بھی ایمان نہ لائے) اور نیز اس امر پر تنبیہ کرنا منظور ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ان لوگوں کا برتاؤ ایسا ہی ہے جیسے کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ اس تفسیر پر اس قصہ کی تکرار بے وجہ نہ ہوگی۔

دیدارِ الٰہی کا شوق:

ابن عساکر نے عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے روایت کئے ہیں۔ اور اگر موت کی تمنا اللہ کے ملنے کے شوق میں کرے تو یہ بہت ہی اچھا ہے۔ ابن عساکر نے ذوالنون مصری رحمتہ اللہ علیہ سے روایت کی ہے آپ فرماتے تھے کہ شوق سب مقامات سے برتر مقام ہے اور سب درجوں سے بڑھ کر درجہ ہے جب بندہ کو یہ مقام نصیب ہوتا ہے تو اپنے پروردگار کے شوق میں موت کی آرزو کرتا ہے اور اس کے دیر میں آنے سے اکتاتا ہے۔

انبیاء کو اختیار دیا جاتا ہے:

ابن سعد اور بخاری و مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ میں سنا کرتی تھی کہ ہر نبی کو وفات سے پیشتر اختیار دیا جاتا ہے کہ خواہ دنیا میں رہو یا یہاں چلے آؤ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرض کی شدت ہوئی تو میں نے سنا کہ آپ فرما رہے تھے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ
اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا

(ان کے ساتھ جن پر خدا تعالیٰ نے احسان اور انعام فرمایا ہے یعنی نبی اور صدیق اور شہید اور نیک بندے اور یہ لوگ اچھے ساتھی ہیں) میں سمجھ گئی کہ اب

حق تعالیٰ کی طرف سے اختیار ملا ہے اور آپؐ نے آخرت کو اختیار فرمایا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اختیار:

نسائی نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہے کہ (مرض الموت میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں لیٹے تھے کہ آپ پر بے ہوشی طاری ہوئی میں آپ کے بدن مبارک پر ہاتھ پھیرتی تھی اور آپؐ کے لئے ان کلمات سے دعائے شفا کرتی تھی اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ (اے لوگوں کے پروردگار شدت کو دور فرمایئے) اس کے بعد آپ کو افاقہ ہوا تو آپؐ نے ہاتھ کو میرے ہاتھ سے الگ کرلیا اور فرمایا نہیں میں تو اللہ تعالیٰ سے رفیق اعلیٰ کا سوال کرتا ہوں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی موت:

طبرانی نے روایت کی ہے کہ ملک الموت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ان کی روح قبض کرنے آئے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ملک الموت! بھلا کہیں ایسا دیکھا ہے کہ کوئی دوست اپنے دوست کی روح قبض کرے۔ ملک الموت نے یہ سن کر حق تعالیٰ سے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہہ دو کہ تم نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کوئی دوست اپنے دوست کے ملنے کو ناگوار جانے ابراہیم علیہ السلام نے سن کر فرمایا میری روح ابھی قبض کرلو!

حضرت یوسف علیہ السلام کا فرمان:

یوسف علیہ السلام نے فرمایا اے اللہ مجھ کو اسلام کی حالت میں وفات دے اور نیک بندوں سے ملا دے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول:

علی رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ مجھے کچھ پرواہ نہیں خواہ موت مجھ پر گرائی جائے یا میں موت پر گرایا جاؤں اس کو ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

حضرت عمار کا حال:

عمار رضی اللہ عنہ صفین میں فرماتے تھے کہ میں آج اپنے دوستوں سے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے گروہ سے ملوں گا۔ اس قول کو طبرانی نے کبیر میں اور ابونعیم نے دلائل میں نقل کیا ہے۔

حضور ﷺ کا حضرت سعد کو موت کی تمنا سے روکنا:

امام احمد نے ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں بیٹھے تھے آپ نے وعظ فرمایا اور ہمارے دلوں کو نرم کیا سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ یہ وعظ سن کر خوب روئے اور کہا اٹھے اے کاش میں تو مر جاتا حضورؐ نے فرمایا کہ سعد! میرے پاس ہو کر موت کی تمنا کرتے ہو اور یہی مضمون تین بار فرمایا پھر فرمایا سعد! اگر تم جنت کے لئے پیدا کیے گئے ہو اور تمہاری عمر طویل اور عمل اچھے ہوں تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ (تفسیر مظہری)

حضور ﷺ کا اس آیت کی روشنی میں مطالبہ:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کو جمع فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ دار آخرت صرف تمہارے لئے ہے تو ایک بار زبان سے کہو اَللّٰهُمَّ امتنا۔ اے اللہ ہم کو موت دے دے۔ اور آپ نے ارشاد فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ جو یہودی بھی یہ دعا کرے گا اس کے حلق کا لعاب مہلک ہو جائے گا اور اس کے گلے کو بند کردے گا اور وہ فی الفور مرجائے گا۔ چنانچہ یہودیوں نے اس کلمہ کے کہنے سے انکار کیا اور ڈر گئے اور اس کے بعد اگلی آیت نازل ہوئی ﴿وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا﴾ یعنی یہ ہرگز بھی موت کی تمنا نہ کریں گے۔

حضرت سعدؓ کا خط شاہِ ایران کے نام:

حضرت سعد بن وقاصؓ نے ایران کے بادشاہ رستم بن فرخ زاد کو خط لکھا تھا تو اس میں اخیر میں یہ فقرہ تھا۔

فَاِنَّ مَعِیَ قَوْماً يُحِبُّوْنَ الْمَوْتَ كَمَا يُحِبُّوْنَ الْاَعَاجِمُ الْخَمْرَ.

"یعنی میرے ساتھ وہ لوگ ہیں جو موت کو اور خدا کی راہ میں قتل ہونے کو اس طرح چاہتے ہیں جس طرح کہ ایرانی شراب پر مرتے ہیں۔"

صحیح بخاری کی حدیث قدسی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں یعنی اللہ کے دوستوں سے دشمنی کرنا اللہ سے لڑائی مول لینا ہے۔ (درس محمد احمد)

یہود کا عقیدہ:

یہود کا عقیدہ فقط یہی نہیں تھا کہ ہم اہل حق ہیں اور ہمارے سوا کوئی جنت میں نہیں جائے گا بلکہ اس کی ساتھ یہ بھی اعتقاد تھا کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں۔ ہمارے اعمال وافعال اور اقوال واحوال کیسے ہی ناشائستہ اور ناگفتہ ہوں ہم ضرور جنت میں جائیں گے۔ جنت ہماری جدی اور خاندانی میراث ہے مرتے ہی ہم بہشت میں داخل ہو جائیں گے اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ نہیں کہ ہم اللہ کے محبوب اور چہیتے ہیں اور جنت ہمارے لئے مخصوص ہے ہمارے اعمال اچھے ہوں یا برے ہر حال میں ہم

جنت میں جائیں گے بلکہ ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے کا دارومدار ایمان اور عمل صالح پر ہے اس لئے مسلمان ہمیشہ اپنی نازیبا افعال واقوال سے ڈرتے رہتے ہیں بخلاف یہود کے کہ وہ بے دھڑک گناہ کرتے رہتے ہیں اور ساتھ ساتھ یہ کہتے جاتے ہیں سَیُغْفَرُ لَنَا یعنی ہم کوئی گناہ کرلیں سب بخشے جائیں گے کسی قسم کی معصیت ہمارے لئے مضر نہیں اور نہ ہم سے کوئی حساب وکتاب ہوگا اس کے برعکس مسلمانوں کا یہ عقیدہ ہے کہ قیامت کے دن ذرہ ذرہ کا حساب دینا ہوگا۔

غلبۂ شوق میں موت کی تمنا جائز ہے:

احادیث میں بلا ضرورت موت کی تمنا کرنے کی یا دنیاوی مصائب سے گھبرا کرموت کی آرزو کرنے کی ممانعت آئی ہے۔ عمر کا زیادہ ہونا اور توبہ اور اعمال صالحہ کیلئے وقت کا میسر آجانا ایک نعمت عظمٰی اور غنیمت کبریٰ ہے البتہ اگر قلب پر لقاء خداوندی کا شوق غالب ہوتو پھر موت کی تمنا جائز ہے۔

یہودیوں کا غلط ایمان:

مطلب یہ ہے کہ تمہارا ایمان اگر تم کو یہ حکم دیتا ہے کہ قادر مطلق کو چھوڑ کر ایک بے زبان اور لا یعقل جانور کو خدا بنالو اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے عظیم الشان رسول کی تکذیب کرو پس ایسا ایمان جو تمہیں کفر کا حکم کرتا ہے یہ تو بہت ہی برا ایمان ہے ایسے لوگ تو دائمی سزا کے مستحق ہیں ایسوں کے لئے ایام معدودہ کا عذاب ہرگز کافی نہیں۔

وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ
اور ہرگز آرزو نہ کریں گے موت کی کبھی بسبب ان گناہوں کے کہ بھیج چکے
عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝۹۵ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ
ہیں انکے ہاتھ اور اللہ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو اور تو دیکھے گا ان کو سب
النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ
لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی
يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ
چاہتا ہے ایک ایک ان میں کا کہ عمر پاوے ہزار برس اور نہیں اس کو
بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ
بچانے والا عذاب سے اس قدر جینا اور اللہ
بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝۹۶
دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں

یہودیوں کا موت سے فرار:

یعنی یہودیوں نے ایسے برے کام کئے ہیں کہ موت سے نہایت بچتے ہیں اور ڈرتے ہیں کہ مرتے ہی خیر نظر نہیں آتی حتیٰ کہ مشرکین سے بھی زیادہ جینے پر حریص ہیں۔ اس سے ان کے دعووں کی تغلیط خوب ہوگئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کچھ ہو، یہ موت سے بچ نہیں سکتے:

خواجہ حسن بصریؒ فرماتے ہیں منافق کو حیات دنیوی کی حرص کافر سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ یہ یہودی تو ایک ایک ہزار سال کی عمریں چاہتے ہیں حالانکہ یہ لمبی عمر بھی انہیں عذابوں سے نجات نہیں دے سکتی۔ چونکہ کفار کو تو آخرت پر یقین ہی نہیں ہوتا اور انہیں تھا' پھر انکی سیاہ کاریاں بھی سامنے تھیں اس لئے موت سے بہت زیادہ ڈرتے تھے۔ لیکن ابلیس کے برابر بھی عمر پالیں تو کیا ہوا عذاب سے تو نہیں بچ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں' تمام بندوں کے تمام بھلے برے اعمال کو وہ بخوبی جانتا ہے اور ویسا ہی بدلہ دے گا۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

اگر یہودیوں کو اپنے لئے جنت کی نعمتوں کا یقین ہے تو موت کی تمنا کریں

بے مثال نعمتیں کہ جن میں تمہارا کوئی شریک اور سہیم نہیں ان تک پہنچنے کا راستہ سوائے موت کے اور کوئی نہیں لہٰذا اگر تم کو یہ یقین ہے کہ اس دار جاودانی کی نعمتیں تمہارے لئے مخصوص ہیں تو پھر اس دار فانی اور کلبۂ احزان و پریشانی سے خلاصی اور نجات کی تمنا کرو۔ قصر عالی شان اور اعزاز شاہی کے مقابلہ میں جیل خانہ کی ذلت اور مشقت کو ترجیح دینا کسی عاقل کا کام نہیں خصوصاً جبکہ جدال وقتال کا بازار گرم ہے اور یہود کے مرد مارے جارہے ہیں اور بچے اور عورتیں غلام بنائے جارہے ہیں۔ مال واسباب لوٹا جارہا ہے اور جزیہ اور خراج ان پر قائم کیا جارہا ہے تو ایسی حیات سے بلاشبہ موت افضل اور بہتر ہے تم کو معلوم ہے کہ لذائذ دنیوی نعم اُخریٰ کا مقابلہ نہیں کرسکتیں اور تم اس وقت مسلمانوں سے جنگ وجدال کی وجہ سے تکلیف اٹھارہے ہو تو موت کی تمنا کرو تا کہ اس رنج ومحن سے چھٹکارا ملے اور چونکہ اپنے دعوے کے موافق خاصان خدا سے ہو اس لئے تمہاری دعا بھی ضرور قبول ہوگی۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

جو اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہے اللہ بھی اس سے ملنا چاہتا ہے:

عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ملنا چاہتا ہے اللہ اس سے ملنا چاہتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ سے ملنے کو مکروہ سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے ملنے کو بھی مکروہ جانتا ہے اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا اور کسی زوجہ مطہرہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم تو سب موت کو مکروہ اور برا سمجھتے ہیں فرمایا یہ مطلب نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ مومن جب مرنے کے قریب ہوتا ہے تو اللہ کی رضا مندی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اعزاز کی خوشخبری اسکو دی جاتی ہے پھر اس وقت اس کو کوئی شے آخرت سے زیادہ پیاری نہیں ہوتی۔ پس وہ اللہ کے ملنے کو دوست رکھتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسکے ملنے کو چاہتا ہے۔ اور کافر کی موت جب قریب ہوتی ہے تو اللہ کے عذاب اور عقاب کی خوشخبری اس کو دی جاتی ہے اس وقت کوئی شے اسے آئندہ حالت سے زیادہ بری اور مبغوض اور مکروہ نہیں ہوتی پس وہ اللہ کے ملنے کو مکروہ جانتا ہے اللہ تعالیٰ اسکے ملنے کو مکروہ جانتا ہے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور تندرستی کی حالت میں کسی سلف سے موت کی تمنا کرنا منقول نہیں لیکن ہاں خوف فتنہ کی وجہ یا عمل میں تقصیر کے خوف سے البتہ منقول ہے۔ جیسے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہم نے اوپر نقل کیا ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا مقولہ بھی اسی پر محمول ہے اور غلبۂ حال میں بھی موت کی تمنا کرنا اولیاء کرام رحمہم اللہ سے وارد ہے۔

مجوسیوں کا سلام:

ابو العالیہ اور ربیع نے کہا ہے کہ (وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا) اس سے مجوس مراد ہیں کیونکہ ان کا سلام آپس میں یہ تھا ''زی ہزار سال'' (یعنی تو ہزار برس زندہ رہے) ﴿تفسیر مظہری﴾

حفاظت قرآن کریم

ظاہر میں قرآن کریم دو چیزوں، الفاظ و معانی کا مجموعہ ہے اور یہ دونوں منزل من اللہ ہیں، دونوں ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئے۔ الفاظ قرآن جب نازل ہوتے تھے اسے جوں کا توں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ و حاضرین کو سنا دیتے۔ کوئی لفظ کم کرتے نہ زیادہ، اس معاملے میں جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم امین تھے، اسی طرح معانی کے سلسلہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم امین تھے۔ الفاظ کی طرح معانی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے القاء کئے جاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیت کا جو مقصد، مطلب و معانی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر القاء ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو روایت فرما دیتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم الفاظ میں بھی امین تھے اور معانی میں بھی امین، الفاظ بھی اللہ تعالیٰ کے اور معانی بھی اللہ تعالیٰ ہی کے۔ دونوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان میں قیامت تک کوئی خلل نہیں پڑ سکتا۔ یہ الفاظ و معانی قیامت تک باقی رہیں گے۔ تحریف کرنے والے ہزار تحریف کریں مگر حق غالب ہی رہے گا۔ الفاظ بھی باقی رہیں گے اور معانی بھی۔ خود قرآن کریم نے ہی اس کی گارنٹی دی ہے۔

(اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ
تو کہہ دے جو کوئی ہووے دشمن جبریل کا سو اس نے تو اتارا ہے
عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا
یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے کہ سچا بتانے والا ہے
بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾
اُس کلام کو جو اُس کے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور خوشخبری سناتا ہے
مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ
ایمان والوں کو جو کوئی ہووے دشمن اللہ کا اور اُسکے فرشتوں کا اور اُسکے پیغمبروں
وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾
کا اور جبریل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا

یہودیوں کی حضرت جبریل سے دشمنی:

یہود کہتے تھے کہ ''جبریل فرشتہ اس نبی کے پاس وحی لاتا ہے اور وہ ہمارا دشمن ہے۔ ہمارے اگلے بڑوں کو اس سے بہت تکلیفیں پہنچیں۔ اگر جبریل کے بدلے اور فرشتہ وحی لائے تو ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں۔'' اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ فرشتے جو کچھ کرتے ہیں اللہ کے حکم سے کرتے ہیں اپنی طرف سے کچھ نہیں کرتے جو ان کا دشمن ہے البتہ بے شک اللہ ان کا دشمن ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابن عباسؓ فرماتے ہیں یہودیوں کی ایک جماعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی اور کہا کہ ہم آپؐ سے چند سوال کرتے ہیں؛ جن

کے صحیح جواب نبی کے سوا کوئی نہیں جانتا' اگر آپ سچے نبی ہیں تو ان کے جوابات دیجئے۔ آپ نے فرمایا بہتر ہے جو چاہو پوچھو مگر عہد کرو کہ اگر میں ٹھیک ٹھیک جواب دوں گا تو تم میری نبوت کا اقرار کرو گے اور میری فرمانبرداری میں لگ جاؤ گے۔ انہوں نے اس کا وعدہ کیا اور عہد دیا۔ آپ نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی طرح خدا کی شہادت کے ساتھ ان سے پختہ وعدہ لے کر انہیں سوال کرنے کی اجازت دی۔ انہوں نے کہا پہلے تو یہ بتایئے کہ توراۃ نازل ہونے سے پہلے حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے نفس پر کس چیز کو حرام کیا تھا؟ آپ نے فرمایا سنو! جب حضرت یعقوب عرق النساء کی بیماری میں سخت بیمار ہوئے تو نذر مانی کہ اگر خدا مجھے اس مرض سے شفا دے گا تو میں اپنی سب سے زیادہ مرغوب چیز کھانے کی اور سب سے زیادہ محبوب چیز پینے کی چھوڑ دوں گا۔ جب تندرست ہو گئے تو اونٹ کا گوشت کھانا اور اونٹنی کا دودھ پینا جو آپ علیہ السلام کے پسند خاطر تھا چھوڑ دیا۔ تمہیں خدا کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ اتاری بتاؤ یہ سچ ہے؟ ان سب نے قسم کھا کر کہا کہ ہاں حضور! سچ ہے' بجا ارشاد ہوا۔ اچھا اب ہم پوچھتے ہیں کہ عورت مرد کے پانی کی کیا کیفیت ہے؟ اور کیوں کبھی لڑکا پیدا ہوتا ہے اور کبھی لڑکی؟ آپ نے فرمایا سنو! مرد کا پانی گاڑھا اور سفید ہوتا ہے اور عورت کا پانی پتلا اور زردی مائل ہوتا ہے' جونسا غالب آجائے اسی کے مطابق پیدائش ہوتی ہے اور شبیہ بھی' جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر آجائے تو حکم خداوندی سے اولاد نرینہ ہوتی ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر آجائے تو حکم خداوندی سے اولاد لڑکی ہوتی ہے۔ تمہیں خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں' سچ بتاؤ میرا جواب صحیح ہے؟ سب نے قسم کھا کر اقبال کیا کہ بے شک آپ نے بجا ارشاد فرمایا۔ آپ نے ان دو باتوں پر خدا کو گواہ کیا۔

انہوں نے کہا اچھا اب یہ فرمایئے کہ توراۃ میں جس نبی امی کی خبر ہے اس کی خاص نشانی کیا ہے اور اس کے پاس کونسا فرشتہ وحی لے کر آتا ہے؟ آپ نے فرمایا اس کی خاص نشانی یہ ہے کہ اس کی آنکھیں جب سوئی ہوئی ہوں اس وقت میں اس کا دل جاگتا رہتا ہے' تمہیں اس رب کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ دی بتاؤ میں نے ٹھیک جواب دیا؟ سب نے قسم کھا کر کہا کہ آپ نے بالکل صحیح جواب دیا۔ اب ہمارے اس سوال کی دوسری شق کا جواب بھی عنایت فرما دیجئے اسی پر بحث کا خاتمہ ہے۔ آپ نے فرمایا' میرا ولی جبرئیل ہے وہی میرے پاس وحی لاتا ہے اور وہی تمام انبیاء کرام کے پاس پیغام باری لاتا رہا۔ سچ کہو اور قسم کھا کر کہو کہ میرا یہ جواب بھی درست ہے؟ انہوں نے قسم کھا کر کہا کہ جواب تو درست ہے لیکن چونکہ جبرئیل علیہ السلام ہمارا دشمن ہے وہ سختی' خونریزی وغیرہ لے کر آتا رہتا ہے اس لئے ہم اس کی نہیں مانیں گے نہ آپ کی مانیں گے ہاں اگر آپ کے پاس حضرت میکائیل علیہ السلام وحی لے کر آتے جو رحمت' بارش' پیداوار وغیرہ لے کر آتے ہیں جو ہمارے دوست ہیں تو ہم آپ کی تابعداری اور تصدیق کرتے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

حضرت عبداللہ بن سلام کے تین سوال:

صحیح بخاری کی ایک روایت میں ہے کہ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اس وقت حضرت عبداللہ بن سلامؓ اپنے باغ میں تھے اور یہودیت پر قائم تھے۔ آپ نے جب یہ خبر سنی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئے اور کہا کہ حضور! تین باتیں پوچھتا ہوں جن کا جواب نبیوں کے سوا کسی کو معلوم نہیں' یہ فرمایئے کہ قیامت کی پہلی شرط کیا ہے؟ اور جنتیوں کا پہلا کھانا کیا ہے؟ اور کونسی چیز بچہ کو کبھی ماں کی طرف کھینچتی ہے اور کبھی باپ کی طرف؟ آپ نے فرمایا ان تینوں سوالوں کے جواب ابھی ابھی جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتلائے ہیں' سنو! حضرت عبداللہؓ نے کہا' وہ تو ہمارا دشمن ہے۔

جواب:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی پھر فرمایا' پہلی نشانی قیامت کی ایک آگ ہے جو لوگوں کے پیچھے لگے گی اور انہیں مشرق سے مغرب کی طرف اکٹھا کر دے گی۔ جنتیوں کی پہلی خوراک مچھلی کی کلیجی کی زیادتی ہے۔ جب مرد کا پانی عورت کے پانی پر سبقت کر جاتا ہے تو لڑکا پیدا ہوتا ہے اور جب عورت کا پانی مرد کے پانی پر سبقت لے جاتا ہے تو لڑکی ہوتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن سلام کا اسلام لانا:

یہ جواب سنتے ہی حضرت عبداللہؓ مسلمان ہو گئے اور پکار اٹھے، اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ پھر کہنے لگے حضور! یہودی بڑے بے وقوف لوگ ہیں اگر انہیں پہلے سے میرا اسلام لانا معلوم ہو جائے گا تو وہ مجھے برا کہنے لگیں گے' آپ پہلے انہیں ذرا قائل معقول تو کیجئے۔ آپ کے پاس جب یہودی آئے تو آپ نے ان سے پوچھا کہ عبداللہ بن سلام تم میں کیسے شخص ہیں. کہا بڑے بزرگ اور باخبر آدمی ہیں' بزرگوں کی اولاد میں سے ہیں' وہ تو ہمارے سردار ہیں اور سرداروں کی اولاد میں سے ہیں۔ آپ نے فرمایا اچھا اگر وہ مسلمان ہو جائیں پھر تو تمہیں اسلام کے قبول کرنے میں تامل نہ ہوگا؟ وہ کہنے لگے اعوذ باللہ' اعوذ

باللہ وہ مسلمان ہی کیوں ہونے لگے؟ حضرت عبداللہؓ جو اب تک چھپے ہوئے تھے باہر آ گئے اور زور سے کلمہ پڑھنے لگے۔ بس یہ سارے کے سارے شور مچانے لگے کہ یہ خود بھی برا ہے اور اس کے باپ دادا بھی برے تھے۔ یہ بڑا نیچے درجے کا آدمی ہے اور خاندانی کمینہ ہے۔ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا حضور! اسی چیز کا مجھے ڈر تھا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی یہودیوں سے گفتگو

شعبیؒ کہتے ہیں حضرت عمرؓ روحاء میں آئے دیکھا کہ لوگ دوڑ بھاگ کر پتھروں کے ایک تودے کے پاس جا کر نماز ادا کر رہے ہیں۔ پوچھا کہ یہ کیا بات ہے؟ جواب ملا کہ اس جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز ادا کی ہے۔ آپ بہت ناراض ہوئے کہ حضورؐ کو جہاں کہیں نماز کا وقت آتا تھا پڑھ لیا کرتے تھے پھر چلے جایا کرتے تھے اب ان مقامات کو متبرک سمجھ کر خواہ مخواہ وہیں جا کر نماز ادا کرنا کس نے بتلایا؟ پھر آپ اور باتوں میں لگ گئے فرمانے لگے میں یہودیوں کے مجمع میں کبھی کبھی چلا جایا کرتا اور یہ دیکھتا رہتا تھا کہ کس طرح قرآن توراۃ کی اور توراۃ قرآن کی تصدیق کر رہی ہے یہودی بھی مجھ سے محبت ظاہر کرنے لگے اور اکثر بات چیت ہوا کرتی تھی۔ ایک دن میں ان سے باتیں کر ہی رہا تھا جو راستے سے حضورؐ نکلے۔ انہوں نے مجھ سے کہا تمہارے نبی وہ جا رہے ہیں۔ میں نے کہا خیر میں جاتا ہوں لیکن یہ تو بتلاؤ تمہیں اللہ واحد کی قسم خدا کے حق یاد کرو اور خدا کی نعمتوں پر نظر رکھ کر خدا کی کتاب تم میں موجود ہونے کا خیال رکھ کر اسی رب کی قسم کھا کر کہو کہ کیا تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول نہیں مانتے۔ اب سب خاموش ہو گئے ان کے بڑے عالم نے جو ان سب میں علم میں بھی کامل تھا اور سب کا سردار بھی تھا ان سے کہا اتنی سخت قسم اس نے دی ہے کیوں تم صاف اور سچا جواب نہیں دیتے؟ انہوں نے کہا حضرت آپ ہی ہمارے بڑے ہیں ذرا آپ ہی جواب دیجئے۔ اس لاٹ پادری نے کہا سنئے جناب آپ نے زبردست قسم دی ہے تو سچ یہ ہے کہ ہم دل سے جانتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے سچے رسول ہیں۔ میں نے کہا افسوس جب جانتے ہو تو مانتے کیوں نہیں ہو۔ کہا صرف اس وجہ سے کہ ان کے پاس وحی آسمانی لے کر آنے والے جبرئیل ہیں وہ نہایت سختی، تنگی، شدت، عذاب اور تکلیف کے فرشتے ہیں ہم ان کے اور وہ ہمارے دشمن ہیں اگر وحی لے کر حضرت میکائیل علیہ السلام آتے جو رحمت و رافت، تخفیف و راحت والے فرشتے ہیں تو ہمیں ماننے میں بھی تامل نہ ہوتا۔ میں نے کہا اچھا بتلاؤ تو ان دونوں کے خدا کے نزدیک کیا کچھ قدر و منزلت ہے؟ انہوں نے کہا ایک تو جناب باری تعالیٰ کے داہنے بازو ہے اور دوسرا دوسری طرف۔ میں نے کہا اللہ کی قسم جس کے سوا اور کوئی معبود نہیں جو ان میں سے کسی کا دشمن ہو اس کا دشمن خدا بھی ہے اور دوسرا فرشتہ بھی جبرئیل علیہ السلام کے دشمن سے میکائیل دوستی نہیں رکھ سکتے اور میکائیل علیہ السلام کا دشمن جبرئیل علیہ السلام کا دوست نہیں ہو سکتا نہ ان میں سے کسی کا دشمن خدا کا دوست ہو سکتا ہے نہ ان دونوں میں سے کوئی بے اجازت باری تعالیٰ کے زمین پر آ سکتا ہے نہ کوئی کام کر سکتا ہے واللہ مجھے نہ تم سے لالچ ہے نہ خوف ہے۔ سنو جو شخص اللہ تعالیٰ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں اس کے رسولوں اور جبرئیل علیہ السلام و میکائیل علیہ السلام کا دشمن ہو تو ایسے کافر کا خدا بھی دشمن ہے اتنا کہہ کر میں چلا آیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچا تو آپؐ نے مجھے دیکھتے ہی فرمایا اے ابن خطاب! مجھ پر تازہ وحی نازل ہوئی ہے۔ میں نے کہا حضور! سنایئے آپؐ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ میں نے کہا حضور! آپ پر میرے ماں باپ قربان یہی باتیں ابھی ابھی یہودیوں سے میری ہو رہی تھیں میں تو چاہتا ہی تھا بلکہ اسی لئے حاضر خدمت ہوا تھا کہ آپ کو خبر کروں مگر میرے آنے سے پہلے لطیف و خبیر سننے دیکھنے والے خدا نے آپ کو خبر پہنچا دی۔ ملاحظہ ہو ابن ابی حاتم وغیرہ مگر یہ روایت منقطع ہے سند متصل نہیں۔

رات کی مسنون دُعاء:

ایک صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب جاگتے تب یہ دعا پڑھتے:

اَللّٰھُمَّ رَبَّ جِبْرَائِیْلَ وَمِیْکَائِیْلَ وَاِسْرَافِیْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، عَالِمَ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ اَنْتَ تَحْکُمُ بَیْنَ عِبَادِکَ فِیْمَا کَانُوْا فِیْہِ یَخْتَلِفُوْنَ. اِھْدِنِیْ لِمَا اخْتُلِفَ فِیْہِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِکَ اِنَّکَ تَھْدِیْ مَنْ تَشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ.

اے اللہ! اے جبرئیل، میکائیل، اسرافیل کے رب، اے زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے، اے چھپے کھلے کے جاننے والے اپنے بندوں کے اختلاف کا فیصلہ تو ہی کرتا ہے، خدایا اختلافی امور میں اپنے حکم سے حق کی طرف میری رہبری کر تو جسے چاہے سیدھی راہ دکھاتا ہے۔ لفظ جبرئیل وغیرہ کی تحقیق اور اس کے معانی پہلے بیان ہو چکے ہیں۔ حضرت عبدالعزیز بن

عمیر فرماتے ہیں فرشتوں میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کا نام خادم اللہ ہے۔

اللہ کا اعلانِ جنگ:

صحیح بخاری کی حدیث پہلے گزر چکی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میرے دوستوں سے دشمنی رکھنے والے کو میں اعلان جنگ دیتا ہوں۔ اور حدیث میں ہے کہ میں اپنے دوستوں کا بدلہ لے لیا کرتا ہوں۔ اور حدیث میں ہے جس کا دشمن میں ہو جاؤں وہ برباد ہو کر ہی رہتا ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دشمنی کرنا اللہ سے لڑائی مول لینا ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب یہودیوں نے یہ کہا کہ جبرئیل ہمارے دشمن ہیں اور میکائیل ہمارے دوست ہیں تو حضرت عمرؓ نے ان سے یہ سوال کیا کہ یہ بتلاؤ کہ جبرئیل اور میکائیل کو بارگاہ خداوندی میں کیا مرتبہ اور کس درجہ کا قرب حاصل ہے۔ یہود نے کہا کہ جبریل اللہ کے دائیں جانب ہیں اور میکائیل' جبرئیل کے دشمنوں سے دوستی اور صلح کریں۔

اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ جب ان دونوں کو خدا سے یہ قرب ہے تو یہ ناممکن ہے کہ یہ دونوں آپس میں دشمن ہوں۔ (کذافی الدر المنثور ص ۹۰ ج ۱)

نکتہ:

کسی کلام کے نازل ہونے کے دو طریقے ہیں۔ ایک یہ کہ وہ کلام اول کان پر پہنچے اور پھر کان سے دل تک پہنچے یہ طریقہ عام اور متعارف ہے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ اول دل پر اترے۔ لفظ اور معنی سب سے پہلے دل میں اتریں اور پھر دل سے کان اور زبان تک پہنچیں۔ یہ طریقہ اہل اللہ کے ساتھ مخصوص ہے۔

نیز نزول وحی کی حالت میں حواس ظاہری بالکل معطل ہو جاتے ہیں اور بے خودی طاری ہو جانے کی وجہ سے حواس ظاہری اپنا کام نہیں کرتے اس لئے ایسی حالت میں الفاظ وحی کا تمام تر ورود اور نزول قلب ہی پر ہوتا ہے جس طرح انسان خواب میں الفاظ بھی سنتا ہے مگر ان الفاظ کا اصل مدرک قلب ہی ہوتا ہے اس لئے کہ خواب کی حالت میں حواس ظاہری ان کے معطل ہو جاتے ہیں یا قلب پر نازل ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ قرآن آپ کے قلب میں ایسا محفوظ ہو جاتا ہے کہ پھر آپ اس کو بھولتے نہیں۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ

اور ہم نے اتاریں تیری طرف آیتیں روشن اور انکار نہ کریں گے

اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا

ان کا مگر وہی جو نافرمان ہیں' کیا جب کبھی باندھیں گے کوئی قرار تو پھینک

نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

دے گی اس کو ایک جماعت اُن میں سے بلکہ اُن میں اکثر یقین نہیں کرتے

یہودیوں کی قدیم عادت:

یعنی ان کی عادت قدیم ہے کہ جب اللہ یا رسول یا کسی شخص سے کوئی عہد مقرر کرتے ہیں تو انہیں میں سے ایک جماعت اس عہد کو پس پشت ڈال دیتی ہے بلکہ بہت یہودی ایسے ہیں جو توریت پر ایمان ہی نہیں رکھتے' ایسوں کو عہد شکنی میں کیا باک ہو سکتا ہے۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

سبب نزول:

ابن ابی حاتم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالک بن حنیف یہودی سے ذکر فرمایا کہ دین محمدی کے بارہ میں تم سے عہد و پیمان لیا گیا ہے کہ جب وہ دین ظاہر ہو اس کا اتباع کرنا مالک نے سن کر کہا کہ قسم اللہ کی ہم سے ہرگز اس قسم کا عہد نہیں لیا گیا۔ اسکی تکذیب میں اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت کریمہ نازل فرمائی (اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا) (کیا جب کبھی کوئی عہد کرتے ہیں) ﴿تفسیر مظہری﴾

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ

اور جب پہنچا اُن کے پاس رسول اللہ کی طرف سے

لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا

تصدیق کرنے والا اُس کتاب کی جو اُن کے پاس ہے

الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ

تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی

كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں

یہود نے تورات ہی کو چھوڑ دیا:

رسول سے مراد حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مَامَعَهُمْ سے توریت اور کتاب اللہ سے بھی توریت مراد ہے۔ یعنی جب رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے حالانکہ وہ توریت وغیرہ کتب کے مصدق تھے تو یہود کی ایک جماعت نے خود توریت کو پس پشت ایسا ڈال دیا کہ گویا جانتے ہی

نہیں کہ یہ کیا کتاب ہے اور اس میں کیا کیا حکم ہیں۔ سو ان کو جب اپنی ہی کتاب پر ایمان نہیں تو ان سے آگے کو کیا امید کی جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

پس اگر قرآن کو دلیل نبوت نہیں سمجھتے کہ جبرئیل سے دشمنی ہے تو ان آیات بینات کا تمہارے پاس کیا جواب ہے کہ جن میں جبرئیل امین کا واسطہ نہیں اور ان کو خود بھی معلوم ہے مگر عناد کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔

سببِ نزول:

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ ابن صوریا یہودی نے ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ تم اپنی نبوت و رسالت کی کوئی ایسی نشانی نہیں لاتے جسے ہم بھی پہچانیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

جن اور انس چرند اور پرند سب ان کے زیر حکم تھے اس لئے شیاطین اور جنات اور آدمی سب ملے جلے رہتے تھے۔ شیطانوں نے آدمیوں کو جادو سکھا رکھا تھا اور معاذ اللہ یہ سلیمان علیہ السلام کے حکم سے ہرگز ہرگز نہ تھا اس لئے کہ یہ کام کفر کا ہے اور سلیمان علیہ السلام نے کبھی کسی قسم کا کفر نہیں کیا نہ عملی اور نہ اعتقادی اور نہ قبل النبوۃ اور نہ بعد النبوۃ اس لئے کہ وہ تو اللہ کے پیغمبر تھے کفر کے مٹانے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ سحر کو سلیمان علیہ السلام کی طرف نسبت کرنا سراسر افتراء ہے۔

اس زمانہ میں ناول اور باتصویر رسالے جو تخریب اخلاق میں جادو کا اثر رکھتے ہیں۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ
اور پیچھے ہو لئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی
سُلَيْمٰنَ
بادشاہت کے وقت

یہودیوں کی سحر پسندی:

یعنی ان احمقوں نے کتاب الٰہی تو پس پشت ڈالی اور شیطانوں سے جادو سیکھا اور اس کی متابعت کرنے لگے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سحر کا اتباع یہودیوں کی طبیعتوں میں اس درجہ راسخ اور پختہ ہو گیا ہے کہ ان کی گفتگو اور مخاطبت بھی سحر کے اثر سے خالی نہیں جس طرح سحر ایک ملمع سازی اور حقیقت کی پردہ پوشی ہے اسی طرح ان کا کلام بھی سحر لسانی ہوتا ہے۔ صورت اس کی تعظیم و تکریم ہے اور حقیقت اس کی اہانت اور تحقیر ہے۔ حقارت پر عظمت کی ملمع کاری کر کے بات کرتے ہیں۔ چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم کلام ہوتے تو راعنا سے خطاب کرتے جس کے ظاہری معنی نہایت عمدہ ہیں کہ آپ ہماری رعایت کیجئے اور ہمارے حال پر توجہ فرمائیے۔ لیکن جن معنی کا وہ ارادہ کرتے وہ نہایت فاسد اور گندہ ہیں یہود یہ لفظ بول کر احمق یا چرواہے کے معنے مراد لیتے۔ بہت سے مسلمانوں کو ان فاسد معنی کا علم نہ تھا۔

فائدہ: شیاطین جس سحر کی تعلیم دیتے تھے وہ صریح کفر اور شرک تھی۔ ارواح کو خدا تعالیٰ کے برابر جانتے تھے اور ان کے لئے وہ افعال اور تاثیرات ثابت کرتے تھے کہ جو باری تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کی مدح میں ایسے منتر پڑھتے تھے کہ جیسے خدا تعالیٰ کی عموم علم اور احاطہ قدرت اور غایت عظمت و جلال ظاہر کرنے کے لئے حمد و ثناء کے کلمات پڑھے جاتے ہیں۔

سحر کا علم:

حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی ایک وعظ میں فرماتے ہیں اگر یہ شبہ کیا جائے کہ سحر تو حرام اور کفر ہے باقی اس کا جاننا اور بضرورت شرعی اس کا سیکھنا خصوصاً جبکہ اس پر عمل کرنے کی مخالفت بھی ساتھ ساتھ ہو تو حرام نہیں جیسے سور اور کتے کا گوشت کھانا حرام ہے مگر اس کی خاصیت معلوم کرنا اور اس کو بیان کرنا حرام نہیں فقہاء نے کلمات کفریہ کے لئے ایک مستقل باب رکھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ کن باتوں سے ایمان جاتا رہتا ہے فلسفہ کے بہت سے مسائل کفر ہیں لیکن اس کی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ اس کی حقیقت معلوم کر کے اس کا جواب دیا جا سکے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

شیطانوں کی کارروائی:

مفسرین نے لکھا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں شیاطین اور جنات حسب معمول آسمان تک چڑھ جاتے اور فرشتوں میں باہم احکام الٰہی کا تذکرہ جو ہوتا اس کو غور سے سنتے اور جب ان کو معلوم ہو جاتا کہ فلاں تاریخ کو فلاں وقت میں یہ حادثہ یا واقعہ دنیا میں پیش آئے گا تو نیچے واپس آ کر کاہنوں کو ان تمام واقعات کی اطلاع کر دیتے یہ کاہن اس میں کچھ اور جھوٹ اپنی طرف سے ملا کر لوگوں سے بیان کرتے اور لوگ ان باتوں کو اپنی کتابوں اور بیاضوں میں لکھ لیتے۔ رفتہ رفتہ بنی اسرائیل میں اس بات نے اعتقادی شکل اختیار کر لی کہ جنات و شیاطین غیب داں ہوتے ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس بات کی اطلاع ہوئی تو آپ نے اس قسم کی سب بیاضوں کو جمع کرا کے ایک صندوق میں رکھ کے اپنے تخت کے نیچے دفن کرا دیا اور لوگوں میں اس قسم کی کفر آمیز باتیں کہنے کی تہدیدی

ممانعت کرادی۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کے بعد جنات وشیاطین نے جاہلوں کو ورغلایا اور دفن شدہ کتابیں نکلوا کر کہا کہ انہیں کتابوں کی بدولت سلیمان جن وانس پر حکومت کرتے تھے۔

ہاروت ماروت کا قصہ:

ہاروت و ماروت کا جو قصہ یہودکی من گھڑت اور انہیں کی کتابوں سے ماخوذ ہے حضرات محدثین اس قصہ کو باعتبار روایت کے غیر معتبر قرار دیتے ہیں اور حضرات متکلمین باعتبار درایت کے اس کو غیر معتبر کہتے ہیں۔ قاضی عیاض اور امام رازی نے اس قصہ کا شدومد سے انکار کیا ہے اس لئے کہ یہ قصہ اصول دین کے خلاف ہے۔

(۱) اول یہ کہ فرشتے معصوم ہیں۔

زہرہ تو ایک مشہور ستارہ ہے جو ابتداء آفرینش عالم سے موجود ہے۔

بعض مفسرین نے ہاروت و ماروت سے متعلق ایک لمبا چوڑا قصہ زہرہ کا نقل کیا ہے جس کا دارومدار بنی اسرائیل کی روایات اور کتب پر ہے اور جو کسی معتبر روایت سے ثابت نہیں علامہ ابن کثیر نے اس کے متعلق لکھا ہے کہ محققین کا قول یہی ہے کہ کوئی صحیح۔ مرفوع متصل حدیث اس باب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ اور نہ قرآن کریم میں اس کی بسط وتفصیل ہے اس لئے ہمارا ایمان ہے کہ جس قدر قرآن پاک میں ہے یہ صحیح ودرست ہے باقی حقیقت حال کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہے۔ بہر حال جہاں تک ان آیات کی تفسیر کا تعلق ہے وہ اس قصہ پر موقوف نہیں۔ جیسا کہ اوپر کے بیان اور تشریح وتفسیر سے ظاہر ہے۔

سحر کی حقیقت

سحر بالکسر لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو (قاموس) خواہ وہ سبب معنوی ہو جیسے خاص خاص کلمات کا اثر، یا غیر محسوس چیزوں کا ہو، جیسے جنات مقناطیس کی کشش لوہے کے لئے جبکہ مقناطیس نظروں سے پوشیدہ ہو، یا دواؤں کا اثر جبکہ وہ دوائیں مخفی ہوں، یا نجوم وسیارات کا اثر۔

اس لئے جادو کی اقسام بہت ہیں، مگر عرف عام میں عموماً جادو ان چیزوں کو کہا جاتا ہے جن میں جنات وشیاطین کے عمل کا دخل ہو، یا قوت خیالیہ مسمریزم کا، یا کچھ الفاظ وکلمات کا، کیونکہ یہ بات عقلاً بھی ثابت ہے اور تجربہ ومشاہدہ سے بھی، اور قدیم وجدید فلاسفہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں کہ حروف و کلمات میں بھی بالخاصہ کچھ تاثیرات ہوتی ہیں کسی خاص حرف یا کلمہ کو کسی خاص تعداد میں پڑھنے یا لکھنے وغیرہ سے خاص خاص تاثرات کا مشاہدہ ہوتا ہے یا ایسی تاثیرات جو کسی انسانی بالوں یا ناخنوں وغیرہ اعضاء یا اس کے استعمالی کپڑوں کے ساتھ کچھ دوسری چیزیں شامل کر کے پیدا کی جاتی ہیں جن کو عرف عام میں ٹونہ ٹوٹکا کہا جاتا ہے اور جادو میں شامل سمجھا جاتا ہے۔

اور اصطلاح قرآن وسنت میں سحر ہر ایسے امر عجیب کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو پھر شیاطین کو راضی کرنے کی مختلف صورتیں ہیں کبھی ایسے منتر اختیار کئے جاتے ہیں جن میں کفر وشرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو یا کواکب ونجوم کی عبادت اختیار کی گئی ہو جس سے شیطان خوش ہوتا ہے۔

کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت ونجاست کی حالت میں رہنا، طہارت سے اجتناب کرنا، وغیرہ۔

جس طرح اللہ تعالیٰ کے پاس فرشتوں کی مدد، ان اقوال وافعال سے حاصل کی جاتی ہے جن کو فرشتے پسند کرتے ہیں مثلاً تقویٰ، طہارت، اور پاکیزگی، بدبو اور نجاست سے اجتناب، ذکر اللہ اور اعمال خیر۔

اسی طرح شیاطین کی امداد ایسے اقوال وافعال سے حاصل ہوتی ہے جو شیطان کو پسند ہیں اسی لئے سحر صرف ایسے ہی لوگوں کا کامیاب ہوتا ہے جو گندے اور نجس رہیں پاکی اور اللہ کے نام سے دور رہیں خبیث کاموں کے عادی ہوں عورتیں بھی ایام حیض میں یہ کام کرتی ہیں تو موثر ہوتا ہے۔

مثال اس طرح ہوسکتی ہے کہ کوئی شخص کسی جامع معقول ومنقول، عالم باعمل کے پاس جائے کہ مجھ کو قدیم یا جدید فلسفہ پڑھا دیجئے تاکہ خود بھی ان شبہات سے محفوظ رہوں جو فلسفہ میں اسلام کے خلاف بیان کئے جاتے ہیں اور مخالفین کو بھی جواب دے سکوں، اور اس عالم کو یہ احتمال ہو کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھ کو دھوکہ دے کر پڑھ لے اور پھر خود ہی خلاف شرع عقائد باطلہ کو تقویت دینے میں اس کو استعمال کرنے لگے اس احتمال کی وجہ سے اس کو نصیحت کرے کہ ایسا مت کرنا اور وہ وعدہ کر لے اور اس لئے اس کو پڑھا دیا جاوے لیکن وہ شخص فلسفہ کے خلاف اسلامی نظریات وعقائد ہی کو صحیح سمجھنے لگے تو ظاہر ہے کہ اس کی اس حرکت سے اس معلم پر کوئی ملامت یا برائی عائد نہیں ہوسکتی۔

شعبدے اور ٹوٹکے یا ہاتھ چالاکی کے کام یا مسمریزم وغیرہ ان کو مجازاً سحر کہہ دیا جاتا ہے۔ ﴿روح المعانی﴾

سحر کی اقسام

امام راغبؒ اصفہانی مفردات القرآن میں لکھتے ہیں کہ سحر کی مختلف

قسمیں ہیں ایک قسم تو محض نظر بندی اور تخیل ہوتی ہے جس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں جیسے بعض شعبدہ باز اپنی ہاتھ چالاکی سے ایسے کام کر لیتے ہیں کہ عام لوگوں کی نظریں اس کو دیکھنے سے قاصر رہتی ہیں یا قوت خیالیہ مسمریزم وغیرہ کے ذریعہ کسی کے دماغ پر ایسا اثر ڈالا جائے کہ وہ ایک چیز کو آنکھوں سے دیکھتا اور محسوس کرتا ہے، مگر اس کی کوئی حقیقت واقعیہ نہیں ہوتی، کبھی یہ کام شیاطین کے اثر سے بھی ہوسکتا ہے، کہ مسحور کی آنکھوں اور دماغ پر ایسا اثر ڈالا جائے جس سے وہ ایک غیر واقعی چیز کو حقیقت سمجھنے لگے، قرآن مجید میں فرعونی ساحروں کے جس سحر کا ذکر ہے وہ پہلی قسم کا سحر تھا جیسا کہ ارشاد ہے:۔

ترجمہ: انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سحر کے ذریعے ایک شے کی حقیقت ہی بدل جائے جیسے کسی انسان یا جاندار کو پتھر یا کوئی جانور بنادیں۔

اور قرآن عزیز میں فرعونی ساحروں کے سحر کو جو تخیل قرار دیا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر سحر تخیل ہی ہو اس سے زائد اور کچھ نہ ہو اور بعض حضرات نے سحر کے ذریعہ انقلاب حقیقت کے جواز پر حضرت کعب احبارؓ کی اس حدیث سے بھی استدلال کیا ہے جو موطا امام مالکؒ میں بروایت قعقاع بن حکیم منقول ہے:

لَوْلَا كَلِمَاتٌ اَقُوْلُهُنَّ لَجَعَلَتْنِىَ الْيَهُوْدُ حِمَاراً۔

اگر یہ چند کلمات نہ ہوتے جن کو میں پابندی سے پڑھتا ہوں تو یہودی مجھے گدھا بنا دیتے۔

گدھا بنا دینے کا لفظ مجازی طور پر بیوقوف بنانے کے معنی میں بھی ہو سکتا ہے مگر بلا ضرورت حقیقت کو چھوڑ کر مجاز مراد لینا صحیح نہیں اس لئے حقیقی اور ظاہری مفہوم اس کا یہی ہے کہ اگر میں یہ کلمات روزانہ پابندی سے نہ پڑھتا تو یہودی جادوگر مجھے گدھا بنا دیتے۔

حضرت کعب احبارؓ سے جب لوگوں نے پوچھا کہ وہ کلمات کیا تھے تو آپ نے یہ کلمات بتلائے:

اَعُوْذُ بِاللّٰهِ الْعَظِيْمِ الَّذِىْ لَيْسَ شَيْئٌ اَعْظَمُ مِنْهُ وَبِكَلِمَاتِ اللّٰهِ التَّامَّاتِ الَّتِىْ لَا يَجَا وِزُهُنَّ بَرٌّ وَّلَا فَاجِرٌ بِاَسْمَاءِ اللّٰهِ الْحُسْنٰى كُلِّهَا مَا عَلِمْتُ مِنْهَا وَمَالَمْ اَعْلَمْ مِنْ شَرِمَا خَلَقَ وَبَرَوَذَرَءَ اَخْرَجَهُ فِىْ الْمُؤطَاءِ بَابِ التَّعَوُّذُ عِنْدَ النَّوْم۔

''میں اللہ عظیم کی پناہ پکڑتا ہوں جس سے بڑا کوئی نہیں اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے کلمات تامات کی جن سے کوئی نیک و بد انسان آگے نہیں نکل سکتا اور پناہ پکڑتا ہوں اللہ کے تمام اسماء حسنیٰ کی جن کو میں جانتا ہوں اور جن کو نہیں جانتا ہر اس چیز کے شر سے جس کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا، اور وجود دیا اور پھیلایا ہے''

سحر اور معجزے میں فرق

جس طرح انبیاء علیہم السلام کے معجزات یا اولیاء کی کرامات سے ایسے واقعات مشاہدے میں آتے ہیں جو عادۃً نہیں ہو سکتے اسی لئے ان کو خرق عادت کہا جاتا ہے بظاہر سحر اور جادو سے بھی ایسے ہی آثار مشاہدے میں آتے ہیں اس لئے بعض جاہلوں کو ان دونوں میں التباس بھی ہو جاتا ہے اور اس کی وجہ سے وہ جادوگروں کی تعظیم وتکریم کرنے لگتے ہیں۔

ایک خط مشرق بعید سے آج کا لکھا ہوا اچانک سامنے آکر گر گیا، تو دیکھنے والے اس کو خرق عادت کہیں گے حالانکہ جنات وشیاطین کو ایسے اعمال و افعال کی قوت دی گئی ہے ان کا ذریعہ معلوم ہو تو پھر کوئی خرق عادت نہیں رہتا خلاصہ یہ ہے کہ سحر سے ظاہر ہونے والے تمام آثار اسباب طبعیہ کے ماتحت ہوتے ہیں مگر اسباب کے مخفی ہونے کے سبب لوگوں کو مغالطہ خرق عادت کا ہو جاتا ہے۔

بخلاف معجزہ کے کہ وہ بلا واسطہ فعل حق تعالیٰ کا ہوتا ہے اس میں اسباب طبعیہ کا کوئی دخل نہیں ہوتا، حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے نمرود کی آگ کو حق تعالیٰ نے فرمادیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے لئے ٹھنڈی ہو جائے، مگر ٹھنڈک بھی اتنی نہ ہو جس سے تکلیف پہنچے بلکہ جس سے سلامتی حاصل ہو اس حکم الٰہی سے آگ ٹھنڈی ہوگئی۔

آج بھی بعض لوگ بدن پر کچھ دوائیں استعمال کر کے آگ کے اندر چلے جاتے ہیں۔ دوائیں مخفی ہونے سے لوگوں کو دھوکا خرق عادت کا ہو جاتا ہے۔ ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

''کنکریوں کی مٹھی جو آپ نے پھینکی درحقیقت آپ نے نہیں پھینکی بلکہ اللہ نے پھینکی ہیں''

یہ معجزہ غزوہ بدر میں پیش آیا تھا۔

اول یہ کہ معجزہ یا کرامت ایسے حضرات سے ظاہر ہوتی ہے جن کا تقویٰ، طہارت و پاکیزگی اخلاق و اعمال کا سب مشاہدہ کرتے ہیں اس کے برعکس جادو کا اثر صرف ایسے لوگوں سے ظہور پذیر ہوتا ہے جو گندے ناپاک اللہ کے نام سے اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں یہ چیز ہر انسان آنکھوں سے دیکھ کر معجزہ اور سحر میں فرق پہچان سکتا ہے۔

جادو کے باطنی اسباب سے بھی انبیاء علیہم السلام متاثر ہو سکتے ہیں اور

یہ تاثر شان نبوت کے منافی نہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہودیوں کا سحر کرنا اور اس کی وجہ سے آپؐ پر بعض آثار کا ظاہر ہونا اور بذریعہ وحی اس جادو کا پتہ لگنا اور اس کا ازالہ کرنا احادیث صحیحہ میں ثابت ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سحر سے متاثر ہونا خود قرآن میں مذکور ہے آیات:

(یُخَیَّلُ اِلَیْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰی) اور (فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِهٖ خِیْفَةً مُّوْسٰی)

موسیٰ علیہ السلام پر خوف طاری ہونا اسی جادو ہی کا تو اثر تھا۔

سحر کے احکام شرعیہ

قرآن و حدیث کی اصطلاح میں سحر صرف ایسے عمل کو کہا گیا ہے جس میں کفر وشرک اور فسق و فجور اختیار کر کے جنات وشیاطین کو راضی کیا گیا ہو اور ان سے مدد لی گئی ہو ان کی امداد سے کچھ عجیب واقعات ظاہر ہو گئے ہوں سحر بابل جس کا قرآن میں ذکر ہے وہ یہی تھا (جصاص) اور اسی سحر کو قرآن میں کفر قرار دیا ہے ابو منصورؒ نے فرمایا کہ صحیح یہی ہے کہ مطلقاً سحر کی سب اقسام کفر نہیں بلکہ صرف وہ سحر کفر ہے جس میں ایمان کے خلاف اقوال واعمال اختیار کئے گئے ہوں۔ ﴿روح المعانی﴾

اور یہ ظاہر ہے کہ شیاطین پر لعنت کرنے اور ان سے عداوت ومخالفت کرنے کے احکام قرآن وحدیث میں بار بار آئے ہیں اس کے خلاف ان سے دوستی اور ان کو راضی کرنے کی فکر خود ہی ایک گناہ ہے پھر وہ راضی جب ہی ہوتے ہیں جب انسان کفر وشرک میں مبتلا ہو جس سے ایمان ہی سلب ہو جائے، یا کم از کم فسق و فجور میں مبتلا ہو اور اللہ تعالیٰ اور فرشتوں کی مرضیات کے خلاف گندہ اور نجس رہے یہ مزید گناہ ہے اور اگر جادو کے ذریعے کسی کو ناحق نقصان پہنچایا تو یہ اور گناہ ہے۔

غرض اصطلاح قرآن وسنت میں جس کو سحر کہا گیا ہے وہ کفر اعتقادی یا کم از کم کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لئے کچھ اقوال یا اعمال کفر وشرک کے اختیار کئے تو کفر حقیقی اعتقادی ہوگا اور اگر کفر و شرک کے اقوال وافعال سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا تو کفر عملی سے خالی نہ رہا قرآن عزیز کی آیات مذکورہ میں جو سحر کو کفر کہا گیا ہے وہ اسی اعتبار سے ہے کہ یہ سحر کفر حقیقی اعتقادی یا کفر عملی سے خالی نہیں ہوتا۔

خلاصہ یہ ہے کہ جس سحر میں کوئی عمل کفر اختیار کیا گیا ہو جیسے شیاطین سے استغاثہ واستمداد یا کواکب کی تاثیر کو مستقل ماننا یا سحر کو معجزہ قرار دے کر اپنی نبوت کا دعویٰ کرنا وغیرہ تو یہ سحر باجماع کفر ہے اور جس میں یہ افعال کفر نہ ہوں مگر معاصی کا ارتکاب ہو وہ گناہ کبیرہ ہے۔

مسئلہ: جب یہ معلوم ہو گیا کہ یہ سحر کفر اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں تو اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہوا اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا، البتہ اگر مسلمانوں سے دفع ضرر کے لئے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے (شامی، عالمگیری)

مسئلہ: تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات و شیاطین سے استمداد ہو تو بحکم سحر ہیں اور حرام ہیں اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

مسئلہ: قرآن وسنت کے اصطلاحی سحر بابل کے علاوہ باقی قسمیں سحر کی ان میں بھی اگر کفر وشرک کا ارتکاب کیا جائے تو وہ بھی حرام ہیں۔

مسئلہ: اور خالی مباح اور جائز امور سے کام لیا جاتا ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لئے استعمال نہ کیا جائے۔

مسئلہ: اگر قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لئے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے اگرچہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو وہ بھی حرام ہے۔ (فتاویٰ قاضی خان وشامی)

اگر کسی عالم کے جائز فعل سے جاہلوں کو مغالطہ میں پڑنے اور ناجائز کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس عالم کے لئے یہ جائز فعل بھی ممنوع ہو جائے گا بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو اس کی مثالیں قرآن وسنت میں بہت ہیں۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

فرشتوں کے کام اور انبیاء کی ذمہ داری میں فرق:

فرشتوں سے ایسے کام بھی لئے جاتے ہیں جو مجموعہ عالم کے اعتبار سے تو بوجہ مصالح عامہ خیر ہوں لیکن لزوم مفسدہ کے سبب فی ذاتہ شر ہوں جیسے کسی ظالم وجابر یا موذی جانور وغیرہ کی نشو ونما اور غور و پرداخت! کہ تکوینی اعتبار سے تو درست ومحمود ہے۔ اور تشریعی لحاظ سے نادرست و مذموم بخلاف انبیاء کرام علیہم السلام کے کہ ان سے خاص تشریعیات کا کام ہی لیا جاتا ہے جو خصوصاً وعموماً خیر ہی خیر ہوتا ہے۔

یا مثلاً اقسام سحر ہی میں مثال فرض کیجئے کہ قواعد کلیہ سے یہ بتلا دیا گیا ہے کہ دست غیب کا عمل جس میں تکیہ کے نیچے یا جیب میں رکھے ہوئے روپے مل جائیں ناجائز ہے۔ لیکن یہ نہیں بتلایا کہ فلاں عمل پڑھنے سے اس طرح روپیہ ملنے لگتے ہیں۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا

اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا

يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى

کہ سکھلاتے تھے لوگوں کو جادو اور اس علم کے پیچھے ہو لئے جو اترا

الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ وَمَا

دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت ہے اور

يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ

نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہہ دیتے

فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ

کہ ہم تو آزمائش کیلئے ہیں سو تو کافر مت ہو پھر ان سے سیکھتے وہ جادو

بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ

جس سے جدائی ڈالتے ہیں مرد میں اور اس کی عورت میں اور وہ

بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ وَيَتَعَلَّمُوْنَ

اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا بغیر حکم اللہ کے اور سیکھتے ہیں

مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ

وہ چیز جو نقصان کرے ان کا اور فائدہ نہ کرے اور وہ خوب جان

اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ وَلَبِئْسَ

چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں اس کیلئے آخرت میں کچھ حصہ

مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اور بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ

آپ کو اگر ان کو سمجھ ہوتی' اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے

اللّٰهِ خَيْرٌ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

تو بدلہ پاتے اللہ کے ہاں سے بہتر اگر ان کو سمجھ ہوتی

سحر پھیلنے کے دو راستے:

خلاصہ یہ کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر کے تابع ہو گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا۔ ایک حضرت سلیمان کے عہد میں چونکہ جنات اور آدمی ملے جلے رہتے تھے تو آدمیوں نے شیطانوں سے سحر سیکھا اور نسبت کر دیا حضرت سلیمان کی طرف کہ ''ہم کو انہی سے پہنچا ہے اور ان کو حکم جن اور انس پر اسی کے زور سے تھا'' سو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ ''یہ کام کفر کا ہے سلیمان کا نہیں'' دوسرے پھیلا ہاروت ماروت کی طرف سے وہ دو فرشتے تھے شہر بابل میں بصورت آدمی رہتے تھے ان کو علم سحر معلوم تھا جو کوئی طالب اس کا جاتا اول اس کو روک دیتے کہ اس میں ایمان جاتا رہے گا اس پر بھی باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے اللہ تعالیٰ کو ان کے ذریعہ سے بندوں کی آزمائش منظور تھی سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے علموں سے آخرت کا کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر ہے اور بغیر حکم خدا کے کچھ نہیں کر سکتے اور علم دین اور علم کتاب سیکھتے تو اللہ کے ہاں ثواب پاتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جادو خدا کا نازل کیا ہوا نہیں:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں جادو خدا کا نازل کیا ہوا نہیں ربیع بن انس فرماتے ہیں ان پر کوئی جادو نہیں اترا، اس بناء پر آیت کا ترجمہ اس طرح پر ہوگا کہ ان یہودیوں نے اس چیز کی تابعداری کی جو حضرت سلیمان کے زمانہ میں شیطان پڑھا کرتے تھے حضرت سلیمان نے کفر نہیں کیا نہ اللہ تعالیٰ نے جادو کو ان دو فرشتوں پر اتارا ہے (جیسا اے یہودیو! تمہارا خیال جبرئیل و میکائیل کی طرف ہے) بلکہ یہ کفر شیطانوں کا ہے جو بابل میں لوگوں کو جادو سکھایا کرتے تھے اور ان کے سردار دو آدمی تھے جن کا نام ہاروت و ماروت تھا۔

حدیث میں ہے مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ دَاءً الخ یعنی اللہ تعالیٰ نے جتنی بیماریاں پیدا کی ہیں ان سب کے علاج بھی پیدا کئے ہیں۔

موذی جانوروں سے عہد:

حضرت سلیمان نے تمام موذی جانوروں سے عہد لیا تھا جب انہیں وہ عہد یاد کرایا جاتا تھا تو وہ ستاتے نہ تھے حسن بصریؒ کا قول ہے کہ جادو حضرت سلیمان سے پہلے بھی تھا۔

ایک عجیب قصہ:

ابن جریر میں ایک عجیب اثر اور ایک عجیب واقعہ ہے اسے بھی سنئے۔ ولید ابن عقبہ کے پاس ایک جادوگر تھا جو اپنے کرتب دکھایا کرتا تھا بظاہر ایک شخص کا سر کاٹ لیتا پھر آواز دیتا تو سر جڑ جاتا اور وہ موجود ہو جاتا مہاجرین صحابہؓ میں سے ایک بزرگ صحابیؓ نے یہ دیکھا اور دوسرے دن تلوار باندھے ہوئے آئے جب ساحر نے اپنا کھیل شروع کیا آپ نے اپنی تلوار سے خود اس کی گردن اڑا دی اور فرمایا لے اب اگر سچا ہے تو خود جی اٹھ، پھر قرآن پاک کی یہ آیت پڑھ کر لوگوں کو سنائی۔ ﴿اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ﴾

اہل سنت کا عقیدہ:

اہل سنت جادو کے وجود کے قائل ہیں یہ مانتے ہیں کہ جادوگر اپنے جادو کے زور سے ہوا پر اڑ سکتے ہیں اور انسان کو بظاہر گدھا اور گدھے کو بظاہر انسان بنا ڈالتے ہیں مگر کلمات اور منتر تنتر کے وقت ان چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے آسمان کو اور تاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا اہل سنت نہیں مانتے۔

جادو کی قسمیں:

ایک جادو تو ستارہ پرست فرقہ کا ہے وہ سات سیارہ ستاروں کی نسبت عقیدہ رکھتے ہیں کہ بھلائی برائی انہی کے باعث ہوتی ہے اس لئے ان کی طرف خطاب کر کے مقررہ الفاظ پڑھا کرتے دوسرا جادو قوی نفس اور قوت واہمہ والے لوگوں کا ہے مرگی والوں کو زیادہ روشنی والی اور تیز حرکت کرنے والی چیزوں کے دیکھنے سے منع کیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ قوت واہمہ کا ایک خاص اثر طبیعت پر پڑتا ہے۔

صحیح حدیثوں میں دجال کی بابت کیا کچھ آیا ہے؟ وہ کیسے کیسے خلاف عادت کام کر کے دکھائے گا لیکن ان کی وجہ سے وہ خدا کا ولی نہیں بلکہ وہ ملعون ومطرود ہے۔

تیسری قسم کا جادو جنات وغیرہ زمین والوں کی روحوں سے امداد و اعانت طلب کرنے کا ہے۔

چوتھی قسم بعض چیزوں کی ترکیب دے کر کوئی عجیب کام اس سے لینا مثلاً گھوڑے کی شکل بنا دی اس پر ایک سوار بنا کر بٹھا دیا

پانچویں قسم جادو کی بعض دواؤں کے مخفی خواص معلوم کر کے انہیں کام میں لانا۔

چھٹی قسم دل پر ایک خاص قسم کا اثر ڈال کر اس سے جو چاہے منوالینا ہے۔

جادوگر کا حکم:

جادو کے سیکھنے والے اور اسے استعمال میں لانے والے کو امام ابو حنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام احمد رحمہم اللہ تو کافر بتلاتے ہیں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں جادوگر سے دریافت کیا جائے اگر وہ بابل والوں کا سا عقیدہ رکھتا ہو اور سات سیارہ ستاروں کو تاثیر پیدا کرنے والا جانتا ہو تو کافر ہے اگر یہ نہ ہو پھر اگر جادو کو جائز جانتا ہو تو بھی کافر ہے۔

امام احمد کا فرمان ہے کہ جادوگر سے توبہ بھی نہ کرائی جائے اس کی توبہ سے اس پر سے حد نہیں ہٹے گی۔

جادو کھلوانا:

حضرت عائشہؓ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں جادو کھلواتے نہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا مجھے تو اللہ تعالیٰ نے شفا دیدی اور میں لوگوں پر برائی کھلوانے سے ڈرتا ہوں حضرت وہبؒ فرماتے ہیں بیری کے سات پتے لے کر سل بٹے پر کوٹ لئے جائیں اور پانی ملا لیا جائے پھر آیت الکرسی پڑھ کر اس پر دم کر دیا جائے اور جس پر جادو کیا گیا ہے اسے تین گھونٹ پلا دیا جائے اور باقی پانی سے غسل کرا دیا جائے انشاء اللہ جادو کا اثر جاتا رہے گا یہ عمل خصوصیت سے اس شخص کے لئے بہت ہی اچھا ہے جو اپنی بیوی سے روک دیا گیا ہو جادو کو دور کرنے اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے سب سے اعلیٰ چیز ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ﴾ اور ﴿قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ﴾ کی سورتیں ہیں حدیث میں ہے کہ ان جیسا کوئی تعویذ نہیں، اسی طرح آیت الکرسی بھی شیطان کو دفع کرنے میں اعلیٰ درجہ کی چیز ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

حضرت سلیمان کی دفن کردہ کتابیں:

شیطان بنی اسرائیل کے چند آدمیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں تمہیں ایسا خزانہ نہ بتاؤں کہ جسے تم لوگ تمام عمر نہ کھا سکو اس کرسی کے نیچے سے کھودو لوگوں نے کھودنا شروع کیا اور وہ شیطان الگ جا کھڑا ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ کرسی کا یہ خاصہ تھا کہ جو شیطان اس کے پاس آتا فوراً جل جاتا تھا لوگوں نے اس جگہ کو کھودا اور وہ کتب مدفونہ نکالیں۔ شیطان نے کہا سلیمان علیہ السلام جن و انسان اور پرند چرند کو اسی کے ذریعہ سے مسخر کرتے تھے شیطان تو یہ بتا کر اڑ گیا اور لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ سلیمان علیہ السلام ساحر تھے اور بنی اسرائیل نے وہ کتابیں لے لیں۔ اسی واسطے اکثر یہود میں سحر پایا جاتا ہے جب ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز عالم ہوئے اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی قرآن پاک میں برات ظاہر فرمائی۔

میں کہتا ہوں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سلیمان علیہ السلام نے جو دفن کیا تھا وہ سحر کی کتابیں تھیں اور جو شیطان کاہنوں کو ملائکہ سے روزانہ

حوادث کے متعلق خبریں دیتے تھے وہ نہ تھیں کیونکہ سالہا سال گزرنے کے بعد وہ خبریں کیا مفید ہوسکتی تھیں اور کلبیؒ فرماتے ہیں کہ شیطانوں نے سحر اور شعبدہ کی کتابیں آصف بن برخیا کی زبانی لکھیں پھر ان کو سلیمان علیہ السلام کے مصلے کے نیچے دفن کر دیا اور سلیمان علیہ السلام کو اس کی خبر نہ ہوئی جب سلیمان علیہ السلام کی وفات ہوئی تو شیطانوں نے ان کتابوں کو نکالا اور لوگوں سے کہا کہ سلیمان علیہ السلام نے اسی کی بدولت تمہیں مسخر کیا تھا یہ افسوس شیاطین کا عوام کالانعام پر تو چل گیا لیکن جو علماء صلحاء تھے انہوں نے کہا کہ توبہ توبہ یہ سلیمان علیہ السلام کا علم نہ تھا عوام اور رذیل لوگ اس پر گرے اور اسے سیکھنا شروع کیا اور کتب الہیہ کو جو انبیاء علیہم السلام نے پہنچائی تھیں چھوڑ بیٹھے اور سلیمان علیہ السلام ساحر مشہور ہوگئے حتیٰ کہ قرآن پاک میں حق تعالیٰ نے ان کی براءت ان لفظوں سے بیان فرمائی۔

(وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ) (اور نہیں کفر کیا سلیمان نے) یعنی سلیمان علیہ السلام نے سحر نہیں کیا کہ اس سے کافر ہوتے سحر کو کفر سے اس لئے تعبیر فرمایا تا کہ یہ معلوم ہو جاوے کہ سحر کفر ہے اور نبی کفر سے معصوم ہوتا ہے۔

(وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا) (لیکن شیطانوں نے کفر کیا)

سحر ایسے الفاظ اور اعمال کے جاننے کا نام ہے جن کے ذریعہ سے انسان کو شیاطین سے قرب ہو جاتا ہے اور شیاطین اس کے مسخر ہو جاتے ہیں اور اس کی منشا کے مطابق امداد کرتے ہیں اور وہ الفاظ آدمی کے نفس اور بدن میں مرض اور موت اور جنون کا اثر پیدا کر دیتے ہیں اور کان اور آنکھ میں خلاف واقع امر کا خیال جما دیتے ہیں جس سے آدمی ایک شے کو دیکھتا ہے حالانکہ وہ شے کچھ اور شے ہوتی ہے جیسا کہ فرعون کے ساحروں نے رسیاں اور عصا ڈال کر موسیٰ علیہ السلام اور حاضرین کے خیال میں جما دیا تھا کہ یہ چلتے سانپ بچھو ہیں اور یہ جملہ تاثیرات حق تعالیٰ نے آزمائش کے لئے پیدا کر دی تھیں۔

جادو کا حکم:

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ سحر کا وجود اہل سنت کے نزدیک حق ہے لیکن اس پر عمل کرنا کفر ہے اور شیخ ابو منصور فرماتے ہیں کہ مطلقاً یہ کہنا کہ سحر کفر ہے ٹھیک نہیں بلکہ یہ دیکھنا چاہئے کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اگر اس کے اندر کوئی ایسی بات ہو کہ جس سے کسی شرعی بات کی تردید ہوتی ہے تو البتہ کفر ہے ورنہ کفر نہیں۔

سحر کی تاثیرات:

علامہ بغویؒ نے فرمایا ہے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ سحر کی تاثیرات عجیب ہیں خلاف واقع کو متخیل کر دیتا ہے۔ تندرست کو مریض کر دیتا ہے اور بسا اوقات اسکے اثر سے قتل تک نوبت پہنچ جاتی ہے حتیٰ کہ جس نے اسکے ذریعہ سے کسی کو قتل کیا ہے اس پر قصاص واجب ہو جاتا ہے ختم ہوا قول امام شافعیؒ کا امام شافعیؒ کے اس قول سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ سحر کا بعض حصہ تو کفر ہے اور بعض نہیں اور مدارات میں ہے کہ جو سحر کفر ہے اسے اگر کوئی مرد سیکھے تو حنفیہ کے نزدیک قتل کر دیا جائے عورت اگر سیکھے تو قتل نہ کی جائے جیسا کہ مرتد کے بارہ میں یہی حکم ہے اور جو سحر کفر نہیں ہے لیکن ایسا ہے کہ اس سے کسی کو ہلاک کر سکتے ہیں تو ایسے سحر سیکھنے والوں کا حکم قطاع الطریق رہزن کا سا ہے اس میں مرد اور عورت برابر ہیں دونوں کو سزا دی جائے اور اگر ساحر توبہ کرے تو توبہ اس کی قبول کی جاوے گی خواہ وہ سحر کفر ہو یا نہ ہو جس نے یہ کہا ہے کہ ساحر کی توبہ مقبول نہیں اس نے غلطی کی دیکھو فرعون کے ساحروں کی توبہ مقبول ہوگئی حالانکہ وہ کفار تھے۔

میں کہتا ہوں کہ حق تعالیٰ شانہ نے جو سحر کو کفر سے تعبیر فرمایا ہے اور نیز فرمایا ہے (وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا) (يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ) (اور نہیں کفر کیا سلیمان علیہ السلام نے لیکن شیطانوں نے کفر کیا کہ لوگوں کو سحر سکھاتے تھے) اور آیہ کریمہ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَالَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ۔ (اور بے شک وہ جان چکے تھے کہ جس نے اس سحر کو خریدا اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں) ان جملہ آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ سحر کے کل یا اکثر الفاظ واعمال کفر کے موجب اور شرائط ایمان کے بالکل مخالف ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہئے کیونکہ شیطان آدمی سے جب ہی راضی ہوتا ہے جبکہ وہ کفر کرے اور بغیر راضی ہوئے اس کی تسخیر اور اس سے تقرب ممکن نہیں رہا امام شافعی اور شیخ ابو منصور کا قول (کہ سحر کے کل اعمال والفاظ کفر نہیں ہیں) سو اس کی بنا احتمال عقلی پر ہے (یعنی ممکن ہے کہ سحر کا کوئی فرد ایسا نکلے کہ اس کے الفاظ واعمال کفر نہ ہوں)

ف: جاننا چاہئے کہ جو شخص بذریعہ سیفی یا دعا یا بذریعہ اسماء جلالیہ ایسے آدمی کو قتل کر ڈالے کہ جس کا خون حلال نہیں یا اس کی نعمت بدنی یا مالی کو ضائع کر دے تو وہ اگر چہ کافر نہیں لیکن فاسق قطعاً ہے اور اس کا حکم رہزنوں جیسا ہے حق تعالیٰ فرماتا ہے:

(وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ بِغَيْرِ مَا اكْتَسَبُوْا فَقَدِ احْتَمَلُوْا بُهْتَانًا وَّ اِثْمًا مُّبِيْنًا)

جو لوگ مسلمان مرد اور مسلمان عورتوں کو بلا قصور ستاتے ہیں وہ بہتان اور صریح گناہ کا بوجھ اٹھاتے ہیں اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

فرماتے ہیں:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ.

یعنی مسلمان تو وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان بچیں۔ اور بلعم بن باعور کا موسیٰ علیہ السلام کے لئے بددعا کرنا بھی اسی نوع سے ہے بلعم بن اعور کا پورا قصہ سورہ اعراف کی آیت (وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ الَّذِيْٓ) الآیۃ۔ کی تفسیر میں آئے گا وَمَا اُنْزِلَ الخ سے اور نوع سحر کی مراد ہے جو پہلے سے زیادہ قوی ہے۔

بابل:

(ببابل) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بابل کوفہ کی زمین کا نام ہے بعض مفسرین کہتے ہیں کہ بابل جبل دماوند ہے واللہ اعلم۔

فرشتے سحر کی تعلیم کیسے دیتے تھے:

بعض مفسرین نے فرمایا ہے وہ فرشتے سیکھنے والے کو سات دفعہ یہی نصیحت کرتے تھے۔ عطاء اور سدی فرماتے ہیں جب وہ کسی طرح نہ مانتا تو کہتے اچھا جا فلاں جگہ کی راکھ پر تو پیشاب کردے وہ پیشاب کرتا پیشاب کرتے ہی اس کے اندر سے ایک چمکتا ہوا نور نکلتا اور آسمان کی طرف چلا جاتا یہ ایمان و معرفت تھی اور آسمان سے ایک سیاہ شے دھوئیں جیسی آتی اور کانوں کے ذریعہ اندر اتر جاتی اور یہ اللہ کا غضب اور کفر ہوتا تھا نعوذ باللہ۔

یعنی سحر کی وہ قسم تعلیم کرتے تھے جس سے میاں بی بی میں بغض اور عداوت واقع ہو جائے۔ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (یعنی ساحر یا شیطان سحر کے ذریعہ سے کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے مگر اللہ کی قضا اور قدر اور مشیت سے کیونکہ اسباب دنیا و یہ سب کے سب عادی و ظاہر ہیتیں مؤثر بالذات نہیں عادۃ اللہ یونہی جاری ہے کہ جب ان اسباب کا وجود ہوتا ہے تو تاثیر ان کے بعد پیدا کر دیتے ہیں۔

(وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ) (اور سیکھتے تھے جو ان کو نقصان پہنچاوے) مَا يَضُرُّهُمْ سے مراد سحر ہے اور ضرر اس کا ظاہر ہے کہ کفر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

علوم غیر نافعہ:

(وَلَا يَنْفَعُهُمْ) (اور نفع نہ دے) اس طرف اشارہ ہے کہ علوم غیر نافعہ جیسے طبعی ریاضی وغیرہ کا سیکھنا بسبب وقت برباد ہونے کے مکروہ ہے اسی واسطے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی دعا میں فرمایا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اِنِّی اَعُوْذُبِکَ مِنْ عِلْمٍ لا ینفع .

(یعنی اے اللہ میں علم غیر نافع سے پناہ مانگتا ہوں)

فائدہ: علم غیر نافع کی دو قسمیں ہیں ایک قسم تو وہ ہے جو کسی کو نافع نہ ہو۔ کیونکہ اس سے نفع متصور ہی نہیں جیسے طبعی اور مثل اس کے اور دوسری قسم وہ ہے کہ اس کا عالم جب اس پر عمل نہ کرے تو نافع نہ ہو واللہ اعلم۔ اور جو علم ضرر کرنے والے ہیں جیسے سحر و شعبدہ اور فلاسفہ کے الٰہیات بلا دلیل صریح ان کی حرمت میں تو شک ہی نہیں۔

فرشتے لوگوں کو جادو اس لئے سکھاتے تاکہ جادو اور معجزہ میں فرق واضح ہو

علماء نے اس کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ جب سحر اور ساحروں کا شیوع ہوا اور معجزہ اور کرامات اور سحر میں اشتباہ ہو گیا تو حق تعالیٰ نے دو فرشتے اس غرض سے بھیجے کہ لوگوں کا امتحان کریں اور لوگوں کو سحر کی حقیقت بتادیں تاکہ حقیقۃ الامر معلوم ہو جاوے اور سحر اور معجزہ و کرامات میں فرق معلوم ہو چنانچہ جو شخص ان کے پاس سحر سیکھنے آتا تھا اس کو اول ڈراتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم آزمائش کے لئے آئے ہیں چنانچہ جو شخص اس غرض سے سیکھتا تھا کہ اس سے پرہیز کرے اور معجزہ و کرامات میں فرق معلوم کرے تو وہ حق تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ اور مقبول ہوتا تھا اور جو اس لئے نہ سیکھتا تو اس کی کفر تک نوبت پہنچتی اسی واسطے فرشتے اول ہی کہہ دیتے تھے (اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ)۔ (ہم تو آزمانے کے لئے ہیں تو کافر نہ بن) پھر اسے بتاتے کہ جب ساحر فلاں کام کرتا ہے تو میاں بی بی میں عداوت اور بغض پیدا ہو جاتی ہے اس تفسیر کے موافق فرشتوں کا یہ فعل سراسر حق تعالیٰ کی طاعت ہوگی اور ملائکہ کی عصمت متفقہ کے خلاف نہ ہوگا۔

مَلَکین کی ایک نادر تفسیر:

میں کہتا ہوں کہ حل اس کا یہ ہے کہ ملکین سے مراد قلب اور روح اور عالم امر کے تمام لطائف ہیں اور صرف دو کو یا تو اس لئے ذکر فرمایا کہ یہ بتانا منظور ہے کہ وہ لطائف متعدد ہیں ان کی تعداد بتانی مقصود نہیں اور یا اس واسطے کہ بعض سالکوں پر منجملہ لطائف ستہ یہ دو ہی منکشف ہوئے ہیں پس اس سالک نے لفظ ملکین سے اپنے مکشوف (قلب اور روح) سے کنایہ کیا اور عورت جس کا نام زہرہ تجویز کیا ہے اس سے مراد نفس ہو جو کہ عناصر سے پیدا ہوا ہے اور وجہ اس کنایہ کی یہ ہے کہ جس طرح اس قصہ میں اس عورت نے ملکین کو گناہ کا حکم کیا تھا اسی طرح یہ نفس امارہ بھی برائی کا حکم کرتا ہے اور جب حق تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے عالم امر کے لطائف کو نفس کے ساتھ مزدوج فرما دیا اور ان میں محبت اور عشق رکھ دیا تو یہ لطائف

تاریک اور مکدر اور اپنے خالق سے غافل ہو گئے چنانچہ اس تاریک قالب میں جو شہوات کی آگ سے بھرا ہوا ہے یہ لطائف محبوس اور اوندھے پڑے ہیں بابل کے آگ بھرے ہوئے کنویں سے یہی مراد ہے، پھر جب انسان مر جائیں گے اور قیامت قائم ہوگی تو اگر کچھ نور ایمان ہے تو ان لطائف کو اس قید خانہ سے نجات ہو جاوے گی اب رہا نفس سو اگر وہ نیک بندوں کا ہے تو لطائف کے قرب و مجاورت اور ریاضات تکلیفیہ اور اسم اعظم یعنی اللہ کے نام پاک کی بدولت آسمان پر ایسا پرواز کر جاوے گا گویا چمکتا ہوا روشن سفید ستارہ ہے اور اسے اس طرح خطاب کیا جائے گا،

﴿يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ۝ ارْجِعِي إِلَىٰ رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ۝ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي ۝﴾

(اے نفس مطمئنہ اپنے رب کی طرف لوٹ چل تو اس سے راضی اور وہ تجھ سے راضی سو داخل ہو میرے خاص بندوں میں اور داخل ہو میری بہشت میں) نفس اگرچہ ابتدا میں خبیث اور شریر تھا لیکن اپنی قوت استعدادیہ کی بدولت جو کہ اس خاکدان میں رکھی ہے لطائف پر بھی فوق لے گیا جیسا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو لوگ جاہلیت میں اچھے ہیں وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں جب کہ دینی سمجھ رکھتے ہوں اس حدیث کو امام مسلم نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

علم کی دو قسمیں:

میرے نزدیک علم کی دو قسمیں ہیں ایک علم تو وہ جو سطحی ہو ظاہر قلب سے اس کا تعلق ہو اس علم کا مقتضی عمل نہیں ہے اور یہود کا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بیٹوں کی طرح پہچاننا بھی اسی قبیل سے تھا کہ یہ پہچان ان کو کچھ نافع نہ تھی ان کی بعینہ ایسے ہی مثال تھی جیسے گدھے پر دفتر لدے ہوں اور دوسرا علم وہ جو قلب کی تہ میں جا گھسے اور اس کو منور کر دے، اور نفس کے اندر اطمینان بخشے آیت کریمہ ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (اللہ سے تو اس کے بندوں میں سے علماء ہی ڈرتے ہیں) میں یہی علم مراد ہے اور حدیث شریف میں جو آیا ہے کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ علماء انبیاء کے وارث ہیں آسمان والے ان کو دوست رکھتے ہیں اور جب وہ مرتے ہیں تو قیامت تک دریا کی مچھلیاں ان کے لئے استغفار کرتی ہیں تو اس حدیث کے مصداق اسی علم کے عالم ہیں علم کی ان دونوں قسموں کی طرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ بھی فرمایا ہے فرمایا ہے کہ بہترین بندے علماء حق ہیں اور بدترین لوگ برے علماء ہیں اس حدیث کو دارمی نے احوص بن حکیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے اور حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علم دو ہیں ایک علم دل میں ہے اور وہ نافع ہے اور دوسرا علم محض زبان پر ہے یہ علم آدمی کے خلاف اللہ کی طرف سے حجت ہے اس کو بھی دارمی نے روایت کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

لفظ بابل سے مراد بل عراق ہے

ابن ابی حاتم کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ بابل کی سرزمین پر جا رہے تھے عصر کی نماز کا وقت آ گیا لیکن آپ نے وہاں نماز ادا نہ کی بلکہ اس زمین کی سرحد سے نکل جانے کے بعد نماز پڑھی، اور فرمایا میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قبرستان میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے اور بابل کی زمین میں نماز پڑھنے سے ممانعت فرمائی ہے یہ زمین ملعون ہے ابوداؤد میں بھی یہ حدیث مروی ہے۔

شیطان کے نزدیک سب سے بڑا کارنامہ:

صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں شیطان اپنا عرش پانی پر رکھتا ہے پھر اپنے لشکروں کو بہکانے کے واسطے بھیجتا ہے سب سے زیادہ مرتبہ والا اس کے نزدیک وہ ہے جو فتنے میں سب سے زیادہ بڑھا ہوا ہو یہ جب واپس آتے ہیں تو اپنے بدترین کاموں کا ذکر کرتے ہیں کوئی کہتا ہے کہ میں نے فلاں کو اس طرح بے راہ کر دیا کوئی کہتا ہے میں نے فلاں شخص سے یہ گناہ کرایا شیطان ان سے کہتا ہے کچھ نہیں معمولی کام ہے یہاں تک کہ ایک آ کر کہتا ہے کہ میں نے فلاں شخص کے اور اس کی بیوی کے درمیان جھگڑا ڈال دیا یہاں تک کہ جدائی ہوگئی شیطان اسے گلے لگا لیتا ہے اور کہتا ہے ہاں تو نے بڑا کام کیا اسے اپنے پاس بٹھا لیتا ہے اور اس کا مرتبہ بڑھا دیتا ہے۔

جادوگر کی سزا:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر ان کی ایک لونڈی نے جادو کیا جس پر اسے قتل کیا گیا حضرت امام احمد ابن حنبل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تین صحابیوں سے جادوگر کے قتل کا فتویٰ ثابت ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا
اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو
انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾
انظرنا اور سنتے رہو اور کافروں کو عذاب ہے دردناک

یہودیوں کی بدنیتی:

یہودی آکر آپ کی مجلس میں بیٹھتے اور حضرت کی باتیں سنتے بعضی بات جو اچھی طرح نہ سننے اس کو مکرر تحقیق کرنا چاہتے تو کہتے راعنا (یعنی ہماری طرف متوجہ ہو اور ہماری رعایت کرو) یہ کلمہ ان سے سن کر کبھی مسلمان بھی کہہ دیتے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا کہ یہ لفظ نہ کہو اگر کہنا ہو تو انظرنا کہو (اس کے معنی بھی یہی ہیں) اور ابتداء ہی سے متوجہ ہو کر سنتے رہو تو مکرر پوچھنا ہی نہ پڑے یہود اس لفظ کو بدنیتی اور فریب سے کہتے تھے اس لفظ کو زبان دبا کر کہتے تو "راعینا" ہو جاتا (یعنی ہمارا چرواہا) اور یہود کی زبان میں راعنا احمق کو بھی کہتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

امت محمدیہ کا ایک منفرد اعزاز:

قرآن کریم میں اٹھاسی جگہ اس امت کے مسلمانوں کو (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) سے خطاب کیا گیا ہے ان میں سے یہ پہلا موقعہ ہے کتب سابقہ میں صرف انبیاء کرام کو خطاب ہوتا تھا اللہ تعالیٰ نے اس امت کو یہ شرف عطا فرمایا کہ قرآن کریم میں براہ راست اس امت کو مخاطب بنایا ایک شخص نے عبداللہ بن مسعود سے درخواست کی کہ مجھ کو کچھ نصیحت فرمایئے فرمایا کہ جب تو قرآن پڑھے اور (یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا) کے خطاب کو سنے تو فوراً اپنے کانوں کو اس کی طرف متوجہ کرنا اور قلب کو حاضر کرنا کہ اللہ تعالیٰ بلاواسطہ تجھ سے خطاب فرما رہا ہے اور کسی اچھی چیز کا حکم دیتا ہے یا کسی بری چیز سے منع کرتا ہے (رواہ عبداللہ ابن احمد فی زوائد المسند) ﴿معارف کاندھلوی﴾

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا
دل نہیں چاہتا ان لوگوں کا جو کافر ہیں اہل کتاب میں اور نہ
الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ
مشرکوں میں اس بات کو کہ اترے تم پر کوئی نیک بات
رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ
تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت
وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾
کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے

امت محمدیہ سے یہودیوں کا حسد:

یعنی کفار (یہود ہوں یا مشرکین مکہ) قرآن کے نزول کو تم پر ہرگز پسند نہیں کرتے بلکہ یہود تمنا کرتے ہیں کہ نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم بنی اسرائیل میں پیدا ہو اور مشرکین مکہ چاہتے ہیں کہ ہماری قوم میں سے ہو مگر یہ تو اللہ کے فضل کی بات ہے کہ امی لوگوں میں نبی آخرالزماں کو پیدا فرمایا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ
جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں تو بھیج
مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ
دیتے ہیں اس سے بہتر یا اس کے برابر کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾
ہر چیز پر قادر ہے

یہودیوں کا ایک اعتراض:

یہ بھی یہود کا طعن تھا کہ "تمہاری کتاب میں بعض آیات منسوخ ہوئی ہیں، اگر یہ کتاب اللہ کی طرف سے ہوتی تو جس عیب کی وجہ سے اب منسوخ ہوئی اس عیب کی خبر کیا خدا کو پہلے سے نہ تھی" اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "عیب نہ پہلی بات میں تھا نہ پچھلی میں لیکن حاکم مناسب وقت دیکھ کر جو چاہے حکم کرے اس وقت وہی مناسب تھا اور اب دوسرا حکم مناسب ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قرآن پاک میں نسخ:

حضرت عمرؓ نے خطبہ میں نَنْسَاهَا پڑھا اور اس کے معنے موخر ہونے کے بیان کئے نَنْسَاهَا جب پڑھیں تو یہ مطلب ہوگا کہ ہم اسے بھلا دیں اللہ تعالیٰ جس حکم کو اٹھا لینا چاہتا تھا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھلا دیتا تھا اس طرح وہ آیت اٹھ جاتی تھی مسلمان کل کے کل متفق ہیں کہ احکام باری تعالیٰ میں نسخ کا ہونا جائز ہے۔

دیکھئے پہلے اس عورت کی عدت جس کا خاوند مر جائے ایک سال تھی لیکن پھر چار مہینے دس دن ہوئی اور دونوں آیتیں قرآن پاک میں موجود ہیں قبلہ پہلے بیت المقدس تھا پھر کعبۃ اللہ ہوا۔ دوسری آیت صاف اور پہلا حکم بھی ضمناً مذکور ہے پہلے مسلمانوں کو حکم تھا کہ ایک ایک مسلمان دس دس کافروں سے لڑے اور ان کے مقابلے سے نہ ہٹے لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہو کر دو دو کے مقابلہ میں صبر کرنے کا حکم ہوا اور دونوں آیتیں کلام اللہ میں موجود ہیں پہلے حکم تھا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے

کچھ صدقہ دیدیا کرو لیکن پھر یہ حکم منسوخ ہوا اور دونوں آیتیں قرآن کریم میں موجود ہیں۔ وغیرہ۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

کتاب اللہ میں نسخ کی صورتیں:

کتاب اللہ میں نسخ چند وجوہ پر آیا ہے ایک تو کسی آیت کی تلاوت کا وقت انتہا بیان فرمانا اور حکم کا اپنے حال پر باقی رہنا جیسے آیت رجم کا حکم باقی ہے اور تلاوت منسوخ ہوگئی یا حکم کی انتہا بیان کرنا اور قرأت علی حالہا باقی رہنا جیسے اقارب کے لئے وصیت کرنے کی آیت اور وہ آیت جس میں عدت وفات ایک سال آئی ہے اور یا تلاوت اور حکم دونوں کی غایت بیان فرمانا چنانچہ کہتے ہیں کہ سورۃ احزاب مثل سورۃ بقرہ طویل تھی اس کے اکثر حصہ کی تلاوت اور حکم دونوں اٹھا دیئے گئے۔

آیت کا حکم منسوخ ہو اس کی دو قسمیں ہیں ایک وہ کہ اس حکم منسوخ کی جگہ دوسرا حکم قائم مقام ہو جیسے اپنے رشتہ داروں کو وصیت کرنا میراث سے منسوخ ہوگیا اور ایک سال عدت وفات کا ہونا چار ماہ دس روز سے منسوخ ہوگیا اور دوسری قسم وہ ہے کہ دوسرا حکم قائم مقام نہ ہو جیسے عورتوں کا امتحان کہ ابتدا میں تھا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

ایک صورت یہ بھی ہوتی ہے کہ حکم دینے والے کو اول ہی سے یہ بھی معلوم تھا کہ حالات بدلیں گے اور اس وقت یہ حکم مناسب نہیں ہوگا دوسرا حکم دینا ہوگا یہ جانتے ہوئے آج ایک حکم دیدیا اور جب اپنے علم کے مطابق حالات بدلے تو اپنی قرارداد سابق کے مطابق حکم بھی بدل دیا اس کی مثال ایسی ہے کہ مریض کے موجودہ حالات کو دیکھ کر حکیم یا ڈاکٹر ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ دو روز اس دوا کے استعمال کرنے کے بعد مریض کا حال بدلے گا اس وقت مجھے دوسری دوا تجویز کرنا ہوگی یہ سب کچھ جانتے ہوئے وہ پہلے دن ایک دوا تجویز کرتا ہے جو اس دن کے مناسب ہے دو دن کے بعد حالات بدلنے پر دوسری دوا تجویز کرتا ہے۔

صحیح مسلم کی حدیث میں ہے "یعنی کبھی کوئی نبوت نہیں آئی جس نے احکام میں نسخ اور رد و بدل نہ کیا ہو (قرطبی) ﴿معارف کاندھلوی﴾

اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ
کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمان
وَالْاَرْضِ ۭ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ
اور زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا

وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾
کوئی حمایتی اور نہ مددگار

اللہ تعالیٰ قدیر بھی ہے اور علیم بھی:

یعنی ادھر تو اللہ کی قدرت و ملکیت سب پر شامل ادھر اس کی اپنے بندوں پر اعلیٰ درجہ کی عنایت تو اب مصالح اور منافع بندوں کی اطلاع اور ان پر قدرت کس کو ہوسکتی ہے اور اس کے برابر بندوں کی خیرخواہی کون کر سکتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جیسے مرض کا صحت سے بدلنا اور فقر کا تونگری سے بدلنا اور عزت کا ذلت سے بدلنا اور روشنی کا تاریکی سے بدلنا پس جو ذات ان تغیرات اور تبدلات پر قادر ہے کیا وہ اس پر قادر نہیں کہ وہ ایک حکم سے دوسرے حکم کو بدل دے۔

الہامی کتابوں میں نسخ ہوتا آیا ہے:

اور الہامی کتابوں میں بھی احکام بدلتے رہے ہیں اگر یہ بات نہ ہوتی تو توریت کے بعد انجیل کے نازل ہونے کی کیا ضرورت تھی اور اس تغیر اور تبدل سے اللہ تعالیٰ کے علم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا پہلے ہی سے یہ سب کچھ اس کے علم میں تھا۔ البتہ اس تغیر اور تبدل سے ہمارے علم میں تغیر ہوتا ہے سو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم کو قصور علم کی وجہ سے اس حکم کی مدت معلوم نہ تھی اور قصور فہم کی وجہ سے اس حکم کو دائم اور مستمر سمجھ بیٹھے جب حکم ناسخ نازل ہوا اس وقت اپنے قصور علم کا علم ہوا اور قصور فہم کا فہم ہوا۔ قوانین حکومت میں بھی تغیر اور تبدل ہوتا ہے لیکن وہاں کسی فروگذاشت اور لاعلمی کی بناء پر پہلا حکم منسوخ ہوتا ہے اور حق جل شانہ کے احکام میں تغیر و تبدل ہمیشہ حکمت و مصلحت کی بناء پر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ کا علم غلطی سے پاک ہے۔
(لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسَى) میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

مریض کے حالات بدلنے کی وجہ سے طبیب دوا بدلتا رہتا ہے۔

انسان کو لائق نہیں کہ اللہ کو جھٹلائے:

صحیح بخاری کی ایک حدیث قدسی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ابن آدم مجھے جھٹلاتا ہے اسے یہ لائق نہ تھا اور مجھ کو برا کہتا ہے اور یہ اسے مناسب نہیں اور مجھ کو انسان کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ یہ کہتا ہے کہ میں اسے مار ڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا برا کہنا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد و بیوی ہو۔

اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ صبر والا ہے:

بخاری اور مسلم کی ایک اور حدیث ہے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی نہیں لوگ اللہ کے لئے بیٹا قرار دیتے ہیں وہ سنتا ہے اور صبر کرتا ہے پھر ان کو عافیت سے رکھتا ہے اور رزق دیتا ہے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

اَمۡ تُرِيۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَـكُمۡ كَمَا
کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ سوال کرو اپنے رسول سے
سُئِلَ مُوۡسٰى مِنۡ قَبۡلُ‌ؕ وَمَنۡ يَّتَبَدَّلِ
جیسے سوال ہو چکے ہیں موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو کوئی کفر
الۡكُفۡرَ بِالۡاِيۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيۡلِ ﴿۱۰۸﴾
لیوے بدلے ایمان کے تو وہ بہکا سیدھی راہ سے

یہودیوں پر ہرگز اعتماد نہ کرو:

یعنی یہودیوں کی باتوں پر ہرگز اعتماد نہ کرنا جس کسی کو یہودیوں کے شبہ ڈالنے سے شبہ پڑ گیا وہ کافر ہوا اس کی احتیاط رکھو اور یہود کے کہنے سے تم اپنے نبی کے پاس شبہے نہ لاؤ جیسے وہ اپنے نبی کے پاس لاتے تھے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فضول قیل وقال ہلاکت ہے:

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فضول بکواس سے اور مال کو ضائع کرنے سے اور زیادہ پوچھ گچھ سے منع فرمایا کرتے تھے صحیح مسلم میں ہے جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو تم سے اگلے لوگوں کو اسی بدخصلت نے ہلاک کر دیا کہ وہ بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور اپنے نبیوں پر اختلاف کرتے تھے جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے مطابق بجالاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔

سببِ نزول:

رافع بن حریملہ اور وہب بن زید نے کہا تھا کہ اے محمد! کوئی آسمانی کتاب ہم پر نازل کیجئے جسے ہم پڑھیں اور ہمارے شہروں میں دریا جاری کر دیں تو ہم آپ کو مان لیں اس پر یہ آیت اتری۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

صحابہ کرام کی احتیاط:

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب ہمیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوالات کرنے سے روک دیا گیا تو ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی بات پوچھنے میں ہیبت کھاتے تھے اور چاہتے تھے کہ کوئی گاؤں والا ناواقف شخص آ جائے اور وہ پوچھے تو ہم بھی سن لیں حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں کہ میں کوئی سوال حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کرنا چاہتا تھا تو سال سال بھر گذر جاتا کہ مارے ہیبت کے پوچھنے کی جرات نہیں ہوتی تھی اور ہم خواہش کرتے تھے کہ کوئی اعرابی آئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال کرے تو ہم بھی سن لیں۔

فرضیتِ حج کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت:

مسلم و بخاری کی ایک حدیث ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فضول کلام کثرت سوال اور اضاعت مال سے منع فرمایا ہے صحیح مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میں جب تک کچھ نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو تم سے اگلے لوگوں کو اسی بدخصلت نے ہلاک کیا کہ وہ بکثرت سوال کیا کرتے تھے اور اپنے نبیوں پر اختلاف کرتے تھے جب میں تمہیں کوئی حکم دوں تو اپنی طاقت کے موافق بجالاؤ اور اگر منع کروں تو رک جایا کرو۔ یہ آپ نے اس وقت فرمایا تھا جب لوگوں کو خبر دی گئی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے تم پر حج فرض کیا ہے تو کسی نے سوال کیا کہ یارسول اللہ کیا ہر سال؟ آپ خاموش ہو گئے انہوں نے پھر پوچھا آپ نے کوئی جواب نہ دیا انہوں نے تیسری دفعہ پھر سوال کیا آپ نے ارشاد فرمایا ہر سال نہیں لیکن اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور پھر تم کبھی بھی اس حکم کو نہ بجالا سکتے پھر آپ نے مذکورہ بالا ارشاد فرمایا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَدَّ كَثِيۡرٌ مِّنۡ اَهۡلِ الۡكِتٰبِ لَوۡ يَرُدُّوۡنَكُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ
دل چاہتا ہے بہت سے اہل کتاب کا کہ کسی طرح تم کو پھیر کر مسلمان
اِيۡمَانِكُمۡ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنۡ عِنۡدِ اَنۡفُسِهِمۡ
ہوئے پیچھے کافر بنادیں بسبب اپنے دلی حسد کے بعد
مِّنۡۢ بَعۡدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الۡحَـقُّ‌ ۚ
اس کے کہ ظاہر ہو چکا ان پر حق

یہودیوں کی آرزو:

یعنی بہت سے یہودیوں کو آرزو ہے کہ اسی طرح تم کو اے مسلمانو! پھیر کر پھر کافر بنادیں حالانکہ ان کو واضح ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کا دین ان

کی کتاب، ان کا نبی سب سچے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ
سوتم درگذر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک بھیجے اللہ اپنا حکم

تاحکم صبر کرو:

یعنی جب تک ہمارا حکم کوئی نہ آوے اس وقت تک یہود کی باتوں پر صبر کرو سو آخر کو حکم آ گیا کہ یہود کو مدینہ کے گرد سے نکال دو۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۰۹﴾
بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

گھبراؤ نہیں:

یعنی اپنے ضعف سے تردد مت کرو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے تم کو عزیز اور یہود کو ذلیل کرے گا یا یہ کہ تاخیر عجز کی وجہ سے نہیں کی جاتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا
اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوۃ اور جو کچھ آگے بھیج دو گے
لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَیْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ
اپنے واسطے بھلائی پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس بے شک
اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ﴿۱۱۰﴾
اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے

نیکی میں مشغول رہو:

یعنی ان کی ایذاء پر صبر کرو اور عبادات میں مشغول رہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے غافل ہرگز نہیں تمہاری کوئی نیک بات ضائع نہیں ہو سکتی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَقَالُوْا لَنْ یَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ
اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جاوینگے جنت میں مگر جو ہوں گے
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰی ؕ
یہودی یا نصرانی

یہود و نصاریٰ کا دعویٰ:

یعنی یہودی تو کہتے ہیں کہ بجز ہمارے کوئی جنت میں نہ جائے گا اور نصاریٰ کہتے تھے کہ بجز ہمارے کوئی بہشت میں نہ جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

تِلْكَ اَمَانِیُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ
یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے کہہ دے لے آؤ سند اپنی اگر تم
صٰدِقِیْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰی ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ
سچے ہو کیوں نہیں جس نے تابع کردیا منہ اپنا اللہ
وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪
کے اور وہ نیک کام کرنے والا ہے تو اسی کیلئے ہے ثواب اس کا
وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾
اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے

جو یہود کی راہ سے بچ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مطیع ہوا وہ کامیاب ہے

یعنی جس نے خدا کے احکام کو مانا اور اس کا اتباع کیا وہ احکام خواہ کسی نبی کے ذریعہ سے معلوم ہوں اور اپنی قومیت اور آئین پر تعصب نہ کیا جیسا کہ یہود کرتے ہیں تو ان کے لئے اجر نیک ہے اور نہ کوئی امر ان میں ایسا ہے جس کی وجہ سے خوف ہو اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

معلوم ہوا کہ نجات اخروی اور دخول جنت کے لئے صرف قصد اطاعت کافی نہیں، بلکہ حسن عمل بھی ضروری ہے اور حسن عمل کا مصداق وہی تعلیم و طریقہ ہے جو قرآن اور سنت رسول خیر الانام صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق ہو۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی
اور یہود تو کہتے ہیں کہ نصاریٰ نہیں کسی راہ پر
شَیْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ
اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود نہیں
عَلٰی شَیْءٍ ۙ وَّهُمْ یَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ
کسی راہ پر باوجود یکہ وہ سب پڑھتے ہیں کتاب

یہود و نصاریٰ کی کشمکش:

یہودیوں نے توریت پڑھ کر سمجھ لیا کہ جب نصرانیوں نے حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہا تو بیشک وہ کافر ہو گئے اور نصرانیوں نے انجیل میں صاف دیکھ لیا کہ یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کا انکار کر کے کافر ہو گئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سببِ نزول:

نجران کے نصاریٰ آئے تو علماء یہود بھی ان کو سن کر آ گئے اور دونوں فریق آپس میں منازعت کرنے لگے رافع بن حریملہ یہودی نصاریٰ سے کہتا تھا کہ تم کسی راہ پر نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل کا انکار کرتا تھا اور نجران کا ایک شخص یہود سے کہتا تھا کہ تم کسی راہ پر نہیں اور موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور تورات کی تکذیب کرتا تھا حق تعالیٰ نے اس پر یہ آیت کریمہ ارشاد فرمائی۔

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ
اسی طرح کہا ان لوگوں نے جو جاہل ہیں ان ہی
قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
کی سی بات اب اللہ حکم کریگا ان میں قیامت کے دن
فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾
جس بات میں جھگڑتے تھے

مشرکین کا حال:

ان جاہلوں سے مشرکین عرب اور بت پرست مراد ہیں یعنی جیسے یہود و نصاریٰ ایک دوسرے کو گمراہ جانتے ہیں اسی طرح بت پرست بھی اپنے سوا سب فرقوں کو گمراہ اور بے دین بتلاتے ہیں سو دنیا میں کہتے جائیں قیامت کو فیصلہ ہو جائے گا۔

فائدہ: یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ جب (كَذٰلِكَ) فرما دیا تو پھر (مِثْلَ قَوْلِهِمْ) فرمانے کی کیا حاجت۔ بعض مفسرین نے جواب دیا کہ (مِثْلَ قَوْلِهِمْ) توضیح اور تاکید ہے کذلک کے لئے اور بعض کہتے ہیں کہ یہاں دو تشبیہ جدا جدا ہیں اس لئے دو لفظ لائے ایک تشبیہ سے تو یہ غرض ہے کہ ان کا اور ان کا مقولہ باہم مشابہ ہیں (یعنی جیسے وہ دوسروں کو گمراہ کہتے ہیں ایسا ہی یہ بھی) اور ایک تشبیہ سے یہ غرض ہے کہ جیسا اہل کتاب یہ دعویٰ بے دلیل اپنی ہوائے نفس اور عداوت سے کرتے تھے ایسے ہی بت پرست بھی بے دلیل محض خواہش نفسانی سے ایسا دعویٰ کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قیامت کے دن عملی فیصلہ:

بیان القرآن میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان سب کے درمیان عملی فیصلہ فرما دیں گے اور وہ عملی فیصلہ یہ ہوگا کہ اہل حق کو جنت میں اور اہل باطل کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا عملی فیصلہ کی قید اس لئے لگائی کہ قولی اور برھانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل لائل کے ذریعہ دنیا میں بھی ہو چکا ہے۔ ﴿انوار البیان﴾

یہود و نصاریٰ دونوں مردود ہوئے:

کسی حکم سابق کے منسوخ ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے والا کسی بھی طور پر فرمانبردار نہیں کہلا سکتا، لہٰذا یہود و نصاریٰ فرمانبردار نہ ہوئے بلکہ حکم ثانی پر عمل کرنا فرمانبرداری سمجھی جائے گی اور یہ شان مسلمانوں کی ہے کہ نبوت و شریعت محمدیہ کو قبول کر لیا، چنانچہ یہی جنت میں داخل ہونے والے شمار ہوئے۔

یہود و نصاریٰ کو دیکھ کر مشرکین کو موقع مل گیا:

یہود و نصاریٰ دونوں نے دین کی اصل حقیقت کو فراموش کر کے مذہب کے نام پر ایک قومیت بنالی تھی اور ان میں سے ہر ایک اپنی ہی قوم کے جنتی اور مقبول ہونے اور اپنے سوا تمام اقوام عالم کے دوزخی اور گمراہ ہونے کا معتقد تھا۔ اس نامعقول اختلاف کا نتیجہ یہ نکلا کہ مشرکین کو یہ کہنے کا موقع مل گیا کہ عیسائیت بھی بے بنیاد اور یہودیت بھی بے اصل حق و صحیح بس ہماری بت پرستی ہے۔

مذہب کی روح:

حق تعالیٰ نے ان دونوں قوموں کی جہالت و گمراہی کے متعلق فرمایا کہ یہ دونوں قومیں جنت میں جانے کے اصل سبب سے غافل ہیں، محض مذہب کے نام کی قومیت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں حقیقت یہ ہے کہ مذہب یہود ہو یا نصاریٰ یا اسلام ان سب کی اصل روح دو چیزیں ہیں۔

ایک یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے آپ کو خدا کے سپرد کر دے، اس کی اطاعت و فرمانبرداری کو اپنا عقیدہ و مذہب سمجھے، چاہے یہ کسی مذہب میں حاصل ہو، حقیقت دین و مذہب کو فراموش کر کے یا پس پشت ڈال کر یہودی یا نصرانی قومیت کو اپنا مقصد بنالینا دین مذہب سے ناواقفیت اور گمراہی ہے۔

مسلمانوں کی بدحالی کی وجہ:

آج کل پوری دنیا کے مسلمان طرح طرح کے مصائب و آفات کا

شکار ہیں اس کو دیکھ کر بہت سے ناواقف لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید ان تمام آفات ومصائب کا سبب ہمارا اسلام ہی ہے لیکن مذکورہ تحریر سے واضح ہوگیا کہ اس کا اصلی سبب ہمارا اسلام نہیں بلکہ ترک اسلام ہے کہ ہم نے اسلام کا صرف نام باقی رکھا ہے نہ اس کے عقائد ہمارے اندر ہیں نہ اخلاق، نہ اعمال، گویا

وضع میں ہم ہیں نصاریٰ تمدن میں ہنود

پھر ہمیں کیا حق ہے کہ اسلام اور مسلم کے لئے کئے ہوئے وعدوں اور انعاموں کا ہم انتظار کریں۔

اولاد اور شاگرد کو ذرا ذرا سی بات پر سزا دی جاتی ہے لیکن دشمن کے ساتھ یہ سلوک نہیں ہوتا اس کو ڈھیل دی جاتی ہے اور وقت آنے پر دفعتہً پکڑ لیا جاتا ہے مسلمان جب تک ایمان واسلام کا نام لیتا ہے اور اللہ کی عظمت ومحبت کا دم بھرتا ہے وہ دوستوں کی فہرست میں داخل ہے اس کے برے اعمال کی سزا عموماً دنیا ہی میں دیدی جاتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کا یہی مطلب ہے کہ ''دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے''۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جہاں کہیں اور جب کوئی مسلمان تجارت وصنعت حکومت وسیاست کے اصول صحیحہ کو سیکھ کر ان پر عمل پیرا ہوجاتا ہے تو وہ بھی ان دنیوی ثمرات ونتائج سے محروم نہیں رہتا جو کسی کافر کو حاصل ہورہے ہیں۔ (معارف مفتی اعظم)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ
اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے منع کیا اللہ کی
اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِىْ
مسجدوں میں کہ لیا جاوے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے
خَرَابِهَا
اجاڑنے میں

شانِ نزول:

اس کے شان نزول نصاریٰ ہیں کہ انہوں نے یہود سے مقاتلہ کرکے توریت کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا یا مشرکین مکہ کہ انہوں نے مسلمانوں کو محض تعصب وعناد سے حدیبیہ میں مسجد حرام (بیت اللہ) میں جانے سے روکا۔ باقی جو شخص کسی مسجد کو ویران یا خراب کرے وہ اسی حکم میں داخل ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مشرکین کا حضور اور صحابہ کو عمرہ طواف سے روکنا:

معالم التنزیل ص ۱۰۷ ج ۱ میں حضرت عطا اور عبدالرحمٰن بن زید سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت مشرکین مکہ کے بارے میں نازل ہوئی ہجرت کے چھٹے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کے ساتھ عمرہ کرنے کیلئے تشریف لے گئے تو مکہ والوں نے آپ کو مقام حدیبیہ میں روک دیا اور عمرہ کے لئے مسجد حرام تک نہ پہنچنے دیا، مساجد کی آبادی یہ ہے کہ ان میں وہ کام ہوتے رہیں جن کاموں کے لئے وہ بنائی گئی ہیں نماز، تلاوت، ذکر، اعتکاف وغیرہ اور مسجد حرام کے آباد کرنے میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اس میں طواف کیا جائے جو شخص ان کاموں سے روکے گا وہ ان کی ویرانی کی کوشش کرنے والا ہے۔

نصاریٰ کے اسلاف:

روم کے بعض سلاطین جو نصاریٰ کے اسلاف تھے اور نصاریٰ ان کے افعال کا انکار بھی نہ کرتے تھے گو وہ نصرانی نہ ہوں، کسی زمانے میں یہود شام پر چڑھ آئے تھے قتل وقتال بھی ہوا اور اس وقت بعض جہلاء کے ہاتھ سے مسجد بیت المقدس کی بے حرمتی بھی ہوئی اور بدامنی کی وجہ سے اس میں نماز وغیرہ کا اہتمام بھی نہ ہوا اس طور پر نصاریٰ کے اسلاف ترک نماز اور ویرانی مسجد کے بانی ہوئے اور نصاریٰ پر بوجہ عدم انکار اس کا الزام دیا گیا اس بادشاہ کا نام طیطس تھا، اور نصاریٰ کو یہ قصہ اس لئے ناگوار نہ تھا کہ اس میں یہودیوں کی تذلیل ہوئی تھی اور یہ یہود سے عداوت رکھتے۔

مشرکین کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد سے روکنا:

اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ سے پہلے جب مکہ معظمہ میں داخل ہوکر مسجد الحرام کا طواف اور نماز ادا فرمانی چاہی تو مشرکین مکہ نے آپ کو نہ جانے دیا یہاں تک کہ آپؐ اس سال واپس تشریف لے آئے تو اس طرح یہ مشرکین بھی مسجد حرام کی ویرانی میں کوشاں ہوئے۔ (معارف مفتی اعظم)

بیت المقدس نصاریٰ سے چھن گیا:

کعب احبارؓ سے منقول ہے کہ نصاریٰ بیت المقدس پر غالب ہوئے تو انہوں نے اس کو جلا دیا جب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آیت بالا نازل فرمائی لہٰذا جو بھی کوئی نصرانی اب بیت المقدس میں داخل ہوتا ہے تو خوف کے ساتھ داخل ہوتا ہے (درمنثور ص ۱۰۸ ج ۱) ﴿انوار البیان﴾

نکتہ:

اس آیت میں خاص بیت المقدس کا نام لینے کے بجائے ''مساجد اللہ'' فرما کر تمام مساجد پر اس حکم کو عام کر دیا گیا اور آیت کا مضمون یہ ہو گیا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی مسجد میں لوگوں کو اللہ کا ذکر کرنے سے روکے یا کوئی ایسا کام کرے جس سے مسجد ویران ہو جائے تو وہ بہت بڑا ظالم ہے۔

مساجد کی عظمت:

مساجد اللہ کی عظمت کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان میں جو شخص داخل ہو ہیبت و عظمت اور خشوع و خضوع کے ساتھ داخل ہو جیسے کسی شاہی دربار میں داخل ہوتے ہیں۔

مسجد حرام، مسجد اقصیٰ اور مسجد نبوی:

اول یہ کہ دنیا کی تمام مساجد آداب مسجد کے لحاظ سے مساوی ہیں جیسے بیت المقدس مسجد حرام، یا مسجد نبوی کی بے حرمتی ظلم عظیم ہے، اسی طرح دوسری تمام مساجد کے متعلق بھی یہی حکم ہے، اگرچہ ان تینوں مساجد کی خاص بزرگی و عظمت اپنی جگہ مسلم ہے کہ مسجد حرام میں ایک نماز کا ثواب ایک لاکھ نمازوں کے برابر اور مسجد نبوی و بیت المقدس میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ملتا ہے، ان تینوں مساجد میں نماز پڑھنے کی خاطر دور دراز ملکوں سے سفر کر کے پہنچنا موجب ثواب عظیم اور باعث برکات ہے بخلاف دوسری مساجد کے کہ ان تینوں کے علاوہ کسی دوسری مسجد میں نماز پڑھنے کو افضل جان کر اس کے لئے دور سے سفر کر کے آنے کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

ذکر و نماز کی تمام صورتوں سے روکنا ناجائز ہے:

دوسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد میں ذکر و نماز سے روکنے کی جتنی بھی صورتیں ہیں وہ سب ناجائز و حرام ہیں، ان میں سے ایک صورت تو یہ کھلی ہوئی ہے ہی کہ کسی کو مسجد میں جانے سے یا وہاں نماز و تلاوت سے صراحۃً روکا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ مسجد میں شور و شغب کر کے یا اس کے قرب و جوار میں باجے گاجے بجا کر لوگوں کی نماز و ذکر وغیرہ میں خلل ڈالے یہ بھی ذکر اللہ سے روکنے میں داخل ہے۔

نماز و تلاوت کے وقت اُونچی آواز سے تلاوت منع ہے:

اسی طرح اوقات نماز میں جبکہ لوگ اپنی نوافل یا تسبیح و تلاوت وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں کوئی بلند آواز سے تلاوت یا ذکر بالجہر کرنے لگے تو یہ بھی نمازیوں کی نماز و تسبیح میں خلل ڈالنے اور ایک حیثیت سے ذکر اللہ کو روکنے کی صورت ہے اسی لئے حضرات فقہاء نے اس کو بھی ناجائز قرار دیا ہے ہاں جب مسجد عام نمازیوں سے خالی ہو اس وقت ذکر یا تلاوت جہر کا مضائقہ نہیں۔

مسجد میں سوال کرنا:

اسی سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جس وقت لوگ نماز و تسبیح وغیرہ میں مشغول ہوں مسجد میں اپنے لئے سوال کرنا یا کسی دینی کام کے لئے چندہ کرنا بھی ایسے وقت ممنوع ہے۔

ہر وہ عمل حرام ہے جو مسجد کی ویرانی کا سبب ہے:

تیسرا مسئلہ یہ معلوم ہوا کہ مسجد کی ویرانی کی جتنی بھی صورتیں ہیں سب حرام ہیں اس میں جس طرح کھلے طور پر مسجد کو منہدم اور ویران کرنا داخل ہے اسی طرح ایسے اسباب پیدا کرنا بھی اس میں داخل ہے جن کی وجہ سے مسجد ویران ہو جائے اور مسجد کی ویرانی یہ ہے کہ وہاں نماز کے لئے لوگ نہ آئیں یا کم ہو جائیں کیونکہ مسجد کی تعمیر و آبادی دراصل در و دیوار یا ان کے نقش و نگار سے نہیں بلکہ ان میں اللہ کا ذکر کرنے والوں سے ہے۔

قرب قیامت کی مسجدیں:

اسی لئے حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قرب قیامت میں مسلمانوں کی مسجدیں بظاہر آباد اور مزین و خوب صورت ہوں گی مگر حقیقتاً ویران ہوں گی کہ ان میں حاضر ہونے والے نمازی کم ہو جائیں گے۔

شرافت و انسانیت کے کام:

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ شرافت و انسانیت کے چھ کام ہیں تین حضر کے اور تین سفر کے حضر کے تین یہ ہیں تلاوت قرآن کرنا، مسجدوں کو آباد کرنا، ایسے دوستوں کی جمعیت بنانا جو اللہ تعالیٰ اور دین کے کاموں میں امداد کریں، اور سفر کے تین کام یہ ہیں اپنے توشہ سے غریب ساتھیوں پر خرچ کرنا، حسن خلق سے پیش آنا اور رفقائے سفر کے ساتھ ہنسی خوشی تفریح و خوش طبعی کا طرز عمل رکھنا بشرطیکہ یہ خوش طبعی گناہ کی حد میں داخل نہ ہو جائے۔

أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا
ایسوں کو لائق نہیں داخل ہوں ان میں مگر
إِلَّا خَائِفِينَ ۚ
ڈرتے ہوئے

مسجدوں کے لائق یہ ہے کہ اس میں تواضع سے داخل ہوتے:

یعنی ان کفار کو لائق یہی تھا کہ مساجد اللہ میں خوف و تواضع اور ادب و تعظیم کے ساتھ داخل ہوتے کفار نے جو وہاں کی بے حرمتی کی یہ صریح ظلم ہے یا یہ مطلب ہے کہ اس ملک میں حکومت اور عزت کے ساتھ رہنے کے لائق نہیں چنانچہ یہی ہوا کہ ملک شام اور مکہ اللہ نے مسلمانوں کو دلوا دیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نصاریٰ کے آباؤ اجداد کے کرتوت:

میں کہتا ہوں کہ شاید اس کے بیان فرمانے سے یہ غرض ہو کہ نصاریٰ کو ان کے آباء و اجداد کے کرتوت یاد دلا کر عار دلائیں کیونکہ یہ بھی تو آخر اپنے اجداد کے افعال سے راضی ہیں جیسا کہ صدر پارہ میں گوسالہ کی عبادت و دیگر حرکات سے یہود کو طعن اور عار دلائی گئی ہے۔

اُولٰٓئِکَ مَا کَانَ لَھُمْ اَنْ یَّدْخُلُوْھَآ اِلَّا خَآئِفِیْنَ

فتوحات کی بشارت:

(یہ لوگ اس لائق نہیں کہ گھسنے پائیں مسجدوں میں مگر ڈرتے ڈرتے)

یعنی ان کو اس میں داخل ہونا اللہ کے علم اور قضا میں شایاں نہیں مگر ڈرتے ڈرتے۔ اس آیت میں مومنین سے نصرت اور مساجد کے مشرکین اور کفار کے ہاتھوں سے چھوٹنے کا وعدہ ہے چنانچہ جب مکہ فتح ہوا تو حق تعالیٰ نے اپنے وعدہ کو پورا فرما دیا یعنی بیت اللہ ان کے پنجوں سے چھوٹ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان عام کرا دیا کہ خبردار اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرنے پائے اور نیز اس وعدہ کا ایفا اس طور پر ہوا کہ روم اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت میں فتح کرایا اور بیت المقدس بالکل خراب تھا اس کو مسلمانوں نے تعمیر کیا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

لَھُمْ فِی الدُّنْیَا خِزْیٌ
ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے

دُنیا کی رسوائی:

یعنی دنیا میں مغلوب ہوئے، قید میں پڑے اور مسلمانوں کے باجگذار ہوئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مسنون دُعاء

حدیث میں ایک دعا وارد ہوئی ہے اے اللہ! تو ہمارے تمام کاموں کا انجام اچھا کر اور دنیا کی رسوائی اور آخرت کے عذاب سے نجات دے

یہ حدیث حسن ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وَّلَھُمْ فِی الْاٰخِرَۃِ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰہِ
اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے اور اللہ
الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ
ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی
وَجْہُ اللّٰہِ
متوجہ ہے اللہ

یہود و نصاریٰ کا ایک اور جھگڑا:

یہ بھی یہود و نصاریٰ کا جھگڑا تھا کہ ہر کوئی اپنے قبلہ کو بہتر بتاتا تھا اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ "اللہ مخصوص کسی طرف نہیں بلکہ تمام مکان اور جہت سے منزہ۔ البتہ اس کے حکم سے جس طرف منہ کرو گے وہ متوجہ ہے تمہاری عبادت قبول کرے گا" بعض نے کہا سفر میں سواری پر نوافل پڑھنے کی بابت یہ آیت اتری۔ یا سفر میں قبلہ مشتبہ ہو گیا تھا جب اتری۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مسلمانوں کو تسلی:

آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تسلی دی گئی ہے کہ مشرکین مکہ نے اگرچہ آپ کو مکہ اور بیت اللہ سے ہجرت کرنے پر مجبور کر دیا اور مدینہ پہنچ کر ابتدائی زمانہ میں سولہ سترہ مہینہ تک آپ کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا، لیکن اس میں آپ کا کوئی نقصان نہیں نہ آپؐ کے لئے غمگین ہونے کی کوئی وجہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کسی خاص سمت میں نہیں وہ ہر جگہ ہے اس کے لئے مشرق و مغرب یکساں ہیں کعبہ کو قبلہ نماز بنائیں یا بیت المقدس کو دونوں میں کوئی ذاتی خصوصیت نہیں بلکہ امر الٰہی کی تعمیل ہی دونوں جگہ سبب فضیلت ہے۔

داد حق را قابلیت شرط نیست بلکہ شرط قابلیت داد اوست

اسلئے جب کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم تھا اس میں فضیلت تھی اور جب بیت المقدس کا استقبال کرنے کا حکم ہو گیا تو اس میں فضیلت ہے آپؐ دلگیر نہ ہوں اللہ تعالیٰ کی توجہ دونوں حالتوں میں یکساں ہے جبکہ بندہ اس کے حکم کی تعمیل کر رہا ہو۔ ﴿معارف المفتی اعظمؒ﴾

اگر کوئی ایسی جماعت یا اس کا کوئی فرد مسجد میں آنا چاہے جو دائرہ اسلام سے خارج ہوں مثلاً کسی نئے مدعی نبوت پر ایمان لانے والے لوگ

جس نے ختم نبوت کے بعد نبوت کا دعویٰ کیا ہے تو ان لوگوں کو اپنی مسجد سے روک سکتے ہیں یہ منع کرنا ذکر اللہ سے منع کرنا نہیں بلکہ مسلمانوں کو کفر سے محفوظ رکھنے کے لئے ہوگا۔ ﴿انوار البیان﴾

جن سواریوں میں سوار کو قبلہ کی طرف رخ کر لینا دشوار نہیں جیسے ریل، پانی کا جہاز، ہوائی جہاز ان کا وہی حکم ہے جو حالت حضر میں رخ قبلہ کا ہے کہ اگر نفل نماز بھی ان میں پڑھی جائے تو قبلہ رخ ہو کر پڑھی جائے (البتہ نماز کی حالت میں ریل کا یا جہاز کا رخ مڑ جائے اور نمازی کے لئے گنجائش نہ ہو کہ وہ بھی قبلہ رخ پھر جائے تو اسی حالت میں نماز پوری کر لے)۔

اسی طرح جہاں نمازی کو سمت قبلہ معلوم نہ ہو اور رات کی اندھیری وغیرہ کی وجہ سے سمتیں متعین کرنا بھی دشوار ہو اور کوئی بتلانے والا بھی نہ ہو تو وہاں بھی یہی حکم ہے کہ وہ اندازہ اور تخمینہ لگا کر جس طرف کو بھی متعین کر لے گا وہی سمت اس کا قبلہ قرار دی جائے گی نماز ادا کرنے کے بعد اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ اس نے غلط سمت میں نماز ادا کی ہے تب بھی نماز صحیح ہے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ آیت سفر میں نفل نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تشریف لا رہے تھے اور اپنی سواری پر نفل نماز پڑھ رہے تھے سواری جدھر بھی متوجہ ہوتی آپ برابر نماز میں مشغول رہے۔ (رواہ الترمذی فی تفسیر سورۃ البقرۃ)

انس بن سیرین کا بیان ہے کہ ہم نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا استقبال کیا جبکہ وہ شام سے آ رہے تھے ہم نے دیکھا کہ مقام عین التمر میں اپنی سواری پر نماز پڑھ رہے ہیں اور رخ قبلہ سے ہٹا ہوا ہے جو بائیں جانب کو ہے میں نے کہا کہ میں دیکھ رہا ہوں آپ قبلہ کے رخ کے علاوہ دوسری طرف کو نماز پڑھ رہے ہیں انہوں نے فرمایا کہ اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں ایسا نہ کرتا یہ روایات صحیح مسلم میں مذکور ہیں۔ (ص ۲۴۴، ۲۴۵ ج ۱)

حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں جب تو مغرب کو اپنی دائیں جانب اور مشرق کو بائیں جانب کر لے تو تیرے سامنے کی جہت قبلہ ہو جائے گی۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

شانِ نزول:

ترمذی و ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے کہ ربیعہؓ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ اندھیری رات میں بحالت سفر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے نماز کے وقت یہ نہ جانا کہ قبلہ کس طرف ہے ہر شخص نے اپنے خیال کے موافق نماز ادا کی جب صبح کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے اس کا ذکر کیا تو یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾
بے شک اللہ بے انتہا بخشش کرنیوالا سب کچھ جاننے والا ہے

بندوں کے نفع نقصان کو اللہ خوب جانتا ہے:

یعنی اس کی رحمت سب جگہ عام ہے ایک مکان کے ساتھ مخصوص نہیں اور بندوں کے مصالح اور ان کی نیتوں کو اور ان کے اعمال کو سب کو خوب جانتا ہے کہ بندوں کے حق میں کون سی شے مفید ہے اور کون سی مضر اسی کے موافق حکم دیتا ہے اور جو اس کی موافقت کرے گا اس کو جزا اور مخالف کو سزا دے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کونسی وسعت مراد ہے:

اللہ تعالیٰ اپنے نور سے تمام اشیاء اور مشارق و مغارب کو محیط ہے اور وہ احاطہ کسی خاص کیفیت پر نہیں اور نہ اس کی حقیقت دریافت ہو سکتی ہے امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ حقیقت الصلوٰۃ میں تحریر فرماتے ہیں کہ اس وسعت سے مراد ذاتی وسعت بلا کیفیت ہے اور اس کی کنہ مدرک نہیں ہو سکتی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا
اور کہتے ہیں کہ اللہ رکھتا ہے اولاد وہ تو سب باتوں سے پاک ہے
فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾
بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمان اور زمین میں سب اسی کے تابعدار ہیں
بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى
نیا پیدا کرنیوالا ہے آسمان اور زمین کا اور جب حکم کرتا ہے کسی
اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾
کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے

اللہ اولاد سے پاک ہے:

یہود حضرت عزیر کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کی ذات سب باتوں سے پاک ہے بلکہ سب کے سب اس کے مملوک اور مطیع اور مخلوق ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اس آیت کی تفسیر کرنے والی حدیث:

اس آیت کی تفسیر میں صحیح بخاری کی ایک قدسی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مجھے ابن آدم جھٹلاتا ہے اسے یہ لائق نہ تھا مجھے وہ گالیاں دیتا ہے اسے یہ نہیں چاہئے تھا اس کا جھٹلانا تو یہ ہے کہ وہ خیال کر بیٹھتا ہے کہ میں اسے مارڈالنے کے بعد پھر زندہ کرنے پر قادر نہیں ہوں اور اس کا گالیاں دینا یہ ہے کہ وہ میری اولاد بتاتا ہے حالانکہ میں پاک ہوں اور بلند و بالا ہوں اس سے کہ میری اولاد اور بیوی ہو یہی حدیث دوسری سندوں سے اور کتابوں میں بھی باختلاف الفاظ مروی ہے صحیحین میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بری باتیں سن کر صبر کرنے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی نہیں لوگ اس کی اولاد یں بتائیں اور وہ انہیں رزق عافیت دیتا رہے۔

بدعت:

حدیث میں ہے ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے یہ تو ہوئی شرعی بدعت کبھی بدعت کا اطلاق صرف لغتہ ہوتا ہے شرعاً مراد نہیں ہوتی جیسے حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نماز تراویح پر جمع کر کے پھر اسے اسی طرح جاری دیکھ کر فرمایا تھا اچھی بدعت ہے۔

نکتہ: عیسائیوں کو نہایت لطیف پیرایے سے یہ بھی سمجھا دیا گیا کہ حضرت عیسیٰ بھی اسی کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں دوسری جگہ صاف صاف فرمادیا:

﴿اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ﴾

﴿معارف مفتی اعظم﴾

وجود سے پہلے خطاب کس طرح درست ہے:

اس شے کا وجود چونکہ مقدر تھا اس لئے گویا وہ وقت خطاب میں موجود تھی اس طرح خطاب صحیح ہو گیا اور ابن انباری نے کہا ہے کہ یَقُوْلُ لَهٗ کے معنی یہ ہیں کہ اس کو پیدا کرنے کے لئے یوں فرماتا ہے یہ مطلب نہیں کہ خود اس کو فرمان دیتا ہے ان کی شہادت تحمید و تسبیح صاحب دل دل کے حواس سے سمجھتے ہیں اور ان ہی حواس سے ان کی حیات انہیں معلوم ہوئی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اللہ تعالیٰ کے اولاد سے مستغنی ہونے کی دلیل:

اگر بیٹا باپ کے ہم جنس نہ ہو تو پھر وہ بیٹا اس باپ کا فرزند نہ ہوگا نیز بیٹے کا باپ کے ہم جنس نہ ہونا ایک عیب ہے اور اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے نیز باپ اولاد کا محتاج ہوتا ہے اور اولاد سے پہلے بیوی کا محتاج ہوتا ہے کہ اولاد بغیر زوجہ کے ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ صمد یعنی بے نیاز ہے کسی کا محتاج نہیں نیز ولادت کے لئے تغیر اور تبدل اور تجزی اور انقسام لازمی ہے اور یہ خاصہ ممکن اور حادث کا ہے قدیم میں کوئی تغیر اور تبدل نہیں ہوتا نیز اگر بالفرض خدا تعالیٰ کے لئے فرزند ہو تو دو حال سے خالی نہیں کہ وہ فرزند بھی خدا اور واجب لذاتہ ہوگا یا نہیں اگر وہ فرزند خدا ہوا تو لامحالہ مستقل ہوگا اور باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا اس لئے کہ خدائی کے لئے بے نیازی لازمی ہے حالانکہ بیٹے کا باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہونا عقلاً محال ہے بیٹے کا وجود ہی باپ سے ہوا ہے اور جب بیٹا خدا ہونے کی وجہ سے باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا تو پھر اس کو باپ سے کوئی تعلق بھی نہ ہوگا اور بیٹے کا باپ سے بے تعلق ہونا ناممکن ہے اس لئے کہ فرع کا اصل سے بے تعلق ہونا عقلاً محال ہے علاوہ ازیں جب بیٹا باپ سے مستغنی اور بے نیاز ہوگا تو باپ خدا نہ رہے گا اس لئے کہ خدا سے کوئی مستغنی نہیں ہوسکتا وہ خدا ہی کیا ہوا کہ جس سے کوئی مستغنی اور بے نیاز ہو سکے اور اگر یہ کہو کہ وہ بیٹا خدا اور واجب الوجود نہیں تو لامحالہ وہ خدا کا پیدا کیا ہوا ہوگا اور اس کا عبد اور مملوک ہوگا لہٰذا فرزند کا عبد اور مملوک ہونا لازم آئے گا اور بیٹا عبد اور مملوک نہیں ہوتا جیسا کہ آئندہ آیت میں ارشاد ہے:

﴿بَلْ لَّهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾

”یعنی اس کے لئے کوئی اولاد نہیں بلکہ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں خاص اسی کی مملوک ہیں اور ملکیت اور ابنیت جمع نہیں ہوسکتی اس لئے کہ یہ امر ظاہر ہے کہ مملوک اور مخلوق مالک اور خالق کے ہم جنس نہیں اور فرزند باپ کے ہم جنس ہوتا ہے اسی وجہ سے شریعت میں یہ مسئلہ ہے کہ جو شخص اپنے بیٹے یا کسی قریبی رشتہ دار کا مالک بن جائے تو وہ فوراً آزاد ہو جاتا ہے اس لئے کہ فرزندیت اور عبدیت میں تباین کلی اور منافات تامہ ہے پس جبکہ بندوں میں فرزندیت اور عبدیت جمع نہیں ہوسکتی تو بارگاہ الوہیت میں یہ دونوں چیزیں کیسے جمع ہوسکتی ہیں اور علاوہ مملوک ہونے کے آسمان و زمین کے رہنے والے تمام کے تمام جن میں فرشتے اور حضرت عزیر اور حضرت مسیح بھی داخل ہیں سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار ہیں بعضے برضا و رغبت جیسے فرشتے اور انبیاء کرام اور مومنین صالحین اور بعضے جبراً و قہراً جیسے شیاطین اور کفار و فجار یہ کسی کی مجال نہیں کہ اس کے ارادہ اور مشیت کو ٹال سکے اور اس کے حکم سے سرتابی کر سکے اور کافر و فاجر جو ظاہراً اس کی معصیت کرتے ہیں وہ تکوینی اور باطنی طور پر اللہ ہی کے ارادہ اور مشیت سے کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت اور مصلحت سے ان کو معصیت کرنے کی قدرت دی ہے ورنہ

اگر وہ قدرت نہ دیتا تو کوئی معصیت نہ کرسکتا غرض یہ کہ تمام موجودات اسی کے قبضہ تصرف میں ہیں جس کو چاہے مارے اور جس کو چاہے جلائے کوئی اس کے تصرف سے باہر نہیں نکل سکتا اور جس کی یہ شان ہو اس کا کوئی ہم جنس اور مماثل نہیں ہوسکتا اور بیٹے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ باپ کے ہم جنس ہو اور عجب نہیں کہ (كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ) سے الزام مقصود ہو کہ جن کو تم خدا کا بیٹا اور اولاد کہتے ہو وہ سب اللہ کی عبودیت کے متصرف اور مقر ہیں اور ہر وقت اسی کی تسبیح و تنزیہ میں لگے رہتے ہیں پھر تم ان کو خدا کی اولاد کس طرح بتلاتے ہو نیز ولادت کے لئے مادہ اور مدت اور آلات اور اسباب کی ضرورت ہے اور خدا کی شان یہ ہے کہ وہ بدیع السموت والارض یعنی بغیر مادہ کے آسمان اور زمین کا موجد ہے محض اپنی قدرت سے تمام کائنات کو پردہ عدم سے نکال کر مسند وجود پر لا بٹھلایا ہے پس اگر حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کردے تو اس کے لئے مشکل نہیں اور اللہ تعالیٰ اپنی ایجاد میں کسی مادہ اور مدت اور کسی آلہ اور سبب کا محتاج نہیں اس لئے کہ وہ جب کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو اس کو کُن کا حکم دیتا ہے یعنی موجود ہو جا پس وہ شئی فوراً موجود ہو جاتی ہے اور فرشتے اور حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ سب اسی طریقہ سے پیدا ہوئے اور ظاہر ہے کہ اس طریقہ سے پیدا ہونے کا نام کسی کے نزدیک ولادت نہیں پھر کیوں ان کو خدا کی اولاد بتاتے ہو نیز عیسیٰ علیہ السلام میں یہ قدرت نہ تھی کہ وہ کلمہ کُنْ سے کسی کو پیدا کرسکیں اور بقول نصاریٰ وہ تو اپنی جان بھی یہود کے ہاتھ سے نہ بچاسکے اور نہ دشمنوں پر غلبہ پاسکے تو پھر وہ خدا کیسے ہوئے۔

حق تعالیٰ کی ایجاد کا طریقہ:

حق تعالیٰ کی ایجاد کا طریقہ یہ ہے کہ جس چیز کو (کُنْ) فرمادیتے ہیں وہ اسی وقت موجود ہو جاتی ہے اور اس کا نام ولادت نہیں یا یوں کہو کہ یہ تمام صفات کمال خداوند ذوجلال کے ساتھ مختص ہیں کسی فرشتہ اور نبی میں یہ صفات نہیں پائی جاتی خدا کے سوا نہ کوئی آسمان اور زمین کے ایک ذرہ کا مالک ہے اور نہ ایک مچھر کے پر کی ایجاد اور تخلیق پر قادر ہے پھر کس طرح خدا کے فرزند ہوئے (پانچویں) یہ کہ اولاد ہمیشہ باپ کا جز ہوتا ہے اور جز کسی مرکب کا ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ ترکیب سے پاک ہے۔

ابن اللہ کا معنی محبوب خدا بھی نہیں ہوسکتا:

اگر ابن اللہ سے خدا کے محبوب اور برگزیدہ کے معنے مراد ہیں تو پھر عیسیٰ علیہ السلام کی کیا خصوصیت سارے ہی انبیاء خدا کے محبوب اور برگزیدہ بندے ہیں ابن اللہ کا اطلاق محبوب اور برگزیدہ کے معنی میں اگر چہ کفر اور شرک نہیں لیکن کفر اور شرک کا ابہام اس میں ضرور ہے جیسے غیر اللہ کو سجدہ بہ نیت تعظیم وتحیت کفر نہیں بلکہ حرام ہے اسی طرح شریعت محمدیہ میں سجدہ تحیت و تعظیم کی طرح اس لفظ کے اطلاق ہی کو ممنوع قرار دیا۔ بارگاہ خداوندی کے آداب کے خلاف ہے کہ زبان سے کوئی لفظ ایسا نکالا جائے جس میں خدا تعالیٰ کی تنزیہ و تقدیس کے خلاف کا ابہام بھی ہوتا پادری صاحبان جب بالکل ہی لاچار ہو جاتے ہیں تو یہ کہنے لگتے ہیں کہ یہ مسئلہ سر الٰہی اور رمز خداوندی ہے ہم اس کے سمجھانے سے قاصر ہیں لیکن اب اس صریح خلاف عقل عقیدہ کے ماننے والے بہت ہی کم رہ گئے ہیں سوائے ان پادریوں کے کہ جن کو مشن سے تنخواہ ملتی ہے وہ حضرت مسیح کو خدا اور خدا کا بیٹا بتلاتے ہیں باقی یورپ اور ایشیا کے اکثر عیسائی حضرت مسیح کو خدا کا بندہ اور رسول سمجھنے لگے ہیں خدا کا شکر ہے کہ قرآن کریم کی ساڑھے تیرہ سو برس کی مسلسل پکار کے بعد بنی اسرائیل کی بھیڑوں کی سمجھ میں آیا کہ ابنیت اور تثلیث کا عقیدہ عقل اور نقل دونوں ہی کے خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ کا امر تسخیری اور تکوینی:

یہ امر تسخیری اور تکوینی ہے جس سے معدوم کو موجود کیا جاتا ہے ذات انسانی میں اصل فاعل مختار اس کا اندرونی نفس ناطقہ ہے اور اعضاء اور جوارح اس کے حکم پر حرکت کرتے ہیں نفس ناطقہ جب زبان کو بولنے کا حکم دیتا ہے تو زبان سے وہ کلمات ظہور اور وجود میں آنے لگتے ہیں کہ پہلے سے جن کا وجود خارج میں کہیں نام و نشان نہ تھا اور نفس ناطقہ قدم کو چلنے کا حکم دیتا ہے جس سے وہ حرکات ظہور میں آتی ہیں جو پہلے سے معدوم تھیں مگر نفس ناطقہ کے علم اور تصور میں تھیں۔

اسی طرح سمجھو کہ جو ممکنات خارج میں معدوم ہیں وہ سب علم الٰہی میں موجود ہیں جس معدوم کو حق تعالیٰ اپنے خزانہ علم سے نکال کر خارج میں موجود کرنا چاہتے ہیں اس کو کُن کا خطاب فرماتے ہیں اس طرح وہ معدوم وجود علمی سے نکل کر وجود خارجی میں آجاتا ہے خدا تعالیٰ کو ہر شدنی امر کا اس کے ہونے سے پہلے اس کا علم ہوتا ہے اس لئے وہ چیزیں جو ابھی عدم سے وجود میں نہیں آئی ہیں وہ سب اس کے علم میں موجود ہیں اور اس کے نزدیک موجود کا حکم رکھتی ہیں اس لئے جب وہ ان کو عدم سے وجود کی طرف نکلنے کا حکم دیتا ہے اور کُن کہتا ہے تو موجود ہو جاتی ہیں مطلب یہ کہ اس معدوم کی صورت علم الٰہی میں پہلے سے موجود ہوتی ہے وہ کُنْ کا مخاطب اور محکوم ہوتی ہے۔

اشاعرہ اور ماتریدیہ کا موقف:

متکلمین کے دو گروہ ہیں ایک اشاعرہ اور ایک ماتریدیہ ماتریدیہ کے

نزدیک یہ آیت اپنے ظاہر اور حقیقت پر ہے اور اشاعرہ کے نزدیک یہ آیت مجاز اور تمثیل پر محمول ہے قاضی بیضاوی نے اسی کو اختیار فرمایا کہ آیت میں حقیقۃً کسی شے کو کُنْ کا خطاب کرنا مراد نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شے کو حقیقۃً امر فرمایا ہو اور اس نے امتثال کیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال قدرت کی یہ ایک مثال دی ہے کہ جس طرح کوئی آمر کسی مامور کو حکم دے وہ فوراً مطیع ہو جائے اسی طرح جب ہم کسی شے کو پیدا کرنا چاہتے ہیں وہ شے فوراً موجود ہو جاتی ہے ہمارے ارادہ اور پیدائش میں ذرہ برابر فاصلہ نہیں ہوتا۔ (معارف کاندھلوی)

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا
اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم
اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ
سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی آیت

جاہلوں کا اشکال:

یعنی اہل کتاب اور بت پرستوں میں جو جاہل ہیں وہ سب کہتے ہیں کہ "اللہ ہم سے بلاواسطہ بات کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشانی کیوں نہیں بھیجتا کہ رسالت کی تصدیق کر لیں۔ (تفسیر عثمانی)

كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ
اسی طرح کہہ چکے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہی کی سی بات
قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ
ایک سے ہیں دل ان کے بے شک ہمنے بیان کر دیں نشانیاں
لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
ان لوگوں کے واسطے جو یقین لاتے ہیں

یقین والے ایسا نہیں کہہ سکتے:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "پہلے لوگوں نے بھی ایسی ہی جہالت کی بات کہی تھی یہ نئی بات نہیں اور جو یقین لانے والے ہیں ان کے لئے ہم نے نبی کے برحق ہونے کی نشانیاں بیان کر دی ہیں۔ اور جو ضد اور عداوت پر اڑ رہے ہیں وہ انکار کریں تو یہ محض عناد ہے ان کا۔" (تفسیر عثمانی)

جاہلوں کی نالائقی:

باوجود اپنے کمال نالائقی کے اپنے کو خدا تعالیٰ کی ہم کلامی کا اہل سمجھتے ہیں۔ تم تو دنیاوی بادشاہوں اور امیروں کی ہم کلامی کا بھی رتبہ نہیں رکھتے اگر ہر شخص خدا کی ہم کلامی کا رتبہ رکھتا تو پھر انبیاء اور مرسلین کے بھیجنے کی ضرورت کیا تھی کیا دنیا میں کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ میں وزیر کے حکم کو نہیں مانوں گا جب تک کہ بادشاہ خود بالمشافہ مجھ سے آ کر یہ نہ کہہ دے کہ یہ میرا وزیر ہے تم اس کی اطاعت کرنا۔

ہر دَور کے کافروں میں مشابہت ہوتی ہے:

کافر اگرچہ پہلے زمانہ کے کافروں سے بہت بعید ہیں اور آپس میں کوئی سلسلہ وصیت بھی نہیں مگر قلوب سب کے ہم رنگ ہیں اسی وجہ سے شبہات میں بھی تشابہ اور ہم رنگی ہے اور آیات اور معجزات کے انکار میں ایک دوسرے کے قدم بقدم ہیں اور من مانے معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں سو اس کا جواب یہ ہے کہ تم تو (اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ) کہہ کر ایک نشانی مانگتے ہو۔ ایک نشانی نہیں تحقیق ہم آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کیلئے صدہا بلکہ ہزار واضح اور روشن نشانیاں ظاہر کر چکے ہیں مثلاً شجر اور حجر کا آپ کو سلام کرنا اور جانوروں کا آپ کی نبوت کی شہادت دینا وغیرہ وغیرہ۔

اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا
بیشک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دیکر خوشخبری دینے والا اور ڈرانے
تُسْــَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾
والا اور تجھ سے پوچھ نہیں دوزخ میں رہنے والوں کی

یعنی تجھ پر الزام نہیں کہ ان کو مسلمان کیوں نہیں کیا۔ (تفسیر عثمانی)

اب جو حضور پر ایمان نہ لائے وہ جہنمی ہے:

صحیح حدیث میں ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس امت میں سے جو بھی مجھے سنے خواہ یہودی ہو خواہ نصرانی ہو پھر مجھ پر ایمان نہ لائے وہ جہنم میں جائے گا۔

تورات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف:

مسند احمد میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حضرت عطاء بن یسارؒ نے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت وثنا توراۃ میں کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا ہاں خدا کی قسم جو صفتیں

آپ کی قرآن میں ہیں وہی توراۃ میں بھی ہیں' توراۃ میں ہے کہ اے نبی! ہم نے تجھے گواہ اور خوشخبریاں دینے والا اور ڈرانے والا اور ان پڑھوں کا بچاؤ بنا کر بھیجا ہے تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے' میں نے تیرا نام متوکل رکھا ہے تو نہ بدزبان ہے نہ سخت گو نہ بدخلق نہ بازاروں میں شور وغل کرنے والا ہے' نہ وہ برائی کے بدلے برائی کرنے والے ہیں بلکہ معاف اور درگزر کرنے والے ہیں' اللہ تعالیٰ انہیں دنیا سے نہ اٹھائے گا جب تک کہ تیرے دین کو ان کی وجہ سے بالکل ٹھیک اور درست نہ کردے اور لوگ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار نہ کرلیں اور ان کی اندھی آنکھیں کھل نہ جائیں اور ان کے بہرے کان سننے نہ لگ جائیں اور ان کے زنگ آلود دل صاف نہ ہو جائیں۔ بخاری کی کتاب البیوع میں بھی یہ حدیث ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

دیکھو امام بخاری نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے اولاد آدم کے سب قرنوں میں بہترین اور افضل ترین قرن میں پیدا کیا گیا۔ اور فرمایا کہ جب کبھی کسی گروہ کے دو ٹکڑے ہوئے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں سے کیا جو بہتر ٹکڑا تھا حتیٰ کہ میں اپنے والدین سے پیدا ہوا اور جاہلیت کی ناپاکیوں میں سے کوئی ناپاکی مجھے نہیں لگی اور میں آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے ماں باپ تک نکاح سے پیدا ہوا ہوں' زنا سے نہیں پیدا ہوا ہوں۔ اس لئے میں اپنی ذات سے اور باعتبار آباؤ اجداد کے تم سے بہتر ہوں اس حدیث کو بیہقی نے دلائل نبوت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اور ابونعیم نے اپنی کتاب میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے اور شیخ اجل شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدین شریفین کے اسلام کے بارہ میں چند رسائل تصنیف کئے ہیں۔ میں نے ان رسائل میں سے ایک رسالہ اخذ کیا ہے اس میں دلائل اور اعتراضات واردہ کے شافی جوابات لکھے ہیں۔ فلہ الحمد۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى

اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ

حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ

جب تک تو تابع نہ ہو ان کے دین کا

یہود و نصاریٰ سے موافقت کی امید نہ رکھو:

یعنی یہود اور نصاریٰ کو امر حق سے سروکار نہیں۔ اپنی ضد پر اڑ رہے ہیں وہ کبھی تمہارا دین قبول نہ کریں گے۔ بالفرض اگر تم ہی ان کے تابع ہو جاؤ تو خوش ہو جاویں گے اور یہ ممکن نہیں تو اب ان سے موافقت کی امید نہ رکھنی چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ

تو کہہ دے جو راہ اللہ بتلادے وہی راہ سیدھی ہے

اب اسلام ہی معتبر ہے:

یعنی ہر زمانہ میں معتبر وہی ہدایت ہے جو اس زمانہ کا نبی لائے سو اب وہ طریقہ اسلام ہے نہ طریقہ یہود و نصاریٰ۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ

اور اگر بالفرض تو تابعداری کرے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم

مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا

کے جو تجھ کو پہنچا تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنیوالا

نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾

اور نہ مددگار

اگر کوئی قرآن کو سمجھ کر بھی گمراہ ہوگا تو اُسے کوئی عذاب سے نہ بچا سکے گا

یہ بات بطریق فرض ہے۔ یعنی بالفرض اگر آپ ایسا کریں تو قہر الٰہی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ یا منظور تنبیہ ہے امت کو کہ اگر کوئی مسلمان ہو کر قرآن کو سمجھ کر دین سے پھرے گا تو اس کو عذاب سے کوئی نہ چھڑا سکے گا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ

وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب وہ اس کو پڑھتے ہیں جو حق ہے

تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ

اس کے پڑھنے کا وہی اس پر یقین لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہوگا

بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾

اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں

یہودیوں میں کچھ منصف لوگ:

یہود میں تھوڑے آدمی منصف بھی تھے کہ اپنی کتاب کو پڑھتے تھے سمجھ کر وہ قرآن پر ایمان لائے (جیسے حضرت عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی) یہ آیت انہی لوگوں کے بارہ میں ہے یعنی انہوں نے توریت کو غور سے پڑھا انہی کو ایمان نصیب ہوا اور جس نے انکار کیا کتاب کا یعنی اس میں تحریف کی وہ خائب وخاسر ہوئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جماعت حقہ:

حدیث شریف میں ہے میری امت کی ایک جماعت حق پر جم کر دوسروں کے مقابلہ میں رہے گی اور غلبہ کے ساتھ رہے گی یہاں تک کہ قیامت آئے۔ ﴿ابن کثیر﴾

حق تلاوت:

فرض کرو کہ ایک بادشاہ اپنے فرمان کو اپنے سامنے پڑھنے کا حکم دے تو اس وقت یہ حالت ہوگی کہ ہر لفظ کو سنبھل سنبھل کر اور صاف صاف ادا کرو گے۔ اور معنی اور مفہوم کی طرف بھی پوری توجہ ہوگی اور دل میں یہ پختہ ارادہ ہوگا کہ اس فرمان میں جس قدر بھی احکام ہیں حرف بحرف ان کی تعمیل کروں گا۔ اور پڑھتے وقت دربارشاہی کے آداب سے بھی ذرہ برابر غفلت نہ ہوگی اسی طرح تلاوت قرآن کو سمجھو کہ ہم اللہ رب العالمین کے سامنے پڑھ رہے ہیں ایک ایک لفظ کو صاف صاف ادا کرو۔ یہ ترتیل اور تجوید ہے اور اس کے اتباع اور تعمیل کے عزم بالجزم کا نام ایمان اور طاعت ہے اسی وجہ سے:

"(أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ) فرمایا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے:

"(الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ) کی تفسیر میں منقول ہے کہ تلاوت کا حق یہ ہے کہ جب قرآن کی تلاوت کرتے وقت جنت کے ذکر پر گزرے تو اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کرے اور جب آگ کے ذکر پر گزرے تو خدا سے پناہ مانگے کہ اے اللہ اس سے محفوظ رکھنا (ابن ابی حاتم) ﴿معارف کاندھلوی﴾

يَٰبَنِيٓ إِسْرَٰٓءِيلَ ٱذْكُرُوا۟ نِعْمَتِيَ ٱلَّتِيٓ أَنْعَمْتُ
اے بنی اسرائیل یاد کرو احسان ہمارے جو ہم نے
عَلَيْكُمْ وَأَنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿۴۷﴾
تم پر کئے اور اس کو کہ ہم نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر'

وَٱتَّقُوا۟ يَوْمًا لَّا تَجْزِى نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْـًٔا
اور ڈرو اس دن سے کہ نہ کام آوے کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی
وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنفَعُهَا شَفَٰعَةٌ
اور نہ قبول کیا جاوے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ کام آوے اس
وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۴۸﴾
کو سفارش اور نہ ان کو مدد پہنچے

مقصود قصہ:

بنی اسرائیل کو جو باتیں شروع میں یاد دلائی گئی تھیں اب ان کے سب حالات ذکر کرنے کے بعد پھر وہی امور بغرض تاکید وتنبیہ یاد دلائے گئے کہ خوب دل نشین ہوجائیں اور ہدایت قبول کرلیں اور معلوم ہوجائے کہ اصل مقصود اس قصہ سے یہ ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَإِذِ ٱبْتَلَىٰٓ إِبْرَٰهِۦمَ رَبُّهُۥ بِكَلِمَٰتٍ
اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے کئی باتوں میں

حضرت ابراہیمؑ کا امتحان:

جیسے حج کے افعال اور ختنہ اور حجامت اور مسواک وغیرہ سو حضرت ابراہیم علیہ السلام ان احکام کو اللہ کے ارشاد کے موافق اخلاص کے ساتھ بجالائے اور سب کو پوری طرح سے ادا کیا جس پر لوگوں کے پیشوا بنائے گئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مثلاً احکام حج' موچھوں کو کم کرنا' کلی کرنا' ناک صاف کرنا' مسواک کرنا' سر کے بال منڈوانا یا رکھوانا مانگ نکالنا' ناخن لینا' زیرناف کے بال لینا' ختنہ کرانا' بغل کے بال لینا' پیشاب خانہ کے بعد استنجا کرنا' جمعہ کے دن غسل کرنا' طواف کرنا' صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا' رمی جمار کرنا' طواف افاضہ کرنا۔

ان کلمات کو پورا کرنے کی جزا میں انھیں امامت کا درجہ ملا۔

حضرت ابراہیم کی اوّلیات:

موطاء وغیرہ میں ہے کہ سب سے پہلے ختنہ کرانے والے سب سے پہلے مہمان نوازی کرنے والے سب سے پہلے ناخن کٹوانے والے سب سے پہلے موچھیں پست کرنے والے سب سے پہلے سفید بال دیکھنے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہی ہیں سفید بال دیکھ کر پوچھا کہ خدایا

یہ کیا ہے؟ جواب ملا وقار وعزت ہے۔ کہنے لگے پھر تو خدایا اسے اور زیادہ کر۔ سب سے پہلے منبر پر خطبہ کہنے والے سب سے پہلے قاصد بھیجنے والے سب سے پہلے تلوار چلانے والے سب سے پہلے مسواک کرنے والے سب سے پہلے پانی کے ساتھ استنجا کرنے والے سب سے پہلے پائجامہ پہننے والے حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں۔

فطرت کی دس باتیں:

صحیح مسلم شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے دس باتیں فطرت کی اور اصل دین کی ہیں، موچھیں کم کرنا، ڈاڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، ناک میں پانی دینا، ناخن لینا، پوریاں دھونی، بغل کے بال لینا، زیرناف کے بال لینا، استنجا کرنا، راوی کہتا ہے میں دسویں بات بھول گیا، شاید کلی کرنا تھی، صحیحین میں ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پانچ باتیں فطرت کی ہیں، ختنہ کرانا، موئے زہار لینا، موچھیں کم کرانا، ناخن لینا، بغل کے بال لینا۔ (تفسیر مظہری)

تیس خصلتیں:

عکرمہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ کلمات سے مراد تیس خصلتیں ہیں کہ وہ سب اسلام کے شرائع ہیں۔ کسی نے سوائے ابراہیم علیہ السلام کے انھیں پورا نہیں کیا اور اسی واسطے ان کے لئے جہنم کی آگ سے برأت لکھی گئی چنانچہ دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے آزمائش میں پورے اترنے کو اس طرح تعبیر فرمایا (وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰى)۔ (ابراہیم جس نے پورا کیا) اب ہم ان تیس خصلتوں کو مفصل بیان کرتے ہیں۔ دس سورہ براءۃ میں ہیں یعنی یہ لوگ توبہ کرنے والے عبادت گزارثنا کرنے والے اللہ کی راہ میں سفر کرنے والے رکوع سجدہ کرنے والے نیک کام کو کہنے والے اور برے کام سے منع کرنے والے اور تھامنے والے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں کے ہیں اور مژدہ سناوے مسلمانوں کو۔ اور دس سورہ احزاب میں ہیں۔

یعنی بے شک مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں اور ایماندار مرد اور ایماندار عورتیں اور فرماں بردار مرد اور فرماں بردار عورتیں اور سچے مرد اور سچی عورتیں اور صابر مرد اور صابرہ عورتیں اور عاجزی کرنے والے مرد اور عاجزی کرنے والی عورتیں اور خیرات کرنے والے مرد اور خیرات کرنے والی عورتیں اور روزہ رکھنے والے مرد اور روزہ رکھنے والی عورتیں اور اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں۔ اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والے مرد اور ذکر کرنے والی عورتیں اور دس سورہ مومنون اور سأل سائل میں ہیں۔ (تفسیر مظہری)

تفسیر کلمات ابتلاء:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جن کلمات سے اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو آزمایا وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) اپنی قوم سے مفارقت کرنا اور برأت یعنی کفر کی وجہ سے ان سے برأت اور بیزاری اور قطع تعلق کرنا۔ (۲) خدا کیلئے مناظرہ کرنا (۳) آگ میں ڈالے جانے پر صبر کرنا (۴) وطن سے ہجرت کرنا اور مجمع عشائر واقارب کو چھوڑ کر نکل جانا (۵) مہمان نوازی (۶) ذبح ولد پر تیار ہو جانا اخرجہ ابن اسحٰق وابن ابی حاتم عن ابن عباس (درمنشور ص۱۱۱ ج۱) اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک دوسری روایت میں ہے کہ وہ کلمات کہ جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو آزمایا وہ دس خصال فطرت ہیں پانچ تو ان میں سے سر میں ہیں اور وہ یہ ہیں (۱) موچھیں کتروانا (۲) مضمضہ یعنی کلی کرنا (۳) استنشاق یعنی ناک میں پانی ڈالنا (۴) مسواک کرنا (۵) سر میں مانگ نکالنا اور پانچ خصلتیں باقی بدن کے متعلق ہیں اور وہ یہ ہیں۔ (۱) ناخن ترشوانا (۲) بغل کے بال لینا (۳) موئے زیرناف مونڈنا (۴) ختنہ کرنا (۵) بول وبراز کی جگہ کو پانی سے دھونا یعنی پانی سے استنجاء کرنا اور ایک روایت میں غسل جمعہ اور طواف بیت اللہ اور سعی ما بین الصفا والمروہ اور رمی جمار اور طواف افاضہ کا ذکر ہے اور صحیح مسلم میں عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دس چیزیں فطرت سے ہیں۔ (۱) مونچھوں کا کتروانا اور (۲) ڈاڑھی کا بڑھانا اور (۳) مسواک کرنا اور (۴) ناک میں پانی ڈالنا اور (۵) ناخنوں کا کتروانا اور (۶) براجم یعنی جوڑوں کا دھونا اور (۷) بغل کے بال لینا اور (۸) موئے زیرناف کا حلق کرنا اور (۹) پانی سے استنجاء کرنا راوی کہتے ہیں کہ دسویں خصلت میں بھول گیا شاید وہ مضمضہ ہو اور ابن عباس رضی اللہ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ کلمات سے وہ تیس خصلتیں مراد ہیں کہ جو شرائع اسلام اور سہام اسلام کے نام سے موسوم ہیں دس ان میں سے سورۂ براءت میں مذکور ہیں (۱) توبہ (۲) عبادت (۳) حمد وثناء (۴) سیاحت (۵) رکوع (۶) سجود (۷) امر بالمعروف (۸) ونہی عن المنکر (۹) محافظۂ حدود (۱۰) ایمان اور دس ان میں سے سورۂ احزاب میں مذکور ہیں (۱) اسلام (۲) ایمان (۳) قنوت (۴) صدق (۵) صبر (۶) خشوع (۷) صدقہ ونیاز (۸) روزہ رکھنا۔ (۹) شرمگاہ کی حفاظت کرنا (۱۰) کثرۃ ذکر اللہ اور دس خصلتیں ان میں سے سورۂ مؤمنین اور سأل

سائل میں مذکور ہیں ایمان بیوم الجزاء خوف وخشیت از عذاب خداوندی' خشوع نماز' محافظت آداب وسنن نماز لغو بات سے اعراض واحتراز' اداء زکوٰۃ بطیب خاطر' غیر منکوحہ اور غیر مملوکہ سے شرمگاہ کی حفاظت ایفاء عہد ادا' امانت اور شہادت کلمات کی تفسیر میں اس کے علاوہ اور بھی کچھ اقوال ہیں۔ جو تفسیر درمنثور کی مراجعت سے معلوم ہو سکتے ہیں اور آیت قرآنیہ میں لفظ کلمات سب کو شامل ہے جائز ہے کہ سب مراد ہوں یا بعض مراد ہوں لیکن ایک ابن عباس رضی اللہ عنہ ہی سے مختلف روایات کا آنا اس سے عموم ہی معلوم ہوتا ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ علم۔ ﴿تفسیر معارف کاندھلوی﴾

فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا
پھر اس نے وہ پوری کیں تب فرمایا میں تجھ کو کروں گا سب لوگوں کا پیشوا☆

﴿یعنی تمام انبیاء تیری متابعت پر چلیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قَالَ وَمِن ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي
بولا اور میری اولاد میں سے بھی فرمایا نہیں پہنچے گا میرا اقرار
الظَّالِمِينَ ۝
ظالموں کو

بنی اسرائیل کے غرور کا علاج:

بنی اسرائیل اس پر بہت مغرور تھے کہ ہم اولاد ابراہیم میں ہیں اور اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے وعدہ کیا ہے کہ نبوت اور بزرگی تیری اولاد میں رہے گی اور ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین پر ہیں۔ اور ان کے دین کو سب مانتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ ان کو سمجھاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ تھا وہ ان سے تھا جو نیک راہ پر چلیں اور حضرت ابراہم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے' ایک مدت تک حضرت اسحق کی اولاد میں پیغمبری اور بزرگی رہی اب حضرت اسمٰعیل کی اولاد میں پہنچی (اور انہوں نے دونوں بیٹوں کے حق میں دعا کی تھی) اور فرماتا ہے کہ دین اسلام ہمیشہ ایک ہے سب پیغمبر اور سب امتیں اس پر گزریں (وہ یہ کہ جو حکم اللہ بھیجے پیغمبر کے ہاتھ اس کو قبول کرنا) اب یہ طریقہ مسلمانوں کا ہے اور تم اس سے پھرے ہوئے ہو۔ پہلے آیات میں اپنے انعامات بتلائے تھے اب ان کے اس شبہ کو دفع کیا کہ بنی اسرائیل اپنے آپ کو سارے عالم کا امام اور متبوع اور سب سے افضل سمجھ کر کسی کا اتباع نہ کرتے تھے۔

فائدہ: بنی اسرائیل کے واقعات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر اور ان کی منقبت مذکور ہوئی اب ان کے ذکر کے ذیل میں خانہ کعبہ کی حالت اور فضیلت ان آیات میں ذکر فرمائی اور ان کے ضمن میں یہود ونصاریٰ پر الزامات بھی ہیں جیسا کہ مفسرین نے ذکر کیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ایک لطیف نکتہ:

ابوحیان فرماتے ہیں کہ بنی اسرائیل کو اس سورت میں تین مرتبہ یا بنی اسرائیل کے معزز خطاب سے مخاطب فرمایا اور اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام کے اولاد ہونے کی حیثیت سے ان کو اپنے خطاب سے مشرف اور سرفراز فرمایا اور اس نسبت کو یاد دلا کر شکر اور اطاعت کی دعوت دی لیکن بنی اسرائیل نے جب اسناد اور خطاب کے شرف کو ملحوظ نہ رکھا تو حق تعالیٰ نے ان سے اعراض فرمایا اور تین مرتبہ کے بعد ان کو مخاطب نہیں بنایا۔ ﴿معارف القرآن﴾

دورِ نبوی کے یہودیوں سے خطاب:

پس تم کو چاہیئے کہ اب اسی نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ کہ جو ابراہیم اور اسمٰعیل کی اولاد میں سے ہے اور اس کا ظہور اور اس کی بعثت دعاء ابراہیمی کی برکت اور ثمرہ ہے اور اس نبی پر ایمان لا کر امت مسلمہ میں داخل ہو جاؤ اور دل وجان سے اس کی اطاعت کرو تاکہ تم کو بھی بقدر اطاعت اس برکت میں سے کچھ حصہ ملے اور ابراہیم خلیل اللہ کی طرح اسلام اور اطاعت اور وفاداری اور محبت اور جاں نثاری کا داغ اپنے جسم پر لگاؤ یعنی ختنہ کراؤ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے ختنہ کرائی تھی۔ توریت میں ہے کہ ختنہ اللہ کا داغ ہے۔ جس طرح شاہی گھوڑوں پر داغ ہوتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل اور اس کی اولاد کے لئے ختنہ کا داغ تجویز فرمایا اور قوت شہویہ اور بہیمیہ کے محل پر ختنہ کے داغ سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حضور سرکاری داغ سے داغی ہے بغیر سرکاری اجازت کے کسی مصرف میں اس کا استعمال جائز نہیں۔ اور موئے لب کٹوانا اور ناخن کتروانا اور موئے بغل لینا اور مضمضہ اور استنشاق کرنا وغیرہ ذلک یہ بھی اسلام یعنی اللہ کی طاعت اور فرمانبرداری کے داغ ہیں لہٰذا بنی اسرائیل اگر تم نعمت تفضیل میں سے حصہ لینا چاہتے ہو تو اب اس نبی آخر الزماں پر ایمان لاؤ کہ جو بنی اسمٰعیل میں سے دعاء ابراہیمی کے مطابق مبعوث ہوا ہے بنی اسرائیل کی تفضیل کا دور دورہ ختم ہو گیا اب تا قیامت بنی اسمٰعیل کی

تفصیل کا دور دورہ رہے گا۔

فرقہ امامیہ کی تردید:

امامت کیلئے عدالت اور تقویٰ شرط ہے نہ کہ عصمت' لہٰذا اس آیت سے فرقہ امامیہ کا عصمت ائمہ پر استدلال کرنا صحیح نہیں اور نہج البلاغت میں حضرت امیر رضی اللہ عنہ سے نص صریح موجود ہے۔

لَا بُدَّ لِلنَّاسِ مِنْ اَمِيْرٍ بَرٍّ اَوْ فَاجِرٍ يَعْمَلُ فِيْ اِمْرَتِهِ الْمُؤْمِنُ وَلْيَسْتَمِعُ الْكَافِرُ وَيَامَنُ فِيْهِ السُّبُلَ الخ. (معارف القرآن)

ظلم اور گناہ میں امیر کی اطاعت جائز نہیں ہے:

اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی دعاء کو قبول فرمالیا اور امامت کو متقیوں کے ساتھ خاص فرمایا اگر امامۃ سے مراد نبوت ہو تو ظالمین سے مراد فاسق ہیں کیونکہ نبوت میں معصوم ہونا بالاتفاق شرط ہے۔ اور اگر امامۃ سے عام معنی مراد ہوں تو ظالم سے کافر بھی مراد ہوسکتا ہے کیونکہ کافر کو امیر اور مقتدا بنانا جائز نہیں۔ اخیر تقدیر پر ﴿لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ﴾ سے یہ مستفاد ہوگا کہ فاسق اگرچہ امیر ہو لیکن اس کی طاعت ظلم اور معصیت میں جائز نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی طاعت جائز نہیں ہے۔ اس حدیث کو امام مالک و امام احمد رحمہا اللہ نے عمران اور حکیم بن عمر والغفاری رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ بخاری' مسلم اور ابو داؤد و نسائی نے علی رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اس کی معصیت میں کسی کی طاعت نہیں۔ طاعت نیک کام میں ہوتی ہے۔ اور رہیں وہ آیات جو کہ امراء کی طاعت میں وارد ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ﴾

''(اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور امیروں کی جو تم میں سے ہوں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اطاعت کرو اور سنو اگرچہ امیر تمہارا حبشی غلام ہو تو ان نصوص سے مراد مطلق طاعت نہیں ہے خواہ جائز ہو یا ناجائز بلکہ ان ہی امور میں اطاعت مراد ہے جو شرع کے مخالف نہیں چنانچہ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

﴿فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ﴾

''(پس اگر جھگڑا کرو تم کسی شے میں تو اس کو اللہ و رسول کی طرف رجوع کرو اگر تم اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو) اس تقریر کے موافق اس آیت سے امام کا معصوم ہونا جیسا کہ روافض کا خیال ہے مستنبط نہیں ہوتا واللہ اعلم۔ از تفسیر مظہری رحمۃ اللہ علیہ

ابراہیم علیہ السلام کی جلالت شان کو اور نمایاں فرمایا گیا آزمائشوں کے ذریعے اپنے خلیل کی تربیت کرکے ان کے درجات و مقامات تک پہنچانا مقصود ہے۔

حضرت ابراہیمؑ کی ہجرت:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رضائے خداوندی کی تڑپ میں قوم و وطن کو بھی خیرباد کہہ دیا۔ اور مع اہل وعیال ہجرت کرکے شام میں چلے آئے!۔

آنکس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند فرزند وعیال وخانماں راچہ کند

اب قوم و وطن کو چھوڑ کر ملک شام میں قیام کیا ہی تھا کہ یہ حکم ملا کہ بی بی ہاجرہ رضی اللہ عنہا اور ان کے شیرخوار بچے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو ساتھ لے کر یہاں سے بھی کوچ کریں۔

جبرئیل امین آئے اور دونوں کو ساتھ لے کر چلے راستہ میں جہاں کوئی سرسبز جگہ آتی تو حضرت خلیل علیہ السلام فرماتے کہ یہاں ٹھہرا دیا جائے۔ جبرئیل علیہ السلام فرماتے کہ یہاں کا حکم نہیں۔ منزل آگے ہے۔ جب وہ خشک پہاڑ اور گرم ریگستان آجاتا ہے جہاں آگے کسی وقت بیت اللہ کی تعمیر اور شہر مکہ کی بستی بسانا مقدر تھا۔ اس ریگستان میں آپ کو اتار دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خلیل اپنے پروردگار کی محبت میں مسرور و مگن اسی چٹیل میدان اور بے آب وگیاہ جنگل میں بی بی کو لے کر ٹھہر جاتے ہیں۔ لیکن یہ امتحان اسی پر ختم نہیں ہوجاتا۔ بلکہ اب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم ملتا ہے کہ بی بی اور بچے کو یہیں چھوڑ دیں۔ اور خود ملک شام کو واپس ہوجائیں۔ اللہ کا خلیل حکم پاتے ہی اس کی تعمیل میں اٹھ کھڑا ہوتا ہے۔ اور شام کی طرف روانہ ہوجاتا ہے۔ تعمیل حکم میں اتنی تاخیر بھی گوارا نہیں کہ بیوی کو یہ اطلاع ہی دیدے کہ مجھے چونکہ خدا کا یہ حکم ملا ہے اس لئے میں جارہا ہوں۔ حضرت ہاجرہؓ جب آپ کو جاتے ہوئے دیکھتی ہیں تو پکارتی ہیں۔ مگر آپ جواب نہیں دیتے' پھر پکارتی ہیں اور کہتی ہیں کہ اس لق ودق میدان میں ہمیں چھوڑ کر کہاں جارہے ہو؟ اس کا بھی جواب نہیں دیتے'' مگر وہ بی بی بھی خلیل اللہ کی بی بی تھیں سمجھ گئیں کہ ماجرا کیا ہے۔ اور کہنے لگیں کہ کیا آپ کو اللہ تعالیٰ کا کوئی حکم ملا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ ہاں حضرت ہاجر علیہا السلام کو بھی جب حکم خداوندی کا علم ہوگیا تو نہایت اطمینان کے ساتھ فرمایا کہ جایئے' جس مالک نے آپ کو چلے جانے کا حکم فرمایا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہیں کرے گا۔

اب حضرت ہاجرا اپنے شیرخوار بچہ کے ساتھ اس لق ودق جنگل میں

وقت گزارنے لگتی ہیں' پیاس کی شدت پانی کی تلاش پر مجبور کرتی ہے' بچے کو کھلے میدان میں چھوڑ کر' صفا و مروہ کی پہاڑیوں پر بار بار چڑھتی اترتی ہیں کہ کہیں پانی کے آثار نظر آ ئیں' یا کوئی انسان نظر آئے' جس سے کچھ معلومات حاصل کریں' سات مرتبہ کی دوڑ دھوپ کے بعد مایوس ہو کر بچے کے پاس لوٹ آتی ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان سات مرتبہ دوڑنا اسی کی یادگار کے طور پر قیامت تک آنے والی نسلوں کے احکام حج میں ضروری قرار دیا گیا ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام اپنی دوڑ دھوپ ختم کرنے اور مایوس ہونے کے بعد جب بچے کے پاس آتی ہیں تو رحمت خداوندی نازل ہوتی ہے۔ جبرئیل امین آتے ہیں' اور اس خشک ریگستان کو زمین سے پانی کا ایک چشمہ نکال دیتے ہیں' جس کا نام آج زمزم ہے' پانی کو دیکھ کر اول جانور آ جاتے ہیں' پھر جانوروں کو دیکھ کر انسان پہنچتے ہیں' اور مکہ کی آبادی کا سامان ہو جاتا ہے' ضروریات زندگی کی کچھ آسانیاں مہیا ہو جاتی ہیں۔

نومولود بچہ جن کو آج حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کہا جاتا ہے نشوونما پاتے ہیں اور کام کاج کے قابل ہو جاتے ہیں' حضرت ابراہیم علیہ السلام باشارات ربانی گاہ گاہ تشریف لاتے ہیں' اور بی بی و بچہ کو دیکھ جاتے ہیں۔

ایک اور امتحان:

اس وقت پھر اللہ تعالیٰ اپنے خلیل کا امتحان لیتے ہیں' یہ بچہ اس بے کسی اور بے سروسامانی میں پروان چڑھا' اور بظاہر اسباب باپ کی تربیت اور شفقت سے بھی محروم رہا' اب والد ماجد کو بظاہر یہ حکم ملتا ہے کہ اس بچے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دو' ارشاد قرآنی ہے۔

ترجمہ: ''جب بچہ اس قابل ہو گیا کہ باپ کے ساتھ کام کاج میں کچھ مدد دے سکے تو ابراہیم علیہ السلام نے اس سے کہا کہ اے بیٹے میں خواب میں یہ دیکھتا ہوں کہ تجھ کو ذبح کر رہا ہوں' تو بتلا کہ تیرا کیا خیال ہے؟ فرزند سعید نے عرض کیا کہ ابا جان آپ کو جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کیجئے۔ آپ مجھے بھی اس کی تعمیل میں ان شاء اللہ ثابت قدم پائیں گے۔

اس کے بعد کا واقعہ ہر مسلمان جانتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام صاحبزادے کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ کے جنگل میں لے گئے' اور اپنی طرف سے حکم حق جل وعلا شانہ کی پوری تعمیل کر دی' مگر وہاں مقصود بچے کو ذبح کرانا نہیں بلکہ شفیق باپ کا امتحان کرنا تھا' واقعہ خواب کے الفاظ میں غور کیا جائے کہ اس میں یہ نہیں دیکھا تھا کہ ذبح کر دیا' بلکہ ذبح کا عمل کرتے دیکھا' ﴿معارف القرآن﴾

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا

اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور جگہ امن کی

حج:

یعنی ہر سال بغرض حج وہاں لوگ مجتمع ہوتے ہیں اور جو وہاں جا کر ارکان حج بجالاتے ہیں وہ عذاب دوزخ سے مامون ہو جاتے ہیں یا وہاں کوئی کسی پر زیادتی نہیں کرتا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مقام امن:

یہی امن کا مقام ہے جس میں ہتھیار نہیں اٹھایا جاتا' جاہلیت کے زمانہ میں بھی اس کے آس پاس لوٹ مار ہوتی رہتی لیکن یہاں امن وامان رہتا' کسی کو کوئی گالی بھی نہ دیتا' یہ جگہ ہمیشہ متبرک اور شریف رہی' نیک روحیں اس کی طرف مشتاق رہتی ہیں' گو ہر سال زیارت کریں لیکن تاہم لیکا لگا رہتا ہے' یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا اثر ہے' آپ نے دعا مانگی تھی کہ: (فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً مِّنَ النَّاسِ تَهْوِیْ اِلَيْهِمْ) تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف جھکا دے' یہاں باپ اور بھائی کے قاتل کو بھی کوئی دیکھتا تو خاموش ہو جاتا۔ سورۂ مائدہ میں ہے (قِيٰمًا لِّلنَّاسِ) یعنی یہ لوگوں کے قیام کا باعث ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

سب سے بڑی اجتماع گاہ:

(مَثَابَةً لِّلنَّاسِ) (لوگوں کے لئے اجتماع کی جگہ) یعنی خانہ کعبہ کو ہم نے مرجع بنا دیا ہے کہ چاروں طرف سے لوگ وہاں آتے ہیں یا یہ کہ ثواب کی جگہ بنا دی کہ وہاں حج اور عمرہ اور نماز پڑھ کر ثواب حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسجد حرام کی ایک نماز ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

شہر مکہ کی حُرمت:

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز فرمایا کہ جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا فرمایا ہے اس شہر (مکہ) کو حرام فرمایا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کی حرمت سے وہ قیامت تک حرام ہے اور اس میں کسی کے لئے قتال حلال نہیں صرف میرے لئے دن کی ایک ساعت میں حلال ہو گیا تھا اس کے بعد پھر قیامت تک حرام ہے نہ اس کا کانٹا کاٹا جاوے اور نہ شکار کو بھگایا جاوے۔ اور نہ یہاں کی گری پڑی چیز

اٹھائی جائے مگر ہاں جو تعریف (تشہیر) کرے وہ لقطہ اٹھالے اور نہ یہاں کی گھاس کاٹی جاوے۔ حضرت عباس رضی اللہ عنہما نے عرض کیا لیکن اذخر کو (مرچیا گند) مستثنیٰ فرما دیجئے کیونکہ وہ لوہاروں کے کام میں آتی ہے اور گھروں میں بہت کارآمد ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اذخر مستثنیٰ ہے اس حدیث کو بخاری و مسلم نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

خاندانِ ابراہیم کا مکہ میں آباد ہونا:

حضرت ابراہیم علیہ السلام ملک شام میں مقیم تھے اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شیر خوار بچے تھے، جس وقت حق تعالیٰ کا ان کو یہ حکم ملا کہ ہم خانہ کعبہ کی جگہ آپ کو بتلاتے ہیں، آپ اس کو پاک صاف کرکے طواف ونماز سے آباد رکھیں، اس حکم کی تعمیل کے لئے جبرئیل امین براق لے کر حاضر ہوئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اور اسمٰعیل علیہ السلام کو مع ان کی والدہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ لے کر سفر کیا، راستے میں جب کسی بستی پر نظر پڑتی اور حضرت ابراہیم جبرئیل امین سے دریافت کرتے کہ کیا ہمیں یہاں اترنے کا حکم ملا ہے، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام فرماتے کہ نہیں آپ کی منزل آگے ہے، یہاں تک کہ مکہ مکرمہ کی جگہ سامنے آئی، جس میں کانٹے دار جھاڑیاں اور ببول کے درخت کے سوا کچھ نہ تھا، اس خطہ زمین کے آس پاس کچھ لوگ بستے تھے جن کو عمالین کہا جاتا تھا، بیت اللہ اس وقت ایک ٹیلہ کی شکل میں تھا، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اس جگہ پہنچ کر جبرئیل امین سے دریافت کیا کہ کیا ہماری منزل یہ ہے، تو فرمایا کہ ہاں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام مع اپنے صاحبزادے اور حضرت ہاجرہ علیہ السلام کے یہاں اتر گئے، اور بیت اللہ کے پاس ایک معمولی چھپر ڈال کر حضرت اسمٰعیل اور ہاجرہ علیہا السلام کو یہاں ٹھہرا دیا، ان کے پاس ایک توشہ دان میں کچھ کھجوریں اور ایک مشکیزہ میں پانی رکھ دیا، اور ابراہیم علیہ السلام کو اس وقت یہاں...... ٹھہرنے کا حکم نہ تھا وہ اس شیر خوار بچہ اور ان کی والدہ کو حوالہ بخدا کر کے واپس ہونے لگے، جانے کی تیاری دیکھ کر حضرت ہاجرہ نے عرض کیا کہ ہمیں اس لق ودق میدان میں چھوڑ کر آپ کہاں جاتے ہیں، جس میں نہ کوئی مونس و مددگار ہے نہ زندگی کی ضروریات۔

حضرت خلیل اللہ صلوات اللہ علیہ وسلام نے کوئی جواب نہ دیا، اور چلنے لگے، حضرت ہاجر علیہ السلام ساتھ اٹھیں، پھر بار بار یہی سوال دہرایا، حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی طرف سے کوئی جواب نہ تھا، یہاں تک کہ خود ان کے دل میں بات پڑی، اور عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہاں چھوڑ کر چلے جانے کا حکم دیا ہے تب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ملا ہے۔

اس کو سن کر حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا کہ پھر آپ شوق سے جائیں جس نے آپ کو یہ حکم دیا ہے وہ ہمیں بھی ضائع نہ کرے گا، ابراہیم علیہ السلام حکم خداوندی کی تعمیل میں یہاں سے چل کھڑے ہوئے، مگر شیر خوار بچہ اور اس کی والدہ کا خیال لگا ہوا تھا، جب راستہ کے موڑ پر پہنچے جہاں سے حضرت ہاجرہ علیہ السلام نہ دیکھ سکیں تو ٹھہر گئے اور اللہ تعالیٰ سے یہ دعا فرمائی جو سورۂ ابراہیم کی آیت نمبر ۳۶ و ۳۷۔ اے میرے پروردگار اس شہر کو امن والا بنا دیجئے۔

مجرم اگر حرم میں چلا جائے تو

امام اعظم ابوحنیفہ کے نزدیک یہ کہ کوئی شخص باہر سے جرم کرکے حرم میں پناہ لے لے تو اس کے ساتھ قصاص کی سزائیں جاری کرنے کا حکم سزا سے چھوڑنا تو نہیں، کیونکہ اگر ایسا کیا گیا تو جرائم کرکے سزا سے بچنے کا راستہ کھل جائے گا، اور عالم میں فساد برپا ہو جائے گا، اور حرم مجرموں کا ٹھکانہ بن جائے گا، لیکن احترام حرم کے سبب حرم کے اندر سزا نہ دی جائے گی، بلکہ اس کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ حرم سے باہر نکلے، وہاں سے نکلنے کے بعد سزا جاری کی جائے گی۔

دورِ جاہلیت میں بھی مکہ جائے امن رہا:

چنانچہ زمانہ جاہلیت میں بھی عربوں کے ساتھ میں ملت ابراہیمی کے جو کچھ آثار باقی رہ گئے تھے ان میں یہ بھی تھا کہ حرم میں اپنے باپ اور بھائی کا قاتل بھی کسی کو ملتا تو انتقام نہیں لیتے تھے اور عام جنگ وقتال کو بھی حرم میں حرام سمجھتے تھے۔ شریعت اسلام میں بھی یہ حکم اسی طرح باقی رکھا گیا، فتح مکہ کے وقت صرف چند گھنٹوں کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے ارض حرم میں قتال کو جائز کیا گیا تھا، مگر اسی وقت پھر ہمیشہ کے لئے حرام کر دیا گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح کے خطبہ میں اس کا اعلان فرما دیا۔ (صحیح بخاری)

اگر کوئی حرم کے اندر جُرم کرے تو

اب رہا یہ مسئلہ کہ کوئی شخص حرم کے اندر ہی کوئی ایسا جرم کرے جس پر حد قصاص اسلامی شریعت کی رو سے عائد ہوتا ہے تو حرم اس کو امن نہیں دے گا۔

حضرت ابراہیمؑ کی دُعاء:

اس کے بعد شیر خوار بچہ اور اس کی والدہ پر شفقت کے پیش نظر یہ دعاء

فرمائی کہ میں نے ان کو آپ کے حکم کے مطابق آپ کے محترم گھر کے پاس ٹھہرایا تو دیا ہے لیکن یہ جگہ زراعت کے قابل بھی نہیں، جہاں کوئی اپنی محنت سے ضروریات زندگی حاصل کر سکے اس لئے آپ ہی اپنے فضل سے ان کو پھلوں کا رزق عطا فرما دیں۔

آپؑ کے بعد حضرت ہاجرہ اور حضرت اسمٰعیلؑ کے حالات:

یہ دعاء کر کے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام تو اپنے وطن شام کی طرف روانہ ہو گئے ادھر حضرت ہاجرہ کا کچھ وقت تو اس توشہ کھجور اور پانی کے ساتھ کٹ گیا، جو حضرت خلیل اللہ علیہ السلام چھوڑ گئے تھے، پانی ختم ہونے کے بعد خود بھی پیاس سے بے چین اور شیر خوار بچہ بھی اس وقت پانی کی تلاش میں ان کا نکلنا اور کبھی کوہ صفا پر کبھی کوہ مروہ پر چڑھنا اور ان دونوں کے درمیان دوڑ دوڑ کر راستہ طے کرنا، تاکہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے آ جائیں، عام مسلمانوں میں معروف ہے اور حج میں صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا آج تک اسی کی یادگار ہے۔

اس قصہ کے آخر میں حضرت جبرئیل امین کا بحکم خداوندی وہاں پہنچنا اور چشمہ زمزم کا جاری کرنا اور پھر قبیلہ جرہم کے کچھ لوگوں کا یہاں آ کر مقیم ہو جانا اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے جوان ہونے کے بعد قبیلہ جرہم کی ایک بی بی سے شادی ہو جانا، یہ سب صحیح بخاری کی روایت میں تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

تعمیر کعبہ:

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ ایک روز حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب عادت حضرت ہاجرہ اور اسمٰعیل علیہ السلام کی ملاقات کے لئے مکہ مکرمہ پہنچے تو دیکھا اسمٰعیل علیہ السلام ایک درخت کے نیچے بیٹھے ہوئے تیر بنا رہے ہیں، والد ماجد کو دیکھ کر کھڑے ہو گئے، ملاقات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے ایک کام کا حکم دیا ہے، کیا تم اس میں میری مدد کرو گے؟ لائق فرزند نے عرض کیا کہ بسر و چشم کروں گا، اس پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ٹیلہ کی طرف اشارہ کیا، جہاں بیت اللہ تھا کہ مجھے اس کی تعمیر کا حکم ہوا ہے، بیت اللہ کے حدود اربعہ حق تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بتلا دیئے تھے، دونوں بزرگوار اس کام میں لگے تو بیت اللہ کی قدیم بنیادیں نکل آئیں، انہی پر دونوں نے تعمیر شروع کر دی، اگلی آیت میں اسی کا بیان ہے۔

(وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَٰهِـۧمُ ٱلْقَوَاعِدَ مِنَ ٱلْبَيْتِ وَإِسْمَٰعِيلُ)

جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ بانی بیت اللہ اصل میں حضرت خلیل علیہ السلام ہیں اور اسمٰعیل علیہ السلام مددگار کی حیثیت سے شریک ہیں۔

بیت اللہ پہلے سے موجود تھا:

ان تمام آیات پر غور کرنے سے وہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ جو بعض روایات حدیث اور تاریخ میں مذکور ہے کہ بیت اللہ پہلے سے دنیا میں موجود تھا، کیونکہ تمام آیات میں کہیں بیت اللہ کی جگہ بتلا دینے کا ذکر ہے، کہیں اس کو پاک صاف رکھنے کا ذکر ہے، یہ کہیں مذکور نہیں کہ آج کوئی نیا گھر تعمیر کرانا ہے اس کی تعمیر کریں، اس سے معلوم ہوا کہ بیت اللہ کا وجود اس واقعہ سے پہلے موجود تھا، پھر طوفان نوح کے وقت منہدم ہو گیا یا اٹھا لیا گیا تھا، صرف بنیادیں موجود تھیں، حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام کعبہ کے پہلے بانی نہیں، بلکہ بناء سابق کی بنیادوں پر جدید تعمیر ان کے ہاتھوں ہوئی ہے۔

سب سے پہلی تعمیر کس نے کی:

اب رہا یہ معاملہ کہ پہلی تعمیر کس نے اور کس وقت کی؟ اس میں کوئی صحیح اور قوی روایت حدیث کی منقول نہیں، اہل کتاب کی روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ سب سے پہلے اس کی تعمیر آدم علیہ السلام کے اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی فرشتوں نے کی تھی، پھر آدم علیہ السلام نے اس کی تجدید فرمائی، یہ تعمیر طوفان نوح تک باقی رہیں، طوفان نوح میں منہدم ہو جانے کے بعد سے ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک یہ ایک ٹیلہ کی صورت میں باقی رہی، حضرت ابراہیم اور اسمٰعیل علیہما السلام نے از سر نو تعمیر فرمائی، اس کے بعد اس تعمیر میں شکست و ریخت تو ہمیشہ ہوتی رہی مگر منہدم نہیں ہوئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے قبل قریش مکہ نے اس کو منہدم کر کے از سر نو تعمیر کیا، جس کی تعمیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی خاص شرکت فرمائی۔

یہ خانہ تجلی آشیانہ وہی گھر ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے اسمٰعیل علیہ السلام کی شرکت اور معیت میں بنایا تھا اور اسی معبد کے اردگرد اسمٰعیل اور اس کی ذریت کو آباد کیا اور طرح طرح کی دعائیں کیں، اور مقصود یہ ہے کہ بنی اسرائیل متنبہ ہو جائیں۔ کہ یہ نبی امی خاندان اور ابراہیم و اسمٰعیل سے ہے اور یہ خانہ کعبہ جو مسلمانوں کا قبلہ ہے یہ وہی معبد معظم اور سجدہ گاہ محترم ہے کہ جس کے بانی اور معمار امام امم اور فخر عالم ابراہیم علیہ السلام ہیں، اور اسمٰعیل ذبیح اللہ ان کے معین و مددگار اور شریک کار رہے۔

مقام ابراہیم:

ف: مقام ابراہیم ایک خاص پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کو بنایا اس پتھر پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان تھے لوگوں کے ہاتھ پھیرنے کی وجہ سے وہ نشان اب معلوم نہیں ہوتے اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حج کی اذان دی کما قال تعالیٰ:

﴿وَأَذِّنْ فِي النَّاسِ بِالْحَجِّ﴾ : الآیہ اور یہ پتھر عہد نبوی اور صدیق اکبرؓ کے زمانہ میں خانہ کعبہ سے متصل تھا۔ حضرت عمرؓ نے اس کو وہاں سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دیا اور اس کے گرد پتھروں کی دیوار چن دی چنانچہ وہ پتھر اب تک اسی جگہ میں محفوظ ہے اور اس کے اردگرد جالیاں بنی ہوئی ہیں۔

حج کے برکات:

اہل ایمان کے عظیم اجتماع سے ایک خاص نورانیت پیدا ہو جس سے ہر ایک مستفید ہو جس طرح بہت سے چراغوں کے جمع ہو جانے سے بہ ہیئت اجتماعیہ ہر ایک کا نور اضعافاً مضاعفہ ہو جاتا ہے جمعہ اور پنجگانہ نماز جماعت میں ایک شہر اور ایک محلّہ کے انوار و برکات کا اجتماع ہوتا ہے اور حج کے اجتماع میں اقطار عالم کے انوار و برکات کا اجتماع ہوتا ہے۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

مسجد حرام میں نماز کا ثواب

مسجد حرام میں نماز پڑھنے کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری مسجد (یعنی مسجد نبوی) میں ایک نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ہزار نمازوں سے افضل ہے مگر مسجد حرام اس سے مستثنیٰ ہے (کیونکہ اس کا ثواب مسجد نبوی میں نماز پڑھنے سے زیادہ ہے) مسجد حرام میں ایک نماز دوسری نمازوں کے مقابلہ میں ایک لاکھ نمازوں سے افضل ہے۔ (رواہ احمد وابن ماجہ باسنادین صحیحین کمافی الترغیب للحافظ المنذری ص ۲۱۴ ج ۲)

مکہ میں ہتھیار نہ لئے پھرو:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے کسی کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ مکہ میں ہتھیار ساتھ لئے پھرے۔ (صحیح مسلم ص ۴۳۹ ج ۱)

مجرم کو نکلنے پر مجبور کیا جائے:

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جو شخص حرم کے باہر حل میں کسی کو قتل کر کے حرم میں پناہ لے لے تو اس کو حرم میں قتل نہ کیا جائے بلکہ اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا نہ جائے خرید و فروخت نہ کی جائے کھانے پینے کو کچھ نہ دیا جائے تاکہ مجبور ہو کر حرم سے باہر آ جائے پھر اسے خارج حرم حل میں قتل کر دیا جائے۔ (روح المعانی ص ۸ ج ۱)

حرم میں شکار وغیرہ:

حرم مکہ میں جیسا کہ قتل و قتال جائز نہیں ہے اسی طرح سے اس میں شکار کرنا، شکار کے جانوروں کو بھگانا دوڑانا بھی ممنوع ہے، حرم مکہ سے گھاس اور درخت کاٹنا اور وہاں کے کانٹے کاٹنا بھی ممنوع ہے جس کی تصریح بخاری و مسلم کی احادیث میں موجود ہے۔ ﴿انوار البیان﴾

وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى
اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ

مقام ابراہیم:

مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کو تعمیر کیا تھا اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کا نشان ہے اور اسی پتھر پر کھڑے ہو کر حج کی دعوت دی تھی اور وہ جنت سے لایا گیا تھا جیسے حجر اسود۔ اب اس پتھر کے پاس نماز پڑھنے کا حکم ہے اور حکم استحبابی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

شانِ نزول:

حضرت جابرؓ کی لمبی حدیث میں ہے کہ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے طواف کر لیا تو حضرت عمرؓ نے مقام ابراہیم کی طرف اشارہ کر کے کہا کیا یہی ہمارے باپ ابراہیم کا مقام ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ کہا پھر ہم اس سے قبلہ کیوں نہ بنالیں؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت فاروقؓ کے سوال پر تھوڑی دیر گزری تھی جو یہ حکم نازل ہوا ایک اور حدیث میں ہے کہ فتح مکہ والے دن مقام ابراہیم کے پتھر کی طرف اشارہ کر کے حضرت عمرؓ نے پوچھا یہی ہے جسے قبلہ بنانے کا ہمیں حکم ہوا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں یہی ہے۔

حضرت عمر کی وحی سے موافقت:

صحیح بخاری میں ہے حضرت عمرؓ فرماتے ہیں میں نے اپنے رب سے تین باتوں میں موافقت کی جو خدا کو منظور تھا وہی میری زبان سے نکلا میں نے کہا حضور کاش ہم مقام ابراہیم کو قبلہ بنا لیتے تو حکم ﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى﴾۔ نازل ہوا میں نے کہا یا رسول اللہ کاش آپ امہات المومنین کو پردے کا حکم دیں اس پر پردے کی آیت اتری جب مجھے معلوم ہوا کہ آج حضورؐ اپنی بیویوں سے خفا ہیں تو میں نے جا کر ان سے کہا کہ اگر تم باز نہ آؤ گی تو اللہ تعالیٰ تم سے اچھی بیویاں

تمہارے بدلے اپنے نبیؐ کو دے گا، اس پر بھی فرمان باری نازل ہوا کہ (عَسٰی رَبُّہٗٓ) الخ اس حدیث کی بہت سی اسناد ہیں اور بہت سی کتابوں میں مروی ہے ایک روایت میں بدر کے قیدیوں کے بارے میں بھی حضرت عمرؓ کی موافقت مروی ہے آپ نے فرمایا تھا کہ ان سے فدیہ نہ لیا جائے بلکہ انہیں قتل کر دیا جائے منظور خدا بھی یہی تھا۔

مقامِ ابراہیم کے متعلق تفصیلات:

حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے کہ مقام ابراہیم کو آپؐ نے اپنے اور بیت اللہ کے درمیان کر لیا تھا۔ اس پتھر پر آپ کے دونوں قدموں کے نشان ظاہر تھے عرب کی جاہلیت کے زمانہ کے لوگوں نے بھی دیکھے تھے ابو طالب نے اپنے مشہور قصیدہ میں کہا ہے

وموطیٰ ابراھیم فی الصخر رطبۃ   علی قدمیہ حافیاً غیر ناعل

یہ مقام ابراہیم پہلے دیوار کعبہ سے متصل تھا کعبہ کے دروازے کی طرف حجر اسود کی جانب دروازے سے جانے والے کے دائیں جانب مستقل جگہ پر تھا جو آج بھی لوگوں کو معلوم ہے۔

اس سے وہ پتھر مراد ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کعبہ شریف تعمیر فرماتے تھے یہ پتھر زینہ کا کام دیتا تھا حضرت اسماعیل علیہ السلام اینٹیں اور چونہ وغیرہ دیتے جاتے تھے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام ان سے لے کر تعمیر فرماتے تھے جب کعبہ شریف کی تعمیر سے فارغ ہو گئے تو جس جانب کعبہ شریف کا دروازہ ہے اسی طرف دیوار سے ملا ہوا اس کو چھوڑ دیا سالہا سال وہ وہیں تھا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی اسی جگہ رہا حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی وہیں تھا پھر جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو انہوں نے وہاں سے ہٹا کر اس جگہ رکھ دیا جہاں اب ہے اور بعض روایات میں ہے کہ ایک مرتبہ سیلاب آ گیا تھا جو اس کو بہا کر لے گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے لے کر وہاں رکھ دیا جہاں اب ہے حضرات صحابہ کے سامنے اس کی جگہ بدلی کسی نے کوئی نکیر نہیں کی اور ساری امت نے اس کا اس جگہ ہونا تسلیم کر لیا جہاں حضرت عمرؓ نے رکھ دیا تھا۔

ایک زمانہ تک مقام ابراہیم ایک چار دیواری کے اندر تھا جو مسقف تھی اور قفل پڑا رہتا تھا موجودہ حکومت نے وہ مسقف عمارت ختم کر کے مقام ابراہیم کو بلوری شیشہ میں رکھ دیا ہے باہر سے مقام ابراہیم دکھائی دیتا ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کے نشانات صاف نظر آتے ہیں صحیح مسلم میں ہے ص ۳۹۵ ج ا کہ حجۃ الوداع کے موقعہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم طواف کرنے کے بعد مقام ابراہیم کی طرف بڑھے اور قرآن مجید کے یہ الفاظ تلاوت فرمائے (وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّى)۔

اور وہاں دو رکعتیں اس طرح پڑھیں کہ مقام ابراہیم کو اپنے اور کعبہ شریف کے درمیان کر لیا ان دو رکعتوں میں سورۃ: (قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ) اور سورۃ (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) پڑھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ بنا لیتے تو اچھا تھا تو اس پر آیت:

(وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّى) نازل ہوئی (صحیح بخاری ص ۲۴۴ ج ۲) طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھنا واجب ہے ان کو مسجد حرام میں کسی بھی جگہ پڑھ سکتے ہیں لیکن مقام ابراہیم کے پیچھے پڑھنا افضل ہے۔ (انوار البیان)

حضرت انسؓ نے فرمایا کہ میں نے اس پتھر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا نقش دیکھا ہے مگر لوگوں کے بکثرت چھونے اور ہاتھ لگانے سے اب وہ نشان ہلکا پڑ گیا ہے۔ (قرطبی)

طواف کے دوران نفل:

اس حدیث کو بخاری نے ذکر کیا ہے امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ نے اس آیت سے استنباط کیا ہے کہ طواف کے ہر سات پھیروں کے بعد دو رکعت پڑھنا واجب ہیں۔

حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی شادی کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا متعدد بار مکہ آنا

علامہ بغوی نے نقل کیا ہے کہ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کو مکہ میں چھوڑ دیا اور اس قصہ پر ایک مدت گذر گئی اور وہاں جرہمی لوگ آئے اور اسماعیل علیہ السلام نے ایک جرہمیہ عورت سے نکاح کر لیا ایک روز ابراہیم علیہ السلام نے اپنی بی بی سارہ سے ہاجرہ کے پاس آنے کی اجازت چاہی انہوں نے اجازت دیدی لیکن یہ شرط کر لی کہ وہاں اتریں نہیں ابراہیم علیہ السلام مکہ تشریف لائے اس وقت ہاجرہ علیہا السلام کی وفات ہو گئی تھی آپ اسماعیل علیہ السلام کے گھر پر تشریف لائے اور حضرت اسماعیل کی بی بی سے دریافت کیا تمہارے خاوند کہاں ہیں اس نے کہا شکار کو گئے ہیں اسماعیل علیہ السلام کی عادت تھی کہ حرم سے شکار کرنے کے لئے باہر جاتے تھے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پوچھا کہ تمہارے پاس کچھ کھانے پینے کی شے بھی ہے اس نے کہا میرے

پاس کچھ نہیں پھر ابراہیم علیہ السلام نے ان کے گذران کا حال دریافت فرمایا اس عورت نے کہا کہ ہم تو بڑی تنگی اور سختی میں ہیں اور بہت شکایت کی ابراہیم علیہ السلام نے سن کر فرمایا جب تمہارا خاوند آوے تو میری طرف سے سلام کہنا اور کہنا کہ اپنے دروازہ کی دہلیز بدل دے یہ کہہ کر ابراہیم چل دیئے جب اسماعیل علیہ السلام شکار سے آئے تو باپ کی خوشبو معلوم ہوئی۔ اپنی بی بی سے پوچھا کیا یہاں کوئی آیا تھا اس نے مری سی زبان سے کہا کہ ہاں ایک بڈھا ایسی ایسی صورت کا آیا تھا اسماعیل علیہ السلام نے پوچھا کیا انہوں نے کچھ فرمایا جو کچھ ابراہیم علیہ السلام نے کہا تھا اس نے کہہ دیا اسماعیل علیہ السلام نے کہا وہ میرے پدر بزرگوار تھے اور تجھ سے علیحدہ ہونے کا حکم فرما گئے ہیں اس لئے اب تو اپنے گھر جا میں نے تجھے طلاق دی پھر آپ نے اسی قوم میں سے ایک دوسری عورت سے نکاح کر لیا ایک مدت کے بعد ابراہیم علیہ السلام حضرت سارہ سے اجازت لے کر پھر تشریف لائے اسماعیل علیہ السلام اس وقت بھی گھر پر موجود نہ تھے اس نئی زوجہ سے پوچھا کہ تمہارا خاوند کہاں ہے کہا شکار کے لئے گئے ہیں اور اب ان شاء اللہ تعالیٰ آرہے ہوں گے آپ تشریف رکھئے ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کیا کہ کچھ کھانے پینے کی چیز بھی تمہارے پاس ہے کہا ہاں بہت اسی وقت دودھ اور گوشت لائی پھر ابراہیم علیہ السلام نے ان کی گذران کا حال دریافت فرمایا اس عورت نے کہا بفضل خدا ہم خوب فراخی میں ہیں ابراہیم علیہ السلام نے ان دونوں میاں بیوی کے لئے دعائے برکت فرمائی اگر وہ اس وقت گیہوں یا جو کی روٹی یا کھجوریں ابراہیم علیہ السلام کے سامنے پیش کرتی تو آپ کی دعا کی برکت سے زمین میں گیہوں جو کھجوریں بہت ہو جاتیں پھر اسماعیل علیہ السلام کی زوجہ نے عرض کیا کہ آپ سواری سے نیچے تشریف لائیں آپ کا سر مبارک دھو دوں۔ لیکن آپ نہ اترے وہ فوراً ایک پتھر (یعنی مقام ابراہیم) لائی اور اس کو دائیں طرف رکھا ابراہیم علیہ السلام نے اس پر اپنا قدم مبارک رکھا اس نے سر کے دائیں جانب دھویا پھر پتھر کو بائیں طرف رکھا آپ نے اس طرف جھک کر بائیں جانب دھویا اس پتھر پر آپ کے قدم مبارک کا نشان ہو گیا پھر چلتے وقت فرمایا کہ جب تمہارا خاوند آئے تو میری طرف سے سلام کہنا اور کہہ دینا کہ تمہارے دروازے کی چوکھٹ اب خوب درست ہے اسے نہ اکھاڑنا جب اسماعیل علیہ السلام گھر تشریف لائے تو باپ کی خوشبو معلوم کر کے پوچھا کوئی یہاں آیا تھا زوجہ نے عرض کیا ہاں ایک ضعیف سے آدمی بڑے خوبصورت اور بڑی خوشبو والے آئے تھے اور مجھ سے یہ یہ باتیں ہوئیں اور میں نے ان کا سر دھویا اور دیکھئے اس پتھر پر ان کے قدم کا نشان ہو گیا اسماعیل علیہ السلام نے سن کر فرمایا وہ ابراہیم علیہ السلام میرے باپ تھے اور چوکھٹ سے مراد تو ہے یہ فرما گئے کہ اسے اپنے پاس رکھو۔

پھر چند روز کے بعد ابراہیم علیہ السلام تشریف لائے اس وقت اسماعیل علیہ السلام زمزم کے قریب ایک درخت کے نیچے تیر تراش رہے تھے باپ کو دیکھتے ہی کھڑے ہو گئے اور آداب بجا لائے انہوں نے دعائے خیر کی پھر ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اسماعیل علیہ السلام! مجھے اللہ نے ایک بات کا حکم دیا ہے تو میری اس میں اعانت کیجیو اسماعیل علیہ السلام نے عرض کیا میں ضرور امداد کروں گا ارشاد ہوا فرمایا اللہ تعالیٰ نے ایک گھر بنانے کا حکم دیا ہے یہ کہہ کر ابراہیم علیہ السلام مستعد ہو گئے اور خانہ کعبہ کی بنیادیں اٹھائیں اسماعیل علیہ السلام پتھر لاتے تھے اور ابراہیم علیہ السلام بناتے تھے جب دیواریں بلند ہو گئیں تو اس پتھر یعنی مقام ابراہیم کو لائے ابراہیم علیہ السلام اس پر کھڑے ہو کر تعمیر کرتے اور اسماعیل علیہ السلام بدستور پتھر پکڑاتے اور (رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ) پڑھتے جاتے۔

جنت کے یاقوت:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ رکن اور مقام جنت کے یاقوتوں میں سے دو یاقوت ہیں اس حدیث کو امام مالک نے انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ رکن اور مقام یہ دونوں جنت کے یاقوت ہیں اللہ تعالیٰ نے ان کے نور کو سلب کر دیا ہے اور اگر ان کا نور رہتا تو یہ مشرق سے مغرب تک کو روشن کر دیتے۔

بزرگانِ دین کی برکت:

بزرگان دین یہاں سے یہ استنباط کرتے ہیں کہ جس جگہ اولیاء اللہ میں سے کوئی شخص ایک مدت تک رہے وہاں آسمان سے تبرکات اور سکینہ اترتی ہے اور اس کے سبب اللہ تعالیٰ کی طرف دل کھنچتے ہیں اور وہاں نیک کام پر جیسے اجر زیادہ ملتا ہے ویسے ہی وہاں گناہ کرنے پر عذاب بھی دگنا لکھا جاتا ہے۔

وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ
اور حکم کیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک کر رکھو
طَهِّرَا بَيْتِىَ
میرے گھر کو

حرم کو تمام آلودگیوں سے پاک رکھا جاوے:

یعنی وہاں برا کام نہ کرے اور ناپاک اس کا طواف نہ کرے اور تمام آلودگیوں سے صاف رکھا جاوے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے:

شیخ جلال الدین سیوطیؒ مفسر جلالین نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزوں کے متعلق بحوالہ حدیث لکھا ہے کہ قیامت تک باقی ہیں ایک قرآن کا معجزہ دوسرے یہ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ یا رسول اللہؐ ایام حج میں تینوں جمرات پر لاکھوں آدمی تین روز تک مسلسل کنکریاں پھینکتے ہیں پھر کوئی ان کنکریوں کے ڈھیر کو یہاں سے اٹھاتا بھی نظر نہیں آتا' اور ایک مرتبہ پھینکی ہوئی کنکر کو دوبارہ استعمال کرنا بھی ممنوع ہے' اس لئے ہر حاجی اپنے لئے مزدلفہ سے کنکریاں نئی لے کر آتا ہے' اس کا مقتضیٰ تو یہ تھا کہ جمرات کے گرد ایک ہی سال میں ٹیلہ لگ جاتا' جس میں جمرات چھپ جاتے اور چند سال میں تو پہاڑ ہو جاتا' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہاں مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو مقرر کر رکھا ہے کہ جس جس شخص کا حج قبول ہوا اس کی کنکریاں اٹھالی جائیں' تو اب اس جگہ صرف ان کم نصیبوں کی کنکریاں باقی رہ جاتی ہیں' جن کا حج قبول نہیں ہوا' اس لئے اس جگہ پڑی ہوئی کنکریاں بہت کم نظر آتی ہیں' اور اگر ایسا نہ ہوتا تو یہاں پہاڑ کھڑا ہو گیا ہوتا' یہ روایت سنن بیہقی میں موجود ہے۔

مساجد کو پاک صاف رکھنا:

حضرت فاروق اعظمؓ نے مسجد میں ایک شخص کی آواز سنی' تو فرمایا' تمہیں خبر نہیں کہ تم کہاں کھڑے ہو (قرطبی) یعنی مسجد کا ادب واحترام چاہئے' اس میں غیر مشروع آواز بلند نہیں کرنا چاہئے' حاصل یہ ہے کہ اس آیت سے جس طرح بیت اللہ کا تمام ظاہری اور باطنی نجاسات سے پاک رکھنا ضروری ہے' اسی طرح تمام مساجد کو بھی پاک رکھنا واجب ہے' یعنی مساجد میں داخل ہونے والوں پر لازم ہے کہ اپنے بدن اور کپڑوں کو بھی تمام نجاسات اور بدبو کی چیزوں سے پاک صاف رکھیں' اور اپنے دلوں کو شرک ونفاق اور تمام اخلاق رذیلہ' تکبر' حسد' بغض' حرص وریاء وغیرہ کی نجاسات سے پاک کر کے داخل ہوں' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی شخص پیاز' لہسن وغیرہ بدبودار چیز کھا کر مسجد میں نہ جائے اور چھوٹے بچوں اور دیوانوں کو مسجدوں میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے' کہ ان سے نجاست کا خطرہ رہتا ہے۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾
واسطے طواف کرنیوالوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ
وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا
کرنے والوں کے' اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو شہر امن کا

حضرت ابراہیمؑ کی دُعاء:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بوقت بنائے کعبہ یہ دعا کی کہ یہ میدان ایک شہر آباد اور باامن ہو سوایسا ہی ہوا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

عاکفین:

ایک مرتبہ لوگوں نے کہا کہ امیر وقت سے کہنا چاہئے کہ لوگوں کو بیت اللہ میں سونے سے منع کریں کیونکہ ممکن ہے کسی وقت جنبی ہو جائیں ممکن ہے کبھی آپس میں فضول باتیں کریں' تو ہم نے سنا کہ انھیں نہ روکنا چاہئے۔ ابن عمرؓ انھیں بھی عاکفین کہتے تھے۔ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ مسجد نبویؐ میں حضرت فاروق اعظمؓ کے صاحبزادے حضرت عبداللہؓ سویا کرتے تھے وہ جوان اور کنوارے تھے۔ رکع السجود سے مراد نمازی ہیں۔

آیت شریفہ میں جو لفظ العَاکِفِیْن آیا ہے اس کے بارے میں حضرت سعید بن جبیرؒ کا قول ہے کہ اس سے مکہ معظمہ کے رہنے والے مراد ہیں اور حضرت عطاء نے فرمایا کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں' جو دوسرے شہروں سے آتے ہیں اور مسجد حرام میں قیام کر لیتے ہیں' اور حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم جب بھی مسجد حرام میں بیٹھ گئے تو عاکفین میں شمار ہو گئے۔

حرم مدینہ:

حدیث شریف میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا' میں مدینہ کو حرم کرتا ہوں' اس کا شکار نہ کھیلا جائے' یہاں کے درخت نہ کاٹے جائیں' یہاں ہتھیار نہ اٹھائے جائیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

صحیح مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ لوگ تازہ پھل لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا کرتے تھے حضورؐ اسے لے کر دعا کرتے کہ خدایا ہمارے پھلوں میں' ہمارے شہر میں' ہماری ناپ تول میں برکت دے' خدایا! ابراہیم علیہ السلام تیرے بندے تیرے خلیل اور تیرے رسول تھے' میں بھی

تیرا بندہ اور تیرا رسول ہوں انہوں نے تجھ سے مکہ کیلئے دعا کی تھی میں بھی تجھ سے مدینہ کیلئے دعا کرتا ہوں جیسے انہوں نے مکہ کیلئے کی تھی بلکہ ایسی ہی ایک اور بھی' پھر آپ کسی چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل اسے عطا فرما دیا کرتے۔ انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضورؐ نے ایک مرتبہ ابوطلحہؓ سے کہا کہ جاؤ اپنے بچوں میں سے کوئی بچہ میری خدمت کیلئے لے آؤ۔ ابوطلحہؓ مجھے لے چلے' میں اب سفر وحضر میں حاضر خدمت رہنے لگا' ایک مرتبہ آپؐ باہر سے آ رہے تھے جب احد پہاڑ نظر پڑا تو آپؐ نے فرمایا یہ پہاڑ ہم سے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں' جب مدینہ نظر آیا تو فرمانے لگے یا اللہ! میں اس کے دو کناروں کے درمیان کی جگہ کو حرم مقرر کرتا ہوں جیسے کہ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کو حرم بنایا اے اللہ! ان کے مد اور صاع میں اور ناپ میں برکت دے اور روایت میں ہے یا اللہ! جتنی برکت تو نے مکہ میں دی ہے اس سے دگنی برکت مدینہ میں دے۔ اور روایت میں ہے مدینہ میں قتل نہ کیا جائے اور چارے کے سوا اور پتے بھی یہاں کے درختوں کے نہ جھاڑے جائیں۔

قیامت تک کی حرمت:

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن فرمایا جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا کئے تب سے اس شہر کو حرمت وعزت والا بنایا ہے اب یہ قیامت تک حرمت وعزمت والا ہی رہے گا۔ اس میں جنگ وقتال کسی کو حلال نہیں میرے لئے بھی صرف آج کے دن ہی ذرا سی دیر کے لئے حلال ہوا تھا اب وہ حرام ہی حرام ہے' سنو! اسکے کانٹے نہ کاٹے جائیں' اس کا شکار نہ بھگایا جائے اس میں کسی کی گری پڑی چیز نہ اٹھائی جائے' ہاں جو پہنچوائے اس کے لئے اٹھانا جائز ہے' اس کی گھانس نہ کاٹی جائے۔

عمرو بن سعید کی حرم پر لشکر کشی:

حضرت ابن شریح عدویؓ نے عمرو بن سعید سے اس وقت کہا جبکہ وہ مکہ کی طرف لشکر بھیج رہا تھا کہ اے امیر سن! فتح مکہ والے دن صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا جسے میرے کانوں نے سنا دل نے یاد رکھا اور میں نے آنکھوں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت دیکھا آپؐ نے حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ مکہ کو خدا تعالیٰ نے حرم کیا ہے لوگوں نے نہیں کیا کسی ایماندار کو اس میں خون بہانا یا اس کا درخت کاٹنا حلال نہیں اگر کوئی میری اس لڑائی کو دلیل بنائے تو کہہ دینا کہ میرے لئے صرف آج ہی کے دن کی اس ساعت یہاں جہاد حلال تھا پھر اس شہر کی حرمت آ گئی ہے جیسے کل تھی' خبردار ہر حاضر غائب کو یہ پہنچا دے۔ لیکن عمرو نے یہ حدیث سن کر صاف جواب دیا کہ میں تجھ سے زیادہ اس حدیث کو جانتا ہوں' حرم نافرمان کو اور خونی کو اور بربادی کرنے والے کو نہیں بچاتا۔ (بخاری ومسلم)

کمر بند باندھنا:

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کمر بند باندھنا عورتوں نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ محترمہ سے سیکھا ہے۔

زمزم:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں صفا ومروہ کی سعی جو حاجی کرتے ہیں اس کی ابتدا یہی ہے ساتویں مرتبہ جب مائی صاحبہ مروہ پر آتی ہیں تو کچھ آواز کان میں پڑتی ہے آپ خاموش ہو کر احتیاط سے اس کی طرف متوجہ ہوتی ہیں کہ یہ آواز کیسی؟ آواز پھر آتی ہے اور اب کی مرتبہ صاف سنائی دیتی ہے تو آپ آواز کی طرف لپک کر آتی ہیں اور اب جہاں زمزم ہے وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو پاتی ہیں۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام پوچھتے ہیں تم کون ہو؟ آپ جواب دیتی ہیں کہ میں ہاجرہ ہوں' میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لڑکے کی ماں ہوں۔ فرشتہ پوچھتا ہے' ابراہیم علیہ السلام تمہیں اس سنسان بیابان میں کسے سونپ گئے ہیں؟ آپ فرماتی ہیں اللہ کو۔ فرمایا پھر تو وہ کافی ہے۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے فرمایا اے غیبی شخص! آواز تو میں نے سن لی کیا کچھ میرا کام بھی نکلے گا؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے اپنی ایڑی زمین پر رگڑی' وہیں زمین سے ایک چشمہ پانی کا ابلنے لگا۔ حضرت ہاجرہ علیہا السلام نے ہاتھوں سے اس پانی کو مشک میں بھرنا شروع کیا' مشک پُر کر کے پھر اس خیال سے کہ پانی ادھر ادھر بہہ کر نکل نہ جائے، اس کے آس پاس باندھنی شروع کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں' اللہ تعالیٰ ام اسماعیل علیہا السلام پر رحم کرے اگر وہ اس طرح پانی کو نہ روکتیں تو زمزم کنویں کی شکل میں نہ ہوتا بلکہ وہ ایک جاری نہر کی صورت میں ہوتا۔ اب حضرت ہاجرہؓ نے پانی پیا اور بچہ کو بھی پلایا اور دودھ پلانے لگیں۔

قبیلہ جرہم:

جرہم کا قبیلہ کداء کے راستہ کی طرف سے اتفاقاً مکہ شریف کے نیچے کے حصہ میں اترا' ان کی نظریں ایک آبی پرند پر پڑیں' تو آپس میں کہنے لگے یہ پرندا تو پانی کا ہے' اور یہاں پانی کبھی نہ تھا' ہماری آمد ورفت یہاں سے کئی مرتبہ ہوئی' یہ تو خشک جنگل اور چٹیل میدان ہے' یہاں پانی کہاں؟

چنانچہ انہوں نے اپنے آدمی اصلیت معلوم کرنے کے لئے بھیجے' انہوں نے واپس آ کر خبر دی کہ وہاں تو بہترین اور بہت سا پانی ہے۔ اب وہ سب آئے اور حضرت ام اسماعیل علیہا السلام سے عرض کرنے لگے کہ مائی صاحبہ اگر آپ اجازت دیں تو ہم بھی یہاں ٹھہر جائیں' پانی کی جگہ ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں شوق سے رہو لیکن پانی پر قبضہ میرا ہی رہے گا۔

ایک صحیح حدیث میں یہ بھی ہے کہ حضرت ذبیح اللہ علیہ السلام کے بدلے جو دنبہ ذبح ہوا تھا اس کے سینگ بھی کعبۃ اللہ میں تھے۔ ﴿ابن کثیر﴾

طواف کا ثواب

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اس گھر کا طواف کرتے ہوئے سات چکر لگائے اور ٹھیک طرح سے شمار کیا اسے ایک غلام آزاد کرنے کے برابر ثواب ہوگا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ طواف کرنے والا جو بھی قدم رکھے گا اور اٹھائے گا تو ہر قدم پر اللہ تعالیٰ اس کا ایک گناہ معاف فرمادیں گے اور ایک نیکی اس کے اعمال نامہ میں لکھ دیں گے۔ ﴿انوار البیان﴾

وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ
اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو میوے جو کوئی ان میں سے
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ
ایمان لاوے اللہ پر اور قیامت کے دن پر

یعنی اس کے رہنے والے جو اہل ایمان ہوں ان کو روزی دے میووں کی اور کفار کے لئے دعا نہ کی تا کہ وہ مقام لوث کفر سے پاک رہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ
فرمایا اور جو کفر کریں اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس
اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾
کو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے رہنے کی

رزق اور امامت:

حق تعالیٰ نے فرمایا کہ دنیا میں کفار کو بھی رزق دیا جائے گا اور رزق کا حال امامت جیسا نہیں کہ اہل ایمان کے سوا کسی کو مل ہی نہ سکے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

دُنیا: جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دنیا ملعون ہے اور جو کچھ اس میں ذکر اللہ اور اس کے متعلقات اور عالم متعلم کے سوا ہے وہ بھی ملعون ہے اس حدیث کو ابن ماجہ نے ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ سے اور طبرانی نے بسند صحیح اوسط میں بھی روایت کیا ہے اور کبیر میں بھی بسند صحیح ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اس میں یہ ہے کہ سوائے ان چیزوں کے جس سے اللہ کی رضامندی طلب کی جاوے باقی سب ملعون ہے۔

دُعائے امن کی قبولیت:

خلاصہ یہ ہے کہ دعاء ابراہیمی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے اس شہر کو ایک مامون شہر اور تمام دنیا کے لئے امن کی جگہ قدرتی طور پر بھی بنادی ہے۔ یہاں تک کہ دجال کو بھی حرم میں داخل ہونے کی قدرت نہ ہوگی۔ اور شرعی طور پر بھی یہ احکام جاری فرمادیئے کہ حرم میں باہمی قتل وقتال تو کیا جانوروں کا شکار بھی جرام کردیا گیا۔

دُعائے رزق کی قبولیت:

تیسری دعاء یہ فرمائی کہ اس شہر کے باشندوں کو پھلوں کا رزق عطا فرمائیے' مکہ مکرمہ اور اس کے آس پاس کی زمین نہ کسی باغ وچمن کی متحمل تھی' نہ وہاں دور دور تک پانی کا نام ونشان تھا' مگر حق تعالیٰ نے دعا ابراہیمی کو قبول فرمایا اور مکہ کے قریب ہی طائف کا ایک ایسا خطہ بنادیا جس میں ہر طرح کے بہترین پھل بکثرت پیدا ہوتے اور مکہ مکرمہ آ کر فروخت ہوتے ہیں' بعض اسرائیلی روایات میں ہے کہ طائف دراصل ملک شام کا خطہ تھا' جس کو بحکم خداوندی جبرئیل امین نے یہاں منتقل کردیا۔

حکمت ابراہیمی

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعاء میں یہ نہیں فرمایا کہ مکہ اور اس کے ماحول کو گلزار اور پھلوں کی زمین یا قابل کاشت بنادیجئے' بلکہ دعا یہ فرمائی کہ یہ چیزیں پیدا کہیں اور ہوں مگر مکہ میں پہنچا کریں' اس میں شاید یہ راز ہو کہ حضرت خلیل علیہ السلام یہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی اولاد کاشتکاری یا باغبانی کے کاموں میں مشغول ہو جائے' کیونکہ ان کو اس جگہ آباد کرنے کا منشاء تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود یہ فرمادیا (رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خلیل علیہ السلام اپنی اولاد کا اصل مشغلہ بیت اللہ کی حفاظت اور نماز کو رکھنا چاہتے تھے' ورنہ کیا مشکل تھا کہ خود مکہ مکرمہ کو ایسا گلزار بنادیا جاتا کہ دمشق و بیروت اس پر رشک کرتے۔

رزق ثمرات تمام ضروریات زندگی کو شامل ہے:

لفظ ثمرات جو ثمرہ کی جمع ہے اس کے معنی پھل کے ہیں' اور

بظاہر اس سے مراد درختوں کے پھل ہیں' لیکن سورۃ قصص آیت نمبر ۵۷ میں اس دعاء کی قبولیت کا اظہار ان الفاظ میں فرمادیا ہے' (یُجْبٰی اِلَیْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ شَیْءٍ) ان الفاظ میں ایک تو اس کی تصریح ہے کہ خود مکہ میں یہ پھل پیدا کرنے کا وعدہ نہیں' بلکہ دوسرے مقامات سے یہاں لائے جایا کریں گے' کیونکہ لفظ (یُجْبٰی) کا یہی مفہوم ہے' دوسرے ثمرات کل شجر نہیں فرمایا' بلکہ ثمرات کل شیٔ فرمایا' اس تغیر لفظی سے ذہن اس طرف جاتا ہے کہ یہاں ثمرات کو عام کرنا مقصود ہے کیونکہ ثمرہ عرف میں ہر چیز سے حاصل ہونے والی پیداوار کو کہا جاتا ہے درختوں سے پیدا ہونے والے پھل جس طرح اس میں داخل ہیں اسی طرح مشینوں سے حاصل ہونے والا کل سامان بھی مشینوں کے ثمرات ہیں' اس طرح مختلف دستکاریوں سے بننے والا سامان ان دستکاریوں کے ثمرات ہیں' اس طرح ثمرات کل شیٔ میں تمام ضروریات زندگی داخل ہوجاتی ہیں۔

دنیا بھر کی مصنوعات بکثرت وبآسانی وہاں مل جاتی ہیں۔

حضرت خلیل کی احتیاط

اس آیت میں جبکہ اہل مکہ کے لئے امن اور فراخی عیش کی دعاء کی گئی' تو ان میں مومن کافر سب داخل تھے' اور اس سے پہلے حضرت خلیل اللہ نے جب ایک دعاء میں اپنی پوری ذریت کو بغیر امتیاز مومن وکافر جمع کیا تھا' تو حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد آیا تھا کہ یہ دعاء مومنوں کے حق میں قبول ہے' ظالم مشرکوں کے حق میں قابل قبول نہیں' وہ دعاء تھی امامت واقتدار کی' حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کو جو مقام خلت پر فائز اور خشیۃ اللہ سے لبریز تھے اس جگہ بھی وہ بات یاد آئی تو اپنی دعاء میں یہ قید لگادی کہ یہ معاشی خوش حالی اور امن وامان کی دعاء صرف مؤمنین کے لئے کرتا ہوں' حق تعالیٰ کی طرف سے اس خشیت واحتیاط کی قدر کی گئی اور فرمایا وَمَنْ كَفَرَ یعنی یہ دنیوی خوشی حالی اور اقتصادی فراخی ہم سبھی اہل مکہ کو عطا کریں گے' اگرچہ وہ ظالم مشرک کافر ہی ہوں' البتہ مؤمنین کی یہ خوش حالی جس طرح دنیا میں دی جائے گی اسی طرح آخرت میں بھی عطا ہوگی' اور کافروں کو آخرت میں عذاب کے سوا کچھ نہیں۔

مدینہ منورہ کیلئے سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا

صحیح مسلم ص ۴۴۲ ج ۱' میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اہل مدینہ کا یہ طریقہ تھا کہ جب پہلا پھل آتا تھا تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آتے تھے آپ اسے لے کر یوں دعا کرتے تھے' اے اللہ تو ہمارے لئے ہمارے پھلوں میں برکت دے ہمارے صاع اور مد میں برکت دے (صاع اور مد اس زمانہ کے پیمانے تھے) اے اللہ! بے شک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تیرے بندے اور تیرے خلیل اور تیرے نبی تھے اور میں تیرا بندہ تیرا نبی ہوں اور ابراہیم علیہ السلام نے آپ سے مکہ کے لئے دعا کی تھی اور میں آپ سے مدینہ کے لئے دعا کرتا ہوں جو کچھ ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لئے مانگا میں اسی قدر اور اس کے ساتھ اس جیسا مزید آپ سے طلب کرتا ہوں اس کے بعد اپنے کسی سب سے چھوٹے بچہ کو بلا کر وہ پھل دے دیتے تھے اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں دعا کی۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ بِالْمَدِیْنَةِ ضِعْفَیْ مَا بِمَكَّةَ مِنَ الْبَرْكَةِ

(اے اللہ مدینہ میں اس سے دوگنی برکت کردے جو مکہ میں ہے)

(صحیح مسلم ۴۴۲ ج ۱)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا بھی مقبول ہے مدینہ منورہ میں بھی پورے عالم سے طرح طرح کے ثمرات ومصنوعات کھنچ کر آتے ہیں اور کھلی آنکھوں مکہ معظمہ سے دوچند برکات دیکھنے میں آتی ہیں۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ
اور یاد کر جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی
وَاِسْمٰعِیْلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا اِنَّكَ اَنْتَ
اور اسماعیل' اور دُعاء کرتے تھے اے پروردگار قبول کر ہم سے بیشک
السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿۱۲۷﴾
تو ہی ہے سننے والا جاننے والا

قبول کر ہم سے اس کام کو (کہ تعمیر خانہ کعبہ ہے) تو سب کی دعاء سنتا ہے اور نیت کو جانتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

پیدائش زمین سے قبل:

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ اب جہاں بیت اللہ ہے وہاں زمین کی پیدائش سے پہلے پانی پر بلبلوں کے ساتھ جھاگ سے تھے یہیں سے زمین پھیلائی گئی۔

نیکی کا حرص

(رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا) حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم ربانی

کی تعمیل میں ملک شام کے ہرے بھرے خوش منظر خطہ کو چھوڑ کر مکہ مکرمہ کے خشک پہاڑوں کے درمیان اپنے اہل وعیال کو لا ڈالا' اور بیت اللہ کی تعمیر میں اپنی پوری توانائی خرچ کی' یہ موقع ایسا تھا کہ ایسے مجاہدے کرنے والے کے دل میں عجب پیدا ہوتا تو وہ اپنے عمل کو بہت کچھ قابل قدر سمجھتا' لیکن یہاں حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں' رب العزت کی بارگاہ عزت وجلال کو پہچاننے والے ہیں کہ کسی انسان سے اللہ تعالیٰ کے شایان شان عبادت واطاعت ممکن نہیں' ہر شخص اپنی قوت وہمت کی مقدار سے کام کرتا ہے' اس لئے ضرورت ہے کہ کوئی بھی بڑے سے بڑا عمل کرے تو اس پر ناز نہ کرے' بلکہ الحاح وزاری کے ساتھ دعاء کرے کہ میرا یہ عمل قبول ہو جائے' جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بناء بیت اللہ کے عمل کے متعلق یہ دعاء فرمائی کہ ''اے ہمارے پروردگار آپ ہمارے اس عمل کو قبول فرمالیں' کیونکہ آپ تو سننے والے اور جاننے والے ہیں ہماری دعاء کو سنتے ہیں اور ہماری نیتوں کو جانتے ہیں۔''

حضرت خلیل اللہ کی یہ دعاء بھی قبول ہوئی کہ آپ کی ذریت میں ہمیشہ ایسے لوگ موجود رہتے ہیں جو دین حق پر قائم اور اللہ کے فرماں بردار بندے تھے' جاہلیت عرب میں جبکہ پوری دنیا کو خصوصاً عرب کو شرک وبت پرستی نے گھیر لیا تھا اس وقت اولاد ابراہیم میں ہمیشہ کچھ لوگ عقیدہ توحید وآخرت کے سچے معتقد اور اطاعت شعار رہے ہیں' جیسے اہل جاہلیت میں زید بن عمرو بن نفیل اور قس بن ساعدہ تھے' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جدامجد عبدالمطلب بن ہاشم کے متعلق بھی یہی روایت ہے کہ وہ شرک وبت پرستی سے بیزار تھے۔ (بحرمحیط)

ذوالقرنین کا حج:

ارزقی کی تاریخ مکہ میں ہے کہ ذوالقرنین نے خلیل اللہ علیہ السلام اور ذبیح اللہ علیہ السلام کے ساتھ بیت اللہ کا طواف کیا' واللہ اعلم۔

قریشیوں کا کعبہ کو دوبارہ تعمیر کرنا:

سب سے پہلے ابن وہب کھڑا ہوا اور ایک پتھر کعبۃ اللہ کا اتارا جو اس کے ہاتھ سے اڑ کر پھر وہیں جا کر نصب ہو گیا۔ اس نے تمام قریش کو خطاب کر کے کہا سنو بیت اللہ بنانے میں ہر شخص اپنا طیب اور پاک مال ہی خرچ کرے۔

دروازہ کا حصہ بنوعبدمناف اور بنوزہرہ بنائیں' حجراسود اور رکن یمانی کا حصہ بنومخزوم بنائیں قریش کے اور قبائل بھی ان کا ساتھ دیں۔ کعبہ کا پچھلا حصہ بنوجمح اور بنوسہم بنائیں' حطیم کے پاس کا حصہ بنوعبدالدار بن قصی اور بنواسد بن عبدالعزیٰ اور بنوعدی بن کعب بنائیں۔ یہ مقرر کر کے اب بنی ہوئی عمارت کو ڈھانے کے لئے چلے لیکن کسی کی ہمت نہیں پڑتی کہ اسے ڈھانا شروع کرے' آخر ولید بن مغیرہ نے کہا لو میں شروع کرتا ہوں۔ کدال لے کر اوپر چڑھ گئے اور کہنے لگے' اے اللہ! تجھے خوب علم ہے کہ ہمارا ارادہ برا نہیں ہم تیرے گھر کو اجاڑنا نہیں چاہتے بلکہ اس کے آباد کرنے کی فکر میں ہیں' یہ کہہ کر کچھ حصہ دونوں رکن کے کناروں کا گرایا' قریشیوں نے کہا بس اب چھوڑ دو اور رات بھر انتظار کرو اگر اس شخص پر کوئی وبال آ جائے تو یہ پتھر اسی جگہ پر لگا دینا اور خاموش ہو جانا اور اگر کوئی عذاب نہ آئے تو سمجھ لینا کہ اس کا گرانا خدا کو ناپسند نہیں پھر کل سب مل کر اپنے اپنے کام میں لگ جانا۔ چنانچہ صبح ہوئی اور ہر طرح خیریت رہی' اب سب آ گئے اور بیت اللہ کی اگلی عمارت کو گرا دیا' یہاں تک کہ اصلی نیو یعنی بناء ابراہیمی تک پہنچ گئے' یہاں سبز رنگ کے پتھر تھے اور ایک دوسرے میں گویا پیوست تھے' ایک شخص نے دو پتھروں کو الگ کرنا چاہا اس میں کدال ڈال کر زور لگایا تو پتھر کے ہلنے کے ساتھ ہی تمام مکہ کی زمین ہلنے لگی تو انہوں نے سمجھ لیا کہ انہیں جدا کر کے اور پتھر ان کی جگہ لگانا خدا کو منظور نہیں اس لئے ہمارے بس کی بات نہیں۔ اس ارادے سے باز رہے اور ان پتھروں کو اسی طرح رہنے دیا۔ پھر ہر قبیلے نے اپنے اپنے حصہ کے مطابق علیحدہ علیحدہ پتھر جمع کئے اور عمارت بننی شروع ہوئی۔

حجراسود کی تنصیب:

یہاں تک کہ حجراسود رکھنے کی جگہ تک پہنچے' اب ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ یہ شرف اسے ملے' آپس میں لڑنے جھگڑنے لگے یہاں تک کہ باقاعدہ جنگ کی نوبت آ گئی فرقے آپس میں کھنچ گئے۔

ابوامیہ بن مغیرہ نے جو قریش میں سب سے زیادہ معمر اور عقلمند تھے کہا سنو! لوگو! تم اپنا حکم کسی کو بنالو وہ جو فیصلہ کرے سب منظور کر لو' لیکن پھر حکم بنانے میں اختلاف ہوگا اس لئے ایسا کرو کہ اب جو سب سے پہلے یہاں مسجد میں آئے وہی ہمارا منصف۔ اس رائے پر سب نے اتفاق کر لیا۔ اب منتظر ہیں کہ دیکھیں سب سے پہلے کون آتا ہے؟ پس سب سے پہلے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آئے۔ آپ کو دیکھتے ہی یہ لوگ خوش ہو گئے اور کہنے لگے ہمیں آپ کا فیصلہ منظور ہے ہم آپ کے حکم پر رضامند ہیں یہ تو امین ہیں یہ تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر سب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ آپ کو کہہ سنایا۔ آپ نے فرمایا جاؤ کوئی موٹی اور بڑی سی چادر لاؤ! وہ لے آئے۔ آپ نے حجراسود اٹھا کر اپنے

دست مبارک سے اس میں رکھا۔ پھر فرمایا ہر قبیلے کا سردار آئے اور اس کپڑے کا کونہ پکڑ لے اور اس طرح ہر ایک حجر اسود کے اٹھانے کا حصہ دار بنے' اس پر سب لوگ بہت ہی خوش ہوئے اور تمام سرداروں نے اسے تھام کر اونچا کیا۔ جب اس کے رکھنے کی جگہ تک پہنچے تو اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے لے کر اپنے ہاتھ سے اس کی جگہ رکھ دیا۔

غلاف کعبہ:

ابن اسحاق رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کعبہ اٹھارہ ہاتھ کا تھا' قباطی کا پردہ چڑھایا جاتا تھا' پھر چادر کا پردہ چڑھنے لگا' ریشمی پردہ سب سے پہلے حجاج بن یوسف نے چڑھایا۔ کعبہ کی یہی عمارت رہی۔

حضرت عبداللہ بن زبیر کی تعمیر:

یہاں تک کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی خلافت کے ابتدائی زمانہ میں ساٹھ سال کے بعد یہاں آگ لگی اور کعبہ جل گیا۔ یہ یزید بن معاویہ کی ولایت کا آخری زمانہ تھا اور اس نے ابن زبیر کو مکہ میں محاصرہ کر رکھا تھا۔ ان دنوں میں خلیفہ مکہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اپنی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ سے جو حدیث سنی تھی اسی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا پر بیت اللہ کو گرا کر ابراہیمی قواعد پر بنایا' حطیم اندر شامل کر لیا' مشرق مغرب دو دروازے رکھے ایک اندر آنے کا اور دوسرا باہر جانے کا' اور دروازوں کو زمین کے برابر رکھا۔ آپ کی امارت کے زمانہ تک کعبۃ اللہ یونہی رہا' یہاں تک کہ ظالم حجاج کے ہاتھوں آپ شہید ہوئے۔ اب حجاج نے عبدالملک بن مروان کے حکم سے کعبہ کو پھر توڑ کر پہلے کی طرح بنا لیا۔ صحیح مسلم شریف میں ہے یزید بن معاویہ کے زمانہ میں جبکہ شامیوں نے مکہ شریف پر چڑھائی کی اور جو ہونا تھا وہ ہوا اس وقت حضرت عبداللہؓ نے بیت اللہ کو یونہی چھوڑ دیا' موسم حج کے موقعہ پر لوگ جمع ہوئے انہوں نے یہ سب کچھ دیکھا ازاں بعد آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ کعبہ سارے کو گرا کر نئے سرے سے بناؤں یا جو ٹوٹا ہوا ہے اس کی اصلاح کر لوں؟ تو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا میری رائے ہے کہ آپ جو ٹوٹا ہوا ہے اس کی مرمت کر دیں باقی سب پرانا ہی رہنے دیں۔ آپ نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کا گھر جل جاتا تو وہ تو خوش نہ ہوتا جب تک کہ اسے نئے سرے سے نہ بنائے پھر تم اپنے رب عزوجل کے گھر کی نسبت اتنی کمزور رائے کیوں رکھتے ہو۔ اچھا میں تین دن تک اپنے رب سے استخارہ کروں گا پھر جو سمجھ میں آئے گا وہ کروں گا۔ تین دن کے بعد آپ کی رائے یہی ہوئی کہ باقی ماندہ دیواریں بھی توڑ دی جائیں اور از سر نو کعبہ کی تعمیر کی جائے' چنانچہ یہ حکم دیدیا۔ لیکن کعبے کو توڑنے کی کسی کی ہمت نہیں پڑتی تھی ڈر تھا کہ جو پہلے توڑنے کے لئے چڑھے گا اس پر عذاب نازل ہوگا' لیکن ایک باہمت شخص چڑھ گیا اور اس نے ایک پتھر توڑا' جب لوگوں نے دیکھا کہ اسے کچھ ایذا نہیں پہنچی تو اب ڈھانا شروع کیا اور زمین تک برابر یکساں صاف کر دیا اس وقت چاروں طرف ستون کھڑے کر دیئے تھے اور ایک کپڑا تان دیا تھا۔ اب بناء بیت اللہ شریف شروع ہوئی' حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں نے حضرت عائشہؓ سے سنا وہ کہتی تھیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اگر لوگوں کا کفر کا زمانہ قریب نہ ہوتا اور میرے پاس خرچ بھی ہوتا جس سے میں بنا سکوں تو حطیم میں سے پانچ ہاتھ بیت اللہ میں لے لیتا اور کعبہ کے دو دروازے کرتا ایک آنے کا اور ایک جانے کا۔ حضرت عبداللہؓ نے یہ روایت بیان کر کے فرمایا اب لوگوں کے کفر کا زمانہ قریب کا نہیں رہا ان سے خوف جاتا رہا اور خزانہ بھی معمور ہے میرے پاس کافی روپیہ ہے پھر کوئی وجہ نہیں کہ میں حضورؐ کی تمنا پوری نہ کروں' چنانچہ پانچ ہاتھ حطیم میں سے اندر لے لیا اور اب جو دیوار کھڑی کی تو ٹھیک ابراہیمی نیو نظر آنے لگی جو لوگوں نے اپنی آنکھوں دیکھ لی اور اسی پر دیوار کھڑی کی بیت اللہ کا طول اٹھارہ ہاتھ کا تھا اب اس میں پانچ ہاتھ اور بڑھ گیا تو طول چھوٹا ہو گیا اس لئے طول میں دس ہاتھ اور بڑھایا گیا اور دو دروازے بنائے گئے ایک اندر آنے کا دوسرا باہر جانے کا۔

حجاج کی تعمیر:

ابن زبیرؓ کی شہادت کے بعد حجاج نے عبدالملک کو لکھا اور ان سے مشورہ لیا کہ اب کیا کیا جائے' یہ بھی لکھ بھیجا کہ مکہ شریف کے عادلوں نے دیکھا ہے ٹھیک حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نیو پر کعبہ تیار ہوا ہے۔ لیکن عبدالملک نے جواب دیا کہ طول کو تو باقی رہنے دو حطیم کو باہر کر دو اور دوسرا دروازہ بند کر دو۔ حجاج نے اس حکم کے مطابق کعبہ کو توڑ کر پھر اس کی اسی بناء پر بنا دیا' لیکن سنت طریقہ یہی تھا کہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی بناء کو باقی رکھا جاتا۔ اس لئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت یہی تھی لیکن اس وقت آپ کو یہ خوف تھا کہ لوگ بدگمانی نہ کریں ابھی نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں۔ لیکن یہ حدیث عبدالملک بن مروان کو نہیں پہنچی تھی اس لئے اس نے اسے تڑوا دیا' جب اسے حدیث پہنچی تو رنج کرتے تھے اور کہتے تھے کاش کہ ہم اسے یونہی رہنے دیتے اور نہ تڑواتے۔

ایک حادثہ کی اطلاع:

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعبہ کو دو چھوٹی پنڈلیوں والا ایک حبشی پھر خراب کرے گا۔ حضورؐ فرماتے ہیں گویا میں اسے دیکھ رہا ہوں وہ سیاہ فام ایک ایک پتھر الگ الگ

کردے گا اس کا غلاف لے جائے گا اور اس کا خزانہ بھی وہ ٹیڑھے ہاتھ پاؤں والا اور گنجا ہوگا، میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا وہ کدال بجا رہا ہے اور برابر ٹکڑے کر رہا ہے غالباً یہ ناشدنی واقعہ (جس کے دیکھنے سے خدا ہمیں محفوظ رکھے) یاجوج ماجوج کے نکل چکنے کے بعد ہوگا۔ صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم یاجوج ماجوج کے نکلنے کے بعد بھی بیت اللہ شریف کا حج وعمرہ کرو گے۔ ﴿ابن کثیر﴾

(وَ اِسۡمٰعِیۡلُ) (اور اسمٰعیل)

تعمیر کرنے والے تو صرف ابراہیم علیہ السلام ہی تھے اس واسطے اول ان کا ذکر فرمایا اور اسمٰعیل علیہ السلام پتھر پکڑاتے تھے اس لئے ان کو بھی تعمیر میں دخل ہوا اور اس لئے فاصلہ لا کر عطف فرمایا۔

بیت اللہ کے مقام کی پیدائش، حضرت آدم کا حج، طوفان نوح کے وقت آسمان پر اٹھایا جانا وغیرہ

علامہ بغوی نے فرمایا ہے منقول ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے زمین کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے بیت اللہ کا مقام پیدا فرما دیا تھا اور وہ مقام ایک سفید جھاگ پانی پر قائم تھا پھر زمین اس کے نیچے سے بچھائی گئی۔ پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو انہیں بڑی وحشت ہوئی اللہ تعالیٰ سے عرض کیا حق تعالیٰ نے جنت کے یاقوت کا بنا ہوا بیت المعمور اتارا اس کے دروازے زمرد کے تھے ایک دروازہ شرقی اور ایک غربی اور اس کو بیت اللہ کے مقام پر رکھ دیا اور حکم ہوا آدم علیہ السلام! ہم نے تمہارے لئے یہ گھر اتارا ہے اس کا تم ایسے ہی طواف کرو جیسے عرش کے گرد کرتے تھے اور اس کے پاس اسی طرح نماز پڑھو جس طرح میرے عرش کے پاس پڑھتے تھے اور حجر اسود بھی اتارا اور اس وقت یہ پتھر روشن سفید تھا پھر جاہلیت میں حائضہ عورتوں کے چھونے سے کالا ہوگیا۔ حضرت آدم علیہ السلام یہ حکم سنتے ہی ہند سے مکہ کو پاپیادہ تشریف لائے اور اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کے ذریعہ انہیں بیت اللہ کا راستہ بتایا انہوں نے مکہ پہنچ کر بیت اللہ کا حج کیا اور تمام طریقے حج کے ادا کئے جب حج سے فارغ ہوئے تو فرشتوں نے کہا آدم علیہ السلام! تمہارا حج مقبول ہوا اور ہم اس گھر کا آپ سے دو ہزار برس پہلے حج کر چکے ہیں۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ آدم علیہ السلام نے ہند سے مکہ تک پیادہ چل کر چالیس حج کئے۔ القصہ طوفان نوح تک بیت المعمور اسی طرح قائم رہا جب طوفان واقع ہوا تو اللہ تعالیٰ نے اس کو چوتھے آسمان پر اٹھا لیا اب ہر دن اس میں ستر ہزار فرشتے زیارت کے لئے جاتے ہیں اور پھر لوٹ کر نہیں آتے دوسرے دن ستر ہزار آتے ہیں۔ اسی طرح ہمیشہ آتے رہتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ حجر اسود کو کوہ ابوقبیس میں چھپا دے تاکہ طوفان میں غرق ہونے سے محفوظ ہوجائے پھر ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ تک بیت اللہ کی جگہ بالکل خالی رہی پھر جب اسمٰعیل اور اسحٰق علیہما السلام پیدا ہوئے تو حق تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ بنانے کا حکم فرمایا ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا اے اللہ وہ جگہ مجھے بتا دے جہاں تعمیر کرنے کا حکم ہے اللہ تعالیٰ نے سکینہ بھیجی کہ اس نے بیت اللہ کی جگہ بتائی اور سکینہ ایک تند ہوا تھی کہ اس کے سانپ کی طرح دو سر تھے اور ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ جس جگہ یہ سکینہ قائم ہوجائے وہاں خانہ کعبہ بناؤ ابراہیم علیہ السلام اس کے پیچھے ہو لئے جس جگہ اس وقت بیت اللہ ہے وہاں آ کر سکینہ مثل ڈھال کے بیٹھ گئی پھر وہاں ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ بنایا یہ علی اور حسن کا قول ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کے برابر ایک بدلی بھیجی وہ چلتی تھی اور ابراہیم علیہ السلام اس کے سایہ میں چلتے تھے حتیٰ کہ وہ بدلی خانہ کعبہ کی جگہ آ کر ٹھہر گئی اور ابراہیم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بلا کمی وبیشی کے اس کے سایہ میں تعمیر کرو۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

رَبَّنَا وَاجۡعَلۡنَا مُسۡلِمَيۡنِ لَكَ وَمِنۡ ذُرِّيَّتِنَآ

اے پروردگار ہمارے اور کر ہم کو حکم بردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی

اُمَّةً مُّسۡلِمَةً لَّكَ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا

کر ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتلا ہم کو قاعدے حج کرنے

وَتُبۡ عَلَيۡنَا ۚ اِنَّكَ اَنۡتَ التَّوَّابُ الرَّحِيۡمُ ﴿۱۲۸﴾

کے اور ہم کو معاف کر بے شک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان

رَبَّنَا وَابۡعَثۡ فِيۡهِمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡهُمۡ يَتۡلُوۡا

اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں کا کہ پڑھے

عَلَيۡهِمۡ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ

ان پر تیری آیتیں اور سکھلاوے ان کو کتاب اور تہ کی باتیں اور پاک

وَيُزَكِّيۡهِمۡ ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَزِيۡزُ الۡحَكِيۡمُ ﴿۱۲۹﴾ ع

کرے ان کو بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا

دُعائے ابراہیم واسمٰعیل علیہما السلام

یہ دعاء حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام دونوں نے مانگی کہ ہماری جماعت میں ایک جماعت فرمانبردار اپنی پیدا کر اور ایک رسول ان میں بھیج جو ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ایسا نبی جو ان دونوں کی اولاد میں ہو بجز سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کوئی نہیں آیا اس کی وجہ سے یہود کے گزشتہ خیال کا پورا رد ہو گیا۔ علم کتاب سے مراد معانی ومطالب ضرور یہ ہیں جو عبارت سے واضح ہوتے ہیں اور حکمت سے مراد اسرار مخفیہ اور رموز لطیفہ ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین ،عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا خواب ہیں

مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میں خدا کے نزدیک خاتم النبیین اس وقت سے ہوں جب کہ آدم علیہ السلام ابھی مٹی کی صورت میں تھے، میں تمہیں ابتدائی امر بتاؤں میں اپنے باپ (حضرت) عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت ہوں اور اپنی ماں کا خواب ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کی والدہ کو ایسے ہی خواب آتے ہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اس رسول کے لئے اپنی اولاد میں ہونے کی اس لئے دعاء فرمائی کہ اول تو یہ اپنی اولاد کے لئے سعادت وشرف ہے، دوسرے ان لوگوں کے لئے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ یہ رسول جب انہی کی قوم اور برادری کے اندر ہوگا، تو اس کے چال، چلن سیرت وحالت سے یہ لوگ بخوبی واقف ہوں گے، کسی دھوکہ فریب میں مبتلا نہ ہوں گے، حدیث میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس دعاء کا جواب حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ملا کہ آپ کی دعا قبول کر لی گئی اور یہ رسول آخری زمانہ میں بھیجے جائیں گے۔ (ابن جریر وابن کثیر) ﴿معارف مفتی اعظم﴾

ولادت باسعادت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کے نزدیک خاتم النبیین اس وقت تھا جب کہ آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کا خمیر ہی تیار ہو رہا تھا اور میں آپ لوگوں کو اپنے معاملہ کی ابتداء بتلاتا ہوں کہ میں اپنے باپ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت اور اپنی والدہ ماجدہ کے خواب کا مظہر ہوں، عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت سے مراد ان کا یہ قول ہے:

﴿وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِن بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ﴾

اور والدہ ماجدہ نے حالت حمل میں یہ خواب دیکھا تھا کہ میرے بطن سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات جگمگا اٹھے۔ پھر قرآن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا تذکرہ کرتے ہوئے دو جگہ سورۂ آل عمران (آیت نمبر ۱۶۴) اور سورۂ جمعہ میں انہیں الفاظ کا اعادہ کیا گیا ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء میں یہاں مذکور ہیں، جس میں سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جس رسولؐ کے بھیجنے کی دعاء فرمائی تھی۔ وہ وہی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے مقاصد

پہلا مقصد تلاوت آیات:

قرآن کریم میں جس طرح معانی مقصود ہیں، اس کے الفاظ بھی مستقل مقصود ہیں، ان کی تلاوت وحفاظت فرض اور اہم عبادت ہے یہاں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بلا واسطہ شاگرد اور مخاطب خاص وہ حضرات تھے جو عربی زبان کے نہ صرف جاننے والے بلکہ اس کے فصیح وبلیغ خطیب اور شاعر بھی تھے، ان کے سامنے قرآن عربی کا پڑھ دینا بھی بظاہر ان کی تعلیم کیلئے کافی تھا ان کو الگ سے ترجمہ وتفسیر کی ضرورت نہ تھی، تو پھر تلاوت آیات کو ایک علیحدہ مقصد اور تعلیم کتاب کو جداگانہ دوسرا مقصد رسالت قرار دینے کی کیا ضرورت تھی، جبکہ عمل کے اعتبار سے یہ دونوں مقصد ایک ہی ہو جاتے ہیں، اس میں غور کیا جائے تو دو اہم نتیجے آپ کے سامنے آئیں گے، اول یہ کہ قرآن کریم دوسری کتابوں کی طرح ایک کتاب نہیں جس میں صرف معانی مقصود ہوتے ہیں الفاظ ایک ثانوی حیثیت رکھتے ہیں، ان میں اگر معمولی تغیر وتبدل بھی ہو جائے تو کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا، ان کے الفاظ بغیر معنے سمجھے ہوئے پڑھتے رہنا بالکل لغو وفضول ہے، بلکہ قرآن کریم کے جس طرح معانی مقصود ہیں اسی طرح الفاظ بھی مقصود ہیں، اور الفاظ قرآن کے ساتھ خاص خاص احکام شرعیہ بھی متعلق ہیں، یہی وجہ ہے کہ اصول فقہ میں قرآن کریم کی یہ تعریف کی گئی ہے کہ هُوَ النَّظْمُ وَالْمَعْنٰى جَمِيْعًا یعنی قرآن نام ہے الفاظ اور معنی دونوں کا جس سے معلوم ہوا کہ اگر معانی قرآن کو الفاظ قرآن کے علاوہ دوسرے الفاظ یا دوسری زبان میں لکھا جائے، تو وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں، اگرچہ مضامین بالکل صحیح درست ہی ہوں، ان مضامین قرآنیہ کو بدلے ہوئے الفاظ میں اگر کوئی شخص نماز میں پڑھ لے تو

نماز ادا نہ ہوگی' اسی طرح وہ تمام احکام جو قرآن سے متعلق ہیں اس پر عائد نہیں ہونگے' قرآن کریم کی تلاوت کا جو ثواب احادیث صحیحہ میں وارد ہے' وہ بدلی ہوئی زبان یا بدلے ہوئے الفاظ پر مرتب نہیں ہوگا اور اسی لئے فقہائے امت نے قرآن کریم کا صرف ترجمہ بلامتن قرآن کے لکھنے اور چھاپنے کو ممنوع فرمایا ہے' جس کو عرف میں اردو کا قرآن یا انگریزی کا قرآن کہہ دیا جاتا ہے' کیونکہ درحقیقت جو قرآن اردو یا انگریزی میں نقل کیا گیا ہے وہ قرآن کہلانے کا مستحق نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں تعلیم کتاب سے علیحدہ تلاوت آیات کو جداگانہ فرض قرار دے کر اس کی طرف اشارہ کردیا کہ قرآن کریم میں جس طرح اس کے معانی مقصود ہیں اسی طرح اس کے الفاظ بھی مقصود ہیں' کیونکہ تلاوت الفاظ کی ہوتی ہے' معانی کی نہیں' اسی لئے جس طرح رسول کے فرائض میں معانی کی تعلیم داخل ہے اسی طرح الفاظ کی تلاوت اور حفاظت بھی ایک مستقل فرض ہے۔

دوسرا مقصد: تعلیم کتاب:

یہی وجہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جو معانی قرآن کو سب سے زیادہ جاننے والے اور سمجھنے والے تھے۔ انہوں نے محض معنی سمجھ لینے اور عمل کر لینے کو کافی نہ سمجھا' سمجھنے اور عمل کرنے کے لئے تو ایک مرتبہ پڑھ لینا کافی ہوتا' انہوں نے ساری عمر تلاوت قرآن کو حرز جان بنائے رکھا۔ بعضے صحابہ روزانہ ایک قرآن مجید ختم کرتے تھے' بعض دو دن میں اور اکثر حضرات تین دن میں ختم قران کے عادی تھے' اور ہر ہفتہ میں قرآن ختم کرنے کا تو پوری امت کا معمول رہا ہے' قرآن کریم کی سات منزلیں اسی ہفتہ واری معمول کی علامت ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کا یہ عمل بتلا رہا ہے کہ جس طرح قرآن کے معانی کا سمجھنا اور عمل کرنا اصلی عبادت ہے' اسی طرح اس کے الفاظ کی تلاوت بھی بجائے خود ایک اعلیٰ عبادت اور موجب انوار و برکات اور سرمایہ سعادت و نجات ہے' اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں تلاوت آیات کو ایک مستقل حیثیت دی گئی' مقصد یہ ہے کہ جو مسلمان فی الحال معانی قرآن کو نہیں سمجھتے وہ اس بدنصیبی میں مبتلا نہ ہو جائیں کہ الفاظ کو فضول سمجھ کر اس سے بھی محروم ہو جائیں' کوشش کرتے رہنا ضروری ہے کہ وہ قرآن کے معانی کو سمجھیں تاکہ قرآن کریم کے حقیقی انوار و برکات کا مشاہدہ کریں' اور نزول قرآن کا اصلی مقصد پورا ہو' قرآن کو معاذ اللہ جنتر منتر کی طرح صرف جھاڑ پھونک میں استعمال کی چیز نہ بنائیں

اور بقول اقبال مرحوم سورۂ یٰسین کو صرف اس کام کے لئے نہ سمجھیں کہ اس کے پڑھنے سے مرنے والے کی جان سہولت سے نکل جاتی ہے۔

آج تو ہر صنعت و حرفت پر سینکڑوں کتابیں لکھی ہوئی ہیں۔ طریقے بتائے ہیں' لیکن ان کتابوں کو دیکھ کر نہ کوئی درزی بنتا ہے نہ باورچی یا لوہار' اگر محض زبان جان لینا کسی فن کے حاصل کرنے اور اس کی کتاب سمجھنے کے لئے کافی ہوتا تو دنیا کے سب فنون اس شخص کو حاصل ہو جاتے جو ان کتابوں کی زبان جانتا ہے۔

اور اگر یہی ہوتا تو جو شخص عربی زبان سیکھ لے وہ معارف قرآن کا ماہر سمجھا جائے تو آج بھی ہزاروں یہودی اور نصرانی عرب ممالک میں عربی کے بڑے ماہر ادیب ہیں وہ سب سے بڑے مفسر قرآن مانے جاتے اور عہد رسالتؐ میں ابوجہل' ابولہب قرآن کے ماہر سمجھے جاتے۔

تیسرا مقصد تعلیم حکمت:

تعلیم کتاب کے ساتھ آپؐ کے فرائض میں تعلیم حکمت بھی رکھی۔

صحابہ و تابعین نے حکمت کی تفسیر سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی ہے' جس سے واضح ہوا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ جس طرح معانی قرآن کا سمجھانا بتلانا فرض ہے' اسی طرح پیغمبرانہ تربیت کے اصول و آداب جن کا نام سنت ہے' ان کی تعلیم بھی آپؐ کے فرائض منصبی میں داخل ہے اور اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِنَّمَا بُعِثْتُ مُعَلِّماً۔ میں تو معلم بنا کر بھیجا گیا ہوں' اور یہ ظاہر ہے کہ جب آپ کا مقصد وجود معلم ہونا ہے' تو آپ کی امت کا مقصد وجود متعلم اور طالب علم ہونا لازم ہوگیا' اس لئے ہر مسلمان مرد و عورت کو بحیثیت مسلمان ہونے کے ایک طالب علم ہونا چاہئے جس کو تعلیمات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لگن ہو' اگر علوم قرآن و سنت کی مکمل تحصیل اور اس میں مہارت کے لئے ہمت و فرصت نہیں ہے تو کم از کم بقدر ضرورت علم حاصل کرنے کی فکر چاہئے۔

چوتھا مقصد تزکیہ:

چوتھا فرض آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرائض منصبی میں تزکیہ ہے' جس کے معنی ہیں، ظاہری و باطنی نجاسات سے پاک کرنا' ظاہری نجاسات سے تو عام مسلمان واقف ہیں' باطنی نجاسات کفر اور شرک' غیر اللہ پر اعتماد کلی اور اعتقاد فاسد' نیز تکبر وحسد' بغض' حب دنیا وغیرہ ہیں' اگرچہ علمی طور پر قرآن و سنت کی تعلیم میں ان سب چیزوں کا بیان آ گیا ہے' لیکن تزکیہ کو آپ کا جداگانہ فرض قرار دے دیا۔

صرف کتاب کافی نہیں:

انسان کی صحیح تعلیم وتربیت کے لئے نہ صرف کتاب کافی ہے نہ کوئی مربی انسان' بلکہ ایک طرف آسمانی ہدایات اور الٰہی قانون کی ضرورت ہے جس کا نام کتاب یا قرآن ہے' دوسری طرف ایک معلم اور مربی انسان کی ضرورت ہے جو اپنی تعلیم وتربیت سے عام انسان کو آسمانی ہدایات سے روشناس کر کے ان کا خوگر بنائے' کیونکہ انسان کا اصلی معلم انسان ہی ہوسکتا ہے' کتاب معلم یا مربی نہیں ہوسکتی' ہاں تعلیم وتربیت میں معین ومددگار ضرور ہے۔

اسلام نے مثالی معاشرہ قائم کیا:

یہی وجہ ہے کہ جس طرح اسلام کی ابتداء ایک کتاب اور ایک رسول سے ہوئی' اور ان دونوں کے امتزاج نے ایک صحیح اور اعلیٰ مثالی معاشرہ دنیا میں پیدا کر دیا' اسی طرح آگے آنے والی نسلوں کے لئے بھی ایک طرف شریعت مطہرہ اور دوسری طرف رجال اللہ کا سلسلہ رہا' قرآن کریم نے جگہ جگہ اس کی ہدایتیں دی ہیں' ایک جگہ ارشاد ہوا:

(يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ رہو''

دوسری جگہ صادقین کی تعریف اور اوصاف بیان کر کے فرمایا:

(اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۖ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ)

''اور یہی لوگ سچے ہیں' اور یہی ہیں پرہیزگار''

قرآن کا خلاصہ:

پورے قرآن کا خلاصہ سورۂ فاتحہ ہے' اور سورۂ فاتحہ کا خلاصہ صراط مستقیم کی ہدایت ہے۔

ترمذی کی حدیث میں ہے۔

يَآ يُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنْ اَخَذْتُمْ بِهٖ لَنْ تَضِلُّوْا كِتَابَ اللّٰهِ وَعِتْرَتِىْ اَهْلُ بَيْتِىْ. (ترمذی)

''اے لوگو! میں تمہارے لئے اپنے بعد میں دو چیزیں چھوڑ تا ہوں ان دونوں کو مضبوطی سے تھامے رہنا تو تم گمراہ نہ ہوگے' ایک کتاب اللہ دوسری میری اولاد اور اہل بیت''

اور صحیح بخاری کی حدیث میں ہے:

اِقْتَدُوْا بِالَّذِيْنَ مِنْ م بَعْدِىْ اَبِىْ بَكْرٍ وَ عُمَرَ.

''یعنی میرے بعد ابوبکرؓ اور عمرؓ کا اتباع کرو''

اور ایک حدیث میں ارشاد فرمایا:

عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِىْ وَ سُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ.

''میرے طریقہ کو اختیار کرو' اور خلفائے راشدین کے طریقہ کو''

قوموں کی اصلاح کیلئے دو چیزیں ضروری ہیں:

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن کریم کی ان ہدایات اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات سے یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ قوموں کی اصلاح وتربیت کے لئے ہر قرن ہر زمانے میں دو چیزیں ضروری ہیں' قرآنی ہدایات اور ان کے سمجھنے اور ان پر عمل کرنے کا سلیقہ حاصل کرنے کے لئے ماہرین شریعت اور اللہ والوں کی تعلیم وتربیت' اور اگر مختلف علوم فنون اور ان کے سیکھنے سکھانے کے طریقوں پر ناقدانہ نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ اصول تعلیم وتربیت کچھ دین اور دینیات ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ تمام علوم وفنون کی صحیح تحصیل اسی پر دائر ہے کہ ایک طرف ہر فن کی بہترین کتابیں ہوں تو دوسری طرف ماہرین کی تعلیم وتربیت' ہر علم وفن کی ترقی وتکمیل کے یہی دو بازو ہیں' لیکن دین اور دینیات میں ان دونوں بازوؤں سے فائدہ اٹھانے میں بہت سے لوگ افراط وتفریط کی غلط روش میں پڑ جاتے ہیں جس کا نتیجہ بجائے فائدہ اٹھانے کے نقصان اور بجائے اصلاح کے فساد ہوتا ہے۔

یہود ونصاریٰ کا مرض:

بعض لوگ کتاب اللہ کو نظر انداز کر کے صرف علماء ومشائخ ہی کو قبلہ مقصود بنا لیتے ہیں اور ان کے متبع شریعت ہونے کی تحقیق نہیں کرتے' اور یہ اصلی مرض یہود ونصاریٰ کا ہے کہ:

(اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ)

''یعنی ان لوگوں نے اپنے علماء ومشائخ کو اللہ کے سوا اپنا معبود اور قبلہ مقصود بنا لیا'' ظاہر ہے کہ یہ راستہ شرک وکفر کا ہے اور لاکھوں انسان اس راستہ میں برباد ہوئے اور ہو رہے ہیں''

حفاظت قرآن:

(اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ)

''ہم نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں''

جس کا یہ نتیجہ ہے کہ اس کے الفاظ اور زیر زبر تک بالکل محفوظ چلے آئے ہیں' اور قیامت تک اسی طرح محفوظ رہیں گے' سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ اگرچہ اس طرح محفوظ نہیں لیکن مجموعی حیثیت سے آپ کی تعلیمات کا محفوظ رہنا آیت مذکورہ کی رو سے لازمی ہے' اور بحمد اللہ آج تک وہ محفوظ چلی آتی ہیں' جب کسی طرف سے اس میں رخنہ اندازی یا

غلط روایات کی آمیزش کی گئی ماہرین سنت نے دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی الگ نکھار کر رکھ دیا' اور قیامت تک یہ سلسلہ بھی اسی طرح رہے گا' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میری امت میں قیامت تک ایسی جماعت اہل حق اور اہل علم قائم رہے گی' جو قرآن وحدیث کو صحیح طور پر محفوظ رکھے گی' اور ان میں ڈالے گئے ہر رخنہ کی اصلاح کرتی رہے گی۔

تعلیماتِ رسول بھی محفوظ ہیں:

خلاصہ یہ ہے کہ جب قرآن پر عمل کرنے کے لئے تعلیم رسولؐ ضروری ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ قرآن پر عمل قیامت تک فرض ہے تو لازم ہے کہ قیامت تک تعلیمات رسولؐ بھی باقی اور محفوظ رہیں' اس لئے آیت میں تعلیمات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیامت تک باقی اور محفوظ رہنے کی بھی پیشین گوئی موجود ہے' جس کو اللہ تعالیٰ نے صحابہ کرام سے لے کر آج تک علم حدیث کے ماہر علماء اور مستند کتابوں کے ذریعہ محفوظ رکھا ہے' اس سے اس دجل والحاد کی حقیقت کھل جاتی ہے جو آج کل بعض لوگوں نے احکام اسلام سے جان بچانے کے لئے یہ بہانہ تراشا ہے کہ موجودہ ذخیرہ حدیث غیر محفوظ اور قابل اطمینان نہیں ہے' ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ ذخیرہ حدیث سے اعتماد اٹھ جائے تو قرآن پر بھی اعتماد کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔

عمل کی توفیق:

آیت مذکورہ میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چوتھا فرض منصبی تزکیہ قرار دیا ہے' تزکیہ کے معنی باطنی نجاسات اور گندگیوں سے پاک کرنا ہے۔ اخلاقی تربیت بھی ضروری ہے۔

جانتا ہوں ثواب طاعت وزہد پر طبیعت ادھر نہیں آتی

عمل کی ہمت وتوفیق کسی کتاب کے پڑھنے یا سمجھنے سے پیدا نہیں ہوتی' اس کی صرف ایک ہی تدبیر ہے کہ اللہ والوں کی صحبت اور ان سے ہمت کی تربیت حاصل کرنا' اسی کا نام تزکیہ ہے' قرآن کریم۔ نے تزکیہ کو مقاصد رسالت میں ایک مستقل مقصد قرار دے کر تعلیمات اسلام کی نمایاں خصوصیت کو بتلایا ہے' کیونکہ محض تعلیم اور ظاہری تہذیب تو ہر قوم اور ہر ملت میں کسی نہ کسی صورت سے کامل یا ناقص طریق پر ضروری سمجھی جاتی ہے' ہر مذہب وملت اور ہر سوسائٹی میں اس کو انسانی ضروریات میں داخل سمجھا جاتا ہے۔

اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت:

اس میں اسلام کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس نے صحیح اور مکمل تعلیم پیش کی جو انسان کی انفرادی زندگی سے لے کر عائلی پھر قبائلی زندگی اور اس سے آگے بڑھ کر سیاسی وملکی زندگی پر حاوی اور بہترین نظام کی حامل ہے' جس کی نظیر دوسری اقوام وملل میں نہیں پائی جاتی' اس کے ساتھ تزکیہ اخلاق اور باطنی طہارت ایک ایسا کام ہے جس کو عام اقوام اور سوسائٹیوں نے سرے سے نظر انداز کر رکھا ہے' انسانی لیاقت واستعداد کا معیار اس کی تعلیمی ڈگریاں سمجھی جاتی ہیں' انہی ڈگریوں کے وزن کے ساتھ انسانوں کا وزن گھٹتا بڑھتا ہے' اسلام نے تعلیم کے ساتھ تزکیہ کا ضمیمہ لگا کر تعلیم کے اصل مقصد کو پورا کر دکھایا۔

جماعتِ صحابہ:

جو خوش نصیب حضرات رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے زیر تعلیم رہے' تعلیم کے ساتھ ساتھ ان کا باطنی تزکیہ بھی ہوتا گیا' اور جو جماعت صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آپؐ کی زیر تربیت تیار ہوئی' ایک طرف ان کی عقل ودانش اور علم وحکمت کی گہرائی کا یہ عالم تھا کہ ساری دنیا کے فلسفے اس کے سامنے گرد ہو گئے' تو دوسری طرف ان کے تزکیہ باطنی اور تعلق مع اللہ کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں بیان فرمایا:

اور جو لوگ آپ کے ساتھ ہیں وہ کافروں پر سخت اور آپس میں رحمدل ہیں' تم انہیں رکوع سجدہ کرتے ہوئے دیکھو گے وہ اللہ کا فضل اور رضا چاہتے ہیں۔''

تلاوتِ قرآن کا درجہ:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے تشریف لے جانے سے پہلے پہلے تلاوت آیات کا یہ درجہ ہو گیا تھا کہ تقریباً پورے جزیرۃ العرب میں قرآن پڑھا جا رہا تھا ہزاروں اس کے حافظ تھے' سینکڑوں ایسے حضرات تھے جو روزانہ یا تیسرے روز پورا قرآن ختم کرتے تھے' تعلیم کتاب وحکمت کا یہ مقام تھا ؎

یتیمے کہ ناکردہ قرآں درست
کتب خانہ چند ملت بشست

دنیا کے سارے فلسفے قرآن کے سامنے ماند ہو چکے تھے' توریت وانجیل کے تحریف شدہ صحائف افسانہ بن چکے تھے قرآنی اصول کو عزت وشرف کا معیار مانا جاتا تھا' تزکیہ کا یہ عالم تھا کہ ساری بداخلاقیوں کے مرتکب افراد تہذیب اخلاق کے معلم بن گئے' بداخلاقیوں کے مریض نہ صرف صحت یاب بلکہ کامیاب معالج اور مسیحا بن گئے' جو رہزن تھے رہبر بن گئے' غرض بت پرست لوگ ایثار وہمدردی کے مجسمے بن گئے' تندخوئی اور جنگ جوئی کی جگہ نرمی اور صلح جوئی نظر آنے لگی' چور اور ڈاکو لوگوں کے اموال کے محافظ بن گئے۔

دُعائے ابراہیمی پوری ہوئی:

الغرض حضرت خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جن مقاصد کے لئے دعا فرمائی اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا تھا وہ سب مقصد آپ کے عہد مبارک ہی میں نمایاں طور پر کامیاب ہوئے پھر آپ کے بعد آپ کے صحابہ کرام نے تو ان کو مشرق سے مغرب اور جنوب سے شمال تک ساری دنیا میں عام کر دیا''

فَصَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ وَسَلِّمْ تَسْلِيْماً كَثِيْراً ...... ﴿معارف مفتی اعظم﴾

مناسک حج جاننے کے لئے دعاء

تفسیر ابن کثیر ص۱۸۳ ج۱ میں ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ شریف کی تعمیر مکمل کر دی تو حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور ان کا ہاتھ پکڑ کر صفا اور مروہ پر لے گئے کہ یہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں پھر ان کو منیٰ لے گئے پھر مزدلفہ میں لے گئے اور فرمایا یہ المشعر الحرام ہے پھر ان کو عرفات میں لے گئے اور ان کو احکام حج سکھا دیئے جب عرفات میں لے گئے تو پوچھا کہ میں نے جو کچھ تم کو بتایا ہے تم نے پہچان لیا۔ اور تین بار پوچھا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ ہاں پہچان لیا حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حج کا طریقہ اور حج کے احکام بتائے انہوں نے حج کا اعلان عام کر دیا جس کا ذکر سورہ حج میں ہے۔

کعبۃ اللہ کی تعمیر نو:

صحیح مسلم ص۴۲۹ ج۱ میں ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اگر یہ بات نہ ہوتی کہ تیری قوم کے لوگ نئے نئے مسلمان ہوئے ہیں تو میں کعبہ شریف کو توڑ دیتا اور اسے ابراہیم علیہ السلام کی بنیادوں پر بنا دیتا اور اس کا دروازہ زمین پر کر دیتا اور حجر یعنی حطیم کو اس میں داخل کر دیتا دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں اس کے لئے دو دروازے بنا دیتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تو کعبہ شریف اسی حال میں رہنے دیا جس طرح قریش مکہ نے بنایا تھا پھر حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما نے قواعد ابراہیمیہ پر بنا دیا تھا اور حطیم کو کعبہ شریف میں داخل کر دیا تھا اور دو دروازے بنا دیئے تھے ایک داخل ہونے کا ایک خارج ہونے کا اور بالکل زمین کے برابر کر دیا تھا اندر جانے کے لئے زینہ کی ضرورت نہ تھی پھر حجاج بن یوسف نے اسی طرح بنا دیا جیسا قریش نے بنایا تھا حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے حجاج کے بعد ہارون الرشید بادشاہ نے پوچھا کہ ہم پھر سے اسی طرح بنا دیں جیسا حضرت عبداللہ بن زبیر نے بنایا تھا تو انہوں نے فرمایا کہ اے امیر المومنین اس کو بادشاہوں کا کھلونا نہ بنایئے جو بھی آئے گا اسے توڑا کرے گا، اور بنایا کرے گا اس طرح سے لوگوں کے دلوں سے اس کی ہیبت جاتی رہے گی۔ (ذکرہ النووی فی شرح مسلم ص۴۲۹ ج۱)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کی گواہی دیں گے:

صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ جب امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ دوسری امتوں کے بارے میں گواہی دے گی کہ ان کے نبیوں (علیہم السلام) نے ان کو تبلیغ کی ہے تو سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو لایا جائے گا اور آپ سے آپ کی امت کے بارے میں سوال کیا جائے گا کیا آپ کی امت عادل ہے گواہی دینے کے لائق ہے؟ اس پر آپ ان کا تزکیہ فرمائیں گے اور گواہی دیں گے کہ واقعی میری امت عادل ہے گواہی کے لائق ہے اس کی گواہی معتبر ہے۔ (ص۵ ج۲)

گواہی پر بخشش کے فیصلے

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا کہ کچھ لوگ ایک جنازے کو لے کر گزرے تو حاضرین نے اس جنازہ کے بارے میں اچھے کلمات کہے اور اس کی تعریف کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وجبت پھر دوسرا جنازہ لے کر گزرے تو حاضرین نے برائی کے ساتھ اس کا ذکر کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی وجبت فرمایا حضرت عمر نے عرض کیا کہ وجبت کا کیا مطلب ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے بارے میں تم نے خیر کے کلمات کہے لہٰذا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی اور جس کے بارے میں تم نے شر کے الفاظ استعمال کئے اس کے لئے دوزخ واجب ہوگئی۔

چار یا دو آدمی کی گواہی خیر:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس کسی مسلمان کے لئے چار آدمی خیر کی گواہی دے دیں اللہ تعالیٰ اسے جنت میں داخل فرمائیں گے ہم نے عرض کیا کہ اگر دو شخص گواہی دیدیں؟ آپ نے فرمایا دو کا بھی یہی حکم ہے پھر ہم نے ایک کی گواہی کے بارے میں دریافت نہیں کیا۔ (صحیح بخاری ص۱۸۳ ج۱)

اچھے اور برے کی تمیز:

تفسیر درمنثور ص۱۴۵ ج۱ میں بحوالہ مسند احمد وسنن ابن ماجہ وغیرہ

حضرت ابوزہیر ثقفی سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عنقریب ایسا ہوگا کہ تم اپنے اچھے لوگوں کو برے لوگوں سے ممتاز کرسکو گے اور جان سکو گے کہ کون کیسا ہے حضرات صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ کیسے ہوگا؟ آپ نے فرمایا کہ اچھا ذکر ہونے سے اور برا ذکر ہونے سے (یعنی جسے مسلمان اچھا کہیں وہ اچھا ہے اور جسے برا کہیں وہ برا ہے) تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ گواہی دینے کے اس بڑے مرتبہ سے وہ لوگ محروم ہوں گے جو لعنت کے الفاظ زیادہ نکالتے ہیں۔

لعنت کرنے والے:

سنن ترمذی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ زیادہ لعنت کرنے والے قیامت کے دن نہ شہید ہوں گے نہ شفیع ہوں گے۔ (یعنی قیامت کے دن یہ لوگ نہ گواہی دینے کے اہل ہوں گے اور نہ سفارش کرنے کے لائق ہوں گے)

امت محمدیہ کا اعتدال

(اُمَّةً وَّسَطًا) یہ امت ہر اعتبار سے اعتدال پر ہے اس کے اخلاق اور اعمال سب میں اعتدال ہے افراط اور تفریط سے بری ہے نہ عبادات سے غفلت ہے نہ راہبوں کی طرح دنیا کو چھوڑ کر پہاڑوں میں رہنا ہے ساری رات نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دی گئی نفس اور بیوی اور مہمان کے حقوق کی ادائیگی کی تعلیم دی گئی روزانہ روزہ رکھنے سے منع فرمایا گیا نہ فضول خرچی ہے نہ بخل بلکہ درمیانی راہ ہے جس کا نام جود ہے اسی طرح نہ بزدلی نہ ضرورت سے زیادہ بہادری جس سے لوگوں پر ظلم ہو جائے بلکہ ان کے درمیان شجاعت ہے ظالم بھی نہیں اور مظلوم رہنے کو بھی تیار نہیں نہ عورتوں کو سردار بنایا گیا نہ ان کی مظلومیت روا رکھی گئی۔

حلال حرام کی تفصیلات بتائی گئیں ضرر دینے والی اور خبیث چیزوں کے کھانے سے منع کر دیا گیا جن سے اخلاق واجسام پر برا اثر پڑے طیب اور حلال چیزوں کے کھانے کی اجازت دی گئی انسانیت کو اونچا کیا گیا بہیمیت سے بچایا گیا بربریت سے دور رکھا گیا حد یہ ہے کہ دشمنوں کے ساتھ عین میدان جنگ کے موقع پر عمل کرنے کے لئے بھی ایسے احکام صادر فرمائے جن میں اعتدال ہی اعتدال ہے بچوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا گیا مثلہ کرنے یعنی دشمن کے ہاتھ پاؤں ناک، کان کاٹنے سے منع فرمایا معاشی نظام میں زکوٰۃ فرض کی گئی نفلی صدقات کا بھی حکم دیا گیا میراث کے احکام جاری کئے گئے تاکہ دولت ایک جگہ سمٹ کر نہ رہ جائے جان کا بدلہ قصاص مقرر کیا گیا لیکن خطا میں دیت رکھی گئی اور قصاص واجب ہونے کی صورت میں اولیاء مقتول کو یہ اختیار دیا گیا کہ چاہیں تو قصاص لے لیں چاہیں دیت لے لیں حدیث اور فقہ کی کتابوں میں عام ابواب پر نظر کی جائے تو احکام میں سراسر اعتدال ہی نظر آتا ہے۔

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیلؑ کا نور فراست:

ان دونوں بزرگوں (یعنی حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام) نے اپنی فراست صادقہ اور نور نبوت سے یہ سمجھا کہ جب ہم کو ایسے خانہ تجلی آشیانہ کی تعمیر کا حکم ہوا ہے تو لامحالہ اس کے ہم رنگ کسی ایسی عبادت کا بھی حکم ہونے والا ہے جو عشق اور محبت کا رنگ لئے ہوئے ہو اور ان عبادتوں کا بجالانے والا صورۃً اگرچہ انسان ہوگا مگر معنیً ہم رنگ ملائک ہوگا گویا کہ دربار خداوندی کا معاینہ اور مشاہدہ کر رہا ہے اور جس امت کے لئے اس گھر کو قبلہ بنایا جائے گا اس کو ایسے جدید وضع کے کچھ احکام دئے جائیں گے جن کے اسرار وحکم ظاہر نظر میں جلوہ گر نہ ہوں گے ظاہر پرست ان کو صورت پرستی پر محمول کریں گے اس لئے ان دونوں بزرگوں کو اندیشہ ہوا کہ مبادا ہماری ذریت اور اولاد ان جدید وضع کے احکام کے نزول پر ان کے قبول میں کسی قسم کا توقف اور تردد کرے اس لئے جناب الٰہی میں تین دعائیں فرمائیں اول یہ کہ (وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ) اے اللہ ہم کو اپنا مسلم اور حکم بردار بندہ بنا دوسری دعا یہ فرمائی کہ اے اللہ ہماری ذریت میں ایک امت مسلمہ پیدا فرما یعنی ایسی امت اور ایسی قوم پیدا کر جو تیری فرمانبردار ہو اور نام بھی اس قوم کا مسلم اور مسلمان ہو یعنی صفت بھی اس کی اسلام یعنی اطاعت شعاری اور فرمانبرداری ہو اور اسی نام یعنی اسلام سے پکاری جاتی ہو۔ تیسری دعاء یہ فرمائی کہ اس امت مسلمہ میں ایک عظیم الشان رسول بھیج اور اس پر ایک عظیم الشان کتاب نازل فرما یعنی قرآن کریم اور پھر وہ رسول اس امت کو کتاب وسنت کی تعلیم دے۔

نکتہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان دعاؤں میں اس طرف اشارہ فرمایا کہ یہ خانہ تجلی آشیانہ جس امت کا قبلہ ہوگا اس امت کا نام امت مسلمہ ہوگا جیسا کہ سورہ حج میں ہے (هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ) اور ملت اسلام اس امت کا مذہب ہوگا اور وہ عظیم الشان رسول جو ان میں مبعوث ہوگا وہ ساکنان حرم اور اسماعیل کی ذریت سے ہوگا اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائیں قبول فرمائیں اور بذریعہ وحی کے بتلا دیا کہ جس اولوالعزم رسول کے پیدا ہونے کی تم دعا کر

رہے ہو وہ آخر زمانہ میں ظاہر ہوگا اور خاتم الانبیاء والمرسلین ہوگا۔

رسول کی صفات:

چونکہ ایک عظیم امت کا باوجود اختلاف آراء وعقول کے ایک مسلک اور ایک طریق پر بدون کسی مربی کے قائم رہنا عادۃً محال ہے اس لئے جناب الٰہی میں یہ عرض معروض کی کہ اے ہمارے پروردگار ان ساکنان حرم میں ایک عظیم الشان رسول بھیج کہ جو اس امت مسلمہ کو اسلام کا طریقہ بتلائے اور وہ رسول ہم دونوں کی ذریت اور اولاد سے خارج نہ ہو بلکہ انہی میں سے ہوتا کہ دنیا اور آخرت میں ہمارے لئے عزت اور شرف کا موجب ہو اور اس طرح قیامت تک میری امامت باقی رہے اس لئے کہ میری اولاد کی امامت میری ہی امامت ہے علاوہ ازیں جب وہ رسول انہی میں سے ہوگا تو لوگ اس کے مولد اور منشاء سے اور اس کے حسب اور نسب اور اس کی امانت اور دیانت اور اخلاق اور اس کی صورت اور سیرت سے بخوبی واقف ہوں گے اور اس کے اتباع سے عار نہ کریں گے اور جب حق نبوت و رسالت کے ساتھ قرابت کی محبت اور شفقت بھی مل جائے گی تو اس رسول کی اعانت اور نصرت وحمایت اور اس کی شریعت کی ترویج اور اشاعت میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھیں گے اس نبی کو اپنا سمجھ کر معاملہ کریں گے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

آئندہ آیت کا شانِ نزول:

ابن عساکر نے کہا ہے کہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے سلمہ اور مہاجر اپنے بھتیجوں سے کہا تم مسلمان ہو جاؤ۔ تم خوب جانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے تورات میں فرمایا ہے کہ میں اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ایک نبی پیدا کروں گا اور نام پاک ان کا احمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوگا جو ان پر ایمان لائے گا وہ ہدایت پاوے گا اور جو ایمان نہ لاوے گا وہ ملعون ہوگا سلمہ تو چچا کی یہ نصیحت سن کر مسلمان ہو گیا اور مہاجر نے صاف انکار کر دیا اس کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے ذیل کی آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ
اور کون ہے جو پھرے ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی کہ
سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ
جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو اور بے شک ہم نے ان کو منتخب کیا
وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾
دنیا میں اور وہ آخرت میں نیکوں میں ہیں

اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ
یاد کرو جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ حکم برداری کر تو بولا کہ میں
لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ
حکم بردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا، اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم
بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى
اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے بیٹو بے شک اللہ نے چن
لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ
کر دیا ہے تم کو دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر
مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ؕ
مسلمان

حضرت ابراہیم ویعقوب علیہما السلام نے دین حنیف کی وصیت فرمائی تھی:

جس ملت ومذہب کا شرف مذکور ہو چکا اسی ملت کی وصیت حضرت ابراہیم و حضرت یعقوب علیہما السلام نے اپنی اولاد کو فرمائی تو جو اس کو نہ مانے گا وہ ان کا بھی مخالف ہوا اور یہود کہتے تھے کہ حضرت یعقوب نے اپنی اولاد کو یہودیت کی وصیت فرمائی سو وہ جھوٹے ہیں جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

معرفتِ نفس:

میں کہتا ہوں کہ مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کے یہ معنی ہیں کہ جس نے اپنے نفس کی حقیقت جان لی کہ یہ ایک ممکن شے ہے خود بالذات وجود کو مقتضی نہیں فی نفسہ اس کا وجود اور قیام اور بقا متصور نہیں اور اس کی ذات پر اس حمل اولی نہیں ہوسکتا۔ وہ ذات پاک سب اشیاء کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے عکس کے مقابلہ میں اصل وہ تمام آسمانوں اور زمین کا نور ہے سب چیزوں سے حتی کہ ان کی ذات سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔

منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کو وحی فرمائی داؤد! اپنے نفس کو پہچان پھر تو مجھ کو پہچان لے گا۔ داؤد علیہ السلام نے عرض کیا پروردگار اپنے آپ کو کیونکر پہچانوں اور آپ کو کس طرح حکم ہوا اپنے نفس کو اس طرح پہچانو کہ اپنا عجز اور فنا اور ضعف پیش نظر کر لو اور ہم کو اس طرح

جانو کہ ہماری قدرت اور بقاء اور قوت ملاحظہ کرو۔

تسلیم نفس:

(قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) ۔ یعنی ابراہیم علیہ السلام نے جواب میں (عرض کیا میں نے اپنے تمام کام عالم کے پالک کے سپرد کر دیئے بس آپ کی اس تسلیم کا یہ ثمرہ ہوا کہ جب نمرود مردود نے آپ کی مشکیں باندھ کر بذریعہ منجنیق آگ میں پھینکا تو فوراً جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا تمہیں کچھ حاجت ہے ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا تمہاری تو حاجت نہیں کہا پھر اللہ سے سوال کرو فرمایا میرا حال اسے خوب معلوم ہے مجھے سوال کی حاجت نہیں حق تعالیٰ نے ان کی اس تفویض اور تسلیم کی برکت سے اس آتش کدہ کو گلزار بنا دیا اور اس آگ نے بجز ان کے ہاتھ پاؤں کی بیڑیوں کے بال برابر بھی نہ جلایا۔ ☆تفسیر مظہری☆

نکتہ:

یعنی جب فرمایا ابراہیم سے ان کے رب نے کہ اطاعت اختیار کرو تو انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی اس طرز بیان میں یہ بات بھی قابل نظر ہے کہ اللہ جل شانہ کے خطاب اسلم کا جواب بظاہر خطاب ہی کے انداز میں یہ ہونا چاہئے کہ اَسْلَمْتُ لَکَ یعنی میں نے آپ کی اطاعت اختیار کر لی مگر حضرت خلیل علیہ السلام نے اس طرز خطاب کو چھوڑ کر یوں عرض کیا کہ:

(قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ) یعنی میں نے پروردگار عالم کی اطاعت اختیار کر لی ایک تو اس میں رعایت ادب کے ساتھ اور حق جل و علاشانہ کی حمد وثناء شامل ہوگئی جس کا مقام تھا دوسری اس کا اظہار ہوگیا کہ میں نے جو طاعت اختیار کی وہ کسی پر احسان نہیں کیا بلکہ میرے لئے اس کا کرنا ہی ناگزیر تھا کیونکہ وہ رب العالمین یعنی سارے جہان کا پروردگار ہے۔

خواہش پرستی:

بعض لوگوں کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ جامہ شریعت کو کھینچ تان کر بلکہ چیر پھاڑ کر اپنی اغراض اور اہواء نفسانی کے بتوں کا لباس بنا دیں کہ دیکھنے میں دین و مذہب کا اتباع نظر آئے اگرچہ وہ حقیقت میں خالص اتباع ہوا اور خواہشات کی پیروی ہے۔ ☆معارف مفتی اعظم☆

حضرت ابراہیمؑ کے بیٹے:

لبنیہ (اپنے بیٹوں کو) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آٹھ بیٹے تھے اسماعیل علیہ السلام ان کی والدہ تو ہاجرہ قبطیہ تھیں اور اسحاق علیہ السلام کی والدہ سارہ تھیں اور باقی چھ فرزندوں کی والدہ قنطورا کنعانیہ دختر یقطن تھیں۔ حضرت سارہ کی وفات کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے انہی سے نکاح کیا تھا۔

ویعقوب (اور یعقوب نے بھی) مطلب یہ ہے کہ جس طرح ابراہیم علیہ السلام نے اپنے آٹھ بیٹوں کو وصیت کی تھی اسی طرح حضرت یعقوب علیہ السلام نے بھی اپنے بارہ بیٹوں کو یہی سمجھایا تھا۔

وصیت:

مطلب یہ ہے کہ دیکھو ہوشیار رہو اسلام اور تفویض کو کسی وقت ہاتھ سے نہ دینا مبادا کسی وقت اسلام کو چھوڑ بیٹھو اور اس وقت تم کو موت آ جاوے تو ایسی موت میں کچھ خیر نہیں گویا نہی واقع میں ترک اسلام سے ہے یہود نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا آپ کو معلوم نہیں یعقوب علیہ السلام نے اپنے انتقال کے وقت اپنے بیٹوں کو یہودیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی اب تم اسی یہودیت سے ہمیں علیحدہ کرنا چاہتے ہو اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے یہ آیت ارشاد فرمائی۔ (اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ) (کیا تم موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا)

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ یَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ
کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت
اِذْ قَالَ لِبَنِیْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ؕ
جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد
قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ
بولے ہم بندگی کریں گے تیرے رب کی اور تیرے باپ دادوں کے
وَ اِسْمٰعِیْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ
رب کی جو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق ہیں وہی ایک معبود ہے
وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۳﴾
اور ہم سب اسی کے فرمانبردار ہیں

یہودی حضرت یعقوبؑ کی وصیت سے بے خبر ہیں:

یعنی تم حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے وقت تو موجود بھی نہ

تھے انہوں نے تو ملت انبیائے موصوفین کا ارشاد فرمایا تھا تم نے یہ کیا کہ یہود اپنے سوا سب کو اور نصاریٰ اپنے سوا سب کو بے دین بتلانے لگے (اور مذہب حق یعنی اسلام کے دونوں مخالف ہو گئے) تمہارا افتراء ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

والدین کا فرض:

والدین کا فرض اور اولاد کا حق ہے کہ سب سے پہلے ان کی صلاح وفلاح کی فکر کی جائے ان کے بعد دوسروں کی طرف توجہ کی جائے جس میں دو حکمتیں ہیں۔

اول یہ کہ طبعی اور جسمی تعلق کی بناء پر وہ نصیحت کا اثر زیادہ جلد اور آسانی سے قبول کر سکیں گے، اور پھر ان کی تحریک اور اصلاحی کوشش میں ان کے دست و بازو بن کر اشاعت حق میں ان کی معین ہوں گے۔

دوسرے اشاعت حق کا اس سے زیادہ سہل اور مفید راستہ کوئی نہیں کہ ہر گھر کا ذمہ دار آدمی اپنے اہل وعیال کو حق بات سکھانے اور اس پر عمل کرانے کی سعی میں دل وجان سے لگ جائے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

بعض سید خاندان کے لوگ اس خیال میں رہتے ہیں کہ ہم اولاد رسول ہیں ہم جو چاہیں گناہ کرتے رہیں ہماری مغفرت ہی ہوگی۔

قرآن کریم نے اس مضمون کو بار بار مختلف عنوانات سے بیان فرمایا ہے:

وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ إِلَّا عَلَيْهَا

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ

وغیرہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اے بنی ہاشم ایسا نہ ہو کہ قیامت کے روز اور لوگ تو اپنے اپنے اعمال صالحہ لے کر آئیں اور تم اعمال صالحہ سے غفلت برتو اور صرف میرے نسب کا بھروسہ لے کر آؤ اور میں اس روز تم سے یہ کہوں کہ میں تمہیں اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا''

اور دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

مَنْ بَطَّأَ بِهٖ عَمَلُهٗ لَمْ يُسْرِعْ بِهٖ نَسَبُهٗ

''یعنی جس شخص کو اس کے عمل نے پیچھے ڈالا اس کو اس کا نسب آگے نہیں بڑھا سکتا۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

حضرت یعقوبؑ کو وصیت کیلئے مہلت دی گئی:

عطاء نے فرمایا ہے کہ جب کسی پیغمبر کی موت قریب آتی ہے تو موت سے پہلے حق تعالیٰ انہیں زندگی اور موت میں اختیار عطا فرماتا ہے کہ تمہیں اختیار ہے چاہے دنیا میں رہو یا عالم بقا میں چلو حسب معمول جب حضرت یعقوب علیہ السلام کو یہ اختیار ملا تو عرض کیا خداوندا کچھ دیر کے لئے مجھے مہلت عطا فرمایئے تاکہ میں اپنے بیٹوں کو کچھ وصیت کر دوں مہلت مل گئی اس وقت یعقوب علیہ السلام نے اپنے سب بیٹوں پوتوں کو جمع کر کے یہ وصیت فرمائی۔

بیٹوں کا جواب:

انہوں نے جواب دیا ہم اس کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ ابراہیم اور اسماعیل و اسحٰق علیہم السلام پرستش کرتے آئے ہیں۔

سپردم بتو مایۂ خویش را　　تو دانی حساب کم وبیش را

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا
وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا
اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا' اور تم سے پوچھ نہیں ان کے
يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾
کاموں کی

اہل کتاب کی غلط فہمی:

﴿ یہودیوں کو اور نصرانیوں کو یقین تھا کہ ماں باپ کے گناہوں میں اولاد گرفتار ہوگی اور ان کے ثواب میں بھی اولاد شریک ہوگی سو یہ غلط ہے اپنا کیا اپنے آگے آئے گا بھلا یا برا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا
اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پالو گے راہ راست

برعکس نہند نام زنگی کافور:

مطلب یہ ہے کہ یہودی مسلمانوں کو کہتے ہیں کہ یہودی ہو جاؤ اور نصرانی کہتے ہیں کہ نصرانی ہو جاؤ تو تم کو ہدایت نصیب ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

انبیاء کی برادری اور وحدت:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا و آخرت میں عیسیٰ علیہ السلام سے مجھے زیادہ تعلق اور قرب ہے انبیاء سب بھائی بھائی ہیں مائیں ان کی مختلف ہیں اور سب کا ایک دین ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے درمیان کوئی نبی نہیں اس

حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں کہ انبیاء کے آپس میں بھائی ہونے اور ماؤں کے مختلف ہونے کا مطلب یہ ہے کہ سب انبیاء کی اصل ایک ہے اور وہ وحی الٰہی ہے کہ اسی کے سبب سے نبی نبی ہوتا ہے اور استعداد یں کہ جو بمنزلہ ماؤں کے ہیں مختلف ہیں اور اس اختلاف کی ہی وجہ سے شرائع کے فروع میں اختلاف ہوا ہے اور دین کے ایک ہونے سے مراد یہ ہے کہ سب انبیاء کی تعلیم کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو بجالاؤ اور منہیات سے بچو اور خواہش نفسانی کو چھوڑ دو اور اللہ تعالیٰ کی ذات (صفات اور احکام اور مبداء و معاد) کے احوال پر ایمان لاؤ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اہل کتاب تورات عبرانی زبان کی پڑھا کرتے اور عربی میں اہل اسلام کے سامنے اس کی تفسیر کرتے جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل کتاب کی نہ تصدیق کرو اور نہ تکذیب کرو بلکہ یہ کہو: (قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا) الخ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

محض حسب ونسب پر ناز غلط ہے:

یہودیوں کو جو اپنے حسب ونسب پر ناز تھا اس کی تردید فرمائی ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا جس میں حضرت ابراہیم کی امامت اور تعمیر کعبہ اور دعا کا ذکر فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول کی اور ان کی دعا کے مطابق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا جن کا قبلہ اور جن کی ملت اور جن کا دین وہی ہے جو حضرت ابراہیم اور ان کی اولاد کا تھا ان سب نے اپنی اولاد کو اسی کی وصیت کی تھی کہ دین اسلام ہی پر مرنا پھر تعجب ہے (کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب تمہارے سامنے اسی ملت ابراہیم اور دین اسلام کو پیش کرتے ہیں تو تم اسے قبول نہیں کرتے اس کے سوا اور کیا وجہ ہے کہ تمہاری عقلوں پر پردہ پڑا ہوا ہے۔

فائدہ جلیلہ

حق جل شانہ نے اس سلسلہ میں سات جگہ اسلام کا ذکر فرمایا:

(۱) (رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ)

(۲) (اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ)

(۳) (اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ)

(۴) (قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ)

(۵) (فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ)

(۶) (وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ)

(۷) (لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تمام انبیاء کرام کا مذہب اسلام ہے امم سابقہ میں جو لوگ اطاعت کرنے والے تھے ان کی صفت بھی یہی اسلام تھی مگر امت مسلمہ کا نام اور لقب حضور ہی کی امت کو عطا کیا گیا پچھلی امتوں میں بھی اسلام لانے والے گذرے ہیں مگر اسلام ان کا لقب نہ تھا صرف صفت تھی یہ لقب صرف امت محمدیہ ہی کو عطا کیا گیا ایک زمانہ میں دین حق کا لقب یہودیت رہا اور ایک زمانہ میں عیسائیت اور نصرانیت رہا۔ اسلام کی صفت سب میں مشترک رہی سب اللہ کے مطیع اور فرمانبردار تھے مگر امت مسلمہ کا لقب خاص آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی امت کو عطا کیا گیا۔

میم وواؤ میم ونوں تشریف نیست لفظ مومن جز بے تعریف نیست

قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا
کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک
كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ
ہی طرف کا تھا اور نہ تھا شرک کرنیوالوں میں

ملت ابراہیم:

یعنی کہہ دو اے محمد کہ تمہارا کہنا ہرگز منظور نہیں بلکہ ہم موافق ہیں ملت ابراہیم علیہ السلام کے جو سب برے مذہبوں سے علیحدہ ہے نہیں تھا وہ شرک کرنے والوں میں اشارہ ہے کہ تم دونوں فریق شرک میں مبتلا ہو بلکہ مشرکین عرب بھی مذہب ابراہیمی کے مدعی تھے مگر وہ بھی مشرک تھے تو اس میں ان پر بھی رد ہو گیا اب ان فرقوں میں بروئے انصاف کوئی بھی ملت ابراہیمی پر نہ رہا صرف اہل اسلام ملت ابراہیمی میں رہے۔

فائدہ: ہر شریعت میں تین باتیں ہوتی ہیں اول عقائد (جیسے توحید و نبوت وغیرہ) سو اس میں تو سب دین والے شریک اور موافق ہیں اختلاف ممکن ہی نہیں دوسرے قواعد کلیہ شریعت کہ جن سے جزئیات و فروع مسائل حاصل ہوتے ہیں اور تمام جزئیات میں وہ کلیات ملحوظ رہتے ہیں اور ملت فی الحقیقت انہی اصول اور کلیات کا نام ہے اور ملت محمدی اور ملت ابراہیمی کا توافق واتحاد انہی کلیات میں ہے تیسرے مجموعہ کلیات و جزئیات وجمیع اصول وفروع (جس کو شریعت کہتے ہیں) جس کا خلاصہ یہ

ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت ایک ہے اور شریعت جدا جدا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ
تم کہہ دو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو اترا ہم پر
اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ
اور جو اترا ابراہیم اور اسمٰعیل اور اسحاق
وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى
اور یعقوب اور اس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو
وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ
اور عیسیٰ کو اور جو ملا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ
ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی
مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾
پروردگار کے فرمانبردار ہیں

یعنی ہم سب رسولوں اور سب کتابوں پر ایمان لاتے ہیں اور سب کو حق سمجھتے ہیں اور اپنے اپنے زمانہ میں سب واجب الاتباع ہیں اور ہم خدا کے فرمانبردار ہیں جس وقت جو نبی ہوگا اس کے ذریعہ سے جو احکام خداوندی پہنچیں گے اس کا اتباع ضروری ہے بخلاف اہل کتاب کے کہ پنے دین کے سوا سب کی تکذیب کرتے ہیں چاہے ان کا دین منسوخ ہی و چکا ہو اور انبیاء کے احکام کو جھٹلاتے ہیں جو خدا کے احکام ہیں۔

انِ نزول:

عبداللہ بن صوریا اعور نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ ت پر ہم ہیں تم ہماری مانو تو تمہیں بھی ہدایت ملے گی نصرانیوں نے بھی ہا تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ت کی فضیلت:

صلی اللہ علیہ وسلم صبح کی دو سنتوں میں پہلی رکعت میں یہ آیت (اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا) پوری آیت اور دوسری رکعت میں آیت (اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ) پڑھا کرتے تھے اسباط بنی اسماعیل کو قبائل کہتے تھے اور بنی اسرائیل کو اسباط کہتے تھے۔

سوائے دس کے سب انبیاء بنی اسرائیل سے تھے:

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کل انبیاء بنی اسرائیل میں سے ہی ہوئے ہیں سوائے دس کے نوح، ہود، صالح، شعیب، ابراہیم، اسحٰق، یعقوب، اسماعیل، محمد علیہم الصلوٰۃ والسلام۔ سبط کہتے ہیں اس جماعت اور قبیلہ کو جن کا مورث اعلیٰ اوپر جا کر ایک ہو۔

شانِ نزول کی دوسری روایت:

علامہ بغویؒ نے لکھا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مدینہ کے بڑے بڑے یہودی جیسے کعب بن اشرف اور مالک بن حنیف اور وہب بن یہود اور ابی یاسر بن اخطب اور نجران کے نصاریٰ سب جمع ہوئے اور مسلمانوں سے دین کے بارے میں مناظرہ کیا ہر فرقہ اپنی حقانیت کا دعویٰ کرتا تھا چنانچہ یہود نے کہا ہمارے نبی موسیٰ علیہ السلام تمام انبیاء سے افضل ہیں اور ہماری کتاب تورات تمام کتابوں سے اچھی ہے اور ہمارا دین تمام دینوں سے فائق ہے اور عیسیٰ علیہ السلام اور انجیل اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید کا کھلا انکار کیا اسی طرح نصاریٰ نے اپنے نبی اور اپنی کتاب اور اپنے دین کو افضل بتایا اور قرآن مجید اور دیگر کتب کا انکار کیا اور ہر فریق نے مسلمانوں سے کہا کہ تم ہمارے دین پر ہو جاؤ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

سبط کا معنیٰ:

سبط اولاد کی اولاد کو کہتے ہیں اسی واسطے حسنین رضی اللہ عنہما کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سبطین فرماتے تھے اور یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے اس لئے انہیں اسباط فرمایا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اہل کتاب کی افراط وتفریط:

یہود و نصاریٰ کے بعض گروہوں نے اپنے پیغمبروں کی مخالفت اور نافرمانی کی یہاں تک کہ بعض کو قتل بھی کر دیا اور بعض گروہوں نے ان کی عزت وعظمت کو اتنا بڑھایا کہ خدا یا خدا کا بیٹا یا خدا کا مثل بنا دیا یہ دونوں قسم کی افراط و تفریط ضلالت و گمراہی قرار دی گئی۔

عظمت ومحبتِ رسول کی حدود:

شریعت اسلام میں رسول کی عظمت و محبت فرض ہے اس کے بغیر

ایمان ہی نہیں ہوتا مگر رسول کو کسی صفت علم یا قدرت وغیرہ میں اللہ تعالیٰ کے برابر کر دینا گمراہی اور شرک ہے قرآن کریم نے شرک کی حقیقت یہی بیان فرمائی ہے کہ غیر اللہ کو کسی صفت میں اللہ کے برابر کریں (اِذْ نُسَوِّيكُم بِرَبِّ الْعَٰلَمِينَ) کا یہی مفہوم ہے آج بھی جو لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب اور خدا تعالیٰ کی طرح ہر جگہ موجود و حاضر و ناظر کہتے ہیں یہ سمجھتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت کا حق ادا کر رہے ہیں حالانکہ وہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی اور عمر بھر کی کوششوں کی صریح مخالفت کر رہے ہیں اس آیت میں ان کے لئے بھی سبق ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ومحبت اللہ کے نزدیک ایسی ہی مطلوب ہے جیسی صحابہ کرامؓ کے دل میں آپ کی تھی اس سے کمی بھی جرم ہے اور اس میں زیادتی بھی غلو اور گمراہی ہے۔

باطل تاویلیں:

نبی و رسول کی اختراعی قسمیں ظلی بروزی لغوی سب گمراہی ہے چونکہ وہ تاویلیں (بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ) کے خلاف ہیں۔ آخرت کے تمام حالات وواقعات جس طرح قرآن وسنت میں وارد ہوئے ہیں ان پر بغیر کسی جھجک اور تاویل کے ایمان لانا ہی درحقیقت ایمان ہے حشر اجساد کے بجائے حشر روحانی اور عذاب وثواب جسمانی وروحانی اسی طرح وزن اعمال میں تاویلیں کرنا سب اللہ کے نزدیک مردود باطل اور گمراہی ہے۔

حقیقی اسلام:

حقیقی اسلام یہ ہے کہ اپنی اغراض اور خواہشات سے بالکل خالی الذہن ہو کر انسان کو اس کی تلاش ہو کہ حضرت حق جل شانہ کی رضا کس کام میں ہے اور اس کا فرمان میرے لئے کیا ہے وہ ایک فرمانبردار غلام کی طرح گوش برآواز رہے کہ کس طرف جانے کا اور کس کام کا حکم ہوتا ہے اور اس کام کو کس انداز سے کیا جائے جس سے وہ مقبول ہو اور میرا مالک راضی ہو اسی کا نام عبادت وبندگی ہے

در راہ عشق وسوسہ اہرمن بسے ست
ہشدار و گوش را بہ پیام سروش دار

مقام عبدیت:

اسی جذبہ اطاعت ومحبت کا کمال انسان کی ترقی کا آخری مقام ہے جس کو مقام عبدیت کہا جاتا ہے یہی وہ مقام ہے جہاں پہنچ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام خلیل اللہ کا خطاب پاتے ہیں اور سید الرسل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو عبدنا کا خطاب ملتا ہے اسی عبدیت اور اطاعت کے ذیلی درجات پر امت کے اولیاء اقطاب وابدال کے درجات دائر ہوتے ہیں اور یہی حقیقی توحید ہے جس کے حاصل ہونے پر انسان کے خوف وامید صرف ایک اللہ جل شانہ کے ساتھ وابستہ ہو جاتے ہیں۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ
سو اگر وہ بھی ایمان لاویں جس طرح پر تم ایمان لائے ہدایت
اهْتَدَوا ۖ وَّإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ فِي شِقَاقٍ ۖ
پائی انہوں نے بھی اور اگر پھر جاویں تو پھر وہی ہیں ضد پر
فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١٣٧﴾
سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے اور جاننے والا

دشمن آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے:

یعنی ان کی دشمنی اور ضد سے خوف مت کرو اللہ ان کے شرار مضرت سے تمہارا حافظ ہے وہ تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے خدا سب کی باتوں کو سنتا اور سب کے حال اور نیت کو جانتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بطریق متعددہ مروی ہے کہ مصری لوگ جب حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ پر چڑھ کر آئے اور ان کا محاصرہ کر لیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس گھر میں پہنچے اس وقت ان کے سامنے قرآن شریف کھلا رکھا تھا تلوار سے حضرت کے ہاتھ پر وار کیا خون جو جاری ہوا تو آیۃ (فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ) پر گرا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اسلام میں یہ پہلا ہاتھ ہے جو ناحق قطع کیا گیا کہا جاتا ہے کہ ان اشقیا میں سے کوئی اچھی حالت میں نہیں مرا۔ نافع بن ابی نعیم کہتے ہیں کہ کسی خلیفہ کے پاس حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قرآن بھیجا گیا زیاد نے یہ سن کر کہا کہ لوگوں میں مشہو[ر] ہے کہ جب حضرت عثمانؓ کو لوگوں نے شہید کیا اس وقت یہ کلام ا[للہ] ان کی گود میں تھا اور آپ کا خون ٹھیک ان الفاظ پر پڑ[ا] (فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ) کیا یہ صحیح ہے حض[رت] نافعؒ نے کہا بالکل ٹھیک ہے میں نے خود اس آیت پر ذوالنور[ین] خون دیکھا تھا رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

(فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ):

جس سے حاکم ناراض وخفا ہو وہ اس آیت کو پڑھا کرے یا لکھ کر بازو پر باندھ لیوے ان شاء اللہ تعالیٰ حاکم مہربان ہو جائے گا۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً
ہم نے قبول کرلیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ
وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾
سے اور ہم اسی کی بندگی کرتے ہیں

اہل کتاب کی رسم پرستی:

یہودی ان آیتوں سے پھر گئے اور اسلام قبول نہ کیا اور نصرانیوں نے بھی انکار کردیا اور شیخی میں آ کر کہنے لگے کہ ہمارے یہاں ایک رنگ ہے جو مسلمانوں کے پاس نہیں۔ نصرانیوں نے ایک زرد رنگ بنا رکھا تھا اور یہ دستور تھا کہ جب ان کے بچہ پیدا ہوتا یا کوئی ان کے دین میں آتا تو اس کو اس رنگ میں غوطہ دے کر کہتے کہ خاصہ پاکیزہ نصرانی ہوگیا سو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے مسلمانو کہو ہم نے خدا کا رنگ یعنی (دین حق) قبول کیا کہ اس دین میں آ کر سب طرح کی ناپاکی سے پاک ہوتا ہے۔

شانِ نزول:

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ نصاریٰ کے ہاں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا اور اس پر سات روز گزر جاتے تو وہ اسے ایک پانی میں جسے معمودیہ کے نام سے موسوم کرتے غوطہ دیتے اور یہ خیال کرتے کہ اس سے یہ پاک ہوگیا اور سب الائشیں دور ہوگئیں اور یہ فعل بجائے ختنہ کے کرتے جب اسے غوطہ دیدیتے تو کہتے کہ اب یہ سچا نصرانی ہوگیا اس پر حق تعالیٰ نے آیت کریمہ: (صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً) نازل فرمائی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

عیسائیوں میں یہ رسم چلی آتی ہے کہ جب بچہ پیدا ہوتا ہے یا کوئی عیسائی بنتا ہے تو اس کو زرد پانی کے حوض میں غوطہ دیتے ہیں یا اس کے سر پر اس میں سے کچھ پانی ڈال دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب سچا عیسائی ہوگیا اسی رسم کا نام اصطباغ ہے جس کو آج کل بپتسمہ دینا کہتے ہیں چونکہ یہود اور نصاریٰ مسلمانوں سے یہ کہتے تھے کہ یہودی یا نصرانی بن جاؤ اس لئے گویا وہ انہیں اصطباغ کی دعوت دیتے تھے اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت صبغۃ اللہ نازل فرمائی اور مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ کی دعوت اصطباغ کا یوں جواب بتایا کہ ان سے کہہ دو کہ ہم تمہارا اصطباغ لے کر کیا کریں گے

ہمیں تو اللہ کے دین کا رنگ کافی ہے اس سے بڑھ کر اور بہتر اور کونسا رنگ ہوسکتا ہے اور تم لوگ حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو ابن اللہ اور اپنا خداوند سمجھنے کی وجہ سے شرک کے ناپاک رنگ سے ملوث ہو تم اہل تو حید اور اہل اخلاص کو کس رنگ کی دعوت دیتے ہو۔

مسلمانوں سے خطاب:

مسلمانو فقط تصدیق اور شہادت پر کفایت اور قناعت نہ کرو بلکہ اس سے ترقی کرو اور اپنے ظاہر و باطن کو اللہ کے رنگ سے رنگو اور وہ رنگ خداوند ذوالجلال کی اطاعت اور محبت اور رضا و تسلیم کا رنگ ہے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ
کہہ دے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی
وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ
ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے
لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ ۙ
اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور ہم تو خالص اسی کے ہیں

ہم خالص اللہ کیلئے اعمال کرتے ہیں:

یعنی اللہ تعالیٰ کی نسبت تمہارا نزاع کرنا اور تمہارا یہ سمجھنا کہ اس کی عنایت و رحمت کا ہمارے سوا کوئی مستحق نہیں لغو بات ہے وہ جیسا تمہارا رب ہے ہمارا بھی رب ہے اور ہم جو کچھ اعمال کرتے ہیں خالص اسی کے لئے کرتے ہیں تمہاری طرح زعم آباؤ اجداد اور تعصب ونفسانیت سے نہیں کرتے پھر کیا وجہ کہ ہمارے اعمال وہ مقبول نہ فرمائے اور تمہارے اعمال مقبول ہوں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

اخلاص کی حقیقت

(وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ) اس میں امت مسلمہ کی ایک خصوصیت یہ بتلائی ہے کہ وہ اللہ کے لئے مخلص ہے اخلاص کے معنی حضرت سعید بن جبیر نے یہ بتلائے ہیں کہ انسان اپنے دین میں مخلص ہو کہ اللہ کے سوا کسی کو شریک نہ ٹھہرائے اور اپنے عمل کو خالص اللہ کے لئے کرے لوگوں کے دکھلانے یا ان کی مدح وشکر کی طرف نظر نہ ہو۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ بندہ اپنے

عمل محض اللہ کے واسطے کرے کوئی غرض اور نمائش نہ ہو اور فضل نے فرمایا کہ لوگوں کے دیکھنے کی وجہ سے برے عمل کو چھوڑ دینا ریا ہے اور لوگوں کے دکھاوے کے لئے عمل کرنا شرک ہے اخلاص تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دونوں سے نجات بخشے۔

اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ
کیا تم کہتے ہو کہ ابراہیم اور اسمٰعیل
وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا
اور اسحٰق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ
یہودی تھے یا نصرانی کہہ دے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا
اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً
اللہ کو اور اس سے بڑا ظالم کون جس نے چھپائی وہ گواہی
عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
جو ثابت ہو چکی اسکو اللہ کی طرف سے اور اللہ بےخبر نہیں تمہارے
تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾
کاموں سے

اہل کتاب کا واضح جھوٹ:

حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور دیگر انبیاء علیہم السلام کی بابت یہود اور نصاریٰ کا یہ دعویٰ کہ وہ یہودی یا نصرانی تھے دروغ صریح ہے علاوہ ازیں حق تعالیٰ تو فرماتا ہے (مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا) تو اب بتلاؤ تم کو علم زیادہ ہے یا اللہ تعالیٰ کو۔

ناسخ کے نازل ہونے کے بعد منسوخ حکم اور محرف شریعت پر چل رہے ہو اور تازہ اور محفوظ شریعت سے اعراض اور انحراف کر رہے ہو اور علاوہ ازیں ہمارے اور تمہارے درمیان میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ ہم خالص اللہ ہی کے لئے عبادت کرنے والے ہیں اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ تعصب اور نفسانیت اور دنیوی اغراض اور اپنی آبائی رسم کے باقی رکھنے کے لئے کرتے ہو بلکہ صریح شرک میں مبتلا ہو حضرت عزیر اور حضرت مسیح کو خدا کا بیٹا بتلاتے ہو توحید اور اخلاص کا تم پر کوئی ہلکا سا نشان بھی نہیں لہذا تمہارا یہ دعویٰ کہ ہم خدا کے رنگ میں رنگے ہوئے ہیں سراسر غلط ہے تم تو سرتاپا شرک کے رنگ میں رنگے ہوئے ہو تمہارا رنگ تمہارے اعمال سے ظاہر ہے۔

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ
وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے
وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا
کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾
ان کے کاموں کی

ایک ہی حکم کی دوبارہ تاکید:

یہی آیت عنقریب گذر چکی ہے مگر چونکہ اہل کتاب کے دل میں اپنی بزرگ زادگی کی وجہ سے خوب جم رہا تھا کہ ہمارے اعمال کیسے ہی برے ہوں بالآخر ہمارے باپ دادا ہم کو ضرور بخشوائیں گے اس لئے اس بے ہودہ خیال کے روکنے کے لئے تاکیداً اس آیت کو مکرر بیان فرمایا یا یوں کہو کہ پہلی آیت میں اہل کتاب کو خطاب تھا اور اس آیت میں آپ کی امت کو ہے کہ اس بے ہودہ خیال میں ان کا اتباع نہ کریں کیونکہ ایسی توقع اپنے بزرگوں سے ہر کسی کے دل میں آ ہی جاتی ہے جو سراسر بیوقوفی ہے اب اس کے بعد یہود وغیرہ کی دوسری بیوقوفی کی اطلاع دی جاتی ہے جو بہ نسبت تحویل قبلہ عنقریب ظاہر ہونے والی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تم اس پر غرہ نہ کرنا کہ ہم ان بزرگوں کی اولاد ہیں یہ ایک جماعت تھی جو گذر گئی اور اپنے اعمال اپنے ساتھ لے گئی اور مال و متاع کی طرح تمہارے لئے اپنے اعمال صالحہ کا ذخیرہ چھوڑ کر نہیں گئی۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

بندہ عشق شدی ترک نسب کن جامی
کہ دریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست

تمت از معارف واقتباسات وجزء الم

الحمد لله والصلوٰة والسلام علی خیر البریه

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ
اب کہیں گے بیوقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا
عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِىْ كَانُوْا عَلَيْهَا
مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے

تحویل قبلہ اور شبہات:

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ سے مدینہ تشریف لائے تو سولہ سترہ مہینے بیت المقدس ہی کی طرف نماز پڑھتے رہے۔ اس کے بعد کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز کا حکم آ گیا تو یہود اور مشرکین اور منافقین اور بعضے کچے مسلمان ان کے بہکانے سے شبہے ڈالنے لگے کہ یہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھا کرتے تھے جو قبلہ تھا پہلے انبیاء کا، اب انہیں کیا ہوا جو اس کو چھوڑ کر کعبہ کو منہ کرنے لگے۔ کسی نے کہا کہ یہود کی عداوت وحسد سے ایسا کیا، کسی نے کہا کہ یہ اپنے دین میں متردد اور متحیر ہیں جن سے ان کا نبی اللہ ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔ مخالفوں کے اس اعتراض اور اس کے جواب کی جو آگے ہے اللہ نے اطلاع فرمادی کہ کسی کو اس وقت کوئی تردد نہ ہو اور جواب میں تامل نہ ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِىْ
تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب چلائے
مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾
جس کو چاہے سیدھی راہ

شبہات کا جواب:

یعنی اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کہہ دو کہ نہ ہم نے یہود کے حسد سے اور نہ کسی نفسانی تعصب اور اپنی رائے کے اتباع سے قبلہ کو بدلا، بلکہ محض اتباع فرمانِ خداوندی سے جو کہ ہمارا اصل دین ہے۔ ہم نے ایسا کیا پہلے بیت المقدس کو منہ کرنے کا حکم تھا اس کو ہم نے تسلیم کیا اب کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آیا اس کو دل سے قبول کیا۔ ہم سے اس کی وجہ پوچھنا اور ہم پر اعتراض کرنا سخت حماقت ہے۔ غلام تابعدار پر یہ اعتراض کرنا کہ تو پہلے وہ کام کرتا تھا اب یہ کام کیوں کرنے لگا عاقل کا کام نہیں اور اگر ان احکام مختلفہ کے اسرار دریافت کرتے ہو تو اس کے تمام اسرار کون سمجھے اور تم بیوقوفوں کو کون سمجھائے البتہ اتنی بات ہر کوئی سمجھ سکتا ہے اور ہر ایک کو سمجھا سکتا ہے کہ قبلہ کا معین فرمانا تو طریقہ عبادت کو بتلانے کی غرض سے ہے اصل عبادت ہرگز نہیں اور اس بارہ میں حق تعالیٰ کا معاملہ جدا جدا ہے۔ کسی کو اپنی حکمت ورحمت کے مطابق ایک خاص رستہ بتلایا جاتا ہے کسی کو دوسرا، تمام مواقع اور جملہ جہات کا وہ مالک ہے جس کو جس وقت چاہتا ہے اس کو ایسا رستہ بتلا دیتا ہے جو نہایت سیدھا اور سب رستوں سے مختصر اور قریب تر ہو۔ چنانچہ ہم کو اس وقت اس قبلہ کی ہدایت فرمائی جو سب قبلوں میں افضل اور بہتر ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حکمت الٰہیہ

حکمت الٰہیہ اس کی مقتضی ہوئی کہ تمام عبادت گزاروں کا رخ ایک ہی طرف ہو جائے۔ دین اسلام نے جو درحقیقت تمام انبیاء علیہم السلام کا دین ہے۔ وحدت کا اصلی نقطہ فکر وخیال اور عقیدہ کی وحدت کو قرار دیا، اور کروڑوں خداؤں کی پرستش میں بٹی ہوئی دنیا کو ایک ذات حق وحدہٗ لاشریک لہٗ کی عبادت اور اطاعت کی دعوت دی جس پر مشرق ومغرب اور ماضی ومستقبل کے تمام افراد انسانی جمع ہو سکتے ہیں۔

نسب، وطن، زبان، رنگ وغیرہ اختیاری چیز نہیں ہیں۔ جو شخص ایک خاندان کے اندر پیدا ہو چکا ہے وہ کسی طرح دوسرے خاندان میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ جو پاکستان میں پیدا ہو چکا وہ انگلستان یا افریقہ میں پیدا نہیں ہوسکتا، جو کالا ہے وہ اپنے اختیار سے گورا، اور جو گورا ہے وہ اپنے اختیار سے کالا نہیں ہوسکتا۔

اب اگر ان چیزوں کو مرکزِ وحدت بنایا جائے تو انسانیت کا سینکڑوں بلکہ ہزاروں ٹکڑوں اور گروہوں میں تقسیم ہونا ناگزیر ہوگا۔ ﴿معارف امفتی اعظم﴾

سرزمینِ مکہ:

خانہ کعبہ زمین کا مرکزی نقطہ ہے۔ سب سے پہلے یہی مرکزی نقطہ پیدا کیا گیا اور یہیں سے زمین بچھائی گئی اور یہی جگہ انسان کا مبداء ترابی ہے اور یہی جگہ عرش عظیم اور بیت معمور کے محاذات میں ہونے کی وجہ سے حق جل شانہٗ کی انوار وتجلیات کا مرکز ہے اور انسان چونکہ مٹی سے پیدا ہوا ہے تو حسب قاعدہ كُلُّ شَیْءٍ يَرْجِعُ اِلٰى اَصْلِهٖ اس کا اصلی میلان اسی مرکزی نقطہ یعنی خانہ کعبہ کی طرف ہوگا۔ اگرچہ ظاہراً محسوس نہ ہو۔ اس لئے خانہ کعبہ قبلہ عالم مقرر ہوا۔ نیز روایات سے ثابت ہے کہ جب آسمان اور زمین کو یہ خطاب ہوا: ﴿ائْتِيَا طَوْعًا اَوْ كَرْهًا﴾ کہ تم خوشی سے آؤ یا لاچاری سے۔ تو

زمین کے اجزاء اور قطعات میں سے سب سے پہلے اسی جگہ نے اطاعت خداوندی کے قبول میں سبقت کی، اس لئے ازراہِ قدر دانی حق جل شانہ نے اس جگہ کو قبلہ مقرر فرمایا۔ البتہ چندروز کے لئے یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے زمانہ تک بنی اسرائیل کے لئے مسجد اقصیٰ کو قبلہ بنایا گیا کہ جو انبیاء بنی اسرائیل کا موطن اور مسکن اور مقام بعثت اور مقام دعوت ہونے کی وجہ سے مبارک اور مقدس جگہ ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج بیت المقدس سے ہوئی۔ چندروز کے لئے نماز میں بیت المقدس کے استقبال کا حکم ہوا کہ یہ مقدس جگہ جو حضور کی معراج اور ترقی کا زینہ بنی اس کا حق یہ ہے کہ چندروز اس کی طرف منہ کر کے نماز ادا فرمائیں تاکہ سینہ مبارک اس مبارک اور مقدس جگہ کے انوار وتجلیات کو اپنے اندر جذب کر لے اور پھر یہ کمالات آپ کے سینۂ مبارک سے آپ کی امت کے علماء کے سینوں کی طرف منتقل ہوں تاکہ آپ کی امت کے علماء انبیاء بنی اسرائیل کے وارث کہلاسکیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا
اور اسی طرح کیا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم
شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ
گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر
عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ
گواہی دینے والا

امتِ محمدیہ کا منصب:

یعنی جیسا تمہارا قبلہ کعبہ ہے جو حضرت ابراہیمؑ کا قبلہ اور تمام قبلوں سے افضل ہے ایسا ہی ہم نے تم کو سب امتوں سے افضل اور تمہارے پیغمبر کو سب پیغمبروں سے کامل اور برگزیدہ کیا تاکہ اس فضیلت اور کمال کی وجہ سے تم تمام امتوں کے مقابلہ میں گواہ مقبول الشہادۃ قرار دیئے جاؤ اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری عدالت وصداقت کی گواہی دیں۔ جیسا کہ احادیث میں وارد ہے کہ جب پہلی امتوں کے کافر اپنے پیغمبروں کے دعوے کی تکذیب کریں گے اور کہیں گے کہ ہم کو تو کسی نے بھی دنیا میں ہدایت نہیں کی۔ اس وقت آپ کی امت انبیاء کے دعوے کی صداقت پر گواہی دے گی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اپنے امتوں کے حالات سے پورے واقف ہیں ان کی صداقت وعدالت پر گواہ ہوں گے۔ اس وقت وہ امتیں کہیں گی کہ انہوں نے تو نہ ہمارا زمانہ پایا نہ ہم کو دیکھا پھر گواہی کیسے مقبول ہوسکتی ہے۔ اس وقت آپ کی امت جواب دے گی کہ ہم کو خدا کی کتاب اور اس کے رسول کے بتلانے سے اس امر کا علم یقینی ہوا اس کی وجہ سے ہم گواہی دیتے ہیں۔

فائدہ: وسط یعنی معتدل کا یہ مطلب ہے کہ یہ امت ٹھیک سیدھی راہ پر ہے جس میں کچھ بھی کجی کا شائبہ نہیں اور افراط وتفریط سے بالکل بری ہے۔ ﴿تفسیر عثانیؒ﴾

جسکے حق میں مسلمان بھلائی کی گواہیں دیں وہ جنتی ہے:

مسند احمد میں ہے ابوالاسودؒ فرماتے ہیں، میں مدینہ میں آیا یہاں بیماری تھی۔ لوگ بکثرت مررہے تھے۔ میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک جنازہ نکلا اور لوگوں نے مرحوم کی نیکیاں بیان کرنی شروع کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی۔ اتنے میں دوسرا جنازہ نکلا۔ لوگوں نے اس کی برائیاں بیان کیں۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے واجب ہوگئی۔ میں نے کہا امیر المؤمنین! کیا واجب ہوگئی؟ آپ نے فرمایا میں نے وہی کہا جو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس مسلمان کی بھلائی کی شہادت چار شخص دیں اللہ اسے جنت میں داخل کرتا ہے۔ ہم نے کہا: حضور! اگر تین دیں؟ آپ نے فرمایا تین بھی۔ ہم نے کہا اگر دو ہوں؟ آپ نے فرمایا دو بھی۔ پھر ہم نے ایک کی بابت سوال نہ کیا۔ ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے، قریب ہے کہ تم اپنے بھلوں اور بروں کو پہچان لیا کرو۔ لوگوں نے کہا حضور! کس طرح؟ آپ نے فرمایا اچھی تعریف اور بری شہادت سے، تم زمین پر خدا کے گواہ ہو۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

قیامت میں تمام امتوں کا اجتماع اور امت محمدیہ کی گواہی:

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اولین وآخرین کو ایک جگہ جمع کرے گا، پھر گذشتہ امتوں کے کفار سے خطاب کر کے فرمائے گا کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں پہنچا؟ وہ صاف انکار کر دیں گے کہ ہمارے پاس کوئی نہیں آیا۔ پھر اللہ تعالیٰ انبیاء سے دریافت فرمائے گا۔ انبیاء متفق اللفظ ہو کر کہیں گے کہ اے اللہ! ہم پیام پہنچا چکے، یہ صریح جھوٹ بولتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ باوجودیکہ عالم الغیب ہے مگر اتمام حجت کے لئے انبیاء سے گواہ طلب فرمائے گا۔ اس وقت امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم حاضر ہوگی اور گواہی دے گی کہ انبیاء نے سب احکام انہیں پہنچا دیئے ہیں۔ کفار بولیں

گے انہیں کیسے معلوم ہوا کہ پہنچا چکے۔ یہ تو ہم سے برسوں بعد پیدا ہوئے ہیں۔ امت محمدیہ یہ جواب دے گی کہ حق تعالیٰ نے ہمارے پاس رسول بھیجا اور اس پر کتاب نازل فرمائی اس میں ہم کو خبر دی کہ سب انبیاء نے اپنی اپنی امت کو احکام پہنچا دیئے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب سچوں سے زیادہ سچا ہے۔ اس کے بعد محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلائے جائیں گے اور امت کی حالت ان سے پوچھی جاوے گی۔ آپ ان کی سچائی اور عدالت کی گواہی دیں گے۔

حضرت نوح علیہ السلام کی تبلیغ پر امت محمدیہ کی گواہی:

بخاری، ترمذی اور نسائی نے ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن نوح علیہ السلام بلائے جائیں گے اور ان سے دریافت کیا جائے گا کیا تبلیغ کی؟ نوح علیہ السلام عرض کریں گے: پروردگار میں نے بے شک تیرا پیام پہنچا دیا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی امت سے دریافت فرمائے گا کہ تم کو نوح علیہ السلام نے احکام پہنچائے؟ وہ کہیں گے کہ ہمارے پاس تو کوئی آیا نہیں۔ پھر نوح علیہ السلام سے پوچھا جائے گا کہ تمہارا کوئی گواہ ہے۔ نوح علیہ السلام عرض کریں گے میرے گواہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ پھر تم وہاں آ کر گواہی دو گے۔ پھر آپ نے آیت: ﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ﴾ الخ۔ پڑھی اور فرمایا تم تو نوح علیہ السلام کی تبلیغ کی گواہی دو گے اور میں تمہاری گواہی دوں گا۔

نکتہ: اسلام کو دینِ وسط اس وجہ سے فرمایا کہ احکام شرعیہ میں نہ افراط ہے نہ تفریط۔ علماء نے اس آیت کو اجماع امت محمدیہ کے احکام میں حجت ہونے کی دلیل ٹھہرایا ہے، کیونکہ اگر مسئلہ اجماعی واجب القبول نہ ہو تو امت کا غیر عادل ہونا لازم آئے گا۔

امت محمدیہ کی افضلیت:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک روز سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم بعد عصر کے کھڑے ہوئے اور جو کچھ قیامت تک واقعات ہونے والے تھے آپؐ نے ایک ایک کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ جب دھوپ درختوں کی چوٹیوں اور دیواروں کی منڈیروں پر چلی گئی تو آپؐ نے فرمایا کہ دنیا کی عمر اب اتنی ہی باقی ہے جس قدر کہ یہ دن باقی ہے اور اسی قدر گزر چکی ہے جس قدر کہ دن گزر چکا ہے۔ یاد رکھو کہ یہ امت (یعنی امت محمدیہ) ستر امتوں کا کام دیتی ہے اور ان سب سے اللہ کے نزدیک یہ امت بہتر اور بزرگ ہے۔ اس حدیث کو بغویؒ نے روایت کیا ہے اور ترمذیؒ، ابن ماجہؒ اور دارمیؒ نے اس کو بروایت بہز بن حکیم بیان کیا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف تورات میں:

دارمی نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ حضرت ابن عباس نے کعب احبار سے دریافت کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کا بیان تورات میں کس طرح ہے؟ انہوں نے کہا ہم نے تورات میں لکھا پایا ہے کہ وہ محمد بن عبداللہ ہیں، مکہ میں پیدا ہوں گے اور طابہ (مدینہ) کی طرف ہجرت فرمائیں گے اور ملک شام ان کے قبضہ میں ہو جائے گا، نہ وہ بدزبان ہوں گے اور نہ بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی کے بدلہ میں برائی نہ کریں گے بلکہ درگذر کریں گے، ان کی امت اللہ تعالیٰ کی حمد بہت کرنے والی ہوگی۔ ہر سختی اور نرمی خوشی اور غم کی حالت میں اللہ کی حمد کرے گی، بلند جگہ پر چڑھتے ہوئے تکبیر کہنے والی اور اپنے دست و پا کو وضو سے منور کرنے والی ہوگی۔ وسط کمر پر تہہ بند باندھیں گے، نمازوں میں ایسی صف بندی کریں گے جیسی کہ لڑائی میں، مسجدوں میں ان کی آوازیں شہد کی مکھی کی آواز سے نرم اور پست ہوں گی لیکن نہ اتنی پست کہ دوسرا (پاس والا) نہ سن سکے۔ (تفسیر مظہری)

شہادت کی شرط:

شہادت کے لئے عدالت شرط ہے اور جب تم کامل العدالت ہو گئے تو ٹھیک شہادت دے سکو گے۔ کمالِ اعتدال کی وجہ سے کسی ایک جانب تمہارا میلان نہ ہوگا اور تمہاری شہادت حق ہوگی اور طرف داری کے شائبہ سے پاک ہوگی۔

فائدہ: اس امت کو متوسط اس معنی کو فرمایا کہ یہ امت عقائد اور اعمال اور اخلاق کے اعتبار سے معتدل ہے افراط اور تفریط کے درمیان ہے۔ برخلاف یہود کے وہ تفریط میں مبتلا ہیں۔ حضرات انبیاء کی تنقیص کرتے ہیں، ان کو معصوم نہیں سمجھتے کہ جو نبوت کا خاصہ لازمہ ہے اور نصاریٰ افراط میں مبتلا ہیں کہ اپنے نبی کو مرتبۂ بندگی سے درجۂ فرزندگی پر پہنچایا اور توسط اور اعتدال ہی باجماع عقلاء اعلیٰ درجہ کا کمال ہے۔ اسی لئے علماء نے اس آیت سے امتِ محمدیہ کے اجماع کے حجت ہونے پر استدلال کیا ہے، کیونکہ اس امت کے اجماع کو نہ قبول کرنا اس کی عدالت سے عدول کرنا ہے۔ امام قرطبی فرماتے ہیں کہ امت محمدیہ کے وسط (درمیان) میں ہونے کے یہ معنی ہیں کہ یہ امت انبیاء اولیاء کے درمیان ہے، انبیاء سے نیچے اور اولیاء سے اوپر۔ چونکہ اس خطاب کے بالذات مخاطب صحابہ کرام ہیں، اس لئے اہل سنت والجماعت کا یہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کا مقام انبیاء کرام سے نیچے ہے

اور تمام اولیاء سے بلند اور اونچا ہے۔ (معارف القرآن)

اجماعِ اُمّت:

امام جصاصؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اس کی دلیل ہے کہ ہر زمانے کے مسلمانوں کا اجماع معتبر ہے، اجماع کا حجت ہونا صرف قرن اول یا کسی خاص زمانے کے ساتھ مخصوص نہیں، کیونکہ آیت میں پوری امت کو خطاب ہے اور امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف وہ نہ تھے جو اس زمانے میں موجود تھے بلکہ قیامت تک آنے والی نسلیں جو مسلمان ہیں وہ سب آپ کی امت ہیں، تو ہر زمانے کے مسلمان شہداء اللہ ہو گئے۔

کمالِ انسانیت:

جوہر انسانیت جس کی وجہ سے انسان اشرف المخلوقات اور آقائے کائنات مانا گیا ہے، وہ اس کے گوشت پوست اور حرارت و برودت وغیرہ سے بالاتر کوئی چیز ہے، جو انسان میں کامل اور اکمل طور پر موجود ہے۔ دوسری مخلوقات کو اس کا وہ درجہ حاصل نہیں، اور اس کا معین کر لینا بھی کوئی باریک اور مشکل کام نہیں کہ وہ انسان کا روحانی اور اخلاقی کمال ہے جس نے اس کو مخدوم کائنات بنایا ہے۔ مولانا رومیؒ نے خوب فرمایا ہے:

آدمیت لحم و شحم و پوست نیست

آدمیت جز رضائے دوست نیست

اور اسی وجہ سے وہ انسان جو جوہر شرافت و فضیلت کی بے قدری کر کے اس کو ضائع کرتے ہیں ان کے بارے میں فرمایا ؎

اینکہ می بینی خلافِ آدم اند   نیستند آدم غلافِ آدم اند

اور جب یہ معلوم ہو گیا کہ انسان کا جوہر شرافت اور مدارِ فضیلت اس کے روحانی اور اخلاقی کمالات ہیں اور یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ بدنِ انسانی کی طرح روحِ انسانی بھی اعتدال و بے اعتدالی کا شکار ہوتی ہے، اور جس طرح بدنِ انسانی کی صحت، اس کے مزاج اور اخلاط کا اعتدال ہے، اسی طرح روح کی صحت روح اور اس کے اخلاق کا اعتدال ہے۔ اس لئے انسان کامل کہلانے کا مستحق صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو جسمانی اعتدال کے ساتھ روحانی اور اخلاقی اعتدال بھی رکھتا ہو، یہ کمال تمام انبیاء علیہم السلام کو خصوصیت کے ساتھ عطا ہوتا ہے، اور ہمارے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو انبیاء علیہم السلام میں بھی سب سے زیادہ یہ کمال حاصل تھا، اس لئے انسان کامل کے اولین مصداق آپؐ ہی ہیں، اور جس طرح جسمانی علاج معالجہ کے لئے ہر زمانہ اور ہر جگہ ہر بستی میں طبیب اور ڈاکٹر اور دواؤں اور آلات کا ایک محکم نظام حق تعالیٰ نے قائم فرمایا ہے، اسی طرح روحانی علاج اور قوموں میں اخلاقی اعتدال پیدا کرنے کے لئے انبیاء علیہم السلام بھیجے گئے، ان کے ساتھ آسمانی ہدایات بھیجی گئیں۔

امت محمدیہ کا روحانی و اخلاقی اعتدال:

اس میں امت محمدیہؐ کے اعتدالِ روحانی و اخلاقی کو واضح فرمایا ہے کہ وہ اپنے ذاتی مفادات اور خواہشات کو چھوڑ کر آسمانی ہدایت کے مطابق خود بھی چلتے ہیں اور دوسروں کو بھی چلانے کی کوشش کرتے ہیں، اور کسی معاملہ میں نزاع و اختلاف ہو جائے تو اس کا فیصلہ بھی اسی بے لاگ آسمانی قانون کے ذریعہ کرتے ہیں، جس میں کسی قوم یا شخص کے ناجائز مفاد کا کوئی خطرہ نہیں۔

عشق رسول میں اعتدال:

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر قرن ہر زمانے میں ایک طرف تو اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے وہ عشق و محبت رکھتے ہیں کہ اس کے آگے اپنی جان و مال اور اولاد و آبرو سب کو قربان کر دیتے ہیں ؎

سلام اسؐ پر کہ جس کے نام لیوا ہر زمانے میں

بڑھا دیتے ہیں ٹکڑا سرفروشی کے فسانے میں

اور دوسری طرف یہ اعتدال کہ رسول کو رسول اور خدا کو خدا سمجھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باایں ہمہ کمالات و فضائل عبدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ مانتے اور کہتے ہیں، وہ اپنے مدائح و مناقب میں بھی یہ پیمانہ رکھتے ہیں، جو قصیدۂ بردہ میں فرمایا ؎

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ

وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحاً فِیْهِ وَاحْتَكِمْ

"یعنی اس کلمۂ کفر کو تو چھوڑ دو جو نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں کہہ دیا (کہ وہ معاذ اللہ خود خدا یا خدا کے بیٹے ہیں) اس کے سوا آپؐ کی مدح و ثناء میں جو کچھ کہو وہ سب حق و صحیح ہے۔"

بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

اعتدال ہی صحت ہے:

بدنِ انسانی کی صحت اعتدال مزاج سے ہے اور جہاں یہ اعتدال کسی جانب سے خلل پذیر ہوا وہی بدنِ انسانی کا مرض ہے۔ خصوصاً طبِ یونانی کا تو بنیادی اصول ہی مزاج کی پہچان پر موقوف ہے، انسان کا بدن چار خلط خون، بلغم، سوداء، صفراء سے مرکب اور انہی چاروں اخلاط سے پیدا شدہ چار کیفیات انسان کے بدن میں ضروری ہیں: گرمی، ٹھنڈک، خشکی اور تری۔

سابقہ امتوں کی افراط وتفریط:

پچھلی امتوں میں ایک طرف تو یہ نظر آئے گا کہ اپنی شریعت کے احکام کو چند ٹکوں کے بدلے فروخت کیا جاتا ہے، رشوتیں لے کر آسمانی کتاب میں ترمیم کی جاتی ہے، یا غلط فتوے دیئے جاتے ہیں اور طرح طرح کے حیلے بہانے کر کے شرعی احکام کو بدلا جاتا ہے، عبادت سے پیچھا چھڑایا جاتا ہے، اور دوسری طرف عبادت خانوں میں آپ کو ایسے لوگ بھی نظر آئیں گے جنہوں نے ترکِ دنیا کر کے رہبانیت اختیار کر لی۔ وہ خدا کی دی ہوئی حلال نعمتوں سے بھی اپنے آپ کو محروم رکھتے اور سختیاں جھیلنے ہی کو عبادت وثواب سمجھتے ہیں۔

امت محمدیہ نے اس کے خلاف ایک طرف رہبانیت کو انسانیت پر ظلم قرار دیا اور دوسری طرف احکامِ خدا اور رسول پر مر مٹنے کا جذبہ پیدا کیا، اور قیصر وکسریٰ کے تخت وتاج کے مالک بن کر دنیا کو یہ دکھلا دیا کہ دیانت و سیاست میں یا دین و دنیا میں بیر نہیں، مذہب صرف مسجدوں یا خانقاہوں کے گوشوں کے لئے نہیں آیا بلکہ اس کی حکمرانی بازاروں اور دفتروں پر بھی ہے، اور وزارتوں اور امارتوں پر بھی، اس نے بادشاہی میں فقیری اور فقیری میں بادشاہی سکھلائی۔

ایک رئیس کی چراگاہ میں کسی دوسرے کا اونٹ گھس گیا اور وہاں کچھ نقصان کر دیا تو عرب کی مشہور جنگ حرب بسوس مسلسل سو برس جاری رہی۔ ہزاروں انسانوں کا خون ہوا، عورتوں کو انسانی حقوق دینا تو کجا زندہ رہنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی، کہیں بچپن ہی میں ان کو زندہ درگور کر دینے کی رسم تھی، کہیں مُردہ شوہروں کے ساتھ ستی کر کے جلا ڈالنے کا رواج تھا، اس کے بالمقابل دوسری طرف یہ سفیہانہ رحم دلی کہ کیڑے مکوڑوں کی ہتھیا کو حرام سمجھیں۔ جانوروں کے ذبیحہ کو حرام قرار دیں۔ خدا کے حلال کئے ہوئے جانوروں کے گوشت وپوست سے نفع اٹھانے کو ظلم سمجھیں، امت محمدیہ اور اس کی شریعت نے ان سب بے اعتدالیوں کا خاتمہ کیا، ایک طرف انسان کو انسان کے حقوق بتلائے اور نہ صرف صلح و دوستی کے وقت بلکہ عین میدانِ جنگ میں مخالفین کے حقوق کی حفاظت سکھلائی۔ عورتوں کو مردوں کی طرح حقوق عطا فرمائے، اور دوسری طرف ہر چیز کی حد مقرر فرمائی۔ جس سے آگے بڑھنے اور پیچھے رہنے کو جرم قرار دیا۔ ﴿معارف القرآن﴾

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ
اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے وہ قبلہ کہ جس پر تو پہلے تھا مگر اس واسطے

اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ
کہ معلوم کریں کون تابع رہے گا رسول کا اور کون پھر جائے گا
عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ
الٹے پاؤں

بیت المقدس کو قبلہ بنانا ایک امتحان تھا:

یعنی اصلی قبلہ تمہارا تو کعبہ ہی تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے چلا آتا ہے اور چند روز کے لئے جو بیت المقدس مقرر کر دیا تھا وہ تو صرف امتحان کے لئے تھا کہ کون تابعداری پر قائم رہتا ہے اور کون دین سے پھر جاتا ہے۔ سو اس میں جو لوگ ایمان پر قائم رہے ان کا بڑا درجہ ہے۔

ایک شبہ: فائدہ: اس آیت میں لِنَعْلَمَ جو صیغہ استقبال ہے اور دیگر آیات میں جو (حَتّٰى نَعْلَمَ) اور (فَلَيَعْلَمَنَّ) اور (وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ) اور (وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ) اور (اِلَّا لِنَعْلَمَ) وغیرہ کلمات موجود ہیں ان سب سے بظاہر یوں سمجھ میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ کو نعوذ باللہ ان اشیاء کا علم بعد کو ہوا، ان چیزوں کے وجود سے پہلے علم نہ تھا، حالانکہ اس کا علم ہر چیز کے ساتھ قدیم ہے (كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا) علماء نے کئی طرح سے اس کا جواب دیا ہے۔

جوابات: بعض نے علم سے متمیز اور جدا جدا کر دینا مراد لیا ہے، بعض نے امتحان کے معنی لئے، کسی نے علم کو بمعنی رویت لیا، کسی نے مستقبل کو بمعنی ماضی فرمایا، بعض نے حدوثِ علم کو نبی اور مومنین کی طرف رجوع کیا یا مخاطبین کی طرف لوٹایا، بعض اکابر محققین نے علم حالی جو بعد وجود معلوم متحقق ہوتا ہے جس پر جزا وسزا مدح وذم مترتب ہوتی ہے مراد لیا اور اسی کو پسند فرمایا۔ بعض راسخین مدققین نے اس کے متعلق دو باتیں نہایت دقیق وانیق بیان فرمائیں۔ اول کا خلاصہ یہ ہے کہ حسب ارشاد:

"(وَاَنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا)" تمام چیزیں اول سے آخر تک حقیر وعظیم، قلیل وکثیر خدا کے سامنے ہیں اور سب کا علم اس کو ایک ساتھ ہے، اس کے علم میں تقدم وتأخر ہرگز نہیں، مگر آپس میں ایک دوسرے کی نسبت بے شک مقدم اور مؤخر گنی جاتی ہیں۔ سو علم خداوندی کے حساب سے تو سب کی سب بمنزلہ شئی واحد موجود ہیں۔ اس لئے وہاں ماضی حال استقبال نکلنا بالکل غلط ہوگا، البتہ تقدم وتأخر باہمی کی وجہ سے یہ تینوں زمانے بالبداہت جدا جدا نکلیں گے۔ سو جناب باری کبھی تو حسب موقع وحکمت اپنے معلوم ہونے کے لحاظ سے کلام فرماتا ہے اور کبھی ان وقائع کے تقدم و

تأخر کالحاظ ہوتا ہے۔ پہلی صورت میں تو ہمیشہ بلحاظ ایک فرق دقیق کے ہمیشہ ماضی کا صیغہ یا حال کا صیغہ مستعمل ہوتا ہے، استقبال کا صیغہ مستعمل نہیں ہوسکتا اور دوسری صورت میں ماضی کے موقع میں ماضی اور حال کے موقع میں حال اور استقبال کی جگہ استقبال لایا جاتا ہے۔ سو جہاں کہیں وقائع آئندہ کو ماضی کے الفاظ سے بیان فرمایا ہے جیسا (وَنَادٰى اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ) وغیرہ۔ تو وہاں اس کالحاظ ہے کہ حق تعالیٰ کو سب مستحضر اور پیش نظر ہے اور جہاں امور گذشتہ کو صیغہ استقبال سے بیان فرمایا ہے جیسا اسی آیت میں (اِلَّا لِنَعْلَمَ) ہے یا اور اس کے سوا تو وہاں یہ مدنظر ہے کہ بہ نسبت اپنے ماقبل کے مستقبل ہے علم الٰہی کے لحاظ سے استقبال نہیں جو اس کے علم میں حدوث کا وہم ہو۔ دوسری تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو علم اشیاء دو طریق سے حاصل ہوتا ہے۔ ایک تو بلا واسطہ دوسرا بواسطہ، مثلاً آگ کو کبھی تو آنکھ سے مشاہدہ کرتے ہیں اور کبھی آگ تو ہم سے کسی آڑ میں ہوتی ہے مگر دھوئیں کو دیکھ کر آگ کا یقین ہوجاتا ہے اور بسا اوقات یہ دونوں علم ایک جگہ ایک ساتھ موجود ہوتے ہیں، مثلاً آگ کو پاس سے دیکھئے تو دھواں بھی اس کے ساتھ نظر آئے گا۔ سو اس صورت میں آگ کا علم دونوں طرح حاصل ہوگا۔ ایک تو بلا واسطہ کیونکہ آنکھ سے آگ کو دیکھ رہے ہیں، دوسرا بواسطہ یعنی آگ کا علم دھوئیں کے واسطہ سے اور یہ دونوں علم ہر چند ایک ساتھ ہیں آگے پیچھے پیدا نہیں ہوئے مگر علم بواسطہ علم بلا واسطہ میں ایسا محو ہوتا ہے کہ اس کا دھیان بھی نہیں گزرتا۔ علیٰ ہذا القیاس کبھی دو چیزوں کا علم بلا واسطہ بھی ایک ساتھ حاصل ہوتا ہے، مثلاً آگ اور دھوئیں کو ایک ساتھ دیکھئے، اسی طرح کبھی ایک شئ کا علم بلا واسطہ اور دوسری شئ کا علم پہلی شئ کے واسطہ سے ایک ساتھ حاصل ہوتے ہیں۔ مثلاً دھوئیں کا علم بلا واسطہ اور آگ کا علم دھوئیں کے واسطہ سے، یا آگ کا علم بلا واسطہ اور دھوئیں کا علم آگ کے واسطہ سے، دونوں ساتھ پیدا ہوتے ہیں۔ مگر جیسا قلم کو ہاتھ میں لے کر لکھیں تو ہر چند ہاتھ اور قلم ساتھ ہی ہلتے ہیں لیکن پھر یوں کہتے ہیں کہ ہاتھ پہلے ہلا تو قلم ہلا، اسی طرح پر عقل سلیم باوجود ایک ساتھ ہونے کے ایک شے کے علم بلا واسطہ کو دوسری شے کے علم بالواسطہ سے جو بواسطہ پہلی شے کے حاصل ہوا ہے ایک طرح پر ضرور مقدم سمجھتی ہے۔ جب یہ باتیں معلوم ہوچکیں تو اب سنیئے کہ خداوند علیم کو بھی تمام اشیاء کا علم دونوں طرح پر ہے بلا واسطہ اور بواسطہ یکدگر یعنی لوازم کا ملزومات سے اور ملزومات کا لوازم سے اور دونوں علم ازل سے برابر ساتھ ہیں۔ گو علم بواسطہ کسی چیز کا اس کے علم بلا واسطہ میں محو اور مضمحل ہو اور ایسا ہی ایک چیز کا علم بلا واسطہ اور دوسری چیز کا علم بالواسطہ برابر ساتھ ہے اور دونوں قدیم ہیں گو علم بلا واسطہ کو بطریق مذکور مقدم اور علم بالواسطہ کو مؤخر کہیں۔ سو جہاں کہیں علم خداوندی کے ذکر میں صیغہ استقبال کا یا معنی استقبال کے پائے جاتے ہیں وہ علم بالواسطہ کے لحاظ سے ہے، زمانہ کے اعتبار سے کچھ تفاوت نہیں اور جہاں کہیں ماضی یا حال مستعمل ہے وہاں علم بلا واسطہ مراد ہے اور علم بالواسطہ کے اعتبار سے کلام فرمانے میں یہ حکمت ہے کہ کلام الٰہی کے مخاطب آدمی ہیں اور ان کو اکثر اشیاء کا علم بالواسطہ ہوتا ہے اور جہاں کہیں جناب باری نے اپنے علم میں صیغہ استقبال استعمال فرمایا وہ وہی امور ہیں جو بنی آدم کو بلا واسطہ معلوم نہیں ہوسکتے۔ اگر ایسے مواقع میں بنی آدم سے باعتبار علم بلا واسطہ کلام کیا جاتا تو ان پر پورا الزام نہ ہوتا اور جہاں یہ مصلحت نہیں وہاں باعتبار علم بلا واسطہ صیغہ ماضی یا حال کے استعمال کیا جاتا ہے، مگر بنی آدم کو چونکہ ان اشیاء کا علم بلا واسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور ان واسطوں کا علم قبل ان کے وجود کے بنی آدم کو ممکن نہیں اور اس وجہ سے ان کے تمام علوم برابر حاصل نہیں ہوتے تو وہ خدا کو اپنے اوپر قیاس کرکے صیغہ استقبال سے حدوث سمجھ جاتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ علم الٰہی میں تو حدوث ثابت ہوگیا مگر فہمیدہ اشخاص جو نکتہ مذکورہ سے واقف ہیں سب کو مطابق یکدگر سمجھتے ہیں، والحمدللہ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شریعتِ اسلامیہ کا مزاج:

شریعت اسلام نے مسلمانوں کا کوئی ایک شعار (یونیفارم) مقرر نہیں کیا، بلکہ مختلف قوموں میں جو طریقے اور اوضاع لباس کی رائج تھیں ان سب پر نظر کرکے ان میں سے جو صورتیں اسراف بے جا یا فخر یا کسی غیر مسلم قوم کی نقالی پر مبنی تھیں، صرف ان کو ممنوع قرار دے کر باقی چیزوں میں ہر فرد اور ہر قوم کو آزاد اور خودمختار رکھا، مرکز وحدت ایسی چیزوں کو بنایا گیا جو اختیاری بھی ہوں اور آسان اور سستی بھی۔ ان چیزوں میں جیسے جماعت نماز کی صف بندی، ایک امام کی نقل و حرکت کی مکمل پابندی، حج میں لباس اور مسکن کا اشتراک وغیرہ ہیں۔

تعیینِ قبلہ کا فلسفہ:

اسی طرح ایک اہم چیز سمتِ قبلہ کی وحدت بھی ہے، کہ اگرچہ اللہ جل شانہٗ کی ذات پاک ہر سمت و جہت سے بالاتر ہے، اس کے لئے شش جہت یکساں ہیں، لیکن نماز میں اجتماعی صورت اور وحدت پیدا کرنے کے لئے تمام دنیا کے انسانوں کا رخ کسی ایک ہی جہت و سمت کی طرف ہونا ایک بہترین اور آسان اور بے قیمت وحدت کا ذریعہ ہے، جس پر سارے

مشرق ومغرب اور جنوب وشمال کے انسان آسانی سے جمع ہو سکتے ہیں۔ اب وہ ایک سمت وجہت کونسی ہو جس کی طرف ساری دنیا کا رخ پھیرا جائے، اس کا فیصلہ اگر انسانوں پر چھوڑا جائے تو یہی ایک سب سے بڑی بناء اختلاف ونزاع بن جاتی ہے۔ اس لئے ضروری تھا کہ اس کا تعین خود حضرت حق جل وعلا شانہ کی طرف سے ہوتا۔ حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں اتارا گیا، تو فرشتوں کے ذریعہ بیت اللہ کعبہ کی بنیاد پہلے ہی رکھ دی گئی تھی، حضرت آدم اور اولادِ آدم علیہ السلام کا سب سے پہلا قبلہ یہی بیت اللہ اور خانہ کعبہ بنایا گیا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ

"سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا وہ گھر ہے جو مکہ میں ہے برکت والا، ہدایت والا جہان والوں کے لئے۔"

مسئلہ: صحیح بخاری باب مَاجَاءِ فِيْ الْقِبْلَةِ میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی حدیث میں جو قباء میں تحویلِ قبلہ کا حکم پہنچنے اور ان لوگوں کے بحالت نماز بیت اللہ کی طرف پھر جانے کا واقعہ ذکر کیا۔ اس پر علامہ عینی حنفی نے تحریر فرمایا ہے: "یعنی اس حدیث سے ثابت ہوا کہ جو شخص نماز میں شریک نہیں وہ کسی نماز پڑھنے والے کو تعلیم وتلقین کر سکتا ہے۔"

نویلہ بنت مسلم کی روایت میں ہے کہ اس وقت عورتیں جو پچھلی صفوں میں تھیں آگے آ گئیں اور مرد جو اگلی صفوں میں تھے پیچھے آ گئے اور جب رخ بیت اللہ کی طرف بدلا گیا تو مردوں کی صفیں آگے اور عورتوں کی پیچھے ہو گئیں۔ ﴿ابن کثیر﴾

مکہ مکرمہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا قول یہ ہے کہ اول ہی سے قبلہ بیت المقدس تھا، جو ہجرت کے بعد بھی سولہ سترہ مہینہ تک باقی رہا۔ اس کے بعد بیت اللہ کو قبلہ بنانے کے احکام نازل ہو گئے، البتہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل مکہ مکرمہ میں یہ رہا کہ آپ حجرِ اسود اور رکن یمانی کے درمیان نماز پڑھتے تھے، تا کہ بیت اللہ بھی سامنے رہے اور بیت المقدس کا بھی استقبال ہو جائے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد یہ ممکن نہ رہا، اس لئے تحویلِ قبلہ کا اشتیاق پیدا ہوا۔ ﴿ابن کثیر﴾

وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ
اور بیشک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو راہ

هَدَى اللّٰهُ
دکھائی اللہ نے

امتحان کی تفصیل:

اول سے آپ کے لئے خانہ کعبہ مقرر ہوا تھا بیچ میں چند عرصہ کے لئے امتحاناً بیت المقدس کو قبلہ مقرر فرمایا اور سب جانتے ہیں کہ امتحان اسی چیز میں ہوتا ہے جو نفس پر دشوار ہو، سوحق تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک بجائے کعبہ بیت المقدس کو قبلہ بنانا لوگوں کو بھاری معلوم ہوا عوام مسلمین کو تو اس وجہ سے کہ وہ عموماً عرب اور قریش تھے اور کعبہ کی افضلیت کے معتقد تھے ان کو اپنے خیال اور رسم وعادت کے خلاف کرنا پڑا، اور خواص کے گھبرانے کی یہ وجہ تھی کہ ملت ابراہیمی کے خلاف تھا جس کی موافقت کے مامور تھے اور اخص الخواص جن کو ذوق سلیم اور تمیز مراتب کی لیاقت عطا ہوئی تھی۔ وہ کعبہ کے بعد بیت المقدس کی طرف متوجہ ہونے کو ترقی معکوس خیال کرتے تھے مگر جن حضرات کو حکمت واسرار تک رسائی تھی اور حقیقت کعبہ اور حقیقت بیت المقدس کو بنورِ فراست جدا جدا مع فرق مراتب سمجھتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء کے کمالات کے جامع اور آپ کی رسالت جملہ عالم اور تمام امتوں کے لئے شامل ہے۔ اس لئے ضرور ہے کہ استقبال بیت المقدس سے ملاقات بھی ہو اور اس کے بعد استقبال بیت المقدس کا بھی حکم ہوا، واللہ اعلم۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان بے شک اللہ لوگوں
بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۳﴾
پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے

ایک شبہ کا ازالہ:

یہود نے کہا کہ قبلہ مکیہ اصلی ہے تو اتنی مدت کی نماز جو بیت المقدس کی طرف پڑھی تھی ضائع ہوئی۔ بعض مسلمانوں کو شبہ ہوا کہ بیت المقدس جب قبلہ اصلی نہ تھا تو جو مسلمان اسی حالت پر مر گئے ان کے ثواب میں نقصان رہا، باقی زندہ رہنے والے تو آئندہ کو مکافات اور اس کا تدارک کر لیں گے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جب تم نے بیت المقدس کی طرف نماز محض مقتضائے ایمانی اور اطاعت حکم خداوندی کے سبب پڑھی تو تمہارے اجرو

ثواب میں کسی طرح کا نقصان نہ ڈالا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

بندوں پر اللہ کی مہربانی:

صحیح حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قیدی عورت کو دیکھا جس سے اس کا بچہ چھوٹ گیا تھا۔ وہ اپنے بچے کو باؤلوں کی طرح تلاش کر رہی تھی اور جب وہ نہیں ملا تو قیدیوں میں سے جس بچہ کو دیکھتی اسی کو گلے لگا لیتی، یہاں تک کہ اس کا اپنا بچہ مل گیا، خوشی خوشی لپک کر اسے گود میں اٹھا لیا، سینے سے لگا کر پیار کیا اور اس کے منہ میں دودھ دیا۔ یہ دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: بتلاؤ تو یہ اپنا بس چلتے ہوئے اس بچہ کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ! ہرگز نہیں۔ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم! جس قدر یہ ماں اپنے بچہ پر مہربان ہے اس سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رؤف و رحیم ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ
بے شک ہم دیکھتے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف سو البتہ
قِبْلَةً تَرْضٰىهَا
پھیریں گے ہم تجھ کو جس قبلہ کی طرف تو راضی ہے

تبدیلی قبلہ کیلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار:

چونکہ آپ کا اصلی قبلہ اور آپ کے کمالات کے مناسب خانہ کعبہ تھا اور سب قبلوں سے افضل اور حضرت ابراہیمؑ کا بھی قبلہ وہی تھا ادھر یہود طعن کرتے تھے کہ یہ نبی شریعت میں ہمارے مخالف اور ملت ابراہیمی کے موافق ہو کر ہمارا قبلہ کیوں اختیار کرتے ہیں۔ ان وجوہ سے جس زمانہ میں آپ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے تو دل یہی چاہتا تھا کہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم آ جائے اور اس شوق میں آسمان کی طرف منہ اٹھا کر ہر طرف کو دیکھتے تھے کہ شاید فرشتہ حکم لاتا ہو۔ اس پر یہ آیت اتری اور استقبال کعبہ کا حکم آ گیا۔ (تفسیر عثمانی)

قبلہ کی تفصیل:

ابن جریج میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں بیت اللہ قبلہ ہے مسجد حرام والوں کا اور مسجد قبلہ ہے اہل حرم کا اور حرم قبلہ ہے تمام زمین والوں کا خواہ مشرق میں ہوں خواہ مغرب میں، میری تمام امت کا قبلہ یہی ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

شانِ نزول: مدینہ منورہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھتے تھے تو یہودی کہا کرتے تھے کہ محمد دین میں تو ہماری مخالفت کرتے ہیں مگر اتباع ہمارے قبلہ ہی کا کرتے ہیں۔ اس لئے آپ یہ چاہتے تھے کہ بیت اللہ قبلہ ہو جائے۔ چنانچہ حضور نے جبرئیل علیہ السلام سے اپنی یہ تمنا ظاہر کی کہ بیت اللہ چونکہ میرے باپ ابراہیم علیہ السلام کا قبلہ ہے اس لئے میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے قبلہ بنا دے۔ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ میں مثل آپ کے بندہ ہوں اور آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مجھ سے زیادہ بزرگ اور مقرب ہیں، آپ خود اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اور اکثر اللہ کے حکم کے انتظار میں آسمان کی طرف دیکھتے رہتے۔ آخرکار اللہ تعالیٰ نے آپ کی یہ دعا قبول فرمائی اور (قَدْ نَرٰى) الآیہ نازل ہوئی۔

دُور والوں کیلئے قبلہ کی تعیین:

ترمذی نے ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مابین مشرق اور مغرب کے قبلہ ہے۔ اس حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دور والوں کے لئے قبلہ جہت کعبہ ہے۔ چنانچہ اہل ہند کا قبلہ دو مغربوں کے درمیان ہے اور وہ دونوں مغرب راس جدی کی مغرب ہیں۔

تحویل قبلہ کا واقعہ:

مواہب اور سبیل الرشاد میں مذکور ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قبیلہ بنی سلمہ میں ام بشر ابن براء بن معرور سے ملنے براء کے انتقال کے بعد تشریف لے گئے۔ ام بشر نے حضورؐ کے لئے کھانا تیار کیا۔ وہاں آپؐ کو ظہر کا وقت آ گیا۔ آپ نے مع اصحاب کے مسجد بنی سلمہ میں نماز شروع فرمائی۔ جب آپؐ دو رکعتیں پڑھ چکے تو جبرئیل علیہ السلام نے آ کر اشارہ کیا کہ بیت اللہ کی طرف نماز پڑھو، آپ نماز ہی میں کعبہ کی طرف میزاب کی جانب پھر گئے، جس جگہ مرد تھے وہاں عورتیں آ گئیں اور جہاں عورتیں تھیں وہاں مرد آ گئے۔ غرض سب نماز میں پھر گئے۔ اسی واسطے اس مسجد کو مسجد القبلتین کہتے ہیں۔ واحدی نے کہا ہے کہ ہمارے نزدیک یہ قصہ نہایت قوی سند سے ثابت ہے۔

صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ قبا میں لوگ فجر کی نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی طرف سے کعبہ کی طرف متوجہ ہونے کا حکم ہو گیا۔ وہ سب اسی

وقت کعبہ کی طرف پھر گئے۔ اول ان کے منہ شام کی طرف تھے اور رافع بن خدیج" فرماتے ہیں کہ ہم بنیعبد الاشہل میں نماز پڑھ رہے تھے کہ ایک شخص نے آ کر پکارا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم ہو گیا۔ ہمارا امام یہ سن کر کعبہ کی طرف پھر گیا اور ہم سب بھی پھر گئے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

بیت اللہ کے اندر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز:

صحیحین میں ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ہمرکاب اسامہ، بلال اور عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہم بیت اللہ کے اندر تشریف لے گئے اور دروازہ بند کر دیا گیا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سب حضرات جب باہر آئے تو میں نے بلال رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ حضورؐ نے اندر جا کر کیا کیا؟ بلالؓ نے کہا کہ کعبہ کے دو ستون اپنے بائیں جانب چھوڑے اور ایک ستون دائیں جانب اور تین ستون پیچھے، پھر نماز پڑھی۔ تورات میں موجود ہے کہ نبی آخر الزماں دو قبلوں کی طرف نماز پڑھیں گے۔

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اب پھیر منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے

مسجد حرام کی وجہ تسمیہ:

یعنی کعبہ کی طرف اور اس کو مسجد الحرام اس لئے کہتے ہیں کہ وہاں مقاتلہ کرنا اور شکار کرنا جانوروں کا اور درخت اور گھاس کا کاٹنا وغیرہ امور حرام ہیں اور کسی مسجد کی اتنی حرمت و عزت نہیں جس قدر مسجد الحرام کی حرمت ہے۔ جب تحویل قبلہ کا یہ حکم نازل ہوا تو آپ باجماعت مسجد بنی سلمہ میں ظہر کی نماز پڑھ رہے تھے۔ دو رکعت بیت المقدس کی طرف پڑھ چکے تھے، نماز ہی میں آپ نے اور سب مقتدیوں نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں پوری کیں۔ اس مسجد کا نام القبلتین اور ذو قبلتین ہو گیا، یعنی دو قبلہ والی۔

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ
اور جس جگہ تم ہوا کرو پھیرو منہ اسی کی طرف

جہاں ہو کعبہ کی طرف نماز پڑھو:

یعنی حضر میں یا سفر میں، مدینہ میں یا دوسرے شہر میں۔ جنگل میں یا دریا میں یا خود بیت المقدس میں جہاں کہیں ہو کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مثلاً مشرقی ممالک ہندوستان و پاکستان وغیرہ کے لئے جانب مغرب مسجد حرام کی سمت ہے تو مغرب کی جانب رخ کر لینے سے استقبالِ قبلہ کا فرض ادا ہو جائے گا۔ اور چونکہ گرمی سردی کے موسموں میں سمتِ مغرب میں بھی اختلاف ہوتا رہتا ہے، اس لئے فقہاء رحمہم اللہ نے اس سمت کو سمتِ مغرب و قبلہ قرار دیا ہے، جو موسمِ گرما و سرما کی دونوں مغربوں کے درمیان ہے، اور قواعد ریاضی کے حساب سے یہ صورت ہوگی کہ مغربِ صیف اور مغربِ شتا کے درمیان ۴۸ ڈگری تک سمت قبلہ قرار دی جائے گی۔ یعنی ۲۴ ڈگری تک بھی اگر دائیں یا بائیں مائل ہو جائے تو سمتِ قبلہ فوت نہیں ہوگی، نماز درست ہو جائے گی، ریاضی کی قدیم اور مشہور کتاب شرح چغمینی باب رابع صفحہ ۶۶ میں دونوں مغربین کا فاصلہ یہی ۴۸ ڈگری قرار دیا ہے۔ ﴿معارف القرآن﴾

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ
اور جن کو ملی ہے کتاب البتہ جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان کے رب
الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ۝
کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں

اہل کتاب کی حسد بازی کی پرواہ نہ کرو:

یعنی اہل کتاب جو تحویل قبلہ کی نسبت اعتراض کریں، اس کی ہرگز پرواہ نہ کرنا کیونکہ ان کو کتاب سے معلوم ہے کہ پیغمبر آخر الزماں بیت المقدس کی طرف کچھ دنوں نماز پڑھیں گے اور آخر کو کعبہ کی طرف پڑھیں گے اور یہ بھی ان کو معلوم ہے کہ اصلی اور دائمی قبلہ ان کا ملت ابراہیمی کے موافق ہوگا۔ اس لئے اس تحویل قبلہ کو وہ بھی حق سمجھتے ہیں۔ محض حسد سے جو چاہیں کہیں سو حق تعالیٰ ان کی باتوں کو خوب جانتا ہے جس کا نتیجہ ان کو ایک دن معلوم ہو جائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ
اور اگر تو لائے اہل کتاب کے پاس ساری
اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَا اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ
نشانیاں تو بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو مانے ان کا قبلہ

وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ

اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ

اب قیامت تک کعبہ ہی قبلہ رہے گا:

یعنی جب یہ بات ہے کہ اہل کتاب استقبال کعبہ کو حق جان کر بوجہ حسد و عناد حق پوشی کرتے ہیں تو ان سے اپنے قبلہ کی موافقت کی ہرگز توقع مت رکھو۔ وہ تو ایسے متعصب ہیں کہ اگر ان کو تمام نشانیاں جو ممکن الوقوع ہیں دکھلا دو۔ جب بھی تمہارے قبلہ کو نہ مانیں گے وہ تو اس ہوس میں ہیں کہ کسی طرح تم کو اپنا تابع بنالیویں، اسی وجہ سے کہا کرتے تھے کہ ہمارے قبلہ پر قائم رہتے تو ہم سمجھتے کہ تم نبی موعود ہو کہ شاید پھر ہمارے قبلہ کی طرف رجوع کرلیں۔ سو یہ ان کا خیال باطل اور طمع خام ہے۔ تم کسی وقت میں بھی ان کے قبلہ کا اتباع نہیں کر سکتے۔ اب استقبال کعبہ کا حکم قیامت تک منسوخ نہیں ہوسکتا اور دوسروں کے تابع بنانے کا ارادہ تو بعد میں کریں پہلے اہل کتاب تو آپس میں دربارۂ امر قبلہ موافق ہو جائیں۔ یہود کا قبلہ صخرۂ بیت المقدس ہے اور نصاریٰ کا قبلہ بیت المقدس کی شرقی جانب ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نفخ روح ہوا تھا جب وہ ہی باہم موافق نہیں ہو سکتے۔ تو پھر مسلمانوں سے اس متابعت نقیضین کی توقع کرنی محض حماقت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ

اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے

مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

جو تجھ کو پہنچا تو بیشک تو بھی ہوا بے انصافوں میں

اب اہل کتاب کے قبلہ کی متابعت ہرگز ممکن نہیں:

یعنی ان دلائل سے قطع نظر کر کے تھوڑی دیر کیلئے اگر مان بھی لیا جائے کہ آپ نعوذ باللہ اہل کتاب کے قبلہ کی متابعت نزول وحی اور علم یقینی کے خلاف بھی کرلیویں تو اس تقدیر محال پر بیشک آپ بھی بے انصافوں میں شمار ہوں اور نبی سے یہ امر شنیع کسی طرح ممکن نہیں۔ تو معلوم ہو گیا کہ قبلہ اہل کتاب کی متابعت آپ سے ہرگز ممکن نہیں کہ سراسر علم کے خلاف یعنی جہل اور گمراہی ہے۔

بلیغ دھمکی: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو باوجود حبیب ہونے کے یہ خطاب فرمایا تو اس سے اوروں کو نہایت بلیغ دھمکی ہوگئی۔ جیسے کوئی حاکم اپنی رعایا کے سنانے کیلئے کسی اپنے مطیع و فرمانبردار سے کہے کہ دیکھو اگر تم بھی ایسا کرو گے تو سزا پاؤ گے۔ (تفسیر مظہریؒ)

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا

جن کو ہم نے دی ہے کتاب پہچانتے ہیں اس کو جیسے

يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بیشک ایک فرقہ ان میں سے

لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ

البتہ چھپاتے ہیں حق کو جان کر حق وہی ہے

رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

جو تیرا رب کہے پھر تو نہ ہو شک لانے والا

اہل کتاب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت اچھی طرح جانتے ہیں

یعنی اگر تم کو یہ خیال ہو کہ کاش کعبہ کا مسلمانوں کے لئے قبلہ ہونا اہل کتاب بھی کسی طرح تسلیم کرلیں اور دوسرے لوگوں کو شبہ میں ڈالتے نہ پھریں تو میرے نبی موعود ہونے میں خلجان باقی نہ رہے۔ تو جان لو کہ اہل کتاب کو تمہارا بہت پورا علم ہے، آپ کے نسب و قبیلہ و مولد و مسکن و صورت و شکل و اوصاف و احوال سب کو جانتے ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کو آپ کا علم اور آپ کے نبی موعود ہونے کا ایسا یقین ہے جیسا بہت سے لڑکوں میں اپنے بیٹوں کو بلا تامل و تردد پہچانتے ہیں، مگر اس امر کو بعض تو ظاہر کرتے ہیں اور بعض دیدہ و دانستہ امر حق کو چھپاتے ہیں لیکن ان کے چھپانے سے کیا ہوتا ہے۔ حق بات تو وہی ہے جو اللہ کی طرف سے ہو، اہل کتاب مانیں یا نہ مانیں ان کی مخالفت سے کسی قسم کا تردد مت کرو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

قرطبیؒ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت عبداللہ بن سلامؓ سے جو یہودیوں کے زبردست علامہ تھے پوچھا، کیا تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا ہی جانتا ہے جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتا ہے؟ جواب دیا ہاں بلکہ اس سے بھی زیادہ، اس لئے کہ آسمانوں کا امین فرشتہ زمین کے امین شخص پر نازل ہوا اور اس نے آپ کی صحیح تعریف بتلادی، یعنی حضرت جبرئیل حضرت عیسیٰ کے پاس آئے اور پھر پروردگار عالم نے آپ کی صفتیں

بیان کیں جو سب کی سب آپ میں موجود ہیں۔ پھر ہمیں آپ کے نبی برحق ہونے میں کیا شک رہا؟ ہم آپ کو بیک نگاہ کیوں نہ پہچان لیں؟ بلکہ ہمیں اپنی اولاد کے بارے میں شک ہے اور آپ کی نبوت میں کچھ شک نہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَٰتِ
اور ہر کسی کے واسطے ایک جانب ہے یعنی قبلہ کہ وہ منہ کرتا ہے
أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا إِنَّ
اس طرف سو تم سبقت کرو نیکیوں میں جہاں کہیں تم ہوگے کر لائے گا تم کو
اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾
اللہ اکٹھا بے شک اللہ ہر چیز کر سکتا ہے

نیکی میں کوشش کرو سمتِ قبلہ میں نہ جھگڑتے رہو:

یعنی اللہ نے ہر ایک امت کے لئے ایک ایک قبلہ کا حکم فرمایا جس کی طرف بوقت عبادت اپنا منہ کیا کریں یا ہر ایک قوم مسلمان کعبہ سے جدا جدا سمت میں واقع ہے، کوئی مشرق میں کوئی مغرب میں۔ سو اس میں جھگڑنا فضول اور اپنے قبلہ یا اپنی سمت پر ضد کرنا عبث ہے جو نیکیاں مقصود و مطلوب ہیں ان کی طرف البتہ پیش قدمی کرو اور اس بحث کو چھوڑو، جس جگہ اور جس قبلہ اور جس سمت کعبہ کی طرف تم ہوگے لائے گا تم سب کو اللہ میدان حشر میں اور تمہاری نمازیں ایسی سمجھی جائیں گی گویا ایک ہی جہت کی طرف ہوئی ہیں، پھر ایسی بات میں کیوں جھگڑتے ہو۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ
مسجد الحرام کی طرف اور بیشک یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے
وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾ وَمِنْ
اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے
حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ
اور جہاں سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد الحرام کی طرف

الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ
اور جس جگہ تم ہوا کرو منہ کرو اسی کی طرف

تحویل قبلہ کے حکم کے تکرار کی حکمت:

تحویل قبلہ کا حکم مکرر سہ کرر یا تو اس واسطے بیان فرمایا کہ اسکی علل متعدد تھیں۔ تو ہر علت کو بتلانے کیلئے اس حکم کا اعادہ فرمایا: (قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ) الخ سے معلوم ہوا کہ اپنے رسول کی رضا جوئی اور اظہار تکریم کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایسا کیا اور: (وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا) سے معلوم ہوا کہ عادت اللہ یہی ہے کہ ہر ملت اور ہر ایک رسول صاحب شریعت مستقل کے لئے اس کے مناسب ایک قبلہ مقرر ہونا چاہئے اور:

(لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ) سے معلوم ہوا کہ حکم مذکور کی علت یہ ہے کہ مخالف کا الزام عائد نہ ہوسکے یا اس تکرار کی یہ وجہ ہے کہ اول تو قبلہ قابل اہتمام، دوسرے حکم الہیہ میں نسخ ہونا بیوقوفوں کی سمجھ سے باہر، پھر تحویل قبلہ اول نسخ ہے جو شریعت محمدی میں ظاہر ہوا اس لئے اس کی تاکید در تاکید عین حکمت و بلاغت ہے یا یہ وجہ ہے کہ اول آیت میں تعمیم احوال اور دوسری آیت میں تعمیم امکنہ اور تیسری میں تعمیم از منہ مراد ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ
تا کہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع مگر جو ان میں بے انصاف ہیں
ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي
سو ان سے (یعنی ان کے اعتراضوں سے) مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو

تحویل قبلہ کی وجہ:

یعنی کعبہ کو منہ کرنے کا حکم اس واسطے ہوا کہ توریت میں مذکور ہے کہ حضرت ابراہیم کا قبلہ خانہ کعبہ ہے اور نبی آخر الزمان کو بھی اسی کی طرف منہ پھیرنے کا حکم ہو جائے گا تو آپ کو تحویل الی الکعبہ کا حکم نہ ہوتا تو یہود ضرور الزام لگاتے۔ ادھر مشرکین مکہ یہ کہتے کہ حضرت ابراہیم کا قبلہ تو کعبہ تھا، یہ نبی ملت ابراہیمی کا دعویٰ کر کے پھر قبلہ میں کیوں خلاف کرتے ہیں تو اب دونوں کو حجت کرنے کا حق نہ رہا مگر بے انصاف اب بھی کچھ نہ کچھ الزام لگائے ہی جائیں گے، مثلاً قریش کہیں گے کہ ان کو ہمارے قبلہ کا حق ہونا اب معلوم ہوا تو اس کو اختیار کیا، اسی طرح پر ہمارے اور احکام بھی رفتہ رفتہ منظور کرلیں گے اور یہود کہیں گے کہ ہمارے قبلہ کی حقانیت ظاہر

ہونے اور تسلیم کر لینے کے بعد محض حسد اور نفسانیت کے باعث اپنی رائے سے اس کو چھوڑ دیا تو ایسے بے انصافوں کے اعتراض کی کچھ پرواہ مت کرو اور ہمارے حکم کے تابع رہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِیْ عَلَیْکُمْ وَلَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۰﴾

اور اس واسطے کہ کامل کروں تم پر فضل اپنا اور تا کہ تم پاؤ راہ سیدھی

تحویل کعبہ ہدایت و نعمت ہے:

یعنی یہ قبلہ ہم نے تمہارے لئے اس واسطے مقرر فرمایا کہ دشمنوں کے طعن سے بچو اور اس کے سبب سے ہمارے انعام و اکرام و برکات و انوار اور ہدایت کے پورے مستحق ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نعمت کا پورا ہونا:

حضرت معاذؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ نعمت کا پورا ہونا جنت میں داخل ہونا اور جہنم سے خلاصی پانا ہے۔ اس حدیث کو بخاری اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نعمت کی تکمیل اسلام پر مرنا ہے۔

سوار اور جاہل کا قبلہ:

اور اگر معلوم نہیں ہے کہ قبلہ کس طرف ہے تو اس کا قبلہ وہی ہے جس طرف دل گواہی دے اور اگر آبادی کے باہر سواری پر نفل پڑھنا چاہتا ہے تو جدھر سواری کا رخ ہو وہی قبلہ ہے۔

اس امت کی تین فضیلتیں:

مسلمؒ نے حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہم کو اور امتوں پر تین باتوں سے فضیلت ہے۔ اول تو ہماری نماز میں جماعتیں مثل ملائکہ کی جماعت کے بنائی گئیں۔ دوسرے ہمارے لئے زمین کو مسجد بنا دیا، یعنی جہاں چاہیں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ تیسرے زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک کرنے والی بنائی گئی (یعنی پانی نہ ہونے یا مضطر ہونے کے وقت تیمم مشروع فرمایا) ﴿تفسیر مظہری﴾

کَمَآ اَرْسَلْنَا فِیْکُمْ رَسُوْلًا مِّنْکُمْ یَتْلُوْا

جیسا کہ بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں کا پڑھتا ہے

عَلَیْکُمْ اٰیٰتِنَا وَیُزَکِّیْکُمْ وَیُعَلِّمُکُمُ الْکِتٰبَ

تمہارے آگے آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھلاتا ہے تم کو کتاب

وَالْحِکْمَةَ وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۵۱﴾

اور اس کے اسرار اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے

علم و عمل دونوں طرح تکمیل نعمت:

یعنی یہ اتمام نعمت اور تکمیل ہدایت تم پر ایسی ہوئی جیسی ابتداء میں تم پر یہ اتمام نعمت و ہدایت ہو چکی ہے کہ تم ہی میں سے ایک رسول ایسا بھیجا جو تم کو احکام خداوندی سمجھا دے اور تم کو بری باتوں سے پاک کرے۔ یعنی علماً اور عملاً تم کو کامل بنا دے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حکم تعلیم کا تکرار:

(رَسُوْلًا مِّنْکُمْ) میں رسول سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تعلیم کو دو مرتبہ ذکر فرمانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ دوسری تعلیم اور قسم کی ہے تو ممکن ہے کہ اس دوسری تعلیم سے مراد علم لدنی ہو کہ جو ظاہر قرآن سے ماخوذ نہیں ہے بلکہ باطن قرآن اور سینہ بے کینہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے حاصل کرنے کا سوائے انعکاس اس نور کے اور کوئی طریقہ نہیں اور اس کی حقیقت کا ادراک بعید از قیاس ہے۔ چنانچہ رئیس صدیقین فرماتے ہیں کہ ادراک کے ادراک سے عاجز ہونا ہی خود ادراک ہے۔

حضرت حنظلہ کا واقعہ:

حنظلہ بن ربیع اسیدی سے مسلم میں مروی ہے کہ مجھ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ ملے اور پوچھا کہ اے حنظلہ! کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا کیا پوچھتے ہو، حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ فرمایا سبحان اللہ! یہ کیا بات ہے؟ میں نے کہا جس وقت ہم بارگاہِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے ہیں تو حضور ہم کو دوزخ اور جنت کا وعظ فرماتے رہتے ہیں۔ اس وقت یہ حالت ہوتی ہے کہ گویا ہم سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ اور جب وہاں سے چلے آتے ہیں تو بیوی بچوں اور جائیداد کے قصوں میں ایسے مشغول ہو جاتے ہیں کہ کچھ یاد نہیں رہتا۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ بھائی واللہ! ہماری بھی یہی حالت ہے (چلو حضورؐ سے چل کر اس بارہ میں دریافت کریں) حضورؐ کی خدمت بابرکت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ! حنظلہ تو منافق ہو گیا۔ فرمایا یہ کیا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کی خدمت میں جب تک ہم رہتے ہیں تو آپ ہم کو جنت دوزخ کا ذکر سناتے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ سب چیز ہمارے سامنے ہے اور جب ہم یہاں سے جاتے ہیں تو بیوی بچوں اور دنیا کے دھندوں میں

مشغول ہوجاتے ہیں۔ کچھ یادنہیں رہتا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اگر تمہاری ہمیشہ وہی حالت رہے جو میرے پاس رہتی ہے تو تم سے ملائکہ تمہارے بچھونوں پر اور راستوں میں آ آ کر مصافحہ کرنے لگیں۔ لیکن اے حنظلہ! یہ حالت کبھی کبھی ہوا کرتی ہے (حاصل یہ ہے کہ اگر یہی حالت رہے تو ملکیت غالب ہوجائے اور کارخانۂ عالم بالکل درہم برہم ہوجائے اور یہ عالم عالمِ ملکوت ہوجائے اور اس عالم کے پیدا کرنے کی حکمت مفقود ہوجائے۔ اس لئے یہی مناسب ہے کہ یہ حالت کبھی کبھی ہو)

علم کے دو برتن:

ابوھریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم کے دو برتن حاصل کئے ایک تو ان میں سے تم کو تقسیم کردیا اور دوسرے کی اگر میں تم پر اشاعت کروں تو میرا حلقوم کاٹ دیا جائے۔ اس حدیث کو بخاریؒ نے روایت کیا ہے۔

دوسرا علم:

شراح حدیث نے کہا ہے کہ اس دوسرے علم سے مراد وہ احادیث ہیں کہ جن میں ظالم بادشاہوں اور خلفاء کے نام اور حالات تھے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے اللہ! میں ۶۰ ھ کے شروع سے اور لڑکوں کی سلطنت سے پناہ مانگتا ہوں۔ لڑکوں کی سلطنت سے یزید بن معاویہؓ کی خلافت مراد ہے۔

علم لدنی:

علم لدنی کے معارف اور علوم کی تعلیم اس زبانِ قال سے ہرگز نہیں ہوسکتی۔ اگر ہوسکتی ہے تو زبانِ حال سے یا ایک قلب کا دوسرے قلب پر عکس واقع ہونے سے اور کثرتِ ذکر و مراقبہ خواہ مجلسِ ذکر میں ہو یا خلوت میں اس انعکاس کی صلاحیت پیدا کردیتی ہے اور وہ انعکاس خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلاواسطہ یا وسائط کے ذریعے سے ہوتا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَاذْكُرُوْنِيْٓ	اَذْكُرْكُمْ	وَاشْكُرُوْا لِيْ وَلَا
سو تم یاد رکھو مجھ کو	میں یاد رکھوں تم کو	اور احسان مانو میرا اور
تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾		
ناشکری مت کرو		

شکرادا کرو:

جب ہماری طرف سے تم پر اتمامِ نعمت مکرر ہوچکا تو اب تم کو لازم ہے کہ ہم کو زبان سے، دل سے، ذکر سے، فکر سے، ہر طرح سے یاد کرو اور اطاعت کرو، ہم تم کو یاد کریں گے، یعنی نئی نئی رحمتیں اور عنایتیں تم پر ہوتی رہیں گی۔ اور ہماری نعمتوں کا شکر خوب ادا کرتے رہو۔ اور ہماری ناشکری اور معصیت سے بچتے رہو۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

خدا کا یاد کرنا:

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ خدا کا یاد کرنا تمہاری یادِ خدا سے بہت بڑی چیز ہے۔

حدیثِ قدسی:

ایک قدسی حدیث میں ہے کہ جو مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور جو مجھے کسی جماعت میں یاد کرتا ہے میں بھی اسے اس سے بہتر جماعت میں یاد کرتا ہوں۔ مسند احمد میں ہے کہ وہ جماعت فرشتوں کی ہے۔ جو شخص میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں۔ اور اگر تو اے بنی آدم! میری طرف ایک ہاتھ بڑھے گا تو میں تیری طرف دو ہاتھ بڑھوں گا۔ اور اگر تو میری طرف چلتا ہوا آئے گا تو میں تیری طرف دوڑتا ہوا آؤں گا۔ صحیح بخاری میں بھی یہ حدیث ہے۔

نعمت کا اثر:

مسند احمد میں ہے کہ عمران بن حصینؓ ایک مرتبہ نہایت قیمتی حلہ پہنے ہوئے آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ جب کسی پر انعام کرتا ہے تو اس کا اثر اس پر دیکھنا چاہتا ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

زبان کے ساتھ دل بھی ذکر کرے:

ذکر زبانی وہی معتبر ہے جس کے ساتھ دل میں بھی اللہ کی یاد ہو۔ مولانا رومیؒ نے اسی کے متعلق فرمایا ہے ؎

بر زباں تسبیح در دل گاؤ خر ایں چنیں تسبیح کے دارد اثر

لیکن اس کے ساتھ یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ اگر کوئی شخص زبان سے ذکر و تسبیح میں مشغول ہو مگر اس کا دل حاضر نہ ہو اور ذکر میں نہ لگے تو وہ بھی فائدے سے خالی نہیں۔ حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ سے کسی نے ایسی ہی حالت کی شکایت کی کہ ہم زبان سے ذکر کرتے ہیں۔ مگر قلوب میں اس کی کوئی حلاوت محسوس نہیں کرتے۔ آپ نے فرمایا اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا شکر کرو کہ اس نے

تمہارے ایک عضو یعنی زبان کو تو اپنی طاعت میں لگا لیا۔ (قرطبی)

ذکر کی فضیلت:

اور حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ انسان کا کوئی عمل اس کو خدا تعالیٰ کے عذاب سے نجات دلانے میں ذکر اللہ کے برابر نہیں۔ اور ایک حدیث قدسی بروایت ابو ہریرہؓ میں ہے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں میں اپنے بندے کے ساتھ ہوتا ہوں جب تک وہ مجھے یاد کرتا ہے اور میرے ذکر میں اس کے ہونٹ ہلتے رہیں۔ احقر نے اپنے رسالہ ذکر اللہ میں جمع کر دیا ہے۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

پہلے اللہ بندے کو یاد فرماتا ہے:

جیسے میں نے تم کو رسول بھیج کر یاد کیا تم مجھ کو یاد کرو، پھر میں تم کو یاد کروں گا۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بندہ جو اللہ تعالیٰ کو یاد کرتا ہے تو اس کو یاد کرنے سے پہلے اور پیچھے اس کو اللہ تعالیٰ یاد کرتا ہے۔ پہلے تو اس طرح کہ ذکر کی توفیق دیتا ہے اور بعد میں اس طور پر کہ اس یاد کی جزا دے گا۔

دل کی دو کوٹھڑیاں:

عبداللہ بن شقیق رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آدمی کے دل میں دو کوٹھڑیاں ہیں۔ ایک میں فرشتہ رہتا ہے اور دوسری میں شیطان۔ جب آدمی ذکر اللہ کرتا ہے تو شیطان ہٹ جاتا ہے۔ اور جب ذکر اللہ سے غافل ہوتا ہے تو شیطان اپنی چونچ اس کے قلب میں رکھتا ہے اور بہکاتا ہے۔ اس حدیث کو ابن ابی شیبہؒ نے روایت کیا ہے۔

مُفرِدین:

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مفردین سبقت لے گئے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مفردین کون ہیں؟ فرمایا اللہ کا بہت ذکر کرنے والے اور ذکر کرنے والیاں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

افضل ذکر:

نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، ابن حبان اور مالک نے بسند صحیح جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ افضل الذکر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے اور افضل دعا اَلْحَمْدُلِلّٰهِ ہے۔ اور سمرۃ بن جندب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افضل کلام چار کلمات ہیں: سُبْحَانَ اللّٰهِ، اَلْحَمْدُلِلّٰهِ، لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اَللّٰهُ اَكْبَرُ. اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

قرآن میں مشغولی:

حدیث قدسی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو شخص قرآن مجید میں مشغول رہے اور اس کی مشغولی کی وجہ سے میرے ذکر اور اپنی حاجت مانگنے کی بھی اسے فرصت نہ رہے تو میں اسے سائلوں سے زیادہ دوں گا۔ اور فرمایا کلام اللہ کی فضیلت اور کلام پر ایسی ہے جیسے اللہ کی فضیلت تمام مخلوق پر۔ اس حدیث کو ترمذی اور دارمی نے ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حضرت مجدد صاحب رحمہ اللہ کے نزدیک قرآن مجید کی تلاوت زیادہ پسندیدہ ہے، کیونکہ ایک تو قرآن مجید کی فضیلت خود زیادہ ہے اور دوسرے قرآن پاک اللہ تعالیٰ کی صفت حقیقیہ بلا واسطہ ہے۔ گویا یہ ایک رسی ہے کہ ایک کنارہ اس کا اللہ کے پاس ہے اور ایک ہماری طرف ہے۔ سو جو اس میں فنا ہو گیا اس سے زیادہ اسے کوئی نعمت نہیں ملی۔ جو لوگ رذائل نفس سے اب تک پاک وصاف نہیں ہوئے ان کو قرآن کی تلاوت سے زیادہ مناسب ذکر کرنا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ
اے مسلمانو مدد لو صبر اور نماز سے
وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾
بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

شریعت پر پابندی کیلئے مددگار عمل:

چونکہ ذکر اور شکر اور ترک کفران جو پہلے مذکور ہوئے تمام طاعات اور منہیات شرعیہ کو محیط ہیں جن کا انجام دینا دشوار امر ہے۔ اسکی سہولت کیلئے یہ طریقہ بتلایا گیا کہ صبر اور صلوٰۃ سے مدد لو کہ ان کی مداومت سے تمام امور تم پر سہل کر دیئے جائینگے۔ اور اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ جہاد میں محنت اٹھاؤ، جس کا ذکر آگے آتا ہے کہ اس میں صبر اعلیٰ درجہ کا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مؤمن کی اچھی عادت:

حدیث میں ہے مؤمن کی کیا ہی اچھی عادت ہے کہ ہر کام میں اس کے لئے سراسر بھلائی ہی بھلائی ہے۔ اسے راحت ملتی ہے شکر کرتا ہے اجر پاتا ہے۔ رنج پہنچتا ہے صبر کرتا ہے تو اجر پاتا ہے۔

صابر لوگ:

امام زین العابدینؒ فرماتے ہیں قیامت کے دن ایک منادی ندا

کرے گا کہ صبر کرنے والے کہاں ہیں؟ اٹھیں اور بغیر حساب کتاب کے جنت میں چلے جائیں۔ کچھ لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور جنت کی طرف بڑھیں گے۔ فرشتے انہیں دیکھ کر پوچھیں گے کہ کہاں جا رہے ہو؟ یہ کہیں گے جنت میں۔ وہ کہیں گے ابھی تو حساب بھی نہیں ہوا؟ کہیں گے ہاں حساب سے بھی پہلے۔ پوچھیں گے آخر آپ لوگ کون ہیں؟ جواب دیں گے ہم صابر لوگ ہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

مطلب یہ ہے کہ اپنی خواہشات نفسانیہ کو روکو کیونکہ جہنم انہی سے ڈھکی ہوئی ہے۔ اور اپنے نفس کو جانی اور مالی سختیوں پر روکو کیونکہ جنت انہی سے گھری ہوئی ہے۔ نیز بری مجالس سے یکسوئی اور ذکر و طاعت پر نفس کو مجبور کرو، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خلوت کی فضیلت میں فرمایا ہے کہ مسلمان کا عمدہ مال بکریاں ہیں کہ انہیں لے کر کسی پہاڑ کی چوٹی میں چلا جائے اور فتنوں سے اپنے دین کو بچائے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ (مظہری)

صبر کی خاصیت:

صبر کی خاصیت یہ ہے کہ رنج و غم کو ہلکا کر دیتا ہے۔ حیوانات میں صرف شہوت ہے عقل نہیں۔ ملائکہ میں صرف عقل ہے شہوت نہیں۔ انسان میں عقل کے ساتھ ساتھ شہوت اور غضب بھی ہے۔ اس لئے انسان کو شہوت اور غضب کا وار روکنے کے لئے صبر کا ہتھیار دیا گیا۔ اور فرشتہ اور حیوان کو نہیں دیا گیا۔ عقل اور شہوت میں جب کشمکش ہو تو عقل کے اشارے پر چلنا اور نفسانی خواہشوں پر نہ چلنا اس کا نام صبر ہے۔ اخلاق جمیلہ میں صبر کا مقام نہایت بلند ہے۔ حق جل شانہ نے قرآن کریم میں صبر کو ستر یا بہتر جگہ ذکر فرمایا ہے۔ آیات قرآنیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر عمل صالح کا اجر مقرر ہے۔ مگر صبر کا اجر بے حساب ہے۔ پس اگر نفس پر احکامِ شرعیہ شاق اور گراں ہوں تو ان کے آسان ہونے کا ایک علاج تو صبر ہے۔ اور دوسرا علاج نماز ہے۔

نماز کی خاصیت:

اس لئے کہ نماز ایک تریاقِ مجرب ہے جو ذکر اور شکر اور خشوع اور خضوع اور اس قسم کی مختلف اجزاء سے مرکب ہے۔ جو ہر بیماری کی دوا اور ہر مشکل کا علاج ہے۔ جیسے بارش کے لئے صلوٰۃ استسقاء ہے اور ہر دینی اور دنیاوی مطلب کے لئے صلوٰۃ الحاجت ہے۔ حضرات انبیاء کرام کو جب مشکل پیش آتی تو نماز میں مشغول ہوتے۔ حدیث میں ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پریشانی آتی تو حضور نماز میں مشغول ہو جاتے۔

حدیث میں ہے کہ جب ظالم بادشاہ نے حضرت سارہؑ کو پکڑ وایا تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول ہو گئے۔ اور جریج راہب پر جب لوگوں نے زنا کی تہمت لگائی تو جریج نماز میں مشغول ہو گئے۔ (بخاری و مسلم) ﴿معارف کاندھلوی﴾

صبر میں اگرچہ نماز بھی داخل ہو گئی تھی لیکن نماز کے مہتم بالشان اور ام العبادات اور معراج مؤمن ہونے کی وجہ سے اسے خاص طور پر جداگانہ ذکر فرمایا۔ حضرت علیؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ نماز دین کا ستون ہے۔ اس حدیث کو صاحبِ مسند فردوس نے روایت کیا ہے۔ اور انسؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ نماز مؤمن کا نور ہے۔ حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عبادت گزاروں کے درجات کی انتہاء اور بازگشت نماز کی حقیقت ہے۔ اور نماز کی کثرت سے درجات میں ترقی ہوتی ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

سب سے بہتر عطاء:

صحیح بخاری ج ۲ میں ہے کہ وَلَنْ تُعْطُوْا عَطَاءً خَيْراً وَ اَوْسَعَ مِنَ الْصَّبْرِ (یعنی تم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے صبر سے بہتر اور وسیع کوئی عطا نہیں دی گئی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص کو چار چیزیں عطا کر دی گئیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی دے دی گئی۔ (۱) شکر گزار دل، (۲) ذکر کرنے والی زبان، (۳) مصیبت پر صبر کرنے والا بدن، (۴) ایسی بیوی جو اپنی جان کے بارے میں اور شوہر کے مال کے بارے میں شوہر کی خیانت نہ کرے۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان کما فی المشکوٰۃ) ﴿انوار البیان﴾

حاجت براری کا عمل:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص کو کوئی حاجت اور ضرورت ہو اللہ تعالیٰ سے متعلق یا کسی آدمی سے متعلق یعنی خواہ وہ حاجت ایسی ہو جس کا تعلق براہِ راست اللہ تعالیٰ ہی سے ہو۔ کسی بندے سے اس کا واسطہ ہی نہ ہو یا ایسا معاملہ ہو کہ بظاہر اس کا تعلق کسی بندے سے ہو۔ بہرصورت اس کو چاہئے کہ وہ وضو کرے اور خوب اچھا وضو کرے۔ اس کے بعد دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس طرح عرض کرے: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الْحَلِيْمُ الْكَرِيْمُ. سُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ.

وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ. اَسْئَلُکَ مُوْجِبَاتِ رَحْمَتِکَ وَعَزَائِمَ مَغْفِرَتِکَ وَالْغَنِيْمَةَ مِنْ کُلِّ بِرٍّ وَّالسَّلَامَةَ مِنْ کُلِّ اِثْمٍ. لَا تَدَعْ لِيْ ذَنْبًا اِلَّا غَفَرْتَهٗ وَلَا هَمًّا اِلَّا فَرَّجْتَهٗ وَلَا حَاجَةً هِيَ لَکَ رِضًا اِلَّا قَضَيْتَهَا يَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِيْنَ. ''اللہ کے سوا کوئی مالک و معبود نہیں۔ وہ بڑے حلم والا اور بڑا کریم ہے، پاک اور مقدس ہے۔ وہ اللہ جو عرش عظیم کا بھی رب اور مالک ہے۔ ساری حمد و ستائش اس اللہ کے لئے ہے جو سارے جہانوں کا رب ہے۔ اے اللہ! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں ان اعمال اور ان اخلاق و احوال کا جو تیری رحمت کا موجب اور وسیلہ اور تیری مغفرت اور بخشش کا پکا ذریعہ بنیں اور تجھ سے طالب ہوں ہر نیکی سے فائدہ اٹھانے اور حصہ لینے کا اور ہر گناہ اور معصیت سے سلامتی اور حفاظت کا۔ خداوند میرے سارے ہی گناہ بخش دے اور میری ہر فکر اور پریشانی دور کر دے اور میری حاجت جس سے تو راضی ہو اس کو پورا فرما دے۔ سب مہربانوں سے بڑھ کر مہربان'' (درس محمد احمد)

وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
اور نہ کہو ان کو جو مارے گئے خدا کی راہ میں
اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ ﴿۱۵۴﴾
کہ مردے ہیں بلکہ وہ زندے ہیں لیکن تم کو خبر نہیں

حیاتِ شہداء:

یعنی جس نے اللہ کے لئے جان دی وہ اس جہان میں جیتے ہیں مگر تم کو ان کی زندگی کی خبر اور اس کی کیفیت معلوم نہیں اور یہ سب صبر کا نتیجہ ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حیات برزخی کے مختلف مراتب:

شہداء کو احیاء کہا گیا، اور ان کو دوسرے اموات کے برابر اموات کہنے کی ممانعت کی گئی، مگر احکام ظاہرہ میں وہ عام مُردوں کی طرح ہیں۔ ان کی میراث تقسیم ہوتی ہے اور ان کی بیویاں دوسروں سے نکاح کر سکتی ہیں۔ اور یہی حیات ہے جس میں حضرات انبیاء علیہم السلام شہداء سے بھی زیادہ امتیاز اور قوت رکھتے ہیں، یہاں تک کہ سلامتِ جسم کے علاوہ اس حیات برزخی کے کچھ آثار ظاہری احکام پر بھی پڑتے ہیں، مثلاً ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواج دوسروں کے نکاح میں نہیں آ سکتیں۔ پس اس حیات میں سب سے قوی تر انبیاء علیہم السلام ہیں، پھر شہداء، پھر اور معمولی مُردے۔ ﴿معارف القرآن﴾

بلا عذر کسی کی قبر نہ کھودی جائے:

طبرانی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قبر کو نہ کھودا جائے کہ مردہ کی مخفی حالت معلوم ہو جائے، کیونکہ قبر میں مُردہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے مخفی معاملے ہیں۔ نیز فرمایا کہ مردہ کو دفن کرنے کے بعد قبر میں سے نہ نکالنا چاہئے مگر اس صورت میں کہ زمین غصب کی ہوئی ہو یا شفعہ کی زمین ہو یا پانی اور دریا کے قرب کی وجہ سے اس کے خراب ہونے کا اندیشہ ہو یا دار الحرب کی زمین میں دفن کیا گیا ہو یا مقبرہ آبادی میں آ کر پرانا ہو گیا ہو اور وہاں آنے جانے میں قبروں کا خیال نہ کیا جاتا ہو اور اونٹوں وغیرہ کا گھر بنا لیا گیا ہو۔ ان صورتوں میں سے کوئی صورت پیش آ جائے تو مُردہ کو قبر سے نکالنا جائز ہے۔ اس پر ہی فتویٰ ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ مُردہ کو قبر میں سے نہ نکالا جائے مگر کسی عذر سے۔

شہداءِ بدر: یہ آیت شہدائے بدر کے بارہ میں نازل ہوئی تھی۔ شہدائے بدر میں چھ آدمی تو مہاجرین میں سے تھے اور آٹھ انصار سے۔ لوگ ان کی نسبت کہا کرتے تھے کہ ہائے فلاں شخص مر گیا اور دنیا کی نعمت اس سے چھوٹ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس گمان کے ازالہ اور ان کے درجات پر آگاہ کرنے کے لئے یہ آیت نازل فرمائی۔

زندہ ہونے کا مطلب:

شہداء کے زندہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی ارواح کو جسم کی سی قوت عطا فرماتے ہیں کہ اس کے ذریعہ سے وہ زمین آسمان جنت سب جگہ کی سیر کرتے ہیں اور اسی حیات کی وجہ سے زمین ان کے بدن اور کفن کو نہیں کھاتی۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

عبدالماجد دریا آبادی کا خط:

وسط ۱۹۶۹ء میں حضرت مولانا عبدالماجد صاحب زید مجدہ دریابادی کا والا نامہ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم کے نام بایں طلب موصول ہوا کہ ''برزخ سے رابطہ قائم کرنے کا کوئی طریقہ اگر آپ کے ذہن میں ہو یا بزرگوں سے سننے میں آیا ہو تو اس بارے میں کچھ تحریر فرمایا جائے۔''

''جواب باصواب'' سے اقتباسات مبارکہ

تین جہان اوران سے نفس انسانی کا مختلف النوع تعلق

انسان دو چیزوں سے مرکب ہے: جسم اور روح۔ اس کا مجموعہ ہی نفس

انسانی کہلاتا ہے۔اس نفس انسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہے۔ایک دنیا جو دارالعمل ہے۔ایک آخرت جو دارالقرار ہے اور ایک برزخ جو دارالانتظار ہے ان تینوں جہانوں کے احکام اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے۔

عالم دنیا' عالم برزخ اور عالم آخرت سے تعلق کی نوعیت

دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے۔روح اس کے تابع ہو کر اس کے اثرات قبول کرتی ہے .... برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے جسم اس کے تابع ہو کر اس کی نعمت و مصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے خواہ وہ اپنی ہیئت پر ہو یا بکھر جائے۔

اور آخرت روح و جسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے تاثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا انتفاع ہے۔ برزخ چونکہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے اس لئے اس کا ان دونوں جہانوں سے تعلق ہے۔آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعیم و جحیم کا مشاہدہ کرتا ہے، روحانی طور پر ان سے متلذذ یا متالم ہوتا ہے اور مدبرات آخرت کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے۔ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی معلومات سے بھی حسبِ حیثیت و مرتبہ مستفید ہوتا ہے۔دنیا والوں کے اعمالِ خیر یعنی دعاء، ایصالِ ثواب، افاضۂ باطنی اس تک پہنچتے ہیں۔حتیٰ کہ وہ اہلِ دنیا کی زیارت سے بھی منتفع ہوتا ہے۔ پھر خود بھی اپنے اسی قسم کے تصرفات دعاء اور ہمت باطن سے افاضۂ انوار و کیفیات حتیٰ کہ اپنی ملاقات و زیارت کا بھی انہیں موقع دیتا ہے جس کے لئے نصوصِ شرعیہ موجود ہیں۔

برزخ کا عالم دنیا سے قربی تعلق

لیکن غور کیا جائے تو برزخ کا تعلق بہ نسبت آخرت کے دنیا سے زیادہ ہے، کیونکہ انسانی نفس کا ایک مستقل جزو (روح) جیسے عالمِ برزخ میں ہے ویسے ہی اس کا دوسرا مستقل جزو (بدن) دنیا کے عالم میں موجود ہے۔ خواہ بہیئتِ بدن ہو یا بہیئت ذرات، لیکن آخرت میں قبل از قیامت انسانی نفس کا کوئی جزو بھی مستقلاً قائم اور مستقر نہیں چہ جائیکہ خود نفس قائم ہو۔یہ الگ بات ہے کہ وقتاً فوقتاً اسے عالمِ آخرت کے اہم مقامات اور عجائبات کی سیر کرادی جائے یا مشاہدہ ہو جائے اور وہ روحانی طور پر ان کی نعمتوں اور کلفتوں سے متلذذ اور متالم بھی ہو، لیکن قیامت سے پہلے آخرت چونکہ انسان کا مستقر نہیں اور اس کا کوئی جزء تک بھی وہاں جنت یا نار میں ٹھہرا ہوا نہیں کہ اس کے ہی حیلہ سے انسان کو وہاں اقامت گزیں اور قیام پذیر کہہ دیا جائے۔اس لئے اس کے تعلق کی نوعیت بھی صرف ایک مشاہداتی یا جزوی طور پر انتفاعی رابطہ کی ہے، بخلاف دنیا کے کہ اس میں اس کا ۱/۲ حصہ (بدن) مقیم ہے خواہ اپنی ہیئت پر یا بصورتِ ذرات۔

اہل برزخ کی دنیا سے اور اہل دنیا کی برزخ سے دلچسپی کی لطیف علمی توجیہ

اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ برزخ کو جتنا تعلق دنیا سے ہے اتنا آخرت سے نہیں، اس کا قدرتی تقاضاء ہے کہ برزخی اہل دنیا سے اور اہل دنیا برزخی افراد سے ملنے، زیارت کرنے اور ان کے احوال و مقامات جاننے کے خواہشمند ہوں، یہی وجہ ہے کہ قبر میں سوال و جواب کے بعد کامیاب میت کی پہلی خواہش یہی ہوتی ہے کہ مجھے اجازت دے دو کہ میں اپنے اعزہ و اقارب کو تسلی دے آؤں کہ میں بہت اچھی حالت میں ہوں۔بالفاظ دیگر میں اپنے احوال و مقامات ان تک پہنچا دوں یا جیسے بنصِ قرآنی شہداء حق تعالیٰ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمارے ان اعلیٰ مقامات کی خبر ہمارے دنیوی بھائیوں تک پہنچا دی جائے تا کہ وہ بھی جہاد فی سبیل اللہ کی طرف راغب ہو جائیں۔اسی طرح برزخ والے دنیا والوں کے احوال بھی معلوم کرنے کے خواہشمند رہتے ہیں جیسے بنص حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مرنے کے بعد روح کے عالمِ برزخ میں پہنچتے ہی میت کے اعزہ و احباب اس کے اردگرد جمع ہو جاتے ہیں اور اپنے اپنے عزیزوں کے حالات بے تابی سے دریافت کرتے ہیں، حتیٰ کہ ملائکہ کو یہ کہہ کر انہیں روکنا پڑتا ہے کہ اسے دم تو لینے دو، یہ موت کی شدتوں سے چور چور ہو کر آ رہا ہے۔

بہر حال جانبین سے ایک دوسرے کے احوال و مقامات پر مطلع ہونے کی یہ خواہش اسی بناء پر ہے کہ برزخ کا دنیا سے اور دنیا کا برزخ سے بہت قریب کا رشتہ ہے کہ ہر ایک کا ایک نصف حصہ دنیا میں ہے اور ایک نصف حصہ برزخ میں ہے۔

اہل برزخ اور اہل دنیا کے درمیان باہم واقفیت احوال کے پانچ طریقے

حق تعالیٰ کی بالغ حکمت نے جب ان دونوں جہانوں میں اس تقسیم اجزاء کی وجہ سے یہ خواہش فطرتوں میں ڈال دی ہے تو اسی کی فیاض قدرت کا یہ بھی تقاضا تھا کہ وہ اس خواہش کی تسکین کا سامان بھی پیدا فرمائے اور ایسے وسائل و ذرائع پیدا فرما دے کہ برزخ والے دنیوی مقامات و احوال سے اور دنیا والے برزخی مقامات و احوال سے خود بلا واسطہ بھی باخبر ہوتے

رہیں اور ان مقامات کی معرفت حاصل کرتے رہیں۔

یہ وسائل وطُرق کیا ہیں؟

سو کتاب وسنت کی روشنی میں جہاں تک اپنے نارسا ذہن کی رسائی ہوئی، پانچ طریقے سامنے آئے جن سے براہِ راست برزخی مقامات و احوال کا فی الجملہ علم ہوسکتا ہے۔

پانچویں طریقوں کا اجمالی تعارف

ایک عینی مشاہدہ، دوسرے مخبر صادق کی خبر، تیسرے صاحبِ واقعہ کی اطلاع دہی، چوتھے انکشافِ قلبی، پانچویں قیاس واستنباط۔

پانچویں طریقوں کے فنی اور اصطلاحی عنوانات

انہی پانچ مقامات کو اگر قدرے ترتیب بدل کر اور اصطلاحی لفظوں میں لاتے ہوئے حجتوں کے انداز سے بطورِ فنی ترتیب کے ادا کیا جائے تو ذیل کے عنوانات سے پہلا استدلال شرعی، دوسرا کشفِ باطنی، تیسرا رویائے صادقہ، چوتھا عبرت اعتبار، پانچواں عیان ومشاہدہ۔

پہلا مقام علماء کا ہے، دوسرا عرفاء کا ہے، تیسرا صلحاء کا ہے، چوتھا عقلاء کا ہے اور پانچواں ہر کس وناکس کا ہے۔

پھر ان مقامات کی نوعیت یہ ہے کہ پہلا مقام اختیاری اور یقینی ہے، دوسرا اکتسابی ظنی ہے، تیسرا غیر اختیاری مگر ظنی ہے، چوتھا اختیاری ظنی ہے اور پانچواں کلیتًا غیر اختیاری مگر یقینی ہے جو محض موہبت من اللہ ہے، ان پانچوں طریقوں سے لوگوں نے برزخی مقامات تک علمی اور عرفانی رسائی حاصل کی ہے۔

طریق اول استدلالِ شرعی کی روحانی تفصیل وتقسیم

(۱) اولیں مرتبہ استدلالِ شرعی کا ہے کہ اللہ ورسولؐ برزخ کے بارے میں خود خبر دیں اور امت اس سے استدلال کرکے اس پر ایمان لائے۔

استدلال کا شخصیاتی درجہ

(الف) استدلالِ شرعی کے درجہ میں ایک درجہ شخصیاتی ہے کہ کسی شخص معین کا نام لے کر اللہ ورسولؐ اسے جنت یا مقام یا برزخ میں عالی مقام ظاہر فرمائیں تو ظاہر ہے کہ یہ معرفت یقینی اور واجب الاعتقاد ہوگی۔

شخصیاتی استدلال کی مثال توضیح

جیسے ایک بار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے دائیں طرف صدیق اکبرؓ اور بائیں طرف فاروق اعظمؓ تھے اور ایک دوسرے کے گلے میں ہاتھ ڈالے ہوئے نکلے اور حضورؐ نے فرمایا: هٰكَذَا نُبْعَثُ، اسی طرح ہم گلے میں باہیں ڈالے ہوئے قبروں سے اٹھیں گے جس سے مقاماتِ برزخ پر روشنی پڑتی ہے۔

یا جیسے حضرت بلالؓ عین نزع کے وقت بے حد خوش وخرم نظر آرہے تھے، چہرہ انتہائی بشاش اور امنگوں سے پُرمحسوس ہورہا تھا۔ اسی حالت میں شوق و خوشی سے لبریز آواز میں فرمایا: نَلْقٰى مُحَمَّداً وَ اَصْحَابَهٗ کل کو ان شاء اللہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحابؓ سے ملاقات ہوگی۔ یہ درحقیقت اپنا برزخی مقام ظاہر کرنا تھا کہ وہ معیت نبویؐ میں ہوگا اور ظاہر ہے کہ یہ فرمانا قیاس وتخمین سے ممکن نہ تھا بلکہ قوتِ یقین اور جوشِ ایمان سے تھا جو بلاشبہ امر تعبدی ہے، عقلی اور قیاسی نہیں۔ اس لئے حدیثِ مرفوع کے حکم میں ہوگا اور یہی کہا جائے گا کہ اس برزخی مقام کی حضور ہی نے انہیں اطلاع دی ہوگی جس پر انہیں اس درجہ کامل وثوق اور یقین تھا اور یقین بھی محض عقلی نہیں بلکہ یقین حالی تھا۔ اس لئے اس اطلاع کو استدلالِ شرعی کے دائرہ میں شخصیاتی مقام کہا جائے گا جس سے ہمیں ایک برزخی مقام کی معرفت حاصل ہوئی۔

استدلال شرعی کا طبقاتی درجہ

(ب) شرعی استدلال کا دوسرا درجہ طبقاتی ہے کہ اللہ ورسول کسی خاص طبقہ کے برزخی مقام کو ظاہر فرمائیں جس میں اشخاص وافراد کا تذکرہ نہ ہو بلکہ ایک طبقہ اور صنف کا ذکر ہو۔

طبقاتی استدلال کی مثال توضیح

جیسے قرآن کریم میں شہداء کا مقام بیان فرمایا گیا کہ وہ زندہ ہیں اور اپنے پروردگار کے پاس سے رزق پاتے ہیں اور بنص حدیث انہیں سبز پرندوں کے خول دیئے جائیں گے جن میں وہ اڑ اڑ کر جنتوں کی سیر کریں گے اور انہیں اس کے پھلوں، باغوں اور نہروں سے متمتع ہونے کی آزادی ہوگی لیکن جنت اس وقت ان کا قرار نہ ہوگی بلکہ ان کا قراری مقام وہ سونے اور جواہرات کی قندیلیں ہوں گی جو عرش میں آویزاں ہوں گی اور یہ ارواح طیبہ اپنے ان برزخی اجسام کے ساتھ ان میں بسیرا کریں گی .... مزید اکرام و تنشیط کے لئے ان سے بار بار پوچھا جاتا رہے گا کہ کچھ اور چاہتے ہو؟ وغیرہ۔ اس سے ایک خاص طبقہ کا برزخی مقام مشخص ہوا۔ اس لئے جو بھی شہادت کے مرتبہ کو پہنچے گا اس کے لئے اسی مقام کی شہادت دی جائے گی۔

استدلال شرعی کا کلیاتی درجہ

استدلال شرعی کا تیسرا مقام کُلیاتی ہے جس میں برزخی مقام معلوم کرنے کا محض اصولی معیار ذکر کردیا گیا ہو، یعنی اشخاص یا طبقات کا کوئی

ذکر نہیں بلکہ صرف ایک کسوٹی دے دی گئی ہو کہ ہر شخص کو اس پر پرکھ کر دیکھ لیا جائے تو اپنا اور غیر کا برزخی مقام معلوم ہو سکے گا۔ حدیث نبویؐ میں اصول ارشاد فرمایا گیا کہ:

تُحْشَرُوْنَ كَمَا تَمُوْتُوْنَ وَ تَمُوْتُوْنَ كَمَا تَحْيَوْنَ.

(تمہارا حشر اس حالت پر ہوگا جس پر موت آئی تھی اور موت اسی حالت پر آئے گی جس پر زندگی گزاری ہے)

اس کلیہ میں ہر شخص کے محشر کا مقام پہچاننے کی کسوٹی تو حالت موت کو بنایا گیا ہے اور برزخی مقام پہچاننے کے لئے (جو موت سے شروع ہوکر یوم محشر پر ختم ہوتا ہے) دنیا کی عملی زندگی کو معیار تعارف فرمایا گیا ہے۔ پس اخروی مقام کے لئے ذریعہ تعارف برزخ ہے اور برزخی مقام کے تعارف کے لئے ذریعہ تعارف دنیوی زندگی کی رفتار ہے جو اصولاً ہر انسان کے سامنے اپنی یا اپنے متعارف انسانوں کی کسی نہ کسی حد تک متحضر رہتی ہے۔ اس سے برزخی مقام کے پہچاننے کا ایک اصولی اور کلیاتی طریقہ معلوم ہوا جس سے انسانوں کے اعمال اور زندگی دیکھ کر فی الجملہ ان کے برزخی مقام کو پہچانا جا سکتا ہے۔

کلیاتی استدلال کی مثال توضیح

یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ہم کیسے معلوم کریں کہ اللہ کے یہاں ہمارا کیا مقام اور کیا رتبہ ہے؟ فرمایا اپنے عمل کو دیکھ لو، یعنی عمل کی نوعیت سے قرب اور تقرب الٰہی کی نوعیت معلوم کرو، پھر اس تعارفی طریقہ کو اور ذرا وسیع فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارے پڑوسی تمہارے حق میں نیک گواہی دیں تو سمجھ لو کہ تم عنداللہ بھی اچھے ہو۔ پھر اس معیاری دائرہ کو ذرا اور زیادہ وسیع کرتے ہوئے ارشاد ہوا کہ تم زمین پر خدا کے سرکاری گواہ ہو جس کے حق میں جیسی گواہی دے دو گے وہ اللہ کے نزدیک بھی ویسا ہی مانا جائے گا، خواہ وہ دنیا میں ہو یا برزخ اور آخرت میں۔ چنانچہ دنیا میں ایک جنازہ گزرنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جنت واجب ہوگئی اور علت وجوب یہ فرمائی کہ لوگ اس کے بارہ میں کلمہ خیر کہہ رہے تھے کہ یہ اچھا آدمی تھا لہٰذا جنتی ہوگیا۔ اور ایک دوسرا جنازہ گزرنے پر فرمایا کہ جہنم واجب ہوگئی کیونکہ لوگ اس کے حق میں کہتے جا رہے تھے کہ بہت برا آدمی تھا، خس کم جہاں پاک۔

اسی طرح آخرت میں بھی بجق اقوام اس امت کی شہادت معتبر ہوگی اور امت پر رسول شاہد ہوں گے جیسے قوم نوح کا فیصلہ اسی امت کی شہادت پر کیا جائے گا۔

شہداء کے برزخی مقام کا اجمالی اور تفصیلی نصوص سے تعین

جیسے شہداء کے مقام کو قرآن کریم نے تو اجمالاً ذکر فرمایا کہ وہ برزخ میں زندہ ہیں، رزق پاتے خوش بخوش ہیں۔ بشارتیں اور خوشخبریاں پاتے رہتے ہیں۔ نہ ان پر غم ہے نہ خوف اور حدیث نبویؐ نے اسی مقام کی جزوی تفصیلات بھی بیان فرمائیں کہ ان کے بسیرے کی جگہ سونے اور زبرجد کے قندیل ہوں گے جو عرش میں آویزاں ہیں، وہ سبز پرندوں کے خول میں اڑتے اور جنتوں میں سیر کرتے پھریں گے اور وہاں کے باغوں اور نہروں سے سیراب ہوکر سرسبز و شاداب ہوتے رہیں گے۔ انہیں نشاط میں لانے کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے سوال و جواب کا سلسلہ بھی جاری رہے گا کہ ماتریدون؟ اور کیا چاہتے ہو؟ یَا عَلٰی مَا تَشَاؤُنَ مجھ سے مانگو، مجھے تمہاری خواہش کا پورا کرنا ہے وغیرہ۔ بعض احادیث میں غیر شہداء کے لئے بھی اتنا ارشاد فرمایا گیا ہے کہ ان کی ارواح پرندوں کی طرح جنتوں میں اڑتی پھریں گی اور وہاں کی نعمتوں سے متمتع ہوں گی اور پھر اپنے مقام پر آجائیں گی۔ گویا شہداء کو تو بدن بھی اس عالم کا دیا جائے گا جو پرندوں کی شکل میں ہوگا اور عامہ مؤمنین کی ارواح کو یہ بدن نہیں دیا جائے گا بلکہ پرندوں سے تشبیہ دے کر فرمایا گیا کہ ان کی روحیں بلا بدن کے اڑتی پھریں گی جنہیں یقیناً شہداء سے کم درجہ کا حظ و لذت حاصل ہوگی۔

(شہید کے) سر پر چہار طرف (میدانِ جنگ میں) تلواروں کی چمک کا فتنہ اور ڈر فتنۂ برزخ کا بدل ہے جو برزخ میں بچاؤ کے لئے کافی ہے۔

جس درجہ کی شہادت ہوگی اسی درجہ کا اور اسی نوعیت کا برزخی مقام ہوگا اور اس کا معیار دنیا کی زندگی کا عمل ظاہر فرمایا گیا۔

نماز کا برزخی مقام

جیسے حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ایک میت کو برزخ میں دیکھا کہ ملائکہ عذاب نے اسے چہار طرف سے گھیر کر وحشت میں ڈال رکھا ہے تو نماز آئی اور اسے ان کے ہاتھوں سے چھڑا لے گئی۔

روزے کا برزخی مقام

یا فرمایا کہ میں۔ نے ایک شخص کو (برزخ میں) دیکھا کہ اس کی زبان پیاس کی شدت سے باہر نکلی ہوئی ہے اور جس پانی کے قریب جاتا ہے اسے وہاں سے دھکیل دیا جاتا ہے تو رمضان کے روزے آئے اور اسے سیراب کر گئے۔

غسلِ جنابت کا برزخی مقام

یا آپ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ برزخ میں انبیاء علیہم السلام کے حلقے میں اور ایک شخص کو دیکھا کہ جب وہ کسی حلقہ میں جانا چاہتا ہے تو اسے دھکے دیئے جاتے ہیں۔ تو غسلِ جنابت کا عمل آیا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے میرے حلقے میں میرے پہلو میں بٹھا دیا گیا۔

حج کا برزخی مقام

یا فرمایا کہ میں نے برزخ میں دیکھا کہ ایک شخص کے چہار طرف اور اوپر نیچے ظلمت ہی ظلمت چھائی ہوئی ہے اور اسے کوئی راہِ مفر نہیں ملتی جس سے وہ حیرت اور غم میں مبتلا ہے کہ اچانک اس کا حج اور عمرہ آیا اور اسے ظلمتوں کے پردوں سے نکال کر نور کے میدان میں پہنچا گیا۔

صدقات کا برزخی مقام

یا فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میری امت میں سے ایک شخص کی آگ کی لپٹیں بڑھ رہی ہیں اور وہ ہاتھوں سے اپنے منہ کو بچانا چاہتا ہے (مگر بچا نہیں پاتا) کہ اس کے صدقات آئے اور اس کے اور آگ کے درمیان حجاب بن گئے۔

اچھے اخلاق کا برزخی مقام

یا فرمایا کہ میں نے ایک شخص کو (برزخ میں) دیکھا کہ وہ گھٹنوں کے بل ہے۔ ٹانگیں رہ گئی ہیں اور وہ چل پھر نہیں سکتا۔ ساتھ ہی اس کے اور اللہ کے درمیان حجاب بھی حائل ہے (کہ گھٹنوں کے بل سرکے بھی تو جائے کیسے) تو اس کا خلقِ حسن آیا اور اسے بارگاہِ حق میں داخل کر دیا۔

منصوص عبادات کا برزخ میں ہمہ جہتی دفاعی مقام

یا جیسے حدیث میں ہے کہ قبر میں دائیں طرف سے عذاب بڑھتا ہے تو نماز روکنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہے، کیونکہ اسے "اَلصَّلٰوۃُ بُرُھَانٌ" انسان کی دستاویز فرمایا گیا ہے اور دستاویزی حجت کو عدالت میں ادب سے دائیں ہاتھ ہی سے پیش کیا کرتے ہیں۔

بائیں طرف سے عذاب بڑھتا ہے تو روزے روکنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ "اَلصَّوْمُ جُنَّۃٌ" روزہ کو ڈھال فرمایا گیا ہے اور حملہ روکتے وقت ڈھال بائیں ہاتھ ہی میں رہتی ہے...... سر کی طرف سے عذاب بڑھتا ہے تو قرآن کی آیتیں جو دماغ میں محفوظ ہیں روکنے کے لئے کھڑی ہو جاتی ہیں، کیونکہ قرآن فرمانِ سلطانی ہے اور مراحمِ خسروانہ طلب کرتے ہوئے سفارش میں شاہی فرمان کو سر پر رکھ کر پیش کیا جاتا ہے کہ میں پشتینی وفادارِ حکومت ہوں۔ میرے یہاں شاہی فرامین آتے تھے، اس لئے مجھے اس عذاب سے نجات دی جائے۔

پیروں کی طرف سے عذاب بڑھتا ہے تو زکوٰۃ و صدقات روکنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ مالیات انسان کی پامُزد یعنی چلت پھرت کی کمائی ہے۔ اس لئے اسے پیروں ہی کی طرف سے عذاب کی مدافعت کرنی چاہئے تھی۔

مبطون کا برزخی مقام

یا جیسے حدیث میں ہے کہ مبطون (پیٹ کا مریض جیسے دست اور پیچش وغیرہ) شہادت کی موت مرتا ہے تو فتنۂ قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اسے صبح شام جنتوں سے رزق پہنچایا جاتا ہے کہ یہ بھی ایک برزخی مقام ہے۔

یا جیسے یومِ جمعہ میں مرنے والے کو فتنۂ قبر سے محفوظ فرمایا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ سب برزخی مقامات ہیں جنہیں نوعی طور پر احادیث میں ارشاد فرمایا گیا اور معیارِ عمل کو قرار دیا گیا ہے۔ اس لئے کسی کا عمل دیکھ کر ہم اس کے مقامِ برزخی پر استدلال کر سکتے ہیں اور اسے پہچان سکتے ہیں۔

برے اعمال کے ذریعہ برزخی مقامات کی تعیین

اسی طرح برے اعمال کے بارہ میں ارشادِ نبویؐ ہے کہ: اِسْتَنْزِھُوْا مِنَ الْبَوْلِ فَاِنَّ عَامَّۃَ عَذَابِ الْقَبْرِ مِنْہُ. (پیشاب کی چھینٹوں سے بچو کہ عامتًا عذابِ قبر اسی سے ہوتا ہے) جس سے برزخ کے ایک عذابی مقام کا علم ہوا، جس کا ذریعہ بے احتیاطی سے پیشاب کی چھینٹوں سے آلودہ ہونا ہے۔

یا ارشادِ نبویؐ ہے کہ آپ کا گزر دو قبروں پر ہوا اور فرمایا کہ: ان دونوں قبر والوں کو عذاب دیا جا رہا ہے اور کسی بڑی بات سے نہیں، معمولی بے احتیاطی سے، ایک چغل خوری کیا کرتا تھا اور ایک پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا............ جس سے واضح ہے کہ ترکِ طہارت اور انسانوں میں عداوت پیدا کرانے کا ارتکاب بھی برزخ میں عذابی مقام بنانے کا سبب بنتا ہے۔

غیبت کا برزخی مقام

دوسری روایت میں دوسرے کے بارہ میں ہے کہ "ایک ان میں سے آدمیوں کا گوشت کھایا کرتا تھا (یعنی غیبت کیا کرتا تھا"۔ جس سے غیبت بھی عذابی مقام بنانے میں مؤثر ثابت ہوئی۔

بلا طہارت نماز کا برزخی مقام

یا جیسے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ فلاں شخص نے بلا

طہارت نماز پڑھ لی تھی تو اسے قبر میں ایک کوڑا مارا گیا، جس کی ضرب سے اس کی قبر میں پانی اور تیل بہہ پڑا اور قبر اس سے بھر گئی۔ تھوڑی دیر میں اصل حالت لوٹی تو پھر وہی کوڑا مارا گیا اور پھر وہی کیفیت ہوگئی۔ اسی طرح تین بار ہوا۔ معلوم ہوا کہ ترکِ طہارت اور صلوٰۃ بے طہارت سے بھی برزخ کا ایک برا ٹھکانہ قائم ہوتا ہے۔

زنا کا برزخی مقام

یا زانیوں اور زانیات کے بارے میں فرمایا گیا کہ ان کا ٹھکانہ ایک آتشین تنور کی صورت میں ہوگا جس کا منہ اوپر سے تنگ اور چھوٹا ہوگا اور نیچے سے چوڑا اور فراخ ہوگا۔ اور جب آگ بھڑک کر اوپر کو اٹھے گی تو اس کے ساتھ یہ سب زانی وزانیات بھی جو برہنہ اس آگ میں ہوں گے اوپر کو اٹھتے چلے جائیں گے مگر تنور کا دہانہ تنگ ہونے کی وجہ سے پھر نیچے جا پڑیں گے۔ اس لئے زنا بھی برزخ کا ایک خاص ٹھکانہ بنانے کا ذریعہ ثابت ہوا۔ اسی طرح جبار، متکبر اور آنکھ مارنے والے تمسخر شعار لوگوں کے لئے مختلف الالوان عذابات ذکر کئے گئے ہیں جو ان برے عملوں سے بنتے ہیں۔

استدلالِ شرعی کے ذریعہ مختلف اعمال کو دیکھ کر اپنے برزخی مقام کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اور آدمی کے لئے موقع ہوتا ہے کہ توبہ واستغفار کے ذریعہ ان برے مقامات سے خلاصی حاصل کر لے اور آئندہ کے لئے ان برائیوں سے بچ جائے اور انہیں چھوڑ دے۔ اسی لئے یہ مقامات بیان فرمائے گئے ہیں۔

برزخی مقامات اچھے یا برے اعمال ہی سے بنتے ہیں

بہر حال ان احادیث سے واضح ہے کہ قبر یا برزخ ایک عظیم عالم ہے اور اس میں بے شمار برزخی مقامات ہیں جو دنیوی اعمال سے بنتے ہیں۔ بسلسلہ عذاب جیسے ہمہ جہتی ظلمت ہمہ نوع بے کسی اور وحشت وغربت یا قبر کا مشتعل اور گرم ہو جانا، یا خود میت کے نفس کا گرم اور آتشیں ہو جانا، گھٹنوں کے بل گرا رہنا، پیاس کے عذاب اور پانی سے محرومی کی بلاء میں گرفتار ہو جانا، سانپ بچھو کا قبر میں نمودار ہو جانا، گرم تیل اور پانی سے قبر کا لبریز ہو جانا وغیرہ مختلف عملی اسباب کی بناء پر نمایاں ہوتا ہے جیسا کہ اس کے بالمقابل قبر میں باغ و بہار اور تخت و تاج کا نمایاں ہونا، خوشبوؤں اور ہمہ جہتی نورانیت اور وسعتِ میدان سے سرشار اور مگن ہونا، سونے اور یاقوت کے قبوں اور محلات میں رہنا، قنادیل عرش میں بسیرا کرنا، ملائکہ کی بشارتیں ہر وقت سنتے رہنا وغیرہ وغیرہ نعمتوں کے مقامات ہیں مگر وہ بنتے عمل ہی سے ہیں اور اس کے ذرائع واسباب بھی مختلف اعمال ہیں۔ ان

مقامات کے معمار ہم خود اور ہمارے اعمال ہیں جو ہر وقت سامنے ہیں۔ اب اگر اپنے جامع عمل سے آدمی برزخ میں سلیم الاعضاء بھی ہو (یا زدہ نہ ہو) ہر طرف جا سکتا ہو، سیر وتفریح میں آزاد ہو، تفریح بخش سامانوں کی انتہا نہ ہو، قلبا مطمئن ہو، نہ غم رکھتا ہو، نہ خوف، ٹھکانہ ٹھنڈا ہو جو قلب میں ہر وقت ٹھنڈک اور سکون بڑھاتا رہے۔ بشاشتیں ہر چہار طرف سے دوڑ دوڑ کر آ رہی ہوں، دل بھنچا ہوا پژمردہ اور غمزدہ نہ ہو بلکہ امنگوں سے بھرپور، آرزوؤں سے لبریز اور تکمیل آرزو سے ہمہ وقت ہمکنار ہو، ٹھکانے سونے اور جواہرات کے ہوں، معطر اور معنبر ہوں، قربِ سلطانی میسر ہو، مقربانِ بارگاہِ الٰہی سے ہمہ وقت خلط واختلاط ہو، قوتِ قلب اور غناء کی انتہا نہ ہو وغیرہ۔ تو یہ جامع مقام جامع عمل ہی سے تیار ہو سکتا ہے اور اسے برزخ کا تفصیلی مقام کہیں گے۔

طریق ثانی کشف باطنی

(۲) دوسرا ذریعہ کشف وانکشاف ہے کہ اس سے بھی برزخ کے مقامات کھل سکتے ہیں۔ وہاں کا باغ و بہار ہو یا عذاب نار ہو، بذریعہ کشف بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔ یہ اکتسابی ہونے کی حد تک اختیاری ہے جس کا راستہ مراقبہ ہے مگر نصیب وقسمت کے لحاظ سے محدود ہے جو صرف نصیب عرفاء ہے۔ یہ کشف ایک مستقل طریق ہے جو حضرات حسبِ مناسبت طبع اس میں زیادہ سے زیادہ مہارت پیدا کر لیتے ہیں حتیٰ کہ اپنی روح کو میت کی روح سے قریب تر کر کے اس کے احوال کا سارا سراغ لگا لیتے ہیں، جو کثرتِ مراقبہ سے ممکن ہے۔

کشف قبور پر واقعاتی استشہاد

حضرت شاہ منظور احمد صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ خاص) حضرت گنگوہی رحمہ اللہ کے مزار پر حاضر ہوئے، مراقب ہوئے اور تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ مراقب رہے، یہ احقر راقم الحروف بھی ساتھ تھا۔ واپسی پر فرمایا کہ میں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس مقبرہ کے مدفونین کے ساتھ اس طرح دیکھا جیسے مرغی اپنے بچوں کو اپنے پروں میں لئے ہوئے بیٹھی رہتی ہے۔ اشارہ ہے کہ بہت سوں کا بچاؤ ایک دفعہ کے ذریعہ ہوتا ہے اور کسی ایک مقبول کی تکریم میں اس کے پاس والے بہت سی آفاتِ برزخ سے بچا لئے جاتے ہیں۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک مکاشفہ

حضرت شاہ عبدالقادر صاحب رحمہ اللہ کا جب وصال ہوا اور مہندیوں کے مشہور قبرستان دہلی میں اپنے آباؤ اجداد کے پاس دفن ہوئے تو حضرت

شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنا مکاشفہ بیان فرمایا کہ آج کے دن بھائی عبدالقادر کی تکریم میں دلی کے تمام قبرستانوں سے عذاب اٹھالیا گیا تھا۔ یہ واقعہ میں نے حضرت امیر شاہ خان صاحب رحمہ اللہ سے سنا۔

حضرت تھانوی رحمہ اللہ مکاشفہ

حضرت تھانوی رحمہ اللہ وفات سے تقریباً دو سال قبل دانت درست کرانے کے لئے لاہور تشریف لے گئے تو واپسی سے ایک دن قبل لاہور کے قبرستانوں کی زیارت کیلئے بھی نکلے۔ سلاطین کی قبروں پر بھی گئے اور مساکین کی قبریں بھی دیکھیں۔ فاتحہ پڑھی، ایصال ثواب کیا۔ اس سلسلہ میں حضرت علی ہجویری معروف بہ داتا گنج بخشؒ کے مزار پر پہنچ کر دیر تک مراقب رہے۔

وصل صاحب مرحوم بلگرامی ساتھ تھے اور انہوں نے ہی یہ واقعہ مجھ سے تھانہ بھون میں بیان فرمایا تھا کہ داتا گنج بخشؒ کے مزار سے لوٹتے ہوئے فرمایا کہ کوئی بہت بڑے شخص معلوم ہوتے ہیں۔ میں نے ہزارہا ملائکہ کو ان کے سامنے صف بستہ دیکھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ سلاطین کے مزاروں پر پہنچا تو انہیں مساکین کی صورت میں دیکھا کہ جیسے کوئی پرسان حال نہ ہو اور مساکین کو سلاطین کی صورت میں پایا وغیرہ۔

اسلاف کرام کے زمانہ کے ہزاروں واقعات اس قسم کے کتابوں میں موجود ہیں۔ حضرت شیخ عبدالعزیز دباغ نے اپنے ملفوظات موسوم بہ ابریز میں کتنے ہی ایسے مکاشفات ظاہر فرمائے ہیں جن سے برزخ کے حالات اور مقامات عیاں ہو جاتے ہیں۔ بہرحال کشف و انکشاف ایک مستقل ذریعہ کشف قبور ہے جو سلف سے خلف تک پایا جارہا ہے۔

طریق ثلث رویائے صادقہ

(۳) تیسرا ذریعہ جس سے برزخی مقامات پہچانے جائیں، منامات صادقہ اور سچے خواب ہیں۔ خواہ مومن خود دیکھے یا اس کے لئے دیکھا جائے۔ یہ نصیب صلحاء اور بعض اوقات قسمت عوام بھی ہے مگر اختیاری نہیں کہ جس کا جی چاہے اور جب چاہے دیکھ لیا کرے۔ مگر دیکھنے والے دیکھتے ہیں اور دیکھتے رہے ہیں۔ اور حسب مناسبت طبع انہیں برزخی مقامات نظر آئے ہیں۔ اور سلف سے لے کر خلف تک سینکڑوں منامی واقعات پیش آئے ہیں جو بطون اوراق میں محفوظ ہیں۔

زندوں کی ارواح کی خواب میں اہل برزخ سے ملاقاتیں

اس کے معتبر ہونے کی کھلی وجہ یہ ہے کہ برزخ اور اس کے احوال نصوص قطعیہ وظنیہ سے ثابت ہونے کی وجہ سے بلاشبہ واقعات ہیں تخیلات نہیں ہیں۔ اور ہر واقعہ اپنے اندر کچھ خاصیتیں اور تاثیریں رکھتا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صاحب واقعہ اور اس واقعہ کو دیکھنے والا اس سے اثر نہ لے اور اس کی کیفیات سے متکیف نہ ہو، ورنہ یہ واقعات اوہام وخیالات ہو کر رہ جائیں جو محال ہے۔ لیکن یہ اس کے بغیر ممکن نہ تھا کہ زندوں کی ارواح خود برزخ میں پہنچیں اور مردوں کی ارواح سے ملیں تاکہ برزخی کیفیات و مقامات ان پر کھل سکیں۔ اور ظاہر ہے کہ زندوں کے لئے برزخ میں پہنچنے کا راستہ کشف کے بعد خواب اور منام کے سوا دوسرا نہیں جس کے ذریعہ زندے مردوں سے ملتے ہیں اور ان کے حالات سے باخبر ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم نے آیت کریمہ:

(اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا)

میں اس کی طرف اشارہ فرمادیا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جن نفوس وارواح کو بوقت خواب ادھر لیا جاتا ہے تو یہ ارواح وہیں پہنچادی جاتی ہیں جہاں مردوں کی ارواح پہلے سے موجود ہیں، کیونکہ نیند اور موت دو بہنیں ہیں جن کے نوعی احوال کچھ فروق کے ساتھ ملتے جلتے ہیں۔ اس لئے زندوں اور مُردوں کی روحیں اس مقام پر باہم ملتی ہیں۔ پھر جنہیں اس حالت میں موت دے دی جاتی ہے وہ ارواح تو وہیں روک لی جاتی ہیں اور جن کی عمر دنیا باقی ہوتی ہے وہ وہاں سے واپس کردی جاتی ہیں۔ اس وقفہ میں یہ زندوں کی ارواح مردوں سے باہم باتیں کرتی ہیں، ان سے خبریں معلوم کرتی ہیں اور مُردے ان باتوں کی خبریں دیتے ہیں جن کا زندہ کو بلکہ دنیا میں کسی کو بھی علم نہیں ہوتا۔ اور وہ من وعن صحیح نکلتی ہیں۔ تو اس راستہ سے زندوں پر مردوں کے برزخی مقامات ایک حد تک کھل جاتے ہیں جس کے ہزاروں واقعات محدثین اور حفاظ حدیث نے محدثانہ سند کے ساتھ نقل کئے۔ ابن ابی الدنیا کی ایک مستقل تصنیف ہی ان خوابوں کے بارہ میں بنام کتاب المنامات موجود ہے۔ حافظ ابن قیمؒ نے کتاب الروح میں بیسیوں ایسے واقعات کا ذکر کیا ہے کہ مُردوں نے اپنے برزخی مقامات خواب میں لوگوں کو بتلائے۔ ان ہی میں سے بعض واقعات بطور نمونہ حسب ذیل ہیں۔

خواب میں اہل برزخ سے ملاقاتوں کے ذریعہ برزخی مقامات کا انکشاف

محمد بن سیرین رضی اللہ عنہ کو ان کے بعض تلامذہ نے خواب میں اچھی حالت میں دیکھا۔ عرض کیا کہ آپ تو بحمد اللہ بہت اچھی حالت میں ہیں۔ حسن بصریؒ کے ساتھ کیا معاملہ ہوا۔ فرمایا کہ وہ مجھ سے ستر درجہ اونچے

مقام پر ہیں۔ میں نے عرض کیا کیوں؟ حالانکہ بظاہر آپ ان سے علم وعمل میں اونچے تھے۔ فرمایا کہ ان کے طولِ حزن کی وجہ سے۔

رابعہ بصریہ سے ان کی خادمہ کی منامی ملاقات وگفتگو

رابعہ بصریہ رحمہا اللہ کو ان کے اصحاب میں سے ایک خادمہ نے خواب میں دیکھا کہ ان پر استبرق کا حلہ ہے اور سندس کی اوڑھنی چمک رہی ہے۔ حالانکہ وہ صوف کے موٹے کپڑے میں دفن کی گئی تھیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ وہ صوف کا کپڑا کیا ہوا؟ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے اسے تہہ کرا کر اور اس پر مہر لگا کر اسے علیین میں محفوظ کر دیا ہے تا کہ میرا ثواب اس کے ذریعہ اور مکمل ہوتا رہے۔ اور یہ اعلیٰ لباس عطا فرمایا۔ انہوں نے عرض کیا کہ عبدۃ بنت کلاب (مشہور عابدہ زاہدہ بی بی تھیں) کس مقام پر ہیں؟ فرمایا: اوہ! ان کا کیا پوچھنا! وہ ہم سب سے سبقت لے گئیں۔ اور درجات علیٰ میں ہیں۔ عرض کیا گیا کہ ایسا کیوں ہوا؟ حالانکہ عبادت وزہد میں آپ ان سے بڑھ کر تھیں۔ فرمایا کہ وہ دنیا کی کسی حالت کی پرواہ نہیں کرتی تھیں۔ صبح ہو یا شام وہ بہرحال راضی برضا رہتی تھیں۔ اس سے یہ مقام انہیں ملا۔ خادمہ نے عرض کیا کہ ابو مالک یعنی ضیغم کس حال میں ہیں؟ فرمایا کہ اس مقام پر ہیں کہ جب چاہیں حق تعالیٰ کی زیارت کر سکتے ہیں۔ خادمہ نے عرض کیا کہ کوئی ایسی بات ارشاد فرمائیے کہ میں اس کے ذریعہ حق تعالیٰ سے قریب ہو جاؤں۔ فرمایا کہ کثرتِ ذکر کو لازم پکڑ لو۔

عبدالعزیز ابن سلیمان کی بعض دوستوں سے منامی ملاقات

عبدالعزیز ابن سلیمان عابد کی وفات کے بعد ان کے بعض دوستوں نے انہیں خواب میں دیکھا کہ ان پر سبز لباس کا پاکیزہ جامہ ہے اور سر پر موتیوں کا مرصع تاج ہے۔ کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ آپ کس حال میں ہیں؟ موت کا مزہ کیسا تھا؟ اور بعد موت کے کیا دیکھا؟ فرمایا کہ موت کی شدت اور کرب وغم کی کچھ نہ پوچھو۔ مگر حق تعالیٰ نے فضل فرمایا اور ہمارے ہر عیب کو چھپا لیا اور رحمت سے ملاقات فرمائی۔

عطاء سلمیؒ سے صالح ابن بشرؒ کی خواب میں ملاقات

صالح ابن بشرؒ کہتے ہیں کہ میں نے عطاء سلمیؒ کو بعد وفات خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ کیا آپ مر نہیں چکے ہیں؟ فرمایا ہاں مر چکا ہوں۔ میں نے کہا موت کے بعد کیا ہوا؟ فرمایا خیر کثیر دیکھی اور رب غفور وشکور پایا۔ میں نے کہا کہ کیا آپ طویل الحزن نہ تھے؟ تو ہنس کر فرمایا کہ اس حزنِ طویل سے ہی تو اللہ نے یہ راحتِ طویلہ اور فرحت دائمی عطا فرمائی۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کس درجہ میں ہیں؟ فرمایا انبیاء وصدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت میں پہنچا دیا گیا ہوں۔

عاصم جحدری کا خواب میں عجیب انکشاف

عاصم جحدری کی وفات کے بعد ان کے گھر والوں نے انہیں خواب میں دیکھا اور کہا کیا آپ انتقال فرما چکے؟ کہا ہاں، عرض کیا کہ آپ کہاں ہیں؟ فرمایا روضۃ من ریاض الجنۃ میں ہوں، میں بھی اور میرے بعض ساتھی بھی، اور ہم ہر جمعہ کی شب اور جمعہ کی صبح میں بکر ابن عبداللہ المزنی کی مجلس میں جمع ہوتے ہیں اور ہمیں وہاں تم دنیا والوں کی خبریں معلوم ہوتی ہیں۔ عرض کیا کہ یہ اجسام کا حال ہے یا ارواح کا؟ فرمایا کہ اجسام تو گل گلا چکے، ارواح کا ہے۔

مرہ ہمدانی کا خواب میں اپنے مقام کا انکشاف

مرہ ہمدانی رحمہ اللہ کی پیشانی سجدہ کی وجہ سے مٹی نے گھس دی تھی یعنی نشان ہی نہیں تھا بلکہ پیشانی پچک گئی تھی۔ ان کی وفات کے بعد ان کے گھر کے ایک صالح شخص نے انہیں خواب میں دیکھا کہ پیشانی ستارہ کی طرح چمک رہی ہے۔ اس نے کہا یہ کیسا اثر ہے؟ فرمایا کہ کثرتِ سجود کی وجہ سے میری پیشانی کو لباسِ نور عطا فرما دیا گیا ہے۔ اس نے عرض کیا کہ آپ کا مقام کیا ہے؟ فرمایا کہ ایسا بہترین گھر دیا گیا ہے کہ نہ ہم سے چھینا جائے گا اور نہ اس میں کبھی موت آئے گی۔

جوریہ بن اسماء کو خواب میں برزخ سے ہدایت

سعید ابن داؤد کہتے ہیں کہ جویریہ ابن اسماء نے بیان کیا کہ شدید گرمی کے موسم میں کوفہ کے ایک نوجوان عابد کی وفات ہوئی تو میں نے ارادہ کیا کہ بعد ظہر وقت ٹھنڈا ہو جانے پر دفن کریں گے اور میں سو گیا تو خواب میں دیکھا کہ میں قبرستان میں ہوں اور جواہرات کا ایک حسین وجمیل قبہ اور محل ہے جو چمک رہا ہے اور میں ٹکٹکی باندھے حیرت سے اس کے حسن اور صناعی کو دیکھ رہا ہوں کہ اچانک وہ کھلا اور اس میں سے ایک ایسی حسین وجمیل عورت نکلی کہ میں نے کبھی ایسا حسن وجمال نہیں دیکھا تھا۔ وہ میری طرف بڑھی اور کہا کہ تمہیں خدا کی قسم کہ اس نوجوان کو ظہر تک ہم سے جدا نہ رکھو اور ہرگز نہ روکو۔ تو میں گھبرایا ہوا اٹھا اور اسی وقت کفن دفن کا سامان کیا اور اسی جگہ کی قبر میں دفن کیا، جہاں وہ قبہ دار محل نظر پڑا تھا۔

امام احمد بن حنبلؒ کا خواب میں اپنے مقام قرب کا اظہار

احمد بن محمد لبدی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبلؒ کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا حضرت حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟

فرمایا کہ میری مغفرت فرمادی اور یہ فرمایا کہ اے احمد بن حنبل میرے بارہ میں تیرے چہرے کو ستر ستر کوڑوں کی ماردی گئی تھی؟ عرض کیا ہاں یا اللہ مار دی گئی تھی؟ حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے احمد یہ میرا چہرہ تیرے لئے مباح ہے جب چاہے تو دیکھ سکتا ہے۔

بشر ابن حارث نے خواب میں اپنے ساتھ حق تعالیٰ کی مغفرت وتکریم کی اطلاع دی

ابوجعفر کہتے ہیں کہ میں نے بشر ابن الحارث مشہور امام صوفیاء کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا کہ آپ کے ساتھ حق تعالیٰ نے کیا معاملہ فرمایا۔ فرمایا لطف و کرم کا برتاؤ فرمایا اور نصف جنت میرے لئے مُباح کردی کہ اس میں جہاں چاہے گھوموں، سیر کروں اور متمتع ہوں اور جو جو میرے جنازہ میں شریک ہوئے ان کی مغفرت کا وعدہ فرمایا۔ میں نے عرض کیا کہ ابونصر تمار کا کیا ہوا؟ فرمایا وہ اپنے صبر اور فقر کی وجہ سے لوگوں سے بہت اونچے اٹھائے گئے ہیں۔

بصرہ کی ایک عابدہ زاہدہ کا خواب

حماد ہشام ابن حسان سے روایت کرتے ہیں کہ ام عبداللہ نے فرمایا جو بصرہ کی عابدہ زاہدہ عورتوں میں سے تھیں کہ میں خواب میں ایک عظیم الشان حسین وجمیل محل میں داخل ہوئی، اس کے پائین باغ میں پہنچی۔ میں اس کی رونق و بہار اور حسن و جمال کو بیان نہیں کرسکتی۔ وسط باغ میں ایک سونے کا مرصع تخت بچھا ہوا ہے جس کے اردگرد آفتاب و ماہتاب جیسے چہروں کے خدام ہاتھوں میں پاکیزہ جام اور ظروف لئے کھڑے ہیں اور تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھے ہیں۔ کہا گیا کہ یہ مروان محلمی ہیں جو ابھی آئے اور اچھل کر اس تخت پر متمکن ہوگئے۔ میں بیدار ہوئی تو دیکھا کہ مروان محلمیؒ کا جنازہ قبرستان جارہا ہے۔

عبداللہ ابن مبارک پر سفیان ثواری کے برزخی مقام کا خواب میں انکشاف

عبداللہ ابن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ میں نے سفیان ثوری کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور کہا کہ حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ فرمایا کہ الحمدللہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے اصحاب سے مل گیا ہوں اور انہی کے پاس ہوں۔

صخر ابن راشد کی اہل برزخ سے منامی ملاقات

صخر ابن راشدؒ کہتے ہیں کہ میں نے عبداللہ ابن مبارکؒ کو ان کی وفات کے بعد خواب میں دیکھا اور کہا کہ کیا آپ انتقال نہیں فرما چکے؟ فرمایا ہاں، میں نے عرض کیا اللہ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ فرمایا؟ فرمایا اتنی بڑی مغفرت فرمائی جس نے سارے ذنوب پر احاطہ کرلیا۔ میں نے کہا سفیان ثوری کا کیا ہوا؟ فرمایا اوہ اوہ وہ تو انبیاء وصدیقین اور شہداء و صالحین کی معیت میں ہیں۔

اہل برزخ کی جانب سے بعض امور کی بذریعہ خواب تصدیق

پھر یہی نہیں کہ خواب کے ذریعہ برزخی افراد کے احوال و مقامات ہی دنیاوالوں کو معلوم ہوجاتے ہیں بلکہ دنیاوالوں کے جو احوال واقوال برزخ والوں کو پہنچتے ہیں اس کی تصدیق بھی خوابوں کے ذریعہ ہوجاتی ہے کہ وہ احوال واقوال ان تک پہنچ چکے ہیں۔

شعیب بن شیبہ کہتے ہیں کہ میری والدہ نے مرتے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ بیٹا جب تم مجھے دفن کرچکو تو میری قبر کے پاس کھڑے ہوکر کہنا کہ اے ام شعیب کہو لا الٰہ الا اللہ۔ چنانچہ اس وصیت کے مطابق والدہ کی قبر جب برابر ہوگئی تو میں نے قبر کے پاس کھڑے ہوکر وہ جملہ کہا کہ اے ام شعیب کہو لا الٰہ الا اللہ۔ جب میں قبرستان سے لوٹا تو رات کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میری والدہ ام شعیب کہہ رہی ہیں کہ بیٹا میں ہلاک ہوجانے کے قریب آ چکی تھی، اگر تیرا لا الٰہ الا اللہ کہنا اس کی روک تھام نہ کرتا، بلاشبہ تو نے میری وصیت یاد رکھی اور عمل کردکھایا.........ابن ابی الدنیا نے ذکر کیا ہے کہ ایوب ابن عیینہ کی بیوی تماضُر بنت سہل کہتی ہیں کہ میں نے حضرت سفیان ابن عیینہ (اپنے دیور) کو خواب میں دیکھا کہ وہ فرمارہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ میرے بھائی ایوب ابن عیینہ کو جزائے خیر دے کہ وہ بکثرت میری زیارت کو آتے رہتے ہیں اور آج بھی آئے تھے، تو ایوب ابن عیینہ نے بیوی سے فرمایا کہ واقعی میں بکثرت بھائی کی قبر پر جاتا ہوں اور آج بھی وہیں تھا۔

حافظ ابن قیم نے ایک صالح شخص سے نقل کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا کہ میرے ایک بھائی کا انتقال ہوگیا۔ میں نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا گزری جب آپ قبر میں رکھے گئے، تو کہا کہ بھائی ایک آنے والا میری طرف آگ کا شعلہ لے کر بڑھا۔ اگر فلاں صاحب نے میرے لئے دعائے مغفرت نہ کی ہوتی تو میں ہلاک ہوچکا ہوتا۔

بہرحال ان واقعات سے واضح ہے کہ دنیاوالوں کی طرف سے برزخی لوگوں کے ساتھ جو نیک برتاؤ (دعاء وایصال ثواب کا) کیا جاتا ہے تو برزخ

والے خواب ہی کے راستہ سے اس کی تصدیق کر دیتے ہیں۔ اور دنیا والوں کو پتہ چل جاتا ہے کہ ان کا ہدیہ برزخ والوں تک پہنچ گیا ہے جو یقیناً ایک یقینی علم ہوتا ہے۔ کیونکہ ان کا اپنا عمل تو خود کرنے والوں کو قطعی طور پر معلوم ہے اور یہ یہی ہے کہ انہوں نے وہ عمل اپنے فلاں میت ہی کے لئے کیا ہے اور وہی میت اس عمل کی خواب میں تصدیق کر دے کہ وہ مجھ تک پہنچ گیا ہے تو اس واقعہ اور خواب کے سچے ہونے میں اسے کیا کلام ہو سکتا ہے۔

اہل برزخ کی اہل دنیا کو خواب میں ہدایات

پھر یہی نہیں کہ برزخ والے دنیا کے لوگوں کے کسی عمل کی اپنے تک پہنچنے کی تصدیق ہی کر دیتے ہیں بلکہ دنیا و برزخ کا رشتہ ایسا قائم ہے کہ برزخ والے دنیا والوں کو واقعات کی نشاندہی کے ساتھ ان کے بارہ میں ہدایات بھی دیتے ہیں کہ تم ایسا کرو تا کہ ہمارا پیچھا بھی چھوٹ جائے اور تمہیں بھی یکسوئی اور تسلی ہو جائے۔

آئندہ واقعات کی خواب میں نشاندہی

دو صحابیوں کا واقعہ:

حماد بن سلمہ کی روایت سے ابن قیمؒ نے نقل کیا ہے کہ صعب ابن جثامہ اور عوف ابنِ مالک رضی اللہ عنہما دونوں صحابی ہیں اور ان میں باہم بھائی چارہ تھا۔ ایک دن صعبؓ نے عوفؓ سے فرمایا کہ بھائی ہم میں سے جو پہلے انتقال کر جائے تو اسے چاہئے کہ وہ مرنے کے بعد اپنے کو دکھلائے (تا کہ زندہ بھائی کو تسلی ہو جائے) عوفؓ نے فرمایا کہ کیا ایسا ممکن ہے؟ فرمایا ہاں ممکن ہے۔ تو صعبؓ کا انتقال ہو گیا۔ اور عوفؓ نے انہیں خواب میں دیکھا۔ گویا حسبِ وعدہ صعبؓ نے اپنے کو دکھلایا۔

عوفؓ کہتے ہیں کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ صعبؓ میرے پاس آئے تو میں نے کہا صعبؓ بھائی! انہوں نے کہا ہاں، میں نے کہا، صعبؓ تم پر کیا گزری؟ فرمایا کہ میری مغفرت کر دی گئی مگر کچھ تشویشات اور مشقتیں اٹھانے کے بعد۔

عوفؓ کہتے ہیں کہ میں نے صعبؓ کی گردن میں سیاہ سی چیز بطور داغ کے دیکھی جو گلے کو گھیرے ہوئے ہے۔ میں نے کہا بھائی جان! یہ کیا ہے؟ فرمایا دس دینار گنی ہیں جو میں نے فلاں یہودی سے قرض لئے تھے اور ادائیگی رہ گئی تھی۔ وہی اس وقت گلے کا ہار بنے ہوئے ہیں، انہیں تم جا کر یہودی کو ادا کر دو۔ اور فرمایا کہ میرے بھائی میرے اہل وعیال میں جو بات بھی پیش آتی ہے اس کی خبر مجھے فوراً ہی ہو جاتی ہے۔ حتیٰ کہ میرے گھر میں ایک بلی ابھی چند دن ہوئے مر گئی تھی۔ تو مجھے اس کی بھی خبر مل گئی۔ اور ہاں تمہیں بتا دوں کہ چھ دن کے اندر اندر میری ایک چھوٹی بچی انتقال کرنے والی ہے۔ تمہیں اس کے بارہ میں بھلائی کی وصیت کرتا ہوں۔ میں نے دل میں کہا کہ ان امور میں تو بڑی نشاندہی ہے اور ان علامتوں سے تو صحیح واقعات کھل جائیں گے۔

خواب سے بیدار ہو کر ان باتوں کو دل میں لئے ہوئے میں صعبؓ کے گھر ان کی اہلیہ کے پاس پہنچا تو انہوں نے مرحبا کہہ کر میری شکایت شروع کر دی کہ کیا بھائیوں کے گزر جانے پر ان کے اہل وعیال کو یوں ہی بھلا دیا جاتا ہے۔ جیسے تم نے بھلا دیا کہ آج صعبؓ کو انتقال کئے ہوئے کتنے دن گزر گئے اور تم نے آ کر ہم پسماندگان کی خبر تک نہ لی۔

میں نے کچھ عذر بیان کر دیئے جیسے اس قسم کے مواقع پر بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ میں یہ عذر بیان کر رہا تھا کہ میری نظر اس سینگ پر پڑی جس کا نشان صعبؓ نے خواب میں دیا تھا۔ میں نے اس سینگ کو کھونٹی سے اتار کر الٹا تو اس میں سے ایک تھیلی برآمد ہوئی جس میں دس درہم تھے۔ میں انہیں لے کر اس نام بُردہ اور نشان دادہ یہودی کے پاس پہنچا۔ اور کہا کہ کیا صعبؓ پر تمہارا کچھ قرضہ آتا ہے؟ یہودی نے دردناک لہجہ میں کہا کہ اللہ صعبؓ پر رحم کرے وہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں سے تھے، بڑے پاک اور سچے تھے۔ میرا ان پر کچھ آتا بھی ہے تو میں لینا نہیں چاہتا بلکہ معاف کرتا ہوں۔ میں نے کہا نہیں ہرگز نہیں تجھے بتانا پڑے گا کہ تیرا ان کے ذمہ کیا چاہئے تھا؟ تب اس نے کہا کہ دس درہم میں نے انہیں قرض دیئے تھے، میں نے اسی وقت وہ سینگ والے دس درہم اس کی طرف پھینکے کہ سنبھال لے۔ یہودی نے کہا خدا کی قسم! یہ دس درہم بعینہٖ وہی ہیں جو میں نے انہیں دیئے تھے۔ (معلوم ہوتا ہے کہ استعمال ہی میں نہیں آئے) تو میں نے دل میں کہا کہ صعبؓ کی بتلائی ایک بات تو پوری ہوئی اور حقیقت واقعہ نکلی۔

پھر میں نے صعبؓ کی اہلیہ سے پوچھا کہ صعبؓ کی موت کے بعد کیا تمہارے گھر میں کوئی حادثہ پیش آیا؟ انہیں کچھ یاد نہ تھا۔ میں نے کہا دھیان دو اور یاد کرو کوئی بات پیش آئی ہو۔ انہوں نے کہا ایک بات تو ہوئی کہ ابھی دو چار دن ہوئے ایک بلی مر گئی تھی۔ میں نے دل میں کہا کہ صعبؓ کی دوسری بات کی بھی تصدیق ہو گئی۔ پھر میں نے کہا کہ وہ ہماری بھتیجی (صعبؓ کی چھوٹی بچی) کہاں ہے؟ کہا کھیل رہی ہے۔ وہ میرے پاس لائی گئی تو میں نے دیکھا کہ اسے بخار چڑھا ہوا تھا۔ میں نے کہا ذرا اس کی خبر گیری رکھنا۔ یہاں تک کہ ٹھیک چھٹے دن اس کا انتقال ہو گیا۔ تو

میں نے دل میں کہا کہ یہ بات بھی پوری اتری۔

بہرحال اس سے واضح ہوا کہ برزخ والے خواب میں نہ صرف اپنے احوال ومقامات ہی بتلا دیتے ہیں بلکہ دنیا والوں کے احوال کی نشاندہی کر کے ان کی تصدیق کے ساتھ ان کا اپنے تک پہنچنا بھی بیان کر دیتے ہیں اور نہ صرف بیانِ واقعات ہی کر دیتے ہیں بلکہ ان کے سلسلہ میں ہدایات بھی دے دیتے ہیں کہ ایسا کیا جائے اور یہ سب باتیں حقیقتِ واقعہ ثابت ہوتے ہیں۔

ثابت ابن قیسؓ کی خواب میں تفصیلی ہدایات

عطاء خراسانی فرماتے ہیں کہ مجھ سے ثابت ابن قیس ابن شماس رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی نے بیان فرمایا کہ ثابت ابن قیس رضی اللہ عنہ جب حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے ساتھ جنگ یمامہ میں شریک ہونے کے لئے تشریف لے گئے (جن کے بارہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے موتِ شہادت کی پیش گوئی فرمائی تھی) اور مسیلمہ کذاب سے مقابلہ ہوا تو انہوں نے اور سالم مولی حذافہ نے گڑھے کھود لئے (گویا خندق بنائی) کہ ان میں جم کر لڑیں گے۔ چنانچہ لڑے اور دونوں شہید ہو گئے۔ تو حضرت ثابت ایک اعلیٰ اور نفیس قسم کی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ ان کی لاشوں پر ایک مسلمان گزرا تو اس نے وہ زرہ چرا کر اتار لی۔ تو اگلے ہی دن ایک شخص نے خواب دیکھا کہ حضرت ثابت اسے فرما رہے ہیں کہ میں تجھے ایک وصیت کرتا ہوں، خبردار! اسے بدخوابی یا تخیل سمجھ کر ضائع مت کر دینا اور وہ یہ کہ کل میں قتل ہوا تو ایک شخص میری لاش پر گزرا اور میرے سر سے زِرہ اتار کر لے گیا۔ اس کا گھر فلاں جگہ ہے۔ زرہ کی یہ یہ علامتیں ہیں۔ تو خالد کے پاس جا کر کہنا کہ کسی آدمی کو بھیج کر اس شخص کے پاس سے میری زِرہ نکلوالیں اور جب تو مدینہ پہنچے تو خلیفۂ رسول اللہ حضرت صدیق اکبرؓ کے پاس جانا اور انہیں بتلانا کہ ثابت قیس کے ذمہ اتنا قرضہ ہے۔ اور فلاں میرا غلام ہے اسے آزاد کر دیا جائے۔ چنانچہ یہ شخص خواب کی ہدایت کے مطابق اولاً حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا اور سارا واقعہ سنایا۔ خالد رضی اللہ عنہ نے آدمی بھیج کر وہ زِرہ نکلوائی اور صدیق اکبرؓ کو جب اس شخص نے واقعہ سنایا تو انہوں نے حضرت ثابتؓ کی وصیت جاری فرما دی۔

یہ اور اس قسم کے ہزاروں واقعات جنہیں علماء نے شرح وبسط کے ساتھ نقل کیا ہے اس کے شاہد عدل ہیں کہ برزخی مقامات کھلنے کا ایک بڑا ذریعہ سچے خواب ہیں۔ اسی لئے خواب کو چھیالیسواں حصہ نبوت کا فرمایا گیا اور ان خوابوں کو نص حدیث میں مبشرات کہا گیا، یَرَى الْمُؤْمِنُ اَوْ تُرَى لَهٗ.

ظنیات میں مرتبہ حجیت کا باہمی فرق

رہا یہ کہ خواب ظنی ہے سو اس سے انکار نہیں لیکن ظنی کے معنی ساقط الاعتبار ہونے کے نہیں۔ ورنہ یوں تو قرآن کے سوا اخبار احاد بھی ظنی ہیں، قیاس مجتہد بھی ظنی ہے، خواب بھی ظنی سہی۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ثبوت میں قطعیات سے گھٹا ہوا ہے نہ یہ کہ اس میں حجیت کی شان کلیتًا مفقود ہے، البتہ درجہ بدرجہ حجت ہونے کی شان اور درجہ الگ الگ اور جدا جدا ہے۔ اس لئے اس کی حجیت کی شان بھی جدا جدا ہے۔

خبر واحد مثبت احکام اور حجت ہے

خبر واحد ظنی ہے لیکن اول تو وہ وحی ہے۔ صرف وسائط کے درمیان میں آجانے سے چونکہ شبہ کی گنجائش پیدا ہو گئی اس لئے وحی ہونے کے باوجود وہ ثبوتًا ظنی کہلائے گی۔ اس لئے ثمرہ کے لحاظ سے بھی مورث ظن ہی شمار کی جائے گی لیکن اس کے باوجود حجت شرعیہ بھی رہے گی جس سے مسائل کا اثبات کیا جائے گا۔

قیاس مجتہد مظہر احکام اور حجت ہے

قیاسِ مجتہد بھی ظنی ہے مگر خبرِ واحد سے گھٹا ہوا، کیونکہ وہ خود وحی نہیں بلکہ وحی سے ماخوذ ہے اور چونکہ اس میں بندہ کے فہم وعقل کا دخل آجاتا ہے اس لئے بلحاظ ثبوت نص کی بہ نسبت اس سے کم درجہ ہونے کی وجہ سے وہ خبرِ واحد سے گرا ہوا شمار ہوگا۔ مگر پھر بھی نص سے ماخوذ ہونے کی وجہ سے مورثِ ظن بھی ہوگا اور اس میں حجتِ شرعیہ ہونے کی شان بھی باقی رہے گی۔ البتہ وہ مثبت احکام ہونے کے بجائے مظہر احکام ہوگا۔

خواب مؤید ہے

رہے منامات تو یقینًا خبر واحد اور قیاس سے بدرجہا گھٹے ہوئے ہیں کیونکہ نہ وہ خود وحی ہیں نہ وحی سے ماخوذ بلکہ غیر نبی پر گزرے ہوئے واقعات ہیں جن کی سند صرف یہ خواب دیکھنے والا ہی ہے جس کا کوئی شاہد یا متابع نہیں ہے۔ اس لئے نہ وہ احکام کے لئے مثبت ہوگا نہ مظہر۔ البتہ ثابت شدہ احکام یا واقعات کے لئے مؤید ضرور ہو سکتا ہے اور اس سے اثرات بھی قبول کئے جا سکتے ہیں۔ اس لئے اگر شخصی خوابوں کو حجت کلیہ نہیں کہا جائے گا جو سب کے لئے قانون بن جائے تو حجتِ کاشفہ یا حجتِ موضحہ یا حجتِ مؤیدہ ضرور کہا جا سکے گا۔ اسی لئے سلف سے لے کر خلف تک اہل علم خوابوں سے اس قسم کی تائیدات اور تفاولات کا اثبات کرتے آئے

ہیں۔ آخر سچے خواب کو چھیالیسواں حصہ نبوت کا فرمایا گیا ہے جس سے ظاہر ہے کہ اس کا تعلق فرضیات سے نہیں واقعات سے ہے۔ نبوت کی ابتداء ہی سچے خوابوں سے ہوئی ہے کہ آپ جو کچھ خواب میں دیکھتے وہی چیز واقعہ بن کر سامنے آجاتی۔

اسی طرح نبوت کے بعد نبوت کے اس چھیالیسویں حصہ کے باقی رہنے کی بھی خبر دی گئی ہے: لَمْ يَبْقَ مِنَ النُّبُوَّةِ إِلَّا الْمُبَشِّرَاتُ أَوِ الرُّؤْيَا الصَّالِحَةُ ''نبوت میں سے کچھ بھی باقی نہیں بجز مبشرات اور سچے خوابوں کے'' (الحدیث)

جس کا حاصل یہی نکلتا ہے کہ سچے خواب نبوت کا ایک جزو ہونے کی وجہ سے تبشیر کا کام ضرور دے سکتے ہیں۔ اور اگر ان سے احکام یا علل احکام ثابت نہیں ہو سکتے تو ان احکام وعلل کی تائید اور وضاحت تو حاصل کی جا سکتی ہے۔ اس لئے اگر وہ حجت موضحہ ضرور ہیں اور یہ بھی حجیت کا ایک مقام ہے۔

سچے خواب کی تاثیرات سے استدلال

پھر ان کی تاثیر بھی بین اور نمایاں ہے۔ سچے خواب سے اگر وہ از قسم بشارت ہے تو طبعاً قلوب کو تسلی اور دلجمعی حاصل ہوتی ہے۔ غمزدوں کے قلوب ٹھہر جاتے ہیں، بچھڑے ہوؤں کے دل مطمئن ہو کر تسلی وتشفی پا جاتے ہیں اور اگر از قسم انذار ہے تو دل لرز کر محتاط ہو جاتے ہیں۔ ہزاروں برائیوں سے باز آجاتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ برزخ اور اس کے احوال نصوص شرعیہ کی رو سے واقعات ہیں، تخیلات ہیں اور ہر واقعہ اپنے اندر کچھ نہ کچھ خواص وآثار رکھتا ہے۔ تو یہ کیسے ممکن ہے کہ صاحب واقعہ پر ان واقعات کا اثر نہ پڑے ورنہ وہ واقعہ واقعہ نہیں تخیل محض اور وہم وخیال ہو کر رہ جائے۔ پس اگر ایک واقعہ بیداری میں اپنے اثرات ڈالے بغیر نہیں رہتا تو وہی واقعہ اگر خواب میں نظر آئے تو آخر خواب دیکھنے والے کے لئے وہ بے اثر ہو کر کیسے رہ جائے گا؟ اور برزخ میں پیش آنے اور اس کے دیکھنے سے وہی اثر کیوں قبول نہ کیا جائے گا؟ صرف ظرف ہی تو بدلتا ہے واقعہ تو نہیں بدلتا۔ مورد نگاہ ہی تو بدلتا ہے نگاہ تو نہیں بدلتی۔ نیز یہ بھی ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ دنیا میں حقیقی نگاہ یہی قوت خیال ہے جو نفس کا ایک طبعی غریزہ اور جوہر ہے اور برزخ کی نگاہ بھی اسی نفس کی وہی قوت خیالیہ ہے۔ صرف اس کے پیکر کی شکل بدل جاتی ہے قوت نہیں بدلتی۔ اس لئے جب نفس بھی ایک ہی ہے، اس کا آلہ ابصار بھی ایک ہی ہے اور واقعہ کی نوعیت بھی ایک ہی ہے۔ اگر بدلا تو صرف ظرف بدلا ہے، تو ظرف کے بدلنے سے مظروف یا اس کی تاثیر کیسے بدل جائے گی؟ یا وہ بے اثر کیسے ہو سکے گی؟ زیادہ سے زیادہ کیفیت کی نوعیت میں فرق پڑ سکتا ہے۔ اس لئے بیداری کی آنکھ سے کسی واقعہ کو دیکھا جائے یا خواب کی آنکھ سے دیکھا جائے۔ دیکھنے والا نفس اور اس کی قوت خیال (جو سمع وبصر اور ذوق وشم وغیرہ کی نوعیتوں میں بٹی ہوئی ہے)، ایک ہی رہے گی اور اثر بھی وہی ایک ہی ظاہر ہوگا۔ اس لئے سچا خواب یقیناً اپنا اثر دکھلائے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اگر وہ ظنی ہے تو ہمارے ادراک کے لحاظ سے ظنی ہے نہ کہ واقعات کے لحاظ سے، کیونکہ وقائع برزخ تو نصوص شریعت سے ثابت ہونے کی وجہ سے واقعات ہیں جن میں شک کی اصلاً گنجائش نہیں۔ اس لئے بذاتہٖ واقعات قطعی ہیں۔ البتہ ہمارے ادراک کے لحاظ سے ظنی ہیں۔ بالفاظ دیگر ظنیت ہمارے ادراک میں ہے واقعات میں نہیں۔ اس لئے قدرتاً سچے خواب میں قبولیت کے علاوہ ایک گونہ حجیت کی شان بھی کچھ نہ کچھ آئے گی جس کی تفصیل عرض کی جا چکی ہے۔ جب ایک سچے کا خواب ایک سچا واقعہ ہے تو وہ بوجہ واقعیت اپنے متعلقہ معاملہ کے لئے حجت ہوگا گو دیانتاً ہی حجت ہو قضاءً نہ ہو۔

تواتر وتعدد کی صورت میں سچے خواب کو حجیت شرعیہ بھی بتایا گیا ہے

غور کیجئے کہ اگر کسی ایک شخصیت یا ایک واقعہ کے بارے میں کئی سچے خواب جمع ہو جائیں تو ان میں تو حجیت کی شان کچھ بڑھ ہی جانی چاہئے، بلکہ میں آگے بڑھ کر عرض کروں گا کہ اگر دیکھا جائے تو دور نبوت میں تو ایسے منامات کو شرعی حجت تک کا درجہ دے دیا گیا ہے

لیلۃ القدر کو جب متعدد صحابہ نے رمضان کے آخر عشرہ ہی میں خواب میں دیکھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس کے عشرہ اخیرہ میں ہونے کا حکم فرمایا اور اس کی علت یہ فرمائی کہ: إِنِّيْ أَرٰى رُؤْيَا كُمْ قَدْ تَوَاطَئَتْ عَلٰى أَنَّهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ. ''میں دیکھتا ہوں کہ تمہارے کئی خواب اس پر متفق ہو گئے ہیں کہ لیلۃ القدر عشرۂ اخیرہ میں ہوتی ہے۔''

جس سے واضح ہوتا ہے کہ خوابوں کی یکسانیت اور تواتر وتعدد کذب پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ پس جیسے مومنین کا تواتر روایت، روایت کو واجب القبول اور مورث ظن غالب یا بعض حالات میں مورث یقین بنا دیتا ہے اور جس طرح علماء کا تواتر روائت (کہ وہ کسی چیز کے استحسان یا استہجان پر اجماع کر لیں تو وہ) اسے واجب العمل بنا دیتا ہے کہ: مَارَاٰهُ الْمُؤْمِنُوْنَ

حَسَناً فَهُوَ عِنْدَ اللّٰهِ حَسَنٌ. ''جسے مؤمنین اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہی ہے۔''

فردواحد کا سچا خواب بھی حجت قرار دیا گیا ہے

اسی طرح اگر مؤمنین کے تواطوءِ رویت منام کو بھی واجب القبول کہا جائے تو اس میں تعجب کی کیا بات ہے؟ اور اگر ایک حد تک شرعیات میں بھی بطور حجت اس کا اعتبار کرلیا گیا ہو تو اس میں کیا قباحت ہے بلکہ بعض اوقات قرن نبوت میں صرف ایک ہی سچے خواب کو شرعی حکم کی بناء قرار دیا گیا ہے۔ جیسے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اذان کی مشروعیت کے بارہ میں عبداللہ ابن زید ابن عبدربہ کے خواب کو اذان کی مشروعیت کی بناء قرار دیا اور ارشاد فرمایا کہ اِنَّهَا الرُّؤْيَا حَقٌّ قُمْ يَا بِلَا لُ فَاذِّنْ. (یہ خواب عبداللہ ابن عبدربہ کا سچا خواب ہے۔ اس لئے اے بلال! اٹھو اور اذان دے۔)

نبی کی توثیق خواب کی فی نفسہٖ حجت ہونے کی دلیل ہے

یہ الگ بات ہے کہ وہ دورِ نبوت تھا اور آپ کی توثیق سے خواب موجبِ ثبوت مسئلہ بن گیا۔ لیکن توثیق تو بہر حال خواب ہی کی کی گئی جس سے اتنا واضح ہو گیا کہ مومن کا سچا خواب کسی نہ کسی درجہ میں حجیت کی شان ضرور لئے ہوئے ہے، ساقط الاعتبار نہیں۔

اب اگر آج بھی کوئی شخص یا چند اشخاص نعیم قبر کے بارہ میں کوئی قدرِ مشترک خواب میں دیکھتے ہیں تو اسے ظن غالب کے طور پر تسلیم کر کے بطور حجت کے تسلیم کیا جائے گا کہ فلاں شخص ان شاء اللہ ضرور نعمتوں میں ہے اور مقبول ہے۔ جیسا کہ اس قسم کے خوابوں کے متعدد واقعات عرض کئے گئے اور ان سے برزخی نعمتوں یا مصیبتوں کے جو وقائع خوابوں کے سامنے آئے ان کی تکذیب نہیں کی جا سکے گی۔

مومن وکافر کی کیفیت نزع کا فرق

مثلاً جناب کی والدہ مرحومہ نے اپنی کسی خاص عزیزہ کو خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ نزع کے وقت کیا گزری؟ جس پر عزیزہ نے تکلیف اور سختی کی نفی کی اور کہا کہ تکلیف کافر کو ہوتی ہوگی۔ تو بلاشبہ یہ سچا خواب ہے۔ حدیث میں صراحتًا ارشاد ہے کہ جب مومن کی روح کو خطاب کر کے ملائکہ کہتے ہیں: اُخْرُجِيْ اَيَّتُهَا النَّفْسُ الطَّيِّبَةُ كُنْتِ فِيْ الْجَسَدِ الطَّيِّبِ اُخْرُجِيْ. ''اے نفس پاک نکل آ کہ تیرا بدن بھی تیرے نیک عملوں کی وجہ سے پاک تھا نکل آ۔ باغ و بہار اور راحتوں کی طرف اور اس رب کی طرف جو تجھ پر غضبناک نہیں ہے۔'' اور بہشت بریں کے اکفان اور حنوط (خوشبوئیں) دکھاتے ہیں تو وہ اس طرح شوق وذوق اور امنگ وروانی کے ساتھ نکلنے کے لئے بہتی ہے جیسے مشک اُلٹی کر کے منہ کھول دیا جائے اور پانی کا ایک ایک قطرہ بہہ کر آناً فاناً نکل جائے، یعنی شدتِ شوق میں اسے نزع کی کسی تکلیف کا پورا احساس نہیں ہوتا۔ بخلاف کافر کے کہ اس کی روح بدن کے ایک ایک روئیں کی پناہ لیتی ہے اور اسے زبردستی کھینچا جاتا ہے تو وہ سختی وشدت کے ساتھ اس طرح نکالی جاتی ہے جیسے بھیگی ہوئی روئی میں کانٹوں دار تار پیوست کر کے اسے کھینچا جائے کہ روئی کے ریشے بھی ساتھ کھنچ آئیں، العیاذ باللہ۔

تو عزیزہ نے سچ کہا کہ تکلیف کافر کو ہوتی ہوگی۔ یہ مقولہ کس قدر مطابق حدیث نبویؐ ہے اور کیوں نہ اس کی تصدیق کی جائے۔

خروج روح کی حدیثی تعبیرات کی واقعاتی تطبیق

یا اسی طرح حسب تحریر گرامی جس خادمہ کا مرض دق میں انتقال ہو رہا تھا اور اس نے نزع کے وقت دیکھا کہ یہ جو چاندی کی ڈور یہاں سے آسمان کو گئی ہے جس وقت یہ کٹ جائے گی اسی دم روح نکل جائے گی۔ تو یہ حقیقت ہے کہ یہ اسی روح کی شعاع تھی۔

حدیث میں ہے کہ جب روح نکلتی ہے تو مثل شعاعِ آفتاب ہوتی ہے اور اس میں سے مشک کی خوشبو سے بھی بہتر پھوٹتی ہے، اس لئے اس خادمہ کو اپنی ہی روح کا تارِ شعاع بصورتِ زنجیر نظر پڑا۔ اور جب وہ زنجیر کٹ گئی تو روح نکل گئی۔ کیونکہ روح نکلتے ہی اس کی زنجیرِ شعاع بھی نکل گئی اور اب وہ اپنی شعاعوں کے ساتھ ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے جسے وہ جنتی کفنوں میں لپیٹ لیتے ہیں۔ اس لئے وہ شعاعی صورت کھلی نہیں رہتی بلکہ ان کفنوں میں سمٹ آتی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کیفیت حدیثِ نبوی کی عین تصدیق ہے۔ اس لئے واجب التصدیق ہے۔

یا جیسے کہ تحریر فرمایا گیا کہ اسی ہفتہ آپ کی اہلیہ مرحومہ کو ایک لڑکی نے خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ امی کیا نزع کے وقت دم گھٹتا ہے؟ تو کہا نہیں، یوں ہی ذرا سا محسوس ہوتا ہے اور سر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ بس یوں معلوم ہوتا ہے کہ گرہ کھل گئی اور روح زن زن روانہ ہوگئی۔ سبحان اللہ۔

حدیث نبویؐ میں ہے کہ روح جب نزع کے وقت تمام بدن سے کھنچتی ہے تو مومن کو کچھ نہیں محسوس ہوتا۔ اسی لئے بعض لوگ عین نزع کے وقت باہوش اور بشاش نظر آتے ہیں۔ البتہ جب حلقوم میں آتی ہے تو احساس ہوتا ہے اور وہ بھی تحیر کے ساتھ کہ یہ کہاں جا رہی ہے یا میں کہاں جا رہا ہوں؟ اور اسی لئے اس کے نکلتے وقت نگاہ اوپر ہی کو اٹھی رہ جاتی ہے اور آنکھیں کھلی کی کھلی رہ جاتی ہیں۔ گویا تحیر کے ساتھ آنکھیں اوپر کو دیکھتی رہ جاتی ہیں۔

اس لئے بعد موت تغمیض عین (آنکھ بند کردیئے جانے کا) شریعت نے حکم دیا ہے۔ اس لئے مرحومہ کا یہ کہنا کہ پس ذرا محسوس ہوتا ہے یہ حلقوم سے نکلنے کی وہی تکی کیفیت ہے جو حدیث میں ارشاد فرمائی گئی ہے۔ اور گرہ کھل گئی۔ یہ سر سے نکلنے کی کیفیت ہے کہ وہی وقت قبض روح کا ہوتا ہے اور اسی آن روح زن زن روانہ ہوجاتی ہے اور ملک الموت اسے قبض کر لیتے ہیں۔ پس عام بدن سے ملائکہ علیہم السلام روح کھینچتے ہیں جسے نزع کہا جاتا ہے اور حلقوم تک آتی ہے تو یہ ہی ملک الموت کے آنے کا وقت ہوتا ہے جو سر کی طرف بالین پر بیٹھ کر روح کو نہایت شفقت سے خطاب کرتے ہیں:

اُخْرُجِیْ اَیَّتُهَا النَّفْسُ الطَّیِّبَةُ اُخْرُجِیْ اِلٰی رَحْمَةِ اللّٰهِ. یہی آخری سانس کا وقت مومن کے لئے قدرے احساس کا ہوتا ہے، اسی کو قبض روح کہا جاتا ہے۔ تو مرحومہ نے جو کچھ گزرا ہوا خواب میں بتلایا یہی صاحب شریعت نے ارشاد فرمایا ہے۔ تو کیسے اس خواب کی تصدیق نہ کی جائے۔ اور جب کہ مرحومہ کو کئی عزیزوں نے اچھی حالت میں دیکھا تو یہ تو اطوء منام ہے۔ اس لئے جیسے تواطوء روایت کی تکذیب نہیں کی جاسکتی ایسے ہی تواطوء رویت کی تکذیب بھی ممکن نہیں ہے۔

طریق رابع عبرت واعتبار

(۴) پھر اسی طرح اپنا برزخی مقام عبرت واعتبار کی رو سے بھی معلوم کیا جا سکتا ہے۔ جیسے مثلاً انہی واقعات منام کو لے لیجئے اور مرحومہ کے اچھے احوال سامنے رکھ کر اس برزخی جزاء کو ان پر منطبق کیجئے تو نتیجہ نکلے گا کہ ان اعمال نے ان احوال تک انہیں پہنچایا۔ اس لئے بلحاظ اعتبار آدمی کہہ سکتا ہے کہ جب مجھے بھی ان ہی اعمال کی توفیق ہو رہی ہے تو حق تعالیٰ کے فضل سے مجھے بھی امید رکھنی چاہئے کہ میرا برزخی مقام بھی ایسا ہی ہوگا جیسا کہ مرحومہ کا ہے۔

طریق خامس عیان وشہود

(۵) پانچواں طریق اطلاع عیون وشہود ہے یعنی حواس خمسہ کے ذریعہ برزخ کی حالت محسوس کرا دی جائے خواہ وہ آنکھ سے دیکھ کر یا کانوں سے مُردوں کی آوازیں سن کر اور منَ اللہ کسی کو عبرت دلا دینے کے لئے یہ مشاہدہ کرا دیا جائے۔

برزخی کیفیات ومقامات کا حسی وعینی ادراک

جیسے حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ مکہ مدینہ کے درمیان ایک مقبرہ سے گزرے تو ایک کریہہ المنظر شخص کو دیکھا کہ وہ قبر سے باہر ہے۔ اس کے منہ سے آگ کے شعلے نکل رہے ہیں اور گلے میں آتشیں زنجیر پڑی ہوئی ہے جسے وہ کھینچ رہا ہے۔ اس نے چلا کر کہا: یَا عَبْدَ اللّٰهِ انْضَحْ (اے عبداللہ! پانی چھڑک دیجئے) کہ معاً ایک دوسرا شخص سامنے آیا کہ اے عبداللہ! ہرگز پانی نہ چھڑکنا اور پھر اس آتشیں زنجیر نے اسے زمین میں جذب کر لیا۔ یہ کفار کے مقام برزخی کا عینی مشاہدہ تھا۔

سماعی ادراک

یا جیسے ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ ایک قبر پر خیمہ لگایا اور اسے پتہ نہ تھا کہ یہ قبر ہے۔ تو اس میں سے سورۂ ملک پڑھنے کی آواز آئی جس پر حضورؐ نے اس سورۃ کے بارہ میں فرمایا: هِیَ الْعَاتِقَةُ هِیَ الْمُنْجِیَةُ. یہ عذاب برزخ کو روکنے والی اور نجات دینے والی ہے۔ تو یہاں میت کی آواز کانوں سے سنی گئی۔

عیانی ادراک

سلف میں سے ایک شخص نے ایک قبر کو دیکھا کہ وہ آگ کا شعلہ بنی ہوئی ہے اور شیشہ کی مانند ہے کہ اندر کی ساری آگ نظر آ رہی ہے جس کے بیچ میں میت پھنسی ہوئی ہے، العیاذ باللہ۔ شہر میں تحقیق سے معلوم ہوا کہ وہ ایک مکاس (محصل چونگی) کی قبر ہے جو آج ہی مرا ہے۔ اس سے معذبین کا ایک برزخی مقام عیاناً واضح ہوا۔

عالم برزخ کے سرمایۂ عبرت کے عجیب واقعات

بروایت ابن قیم شعبی نے ذکر کیا ہے کہ ایک شخص نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا کہ میں بدر کے مقام سے گزرا تو میں نے (قلیب بدر) میں دیکھا کہ ایک شخص زمین سے نکلتا ہے کہ نکل بھاگے تو جب ہی ایک دوسرا شخص اسے گرز سے مارتا ہے جس سے وہ زمین میں اتر جاتا ہے۔ پھر نکلنا چاہتا ہے تو پھر یہی ہوتا ہے۔ آپؐ نے فرمایا یہ ابوجہل ہے جو قیامت تک اسی عذاب میں مبتلا رہے گا، جس سے اہل جہنم کا ایک برزخی مقام عیاناً ثابت ہوا۔

سفیان کہتے ہیں بروایت داؤد بن شاپور کہ ابوقزعہ کہتے ہیں کہ مجھے ایک قبر کے اندر سے گدھے کی آواز سنائی دی۔ پوچھنے پر معلوم ہوا کہ اس میت کی ماں اس سے بولنا چاہتی تو یہ اسے کہا کرتا تھا کہ ہاں گدھے کی طرح تو بھی آواز نکال لے۔ جب سے یہ مرا ہے تو اس کی قبر سے گدھے ہی کی آواز آتی ہے۔

عمرو بن دینار کہتے ہیں کہ وہ اپنی بہن کو دفن کرنے کے لئے قبر میں اُترے مگر نکلتے وقت ان کی قیمتی متاع قبر میں رہ گئی، جس کی وجہ سے انہوں نے اپنے ایک ساتھی کی معاونت سے قبر کھولی اور پونجی مل گئی۔ اسے لیتے

وقت ساتھی سے کہا کہ ذرا ٹھہرو، میں دیکھوں کہ بہن کس حال میں ہے؟ تو لحد کا ایک حصہ کھولا تو قبر آگ سے مشتعل ہے۔ اسی وقت لحد اور قبر بند کردی۔ اور آ کر ماں سے پوچھا کہ عمل میں اس بہن کا کیا حال تھا۔ انہوں نے کہا کہ وہ نماز بھی تاخیر سے پڑھتی تھی اور گمان یہ ہے کہ اکثر بے وضو بھی پڑھ لیا کرتی تھی اور پڑوسیوں کے گھروں کے دروازوں میں جا کر گھر والوں کی باتیں چوری چھپے نکال لانے کی عادی تھی۔ اس سے بے نماز اور غیروں کے رازوں کے تجسس کرنے والوں کا برزخی مقام عیاناً معلوم ہوا۔

مرشد ابن حوشب کہتے ہیں کہ میں یوسف بن عمرو کے پاس بیٹھا تھا اور ایک شخص ان کے پہلو میں تھا جس کے چہرے کا ایک حصہ سپاٹ، ایک لوہے کی پلیٹ کی طرح تھا۔ یوسف ابن عمرو نے اس شخص سے فرمایا کہ اپنا واقعہ مرشد سے بھی بیان کردو تو اس نے بیان کیا کہ میں جوانی کے زمانہ میں فحش باتوں میں مبتلا رہتا تھا کہ طاعون کی وبا پھیلی، لوگ مرنے اور دفن ہونے لگے تو میں نے ایک شخص کی قبر کھودی اور خود ایک دوسری قبر پر چڑھ کر بیٹھ گیا۔ تو دیکھا کہ ایک جنازہ آیا اور اسے اس قبر میں دفن کردیا گیا۔ جب مٹی برابر کردی گئی تو میں نے دیکھا کہ اونٹ کے برابر دو پرندے سفید رنگ کے مغرب کی طرف سے اڑتے ہوئے آئے۔ ایک اس میت کے سر کی طرف آ گیا اور ایک پیروں کی طرف۔ پھر ایک قبر میں اترا اور ایک باہر قبر کے منہ پر کھڑا رہا۔ تو میں اس واقعہ کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اٹھا اور اس قبر کے کنارے آ کھڑا کہ یہ دو پرندے کیسے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ تو میں نے اپنے کانوں سے سنا کہ وہ پرندہ کہہ رہا تھا کہ کیا تو وہی نہیں ہے جو سسرالی رشتہ داروں سے ملنے کے لئے دو قیمتی کپڑوں میں بڑی اتراہٹ اور نخوت کے ساتھ چل کر جایا کرتا تھا۔ تو میت نے کہا کہ میں تو بہت کمزور آدمی ہوں۔ اس پر پرندہ نے اس پر نہایت زور کی ضرب لگائی جس سے قبر میں اک دم پانی اور تیل بھر گیا۔ تھوڑی دیر میں جب قبر اصلی حالت پر آئی تو پرندہ نے پھر وہی بات کہہ کر پھر ضرب لگائی اور قبر کا وہی حال ہوگیا کہ اس میں پانی اور تیل بھر گیا۔ یہاں تک کہ تین بار ایسی ہی ضربیں پڑی رہیں۔ اس سے فارغ ہوکر پرندوں نے سر اٹھا کر میری طرف دیکھا اور (غالبا دوسرے پرندہ سے) کہا کہ دیکھ وہ کہاں بیٹھا ہوا ہے؟ اور اس نے ایک طمانچہ کی ضرب میرے چہرے پر لگائی جس سے میرے چہرے کی ایک جانب کے سارے خد و خال مٹ کر چہرہ کا یہ حصہ سپاٹ ہوکر لوہے جیسا ہوگیا اور میں اسی وقت سے اسی حالت میں ہوں۔

اس سے جہاں معذبین کے ایک برزخی مقام کا اندازہ ہوا وہیں یہ بھی ثابت ہوا کہ بعض دفعہ اس برزخی مقام کے آثار دنیا تک بھی آ جاتے ہیں اور عبرت دلانے کے طور پر زندوں کو بھی عذاب قبر دکھلا کر اس عذاب کا کچھ مزہ زندوں کو بھی چکھا دیا جاتا ہے۔

ابواسحٰق فزاری کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک شخص نے ذکر کیا کہ میں قبریں کھودا کرتا تھا تو میں نے بہت سے مُردوں کو دیکھا کہ ان کے چہرے قبلہ سے پھرے ہوئے ہیں۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ اس کی علامت ہے کہ ان کی موت غیر سنت پر واقع ہوئی، یا وہ کبائر پر مُصر تھے، ابن ابی الدنیا نے روایت نقل کی ہے کہ ایک قبر کھودنے والے سے پوچھا گیا کہ تو نے قبر کنی کے سلسلہ میں کوئی عجیب بات بھی دیکھی؟ اس نے کہا کہ میں نے ایک شخص کی قبر کھولی تو میں نے دیکھا کہ اس شخص کے سارے بدن میں کیلیں ٹھکی ہوئی ہیں اور سر میں ایک بہت بڑی میخ ٹھکی ہوئی ہے اور ایک میت کی کھوپری دیکھی کہ اس میں سیسہ بھرا ہوا ہے۔ ان واقعات کی وجہ سے مجھے توبہ نصیب ہوئی۔

عبدالحمید بن محمود کہتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ذوالصفاح کا انتقال ہوگیا۔ ہم نے کفن دفن کا بندوبست کیا۔ لحد جب بند کرنے لگے تو دیکھا کہ ایک عظیم الجثہ سیاہ سانپ قبر میں ہے جس نے پوری لحد کو اپنے جثہ سے بھر دیا ہے۔ تو ہم نے ڈر کر دوسری قبر کھودی تو وہاں بھی وہی سانپ موجود ہے۔ تیسری کھودی تو وہاں بھی اسی سانپ کو موجود پایا۔ آخر ابن عباس نے فرمایا کہ یہ میت معلوم ہوتا ہے کہ مالِ غنیمت میں چوری کیا کرتا تھا۔ اس کے لئے محنت مت اٹھاؤ۔ تم ساری زمین میں جہاں بھی قبر کھودو گے اس سانپ کو موجود پاؤ گے۔ لہٰذا انہی میں سے کسی قبر میں دفن کردو۔

یہ واقعات برزخی مقامات کے عیاناً مشاہدہ پر حجت ہیں

بہر حال یہ اور اسی قسم کے ہزاروں ثابت شدہ واقعات اس کے شاہد عدل ہیں کہ برزخی مقامات کبھی کبھی عیاناً بھی لوگوں کو دکھا دیئے جاتے ہیں تا کہ دنیا ان سے عبرت کا سبق لے۔ اس قسم کے کئی واقعات میں نے خود اپنے بزرگوں سے اس دور کے بھی سنے ہیں کہ عذابِ قبر اور برزخی مقام لوگوں کے احوال آنکھوں سے دیکھنے میں آئیں۔

برزخی مقامات میں تبدیلی

روایات سے یہ بھی ثابت ہے کہ یہ برزخی مقامات دنیا والوں کی دعاء و ایصالِ ثواب سے تبدیل بھی ہوتے رہتے ہیں۔

ابن ابی الدنیا نے عبداللہ بن نافع سے روایت کیا ہے کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص کا انتقال ہوا تو ایک شخص نے اسے خواب میں دیکھا کہ وہ عذاب

نار میں مبتلا ہے۔ ہفتہ عشرہ کے بعد دیکھا کہ وہ اہل نعیم میں سے ہے تو میں نے کہا کہ کیا تو اہلِ جحیم میں سے نہیں تھا؟ کہا ہاں تھا مگر ہمارے پاس ایک مرد صالح دفن ہوا، اسے چالیس آدمیوں کے بارہ میں شفاعت کی اجازت دی گئی جن میں سے ایک میں بھی ہوں۔ اس طرح مجھے نار سے نجات مل گئی۔

ابن ابی الدنیا ہی یہ بھی ایک روایت کرتے ہیں کہ احمد بن یحییٰ کے ایک رفیق کے بھائی کا انتقال ہوا تو احمد بن یحییٰ نے انہیں خواب میں دیکھا اور پوچھا کہ کیا گزری؟ تو اس نے کہا کہ ایک آنے والا میری طرف آگ کا شعلہ لے کر بڑھا، قریب تھا کہ مجھے بھسم کر دے کہ اچانک ایک بھائی نے دعاءِ مغفرت کی تو میں بچ گیا۔ اگر دعاء نہ ہوتی تو اس شعلہ بردار نے مجھے مار ڈالنا تھا وغیرہ۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا والوں کی سعی و ہمت دعاء وایصالِ ثواب سے برزخی مقامات مصیبت سے راحت کی طرف تبدیل بھی ہو جاتے ہیں۔

بہرحال برزخی مقامات کی معلومات کرنے کے لئے جس میں اپنا برزخی مقام بھی شامل ہو یہی پانچ طریقے ہیں۔

تَتِمَّۃُ

عذابِ قبر میں پھنسانے والے اعمال

اس میں بنیادی بات یہ ہے کہ عذابِ قبر غضب خداوندی کے آثار میں سے ہے۔ حق تعالیٰ اس روح کو عذابِ قبر نہیں دیں گے جس نے اللہ کی معرفت حاصل کی، اس سے محبت کی، اس کے احکام کی پابندی کی اور اس کے ممانعت کردہ امور سے بچاؤ رکھا اور نہ اس کے بدن کو عذابِ قبر میں مبتلا کیا جاوے گا جس میں اس پاک روح نے عمرِ دنیا گزاری۔ عذابِ قبر کی مستحق وہی روح اور وہی بدن ہوگا جس نے دنیا میں حق تعالیٰ کو غضبناک کیا، اس سے جاہل رہنے پر قناعت کی اور توبہ بھی نہ کی اور اسی حالت میں موت آ گئی۔ تو جو بھی جس حد تک ان نافرمانیوں کے سبب غضب الٰہی کا شکار رہے گا اسی حد تک عذابِ قبر میں مبتلا ہوگا۔

یہ نافرمانیاں کچھ قلب کی ہیں کچھ زبان کی ہیں، کچھ منہ، آنکھ، ناک، کان کی ہیں۔ کچھ ہاتھ، پیر اور بدن کی ہیں اور کچھ شرمگاہ کی ہیں۔

قلب کی معصیتیں، ان کے مفاسد اور ان سے تحفظ کا منصوص طریق

قلب کے معاصی میں سے وہ ارادی اور اختیاری وسوسے اور ایسے خیالات پکاتے رہنا ہے جن سے لوگوں میں فتنہ ابھرے۔ وہ مبتلائے نزاع و جدال بن جائیں اور لوگوں کی بندھی ہوئی مٹھی کھل جائے اور ان میں اختلاف اور گروہ بندی قائم ہو جائے جس سے ایک دنیا فتنہ وفساد کا مرکز بن جائے۔ اس سے بچنے کے لئے حدیث نبویؐ میں یہ دعاء ارشاد فرمائی گئی ہے: اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ وَسَاوِسِ الصُّدُوْرِ وَشَتَّاتِ الْاَمْرِ وَ فِتْنَةِ الْقَبْرِ. "اے اللہ! میں سینہ کے وساوس سے پناہ مانگتا ہوں اور امرِ دینی کی پراگندگی اور انتشار سے پناہ چاہتا ہوں اور قبر کے فتنہ سے پناہ کا طلب گار ہوں۔"

غلط خیالات پکاتے رہنے سے دل جمعی باطل ہو جاتی ہے۔ دل میں انتشار پیدا ہو جاتا ہے جس سے پراگندہ خاطر انسان کے عمل اور افعال میں انتشار اور پراگندگی پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ ہر وقت نفسانی خیالات سے ڈانواں ڈول اور مذبذب رہتا ہے اور اسے اس کے سوا کچھ نہیں سوجھتا کہ اپنے فاسد تخیلات سے لوگوں کے معاملات میں ٹانگ اڑاتا رہے۔ انہیں پراگندہ خاطر اور پریشان بناتا رہے جس سے اس کا اور اس کے زیرِ اثر لوگوں کا دین پراگندہ اور وسوسوں کا شکار ہو جاتا ہے اور ان کے دلوں کا کوئی مرکزِ حقیقی باقی نہیں رہتا جو حق اور حق کی بھیجی ہوئی حقانی ہدایت کے سوا دوسرا نہیں۔ اس لئے وہ رات دن باطل اور بے حقیقت بے بنیاد امور میں لگ کر اپنا اور اپنے ساتھیوں کا دین برباد کر لیتا ہے اور پھر یہی دین و عمل کا انتشار روح کے انتشار کا سبب بنتا ہے اور جب پراگندہ خاطر روح قبر میں اسی انتشار کو لے کر پہنچے گی جس میں جمعیت خاطر اور یکسوئی نہ ہوگی تو اس سے برزخ اور قبر میں بھی انتشار رونما ہوگا جو اسے ہمہ وقت بے چین اور بے سکون رکھے گا اور قبروں کے فتنوں اور عذابوں کا ذریعہ بنتا رہے گا۔

دنیا میں یہ فتنے اعمال کی صورت میں ظاہر ہو کر دنیا خراب کرتے ہیں اور برزخ میں بھی فتنے مختلف ڈراؤنی شکلوں میں نمایاں ہو کر برزخی زندگی کی خوشحالی کو ضائع کر دیتے ہیں جس سے واضح ہے کہ سینہ کا وسواسی انتشار سینہ سے باہر دنیا کے انتشار کا سبب ہے اور دنیوی زندگی کا انتشار برزخی زندگی کے انتشار کا سبب ہے۔ اس لئے اس حدیث پاک میں یہ تینوں چیزیں وسوسۂ صدر، پراگندگیٔ امر اور فتنۂ قبر مرتب طریق پر ترتیب کے ساتھ ذکر فرمائی گئی ہیں جن میں ہر پہلی چیز دوسری چیز کا سبب ہے۔

زبان کی معصیتیں اور ان سے تحفظ کا طریق

زبان کے گناہوں میں جو چیزیں بنص حدیث نبوی عذابِ قبر کا سبب بنتی ہیں وہ چغل خوری، جھوٹ، جھوٹی گواہی، بہتان بندی، پس پشت پاک بازوں پر تہمتیں اٹھانا، زبان کی تیزی اور بدلگامی سے فتنے کھڑے

کرنا، خلاف سنت طریقوں کی طرف بلانا، کلام میں بے احتیاطی اور بے پرواہی سے رطب ویابس بولتے رہنا وغیرہ ہیں۔

چنانچہ حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دو قبروں کے مُردوں کو عذاب میں مبتلا دیکھا اور فرمایا کہ انہیں عذاب دیا جا رہا ہے۔ ایک چغل خوری کیا کرتا تھا (جس سے لوگوں میں عداوتیں پھیلتی تھیں) --- اور حدیثِ شعبہ میں بجائے چغل خور کے یہ ہے کہ ان میں سے ایک غیبتیں کیا کرتا تھا، جس سے لوگوں میں بیزاری اور جذبہ عناد پیدا ہوتا ہے اور یہ دونوں زبان ہی کے گناہ ہیں۔

دوسرے شخص کے بارے میں فرمایا گیا کہ وہ پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا (جو وسوسے پیدا کرتی ہیں اور طہارت ناقص رہ جاتی ہے) اور ظاہر ہے کہ ناقص طہارت سے (یعنی پیشاب کی چھینٹوں سے نہ بچنا) نماز بلا طہارت کے رہ جاتی ہے جو پورے بدن کا گناہ ہوا۔

نیز عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث اسی مضمون میں گزر چکی ہے کہ ایک شخص کو قبر میں کوڑوں سے مارا جا رہا تھا کہ ہر کوڑے کی ضرب سے اس کی قبر آگ سے بھر جاتی تھی۔ وہ بلا طہارت کے نماز پڑھنے والوں میں سے تھا۔

ایسے ہی لوگوں کا مال ناحق اڑانے والوں کے لئے بھی عذابِ قبر کی خبر دی گئی۔ یہی صورت زانی اور لوطی کی بھی ہے جو شرمگاہ کے گناہ ہیں۔ ناجائز مال رشوت، سود بٹہ، چوری، ڈکیتی وغیرہ کی کمائی پر بھی عذابِ قبر کا ثمرہ مرتب ہونا بتلایا گیا ہے۔

اسی طرح مسلمانوں کو زبان یا ہاتھ سے ایذاء پہنچانے کا ثمرہ بھی عذاب قبر بتلایا گیا ہے۔ اسی طرح لوگوں کے ڈھکے چھپے معاملات کی ٹوہ لگانے اور انہیں رسوا کرنے کی سعی کا ثمرہ بھی یہی عذابِ قبر فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح ملحد اور کلماتِ خداوندی اور نبی کی سنتوں پر اپنی رائے اپنے ذوق اور اپنی سیاست کو مقدم رکھنے والوں کے لئے بھی عذابِ قبر کی دھمکی آئی ہے۔ یہی صورت گانے بجانے والوں اور گانا بجانا سننے والوں کے لئے بھی ارشاد ہوئی ہے۔ یہی صورت ان لوگوں کے لئے بھی فرمائی گئی ہے جن کو اگر کسی بے جا حرکت پر خدا رسول سے ڈرایا جائے تو پرواہ نہ کریں اور کبھی اس بدی کو نہ چھوڑیں لیکن اگر کسی مخلوق یا حاکم سے ڈرا دیا جائے تو کانپ جائیں اور اس بدی سے باز آ جائیں وغیرہ وغیرہ جیسے امور عذابِ قبر کا سبب بنتے ہیں، اعاذنا اللہ منھا۔

ان سے بچنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ روزانہ سوتے وقت آدمی چند منٹ بیٹھ کر یہ سوچ لیا کرے کہ اس نے آج دن میں ان باتوں میں سے کون کون سی حرکت کی ہے اور سچے دل سے توبہ کر لیا کرے۔ توبہ کے بعد اگر سوتے ہوئے موت واقع ہو جائے گی تو وہ توبہ پر مرے گا۔ یہ رات اس کے لئے مبارک ہوگی اور عذابِ قبر سے محفوظ رہے گا۔ اور اگر زندہ رہا تو اس توبہ کی برکت سے وہ آنے والے دن میں نیکی کا استقبال کنندہ ثابت ہوگا اور روزانہ یہ سلسلہ جاری رہا تو زندگی ان معاصی سے ان شاء اللہ پاک ہو جائے گی۔ اور عذابِ قبر کا خطرہ نہیں رہے گا۔

وہ اعمال جو عذابِ قبر سے نجات کا ذریعہ ہیں

ان ذکر کردہ اعمالِ قبیحہ کے مقابلہ میں شریعت نے ان اعمال کی نشاندہی بھی فرمائی ہے جو عذابِ قبر سے نجات دلانے والے ہیں۔ ذکر اللہ میں مشغول رہ کر سونا، خواہ کوئی بھی اللہ کا نام ہو عذاب قبر سے امان ہے۔ سورۂ ملک کی سوتے وقت تلاوت کو قبر کے لئے روشنی اور چاندنا فرمایا گیا ہے جس سے ظلمتِ قبر رفع ہوتی ہے۔ اس سورۂ پاک کو منجیہ یعنی عذابِ قبر سے نجات دینے والی فرمایا گیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک شخص سے فرمایا کہ میں تجھے ایک تحفہ دیتا ہوں جس سے تجھے فرحت اور خوشی حاصل ہوگی اور وہ سورۃ ﴿تَبٰرَكَ الَّذِیْ﴾ ہے۔ اسے خود بھی یاد کر اور اپنے اہل و عیال کو بھی یاد کرا۔ اور گھر کے بچوں اور پڑوسیوں کو بھی حفظ کرا دے کہ یہ عذابِ قبر سے نجات دلانے والی سورت ہے۔ اور قیامت کے دن اپنے پڑھنے والے کے لئے حق تعالیٰ سے جھگڑے گی اور عذابِ نار سے بھی بچا لے جائے گی۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرا جی چاہتا ہے کہ یہ سورت ہر انسان کے دل میں محفوظ ہو۔ اسی طرح ایک طویل حدیث گزر چکی ہے جس میں مختلف اعمال کا تذکرہ گزر چکا ہے کہ انہوں نے قبر کے مختلف قسم کے عذابوں میں پھنسے ہوئے لوگوں کو عذاب سے بچا لیا۔

اسی طرح سورۂ الٓمّٓ السَّجدَہ کی تلاوت کو بھی جو سوتے وقت کی جائے عذابِ قبر سے نجات دہندہ فرمایا گیا ہے۔ اسی طرح حدیث میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ دجال کے فتنہ کے وقت لوگ کثرت سے عذابِ قبر میں مبتلا ہوں گے اور فتنۂ دجال سے بچاؤ کے لئے جمعہ کے دن سورۂ کہف کی تلاوت کو بطور علاج کے ذکر فرمایا گیا ہے۔ اس کا طبعی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سورۂ کہف کی تلاوت عذابِ قبر سے بچانے والی ہے۔

بہرحال نیند اور موت دونوں کو بھائی کہا گیا ہے۔ اس لئے سوتے وقت کے اعمالِ خیر موت و مابعد الموت کے وقت بھی خیر ثابت ہوں گے

اور ذریعۂ نجات بنیں گے۔ اس لئے سونے کے وقت کی دعائیں جو سنت سے ثابت ہیں اور علماء نے انہیں یکجا کر کے شائع بھی کر دیا ہے، ہر مسلم گھرانے میں رائج رہنی چاہئیں۔ جو ان شاء اللہ دنیا اور آخرت دونوں کو نور و برکت اور فرحت و مسرت سے بھر دیں گے۔

حق تعالیٰ ہم سب غلامانِ نبویؐ اور پیروانِ سنتِ مصطفویؐ کو اپنے غضب و قہر اور عذابِ نار و عذابِ قبر سے محفوظ رکھے اور سب کو حسن خاتمہ کی نعمت سے نوازے اور قبر و حشر کی پر از نعمت زندگی نصیب فرماوے، آمِیْن یَا رَبُّ الْعٰلَمِیْن.

برزخی مقام کی قطعی تعیین تکمیل اعمال یعنی موت کے بعد ہی ہوتی ہے

استدلال شرعی (مع اپنی تین قسموں کلی اور جزئی کے) کشف قبور جس کا طریقہ مراقبہ ہے مناماتِ صادقہ، عبرت و اعتبار اور عیان و مشاہدہ سے کشفِ مقامات برزخ کا کام نکل سکتا ہے۔ اس میں ایک بات ذہن میں اور آتی ہے اور وہ یہ کہ زندہ انسان کا برزخی مقام علمِ الٰہی میں تو طے شدہ اور معین ہے جو بطون حق میں صور علمیہ کی شکل میں موجود ہے لیکن خارج میں اور بالفاظِ دیگر برزخ میں زندہ کے انتقال سے پہلے یہ پورا مقام متشخص نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ برزخی مقامات کا تعلق اعمالِ دنیا سے ہے اور وہ موت سے پہلے مکمل اور مختتم نہیں ہوتے۔

اس لئے زندہ کا برزخی مقام بالاجمال تو کشف و منام سے منکشف ہوسکتا ہے لیکن مکمل طور پر سامنے نہیں آسکتا۔ ان طریقوں سے صرف اس کی مجموعی حیثیت و نوعیت منکشف ہوسکتی ہے۔ تشخص کے ساتھ ساری تفصیلات بظاہر نہیں کھل سکتیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ وَعِلْمُهٗ اَتَمُّ وَاَحْكَمُ.

نشانِ مردِ مؤمن با تو گویم — چو مرگ آید تبسم برلب او

(تمت کلام حضرت قاری محمد طیب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ وعلیٰ والدیہ)

شہداءِ اُحد

بیہقی سے مروی ہے کہ جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا ارادہ نہر کظامہ کے جاری کرنے کا ہوا تو اس کے بہنے کی جگہ شہداء احد کی قبریں واقع ہوئیں تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اعلان کرا دیا کہ احد میں جو لوگ شہید ہوئے تھے ان کے وارث سب یہاں آئیں اور اپنے اپنے لوگوں کو لے جا کر اور جگہ دفن کریں۔ لوگ آئے تو شہداء کو دیکھا کہ سب تر و تازہ ہیں اور بال بڑھے ہوئے ہیں۔ اتفاقاً ایک شہید کے پاؤں پر پھاوڑا پڑ گیا تو خون کا ایک فوارہ جوش مارنے لگا اور مٹی کھودنے کی حالت میں ایک جگہ سے جو مٹی کھودی تو تمام جگہ مشک کی خوشبو پھیل گئی۔ اس قصہ کو ابن ابی شیبہ نے بھی روایت کیا ہے۔ اور بیہقیؒ نے اس قصہ کو حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے اور اس میں اتنا زیادہ ہے کہ پھاوڑا حمزہ رضی اللہ عنہ کے پاؤں پر پڑا تھا۔

حامل قرآن کیلئے اللہ تعالیٰ کا زمین کو حکم:

طبرانیؒ نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب حامل قرآن مرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زمین کو حکم دیتا ہے کہ اس کے گوشت کو نہ کھانا زمین عرض کرتی ہے۔ اے اللہ! میں اس کے گوشت کو کیسے کھا سکتی ہوں، اس کے پیٹ میں تو آپ کا کلام ہے۔

ابن منذر کہتے ہیں کہ اسی مضمون کی احادیث ابوھریرہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے بھی آئی ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ اس حدیث میں حامل قرآن سے مراد ممکن ہے کہ صدیق ہوں کیونکہ قرآن پاک کی برکات ان کے ساتھ مخصوص ہیں اور ان کے سوا اور تو برائے نام ہی حامل قرآن ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''﴿لَا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ﴾'' یعنی نہ مس کرے قرآن کو سوائے پاک صاف لوگوں کے یعنی جو اخلاقِ رذیلہ سے پاک ہیں وہ مس کریں اور ایسا شخص صدیق ہوتا ہے۔

گناہ سے خالی آدمی:

مروزی نے بیان کیا کہ قتادہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ زمین اس شخص کے جسم پر قابو نہیں پا سکتی جس نے بالکل گناہ نہ کیا ہو۔ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ اس سے مراد اولیاء اللہ ہوں کیونکہ وہ گناہوں سے محفوظ ہوتے ہیں۔ ان کے قلوب اور اجسام دونوں میں ایسی صلاحیت آجاتی ہے کہ ان سے گناہ کا صدور نہیں ہوسکتا، واللّٰہ اعلم بالصواب.

شہداء کی حیات کو سمجھنا محض عقل کا کام نہیں ہے:

﴿وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴾۔ (لیکن تم سمجھ نہیں سکتے) یعنی چونکہ ان کی حیات اس قسم کی نہیں ہوتی کہ ہر شخص کو محسوس ہو اور نہ وہ کوئی ایسا امر ہے کہ عقل کی وہاں تک رسائی ہو بلکہ وحی سے یا ایسی فراستِ صحیحہ سے جو وحی سے حاصل ہو وہ حیات معلوم ہوسکتی ہے۔ اس لئے تم اس کو نہیں سمجھ سکتے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے۔ ضرور میری یہ خواہش ہے کہ میں اللہ کی راہ میں قتل کر دیا جاؤں پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں، پھر زندہ کیا جاؤں، پھر قتل کیا جاؤں۔ (بخاری ج ۱)

باغیوں اور ڈاکوؤں کا حکم:

حکومت اسلامیہ کے خلاف بغاوت میں قتل ہونے والے یا ڈاکہ زنی میں مارے جانے والے کہ ان مقتولوں پر نہ صرف یہ کہ شہید کے احکام جاری نہ ہوں گے بلکہ عام مسلمانوں کے احکام بھی ان پر جاری نہ ہوں، یعنی دوسروں کو عبرت دلانے کے لئے نہ ان کو کفن دیا جائے گا، نہ نماز جنازہ پڑھی جائیگی، نہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے گا۔ ﴿درس محمد احمد﴾

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ

اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے

وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ

اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے

وَالثَّمَرٰتِ

اور میووں کے

وقتاً فوقتاً امتحان ہوگا:

پہلے تو ان کا ذکر تھا جنہوں نے صبر کا اعلیٰ مرتبہ حاصل کیا یعنی شہداء اب فرماتے ہیں کہ تمہارا علی العموم تھوڑی تھوڑی تکلیف اور مصیبت میں وقتاً فوقتاً امتحان لیا جائے گا اور تمہارے صبر کو دیکھا جائے گا۔ صابرین میں داخل ہونا کچھ سہل نہیں، اسی واسطے پہلے سے متنبہ فرما دیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۵﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ

اور خوشخبری دے ان صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچے ان کو

مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾

کچھ مصیبت تو کہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر

اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۗ

جانے والے ہیں ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں اپنے رب کی

وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

اور مہربانی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر

صبر و شکر کا انعام:

یعنی جن لوگوں نے ان مصائب پر صبر کیا اور کفرانِ نعمت نہ کیا بلکہ ان مصائب کو وسیلۂ ذکر و شکر بنایا تو ان کو اے پیغمبر ہماری طرف سے بشارت سنا دو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں دو برابر کی چیزیں صلوات اور رحمت اور ایک درمیان کی چیز ہے یعنی ہدایت۔ ان صبر کرنے والوں کو ملتی ہے۔

حضرت امّ سلمہ کا واقعہ:

مسند احمد میں ہے حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں، میرے خاوند (حضرت) ابو سلمہ ایک روز میرے پاس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سے ہو کر آئے اور خوشی خوشی فرمانے لگے آج تو میں نے ایک ایسی حدیث سنی ہے کہ میں بہت ہی خوش ہوا ہوں۔ وہ حدیث یہ ہے کہ جس کسی مسلمان کو کوئی تکلیف پہنچے اور وہ کہے اَللّٰهُمَّ اٰجِرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْراً مِنْهَا. یعنی خدایا مجھے اس مصیبت میں اجر دے اور مجھے اس سے بہتر بدلہ عطا فرما تو اللہ تعالیٰ اسے اجر اور بدلہ ضرور ہی دیتا ہے۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں میں نے اس دعا کو یاد کر لیا۔ جب (حضرت) ابو سلمہؓ کا انتقال ہوا تو میں نے (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) پڑھ کر پھر یہ دعا بھی پڑھ لی لیکن مجھے خیال آیا کہ بھلا ابو سلمہؓ سے بہتر شخص مجھے کون مل سکتا ہے؟ جب میری عدت گزر چکی تو میں ایک روز ایک کھال کو دباغت دے رہی تھی جو آنحضور تشریف لائے اور اندر آنے کی اجازت چاہی۔ میں نے اپنے ہاتھ دھو ڈالے، کھال رکھ دی اور حضورؐ سے اندر تشریف لانے کی درخواست کی اور آپ کو ایک گدی پر بٹھا دیا۔ آپ نے مجھ سے اپنا نکاح کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے کہا حضور! یہ تو میری خوش قسمتی کی بات ہے لیکن اول تو میں بڑی باغیرت عورت ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ حضور کی طبیعت کے خلاف کوئی بات مجھ سے سرزد ہو جائے اور خدا کے ہاں عذاب ہو۔ دوسرے یہ کہ میں عمر رسیدہ ہوں، تیسرے بال بچوں والی ہوں۔ آپ نے فرمایا سنو، ایسی بے جا غیرت اللہ تعالیٰ تمہاری دور کر دے گا اور عمر میں کچھ میں بھی چھوٹی عمر کا نہیں اور تمہارے بال بچے میرے ہی بال بچے ہیں۔ میں نے یہ سن کر کہا پھر حضور

مجھے کوئی عذر نہیں۔ چنانچہ میرا نکاح اللہ تعالیٰ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ہو گیا اور مجھے اللہ تعالیٰ نے اس دعا کی برکت سے میرے میاں سے بہت ہی بہتر یعنی اپنا رسولؐ عطا فرمایا، فالحمدللہ۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

حضرت معاذؓ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا تعزیت نامہ

مروی ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کا ایک فرزند دلبند وفات پا گیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تعزیت نامہ لکھا اس میں یہ مضمون تھا کہ اے معاذ تمہارے بیٹے کو احکم الحاکمین نے بہت سے ثواب کے عوض لے لیا ہے اور وہ اجر صلوٰۃ اور رحمت اور ہدایت ہے مگر یہ سب کچھ جب ہے کہ تم نے اس مصیبت میں امید ثواب کی رکھی ہو اور واویلا اور جزع فزع نہ کی ہو۔

صابرین اور اہل آزمائش کی فضیلت:

صابرین اور اہل بلا کی فضیلت میں بیشمار احادیث وارد ہوئی ہیں۔ ہم یہاں نمونہ کے طور پر چند احادیث نقل کرتے ہیں۔

ترمذی نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے روز جب دنیا کے مصیبت زدوں کو ثواب ملے گا تو جو لوگ یہاں آرام یافتہ ہیں وہ یہ تمنا کرینگے کہ کاش ہماری کھال دنیا میں مقراض سے کاٹ دی جاتی کہ ہمیں بھی یہ نعمتیں ملتیں۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو جو رنج یا غم یا حزن یا کچھ تکلیف پہنچتی ہے حتیٰ کہ کانٹا بھی اگر پہنچتا ہے تو اس کے عوض میں اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرمادیتا ہے۔

اور محمد بن خالد سلمی اپنے باپ سے اور ان کے باپ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب بندہ کے مقدر میں کوئی مرتبہ لکھا ہوتا ہے اور عمل اس کے ایسے ہوتے نہیں کہ وہ مرتبہ اس کو ملے تو اللہ تعالیٰ اس کے بدن یا مال یا اولاد میں کچھ مصیبت پہنچا دیتا ہے وہ اس پر صبر کرتا ہے اور اس صبر کی بدولت اس مرتبہ پر پہنچ جاتا ہے اس حدیث کو احمد اور ابوداوٗد نے روایت کیا ہے اور سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی نے سوال کیا یا رسولؐ اللہ سب سے زیادہ بلا اور مصیبت میں کون رہتا ہے فرمایا انبیاء۔ پھر جو انبیاء سے کم ہیں اور دوں سے افضل ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

انّا للّٰہ پڑھنے کا اجر:

ابن ابی حاتم اور طبرانی اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مصیبت کے وقت: (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) پڑھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے اچھا بدل عطا فرماتا ہے اور اتنا دیتا ہے کہ وہ راضی ہو جاتا ہے۔ سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مصیبت میں جیسے کلمات اس امت کو تعلیم کئے گئے ایسے اور کسی کو نہیں سکھائے گئے۔ اگر سوائے امت محمدیہ کے کسی اور کو یہ کلمات عطاء کئے جاتے تو یعقوب علیہ السلام کو عطاء کئے جاتے مگر انہیں بھی نہیں بتائے گئے۔ چنانچہ یوسف علیہ السلام کے فراق میں انہوں نے (يٰٓاَسَفٰى عَلٰى يُوْسُفَ) (اے افسوس یوسف پر) فرمایا اگر یہ کلمات تعلیم کئے جاتے تو یہی کہتے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حدیث شریف میں ہے کہ ایک رات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دولت کدہ میں چراغ گل ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ کیا یہ بھی مصیبت ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ جو چیز باعثِ قلق ہو اور اس کو دل سے کچھ تعلق ہو اس کا جاتا رہنا مصیبت ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جوتی کا تسمہ ٹوٹ گیا تو آپ نے (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) پڑھا اور فرمایا کہ یہ بھی مصیبت ہے۔ حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کہیں سے تشریف لائے اور آپ کے انگوٹھے میں کانٹا چبھا ہوا تھا تو اس کے درد سے بار بار یہ کلمہ (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) فرماتے تھے۔

مصیبتیں گناہوں کا کفارہ ہیں:

ایک حدیث میں حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایمان والے پر پے در پے مصیبتیں پڑتی رہتی ہیں۔ کبھی صدمہ جان پر ہے کبھی مال میں نقصان ہے اور یہ اس کے گناہوں کا کفارہ ہوتی رہتی ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے پاس گناہوں سے پاک جاتا ہے۔

صبر والوں کیلئے بیت الحمد:

ایک صحابیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے بچہ کو دفن کیا۔ ابھی میں اس کی قبر میں سے نکلا تھا کہ ایک دوسرے صحابی نے فرمایا کہ میں تمہیں ایک خوشخبری سناؤں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک الموت سے دریافت فرماتے ہیں کہ تو نے میرے بندہ کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور اس کے کلیجہ کا ٹکڑا چھین لیا تو اس بندہ نے کیا کہا؟ وہ کہتے ہیں کہ خدایا تیری تعریف کی اور (اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) پڑھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناؤ اور اس کا نام بَیْتُ الْحَمْدُ رکھو۔

چار عادتیں:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ چار عادتیں جس میں جمع ہوجاویں اس کے لئے بہشت میں گھر بنتا ہے۔

اول یہ کہ اپنے سب کاموں میں اللہ تعالیٰ سے التجا کرے۔ دوسرے یہ کہ مصیبت میں (اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ) پڑھے۔ تیسرے یہ کہ نعمت الٰہی پر اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ کہے اور چوتھے یہ کہ جب کوئی گناہ اس سے ہوجائے تو اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ کہے۔ ﴿درس محمد احمد﴾

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ
بے شک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی

حج وعمرہ:

پہلے ذکر تھا تحویل الی الکعبہ کا اور کعبہ کے سب قبلوں سے افضل ہونے کا، اب اس کے محل ادائے حج وعمرہ ہونے کو بیان فرماتے ہیں تا کہ (وَلِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ) کی تصدیق اور تکمیل خوب ہوجائے یا یوں کہیے کہ اس سے پہلے صبر کی فضیلت مذکور تھی اب یہ فرمایا گیا کہ دیکھو صفا ومروہ جو شعائر اللہ میں داخل ہوئیں اور ان میں سعی کرنا حج وعمرہ میں ضروری ہوا اس کی وجہ یہی تو ہے کہ یہ فعل صابرین یعنی حضرت ہاجرہ اور ان کے صاحبزادہ حضرت اسمٰعیل کے آثار میں سے ہے حدیث وتفسیر وتاریخ میں یہ قصہ مصرح مذکور ومشہور ہے جس کے دیکھنے سے (اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ) کی تصدیق ہوتی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اساف اور نائلہ:

سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ اساف اور نائلہ دو مرد وعورت تھے۔ ان بدکاروں نے کعبہ میں زنا کیا، خدا نے انہیں پتھر بنا دیا۔ قریش نے انہیں کعبہ کے باہر رکھ دیا تا کہ عبرت ہو لیکن کچھ زمانے کے بعد ان کی عبادت شروع ہو گئی اور صفا ومروہ پر لا کر نصب کر دیئے گئے اور ان کا طواف شروع ہو گیا۔

شانِ نزول:

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قریش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہنے لگے آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ وہ صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے۔ ہم اس سے گھوڑے اور ہتھیار وغیرہ خریدیں اور تیرا ساتھ دیں اور ایمان بھی لائیں۔ آپ نے فرمایا یہ پختہ وعدہ کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں پختہ وعدہ ہے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی حضرت جبرئیلؑ آئے اور فرمایا تمہاری دعا تو قبول ہے لیکن اگر یہ لوگ پھر بھی ایمان نہ لائے تو ان پر خدا کا وہ عذاب آئے گا جو آج سے پہلے کسی پر نہ آیا ہو۔ آپ کانپ اٹھے اور عرض کرنے لگے، نہیں خدایا تو انہیں یونہی رہنے دے میں انہیں تیری طرف بلاتا رہوں گا، کیا عجب آج نہیں کل اور کل نہیں پرسوں ان میں سے کوئی نہ کوئی تیری طرف جھک جائے۔ اس پر یہ آیت اتری کہ اگر انہیں قدرت کی نشانیاں دیکھنی ہیں تو کیا یہ نشانیاں کچھ کم ہیں؟ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

بخاری ومسلم میں ہے کہ عروۃ بن الزبیرؓ نے عائشہ صدیقہؓ سے عرض کیا کہ (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا) (کوئی گناہ نہیں کہ صفا اور مروہ کا طواف کرے) سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ صفا اور مروہ کے درمیان سعی واجب نہیں۔ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اے میرے بھانجے آیت کا یہ مطلب نہیں جو تو نے سمجھا۔ اگر آیت کا وہ مطلب ہوتا جو تو نے بیان کیا تو عبارت قرآنی اس طرح ہوتی (فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ لَّا يَطَّوَّفَ بِهِمَا) یعنی اس شخص پر کوئی گناہ نہیں جو صفا اور مروہ کا طواف نہ کرے اور یہ آیت انصار کے بارے میں نازل ہوئی جن کا قصہ یہ ہے کہ انصار قبل از اسلام منات کی عبادت کرتے تھے اور جب مسلمان ہوئے اور سعی بین الصفا والمروہ کا حکم ہوا تو کفار کی مشابہت کی وجہ سے دل تنگ ہوئے اس پر یہ آیت نازل ہوئی (بخاری ومسلم) ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ
سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ تو کچھ گناہ نہیں
عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ۭ وَمَنْ تَطَوَّعَ
اس کو کہ طواف کرے ان دونوں میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے
خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ۝
کچھ نیکی تو اللہ قدرداں ہے سب کچھ جاننے والا ہے

صفا مروہ کے بارے میں انصار کے وہم کا ازالہ:

صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں مکہ میں اہل عرب حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ہمیشہ حج کرتے رہے اور حج کرتے تو ان دو پہاڑیوں کا بھی طواف کرتے کفر کے زمانہ میں ان دو پہاڑیوں پر کفار نے دو بت رکھے تھے ان کی تعظیم کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لئے ہے جب لوگ مسلمان ہوئے اور بت پرستی سے تائب ہوئے تو خیال

ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہئے یہ ان کو معلوم نہ تھا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو اصل میں حج کے لئے تھا کفار نے اپنی جہالت سے بت رکھ چھوڑے تھے وہ دور ہو گئے اور انصار مدینہ چونکہ کفر کے زمانہ میں بھی صفا اور مروہ کے طواف کو برا جانتے تھے تو اسلام کے بعد بھی ان کو اس طواف میں خلجان ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ہم پہلے سے اس کو مذموم جانتے ہیں اس پر یہ آیۃ نازل ہوئی اور فریق اول اور ثانی دونوں کو بتلا دیا گیا کہ صفا و مروہ کے طواف میں کوئی گناہ اور خرابی نہیں، یہ تو اصل سے اللہ کی نشانیاں ہیں ان کا طواف کرنا چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت عائشہؓ کا واقعہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ فرماتی ہیں کہ میں مکہ آئی اور میں اس زمانہ میں حائضہ تھی اسی لئے میں نے نہ خانہ کعبہ کا طواف کیا اور نہ صفا و مروہ میں سعی کی اور میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا حال عرض کیا تو آپ نے فرمایا تم تو سوائے خانہ کعبہ کے طواف کے اور سب کام ایسے ہی کرو جیسے حاجی کرتے ہیں اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

صفا اور مروہ پر سنت عمل:

سنت یہ ہے کہ جب صفا پر ٹھیرے تو تین مرتبہ تکبیر کہہ کر پڑھے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْر اور پھر دعا مانگے اسی طرح تین مرتبہ کرے اور ایسا ہی مروہ پر بھی کرے اور جب صفا سے اترنے لگے تو دوڑے نہیں بلکہ اپنی چال چلے جب بطن وادی میں پہنچے تو دوڑے جب اس سے نکل کر مروہ پر چڑھے تو پھر دوڑ نا موقوف کر دے اور اپنی چال چلے۔ صحیحین میں جابرؓ سے ایسا ہی مروی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

حج بیت اللہ

از ''سائنس اور اسلام'' ص ۳۵۲ تا ۳۶۶

حضرت افغانی رحمۃ اللہ علیہ

اسلامی عبادات میں حج بیت اللہ ایک ایسی عبادت ہے کہ مستشرقین یورپ نے سب سے زیادہ اعتراض کا مورد اسی کو بنایا ہے۔ درحقیقت مستشرقین کی استشراقی سرگرمیوں کا محوری نکتہ اور مقصد علمی تحقیق کم اور اعتراضی پہلو زیادہ ہوتا ہے، جس سے ان کا مقصود مسلمانوں کے قلوب سے اسلامی عبادات کی عظمت کو ختم کرنا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تحریک علمی کم اور سیاسی زیادہ ہے۔ اس لئے انہوں نے زبان و قلم دونوں سے اس پروپیگنڈہ کو زور شور سے پھیلایا کہ اسلامی عبادات میں حج ایک نامعقول فعل و عمل ہے۔ اسلام کے متعلق مسیحیوں کی یہ دریدہ وہنی صلیبی جنگوں سے بہت پہلے شروع ہو چکی تھی، لیکن دور حاضر میں مخصوص مصلحت اندیشیوں کے تحت اس فتنہ نے استشراق کا علمی لبادہ پہن لیا۔ تاکہ زیادہ جاذب توجہ ہو سکے۔ صلیبی جنگوں سے بہت پہلے شام کے ایک نابینا شاعر اسی فتنہ سے متاثر ہو کر طنزاً کہہ چکا ہے۔

وَقَوْمٌ اَتَوْا مِنْ اَقَاصِى الْبِلَادِ   لِرَمْىِ الْجِمَارِ وَشَمِّ الْحَجَر

فَوَا عَجَبًا مِنْ مَقَالَتِهِمْ   أَيَعْمٰى عَنِ الْحَقِّ كُلُّ الْبَشَر

''مسلمان قوم دور دراز ممالک سے سنگریزوں کے پھینکنے اور حجر اسود کو بوسہ دینے کے لئے آتی ہے اور اس وقت جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ قابل تعجب ہے۔ کیا حق سے ساری دنیا اندھی ہو چکی ہے۔''

یہ شاعر ابو العلاء المصری ہے، جس کی ولادت ۳۵۳ھ اور وفات ۴۴۹ھ کو ہوئی ہے اس سے اس فتنہ کی قدامت ثابت ہوتی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی عبادات میں حج چونکہ سب سے زیادہ بین الاقوامی حیثیت رکھتا ہے۔ جس کو مسیحیوں کا سیاسی مزاج برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ اس لئے سارا زور قلم انہوں نے اسی کے خلاف صرف کیا۔ جس طرح جہاد کو انہوں نے ہدف طعن بنایا تھا۔ جس کا ان کے مقلد مسلمانوں پر یہ اثر پڑا کہ وہ اس کے نام لینے سے بھی شرمانے لگے، اور اسلام کی اس عظیم طاقت کو انہوں نے تاویلات کے شکنجے میں جکڑ کر اس کی اصلی روح کو ختم کر دیا۔

حج اور جہاد اسلام کی وہ زبردست دو طاقتیں ہیں۔ جو مسیحی اقوام کے سیاسی مزاج کے لئے خطرہ ہیں۔ وہ مسلمانوں کی رگ حیات کو خوب جانتے ہیں۔ اس لئے وہ اسی مقام پر اپنا نشتر اعتراض چبھو دیتے ہیں۔ جس سے وہ ہماری حیات ملی کا خاتمہ کر سکتے ہیں۔ اس لئے میں نے ضروری سمجھا کہ فلسفہ حج کے متعلق کچھ ضروری امور بیان کر دوں تاکہ اس قسم کی غلط اندیشیوں کا خاتمہ ہو اور اصلی حقیقت کسی حد تک سامنے آ جائے۔

مقام حج

حج کی اہمیت کے پیش نظر کتاب و سنت نے اس کو اسلامی زندگی کا اہم جز قرار دیا ہے۔

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ۝

القرآن ترجمہ:۔ اللہ کی طرف سے لوگوں پر ایک خاص گھر کا حج فرض ہے جس کو وہاں پہنچ جانے کی طاقت ہو، اور جو کفر اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ سارے جہانوں سے بے نیاز ہے۔"

اس آیت میں فرضیت حج کے ساتھ ساتھ ترک حج کے لئے ایسی شدید تعبیر اختیار کی گئی جس نے اسلامی زندگی کے لئے حج کو بہت ضروری قرار دیا۔ یعنی ترک حج کے لئے وَمَنْ لَمْ یَحُجَّ یعنی جو کوئی حج نہ کرے یہ تعبیر اختیار نہیں کی گئی بلکہ اس کی بجائے یوں فرمایا۔ وَمَنْ کَفَرَ یعنی جو کفر اختیار کرے، جس میں یہ بتانا مقصود ہے کہ استطاعت کے باوجود ترک حج ایک کافرانہ فعل ہے، مومنانہ نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ حج اور ایمان میں کس قدر شدید تعلق ہے۔

ابوامامہ سے مسند امام احمد میں روایت ہے کہ جو مسلمان مرجائے اور بلا عذر حج ترک کر دے تو وہ یہودی اور نصرانی کی موت مرتا ہے، اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دو گروہ حج کے خلاف ہیں۔ کیونکہ مشرکین عرب قبل از اسلام بھی حج کرتے تھے۔

روح المعانی میں صحیح سند کے ساتھ فاروق اعظمؓ کا ایک فرمان منقول ہے کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ مسلمانوں کے شہروں میں اپنے عامل اور کارندے بھیج دوں تا کہ جو مسلمان استطاعت کے باوجود حج نہ کرتا ہو ان پر جزیہ لگائے، کیونکہ وہ مسلمان نہیں۔

اس سے حج کا مقام بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا، اب حج کا تعلق چونکہ بیت اللہ اور خانہ کعبہ سے ہے، اس لئے حقیقت کعبہ کے متعلق کچھ عرض کرنا چاہتا ہوں۔ تا کہ بیت اللہ اور خانہ کعبہ کے متعلق صحیح اسلامی تصور ذہن میں جم جائے۔

حقیقت کعبہ

آگے چل کر ہم بیان کریں گے کہ محبت الٰہی جو فطرت انسانی میں داخل ہے اس کی تکمیل اور تشنگی بجھانے کے لئے ایک مرکز کا ہونا ضروری ہے تا کہ وہ تصور محبت کے لئے ایک ٹھکانہ ہو۔ اس مرکزیت کے انتخاب کے لئے اسلام نے ضروری سمجھا کہ وہ مرکز مظہر تجلی الٰہی تو ضروری ہو، لیکن بت یا بت کا مشابہ اور مماثل نہ ہو، تا کہ خدا پرستی بت پرستی کی شکل اختیار نہ کرنے پائے اور اسلامی توحید صنمیت (بت پرستی) سے آلودہ نہ ہو اور ذات حق کی شان تنزیہ قائم رہے۔

علم الاصنام سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ تاریخ بشریت کے آغاز سے اللہ کے سوا جن اشیاء کو اب تک معبود بنایا گیا ہے وہ ایسی چیزیں تھیں، جن میں مندرجہ ذیل خصوصیات موجود تھیں۔

۱۔ مبصریت یعنی نظر آنے والی چیز۔ ۲۔ لونیت یعنی رنگدار ہونا۔ ۳۔ کثافت یعنی ایسا جسم ہونا جو لطیف اور غیر مرئی نہ ہو۔

زمینی بت اور آسمانی سیارے سب اسی دائرے کی چیزیں ہیں کہ نظر بھی آتی ہیں۔ رنگدار بھی ہیں اور غیر مرئی بھی نہیں۔

اسلام نے مرکز محبت کے لئے ایسی چیز کا انتخاب کیا ہے جو بتوں سے ان تین خصوصیات میں بالکل جدا اور مبائن ہے۔ اور وہی چیز حقیقت کعبہ ہے۔ یعنی خانہ کعبہ کی چار دیواری کے درمیان جو فضا ہے اور جو اوپر کو غیر محدود مقام تک چلی گئی ہے۔ وہی حقیقت کعبہ ہے۔ باقی چھت اور چار دیواری اس فضاء کی تعین کے لئے کھینچی گئی ہے تا کہ تجلی گاہ الٰہی کی یہ فضا دوسری فضا سے مخلوط نہ ہونے پائے یہی وجہ ہے کہ خود اسلامی دور میں عبد اللہ بن زبیرؓ نے تعمیر کعبہ کے سلسلہ میں پرانی دیواریں اور چھت گرائی اور از سر نو خانہ کعبہ کو تعمیر کیا۔ اسی طرح اس کے بعد حجاج ابن یوسف الثقفی نے خلیفہ عبد الملک کے حکم سے ابن زبیر کے بنا کردہ خانہ کعبہ کو گرایا اور نئے سرے سے خانہ کعبہ کی تعمیر کی۔ ان دو واقعوں کے دوران چھت اور چار دیواری باقی نہ رہی، لیکن مسلمانوں نے قبلہ رخ ادائیگی نماز کو اسی طرح جاری رکھا۔ اور نماز کو ملتوی کرنے کا کوئی اعلان نہیں کیا گیا، جو اس امر کی دلیل ہے کہ عمارت گرا دینے کے باوجود حقیقی کعبہ باقی تھا جو فضائے کعبہ ہے اس کے علاوہ ہم ابوقبیس یا قسیقعان پہاڑ پر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ جو خانہ کعبہ کی چھت سے بہت بلند ہے۔ اس لئے ان پہاڑوں کی چوٹی پر جو نمازی ہو تو اس کے بالمقابل عمارت کعبہ سامنے نہیں آتی۔ بلکہ کعبہ کی چار دیواری اور چھت نیچے رہ جاتی ہے اس کے علاوہ زمین گول ہے۔ لہٰذا دور علاقے کا اگر کوئی آدمی ہموار زمین پر بھی نماز پڑھ لے تو کعبہ کی عمارت سامنے نہ ہوگی لیکن کعبہ کی دیواروں کے درمیان گھری ہوئی فضا جو آسمانوں تک گئی ہے وہ ہر حال میں سامنے رہے گی اور یہ فضا حقیقی کعبہ ہے چھت کا ڈالنا بالائی تحدید کے لئے نہیں بلکہ اس لئے تا کہ دیواروں کی حفاظت ہو۔

اس پر ہوائی جہاز کی نماز کو قیاس کرو، کہ اس میں سمت قبلہ کو اگر چہ عمارت موجود نہیں لیکن فضا ضرور موجود ہے جو کہ حقیقی کعبہ کا اسلامی تصور واضح ہو گیا۔

مرکزیت محبت کے لئے فضا کا انتخاب

جب یہ معلوم ہوا کہ حقیقی کعبہ بیت اللہ کی معین فضا ہے اور فضا یا ہوا ایک ایسی چیز ہے جو بت پرستانہ خصوصیات سے پاک ہے فضا میں نہ مبصریت

ہے کیونکہ فضا نظر نہیں آتی، نہ کثافت ہے، بلکہ لطافت ہے اور نہ لونیت یعنی رنگ ہے یہی وجہ ہے اگر آج تک کسی قوم نے فضا یا ہوا کی عبادت نہیں کی۔ اس انتخاب میں ایک طرف فطرت انسانی کا لحاظ ہے کہ اس کے تصور محبت کے لئے ایک معین ٹھکانہ ہو، اور دوسری طرف ذات حق اور محبوب حقیقی سے بھی ایک درجہ میں مناسبت ہے کہ رنگدار اور کثیف نہ ہونے کی وجہ سے (لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ) کہ اسے آنکھیں نہیں دیکھتیں کا مصداق ہے۔

مناسک حج اور افعال حج کو چونکہ اسی حقیقی کعبہ سے تعلق ہے۔ لہٰذا ہم اسلام کے اس عظیم رکن حج کا فلسفہ اور اس کے اسرار و حکم اختصار کے ساتھ بیان کرتے ہیں تاکہ ذہن میں حج کی معقولیت کا تصور جم جائے۔

پہلی حکمت

انسان کائنات عالم کی ایک شریف ترین ہستی ہے۔ اور اس کی فطرت میں مخصوص محبت داخل ہے، جس کا نام محبت لطیفہ ہے۔ محبت اگر مادیات سے ہو تو وہ محبت کثیفہ ہے۔ اس میں حیوان اور انسان مشترک ہیں۔ کیونکہ انسان بھی حیوانات کی طرف ایک جسم مادی رکھتا ہے تو حیوانات کے ساتھ اس وصف میں اس کا اشتراک لازمی ہے حیوان کو کھانے کی چیزوں سے محبت ہے۔ پینے سے محبت ہے، اولاد سے محبت ہے، ان ساری محبتوں میں انسان ان کا شریک ہے اور اسی کا نام محبت کثیفہ ہے۔

محبت کی دوسری قسم محبت لطیفہ ہے جو صرف انسانی خصوصیت ہے، اور روح انسانی کی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ لطیف اور نا محسوس اشیاء سے محبت کرتی ہے۔ مثلاً انسان کو خود اپنی روح سے محبت ہے علم سے محبت ہے، اپنی بصارت یعنی قوت بینائی سے محبت ہے، اور یہ سب چیزیں لطیف اور ماوراء حق ہیں۔

محبت لطیفہ کی اعلیٰ قسم

محبت لطیفہ کی اعلیٰ قسم خداوند تعالیٰ کی محبت ہے کیونکہ محبوب سب سے اعلیٰ ہے اور یہ محبت بھی فطرت انسانی میں داخل ہے انسان نے تاریخ کے ہر دور میں اللہ تعالیٰ سے محبت کا اظہار کیا ہے اور اسی محبت کے فطری جذبہ کی تکمیل کے لئے اس نے عبادت گاہیں، کسی نے مسجد کسی نے مندر کسی نے گرجا کی تعمیر کی ہے اس میں صرف اہل اسلام نے محبت الٰہی کے صحیح مقام کو پایا اور باقی اقوام نے اصل مقام سے بھٹک کر محبت الٰہی کا غلط تصور اختیار کیا۔ لیکن محبت الٰہی صحیح ہو یا غلط دونوں صورتوں میں محبت الٰہی کے فطری ہونے کا ثبوت بہم پہنچاتی ہے۔ محبت کھری ہو یا کھوٹی ہو پھر بھی اصلی محبت کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا، بلکہ محبت الٰہی کی غلط قسم خود محبت کی صحیح قسم کے موجود ہونے کی دلیل ہے۔ اگر کسی جگہ کھوٹا روپیہ یا جعلی نوٹ استعمال ہو تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اصلی نوٹ یا کھرا روپیہ بھی اپنی جگہ موجود ہے اور یہ جعلی اور کھوٹا سکہ اس کے خلاف ہے۔ باطل کی موجودگی حق کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ ورنہ حق و باطل کی تقسیم ہی بیکار ہو جائے گی۔

جب یہ ثابت ہوا کہ جس طرح محبت کثیفہ جسمانی اعتبار سے فطری ہے اور ہر کوئی کھانے پینے اور جنسی میلان سے محبت رکھتا ہے تو اسی طرح روحانی حیثیت سے انسانی کے لئے محبت الٰہی بھی فطری ہے اور جس طرح قدرت نے محبت کثیفہ مادیہ کے لئے سروسامان کا انتظام کیا ہے اور زمین پر کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا دسترخوان قدرت نے انسان کے لئے بچھا دیا ہے اسی طرح محبت لطیفہ کے فطری تقاضا کی تکمیل کے لئے بھی قدرت نے انتظام کیا ہے کیونکہ یہ روحانی تقاضا جسمانی تقاضا سے اہم اور قیمتی ہے۔

محبت روحانیہ لطیفہ کی تکمیل

خداوند تعالیٰ کے ساتھ ہر انسان کو محبت ہے اگرچہ چند ایسے لادین اور دہریہ افراد بھی موجود ہوں کہ ان کو خدا سے محبت نہ ہو بلکہ سرے سے خدا سے انکار ہو تو اس سے محبت الٰہی کے فطری ہونے پر اثر نہیں پڑتا، بلکہ ان کو روحانی مریض اور قلب و دماغ کا بگڑا ہوا شخص تصور کیا جائے گا۔ جیسے بعض مریضوں کو بوجہ مرض کھانے کا شوق باقی نہیں رہتا، اور نہ طبیعت میں غذا کھانے کی طرف میلان ہوتا ہے تو اس سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ غذاء فطری کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ سمجھا جاتا ہے کہ مزاج بدنی اعتدال پر نہیں اور وہ مریض ہے۔ یہی حال روحانی مزاج کا ہے۔ جب وہ اپنے فطری تقاضا محبت الٰہی سے بیزار ہو جاتا ہے تو یہی سمجھا جائے گا۔ کہ اس کا روحانی مزاج اعتدال سے ہٹا ہوا ہے اور اس کی روح اور قلب و دماغ مریض ہے۔

مرکزیت کعبہ کی ضرورت

محبت الٰہی میں چونکہ محبت مکانی اور زمانی ہے اور محبوب حقیقی غیر زمانی و غیر مکانی ہے۔ اس کے علاوہ وہ ماوراء تصور ہے لہٰذا دونوں میں کامل بعد اور عدم تناسب ہے۔ اس لئے ضرورت ہوئی کہ شان تنزیہہ اور کبریائی کو قائم رکھتے ہوئے مخلوقات باری میں کعبہ حقیقی (فضاء بیت اللہ) کو وہ اپنے انوار و تجلیات خاصہ کا مظہر بنائے، تاکہ مکان و زمان کی نقاب میں آ کر وہ انوار و تجلیات انسان کے تصور محبت کے لئے تسکین کا سامان ہوں اور ارتباط محبت کے استحکام کا ذریعہ بنیں۔ وہ مظہر تجلی تمام ضمنی خصوصیات سے مبرا ہو، اس مظہر تجلی الٰہی کے ساتھ جو محبانہ اور عاشقانہ عمل بطور عبادت وابستہ کیا

جائے، مثلاً حج اس کے تمام اعمال ومناسک بھی ایسے ہوں کہ وہ واحد لا شریک ذات یعنی صاحب تجلّی کے لئے ہوں، کعبہ اور تجلّی گاہ کے لئے نہ ہوں، کیونکہ تجلّی گاہ یعنی کعبہ خود مخلوق اور عبد ہے نہ کہ معبود، حضرت فاروق اعظمؓ نے حجر اسود کو جو کعبہ کا مقدس ترین حصہ ہے مخاطب کر کے مجمع عام میں فرمایا: وَا اللّٰهِ اِنَّکَ لَحَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ لَوْ لَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَکَ مَا قَبَّلْتُکَ (بخدا میں جانتا ہوں کہ تو پتھر ہے، نہ فائدہ دے سکتا ہے، اور نہ نقصان اگر حضورؐ تجھ کو بوسہ نہ دیتے تو میں تجھ کو ہرگز بوسہ نہ دیتا) یعنی میرا عمل حضورؐ کے عمل کی پیروی ہے، اور حضور کا عمل اس لئے نہ تھا کہ خود حجر اسود محبوب ہے۔ بلکہ محبوب حقیقی کی محبت کی علامت ہے۔ یہی راز ہے کہ حج کے تمام اعمال میں جو مسلسل عمل ہے وہ تلبیہ ہے یعنی لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَالنِّعْمَةَ لَکَ وَالْمُلْکُ لَا شَرِیْکَ لَکَ (حاضر ہوں اے اللہ حاضر ہوں تیرا کوئی شریک نہیں حاضر ہوں سب تعریف سارا احسان تیرا ہی ہے سلطنت تیری ہی ہے تیرا کوئی شریک نہیں)

یہی وہ الفاظ ہیں جن کو بار بار حاجی دہراتا ہے۔ اور جن میں اللہ کی کبریائی کا اعلان ہے۔ تمام حجاج تلبیہ کہہ کر بار بار یہ اعلان کرتے ہیں کہ ساری طاعت، نعمت، حمد واختیار صرف ذات رب العالمین کے لئے ہے۔ اور اس کا کوئی شریک نہیں۔

حج کے تمام اذکار میں الٰہی عظمت وتوحید کا یہ ورد وتکرار جاری رہتا ہے۔ اور ان میں ایک لفظ بھی خانہ کعبہ یا حجر اسود یا حج سے متعلقہ مقامات کی مدح وتعریف کے لئے موجود نہیں تاکہ غیر اللہ کی پرستش کا ادنیٰ توہم بھی پیدا نہ ہوسکے۔

انسان کے ہر فطری جذبہ کے جداگانہ مقتضیات ہیں اور ان تقاضوں کی تکمیل کا تعلق ایک خاص دائرہ عمل سے وابستہ ہے۔ ایک ریاضی دان کے جذبہ حساب دانی کی تکمیل مشکل سوالات کے حل کر دینے سے ہوگی۔ موسیقی کے نغموں سے نہ ہوگی۔ لیکن جذبہء موسیقیت کی تکمیل سوالات حساب کے حل سے نہ ہوگی۔ نغمہ سنجی اور سازنوازی سے ہوگی۔ اسی طرح عشق الٰہی کے جذبہ کی تکمیل کے تقاضے خستہ حالی بے سروسامانی، ترک عیش وطرب، خودرفتگی اور محبوب حقیقی میں محویت کے عاشقانہ حرکات اور والہانہ اداؤں سے پورے ہوں گے۔ جس کو ناآشنایان کوچہ عشق ومحبت جنون سے تعبیر کرتے ہیں۔

زرمز زندگی بیگانہ تر باد کسے کہ عشق را گوید جنون است

حج بیت اللہ کی دوسری حکمت ... مرکزیت

ملک اسلامیہ کی حیاۃ دینی ودنیوی کے لئے افراد ملت کے ارتباط باہمی اور نظم واتحاد کی اشد ضرورت ہے عقائد وافکار واعمال کی معنوی ربط اس وقت تک منضبط نہیں ہوسکتی۔ تاوقتیکہ اس نامحسوس ربط ویگانگت کو محسوس قالب میں نہ ڈھالا جائے اور ان سب کو ایک جیسے اعمال وحرکات وطرز لباس کے ساتھ ساتھ ایک مرکزیت محسوسہ محبوبہ کے ساتھ وابستہ نہ کیا جائے تنظیم ملت ایک مرکز محسوس کا تقاضا کرتی ہے کہ افراد ملت کے لئے اس کے ساتھ خصوصی عقیدت اور شیفتگی ہو، اور اس کے ساتھ وابستگی کا ایک سالانہ بین الاقوامی مظاہرہ ہوتا کہ مرکز سے انضباط کا جذبہ کمزور نہ ہونے پائے اور مرکزی حکومت کا جوش قلوب واذہان میں تازہ اور زندہ رہے۔ جس کے لئے فریضہ حج کے سالانہ اجتماع کی شکل میں انتظام کیا گیا۔ تاکہ مرکزیت ملی کی عظمت وعقیدت تازہ رہے۔ اس کے علاوہ اس جذبہ کی بقاو حیات کے لئے روزمرہ کے اسلامی معمولات میں بھی حکیمانہ قوانین نافذ کئے گئے، تاکہ تصور مرکزیت میں ضعف نہ آنے پائے۔

(فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ) کے الٰہی قانون کے تحت حکم دیا گیا کہ پنجگانہ نمازوں بلکہ ہر نماز میں تمہارا رخ ملی مرکز کی طرف ہو، اور لَا تَسْتَقْبِلُوْا الْقِبْلَةَ وَلَا تَسْتَدْبِرُوْهَا۔ میں مرکز ملی کے ادب وعظمت کے پیش نظر یہ حکم دیا گیا کہ قضائے حاجت کے وقت مرکز ملی کی طرف رخ اور پیٹھ نہ ہو تاکہ اس وقت بھی تم کو اس کا احترام وادب ملحوظ رہے۔ یہاں تک کہ قبلہ کی طرف پاؤں پھیلانے اور تھوکنے تک کی بھی بندش کی گئی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارے دین کا ہر عمل اور خشک سے خشک عبادت بھی سراپا سیاست ہے۔ جس کو مغربی قومیں خوب سمجھتی ہیں۔ اس لئے مستشرقین ایسی ہی چیزوں کو مورد اعتراض بناتے ہیں تاکہ تنظیم ملت پارہ پارہ ہو۔

حج کی تیسری حکمت ـــــ مساوات

اسلام کا مقبول ترین اصول مساوات اسلامی ہے کہ کسی دین میں اس کی نظیر نہیں۔ مساوات ہی وحدت ملی کی سب سے بڑی قوت ہے، جس سے افراد ملت محبت باہمی کی کشش سے ایک دوسرے سے مربوط ہوسکتے ہیں اس کے برخلاف اگر افراد ملت کے امراء کو غرباء اور غرباء کو امراء سے نفرت ہو تو انضباط ملت کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی۔

اسلام نے نماز باجماعت، روزۂ رمضان، نماز عیدین، زکوٰۃ میں مساوات اسلامی کے پہلوؤں کو مختلف شکلوں میں پیش نظر رکھا، لیکن فریضہ

حج میں مساوات اسلامی کو ایک مکمل شکل دیدی گئی ہے، تاکہ اس عمل سے ایک ایک فرد ملت کے قلب و دماغ پر اسلامی برادری کی مساوات کا تصور پوری طرح جم جائے، ہر حج کرنے والا خواہ شاہ ہو یا گدا، امیر ہو یا غریب ایک جیسے لباس احرام میں ملبوس ہوا، اور سب کے سب جملہ تعیشات زندگی سے یکسو ہو کر سادہ لباس میں ایک ہی جگہ بارگاہ خداوندی میں حاضر ہوں، تاکہ ایک خاص وقت تک اس مساویانہ طرز زندگی سے مساوات اسلامی کا نقش دل پر جم جائے اور امیر و غریب کے مصنوعی تفاوت کا حجاب اسلامی برادری کی راہ اتحاد میں حائل نہ ہونے پائے۔ معاشی تفاوت خالق کائنات کی تکوینی حکمت کے تحت اگرچہ ضروری ہے۔ کیونکہ معاشیات جن علمی و عملی قوتوں سے وابستہ ہیں خود فطرتاً وہ قوتیں تمام انسانوں میں یکساں نہیں تفاوت میں اسی معاشی تفاوت نے ایک دوسرے کا محتاج بنا دیا ہے۔ اور یہ احتیاج بھی فی الحقیقت یکطرفہ نہیں بلکہ دوطرفہ ہے تاکہ حاجت مندی میں بھی مساوات رہے مثلاً ہم اگر درزی سے کپڑے سلواتے ہیں یا دھوبی سے دھلواتے ہیں تو درزی اور دھوبی رقم اجرت کے محتاج ہیں۔ لیکن ہم خود ان کے عمل کے محتاج ہیں اسی دوطرفہ احتیاج نے متفاوت افراد کو ایک دوسرے کے ساتھ جوڑ دیا ہے۔ (لِّيَتَّخِذَ بَعْضُهُم بَعْضًا سُخْرِيًّا) جس سے معلوم ہوا کہ معاشی تفاوت بھی تنظیم کا سبب ہے۔ لیکن اس تفاوت سے دولت مند افراد میں جو خودسری، تکبر اور غرور پیدا ہوتا ہے، وہ تنظیم ملت کیلئے زہر قاتل ہے اس لئے اسلام کے عباداتی نظام میں بھی اس خرابی کو دور کرنیکا انتظام کیا گیا جس کی ایک شکل حج کا ایک مساویانہ طرز زندگی ہے۔

حج کی چوتھی حکمت.... سفر آخرت کا نقشہ

انسان کے قلب و دماغ پر جس قدر آخرت کا تصور غالب ہو اسی قدر وہ نیکوکار پاکیزہ اطوار اور خدا ترس ہوتا ہے۔ اور جس قدر تصور آخرت سے غفلت ہو، اسی قدر وہ فسق و فجور ظلم و ستم فتنہ و فساد سیاہکاریوں اور بدکاریوں میں ملوث ہوتا ہے۔ اس لئے فکر و عمل کی پاکیزگی کے لئے آخرت اور یوم الحساب کا نقشہ ذہن میں جمانا ضروری ہو جاتا ہے۔ تاکہ اصلاح عمل و درستی کردار کا سامان ہو، اعمال حج میں سفر آخرت کی پوری تصویر ہے، سفر آخرت موت سے شروع ہوتا ہے جس میں آدمی وطن و اولاد اور اقارب سے جدا ہوتا ہے۔ حاجی جب گھر سے نکلتا ہے اور اولاد، وطن، احباب کو چھوڑتا ہے تو یہ موت کا نمونہ ہے۔ لباس احرام یعنی دو چادریں جن میں ملبوس ہو کر اعمال حج ادا کئے جاتے ہیں۔ یہ نمونہ کفن ہے۔ جس کو ہر وقت حاجی دیکھ کر کفن کی یاد تازہ کر سکتا ہے۔ حاجی کی سواری جس پر بیٹھ کر وہ سفر حج کرتا ہے اس کو اپنا مال و انجام یاد دلاتی ہے کہ کسی دن دوسرے کے کندھوں پر اسی طرح تمہارا جنازہ سوار ہو کر اسی طرح عازم سفر آخرت ہوگا، عرفات اور مزدلفہ کے میدان میں حاجیوں کا اجتماع میدان حشر کے اجتماع کی یاد دلاتا ہے، اسی طرح قدم قدم پر حاجی کے لئے سفر آخرت کا کوئی نہ کوئی نمونہ موجود ہے۔ جس کو دیکھ کر دل و دماغ کو فکر آخرت سے معمور کیا جاتا ہے اور یہی فکر آخرت تمام نیک اعمال کی کنجی ہے۔

پانچویں حکمت.... ماحول کی تبدیلی

انسان اپنے ماحول کی پیداوار ہے وہ جس طرح کے ماحول میں پرورش پاتا ہے اسی طرح بن جاتا ہے، علم النفسیات کا یہ ایک مسلم مسئلہ ہے کہ انسان میں نقالی محاکات کا جذبہ موجود ہے وہ اپنی زندگی کے طور طریقے اور فعل و عمل کا ہر گوشہ اپنے ماحول کے مطابق بناتا رہتا ہے۔ اور جو کچھ وہ اپنے گرد و پیش دیکھتا ہے اسی کے موافق اپنی زندگی کا نقشہ بناتا ہے۔ اس لئے اصلاح زندگی کے لئے ایک وقت ایسا چاہئے کہ انسان کو فاسد اور بگڑے ہوئے ماحول سے اٹھا کر نیک اور صالح ماحول میں ڈال دیا جائے تاکہ اس صالح ماحول کے نقوش اس کے لوح حیات پر کندہ ہو کر اس کی زندگی کو بدل دیں۔ آغاز حج سے واپسی حج تک ایک ایسا ماحول ہے جو انسانی زندگی کا نقشہ بدل دیتا ہے۔ اور اس تبدیلی احوال کا نام حج مبرور ہے۔ یعنی مقبول حج کی علامت یہ ہے کہ حاجی کی بعد از حج زندگی قبل از حج زندگی سے بہتر ہو۔ معلوم ہوا کہ حج کو تبدیلی ماحول کی وجہ سے اصلاح معاشرہ میں بڑا دخل ہے۔

چھٹی حکمت..... جذبۂ سیاحت کی اصلاح

انسان کی فطرت میں سیاحت کا جذبہ موجود ہے جس کو روکنا خلاف فطرت ہے اس لئے اسلام نے اس کو روکا نہیں بلکہ ابھارنے کی ترغیب دی ہے اور قرآن نے (فَسِيحُوا فِي الْأَرْضِ) کا اعلان فرما کر اس جذبہ کی حوصلہ افزائی کی سیاحت کے ذریعہ مختلف ممالک کی گشت لگا کر جس طرح نیک آثار و اطوار اپنی ذات اور واپسی پر اپنے ملک کے افراد میں منتقل کئے جاسکتے ہیں۔ اسی طرح بد آثار بھی اسلام نے اس فطری جذبہ کے اصلاحی پہلو کو اختیار کیا، کہ علم و جہاد کے علاوہ سیاحت کو حج کی صورت میں متشکل کیا تاکہ حاجی مقبول اور برگزیدہ انسانوں کی جماعت میں شامل ہو کر مقبولان بارگاہ الٰہی کے ان آثار قدیمہ کے شعائر اللہ کے مشاہدے سے بہرہ اندوز ہو جس کی وجہ سے ان کے فکر و عمل کو صلاح و تقویٰ کی طرف موڑ دیا جاسکے اور

ان کے نمونہ زندگی سے ملک میں صالح معاشرہ کی تشکیل ہو سکے۔

ساتویں حکمت.... جذبہ جہاد کی نشوونما

دنیا کارزار عمل اور میدان کش مکش حیات ہے جو قوم اس جہان رزم و پیکار میں جس قدر زیادہ روح جہاد رکھتی ہو اور زیادہ سے زیادہ سامان جہاد سے آراستہ ہو وہ سر بلند کامیاب اور باعزت قوم ہوگی، اور اس سروسامان سے اگر محروم ہو تو وہ حیوانات کی طرف محکوم و غلام بن کر غیر اقوام کے منشاء کی تکمیل اور ان کی خوش عیشوں کے لئے آلہ کار ہو کر زندگی گذارتی رہے گی اور شرف انسانی کی بلندی سے گر کر قعر غلامی میں گرے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے زیادہ زور جہاد پر دیا، اور وہ "ذروة سنامه الجهاد" کہہ کر اس کو ملت اسلامیہ کی عزت اور سر بلندی کا واحد ذریعہ قرار دیا ہے۔ قرآن نے شہید کی موت کو موت کہہ دینے سے منع کیا ہے بلکہ اس کی ظاہری موت کو ایک عظیم الشان حیات کا ذریعہ قرار دیا ایسی حیات جس کی خوشحالیوں کا تصور انسانی شعور کے دائرہ سے خارج ہے۔ حدث نبوی نے اعلان کیا کہ شہید کو نہ موت کی تکلیف ہوگی اور نہ قبر کا عذاب۔ جہاد کے لئے چونکہ ظاہری سامان حرب وضرب بھی ضروری ہے۔ جس کی فراہمی کو اس لئے قرآن نے مسلمانوں پر سامان جنگ اور آلات حرب کی تیاری کو فرض قرار دیا ہے۔ (وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ) یعنی جس قدر تمہارا بس چلے تو اسی قدر سامان جنگ مہیا کرو اتنا سامان کہ اگر غیر مسلم اقوام تمہارے خلاف متحدہ محاذ بھی بنالیں تو وہ تمہارے سامان جنگ کی تیاری کو دیکھ کر مرعوب ہوں اور مقابلہ کو حوصلہ نہ کر سکیں۔

(تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ): لیکن ظاہری سامان کے علاوہ جہاد کے لئے باطنی روحانی اور اخلاقی ساز و سامان کی بھی ضرورت ہے۔ آلات جنگ کا استعمال انسانی جسم کرتا ہے اور جسم وبدن کی جنگی اعمال کا اصلی محرک روح ہے۔ روح اگر طاقتور ہو تو کم سامان سے بھی بہت کام لیا جاسکتا ہے۔

(كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ) "یعنی چھوٹا گروہ بڑے گروہ پر غالب آ سکتا ہے۔ اور اسلامی تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں نے روح کی بلندی اور ایمانی طاقت سے اپنے دس گنا بلکہ سو گنا طاقت کو شکست دی ہے، یہی روحانی وایمانی طاقت ہے جس کی نشوونما مسلمانوں کے لئے فتح وکامیابی کی کنجی ہے۔ اور صرف اسی قوت کے ذریعہ مسلمانوں کو اپنے دشمن پر غلبہ حاصل ہو سکتا ہے، اس لئے اس متاع عزیز کی حفاظت بے حد ضروری ہے، حج بیت اللہ میں ایسے ایمان اور اخلاقی قوت کی نشوونما اور بالیدگی کا پورا سامان موجود ہے بشرطیکہ حاجی ان تصورات کے تحت اعمال حج کو انجام دے۔

حج اور جہاد

جہاد میں اکثر بری و بحری تکلیفوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے راحت و آرام و سامان عیش کو قربان کرنا پڑتا ہے۔ محبوب حقیقی کی رضا جوئی کے واحد مقصد کی طرف متوجہ ہونا پڑتا ہے، ان تمام چیزوں کی مشق کا سامان حج میں موجود ہے۔ رمی جمار یعنی سنگریزوں کے مارنے میں دشمن ملت سے نفرت وعداوت کا مظاہرہ ہے جس سے دشمن کے ساتھ مقابلہ کرنے کی قوت میں اضافہ ہوتا ہے۔ اور آخری بات جو دم تمتع وقران کی شکل میں قربانی ہے۔ اس میں خلیل علیہ السلام کا نمونہ موجود ہے، جس کے ساتھ ملت اسلامیہ کی وابستگی ہے (مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ) جس سے حاجی کے دل ودماغ میں یہ تصور جم جاتا ہے کہ جب اللہ کا ایک عظیم پیغمبر خدا کے حکم کی تعمیل میں جو اس کو خواب میں دیا گیا تھا، نہ بیداری میں اپنے عظیم فرزند کی قربانی کے لئے تیار ہوا تھا۔ جو تکمیل امتحان کے بعد حیوانی قربانی میں تبدیل ہوا لیکن قربانی خلیل علیہ السلام کا یہ عمل خدا کو ایسا پسند آیا کہ تا قیامت اس کو ملت اسلامیہ کے لئے باقی رکھا۔ کہ وہ اس سے درس قربانی حاصل کرے اور اگر جہاد میں خالق کائنات انسانی قربانی کا حکم دے تو بے دریغ جان قربان کر دینے کے لئے آمادہ ہو سکے۔

بملک، جم ندہم مصرعہ، نظیری را
کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلہء ما نیست

درحقیقت اسی موت میں حیات جاودانی کا سامان مضمر ہے

جو دیکھی ہسٹری اس بات پر کامل یقیں آیا
جسے مرنا نہیں آیا اسے جینا نہیں آیا

ان سطور بالا سے مستشرقین کی ہرزہ گوئی کی حقیقت واضح ہوگئی جو وہ حج کے خلاف کرتے ہیں۔ اس مقام پر پہنچ کر یہ حقیقت بے نقاب ہوئی کہ علم و مذہب کی جتنی نزاع ہے۔ فی الحقیقت علم اور مذہب کی نہیں مدعیان علم کی خام کاریوں اور مدعیان مذہب کی ظاہر پرستیوں کی ہے۔ حقیقی علم اور حقیقی مذہب اگرچہ الگ الگ راستوں سے چلتے ہیں مگر بالآخر ایک ہی منزل پر پہنچ جاتے ہیں۔ علم محسوسات سے سروکار رکھتا ہے۔ مذہب ماوراء محسوسات کی خبر دیتا ہے۔ دونوں میں دائروں کا تعدد ہوا مگر تعارض نہ ہوا، جو کچھ محسوسات سے ماوراء ہیں ہم اسے محسوسات سے معارض سمجھ لیتے ہیں اور یہاں سے ہماری فکر

کج اندیش کی ساری درماندگیاں شروع ہو جاتی ہیں ورنہ حقیقی مذہب اور صحیح علم کبھی تعارض نہیں ہوتا۔ ﴿حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ
بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ ہم نے اتارے
الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ
صاف حکم اور ہدایت کی باتیں بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے
لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِۙ
لوگوں کے واسطے کتاب میں

یہودیوں کی حق پوشی:

اس سے مراد ہیں یہود کہ توریت میں جو آپ کی تصدیق تھی اس کو اور تحویل قبلہ وغیرہ امور کو چھپاتے ہیں اور جس نے غرض دنیا کے واسطے اللہ کے حکم کو چھپایا وہ سب اس میں داخل ہیں۔

اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَۙ ﴿۱۵۹﴾
ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے

حق چھپانے والوں پر لعنت:

لعنت کرنے والے یعنی جن وانس وملائکہ بلکہ اور سب حیوانات کیونکہ ان کی حق پوشی کے وبال میں جب عالم کے اندر قحط، وبا اور طرح طرح کی بلائیں پھیلتی ہیں تو حیوانات بلکہ جمادات تک کو تکلیف ہوتی ہے اور سب ان پر لعنت کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ
مگر جنہوں نے توبہ کی اور درست کیا اپنے کام کو اور بیان کر دیا حق
اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ
بات کو تو ان کو معاف کرتا ہوں

توبہ کرنے والوں پر رحمت ہے:

یعنی اگرچہ ان کی حق پوشی کے باعث بعض آدمی گمراہی میں پڑ گئے لیکن جب انہوں نے حق پوشی سے توبہ کر کے اظہار حق پوری طرح کر دیا تو اب بجائے لعنت ہم ان پر رحمت نازل فرماتے ہیں کیونکہ ہم تواب ورحیم ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۰﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
اور میں ہوں بڑا معاف کرنے والا نہایت مہربان بے شک جو لوگ
وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ
کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے
اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَۙ ﴿۱۶۱﴾
اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی

موت کے بعد توبہ قبول نہیں:

﴿یعنی جس نے خود حق پوشی کی یا کسی دوسرے کی حق پوشی کے باعث گمراہ ہوا اور اخیر تک کافر ہی رہا اور توبہ نصیب نہ ہوئی تو وہ ہمیشہ کو ملعون اور جہنمی ہوا مرنے کے بعد توبہ مقبول نہیں بخلاف اول فریق مذکور سابق کے کہ توبہ نے ان کی لعنت کو منقطع کر دیا کہ زندگی ہی میں تائب ہو گئے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

حق پوشی کی سزا:

صحیح حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص سے کسی شرعی امر کے متعلق سوال کیا جائے اور وہ جانتے ہوئے اسے چھپا لے تو اسے قیامت کے دن آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔ ﴿درس قرآن﴾

توبہ کرنے کی فضیلت:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ جب اپنے گناہ کا اقرار کرتا اور توبہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ کے توبہ کرنے سے اس شخص سے زیادہ خوشی ہوتی ہے جس کی سواری ایک سنسان جنگل میں گم ہو جائے اور اسی پر اس کا کھانا پانی ہو اور وہ اس کے ملنے سے ناامید ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آ کر لیٹ رہے اور وہ اسی فکر اور رنج میں ہو کہ ناگاہ سواری آ کر اس کے پاس کھڑی ہو جائے یہ اس کی باگ پکڑ کر شدت خوشی میں کہے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں (یعنی خوشی میں حواس ٹھکانے نہ رہیں اور الٹی پلٹی باتیں بکنے لگے) تو اس شخص سے بھی زیادہ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندہ کی توبہ کرنے سے خوشی ہوتی ہے ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

لعنت کرنے میں احتیاط کرو:

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بلا شبہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرے تو لعنت آسمان کی طرف چڑھ جاتی ہے۔ سو آسمان کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ پھر زمین کی طرف اتاری جاتی ہے۔ سو زمین کے دروازے بھی بند کر دیئے جاتے ہیں پھر وہ دائیں بائیں اپنا راستہ دیکھتی ہے جب کوئی جگہ نہیں پاتی تو اس پر لوٹ جاتی ہے جس پر لعنت بھیجی ہے۔ سو اگر وہ اس کا اہل تھا تو اس پر پڑ جاتی ہے اور اگر اس کا اہل نہیں تھا اسی پر لوٹ جاتی ہے جس نے لعنت کے لفظ زبان سے نکالے تھے۔ ﴿انوار البیان﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص کی چادر ہوا نے ہٹادی۔ اس نے ہوا پر لعنت کر دی حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اس پر لعنت نہ کر۔ کیونکہ وہ تو اللہ کے حکم کے مطابق چلتی ہے اور اس میں شک نہیں کہ جو شخص کسی چیز پر لعنت کرے اور وہ چیز اسکی اہل نہ ہو تو لعنت کرنیوالے پر ہی لعنت لوٹ جاتی ہے۔ (سنن ابوداؤد کتاب الادب)

مسئلہ: لعنت کے ہم معنی جو بھی الفاظ ہوں ان کا استعمال کرنا بھی اسی وقت جائز ہے جب کہ اصول کے مطابق اس پر لعنت بھیجنا جائز ہو۔ لفظ مردود بھی ملعون کے معنی میں ہے اور پھٹکار بھی اردو میں لعنت کے معنی میں آتا ہے۔ عورتوں کو لعنت اور اس کے ہم معنی لفظ استعمال کرنے کی بہت زیادہ عادت ہوتی ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ عید الفطر یا عید الاضحیٰ کی نماز کے لئے تشریف لے جارہے تھے عورتوں پر آپ کا گزر ہوا آپ نے فرمایا اے عورتو! تم صدقہ کرو مجھے دوزخ میں تمہاری تعداد زیادہ دکھائی گئی ہے۔ عورتوں نے عرض کیا کیوں یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا کہ تم لعنت زیادہ کرتی ہو اور شوہر کی ناشکری کرتی ہو۔ (مشکوٰۃ المصابیح از بخاری و مسلم)

کافر کا حشر: حضرت براء بن عازبؓ فرماتے ہیں ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک جنازہ میں تھے آپ نے فرمایا کہ قبر میں کافر کی پیشانی پر اس زور سے ہتھوڑا مارا جاتا ہے کہ تمام جاندار اس کا دھما کا سنتے ہیں سوائے جن و انس کے پھر وہ سب اس پر لعنت بھیجتے ہیں۔ جو شخص کفر و بدعت کی طرف لوگوں کو بلانے والا ہو وہ بھی جب سچے دل سے رجوع کرے تو اس کی توبہ بھی قبول ہے۔ حضرت ابو العالیہ اور حضرت قتادہ رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں قیامت کے دن کافر کو ٹھیرایا جائے گا پھر اس پر اللہ تعالیٰ لعنت کرے گا پھر فرشتے پھر سب لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص بار بار نشہ کی حالت میں لایا گیا اور اس پر بار بار حد لگائی گئی تو ایک شخص نے کہا کہ اس پر خدا کی لعنت ہو بار بار شراب پیتا ہے۔ یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس پر لعنت نہ بھیجو۔ یہ اللہ اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

حضرت ابو ہریرہؓ کے ایک ارشاد کی وضاحت:

صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا اگر قرآن کی یہ آیت نہ ہوتی تو میں تم سے کوئی حدیث بیان نہ کرتا، آیت سے مراد یہی آیت ہے جس میں کتمان علم پر لعنت کی وعید شدید مذکور ہے، ایسے ہی بعض دوسرے صحابہ نے بھی بعض روایات حدیث کے ذکر کرنے کے ساتھ ایسے ہی الفاظ فرمائے کہ اگر قرآن کریم کی یہ آیت کتمان علم کے بارے میں نہ ہوتی تو میں یہ حدیث بیان نہ کرتا۔

علم سکھانے کا ادب:

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

لَا تَمْنَعُوا الْحِكْمَةَ اَهْلَهَا فَتَظْلِمُوْهُمْ وَلَا تَضَعُوْهَا فِيْ غَيْرِ اَهْلِهَا فَتَظْلِمُوْهَا.

"یعنی حکمت کی بات کو ایسے لوگوں سے نہ روکو جو اس بات کے اہل ہوں۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ان لوگوں پر ظلم ہوگا اور جو اہل نہیں ہیں ان کے سامنے حکمت کی باتیں نہ رکھو، کیونکہ اس صورت میں اس حکمت پر ظلم ہوگا۔"

لعنت کس صورت میں جائز ہے:

جس کافر کے کفر کی حالت میں مرنے کا یقین نہ ہو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں اور چونکہ ہمیں کسی شخص کے خاتمہ کا یقینی علم ہونے کا اب کوئی ذریعہ نہیں، اس لئے کسی کافر کا نام لے کر اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کافروں پر نام لے کر لعنت کی ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی موت علی الکفر کا منجانب اللہ علم ہو گیا تھا۔ البتہ عام کافروں، ظالموں پر بغیر تعیین کے لعنت کرنا درست ہے۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں نہ ہلکا ہوگا ان پر سے عذاب
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۱۶۲﴾
اور نہ ان کو مہلت ملے گی

یعنی ان پر عذاب یکساں اور متصل رہے گا، یہ نہ ہوگا کہ عذاب میں کسی قسم کی کمی ہو جائے یا کسی وقت ان کو عذاب سے مہلت مل جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ
اور معبود تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی معبود نہیں اس کے سوا بڑا
الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾
مہربان نہایت رحم والا

معبود فقط ایک ذات ہے:

یعنی معبود حقیقی تم سب کا ایک ہی ہے، اس میں تعدد کا احتمال بھی نہیں۔ سواب جس نے اس کی نافرمانی کی بالکل مردود اور غارت ہوا۔ دوسرا معبود ہوتا تو ممکن تھا کہ اس سے نفع کی توقع باندھی جاتی۔ یہ آقائی اور بادشاہی یا استادی اور پیری نہیں کہ ایک جگہ موافقت نہ آئی تو دوسری جگہ چلے گئے۔ یہ تو معبودی اور خدائی ہے، نہ اس کے سوا کسی کو معبود بنا سکتے ہو اور نہ کسی سے اس کے علاوہ خیر کی توقع کر سکتے ہو۔ جب یہ آیت (وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ) نازل ہوئی تو کفار مکہ نے تعجب کیا کہ تمام عالم کا معبود اور سب کا کام بنانے والا ایک کیسے ہوسکتا ہے اور اس کی دلیل کیا ہے۔ اس پر آیت: (اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ) الخ نازل ہوئی اور اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیاں بیان فرمائیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

علامہ بغویؒ نے فرمایا ہے کہ کفار قریش نے یہ کہا اے محمدؐ! آپ اپنے رب کی صفت اور نسب بیان کیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ اخلاص اور ذیل کی آیت نازل فرمائی۔

آیت کی فضیلت:

اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ (وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ) الخ اور (اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ) الخ۔ ان دونوں آیتوں میں اسم اعظم ہے۔ اس حدیث کو ابوداؤد اور ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

آیتِ ذیل کا شانِ نزول:

سعید بن منصور اور بیہقی ابی الضحیٰؒ سے روایت کرتے ہیں: (وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ) نازل ہوئی تو مشرکین کو بہت تعجب ہوا اور بولے کہ اگر معبود ایک ہے تو اس کی دلیل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ
بیشک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں
الَّیْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ
اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی
فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ
ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں
اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ
جس کو کہ اتارا اللہ نے آسمان سے پھر جلایا اس سے
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِیْهَا مِنْ
زمین کو اس کے مر گئے پیچھے اور پھیلائے اس میں
كُلِّ دَآبَّةٍ ۪ وَّتَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَالسَّحَابِ
سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ
الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ
تابعدار ہے اسکے حکم کا درمیان آسمان و زمین کے بیشک ان سب چیزوں
لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿۱۶۴﴾
میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کیلئے

کائنات میں عظیم دلائل ہیں:

یعنی آسمان کے اس قدر وسیع اور اونچا اور بے ستون پیدا کرنے میں اور زمین کے اتنی وسیع اور مضبوط پیدا کرنے اور اس کے پانی پر پھیلانے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے اور ان کے گھٹانے اور بڑھانے میں اور کشتیوں کے دریا میں چلنے اور آسمان سے پانی برسانے اور اس سے زمین کو سرسبز و تروتازہ کرنے میں اور جملہ حیوانات میں اس سے توالد و تناسل نشوونما ہونے میں اور جہاتِ مختلفہ سے ہواؤں کے چلانے میں اور بادلوں کو آسمان اور زمین میں معلق کرنے میں دلائل عظیمہ اور کثیرہ ہیں۔ حق تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی قدرت اور حکمت اور رحمت پر ان کے لئے جو صاحبِ عقل اور فکر ہیں۔

فائدہ: (لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) میں توحید ذات کا اور (الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ) میں توحید صفات کا ثبوت تھا اور اِنَّ فِیْ خَلْقِ الخ میں توحید افعال کا ثبوت

ہوا جس سے مشرکین کے شبہات بالکلیہ مندفع ہو گئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

توحید کی ایک فلسفیانہ دلیل:

اگر دوسرا بھی ایسا ہی قادر مان لیا جائے تو دو خرابیوں میں سے ایک خرابی ضرور لازم آئے گی۔ یا تو ایک اثر شخصی پر دو موثروں کا اجتماع لازم آئے گا اور یہ محال ہے، یا ایک کا عجز لازم آئے گا۔ تو یہ مفروض کے خلاف ہے اور یا باہم ان میں نزاع لازم آئے گا اور یہ نزاع موجب فسادِ عالم ہے اور عالم کو ہم نہایت انتظام سے مشاہدہ کر رہے ہیں۔ معلوم ہوا کہ معبود ایک ہی ہے۔

غور و فکر:

ابن ابی الدنیا نے کتاب التفکر میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ جناب سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے:

(اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَالنَّهَارِ)

الی آخر الآیہ (آل عمران) کو پڑھ کر فرمایا: افسوس ہے اس شخص کے حال پر جو ان آیات کو پڑھے اور پھر غور و فکر نہ کرے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

پانی کے ذخائر:

قدرت نے پانی کو اہلِ زمین انسان اور جانوروں کے لئے کہیں کھلے طور پر تالابوں اور حوضوں میں جمع کر دیا، کہیں پہاڑوں کی زمین میں پھیلی ہوئی رگوں کے ذریعہ زمین کے اندر اتار دیا اور پھر ایک غیر محسوس پائپ لائن ساری زمین میں بچھا دی۔ ہر شخص جہاں چاہے کھود کر پانی نکال لیتا ہے اور اسی پانی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ بحر منجمد بنا کر برف کی صورت میں پہاڑوں کے اوپر لاد دیا، جو سڑنے اور خراب ہونے سے بھی محفوظ ہے، اور آہستہ آہستہ پگھل کر زمین کے اندر قدرتی پائپ لائن کے ذریعہ پورے عالم میں پہنچتا ہے۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اور بعضے لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے برابر اوروں کو

بعض کم عقل:

یعنی آدمیوں میں جو کہ شعور و عقل میں جمیع مخلوقات سے افضل ہیں، بعضے ایسے بھی ہیں کہ باوجود دلائل ظاہرہ سابقہ کے پھر غیر اللہ کو حق تعالیٰ کا شریک اور اس کے برابر بناتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ
ان کی محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی

﴿یعنی صرف اقوال و اعمال جزئیہ ہی میں ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر نہیں مانتے بلکہ محبت قلبی جو کہ صدور اعمال کی اصل ہے اس تک شرک اور مساوات کی نوبت پہنچا رکھی ہے جو شرک کا اعلیٰ درجہ ہے اور شرک فی الاعمال اس کا خادم اور تابع ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ
اور ایمان والوں کو اس سے زیادہ تر ہے محبت اللہ کی

سچی اور حقیقی محبت وہی ہے جو مومن اللہ تعالیٰ سے رکھتے ہیں:

یعنی مشرکین کو جو اپنے معبودوں سے محبت ہے مومنین کو اپنے اللہ سے اس سے بھی بہت زیادہ اور مستحکم محبت ہے، کیونکہ مصائب دنیا میں مشرکین کی محبت بسا اوقات زائل ہو جاتی ہے اور عذابِ آخرت دیکھ کر تو بالکل تبرّی اور بیزاری ظاہر کریں گے۔ جیسا اگلی آیت میں آتا ہے بخلاف مومنین کے کہ ان کی محبت اپنے اللہ کے ساتھ ہر ایک رنج و راحت، مرض و صحت دنیا و آخرت میں برابر، باقی اور پائیدار رہنے والی ہے اور نیز اہلِ ایمان کو جو اللہ سے محبت ہے وہ اس محبت سے بھی بہت زیادہ ہے جو محبت کہ اہل ایمان ماسوی اللہ یعنی انبیاء و اولیاء و ملائکہ و عباد و علماء یا اپنے آباؤ اجداد اور اولاد و مال وغیرہ سے رکھتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے تو اس کی عظمت شان کے موافق بالاصالہ اور بالاستقلال محبت رکھتے ہیں اور اوروں سے بالواسطہ اور حق تعالیٰ کے حکم کے موافق ہر ایک کے اندازہ کے مطابق محبت رکھتے ہیں۔

"گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی"

خدا اور غیر خدا کو محبت میں برابر کر دینا خواہ وہ کوئی ہو یہ مشرکین کا کام ہے۔

سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو جو بتوں کی محبت میں گھل گئے اور اپنی جان کو اسی دھن میں تباہ کر دیا امر فرمائیں گے کہ اگر تمہیں ان کی سچی محبت ہے تو ان کے ساتھ جہنم میں جاؤ، وہ صاف انکار کریں گے اور ہرگز نہ جائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے عشاق اور دلداروں سے کافروں کے روبرو فرمائے گا کہ اگر تم میرے دوست ہو تو جہنم میں جاؤ۔ وہ یہ حکم سنتے ہی سب کے سب جہنم میں کود پڑیں گے۔ اس کے بعد ایک منادی ندا کرے گا (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ) ۔ عوام کے نزدیک سب سے زیادہ قریب شے ان کا نفس ہے۔ اس لئے وہ اپنے نفس کو چاہتے ہیں اور اللہ کی محبت بھی اگر ہوتی ہے تو وہ بھی اپنے نفس کے لئے (مثلاً اس واسطے کہ اگر ہم عبادت کریں گے تو وہاں راحت و آرام

ہوگا) اور محققین یہ سمجھتے اور جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے خود ہمارے نفس سے بھی زیادہ قریب ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے:

(وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْکُمْ وَلٰکِنْ لَّا تُبْصِرُوْنَ) : (یعنی ہم اس سے تمہاری نسبت زیادہ قریب ہیں۔ لیکن اے عام لوگو! تمہیں نظر نہیں آتا) اس لئے وہ اللہ تعالیٰ کے سوا اپنی جان کو بھی نہیں چاہتے اور اپنے نفس کو بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہی چاہتے ہیں اور اسی طرح ہر محبوب شے سے اللہ ہی کے لئے محبت کرتے ہیں۔ تو سچی محبت اور ذاتی الفت ان ہی لوگوں کو ہے اور سچ تو یہ ہے کہ محبت میں سچے لوگ یہی لوگ ہیں اور جب اس پاک گروہ کو اللہ کی محبت اس درجہ ہوتی ہے کہ ہر شے سے محبت اللہ ہی کے واسطے ہو جائے تو اس وقت محبوب کا ستانا بھی ان کے نزدیک انعام سے کم نہیں ہوتا بلکہ ستانے میں انعام کی نسبت اور زیادہ لطف آتا ہے، کیونکہ اس میں اخلاص خوب ظاہر ہوتا ہے بخلاف انعام کے کہ اس میں اس قدر اخلاص مترشح نہیں ہوتا (کیونکہ مثل مشہور ہے جس کا کھائے اس کا گائے) اور قیامت کے روز ان لوگوں کو علی الاعلان کفار کے روبرو حکم دیا جائے گا کہ اگر تم میرے دوست ہو تو جہنم میں داخل ہو جاؤ۔ وہ سنتے ہی اس میں گھس جائیں گے۔ اس وقت عرش کے نیچے ایک پکارنے والا پکارے گا:

"(وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ)" تو یہ ان ہی لوگوں کی ہمت ہے کہ جلتی آگ میں کود پڑیں گے۔ رہے وہ لوگ جو اللہ کی عبادت جہنم کے خوف اور جنت کی امید پر کرتے ہیں تو وہ اللہ کی رضامندی کے لئے دیدہ و دانستہ آگ کو ہرگز اختیار نہ کریں گے۔ یہ تو اسی سے ہوسکتا ہے جس کو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ساتھ معیت اور قربِ ذاتی ہو اور بارِ امانت کا حامل ہو۔

جاننا چاہئے کہ کفار کی نظر صرف دنیوی منافع اور لذائذ پر ہے اور اللہ سبحانہ کا وجود برائے نام جانتے ہیں اور اپنے منافع اور مضار کو بندوں یا ستاروں یا اور اشیاءِ موہومہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور اسی لئے انہیں مثلِ خدا کے یا اس سے بھی زیادہ چاہتے ہیں۔ اور جو لوگ اہلِ اھواء میں سے مدعی اسلام ہیں جیسے معتزلہ، روافض اور خوارج، انہیں بھی اللہ تعالیٰ سے اور چیزوں سے زیادہ محبت ہے، کیونکہ اخروی منافع اور مضار کا انہیں اعتقاد ہے اور اس کے معترف ہیں کہ جزاء کے دن کا مالک اللہ واحد قہار ہے۔ اسی واسطے اللہ تعالیٰ کو غیر اللہ سے زیادہ چاہتے ہیں، کیونکہ جانتے ہیں کہ دنیا کا نفع نقصان تو اللہ کے ہاتھ میں ہے ہی لیکن ابد الآباد تک اللہ تعالیٰ سے ہی معاملہ رہے گا۔ یہ حال تو ان میں سے ان لوگوں کا ہے جو دیندار اور متبع ہیں۔ اور جو ان میں دنیادار ہیں وہ تو اسلام سے بالکل ہی خارج ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی محبت میں اوروں کو شریک کرتے ہیں اس وجہ سے کہ محبت کا مدار نفع اور ضرر پر ہے اور وہ بندوں کو نافع اور ضار سمجھتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کا اعتقاد ہے کہ بندوں کے افعال اللہ تعالیٰ کے پیدا کئے ہوئے نہیں بلکہ بندے خود اپنے افعال کے خالق ہیں۔ وہ تو فلاسفہ کی نجاسات میں واقع ہو کر مشرکین کے ہم پلہ ہوگئے۔ اب رہے اہل سنت والجماعت، ان کو سوائے اللہ کے اور کسی شے کی محبت نہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ
اور اگر دیکھ لیں یہ ظالم اس وقت کو جب کہ دیکھیں گے
الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ
عذاب کہ قوت ساری اللہ ہی کیلئے ہے اور یہ کہ
اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿١٦٥﴾
اللہ کا عذاب سخت ہے

اگر مشرک اللہ کے عذاب کو دیکھ لیں تو ہرگز شرک نہ کریں:

یعنی جن ظالموں نے خدا کے لئے شریک بنائے اگر وہ اس آنے والے وقت کو دیکھ لیں کہ جس وقت ان کو عذابِ الٰہی کا مشاہدہ ہوگا کہ زور سارا اللہ ہی کے لئے ہے، عذابِ خداوندی سے کوئی نہیں بچا سکتا اور اللہ کا عذاب سخت ہے۔ تو ہرگز اللہ کی عبادت کو چھوڑ کر دوسروں کی طرف متوجہ نہ ہوں اور نہ ان سے امید منفعت رکھیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا
جبکہ بیزار ہو جاویں گے وہ جن کی پیروی کی تھی ان سے کہ جو انکے پیرو
وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾
ہوئے تھے اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائینگے انکے سب علاقے

جھوٹے عابد و معبود کا انجام:

یعنی وہ وقت ایسا ہوگا کہ بیزار ہو جائیں گے متبوع اپنے تابعداروں سے اور بُت پرست اور بتوں میں کوئی علاقہ باقی نہ رہے گا ایک دوسرے کا دشمن ہو جائے گا عذابِ الٰہی دیکھ کر۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً
اور کہیں گے پیرو کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل

فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ

جاتا تو پھر ہم بھی بیزار ہو جاتے ان سے جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے

اور مشرکین اس وقت کہیں گے کہ اگر کسی طرح ہم کو پھر دنیا میں لوٹ جانا نصیب ہو تو ہم بھی ان سے اپنا انتقام لیں اور جیسا یہ آج ہم سے جدا ہو گئے ہم بھی ان کو جواب دے کر جدا ہو جائیں لیکن اس آرزو محال سے بجز افسوس کچھ نفع نہ ہوگا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ

اسی طرح پر دکھلائے گا اللہ ان کو ان کے کام حسرت

عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾

دلانے کو اور وہ ہر گز نکلنے والے نہیں نار سے

مشرکین قیامت میں سراپا حسرت ہوں گے:

یعنی جیسے مشرکین کو عذابِ الٰہی اور اپنے معبودوں کی بیزاری دیکھ کر سخت حسرت ہوگی اسی طرح پر ان کے جملہ اعمال کو حق تعالیٰ ان کے لئے موجب حسرت بنا دے گا، کیونکہ حج و عمرہ اور صدقات و خیرات جو اچھی باتیں کی ہوں گی وہ سب تو بسبب شرک مردود ہو جائیں گی اور شرک و گناہ جس قدر کئے ہوں گے ان کا بدلہ عذاب ملے گا۔ تو اب ان کے بھلے اور برے اعمال سب کے سب موجب حسرت ہوں گے۔ کسی عمل سے کچھ نفع نہ ہوگا اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے بخلاف موحدین اور اہل ایمان کے کہ اگر بسبب معاصی دوزخ میں جائیں گے تو انجام کار نجات پائیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

يٰاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِى الْاَرْضِ

اے لوگو کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے

حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کی

حلال کو حرام نہ کرو:

اہل عرب بت پرستی کرتے تھے اور بتوں کے نام پر سانڈ بھی چھوڑتے تھے اور ان جانوروں سے نفع اٹھانا حرام سمجھتے تھے اور یہ بھی ایک طرح کا شرک ہے۔ کیونکہ تحلیل و تحریم کا منصب اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ اس بارہ میں کسی کی بات ماننی گویا اس کو اللہ کا شریک بنانا ہے۔ اس لئے پہلی آیات میں شرک کی خرابی بیان فرما کر اب تحریم حلال سے ممانعت کی جاتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جو کچھ زمین میں پیدا ہوتا ہے اس میں سے کھاؤ بشرطیکہ وہ شرعاً حلال وطیب ہو، نہ تو فی نفسہ حرام ہو جیسے مُردار اور خنزیر اور (وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) (جن جانوروں پر اللہ کے سوا کسی کا نام پکارا جائے) اور اس کی قربت مقصود ان جانوروں کے ذبح سے ہو اور نہ کسی امر عارضی سے اس میں حرمت آ گئی ہو جیسے غصب، چوری، رشوت، سود کا مال کہ ان سب سے اجتناب ضروری ہے اور شیطان کی پیروی ہرگز ہرگز نہ کرو کہ جس کو چاہا حرام کر لیا، جیسے بتوں کے نام کے سانڈ وغیرہ اور جس کو چاہا حلال کر لیا، (وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) وغیرہ۔

اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ

بے شک وہ تمہارا دشمن ہے صریح وہ تو یہی حکم کرے گا

بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى

تم کو کہ برے کام اور بے حیائی کرو اور جھوٹ لگاؤ اللہ پر

اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

وہ باتیں جن کو تم نہیں جانتے

شیطان کا حکم:

یعنی مسئلے اور احکام شرعیہ اپنی طرف سے بنا لو جیسا کہ بہت سے مواقع میں دیکھا جاتا ہے کہ مسائل جزئیہ سے گزر کر امور اعتقادیہ تک نصوص شرعیہ کو چھوڑ کر اپنی طرف سے احکام تراشے جاتے ہیں اور نصوص قطعیہ اور اقوال سلف کی تحریف اور تغلیط کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ پروردگارِ عالم فرماتا ہے میں نے جو مال اپنے بندوں کو دیا ہے اسے ان کے لئے حلال کر دیا ہے۔ میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا مگر شیطان نے اس دین حنیف سے انہیں ہٹا دیا اور میری حلال کردہ چیزوں کو ان پر حرام کر دیا۔

حلال کی برکت اور حرام کی نحوست:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جس وقت اس آیت کی تلاوت ہوئی تو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کھڑے ہو کر کہا حضور میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ میری دعاؤں کو قبول فرمایا کرے۔ آپ نے فرمایا اے سعد! پاک چیزیں اور حلال لقمہ کھاتے رہو، اللہ تعالیٰ تمہاری دعائیں

قبول فرماتا رہے گا۔ قسم ہے اس خدا کی جس کے ہاتھ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے حرام لقمہ جو انسان اپنے پیٹ میں ڈالتا ہے اس کی شوی کی وجہ سے چالیس دن کی اس کی عبادت قبول نہیں ہوتی، جو گوشت پوست حرام سے پلا وہ جہنمی ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

دباغت سے چمڑا پاک ہو جاتا ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دباغت ہر کھال کو پاک کرنے والی ہے۔ نیز حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امر فرمایا ہے کہ کھالوں کو جب دباغت دے دیا جائے تو اس سے منتفع ہوا کریں۔ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے، وہ فرماتی ہیں کہ ہماری ایک بکری مرگئی تھی، ہم نے اس کی کھال کو دباغت دے دی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

نجات:

سہل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ نجات تین چیزوں میں منحصر ہے۔ حلال کھانا، فرائض ادا کرنا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کا اتباع کرنا۔ اور لفظ طیب کے معنی ہیں پاکیزہ، جس میں شرعی حلال ہونا بھی داخل ہے اور طبعی مرغوب ہونا بھی۔

شیطان کا وسوسہ اور فرشتہ کا الہام:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدم کے بیٹے کے قلب میں ایک شیطانی الہام واثر ہوتا ہے اور دوسرا فرشتہ کی طرف سے۔ شیطانی وسوسہ کا اثر یہ ہوتا ہے کہ برے کام کرنے کے فوائد اور مصالح سامنے آتی ہیں۔ اور حق کو جھٹلانے کی راہیں کھلتی ہیں۔ اور الہام فرشتہ کا اثر خیر اور نیکی پر انعام وفلاح کا وعدہ اور حق کی تصدیق پر قلب کا مطمئن ہونا ہوتا ہے۔

حرام خوروں کی دُعاء قبول نہیں ہوتی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بہت سے لوگ طویل السفر پریشان حال اللہ کے سامنے دعاء کے لئے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور یارب یارب پکارتے ہیں، مگر کھانا ان کا حرام، پینا ان کا حرام، لباس ان کا حرام، غذا ان کی حرام، ان حالات میں ان کی دعاء کہاں قبول ہو سکتی ہے۔ (صحیح مسلم، ترمذی، از ابن کثیر) ﴿معارف مفتی اعظم﴾

شیطان کا نظام کارروائی:

جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس علیہ اللعنۃ اپنا تخت پانی پر بچھاتا ہے، پھر اپنے لشکر کے لوگوں کو بہکانے کے لئے بھیجتا ہے۔ اس کے یہاں ادنیٰ ادنیٰ مرتبہ کے شیطان بھی عالم میں بڑے بڑے فتنے پھیلا دیتے ہیں۔ چنانچہ جب وہ بہکا کر آتے ہیں تو ہر ایک اپنی اپنی کارگزاری بیان کرتا ہے۔ ایک کہتا ہے کہ میں نے آج فلاں برا کام کرا دیا۔ ابلیس کہتا ہے کہ تو نے کچھ نہیں کیا۔ پھر ایک اور آتا ہے، وہ کہتا ہے میں نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ ایک شخص اور اس کی بیوی میں جدائی ڈال دی۔ ابلیس سن کر خوب خوش ہوتا ہے اور اس کو مقرب بناتا ہے اور کہتا ہے تو نے خوب کام کیا۔ اس حدیث کو مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

شیطان کا وسوسہ اور اس کا علاج:

ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کے اندر شیطان کا بھی اثر ہے اور فرشتہ کا بھی۔ شیطان کا اثر تو یہ ہے کہ شر کا وعدہ دلاتا اور حق کی تکذیب کراتا ہے اور فرشتہ کا اثر یہ ہے کہ بھلائی کا وعدہ دلاتا ہے اور حق کی تصدیق کراتا ہے۔ تو جو شخص ملکوتی خیال اپنے جی میں پائے تو جانے کہ اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ کی حمد کرے اور جو برائی کا وسوسہ آئے تو شیطان کے مکر سے اللہ کی پناہ مانگے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت ﴿اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ﴾ (شیطان تم سے فقر کا وعدہ کرتا ہے اور تم کو برائی کا حکم کرتا ہے) تلاوت فرمائی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے کہ شیطان کے امر کو وسوسہ ہی پر ٹالا۔ اس حدیث کو ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا

اور جب کوئی ان سے کہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے

بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ

ہیں ہرگز نہیں ہم تو تابعداری کریں گے اسکی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو

كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ۝

بھلا اگرچہ انکے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ جانتے ہوں سیدھی راہ

احکام الٰہی کے مقابلہ میں آباؤ اجداد کو لانا شرک ہے:

یعنی حق تعالیٰ کے احکام کے مقابلہ میں اپنے باپ دادا کا اتباع کرتے ہیں اور یہ بھی شرک ہے۔ چنانچہ بعض جہال مسلمان بھی ترکِ نکاح بیوگاں وغیرہ رسوم باطلہ میں ایسی بات کہہ گزرتے ہیں اور بعض زبان سے گو نہ

کہیں مگر عمل درآمد سے ان کے ایسا ہی مترشح ہوتا ہے۔ سو یہ بات اسلام کے خلاف ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ
اور مثال ان کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص
بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً
ایک چیز کو جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے اور چلانے کے

کافروں کی مثال:

یعنی ان کافروں کو راہِ ہدایت کی طرف بلانا ایسا ہے جیسا کوئی جنگل کے جانوروں کو بلائے کہ وہ سوائے آواز کے کچھ نہیں سمجھتے۔ یہی حال ان لوگوں کا ہے جو خود علم نہ رکھیں اور نہ علم والوں کی بات قبول کریں۔

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾
بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے

یہ گونگے، بہرے اور اندھے ہیں:

یعنی یہ کفار گویا بہرے ہیں جو حق بات بالکل نہیں سنتے۔ گونگے ہیں جو حق بات نہیں کہتے، اندھے ہیں جو راہِ مستقیم نہیں دیکھتے۔ سو وہ کچھ نہیں سمجھتے کیونکہ جب ان کے ہر سہ قویٰ مذکورہ فاسد ہو گئے تو تحصیل علم و فہم کی اب کیا صورت ہو سکتی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ
اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں
مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ
جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی
تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾
کے بندے ہو

مسلمانوں سے مخصوص خطاب:

اکل طیبات کا حکم اوپر گزر چکا تھا لیکن مشرکین چونکہ شیطان کی پیروی سے باز نہیں آتے اور احکام اپنی طرف سے بنا کر اللہ کے اوپر لگاتے ہیں اور اپنے رسوم باطلہ آبائی کو نہیں چھوڑتے اور حق بات سمجھنے کی ان میں گنجائش ہی نہیں۔ تو اب ان سے اعراض فرما کر خاص مسلمانوں کو اکل طیبات کا حکم فرمایا گیا اور اپنا انعام ظاہر کر کے ادائے شکر کا امر کیا گیا۔ اس میں اہل ایمان کے مقبول اور مطیع ہونے کی جانب اور مشرکین کے مردود و معتوب و نافرمان ہونے کی طرف اشارہ ہو گیا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

حرام مال کی نحوست:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد نقل فرماتے ہیں کہ جو بھی کوئی بندہ حرام مال سے کسب کرے گا پھر اس میں سے صدقہ کرے گا تو وہ قبول نہ ہوگا اور اس میں سے خرچ کرے گا تو اس کے لئے اس میں برکت نہ ہوگی۔ اور اپنے پیچھے چھوڑ کر جائے گا تو وہ اس کے دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہوگا۔ بے شک اللہ تعالیٰ برائی کو برائی کے ذریعہ نہیں مٹاتے، لیکن برائی کو نیکی کے ذریعہ مٹاتے ہیں۔ بے شک خبیث، خبیث کو نہیں مٹاتا (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ ص۲۴۲) حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ گوشت داخل نہ ہوگا جو حرام سے پلا بڑھا اور ہر وہ گوشت جو حرام سے پلا بڑھا ہو دوزخ کی آگ اس کی زیادہ مستحق ہے (ایضا) ایک حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جنت میں وہ جسم داخل نہ ہوگا جس کو حرام سے غذا دی گئی۔ (مشکوٰۃ ص۲۴۳) اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ جس نے دس درہم کا کپڑا خریدا اور اس میں ایک درہم حرام کا تھا تو اللہ تعالیٰ اس کی کوئی بھی نماز قبول نہ فرمائے گا جب تک کہ وہ کپڑا اس کے بدن پر رہے گا۔ (مشکوٰۃ) ﴿انوار البیان﴾

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ
اس نے تو تم پر یہی حرام کیا ہے مردہ جانور

مُردار: مردار وہ ہے کہ خود بخود مر جائے اور ذبح کی نوبت نہ آئے یا خلاف طریقہ شرعیہ اس کو ذبح یا شکار کیا جائے مثلاً گلا گھونٹا جائے یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے یا لکڑی اور پتھر اور غلیل و بندوق سے مارا جائے۔ یا اوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے یا درندہ پھاڑ ڈالے یا ذبح کے وقت قصداً تکبیر کو ترک کیا جائے کہ یہ سب مردار اور حرام ہیں۔

دو مردار جو حلال ہیں:

البتہ دو جانور مُردار بحکم حدیث شریف اس حرمت سے مستثنیٰ اور ہم کو

حلال ہیں، مچھلی اور ٹڈی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَالدَّمَ
اور لہو

کون سا خون حرام ہے:

اور خون سے مراد وہ خون ہے جو رگوں سے بہتا ہے اور ذبح کے وقت نکلتا ہے اور جو خون کہ گوشت پر لگا رہتا ہے وہ حلال اور پاک ہے۔ اگر گوشت کو بغیر دھوئے ہوئے پکا لیا جائے تو اس کا کھانا درست ہے۔ البتہ نظافت کے خلاف ہے اور کلیجی اور تلی کہ خون منجمد ہیں بحکم حدیث شریف حلال ہیں۔

وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ
اور گوشت سور کا

خنزیر سراپا ناپاکی ہے:

اور خنزیر زندہ ہو یا مردہ یا قاعدۂ شریعت کے موافق ذبح کر لیا جائے ہر حال میں حرام ہے اور اس کے تمام اجزاء گوشت پوست چربی ناخن بال ہڈی پٹھا ناپاک اور ان سے نفع اٹھانا اور کسی کام میں لانا حرام ہے۔ اس موقع پر چونکہ کھانے کی چیزوں کا ذکر ہے اس لئے فقط گوشت کا حکم بتلایا گیا۔ مگر اس پر سب کا اجماع ہے کہ خنزیر جو کہ بے غیرتی اور بے حیائی اور حرص اور رغبت الی النجاسات میں سب جانوروں میں بڑھا ہوا ہے اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت (فَاِنَّهٗ رِجْسٌ) فرمایا بلاشک نجس العین ہے۔ نہ اس کا کوئی جزو پاک اور نہ کسی قسم کا انتفاع۔ اس سے جائز جو لوگ کثرت سے اس کو کھاتے ہیں اور اس کے اجزاء سے نفع اٹھاتے ہیں ان تک میں اوصاف مذکورہ واضح طور پر مشاہدہ ہوتے ہیں۔

وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ
اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا

غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا ہوا:

(وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) : کا یہ مطلب ہے کہ ان جانوروں پر اللہ کے سوا بت وغیرہ کا نام پکارا جائے یعنی اللہ کے سوا کسی بت یا جن یا کسی روح خبیث یا پیر یا پیغمبر کے نامزد کر کے اور اس جانور کی جان ان کی نذر کر کے ان کے تقرب یا رضا جوئی کی نیت سے ذبح کیا جائے اور محض ان کی خوشنودی کی غرض سے اس کی جان نکالنی مقصود ہو کہ ان سب جانوروں کا کھانا حرام ہے گو بوقت ذبح تکبیر پڑھی ہو اور اللہ کا نام لیا ہو۔ کیونکہ جان کو جانِ آفریں کے سوا کسی دوسرے کے لئے نذر و نیاز کرنا ہرگز درست نہیں۔ اس لئے جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر کی جائے تو اس کی خباثت مردار کی خباثت سے بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ مُردار میں تو یہی خرابی تھی کہ اس کی جان اللہ کے نام پر نہیں نکلی اور اس کی جان تو غیر اللہ کے نامزد کر دی گئی جو عین شرک ہے۔ سو جیسے خنزیر اور کتے پر بوقت ذبح تکبیر کہنے سے حلت نہیں آ سکتی اور مُردار پر اللہ کا نام لینے سے کوئی نفع نہیں ہو سکتا ایسے ہی جس جانور کی جان غیر اللہ کی نذر اور ان کے نامزد کر دی ہو اس پر ذبح کے وقت نامِ الٰہی لینے سے ہرگز ہرگز کوئی نفع اور حلت اس میں نہیں آ سکتی۔ البتہ اگر غیر اللہ کے نامزد کرنے کے بعد اپنی نیت سے ہی توبہ اور رجوع کر کے ذبح کرے گا تو اس کے حلال ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ علماء نے تصریح فرما دی ہے کہ اگر کسی بادشاہ کے آنے پر اس کی تعظیم کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے یا کسی جن کی اذیت سے بچنے کے لئے اس کے نام کا جانور ذبح کیا جائے یا توپ چلنے یا اینٹوں کے پزادہ کے پکنے کے لئے بطور بھینٹ جانور ذبح کیا جائے تو وہ جانور بالکل مردار اور حرام اور کرنے والا مشرک ہے، اگرچہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیا جائے۔ حدیث شریف میں آیا ہے: لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ، یعنی جو غیر اللہ کے تقرب اور تعظیم کی نیت سے جانور کو پہنچا دے یا کسی مُردہ کی طرف سے قربانی کر کے اس کا ثواب اس کو دینا چاہے، کیونکہ یہ ذبح غیر اللہ کے لئے ہرگز نہیں، بعضے اپنے کجروی سے یہ حیلہ ایسے مواقع میں بیان کرتے ہیں کہ پیروں کی نیاز وغیرہ میں ہم کو تو یہی مقصود ہوتا ہے کہ کھانا پکا کر مردہ کے نام سے صدقہ کر دیا جائے۔ تو اول تو خوب سمجھ لیں کہ اللہ کے سامنے جھوٹے حیلوں سے بجز مضرت کوئی نفع حاصل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے ان سے پوچھا جائے کہ جس جانور کی تم نے غیر خدا کے لئے نذر مانی ہے اگر اسی قدر گوشت اس جانور کے عوض خرید کر اور پکا کر فقیروں کو کھلا دو تو تمہارے نزدیک بے کھٹکے وہ نذر ادا ہو جاتی ہے یا نہیں اگر بلا تامل تم اس کو کر سکتے ہو اور اپنی نذر میں کسی قسم کا خلل تمہارے دل میں نہیں رہتا تو تم سچے ورنہ تم جھوٹے اور تمہارا یہ فعل شرک اور وہ جانور مُردار اور حرام۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

انتقال خون کا مسئلہ:

خون اگرچہ جزءِ انسانی ہے مگر اس کو کسی دوسرے انسان کے بدن میں منتقل کرنے کے لئے اعضاءِ انسانی میں کانٹ چھانٹ اور آپریشن کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ انجکشن کے ذریعے خون نکالا اور دوسرے کے

بدن میں ڈالا جاتا ہے۔ اس لئے اس کی مثال دودھ کی سی ہوگئی جو بدنِ انسانی سے بغیر کسی کاٹ چھانٹ کے نکلتا اور دوسرے انسان کا جزء بنتا ہے اور شریعت اسلام نے بچہ کی ضرورت کے پیش نظر انسانی دودھ ہی کو اس کی غذا قرار دیا ہے۔ "اس میں مضائقہ نہیں کہ دواء کے لئے کسی شخص کی ناک میں عورت کا دودھ ڈالا جائے یا پینے میں استعمال کیا جائے۔" (عالمگیری ص ۴)

اور مغنی ابن قدامہ میں اس مسئلہ کی مزید تفصیل مذکور ہے (مغنی کتاب الصید ص ۶۰۲ ج ۸) اگر خون کو دودھ پر قیاس کیا جائے تو کچھ بعید از قیاس نہیں، کیونکہ دودھ بھی خون کی بدلی ہوئی صورت ہے اور جزءِ انسان ہونے میں مشترک ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ دودھ پاک ہے اور خون ناپاک۔ تو حرمت کی پہلی وجہ یعنی جزءِ انسانی ہونا تو یہاں وجہ ممانعت نہ رہی، صرف نجاست کا معاملہ رہ گیا۔ علاج ودواء کے معاملہ میں بعض فقہاء نے خون کے استعمال کی بھی اجازت دی ہے۔

اس لئے انسان کا خون دوسرے کے بدن میں منتقل کرنے کا شرعی حکم یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام حالات میں تو جائز نہیں مگر علاج ودواء کے طور پر اس کا استعمال اضطراری حالت میں بلاشبہ جائز ہے۔ اضطراری حالت سے مراد یہ ہے کہ مریض کی جان کا خطرہ ہو۔ احقر کا ایک مستقل رسالہ "اعضائے انسانی کی پیوندکاری" اس کو ملاحظہ فرمایا جائے۔

تحریم خنزیر

آیت میں حرمتِ خنزیر کے ساتھ لحم کی قید مذکور ہے۔ امام قرطبیؒ نے فرمایا کہ اس سے مقصود لحم یعنی گوشت کی تخصیص نہیں، بلکہ اس کے تمام اجزاء ہڈی، کھال، بال، پٹھے سب ہی باجماعِ امت حرام ہیں، لیکن لفظ لحم بڑھا کر اشارہ اس طرف ہے کہ خنزیر دوسرے حرام جانوروں کی طرح نہیں ہے کہ وہ ذبح کرنے سے پاک ہوسکتے ہیں، اگرچہ کھانا حرام ہی رہے۔ کیونکہ خنزیر کا گوشت ذبح کرنے سے بھی پاک نہیں ہوتا کہ وہ نجس العین بھی ہے حرام بھی، صرف چمڑا سینے کے لئے اس کے بال کا استعمال حدیث میں جائز قرار دیا ہے۔ (ج ۱ ص، قرطبی)

غیر اللہ کے نام پر ذبح کی صورتیں:

(وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ): اول یہ کہ کسی جانور کو غیر اللہ کے تقرب کے لئے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اسی غیر اللہ کا نام لیا جائے۔ یہ صورت باتفاق وباجماعِ امت حرام ہے، اور یہ جانور میتہ ہے، اس کے کسی جز سے انتفاع جائز نہیں۔ کیونکہ یہ صورت آیت (وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) کا مدلول صریح ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی جانور کو تقرب الی غیر اللہ کے لئے ذبح کیا جائے۔ یعنی اس کا خون بہانے سے تقرب الی غیر اللہ مقصود ہو، لیکن بوقت ذبح اس پر نام اللہ ہی کا لیا جائے، جیسے بہت سے ناواقف مسلمان بزرگوں، پیروں کے نام پر ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بکرے، مرغے وغیرہ ذبح کرتے ہیں۔ لیکن ذبح کے وقت اس پر نام اللہ ہی کا پکارتے ہیں، یہ صورت بھی باتفاقِ فقہاء حرام اور مذبوحہ مردار ہے۔

بکثرت ہندو اپنے دیوتاؤں کے نام بکری یا گائے وغیرہ کو اپنے نزدیک وقف کرکے چھوڑ دیتے ہیں اور مندروں کے پجاریوں جوگیوں کو اختیار دیتے ہیں وہ جو چاہیں کریں۔ یہ مندروں کے پجاری ان کو مسلمانوں کے ہاتھ بھی فروخت کردیتے ہیں۔

کسی جانور کا کان کاٹ کر یا کوئی دوسری علامت لگا کر تقرب الی غیر اللہ اور تعظیم غیر اللہ کے لئے چھوڑ دیا جائے، نہ اس سے کام لیں اور نہ اس کے ذبح کرنے کا قصد ہو، بلکہ اس کے ذبح کرنے کو حرام جانیں، یہ جانور (وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ) اور مَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ دونوں میں داخل نہیں، بلکہ اس قسم کے جانور کو بحیرہ یا سائبہ وغیرہ کہا جاتا ہے۔

ایک عورت نے حضرت صدیقہؓ سے سوال کیا کہ ام المؤمنین! ہمارے کچھ رضاعی رشتہ دار عجمی لوگوں میں سے ہیں، اور ان کے یہاں تو روز روز کوئی نہ کوئی تہوار ہوتا رہتا ہے۔ یہ اپنے تہواروں کے دن کچھ نہ کچھ ہدیہ تحفہ ہمارے پاس بھی بھیج دیتے ہیں، ہم اس کو کھائیں یا نہیں؟ اس پر صدیقہ عائشہؓ نے فرمایا: "جو جانور اس عید کے دن کے لئے ذبح کیا گیا ہو وہ نہ کھاؤ، لیکن ان کے درختوں کے پھل وغیرہ کھا سکتے ہو۔"

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ
پھر جو کوئی بے اختیار ہوجائے نہ تو نافرمانی کرے اور نہ زیادتی تو اس پر کچھ گناہ نہیں

حالتِ مجبوری کا حکم:

یعنی اشیائے مذکورہ حرام ہیں لیکن جب کوئی بھوک سے مرنے لگے تو اس کو لاچاری کی حالت میں کھا لینے کی اجازت ہے، بشرطیکہ نافرمانی اور زیادتی نہ کرے۔ نافرمانی یہ کہ مثلاً نوبت اضطرار کی نہ پہنچے اور کھانے لگے اور زیادتی یہ کہ قدر ضرورت سے زائد خوب پیٹ بھر کر کھالے۔ بس اتنا ہی کھائے جس سے مرے نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

حالتِ مجبوری کا حکم:

جو شخص بھوک سے ایسی حالت پر پہنچ گیا کہ اگر کچھ نہ کھائے تو جان

جاتی رہے گی۔ اس کے لئے دوشرطوں کے ساتھ یہ حرام چیزیں کھالینے کی گنجائش دی گئی ہے۔ ایک شرط یہ ہے کہ مقصود جان بچانا ہو..... کھانے کی لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔ دوسری شرط یہ ہے کہ صرف اتنی مقدار کھائے جو جان بچانے کے لئے کافی ہو، پیٹ بھر کر کھانا یا قدرِ ضرورت سے زائد کھانا اس وقت بھی حرام ہے۔

حرام سے علاج:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ''اللہ تعالیٰ نے اہلِ ایمان کے لئے حرام میں شفاء نہیں رکھی۔ (بخاری شریف)

فقہاء متاخرین نے موجودہ زمانے میں حرام و ناپاک دواؤں کی کثرت اور ابتلاءِ عام اور عوام کے ضعف پر نظر کر کے اس شرط کے ساتھ اجازت دی ہے کہ کوئی دوسری حلال اور پاک دواء اس مرض کے لئے کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔

مسئلہ: تفصیل مذکور سے ان تمام انگریزی دواؤں کا حکم معلوم ہو گیا جو یورپ وغیرہ سے آتی ہیں، جن میں شراب وغیرہ نجس اشیاء کا ہونا معلوم ویقینی ہو اور جن دواؤں میں حرام ونجس اجزاء کا وجود مشکوک ہے ان کے استعمال میں اور زیادہ گنجائش ہے، اور احتیاط بہر حال احتیاط ہے۔ خصوصاً جبکہ کوئی شدید ضرورت بھی نہ ہو، واللہ سبحانہٗ وتعالیٰ اعلم۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٧٣﴾
بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان

اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے:

یعنی اللہ پاک تو بڑا بخشنے والا ہے۔ بندوں کے ہر قسم کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ پھر ایسے لاچار اور مضطر کی بخشش کیسے نہ فرمائے گا اور اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے کہ مجبوری کی حالت میں صاف اجازت دے دی کہ جس طرح بن پڑے اپنی جان بچالو۔ اصلی حکم ممانعت کا لاچاری کی حالت میں تم پر سے اٹھالیا گیا، ورنہ اس مالک الملک کا حق تھا کہ فرما دیتا تمہاری جان جائے یا رہے مگر ہمارے حکم کے خلاف ہرگز نہ کرنا۔ ایک خلجان یہاں بھی ہوتا تھا کہ بھوک سے مرتے ہوئے مضطر بدحواس کو یہ اندازہ کرنا کہ اتنے لقموں سے سدرمق ہو جائے گا اور اس سے زائد ایک لقمہ نہ کھائے، محال نہیں تو دشوار تو بہت ہے، اس لئے (اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) فرما کر اس میں سہولت کر دی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ
بیشک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ
الْكِتٰبِ
نے کتاب

یہودیوں کی بیماری:

یعنی اللہ نے جو کتاب آسمانی میں حلال وحرام کا حکم بھیجا یہود نے اس کو چھپایا اور اپنی طرف سے بڑھایا گھٹایا جیسا کہ پہلی آیت میں مذکور ہو چکا۔ ایسے ہی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات جو اس میں لکھی تھیں ان کو بھی چھپاتے اور بدلتے تھے اور یہ دونوں سخت گناہ ہیں کیونکہ ان کا مطلب اور نتیجہ یہ ہے کہ ہدایت اور طریقۂ حق کسی کو نصیب نہ ہو، سب گمراہ رہیں، حالانکہ حق تعالیٰ نے تو کتاب اور رسول کو ہدایت خلق کے لئے بھیجا تھا۔ سو انہوں نے خدا کے بھی خلاف کیا اور خلق اللہ کو بھی جاہل اور گمراہ بنانا چاہا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَيَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۙ
اور لیتے ہیں اس پر تھوڑا سا مول

مردار اور خنزیر سے بھی بدتر کمائی:

یعنی اللہ کی نافرمانی اور خلق اللہ کی گمراہی پر بس نہیں کی بلکہ اس حق پوشی کے عوض میں جن کو گمراہ کرتے تھے ان سے الٹا رشوت میں مال بھی لیتے تھے جس کا نام ہدیہ اور نذرانہ اور شکرانہ رکھ چھوڑا تھا۔ حالانکہ یہ حرام خوری مردار اور خنزیر کے کھانے سے بھی بدتر ہے۔ اب ظاہر ہے کہ ایسی حرکاتِ شنیعہ کی سزا بھی سخت ہوگی جس کو آگے بتلایا جاتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ
وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ

یہ مال نہیں آگ ہے:

یعنی گو ظاہر نظر میں ان کو وہ مال لذیذ اور نفیس معلوم ہو رہا ہے مگر حقیقت میں وہ آگ ہے جس کو خوش ہو کر اپنے پیٹ میں بھر رہے ہیں۔ جیسا طعام لذیذ میں زہر قاتل ملا ہوا ہو کہ کھاتے وقت لذت معلوم ہوتی ہے اور پیٹ میں جا کر آگ لگا دے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جو شخص سونے چاندی کے برتن میں کھاتا پیتا ہے وہ اپنے پیٹ میں جہنم کی آگ بھرتا ہے۔ ﴿ابن کثیرؒ﴾

وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن

یہ یہودی اللہ کی رحمت سے محروم:

سو اس میں یہ شبہ کسی کو ہوسکتا ہے کہ دیگر آیات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ جناب باری قیامت کو ان سے خطاب فرمائے گا سو کلام نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ لطف و رحمت کے ساتھ ان سے کلام نہ کیا جائے گا اور بطور تخویف و تذلیل و تہدید و وعید جناب باری ان سے کلام کرے گا جس سے ان کو سخت صدمہ اور غم ہوگا یا یوں کہئے کہ بلا واسطہ ان سے کلام نہ کیا جائے گا اور کلام کرنے کا جو ذکر ہے وہ ملائکہ عذاب کی وساطت سے ہوگا۔ ﴿تفسیر عثانیؒ﴾

فائدہ: (وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ) کی دھمکی سے یہ امر صاف معلوم ہوتا ہے کہ ہر کسی کے دل میں محبت الٰہی خوب راسخ ہے۔ اگر سردست محسوس نہ ہو تو اس کو ہیجواخگر بزیر خاکستر سمجھنا چاہئے۔ قیامت کو جب کل موانع دور ہوں گے تو اس کا ظہور کامل ہوگا، کیونکہ اگر یہ نہ ہوتا تو پھر کفار کو یہ دھمکی ایسی ہوگی کہ کوئی اپنے دشمن کو ناخوشی اور اعراض سے ڈرانے لگے جو بالکل بے سُود ہے۔ محبان جاں نثار اعراض محبوب کو درد جانگداز سمجھتے ہیں نہ اعداء۔ بس معلوم ہوا کہ قیامت کو ہر سینہ اللہ کی محبت سے ایسا لبریز ہوگا کہ یہ بے التفاتی عذاب دوزخ سے بھی بدرجہا زیادہ ان کو جانکاہ معلوم ہوگی۔ ﴿تفسیر عثانیؒ﴾

قیامت کے دن دربارِ عام ہوگا۔ مؤمن و کافر، فاسق و فاجر سب جمع ہوں گے۔ اس دن کی ہم کلامی کوئی رتبہ اور شرف نہیں رکھتی۔ وہ دن تو عدالت اور فیصلہ کا ہوگا۔ مجرم اور قصوروار بھی اس کا کلام سنیں گے، لیکن یہ لوگ اس دن بھی کلام الٰہی سے محروم رہیں گے۔ غصہ اور سرزنش بھی بواسطہ فرشتوں کے ہوگی اور نہ اس دن ان کو اللہ تعالیٰ پاک و صاف کرے گا۔ جیسے گناہ گار مسلمانوں کو اس لئے عذاب دیا جائے گا کہ وہ پاک و صاف ہو کر دخول بہشت کے قابل ہو جائیں۔

تین قسم کے لوگوں سے اللہ بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہیں، بڈھا زانی، بادشاہ جھوٹا، فقیر متکبر۔ ﴿ابن کثیرؒ﴾

وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۚ

اور نہ پاک کرے گا ان کو

کافر ہمیشہ آگ میں رہیں گے:

یعنی اہل ایمان گو کتنے ہی گنہگار ہوں مگر دوزخ میں زمانہ معین تک رہ کر اور گناہوں سے پاک ہو کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے، بخلاف کفار کے کہ وہ ہمیشہ نار میں رہیں گے اور کبھی پاک ہو کر جنت میں جانے کے قابل نہ ہوں گے۔ امور شرکیہ نے ان کو بمنزلہ نجس العین کے بنا دیا ہے کہ نجاست ان کی کسی طرح دور نہیں ہوسکتی اور مسلمان عاصی کا حال ایسا سمجھئے کہ پاک چیز پر نجاست واقع ہوگئی، نجاست زائل ہو کر پھر پاک ہوگیا۔ ﴿تفسیر عثانیؒ﴾

وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۴﴾

اور ان کیلئے ہے عذاب دردناک

دردناک عذاب:

واقعی اس سے زیادہ اور کیا عذاب الیم ہوگا کہ ظاہر بدن سے بڑھ کر ان کے باطن میں بھی آگ ہوگی اور محبوب حقیقی ان سے ناخوش ہوگا پھر اس مصیبت جانکاہ سے کبھی نجات نہ ملے گی، نعوذ باللہ۔ ﴿تفسیر عثانیؒ﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى

یہی ہیں جنہوں نے خریدا گمراہی کو بدلے ہدایت کے

وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ

اور عذاب بدلے بخشش کے

انہوں نے خود عذاب خریدا:

یعنی وہ لوگ بیشک اسی قابل ہیں کیونکہ انہوں نے خود سرمایہ نجات کو غارت کیا اور گمراہی کو ہدایت کے مقابلہ میں پسند اور اختیار کیا اور اسباب مغفرت کو چھوڑ کر اسبابِ عذاب کو منظور کیا۔ ﴿تفسیر عثانیؒ﴾

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾

سو کس قدر صبر کرنے والے ہیں وہ دوزخ پر

یعنی اپنی خوشی سے موجبات دخول نار کو اختیار کرتے ہیں گویا آگ ان کو نہایت مرغوب اور محبوب ہے کہ اپنی جان و مال کے بدلے اس کو خرید رہے ہیں، ورنہ سب جانتے ہیں کہ عذابِ نار پر صبر کرنا کیسا ہے۔ ﴿تفسیر عثانیؒ﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ
یہ اس واسطے کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچی
الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِى الْكِتٰبِ لَفِىْ شِقَاقٍۭ
اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بیشک ضد میں
بَعِيْدٍ ﴿۱۷۶﴾ ع
دور جا پڑے

کافروں کے گمراہ ہونے کی دلیل:

یہ یعنی ضلالت کو ہدایت کے بدلے اور عذاب کو مغفرت کے بدلے خریدنے کی دلیل یا ان پر عذابات مذکورہ سابقہ کے ہونے کی۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ نے جو کتاب سچی نازل فرمائی انہوں نے اس کے خلاف کیا اور طرح طرح کے اختلاف اس میں ڈالے اور خلاف اور دشمنی میں دور جا پڑے یعنی بڑا خلاف کیا، یا طریقۂ حق سے دور ہو گئے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ ان کا صابر علی النار ہونا چونکہ بدیہی البطلان نظر آتا تھا۔ اس لئے لفظ ذٰلِکَ سے اخیر تک اس کے جواب کی طرف اشارہ فرمادیا، فافہم۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ
نیکی کچھ یہی نہیں کہ منہ کرو اپنا
الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ
مشرق کی طرف یا مغرب کی

یہودیوں کی خوش فہمیاں اور اُن کا رد:

جب آیات سابقہ اپنی برائی میں سنیں تو یہود و نصاریٰ کہنے لگے کہ ہم میں تو بہت سے اسباب و آثارِ ہدایت مغفرت موجود ہیں۔ ایک کھلی بات یہی ہے کہ ہم جس قبلہ کی طرف منہ کرنے کے مامور ہیں اس کی طرف متوجہ ہو کر نماز جو افضل عبادات ہے اس کو اللہ کے حکم کے موافق ادا کرتے ہیں۔ پھر ان خرابیوں اور عذاب کے ہم کیسے مستحق ہو سکتے ہیں۔ اس خیال کی تردید میں فرمایا جاتا ہے کہ بڑی نیکی جو مغفرت و ہدایت کے لئے کافی ہو یہ نہیں کہ تم صرف منہ نماز میں مشرق یا مغرب کی طرف کر لیا کرو اور عقائد و اعمال ضروریہ کی پروا بھی نہ کرو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ
لیکن بڑی نیکی تو یہ ہے جو کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے
الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ
دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر
وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى
اور دے مال اس کی محبت پر رشتہ داروں کو اور یتیموں کو
وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ
اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو
وَفِى الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ
اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوٰۃ
وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ
اور پورا کرنے والے اپنے اقرار کو جب عہد کریں اور صبر کرنیوالے
فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ
سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت

اصل نیکی:

یعنی نیکی اور بھلائی جو اثر ہدایت اور سبب مغفرت ہو یہ ہے کہ اللہ اور روزِ قیامت اور جملہ ملائکہ اور کتب آسمانی اور انبیاء پر دل سے ایمان لائے اور ان پر یقین کرے اور باوجود محبت اور رغبت کے اپنے مال کو علاوہ زکوٰۃ کے قریبوں اور یتیموں اور غریبوں اور مسافروں اور سائلوں کو جو کہ محتاج ہوں دے اور گردنیں چھڑانے میں یعنی مسلمان جس کو کفار نے ظلماً قید کر لیا ہو اس کی رہائی میں یا مقروض کو قرض خواہ سے چھڑانے میں یا غلام کو آزاد کرانے میں یا غلام مکاتب کو خلاصی دلانے میں مال دیوے اور نماز کو خوب درستی کے ساتھ پڑھے اور چاندی اور سونے اور جملہ اموال تجارت میں سے زکوٰۃ دے اور اپنے عہد و قرار کو پورا کرے اور فقر و فاقہ اور بیماری اور تکلیف اور خوف کی حالت میں صبر و استقلال سے رہے اور یہود و نصاریٰ چونکہ ان عقائد اور اعمال و اخلاق میں قاصر اور ناقص تھے اور طرح

طرح سے ان میں خلل اندازی کرتے تھے جیسا کہ آیات قرآنی میں اس کا ذکر ہے۔ تو اب یہود یا نصاریٰ کا صرف اپنے استقبال قبلہ پر ناز کرنا اور اپنے آپ کو طریق ہدایت پر مستقیم سمجھنا اور مستحق مغفرت کہنا بیہودہ خیال ہے تاوقتیکہ ان اعتقادات اور اخلاق و اعمال پر قائم نہ ہوں گے جو اس آیت کریمہ میں بالتفصیل مذکور ہیں۔ صرف استقبال قبلہ سے نہ ہدایت نصیب ہوسکتی ہے نہ عذاب الٰہی سے نجات مل سکتی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں
الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾
پرہیزگار

مذکورہ بالا صفات والے ہی سچے ہیں:

یعنی جو لوگ اعتقادات و اخلاق و اعمال مذکورہ کے ساتھ متصف ہیں وہی لوگ سچے ہیں۔ اعتقادات اور ایمان اور دین میں یا اپنے قول و قرار میں اور وہی لوگ پرہیزگار اور متقی ہیں اپنے اخلاق اور اعمال میں یا بچنے والے ہیں گناہ اور بری باتوں سے یا عذاب الٰہی سے اہل کتاب کہ جن کو ان خوبیوں میں سے ایک بھی میسر نہیں ان کا اپنی نسبت ایسا خیال کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

افضل صدقہ:

صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: افضل صدقہ یہ ہے کہ تو اپنی صحت اور مال کی محبت کی حالت میں اللہ کے نام سے دے کہ تجھے مال کی کمی کا اندیشہ ہو اور زیادتی کی رغبت ہو۔

یتیم و مسکین:

حدیث شریف میں ہے بلوغت کے بعد یتیمی نہیں رہتی۔ مساکین وہ ہیں جن کے پاس اتنا نہ ہو جو ان کے کھانے پینے، پہننے، اوڑھنے، رہنے سہنے کو کافی ہوسکے۔ ان کے ساتھ بھی سلوک کیا جائے۔

زکوٰۃ کے علاوہ بھی ہے:

حضرت فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مال میں زکوٰۃ کے سوا کچھ اور بھی اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت پڑھ کر سنائی۔

حضورؐ فرماتے ہیں سائل کا حق ہے اگرچہ وہ گھوڑے پر سوار آئے (ابوداؤد)۔

قرابت دار مسکین:

حدیث میں ہے مسکین کو دینا اکہرا ثواب ہے اور قرابت دار مسکین کو دینا دوہرا ثواب ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

ملائکہ پر ایمان لانے کا مطلب:

ملائکہ پر ایمان لانا یہ ہے کہ یہ سمجھے کہ وہ اللہ کے بندے ہیں، نور سے پیدا ہوئے ہیں، جسم و روح والے ہیں کسی کے ان میں دو دو بازو ہیں کسی کے تین تین کسی کے چار چار۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا کہ ان کے چھ سو بازو تھے اور نیز یہ اعتقاد رکھے کہ وہ نہ کھاتے ہیں نہ پیتے ہیں نہ نکاح کرتے ہیں۔ ان کی روزی تسبیح اور تہلیل ہے۔ اللہ کی نافرمانی نہیں کرتے، جو ان کو حکم ہوجاتا ہے وہی کرتے ہیں۔ موت ان کو بھی آئے گی اور پھر مثل اوروں کے زندہ ہوکر اٹھیں گے۔

روافض کی تردید:

روافض کہتے ہیں ائمہ پر بھی ایمان لانا ایمان کے مفہوم میں ہے۔ ائمہ پر ایمان لانا اگر ایمان کی حقیقت میں داخل ہوتا تو اللہ تعالیٰ نے جس طرح یہاں انبیاء اور ملائکہ وغیرہ پر ایمان لانے کو ذکر فرمایا ہے ائمہ پر بھی ایمان لانے کو ذکر فرماتے، واللہ اعلم۔

اخلاص سے ثواب ملتا ہے:

مال خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے دیا جاتا ہے تو اس کا ثواب اللہ تعالیٰ دیتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے لئے نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی تعلق نہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اوّل فیصلہ والے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے روز اول جن کا فیصلہ ہوگا تین شخص ہوں گے۔ تیسرا ان میں وہ ہوگا جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں وسعت اور ہر قسم کا مال دیا ہوگا۔ وہ پیش کیا جائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے پوچھیں گے کہ یاد ہے ہم نے تجھ کو فلاں فلاں نعمت دی تھی، وہ اقرار کرے گا اور عرض کرے گا، پروردگار بے شک یہ نعمتیں مجھ کو ملی تھیں۔ اللہ تعالیٰ دریافت فرمائیں گے پھر تو نے اس میں ہمارے لئے کیا عمل کیا۔ وہ عرض کرے گا کہ اے اللہ! جتنی آپ کی راہ ہیں میں نے کوئی نہیں چھوڑی، سب میں آپ کے لئے مال خرچ کیا۔ حکم ہوگا تو جھوٹا ہے۔ تو نے اس واسطے دیا تھا کہ لوگ تجھے سخی

کہیں۔ سو لوگوں نے تجھے سخی کہا۔ پھر حکم کریں گے کہ اس کو منہ کے بل آگ میں جھونک دو۔ اس کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

اللہ دلوں اور نیتوں کو دیکھتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور مالوں کو نہیں دیکھتے۔ وہ تمہارے دلوں کو اور اعمال کو دیکھتے ہیں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

شرک والا عمل قبول نہیں ہوسکتا:

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں سب شرکاء سے زیادہ شرک سے بے نیاز ہوں۔ جو شخص ایسا عمل کرے کہ اس میں میرے غیر کو شریک کرے میں اس کو اور اس کے عمل کو چھوڑ دیتا ہوں۔

زیادہ ثواب والا صدقہ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کون سے صدقہ کا زیادہ ثواب ہے؟ فرمایا کہ زیادہ ثواب اس وقت ہے کہ صدقہ کرنے کی حالت میں تندرست، ہٹا کٹا اور حاجت مند ہو، فقر سے ڈرتا ہو اور تونگری کی امید میں ہو اور ایسا نہ کرے کہ دینے میں ٹال مٹول کئے جائے۔ جب روح حلق تک آ جائے اور جان نکلنے لگے تو اس وقت دینے بیٹھے کہ فلاں کو اس قدر اور فلاں کو اس قدر۔ اس وقت تو وہ مال وارثوں کا ہے ہی۔ اس حدیث کو بخاریؒ و مسلمؒ نے روایت کیا ہے۔

اہل وعیال پر خرچ کرنا:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تو ایک دینار اللہ کی راہ میں خرچ کرے اور ایک دینار مسکین کو دے اور ایک دینار اپنی اہل کو دے ان میں سب سے زیادہ ثواب اس دینار کا ہے جس کو تو نے اہل پر صرف کیا ہے۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ اور زینب زوجہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے عورتوں کے گروہ! صدقہ اور خیرات کرو، اگرچہ اپنے زیور سے ہی ہو۔ زینب رضی اللہ عنہا اور ایک دوسری عورت نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خاوند کو اور جو یتیم اپنی پرورش میں ہو اس کو اگر صدقہ دے تو کفایت کرے گا یا نہیں؟ فرمایا کہ ایسے دینے میں دو ثواب ہیں، ایک ثواب رشتہ داری کا اور ایک صدقہ کا۔ اس حدیث کو بخاریؒ نے روایت کیا ہے اور سلمان بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مسکین کو صدقہ دینا تو صدقہ ہی ہے اور رشتہ دار کو صدقہ دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے۔ اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے۔

کافر رشتہ داروں سے بھی صلہ رحمی کرو:

حضرت اسماءؓ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی دختر فرماتی ہیں کہ میری ماں میرے پاس آئی اور وہ مشرکہ تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ میری ماں آئی ہے اور وہ مشرکہ ہے۔ میں اس کے ساتھ کیا معاملہ کروں۔ فرمایا کہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کر۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ فلاں قبیلہ والے میرے دوست نہیں ہیں۔ میرا دوست تو اللہ تعالیٰ اور نیک مؤمن ہیں۔ ہاں ان کی مجھ سے قرابت ہے۔ اس کی رعایت البتہ میں کروں گا۔

مہمان کا اکرام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو اللہ اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ اپنے مہمان کی مدارات کرے۔ (بخاری و مسلم)

اسلام کی حقیقت:

طلحہ بن عبید اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں ایک شخص حاضر ہوا اور اسلام کی حقیقت دریافت کی۔ فرمایا کہ پنجگانہ نماز اور رمضان کے روزے اور زکوٰۃ۔ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ پر اور بھی کچھ ہے۔ فرمایا نہیں، لیکن اگر تیرا جی چاہے تو نفل کے طور پر کچھ کر لے۔

منافق کی علامت:

ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ منافق کی تین علامتیں ہیں۔ جب بات کہے تو جھوٹ کہے اور جب وعدہ کرے تو اس کے خلاف کرے۔ اور جب امانت اس کے پاس رکھی جائے تو خیانت کرے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ مسلم کی روایت میں اتنا زیادہ ہے کہ اگرچہ وہ روزہ نماز کا پابند ہو اور اپنے آپ کو مسلمان سمجھتا ہو۔ اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چار خصلتیں جس میں پائی جائیں وہ منافق خالص ہے اور

جس میں ان میں سے ایک خصلت ہے اس میں اس خصلت کے چھوڑ نے تک ایک خصلت نفاق کی رہے گی۔ جب امین بنایا جائے تو خیانت کرے۔ جب بات کہے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو اس کو پورا نہ کرے اور جب جھگڑا کرے تو گالیاں بکے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

ایفائے عہد:

ایفاءِ عہد کی عادت دائمی ہونی چاہئے۔ اتفاقی طور پر کوئی معاہدہ پورا کردے تو یہ ہر کافر فاجر بھی کبھی نہ کبھی کرتا ہے۔ اس کا اعتبار نہیں۔ اسی طرح معاملات کے باب میں صرف ایفائے عہد کا ذکر کیا گیا، کیونکہ اگر غور کیا جائے تو تمام معاملات بیع وشراء، اجارہ، شرکت سب ہی کی روح ایفاءِ معاہدہ ہے۔ اسی طرح آگے اخلاق یعنی اعمال باطنہ کا ذکر کرنا تھا، ان میں سے صرف صبر کو بیان کیا گیا، کیونکہ صبر کے معنے ہیں نفس کو قابو میں رکھنے اور برائیوں سے بچانے کے۔ اگر غور کیا جائے تو تمام اعمالِ باطنہ کی اصل روح صبر ہی ہے۔ اسی کے ذریعے اخلاق فاضلہ حاصل کئے جاسکتے ہیں اور اسی کے ذریعہ اخلاق رذیلہ سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ
اے ایمان والو فرض ہوا تم پر (قصاص) برابری کرنا
فِي الْقَتْلٰى
مقتولوں میں

مقتولین میں برابری:

زمانہ جاہلیت میں یہود اور اہل عرب نے یہ دستور کر رکھا تھا شریف النسب لوگوں کے غلام کے بدلے رذیل لوگوں کے آزاد کو اور عورت کے بدلے مرد کو اور ایک آزاد کے بدلے دو کو قصاص میں قتل کرتے تھے۔ حق تعالیٰ نے اس آیت میں حکم دیا کہ اے ایمان والو ہم نے تم پر مقتولین میں برابری اور مساوات کو فرض کر دیا۔ قصاص کے معنی لغت میں برابری اور مساوات کے ہیں۔ تم نے یہ جو دستور نکالا ہے کہ شریف اور رذیل میں امتیاز کرتے ہو یہ لغو ہے، جانیں سب کی برابر ہیں۔ غریب ہو یا امیر، شریف ہو یا رذیل، عالم و فاضل ہو یا جاہل جوان ہو یا بوڑھا اور بچہ تندرست ہو یا بیمار قریب المرگ صحیح الاعضاء ہو یا اندھا لنگڑا۔

فائدہ: پہلی آیت میں نیکی اور بر کے اصول مذکور تھے جن پر مدار ہدایت و مغفرت تھا اور اس طرف بھی اشارہ تھا کہ اہل کتاب ان خوبیوں سے بے بہرہ ہیں اور بالتصریح فرمادیا تھا کہ دین میں سچا اور متقی بدون ان خوبیوں کے کوئی نہیں ہوسکتا تھا اب اہل اسلام کے سوا نہ اہل کتاب اس کے مصداق بن سکتے ہیں نہ جہال عرب، اس لئے اب سب سے اعراض فرما کر خاص اہل ایمان کو مخاطب بنایا جاتا ہے اور نیکی اور بر کے مختلف فروع عبادات جانی و مالی اور معاملات مختلفہ ان کو بتلاتے ہیں کہ ان فروع کو وہی کرسکتا ہے جو اصول مذکورہ سابقہ پر پختہ ہو گویا اور لوگ اس خطاب کے قابل بھی نہ سمجھے گئے جو ان کو سخت عار کا باعث ہونا چاہئے اب جو احکام فروع بالتفصیل بیان کئے جاتے ہیں در حقیقت تو ان سے اہل ایمان کی ہدایت اور تعلیم مقصود ہے مگر ضمناً کہیں صاف کہیں تعریضاً دوسروں کی خرابی پر بھی متنبہ کیا جائے گا مثلاً (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى) میں اس کی طرف اشارہ ہے کہ یہود وغیرہ نے جو قصاص میں دستور کرلیا ہے یہ ان کا ایجاد بے بنیاد خلاف حکم الٰہی ہے جس سے ظاہر ہوگیا کہ اصول فرمودہ سابقہ میں سے نہ ان کو ایمان بالکتاب صحیح طور سے حاصل ہے نہ ایمان بالانبیاء نہ عہد خداوندی کو انہوں نے وفا کیا اور نہ سختی اور مصیبت کی حالت میں انہوں نے صبر سے کام لیا ورنہ اپنے کسی عزیز وقریب کے مقتول ہوجانے پر اس قدر بے صبری اور نفسانیت نہ کرتے کہ فرمان خداوندی اور ارشادی انبیاء اور حکم کتاب سب کو چھوڑ کر بے گناہوں کو قتل کرنے کا حکم دیتے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

قصاص کے مسائل:

(۱) چاروں ائمہ اور جمہور امت کا مذہب ہے کہ کئی ایک نے مل کر ایک مسلمان کو قتل کیا ہے تو وہ سارے اس ایک کے بدلے قتل کر دیے جائیں گے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

(۲) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عمداً قتل کرنے میں فقط قصاص واجب ہے۔ خون بہا بغیر قاتل کی رضامندی کے واجب نہیں۔ امام صاحب کے اس مسلک کی اللہ تعالیٰ کے قول (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى) (لکھا گیا تم پر قصاص) سے تائید ہوتی ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

(۳) قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لئے جائز ہے، اس سے زیادتی کرنا جائز نہیں۔ دیت یعنی خوں بہا شریعت میں سو اونٹ یا ہزار دینار یا دس ہزار درہم ہوتے ہیں، اور درہم آج کل کے مروجہ وزن کے

اعتبار سے تقریباً ساڑھے تین ماشہ چاندی کا ہوتا ہے، تو پوری دیت یعنی ۳۶ سیر ۳۶ تولے ۸ ماشے۔

(۴) جس طرح ناتمام معافی سے مال واجب ہو جاتا ہے اسی طرح اگر باہم کسی قدر مال پر مصالحت ہو جاوے تب بھی قصاص ساقط ہو کر مال واجب ہو جاتا ہے، لیکن اس میں کچھ شرائط ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں،

(۵) مقتول کے جتنے شرعی وارث ہیں وہی قصاص اور دیت کے مالک بقدر اپنے حصہ میراث کے ہوں گے، اگر دیت یعنی خوں بہا لیا گیا تو مال ان وارثوں میں بحساب وراثت تقسیم ہوگا۔

(۶) قصاص لینے کا حق اگرچہ اولیاء مقتول کا ہے، مگر باجماع امت ان کو اپنا یہ حق خود وصول کرنے کا اختیار نہیں کہ خود ہی قاتل کو مار ڈالیں بلکہ اس حق کے حاصل کرنے کے لئے حکم سلطان مسلم یا اس کے کسی نائب کا ضروری ہے، کیونکہ قصاص کس صورت میں واجب ہوتا ہے کس میں نہیں اس کی جزئیات بھی دقیق ہیں جن کو ہر شخص معلوم نہیں کر سکتا، اس کے علاوہ اولیاء مقتول اپنے غصہ میں مغلوب ہو کر کوئی زیادتی بھی کر سکتے ہیں، اس لئے باتفاق علماء امت حق قصاص حاصل کرنے کے لئے اسلامی حکومت کی طرف رجوع کرنا ضروری ہے۔ (قرطبی)

(۷) قتل عمد وہ کہ ارادہ کر کے کسی کو آہنی ہتھیار سے یا ایسی چیز سے جن سے گوشت پوست کٹ کر خون بہہ سکے قتل کیا جاوے، قصاص یعنی جان کے بدلے جان لینا، ایسے ہی قتل کے جرم کے ساتھ مخصوص ہے،

(۸) ایسے قتل میں جیسے آزاد آدمی آزاد کے عوض میں قتل کیا جاتا ہے ایسے ہی غلام کے عوض میں بھی، اور جس طرح عورت کے عوض میں عورت ماری جاتی ہے، اسی طرح مرد بھی عورت کے مقابلہ میں قتل کیا جاتا ہے۔ ﴿معارف المفتی اعظمؒ﴾

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ
آزاد کے بدلے آزاد

برابری کی وضاحت:

یہ توضیح ہے اس برابری کی جس کا حکم ہوا مطلب یہ ہے کہ ہر مرد آزاد کے قصاص میں صرف وہ ایک آزاد مرد قتل کیا جا سکتا ہے جو اس کا قاتل ہے یہ نہیں کہ ایک کے عوض قاتل کے قبیلہ سے کیف ما اتفق دو کو یا زیادہ کو قتل کرنے لگو۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ
اور غلام کے بدلے غلام

یعنی ہر غلام کے بدلے میں وہی غلام قتل کیا جائے گا جو قاتل ہے یہ نہ ہوگا کہ کسی شریف کے غلام کے قصاص میں قاتل کو جو کہ غلام ہے اس کو چھوڑ کر ان رذیل لوگوں میں سے کہ جن کے غلام نے قتل کیا ہے کسی آزاد کو قتل کیا جائے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى
اور عورت کے بدلے عورت

یعنی ہر ایک عورت کے قصاص میں صرف وہی عورت قتل کی جا سکتی ہے جس نے اس کو قتل کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ شریف النسب عورت کے قصاص میں رذیل عورت کو چھوڑ کر جو کہ قاتلہ ہے کسی مرد کو ان میں سے قتل کرنے لگیں۔ خلاصہ یہ ہوا کہ ہر آزاد دوسرے آزاد کے اور ہر غلام دوسرے غلام کے برابر ہے سو حکم قصاص میں مساوات چاہئے اور تعدی جو اہل کتاب اور جہال عرب کرتے تھے ممنوع ہے۔

فائدہ: اب باقی رہا یہ امر کہ آزاد کسی غلام کو یا مرد کسی عورت کو قتل کر دے تو قصاص لیا جائے گا یا نہیں سو یہ آیہ کریمہ اس سے ساکت ہے اور ائمہ کا اس میں اختلاف ہے امام ابوحنیفہ آیہ (اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ) اور حدیث "اَلْمُسْلِمُوْنَ تَتَكَافُوْ دِمَاؤُهُمْ" سے اس کے قائل ہیں کہ ہر دو صورت مذکورہ میں قصاص ہوگا اور جیسے قوی اور ضعیف صحیح اور مریض معذور اور غیر معذور وغیرہ حکم قصاص میں برابر ہیں ایسے ہی آزاد اور غلام مرد اور عورت کو امام ابوحنیفہ قصاص میں برابر فرماتے ہیں بشرطیکہ غلام مقتول قاتل کا غلام نہ ہو کہ وہ حکم قصاص سے ان کے نزدیک مستثنیٰ ہے اور اگر کوئی مسلمان کافر ذمی کو قتل کر ڈالے تو اس پر بھی قصاص ہوگا امام ابوحنیفہ کے نزدیک البتہ مسلمان اور کافر حربی میں کوئی قصاص کا قائل نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

قصاص:

نیز قصاص لینا یہ حاکم کے اختیار میں ہے۔ نہ کہ ہر شخص بطور خود اپنے آپ اس پر عمل کرے کہ ایسا کرنے میں فتنہ وفساد زیادہ ہوگا۔ اور یہ قصاص اس صورت میں ہے جبکہ قاتل نے عمداً یعنی جان بوجھ کر ارادہ سے قتل کیا ہو اور خطاء یعنی غلطی سے یا بھول چوک میں ہو جائے تو قصاص نہیں مثلاً گولی شیر پر لگاتا تھا اتفاقاً کسی آدمی کو لگ گئی۔ یہ قتل عمداً نہیں بلکہ خطاء ہے۔

خوں بہا:

خوں بہا شریعت میں اگر اونٹوں سے ادا کرے تو سو اونٹ۔ اگر سونے میں ادا کرے تو ایک ہزار دینار۔ اگر چاندی میں ادا کرتے تو ۳۶

سیر-۳۶ تولہ-۸ ماشہ-اگر بجائے اس شرعی مقررہ خون بہا کے دوسرے کسی قسم کے مال پر قاتل اور ورثاء مقتول میں باہمی مصالحت ہو جائے تو علاوہ اونٹ، سونے یا چاندی کے دوسری کوئی جنس غلہ-کپڑا-گھوڑا-مکان-دوکان-جائیداد موٹر، گاڑی وغیرہ ہو تب بھی قصاص ساقط ہو جائے گا اور یہ طے کردہ مال یا اس مال کی قیمت ادا کرنی پڑے گی خواہ وہ مقررہ خون بہا سے زیادہ قیمت کی ہو یا کم کی سب جائز ہے۔ ﴿درس قرآن﴾

امام ابوحنیفہ کا مذہب:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا مذہب یہ ہے کہ جس طرح غلام بدلہ میں آزاد کے اور عورت بدلہ میں مرد کے قتل کی جائے گی اسی طرح آزاد بدلہ میں غلام کے اور مرد بدلہ میں عورت کے قتل کیا جائے گا۔شوافع یہ کہتے ہیں کہ آزاد کو بمقابلہ غلام اور مرد کو بمقابلہ عورت قتل نہیں کیا جائے گا بلکہ دیت لے لی جائے گی۔

باندی اور آزاد عورت میں بالاجماع کوئی فرق نہیں اور اسی طرح آزاد مرد اور آزاد عورت میں بالاتفاق کوئی فرق نہیں پس جس طرح باندی کا آزاد عورت سے قصاص لیا جاتا ہے اور آزاد عورت کا آزاد مرد سے قصاص لیا جاتا ہے اسی طرح غلام کا آزاد مرد سے بھی قصاص لیا جائے گا۔

مقتولین میں برابری ہے قتل کے طریقہ میں نہیں:

یہ جائز نہیں کہ آگ سے جلانے والے کو آگ میں جلایا جائے اور پانی میں غرق کرنے والے کو پانی میں غرق کر کے مارا جائے اور اگر کسی نے کسی کو جادو سے مارا ہے تو اس کو جادو سے مارا جائے۔اس لئے فی القتلیٰ فرمایا فی القتل نہیں فرمایا۔مقتولین میں برابری ہے۔

بغیر دھار والا آلہ قتل:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وزنی چیز بے دھار سے مارے جانے میں قصاص کے قائل نہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ
پھر جس کو معاف کیا جائے اسکے بھائی کی طرف سے کچھ بھی تو تابعداری
بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ
کرنی چاہئے موافق دستور کے اور ادا کرنا چاہئے اس کو خوبی کے ساتھ

ورثاء کا معاف کرنا:

یعنی مقتول کے وارثوں میں سے اگر بعض بھی خون کو معاف کر دیں تو اب قاتل کو قصاص میں قتل تو نہیں کر سکتے بلکہ دیکھیں گے کہ ان وارثوں نے معاف کس طرح پر کیا بلا معاوضہ مالی محض ثواب کی غرض سے معاف کیا ہے یا دیت شرعی اور بطور مصالحت کسی مقدار مال پر راضی ہو کر صرف قصاص سے دستبرداری کی ہے اول صورت میں قاتل ان وارثوں کے مطالبہ سے بالکل سبکدوش ہو جائے گا اور دوسری صورت میں قاتل کو چاہئے کہ وہ معاوضہ اچھی طرح ممنونیت اور خوشدلی کے ساتھ ادا کرے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قتل سے مسلمان کافر نہیں ہوتا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ
یہ آسانی ہوئی تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی

اللہ کی مہربانی:

یہ اجازت کہ قتل عمد میں چاہو قصاص لو چاہو دیت لو چاہو معاف کر دو اللہ کی طرف سے سہولت اور مہربانی ہے قاتل اور وارثان مقتول دونوں پر جو پہلے لوگوں پر نہ ہوئی تھی کہ یہود پر خاص قصاص اور نصاریٰ پر دیت یا عفو مقرر تھا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ
پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کیلئے ہے عذاب
اَلِيْمٌ
دردناک

اب کسی جاہلی امر کی ہرگز اجازت نہیں ہے:

یعنی اس تخفیف اور رحمت کے بعد بھی اگر کوئی خلاف ورزی کرے گا اور دستور جاہلیت پر چلے گا یا معافی اور دیت قبول کر لینے کے بعد قاتل کو قتل کریگا تو اس کے لئے سخت عذاب ہے آخرت میں یا ابھی اس کو قتل کیا جائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ
اور تمہارے واسطے قصاص میں بڑی زندگی ہے اے عقلمندو

قصاص میں زندگی ہے:

یعنی حکم قصاص بظاہر نظر اگرچہ بھاری معلوم ہو لیکن عقلمند سمجھ سکتے ہیں کہ یہ حکم بڑی زندگانی کا سبب ہے کیونکہ قصاص کے خوف سے ہر کوئی کسی

کوقتل کرنے سے رکے گا تو دونوں کی جان محفوظ رہے گی اور قصاص کے سبب قاتل اور مقتول دونوں کی جماعتیں بھی قتل سے محفوظ اور مطمئن رہیں گی عرب میں ایسا ہوتا تھا کہ قاتل اور غیر قاتل کا لحاظ نہیں کرتے تھے جو ہاتھ آجاتا مقتول کے وارث اس کو قتل کر ڈالتے تھے اور فریقین میں اس کے باعث ایک خون کی وجہ سے ہزاروں جانیں ضائع ہونے کی نوبت آتی تھی جب خاص قاتل ہی سے قصاص لیا گیا تو یہ تمام جانیں بچ گئیں اور یہ معنی بھی ہوسکتے ہیں کہ قصاص قاتل کے حق میں باعث حیات اخروی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾
تاکہ تم بچتے رہو

قتل کرنے اور ترکِ قصاص سے بچتے رہو:

یعنی بچتے رہو قصاص کے خوف سے کسی کو قتل کرنے سے یا بچو قصاص کے سبب عذاب آخرت سے یا اس لئے کہ تم کو حکم قصاص کی حکمت معلوم ہوگئی ہے تو اس کی مخالفت یعنی ترک قصاص سے بچتے رہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

چونکہ قصاص نا قابل تقسیم ہے، اس لئے کوئی ادنیٰ درجہ کا حق رکھنے والا بھی اپنا حق قصاص معاف کر دے گا تو دوسرے وارثوں کا حق قصاص بھی معاف ہو جائے گا۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ
فرض کر دیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کو تم میں موت
إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ
بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے
وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى
اور رشتہ داروں کیلئے انصاف کے ساتھ یہ حکم لازم ہے
الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸۰﴾
پرہیزگاروں پر

وصیت کی مشروعیت اور منسوخیت:

پہلا حکم قصاص یعنی مردہ کی جان کے متعلق تھا یہ دوسرا حکم اسکے مال کے متعلق ہے اور کلیات مذکورہ سابقہ میں جو (وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى) ارشاد ہوا تھا اس کی تشریح ہے لوگوں میں دستور تھا کہ مردہ کا تمام مال اس کی بیوی اور اولاد بلکہ خاص بیٹوں کو ملتا تھا ماں باپ اور سب اقارب محروم رہتے تھے اس آیۃ میں ارشاد ہوا کہ ماں باپ اور جملہ اقارب کو انصاف کے ساتھ دینا چاہئے مرنے والے پر اسی کے موافق وصیت فرض ہوئی اور یہ وصیت اس وقت فرض تھی جس وقت تک آیہ میراث نہیں اتری تھی جب سورۂ نساء میں احکام میراث نازل ہوئے سب کا حصہ خدا تعالیٰ نے آپ معین فرما دیا اب ترکہ میت میں وصیت فرض نہ رہی اس کی حاجت ہی جاتی رہی البتہ مستحب ہے مگر وارث کے لئے وصیت جائز نہیں اور تہائی ترکہ سے زائد نہ ہو ہاں اگر کسی شخص کے متعلق دیون اور ودائع وغیرہ دادوستد کا جھگڑا ہو اس پر وصیت اب بھی فرض ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ایک رات بھی وصیت کے بغیر نہ گذارو:

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ اس کے پاس کوئی چیز ہو اور وہ وصیت کرنا چاہتا ہو کہ دو راتیں بھی بے وصیت لکھے گذار دے راوی حدیث حضرت عمرؓ کے صاحبزادے فرماتے ہیں اس فرمان کے سننے کے بعد میں نے تو ایک رات بھی بلا وصیت نہیں گذاری۔

وصیت کی مقدار:

صحیح بخاری میں ہے ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ کاش کہ لوگ تہائی سے ہٹ کر چوتھائی پر آجائیں اس لئے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی کی رخصت دیتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے کہ تہائی بہت ہے۔ مثلاً کسی وارث کو کسی طرح زیادہ دلوا دینا، مثلاً کہہ دیا کہ فلاں چیز فلاں کے ہاتھ اتنے اتنے میں بیچ دی جائے وغیرہ۔ اب یہ خواہ بطور غلطی اور خطا کے ہو یا زیادتی محبت وشفقت کی وجہ سے بغیر قصد ایسی حرکت سرزد ہوگئی ہو یا گناہ کے طور پر ہو تو وصی کو اس کے رد و بدل میں کوئی گناہ نہیں وصیت کو شرعی احکام کے مطابق کر کے جاری کر دے تاکہ میت بھی عذاب الٰہی سے بچے اور حقداروں کو حق بھی پہنچے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

حضرت عائشہؓ کا ایک آدمی کو مشورہ:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نے وصیت کرنے کا ارادہ کیا میں نے اس سے پوچھا کہ تیرے پاس کس قدر مال ہے اس نے کہا کہ تین ہزار درہم ہیں پھر میں نے پوچھا کہ تیرا کنبہ کتنا ہے اس نے کہا کہ

چار آدمی ہیں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (اِنۡ تَرَكَ خَيۡرًا) فرمایا ہے اور یہ مال تھوڑا ہے اس کو تو اپنے عیال کے لئے چھوڑ دے۔

حضرت سعدؓ کا واقعہ:

سعد بن ابی وقاصؓ فرماتے ہیں کہ میں سخت بیمار تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لئے تشریف لائے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری حالت تو ملاحظہ فرما ہی رہے ہیں کہ کیسی ابتر ہے اب میں چاہتا ہوں کہ اپنے تمام مال کی وصیت کر مروں فرمایا نہیں میں نے عرض کیا کہ نصف کی کر دوں فرمایا نہیں۔ میں نے عرض کیا کہ تہائی فرمایا ہاں تہائی اور تہائی بھی بہت ہے اپنے بال بچوں کو خوش حال چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ در در لوگوں سے بھیک مانگتے پھریں۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

شیخین کا مذہب:

امام ابوحنیفہؒ اور مالک رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ وارث پر کچھ لازم نہیں۔ لیکن ہاں اگر میت فدیہ کی وصیت کر مرے تو تہائی مال سے وصیت کو جاری کرنا واجب ہے اور تہائی سے زیادہ میں بغیر وارثوں کی رضا کے تصرف کرنا جائز نہیں۔ اسی طرح اگر کسی کے ذمہ نذر یا کفارہ کے روزے ہوں وہ اگر وصیت کر مرے تو تہائی ترکہ میں وصیت جاری ہو سکتی ہے۔

حضرت نعمانؓ بن بشیر کا واقعہ:

نعمان بن بشیرؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ میرے باپ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت بابرکت میں لائے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اپنے اس بیٹے کو کچھ دیا ہے (مقصود آپ کو گواہ بنانا تھا) آپ نے دریافت فرمایا کیا تم نے اپنی سب اولاد کو اسی قدر دیا ہے جتنا اس کو دیا ہے کہا یا رسول اللہ! نہیں سب کو تو نہیں دیا فرمایا اگر یہ بات ہے تو پھر جو تم نے اس کو دیا ہے وہ لوٹا لو اور ایک روایت ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں ظلم پر گواہ نہیں ہوتا اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ
پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو بعد اس کے جو سن چکا تو اس کا
اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
گناہ انہی پر ہے جنہوں نے اس کو بدلا بے شک اللہ

سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ؕ
سننے والا جاننے والا ہے

اگر ورثاء نے وصیت بدلی تو گنہگار ہیں:

یعنی مردہ تو وصیت انصاف کیساتھ کر مرا تھا مگر دینے والوں نے اس کی تعمیل نہ کی تو مردہ پر کوئی گناہ نہیں وہ اپنے فرض سے سبکدوش ہوا وہی لوگ گنہگار ہونگے بیشک حق تعالیٰ سب کی باتیں سنتا ہے اور سب کی نیتوں کو جانتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَمَنۡ خَافَ مِنۡ مُّوۡصٍ جَنَفًا اَوۡ اِثۡمًا
پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا
فَاَصۡلَحَ بَيۡنَهُمۡ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ؕ
پھر ان میں باہم صلح کرا دے تو اس پر کچھ گناہ نہیں

شریعت کے مطابق وصیت کی اصلاح جائز ہے:

یعنی اگر کسی کو مردہ کی طرف سے یہ اندیشہ یا علم ہوا کہ اس نے کسی وجہ سے غلطی کھائی اور کسی کی بے جا رعایت کی یا دیدہ و دانستہ خلاف حکم الٰہی دے گیا پس اس شخص نے اہل وصیت اور وارثوں میں حکم شریعت کے موافق صلح کرادی تو اس کو کچھ گناہ نہ ہوگا وصیت میں یہ تغیر اور تبدل جائز اور بہتر ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ ؒ
بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے

جس نے اصلاح کی اللہ اس کو بخش دے گا:

یعنی حق تعالیٰ تو گنہگاروں کی بھی مغفرت فرماتا ہے تو جس نے اصلاح کی غرض سے ایک برائی سے سب کو ہٹایا اس کی مغفرت تو ضرور فرمائے گا یا یوں کہو کہ بخشنے والا ہے وصیت کرنے والے کو جس نے وصیت ناجائز کی تھی مگر پھر سمجھ کر اس وصیت سے اپنی زندگی ہی میں پھر گیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الصِّيَامُ
اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ
كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِكُمۡ
جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے اگلوں پر

روزہ کی مشروعیت:

یہ حکم روزہ کے متعلق ہے جو ارکان اسلام میں داخل ہے اور نفس کے بندوں ہوا پرستوں کو نہایت ہی شاق ہوتا ہے اسلئے تاکید اور اہتمام کے الفاظ سے بیان کیا گیا اور یہ حکم حضرت آدمؑ کے زمانہ سے اب تک برابر جاری رہا ہے گو تعین ایام میں اختلاف ہوا اور اصول مذکورہ سابقہ میں جو صبر کا حکم تھا روزہ اس کا ایک بڑا رکن ہے حدیث میں روزہ کو نصف صبر فرمایا ہے۔ ﴿تفسیر عثانیؒ﴾

لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۸۳﴾
تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ

روزہ کی حکمت:

﴿یعنی روزہ سے نفس کو اس کی مرغوبات سے روکنے کی عادت پڑے گی تو پھر اس کی ان مرغوبات سے جو شرعاً حرام ہیں روک سکو گے اور روزہ سے نفس کی قوت و شہوت میں ضعف بھی آئے گا تو اب تم متقی ہو جاؤ گے بڑی حکمت روزہ میں یہی ہے کہ نفس سرکش کی اصلاح ہو اور شریعت کے احکام جو نفس کو بھاری معلوم ہوتے ہیں ان کا کرنا سہل ہو جائے اور متقی بن جاؤ، جاننا چاہئے کہ یہود و نصاریٰ پر بھی رمضان کے روزے فرض ہوئے تھے مگر انہوں نے اپنی خواہشات کے موافق ان میں اپنی رائے سے تغیر و تبدل کیا تو (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) میں ان پر تعریض ہے معنی یہ ہونگے کہ اے مسلمانو تم نافرمانی سے بچو یعنی مثل یہود اور نصاریٰ کے اس حکم میں خلل نہ ڈالو۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

روزہ پچھلی امتوں میں:

حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ پہلے لوگوں پر رات کی تاریکی شروع ہونے سے دوسری رات تک کا روزہ فرض تھا اور ابتدائے اسلام میں بھی اسی طرح روزہ فرض تھا اس لئے دونوں مشابہ ہوئے۔ اہل علم کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ جس طرح ہم پر ماہ رمضان کے روزے فرض ہیں اسی طرح نصاریٰ پر بھی اس مہینے کے روزے فرض تھے تو اکثر ایسا ہوتا تھا کہ جب یہ روزے سخت گرمی میں واقع ہو جاتے تھے تو تشنگی کی شدت سے روزے ان پر بھاری ہوتے تھے اور جب موسم سرما میں آتے تھے تو بھوک کی وجہ سے شاق ہو جاتے تھے جب یہ حالت دیکھی تو سب علماء اور رؤسا جمع ہوئے اور آپس میں مشورہ کر کے روزوں کو موسم بہار میں قرار دیا اور اپنی اس کرتوت کی وجہ سے دس دن بطور کفارہ کے اور بڑھا دیئے اب کل چالیس دن کے روزے اپنے اوپر مقرر کر لئے پھر اتفاقاً جوان میں بادشاہ تھا وہ بیمار ہو گیا اس نے یہ نذر کی کہ اگر مجھے شفا ہو گئی تو میں ایک ہفتہ کے روزے اور بڑھا دونگا اللہ تعالیٰ نے اس کو شفا دی اس نے ایک ہفتہ کے روزے اور مقرر کر دیئے۔ پھر اس کے بعد ایک اور بادشاہ ہوا اس نے پورے پچاس کر دیئے۔

عاشورہ کا روزہ:

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے روزے نازل ہونے سے پہلے عاشورہ کے روزہ کا حکم فرمایا کرتے تھے جب رمضان کے روزوں کا حکم آیا تو پھر یہ ہو گیا کہ جو چاہے اس دن روزہ رکھے اور جس کا جی چاہے نہ رکھے اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

روزہ نگاہ کو پست کرتا ہے:

ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے جوانوں کے گروہ جو تم میں سے نکاح کی استطاعت رکھتا ہو اس کو چاہئے کہ نکاح کرے کیونکہ نکاح نگاہ کو پست کر دیتا ہے اور فرج کو حرام سے محفوظ بنا دیتا ہے اور جس میں نکاح کا مقدور نہ ہو اس کو روزے رکھنے چاہئیں اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ
چند روز ہیں گنتی کے

یعنی چند روز گنتی کے جو زیادہ نہیں روزہ رکھو اور اس سے رمضان کا مہینہ مراد ہے جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ
پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا مسافر تو
فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ
اس پر ان کی گنتی ہے اور دنوں سے

بیمار اور مسافر کیلئے رخصت:

پھر اس مدت قلیل میں بھی اتنی سہولت اور فرما دی گئی کہ جو بیمار ایسا ہو کہ روزہ رکھنا دشوار ہو یا مسافر ہو تو اس کو اختیار ہے کہ روزے نہ رکھے اور جتنے روزے کھائے اتنے ہی رمضان کے سوا اور دنوں میں روزے رکھ لے خواہ ایک ساتھ یا متفرق کر کے۔ ﴿تفسیر عثانیؒ﴾

وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ

اور جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ بدلہ ہے ایک

مِسْكِيْنٍ ؕ

فقیر کا کھانا

روزہ کا ابتدائی حکم:

مطلب یہ ہے کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی تو طاقت رکھتے ہیں مگر ابتدا میں چونکہ روزہ کی بالکل عادت نہ تھی اس لئے ایک ماہ کامل پے در پے روزے رکھنا ان کو نہایت شاق تھا تو ان کے لئے یہ سہولت فرمادی گئی تھی کہ اگرچہ تم کو کوئی عذر مثل مرض یا سفر کے پیش نہ ہو مگر صرف عادت نہ ہونے کے سبب روزہ تم کو دشوار ہو تو اب تم کو اختیار ہے چاہو روزہ رکھو چاہو روزہ کا بدلا دو ایک روزہ کے بدلے ایک مسکین کو دو وقت پیٹ بھر کر کھانا کھلاؤ کیونکہ جب اس نے ایک دن کا کھانا دوسرے کو دیدیا تو گویا اپنے نفس کو ایک روز کے کھانے سے روک لیا اور فی الجملہ روزہ کی مشابہت ہوگئی پھر جب وہ لوگ روزہ کے عادی ہوگئے تو یہ اجازت باقی نہ رہی جس کا بیان اس سے اگلی آیت میں آتا ہے۔

روزے کا فدیہ:

اور بعض اکابر نے طعام مسکین سے صدقۃ الفطر بھی مراد لیا ہے معنی یہ ہونگے کہ جو لوگ فدیہ دینے کی طاقت رکھتے ہیں وہ ایک مسکین کے کھانے کی مقدار اس کو دیدیں جس کی مقدار شرع میں گیہوں کا آدھا صاع اور جو کا پورا صاع ہے تو اب یہ آیت منسوخ نہ ہوگی اور جو لوگ اب بھی یہ کہتے ہیں کہ جس کا جی چاہے روزہ رمضان میں رکھ لے اور جس کا جی چاہے فدیہ پر قناعت کرے خاص روزہ ہی ضرور رکھے یہ حکم نہیں وہ یا جاہل ہیں یا بے دین۔ (تفسیر عثمانی)

متعدد روزوں کا فدیہ متعدد دنوں میں:

امداد الفتاویٰ میں ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ کئی روزوں کا فدیہ ایک تاریخ میں ایک کو نہ دے۔ لیکن دیدینے میں گنجائش بھی ہے، یہ فتویٰ مورخہ ۱۳۵۳ھ امداد الفتاویٰ جلد دوم صفحہ ۱۲۴ میں منقول ہے۔

مسئلہ: اگر کسی کو فدیہ ادا کرنے کی بھی وسعت نہ ہو تو وہ فقط استغفار کرے اور دل میں نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کرونگا۔ (معارف مفتی اعظم)

فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ

پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو اچھا ہے اس کے واسطے

یعنی اگر ایک دن کے کھانے سے زیادہ ایک مسکین کو دے یا کئی مسکینوں کا پیٹ بھر دے تو سبحان اللہ بہت ہی بہتر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

اور روزہ رکھو تو بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ

تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

رکھتے ہو

بہر حال روزہ ہی بہتر ہے:

یعنی اگر تم کو روزہ کی فضیلت اور حکم اور منافع معلوم ہوں تو جان لو کہ روزہ رکھنا فدیہ مذکورہ کے دینے سے بہتر ہے اور روزہ رکھنے میں کوتاہی نہ کرو۔ (تفسیر عثمانی)

روزے کا فلسفہ (از سائنس اور اسلام)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ

ترجمہ: "اے ایمان والو تم پر روزے فرض کئے گئے، جس طرح پچھلی امتوں پر فرض کئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار (خدا سے ڈرنے والے) بن جاؤ۔

برادران اسلام! آج میں ایک شاہی فرمان یا حکم یعنی فرضیت روزہ کا فلسفہ بیان کرتا ہوں شہنشاہی حکم ہے چاہے دنیا روزہ رکھے یا نہ رکھے نہ حکم کو ذرہ بھر نقصان پہنچتا ہے نہ حاکم کو اور نہ روزہ رکھنے میں حاکم کا فائدہ ہے۔ اگر فائدہ ہے تو بھی روزہ رکھنے والے کا ہے۔ اور اگر نقصان ہے تو بھی اپنا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکیم ہے، یہ کارخانہ کائنات اسکی حکمت کا گواہ ہے سائنس کیا چیز ہے قدرت کے قوانین کا جاننا ہر کام میں اس کی حکمت یقینی ہے۔ اور بعض جگہ قرآن نے اسے بیان بھی کیا ہے۔ لیکن بنیادی طور پر بندہ کے لئے اپنا عمل اس کے حکمت اور فائدہ جاننے پر موقوف نہیں کرنا چاہئے مثلاً آج اگر ایک افسر نوکر کو کہے کہ فلاں فائل لاؤ اور جواب میں نوکر کہے کہ اس فائل کے لانے میں فلسفہ اور حکمت کیا ہے تو وہ افسر اس وقت اس نوکر کو برخواست کر دے گا۔ اگر ایک معمولی افسر جو اللہ کے مقابلہ میں ایک ذرہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتا، اس سے حکمت نہیں پوچھی جا سکتی تو اللہ تعالیٰ کے

احکام میں کیونکر حکمتیں تلاش کرتے پھریں۔ دوئم یہ اگر انسانی عقل کسی حکم کی حکمت بتلا بھی دے، تو حکمت سے حکم کی عظمت ختم ہو جاتی ہے اور جب حکم اپنی شان پر قائم رہتا ہے تو اس کی عظمت بھی باقی رہتی ہے۔ اور پھر اللہ کی حکمتیں بھی کروڑوں ہیں۔ انسانی علم میں تو صرف ایک آدھ آئے گی، تو پھر بھی حکم کی عظمت کو نقصان پہنچا۔ جسطرح اسباب زندگی کا ایک اہم سبب آفتاب ہے، اسی طرح روحانی زندگی کے لئے سبب قرآن ہے۔ نہ سورج میں ترمیم ہوسکتی ہے نہ قرآن میں ترمیم ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے جو چیزیں وقتی بنائی ہیں وہ ختم ہو جاتی ہیں۔ اور جو دوامی بنائی ہیں۔ وہ اپنے دوام پر قائم و دائم رہتی ہیں۔ جس طرح آفتاب و ماہتاب کو قدامت کی وجہ سے چھوڑا نہیں جاسکتا۔ اسطرح قرآن اور اسکے احکام ہر دم تازہ اور ابدی ہیں۔

ارکان اسلام

اسلام کے پانچ رکن ہیں یعنی اسلام کی ہیئت ترکیبی پانچ اجزا سے مرکب ہے، جن میں سے ایک روزہ ہے۔ انسان بھی پانچ اجزاء سے مرکب ہے جگر، دل، معدہ، دماغ اور روح جو شخصی زندگی میں ایک بنیادی چیز ہے، اور اسی طرح ملی زندگی یعنی اسلام میں بھی بنیادی چیز کلمہ شہادت یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدُ الرَّسُوْلُ اللّٰهُ ہے۔ اگر یہ جز مکمل نہیں تو کچھ بھی باقی نہیں۔

روزے کا معنی

اسلام سے پہلے صوم کا معنی صرف بندش اور روکنے کا تھا۔ مثلاً جو گھوڑا گھاس نہیں کھاتا تھا اسے صائم کہتے تھے۔ پھر اسلام نے ایک خاص ہیئت کے ساتھ خاص زمانے میں نیت کے ساتھ چند خواہشات کی بندش کا نام روزہ رکھا۔ روزہ ایک عمل ہے، ہمارے اندر ایمانی مشینری تب گرم ہوگی کہ روزہ کے ذریعہ روحانی قوتوں کو غالب کیا جا سکے اور حیوانی قوت مغلوب ہو۔ روزے کا ایک محرک ہے اور دوسرا اس کا ثمرہ یعنی نتیجہ، اس آیت کریمہ سے دونوں معلوم ہوتے ہیں۔ روزے کا سب سے بڑا محرک ایمان ہے اس لئے آغاز اس سے ہوا کہ۔ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۔ (اے ایمان والو) اور ہر عمل کے لئے حقیقت میں ایمان ہی محرک ہوتا ہے۔

کسان ہل جوتتا ہے، بیج ڈالتا ہے۔ یہ مسلسل عمل اس ایمان اور یقین کی وجہ سے کرتا ہے کہ فائدہ حاصل ہوگا۔ غرض کائنات کی ہر قربانی اور محنت کا سبب وہ ایمان اور یقین ہوتا ہے جو اس عمل کے نتائج کے بارہ میں ہو۔ اسی طرح کسی کام کا محرک کبھی کبھی حکم حاکم بھی ہوتا ہے۔ رعایا حاکم اعلیٰ کے حکم پر چلتی ہے۔ تو حکیم حاکم بھی ایک چیز ہے، ورنہ حکم نہ ماننے پر آدمی باغی بنتا ہے۔

حکومتوں کے احکام دو طریقوں پر صادر ہوتے ہیں۔ کبھی تحریری اور کبھی تقریری تو روزے کا دوسرا محرک قرآن نے حکم حاکم بتایا۔ فرمایا کہ (كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ) (تم پر روزوں کی فرضیت لکھی گئی ہے گویا سرکاری گزٹ میں اس کا اندراج ہوا ہے۔ تحریری آرڈر ہے، اور عموماً تحریری آرڈر زبانی آرڈر سے سخت ہوتا ہے۔ پھر حکم کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک خصوصی اور ایک عمومی خصوصی حکم وہ ہوتا ہے جو کسی ایک ضلع یا صوبہ کے لئے ہو اور عمومی حکم وہ ہوتا ہے جو بین الاقوامی یا انٹرنیشنل ہو۔ تو روزے کے متعلق فرمایا کہ یہ ایک بین الاقوامی فریضہ ہے۔ اور تمام اقوام پر فرض کیا گیا ہے۔ (كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ) ۔ (جیسے تم سے پہلے امتوں پر فرض کیا گیا ہے۔) اس سے آگے ثمرہ اور نتیجہ کا بیان ہے کہ (لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ) (تاکہ تم پرہیزگار ہو جاؤ۔)

ایک ہے تعمیر فرد اور ایک ہے تعمیر ملت۔ مثلاً ایک مشین تب صحیح کام کرے گی کہ اس کا ہر ایک پرزہ ٹھیک ہو، دوم یہ کہ پوری مشین کا ہر ایک پرزہ ٹھیک جگہ پر فٹ بھی ہو۔ اسلام ایک اجتماعی نظام ہے اور ہر مسلمان اس کا ایک پرزہ ہے۔ ملت کی اصلاح کے لئے پہلے فرد کی تعمیر ضروری ہے۔ تاکہ وہ ملی نظام کے لئے درست پرزہ بن سکے۔ اس کے بعد ملی نظام ہے کہ ایک شخص کو ٹھیک جگہ پر ملت میں فٹ کیا جائے اور اگر تنظیم نہ ہو تو کام بگڑ جائے گا۔ مشرق و مغرب کے تمام ماہرین نفسیات متفق ہیں کہ فرد کے صالح اور کامل ہونے کے لئے بنیادی چیز یہ ہے کہ خواہشات پر حاکم ہو۔ لذتوں کا غلام اور محکوم نہ ہو۔ لذت بذات خود مقصود نہیں۔ روزانہ آپ دیکھتے ہیں کہ لذت سے مغلوب ہونا نقصان دہ اور اس پر قابو پانا فائدہ مند ہوتا ہے۔ آج دنیا میں کتنے لوگ مریض ہوں گے جنہیں ڈاکٹروں نے کتنی چیزوں سے منع کیا ہوگا۔؟ اب اگر مریض لذت کا محکوم ہو تو یہ مریض بگڑ جائے گا۔ (بلکہ مر جائے گا) آج تم دیکھتے ہو کہ بڑی بڑی عدالتیں مجرموں کے لئے بنی ہیں۔ چور کہتا ہے مجھے چوری میں۔ ڈاکو کہتا ہے مجھے ڈاکہ زنی میں زانی کہتا ہے مجھے زنا میں لذت ہے تو اگر اپنی اپنی لذت کے مطابق چلنے کی آزادی ہو۔ تو یہ تمام عدالتیں وغیرہ ختم ہو جائیں غرض یہ کہ تعمیر فرد کے لئے بنیادی چیز خواہشات اور لذتوں کو قبضہ میں لانا ہے۔ مگر لذت پر حکومت کے لئے اس سے اعلیٰ لذت کا تصور ضروری ہوتا ہے مریض جو لذیذ چیزوں سے پرہیز کرتا ہے اور ایم۔ اے تک جو طلبہ مشکلات برداشت کرتے ہیں۔ تو یہ صرف اعلیٰ لذت صحت اور عہدہ و

ملازمت وغیرہ کی خاطر چھوٹی لذتیں قربان کر دیتے ہیں۔ ادنیٰ لذت اعلیٰ لذت پر قربان کی جائے۔ تب کامیابی ہوتی ہے۔ لذت کی کئی اقسام ہیں:

۱۔ لذت مادی۔ ۲۔ لذت حسی یعنی وجدانی

۳۔ لذت اخروی۔ ۴۔ لذت الٰہی۔

لذت مادی وہ ہے جو آج کل انگریز اور یورپین اقوام کے تمام تعلیم و ترقی کا آخری نقطۂ نگاہ ہے۔ اور اس کی کئی قسمیں ہیں۔ زبان کی لذت کھانا پینا۔ کان کی لذت اچھی آواز سننا۔ ناک کی لذت اچھی چیزیں سونگھنا وغیرہ مگر بقول حجۃ الاسلام امام غزالیؒ لذت کی ان اقسام میں انسان کے ساتھ تمام حیوانات بھی شریک ہیں۔ کیا کیڑا نہیں کھاتا۔ مکھی نہیں کھاتی، وہ جماع نہیں کرتے؟ یقیناً کرتے ہیں۔ اگر مقصد صرف انہی لذتوں کا حاصل کرنا ہو تو عجیب بات ہے کہ ایک کیڑا اور امریکی یا روسی صدر اس میں برابر ہیں۔ انسان کی ایک خواہش غلبہ پانے کی ہوتی ہے اور بقول امام غزالیؒ اگرچہ اکثر حیوان انسان کے ساتھ اس خواہش میں شریک نہیں۔ مگر بعض حیوانات پھر بھی شریک ہیں، جیسے انسان بادشاہ ہوتا ہے۔ اسی طرح شیر بھی بادشاہ جنگل ہے جنگل کا بادشاہ جو حکم کرتا ہے، مانا جاتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ انسانی بادشاہ ووٹوں کے ذریعہ بادشاہ بنتا ہے اور شیر کے لئے ووٹوں کی بھی ضرورت نہیں بغیر ووٹ اور انتخابات کے بادشاہ ہے۔ تو امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی انسان کا امتیازی مقام نہ ہوا۔ حیوان بھی اس میں شریک ہیں۔ دوسری لذت ہے لذت اخروی، اس میں چند چیزیں ہیں، ایک دوام یعنی پائیداری دنیاوی لذتوں میں دوام نہیں۔ آخرت باقی چیز ہے تو اس کی تمام چیزوں میں بھی بقاء کی شان ہے اور دنیا فانی ہے۔ تو ہر چیز میں نشان فنا ہے۔ جب دنیا میں ایک آدمی بھوکا ہو جاتا ہے تو سیر ہو جانے کے بعد اگر اسے بہتر سے بہتر کھانا بھی پیش کیا جائے تو وہ نہیں کھا سکتا۔ نیز یہاں کسی اعلیٰ چیز کے کھانے کی لذت صرف ایک دو سیکنڈ تک رہتی ہے۔ جب تک وہ چیز زبان پر رہے۔ نگلنے کے بعد اور نگلنے سے پہلے کوئی لذت نہیں ہوتی بخلاف جنت کے کھانوں کے کہ اگر لاکھوں چیزیں کھائیں تو طبیعت سیر نہ ہوگی اور اس کا مزہ بھی باقی رہے گا۔

(اُكُلُهَا دَآئِمٌ) جنت میں تو (عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ) (نہ ختم ہونے والی بخشش) ہے۔ آخری مزہ جس کا نام میں نے وجدانی لذت رکھا ہے، امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ آدمی جب شطرنج کھیلتا ہے، بسا اوقات دن گذر جاتا ہے اور کھانا یاد ہی نہیں رہتا۔ کھانے کی لذت جیتنے کی لذت پر قربان ہو جاتی ہے۔ یعنی ایک وجدانی لذت دوسری وجدانی پر قربان ہوتی ہے اور روزہ سے یہ دونوں لذتیں لذت آخرت پر قربان ہو جاتی ہیں۔

بھائیو!!! لذت حسیہ کو قربان کرنا ہوتا ہے۔

(اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ)

(اللہ تعالیٰ مؤمنین کی جان و مال جنت کے بدلے خریدتا ہے)

ہمارے جہاد کی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ کتنے مسلمانوں نے لذت اخروی کے لئے کتنی حسی لذتوں کو ٹھکرا دیا۔ اکبر الہ آبادی نے کیا خوب کہا ہے۔

پڑھی جب ھسٹری اس بات کا کامل یقین آیا
جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آیا

حضورؐ کے زمانہ میں صحابہؓ موت کی تمنا بہت کرتے۔ کیونکہ وہ لذت اخروی کے عاشق تھے۔ حتیٰ کہ حضورؐ نے فرمایا کہ موت کی تمنا مت کرو۔ یہ دعا کرو کہ اے اللہ اگر ہمارے لئے زندگی بہتر ہو تو زندہ رکھ اور اگر مرنا بہتر ہو تو بھی آپ کی مرضی۔ (علامہ حضرت شمس الحق افغانیؒ)

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی تحقیق:

میں کہتا ہوں کہ سب تفصیل مسافر کے حق میں ہے کیونکہ اس کے لئے رخصت کا مدار محض سفر پر ہے خواہ اس کو روزہ رکھنے میں مشقت ہو یا نہ ہو۔ رہے شیخ اور مریض اور ضعیف اور حاملہ اور مرضعہ (دودھ پلانے والی) تو ان کے حق میں رخصت کا مبنیٰ خود مشقت اور روزہ سے تکلیف ہونا ہے۔ اگر روزہ سے ان کو تکلیف نہ ہوتی ہو تو رخصت بھی نہیں اور جب روزہ سے تکلیف ہوتی ہو اور وہ تکلیف یہی ہے کہ یا تو مرض کے بڑھنے کا خوف ہو اور یا نیا مرض پیدا ہونے کا ڈر ہو اس وقت ان کا حکم بھی ایسا ہے جیسے سفر کی وجہ سے مشقت ہونے کا۔ واللہ اعلم۔

بلا عذر روزہ نہ رکھنا:

امام نخعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر بلا عذر رمضان میں روزے نہ رکھے تو ہزار برس تک اگر روزے رکھے تب بھی تدارک نہ ہو۔ اور حضرت علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ تمام عمر اگر روزے رکھے جب بھی تلافی نہ ہوگی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

مسئلہ: جن ملکوں میں رات دن کئی کئی مہینوں کے طویل ہوتے ہیں وہاں رمضان کا پالینا بظاہر صادق نہیں آتا، اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ان پر روزے فرض ہی نہ ہوں فقہائے حنفیہ میں سے حلوانی اور بقالی وغیرہ نے نماز کے متعلق تو اسی پر فتویٰ دیا ہے کہ ان لوگوں پر اپنے ہی دن رات کے اعتبار سے نماز کا حکم عائد ہوگا، مثلاً جس ملک میں مغرب کے فوراً بعد صبح صادق ہو جاتی ہے وہاں

نمازِ عشاء فرض ہی نہیں (شامی) اس کا مقتضیٰ یہ ہے کہ جہاں چھ مہینے کا دن ہے وہاں چھ مہینے میں صرف پانچ نمازیں ہوں گی، اور رمضان وہاں آئے گا ہی نہیں، اس لئے روزے بھی فرض نہ ہوں گے، حضرت حکیم الامت تھانویؒ نے امداد الفتاویٰ میں روزے کے متعلق اسی قول کو اختیار فرمایا ہے۔

مسئلہ: وسط رمضان میں جو کافر مسلمان ہوا یا نابالغ بالغ ہوا اس پر صرف آئندہ کے روزے لازم ہوں گے، گذشتہ ایام رمضان کی قضاء لازم نہ ہوگی، البتہ مجنون مسلمان اور بالغ ہونے کے اعتبار سے ذاتی صلاحیت رکھتا ہے وہ اگر رمضان کے کسی حصہ میں ہوش میں آجائے تو گذشتہ ایام رمضان کی قضا بھی اس پر لازم ہو جائے گی، اسی طرح حیض ونفاس والی عورت، وسط رمضان میں پاک ہو جائے یا مریض تندرست ہو جائے یا مسافر مقیم ہو جائے تو گذشتہ ایام کی قضا لازم ہوگی۔

مسئلہ: ماہ رمضان کا پالینا شرعاً تین طریقوں سے ثابت ہوتا ہے، ایک یہ کہ خود رمضان کا چاند دیکھ لے، دوسرے یہ کہ کسی معتبر شہادت سے چاند دیکھنا ثابت ہو جائے، اور جب یہ دونوں صورتیں نہ پائی جائیں تو شعبان کے تیس (۳۰) روز پورے کرنے کے بعد ماہ رمضان شروع ہو جائے گا۔

مقدارِ سفر:

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان اور صحابہؓ کے تعامل سے امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بہت سے فقہاء نے اس کی مقدار تین منزل یعنی وہ مسافت جس کو پیادہ سفر کرنے والا بآسانی تین روز میں طے کر سکے، قرار دی، اور بعد کے فقہاء نے میلوں کے حساب سے اڑتالیس میل لکھے ہیں۔ جو شخص کسی ایک مقام پر پندرہ دن ٹھہرنے کی نیت کرے تو وہ علی سفر نہیں کہلاتا، اس لئے وہ رخصت سفر کا بھی مستحق نہیں

مسئلہ: اسی سے یہ بھی نکل آیا کہ کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق مقامات شہروں اور بستیوں میں کرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصت سفر کا مستحق رہے گا، کیونکہ وہ علی سَفَر کی حالت میں ہے۔

ایک حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ حضرت بلالؓ کی اذان تمہیں سحری کھانے سے مانع نہ ہونی چاہئے، کیونکہ وہ رات سے اذان دے دیتے ہیں۔ اس لئے تم بلال کی اذان سن کر بھی اس وقت تک کھاتے پیتے رہو جب تک ابن ام مکتومؓ کی اذان نہ سنو، کیونکہ وہ ٹھیک طلوع صبح صادق پر اذان دیتے ہیں۔ (بخاری ومسلم)

مسئلہ: روزہ کی حالت میں کلی کرنے میں مبالغہ کرنا مکروہ ہے، جس سے پانی اندر جانے کا خطرہ ہو، منہ کے اندر کوئی دوا استعمال کرنا مکروہ ہے، بی بی سے بوس وکنار مکروہ ہے۔ اسی طرح سحری کھانے میں احتیاطًا وقت ختم ہونے سے دو چار منٹ پہلے ختم کرنا اور افطار میں دو تین منٹ مؤخر کرنا بہتر ہے۔ اگر غروب آفتاب سے ایک منٹ پہلے بھی کچھ کھا پی لیا تو روزہ نہیں ہوا۔ اسی طرح اگر ان تمام چیزوں سے پرہیز تو پورے دن پوری احتیاط سے کی، مگر نیت روزہ کی نہیں کی تو بھی روزہ نہیں ہوا ----- جس طرح نماز کی عبادت سے کوئی شریعت اور کوئی امت خالی نہیں رہی اسی طرح روزہ بھی ہر شریعت میں فرض رہا ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ
مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل ہوا قرآن
هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى
ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور دلیلیں روشن راہ پانے کی
وَالْفُرْقَانِ
اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی

رمضان اور قرآن:

حدیث میں آیا ہے کہ صحف ابراہیمی اور توریت اور انجیل سب کا نزول رمضان ہی میں ہوا ہے اور قرآن شریف بھی رمضان کی چوبیسویں رات میں لوحِ محفوظ سے اول آسمان پر سب ایک ساتھ بھیجا گیا، پھر تھوڑا تھوڑا کر کے مناسب احوال آپ پر نازل ہوتا رہا اور ہر رمضان میں حضرت جبرئیل علیہ السلام قرآن نازل شدہ آپ کو مکرر سنا جاتے تھے، ان سب حالات سے مہینے رمضان کی فضیلت اور قرآن مجید کے ساتھ اس کی مناسبت اور خصوصیت خوب ظاہر ہوگئی۔ اس لئے اس مہینے میں تراویح مقرر ہوئی۔ پس قرآن کی خدمت اسی مہینے میں خوب اہتمام سے کرنی چاہئے کہ اسی واسطے مقرر اور معین ہوا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بشری اور نفسانی کدورتوں اور ظلمتوں کو دور کرنے اور قلب کے جلا اور صیقل کرنے میں روزہ ایک بے مثال تریاق اور بے نظیر اکسیر ہے۔ انوار و تجلیات کے دسترخوان سے وہی شخص کماحقہ بہرہ اندوز ہو سکتا ہے کہ جس نے اس حسی اور مادی دسترخوان کو کم از کم کچھ دنوں کے لئے لپیٹ کر رکھ دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کوہِ طور پر توریت لینے کے لئے گئے تو چالیس دن کے روزے رکھے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بیابان میں

چالیس روزے رکھے۔ اس وقت اللہ نے ان کو انجیل عطا کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غارِ حراء میں اعتکاف فرمایا اور روزے رکھے۔ اسی غار میں آپؐ پر قرآن نازل ہوا اور آپؐ کو نبوت و رسالت کا خلعت عطا ہوا۔ معلوم ہوا کہ روزہ کو کلام خداوندی کے ساتھ خاص مناسبت ہے۔ اس لئے اس مبارک مہینہ میں دن کو روزہ اور رات میں تراویح مسنون ہوئی اور عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف سنت ہوا اور دن اور رات میں قرآن کریم کی تلاوت اور دَور کا خاص اہتمام کیا گیا۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط

سو جو کوئی پائے تم میں سے اس مہینہ کو تو ضرور روزے رکھے اسکے

جو رمضان پائے وہ روزے رکھے:

یعنی جب اس ماہِ مبارک کے فضائل مخصوصہ عظیمہ تم کو معلوم ہو چکے تو اب جس کسی کو یہ مہینہ ملے اس کو روزہ ضرور رکھنا چاہئے اور بغرض سہولت ابتداء میں جو فدیہ کی اجازت برائے چندے دی گئی تھی وہ موقوف ہوگئی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

رمضان کو رمضان کیوں کہتے ہیں:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ رمضان کو رمضان اس واسطے کہتے ہیں کہ وہ گناہوں کو رمض کر دیتا ہے یعنی جلا دیتا ہے۔

روزوں کا ثواب:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص رمضان میں اخلاص سے اور ثواب کی امید کر کے روزے رکھے اس کے پچھلے گناہ بخشے جائیں گے اور جو لیلۃ القدر میں اخلاص اور ثواب کی امید سے قیام کرے اس کے بھی پچھلے گناہ بخشے جائیں گے۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے۔

مسئلہ: سب علماء نے اجماع کیا ہے کہ حیض والی عورت پر روزہ حرام ہے اور اگر رکھ لے تو صحیح نہیں اور قضا لازم ہے، واللہ اعلم۔ (تفسیر مظہری)

رمضان کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ مبارک:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۳۰ شعبان کو خطبہ پڑھا اور اس میں فرمایا اے لوگو! ایک بڑا عظیم الشان مہینہ آیا ہے، یہ مہینہ بڑی برکت والا ہے۔ اس مہینہ میں لیلۃ القدر ہے جو ہزار مہینے سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے روزوں کو فرض فرمایا ہے اور اس کی رات میں قیام کرنے کو نفل فرمایا ہے۔ جو شخص اس مہینے میں کوئی خیر کا کام کرے تو اس کا ایسا ثواب ہے جیسے اور مہینے میں فرض کا اور جو اس مہینے میں فرض ادا کرے اس کا ایسا ثواب ہے جیسے کسی نے ستر فرض ادا کئے۔ یہ مہینہ صبر کا ہے اور صبر کا ثواب جنت ہے اور یہ مہینہ غم خواری کا ہے اور اس مہینے میں رزق بڑھتا ہے۔ جو اس مہینے میں کسی روزہ دار کا روزہ افطار کرائے اس کے گناہوں کی مغفرت اور ایک گردن آزاد کرنے کا ثواب ہوگا اور اس کو مثل روزہ دار کے ثواب ہوگا اور اس کا ثواب بھی کم نہ ہوگا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہر ایک کو تو اتنی مقدرت نہیں کہ روزہ افطار کرائے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جو کوئی ایک گھونٹ دودھ کا یا ایک کھجور یا ایک گھونٹ پانی کا پلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس قدر ثواب دیں گے، اور جو روزہ دار کو شکم سیر کھانا کھلائے گا اللہ تعالیٰ اس کو میرے حوضِ کوثر سے ایسا گھونٹ پلائیں گے کہ جنت میں داخل ہونے تک پیاسا نہ ہوگا۔

اس مہینے کے شروع میں تو رحمت ہے اور درمیان میں مغفرت ہے اور آخر میں آگ سے خلاصی۔ اس لئے تم کو اس ماہ میں چار خصلتوں کی پابندی کرنی چاہئے۔ دو خصلتیں تو ایسی ہیں کہ ان سے تم اپنے پروردگار کو راضی کرو اور دو ان میں ایسی ہیں کہ ان سے تم کو لاپروائی نہیں ہوسکتی۔ پروردگار کے راضی کرنے کی دو خصلتیں یہ ہیں کہ اول تو گواہی اس بات کی دو کہ کوئی معبود سوائے اللہ کے نہیں اور دوسرے اللہ تعالیٰ سے مغفرت چاہو۔ اور دو خصلتیں جن سے تم کو لاپروائی نہیں ہوسکتی۔ ان میں سے اول تو یہ ہے کہ جنت کا سوال کرتے رہو اور دوسرے یہ کہ آگ سے پناہ مانگتے رہو۔ اس حدیث کو علامہ بغویؒ نے روایت کیا ہے۔

رمضان کی برکتیں:

امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ نہایت مبارک ہے۔ مگر وہ انوار و برکات کہ جو اس مہینہ کے دنوں سے وابستہ ہیں وہ اور ہیں اور جو خیرات و برکات اس مہینہ کی راتوں سے متعلق ہیں وہ اور ہیں اور ممکن ہے کہ اسی وجہ سے یہ حکم ہوا ہو کہ افطار میں جلدی اور سحری میں تاخیر کریں۔

صحابہ کرامؓ کی کیفیت:

جب صحابہ کرامؓ کی نفوس قدسیہ حق جل وعلاء کے انوار و تجلیات سے روشن ہوگئے اور روزہ کی طبعی مشقت اور گرانی بھی دل سے بالکل نکل گئی تو اب ہمیشہ کے لئے یہ حکم قطعی آ گیا کہ (فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ) اور اس آیت کے نزول کے بعد صحابہ کرامؓ کی یہ کیفیت ہوئی کہ روزہ کی شدت اور مشقت مبدل بہ فرحت و لذت ہوگئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم تو مسلسل روزہ رکھنے کی ممانعت فرماتے ہیں اور صحابہ کرامؓ صوم

وصال اور صائم الدہر ہونے پر اصرار کرتے ہیں۔

اب تندرست کیلئے فدیہ کی اجازت ختم ہے:

تمام امت محمدیہ کے علماء اور فقہاء کا اس پر اجماع ہے کہ ایک صحیح سالم تندرست آدمی کے لئے ہرگز اجازت نہیں کہ وہ فی یوم ایک مسکین کو کھانا دے کر روزہ سے رستگاری حاصل کر لے، ورنہ روزہ کا حکم فقط غرباء و فقراء کی حد تک محدود ہو کر رہ جائے گا اور امراء اور اغنیاء تمام کے تمام فدیہ دے کر روزہ کی فرضیت سے سبکدوش ہو جائیں گے۔

وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ
اور جو کوئی ہو بیمار یا مسافر تو اس کو گنتی پوری کرنی چاہئے
مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ
اور دنوں سے

استدراک:

اس حکم عام سے یہ سمجھ میں آتا تھا کہ شاید مریض اور مسافر کو بھی افطار و قضا کی اجازت باقی نہیں رہی اور جیسے روزہ کی طاقت رکھنے والوں کو اب افطار کی ممانعت کر دی گئی ایسے ہی مسافر اور مریض کو بھی ممانعت ہوگئی ہو اسلئے مریض و مسافر کی نسبت پھر صاف فرما دیا کہ ان کو رمضان میں افطار کرنے اور اور دنوں میں اس کے قضا کر دینے کی اجازت اسی طرح باقی ہے جیسے تھی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

(فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ): فرمایا کہ اشارہ کر دیا گیا کہ مریض و مسافر پر فوت شدہ روزوں کی قضاء صرف اس صورت میں واجب ہوگی۔ جب کہ مریض صحت کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اتنے دنوں کی مہلت پائے، جنہیں قضاء کر سکے، تو اگر کوئی شخص اتنے دن سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر قضاء یا وصیت فدیہ لازم نہیں ہوگی۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ
اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر
الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا
دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی کرو

اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾
اللہ کی اس بات پر کہ تم کو ہدایت کی اور تاکہ تم احسان مانو

احکام میں مخلوق کیلئے آسانی ہے:

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو اول رمضان میں روزہ کا حکم فرمایا اور بوجہ عذر پھر مریض اور مسافر کو افطار کرنے کی اجازت دی اور دیگر اوقات میں ان دنوں کی شمار کے برابر روزوں کا قضا کرنا تم پر پھر واجب فرمایا، ایک ساتھ ہونے یا متفرق ہونے کی ضرورت نہیں۔ تو اس میں اس کا لحاظ ہے کہ تم پر سہولت رہے، دشواری نہ ہو اور یہ بھی منظور ہے کہ تم اپنے روزوں کی شمار پوری کر لیا کرو۔ ثواب میں کمی نہ آئے اور یہ بھی مدِنظر رہے کہ تم اس طریقہ سراسر خیر کی ہدایت پر اپنے اللہ کی بڑائی بیان کرو اور اس کو بزرگی سے یاد کرو اور یہ بھی مطلوب ہے کہ ان نعمتوں پر تم شکر کرو اور شکر کرنے والوں کی جماعت میں داخل ہو جاؤ۔ سبحان اللہ! روزہ جیسی مفید عبادت ہم پر واجب فرمائی اور مشقت اور تکلیف کی حالت میں سہولت بھی فرما دی اور فراغت کے وقت میں اس نقصان کے جبر کا طریقہ بھی بتلا دیا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ
اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے مجھ کو سو میں تو قریب ہوں
اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ
قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعاء کو جب مجھ سے دعاء مانگے
فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ
تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین لائیں مجھ پر تاکہ
يَرْشُدُوْنَ ﴿۱۸۶﴾
نیک راہ پر آئیں

شانِ نزول:

شروع میں یہ حکم تھا کہ رمضان میں اول شب میں کھانے پینے اور عورتوں کے پاس جانے کی اجازت تھی مگر سو رہنے کے بعد ان چیزوں کی ممانعت تھی۔ بعض لوگوں نے اس کے خلاف کیا اور سونے کے بعد عورتوں سے قربت کی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تو اس پر یہ آیت

اتری کہ تمہاری توبہ قبول کی گئی اور احکام خداوندی کی اطاعت کی تاکید فرما دی گئی اور حکم سابق منسوخ فرما کر آئندہ کو اجازت دے دی گئی کہ تمام شب رمضان میں صبح صادق سے پہلے کھانا وغیرہ تم کو حلال ہے جس کا ذکر اس کے بعد کی آیت میں آتا ہے اور آیت سابقہ میں جو بندوں پر سہولت اور عنایت کا ذکر تھا اس قرب و اجابت و اباحت سے اس کی بھی خوب تاکید ہوگئی۔ اور ایک تعلق کی وجہ یہ بھی ہے کہ پہلی آیت میں تکبیر اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا حکم تھا۔ آپ سے بعض نے پوچھا کہ ہمارا رب دور ہے تو ہم اس کو پکاریں یا نزدیک ہے تو آہستہ بات کریں، اس پر یہ آیت اتری، یعنی وہ قریب ہے، ہر ایک کی بات سنتا ہے، آہستہ ہو یا پکار کر اور جن موقعوں میں پکار کر تکبیر کہنے کا حکم ہے وہ دوسری وجہ سے ہے۔ یہ نہیں کہ وہ آہستہ بات کو نہیں سنتا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فراغتِ نماز پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نماز سے فارغ ہونا صرف اللہ اکبر کی آوازوں سے جانتے تھے۔

تین کی دُعاء رد نہیں ہوتی:

اور حدیث میں ہے تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی۔ عادل بادشاہ، روزے دار شخص اور مظلوم۔ اسے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ بلند کرے گا۔ مظلوم کی بد دعا کے لئے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: مجھے میری عزت کی قسم! میں تیری مدد ضرور کروں گا، گو دیر سے کروں۔ (مسند ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ)

بوقتِ افطار حضرت عبداللہ کا عمل:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ افطار کے وقت اپنے گھر والوں کو اور بچوں کو سب کو بلا لیتے اور دعائیں کیا کرتے تھے (ابوداؤد)

قبولیت کا یقین رکھو:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دل مثل برتنوں کے ہیں۔ بعض بعض سے زیادہ نگرانی کرنے والے ہوتے ہیں۔ اے لوگو! تم جب اللہ تعالیٰ سے دعا مانگا کرو تو قبولیت کا یقین رکھا کرو، سنو غفلت کرنے والوں کی دعا اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا۔ (مسند احمد)

قبولیت کی تین صورتیں:

حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو بندہ اللہ تعالیٰ سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جس میں نہ گناہ ہو نہ رشتے ناطے ٹوٹتے ہوں تو اسے اللہ تعالیٰ تین باتوں میں سے ایک ضرور عطا فرماتا ہے۔ یا تو اس کی دعا اس وقت قبول فرما کر اس کی منہ مانگی مراد پوری کرتا ہے یا اسے ذخیرہ کر کے رکھ چھوڑتا ہے اور آخرت میں عطا فرماتا ہے، یا اس کی وجہ سے کوئی آنے والی بلا اور مصیبت کو ٹال دیتا ہے۔ لوگوں نے یہ سن کر کہا کہ حضور! پھر تو ہم بکثرت دعا مانگا کریں گے۔ آپ نے فرمایا پھر خدا کے ہاں کیا کمی ہے؟ مسند احمد (تفسیر ابن کثیرؒ)

حرام غذا والے کی دُعاء قبول نہیں ہوتی:

صحیح مسلم میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا ذکر فرمایا کہ جو سفر میں ہے اور پراگندہ بال اور آشفتہ حال ہے اور آسمان کی طرف دعاء کے لئے ہاتھ اٹھاتا ہے (یعنی قبولیت دعاء کے اسباب مجتمع ہیں) لیکن حالت یہ ہے کہ کھانا بھی اس کا حرام ہے اور پینا بھی حرام کا اور لباس بھی حرام کا اور غذا بھی حرام کی۔ پھر کہاں دعاء قبول ہو (مسلم)۔ حاصل یہ نکلا کہ اگر یہ موانع نہ ہوتے تو دعا ضرور قبول ہوتی۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

سائل کا اعزاز:

میں کہتا ہوں کہ سائل کو جو اللہ تعالیٰ نے لفظ عبادی (میرے بندے) کے معزز خلعت سے سرفراز فرمایا ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ سائل یہودی کافر نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ذکرِ خفی:

آیت سے پہلے شانِ نزول میں ہم نے ان الفاظ سے جو حدیث لکھی ہے کہ سائل نے پوچھا کہ یا رسول اللہؐ! ہمارا پروردگار کہاں ہے؟ اگر قریب ہے تو اس سے مناجات کریں اور اگر دور ہے تو پکاریں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل فرمانے سے اس طرف اشارہ ہے کہ ذکرِ خفی کو اختیار کرنا چاہئے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر پر تشریف لے گئے تو وہاں پہنچ کر بہت سے لوگ ایک وادی کی طرف جھک پڑے اور بآواز بلند تکبیر لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ کہنا شروع کیا۔ حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! اپنی جانوں پر نرمی کرو، تم کسی بہرے اور غائب کو نہیں پکارتے ہو۔ تم تو ایسی ذات کو پکارتے ہو جو سَمِيْعٌ (بہت سننے والا) اور قَرِيْبٌ (نزدیک) ہے اور وہ تمہارے ساتھ ہے۔ اس کو بخاری نے روایت کیا ہے۔

قُربِ الٰہی:

حق یہ ہے کہ اللہ سبحانہ کو ممکنات سے قرب واقعی ہے کہ اس قرب کا

ادراک عقل سے ممکن نہیں بلکہ اس کا ادراک یا تو وحی سے ہوتا ہے اور یا فراستِ صحیحہ سے اور وہ قرب قربِ مکانی کی جنس سے نہیں، نہ اس کو کسی مثال سے بیان کر سکتے ہیں۔ اس لئے کہ جب اللہ تعالیٰ بے مثل اور بے نظیر ہیں تو ان کا قرب بھی ایسا ہی ہے۔ نہایت عرق ریزی کے بعد اگر اس کی کوئی مثال ہو سکتی ہے تو یہ ہے کہ اس کا قرب ایسا ہے جیسے کہ شعلہ جوالہ کا قرب دائرۂ موہومہ سے، کیونکہ شعلہ نہ تو اس دائرہ میں داخل ہے کیونکہ موجود حقیقی اور موجود وہمی میں بہت فرق ہے اور نہ وہ شعلہ اس سے خارج ہے اور نہ اس کا عین ہے اور نہ غیر ہے اور وہ دائرہ سے اتنا قریب ہے کہ وہ دائرہ اپنے سے اتنا قریب نہیں، کیونکہ وہ دائرہ خود اس شعلہ ہی سے پیدا ہوا ہے اور اس دائرہ کا وجود خارج میں نہیں بلکہ خارج میں ایک نقطہ تخارجیہ کے سبب سے اس کا وجود وہمی پیدا ہو گیا ہے، واللہ اعلم۔

دُعاء میں جلدی نہ مچاؤ:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم کسی گناہ کے واسطے یا قطع رحم کے لئے دعا نہ کرو اور جلدی نہ مچاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہاری دعاء قبول کرے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ جلدی مچانے کے کیا معنی؟ فرمایا کہ جلدی مچانا یہ ہے کہ کہہ بیٹھے کہ اے اللہ میں نے آپ سے دعا کی تھی، آپ نے قبول نہ فرمائی۔ بس اکتا کر دعا کرنی چھوڑ دی۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔

قبولیت دُعاء میں تاخیر کی حکمت:

ترمذی اور ابوداؤد نے سلمان رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اے لوگو! تمہارا پروردگار بہت حیا والا اور کرم والا ہے۔ جب بندہ اس کے سامنے ہاتھ اٹھاتا ہے تو اس کو شرم آتی ہے کہ اس کے ہاتھوں کو خالی پھیرے۔ اب رہی یہ بات کہ اکثر دعا کیوں نہیں قبول ہوتی یا قبولیت میں کیوں دیر ہوتی ہے تو اس کی کئی وجوہ ہوتی ہیں۔ کبھی تو کوئی حکمت ہوتی ہے اور یا مقبولیت سے کوئی مانع ہوتا ہے اور کسی وقت کوئی شرط مفقود ہوتی ہے یا دعاء مانگنے والے کیلئے اس میں کچھ عقوبت ہوتی ہے، واللہ اعلم ﴿تفسیر مظہری﴾

نداءِ غیبی:

اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر رات ایک منادی ندا دیتا ہے کہ اے خیر کی تلاش کرنے والے آگے بڑھ اور اے شر کے تلاش کرنے والے رُک جا۔ (سنن الترمذی)

سب سے وزنی چیز:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لَيْسَ شَيْءٌ أَكْرَمَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الدُّعَاءِ کہ اللہ کے نزدیک دعا سے بڑھ کر کوئی چیز فضیلت والی نہیں ہے۔ اور ایک حدیث میں ہے: الدعاء مخ العبادۃ کہ دعا عبادت کا مغز ہے۔ ﴿انوار البیان﴾

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى
حلال ہوا تم کو روزہ کی رات میں بے حجاب ہونا اپنی
نِسَآئِكُمْ ؕ
عورتوں سے

رات میں جو نیند کے بعد کھانا پینا عورت کے پاس جانا حرام تھا اس میں بھی سہولت کر دی گئی۔ اب تمام رات جب چاہو عورتوں کے ساتھ اختلاط کرو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ
وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی

میاں بیوی کا اختلاط:

لباس اور پوشاک سے غرض غایت اتصال و اختلاط ہے یعنی جس طرح بدن سے کپڑے لگے اور ملے ہوتے ہیں اسی طرح مرد اور عورت آپس میں ملتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ
اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے

معافی کا اعلان:

اپنے نفس کے ساتھ خیانت کرنے کا مطلب یہ ہے کہ سونے کے بعد عورتوں کے پاس جا کر بوجہ مخالفت حکم الٰہی تم اپنے آپ کو گنہگار بناتے ہو جس سے تمہارے نفس مستحق عقاب ہوتے ہیں اور ان کے ثواب میں نقصان پڑتا ہے، سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے تم کو معاف فرمایا اور آئندہ کو اجازت فرما دی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ
سو معاف کیا تم کو اور درگذر کی تم سے پھر ملو

بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ

اپنی عورتوں سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے

مباشرت کا مقصود:

یعنی لوح محفوظ میں جو اولاد تمہارے لئے اللہ نے مقدر فرمادی ہے عورتوں کی مباشرت سے وہ مطلوب ہونی چاہئے محض شہوت رانی مقصود نہ ہو اور اس میں عزل کی کراہت اور لواطت کی ممانعت کی طرف بھی اشارہ ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ عزل (وقت انزال ذکر کو فرج سے باہر کرنا تا کہ منی فرج کے اندر نہ نکلے) مکروہ ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جماع بچہ پیدا ہونے کی جگہ ہی میں مباح ہے۔

امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم نے عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ سے، انہوں نے معاذ ابن جبلؓ سے روایت کی ہے کہ ابتداءِ اسلام میں لوگ اول شب میں سونے تک کھاتے پیتے تھے، عورتوں سے جماع کرتے تھے اور سونے کے بعد پھر صبح تک سب چیزوں سے باز رہتے تھے۔ ایک مرتبہ ایسا قصہ ہوا کہ ایک شخص انصاری حرمہ نام نے عشاء کی نماز پڑھی، پھر بغیر کچھ کھائے پیئے سوئے رہے۔ صبح کو یہ حالت ہوئی کہ بھوک پیاس کی بہت شدت تھی اور ایک مرتبہ عمرؓ کی بھی یہ کیفیت ہوئی کہ بعد سونے کے بی بی سے صحبت کر بیٹھے۔ یہ قصہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی وقت آیت اُحِلَّ لَكُمْ الخ نازل فرمائی۔ (تفسیر مظہریؒ)

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ

اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ صاف نظر آئے تم کو

الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

دھاری سفید صبح کی جدا دھاری سیاہ سے

یعنی جیسے رات بھر مجامعت کی اجازت دی گئی اسی طرح رمضان کی رات میں تم کو کھانے اور پینے کی بھی اجازت ہے صبح صادق تک۔ (تفسیر عثمانی)

بیس رکعت تراویح سنت مؤکدہ

(از فتاویٰ رحیمیہ ص۲۸۲)

علامہ حلبیؒ کبیری میں فرماتے ہیں: یعنی بحث مذکور سے معلوم ہوا کہ بے شک ہمارے نزدیک تراویح میں بیس رکعت ہے۔ دس تسلیمات سے اور یہی جمہور کا مذہب ہے اور امام مالکؒ کے نزدیک چھتیس رکعت ہے۔ وہ اور اجماعِ صحابہؓ کے بموجب اس کی بیس رکعتیں ہیں دس سلاموں سے۔ جیسا کہ زمانہ سلف سے سلسلہ وار برابر چلا آرہا ہے (باب التراویح ص۸۱)

علامہ ملا علی قاریؒ شرح النقایہ میں تحریر فرماتے ہیں: فَصَارَ اِجْمَاعاً لِمَا رَوَى الْبَيْهَقِيُّ بِاسْنَادٍ صَحِيْحٍ اَنَّهُمْ كَانُوْا يَقُوْمُوْنَ عَلٰى عَهْدِ عُمَرَؓ بِعِشْرِيْنَ رَكْعَةً وَعُثْمَانَؓ وَ عَلِيٍّ۔ یعنی امام بیہقیؒ نے بسند صحیح حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اور حضرت عثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے زمانے میں بیس رکعت پڑھنے کی روایت کی ہے، لہٰذا اس پر اجماع ہو چکا ہے (شرح النقایہ)

سنن بیہقی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: ''بیشک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ماہِ رمضان میں بلا جماعت بیس رکعت اور وتر پڑھتے تھے۔'' حافظ حدیث ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے امام رافعی رحمہ اللہ کے واسطہ سے نقل کیا ہے: ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رات بیس بیس رکعت پڑھائیں۔ جب تیسری رات ہوئی تو لوگ جمع ہوئے مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہ لائے۔ پھر صبح کو فرمایا مجھے خیال ہو گیا کہ تم پر فرض ہو جائے گی تو تم اس کو نبھا نہ سکو گے۔''

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس روایت کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں: متفق علی صحتہ. اس کی صحت پر تمام محدثین کا اتفاق ہے۔

امام ترمذی (المتوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں حضرت عمرؓ حضرت علیؓ نیز دیگر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور حضرت سفیان ثوریؒ (المتوفی ۱۶۱ھ) حضرت ابن المبارکؒ (المتوفی ۱۸۱ھ) حضرت امام شافعی (المتوفی ۲۴۰ھ) تراویح میں بیس رکعت کے قائل تھے اور امام شافعیؒ کا بیان ہے کہ اہل مکہ کو میں نے بیس رکعت پڑھتے دیکھا ہے۔ (ترمذی)

حدیث کی چوتھی مشہور کتاب مؤطا امام مالکؒ میں ہے کہ یزید ابن رومان سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں لوگ تراویح بیس اور وتر تین کل تئیس رکعتیں پڑھا کرتے تھے۔

معرفۃ السنۃ میں ہے: امام بیہقیؒ نے بسند صحیح روایت نقل کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے رمضان میں حضرات قراء کو بلایا اور ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ وتر پڑھایا کرتے تھے۔

محدث ابن قدامہ کتاب ''المغنی'' میں رقم طراز ہیں کہ بیس رکعت تراویح پر اجماع صحابہؓ ہوا ہے--- محدث علامہ ابن حجر ہیثمیؒ کی تحقیق یہ ہے کہ صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے (تحفۃ الاخیار ص۱۹۷) ---مشہور حافظ حدیث علامہ ابن البرؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ حضرت عمر فاروقؓ کے دور میں بیس رکعت پڑھتے تھے (مرقاۃ ص۱۷۴، ج۲) ---امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ جب حضرت فاروق اعظمؓ نے حضرت ابی ابن کعبؓ کی امامت پر صحابہ کرامؓ کو جمع کیا تو وہ ان کو بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ (مرقاۃ ص۱۷۵، ج۲) ---زیادہ صراحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "بے شک ثابت ہوگیا کہ حضرت ابی بن کعبؓ صحابہؓ کو رمضان میں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر۔ پس بہت سے علماء کا مسلک یہی ہے کہ یہی سنت ہے۔ چونکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے مہاجرین وانصار کی موجودگی میں بیس رکعتیں پڑھائیں اور کسی بھی صحابی نے اس پر نکیر نہیں فرمائی" (فتاوی ابن تیمیہ ص۱۹۱، ج۱)

قطب العارفین امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ "پھر حضرت عمرؓ نے تئیس رکعات کا حکم دیا۔ ان میں سے تین رکعات وتر تھی اور تمام بلاد میں اس پر عمل ہوتا رہا" (کشف الغمہ ص۱۲۷، ج۱)

مشہور اہل حدیث نواب صدیق حسن خاں بھوپالیؒ کا عقیدہ ہے کہ "حضرت عمرؓ کے دور میں جو طریقہ بیس رکعات کا ہوا اس کو علماء نے اجماع کے مثل شمار کیا ہے۔" (عون الباری ص۳۰۷، ج۴)

علامہ بحر العلومؒ فرماتے ہیں: ثُمَّ تَقَرَّرَ الْاَمْرُ عَلٰی عِشْرِیْنَ رَکْعَةً (پھر بیس رکعت پر اتفاق ہوا) رسائل الارکان ص۱۳۸

حافظ حدیث ابن ہمامؒ کی تحقیق "بالآخر بیس رکعت پر اتفاق ہوا اور یہی متوارث ہے"۔ (فتح القدیر ص۴۰۷، ج۱)

"فیض الباری" شرح بخاری شریف میں ہے: "حضرت امام ابو یوسفؒ نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے سوال کیا کہ کیا حضرت عمرؓ کے پاس بیس رکعات تراویح کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے کوئی عہد (کوئی قول وقرار) تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ اپنی طرف سے ایجاد کرنے والے نہیں تھے۔ یقیناً ان کے پاس اس کا کوئی ثبوت تھا"

(فیض الباری ص۴۲۰، ج۲۔ مراقی الفلاح ص۸۱ بتغییر۔ بحرالرائق ص۶۶، ج۲)

"مؤطا امام محمدؒ" میں امام محمدؒ فرماتے ہیں: "حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعبؓ کو رمضان میں امام بنا کر تراویح پڑھانے کا حکم دیا ہے۔ اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں.....اس لئے کہ مسلمانوں (صحابہؓ) نے اس (بیس رکعات) پر اجماع کیا ہے اور اس کو پسند کیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان (صحابہؓ) جسے پسند کریں وہ خدا کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے۔" (ص۱۱۱-۱۱۲)

"المنتقی من اخبار المصطفی" میں ہے کہ "حضرت عمرؓ کے دور میں صحابہؓ وغیرہم رضی اللہ عنہم رمضان میں (بشمول وتر) تئیس رکعتیں پڑھتے تھے۔" (ص۷۸)

حضرت یحییٰ بن سعید انصاریؒ (قاضی مدینہ منورہ) سے روایت ہے اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ اَمَرَ رَجُلًا اَنْ یُّصَلِّیَ بِهِمْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً اَسْنَادُهٗ مُرْسَلٌ قوی (یعنی) بے شک حضرت عمر بن خطابؓ نے ایک صاحب کو حکم دیا کہ لوگوں کو بیس رکعات پڑھایا کریں۔ اس کی سند مرسل، قوی ہے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۰۶ بحوالہ رکعات التراویح) (آثار السنن ص۵۵، ج۲)

ترجمہ: حضرت سوید بن غفلہؒ رمضان میں ہماری امامت کرتے تھے اور پانچ ترویحوں میں بیس رکعات پڑھاتے تھے۔ اس کی سند حسن ہے۔ (بیہقی ص۴۹۶، ج۲۔ آثار السنن ص۵۵، ج۲)

حضرت شتیر بن شکلؒ (حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد) رمضان میں امامت کرتے تھے اور بیس رکعات پڑھاتے تھے اور تین رکعت وتر، یہ روایت قوی ہے۔ (بیہقی ص۴۹۶، ج۲۔ قیام اللیل ص۹۱۔ مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ص۱۷۴، ج۲)

حضرت نافع ابن عمرؒ فرماتے ہیں: کَانَ ابْنُ اَبِیْ مُلَیْکَةَ یُصَلِّیْ بِنَا فِیْ رَمَضَانَ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً "اسنادہ حسن" (آثار السنن ص۵۶، ج۲)

حضرت ابن ابی ملیکہ بیس رکعت پڑھاتے تھے (اس کی سند حسن ہے)

حضرت اعمشؒ فرماتے ہیں: اَنَّ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مَسْعُوْدٍ کَانَ یُصَلِّیْ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً وَ یُوْتِرُ بِثَلَاثٍ. (ترجمہ) حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیس رکعت پڑھا کرتے تھے اور تین وتر۔ (اس کی سند مرسل قوی ہے) (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ص۱۲۷، ج۱۱، قیام اللیل ص۹۱) ---- حضرت ابوالبختری رمضان میں پانچ ترویحات پڑھتے تھے اور تین وتر (مصنف ابن ابی شیبہ ص۴۰۶)

حضرت ابوالحسناءؒ سے روایت ہے: اَنَّ عَلِیَّ بْنَ اَبِیْ طَالِبٍ اَمَرَ رَجُلًا یُّصَلِّیْ بِنَا خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ عِشْرِیْنَ رَکْعَةً.

ترجمہ: حضرت علیؓ بن ابی طالب نے ایک شخص کو حکم دیا کہ ہمیں پانچ ترویحوں میں بیس رکعات پڑھائیں (سنن کبری للبیہقی ص۴۹۶، ج۲)

حضرت سعید بن عبید فرماتے ہیں: اَنَّ عَلِیَّ بْنَ رَبِیْعَةَ کَانَ یُصَلِّیَ بِهِمْ فِیْ رَمَضَانَ خَمْسَ تَرْوِیْحَاتٍ وَیُوْتِرَ بِثَلَاثٍ. (ترجمہ) علی بن ربیعہ رمضان میں پانچ ترویحات (بیس رکعت) پڑھاتے تھے اور تین وتر (اس کی سند صحیح ہے) (آثار السنن ص۵۶، ج۲)

علامہ سبکی شافعیؒ فرماتے ہیں کہ "ہمارا مسلک بیس رکعت تراویح سنت ہونے کا ہے جو بسند صحیح ثابت ہے" (شرح المنہاج)

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (غوث الاعظم) فرماتے ہیں

وَهِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً یَجْلِسُ عَقْبَ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ وَیُسَلِّمُ

ترجمہ: اور وہ بیس رکعت میں ہر دو رکعت کے بعد بیٹھے اور سلام پھیرے

وَیَنْوِیْ فِیْ کُلِّ رَکْعَتَیْنِ اُصَلِّی رَکْعَتَیِ التَّرَاوِیْحِ الْمَسْنُوْنَةِ

اور ہر دو رکعت پر یہ نیت کرے کہ میں دو رکعت تراویح مسنون پڑھتا ہوں (غنیۃ الطالبین ص ۱۰-۱۱، ج ۲)

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں: اَلتَّرَاوِیْحُ وَهِیَ عِشْرُوْنَ رَکْعَةً وَکَیْفِیَّتُهَا مَشْهُوْرَةٌ (ترجمہ) تراویح بیس رکعت ہے۔ اس کی کیفیت (طریقہ) معلوم ہے اور وہ سنت موکدہ ہے۔ (احیاء العلوم ص ۲۰۸، ج ۱)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی تعریف کی (ان کا شکریہ ادا کیا) اور ان کے لئے دعاءِ خیر کی (وفات کے بعد فرمایا کرتے تھے) اللہ تعالیٰ حضرت عمر کی قبر کو نور سے بھر دے جیسے حضرت عمر نے (رضی اللہ عنہ) ہماری مسجدیں روشن کیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ میرے طریقے اور خلفائے راشدین جو میرے بعد ہوں گے ان کے طریقہ کو لازم پکڑو اور تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ (مجالس الابرار ص ۱۸۷، م ۲۸)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام اور تابعینؒ کے زمانہ میں تراویح کی بیس رکعت مقرر ہوئی تھیں۔ (حجۃ اللہ البالغہ ص ۶۷، ج ۲)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ فرماتے ہیں: من بعد عدد بست وسہ را اختیار کردند دریں عدد اجماع شدہ بود (یعنی) صحابہ کرام نے تیئیس رکعت (بیس رکعت تراویح اور تین رکعت وتر) اختیار فرمائی اور اس عدد پر صحابہؓ کا اجماع ہو چکا ہے (مجموعہ فتاوی عزیزی ص ۱۲۶، ج ۱) ---

مولانا قطب الدین خاں محدث دہلویؒ تحریر فرماتے ہیں لیکن اجماع ہوا صحابہ کا اس پر کہ تراویح کی بیس رکعتیں ہیں۔ (مظاہر حق ص ۴۳۳، ج ۱)

علامہ شبیر احمد عثمانیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہؓ میں سے کسی نے بھی بیس رکعت سے اختلاف نہیں کیا۔ اس لئے تمام حضرات بیس رکعت پر متفق تھے۔ (فتح الملہم ص ۳۲۰، ج ۲)

علامہ نووی شارح مسلم فرماتے ہیں: تراویح با جماعت شعار اسلام میں سے ہے۔ نماز عید کے مشابہ ہے۔ لِاَنَّهٗ مِنَ الشَّعَائِرِ الظَّاهِرَةِ فَاَشْبَهَ صَلٰوةَ الْعِیْدِ (نووی شرح مسلم شریف ص ۲۵۹، ج ۱)

فَمُؤَدِّیْ ثَمَانِ رَکْعَاتٍ یَکُوْنُ تَارِکاً لِلسُّنَّةِ الْمُؤَکَّدَةِ (تعلیقات ہدایہ ص ۱۳۱، ج ۱) تراویح کی آٹھ رکعت پڑھنے والا سنت موکدہ کا تارک ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چھ شخص وہ ہیں جن پر میں بھی لعنت بھیجتا ہوں اور اللہ تعالیٰ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور ہر ایک برگزیدہ نبی نے ان پر لعنت بھیجی ہے۔ وہ شخص جو کتاب اللہ میں زیادتی کرے، جو تقدیر کی تکذیب کرے، جو ایسی چیز کو حلال قرار دے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے، جو میری آل اولاد میں سے اس کو حلال کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور جو تارکِ سنت ہو۔ (مجمع الزوائد ص ۲۰۷، ج ۱)

اگر دن میں چمگادڑ..... نہیں دیکھ سکتی تو اس میں آفتاب کا کیا قصور

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو پہچاننے کی کوشش کیجئے:

یہی وہ عمر ہیں جن کا خطاب فاروق ہے، کیونکہ ان کا ہر ایک عمل اور ہر ایک قول حق و باطل کے درمیان فرقان ہوتا ہے، جو دودھ کو دودھ اور پانی کو پانی کر دیتا ہے۔ جن کی خصوصیت صادق مصدوق صلی اللہ علیہ وسلم کی لسان صداقت آفرین نے یہ بیان فرمائی ہے: اَشَدُّهُمْ فِیْ اَمْرِ اللّٰهِ (خدا کے معاملہ (دین کی باتوں) میں نہایت سخت ہیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد نے تواتر کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ اکثر خطباء خطبۂ جمعہ میں بھی اس ارشاد کو برسر منبر دھراتے ہیں۔ یہ وہی عمر ہیں جن کے نام نامی سے شیطان بھی لرزتا ہے، حتیٰ کہ جس راستہ پر عمر فاروق رضی اللہ عنہ قدم رکھتے ہیں شیطان کا وہاں گزر نہیں ہوسکتا۔ وہ اس راستہ سے کترا کر دوسرا راستہ اختیار کرتا ہے۔ (حدیث صحیح)

آپ کا ارشاد: اَحَبُّ النَّاسِ اِلَیَّ مَنْ رَفَعَ اِلَیَّ عُیُوْبِیْ (تاریخ الخلفاء) (مجھے سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو مجھ تک میرے عیب پہنچائے (جو مجھے میری غلطی سے آگاہ کرے)

ایک مرتبہ آپ نے برسر منبر دریافت فرمایا: لوگو! اگر میں سنت نبوی اور سیرت صدیقی کے خلاف کوئی حکم دوں تو تم کیا کرو گے۔ لوگ خاموش رہے۔ پھر دوبارہ آپ نے دریافت فرمایا تو ایک نوجوان تلوار کھینچ کر کھڑا ہوگیا اور اشارہ کر کے بتا دیا یعنی انقلاب برپا کر دیں گے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب تک یہ جرأت باقی ہے امت گمراہ نہیں ہوسکتی (سیرۃ خلفاء راشدین ص ۶۸)

ایک مرتبہ آپ تقریر کرنے کے لئے منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا: اِسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا (سنو اور عمل کرو) ایک شخص نے فوراً کھڑے ہوکر

اعلان کر دیا لَا نَسْمَعُ وَلَا نُطِيْعُ (نہ ہم آپ کی بات سنیں گے اور نہ آپ کے کہنے پر عمل کریں گے) فاروق اعظمؓ نے اس اعلان کرنے والے کی گردن اڑا دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ وجہ دریافت کی۔ اعلان کرنے والے نے جواب دیا کہ آپ نے مالِ غنیمت کی تقسیم میں مساوات سے کام نہیں لیا۔ یہ کپڑا جس کا آپ حلہ پہنے ہوئے کھڑے ہیں ہمیں بھی ملا ہے مگر ہم اس میں حلہ (چادر اور تہبند) نہیں بنا سکے اور آپ نے حلہ بنالیا۔ آپ نے ہم سے دوگنا لیا ہے، مساوات نہیں برتی ---حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خود جواب نہیں دیا بلکہ اپنے صاحبزادے عبداللہ بن عمر کو طلب فرمایا۔ انہوں نے شہادت دی کہ جو کپڑا مجھے ملا تھا وہ میں نے حضرت فاروق (رضی اللہ عنہ) کی خدمت میں پیش کر دیا۔ اس طرح دو حقداروں کے دو حصوں سے مل کر یہ ایک حلہ بنا ہے۔ اعتراض کرنے والے نے اپنی جرأت کی کوئی معذرت نہیں کی، بلکہ نہایت سادہ انداز میں کہہ دیا۔ اچھا اب آپ فرمائیے ہم سنیں گے اور عمل کریں گے۔

ایک مرتبہ حضرت فاروق اعظمؓ نے خطبہ میں ہدایت فرمائی کہ چار سو درہم سے زیادہ مہر نہ رکھے جائیں (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ازواج مطہرات کے یہی مہر مقرر فرمائے تھے۔ صاحبزادی محترمہ سیدۃ النساء حضرت فاطمہؓ کے مہر بھی پانچ سو درہم ہی تھے۔ ایک قریشی بڑھیا نے برجستہ جرح کر دی کہ ارشادِ خداوندی ہے: (وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا)۔ اگر تم دے چکے کسی بیوی کو مال کا توڑا (ڈھیر) پس مت واپس لو اس میں سے کچھ (سورۂ نساء ع۳) جب اللہ تعالیٰ نے قنطار پر بھی پابندی نہیں لگائی تو آپ کو کیا حق ہے کہ چار سو درہم سے زائد پر پابندی لگا دیں۔ (خلاصۃ التفسیر ص۳۳، ج۱)

صحابہ کرام کا بدعت سے نفرت کرنا:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک شخص نے سلام پہنچایا۔ آپ نے فرمایا میں نے سنا ہے کہ اس نے بدعت ایجاد کی ہے۔ اگر یہ سچ ہے تو میری طرف سے اس کو سلام پہنچانے کی حاجت نہیں۔ (مشکوۃ شریف ص۲۳)

حضرت ابن عمرؓ نے اذانِ ظہر کے بعد مؤذن کو تھویب کرتے ہوئے دیکھا تو بے حد غضبناک ہوئے اور اپنے ساتھی "حضرت مجاہد" سے کہا کہ اس بدعتی کے پاس سے ہمیں لے چلو (چونکہ اخیری عمر میں نابینا ہو گئے تھے) پھر مسجد چھوڑ کر چلے گئے اور وہاں نماز نہ پڑھی (بحر الرائق ص۲۶۱، ج۱)

---حضرت عثمان بن ابی العاصؓ کو ختنہ میں بلایا گیا تو انکار کرتے ہوئے فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ختنہ کے موقع پر نہ ہم جاتے تھے نہ ہمیں بلایا جاتا تھا (مسند احمد ص۲۱۷، ج۴) -----حضرت ابن عباسؓ اور حضرت معاویہؓ خانہ کعبہ کا طواف فرما رہے تھے۔ حضرت امیر معاویہؓ نے خانہ کعبہ کے تمام کونوں کو بوسہ دیا۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: (لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ) (تمہارے لئے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات میں بہترین نمونہ ہے) (اگرچہ خانہ کعبہ کا ہر ذرہ متبرک ہے مگر ہمیں وہ عمل کرنا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے) حضرت معاویہؓ نے فرمایا کہ آپ کا فرمانا صحیح ہے۔ (مسند امام احمد)

حضرت کعب بن عجرہؓ نے عبدالرحمٰن بن ام الحکم کو خلافِ سنت خطبہ پڑھتے ہوئے دیکھا تو غضبناک ہو کر فرمایا دیکھو! یہ خبیث خطبہ بیٹھ کر پڑھتا ہے۔ (صحیح مسلم شریف ص۲۸۴، ج۱)

ایک شخص کو دعا میں سینہ سے اوپر تک ہاتھ اٹھاتا ہوا دیکھ کر حضرت ابن عمرؓ نے بدعت ہونے کا فتویٰ دیا۔ دلیل میں فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دعاء کے وقت (سوائے کسی خاص موقع کے) سینہ سے اوپر تک ہاتھ اٹھاتے نہیں دیکھا، رواہ احمد۔ (مشکوۃ شریف ص۱۹۶)

حضرت عبداللہ بن مغفلؓ کے فرزند ارجمند نے نماز میں سورۂ فاتحہ شروع کرتے ہوئے آواز سے بسم اللہ پڑھی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فوراً تنبیہ فرمائی، بیٹا بدعت ہے، بدعت سے الگ رہو۔ (ترمذی شریف ص۳۳ ج۱)

حضرت عبداللہ بن عمر نے وہ تمام مقامات یاد کر رکھے تھے جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سفر حج میں قیام فرمایا تھا، نماز پڑھی تھی یا کوئی کام کیا تھا (بخاری نے انہیں کی روایت سے ان تمام مقامات کا نشان اور پتہ بتایا ہے ص۷۰) حضرت عبداللہ بن عمرؓ جب حج کے لئے تشریف لے جاتے تو جہاں جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھی تھی وہاں نماز پڑھتے اور جہاں جو کام کیا تھا وہاں وہ کام کرتے۔ عرفات اور مزدلفہ کے درمیان ایک گھاٹی میں تشریف لے جا کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قضاءِ حاجت کی تھی، پھر وضو کیا تھا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اس گھاٹی میں جاتے اور جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا تھا وہاں وضو کرتے (بخاری شریف ص۲۲۶)

ایک مرتبہ حضرت حذیفہ ابن یمان رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے نوالہ گر گیا۔ وہاں عجمی لوگ موجود تھے جو دیکھ رہے تھے۔ ان کے یہاں گرے ہوئے ٹکڑے کو اٹھانا بہت معیوب تھا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ گرا ہوا نوالہ اٹھانے لگے تو کسی نے کہا یہاں یہ حرکت نہ کیجئے، یہاں عجمی موجود ہیں جو اس بات کو بہت حقیر سمجھتے ہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے برجستہ جواب دیا۔ اترک سنة حبيبى لهو لاء الحمقاء. کیا ان احمقوں کی خاطر میں اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ترک کر دوں۔ (التعبد فی الاسلام ص۸۷ مختصرا)

حضرت شیبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز عمر فاروق رضی اللہ

عنہ خانہ کعبہ کے قریب تشریف فرما تھے۔ آپ نے فرمایا میں چاہتا ہوں کہ خانہ کعبہ میں جو کچھ سنہری روپہلی دولت جمع ہے سب تقسیم کر دوں۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کے دونوں بزرگ رفقاء (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلیفہ اول صدیق اکبرؓ) نے تو یہ کیا نہیں۔ (جیسے ہی یہ سنا فاروق اعظمؓ کا ارادہ فسخ ہو گیا) فرمایا: یہ دونوں تو وہ ہیں جن کی میں پیروی کرتا ہوں (بخاری شریف ص ۲۱۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما ہیں۔ ارشاد ہوتا ہے اجلسوا! بیٹھ جاؤ۔ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ مسجد کے دروازے پر ہیں (جہاں جوتیاں اتاری جاتی ہیں) جیسے ہی یہ ارشاد کانوں میں پڑتا ہے وہیں بیٹھ جاتے ہیں۔ (مسلم شریف) (فتاوی رحیمیہ)

ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ
پھر پورا کرو روزہ کو رات تک

روزہ کا دورانیہ:

یعنی طلوع صبح صادق سے رات تک روزہ کو پورا کرو۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کئی روزے متصل رکھنے اس طرح پر کہ رات کو بھی افطار کی نوبت نہ آئے مکروہ ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب رات کی سیاہی اس طرف چھا جائے اور دن اس طرف منہ پھیرے اور آفتاب غروب ہو جائے تو یہ وقت افطار کا ہے۔ اس حدیث کو بخاری نے روایت کیا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى
اور نہ ملو عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کرو
الْمَسٰجِدِ
مسجدوں میں

اعتکاف میں مباشرت جائز نہیں:

یعنی روزہ میں تو رات کو مباشرت کی اجازت ہے مگر اعتکاف میں رات دن کسی وقت عورت کے پاس نہ جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ
یہ حدیں باندھی ہوئی ہیں اللہ کی، سو ان کے نزدیک نہ جاؤ، اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے واسطے تاکہ وہ بچتے رہیں

روزہ اور اعتکاف کے متعلق جو حکم در بارۂ حلت وحرمت مذکور ہوئے یہ قاعدے اللہ کے مقرر فرمائے ہوئے ہیں۔ ان سے ہرگز باہر نہ ہونا بلکہ ان کے قریب بھی نہ جانا' یا یہ مطلب ہے کہ اپنی رائے یا کسی حجت سے ان میں سرمو تفاوت نہ کرنا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی احتیاط:

صحیحین میں ہے کہ حضرت صفیہ بنت حیؓ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کے اعتکاف کی حالت میں حاضر ہوتی تھیں اور کوئی ضروری بات پوچھنے کی ہوتی تو وہ دریافت کر کے چلی جاتیں۔ ایک مرتبہ رات کو جب جانے لگیں تو چونکہ مکان مسجد نبویؐ سے فاصلہ پر تھا اس لئے حضورؐ ساتھ ہو لئے کہ پہنچا آئیں۔ راستہ میں دو انصاری صحابی مل گئے اور آپ کے ساتھ آپ کی بیوی صاحبہ کو دیکھ کر شرم کے مارے جلدی جلدی قدم بڑھا کر جانے لگے۔ آپؐ نے فرمایا ٹھہر جاؤ۔ سنو یہ میری بیوی صفیہ ہیں۔ وہ کہنے لگے سبحان اللہ! (کیا ہمیں کوئی اور خیال بھی ہو سکتا ہے؟) آپؐ نے فرمایا شیطان انسان کی رگ رگ میں خون کی طرح پھرتا رہتا ہے۔ مجھے خیال ہوا کہ کہیں تمہارے دل میں وہ کوئی بدگمانی نہ پیدا کر دے۔

سحری میں تاخیر:

اکثر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دیر سے سحری کھانا اور آخری وقت تک کھاتے رہنا ثابت ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اکابر کا رمضان و اعتکاف

مشائخ عظام صوفیائے کرام اپنے اپنے مراتب کے اعتبار سے فن تصوف میں مجتہدانہ شان کے حامل ہوتے ہیں --- قطب العالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب مہاجر مدنی قدس سرہ جن کا رسوخ فی العلم اور تعلق مع اللہ اپنے زمانہ کے مشائخ میں مسلم ہے --- حضرت حکیم الامت قدس سرہ نے کسی موقع پر حضرت شیخ قدس سرہ سے اس بات کو اس طرح ارشاد فرمایا تھا کہ ''مشائخ کے بھی رنگ نرالے ہوتے ہیں۔ کسی کی تکمیل کسی طریق سے اور کسی کی کسی طریق سے کرائی جاتی ہے'' --- جب رائے پور شریف جو اس زمانہ کی آخری خالصتاً خانقاہ شمار کی جاتی تھی حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے وجود سے محروم ہوگئی تو یہ ذمہ داری

بھی حضرت شیخ ہی کے کاندھوں پر آن پڑی۔ امتزاج اس طرح فرمایا کہ پورا سال تو علم کے لئے مع ضروری مقررہ معلومات یومیہ کے اور ماہِ مبارک خالص تصوف کے لئے پورے ماہ دس دس دن کی نیت سے اعتکاف کی نیت فرماتے۔ حدیث پاک میں وارد لیلۃ القدر کی تلاش کی نیت کے ساتھ اس کو اصلاحی مہینہ بھی قرار دیا جاتا کہ روزہ اور مسجد کا قیام اس کے دو رکن اعظم ہوتے ہیں۔ پہلے سال واردین مہمان حضرات کی تعداد تین سو تیرہ تھی جو ہر سال اضافہ کے ساتھ ہزاروں سے متجاوز ہوگئی تھی۔ بلکہ پہلے سے اجازت نہ لینے والوں کو جگہ پُر ہوجانے کی وجہ سے کمروں میں ٹھہرایا جاتا اور وہ معمولات میں شریک ہوتے رہتے۔ قیام وطعام، راحت وآرام سب کی نگرانی حضرت قدس سرہ از خود بلا واسطہ و بالواسطہ فرماتے۔ مہمانوں کی راحت سے مسرور ہوتے اور تکلیف سے کلفت کا اظہار فرماتے۔ دیکھنے والوں کی آنکھوں نے خوب دیکھا ہے کہ عوام، تجار، اہل فہم و دانش طبقات ہی نہیں بلکہ مشائخ باوجود اپنی اپنی جگہوں پر معتکف ہونے کے دو دو تین تین دن کا وقت نکال کر قطبِ وقت کے ساتھ اس مُبارک اجتماع میں شرکت کے لئے سہارن پور حاضری دیا کرتے تھے۔

از فقیہ العصر المخدوم والمکرّم

حضرت مولانا مفتی عبدالستار صاحب

رئیس دارالافتاء جامعہ خیرالمدارس ملتان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

رمضان المبارک بہت ہی بابرکت مہینہ ہے جس کا روزہ پورے ماہ فرض اور رات کی تراویح مسنون ہیں۔ پھر اس میں لیلۃ القدر کی رات ہے جس کا ثواب ہزاروں مہینوں کے برابر ہے اور ہر ایک نیک عمل کا ثواب ستر گنا بلکہ سات سو گنا تک بڑھ سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کے دروازے اس میں کھول دیئے جاتے ہیں۔ ماہِ مبارک کا ایک خصوصی عمل اعتکاف ہے۔ اپنے اوقات کی حفاظت، رمضان المبارک کی برکات کا حصول، لیلۃ القدر کی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے جو شخص بھی اللہ کے گھر پر آ پڑے گا حدیثِ قدسی کے مطابق یقیناً رحمتِ خداوندی اس کا استقبال کرے گی۔

مَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ شِبْراً تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ ذِرَاعاً وَمَنْ تَقَرَّبَ اِلَیَّ ذِرَاعاً تَقَرَّبْتُ اِلَیْهِ بَاعاً فَاِذَا اَتَانِیْ یَمْشِیْ اَتَیْتُهٗ هَرْوَلَةً. (الحدیث)

اسی لئے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک میں اعتکاف کا اہتمام فرماتے تھے۔ کسی وجہ سے رمضان المبارک میں اعتکاف نہ ہو سکے تو اس کی قضا فرماتے۔ آپ کا عام معمولِ مبارک رمضان شریف کے عشرۂ اخیرہ میں اعتکاف فرمانے کا تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ

کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ مِنْ رَمَضَانَ. (بخاری شریف ۲۷۱، ج۱)

اور بیس یوم کا اعتکاف فرمانا بھی ثابت ہے۔ جیسا کہ احادیث ذیل سے معلوم ہوتا ہے۔

بیس یوم کا اعتکاف

(الف) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم یَعْتَکِفُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ فَاعْتَکَفَ عَاماً حَتّٰی اِذَا کَانَ لَیْلَةُ اِحْدٰی وَّعِشْرِیْنَ قَالَ مَنْ کَانَ اعْتَکَفَ مَعِیَ فَلْیَعْتَکِفِ الْعَشْرَ الْاَوَاخِرَ وَقَدْ رُئِیْتُ هٰذِهِ اللَّیْلَةَ ثُمَّ اُنْسِیْتُهَا وَقَدْ رَاَیْتُنِیْ اَسْجُدُ فِیْ مَاءٍ وَطِیْنٍ فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ (الحدیث) (مؤطا امام مالک رحمہ اللہ)

بخاری شریف کے الفاظ یہ ہیں:

اِعْتَکَفْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ مِنْ رَمَضَانَ اه وَفِیْ رِوَایَةٍ فَخَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی الله علیه وسلم صَبِیْحَةَ عِشْرِیْنَ فَقَالَ اِنِّیْ رُئِیْتُ لَیْلَةَ الْقَدْرِ وَاِنِّیْ اُنْسِیْتُهَا فَالْتَمِسُوْهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فِی الْوِتْرِ. (ص ۲۷۲)

اعتکاف کی طرف اس دعوت و ترغیب میں معتکفین کے علاوہ دوسرے صحابہ بھی شامل تھے۔ (فتح الباری)

(ب) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری رمضان المبارک میں بھی بیس یوم کا اعتکاف فرمایا اور اسی ماہِ مبارک میں جبرائیل علیہ السلام سے دو بار قرآن کریم کا دور ہوا، جبکہ سابقہ رمضانوں میں صرف ایک مرتبہ دور ہوتا تھا۔ بخاری شریف میں ہے کہ

کَانَ یَعْرِضُ عَلَی النَّبِیِّ صلی الله علیه وسلم الْقُرْآنَ کُلَّ عَامٍ مَرَّةً فَعُرِضَ عَلَیْهِ مَرَّتَیْنِ فِی الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ وَکَانَ یَعْتَکِفُ کُلَّ عَامٍ عُشْراً فَاعْتَکَفَ عِشْرِیْنَ فِیْ

الْعَامِ الَّذِیْ قُبِضَ (رواہ البخاری و مشکوۃ ص ۱۸۳)

ظاہر یہ ہے کہ زائد دس یوم قضاء کے نہ تھے بلکہ مستقل طور پر تھے جیسے اس سال دورِ قرآنی دو مرتبہ ہوا اسی طرح اعتکاف بھی بیس یوم کا فرمایا۔ کیونکہ آپ کو انقضاء اجل کا اجمالی علم ہوگیا تھا تو آپ نے اعمالِ خیر کی کثرت کو پسند فرمایا تا کہ امت بھی آخری عمر میں اس سلسلہ میں آپ کا اتباع کرے اور عمل کی آخری مہلت کو غنیمت جانیں۔ (کذا فی الحواشی البخاری ص ۲۷۴)

حضرات شراح نے یہ احتمال بھی ذکر کیا ہے کہ بیس یوم کا اعتکاف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد بار فرمایا ہو۔ ایک مرتبہ سابقہ اعتکاف کی قضاء کے لئے اور ایک مرتبہ عمر شریف کے آخری رمضان المبارک میں زیادتی اعمال کے لئے۔ واضح رہے کہ رمضان کے دس یوم کے اعتکاف کی قضاء آپ علیہ السلام نے شوال میں فرمائی تھی۔ (بخاری ص ۲۷۴)

ابوداؤد شریف کی ایک روایت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شوال میں بطور قضاء کے بیس یوم کا اعتکاف فرمایا تھا (گو بعض حضرات نے اس کی تاویل کی ہے) ان مذکورہ روایات سے بظاہر بیس یوم کے اعتکاف کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔

پورے ماہ کا اعتکاف

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پورے رمضان المبارک کا بھی اعتکاف فرمایا ہے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّهٗ صلی اللہ علیہ وسلم اِعْتَكَفَ فِیْ قُبَّةٍ تُرْكِیَّةٍ فِیْ حَصِیْرٍ فَنَحَاهُ فِیْ نَاحِیَةِ الْقُبَّةِ ثُمَّ كَلَّمَ النَّاسَ وَقَالَ اِعْتَكَفْتُ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ ثُمَّ اَتَیْتُ فَقِیْلَ لِیْ اِنَّهَا فِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ فَمَنْ اَحَبَّ مِنْكُمْ اَنْ یَّعْتَكِفَ فَلْیَعْتَكِفْ فَاعْتَكَفَ النَّاسُ مَعَهٗ. (مسلم ص ۳۷۰)

وَفِیْ رِوَایَةٍ اِعْتَكَفَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم الْعَشْرَ الْاَوَّلَ مِنْ رَمَضَانَ وَ اعْتَكَفْنَا مَعَهٗ فَاَتَاهُ جِبْرَائِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ اِنَّ الَّذِیْ تَطْلُبُ اَمَامَكَ فَاعْتَكَفَ الْعَشْرَ الْاَوْسَطَ فَاعْتَكَفْنَا مَعَهٗ فَاَتَاهُ جِبْرَائِیْلُ عَلَیْهِ السَّلَامُ فَقَالَ اِنَّ الَّذِیْ تَطْلُبُ اَمَامَكَ. اھ

اور غارِ حرا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خلوت اختیار فرمانا بھی پورے ماہِ مبارک کے لئے تھا۔ علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

قُلْتُ اَصْلُ مُدَّةِ الْخَلْوَةِ مَعْلُوْمٌ وَكَانَ شَهْرًا وَهُوَ شَهْرُ رَمَضَانَ كَمَا رَوَاهُ ابْنُ اِسْحَاقَ فِی السیرۃ. (عمدۃ القاری ص ۱۷، ج ۱)

تلاش لیلۃ القدر

اعتکاف کا ایک بڑا مقصد لیلۃ القدر کی فضیلت کا حاصل کرنا ہے۔ جیسا کہ حدیث بالا سے ظاہر ہے، اور لیلۃ القدر بعض اقوال کے مطابق پورے رمضان المبارک میں دائر رہتی ہے۔ اس سے بھی پورے رمضان المبارک کے اعتکاف کی مطلوبیت ثابت ہوتی ہے۔ خصوصاً جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی لیلۃ القدر کی تلاش میں پورے ماہِ مبارک کے اعتکاف کی نوبت آئی۔ قَالَ ابْنُ قُدَامَةَ فِی الْمُغْنِیْ یَسْتَحِبُّ طَلَبُهَا فِیْ جَمِیْعِ لَیَالِیْ رَمَضَانَ وَفِی الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ كَذَا مِنْهُ وَفِیْ شَرْحِ الْاِحْیَاءِ اَنَّهَا تَنْتَقِلُ فِیْ جَمِیْعِ الشَّهْرِ قَالَ الْمَحَامِلِیُّ فِی التَّجْرِیْدِ مَذْهَبُ الشَّافِعِیِّ اَنَّهَا تُلْتَمَسُ فِیْ جَمِیْعِ شَهْرِ رَمَضَانَ الخ. (اوجز ص ۱۸۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک موقوف اور مرفوع روایت بھی یہی ہے کہ لیلۃ القدر پورے رمضان میں ہوتی ہے (ابوداؤد) امام اعظم سیدنا امام ابوحنیفہؒ بھی اسی کے قائل ہیں، اور بعض اکابر نے پہلے دو عشروں میں لیلۃ القدر کو پایا ہے (اوجز) اس سے لیلۃ القدر کی فضیلت حاصل کرنے کے لئے پورے ماہِ مبارک کے اعتکاف کی مندوبیت ثابت ہوتی ہے۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی فضیلت کو حاصل کرنے کے لئے پورے ماہِ مبارک کا اعتکاف فرمایا۔ جب یہ بات قطعی نہیں ہے کہ لیلۃ القدر صرف عشرہ آخیرہ میں ہی منحصر ہے تو اہل اسلام کو پہلے دو عشروں میں فضیلت لیلۃ القدر کی تلاش و تحصیل سے کیونکر منع کیا جا سکتا ہے، بلکہ اسے مندوب اور مستحب کہا جائے گا۔ چنانچہ دلائل بالا کے پیش نظر بعض حضرات فقہاء نے پورے ماہِ مبارک کے اعتکاف کو صراحۃً مستحب لکھا ہے۔ قیام رمضان کی تین راتوں میں حضرات صحابہ کا اتباع کے جذبہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

خانقاہی چلہ

طالبین اور مسترشدین عوام ہوں یا علماء، اکثر رمضان المبارک بغرض استفادۂ باطنی اپنے اپنے مشائخ کی خدمت میں گزارتے ہیں۔ ماضی قریب میں اپنے اکابر کی خانقاہوں میں ایسے اجتماعات اس پر شاہد عدل ہیں۔ حضرت شیخ نوراللہ مرقدہ نے رمضان المبارک کے اس اصلاحی

اجتماع کا بہ نیتِ اعتکاف مسجد میں ہونا پسند فرمایا جس میں اعتکافی مصالح کے علاوہ خانقاہی اور اصلاحی چلے کے فوائد بھی پیش نظر ہیں۔ یعنی روحانی تربیت وتزکیہ، ذکر وفکر، مراقبہ ومحاسبہ، اتباعِ سنت کی مشق، تجرد عما سوی اللہ، قلب وقالب کا ذکر اللہ کے لئے فارغ کرنا، صحبت شیخ وغیرہ۔

چالیس یوم کا اعتکاف

دراصل خلوت واعتکاف کو تصفیہ قلب، ملاء اعلیٰ سے ارتباط اور مکالمۂ خداوندی کے ساتھ خاص مناسبت ہے اور رمضان المبارک اس کا خاص موسم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب سماویہ کا نزول رمضان المبارک میں ہوا۔ اور قرآن پاک کی بے بہا دولت سے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی ماہِ مبارک میں نوازا گیا۔ خلوت واعتکاف کی اسی خاص اہمیت کی بنا پر قرآن و سنت کی روشنی میں حضرات صوفیاء کرام کے ہاں چلہ نشینی کا معمول پایا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے صحیفہ ہدایت ملنے کی درخواست بارگاہِ خداوندی میں پیش کی تو کوہِ طور پر آ کر تیس یوم روزہ رکھ کر اعتکاف کرنے کا حکم دیا گیا جس کی تکمیل چلے پر ہوئی۔ ارشادِ خداوندی ہے کہ وَوٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَۃً (الآیۃ) ترجمہ: ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس شب کا وعدہ کیا کہ کوہِ طور پر آ کر معتکف ہو تو تم کو تورات دی جائے (بیان القرآن) یہ چار عشروں کا اعتکاف چار قسم کے حجابات کو قطع کرنے کے لئے تھا تا کہ مکالمۂ خداوندی کی استعداد کامل ہو سکے (کذافی الروح) یہ آیت شریفہ حضرات صوفیہ کے ہاں مروج چلے کی اصل ہے (مسائل السلوک) آیت بالا کے علاوہ چلے کی ترغیب بعض احادیث میں بھی وارد ہے۔ من اخلص للّٰہ اربعین یومًا اجری اللّٰہ ینا بیع الحکمۃ فی قلبہ او کما قال (ترجمہ) جس نے چالیس یوم اللہ کے لئے اخلاص اختیار کیا اللہ تعالیٰ اس کے قلب میں حکمت کے چشمے جاری فرمادیں گے۔ نیز حدیث میں ہے (حاصل ترجمہ) سرحدِ دارالاسلام کی کمالِ حفاظت چالیس یوم ہے اور جو شخص اپنے اخلاق مذمومہ کو اخلاقِ حسنہ سے تبدیل کرنے کی غرض سے چالیس یوم تک اپنے نفس کے مجاہدہ پر قائم رہا اور حفاظتِ سرحد کی طرح ایک چلے تک شب وروز نفس کی نگرانی کی نہ خرید وفروخت میں مشغول ہوا اور نہ کسی بدعت میں مبتلا ہوا تو وہ شخص اپنے گناہوں سے ایسے نکل جائے گا جیسے اس کی ماں نے اسے آج ہی جنا ہو۔

حضرت تھانوی قدس سرہ فرماتے ہیں کہ یہی صورت چلہ نشینی کی صوفیاء کرام میں متعارف ہے (بہشتی گوہر حصہ سوم)

چنانچہ ہمارے شیخ المشائخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہ نے بھی اہل طریقت کے لئے اس خانقاہی چلے کا تفصیل سے ذکر کرتے ہوئے پورے رمضان المبارک مع عشرہ شعبان چالیس یوم کے اعتکاف کا ذکر فرمایا ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ طریقش آنکہ اول نیت خالص نماید یعنی محض رضائے حق تعالیٰ بمتابعت سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و تجرد از ماسوی اللہ وفراغ خاطر بنا بر عبادت و ذکر اللہ تعالیٰ قصد کند ومحل خلوت در مسجد جامع اولیٰ است پس غسل کند جامہ نو پوشد وخوشبو استعمال نماید پس بستم ماہ شعبان قبل از نماز عصر داخل خلوت شود۔ (آخر میں تحریر فرماتے ہیں) چوں ہلال شوال نمودار شود بعد نماز مغرب دوگانہ شکرانہ ادا گزارد از خلوت بیرون آید (ضیاء القلوب ص ۹۱،۹۲)

اگر اہلِ اسلام کی اکثریت تہجد، اشراق، شریعت کے مطابق پڑھنے لگ جائے تو اس میں کیا قباحت ہے؟ --- معتکفین کی طرف سے بار بار اس کا اظہار بھی ہوتا رہے کہ پورے ماہ کا اعتکاف واجب یا سنت مؤکدہ نہیں ہے۔

(۱) رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ کا اعتکاف مسنون اور پورے رمضان المبارک کا مندوب ومستحب ہے اور باقی سارے سال میں نفلی اعتکاف جائز ومشروع ہے۔

(۲) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کی معیت میں لیلۃ القدر کی تلاش کی غرض سے پورے رمضان المبارک کا اعتکاف فرمایا۔ ایک عشرے کے بعد اگلے عشرے کی نیت کر لی جاتی تھی۔ لیلۃ القدر کی تلاش کا عارض امت کے حق میں اب بھی باقی ہے۔ کیونکہ بعض اقوال ائمہ کے مطابق لیلۃ القدر پورے رمضان میں دائر رہتی ہے۔ اور لیلۃ القدر کے گزر جانے کا علم بھی ہر شخص کو نہیں ہوسکتا۔ پس لیلۃ القدر کی تلاش کی نیت سے پورے ماہِ مبارک کا اعتکاف کیا جائے تا کہ یقینی طور پر یہ فضیلت حاصل ہو جائے تو احادیثِ صحیحہ کی روشنی میں یہ جائز بلکہ مندوب ومستحب ہے۔ عَلٰی مَا قَالَہُ الدَّر دیر.

(۳) مستحب اعتکاف کا مسنون اعتکاف کے ساتھ ملانا خود احادیث میں وارد ہے اور فقہاء اور حضرات مشائخ کے کلام سے بھی اس کا جواز ثابت ہے اور ایسے اختلاط کی ممانعت کہیں منقول نہیں۔ پس یہ اختلاط جائز ہے۔ نمازِ فرض وسنت کے بعد جتنے چاہیں نوافل پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح یہاں سمجھا جائے جہاں ممانعت وارد نہیں وہاں ایسا اتصال درست ہوگا۔

حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاشِ لیلۃ القدر میں جماعتِ صحابہؓ کے ساتھ اعلانیہ مسجد نبوی میں مہینہ بھر تک اعتکاف فرمایا۔ بلاشبہ یہ محبت

شرعیہ اور کافی ترغیب ہے۔ اتنی طویل ترغیب بحیثیت کذائیہ شاید کسی غیر واجب نفل کی موجود نہ ہو۔ اسے ترغیب سے خارج کرنا نا قابلِ فہم ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قول وفعل سب قابلِ اتباع ہیں۔

تو قابلِ غور یہ امر ہے کہ اس خطبہ وحکم کا منشا یہ تھا کہ دو عشرے گزر چکے ہیں، اب صرف عشرہ اخیرہ باقی رہ گیا ہے، اسے غنیمت سمجھتے ہوئے اس کا اعتکاف کرو۔ یا اس حکم کا مقصد یہ تھا کہ جس لیلۃ القدر کی تلاش میں ہم نے بیس یوم کا اعتکاف کیا ہے مجھے اطلاع دی گئی ہے کہ وہ آگے ہے اور میں نے اس سلسلہ میں خواب بھی دیکھا ہے۔ اس لئے اس کا اعتکاف کرو۔ بلاشبہ احادیثِ صحیحہ کی تصریح کے مطابق اس ترغیبی خطبہ کا مقصد امر ثانی تھا، پس یہ عشرۂ اخیرہ کی لذاتہ ترغیب نہ ہوئی بلکہ لغیرہ ہوئی۔ اگر یہ غیر پورے رمضان میں مظنون ہوتو اشتراک علت کی بناء پر اس خطبہ ترغیبی کا حکم پورے رمضان کے لئے عام ہوگا۔ اصل ترغیب التماس لیلۃ القدر کی ہے، جس کے لئے اعتکاف کیا جاتا ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحَرَّوْا لَيْلَةَ الْقَدْرِ فِيْ الْوِتْرِ مِنَ الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ (بخاری) فَمَنْ كَانَ مُتَحَرِّيْهَا فَلْيَتَحَرَّ فِي السَّبْعِ الْاَوَاخِرِ (متفق علیه) وَفِيْ رِوَايَةِ الْتَمِسُوْهَا فِي الْعَشْرِ الْاَوَاخِرِ مِنْ رَمَضَانَ لَيْلَةُ الْقَدْرِ فِيْ تَاسِعَةٍ تَبْقٰى فِيْ سَابِعَةٍ تَبْقٰى فِيْ خَامِسَةٍ تُبْقِيْ (مشکوٰۃ)

علاوہ ازیں اس نوعیت کا ترغیبی خطبہ بظاہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشرہ اولی کے اختتام پر بھی بغرض اطلاع صحابہ ارشاد فرمایا ہوگا۔ اس مقام پر ایک دقیق امر اور قابل توجہ ہے۔ وہ یہ کہ گو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ایک عشرہ کی نیت کر کے پورا ماہِ مبارک اعتکاف میں گزارا لیکن علم وارادۂ خداوندی کے اعتبار سے یہ امر طے شدہ تھا کہ اپنے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ اعتکاف پورے ماہِ مبارک کا کرایا جائے گا۔ حق جل شانہ کے علم ازلی میں یہ موجود ہے کہ امسال لیلۃ القدر عشرہ اخیرہ میں آئے گی۔ لیکن معاملہ مبہم رکھا۔ گویا اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ پیغمبر علیہ السلام مع صحابہ عشرہ اولی کا اعتکاف کریں۔ پھر عشرہ اولی کے اختتام پر بھی اسی ابہام کو باقی رکھا، صرف اتنا بتلایا گیا کہ آپ کا مطلوب آگے ہے۔ معلوم ہوا کہ عشرۂ وسطی کا اعتکاف بھی عین مرضی خداوندی تھا۔ اللہ تعالیٰ چاہتے تھے آپ حسب سابق اپنا اعتکاف جاری رکھیں ورنہ یہ صورت بھی ممکن تھی کہ عشرۂ وسطی کی چھٹی کر دی جاتی کیونکہ لیلۃ القدر تو عشرہ اخیرہ میں آرہی ہے اور دوسرے عشرے کے اختتام پر بھی بالتعیین تاریخ نہیں بتلائی گئی۔ گویا اللہ تعالیٰ چاہتے تھے کہ آخری عشرے میں بھی پورے عشرے ہی کا اعتکاف کیا جائے۔ اس ارادۂ خداوندی اور اس اعتکاف کے مرضی خداوندی کے مطابق ہونے کا علم ہمیں حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک عمل (پورے مہینے کے اعتکاف) سے ہوا جو حق جل شانہ کی نگرانی میں ظہور پذیر ہوا۔ جب تک حق جل شانہ کی طرف سے اس پر کوئی نکیر نازل نہ ہو۔ اس کا جائز ومشروع بلکہ عنداللہ پسندیدہ ہونا برقرار رہے گا۔ عشرہ اخیرہ کا اعتکاف چونکہ نسبتاً زیادہ مرتبہ فرمایا اس لئے اسے سنت مؤکدہ علی الکفایہ قرار دیا گیا ہے۔ باقی زائد دنوں کا اعتکاف اسی جواز و مشروعیت اور استحباب کے درجے میں باقی رہا۔ چلے کا رمضان میں بہتر و اولی ہونے کا حکم حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس اللہ سرہ سے پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ مخصوص ہونے کا کوئی دعویٰ نہیں کیا گیا۔ رمضان المبارک میں اولیٰ ہے۔ غیر رمضان المبارک میں بھی ہوسکتا ہے۔

مجلس ذکر، مجلس وعظ، مجلس ختم مشکوٰۃ، ختم بخاری شریف اور جلسوں میں شرکت کی دعوت زبانی یا بذریعہ اشتہار دی جاتی ہے۔ ہر کار خیر کی ترغیب اور اس کی طرف دعوت دینا جائز ہے تو نفل و مستحبات بھی اس میں شامل ہیں۔ البتہ اس کے لئے ایک خاص جگہ اجتماع سوا گر اس کا منشا صحیح ہے تو اس کی طرف بھی دعوت دی جاسکتی ہے۔ جیسے مجلس ذکر وغیرہ۔ ماہِ مبارک کے اعتکاف میں اجتماع بغرض تربیت باطنی صحبت شیخ ہو تو یہ بھی درست ہے۔ کیونکہ خدمتِ شیخ میں باطنی تربیت اور فیضِ صحبت کے لئے قیام کرنا سلف صالحین سے لے کر اب تک بلانکیر معمول ہے۔ اکابر نے اس غرض کے لئے سالوں کے پیدل سفر کئے ہیں۔ فقط واللہ اعلم بالصواب بندہ عبدالستار عفی عنہ

مسئلہ: رمضان المبارک کے اخیر کے دس دن میں اعتکاف سنت مؤکدہ ہے، کیونکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے آخری دس دنوں میں اعتکاف فرمایا کرتے تھے اور وفات تک فرماتے رہے۔ پھر بعد آپ کے آپ کی ازواج مطہراتؓ نے اسی طرح اعتکاف فرمایا۔ اس حدیث کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی اخیر دس راتوں میں اعتکاف فرماتے تھے۔ اس حدیث کو بخاری ومسلم نے روایت کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ معتکف کو چاہئے کہ کسی مریض کی عیادت نہ کرے اور نہ کسی جنازہ پر حاضر ہو اور نہ عورت کو ہاتھ لگائے اور نہ صحبت کرے اور سوائے بہت ضروری حاجت کے کہیں نہ نکلے اور اعتکاف روزہ ہی میں ہوتا ہے۔ بغیر روزہ کے صحیح نہیں اور مسجد جامع کے سوا اور جگہ اعتکاف نہیں۔

نیت: اس پر سب علماء کا اتفاق ہے کہ ہر عبادت مقصودہ بغیر نیت کے صحیح نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اعمال کا مدار نیت پر ہے اور آدمی کو وہی ملتا ہے جو اس کی نیت ہے۔ اس لئے جس شخص کی نیت اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہجرت کرنے کی ہے اس کو اسی کا ثمرہ ملے گا اور جس کی ہجرت دنیا کی طرف ہے کہ دنیا ملے یا کسی عورت سے نکاح کرے تو اس کو اس کا پھل ملے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر شرعی دن کے نصف سے پہلے پہلے نیت کر لے تو رمضان اور نذرِ معین اور نفل کے روزے صحیح ہو جائیں گے۔

دوسرے کی طرف سے روزے:

ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت سراپا برکت میں آئی اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میری ماں کے ذمہ ایک ماہ کے روزے ہیں۔ اگر میں روزے رکھوں تو کیا اس کی طرف سے ادا ہو جائیں گے۔ فرمایا ہاں اس حدیث کو امام احمد نے روایت کیا۔ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک عورت نے دریا کا سفر کیا اور یہ نذر کی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو اس سے نجات دے دی تو میں ایک مہینے کے روزے رکھوں گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کو نجات دے دی۔ اس نے وہ روزے نہ رکھے۔ حتیٰ کہ وہ مر گئی۔ اس کی کسی رشتہ دار عورت نے یہ قصہ فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت با برکت میں ذکر کیا۔ آپ نے فرمایا کہ تو اس کی طرف سے روزے رکھ دے۔

وَلَا تَأْكُلُوٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ
اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق

تطہیر اموال:

روزہ سے طہارتِ نفس مقصود تھی اب تطہیر اموال کا ارشاد ہے اور معلوم ہو گیا کہ مال حلال تو صرف روزہ میں اس کا کھانا منع ہے اور مالِ حرام سے روزہ مدت العمر کے لئے ہے، اس کے لئے کوئی حد نہیں جیسے چوری یا خیانت یا دغا بازی یا رشوت یا زبردستی یا قمار یا بیوع ناجائز یا سود وغیرہ ان ذریعوں سے مال کمانا بالکل حرام اور ناجائز ہے۔

وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا
اور نہ پہنچاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ
مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾
لوگوں کے مال میں سے ظلم کر کے (ناحق) اور تم کو معلوم ہے

اقتدار کے بل بوتے مال نہ کھاؤ:

نہ پہنچاؤ حاکموں تک یعنی کسی کے مال کی خبر نہ دو ظالم حاکموں کو یا اپنا مال بطریقِ رشوت حاکم تک نہ پہنچاؤ کہ حاکم کو موافق بنا کر کسی کا مال کھا لو یا جھوٹی گواہی دے کر یا جھوٹی قسم کھا کر یا جھوٹا دعویٰ کر کے کسی کا مال نہ کھاؤ اور تم کو اپنے ناحق پر ہونے کا علم بھی ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اسلام کا معاشی نظام:

اسلامی نظامِ معاش ہی دنیا میں امن عام قائم کر سکتا ہے جس میں تمام انسان مساوی حق رکھتے ہیں، جیسے ہوا، پانی، خودرو گھاس، آگ کی حرارت اور غیر مملوک جنگلات اور غیر آباد پہاڑی جنگلات کی پیداوار وغیرہ کہ ان میں سب انسانوں کا مشترک حق ہے، کسی کو ان پر مالکانہ قبضہ جائز نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاَنْتُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَيَّ وَلَعَلَّ بَعْضَكُمْ اَنْ يَّكُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِهٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِيْ لَهٗ عَلٰى نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْهُ فَمَنْ قَضَيْتُ لَهٗ بِشَيْئٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذْنَهٗ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهٗ قِطْعَةً مِّنَ النَّارِ (رواہ البخاری و مسلم عن ام سلمہؓ) ”یعنی میں ایک انسان ہوں اور تم میرے پاس اپنے مقدمات لاتے ہو، اس میں یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص اپنے معاملہ کو زیادہ رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کرے، اور میں اسی سے مطمئن ہو کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں، تو (یاد رکھو کہ حقیقتِ حال تو صاحبِ معاملہ کو خود معلوم ہوتی ہے) اگر فی الواقع وہ اس کا حق نہیں ہے تو اس کو لینا نہیں چاہئے، کیونکہ اس صورت میں جو کچھ میں اس کو دوں گا وہ جہنم کا ایک قطعہ ہوگا۔“

حلال مال:

ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے حلال کھایا اور سنت کے مطابق عمل کیا اور لوگ اس کی ایذاؤں سے محفوظ رہے وہ جنت میں جائے

گا۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آجکل تو یہ حالات آپ ؐ کی امت میں عام ہیں، بیشتر مسلمان ان کے پابند ہیں۔ آپ ؐ نے فرمایا ہاں، آئندہ بھی ہر زمانہ میں ایسے لوگ رہیں گے جو ان احکام کے پابند ہوں گے (یہ حدیث ترمذی نے روایت کی ہے، اور اس کو صحیح فرمایا ہے)

چار خصلتیں:

ایک دوسری حدیث میں ارشاد ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے فرمایا کہ چار خصلتیں ایسی ہیں جب وہ تمہارے اندر موجود ہوں تو پھر دنیا میں کچھ بھی حاصل نہ ہو تو تمہارے لئے کافی ہیں۔ وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ ایک امانت کی حفاظت، دوسرے سچ بولنا، تیسرے حسن خلق، چوتھے کھانے میں حلال کا اہتمام۔

مقبول الدعاء ہونا:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ میرے لئے یہ دعا فرمادیجئے کہ میں مقبول الدعاء ہوجاؤں، جو دعاء کیا کروں قبول ہوا کرے۔ آپ ؐ نے فرمایا اے سعد اپنا کھانا حلال اور پاک بنالو مستجاب الدعوات ہوجاؤ گے، اور قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد ؐ کی جان ہے، بندہ جب اپنے پیٹ میں حرام لقمہ ڈالتا ہے تو چالیس روز تک اس کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اور جس شخص کا گوشت حرام مال سے بنا ہو اس گوشت کے لئے تو جہنم کی آگ ہی لائق ہے۔

قیامت میں چار سوال:

اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''قیامت کے روز محشر میں کوئی بندہ اپنی جگہ سے سرک نہ سکے گا جب تک اس سے چار سوالوں کا جواب نہ لیا جائے۔ ایک یہ کہ اس نے اپنی عمر کس کام میں فنا کی۔ دوسرے یہ کہ اپنی جوانی کس شغل میں برباد کی، تیسرے یہ کہ اپنا مال کہاں سے کمایا اور کہاں خرچ کیا، اور چوتھی یہ کہ اپنے علم پر کہاں تک عمل کیا'' (البیہقی، ترغیب) ﴿معارف المفتی اعظمؒ﴾

> **يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ**
>
> تجھ سے پوچھتے ہیں حال نئے چاند کا

سببِ نزول و ربط:

آفتاب ہمیشہ ایک صورت ایک حالت پر رہتا ہے اور چاند کی صورت بدلتی اور اس کی مقدار بڑھتی گھٹتی رہتی ہے۔ اس لئے لوگوں نے چاند کے کم زیادہ ہونے کی وجہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ پہلی آیت میں شہر رمضان اور روزہ کا ذکر تھا، اس آیت میں ہلال کا ذکر ہے اور روزہ اور رویت ہلال میں تعلق ظاہر ہے کہ ایک دوسرے پر موقوف ہے اور آگے چل کر حج اور اس کے احکام کا ذکر ہے۔ ذکر ہلال اس کے بھی مناسب ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

> **قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ**
>
> کہدے کہ یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے

نظام قمری کی حکمتیں:

یعنی ان سے کہہ دو کہ چاند کا اس طرح پر نکلنا اس سے لوگوں کے معاملات اور عبادات مثل قرض اجارہ عدت مدت حمل و رضاعت روزہ زکوٰۃ وغیرہ کے اوقات ہر ایک کو بے تکلف معلوم ہوجاتے ہیں۔ بالخصوص حج کہ روزہ وغیرہ کی قضا تو ان کے غیر ایام میں ہوتی ہے حج کی تو قضا بھی ایام مقررہ حج کے سوا دوسرے ایام میں نہیں کر سکتے اور حج کے خاص بیان فرمانے کی یہ بھی وجہ ہے کہ ذیقعدہ ذی الحج محرم رجب یہ چار مہینے اشہر حرام تھے۔ ان میں لڑائی کرنا کسی کو قتل کرنا حرام تھا۔ اہل عرب کو اگر ان مہینوں میں لڑائی پیش آتی تو مہینوں کو مقدم مؤخر کر کے لڑائی کرتے۔ مثلاً ذی الحج یا محرم میں لڑائی پیش آتی تو اس کو تو صفر بنا لیتے اور جب صفر آتا تو اس کو ذی الحج یا محرم ٹھہرا لیتے۔ ان کے اس خیال کے ابطال کی غرض سے یہاں حج کی تصریح فرمائی کہ جو ایام حج کے لئے اللہ نے مقرر فرمائے ان میں تقدم تأخر ہرگز جائز نہیں۔ اب یہاں سے حج کے متعلقات اور اس کے احکام دور تک ذکر ہوں گے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے چاند کو لوگوں کے وقت معلوم کرنے کے لئے بنایا ہے۔ اسے دیکھ کر روزے رکھو، اسے دیکھ کر عید مناؤ۔ اگر ابر و باراں کی وجہ سے چاند نہ دیکھ سکو تو تیس دن پورے گن لیا کرو۔ اس روایت کو امام حاکمؒ نے صحیح کہا ہے۔ یہ حدیث اور سندوں سے بھی مروی ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

قمری تاریخ کی حیثیت:

شریعت میں مہینہ اور سال قمری ہی معتبر ہے اور اس کا استعمال مسلمانوں کے لئے فرض کفایہ ہے۔ اگرچہ دنیوی معاملات میں شمسی حساب کا استعمال جائز ہے لیکن اگر سب کے سب قمری حساب کو ترک کردیں تو گنہگار ہوں گے، جیسا کہ فرض علی الکفایہ کا حکم ہے۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

شانِ نزول:

اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ معاذ بن جبل انصاری اور ثعلبۃ بن غنم انصاری رضی اللہ عنہما نے جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیا بات ہے کہ ہلال اول تو باریک سا ظاہر ہوتا ہے۔ پھر بڑھتے بڑھتے بالکل بھر جاتا ہے اور پورا ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد باریک ہونا شروع ہوتا ہے، حتیٰ کہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسا کہ اول تھا۔ ایک حالت پر نہیں رہتا۔ اس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی۔ یہ روایت علامہ بغویؒ نے نقل کی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

شمسی اور قمری حساب کا موازنہ:

شریعتِ اسلام نے چاند کے حساب کو اس لئے اختیار فرمایا کہ اس کو ہر آنکھوں والا افق پر دیکھ کر معلوم کر سکتا ہے۔ عالم، جاہل، دیہاتی، جزیروں پہاڑوں کے رہنے والے جنگلی سب کو اس کا علم آسان ہے۔ بخلاف شمسی حساب کے کہ وہ آلاتِ رصدیہ اور قواعد ریاضیہ پر موقوف ہے جس کو ہر شخص آسانی سے معلوم نہیں کر سکتا۔ پھر عبادات کے معاملہ میں تو قمری حساب کو بطور فرض متعین کر دیا، اور عام معاملات تجارت وغیرہ میں بھی اسی کو پسند کیا جو عبادتِ اسلامی کا ذریعہ ہے اور ایک طرح کا اسلامی شعار ہے۔ اگرچہ شمسی حساب کو بھی ناجائز قرار نہیں دیا۔ شرط یہ ہے کہ اس کا رواج اتنا عام نہ ہو جائے کہ لوگ قمری حساب کو بالکل بھلا دیں، کیونکہ ایسا کرنے میں عبادات، روزہ و حج وغیرہ میں خلل لازم آتا ہے۔ جیسا اس زمانے میں عام دفتروں اور کاروباری اداروں بلکہ نجی اور شخصی مکاتبات میں بھی شمسی حساب کا ایسا رواج ہو گیا ہے کہ بہت سے لوگوں کو اسلامی مہینے بھی پورے یاد نہیں رہے۔ یہ شرعی حیثیت کے علاوہ غیرتِ قومی و ملی کا بھی دیوالیہ پن ہے۔ اگر دفتری معاملات میں جن کا تعلق غیر مسلموں سے بھی ہے ان میں صرف شمسی حساب رکھیں، باقی نجی خط و کتابت اور روز مرہ کی ضروریات میں قمری اسلامی تاریخوں کا استعمال کریں تو اس میں فرض کفایہ کی ادائیگی کا ثواب بھی ہو گا اور اپنا قومی شعار بھی محفوظ رہے گا۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ
اور نیکی یہ نہیں کہ گھروں میں آؤ
ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا
ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے کہ جو کوئی ڈرے اللہ
الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ
سے اور گھروں میں آؤ دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو
تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾
تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو

جاہلانہ رسم کی مذمت:

زمانۂ جاہلیت کا ایک دستور یہ بھی تھا کہ جب گھر سے نکل کر حج کا احرام باندھتے پھر کوئی ضرورت گھر میں جانے کی پیش آتی تو دروازہ سے نہ جاتے۔ چھت پر چڑھ کر گھر کے اندر اترتے۔ یا گھر کی پشت کی جانب نقب دے کر گھستے اور اس کو نیکی کی بات سمجھتے۔ اللہ نے اس کو غلط فرما دیا۔

فائدہ: پہلے جملہ میں حج کا ذکر تھا اور یہ حکم بھی حج کے متعلق تھا۔ اس مناسبت سے اس حکم کو یہاں بیان فرمایا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ آیت میں اھلہ سے مراد اشہر حج یعنی شوال اور ذیقعد اور دس راتیں ذی الحج کی ہیں کہ احرامِ حج ان میں ہونا چاہئے۔ لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ حج کے یہی ایام ہیں یا اور ایام میں بھی حج ہو سکتا ہے۔ رسول اللہ نے جواب دیا کہ حج کے لئے اشہر حج مقرر اور معین ہیں۔ اور اسی کی مناسبت سے احرام کے اندر گھر میں جانے کی کیفیت ذکر فرما دی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اپنی طرف سے کسی جائز اور مباح امر کو نیکی بنا لینا اور دین میں داخل کر لینا مذموم اور ممنوع ہے۔ جس سے بہت سی باتوں کا بدعت اور مذموم ہونا معلوم ہو گیا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ
اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے

مسلمانوں کی ایک دفاعی الجھن کا حل:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے مکہ دارالامن تھا۔ کوئی اپنے دشمن کو بھی مکہ میں پاتا تو کچھ نہ کہتا اور اشہر حرام یعنی ذوی القعدہ اور ذی الحج اور محرم اور رجب یہ چاروں مہینے بھی امن کے تھے۔ ان میں تمام ملک عرب میں لڑائی موقوف ہو جاتی۔ اور کوئی کسی کو کچھ نہ کہتا۔ ذی القعدہ ۶ ھ میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جماعت صحابہ کے ہمراہ عمرہ کے قصد سے مکہ کی زیارت کو تشریف لائے۔ جب آپ مکہ کے نزدیک پہنچے تو مشرکین جمع ہو کر لڑنے کو تیار ہو گئے۔ اور مسلمانوں کو روک دیا۔ آخر کو اس پر صلح ہوئی

کہ اب تو بدونِ زیارت واپس ہو جائیں اور اگلے برس آن کر عمرہ کریں اور تین روز اطمینان سے مکہ میں رہیں۔ جب دوسرے برس ذی القعدہ ۷ھ میں آپؐ نے مکہ کا قصد فرمایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب کو یہ اندیشہ تھا کہ اہلِ مکہ اگر اب بھی وعدہ خلافی کر کے لڑنے بھڑنے کو تیار ہو گئے تو ہم کیا کریں گے۔ لڑیں تو شہر حرام اور حرم مکہ میں کیونکر لڑیں۔ اور نہ لڑیں تو عمرہ کیسے کریں؟ اس پر حکم الٰہی آیا کہ اگر وہ اس مہینہ حرام میں خلاف عہد تم سے لڑیں تو تم بھی بے تامل ان سے لڑو۔ وہاں تمہاری طرف سے ابتداء اور زیادتی نہ ہونی چاہئے۔ حج کے ذیل میں عمرۂ حدیبیہ کی مناسبت سے قتال کفار کا ذکر آیا۔ اس لئے جہاد کے بعض احکام و آداب مناسب مقام مذکور فرمائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد پھر حج کے احکام بیان ہوں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَا تَعْتَدُوْا ۚ
اور کسی پر زیادتی مت کرو

زیادتی نہ کرو:

زیادتی مت کرو۔ اس کے معنی یہ کہ لڑائی میں لڑکے اور عورتیں اور بوڑھے قصداً نہ مارے جائیں۔ اور حرم کے اندر اپنی طرف سے لڑائی شروع نہ کی جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مسئلہ: حرم مکہ کے اندر انسان کیا کسی شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں۔ لیکن اسی آیت سے معلوم ہوا کہ اگر حرم محترم میں کوئی آدمی دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتال کرنا جائز ہے۔ اس پر جمہور فقہاء کا اتفاق ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ابتداءِ جہاد و قتال کی ممانعت صرف مسجدِ حرام کے آس پاس حرمِ مکہ کے ساتھ مخصوص ہے۔ دوسرے مقامات پر جیسے دفاعی جہاد ضروری ہے اسی طرح ابتدائی جہاد و قتال بھی درست ہے۔

مجاہدین کیلئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات:

اور ابوداؤد میں بروایت انسؓ جہاد پر جانے والے صحابہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ ہدایات منقول ہیں، تم اللہ کے نام پر اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملت پر جہاد کے لئے جاؤ، کسی بوڑھے ضعیف کو اور چھوٹے بچے یا کسی عورت کو قتل نہ کرو۔ (مظہری)

حضرت صدیق اکبرؓ نے جب یزید بن ابی سفیان کو ملک شام بھیجا تو ان کو یہی ہدایت دی، اس میں یہ بھی مذکور ہے کہ عبادت گزار اور راہبوں کو اور کافروں کی مزدوری کرنے والوں کو بھی قتل نہ کریں، جبکہ وہ قتال میں حصہ نہ لیں۔ (قرطبی) ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

بخاری ومسلم کی ایک اور حدیث میں ہے کہ مجھے حکم کیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے جہاد کرتا رہوں، یہاں تک کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہیں۔ جب وہ اسے کہہ لیں گے تو مجھ سے اپنا خون اور مال بچالیں گے مگر اسلامی احکام میں ان کا باطنی حساب اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے۔ پھر فرمایا اگر یہ کفار شرک وکفر اور تمہیں قتل کرنے سے باز آجائیں تو تم بھی ان سے رک جاؤ۔ اس کے بعد جو قتال کرے گا وہ ظالم ہوگا۔ اور ظالموں کو ظلم کا بدلہ دینا ضروری ہے---- صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجاہدین کو فرمان دیا کرتے تھے کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرو۔ خیانت نہ کرو، بدعہدی سے بچو، ناک کان وغیرہ اعضاء نہ کاٹو، بچوں کو اور زاہد لوگوں کو جو عبادت خانوں میں پڑے رہتے ہیں قتل نہ کرو۔

صحیحین میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک غزوہ میں ایک عورت قتل کی ہوئی پائی گئی۔ حضورؐ نے اسے بہت برا مانا اور عورتوں اور بچوں کے قتل کو منع فرما دیا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿١٩٠﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ
بیشک اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے زیادتی کرنیوالوں کو اور مار ڈالو ان کو
حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ
جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے
حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ
انہوں نے تم کو نکالا

جس جگہ پاؤ یعنی حرم میں ہوں خواہ غیر حرم میں جہاں سے تم کو نکالا یعنی مکہ سے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ
اور دین سے بچلانا مار ڈالنے سے بھی زیادہ سخت ہے

فتنہ کا مطلب:

یعنی دین سے پھر جانا یا دوسرے کو پھرانا مہینہ حرام کے اندر مار ڈالنے سے بہت بڑا گناہ ہے۔ مطلب یہ کہ حرم مکہ میں کفار کا شرک کرنا اور کرانا زیادہ قبیح ہے۔ حرم میں مقاتلہ کرنے سے تو اب مسلمانو! تم کچھ اندیشہ نہ کرو اور جواب ترکی بہ ترکی دو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى
اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک کہ
يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ
وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو مارو
كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾
یہی ہے سزا کافروں کی

مشرکین کے اقدام پر تمہیں قتال کی اجازت ہے:

یعنی مکہ ضرور جائے امن ہے لیکن جب انہوں نے ابتداء کی اور تم پر ظلم کیا اور ایمان لانے پر دشمنی کرنے لگے کہ یہ بات مار ڈالنے سے بھی سخت ہے تو اب ان کو امان نہ رہی۔ جہاں پاؤ مارو۔ آخر جب مکہ فتح ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمادیا کہ جو ہتھیار سامنے کرے اسی کو مارو اور باقی سب کو امن دیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حرم میں ابتداءِ قتال اب بھی حرام ہے:

میں کہتا ہوں کہ میرے نزدیک حق یہ ہے کہ اس آیت کا حکم باقی ہے، منسوخ نہیں ہے۔ قتال کی ابتداء کرنا حرم میں اب بھی حرام ہے۔ اور یہی قول مجاہد اور بہت سے علماء کا ہے۔ اس قول کی تائید بخاری و مسلم کی یہ حدیث کرتی ہے کہ ابن عباس و ابوھریرہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے روز فرمایا کہ اس شہر کو اللہ تعالیٰ نے آسمان و زمین کی پیدائش کے دن با حرمت کیا ہے۔ اس لئے قیامت تک اللہ کا حرام کردہ حرام رہے گا۔ مجھ سے پہلے کسی کو اس میں قتل و قتال کی اجازت نہیں ہوئی اور میرے واسطے بھی دن کی ایک ساعت کے لئے صرف حلال ہوا ہے۔ اس کے بعد بدستور قیامت تک حرام ہے۔ یہاں کی گھاس کاٹا وغیرہ نہ کاٹا جائے، نہ یہاں شکار بھگایا جاوے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مکہ میں ہتھیار اٹھانا کسی کو حلال نہیں۔ اس حدیث کو مسلم نے روایت کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾
پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے

توبہ کا دروازہ اب بھی کھلا ہے:

یعنی باوجود ان سب باتوں کے اگر اب بھی مسلمان ہوں اور شرک سے باز آئیں تو توبہ قبول ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ
اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد اور
الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ
حکم رہے خدا تعالیٰ ہی کا پھر اگر وہ باز آئیں تو
اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾
کسی پر زیادتی نہیں مگر ظالموں پر

قتال کا مقصود ظلم کا خاتمہ ہے:

یعنی کافروں سے لڑائی اسی واسطے ہے کہ ظلم موقوف ہو اور کسی کو دین سے گمراہ نہ کرسکیں اور خاص اللہ ہی کا حکم جاری رہے سو وہ جب شرک سے باز آجائیں تو زیادتی سوائے ظالموں کے اور کسی پر نہیں یعنی جو بدی سے باز آگئے وہ اب ظالم نہ رہے تو اب ان پر زیادتی بھی مت کرو ہاں جو فتنہ سے باز نہ رہیں ان کو شوق سے قتل کرو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

یعنی کفر مغلوب ہو جائے اور اسلام غالب آجائے کہ کفر کو اسلام کے مقابلہ میں سر اٹھانے کی مجال باقی نہ رہے اور کفر اسلام کے سامنے ہتھیار ڈال دے اور کفر میں اتنی طاقت نہ رہے کہ اسلام اور مسلمانوں کے کسی دینی یا دنیوی امر میں مزاحمت کر سکے۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ
حرمت والا مہینہ بدلا (مقابل) ہے حرمت والے مہینے کا اور ادب
قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا
رکھنے میں بدلہ ہے پھر جس نے تم پر زیادتی کی تم اس پر زیادتی کرو
عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا
جیسی اس نے زیادتی کی تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے
اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾
اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے

قانونی حدود میں رہ کر کفار سے بدلہ لو:

حرمت کا مہینہ یعنی ذیقعدہ کہ جس میں عمرہ کی قضا کرنے جارہے ہو

بدلا ہے اس حرمت کے مہینہ یعنی ذیقعدہ کا کہ سال گذشتہ میں اسی مہینہ کے اندر کفار مکہ نے تم کو عمرہ سے روک دیا تھا اور مکہ میں جانے نہ دیا تھا یعنی اب تم شوق سے ان سے بدلا لو کیونکہ ادب اور حرمت رکھنے میں تو برابری ہے یعنی اگر کوئی کافر ماہ حرام کی حرمت کرے اور اس مہینہ میں تم سے نہ لڑے تو تم بھی ایسا ہی کرو مکہ والے جو سال گذشتہ میں تم پر ظلم کر چکے اور نہ ماہ حرام کی حرمت کی نہ حرم مکہ کی نہ تمہارے احرام کا لحاظ کیا اور تم نے اس پر بھی صبر کیا اگر اس دفعہ بھی سب حرمتوں سے قطع نظر کر کے آمادۂ جنگ ہوں تو تم بھی کسی حرمت کا خیال مت کرو بلکہ اگلی پچھلی سب کسر مٹالو مگر جو کرو خدا سے ڈر کر کرو اس کی خلاف اجازت ہرگز نہ ہو اور اللہ تعالیٰ پرہیز گاروں کا بیشک ناصر و مددگار ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مجھ کو قتال کا حکم دیا گیا ہے جب تک کہ لوگ شہادت دیں کہ سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے رسول ہیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں جب ان امور کو کرینگے تو اپنی جان و مال کو مجھ سے بچالیں گے لیکن ان کے جان و مال میں اگر حق اسلام ہو گا تو وہ باوجود ان امور کے لیا جائے گا اور ان کا حساب اللہ پر ہے۔ (تفسیر مظہری)

حرمت کے مہینوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

مسند احمد میں حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حرمت والے مہینوں میں جنگ نہیں کرتے تھے، ہاں اگر کوئی آپ پر چڑھائی کرے تو اور بات ہے بلکہ جنگ کرتے ہوئے اگر حرمت والے مہینے آجاتے تو آپ لڑائی موقوف کر دیتے۔ حدیبیہ کے میدان میں بھی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مشرکوں نے قتل کر دیا، جو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام لے کر مکہ میں گئے تھے، تو آپ نے اپنے چودہ سو اصحابؓ سے ایک درخت کے تلے مشرکوں سے جہاد کرنے کی بیعت لی۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَلَا تُلْقُوْا
اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو
بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ۚ
اپنی جان کو ہلاکت میں

جہاد و انفاق چھوڑ کر ہلاکت نہ خریدو:

مطلب یہ ہے کہ اللہ کی اطاعت میں یعنی جہاد وغیرہ میں اپنے مال کو صرف کرو اور اپنی جان ہلاکت میں نہ ڈالو یعنی جہاد کو چھوڑ بیٹھو یا اپنے مال کو جہاد میں صرف نہ کرو کہ اس سے تم ضعیف اور دشمن قوی ہو گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

میں کہتا ہوں معنی آیت کے یہ ہیں کہ اے مسلمانو! اگر تم جہاد چھوڑ بیٹھے تو تمہارا دشمن تم پر غالب آجائے گا پھر تم ہلاک ہو جاؤ گے۔

حضرت ابوایوبؓ کا جہاد و جذبہ:

علامہ بغویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول کے بعد پھر ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ہمیشہ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہے حتیٰ کہ شہید ہو کر قسطنطنیہ کی شہر پناہ کے نیچے مدفون ہوئے۔ قسطنطنیہ والے ان کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے ہیں۔ اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص مر گیا اور اس نے جہاد نہ کیا اور نہ اسکے جی میں کبھی جہاد کا خیال آیا تو وہ نفاق کی ایک شاخ لے کر مرا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

آیت کا مصداق و سببِ نزول:

ابوعمرانؒ فرماتے ہیں کہ مہاجرین میں سے ایک نے قسطنطنیہ کی جنگ میں کفار کے لشکر پر دلیرانہ حملہ کیا اور ان کی صفوں کو چیرتا ہوا ان میں گھس گیا تو بعض لوگ کہنے لگے کہ دیکھو یہ اپنے ہاتھوں سے اپنی جان کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر فرمایا اس آیت کا صحیح مطلب ہم خوب جانتے ہیں۔ سنو! یہ آیت ہمارے بارے میں نازل ہوئی ہے ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اٹھائی آپ کے ساتھ جنگ و جہاد میں شریک رہے آپ کی مدد پر تلے رہے یہاں تک کہ اسلام ظاہر ہو گیا اور مسلمان غالب آگئے تو ہم انصاریوں نے ایک مرتبہ جمع ہو کر آپس میں مشورہ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے ساتھ ہمیں مشرف فرمایا ہم آپ کی خدمت میں لگے رہے آپ کی ہمرکابی میں جہاد کرتے رہے اب بحمد اللہ اسلام پھیل گیا مسلمانوں کا غلبہ ہو گیا لڑائی ختم ہو گئی، ان دنوں میں نہ ہم نے اپنی اولاد کی خبر گیری کی نہ مال کی دیکھ بھال کی نہ کھیتوں اور باغوں کا کچھ خیال کیا پس اب ہمیں چاہئے کہ اپنے خانگی معاملات کی طرف توجہ کریں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی، پس جہاد کو چھوڑ کر بال بچوں اور بیوپار تجارت میں مشغول ہو جانا یہ اپنے ہاتھوں اپنے تئیں ہلاک کرنا ہے۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی وغیرہ)

وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾
اور نیکی کرو بے شک اللہ دوست رکھتا ہے نیکی کرنیوالوں کو

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ

اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے

حج کے ضمن میں جہاد کا ذکر جو مناسب تھا اس کو بیان فرما کر اب احکام حج وعمرہ بتلائے جاتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نیکی اور عبادات ومعاملات کی خوبی:

(وَاَحْسِنُوْا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ) (اور نیکی کرو بیشک اللہ محبت کرتا ہے نیک لوگوں سے) یعنی اپنے اعمال اور اخلاق کو درست اور نیک کرو۔ اور حاجت مندوں سے بھلائی کرو جاننا چاہئے کہ خوبی عبادات میں بھی ہوتی ہے اور معاملات میں بھی عبادات کی خوبی وہ ہے جو ایک طویل حدیث کے تحت میں حضرت عمرؓ سے مروی ہے کہ جبرئیل علیہ السلام نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایئے خوبی کیا چیز ہے فرمایا خوبی یہ ہے کہ تو اللہ کی اس طرح عبادت کر کہ گویا اس کو دیکھ رہا ہے کیونکہ اگر تو اس کو نہیں دیکھتا تو وہ تجھ کو دیکھتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حضور قلب اور خشوع اور خضوع سے عبادت کر اور معاملات میں خوبی وہ ہے جس کی صراحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو تو اپنے لئے پسند کرتا ہے وہ ہی لوگوں کے لئے پسند کر اور جو اپنے لئے برا جانتا ہے وہ ہی لوگوں کے لئے برا جان۔ اس حدیث کو امام احمدؒ نے معاذ بن جبلؓ سے روایت کیا ہے اور فرمایا کہ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ ہوں۔ اس حدیث کو اصحاب سنن نے ابوھریرہؓ سے روایت کیا ہے اور احمدؒ نے عمرو بن عنبسہ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے تم میں سب سے زیادہ پیارا وہ ہے جس کے اخلاق پسندیدہ ہوں۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام امور میں خوبی کردار کو فرض فرمایا ہے پس جب تم قتل کرو تو اس کو اچھی طرح کرو (یعنی مثلاً ناک کان مت کاٹو بچہ عورت بڈھے کو مت قتل کرو) اور جب ذبح کرو تو اچھی طرح ذبح کرو چھری کو تیز کر لو اور جانور کو راحت دو اس حدیث کو مسلم نے شداد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے۔

حج وعمرہ کا حکم:

(وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ) (اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے) یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ حج اور عمرہ اور ان کا پورا کرنا اور حج کو عمرہ سے فسخ نہ کرنا جملہ امور واجب ہیں۔ حج پر تو اجماع ہو چکا ہے کہ حج فرض عین محکم غیر قابل نسخ ہے اور اسلام کے ارکان میں سے ایک رکن ہے۔

چنانچہ چند احادیث نقل کی جاتی ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے تعلیم جبرئیل کی حدیث میں روایت کرتے ہیں کہ جبرئیل علیہ السلام نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ کو خبر دیجئے کہ اسلام کیا ہے فرمایا اس امر کی گواہی دینا کہ کوئی معبود سوائے اللہ کے نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور قائم کرنا نماز کا اور ادا کرنا زکوٰۃ کا اور حج وعمرہ کرنا اور جنابت سے غسل کرنا اور وضو کو پورا کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا عمرہ کا ذکر اگرچہ صحاح میں نہیں ہے۔ لیکن اور ثقات نے اس کو روایت کیا ہے اور دار قطنی نے اس کو صحیح کہا ہے نیز عمرہ کا ذکر ابوبکر جوسی نے اپنی کتاب میں کیا ہے اس لئے یہ مقبول ہے۔

عورتوں کا جہاد:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا عورتوں پر بھی جہاد ہے فرمایا ان پر ایسا جہاد ہے کہ اس میں قتال نہیں وہ حج اور عمرہ ہے اس حدیث کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث ضعیف ہیں کہ ان کو ہم ذکر نہیں کرتے۔

اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عمرہ واجب ہے منجملہ ان کے یہ ہے کہ ضبی بن معبدؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں نے حج اور عمرہ دونوں کا بہ نیت فرض احرام باندھ لیا۔ فرمایا تجھے طریقہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چلنے کی توفیق عنایت کر دی گئی۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا قول ہے کوئی صاحب مقدور ایسا نہیں کہ حج اور عمرہ اس پر واجب نہ ہو اس اثر کو ابن خزیمہؒ اور دار قطنیؒ اور حاکمؒ نے روایت کیا۔ اس کی سند صحیح ہے اور بخاری نے تعلیقاً ذکر کیا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

حج وعمرہ خالص اللہ کیلئے کرو:

چنانچہ فرماتے ہیں اور حج اور عمرہ کو خاص اللہ کے لئے پورا کرو نہ تو شروع کر کے درمیان میں چھوڑ دو اور نہ حج کا احرام باندھ کر اس کو فسخ کر کے عمرہ بناؤ جو شروع کیا ہے اسی کو پورا کرو اور حج اور عمرہ کے آداب وسنن کو بھی پورا پورا ملحوظ رکھو بغیر اس کے حج اور عمرہ ناتمام رہے گا اور حج اور عمرہ کا تمام سفر خالص اللہ کے لئے ہو۔ بغیر اخلاص کے عبادت میں حسن پیدا نہیں ہوتا اور سفر حج میں انفاق فی سبیل اللہ اور احسان سے دریغ نہ کرو سفر حج وعمرہ میں خیرات کرنے سے اضعافاً مضاعفہ اجر ملتا ہے۔ ﴿معارف القرآن کاندھلویؒ﴾

حج کے فوائد:

دیکھئے کہ ہر سال ان مقامات میں ہزاروں ہی مسلمانوں کا حج کے

حیلہ سے مجمع ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان میں باہم تعارف ہو جاتا ہے۔ الفت بڑھتی ہے۔ تبادلہ خیالات کا موقع ملتا ہے۔ پھر ایک دو ملک کے لوگ نہیں بلکہ عرب، ترکستان، فارس، ہند، داغستان، افغانستان، ملک مغرب، بربر، سوڈان اور جاوہ وغیرہ تمام ممالک کے باشندے نظر آتے ہیں اوران سب کا ایک دین اور ایک ہی مقصد۔

یادِ ابراہیم و اسمٰعیل علیہما السلام:

اسی طرح ابراہیم خلیل اللہ اوران کے بیٹے اسماعیل علیہما السلام کا قصہ یا سیدہ حاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا واقعہ ان سب کے یاد آنے سے اس بات کا دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ کچھ ٹھکانہ ہے وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کیسے سرگرم تھے اور جب ان کی آزمائش کی گئی تو کیسے ثابت قدم نکلے۔ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی سے سر موتجاوز نہیں ہونے پایا اور سب کو جانے دیجئے سیدنا ابراہیمؑ ہی کے ماجرے کو خیال کیجئے۔ کیسی جانچ کا وقت تھا جب کہ خدا تعالیٰ نے ان کو لختِ جگر یعنی پیارے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو ذبح کرنے کا حکم دیا اوراس شفیق باپ نے خداوند کریم کی اطاعت کے سامنے کچھ پرواہ نہ کی اوراس پر آمادہ ہو گیا اوراسی طرح اس ہونہار لڑکے نے بھی خداوندی حکم کی تعمیل سے ذرا عذر نہ کیا اوراپنی جان دینے اور قبر میں سور ہنے کے لئے مستعد ہو گیا اور جب شیطان نے وادی منیٰ میں وسوسہ ڈالنا چاہا تو اسے دفع کر دیا اوراپنا سامنہ لے کر نا کام رہ گیا۔ پھر خدا نے فدیہ بھیج کر باپ بیٹے دونوں پر احسان کیا اوران کے غم کو دور کر کے ان کو خوشخبری سنادی۔

اور دل چاہتا ہے کہ ان کی اس بات پر تعریف کی جائے ان کے لئے دعا مانگی جائے کہ وہ کیسے کیسے عمدہ افعال جاری کر گئے ہیں۔ کیسی کیسی نیک باتیں سکھا گئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ خدا کے سامنے تو یہ کرنی چاہئے۔ اس کی طرف رجوع ہونا چاہئے۔ (ماخوذ از رسالہ حمیدیہ اردو)

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ
پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے
وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ
اور حجامت نہ کرواپنے سروں کی جب تک پہنچ نہ چکے قربانی اپنے
مَحِلَّهُ
ٹھکانے پر

حالتِ مجبوری کا حکم:

مطلب یہ ہے کہ جب کسی نے حج یا عمرہ کیا یعنی اس کا احرام باندھا تو اس کا پورا ہونا لازم ہو گیا بیچ میں چھوڑ بیٹھے اوراحرام سے نکل جائے یہ نہیں ہو سکتا لیکن اگر کوئی دشمن یا مرض کی وجہ سے بیچ ہی میں رک گیا اور حج وعمرہ نہیں کر سکتا تو اس کے ذمہ پر ہے قربانی جو اس کو میسر آئے جس کا ادنیٰ مرتبہ ایک بکری ہے اس قربانی کو کسی کے ہاتھ مکہ کو بھیجے اور یہ مقرر کر دے کہ فلاں روز اس کو حرم مکہ میں پہنچ کر اس کی قربانی ہو چکی ہو گی اس وقت سر کی حجامت کرادے اس سے پہلے ہرگز نہ کرائے اس کو دم احصار کہتے ہیں کہ حج یا عمرہ سے رکنے کی وجہ سے لازم ہوتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى
پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو
مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ
سر کی تو بدلہ دیوے روزے یا
صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ
خیرات یا قربانی

مریض کا حکم:

یعنی اگر حالت احرام میں کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں درد یا سر میں زخم ہو تو اس کو بضرورت حالت احرام میں حجامت کرنا سر کا جائز ہے مگر بدلا دینا پڑیگا۔ تین روزے یا چھ محتاجوں کو کھانا کھلانا یا ایک دنبے یا بکرے کی قربانی کرنا۔ یہ دم جنایت ہے کہ حالت احرام میں بضرورت مرض لاچار ہو کر امور مخالف احرام کرنے پڑے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى
پھر جب تمہاری خاطر جمع ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ کو ملا کر
الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ
حج کے ساتھ تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے

حج تمتع، حج قِران اور حج اِفراد:

یعنی جو محرم کہ دشمن کی طرف سے اور مرض سے مطمئن ہو خواہ اس کو کسی قسم

کا اندیشہ پیش ہی نہ آیا یا دشمن کا خوف یا بیماری کا کھٹکا پیش تو آیا مگر جلد زائل ہو گیا احرام حج وعمرہ میں اس سے خلل نہ آنے پایا تو اس کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے حج اور عمرہ دونوں ادا کئے یعنی قران یا تمتع کیا افراد نہیں کیا تو اس پر قربانی ایک بکرا، یا ساتواں حصہ اونٹ کا یا گائے کا لازم ہے اس کو دم قران اور دم تمتع کہتے ہیں امام ابوحنیفہ اس کو دم شکر کہتے ہیں اور اس کو اس میں سے کھانے کی اجازت دیتے ہیں اور امام شافعی اس کو دم جبر کہتے ہیں اور قربانی کرنے والے کو اس میں سے کھانے کی اجازت بھی نہیں دیتے۔ (تفسیر عثمانی)

حدیبیہ کے دن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ سر منڈانے والوں پر رحم فرمائے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کترنیوالوں پر بھی آپؐ نے پھر فرمایا منڈانیوالوں پر اللہ رحمت فرمائے صحابہؓ نے پھر عرض کیا کترنے والوں پر بھی تیسری مرتبہ حضورؐ نے فرمایا کہ کترانے والوں پر بھی اس حدیث کو طحاویؒ نے ابن عباس اور ابو سعید رضی اللہ عنہم سے روایت کیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي
پھر جس کو قربانی نہ ملے تو روزے رکھے تین حج کے دنوں میں
الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ
اور سات روزے جب لوٹو یہ دس روزے ہوئے
كَامِلَةٌ ؕ
پورے

قربانی نہ ہو تو روزے رکھے:

یعنی جس نے قران یا تمتع کیا اور اس کو قربانی میسر نہ ہوئی تو اس کو چاہئے کہ تین روزے رکھے حج کے دنوں میں جو کہ یوم عرفہ یعنی نویں ذی الحجہ پر ختم ہوتے ہیں اور سات روزے جب رکھے کہ حج سے بالکل فارغ ہو جائے دونوں کا مجموعہ دس روزے ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ
یہ حکم اس کیلئے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام
الْحَرَامِ ؕ
کے پاس

اہل حرم کیلئے صرف افراد ہے:

یعنی (قرآن وتمتع اسی کے لئے ہے کہ جو مسجد حرام یعنی حرم مکہ کے اندر یا اس کے قریب نہ رہتا ہو بلکہ حل یعنی خارج از میقات کا رہنے والا ہو اور جو حرم مکہ کے رہنے والے ہیں وہ صرف افراد کریں۔

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ
اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ کا
الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ
عذاب سخت ہے حج کے چند مہینے ہیں معلوم

حج کے مہینے:

(شوال کے غرہ سے لے کر بقرعید کی صبح یعنی ذی الحجہ کی دسویں رات تک ان کا نام اشہر حج ہے اس لئے کہ احرام حج ان کے اندر ہوتا ہے اگر اس سے پہلے کوئی احرام حج کا باندھے گا تو وہ ناجائز یا مکروہ ہوگا یعنی حج کیلئے چند مہینے مقرر ہیں اور سب کو معلوم ہیں، مشرکین عرب جو اپنی ضرورت میں ان میں تغیر تبدل کرتے تھے جس کو دوسری آیت میں انما النسئی زيادة في الكفر فرمایا گیا ہے یہ بالکل بے اصل اور باطل ہے۔

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا
پھر جس نے لازم کرلیا ان میں حج تو بے حجاب ہونا جائز نہیں
فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا
عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانہ میں اور جو
مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ
کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے

(حج لازم کیا یعنی احرام حج کا باندھا اس پر کہ دل سے نیت کی اور زبان سے تلبیہ پڑھا۔ (تفسیر عثمانی)

وقوف عرفہ:

مسند احمد وغیرہ میں حدیث ہے کہ حج عرفات ہے۔ تین مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا، جو سورج نکلنے سے پہلے عرفات میں پہنچ گیا اس نے حج کو پالیا۔ منیٰ کے تین دن ہیں، دو دن کا آگا پیچھا کرنے والے

پر کوئی گناہ نہیں، ٹھہرنے کا وقت عرفے کا دن سورج ڈھلنے کے بعد سے لے کر عید کی صبح صادق کے طلوع ہونے تک۔

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ سے سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ حضرات حج کے دنوں میں تجارت بھی کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا اور تجارت کا موسم ہی کونسا تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

۱۰ھ میں حج کے ساتھ ان چار عمروں کے سوا ہجرت کے بعد آپ کا اور کوئی عمرہ نہیں ہوا ہاں آپ نے ام ہانیؓ سے فرمایا تھا کہ رمضان میں عمرہ کرنا میرے ساتھ حج کرنے کے برابر ہے۔

صحیح حدیث میں ہے کہ آپ نے اپنے اصحابؓ سے فرمایا جس کے ساتھ قربانی کا جانور ہے وہ حج وعمرے کا ایک ساتھ احرام باندھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ بھی منقول ہے کہ اگر عرفے سے پہلے دو دنوں میں دو روزے رکھ لئے اور تیسرا عرفہ کے دن ہو تو بھی جائز ہے۔

صحیح مسلم میں حدیث ہے کہ ایام تشریق کھانے پینے اور ذکر اللہ کرنے کے دن ہیں پھر عطاءؒ فرماتے ہیں فرض سے مراد احرام ہے۔ رفث سے مراد جماع ہے۔ جماع اور اس کے تمام مقدمات بھی حرام ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۡ وَ
اور زادراہ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر فائدہ زادراہ کا بچنا ہے سوال سے
اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۷﴾
اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو

دورِ جہالت کا غلط دستور:

(ایک غلط دستور کفر میں یہ بھی تھا کہ بغیر زادراہ خالی ہاتھ حج کو جانا ثواب سمجھتے اور اس کو توکل کہتے اور وہاں جا کر ہر ایک سے مانگتے پھرتے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جن کو مقدور ہو وہ خرچ ہمراہ لے کر جائیں تا کہ خود تو سوال سے بچیں اور لوگوں کو حیران نہ کریں۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا
کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو فضل
مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ
اپنے رب کا

حج کے سفر میں تجارت:

حج کے سفر میں اگر سوداگری بھی کرو تو گناہ نہیں بلکہ مباح ہے لوگوں کو اس میں شبہ ہوا تھا کہ شاید تجارت کرنے سے حج میں نقصان آئے اب جس کو مقصود اصلی حج ہو اور اس کے ذیل میں تجارت بھی کرلے تو اس کے ثواب میں نقصان نہ آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ابن عمرؓ سے پوچھا جاتا ہے کہ ایک شخص حج کو نکلتا ہے اور ساتھ ہی تجارت بھی کرتا جاتا ہے تو اس کے بارے میں کیا حکم ہے۔ آپ نے یہی آیت پڑھ کر سنائی۔ (ابن جریر)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ ابوامامہ تیمیؒ نے حضرت ابن عمرؓ سے کہا کہ ہم حج میں جانور کرایہ پر دیتے ہیں کیا ہمارا بھی حج ہو جاتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تم بیت اللہ شریف کا طواف نہیں کرتے؟ کیا تم عرفات میں نہیں ٹھہرتے کیا تم شیطان کو کنکریاں نہیں مارتے؟ کیا تم سر نہیں منڈواتے، اس نے کہا یہ سب کام تو ہم کرتے ہیں، تو آپ نے فرمایا سنو! ایک شخص نے یہی سوال نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا اور اس کے جواب میں حضرت جبرئیل آیت لیس علیکم جناح لے کر اترے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے بلا کر فرمایا کہ تم حاجی ہو تمہارا حج ہو گیا۔

فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ
پھر جب طواف کیلئے لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو
عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۠
نزدیک مشعر الحرام کے

مشعر الحرام:

الحرام ایک پہاڑ کا نام ہے جو مزدلفہ میں واقعہ ہے جس پر امام وقوف کرتا ہے اس پہاڑ پر قیام کرنا افضل ہے اور تمام مزدلفہ میں جہاں قیام کرے جائز ہے سوا وادی محسر کے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ
اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو سکھلایا اور بے شک تم تھے
قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾
اس سے پہلے ناواقف

(یعنی کفار بھی اللہ کا ذکر تو کرتے تھے مگر شرک کے ساتھ وہ ذکر نہ چاہئے بلکہ توحید کے ساتھ جس کی تم کو ہدایت فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت آدم کا طریقہ:

حضرت آدم بھی عرفات سے واپس ہوئے تھے اور پھر مزدلفہ آئے اور پھر وہاں سے منیٰ آئے اس لئے حضرت آدم کا طریقہ بھی یہی ہے کہ واپسی عرفات سے ہو اور جب عرفات سے واپس ہو تو توبہ اور استغفار کرتے ہوئے واپس ہو اگرچہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرفات کی مغفرت کا فرشتوں میں اعلان فرما دیا مگر تم کو چاہئے کہ توبہ اور استغفار سے غافل نہ ہو جیسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نماز کا سلام پھیر کر تین مرتبہ استغفار فرماتے اسی طرح تم کو چاہئے کہ عرفات سے واپسی پر توبہ اور استغفار کرو سابق مغفرت پر مغرور نہ ہو جاؤ عبادت کتنی ہی کامل کیوں نہ ہو مگر ہر حال میں لائق توبہ اور استغفار ہے۔

انسان کی کمزوری:

انسان ضعیف اور ناتواں ہے دنیاوی ضرورتوں سے مستغنی نہیں عبدیت کا مقتضی یہ ہے کہ جوتی کا تسمہ بھی خدا سے مانگے، انسان کو پیدا ہی کیا ہے مانگنے کے لئے نیز انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی سنت بھی یہی ہے کہ تمام دینی اور دنیوی آفتوں سے پناہ مانگے تاکہ سکون اور اطمینان کے ساتھ اللہ کی عبادت کر سکے۔ نیز اللہ سے مانگنا عزت ہے اور مخلوق سے مانگنا ذلت ہے اللہ سے جتنا مانگو گے اتنا ہی زیادہ خدا کے مقرب بنو گے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

رات اور صبح کا قیام:

میں کہتا ہوں کہ معلوم ہوتا ہے کہ شب باشی اور بعد صبح کے قیام کرنا دونوں واجب ہیں لیکن چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کنبہ کے ضعیف لوگوں کو مزدلفہ سے منیٰ کی طرف صبح ہی جانے کی اجازت عطاء فرما دی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ صبح کے بعد کا ٹھہرنا واجب نہیں، چنانچہ شیخین نے صحیحین میں روایت کیا ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ میں بھی ان ہی لوگوں میں تھا جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بھیج دیا تھا، اور صحیحین میں حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو منیٰ کی طرف چاند چھپنے کے بعد چلنے کی اجازت دے دی تھی اور ابن عمر رضی اللہ عنہ اور ام حبیبہ رضی اللہ عنہا سے بھی اسی مضمون کی احادیث منقول ہیں۔ ہم اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ضعفا کو اجازت ہو جانے سے یہ نہیں نکلتا کہ اور قوی لوگوں کے ذمہ بھی مزدلفہ میں ٹھہرنا واجب نہیں۔ کہ وقوف عرفہ کے رکن ہونے پر اجماع ہے اگر عرفہ میں ٹھہرنا فوت ہو جائے تو حج فوت ہو جائے گا، اور اگر مزدلفہ کا ٹھہرنا فوت ہو تو حج نہیں جاتا اور سند اجماع یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حج عرفہ (یعنی عرفہ کا ٹھہرنا) اور خبر واحد اجماع کی سند بن سکتی ہے اور کیا عجب ہے کہ اہل اجماع نے وقوف عرفات کی رکنیت کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی قول سے لیا ہو۔ واللہ اعلم۔

عرفات کیوں کہتے ہیں:

علامہ بغویؒ نے فرمایا ہے کہ ضحاک نے کہا ہے کہ جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو ہند میں آئے اور حوا جدہ میں رہیں ایک مدت تک ایک دوسرے کی تلاش میں رہے، عرفات میں آکر دونوں ملے اور وہاں ایک دوسرے کی معرفت ہوئی، اس لئے اس میدان کو عرفات کہتے ہیں اور سدی نے کہا ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں میں حج کا اعلان کیا اور سب نے تلبیہ سے اس کی اجابت کی اور جن کو آنا تھا وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم فرمایا کہ عرفات میں جائیں اور علامات سے اس کو بتا دیا جب عقبہ کے پاس ایک درخت پر پہنچے تو سامنے سے شیطان آیا اور وہاں سے لوٹانے لگا تو ابراہیم علیہ السلام نے اس کے سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری کے ساتھ تکبیر کہتے تھے شیطان وہاں سے بھاگا اور دوسرے جمرہ پر آیا، وہاں ابراہیم علیہ السلام نے رمی کی اور تکبیر کہی وہاں سے بھی اڑا اور تیسرے پر آیا ابراہیم علیہ السلام نے وہاں بھی کنکریاں ماریں جب شیطان نے دیکھا کہ یہ تو مانتے ہی نہیں تھک کر چلا گیا پھر ابراہیم علیہ السلام وہاں سے چل کر ذوالمجاز میں تشریف لے گئے اور اس کے بعد عرفات میں قیام فرمایا اور اس کو بتائی ہوئی علامات سے پہچانا اس لئے وہ وقت تو عرفہ اور مقام عرفات کے نام سے مشہور ہو گیا جب شام ہوئی تو ابراہیم علیہ السلام مزدلفہ میں آئے اور ازدلاف کا معنی ہے قرب چونکہ ابراہیم علیہ السلام اس مقام کے پاس آئے تھے اس لئے اس کو مزدلفہ کہنے لگے اور ابوصالح سے روایت ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام نے ترویہ کی رات یہ خواب دیکھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہے ہیں صبح ہوئی تو تمام دن فکر کیا کہ یہ خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا شیطان کی جانب سے اور ترویہ کے معنی لغت میں فکر کرنا ہے اس لئے اس دن کو یوم ترویہ کہنے لگے پھر یہی خواب عرفہ کی رات دیکھا جب صبح ہوئی تو پہچانا کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے اس لئے یہ دن عرفہ کہلانے لگا کیونکہ معرفت کے معنی لغت میں پہچاننا ہے۔ (تفسیر مظہری)

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

پھر طواف کیلئے پھرو جہاں سے سب لوگ پھریں،

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

اور مغفرت چاہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان

زمانہ کفر کی ایک غلطی پر تنبیہ:

(زمانہ کفر کی ایک غلطی یہ بھی تھی کہ مکہ کے لوگ عرفات تک نہ جاتے کہ عرفات حرم سے باہر ہے بلکہ حرم کی حد یعنی مزدلفہ میں ٹھہر جاتے اور قریش مکہ کے سوا اور سب عرفات تک پہنچتے اور پھر وہاں سے طواف کے لئے مکہ کو واپس آتے سو اس لئے فرما دیا کہ جہاں سے سب لوگ طواف کو آئیں تم بھی وہیں سے جا کر لوٹو یعنی عرفات سے اور اگلی تقصیر پر نادم ہو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام کو تو یاد کرو اللہ کو جیسے تم یاد کرتے

كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ

تھے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو

قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کرو:

یعنی دسویں ذی الحجہ کو جب افعال حج رمی جمرہ اور ذبح قربانی اور سر منڈانے اور طواف کعبہ اور سعی صفا مروہ سے فراغت پا چکو تو زمانہ قیام منیٰ میں اللہ کا ذکر کرو جیسے کفر کے زمانہ میں اپنے باپ دادوں کا ذکر کیا کرتے تھے بلکہ اس سے بھی زیادہ ذکر کرنا چاہئے ان کا قدیم دستور تھا کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں تین روز قیام کرتے اور بازار لگاتے اور اپنے باپ دادا کی بڑائی اور فضائل بیان کیا کرتے سو اللہ تعالیٰ نے اس سے روکا اور فرما دیا کہ ان دنوں میں خدا تعالیٰ کی بڑائی بیان کرو۔

ابن منذر نے اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ قریش مزدلفہ میں ٹھہرتے تھے اور لوگ سوائے شیبہ ابن ربیعہ کے عرفہ میں ٹھہرتے تھے اس لئے حق تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمائی۔ (تفسیر عثمانی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرض نماز سے فارغ ہو کر تین مرتبہ استغفار کیا کرتے تھے (مسلم) آپ لوگوں کو سبحان اللہ، الحمد للہ، اللہ اکبر تینتیس تینتیس مرتبہ پڑھنے کا حکم دیا کرتے تھے (بخاری و مسلم) یہ بھی مروی ہے کہ عرفہ کے دن شام کے وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کیلئے استغفار کیا۔ (ابن جریر)

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خیمے میں تکبیر کہتے اور آپ کی تکبیر پر بازار والے لوگ تکبیر کہتے، یہاں تک منیٰ کا میدان گونج اٹھتا۔ (تفسیر ابن کثیر)

فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى

پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا

الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿۲۰۰﴾

میں اور اس کیلئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِى الدُّنْيَا

اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں

حَسَنَةً وَّفِى الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ

خوبی اور آخرت میں خوبی اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے

النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ

انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے

ذکر کرنے والوں کی دو قسمیں:

پہلے یہ فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو، اوروں کا مت کرو اب یہ بتلایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور اس سے دعاء مانگنے والے بھی دو قسم کے ہیں ایک وہ کہ جن کا مطلوب صرف دنیا ہے ان کی دعا یہی ہے کہ ہم کو جو کچھ دولت عزت وغیرہ دی جائے دنیا ہی میں دے دی جائے سو یہ لوگ تو آخرت کی نعمتوں سے بے بہرہ ہیں دوسرے وہ کہ طالب آخرت ہیں جو دنیا کی خوبی یعنی توفیق بندگی وغیرہ اور آخرت کی خوبی یعنی ثواب اور رحمت و جنت دونوں کو طلب کرتے ہیں سو ایسوں کو آخرت میں ان کے حج اور دعاء جملہ حسنات سے پورا حصہ ملے گا۔

وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے

یعنی قیامت کو سب سے ایک دم میں حساب لے گا یا یوں کہو کہ قیامت کو دور نہ سمجھو بلکہ جلد آنے والی ہے اس سے کسی طرح بچاؤ ممکن نہیں اس کی فکر سے غافل مت ہو۔ (تفسیر عثمانی)

حج کا اجر: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے واسطے حج کیا اور نہ اس میں جماع کیا نہ فسق کیا وہ ایسا ہو کر آیا گویا اس کی ماں نے ابھی اس کو جنا ہے (بے گناہ) اس حدیث کو ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے روایت کیا ہے، نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حج مبرور (جس میں کوئی امر خلاف شرع نہ ہوا ہو) کا بدلہ سوائے جنت کے اور کچھ نہیں، اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حج اور عمرہ دونوں فقر اور گناہوں کو ایسا دور کر دیتے ہیں جیسے بھٹی لوہے کے میل کو اس حدیث کو امام شافعی اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی امام احمد نے اسی مضمون کی حدیث روایت کی ہے۔ اور ہم کو بچالے دوزخ کے عذاب سے۔

ایک آدمی کی دُعاء:

علامہ بغوی نے اپنی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ایسا دبلا ہو رہا ہے جیسے بیضہ میں سے پرندہ کا بچہ نکلتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تو اللہ سے کچھ دُعاء کرتا تھا یا کچھ مانگا کرتا تھا اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں کہا کرتا تھا کہ اے اللہ جس قدر آپ مجھ کو آخرت میں عذاب کرینگے دنیا ہی میں کر لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، سبحان اللہ تیرے اندر اس عذاب کی برداشت کی قوت نہیں ہے تو نے اس طرح کیوں نہ کہا رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دعاء:

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر یہ آیت یعنی رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا الخ (بطور دُعاء) تلاوت فرمایا کرتے تھے اور عبداللہ بن سائب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے کہ آپ رکن بنی جمح اور رکن اسود کے درمیان رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا الآیۃ پڑھتے تھے اس حدیث کو ابوداؤد اور نسائی اور ابن حبان اور حاکم اور ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے اور ابوحسن بن الضحاک نے روایت کیا ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر سومرتبہ بھی دُعاء فرماتے تھے تو رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا الخ ہی سے دُعاء شروع فرماتے اور اسی پر ختم فرماتے تھے اور اگر دو دعائیں فرماتے تو ان دونوں میں سے ایک یہی دُعاء ہوتی تھی۔ (تفسیر مظہری)

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِیْٓ اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ
اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں

قیام منیٰ کا عمل:

اَیَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ سے مراد ذی الحجہ کی گیارھویں، بارھویں، تیرھویں تاریخیں ہیں جن میں حج کے فارغ ہو کر منیٰ میں قیام کا حکم ہے ان دنوں میں رمی جمار یعنی کنکریوں کے مارنے کے وقت اور ہر نماز کے بعد تکبیر کہنے کا حکم ہے اور دیگر اوقات میں بھی ان دنوں میں چاہئے کہ تکبیر اور ذکر الٰہی کثرت سے کرے۔ (تفسیر عثمانی)

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِیْ یَوْمَیْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۚ
پھر جو کوئی جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں
وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ
اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں جو کہ ڈرتا ہے

قیام منیٰ میں دنوں کا اختیار:

(یعنی گناہ تو یہ ہے کہ ممنوعات شرعیہ سے پرہیز نہ کرے اور جو کوئی اللہ سے ڈرے اور زمانہ حج میں پرہیزگاری کرے تو پھر اس بات میں کچھ گناہ نہیں منیٰ میں دو دن قیام کیا یا تین دن کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں باتیں جائز رکھیں گو افضل یہی ہے کہ تین روز قیام کرے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝
اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک تم سب اسی کے پاس جمع ہو گے

ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو:

یعنی حج کی خصوصیت نہیں بلکہ خدا تعالیٰ سے ہر کام میں اور ہر وقت ڈرتے رہو کہ تم سب کو قبروں سے اٹھ کر اس کے پاس جمع ہونا ہے حساب دینے کو اب حج کا ذکر تو تمام ہو چکا مگر حج کے ذیل میں جو لوگوں کی دو قسموں کا ذکر آ گیا تھا فَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اور وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّقُوْلُ یعنی کافر اور مؤمن کا تو اب اس کی مناسبت سے تیسری قسم یعنی منافق کا حال بھی بیان کیا جاتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث شریف میں ہے جب تم نماز کیلئے آؤ تو دوڑتے ہوئے نہ آؤ بلکہ سکینت و وقار کے ساتھ آؤ۔ (تفسیر ابن کثیر)

فضیلت کا مدار تقویٰ ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آخری حج کے خطبہ میں اس کو خوب واضح کر کے ارشاد فرمایا، کہ کسی عربی کو عجمی پر یا گورے کو کالے پر کوئی فضیلت نہیں، فضیلت کا مدار تقویٰ اور اطاعت خداوندی پر ہے، اسی لئے جو لوگ ان کے خلاف مزدلفہ میں قیام کر کے اپنے ممتاز حیثیت بنانا چاہتے تھے، ان کے اس فعل کو گناہ قرار دے کر ان پر لازم کیا کہ اپنے اس گناہ سے توبہ استغفار کریں۔

حضرت جامی کے ایک مرید کا واقعہ:

ایک ترکی بزرگ جو مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید تھے ان کا حال یہ تھا کہ ہمیشہ اپنے سر پر ایک نور کا مشاہدہ کیا کرتے تھے، وہ حج کو گئے اور فارغ ہو کر واپس آئے تو یہ کیفیت بجائے بڑھنے کے بالکل سلب ہوگئی، اپنے مرشد مولانا جامیؒ سے اس کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حج سے پہلے تمہارے اندر تواضع وانکسار تھا، اپنے آپ کو گنہگار سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے سامنے الحاح وزاری کرتے تھے، حج کے بعد تم اپنے آپ کو نیک اور بزرگ سمجھنے لگے، اس لئے یہ حج ہی تمہارے لئے غرور کا سبب بن گیا، اسی وجہ سے یہ کیفیت زائل ہوگئی۔ (معارف القرآن مفتی اعظم۔ جلداول)

(جاہلیت میں بعضوں کی تو یہ عادت تھی کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں جمع ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے مفاخر وفضائل بیان کیا کرتے حق تعالیٰ بجائے اس بیہودہ شغل کے اپنے ذکر کی تعلیم کیلئے فرماتے ہیں کہ) پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکا کرو تو حق تعالیٰ کا (شکر وعظمت کے ساتھ) ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے (بدرجہا) بڑھ کر ہونا چاہئے اور بعضوں کی عادت تھی کہ حج میں ذکر تو اللہ تعالیٰ ہی کا کرتے تھے لیکن چونکہ آخرت کے قائل نہ تھے، لہٰذا تمام تر ذکر ان کا صرف دنیا کیلئے دعاء مانگنا ہوتا تھا۔

میقات:

میقات وہ معین مقامات ہیں جو اطراف عالم سے مکہ میں آنیوالوں کے ہر راستہ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے متعین ہیں کہ جب بقصد مکہ آنیوالا مسافر یہاں پہنچے تو یہاں سے حج یا عمرہ کی نیت سے احرام باندھنا لازم ہے بغیر احرام کے یہاں سے آگے بڑھنا جرم وگناہ ہے، لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ کا یہی مفہوم ہے، کہ جس شخص کے اہل وعیال مسجد حرام کے قرب وجوار یعنی حدود میقات کے اندر نہیں رہتے، مقصد یہ ہے کہ اس کا وطن حدود میقات کے اندر نہیں ہے اس کیلئے حج وعمرہ کو اشہر حج میں جمع کرنا جائز ہے۔

شکرانہ کی قربانی:

البتہ جو لوگ حج وعمرہ کو اشہر حج میں ادا کریں ان پر واجب ہے کہ دونوں عبادتوں کو جمع کرنے کا شکرانہ ادا کریں وہ یہ ہے کہ جس کو قربانی دینے کی قدرت ہو وہ ایک قربانی دیدے، بکری، گائے، اونٹ جو اس کے لئے آسان ہو، لیکن جس شخص کی مالی حیثیت قربانی ادا کرنے کے قابل نہیں اس پر دس روزے اس طرح واجب ہیں کہ تین روزے تو ایام حج کے اندر ہی رکھے یعنی نویں ذی الحجہ تک پورے کر دے، باقی سات روزے حج سے فارغ ہو کر جہاں چاہے اور جب چاہے رکھے، وہیں مکہ مکرمہ میں رہ کر پورے کرے یا گھر واپس آ کر، اختیار ہے، اگر کوئی شخص تین روزے ایام حج میں نہ رکھ سکا تو پھر امام ابوحنیفہؒ اور اکابر صحابہؓ کے نزدیک اس کے لئے قربانی کرنا ہی متعین ہے، جب قدرت ہو کسی کے ذریعہ حرم میں قربانی کرا دے۔ (جصاص)

تمتع وقران: اشہر حج میں حج کے ساتھ عمرہ کو جمع کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ میقات سے ہی حج اور عمرہ دونوں کا احرام ایک ساتھ باندھ لے اس کو اصطلاح حدیث میں قران کہا گیا ہے اس کا احرام حج کے احرام کے ساتھ کھلتا ہے، آخر ایام حج تک اس کو احرام ہی کی حالت میں رہنا پڑتا ہے، دوسرے یہ کہ میقات سے صرف عمرہ کا احرام باندھے اور مکہ مکرمہ پہنچ کر عمرہ کے افعال ادا کر کے احرام کھول دے، پھر آٹھویں تاریخ ذی الحجہ کو منیٰ جانے کے وقت حج کا احرام حرم شریف کے اندر ہی باندھ لے، اس کو اصطلاح میں تمتع کہا جاتا ہے احکام حج وعمرہ میں خلاف ورزی اور کوتاہی موجب عذاب ہے۔

احرام کی وجہ سے جو چیزیں حرام ہوتی ہیں:

وہ چیزیں جو اصل سے گناہ نہیں مگر احرام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں چھ چیزیں ہیں اول عورت کے ساتھ مباشرت اور اس کے تمام متعلقات یہاں تک کہ کھلی گفتگو بھی، دوسرے بری جانوروں کا شکار، خود کرنا یا شکاری کو بتلانا، تیسرے بال یا ناخن کٹوانا چوتھے خوشبو کا استعمال یہ چار چیزیں تو مرد وعورت دونوں کیلئے حالت احرام میں ناجائز ہیں، باقی دو چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں، یعنی سلے ہوئے کپڑے پہننا، اور سر اور چہرے ڈھانپنا، امام اعظم ابوحنیفہؒ ومالکؒ کے نزدیک چہرہ کو ڈھانپنا حالت احرام میں عورت کیلئے بھی ناجائز ہے، اس لئے یہ بھی مشترک محظورات احرام میں شامل ہے، مثلاً وقوف عرفات سے پہلے بی بی سے صحبت کر لی، تو حج فاسد ہو گیا اور اس کا جرمانہ بھی گائے یا اونٹ کی قربانی دینا پڑے گا اور اگلے سال پھر حج کرنا پڑے گا، اس مزید اہمیت کی بناء پر فلا رفث کے لفظ سے مستقلاً بیان فرما دیا۔

عمرہ کا حکم: امام اعظم ابوحنیفہؒ، مالکؒ وغیرہ کے نزدیک عمرہ واجب نہیں سنت ہے احرام باندھ لیں تو ان کا پورا کرنا واجب ہوجاتا ہے۔ (معارف القرآن مفتی محمد شفیعؒ)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ
اور بعضا آدمی وہ ہے کہ پسند آتی ہے تجھ کو اس کی بات دنیا کی زندگانی
الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ
کے کاموں میں اور گواہ کرتا ہے اللہ کو اپنے دل کی
وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿٢٠٤﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى
بات پر اور وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب پھرے تیرے پاس سے تو
فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ
دوڑتا پھرے ملک میں تاکہ اس میں خرابی ڈالے اور تباہ کرے کھیتیاں
وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿٢٠٥﴾ وَاِذَا
اور جانیں اور اللہ ناپسند کرتا ہے فساد کو اور جب
قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ
اس سے کہا جائے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ کرے اس کو غرور گناہ پر
فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿٢٠٦﴾
سو کافی ہے اس کو دوزخ اور وہ بیشک برا ٹھکانا ہے

منافق کی حالت:

یہ حال ہے منافق کا کہ ظاہر میں خوشامد کرے اور اللہ کو گواہ کرے کہ میں سچا ہوں اور میرے دل میں اسلام کی محبت ہے اور جھگڑے کے وقت کمی نہ کرے اور قابو پاوے تو لوٹ مار مچاوے اور منع کرنے سے اس کو زیادہ ضد چڑھے اور گناہ میں ترقی کرے، کہتے ہیں ایک شخص اخنس ابن شریق تھا منافق فصیح و بلیغ جب آپ کی خدمت میں آتا تو غایت اخلاص اور محبت اسلام ظاہر کرتا اور جب چلا جاتا تو کسی کی کھیتی جلا دیتا کسی کے جانوروں کے پیر کاٹ ڈالتا اس پر منافقین کی برائی میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت عمرؓ کا خوف خدا:

ایک مرتبہ کسی نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ اِتَّقِ اللّٰهَ (اللہ سے ڈرو) حضرت عمرؓ نے فوراً تواضع سے اپنا رخسار زمین پر رکھ دیا۔

ہارون رشید کا واقعہ:

ہارون رشید کا واقعہ ہے کہ ایک یہودی ایک سال تک اپنی ضرورت لے کر ہارون رشید کے دروازہ پر حاضر ہوتا رہا حاجت براری نہ ہوئی۔ ایک دن ہارون رشید محل سے برآمد ہوئے کہیں جا رہے تھے کہ یہودی سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور یہ کہا اِتَّقِ اللّٰهَ یا امیر المومنین ''اے امیر المومنین اللہ سے ڈرو'' ہارون رشید یہ سنتے ہی فوراً سواری سے اتر پڑے اور وہیں زمین پر سجدہ کیا۔ سجدہ سے سر اٹھانے کے بعد حکم دیا کہ اس یہودی کی حاجت پوری کی جائے۔ چنانچہ اسی وقت اس کی حاجت پوری کر دی گئی جب محل واپس ہوئے تو کسی نے کہا اے امیر المومنین آپ ایک یہودی کے کہنے سے فوراً زمین پر اتر پڑے۔ فرمایا کہ یہودی کے کہنے کی وجہ سے نہیں اترا بلکہ حق تعالیٰ شانہ کا یہ ارشاد یاد آیا:

وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ

اس لئے سواری سے اترا اور سجدہ کیا۔ (تفسیر قرطبی ج ۳ ص ۱۹)

خواص کا انداز فکر:

ابن عطا کا قول ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ

کو سن کر عوام تو خوش ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ نے بمعاوضہ جنت ہماری جانیں خرید لیں اب ہم کو اس کے عوض جنت ملے گی مگر خواص شرم کے مارے زمین میں گڑ گئے کہ ہم میں دعویٰ مالکیت کا تھا جب ہی تو اشتری فرمایا۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

سب سے بڑا گناہ:

علامہ بغوی نے بیان کیا کہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ کوئی شخص بندہ کو یہ کہے کہ اللہ سے ڈرو وہ جواب میں کہے کہ میاں تم اپنی تو خبر لو۔

مبغوض ترین آدمی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو اَلَدَّ الْخَصِم ہو۔ قتادہ فرماتے ہیں یعنی جو معصیت کے اندر

سخت قساوت والا باطل پر اڑنے والا ہو، کلام تو حکمت کی کرے اور اعمال اچھے نہ ہوں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ
اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو
مَرْضَاتِ اللّٰهِ
اللہ کی رضاجوئی میں

مخلص مؤمن کی حالت:

پہلی آیت میں اس منافق کا ذکر تھا جو دین کے بدلے میں دنیا لیتا تھا اس کے مقابلہ میں اب اس آیت میں اس مخلص کامل الایمان کا ذکر ہے جو دنیا اور جان و مال کو طلب دین میں صرف کرتا ہے۔ کہتے ہیں حضرت صہیب رومی بارادۂ ہجرت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتے تھے رستہ میں مشرکین نے ان کو گھیر لیا صہیبؓ نے کہا کہ میں اپنا گھر اور تمام مال تم کو اس شرط پر دیتا ہوں کہ مجھ کو مدینہ جانے دو اور ہجرت سے نہ روکو اس پر وہ راضی ہوگئے اور صہیبؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے اس پر یہ آیت مخلصین کی تعریف میں نازل ہوئی۔

وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾
اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر

احسانِ الٰہی:

اس کی کتنی بڑی رحمت ہے کہ اپنے بندوں کو توفیق دی جو اس کی خوشی میں اپنی جان اور مال حاضر کر دیتے ہیں اور نیز ہر ایک کی جان و مال تو اللہ کی ملک ہے پھر جنت کے بدلے اس کو خریدنا یہ محض اس کا احسان ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اللہ بندوں پر بہت ہی شفقت اور رحمت کرنیوالے ہیں کہ ایسی نفع کی تجارت کا طریقہ سکھایا۔

آیت کا شانِ نزول:

حارث بن ابی اسامہؒ اور ابن ابی حاتم نے سعید بن مسیب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ صہیب رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آرہے تھے کہ راستہ میں قریش کے چند آدمیوں نے ان کا پیچھا کیا حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سواری سے اتر پڑے اور ترکش میں سے تیر لیکر مستعد ہوگئے اور ان کو خطاب کر کے کہا کہ اے قریش کے گروہ تم جانتے ہو کہ میں تم سب سے زیادہ تیرانداز ہوں اور قسم ہے اللہ کی کہ جب تک میرے ترکش میں ایک تیر بھی ہے تم مجھ پر قابو نہیں پاسکتے اور تیروں کے ختم ہونے کے بعد جب تک تلوار کا کچھ حصہ بھی رہے گا شمشیرزنی کرونگا اس کے بعد تم جو چاہے کیجیو اور اگر تم چاہو تو میں تم کو مکہ میں اپنا مال بتادوں تم اس پر جا کر قابض ہو جاؤ اور مجھے چھوڑ دو انہوں نے اس کو منظور کر لیا جب ان سے چھوٹ کر جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں مدینہ آئے اور سارا قصہ عرض کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوئے فرمایا کہ اے ابویحییٰ تمہاری بیع خوب نافع ہوئی اس کے بعد پھر آیت کریمہ:

(وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ) الخ نازل ہوئی حاکم نے مستدرک میں بھی اس قصہ کو ابن مسیّب کے طریق سے خود صہیبؓ سے اسی طرح روایت کیا ہے۔ نیز حاکم نے اس قصہ کو حماد بن سلمہ سے اور انہوں نے ثابتؒ سے انہوں نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے اور اس میں تصریح کی ہے کہ یہ آیت حضرت صہیبؓ کے ہی بارہ میں نازل ہوئی۔ حاکمؒ نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ حدیث شرط مسلم کے موافق صحیح ہے۔

حضرت عاصم، حضرت خُبیب، حضرت زیدؓ وغیرہ کا واقعہ:

اور قارہ کے چند لوگوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں آ کر سلام کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ! ہمارے یہاں مسلمان ہیں آپ چند صحابہ کو ہمارے ہمراہ بھیجد یجئے۔ تاکہ وہ دین کی باتیں ہم کو سکھائیں حضورؐ نے خبیب بن عدی انصاری اور مرثد بن ابی مرثد غنوی اور خالد بن بکر اور عبداللہ بن طارق اور زید بن دثنہ رضی اللہ عنہم کو بھیجدیا اور عاصم بن ثابت انصاری رضی اللہ عنہ کو انکا امیر مقرر فرمایا صحیح بخاری میں ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ دس آدمی بھیجے اور عاصم بن ثابتؓ کو امیر بنایا القصہ ان کافروں نے بدعہدی کی اور چاروں طرف سے تقریباً سوتیرانداز ان کے گرد شوروغل کرنے لگے۔ ایک روایت میں دو سو آدمی آئے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ تیرانداز ان میں سو ہی ہوں گے۔ جب حضرت عاصمؓ اور ان کے ساتھیوں نے ان کو دیکھا تو ایک ٹیلے پر چلے گئے کافروں نے چاروں طرف سے احاطہ کر لیا اور کہا کہ ہم عہد و پیمان کرتے ہیں کہ ہم تم کو قتل نہ کرینگے اور نہ ہمارا ارادہ قتل کا ہے ہم تو تم کو اس لئے لائے ہیں کہ تم کو دیکر مکہ والوں سے کچھ مال لیں تم اتر آؤ حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں تو کافر کی ذمہ داری پر اترتا نہیں اے اللہ میں آج تیرے دین کی حمایت کرتا ہوں تو میرے گوشت کی حفاظت کر

اے اللہ اپنے رسول کو ہماری خبر کر دے چنانچہ یہ دعاء ان کی قبول ہوئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے اس قصہ سے جس دن وہ قتل ہوئے مطلع فرما دیا۔ الغرض قتال شروع ہو گیا کفار نے تیر اندازی کی اور حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کو مع سات ساتھیوں کے شہید کر دیا اور خبیب اور عبداللہ بن طارق اور زید رضی اللہ عنہم باقی رہ گئے جب حضرت عاصم رضی اللہ عنہ مقتول ہوئے تو ھذیل نے ان کا سر مبارک لینا چاہا اتفاقاً بہت سے بھڑیں آ گئیں ان کی وجہ سے وہ سر کو ہاتھ نہ لگا سکے اسی دن سے حضرت عاصم رضی اللہ عنہ کا لقب حمی الد بر دبھڑوں کی حفاظت کئے ہوئے ہو گیا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک بدلی بھیج دی وہ اس قدر برسی کہ پانی خوب بہا اور حضرت عاصم کے سر مبارک کو بہا لے گیا۔

حضرت عاصم رضی اللہ عنہ نے اللہ تعالیٰ سے یہ عہد کیا تھا کہ نہ میں کسی مشرک کو مس کرونگا اور نہ مجھ کو کوئی مشرک مس کریگا اللہ تعالیٰ نے ان کی قسم کو پورا کر دیا اب رہ گئے زید اور عبداللہ اور خبیب رضی اللہ عنہم ان کو مشرکوں نے قید کر لیا اور بیچنے کے خیال سے مکہ لے کر چلے جب ظہران میں پہنچے تو عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ نے اپنا ہاتھ ہتھکڑی سے چھڑا لیا اور تلوار لے لی کفار نے جب یہ دیکھا تو ان کو پتھروں سے مار کر شہید کر دیا اور ظہران ہی میں انکو دفن کر دیا۔ اور زید اور خبیب رضی اللہ عنہما کو مکہ میں لا کر بیچ دیا۔ ابن اسحاق اور ابن سعد نے کہا ہے کہ زید کو تو صفران ابن امیہ نے خریدا (یہ صفوان آخر میں مسلمان ہو گئے تھے) انہوں نے اس لئے خریدا تھا کہ اپنے باپ امیہ بن خلف کے بدلہ میں ان کو قتل کریں۔ الغرض صفوان نے ان کو خرید کر اپنے غلام نسطاس کے ہاتھ قتل کرنے کے واسطے تنعیم بھیجا اور قریش کی ایک جماعت جس میں ابوسفیان بھی شامل تھا جمع ہو گئی ابوسفیان نے کہا کہ زیدؓ میں تم کو اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمہاری جگہ ہوں اور (معاذ اللہ) ان کی گردن ماری جاوے اور تم چین سے اپنے گھر جاؤ۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ قسم ہے اللہ کی میں ہرگز نہیں چاہتا کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت میری جگہ ہوں اور ان کو کوئی کانٹا تک بھی ستائے اور میں اپنے گھر بیٹھا رہوں یہ سن کر ابوسفیان نے کہا مجھے نہیں معلوم کہ کسی کو کسی سے اس قدر محبت ہو جس قدر کہ اصحاب محمد کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس کے بعد نسطاس غلام نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو شہید کر دیا۔ اب رہ گئے خبیب رضی اللہ عنہ ان کو حارث کے بیٹوں نے خرید لیا کیونکہ بدر کے دن حضرت خبیبؓ نے حارث کو قتل کیا تھا حضرت خبیب ان کے یہاں قید رہے ایک روز حارث کی ایک بیٹی سے حضرت خبیب نے بال وغیرہ لینے کے لئے استرہ مانگا اس نے دیدیا۔ اتفاقاً اس کا ایک بچہ بھی جہاں خبیب تھے وہاں جا نکلا اور اس کی ماں کو خبر نہ تھی کچھ دیر بعد حارث کی اس بیٹی نے دیکھا کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے اس بچہ کو ران پر بٹھا رکھا ہے اور استرہ ہاتھ میں ہے وہ عورت یہ دیکھ کر چلائی۔ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ کیا تو اس بات سے ڈرتی ہے کہ میں اس کو قتل کر دونگا میں ہرگز ایسا نہیں کرونگا بد عہدی ہم لوگوں کا شیوہ نہیں۔ اس عورت کا بیان ہے کہ واللہ میں نے کوئی قیدی خبیب سے اچھا نہیں دیکھا۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ خبیب انگور کا خوشہ کھا رہے ہیں حالانکہ وہ زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے۔ اور مکہ مکرمہ میں بھی اس وقت انگور نہ تھا ضرور اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے پاس سے کھلایا۔ اس کے بعد کفار نے ان کے قتل کا ارادہ کیا اور ان کو حرم سے نکال کر حل میں لائے اور سولی دینے کا ارادہ کیا۔ حضرت خبیبؓ نے فرمایا کہ مجھے ذرا سی دیر مہلت دو تاکہ میں دو رکعت پڑھ لوں کفار نے چھوڑ دیا۔ حضرت خبیبؓ نے دو رکعتیں پڑھیں۔ اور یہ نماز کا طریقہ حضرت خبیبؓ سے ہی شروع ہوا کہ جب کوئی مسلمان اس طرح روک کر قتل کیا جائے وہ دو رکعتیں پڑھے پھر حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے کفار سے کہا تم یہ گمان کرو گے کہ موت سے گھبراتا ہے اگر یہ گمان نہ ہوتا تو میں اور زیادہ نماز پڑھتا پھر کہا کہ اے اللہ ان کفار میں سے ایک ایک کو قتل اور تباہ کر اور ایک کو بھی باقی نہ رکھ اور یہ اشعار پڑھے۔ اشعار

ولست ابالی حین اُقتل مسلما
علی ای شق کان فی اللہ مصرعی
وذلک فی ذات الالہ وان یشاء
یبارک فی اوصال شلو ممزع

یعنی جب میں اسلام کی حالت میں قتل کیا جاؤں تو مجھے اس امر کی پرواہ نہیں کہ اللہ کی راہ میں کس کروٹ گرونگا۔ اور یہ قتل ہونا اللہ کی راہ میں ہے اور اگر اللہ چاہے گا تو میرے پارہ پارہ اعضاء کے جوڑوں پر برکت بھیجے گا۔) اس کے بعد کفار نے حضرت خبیب رضی اللہ عنہ کو سولی پر چڑھا دیا اور ایک روایت میں ہے کہ حضرت خبیب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اے اللہ اپنے رسول کو میرا اسلام پہنچا دے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ مشرکین میں سے ایک شخص سلامان ابومیسرہ نامی تھا اس نے نیزہ حضرت خبیبؓ کے سینہ پر رکھا حضرت خبیبؓ نے اس سے کہا کہ اللہ سے ڈر اس کہنے سے وہ اور زیادہ بھڑکا اور نیزہ کو چ کر آر پار کر دیا۔ ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ﴾

الآیت سے یہی مراد ہے محمد بن عمرو بن مسلمہ نے روایت کی ہے کہ حضرت اسامہ بن زیدؓ نے فرمایا ہے کہ ہم نے سنا کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جبرئیل نے ابھی مجھ کو خبیب کا سلام پہنچایا ہے جب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ قصہ معلوم ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اصحابؓ سے فرمایا کہ تم میں کوئی ایسا ہے کہ جو خبیب کو سولی پر سے اتار لائے جو لائے گا اس کے لئے جنت ہے۔ حضرت زبیرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! میں اور میرا ساتھی مقداد بن اسودؓ اس کام کو کرینگے غرض یہ دونوں چلے رات کو چلتے اور دن کو مخفی رہتے چلتے چلتے تنعیم پہنچے دیکھا کہ سولی کے پاس چالیس مشرک ہیں۔ انہوں نے جا کر اتار دیکھا تو اسی طرح تر و تازہ تھے حالانکہ چالیس روز کے بعد اتارا تھا۔ ہاتھ زخم پر تھا اور زخم میں خون تو تازہ تھا اس کا رنگ خون کی طرح سرخ تھا مگر خوشبو مشک کی سی آ رہی تھی۔ حضرت زبیرؓ نے ان کو گھوڑے پر لادا اور دونوں چلے کفار بھی جاگ گئے دیکھا کہ خبیبؓ نہیں ہیں۔ قریش کو جا کر خبر دی اسی وقت ستر سوار دوڑے جب قریب آ گئے تو حضرت زبیرؓ نے خبیبؓ کو وہاں ہی گرا دیا لاش گرتے ہی زمین نگل گئی اسی دن سے ان کو بلیع الارض (زمین کے نگلے ہوئے) کہتے ہیں زبیر و مقدادؓ دونوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئے اور اس وقت جبرئیل علیہ السلام بھی آپ کے پاس آئے اور کہا کہ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم ملائکہ ان دونوں زبیر اور مقداد رضی اللہ عنہم پر بہت فخر کرتے ہیں پھر ان کے بارہ میں آیت کریمہ ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ﴾ الآیۃ نازل ہوئی اس واقعہ کے مطابق یشری نفسہ کے معنی یہ ہونگے کہ اپنے نفسوں کو خبیبؓ کے اتارنے کیلئے بیچ ڈالا۔ واللہ اعلم۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً
اے ایمان والو داخل ہوجاؤ اسلام میں پورے

اسلام کو پورا پورا قبول کرو:

پہلی آیت میں مومن مخلص کی مدح فرمائی تھی جس سے نفاق کا ابطال منظور تھا اب فرماتے ہیں کہ اسلام کو پورا پورا قبول کرو یعنی ظاہر اور باطن اور عقیدہ اور عمل میں صرف احکام اسلام کا اتباع کرو یہ نہ ہو کہ اپنی عقل یا کسی دوسرے کے کہنے سے کوئی حکم تسلیم کرلو یا کوئی عمل کرنے لگو۔

بدعت کا قلع قمع:

سو اس سے بدعت کا قلع قمع مقصود ہے کیونکہ بدعت کی حقیقت یہی ہے کہ کسی عقیدہ یا کسی عمل کو کسی وجہ سے مستحسن سمجھ کر اپنی طرف سے دین میں شمار کر لیا جائے مثلاً نماز اور روزہ جو کہ افضل عبادات ہیں اگر بدون حکم شریعت کوئی اپنی طرف سے مقرر کرنے لگے جیسے عید کے دن عید گاہ میں نوافل کا پڑھنا یا ہزار روزہ رکھنا یہ بدعت ہوگا، خلاصہ ان آیات کا یہ ہوا کہ اخلاص کے ساتھ ایمان لاؤ اور بدعات سے بچتے رہو چند حضرات یہود سے مشرف بہ اسلام ہوئے مگر احکام اسلام کے ساتھ احکام توراۃ کی بھی رعایت کرنا چاہتے تھے مثلاً ہفتہ کے دن کو معظم سمجھنا اور اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام ماننا اور توراۃ کی تلاوت کرنا اس پر یہ آیہ نازل ہوئی جس سے بدعت کا انسداد کامل فرمایا گیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

صوفیاء کی خصوصیت:

میں کہتا ہوں کہ ایسی ظاہری باطنی طاعت تو صوفیہ کے سوا اور کسی کو میسر نہیں آسکتی یا یہ معنی ہیں کہ اسلام میں پوری طرح داخل ہو جاؤ اس میں سوائے اسلام کے اور کچھ مت ملاؤ ﴿تفسیر مظہری﴾

احکام اسلام خواہ وہ کسی شعبہ زندگی سے متعلق ہوں اور اعضا ظاہری سے متعلق ہوں یا قلب اور باطن سے ان کا تعلق ہو، جب تک ان تمام احکام کو سچے دل سے قبول نہ کرو گے مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں ہوگے۔ ﴿معارف القرآن﴾

مختصر رسالہ آداب معاشرت حضرت سیدی حکیم الامتؒ کا ہر مسلمان مرد و عورت کو ضرور پڑھ لینا چاہئے۔

مسلمان کی تحقیر اور بہتان جائز نہیں ہے:

حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص کسی مومن مرد یا عورت کو اس کے فقر و فاقہ کی وجہ سے ذلیل و حقیر سمجھتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو اولین و آخرین کے مجمع میں رسوا اور ذلیل کریں گے۔ اور جو شخص کسی مسلمان مرد یا عورت پر بہتان باندھتا ہے اور کوئی ایسا عیب اس کی طرف منسوب کرتا ہے جو اس میں نہیں ہے، اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس کو آگ کے ایک اونچے ٹیلہ پر کھڑا کریں گے جب تک کہ وہ خود اپنی تکذیب نہ کرے۔ (ذکرالحدیث القرطبی)

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۭ اِنَّهٗ لَكُمْ
اور مت چلو قدموں پر شیطان کے بیشک وہ تمہارا
عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۝۲۰۸
صریح دشمن ہے

شیطان سے بچو!

کہ اپنے وسوسہ سے بے اصل چیزوں کو تمہارے دلنشین کر دیتا ہے اور دین میں بدعات کو شامل کرا کر تمہارے دین کو خراب کرتا ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ
پھر اگر تم بچلنے لگو بعد اس کے کہ پہنچ چکے تم کو صاف حکم
فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾
تو جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا

واضح احکام کے بعد اگر گمراہ بنو گے تو اللہ غالب ہے:

یعنی شریعت محمدی کے صاف صاف احکام معلوم ہونے کے بعد بھی اگر کوئی اس پر قائم نہ ہو بلکہ دوسری طرف بھی نظر رکھے تو خوب سمجھ لو کہ اللہ سب پر غالب ہے جس کو چاہے سزا دے کوئی اس کے عذاب کو روک نہیں سکتا بڑا حکمت والا ہے جو کرتا ہے حق اور مصلحت کے موافق کرتا ہے خواہ عذاب دے یا کچھ ڈھیل دے یعنی نہ جلد باز ہے نہ بھولنے والا نہ خلاف انصاف اور غیر مناسب امر کو کرنے والا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ
کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آوے ان پر اللہ
ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ وَ
ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور
قُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾
طے ہو جاوے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹیں گے سب کام

منکرین و معاندین کا انجام ہونے کو ہے:

یعنی جو لوگ حق تعالیٰ کے صاف صاف احکام کے بعد بھی اپنی کجروی سے باز نہیں آتے تو ان کو رسول اور قرآن پر تو یقین اور اعتماد نہ ہوا اب صرف اس کی کسر ہے کہ خدائے پاک خود اور اسکے فرشتے ان پر آئیں اور جزا اور سزا کا قصہ جو قیامت کو ہونے والا ہے آج ہی فیصل کیا جائے سو آخر کار سب امور حساب اور عذاب وغیرہ کا مرجع اللہ ہی کی طرف ہے تمام حکم اسی کے حضور سے صادر ہوں گے اس میں کوئی تردد کی بات نہیں گھبراتے کیوں ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

صفاتِ الٰہی کے بارے میں صحیح راہ:

علماء اہل سنت نے سلف سے لیکر خلف تک تواتر کے ساتھ اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ اللہ سبحانہ صفات اجسام اور علامات حدوث سے منزہ ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

سفیان بن عیینہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کو جن اوصاف سے اپنی کتاب میں متصف فرمایا ہے اس کی تفسیر یہی ہے کہ اس کو پڑھتے رہو اور اس کی بحث سے سکوت ہو کسی کو سوائے اللہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق نہیں کہ ایسی آیات کی تفسیر اس طرف سے کرنے لگے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا بھی یہی مسلک ہے کیونکہ انہوں نے متشابہات کے بارہ میں فرمایا ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ﴾ اور اس پر وقف کیا ہے۔ اور ﴿وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ کو الگ جملہ بنایا ہے۔

بادل کے سائبانوں میں آنے کا مطلب:

باری تعالیٰ کے ارشاد: ﴿فَلَمَّا تَجَلّٰى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ﴾ اور ﴿يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ﴾ میں تجلیات مراد ہیں یعنی اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنی تجلی غمام میں ظاہر فرمائے گا۔ ہاں جس شخص کے قلب نے دنیا میں مجاہدات سے نور اور بصیرت حاصل کر لی ہے اس کی نظر ان بادلوں سے پرے پہنچے گی۔ جیسے صاف شفاف آنکھ میں سے نظر پرلے پار آسمان تک پہنچتی ہے اور بلا تکلف بغیر عینک لگائے ہوئے آسمان کو دیکھتی ہے۔

بدور سافرہ میں علامہ سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ میں نے شیخ بدرالدین زرکشی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ سلمۃ بن القاسم نے کتاب غرائب الاصول میں یہ حدیث نقل کر کے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن جلوہ افروز ہوگا۔ کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ظلل میں آنا اس پر محمول ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق کی نظروں کو متغیر کر دے گا کہ ان کو ایسا ہی نظر آئے گا۔ حالانکہ وہ عرش پر ہوگا۔ نہ متغیر ہوگا اور نہ منتقل۔

میں کہتا ہوں اس سے لطیف یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو ان بادلوں سے جو آئینہ سے زیادہ صاف ہوں گے پرلی طرف دیکھیں گے۔

جنت میں جب رویت باری احادیث سے ایسی ثابت ہے جیسے چودھویں رات کا چاند تو بادلوں سے پرے صاف نظر کا پہنچنا کیسے محال ہو سکتا ہے۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے دنیا میں بصیرت قلبی حاصل نہیں کی وہ تو دنیا میں بھی اندھے ہیں اور آخرت میں بھی راستہ سے دور بھٹکے ہوئے

ہوں گے ایسے لوگوں کے لئے وہ غمام پردہ ہو جائے گا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کبھی اپنی اصلی صورت میں آتے تھے اور کبھی دحیہؓ کی صورت میں۔ حالانکہ جبرئیل علیہ السلام دحیہؓ کی صورت سے بزرگ و برتر ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

ذوق ایں مے نشناسی بخدا تا نچشی

ابن مسعودؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اولین اور آخرین کو جمع کریں گے تمام لوگ آسمان کی طرف کھڑے دیکھتے ہوں گے اور فیصلہ کے منتظر ہوں گے اتنے میں اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں عرش سے کرسی کی طرف نزول فرمائیں گے (ابن مردویہ) اور اس قسم کا مضمون ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب انبیاء کرام شفاعت کرنے سے عذر فرماویں گے اور شفاعت کی نوبت مجھ تک پہنچے گی تو میں کہوں گا کہ ہاں ہاں میں شفاعت کے لئے ہوں تمہاری شفاعت کروں گا اور جا کر عرش کے نیچے سجدہ میں گروں گا اور درخواست کروں گا کہ حق تعالیٰ بندوں کے درمیان فصل قضاء کے لئے تشریف لائیں۔

پس اللہ تعالیٰ آپؐ کی درخواست منظور فرمائیں گے اور آسمان کے پھٹنے کے بعد ابر کے سائبانوں میں نزولِ جلال فرمائیں گے اور فرشتے بھی اتریں گے۔ اور عرش بھی اترے گا اور فرشتے یہ تسبیح پڑھتے ہوں گے۔ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْکِ وَالْمَلَکُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْعِزَّةِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ سُبْحَانَ الَّذِیْ یُمِیْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ رَبُّ الْمَلَائِکَةِ وَالرُّوْحِ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی سُبْحَانَ ذِی السُّلْطَانِ وَالْعَظْمَةِ سُبْحَانَ اَبَدًا اَبَدًا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

صوفیاء کی تفسیر:

حضرات صوفیہ کرام یہ فرماتے ہیں کہ:

(یَاْتِیَهُمُ اللّٰهُ فِیْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ) سے حق سبحان وتعالیٰ کی تجلیات مراد ہیں۔ یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ظلل میں الغمام میں متجلی ہوگا۔ جس طرح کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی (کما قال تعالیٰ) (فَلَمَّا تَجَلّٰی رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ) یعنی بے مثل و بے مثال تھی اس طرح قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی تجلی ابر کے سائبانوں میں ہوگی اور جس طرح آنکھ کی پتلی میں آسمانوں کا جلوہ اور الفاظ کے پردہ میں معانی کا جلوہ دیکھا جا سکتا ہے اسی طرح ابر کے سائبانوں میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا بے چون وچگون جلوہ دیکھا جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ زید آ گیا۔ اور یہ بات میرے خیال میں آ گئی۔ اور صبح آ گئی آنا سب جگہ پایا جاتا ہے مگر حقیقت ہر جگہ مختلف ہے۔ آنا۔ آنے والے کے تابع ہے۔ زید کا آنا اور قسم کا ہے اور کسی بات کا دل میں آنا اور قسم کا ہے۔ ایسا ہی خدا تعالیٰ کے آنے کو سمجھو کہ اس کا آنا اس کی شان اور عظمت کے مطابق ہوگا جیسے حق تعالیٰ شانہٗ کی ذات بے چون وچگون ہے اسی طرح اس کا آنا بھی بے چون وچگون ہوگا۔ یعنی بے مثل و بے مثال۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰهُمْ مِّنْ
پوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر عنایت کیں ہم نے ان کو
اٰیَةٍۭ بَیِّنَةٍ ؕ
نشانیاں کھلی ہوئی

بنی اسرائیل سے پوچھ لو:

اس سے پہلے فرمایا تھا کہ حق تعالیٰ کے صاف حکم کے بعد اس کی مخالفت کرنا موجب عذاب ہے اب اسی کی تائید میں فرماتے ہیں کہ خود بنی اسرائیل ہی سے پوچھو کہ ہم نے ان پر کتنی آیات واضحات اور صریح احکام بھیجے جب ان سے انحراف کیا تو مبتلائے عذاب ہوئے۔ یہ نہیں کہ ہم نے اول ہی ان کو عذاب دیا ہو۔

وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ
اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی ہو
فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾
وہ نعمت اس کو تو اللہ کا عذاب سخت ہے

احکام الٰہی میں تحریف وانکار کی سزا:

یعنی یہ قاعدہ البتہ محقق ہے کہ جو کوئی اللہ کے احکام سراپا ہدایت کو بدلے اور اس کے انعامات اور احسانات کا کفران کرے تو پھر اس کا عذاب سخت ہے آیات کے بدلنے والے پر کہ دنیا میں مارا جائے اور لوٹا جائے یا جزیہ دے اور ذلیل ہو۔ اور قیامت کو دوزخ میں جائے ہمیشہ کے لئے۔ فائدہ: نعمت کے پہنچ چکنے کا یہ مطلب کہ اس کا علم حاصل ہو جائے یا بے تکلف حاصل ہو سکے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا
فریفتہ کیا ہے کافروں کو دنیا کی زندگی پر
وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ
اور ہنستے ہیں ایمان والوں کو

دنیا پرستی کا مرض:

یعنی کافر جو اللہ کے صاف احکام اور اس کے پیغمبروں کی مخالفت کرتے ہیں جو اوپر مذکور ہو چکا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نظروں میں دنیا کی خوبی اور اس کی محبت ایسی سما گئی ہے کہ اس کے مقابلہ میں آخرت کے رنج اور راحت کو خیال ہی میں نہیں لاتے بلکہ مسلمان جو فکر آخرت میں مصروف اور اللہ کے احکام کی تعمیل میں مشغول ہیں الٹا ان کو ہنستے ہیں اور ذلیل سمجھتے ہیں سوایسے احمق نفس کے بندوں سے تعمیل احکام الٰہی ہو تو کیونکر ہو۔ رؤسائے مشرکین حضرت بلال اور عمار اور صہیب رضی اللہ عنہم اور فقرائے مہاجرین کو دیکھ کر تمسخر کرتے کہ ان نادانوں نے آخرت کے خیال پر دنیا کی تکالیف اور مصائب کو اپنے سر لیا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو تو دیکھو کہ ان فقیروں محتاجوں کی امداد سے عرب کے سرداروں پر غالب آنا اور دنیا بھر کی اصلاح کرنا چاہتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
اور جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت
وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾
کے دن، اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہے بے شمار تھے

دنیا پرستی پر کافروں کی مذمت:

اللہ تعالیٰ ان کے جواب میں ارشاد فرماتا ہے کہ یہ ان کی جہالت اور خام خیالی ہے کہ دنیا پر ایسے خوش ہیں وہ نہیں جانتے کہ یہی غرباء اور فقراء قیامت کو ان سے اعلیٰ اور برتر ہونگے اور اللہ دنیا و آخرت میں جس کو چاہے بے شمار روزی عطا فرمائے چنانچہ انہی غریبوں کو جن پر کافر ہنستے تھے اموال بنی قریظہ اور نضیر اور سلطنت فارس اور روم وغیرہ پر اللہ نے مسلط کر دیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

(وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ) (قیامت کے دن) جیسا کہ دارین میں اللہ کے نزدیک مومنین کفار سے بہتر اور معزز ہیں۔

دنیا بھر کے کافروں سے ایک دیندار اچھا ہے:

سہل بن سعدؓ کہتے ہیں کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے نکل رہا تھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے آدمی سے پوچھا جو آپ کے پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔ کہ اس کو تم کیسا سمجھتے ہو اس نے عرض کیا حضور یہ بڑا شریف آدمی ہے (اور) قسم اللہ کی یہ اس شان کا آدمی ہے کہ اگر کہیں رقعہ بھیجے تو فوراً (منظور ہو کر) شادی ہو جائے اور اگر کسی کی کہیں سفارش کرے تو فوراً قبول ہو جائے۔ حضورؐ یہ سن کر خاموش ہو رہے اتنے میں ایک اور آدمی ادھر آ نکلا۔ آپ نے اس کے متعلق پوچھا کہ اس کے بارہ میں تم کیا کہتے ہو اس نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ مسلمانوں میں بہت غریب آدمی ہے یہ ایسا ہے کہ اگر کہیں رقعہ بھیجے تو کوئی شادی بھی نہ کرے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو وہ بھی کوئی منظور نہ کرے اور اگر کچھ کہے تو کوئی سنے بھی نہیں اس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ویسے آدمیوں کی بھری ہوئی زمین سے یہ اکیلا بہتر ہے۔ یہ روایت بخاری نے نقل کی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

خرچ کرنے کی فضیلت:

حدیث شریف میں ہے اے ابن آدم! تو میری راہ میں خرچ کر، میں تجھے دیتا ہی چلا جاؤں گا۔ آپؐ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا راہ خدا میں دیئے جاؤ اور عرش والے سے تنگی کا خوف نہ کرو۔ قرآن میں ہے (وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ) تم جو کچھ خرچ کرو خدا اس کا بدلہ دے گا۔ صحیح حدیث میں ہے ہر صبح دو فرشتے اترتے ہیں۔ ایک دعا کرتا ہے خدایا تیری راہ میں خرچ کرنے والے کو برکت عنایت فرما، دوسرا کہتا ہے خدایا بخیل کے مال کو برباد کر۔

امتِ محمدیہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم دنیا میں آنے کے اعتبار سے تو سب سے پیچھے ہیں لیکن قیامت کے دن جنت میں جانے کے اعتبار سے سب سے آگے ہوں گے۔

دنیا کو بے عقل جمع کرتا ہے:

مسند احمد کی حدیث میں ہے: دنیا اس کا گھر ہے جس کا گھر نہ ہو دنیا اس کا مال ہے جس کا مال نہ ہو دنیا کے لئے جمع وہ کرتا ہے جسے عقل نہ ہو۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ
سب لوگ ایک دین پر پھر بھیجے اللہ نے

النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ وَاَنْزَلَ

پیغمبر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری

مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ

ان کے ساتھ کتاب سچی کہ فیصلہ کرے لوگوں میں

النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ

جس بات میں وہ جھگڑا کریں اور نہیں جھگڑا ڈالا

فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا

کتاب میں مگر انہی لوگوں نے جن کو کتاب ملی تھی اس کے بعد

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى

کہ ان کو پہنچ چکے صاف حکم آپس کی ضد سے پھر اب ہدایت کی

اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ

اللہ نے ایمان والوں کو اس سچی بات کی جس میں

الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى

وہ جھگڑ رہے تھے اپنے حکم سے اور اللہ بتلاتا ہے جس کو چاہے

صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾

سیدھا راستہ

لوگوں نے دین وحدت میں فرقہ بندی کر دی:

حضرت آدم کے وقت سے ایک ہی سچا دین رہا ایک مدت تک اس کے بعد دین میں لوگوں نے اختلاف ڈالا تو خدا تعالیٰ نے انبیاء کو بھیجا جو اہل ایمان و طاعت کو ثواب کی بشارت دیتے تھے اور اہل کفر و معصیت کو عذاب سے ڈراتے تھے اور ان کے ساتھ سچی کتاب بھی بھیجی تا کہ لوگوں کا اختلاف اور نزاع دور ہو اور دین حق ان کے اختلافات سے محفوظ اور قائم رہے اور احکام الٰہی میں انہی لوگوں نے اختلاف ڈالا جن کو وہ کتاب ملی تھی جیسے یہود و نصاریٰ توریت و انجیل میں اختلاف و تحریف کرتے تھے اور یہ نزاع بے سمجھی سے نہیں کرتے تھے بلکہ خوب سمجھ کر محض حب دنیا اور ضد اور حسد سے ایسا کرتے تھے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اہل ایمان کو طریقہ حق کی ہدایت فرمائی اور گمراہوں کے اختلافات سے بچا لیا جیسے آپ کی امت کو ہر عقیدہ اور ہر عمل میں امر حق کی تعلیم فرمائی اور یہود و نصاریٰ کے اختلاف اور افراط و تفریط سے ان کو محفوظ رکھا۔

فائدہ: اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ اللہ نے جو کتابیں اور نبی متعدد بھیجے تو اس واسطے نہیں کہ ہر فرقہ کو جدا طریقہ بتلایا ہو بلکہ سب کے لئے اللہ نے اصل میں ایک ہی رستہ مقرر کیا جس وقت اس راہ سے بچلے تو اللہ نے نبی کو بھیجا اور کتاب اتاری کہ اس کے موافق چلیں اس کے بعد پھر بہکے تو دوسرا نبی اور کتاب اللہ پاک نے اسی ایک راہ کے قائم کرنے کو بھیجا اس کی مثال ایسی ہے جیسے تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بے شمار جب ایک مرض پیدا ہوا تو اس کے موافق دوا اور پرہیز فرمایا جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو اس کے موافق دوا اور پرہیز اس کے موافق فرمایا اب آخر میں ایسا طریقہ اور قاعدہ فرما دیا جو سب بیماریوں سے بچائے اور سب کے بدلے کفایت کرے اور وہ طریقہ اسلام ہے جس کے لئے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن شریف بھیجے گئے۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ سنت اللہ یہی جاری ہے کہ برے لوگ ہر نبی مبعوث کے خلاف اور ہر کتاب الٰہی میں اختلاف کو پسند کرتے رہے اور اس میں ساعی رہے تو اب اہل ایمان کو کفار کی بدسلوکی اور فساد سے تنگ دل ہونا نہ چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

انبیاء کی تعداد:

ابوذرؓ کہتے ہیں (نبیین کی بابت) میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ کل کتنے نبی ہوئے ہیں فرمایا ایک لاکھ اور چوبیس ہزار ان میں سے ایک بڑی جماعت تین سو پندرہ رسول تھے۔ یہ روایت امام احمدؒ نے نقل کی ہے۔

ابوخزاعہ کا انجام:

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ابن مسعودؓ سے روایت کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے سب سے پہلے سانڈ چھوڑنا نکالا اور بتوں کی پرستش جاری کی وہ ابوخزاعہ عمرو بن عامر ہے میں نے اس کی آنتیں نکلی ہوئی اسے دوزخ میں دیکھا ہے اور صحیحین میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے وہ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عمرو بن عامر بن لحی بن قمعہ بن خندف کو میں نے دوزخ میں اپنی آنتیں گھسیٹتے ہوئے دیکھا ہے سب سے پہلے اسی نے سانڈ چھوڑنا نکالا تھا۔

تمام لوگ قبول حق کی استعداد رکھتے ہیں:

میں کہتا ہوں کہ ممکن ہے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً کے یہ معنی

لئے جائیں کہ سب لوگ حق کو قبول کرنے کی استعداد رکھنے والے اور فطرت پر پیدا کئے ہوئے تھے پھر شیاطین انس وجن نے انہیں بہکایا تو ان میں اختلاف پڑ گیا۔ ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہود یا نصرانی یا مجوسی کر لیتے ہیں جیسے کہ چوپایہ اپنے ہی جیسا بچہ دیتا ہے جو سب طرح صحیح سالم ہوتا ہے کیا ان میں تم نے کوئی کان کٹا دیکھا ہے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

عالم ازل میں تمام ارواح ایک ہی دین پر تھیں:

مفسرین صحابہؓ میں سے حضرت ابی بن کعبؓ اور ابن زیدؓ نے فرمایا کہ یہ واقعہ عالم ازل کا ہے، جب تمام انسانوں کی ارواح کو پیدا کر کے ان سے سوال کیا گیا تھا اَلَسْتُ بِرَبِّكُم۔ یعنی کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں، اور سب نے بلا استثناء یہ جواب دیا تھا کہ بیشک آپ ہمارے رب اور پروردگار ہیں، اس وقت تمام افراد انسانی ایک ہی عقیدہ حقہ پر قائم تھے جس کا نام ایمان واسلام ہے۔ (قرطبی)

عہد آدم میں سب لوگ ایک عقیدہ پر تھے:

اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ یہ وحدت عقیدہ کا واقعہ اس وقت کا ہے جب کہ آدمؑ مع اپنی زوجہ محترمہ کے دنیا میں تشریف لائے۔ اور آپ کی اولاد ہوئی اور پھیلتی گئی، وہ سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام کے دین اور انہی کی تعلیم وتلقین کے تابع توحید کے قائل تھے، اور سب۔ کے سب باستثنا، قابیل وغیرہ متبع شریعت وفرمانبردار تھے۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

تہجد کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

بخاری ومسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رات کو جب تہجد کیلئے اٹھتے تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ رَبَّ جِبْرِيْلَ وَمِيْكَائِيْلَ وَاِسْرَافِيْلَ فَاطِرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ عٰلِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اَنْتَ تَحْكُمُ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيْ مَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ اِهْدِنِيْ لِمَا اخْتُلِفَ فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِكَ اِنَّكَ تَهْدِيْ مَنْ تَشَاءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. (یعنی اے اللہ! اے جبرئیل میکائیل اور اسرافیل کے خدا۔ اے آسمانوں اور زمینوں کے پیدا کرنے والے خدا! اے چھپے کھلے کے جاننے والے خدا! تو ہی اپنے بندوں کے آپس کے اختلافات کا فیصلہ کرتا ہے۔ میری دعا ہے کہ جس جس چیز میں یہ اختلاف کریں تو مجھے اس میں حق بات سجھا۔ تو جسے چاہے راہِ راست دکھلا دیتا ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا
کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں چلے جاؤ گے حالانکہ تم پر
يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ
نہیں گذرے حالات ان لوگوں جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے
مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى
کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھڑ جھڑائے گئے یہاں تک کہ
يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى
کہنے لگا رسول اور جو اسکے ساتھ ایمان لائے کب آوے گی
نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝ ۲۱۴
اللہ کی مدد سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے

کیا تم ابتلاء وآزمائش کے بغیر جنت میں پہنچ جاؤ گے؟

پہلے مذکور ہوا کہ دشمنوں کے ہاتھ سے انبیاء اور ان کی امتوں کو ہمیشہ ایذائیں ہوئیں تو اب اہل اسلام کو ارشاد ہے کہ کیا تم کو اس بات کی طمع ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ حالانکہ اگلی امتوں کو جو ایذائیں پیش آئیں وہ تم کو پیش نہیں آئیں کہ ان کو فقر وفاقہ اور مرض اور خوف کفار اس درجہ کو پیش آئے مجبور اور عاجز ہو کر نبی اور ان کی امت بول اٹھی کہ دیکھئے اللہ نے جس مدد اور اعانت کا وعدہ فرمایا تھا وہ کب آئے گی یعنی بمقتضائے بشریت پریشانی کی حالت میں مایوسانہ کلمات سرزد ہونے لگے۔ انبیاء اور مومنین کا یہ کہنا کچھ شک کی وجہ سے نہ تھا، حضرت مولانا اسی کی بابت مثنوی میں فرماتے ہیں۔

درگماں افتاد جان انبیاء زاتفاق منکری اشقیاء

بلکہ بحالت اضطرار بمقتضائے بشریت اس کی نوبت آئی جس میں کوئی ان پر الزام نہیں جب نوبت یہاں تک پہنچی تو رحمت الٰہی متوجہ ہوئی اور ارشاد ہوا کہ ہوشیار ہو جاؤ اللہ کی مدد آ گئی گھبراؤ نہیں سوائے مسلمانو تکالیف دنیوی سے اور دشمنوں کے غلبہ سے گھبراؤ نہیں تحمل کرو اور ثابت قدم رہو۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

ہرقل کا تبصرہ:

ہرقل نے جب ابوسفیان سے ان کے کفر کی حالت میں پوچھا تھا کہ تمہاری کوئی لڑائی بھی اس دعویدار نبوت سے ہوئی ہے، ابوسفیان نے کہا ہاں،، پوچھا

پھر کیا رنگ رہا، کہا کبھی ہم غالب رہے کبھی وہ غالب رہے تو ہرقل نے کہا انبیاء کی اسی طرح آزمائش ہوتی رہتی ہے لیکن انجام کار کھلا غلبہ انہیں کا ہوتا ہے۔

ناامید نہ ہونا چاہئے:

حدیث میں ہے کہ بندے جب ناامید ہونے لگتے ہیں تو اللہ تعالیٰ تعجب کرتا ہے کہ میری فریادرسی تو آ پہنچنے کو ہے اور یہ ناامید ہوتا چلا جا رہا ہے پس اللہ تعالیٰ ان کی عجلت اور اپنی رحمت کے قرب پر ہنس دیتا ہے۔ الخ

جاہلیت کی موت:

صحیح حدیث شریف میں ہے جو شخص مرجائے اور اس نے نہ تو جہاد کیا ہو نہ اپنے دل میں جہاد کی بات چیت کی ہو وہ جاہلیت کی موت پر مرے گا۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

محنت ومشقت کے مختلف درجات:

ارشاداتِ قرآنی اور ارشاداتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے کہ بہت سے گناہ گار محض اللہ تعالیٰ کے لطف وکرم اور مغفرت سے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان پر کوئی مشقت بھی نہ ہوگی۔ وجہ یہ ہے کہ مشقت اور محنت کے درجات مختلف ہیں۔ ادنیٰ درجہ نفس وشیطان سے مزاحمت کرکے یا دینِ حق کے مخالفین کے ساتھ مخالفت کرکے اپنے عقائد کا درست کرنا ہے۔ اور یہ ہر مؤمن کو حاصل ہے۔ آگے اوسط اور اعلیٰ درجات ہیں۔ جس درجہ کی محنت ومشقت ہوگی اسی درجے کا دخول جنت ہوگا۔ اس طرح محنت ومشقت سے خالی کوئی نہ رہا۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَشَدُّ بَلَاءً الْاَنْبِیَاءُ ثُمَّ الْاَمْثَلُ فَالْاَمْثَلُ ''سب سے زیادہ سخت بلائیں اور مصیبتیں انبیاء علیہم السلام کو پہنچتی ہیں۔ ان کے بعد جو ان کے قریب تر ہیں۔''

خدائی مدد کی فریاد:

حالتِ اضطرار میں ایسے الفاظ عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مدد جلد بھیجی جائے اور ایسی دعاء کرنا توکل یا منصبِ نبوت کے منافی نہیں۔ بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی الحاح وزاری کو پسند فرماتے ہیں۔ اس لئے انبیاء اور صلحاءِ امت اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

جنت مصیبتوں سے گھری ہے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت مصیبتوں سے اور دوزخ لذتوں سے گھری ہوئی ہے۔ یہ روایت مسلم نے انس رضی اللہ عنہ اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے اور امام احمد رحمہ اللہ نے ابوہریرہؓ اور ابن مسعودؓ سے نقل کی ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ
تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا چیز خرچ کریں

انفاقِ مال کا کلیہ:

آیاتِ سابقہ میں کلیتاً یہ مضمون بہت تاکید سے بیان ہوا کہ کفرونفاق کو چھوڑو اور اسلام میں پوری طرح داخل ہو۔ حکم الٰہی کے مقابل کسی کی مت سنو۔ اللہ کی خوشی میں جان ومال خرچ کرو اور ہرطرح کی شدت اور تکلیف پر تحمل کرو۔ اب یہاں سے اسی کلیہ کے متعلق جزئیات کی تفصیل بیان ہوتی ہے جو کہ مال اور جان اور دیگر معاملات مثل نکاح وطلاق وغیرہ کے متعلق ہیں تاکہ اس کلیہ کی تحقیق وتاکید خوب ذہن نشین ہوجائے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ
کہہ دو کہ جو کچھ تم خرچ کرو مال سو ماں باپ کیلئے
وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ
اور قرابت والوں کے اور یتیموں کے اور محتاجوں کے
السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ
اور مسافروں کے اور جو کچھ کروگے تم بھلائی سو وہ بیشک اللہ کو
بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾
خوب معلوم ہے

خرچ کے مواقع:

بعض اصحاب جو مالدار تھے انہوں نے آپ سے دریافت کیا تھا کہ مال میں سے کیا خرچ کریں۔ اور کس پر خرچ کریں۔ اس پر یہ حکم ہوا کہ قلیل خواہ کثیر جو کچھ خدا کے لئے خرچ کرو وہ والدین اور اقارب اور یتیم اور محتاج اور مسافروں کے لئے ہے۔ یعنی حصول ثواب کے لئے خرچ کرنا چاہو تو جتنا چاہو کرو۔ اس کی کوئی تعیین وتحدید نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ جو مواقع ہم نے بتلائے ان میں صرف کرو۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

اہل وعیال اور قرض خواہ کو تنگی میں نہ ڈالو:

جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہی خرچ کیا جائے۔ اپنے اہل وعیال

کو تنگی میں ڈال کر اور ان کے حقوق کو تلف کر کے خرچ کرنا ثواب نہیں۔ اسی طرح جس کے ذمہ کسی کا قرض ہے، قرض خواہ کو ادا نہ کرے اور نفلی صدقات وغیرہ میں اڑائے یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔ ﴿معارف مفتی اعظم﴾

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ
فرض ہوئی تم پر لڑائی

فرضیتِ قتال:

یعنی دین کے دشمنوں سے لڑنا فرض ہوا (فائدہ) جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں رہے آپ کو مقاتلہ کی اجازت نہ ہوئی۔ جب مدینہ کو ہجرت فرمائی تو مقاتلہ کی اجازت ہوئی مگر صرف ان کفار سے جو خود اہلِ اسلام سے مقاتلہ کریں۔ اس کے بعد علی العموم کفار سے مقاتلہ کی اجازت ہوگئی اور جہاد فرض ہوا۔ اگر دشمنانِ دین مسلمانوں پر چڑھائی کریں تو مسلمانوں پر جہاد فرض عین ہے۔ ورنہ فرض کفایہ بشرطیکہ جملہ شرائط جہاد جو کتبِ فقہ میں مذکور ہیں پائی جائیں۔ البتہ جن لوگوں سے مسلمان مصالحت اور معاہدہ کرلیں یا ان کی امن وحفاظت میں آجائیں تو ان سے لڑائی کرنا یا ان کے مقابلہ میں ان کے کسی مخالف کو مدد دینا ہرگز مسلمانوں کو جائز نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جمہور کا مذہب یہ ہے کہ جہاد فرضِ کفایہ ہے کہ جب کچھ لوگ جہاد کرنے پر کھڑے ہوجائیں تو اور لوگوں کے ذمہ سے ساقط ہوجاتا ہے جیسا کہ جنازہ کی نماز (کا وجوب) ہے اور اسی پر اجماع (بھی) ہوگیا ہے۔ اور سب ائمہ کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب شہر والوں پر واجب ہے کہ جو کفار ان کے قریب ہوں ان سے جہاد کریں۔ اگر ان سے نہ ہوسکے یا یہ ہمت ہار دیں تو پھر جو ان کے قریب کے مسلمان ہیں اور پھر ان سے جو قریب کے مسلمان ہیں (ان پر ان کی مدد کرنی واجب ہے) اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب جہاد کا اعلان عام ہو اور کفار اسلامی شہروں پر چڑھ آئیں تو پھر ہر ایک شخص پر جہاد کرنا فرض ہے اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ جو شخص جہاد کے لئے متعین نہ ہو اور اس کے والدین مسلمان ہوں تو بلا ان کی اجازت کے یہ جہاد میں نہ جائے اور جس کے ذمہ قرض ہو وہ اپنے قرض خواہ کی اجازت کے بغیر نہ جائے۔

والدین کی خدمت:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے جہاد میں جانے کی اجازت مانگی۔ حضورؐ نے پوچھا تیرے ماں باپ زندہ ہیں۔ عرض کیا ہاں زندہ ہیں۔ فرمایا جاؤ ان ہی کی خدمت کر کے انہیں آرام دو۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

جنت الفردوس:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں سو درجے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے راہِ خدا میں جان دینے والوں کے لئے تیار کئے ہیں اور ہر دو درجوں کا درمیانی فاصلہ اس قدر ہے جیسا آسمان وزمین کے درمیان میں ہے۔ پس جس وقت اللہ سے سوال کرنا چاہو تو فردوس کا سوال کیا کرو کیونکہ وہ سب جنتوں کے درمیان اور سب سے اعلیٰ درجہ کی ہے اور اس کے اوپر ہی خدا تعالیٰ کا عرش ہے اور وہیں سے اور بہشتوں میں نہریں آتی ہیں۔ یہ حدیث بخاری نے روایت کی ہے۔

خوشی کا مستحق کون ہے:

حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اشرفی روپیہ روٹی، کپڑے کے بندہ کا ناس ہو کہ اگر اسے مل گئی تو راضی ہوگیا اور نہ ملی تو ناراض ہے۔ خوشی اس بندہ کے لئے ہے جو جہاد میں اپنے گھوڑے کی باگ تھامے رہا۔ اس کے بال بکھرے ہوئے ہیں، پیروں پر ریتا چڑھا ہوا ہے۔ اگر پہرہ داروں میں ہے تو وہیں ہے، اگر مقدمۃ الجیش میں ہے تو وہیں ہے، اگر کسی کے پاس داخل ہونے کی اجازت چاہتا ہے تو اجازت نہیں ملتی اور اگر کسی کی سفارش کرتا ہے تو کوئی قبول نہیں کرتا۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ
اور وہ بری لگتی ہے تم کو

قتالِ نفس پر شاق ہے

برے لگنے کا مطلب یہ ہے کہ نفس کو دشوار اور گراں معلوم ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ قابلِ رد وانکار نظر آئے اور مخالفِ مصلحت وحکمت سمجھا جائے اور موجب ناخوشی اور تنفر ہو۔ سو اتنی بات میں کوئی الزام نہیں۔ جب انسان کو بالطبع زندگی سے زیادہ کوئی چیز مرغوب نہیں تو ضرور مقاتلہ سے زیادہ دشوار کوئی شے نہ ہونی چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ
اور شاید کہ تم کو بری لگے ایک چیز اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں

وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔـا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ

اور شاید تم کو بھلی لگے ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں اور اللہ

يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۲۱۶

جانتا ہے اور تم نہیں جانتے

مشکل چیز میں بھلائی ہوسکتی ہے:

یعنی یہ بات ضروری نہیں کہ جس چیز کو تم اپنے حق میں نافع یا مضر سمجھو وہ واقع میں بھی تمہارے حق میں ویسی ہی ہوا کرے بلکہ ہوسکتا ہے کہ تم ایک چیز کو اپنے لئے مضر سمجھو اور وہ مفید ہو۔ اور کسی چیز کو مفید خیال کرلو اور وہ مضر ہو۔ تم نے تو سمجھ لیا کہ جہاد میں جان و مال سب کا نقصان ہے اور ترکِ جہاد میں دونوں کی حفاظت۔ اور یہ نہ جانا کہ جہاد میں دنیا اور آخرت کے کیا منافع ہیں اور اس کے ترک میں کیا کیا نقصان ہیں۔ تمہارے نفع نقصان کو خدا ہی خوب جانتا ہے، تم اسے نہیں جانتے۔ اسلئے وہ جو حکم دے اس کو حق سمجھو اور اپنے اس خیال کو چھوڑ دو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

افضل اعمال:

ابن مسعودؓ کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ! سب سے افضل کونسا عمل ہے؟ فرمایا نماز وقت پر پڑھنی۔ میں نے کہا پھر کونسا؟ فرمایا ماں باپ کو آرام دینا۔ میں نے کہا اس کے بعد؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ (ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ میں نے بس اتنا ہی پوچھا) اور اگر میں اور پوچھتا تو آپؐ اور بھی فرماتے۔ یہ حدیث بخاری نے نقل کی ہے۔

ابوھریرہؓ کہتے ہیں کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ سب عملوں سے افضل کونسا عمل ہے۔ فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا۔ اس نے عرض کیا پھر کونسا؟ فرمایا راہِ خدا میں جہاد کرنا۔ اس نے کہا اس کے بعد؟ فرمایا مقبول حج۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے اور یہ حدیث اگرچہ بظاہر پہلی حدیث کے معارض ہے کیونکہ پہلی حدیث سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ نماز جہاد سے افضل ہے اور اس دوسری حدیث سے اس کے برعکس معلوم ہوا، لیکن ان دونوں کے معنی اس طرح بن سکتے ہیں کہ حضور کا ارشاد ہر سائل کے حال کے موافق تھا (جو جس کے حق میں بہتر ہوا آپ نے وہی فرمادیا) یا یہ کہا جائے کہ ابوھریرہؓ کی حدیث میں ایمان کے لفظ سے فرض نماز اور فرض زکوٰۃ مراد ہیں، اب کوئی تعارض نہیں رہتا۔ ابوہریرہؓ کی روایت میں یوں کہا جائے کہ ایمان کے بعد جہاد کرنا درست ہے اگرچہ جہاد نماز اور زکوٰۃ کے بعد ہے۔

جہاد کا ثواب:

عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی کا صف جہاد میں (ایک روز) کھڑا ہونا اللہ تعالیٰ کے نزدیک ساٹھ برس کی عبادت سے بہتر ہے۔ یہ حدیث حاکم نے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ بخاری کی شرط کے موافق یہ حدیث صحیح ہے۔ ابوھریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ تم میں سے ایک کا راہِ خدا میں (ایک دفعہ) کھڑا ہونا اپنے گھر میں ستر برس نماز پڑھنے سے افضل ہے۔ یہ روایت ترمذی نے نقل کی ہے۔

جہاد کے برابر عمل:

ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ کسی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ! جہاد کے برابر بھی کوئی عمل ہے؟ فرمایا تم میں اس کی طاقت نہیں ہے۔ اس نے دو یا تین مرتبہ پوچھا۔ حضور یہی فرماتے رہے کہ تم میں اس کے کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ پھر فرمایا کہ جو شخص خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو (ہر وقت) کھڑا ہوا قرآن شریف پڑھ رہا ہے۔ اپنے نماز روزہ میں ہرگز فرق نہیں آنے دیتا (یہ مثال مجاہد کی ہے) یہاں تک کہ وہ جہاد سے واپس آجائے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

جہاد میں ایک دفعہ کھڑا ہونا:

ابوامامہؓ کہتے ہیں ایک دستۂ فوج میں ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے۔ دستہ میں ایک صحابیؓ کا ایک ایسے غار پر سے گزر ہوا جہاں پر کچھ ہریالی اور پانی تھا (وہ جگہ ان کو پسند آگئی) انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ بس تارک الدنیا ہوکر اب یہیں رہا کریں گے۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت چاہی۔ حضور نے فرمایا کہ یہودی یا نصرانی بنانے کے لئے میں نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں ایک صاف ستھرا دین دے کر بھیجا گیا ہوں اور قسم ہے اس ذات کی کہ جس کے قبضہ (قدرت) میں محمدؐ کی جان ہے کہ فقط صبح یا شام کو جہاد میں چلا جانا ساری دنیا اور مافیہا سے بہتر ہے اور صفِ جہاد میں (فقط ایک دفعہ) تمہارا کھڑا ہوجانا ساٹھ برس کی نماز سے بہتر ہے۔ یہ حدیث امام احمدؒ نے نقل کی ہے۔

جہاد نفل نماز سے افضل ہے:

میں کہتا ہوں یہ سب حدیثیں نفلی نماز روزہ سے جہاد کے افضل ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جہاد فرض کفایہ ہے۔ جب ایک

نے ادا کر دیا تو اس کی فرضیت ادا ہو گئی اور وہ ہر وقت ادا ہو سکتا ہے۔

ایک تعارض اور اس کا دفعیہ:

اگر کوئی کہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ آدمی کو اللہ کے عذاب سے بچانے والا سوائے ذکر الٰہی کے کوئی عمل نہیں ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا اور نہ جہاد۔ فرمایا اور نہ جہاد۔ اگر چہ (کفار پر) اس قدر تلوار چلائی جائے کہ تلوار کے ٹکڑے ہو جائیں، یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین دفعہ فرمائے۔ یہ حدیث امام احمد طبرانیؒ ابن ابی شیبہؒ نے معاذؓ کی سند سے نقل کی ہے۔ یہ حدیث ان تین حدیثوں کے (جو حضرت عمرانؓ، ابوھریرہؓ، ابوامامہؓ سے منقول ہو چکی ہیں) معارض ہے تو ان دونوں کے معنی باہم موافق ہو جانے کی کیا صورت ہے؟ ہم کہتے ہیں اس حدیث میں ذکر سے مراد وہ حضور دائمی ہے جس میں کبھی کمی نہیں ہوتی نہ وہ نماز اور روزہ جو زاہد لوگوں کا حصہ ہے۔ اور یہی جہاد اکبر سے مراد ہے۔ اس روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک غزوہ سے لوٹتے ہوئے فرمایا: رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ (یعنی اب ہم جہادِ اصغر سے جہادِ اکبر کی طرف لوٹتے ہیں) پہلے گویا جہادِ اصغر کا زیادہ اہتمام تھا اور اب جہادِ اکبر کا زیادہ اہتمام ہوگا، واللہ اعلم۔ جس وقت نفس پاکیزہ ہو جاتا ہے تو اس کی تمام خواہشیں حکم شرعی کے موافق ہو جاتی ہیں۔ اس وقت وہ ان ہی چیزوں (اور ان ہی افعال) کو برا سمجھتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے نزدیک بری ہوں اور ان ہی چیزوں کو پسند کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہوں۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: جس شخص کے ذمہ کسی کا قرض ہو اس کیلئے جب تک قرض ادا نہ کر دے اس فرضِ کفایہ میں حصہ لینا درست نہیں۔ ہاں اگر کسی وقت نفیر عام کے سبب یا کفار کے نرغہ کے باعث جہاد سب پر فرضِ عین ہو جائے تو اس وقت نہ والدین کی اجازت شرط ہے نہ شوہر کی اور نہ قرض خواہ کی۔ (معارف مفتی اعظم)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ
تجھ سے پوچھتے ہیں مہینہ حرام کو کہ اس میں لڑنا کیسا

شانِ نزول:

حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ایک جماعت کافروں کے مقابلہ کو بھیجی انہوں نے کافروں کو مارا اور مال لوٹ لائے۔ مسلمان تو جانتے تھے کہ وہ اخیر دن جمادی الثانی کا ہے اور وہ رجب کا غرہ تھا، جو کہ اشہر حرم میں داخل ہے کافروں نے اس پر بہت طعن کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حرام مہینہ کو بھی حلال کر دیا اور اپنے لوگوں کو حرام مہینہ میں لوٹ مار کی اجازت دے دی مسلمانوں نے حاضر ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم سے شبہ میں یہ کام ہوا اس کا کیا حکم ہے تب یہ آیت اتری۔ (تفسیر عثمانی)

واقعہ کی تفصیل:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک جماعت کو بھیجا اور ان کا امیر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا۔ جب وہ جانے لگے تو حضورؐ کی جدائی کے صدمہ سے رو دیئے آپ نے انہیں تو روک لیا اور ان کے بدلے حضرت عبداللہ بن جحش رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سردار لشکر مقرر کیا اور انہیں ایک خط لکھ کر دیا اور فرمایا کہ جب تک بطن نخلہ نہ پہنچو اس خط کو نہ پڑھنا اور وہاں پہنچ کر جب اس مضمون کو دیکھو تو اپنے ساتھیوں میں سے کسی کو اپنے ساتھ چلنے پر مجبور نہ کرنا چنانچہ حضرت عبداللہؓ اس مختصر سی جماعت کو لے کر چلے جب اس موقعہ پر پہنچے تو فرمان نبی پڑھا اور انا للہ پڑھ کر کہا میں نے حضورؐ کے فرمان کو پڑھا اور میں فرمانبرداری کیلئے تیار ہوں پھر اپنے ساتھیوں کو پڑھ کر سنایا اور واقعہ بیان کیا۔ دو شخص تو واپس لوٹ گئے لیکن اور سب ساتھ چلنے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ آگے چل کر ابن الحضرمی کافر کو انہوں نے پایا۔ چونکہ یہ علم نہ تھا کہ جمادی الاخری کا یہ آخری دن ہے یا رجب کا پہلا دن ہے انہوں نے اس لشکر پر حملہ کر دیا۔ ابن الحضرمی مارا گیا اور صحابہؓ کی یہ جماعت وہاں سے واپس لوٹی۔ اب مشرکین نے مسلمانوں پر اعتراض شروع کیا کہ دیکھو انہوں نے حرمت والے مہینوں میں لڑائی کی اور قتل بھی کیا، اس بارے میں یہ آیت اتری۔ (ابن ابی حاتم)

قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ
کہہ دے لڑائی اس میں بڑا گناہ ہے

صحابہ رضی اللہ عنہم کی براءت:

یعنی شہر حرام میں قتال کرنا بیشک گناہ کی بات ہے لیکن حضرات صحابہ نے تو اپنے علم کے موافق جمادی الثانی میں جہاد کیا تھا شہر حرام یعنی رجب میں نہیں کیا اس لئے مستحق عفو ہیں ان پر الزام لگانا بے انصافی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ
اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کو نہ ماننا اور مسجد الحرام سے روکنا اور نکال

الْحَرَامِ ۚ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ

دینا اسکے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک

مشرکین بہت بڑے حرام کے مرتکب ہیں:

یعنی لوگوں کو اسلام سے روکنا اور خود دین اسلام کو تسلیم نہ کرنا اور زیارت بیت اللہ سے لوگوں کو روکنا اور مکہ کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا یہ باتیں شہر حرام میں مقاتلہ کرنے سے بھی زیادہ گناہ ہیں اور کفار برابر یہ حرکات کرتے تھے خلاصہ یہ کہ شہر حرام میں بلا وجہ اور ناحق لڑنا بیشک اشد گناہ ہے مگر جو لوگ کہ حرم میں بھی کفر پھیلائیں اور بڑے بڑے فساد کریں اور اشہر حرم میں بھی مسلمانوں کے ستانے میں قصور نہ کریں ان سے لڑنا منع نہیں علاوہ ازیں جب مشرکین ایسے امور شنیعہ میں سرگرم ہیں تو ایک تھوڑے قصور پر مسلمانوں کی نسبت طعن کرنا جو ان سے بوجہ لاعلمی صادر ہوا بڑی شرم کی بات ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ

اور لوگوں کو دین سے بچلانا قتل سے بھی بڑھ کر ہے

فتنہ اندازی قتل سے بڑھ کر ہے:

یعنی دین میں فتنہ اور فساد ڈالنا تاکہ لوگ دین حق کو قبول نہ کریں اس قتل سے بدر جہا مذموم ہے جو مسلمانوں سے شہر حرام میں واقع ہوا۔ مشرکین کی عادت تھی کہ دین اسلام کی باتوں میں طرح طرح سے خدشات کیا کرتے تھے تاکہ لوگ شبہ میں پڑ جائیں اور اسلام کو قبول نہ کریں چنانچہ اسی قصہ میں کہ مسلمانوں سے شہر حرام میں بوجہ لاعلمی قتل واقع ہوا اس پر مشرکین نے جو زبان درازی کی تو اس سے مقصود یہی تھا کہ لوگ قبول اسلام سے متنفر ہو جائیں تو خلاصہ یہ ہوا کہ مسلمانوں سے جو قتل صادر ہوا اس پر مشرکین کا طعن کرنا اس وجہ سے کہ لوگ دین حق سے بچل جائیں قتل مذکور سے بدر جہا مذموم و شنیع ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ

اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے یہاں تک کہ تم کو

عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ

پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پاویں

مشرکین ہر حال تمہارے دشمن ہیں:

یعنی جب تک تم دین حق پر قائم رہو گے یہ مشرکین کسی حالت میں اور کسی موقع پر بھی تمہارے مقاتلہ اور مخالفت میں کمی نہیں کریں گے۔ حرم مکہ اور اشہر حرام ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ عمرہ حدیبیہ میں پیش آیا نہ حرم مکہ کی حرمت کی اور نہ شہر حرام کی بلا وجہ محض عناد سے مارنے مرنے کو مستعد ہو گئے اور مسلمانوں کے مکہ میں جانے اور عمرہ کرنے کے روادار نہ ہوئے پھر ایسے معاندین کے طعن تشنیع کی کیا پروا کی جائے اور ان سے مقاتلہ کرنے میں شہر حرام کی وجہ سے کیوں رکا جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

احادیث میں جہاد کو افضل الاعمال اور سنام الاسلام یعنی اسلام کا کوھان قرار دیا ہے۔ اس لئے کہ جہاد اسلام کی اشاعت اور خلق اللہ کی ہدایت اور دین کی عزت اور رفعت کا سبب ہے اور مجاہد کی کوشش سے جو لوگ اسلام میں داخل ہوں گے ان کے حسنات اس کے نامہ اعمال میں لکھے جائیں گے۔

شانِ نزول کی تفصیل:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے عرب میں یہ دستور چلا آ رہا تھا کہ چار مہینوں میں یعنی ذی قعدہ اور ذی الحجہ اور محرم الحرام اور رجب میں باہمی قتل و قتال اور جنگ و جدال کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور ان مہینوں میں کسی پر چڑھائی کرنے کو معیوب جانتے تھے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر سے دو ماہ پیشتر ماہ جمادی الاخری ۲ھ میں اپنے پھوپھی زاد بھائی حضرت عبداللہ بن جحشؓ کی سرکردگی میں آٹھ یا بارہ مہاجرین کی ایک جماعت کو جس میں سوائے مہاجرین کے اور کوئی نہ تھا کافروں کے مقابلہ میں جانے کا حکم دیا اور عبداللہ بن جحشؓ کو ایک والا نامہ لکھ کر دیا اور یہ فرمایا کہ جب دو دن کا سفر طے کرلو اس وقت اس خط کو کھولنا اور اپنے ساتھیوں کو سنا دینا اور کسی پر زبردستی نہ کرنا۔ عبداللہ بن جحشؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! کس طرف جاؤں؟ آپ نے فرمایا کہ نجد کی طرف جاؤ۔ عبداللہ بن جحشؓ وہاں سے روانہ ہوئے اور دو دن کا سفر طے کرنے کے بعد ایک منزل پر پڑاؤ کیا اور آپ کا والا نامہ کھولا تو اس میں یہ مضمون تھا:

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اَمَّا بَعْدُ فَسِرْ عَلٰی بَرَکَةِ اللّٰہِ بِمَنْ تَبِعَکَ مِنْ اَصْحَابِکَ حَتّٰی تَنْزِلَ بَطْنَ نَخْلَةَ فَتَرْصَدُبِھَا عِیْرَقُرَیْشٍ لَعَلَّکَ اَنْ تَاتِیَنَا مِنْہُ بِخَیْرٍ. (امابعد۔ اللہ کی برکتوں اور رحمتوں کے ساتھ اپنے رفقاء کو

لے کر چلے جاؤ۔ یہاں تک کہ جب مقام نخلہ پر پہنچو تو قریش کے تجارتی قافلہ کا انتظار کرو۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کا مال تم کو عطا کرے اور پھر وہ مال تم ہمارے پاس لے کر آؤ)

عبداللہ بن جحشؓ نے اس حکم نامہ کو پڑھتے ہی سمعًا و طاعتًا کہا اور اپنے ساتھیوں کو سنایا اور یہ بھی کہہ دیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے یہ فرما دیا تھا کہ کسی پر زبردستی نہ کروں۔ اب جس کو شہادت کا شوق اور رغبت ہو وہ میرے ساتھ چلے اور جس کا جی چاہے وہ لوٹ جائے۔ یہ سن کر سب دل و جان سے تعمیل ارشاد پر راضی ہو گئے اور ایک شخص بھی واپس ہونے کے لئے راضی نہ ہوا۔ مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان جب مقام نخلہ میں جا کر اترے تو ابھی ٹھہرنے بھی نہ پائے تھے کہ اتنے میں قریش کا قافلہ دکھلائی دیا جو طائف کی تجارت کا مال زیتون کا تیل اور کشمش اور چمڑے وغیرہ لے کر آ رہا تھا۔ مسلمانوں نے ان پر حملہ کیا۔ عمرو بن الحضرمی کو قتل کیا اور حکم بن کیسان اور عثمان بن عبداللہ کو گرفتار کیا۔ باقی لوگ بھاگ گئے۔ صحابہ کرام قیدیوں اور سامان کے اونٹوں کو لے کر حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

یہ تاریخ رجب الحرام تھی اور صحابہ کرام اس کو جمادی الثانیہ کی تیسویں تاریخ سمجھے ہوئے تھے، مگر چاند انتیس کا ہو چکا تھا جس کا صحابہ کو علم نہ تھا۔ اس لئے کفار نے مسلمانوں پر یہ اعتراض کیا کہ یہ لوگ شہر حرام میں بھی لڑتے ہیں۔ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ معارف کاندھلویؒ﴾

روح المعانی نے اسی آیت کے تحت میں اور بیضاوی نے سورۂ براءت کے پہلے رکوع کی تفسیر میں اشہر حرم میں حرمتِ قتال کے منسوخ ہونے پر اجماعِ امت نقل کیا ہے۔ (بیان القرآن) ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ
اور جو کوئی پھرے تم میں سے اپنے دین سے پھر مر جاوے
وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي
حالت کفر ہی میں تو ایسوں کے ضائع ہوئے عمل دنیا
الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ
اور آخرت میں اور وہ لوگ رہنے والے ہیں دوزخ میں
هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾
وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

ارتداد کا انجام:

یعنی دین اسلام سے پھر جانا اور اسی حالت پر اخیر تک قائم رہنا ایسی سخت بلا ہے کہ عمر بھر کے نیک کام ان کے ضائع ہو جاتے ہیں کہ کسی بھلائی کے مستحق نہیں رہتے۔ دنیا میں نہ ان کی جان و مال محفوظ رہے نہ نکاح قائم رہے، نہ ان کو میراث ملے نہ آخرت میں ثواب ملے اور نہ کبھی جہنم سے نجات نصیب ہو۔ ہاں اگر پھر اسلام قبول کر لیا تو صرف اسلام کے بعد اعمال حسنہ کی جزا پوری ملے گی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

آیت مذکورہ (يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ) کے آخر میں مسلمان ہونے کے بعد کفر و ارتداد اختیار کرنے کا یہ حکم ذکر فرمایا ہے کہ (حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ) یعنی ان لوگوں کے اعمال دنیا و آخرت میں سب غارت ہو جائیں گے۔

مسئلہ: دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بی بی نکاح سے نکل جاتی ہے۔ اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا۔ حالتِ اسلام میں نماز، روزہ جو کچھ کیا تھا سب کالعدم ہو جاتا ہے۔ مرنے کے بعد جنازے کی نماز نہیں پڑھی جاتی۔ مسلمانوں کے مقابر میں دفن نہیں ہوتا۔

مسئلہ: لیکن جو کافر اصلی ہو اور اس حالت میں کوئی نیک کام کر لے اس کا ثواب معلق رہتا ہے۔ اگر کبھی اسلام لے آیا سب پر ثواب ملتا ہے، اور اگر کفر پر مر گیا تو سب بیکار ہو جاتا ہے۔ حدیث اَسْلَمْتُ عَلٰى مَا اَسْلَفْتُ مِنْ خَيْرٍ اسی معنی میں وارد ہے۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

مرتد، کافر سے بدتر ہے:

غرضیکہ مرتد عن الاسلام کی حالت کافر اصلی سے بھی بدتر اور بُری ہے۔ اسی واسطے شریعتِ اسلامیہ میں کافر اصلی سے جزیہ قبول ہو سکتا ہے لیکن مرتد کی سزا قتل ہے، اگر مرد ہے، اور اگر عورت ہے تو دوامِ حبس کی سزا دی جائے گی یعنی ہمیشہ قید خانہ میں بند رہے گی۔ (بیان القرآن)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا
بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی
فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ
اور لڑے اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے

اللّٰهِ ۚ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

شانِ نزول: آیت سابقہ سے جماعت اصحاب مذکورہ بالا کو یہ تو معلوم ہوگیا کہ ہمارے اوپر اس بارہ میں کوئی مواخذہ نہیں مگر یہ تردد ان کو تھا کہ دیکھئے اس جہاد کا ثواب بھی ملتا ہے یا نہیں۔ اس پر یہ آیت اتری کہ جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور اللہ کے واسطے اس کے دشمنوں سے بھڑے، اپنی کوئی غرض اس لڑائی میں نہ تھی وہ بیشک اللہ کی رحمت کے امیدوار اور اس کے مستحق ہیں، اور اللہ اپنے بندوں کی خطائیں بخشنے والا اور ان پر انعام فرمانے والا ہے۔ وہ ایسے تابعداروں کو محروم نہ کرے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ

تجھ سے پوچھتے ہیں حکم شراب کا اور جوئے کا

شراب اور جوئے کی حرمت:

شراب اور جوئے کے حق میں کئی آیتیں اتریں۔ ہر ایک میں ان کی برائی ظاہر کی گئی۔ آخر سورۂ مائدہ کی آیت میں صاف ممانعت کردی گئی۔ اب جو چیزیں نشہ لاویں وہ سب حرام ہیں اور جو شرط باندھی جائے کسی چیز پر جس میں ہار اور جیت ہو وہ محض حرام ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شانِ نزول:

(يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ) : (اے محمد! یہ لوگ تم سے شراب کی بابت دریافت کرتے ہیں) امام احمدؒ نے ابوھریرہؓ سے روایت کی ہے کہ حضور انور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے۔ اس وقت مدینہ کے باشندے شراب پیتے اور جوا کھیلتے تھے۔ ان دونوں کی بابت انہوں نے خود ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ؗ

کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کو

وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ

اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدہ سے

شراب اور جوئے کے نقصانات:

شراب پینے سے عقل جاتی رہتی ہے جو تمام امور شنیعہ سے بچاتی ہے اور لڑائی اور قتل وغیرہ طرح طرح کی خرابیوں کی نوبت آتی ہے اور مختلف قسم کے امراض روحانی اور جسمانی پیدا ہوتے ہیں جو بسا اوقات باعث ہلاکت ہوتے ہیں اور جوا کھیلنے میں حرام مال کا کھانا اور سرقہ اور تضیع مال اور عیال باہم دشمنی وغیرہ طرح طرح کے مفاسد ظاہری و باطنی پیش آتے ہیں۔ ہاں ان میں سرسری نفع بھی ہے مثلاً شراب پی کر لذت و سرور ہوگیا اور جوا کھیل کر بلا مشقت مال ہاتھ آ گیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شانِ نزول:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام تو بہت ہی بلند تھا کہ جو چیز کسی وقت حرام ہونے والی تھی آپ کی طبیعت اس سے پہلے ہی نفرت کرتی تھی۔ صحابہ کرامؓ میں بھی کچھ ایسے حضرات تھے جنہوں نے حلال ہونے کے زمانے میں بھی کبھی شراب کو ہاتھ نہیں لگایا۔ مدینہ طیبہ پہنچنے کے بعد چند حضرات صحابہ کو ان کے مفاسد کا زیادہ احساس ہوا۔ حضرت فاروق اعظم اور معاذ بن جبلؓ اور چند انصاری صحابہؓ اسی احساس کی بناء پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ شراب اور قمار انسان کی عقل کو بھی خراب کرتے ہیں اور مال بھی برباد کرتے ہیں۔ ان کے بارے میں آپ کا کیا ارشاد ہے؟ اس سوال کے جواب میں آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ یہ پہلی آیت ہے جس میں شراب اور جوئے سے مسلمانوں کو روکنے کا ابتدائی قدم اٹھایا گیا۔

شراب کی قطعی حرمت کا نزول:

عتبان بن مالک نے چند صحابہ کرامؓ کی دعوت کی، جن میں سعد بن ابی وقاصؓ بھی تھے۔ کھانے کے بعد حسب دستور شراب کا دور چلا۔ نشہ کی حالت میں عرب کی عام عادت کے مطابق شعر و شاعری اور اپنے اپنے مفاخر کا بیان شروع ہوا۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے ایک قصیدہ پڑھا، جس میں انصار مدینہ کی ہجو اور اپنی قوم کی مدح و ثناء تھی۔ اس پر ایک انصاری نوجوان کو غصہ آ گیا اور اونٹ کے جبڑے کی ہڈی سعد رضی اللہ عنہ کے سر پر دے ماری جس سے ان کو شدید زخم آ گیا۔ حضرت سعد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس انصاری جوان کی شکایت کی۔ اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ بَيِّنْ لَّنَا فِي الْخَمْرِ بَيَانًا شَافِيًا. ''یعنی یا اللہ! شراب کے بارے میں ہمیں کوئی واضح بیان اور قانون عطا فرمادے۔'' اس پر شراب کے متعلق تیسری آیت سورۂ مائدہ کی مفصل نازل ہوگئی، جس میں شراب کو مطلقاً حرام قرار دے دیا گیا ---- ایک حدیث میں

ارشادفرمایا کہ شراب اور ایمان جمع نہیں ہوسکتے۔ یہ روایتیں نسائی میں ہیں۔

شراب کی وجہ سے دس آدمیوں پر لعنت:

جامع ترمذی میں حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے بارے میں دس آدمیوں پر لعنت فرمائی، نچوڑنے والا، بنانے والا، پینے والا، پلانے والا، اس کو لاد کر لانے والا، اور جس کے لئے لائی جائے، اور اس کا بیچنے والا، خریدنے والا، اس کو ہبہ کرنے والا، اس کی آمدنی کھانے والا، اور پھر صرف زبانی تعلیم وتبلیغ پر اکتفاء نہیں فرمایا، بلکہ عملی اور قانونی طور پر اعلان فرمایا کہ جس کے پاس کسی قسم کی شراب موجود ہو اس کو فلاں جگہ جمع کردے۔

امریکہ میں ممانعتِ شراب کے قانون کی ناکامی:

آج کی ترقی یافتہ سیاست کی ایک مثال سامنے رکھ لیجئے کہ اب سے چند سال پہلے امریکہ کے ماہرینِ صحت اور سماجی مصلحین نے جب شراب نوشی کی بے شمار اور انتہائی مہلک خرابیوں کو محسوس کرکے ملک میں شراب نوشی کو قانوناً ممنوع کرنا چاہا تو اس کے لئے اپنے نشر واشاعت کے وہ نئے سے نئے ذرائع جو اس ترقی یافتہ سیاست کا بڑا کمال سمجھے جاتے ہیں سب ہی شراب نوشی کے خلاف ذہن ہموار کرنے پر لگا دیئے۔ سینکڑوں اخبارات اور رسائل اس کی خرابیوں پر مشتمل ملک میں لاکھوں کی تعداد میں شائع کئے گئے۔ پھر امریکی دستور میں ترمیم کرکے امتناعِ شراب کا قانون نافذ کیا گیا۔ مگر ان سب کا اثر جو کچھ امریکہ میں آنکھوں نے دیکھا، اور وہاں کے اربابِ سیاست کی رپورٹوں سے دنیا کے سامنے آیا وہ یہ تھا کہ اس ترقی یافتہ اور تعلیم یافتہ قوم نے اس ممانعتِ قانونی کے زمانے میں عام زمانوں کی نسبت بہت زیادہ شراب استعمال کی۔ یہاں تک کہ مجبور ہوکر حکومت کو اپنا قانون منسوخ کرنا پڑا۔

اسلام کا طریقہ:

ذرا سا غور کریں تو معلوم ہوجائے گا کہ شریعتِ اسلام نے صرف قانون کو قوم کی اصلاح کے لئے کبھی کافی نہیں سمجھا۔ بلکہ قانون سے پہلے ان کی ذہنی تربیت کی اور عبادت وزہادت اور فکرِ آخرت کے کیمیاوی نسخے سے ان کے مزاجوں میں ایک بڑا انقلاب لاکر ایسے افراد پیدا کردیئے جو رسول کی آواز پر اپنی جان ومال آبرو سب کچھ قربان کرنے کے لئے تیار ہوجائیں۔ ملکی زندگی کے پورے دَور میں یہی افراد سازی کا کام ریاضتوں کے ذریعے ہوتا رہا۔

جسمِ انسانی کیلئے شراب کی مضرت:

پہلے شراب کو لے لیجئے۔ اس کے فوائد تو عام لوگوں میں مشہور و معروف ہیں کہ اس سے لذت وفرحت حاصل ہوتی ہے اور وقتی طور پر قوت میں اضافہ ہوجاتا ہے، رنگ صاف ہوجاتا ہے، مگر ان حقیر وقتی فوائد کے مقابلے میں اس کے مفاسد اتنے کثیر وسیع اور گہرے ہیں کہ شاید کسی دوسری چیز میں اتنے مفاسد اور مضرات نہ ہوں گے، بدنِ انسانی پر شراب کے مضرات یہ ہیں کہ وہ رفتہ رفتہ معدے کے فعل کو فاسد کردیتی ہے، کھانے کی خواہش کم کردیتی ہے، چہرے کی ہیئت بگاڑ دیتی ہے، پیٹ بڑھ جاتا ہے، مجموعی حیثیت سے تمام قویٰ پر یہ اثر ہوتا ہے جو ایک جرمنی ڈاکٹر نے بیان کیا ہے کہ "جو شخص شراب کا عادی ہو چالیس سال کی عمر میں اس کے بدن کی ساخت ایسی ہوجاتی ہے جیسے ساٹھ سالہ بوڑھی کی۔" وہ جسمانی اور قوت کے اعتبار سے سٹھیائے ہوئے بوڑھوں کی طرح ہوجاتا ہے۔ اس کے علاوہ اطباء اور ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ شراب نہ جزوِ بدن بنتی ہے اور نہ اس سے خون بنتا ہے، جس کی وجہ سے بدن میں طاقت آئے بلکہ اس کا فعل صرف یہ ہوتا ہے کہ خون میں ہیجان پیدا کردیتی ہے، جس سے وقتی طور پر قوت کی زیادتی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اور یہی خون کا دفعتاً ہیجان بعض اوقات اچانک موت کا سبب بھی بن جاتا ہے، جس کو ڈاکٹر ہارٹ فیل ہونے سے تعبیر کرتے ہیں۔

شراب سے شرائین یعنی وہ رگیں جن کے ذریعے سارے بدن میں روح پہنچتی ہے سخت ہوجاتی ہیں جس سے بڑھاپا جلدی آجاتا ہے۔ شراب کا اثر انسان کے حلقوم اور تنفس پر بھی خراب ہوتا ہے، جس کی وجہ سے آواز بھاری ہوجاتی ہے اور کھانسی دائمی ہوجاتی ہے اور وہی آخرکار سِل تک نوبت پہنچا دیتی ہے، شراب کا اثر نسل پر بھی برا پڑتا ہے۔ شرابی کی اولاد کمزور رہتی ہے اور بعض اوقات اس کا نتیجہ قطعِ نسل تک پہنچتا ہے۔

شراب بگاڑ کی ماں ہے:

یہ شراب کے دینی، دنیوی، جسمانی اور روحانی مفاسد کی مختصر فہرست ہے جس کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک کلمہ میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ "ام الخبائث" یا "ام الفواحش" ہے۔

جرمن ڈاکٹر کا قول:

جرمنی کے ایک ڈاکٹر کا یہ مقولہ ضرب المثل کی طرح مشہور ہے کہ اس نے کہا کہ اگر آدھے شراب خانے بند کردیئے جائیں تو میں اس کی ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفاخانے اور آدھے جیل خانے بےضرورت ہوکر بند ہوجائیں گے۔ (تفسیر المنار لمفتی عبدہ)

شراب کا ذہنی اور نفسیاتی نقصان:

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ مدہوشی کے عالم میں بعض اوقات آدمی اپنا پوشیدہ راز بیان کر ڈالتا ہے جس کی مضرت اکثر بڑی تباہ کن ہوتی ہے۔ خصوصاً وہ اگر کسی حکومت کا ذمہ دار آدمی ہے اور راز بھی حکومت کا راز ہے جس کے اظہار سے پورے ملک میں انقلاب آ سکتا ہے اور ملکی سیاست اور جنگی مصالح سب برباد ہو جاتے ہیں۔ ہوشیار جاسوس ایسے مواقع کے منتظر رہتے ہیں۔

انسانی وقار کا نقصان:

شراب کا ایک مفسدہ یہ بھی ہے کہ وہ انسان کو ایک کھلونا بنا دیتی ہے، جس کو دیکھ کر بچے بھی ہنستے ہیں، کیونکہ اس کا کلام اور اس کی حرکات سب غیر متوازن ہو جاتی ہیں۔

شراب ذکر و عبادت سے روکتی ہے:

اور اس کی روحانی مضرت تو ظاہر ہی ہے کہ نشہ کی حالت میں نہ نماز ہو سکتی ہے نہ اللہ کا ذکر نہ اور کوئی عبادت۔ اسلیئے قرآن کریم میں شراب کی مضرت کے بیان میں فرمایا:

﴿وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ﴾

''یعنی شراب تم کو ذکر اللہ اور نماز سے روکتی ہے۔''

شراب کے معاشی نقصانات:

اب مالی مضرت اور نقصان کا حال سنیئے جس کو ہر شخص جانتا ہے، کسی بستی میں اگر ایک شراب خانہ کھل جاتا ہے تو وہ پوری بستی کی دولت کو سمیٹ لیتا ہے۔ بعض اعداد و شمار لکھنے والوں نے صرف ایک شہر میں شراب کا مجموعی خرچہ پوری مملکت فرانس کے مجموعی خرچ کے برابر بتلایا ہے -- کھجور اور انگور کے کچھ پھلوں میں سے بھی انسان اپنی غذا اور نفع کی چیزیں بناتا ہے اس میں اشارہ اس طرف ہے کہ کھجور اور انگور کے پھلوں میں سے اپنی غذا اور منفعت کی چیزیں بنانے میں انسانی صنعت کا کچھ دخل ہے، اور اسی دخل کے نتیجہ میں دو طرح کی چیزیں بنائی گئیں، ایک نشہ آور چیز، جس کو خمر یا شراب کہا جاتا ہے، دوسری رزق حسن یعنی عمدہ رزق کہ کھجور اور انگور کو تر و تازہ کھانے میں استعمال کریں یا خشک کر کے ذخیرہ کر لیں۔

شراب مسلمانوں کیلیئے کافروں کا مہلک ہتھیار ہے:

ایک فرانسیسی محقق ہنری اپنی کتاب ''خواطر و سوانح فی الاسلام'' میں لکھتے ہیں: ''بہت زیادہ مہلک ہتھیار جس سے اہل مشرق کی بیخ کنی کی گئی اور وہ دو دھاری تلوار جس سے مسلمانوں کو قتل کیا گیا -- یہ شراب تھی -- ہم نے الجزائر کے لوگوں کے خلاف یہ ہتھیار آزمایا، لیکن ان کی اسلامی شریعت ہمارے راستہ میں رکاوٹ بن کر کھڑی ہوگئی اور وہ ہمارے اس ہتھیار سے متاثر نہیں ہوئے اور نتیجہ یہ نکلا کہ ان کی نسل بڑھتی ہی چلی گئی۔ یہ لوگ اگر ہمارے اس تحفہ کو قبول کر لیتے جس طرح کہ ان کے ایک منافق قبیلے نے اس کو قبول کر لیا ہے تو یہ بھی ہمارے سامنے ذلیل و خوار ہو جاتے۔ آج جن لوگوں کے گھروں میں ہماری شراب کے دور چل رہے ہیں وہ ہمارے سامنے اتنے حقیر و ذلیل ہو گئے ہیں کہ سر نہیں اٹھا سکتے۔''

انگریز قانون دان کا تبصرہ:

ایک انگریز قانون داں بنتام لکھتے ہیں کہ: ''اسلامی شریعت کی بے شمار خوبیوں میں سے ایک خوبی یہ بھی ہے کہ اس میں شراب حرام ہے۔ ہم نے دیکھا کہ جب افریقہ کے لوگوں نے اسے استعمال کرنا شروع کیا تو ان کی نسلوں میں پاگل پن سرایت کرنے لگا اور یورپ کے جن لوگوں کو اس کا چسکہ لگ گیا ان کی بھی عقلوں میں تغیر آنے لگا۔ لہٰذا افریقہ کے تمام لوگوں کے لئے بھی اس کی ممانعت ہونی چاہئے اور یورپین لوگوں کو بھی اس پر شدید سزائیں دینی چاہئیں۔''

حضرت جعفر طیارؓ کی چار خصلتیں:

ایک روایت میں ہے کہ جبریل امین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جعفر طیار کی چار خصلتیں زیادہ محبوب ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفرؓ سے پوچھا کہ آپ میں وہ چار خصلتیں کیا ہیں؟ عرض کیا کہ میں نے اس کا اظہار اب تک کسی سے نہیں کیا تھا، مگر جب کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خبر دے دی تو عرض کرتا ہوں کہ وہ چار خصلتیں یہ ہیں کہ میں نے دیکھا کہ شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ اس لئے میں کبھی اس کے پاس نہیں گیا اور میں نے بتوں کو دیکھا کہ ان کے ہاتھ میں کسی کا نفع و ضرر نہیں۔ اس لئے جاہلیت میں بھی کبھی بت پرستی نہیں کی، اور مجھے چونکہ اپنی بیوی اور لڑکیوں کے معاملہ میں سخت غیرت ہے اس لئے میں نے کبھی زنا نہیں کیا۔ اور میں نے دیکھا کہ جھوٹ بولنا نہایت رذالت کی بات ہے اس لئے کبھی جہالت میں بھی جھوٹ نہیں بولا۔ ﴿روح البیان﴾

جزوی منفعت تو ہر چیز میں ہے:

جس طرح محسوسات میں اس دوا اور غذا کو مضر کہا جاتا ہے جس کی

مضرتیں بہ نسبت اس کے فائدے کے زیادہ سخت ہوں، ورنہ یوں تو دنیا کی کوئی بری سے بری چیز بھی منافع سے خالی نہیں، زہر قاتل میں، سانپ اور بچھو میں، درندوں میں کتنے فوائد ہیں، لیکن مجموعی حیثیت سے ان کو مضر کہا جاتا ہے۔

جوئے کی نئی و پرانی سب صورتیں حرام ہیں:

تمام صحابہ و تابعین اس پر متفق ہیں کہ میسر میں قمار یعنی جوئے کی تمام صورتیں داخل اور سب حرام ہیں۔ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر میں اور جصاص نے احکام القرآن میں نقل کیا ہے کہ مفسر القرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور ابن عمرؓ اور قتادہؓ اور معاویہ بن صالحؒ اور عطاءؒ اور طاؤسؒ نے فرمایا: اَلْمَيْسِرُ قِمَارٌ حَتّٰى لَعِبُ الصِّبْيَانِ بِالْكِعَابِ وَالْجُوْزِ. یعنی" ہر قسم کا قمار میسر ہے، یہاں تک کہ بچوں کا کھیل لکڑی کے گٹکوں اور اخروٹ وغیرہ کے ساتھ۔" اور ابن عباسؓ نے فرمایا: اَلْمُخَاطَرَةُ مِنَ الْقِمَارِ "یعنی مخاطرہ قمار میں سے ہے۔" (جصاص) ابن سیرین نے فرمایا جس کام میں مخاطرہ ہو وہ میسر میں داخل ہے (روح البیان) مخاطرہ کے معنی ہیں کہ ایسا معاملہ کیا جائے جو نفع وضرر کے درمیان دائر ہو، یعنی یہ بھی احتمال ہو کہ بہت سا مال مل جائے اور یہ بھی کہ کچھ نہ ملے، جیسے آجکل کی لاٹری کے مختلف طریقوں میں پایا جاتا ہے۔ یہ سب قسمیں قمار اور میسر میں داخل اور حرام ہیں۔ اس لئے میسر یا قمار کی تعریف یہ ہے کہ جس معاملہ میں کسی مال کا مالک بنانے کو ایسی شرط پر موقوف رکھا جائے جس کے وجود وعدم کی دونوں جانبیں مساوی ہوں، اور اسی بناء پر نفع خالص یا تاوان خالص برداشت کرنے کی دونوں جانبیں بھی برابر ہوں (شامی ص ۳۵۵ ج ۵ کتاب الحظر والاباحۃ) مثلاً یہ بھی احتمال ہے کہ زید پر تاوان پڑ جائے اور یہ بھی ہے کہ عمر پر پڑ جائے۔ اس کی جتنی قسمیں اور صورتیں پہلے زمانے میں رائج تھیں یا آج رائج ہیں یا آئندہ پیدا ہوں وہ سب میسر اور قمار اور جوا کہلائے گا۔ معمے حل کرنے کا چلتا ہوا کاروبار اور تجارتی لاٹری کی عام صورتیں سب اس میں داخل ہیں۔ ہاں اگر صرف ایک جانب سے انعام مقرر کیا جائے کہ جو شخص فلاں کام کرے گا اس کو یہ انعام ملے گا، اس میں مضائقہ نہیں، بشرطیکہ اس شخص سے کوئی فیس وصول نہ کی جائے۔ کیونکہ اس میں معاملہ نفع وضرر کے درمیان دائر نہیں، بلکہ نفع اور عدم نفع کے درمیان دائر ہے۔ اسی لئے احادیث صحیحہ میں شطرنج اور چوسر وغیرہ کو حرام قرار دیا گیا ہے جن میں مال کی ہار جیت پائی جاتی ہے۔ تاش پر اگر روپیہ کی ہار جیت ہو تو وہ بھی میسر میں داخل ہے۔

چوسر اور شطرنج:

صحیح مسلم میں بروایت بریدہؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نرد شیر (چوسر) کھیلتا ہے وہ گویا خنزیر کے گوشت اور خون میں اپنے ہاتھ رنگتا ہے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ شطرنج میسر یعنی جوئے میں داخل ہے۔ اور عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا شطرنج تو نرد شیر سے بھی زیادہ بری ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

ابتداءِ اسلام میں قمار حلال تھا:

ابتداءِ اسلام میں شراب کی طرح قمار بھی حلال تھا۔ مکہ میں جب سورۂ روم کی آیات غُلِبَتِ الرُّوْمُ نازل ہوئی اور قرآن نے خبر دی کہ اس وقت روم اگرچہ اپنے حریف کسریٰ سے مغلوب ہو گئے، لیکن چند سال بعد پھر رومی غالب آ جائیں گے اور مشرکین مکہ نے اس کا انکار کیا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان سے اسی طرح قمار کی شرط ٹھہرائی کہ اگر اتنے سال میں رومی غالب آ گئے تو اتنا مال تمہیں دینا پڑے گا۔ یہ شرط مان لی گئی اور واقعہ قرآن کی خبر کے مطابق پیش آیا۔ تو ابوبکرؓ نے یہ مال وصول کیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے۔ آپؐ نے اس واقعہ پر اظہار مسرت فرمایا مگر مال کو صدقہ کرنے کا حکم دے دیا۔ ﴿تفسیر معارف مفتی اعظم﴾

فائدہ: شراب کے بارے میں سب سے پہلی آیت جو مکہ میں نازل ہوئی وہ یہ آیت ہے:

﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا﴾

اس آیت میں کھجور اور انگور سے فقط شراب بنانے کا ذکر ہے، ممانعت کا ذکر نہیں البتہ شراب کی کراہت اور ناپسندیدگی کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے۔ معلوم ہوا کہ جو چیز مسکر ہو وہ رزق حسن نہیں۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا واقعہ:

ایک روز عبدالرحمٰنؓ بن عوف کے ہاں مہمان آ گئے۔ انہوں نے ان کو شراب پلائی اور خود بھی پی جس سے نشہ ہوا اور مغرب کی نماز کا وقت آ گیا۔ کسی نے اسی حالت میں عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو امامت کے لئے آگے کر دیا۔ نماز میں ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ﴾ شروع کی اور ﴿اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ پڑھا اور اخیر تک اسی طرح بغیر لا پڑھتے چلے گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ اس آیت سے فقط نماز کے وقتوں میں نشہ حرام کر دیا گیا۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بعض لوگوں نے تو شراب کو بالکل چھوڑ دیا اور یہ کہا کہ ایسی چیز میں کوئی خیر اور بھلائی نہیں جو نماز سے روک دے اور بعض لوگ اوراوقات صلوٰۃ کے علاوہ دوسرے وقتوں میں شراب پیتے رہے۔ کوئی عشاء کی نماز کے بعد شراب پی لیتا تو صبح کی

نماز تک اس کا نشہ اتر جاتا اور کوئی صبح کی نماز کے بعد پیتا تو ظہر کی نماز تک اس کا نشہ اتر جاتا۔ اس کے بعد یہ واقعہ پیش آیا کہ ایک روز عتبان بن مالکؓ نے بہت سے آدمیوں کی دعوت کی۔ کھانے کے بعد اس قدر شراب پی گئی کہ لوگ مست ہو گئے اور نشہ کی حالت میں ایک دوسرے کو مارنے اور گالیاں دینے لگے اور ایک دوسرے کی مذمت میں اشعار پڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک انصاری نے اونٹ کا جبڑا لے کر سعد بن ابی وقاصؓ کے سر پر مارا، جس سے سعدؓ کا سر پھٹ گیا۔ اس حال کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے اللہ! شراب کے بارے میں کوئی صاف اور واضح حکم نازل فرما۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے سورۂ مائدہ کی یہ آیت نازل فرمائی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ

اس آیت میں صراحتاً شراب کی حرمت اور ممانعت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی یک لخت شراب کے تمام مٹکے توڑ دیئے گئے اور مدینہ کی گلی اور کوچوں میں شراب بہنے لگی اور تمام مسلمان شراب سے، فقط تائب ہی نہیں ہوئے بلکہ بیزار ہو گئے۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

خمر کیا ہے:

اس بارے میں علماء کا اختلاف ہے کہ خمر (کا لفظ جو قرآن شریف میں آیا ہے) کیا چیز ہے۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ خمر انگور کے کچے شیرہ کو کہتے ہیں۔ جس وقت اس میں نشہ ہو جائے اور جھاگوں سے ابل جائے (صاحبینؒ کے نزدیک جھاگوں سے ابلنے کی شرط نہیں ہے) امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد (تینوں) کا قول یہ ہے کہ جس شربت کا زیادہ پی لینا نشہ کرتا ہو وہی خمر ہے۔

ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ خمر خاص اسی کا نام ہے جس کو ہم نے ذکر کیا ہے اور یہی اہل لغت کے نزدیک مشہور رہے اور اسی وجہ سے (خاص) اسی شربت میں اس کا استعمال مشہور ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ اور نشہ کی چیزوں کے اور نام مشہور ہیں، جیسے مثلث، طلا منصف، باذق وغیرہ، اور لغت میں قیاس نہیں چلا کرتا۔ جمہور کا یہ قول ہے کہ لغت میں خمر اس چیز کا نام ہے جو عقل کو خبط کر دے۔ اور میرے نزدیک تحقیقی بات یہ ہے کہ خمر ایک ایسا لفظ ہے جو عام اور خاص کے درمیان میں مشترک ہے، یا تو حقیقی طور پر اور یا عموم مجاز کے طریقہ سے اور اس میں وہ عام ہی معنی مراد ہیں۔ حضرت عمر بن خطابؓ کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا کہ خمر کی حرمت نازل ہو گئی ہے اور خمر ان پانچ چیزوں سے بنتی ہے: انگور، کھجور، گیہوں، جو، شہد اور خمر اسی کو کہتے ہیں جو عقل کو خراب کر دے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

امام احمدؒ نے اپنی مسند میں ابن عمرؓ سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ گیہوں، جو، کھجور، کشمش، شہد ان سب چیزوں کی خمر ہوتی ہے۔ اور اسی بارے میں نعمان بن بشیرؓ سے بھی مرفوعاً اسی طرح مروی ہے۔ اس کو ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے نقل کیا ہے۔ اور امام احمد نے ایک روایت نقل کی ہے اس کے آخر میں یہ ہے (آنحضرت نے فرمایا) کہ نشہ کرنے والی ہر چیز سے میں منع کرتا ہوں۔ اور یہ بھی مروی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر نشہ کی چیز حرام ہے اور ہر نشہ کرنے والی چیز خمر ہے۔ یہ روایت مسلم نے نقل کی ہے اور حضرت انسؓ کہتے ہیں انگور، کھجور، شہد، جوار --- ان سب چیزوں سے خمر بنتی ہے اور جو ان میں سے نشہ لائے وہی خمر ہے۔ یہ روایت امام احمد نے نقل کی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ نشہ کی چیز خواہ تھوڑی ہو یا بہت سب حرام اور ناپاک ہے۔ اس کے پینے (کھانے) والے کو شریعت کے موافق سزا دی جائے گی، نہ اس کا بیچنا وغیرہ جائز ہے نہ اس کو تلف کر دینے والے پر اس کا تاوان لازم آتا ہے۔ ہاں اس اختلاف ہونے کی وجہ سے یہ فرق رہے گا کہ انگور کے کچے شیرہ کے علاوہ جو اور (گیہوں وغیرہ کی) شراب کو حلال سمجھے گا، اسے کافر نہ کہا جائے گا۔

حرام چیزوں سے شفاء حاصل کرنے کی اجازت نہیں ہے:

میں کہتا ہوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اشارہ کا کہ حرام چیزوں میں اللہ نے تمہارے لئے شفا نہیں رکھی۔ یہ مطلب نہیں کہ شفا ان میں پیدا ہی نہیں کی، کیونکہ یہ تو نص آیت کے خلاف ہے۔ اسکے علاوہ حرام ہونے سے خلقی اور جبلی فائدے نہیں بدل جایا کرتے۔ **لاتبدیل لخلق الله** بلکہ مقصود اس سے یہ ہے کہ حرام چیز سے شفا حاصل کرنے کی تمہیں اجازت نہیں دی گئی۔

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ خمر کے سوا تین قسم کی شرابیں حرام ہوتی ہیں۔ ایک ان میں سے طلاء ہے۔ یہ انگور کے شیرہ کی ہوتی ہے۔ جس وقت اتنی پکائی جائے کہ تہائی حصہ سے کم جل جائے اور اگر نصف جل جائے تو اسے منصف کہتے ہیں۔ یا اس سے کم جلے تو اسے باذق کہتے ہیں۔ جس وقت خوب جوش آ جائے اور جھاگ اٹھ کر ابلنے لگے۔ دوسری قسم سکر ہے۔ یہ شراب کھجور کے شربت سے بنائی جاتی ہے۔

جس وقت اس میں خوب جوش آ جائے اور جھاگ اٹھ کر ابلنے لگے۔ تیسری قسم کشمش کا شیرہ ہے، یہ کشمش کے کچے شیرہ سے بنائی جاتی ہے۔ جس وقت اس میں خوب جوش آ کر ویسے جھاگ اٹھنے لگیں۔

شراب کی نجاست:

پس یہ سب شرابیں ناپاک ہیں۔ ایک روایت میں نجاست خفیفہ ہیں اور دوسری میں نجاست غلیظہ ہیں۔ ان میں سے تھوڑی سی شراب بھی ایسی حرام ہے جیسے پیشاب حرام ہوتا ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد پہلے گزر چکا ہے کہ خمران دو درختوں سے بنائی جاتی ہے لیکن جب تک کہ نشہ نہ کرے اس کے پینے والے کو حد نہ لگائی جائے گی، کیونکہ اس کی حرمت اجتہادی ظنی ہے اور حدود شبہ سے جاتی رہتی ہیں۔

بھنگ:

فتاویٰ نسفی میں ہے کہ بھنگ پینا حرام ہے اور بھنگ باز کے طلاق دینے سے طلاق پڑ جاتی ہے اور جو اسے حلال سمجھے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کے پینے والے کے ایسی ہی حد لگائی جائے گی جیسے شرابی کے لگائی جاتی ہے۔

جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک آدمی یمن سے آیا۔ اس نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جوار کی شراب کو دریافت کیا (کہ حلال ہے یا نہیں) جس کو وہاں کے لوگ پیتے اور اسے مزر کہتے تھے۔ حضورؐ نے پوچھا کہ اس سے نشہ ہوتا ہے؟ عرض کیا ہاں۔ فرمایا نشہ کی ہر چیز حرام ہے۔ یہ روایت مسلم نے نقل کی ہے۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر نشہ کی چیز سے منع فرمایا ہے، خواہ تھوڑی ہو یا بہت ہو۔ یہ روایت نسائی، ابن حبان، بزار نے نقل کی ہے اور اس کے سب راوی صحیح ہیں۔ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز بہت سی نشہ لائے وہ تھوڑی سی بھی حرام ہے۔ یہ حدیث ترمذی نے نقل کر کے اسے صحیح کہا ہے۔ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی اس کو نقل کیا ہے۔ عائشہ صدیقہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا کہ جس شراب کا ایک فرق (یعنی بہت سا) پینا نشہ لائے اس میں سے ایک چلو بھر بھی پینا حرام ہے۔ یہ روایت امام احمدؒ نے نقل کی ہے اور ترمذی نے نقل کر کے اسے حسن کہا ہے۔ ابوداؤد اور ابن حبان نے بھی اپنی اپنی صحیح میں اس کو نقل کیا ہے۔

ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نشہ اور بے ہوش کرنے والی ہر چیز سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ یہ روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ ویلم حمیری کہتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ حضور ہم سرد ملک کے رہنے والے ہیں اور وہاں بڑی مشقت کے کام کرتے ہیں۔ اور ان کاموں کے کرنے کی طاقت آنے اور اس ملک کی سردی سے بچنے کی غرض سے اس گیہوں کی ہم شراب بنا لیتے ہیں۔ حضور نے پوچھا کہ اس میں نشہ ہوتا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں۔ فرمایا اس سے پرہیز کرو۔ میں نے کہا (حضور) لوگ اسے چھوڑنے کے نہیں۔ فرمایا اگر نہ چھوڑیں تو تم ان سے جہاد کرنا۔ یہ روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

امت محمدیہ اور شراب:

ابو مالک اشعری سے روایت ہے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ میری امت کے لوگ ضرور شراب خوری کریں گے اور اس کا نام اور رکھ لیں گے۔ یہ روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے۔

ایمان زائل کرنے والے گناہ:

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ نہ تو زانی زنا کرتے وقت مومن رہتا ہے اور نہ چور چوری کرتے وقت مؤمن رہتا ہے اور نہ شرابی شراب پیتے وقت مومن رہتا ہے، آخر حدیث تک۔ یہ حدیث بخاریؒ نے روایت کی ہے۔ ابن عمرؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ شراب خوری سب بے حیائیوں کی جڑ ہے اور سب کبیرہ گناہوں سے بڑا گناہ ہے۔ جس نے شراب پی لی اس نے نماز ترک کر دی (یعنی اس کی نماز نہیں ہوتی) اور اس نے اپنی ماں خالہ پھوپھی سے زنا کیا۔ یہ حدیث طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ روایت کی ہے۔

شراب پینے سے چالیس دن کی نمازیں مردود:

عبداللہ بن عمرؓ بن خطاب سے روایت ہے کہ جس نے شراب پی لی اس کی نماز چالیس روز تک اللہ تعالیٰ قبول نہیں کرتا۔ اگر پھر اس نے توبہ کر لی تو اللہ اس کی خطا کو معاف کر دیتا ہے اور اگر پھر پی تو پھر چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ پھر اگر توبہ کر لی تو پھر خدا اس کو معاف کر دیتا ہے اور تیسری مرتبہ بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ اور اگر چوتھی مرتبہ بھی پی لی تو پھر چالیس روز تک اس کی نماز قبول نہیں ہوتی۔ اب اگر توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول نہیں کرتا اور قیامت کے دن پیپ وغیرہ کی نہر سے اس کو پلایا جائے گا۔ یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ، دارمی نے نقل کی ہے۔

جنت میں نہ جانے والے:

ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کہ شراب سب برائیوں کی جڑ ہے۔ جس نے شراب پی اس کی نماز چالیس روز تک مقبول نہیں ہوتی۔ اگر وہ پی کر مر گیا تو جاہلیت کی موت مرا۔ یہ حدیث حسن سند کے ساتھ طبرانی نے نقل کی ہے۔ ابن عمرؓ ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ والدین کا نافرمان اور جواری اور احسان جتانے والا اور ہمیشہ شراب پینے والا بہشت میں نہ جائے گا۔ یہ حدیث دارمی نے روایت کی ہے۔ ابن عمرؓ ہی مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ تین آدمی ہیں جن پر اللہ نے بہشت حرام کردی ہے۔ ہمیشہ شراب پینے والا، والدین کا نافرمان، دیوث۔ یہ حدیث امام احمد اور نسائی نے روایت کی ہے۔

جواء:

بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ شطرنج عجم کے لوگوں کا جوا ہے۔ نرد اور شطرنج وغیرہ کے منع ہونے کے متعلق بریدہ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نردشیر سے کھیلا، گویا اس نے اپنا ہاتھ سور کے گوشت میں سان لیا۔

عبدان، ابوموسیٰ، ابن حزم نے حبہ بن مسلم سے مرسل روایت کی ہے کہ جو شخص شطرنج سے کھیلے وہ ملعون ہے اور اسے دیکھنے والا سور کا گوشت کھانے والے کے برابر ہوتا ہے۔ ابوموسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص نرد سے کھیلا اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ یہ حدیث امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کی ہے۔ ابوموسیٰ ہی سے روایت ہے کہ شطرنج سے سوائے گنہگار کے اور کوئی نہیں کھیلتا۔ اور ان ہی سے کسی نے شطرنج کی بابت پوچھا۔ فرمایا کہ یہ فعل باطل ہے اور باطل کو اللہ پاک پسند نہیں کرتا۔ یہ روایت بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے۔ ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ شراب، جوا، کوبہ تینوں سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔ یہ روایت ابوداؤد نے نقل کی ہے۔ ابن عباس سے بھی مرفوعاً اسی طرح مروی ہے۔ بعض کا قول یہ ہے کہ کوبہ طبلہ کو کہتے ہیں۔ یہ روایت بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہے۔ ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو کبوتر کے پیچھے بھاگتے دیکھ کر فرمایا کہ شیطان شیطان کے پیچھے جا رہا ہے۔ یہ حدیث امام احمد، ابوداؤد، ابن ماجہ نے اور شعب الایمان میں بیہقی نے نقل کی ہے۔ اور تحقیقی بات یہ ہے کہ کھیلنا خواہ کسی چیز کے ساتھ ہو بالاتفاق حرام ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

حدِ شرب اسی (۸۰) کوڑے ہونے کی حکمت:

چونکہ انسان میں سو برس تک زندہ رہنے کی حکمت پائی جاتی ہے اور ظاہر ہے کہ ابتداء عمر میں پندرہ برس سے پہلے پہلے اس کی عقل کا بوجہ ناقص رہنے کے تکالیف شرعیہ میں اکثر اعتبار نہیں ہوتا۔ جیسا کہ اگر اس کی سو برس کی عمر ہو تو اکثر قریب پانچ برس کے اس کی عقل نہایت ہی ضعیف ہو جایا کرتی ہے۔ اس بناء پر جو زمانہ اس کی عقل کے قوی قابل اعتبار اور کامل رہنے کا ہے صرف اَسّی برس رہ جاتا ہے۔ پس جو شخص کہ عقل ایسی چیز میں جو کہ بعد ایمان کے خدا تعالیٰ کی نہایت ہی عظیم نعمت ہے، شراب پی کر خلل اندازی کرے جس سے کہ عقل یا تو بالکل ہی جاتی رہتی ہے یا ضعیف ہو جاتی ہے۔ شریعت نے اس کی سزا اَسّی کوڑے مقرر کی ہے۔

پس گویا کہ جس مدت میں نعمتِ عقل پوری پوری پائی جاتی ہے اس کے ہر ہر سال کے عوض میں ایک ایک کوڑا اقرار دیا ہے۔ اور اس عدد سے شرابی کے لئے یہ اشارہ ہے کہ اے شراب پینے والے! اس مدت تک جو نعمت عقل تیرے پاس بخوبی پائی جاتی تو تُو نے شراب پی کر اس میں رخنہ اندازی کی۔ اسی لئے تجھ کو اتنے کوڑوں کی سزا دی گئی۔ ﴿رسالہ حمیدیہ﴾

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۥ قُلِ الْعَفْوَ ؕ
اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا خرچ کریں کہہ دے جو بچے اپنے خرچ سے

جو اپنے اخراجات سے فالتو ہو وہ خرچ کرو:

لوگوں نے پوچھا تھا کہ مال اللہ کے واسطے کس قدر خرچ کریں۔ حکم ہوا کہ جو اپنے اخراجات ضروری سے افزود (زائد) ہو، کیونکہ جیسا آخرت کا فکر ضروری ہے دنیا کا فکر بھی ضروری ہے۔ اگر سارا مال اٹھا ڈالو تو اپنی ضروریات کیونکر پوری کرو اور جو حقوق تم پر لازم ہیں ان کو کیونکر ادا کرو۔ معلوم نہیں کس کس خرابی دینی اور دنیوی میں پھنسو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا حضور! میرے پاس ایک دینار ہے۔ آپ نے فرمایا اپنے کام میں لاؤ۔ کہا میرے پاس ایک اور ہے۔ فرمایا اپنی بیوی پر خرچ کرو۔ کہا حضرت! ایک اور ہے۔ فرمایا اپنے بچوں کی ضروریات میں لگاؤ۔ کہا ایک اور بھی ہے۔ فرمایا اب تو آپ خوب دیکھ بھال سکتا ہے۔

افضل خیرات:

ایک اور حدیث ہے کہ سب سے افضل خیرات وہ ہے جو انسان اپنے خرچ کے مطابق باقی رکھ کر بچی ہوئی چیز کو راہِ للہ دے۔ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے افضل ہے۔ پہلے انہیں دے جن کا خرچ تیرے ذمہ ہے

----حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں زکوٰۃ کی آیت گویا اس آیت کی تفسیر اور اس کا واضح بیان ہے۔

حضرت حسنؒ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ جو غور و تدبر کرے گا جان لے گا کہ دنیا بلا کا گھر ہے اور اس کا انجام فنا ہے اور آخرت جزا کا گھر ہے اور بقا کا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے حکم
تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ
تاکہ تم فکر کرو دنیا و آخرت کی باتوں میں

غور وفکر سے کام لو:

یعنی دنیا فانی مگر محل حوائج ہے اور آخرت باقی اور دار ثواب ہے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر ہر ایک امر میں اس کے مناسب حال خرچ کرنا چاہئے او رمصلحت دنیا اور آخرت دونوں کو پیش نظر رکھنا مناسب ہے اور احکام کو واضح طور پر بیان فرمانے سے یہی مطلوب ہے کہ تم کو فکر کرنے کا موقع ملے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انفاق:

ابو ہریرہؓ کہتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میرے پاس اُحد پہاڑ کے برابر سونا ہو تو مجھے یہ اچھا معلوم ہوتا ہے کہ تین روز مجھ پر نہ گزریں کہ اس میں سے کچھ بھی میرے پاس رہے۔ ہاں فقط اتنا کہ جو قرض میں دینے کے لئے میں رکھ لوں یہ حدیث بخاری نے روایت کی ہے۔

روک کر نہ رکھو:

اسماءؓ کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (مجھ سے) فرمایا کہ خرچ کرو اور روک کر نہ رکھو، ورنہ اللہ تمہیں دینے سے روک لے گا اور نہ بند کر کے رکھو ورنہ اللہ تمہیں دینا بند کر دے گا۔ تم سے جہاں تک ہو سخاوت کرو۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

لوگوں کی مختلف حالتیں:

میں کہتا ہوں کہ احوال اور اشخاص کے مختلف ہونے کے باعث حکم بھی مختلف ہو جاتا ہے۔ پس جو شخص ایسا ہو کہ اپنا سارا مال خیرات کر دینے کے بعد لوگوں کے آگے ہاتھ پسارتا پھرنے لگے۔ اور فقر و فاقہ پر صبر نہ کر سکے تو اس کے لئے یہ جائز نہیں ہے (کہ اپنا سارا مال خیرات کر دے) اور جو شخص صبر کر سکے اور لوگوں کے حقوق بھی اس کے ذمہ نہ ہوں تو اس کے حق میں راہ خدا میں خرچ کرنا ہی افضل ہے اور لوگوں کے حقوق یعنی قرض اور متعلقین اور خادم کا خرچ اجنبی پر خیرات کرنے سے یقینی مقدم ہے کیونکہ وہ (نفقہ) فرض ہے اور یہ صدقہ نفل ہے۔

تم آخرت کی اولاد بنو:

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے آپ نے فرمایا کہ دنیا پیٹھ پھیرے جاتی ہے اور آخرت سامنے سے منہ کئے آتی ہے۔ اور ان دونوں کے اولاد ہے۔ پس تم آخرت کی اولاد ہو جاؤ اور دنیا کی اولاد نہ ہو۔

بہترین صدقہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بہتر صدقہ وہی ہے جو تونگری کے ساتھ ہو اور اپنے متعلقین سے دینا شروع کرے یعنی سب سے مقدم انہیں سمجھے۔ یہ حدیث بخاری، ابوداؤد، نسائی نے روایت کی ہے۔ حکیم بن حزام سے بھی اسی طرح مروی ہے اور وہ متفق علیہ ہے۔

وجوبِ انفاق کا سبب:

ہم کہتے ہیں خرچ کرنے کے واجب ہونے کا سبب فقط مال کا مالک ہونا ہے اور اس سے قدرتِ ممکنہ حاصل ہوتی ہے۔ کیونکہ شکر سے مراد یہی ہے کہ نعمت کو منعم کی رضا جوئی میں خرچ کیا جائے۔ نصاب اور بڑھوتری اور سال پورا ہونے کی شرط یہ محض اللہ تعالیٰ کی طرف سے فضل اور ایک قسم کی آسانی ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى
اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم

سببِ نزول:

بعض لوگ یتیم کے مال میں احتیاط نہ کرتے تھے تو اس پر حکم ہوا تھا کہ (وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ) اور (اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا) الخ۔ اس پر جو لوگ یتیموں کی پرورش کرتے تھے وہ ڈر گئے اور یتیموں کے کھانے اور خرچ کو بالکل جدا کر دیا۔ کیونکہ شرکت کی حالت میں یتیم کا مال کھانا پڑتا تھا۔ اس میں یہ دشواری ہوئی کہ ایک چیز یتیم کے واسطے تیار کی۔ اب جو کچھ بچتی وہ

خراب ہو جاتی اور پھینکنی پڑتی۔ اس احتیاط میں یتیموں کا نقصان ہونے لگا تو آپ سے عرض کیا۔ تو اس پر اب یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر عثانی)

قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ
کہہ دے سنوارنا ان کے کام کا بہتر ہے اور اگر ان کا خرچ ملا لو
فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ
تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے اور
الْمُصْلِحِ ؕ
سنوارنے والے کو

اصل مقصد یتیم کی خیر خواہی ہے:

یعنی مقصود تو صرف یہ بات ہے کہ یتیم کے مال کی درستی اور اصلاح ہو، سو جس موقع میں علیحدگی میں یتیم کا نفع ہو اس کو اختیار کرنا چاہئے اور جہاں شرکت میں بہتری نظر آئے تو ان کا خرچ شامل کر لو تو کچھ مضائقہ نہیں کہ ایک وقت ان کی چیز کھالی تو دوسرے وقت اپنی چیز ان کو کھلا دی۔ کیونکہ وہ یتیم بچے تمہارے دینی یا نسبی بھائی ہیں۔ اور بھائیوں میں شرکت اور کھانا اور کھلانا بے جا نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ یتیموں کی اصلاح کی رعایت پوری رہے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے کہ اس شرکت سے کس کو خیانت اور فساد مال یتیم مقصود ہے اور کس کو یتیموں کی اصلاح اور نفع رسانی منظور ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ
اور اگر اللہ چاہتا تو تم پر مشقت ڈالتا

مشقت ڈالتا یعنی کھانے پینے میں یتیموں کی شرکت علی وجہ الاصلاح بھی مباح نہ فرماتا یا یہ کہ بلا علم و بلا قصد مجبوراً بھی اگر کچھ کمی یا بیشی ہو جاتی تو اس پر بھی مواخذہ کرتا۔ (تفسیر عثانی)

اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾
بیشک اللہ زبردست ہے تدبیر والا

اللہ بھاری حکم دے سکتا ہے مگر پھر بھی ہلکا حکم دیا:

یعنی بھاری سے بھاری حکم دے سکتا ہے اس لئے کہ وہ زبردست ہے۔ لیکن ایسا نہ کیا بلکہ سہولت کا حکم دیا۔ اس لئے کہ وہ حکمت اور مصلحت کے موافق کرنے والا ہے۔ (تفسیر عثانی)

حضرت صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ یتیم کے ذرا ذرا سے مال کی اس طرح دیکھ بھال سخت مشکل ہے کہ اس کا کھانا الگ ہو، اس کا پینا الگ ہو۔ (قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ) سے تو یہی علیحدگی مراد ہے لیکن پھر (وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ) فرما کر کھانا پینا ملا جلا رکھنے کی اجازت دے دی گئی۔ اس لئے کہ وہ بھی دینی بھائی ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ
اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے
مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ
آئیں اور البتہ لونڈی مسلمان بہتر ہے مشرک بی بی سے اگرچہ وہ تم کو بھلی
وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ
لگے اور نکاح نہ کر دو مشرکین سے جب تک وہ ایمان نہ لے
وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ
آویں اور البتہ غلام مسلمان بہتر ہے مشرک سے اگرچہ وہ
اَعْجَبَكُمْ ؕ
تم کو بھلا لگے

مسلمان اور مشرک عورت کا نکاح ناجائز ہے:

پہلے مسلمان مرد اور کافر عورت اور اس کے برعکس دونوں صورتوں میں نکاح کی اجازت تھی۔ اس آیت سے اس کو منسوخ کر دیا گیا۔ اگر مرد یا عورت مشرک ہو تو اس کا نکاح مسلمان سے درست نہیں۔ یا نکاح کے بعد ایک مشرک ہو گیا تو نکاح سابق ٹوٹ جائے گا۔ اور شرک یہ کہ علم یا قدرت یا کسی اور صفت خداوندی میں کسی کو خدا کا مماثل سمجھے یا خدا کے مثل کسی کی تعظیم کرنے لگے مثلاً کسی کو سجدہ کرے یا کسی کو مختار سمجھ کر اس سے اپنی حاجت مانگے۔ باقی اتنی بات دیگر آیات سے معلوم ہوئی کہ یہود اور نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مرد کا نکاح درست ہے۔ وہ ان مشرکین میں داخل نہیں بشرطیکہ وہ اپنے دین پر قائم ہوں۔ دہریہ اور ملحد نہ ہوں۔ جیسے اکثر نصاریٰ آجکل کے نظر آتے ہیں۔ خلاصہ تمام آیت کا یہ ہے کہ مسلمان مرد کو مشرک عورت سے نکاح کرنا درست نہیں تاوقتیکہ مسلمان نہ ہو جائے۔ بے شک لونڈی مسلمان کافر عورت سے بہتر ہے۔ گو وہ آزاد بی بی ہی کیوں نہ ہو۔

اگر چہ مشرک بی بی بسبب مال اور جمال اور شرافت کے تم کو پسند آئے۔ اور ایسے ہی مسلمان عورت کا نکاح مشرک مرد سے نہ کرو۔ مسلمان غلام بھی مشرک سے بہت بہتر ہے۔ گو وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو۔ اگر چہ مشرک مرد بسبب صورت اور دولت کے تم کو پسند ہوں۔ یعنی مسلمان ادنیٰ سے ادنیٰ بھی مشرک سے بہت افضل ہے۔ گو وہ اعلیٰ سے اعلیٰ ہی کیوں نہ ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

انتخابِ عورت کے چار اسباب:

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں دیکھ کر عورتوں سے نکاح کیا جاتا ہے۔ ایک تو مال، دوسرے حسب نسب، تیسرے جمال و خوبصورتی، چوتھے دین۔ تم دینداری ٹٹولو۔ مسلم شریف میں ہے دنیا کل کی کل ایک متاع ہے۔ متاعِ دنیا میں سب سے افضل چیز نیک بخت عورت ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ:

ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ عبداللہ بن رواحہ کی ایک بدصورت لونڈی تھی۔ ایک دن عبداللہ نے اس پر خفا ہو کر اس کے طمانچہ مار دیا (لیکن) پھر گھبرائے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر یہ قصہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا۔ آپ نے پوچھا کہ عبداللہ! اس کی حالت کیا ہے؟ عرض کیا وہ کلمہ پڑھتی ہے اشھد ان لا الہ الا اللہ وانک رسول اللہ اور رمضان شریف کے روزے رکھتی ہے، اچھی طرح وضو کرتی ہے، نماز پڑھتی ہے۔ حضرت نے فرمایا پھر وہ تو مومنہ ہے۔ عبداللہ بولے یا رسول اللہ! قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے۔ میں اسے آزاد کر کے اس سے اپنا نکاح کر لوں گا۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ بعض مسلمانوں نے ان کو طعنہ دیا اور کہا کہ کیا لونڈی سے شادی کرتے ہو اور ایک حرہ مشرکہ عورت ان کو دکھلائی (کہ اس سے شادی کر لو) اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور بطورِ قیاس کے اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ خوش اخلاق نیک بخت عورت اگر چہ کنگال، بدصورت ہو نکاح کرنے میں اس عورت سے بہتر ہے جو بدکار بداخلاق ہو اگر چہ یہ دولت مند خوبصورت ہو۔

عبداللہ بن عمروؓ سے مرفوعاً مروی ہے کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے) فرمایا دنیا ایک پونجی ہے اور اس کی بہتر پونجی نیک بخت عورت ہے۔ یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے ---- ابو سعید خدریؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ عورتوں سے بچتے رہنا کیونکہ بنی اسرائیل میں اول تباہی عورتوں ہی کے ذریعہ سے آئی تھی۔ یہ روایت مسلم نے نقل کی ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

اہل کتاب عورت سے نکاح:

اہل کتاب یہود و نصاریٰ کی عورتوں سے مسلمان مردوں کو نکاح کی اجازت کے بھی معنی یہ ہیں کہ اگر نکاح کر لیا جائے تو نکاح صحیح ہو جائے گا، اولاد ثابت النسب ہوگی۔ لیکن روایاتِ حدیث اس پر شاہد ہیں کہ یہ نکاح بھی پسندیدہ نہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمان کو اپنے نکاح کے لئے دیندار صالحہ عورت تلاش کرنی چاہئے، تاکہ خود اس کے لئے بھی دین میں معین ثابت ہو، اور اس کی اولاد کو بھی دیندار ہونے کا موقع میسر آئے اور جب غیر متدین مسلمان عورت سے نکاح پسند نہیں کیا گیا تو کسی غیر مسلم سے کیسے پسند کیا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت فاروق اعظمؓ کو جب خبر پہنچی کہ عراق و شام کے مسلمانوں میں کچھ ایسے ازدواج کی کثرت ہونے لگی تو بذریعہ فرمان ان کو اس سے روک دیا گیا اور اس پر توجہ دلائی گئی کہ یہ ازدواجی تعلق دیانتاً بھی مسلم گھرانوں کے لئے خرابی کا سبب ہے اور سیاستاً بھی (کتاب الآثار للامام محمدؒ)

آج کے اہل کتاب:

آج کے غیر مسلم اہل کتاب یہود و نصاریٰ اور ان کے سیاسی مکر و فریب اور سیاسی شادیاں اور مسلم گھرانوں میں داخل ہو کر ان کو اپنی طرف مائل کرنا اور ان کے راز حاصل کرنا وغیرہ جس کا اقرار خود بعض مسیحی مصنفین کی کتابوں میں میجر جنرل اکبر کی کتاب ''حدیث دفاع'' میں اس کی کچھ تفصیلات حوالوں کے ساتھ مذکور ہیں۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فاروق اعظمؓ کی دوربین نظریں ان واقعات کو دیکھ رہی تھیں، خصوصاً اس زمانہ کے یورپ کے اکثر وہ لوگ جو عیسائی یا یہودی کہلائے جاتے ہیں۔ اور مردم شماری کے رجسٹروں میں ان کی قومیت عیسائی یا یہودی لکھی جاتی ہے۔ اگر ان کے حالات کی تحقیق کی جائے تو ان میں بکثرت ایسے لوگ ملیں گے جن کو عیسائیت اور یہودیت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ بالکل ملحد بے دین ہیں، نہ عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں نہ انجیل کو، نہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان ہے نہ تورات پر نہ خدا تعالیٰ پر نہ آخرت پر۔ ظاہر ہے کہ حلتِ نکاح کا قرآنی حکم ایسے لوگوں کو شامل نہیں۔ ان کی عورتوں سے نکاح قطعاً حرام ہے۔ ایسے لوگ ظاہر ہے کہ آیت قرآن: ''(وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ) کے استثناء میں داخل نہیں ہوتے۔ غیر مسلموں کی طرح ان کی عورتوں کے ساتھ نکاح بھی قطعاً حرام ہے۔ (معارف مفتی اعظمؒ)

شان نزول

بغوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابومرثد غنویؓ کو اس لئے مکہ بھیجا کہ وہاں سے مسلمانوں کو پوشیدہ طور پر نکال لائیں۔ جب یہ مکہ پہنچے تو ایک مشرکہ عورت نے جس کا نام عناق تھا اور جاہلیت کے زمانے میں وہ ان کی آشنا تھی ان کی آمد کی خبر سن پائی۔ وہ ان کے پاس آئی اور کہنے لگی اے ابومرثد! کیا تم مجھ سے خلوت نہیں کرتے۔ انہوں نے فرمایا کم بخت عناق! مجھے اسلام نے ایسی باتوں سے روک دیا ہے۔ وہ بولی اچھا تم مجھ سے نکاح کر سکتے ہو۔ انہوں نے کہا ہاں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت لوں گا۔ اس نے کہا کیا تم مجھ سے نخرے کرتے ہو۔ اتنا کہتے ہی دہائی مچادی۔ مشرکوں نے آ کر ابومرثد کو بے انتہا مارا۔ پھر چھوڑ کر چلے گئے۔ جب ابو مرثد مکہ آنے کا کام پورا کر چکے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے تو جو کچھ ان کا اور عناق کا قصہ ہوا تھا سب آپ سے بیان کر دیا۔ اور پوچھا یا رسول اللہ! کیا اس سے نکاح کرنا میرے لئے جائز ہے؟ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ اگلی آیت نازل فرمائی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

أُولَٰٓئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ ۖ
وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف

مشرک عورت کے ساتھ نکاح:

یعنی مشرکین اور مشرکات جن کا ذکر ہوا ان کے اقوال، ان کے افعال، ان کی محبت، ان کے ساتھ اختلاط کرنا، شرک کی نفرت اور اس کی برائی کو دل سے کم کرتا ہے اور شرک کی طرف رغبت کا باعث ہوتا ہے، جس کا انجام دوزخ ہے۔ اس لئے ایسوں کے ساتھ نکاح کرنے سے اجتناب کلی لازم ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاللَّهُ يَدْعُوٓا إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ
اور اللہ بلاتا ہے جنت کی اور بخشش کی طرف
بِإِذْنِهِۦ ۖ وَيُبَيِّنُ ءَايَٰتِهِۦ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ
اپنے حکم سے اور بتلاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں
يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۲۱﴾ وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ
اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا

قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي
کہہ دے وہ گندگی ہے سو تم الگ رہو عورتوں سے
الْمَحِيضِ ۙ
حیض کے وقت

حالتِ حیض کا حکم:

کہتے ہیں اس خون کو جو عورتوں کی عادت ہے۔

اس حالت میں مجامعت کرنا نماز روزہ سب حرام ہیں اور خلاف عادت جو خون آئے وہ بیماری ہے۔ اس میں مجامعت، نماز، روزہ سب درست ہیں۔ اس کا حال ایسا ہے جیسا زخم یا فصد سے خون نکلنے کا۔ یہود اور مجوس حالتِ حیض میں عورت کے ساتھ کھانے اور ایک گھر میں رہنے کو بھی جائز نہ سمجھتے تھے اور نصاریٰ مجامعت سے بھی پرہیز نہ کرتے تھے۔ آپ سے پوچھا گیا تو اس پر یہ آیت اتری۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر صاف فرمادیا کہ مجامعت اس حالت میں حرام ہے اور ان کے ساتھ کھانا پینا رہنا سہنا سب درست ہیں۔ یہود کا افراط اور نصاریٰ کی تفریط دونوں مردود ہوگئیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

حائضہ بیوی کے ساتھ کھانا پینا جائز ہے:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھویا کرتی۔ آپ میری گود میں ٹیک لگا کر لیٹ کر قرآن شریف کی تلاوت فرماتے حالانکہ میں حیض سے ہوتی تھی۔ میں ہڈی چوستی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی ہڈی کو وہیں منہ لگا کر چوستے تھے۔ میں پانی پیتی تھی پھر گلاس آپ کو دیتی، آپ بھی وہیں منہ لگا کر اسی گلاس سے وہی پانی پیتے اور میں اس وقت حائضہ ہوتی تھی۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

حدیث میں آیا ہے کہ ایک عورت نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ عورتوں کے دین میں کیا کمی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھتی نہیں ہو کہ جب حیض آتا ہے تو روزہ نماز کچھ نہیں کر سکتیں۔ اس حدیث کو بخاری و مسلم نے روایت کیا ہے ---- حضرت عائشہ صدیقہؓ سے مروی ہے، فرماتی ہیں کہ میں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم دونوں ناپاکی کی حالت میں ایک برتن سے نہا لیتے تھے اور بعض اوقات میں ناپاک ہوتی تو حضرت مجھے تہبند باندھ لینے کو فرماتے اور جب میں باندھ لیتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس لیٹ جاتے تھے۔ اور اعتکاف کی حالت میں مسجد

سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم باہر سر نکال دیتے تو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سر دھو دیتی تھی۔ یہ روایت متفق علیہ ہے---- اور فرماتی ہیں کہ میں پانی پی کر پیالہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتی تھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر پانی پی لیتے تھے۔ اسی طرح میں ایک ہڈی کو چوس کر آپ کو دے دیتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے منہ کی جگہ منہ لگا کر اسے چوس لیتے تھے۔ یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔ اور فرماتی ہیں کہ میری ناپاکی کی حالت میں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم میری گود میں سر رکھ لیتے اور پھر قرآن شریف پڑھتے رہتے تھے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ اور فرماتی ہیں کہ ایک روز حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں سے مجھ سے فرمایا بوریا اٹھا دو۔ میں نے کہا ناپاک ہوں۔ فرمایا تمہارے ہاتھ میں ناپاکی نہیں ہے۔ یہ حدیث مسلمؒ نے نقل کی ہے---- ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسی چادر میں نماز پڑھ لیتے تھے کہ کچھ ان پر ہوتی تھی اور کچھ مجھ پر اور میں ناپاک ہوتی تھی۔ یہ روایت متفق علیہ ہے---- حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں ایام سے ہوئی تو میں نے وہی ایام کے کپڑے پہن لئے۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کیا تمہیں ایام آ گئے ہیں؟ میں نے کہا ہاں۔ پھر آپ نے مجھے اپنی چادر میں لے لیا۔ یہ روایت بخاریؒ نے نقل کی ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ
اور نزدیک نہ ہو ان کے جب تک پاک نہ ہوویں

حیض سے پاک ہونے کی وضاحت:

پاک ہونے میں یہ تفصیل ہے کہ اگر حیض اپنی پوری مدت یعنی دس دن پر موقوف ہوا تو اسی وقت سے مجامعت درست ہے اور اگر دس دن سے پہلے ختم ہو گیا مثلاً چھ روز کے بعد اور عورت کی عادت بھی چھ روز کی تھی تو مجامعت خون کے موقوف ہوتے ہی درست نہیں۔ بلکہ جب عورت غسل کر لے یا نماز کا وقت ختم ہو جائے تو اس کے بعد مجامعت درست ہوگی۔ اور اگر عورت کی عادت سے سات یا آٹھ دن کی تھی تو ان دنوں کے پورا کرنے کے بعد مجامعت درست ہوگی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ
پھر جب خوب پاک ہو جاویں تو جاؤ ان کے پاس جہاں سے حکم

اَمَرَكُمُ اللّٰهُ
دیا تم کو اللہ نے

لواطت حرام ہے:

جس موقع سے مجامعت کی اجازت دی ہے یعنی آگے کی راہ سے کہ جہاں سے بچہ پیدا ہوتا ہے دوسرا موقع یعنی لواطت حرام ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ
بیشک اللہ کو پسند آتے ہیں توبہ کرنیوالے اور پسند آتے ہیں گندگی
الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿٢٢٢﴾
سے بچنے والے

جو توبہ کرتے ہیں گناہ سے جو ان سے اتفاقیہ صادر ہوا مثلاً حالت حیض میں وطی کا مرتکب ہوا اور ناپاکی یعنی گناہوں اور وطی حالتِ حیض اور وطی موقع نجس سے احتراز کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ
تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں سو جاؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو

شانِ نزول:

عورت کی پشت کی طرف ہو کر وطی کرنے کو ممنوع کہتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے کہ اس سے بچہ احول (بھینگا) پیدا ہوتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا تو اس پر یہ آیت اتری، یعنی تمہاری عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ کھیتی کے ہیں جس میں نطفہ بجائے تخم اور عورت بمنزلہ پیداوار کے ہے۔ یعنی اس سے مقصود اصلی صرف نسل کا باقی رکھنا اور اولاد کا پیدا ہونا ہے۔ سو تم کو اختیار ہے آگے سے یا کروٹ سے یا پسِ پشت سے پڑ کر یا بیٹھ کر جس طرح چاہو مجامعت کرو، مگر یہ ضرور ہے کہ تخم ریزی اسی خاص موقع میں ہو جہاں پیداواری کی امید ہو، یعنی مجامعت خاص فرج ہی میں ہو۔ لواطت ہرگز ہرگز نہ ہو۔ یہود کا خیال غلط ہے کہ اس سے بچہ احول پیدا ہوتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

کھیتی سے تشبیہ کی غرض:

(نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ) (تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں) یعنی تمہارے کھیتوں کی جگہ ہیں۔ کھیتوں کے ساتھ انہیں اس لئے تشبیہ دی ہے کہ ان کے رحموں میں جو نطفے ڈالے جاتے ہیں وہ تخموں کے مشابہ ہیں۔

غرض اس سے یہ ہے کہ عورتوں سے صحبت کرنا محض نسل باقی رکھنے کے لئے تمہارے واسطے مباح کر دیا گیا ہے۔

انصاریہ خواتین کا ایک خیال اور اس کی تردید:

قریش کے قبیلہ کے لوگ عورتوں کو خوب چرتے تھے اور کبھی سیدھی کبھی الٹی کبھی چت لٹا کے خوب ان سے مزے لیتے تھے---- امام احمد نے عبدالرحمٰن بن ثابتؓ سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں میں عبدالرحمٰن کی بیٹی حفصہؓ کے پاس گیا۔ میں نے کہا میں تم سے ایک مسئلہ پوچھنا چاہتا ہوں، لیکن تم سے پوچھتے ہوئے مجھے شرم آتی ہے۔ کہنے لگیں بھتیجے شرم نہ کرو، ''پوچھو''۔ میں نے کہا عورتوں کی دبر میں وطی کرنے کو پوچھتا ہوں۔ فرمایا یہود کہا کرتے تھے جو کوئی عورت کو پھیر کے وطی کرے تو اس کا بچہ بھینگا ہوگا۔ پھر جب مہاجر لوگ مدینہ منورہ میں مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو انصار کی عورتوں سے ان کی شادیاں ہونے لگیں۔ اور انہوں نے عورتوں کو پھیر کے وطی کی تو ایک عورت نے اپنے میاں کا کہا ماننے سے انکار کر دیا۔ اس نے کہا کہ جب تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ آ جائیں ہم اس طرح نہ کرائیں گے۔ پھر میں ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئی اور ان سے یہ قصہ میں نے ذکر کیا۔ وہ بولیں بیٹھ جاؤ۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آنے دو، دریافت کر لیں گے۔ جب حضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو اس انصاریہ کو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے ہوئے شرم آئی۔ وہ تو نکل کے چلی گئی۔ اور ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ قصہ بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس انصاریہ کو بلا لو۔ وہ بلائی گئی تو اس کے آنے پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھ کر اسے سنائی کہ: (نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ) یعنی راستہ تو ایک ہی ہے اور اس میں جس طرح چاہے کر لیا کرو۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

دبر میں وطی کی سزا:

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایسے شخص کی طرف رحمت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا جو عورت کی دبر میں وطی کرے۔ اس روایت کو امام احمد اور ابوداؤدؒ نے نقل کیا ہے۔

جو جگہ حرث (کھیتی) کے قابل نہیں یعنی پیچھے کی جانب اس جگہ کو تم کو جانے کی ہرگز ہرگز اجازت نہیں۔ پیچھے کی جانب سے آنا یہ قوم لوط کا عمل ہے جس پر قہر خداوندی نازل ہوا---- حدیث میں ہے: ملعون من اتی امرأۃ فی دبرھا (ترجمہ) ''ملعون ہے وہ شخص کہ جو عورت کی دبر میں وطی کرے۔'' (رواہ احمد وابوداؤد)

ایک اور حدیث میں ہے کہ جس نے حالتِ حیض میں وطی کی یا دبر کی جانب میں صحبت کی یا کسی کاہن اور نجومی کے پاس گیا اور اس کی تصدیق کی تو اس شخص نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ احکام کا کفر کیا۔ (رواہ الترمذی) -- مطلب یہ ہے کہ نکاح سے مقصود اولاد ہے۔ جیسے کھیت سے مطلوب پیداوار ہوتی اور ظاہر ہے کہ اغلام سے اولاد کا تولد ناممکن ہے۔ چنانچہ ترغیب نکاح کے بارے میں جو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مشہور ہے اس میں یہ جملہ ہے کہ **مکاثر بکم الامم** یعنی میں امت کی کثرت پر فخر کروں گا معلوم ہوا کہ ترغیب نکاح سے اولاد کی کثرت مطلوب ہے جس سے حضور پرنور کو قیامت کے دن سامانِ افتخار ہاتھ آئے گا اور یہ یاد رکھو کہ تم کو صحبت کی اجازت محض لذت کیلئے نہیں دی گئی بلکہ مقصود یہ ہے کہ اس لذت کو ذریعہ آخرت بناؤ۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

بیوی سے سلوک:

حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک شخص نے پوچھا ہم اپنی عورتوں کے ساتھ کیا آئیں اور کیا چھوڑیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ تیری کھیتی ہے جس طرح چاہو آ۔ ہاں اس کے منہ پر نہ مار۔ زیادہ برا نہ کہہ۔ اس سے روٹھ کر الگ نہ ہو جا۔ ایک ہی گھر میں رہ اٹھ۔ (احمد وسنن)

جماع سے پہلے کی دُعاء:

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی مطلب ہے کہ جب جماع کا ارادہ کرے تو یہ دعا پڑھے: بِسْمِ اللّٰهِ اللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطٰنَ وَجَنِّبِ الشَّيْطٰنَ مَا رَزَقْتَنَا۔ یعنی خدایا تو ہمیں اور ہماری اولاد کو شیطان سے بچا لے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر اس جماع سے نطفہ قرار پکڑ گیا تو اس بچے کو شیطان ہرگز کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ
اور آگے کی تدبیر کرو اپنے واسطے

صالح عمل اور صالح اولاد مطلوب ہے:

یعنی اعمالِ صالحہ اپنے لئے کرتے رہو یا یہ کہ وطی سے اولادِ صالحہ مطلوب ہونی چاہئے۔ محض حظ نفس مقصود نہ ہو۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ وَبَشِّرِ
اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم کو اس سے ملنا ہے اور خوشخبری سنا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً

ایمان والوں کو اور مت بناؤ اللہ کے نام کو نشانہ اپنی

لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا

قسمیں کھانے کیلئے کہ سلوک کرنے سے اور پرہیزگاری سے اور

بَيْنَ النَّاسِ ؕ

لوگوں میں صلح کرانے سے بچ جاؤ

گناہ کی قسم کو توڑ کر کفارہ دینا واجب ہے:

کسی اچھے کام نہ کرنے پر خدا کی قسم کھا بیٹھے، مثلاً ماں باپ سے نہ بولوں گا یا فقیر کو کچھ نہ دوں گا۔ یا باہم کسی میں مصالحت نہ کراؤں گا۔ ایسی قسموں میں خدا کے نام کو برے کاموں کے لئے ذریعہ بنانا ہوا۔ سو ایسا ہرگز مت کرو۔ اور اگر کسی نے ایسی قسم کھائی تو اس کا توڑنا اور کفارہ دینا واجب ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

اللہ سب کی سنتا اور جانتا ہے:

اگر کوئی قسم کھاتا ہے تو اللہ اس کو سنتا ہے۔ اور اگر کوئی عظمت وجلال خداوندی کی وجہ سے قسم کھانے سے رکتا ہے تو اللہ اس کی نیت کو خوب جانتا ہے۔ تمہاری کوئی بات ظاہری و باطنی اس سے مخفی نہیں۔ اس لئے ہیئت قلبی اور قول لسانی دونوں میں احتیاط لازم ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ

نہیں پکڑتا تم کو اللہ بیہودہ قسموں پر تمہاری

لغو اور بیہودہ قسم:

لغو اور بے ہودہ قسم وہ ہے کہ منہ سے عادت اور عرف کے موافق بے ساختہ اور ناخواستہ نکل جائے اور دل کو خبر تک نہ ہو۔ ایسی قسم کا نہ کفارہ ہے نہ اس میں گناہ ہے، البتہ اگر کوئی بالقصد الفاظ قسم مثل واللہ اور باللہ کہے اور اس سے محض تاکید مقصود ہو قسم کا قصد نہ ہو تو اس پر کفارہ لازم ہوگا اور کفارہ کا بیان آگے آجائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لغو قسم کے دو معانی ہیں۔ ایک تو یہ کہ کسی گزری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی۔ یا نکلی تو ارادے سے مگر اس کو اپنے گمان میں صحیح سمجھتا ہے، جیسے اپنے علم و گمان کے مطابق قسم کھا بیٹھا کہ زید آ گیا ہے اور واقعہ میں وہ نہ آیا تھا۔ یا آئندہ بات پر اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا چاہتا تھا کچھ اور بے ارادہ منہ سے قسم نکل گئی۔ اس میں گناہ نہیں ہوتا اور اس کو اسی واسطے لغو کہتے ہیں۔ آخرت میں اس پر مواخذہ نہیں ہوگا اور اس کے مقابلہ میں جس پر مواخذہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے یہ وہ قسم ہے جو قصداً جھوٹی سمجھ کر کھائی ہو۔ اس کو غموس کہتے ہیں۔ اس میں گناہ ہوتا ہے۔ مگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفارہ نہیں آتا۔ اور لغو بالمعنی المذکور میں بدرجہ اولی کفارہ نہیں۔ اس آیت میں انہی دونوں کا بیان ہے جن میں کفارہ نہیں۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ

لیکن پکڑتا ہے تم کو ان قسموں پر کہ جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے

عمداً کھائی ہوئی قسم:

یعنی جو قسم جان بوجھ کر کھائے کہ جس میں دل بھی زبان کے موافق ہو اس قسم کے توڑنے پر کفارہ لازم ہوگا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنیوالا ہے

اللہ بخشنے والا اور حلیم ہے:

غفور ہے کہ لغو اور بے ہودہ قسموں پر مواخذہ نہ فرمایا۔ حلیم ہے کہ مواخذہ میں جلدی نہیں فرماتا شاید بندہ توبہ کرلے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اگر وہ چاہے تو توبہ سے یا بلا توبہ بھی کبیرہ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور یہ مغفرت اور بردباری کا وعدہ بظاہر اس آیت کی طرف راجع ہے کہ (لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ) کیونکہ رفتار کلام لغو قسم ہی کی بابت ہے اور یمین غموس اس کے تابع ہونے کے طور پر ذکر کردی گئی ہے۔ اس پر بخاری کی وہ روایت جو انہوں نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے نقل کی ہے دلالت کرتی ہے کہ انہوں نے فرمایا آیت (لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ) ایسے شخص کے بارے میں نازل کی گئی ہے جو کہتا تھا لَا وَاللّٰهِ وَبِاللّٰهِ وَاللّٰهِ. وَاللّٰهُ اَعْلَمُ.

یمین کا معنی:

جاننا چاہئے کہ یمین کے معنی اصل میں قوت کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا

ہے (لَاَخَذْنَا مِنْهُ بِالْيَمِيْنِ) ،مثلاً تم نے یہ کہا قسم ہے اللہ کی محمد بے شک اللہ کے رسول ہیں اور قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ اسمیں کوئی شک نہیں اور آفتاب یقیناً نکلا ہوا ہے۔ تو اسمیں کسی قسم کا کلام نہیں ہے کہ ایسی قسم بے شک عبادت ہے۔ اسی واسطے اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھانی جائز نہیں۔

اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ:

ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنا کہ جس نے اللہ کے سوا اور کسی کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اپنے باپ دادوں اور ماؤں اور بتوں کی قسمیں ہرگز نہ کھایا کرو اور اللہ کی بھی قسم نہ کھاؤ، ہاں اگر تم سچے ہو۔ یہ حدیث ابوداؤد اور نسائی نے نقل کی ہے۔

تین چیزیں جن کا مزاح بھی سچ ہے:

آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے: یعنی تین چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو سچ مچ کہنا تو سچ مچ ہوتا ہی ہے۔ لیکن ان کو ہنسی سے کہنا بھی سچ مچ ہی ہوتا ہے (وہ تینوں یہ ہیں) نکاح، طلاق، قسم۔ یہ حدیث صحیح ہے، حاکم نے صحیح کہا ہے۔

لغو کی وضاحت:

لغو قسم کی تفسیر میں امام ابو حنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی شے پر یہ سمجھ کر قسم کھالے کہ میں اس میں سچا ہوں۔ پھر اسے اس کے خلاف ظاہر ہو تو اس کو لغو کہا جائے گا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

حضرت ابوبکرؓ کا قسم کھانا:

ابوبکر صدیقؓ نے قسم کھائی تھی کہ میں مسطح کو خرچ نہ دوں گا، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ابوبکر صدیقؓ نے مسطح کا وظیفہ دو چند کر دیا۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ

جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کیلئے مہلت

اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰهَ

ہے چار مہینے کی پھر اگر باہم مل گئے تو اللہ

غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ

بخشنے والا مہربان ہے اور اگر ٹھہرالیا چھوڑ دینے کو

فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۷﴾

تو بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے

بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم (ایلاء):

یعنی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں اپنی عورت کے پاس نہ جاؤں گا تو اگر چار مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو قسم کا کفارہ دے گا اور عورت اس کے نکاح میں رہے گی۔ اور اگر چار مہینے گزر گئے اور اس کے پاس نہ گیا تو عورت پر طلاق بائن ہو جائے گی۔

فائدہ: ایلاء شرع میں اس کو کہتے ہیں کہ عورت کے پاس جانے سے چار مہینے یا زائد کیلئے یا بلا قید مدت قسم کھالے اور چار مہینے سے کم ایلاء نہ ہوگا۔ ایلاء کی تینوں صورتوں میں چار مہینے کے اندر عورت کے پاس جائے گا تو کفارہ قسم کا دینا پڑے گا، ورنہ چار ماہ کے ختم پر بلا طلاق دیئے عورت مطلقہ بائنہ ہو جائے گی۔ اور اگر چار مہینے سے کم پر قسم کھائے مثلاً قسم کھائی کہ تین مہینے عورت کے پاس نہ جاؤں گا تو یہ ایلاء شرعی نہیں۔ اس کا یہ حکم ہے کہ اگر قسم کو توڑا مثلاً صورت مذکورہ میں تین مہینے کے اندر عورت کے پاس گیا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا اور اگر قسم کو پورا کیا یعنی تین مہینے تک مثلاً اس کے پاس نہ گیا تو نہ عورت پر طلاق پڑے گی نہ کفارہ لازم ہوگا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

خاوند ہی زیادہ حقدار ہے:

امام محمد بن حسنؒ موطا میں فرماتے ہیں کہ ہم سے عیسیٰ بن ابی عیسیٰ خیاط نے انہوں نے شعبی سے، شعبی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیرہ صحابہ سے روایت کی ہے۔ وہ سب کے سب یہ فرماتے تھے کہ مرد اپنی بیوی کا سب سے زیادہ حقدار ہے، یہاں تک کہ وہ تیسرے حیض سے (پاک ہوکر) غسل کرلے، واللہ اعلم۔

رجوع کرنے کا طریقہ:

امام ابو حنیفہؒ اور امام احمدؒ کا قول یہ ہے کہ جب خاوند نے اس سے صحبت کرلی یا اس کا بوسہ لے لیا یا شہوت سے اسے ہاتھ لگا دیا یا شہوت سے اس کی شرمگاہ کو دیکھ لیا تو ان سب سے رجعت ہو جائے گی۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا واقعہ:

ابن عمرؓ کی اس روایت کی وجہ سے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دے دی تھی، پھر حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سنتے ہی غصہ میں بھر گئے۔ پھر فرمایا کہ اسے چاہئے کہ عورت سے رجوع کرلے یہاں تک کہ وہ پاک

ہوجائے، پھراسے حیض آئے پھر پاک ہوجائے۔ اسکے بعد اگر طلاق ہی دینی ہوتو طہر کی حالت میں ہاتھ لگانے سے پہلے پہلے طلاق دیدے۔ پس یہی وہ عدت (اوروقت) ہے جسمیں عورتوں کو طلاق دینے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ یہ روایت متفق علیہ ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

دَورِ جاہلیت کے ظلم کا انسداد:

عرب کا یہ دستور تھا کہ جب بیوی سے خفا ہوتے تو یہ قسم کھا لیتے کہ میں اب تیرے پاس نہ آؤں گا۔ جاہلیت میں عورت کے ستانے کا یہ ایک طریق تھا۔ اس سے نہ عورت بیوہ ہوتی اور نہ خاوند والی۔ شریعت اسلامیہ نے اس کی ایک حد اور مدت متعین کردی یعنی چار ماہ۔ اگر اس مدت میں رجوع کرلیا تو نکاح باقی رہے گا۔ اور اگر اس مدت میں رجوع نہ کیا تو طلاق بائن پڑجائے گی۔

ایلاء والا کب تک رجوع کرسکتا ہے:

امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک اگر ایلاء کرنے والا چار ماہ گزرنے کے بعد فوراً رجوع کرے تو وہ رجوع معتبر ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر چار مہینے کے اندر اندر رجوع کرے تو معتبر ہے، چار ماہ گزرنے کے بعد رجوع کا اعتبار نہیں ---- امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک رجوع کیلئے فقط اتنا کافی ہے کہ کہے میں نے رجوع کرلیا۔ ﴿معارف کاندھلوی﴾

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ
اور طلاق والی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو
ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ
تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں
مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ
جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ
يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور پچھلے دن پر

عدّت ضروری ہے:

جب مرد نے عورت کو طلاق دی تو بھی اس عورت کو کسی دوسرے سے نکاح روا نہیں جب تک تین حیض پورے نہ ہوجائیں تا کہ حمل ہو تو معلوم ہوجائے اور کسی کی اولاد کسی کو نہ مل جائے اس لئے عورت پر فرض ہے کہ جو ان کے پیٹ میں ہو اس کو ظاہر کردیں خواہ حمل ہو یا حیض آتا ہو، اور اس مدت کو عدت کہتے ہیں۔ فائدہ: معلوم کرنا چاہئے کہ یہاں مطلقات سے خاص وہ عورتیں مراد ہیں کہ ان سے نکاح کے بعد صحبت یا خلوت شرعیہ کی نوبت خاوند کو آچکی ہو اور ان عورتوں کو حیض بھی آتا ہو اور آزاد بھی ہوں کسی کی لونڈی نہ ہوں کیونکہ جس عورت سے صحبت یا خلوت کی نوبت نہ آئے اس کے اوپر طلاق کے بعد عدت بالکل نہیں اور جس عورت کو حیض نہ آئے مثلاً صغیرسن ہے یا بہت بوڑھی ہوگئی یا اس کو حمل ہے تو پہلی دونوں صورتوں میں اس کی عدت تین مہینے ہیں اور حاملہ کی عدت وضع حمل ہے اور جو عورت آزاد نہ ہو بلکہ کسی کی شرعی قاعدہ کے موافق لونڈی ہو اگر اس کو حیض آتا ہو تو اس کی عدت دو حیض اور حیض نہ آئے تو اگر وہ صغیرہ یا بڑھیا ہے تو اس کی عدت ڈیڑھ مہینہ ہے اور حاملہ ہے تو وہی وضع حمل ہے دوسری آیتوں اور حدیثوں سے یہ تفصیل ثابت ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ
اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں
اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ
اگر چاہیں سلوک سے رہنا

خاوند اصلاح کی نیت سے رجوع کرسکتا ہے:

یعنی عدت کے اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر رکھ لے اگرچہ عورت کی خوشی نہ ہو مگر اس لوٹانے سے مقصود سلوک اور اصلاح ہو۔ عورت کو ستانا یا اس دباؤ میں اس سے مہر کا معاف کرانا منظور نہ ہو یہ ظلم ہے اگر ایسا کریگا گنہگار ہوگا گو رجعت بھی صحیح ہوجائے گی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ص
اور عورتوں کا بھی حق ہے جیسا کہ مردوں کا ان پر حق ہے دستور کے
وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ
موافق اور مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے

مرد اور عورت دونوں کے حقوق ہیں:

یعنی یہ امر تو حق ہے کہ جیسے مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں ایسے ہی

عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں جن کا قاعدہ کے موافق ادا کرنا ہر ایک پر ضروری ہے تو اب مرد کو عورت کے ساتھ بدسلوکی اور اس کی ہر قسم کی حق تلفی ممنوع ہوگی مگر یہ بھی ہے کہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت اور فوقیت ہے تو اس لئے رجعت میں اختیار مرد ہی کو دیا گیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

خطبہ حجۃ الوداع میں بیان کئے گئے عورتوں کے حقوق:

صحیح مسلم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے اپنے خطبہ میں فرمایا، لوگو! عورتوں کے بارے میں اللہ سے ڈرتے رہو۔ تم نے اللہ کی امانت سے انہیں لے لیا ہے اور اللہ کے کلمہ سے ان کی شرمگاہوں کو اپنے لئے حلال کیا ہے۔ عورتوں پر تمہارا یہ حق ہے کہ وہ تمہارے فرش پر کسی ایسے کو نہ آنے دیں جس سے تم ناراض ہو۔ اگر وہ ایسا کریں تو انہیں مارو لیکن ایسی مار نہ ہو کہ ظاہر ہو۔ ان کا تم پر یہ حق ہے کہ انہیں اپنی بساط کے مطابق کھلاؤ پلاؤ، پہناؤ اڑھاؤ، ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ ہماری عورتوں کے ہم پر کیا حق ہیں؟ آپؐ نے فرمایا جب تم کھاؤ تو اسے بھی کھلاؤ جب تم پہنو تو اسے بھی پہناؤ، اس کے منہ پر نہ مارو اسے گالیاں نہ دو اس سے روٹھ کر اور کہیں نہ بھیجدو، ہاں گھر میں ہی رکھو، اسی آیت کو پڑھ کر حضرت ابن عباسؓ فرمایا کرتے تھے کہ میں پسند کرتا ہوں کہ اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لئے میں بھی اپنی زینت کروں جس طرح وہ مجھے خوش کرنے کے لئے اپنا بناؤ سنگھار کرتی ہے۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

بیوی سے غلام جیسا سلوک نہ کرو:

اور عبداللہ بن زمعہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کوئی تم میں سے اپنی بیوی کو اس طرح نہ مارا کرے جس طرح غلام کو مارتے ہیں۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

سب سے اچھا آدمی:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم سب میں اچھا وہی ہے جو اپنے اہل سے اچھی طرح رہے اور میں تم سب سے اپنے اہل سے اچھی طرح رہتا ہوں۔ یہ حدیث ترمذی اور دارمی نے نقل کی ہے اور ابن ماجہ نے بھی ابن عباسؓ سے نقل کی ہے۔

عورتوں کے ساتھ بھلائی کرو:

ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ عورتوں کے ساتھ بھلائی کرنے میں تم میری وصیت یاد رکھنا۔ کیونکہ عورتیں پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور پسلی میں زیادہ ٹیڑھا پن اوپر کی طرف ہوتا ہے پس اگر تم اسے سیدھا کرنا چاہو گے تو توڑ بیٹھو گے اور اگر چھوڑ دو گے تو ہمیشہ ٹیڑھی ہی رہے گی۔ لہٰذا ان کے بارے میں میری وصیت یاد رکھنا۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

طلاق والی اپنا حیض اور حمل نہ چھپائیں:

طلاق والی عورتوں کے لئے یہ جائز نہیں کہ اپنے حیض یا حمل کو چھپائیں کہ کسی طرح عدت جلدی پوری ہو جائے یا شوہر کو طلاق رجعی میں رجعت کا حق باقی نہ رہے۔

رجوع کرنے کی شرط:

شوہروں کو طلاق دینے کے بعد رجعت کی اجازت اس شرط کے ساتھ دی گئی ہے کہ ان کا مقصود اس رجعت سے اصلاح اور خیر خواہی ہو جاہلیت کی طرح عورتوں کو ستانا اور پریشان کرنا مقصود نہ ہو یا اس طریق سے مہر کا معاف کرانا منظور نہ ہو۔ ستانے کی نیت سے رجعت اگرچہ صحیح ہے لیکن اس نیت سے رجعت کرنا گناہ ہے اور باعث سزا ہے (اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا) کی قید اور شرط اجازت خداوندی کی شرط ہے صحت رجعت کی شرط نہیں۔ رجعت ہر حال میں صحیح ہے۔

عورتوں کو طلاق کا اختیار نہ دینا رحمت ہے:

عورتیں کچھ تو کم عقل ہیں اور کچھ جلد باز اور بے صبری ہیں ان کے ہاتھ میں اگر طلاق اور رجعت کا اختیار دیدیا جاتا تو ہر شہر میں روزانہ ہزار طلاقیں پڑا کرتیں۔ اور پھر جب طلاق دینے کے بعد کچھ ہوش آتا اور اپنا اور اپنے بچوں کا انجام نظروں کے سامنے آتا تو سر پیٹتیں اور روتیں۔ عورتوں کو اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ اختیار نہیں دیا کیونکہ یہ اختیار ان کی تباہی کا باعث ہوتا۔ بچوں اور عورتوں کی خیر خواہی اسی میں ہے کہ ان کو اختیار نہ دیا جائے۔

مختلف حالات میں مختلف عدتیں:

(وَالْمُطَلَّقٰتُ) سے وہ خاص عورتیں مراد ہیں جو آزاد ہوں لونڈی اور باندی نہ ہوں اور ان کو حیض بھی آتا ہو۔ نابالغ یا حاملہ نہ ہوں۔ اور ان سے صحبت یا خلوت صحیحہ بھی ہو چکی ہو جن عورتوں میں یہ صفات پائی جائیں ان کی عدت تین حیض ہے اور اگر آزاد نہ ہوں بلکہ لونڈی اور باندی ہوں تو ان کی عدت دو حیض ہے اور ان کی طلاقیں بھی دو ہیں۔ اور اگر مطلقہ صغیر سن ہو

یا بہت بوڑھی ہوگئی کہ حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت تین ماہ ہے۔ اور اگر حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے اور اگر صحبت یا خلوت صحیحہ سے پہلے ہی اس کو طلاق دیدی گئی تو اس پر عدت نہیں۔

مختلف قسم کی طلاقوں کا حکم:

طلاق رجعی میں رجعت ہوسکتی ہے اور طلاق بائن میں اسی شوہر سے تجدید نکاح ہوسکتی ہے اور تیسری طلاق کے بعد اسی شوہر سے تجدید نکاح بھی جائز نہیں جب تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے اور وہ اس کو طلاق دے تب شوہر اول سے تجدید نکاح ہوسکتی ہے۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٢٨﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ
اور اللہ زبردست ہے تدبیر والا طلاق رجعی ہے
فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ
دوبار تک اس کے بعد رکھ لینا موافق دستور کے یا چھوڑ دینا بھلی طرح سے

جاہلانہ طریقہ کی منسوخی:

اسلام سے پہلے دستور تھا کہ دس بیس جتنی بار چاہتے زوجہ کو طلاق دیتے مگر عدت کے ختم ہونے سے پہلے رجعت کر لیتے پھر جب چاہتے طلاق دیتے اور رجعت کر لیتے اور اس صورت سے بعض شخص عورتوں کو اسی طرح بہت ستاتے اور اس واسطے یہ آیت اتری کہ طلاق جس میں رجعت ہو سکے کل دوبار ہے ایک یا دو طلاق تک تو اختیار دیا گیا کہ عدت کے اندر مرد چاہے تو عورت کو پھر دستور کے موافق رکھ لے یا بھلی طرح سے چھوڑ دے پھر بعد عدت کے رجعت باقی نہیں رہتی ہاں اگر دونوں راضی ہوں تو دوبارہ نکاح کر سکتے ہیں اور اگر تیسری بار طلاق دے گا تو پھر ان میں نکاح بھی درست نہیں ہوگا جب تک دوسرا خاوند اس سے نکاح کر کے صحبت نہ کر لیوے۔

فائدہ: (فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ) سے غرض یہ ہے کہ رجعت کرے تو موافقت اور حسن معاشرت کے ساتھ رہے عورت کو قید میں رکھنا اور ستانا مقصود نہ ہو جیسا کہ ان میں دستور تھا ورنہ سہولت اور عمدگی کے ساتھ اس کو رخصت کرے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

مسئلہ: یکبارگی تین طلاقیں دینا بدعت اور حرام ہے اور ہر طہر میں ایک ایک طلاق دینا (فَاِنْ طَلَّقَهَا) الآیۃ کی وجہ سے جائز اور مباح ہے۔ اور ان سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو طلاق دینے پر مجبور ہی ہو جاوے تو ایک طلاق دیدے پھر اگر رجعت کرنے کا ارادہ نہ ہو تو اسے ویسے ہی رہنے دے یہاں تک کہ اس کی عدت پوری ہو جائے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مباح چیزوں میں طلاق دینی سب سے زیادہ بری ہے اور ضرورت ایک ہی کے دینے سے پوری ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جادو کی برائی میں فرمایا ہے:

میاں بیوی میں جدائی سب سے بُرا کام ہے:

"(فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ) (یعنی لوگ ان دونوں ہاروت ماروت سے ایسا جادو سیکھتے ہیں جس سے میاں بیوی میں جدائی کرا دیں) اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی میں جدائی کرا دینا بہت بری بات ہے حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابلیس اپنا تخت پانی پر بچھا کر بیٹھ جاتا ہے اور اپنے گرگوں کو لوگوں میں فساد پھیلانے کے لئے بھیجدیتا ہے اور ان سب میں اس کا بڑا مقرب وہ ہوتا ہے جس نے فساد زیادہ پھیلایا ہو ایک آکر کہتا ہے کہ میں نے ایسا ایسا کیا ہے۔ ابلیس کہتا ہے تو نے کچھ نہیں کیا دوسرا آکر کہتا ہے کہ میں ایک شخص کے ایسا پیچھے پڑا کہ اس کے اور اس کی بیوی کے درمیان میں جدائی کرا کے چھوڑی پس اس سے ابلیس کہتا ہے کہ ہاں بس کام تو تو نے کیا ہے۔

اَعمش کہتے ہیں میرا خیال ہے کہ حضرت جابرؓ نے یہ بھی فرمایا کہ ابلیس اس کو اپنی چھاتی سے لگالیتا ہے یہ حدیث مسلم نے نقل کی ہے۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

تین طلاق کا حکم:

مُحلّی ابن حزم میں اور زاد المعاد اور اغاثۃ اللہفان لابن القیم میں اور سنن بیہقی میں حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کا باسانید صحیحہ یہ قول نقل کیا ہے کہ تین طلاق دینے سے عورت مغلظہ بائنہ ہو جاتی ہے بدون حلالہ کے اس سے نکاح صحیح نہیں شیخ ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ خلفاء اور عبادلہ سے صراحۃً یہ ثابت ہے کہ تین طلاق دینے سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

تین طلاقیں دینے سے تین ہی ہوتی ہیں:

امام ابوحنیفہ اور امام مالک اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کہ جن کی تقلید اور اتباع پر سوائے چند ظاہر ین اور خود رائے لوگوں کے امت محمدیہؐ کے علماء اور فقہاء اور محدثین اور مفسرین متفق ہیں ان کا متفقہ اور اجماعی فتویٰ یہ ہے کہ تین طلاقیں دینے سے تین ہی طلاق واقع ہوتی ہیں۔

حضرت عمرؓ کے عہد خلافت میں تمام فقہاء صحابہ کے مشورہ اور اتفاق سے یہ حکم دیا گیا کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دیگا وہ تین ہی شمار ہوں گی اور جو

اس کے خلاف کرے گا اس پر درے پڑیں گے اور سخت سزا کا مستوجب ہوگا۔ اور حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت ابن عباسؓ کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ تفصیل کیلئے بخاری شریف اور ہدایہ کی شروح کی مراجعت کی جائے۔

نصیحت: مسلمانوں کو چاہئے کہ تین طلاق کے بارہ میں کتاب و سنت اور اجماع صحابہ اور اجماع ائمہ اربعہ کا اتباع کریں اس زمانہ کے چند مدعیان عمل بالحدیث کے کہنے سے حرام کے مرتکب نہ ہوں اور اپنے نسب کو خراب نہ کریں جو شخص اجماع صحابہ کو حجت نہ سمجھے وہ اہل سنت والجماعت سے نہیں۔ ﴿معارف کاندھلویؒ﴾

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ
اور تم کو روا نہیں کہ لے لو کچھ اپنا دیا ہوا عورتوں سے مگر جب کہ خاوند
شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ
عورت دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے حکم اللہ کا

دیا ہوا مہر واپس نہ کرو:

یعنی مردوں کو یہ روا نہیں کہ عورتوں کو جو مہر دیا ہے اسکو طلاق کے بدلہ میں واپس لینے لگیں البتہ یہ جب روا ہے کہ ناچاری ہو اور کسی طرح دونوں میں موافقت نہ آئے اور انکو اس بات کا اندیشہ ہو کہ بوجہ شدت مخالفت ہم احکام خداوندی کی پابندی معاشرت باہمی میں نہ کر سکیں گے اور مرد کی طرف سے ادائے حقوق زوجیہ میں قصور بھی نہ ہو ورنہ مال لینا زوج کو حرام ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اگر زیادتی عورت کی طرف سے ہو تو دیا ہوا واپس لینا جائز ہے:

اصحاب ابوحنیفہؒ کا قول ہے کہ اگر قصور اور ضرر رسانی عورت کی طرف سے ہو تو خاوند کو جائز ہے کہ جو اس نے دیا ہے واپس لے لے لیکن اس سے زیادہ لینا جائز نہیں گو زیادہ لے لے تو بھی قضا کے وقت جائز ہوگا۔ اگر خاوند کی اپنی جانب سے زیادتی ہو تو اسے کچھ لینا جائز نہیں گو لے لے تو قضاء جائز ہوگا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

خلع طلاق ہے:

امام ابوحنیفہؒ امام مالکؒ اور مشہور قول امام شافعیؒ کا یہ ہے کہ خلع طلاق ہے۔

بلا مجبوری طلاق کا مطالبہ حرام ہے:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو عورت بلا کسی خوف کی بات کے اپنے خاوند سے طلاق مانگے تو اس پر جنت کی خوشبو بھی حرام ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ
پھر اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کا
عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ
حکم تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس میں کہ عورت بدلہ دیکر چھوٹ جاوے

خلع: یعنی اے مسلمانوں اگر تم کو یہ ڈر ہو کہ خاوند اور بیوی میں ایسی بیزاری ہے کہ ان کی گذران موافقت سے نہ ہوگی تو پھر ان دونوں پر کچھ گناہ نہیں کہ عورت مال دے کر اپنے آپ کو نکاح سے چھڑا لے اور مرد وہ مال لے لے اس کو خلع کہتے ہیں اور جب اس ضرورت کی حالت میں زوجین کو خلع کرنا درست ہوا تو سب مسلمانوں کو اس میں سعی کرنی ضرور درست ہوگی۔

فائدہ: ایک عورت آپ کی خدمت میں آئی اور عرض کیا کہ میں اپنے خاوند سے ناخوش ہوں اور اس کے یہاں رہنا نہیں چاہتی آپؐ نے تحقیق کیا تو عورت نے کہا کہ وہ میرے حقوق میں کوتاہی نہیں کرتا اور نہ اس کے اخلاق و تدین پر مجھ کو اعتراض ہے لیکن مجھ کو اس سے منافرت طبعی ہے آپؐ نے عورت سے مہر واپس کرا دیا اور زوج سے طلاق دلوا دی اس پر یہ آیت اتری۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ
یہ اللہ کی باندھی ہوئی حدیں ہیں سو ان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی
يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾
بڑھ چلے اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے سو وہی لوگ ہیں ظالم

یہ سب احکام اللہ تعالیٰ کے مقرر فرمودہ ہیں:

یہ سب احکام مذکورہ یعنی طلاق اور رجعت اور خلع حدود اور قواعد مقرر فرمودۂ حق تعالیٰ ہیں ان کی پوری پابندی لازم ہے کسی قسم کا خلاف اور تغیر اور کوتاہی ان میں نہ کرنی چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ
پھر اگر اس عورت کو طلاق دی یعنی تیسری بار تو اب حلال نہیں اس
حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا
کو وہ عورت اس کے بعد جب تک نکاح نہ کرے کسی خاوند سے اس

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ

کے سوا، پھر اگر طلاق دیدے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر کہ

اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ

پھر باہم مل جاویں اگر خیال کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کا حکم اور یہ حدیں

اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

باندھی ہوئی ہیں اللہ کی بیان فرماتا ہے ان کو واسطے جاننے والوں کے

تین طلاق کے بعد واپسی کی صورت:

یعنی اگر زوج اپنی عورت کو تیسری بار طلاق دیگا تو پھر وہ عورت اس کے لئے حلال نہ ہوگی تا وقتیکہ وہ عورت دوسرے شخص سے نکاح نہ کر لے اور دوسرا خاوند اس سے صحبت کر کے اپنی خوشی سے طلاق نہ دیوے اس کی عدت پوری کر کے پھر زوج اول سے نکاح جدید ہوسکتا ہے اسکو حلالہ کہتے ہیں اور حلالہ کے بعد زوج اول کے ساتھ نکاح ہونا جب ہی ہے کہ ان کو حکم خداوندی کے قائم رکھنے یعنی ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کا خیال اور اس پر اعتماد ہو ورنہ ضرور نزاع باہمی اور اتلاف حقوق کی نوبت آئے گی اور گناہ میں مبتلا ہونگے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اسلام سے پہلے معاشرہ میں عورت کا درجہ

اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں تمام دنیا کی اقوام میں جاری تھا کہ عورت کی حیثیت گھریلو استعمال کی اشیاء سے زیادہ نہ تھی، چوپاؤں کی طرح اس کی خرید وفروخت ہوتی تھی، اس کو اپنی شادی بیاہ میں کسی قسم کا کوئی اختیار نہ تھا، اس کے اولیاء جس کے حوالے کر دیتے وہاں جانا پڑتا تھا، عورت کو اپنے رشتہ داروں کی میراث میں کوئی حصہ نہ ملتا تھا بلکہ وہ خود گھریلو اشیاء کی طرح مال وراثت سمجھی جاتی تھی، وہ مردوں کی ملکیت تصور کی جاتی تھی، اس کی ملکیت کسی چیز پر نہ تھی، اور جو چیزیں عورت کی ملکیت کہلاتی تھی ان میں اس کو مرد کی اجازت کے بغیر کسی قسم کے تصرف کا کوئی اختیار نہ تھا ہاں اس کے شوہر کو ہر قسم کا اختیار تھا کہ اس کے مال کو جہاں چاہے اور جس طرح چاہے خرچ کر ڈالے، اور اس کو پوچھنے کا بھی کوئی حق نہیں تھا، یہاں تک کہ یورپ کے وہ ممالک جو آج کل دنیا کے سب سے زیادہ متمدن ملک سمجھے جاتے ہیں ان میں بعض لوگ اس حد کو پہنچے ہوئے تھے کہ عورت کے انسان ہونے کو بھی تسلیم نہ کرتے تھے۔

عورت کے لئے دین ومذہب میں کوئی حصہ نہ تھا نہ اس کو عبادت کے قابل سمجھا جاتا تھا نہ جنت کے، روما کی بعض مجلسوں میں باہمی مشورہ سے یہ طے کیا گیا تھا کہ وہ ایک ناپاک جانور ہے جس میں روح نہیں عام طور پر باپ کے لئے لڑکی کا قتل بلکہ زندہ درگور کر دینا جائز سمجھا جاتا تھا۔

بعض لوگوں کا یہ خیال تھا کہ عورت کو کوئی بھی قتل کر دے نہ تو اس پر قصاص واجب ہے نہ خوں بہا، اور اگر شوہر مر جائے تو بیوی کو بھی اس کی لاش کے ساتھ جلا کر ستھی کر دیا جاتا تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت کے بعد اور آپ کی نبوت سے پہلے ۵۸۶ء میں فرانس نے عورت پر یہ احسان کیا کہ بہت سے اختلافات کے بعد یہ قرارداد پاس کی کہ عورت ہے تو انسان مگر وہ صرف مرد کی خدمت کے لئے پیدا کی گئی ہے۔

الغرض پوری دنیا اور اس میں بسنے والے تمام اقوام و مذاہب نے عورت کے ساتھ یہ برتاؤ کیا تھا کہ جس کو سن کر بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، اس بیچاری مخلوق کے لئے نہ کہیں عقل ودانش سے کام لیا جاتا تھا، نہ عدل وانصاف سے۔

عورت کے بارے میں اسلامی تعلیمات:

قربان جایئے رحمتہ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے لائے ہوئے دین حق کے جس نے دنیا کی آنکھیں کھولیں، انسان کو انسان کی قدر کرنا سکھلایا، عدل وانصاف کا قانون جاری کیا، عورتوں کے حقوق مردوں پر ایسے ہی لازم کئے جیسے عورتوں پر مردوں کے حقوق ہیں، اس کو آزاد وخود مختار بنایا وہ اپنی جان ومال کی ایسی ہی مالک قرار دی گئی جیسے مرد کوئی شخص خواہ باپ دادا ہی ہو بالغ عورت کو کسی شخص کے ساتھ نکاح پر مجبور نہیں کر سکتا، اور اگر بلا اس کی اجازت کے نکاح کر دیا جائے تو وہ اس کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، اگر نامنظور کر دے تو باطل ہو جاتا ہے، اس کے اموال میں کسی مرد کو بغیر اس کی رضا واجازت کے کسی تصرف کا کوئی حق نہیں، شوہر کے مرنے یا طلاق دینے کے بعد وہ خود مختار ہے کوئی اس پر جبر نہیں کر سکتا، اپنے رشتہ داروں کی میراث میں اس کو بھی حصہ ملتا ہے جیسا اس پر خرچ کرنے اور اس کے راضی رکھنے کو شریعت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عبادت قرار دیا، شوہر اس کے حقوق واجبہ ادا نہ کرے تو وہ اسلامی عدالت کے ذریعہ اس کو ادا حقوق پر ورنہ طلاق پر مجبور کر سکتی ہے۔

علاوہ ازیں مردوں کی سیادت ونگرانی سے نکل کر عورت پورے انسانی معاشرہ کے لئے خطرہ عظیم ہے جس سے دنیا میں فساد وخوں ریزی اور طرح طرح کے فتنے پیدا ہونا لازمی اور روزمرہ کا مشاہدہ ہے، اس لئے قرآن کریم

نے عورتوں کے حقوق واجبہ کے بیان کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ (وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ) یعنی مردوں کا درجہ عورتوں سے بڑھا ہوا ہے، اور دوسرے لفظوں میں یہ کہ مرد ان کے نگراں اور ذمہ دار ہیں۔

نام نہاد مہذب قوموں کا حال:

مگر جس طرح اسلام سے پہلے جاہلیت اولی میں اقوام عالم سب اس غلطی کا شکار تھیں کہ عورتوں کو ایک گھریلو سامان یا چوپایہ کی حیثیت میں رکھا ہوا تھا، اسی طرح اسلام کے زمانہ انحطاط میں جاہلیت اخریٰ کا دور شروع ہوا، اس میں پہلی غلطی کا ردعمل اس کے بالمقابل دوسری غلطی کی صورت میں کیا جا رہا ہے، کہ عورتوں پر مردوں کی اتنی سیادت سے بھی چھٹکارا حاصل کرنے اور کرانے کی سعی مسلسل جاری ہے، جس کے نتیجے میں فحاشی و بے حیائی عام ہوگئی، دنیا جھگڑوں اور فساد کا گھر بن گئی، قتل و خوں ریزی کی اتنی کثرت ہوگئی کہ جاہلیت اولی کو مات دیدی، عرب کا مشہور مقولہ ہے کہ اَلْجَاهِلُ اِمَّا مُفْرِطٌ اَوْمُفَرِّطٌ. یعنی جاہل آدمی کبھی اعتدال پر نہیں رہتا، اگر افراط یعنی حد سے زیادہ کرنے سے باز آجاتا ہے تو کوتاہی اور تقصیر میں مبتلا ہو جاتا ہے۔۔۔ یہی حال اس وقت ابنائے زمانہ کا ہے کہ یا تو عورت کو انسان کہنے اور سمجھنے کے لئے بھی تیار نہ تھے اور آگے بڑھے تو یہاں تک پہنچے کہ مردوں کی سیادت و نگرانی جو مردوں، عورتوں اور پوری دنیا کے لئے عین حکمت و مصلحت ہے، اس کا جوا بھی گردن سے اتارا جا رہا ہے۔ جس کے نتائج بدروزانہ آنکھوں کے سامنے آرہے ہیں، اور یقین کیجئے کہ جب تک وہ قرآن کے اس ارشاد کے سامنے نہ جھکیں گے ایسے فتنے روز بڑھتے رہیں گے۔

قیام امن کے قوانین کی ناکامی کی وجہ:

آج کی حکومتیں دنیا میں قیام امن کے لئے روز نئے نئے قانون بناتی ہیں، اس کے لئے نئے نئے ادارے قائم کرتی ہیں، کروڑوں روپیہ ان پر صرف ہوتا ہے، لیکن فتنے جس چشمے سے پھوٹ رہے ہیں اس کی طرف دھیان نہیں دیتیں۔ اگر آج کوئی کمیشن اس تحقیق کے لئے بٹھایا جائے کہ فساد اور خوں ریزی اور باہمی جنگ و جدل کے اسباب کی تحقیق کرے تو خیال یہ ہے کہ پچاس فیصد سے زائد ایسے جرائم کا سبب عورت اور اس کی بے مہار آزادی نکلے گی، مگر آج کی دنیا میں نفس پرستی کے غلبہ نے بڑے بڑے حکماء کی آنکھوں کو خیرہ کیا ہوا ہے، خواہشات نفسانی کے خلاف کسی مصلحانہ قدغن کو گوارا نہیں کیا جاتا، اللہ تعالی ہمارے قلوب کو نور ایمان سے منور فرمائیں۔ ﴿معارف القرآن﴾

حقوق کی جنگ کا علاج:

ہر شخص اپنے حقوق کا مطالبہ تو سامنے رکھتا ہے مگر اپنے فرائض کی ادائیگی سے غافل ہے۔ اس کا نتیجہ مطالبہ حقوق کی جنگ ہوتی ہے جو آج کل عام طور پر حکومتوں اور عوام میں زوجین میں اور دوسرے اہل معاملہ میں چلی ہوئی ہے، قرآن کریم کے اس اشارہ نے معاملہ کے رخ کو یوں بدلا ہے کہ ہر شخص کو چاہئے کہ اپنے فرائض پورا کرنے کا اہتمام کرے اور اپنے حقوق کے معاملہ میں مساہلت اور عفو و درگذر سے کام لے، اگر اس قرآنی تعلیم پر دنیا میں عمل ہونے لگے تو گھروں اور خاندانوں کے بلکہ ملکوں اور حکومتوں کے بیشتر نزاعات ختم ہو جائیں۔

نکاح کی اہمیت وحیثیت:

نکاح کی ایک حیثیت تو ایک باہمی معاملے اور معاہدے کی ہے، جیسے بیع و شراء لین دین کے معاملات ہوتے ہیں، دوسری حیثیت ایک سنت اور عبادت کی ہے اس پر تو تمام امت کا اتفاق ہے کہ نکاح عام معاملات و معاہدات سے بالاتر ایک حیثیت شرعی عبادت و سنت کی رکھتا ہے، اسی لئے نکاح کے منعقد ہونے کے لئے باجماع امت کچھ ایسی شرائط ضروری ہیں جو عام معاملات بیع و شراء میں نہیں ہوتیں۔

اول تو یہ کہ ہر عورت سے اور ہر مرد سے نکاح نہیں ہوسکتا، اس میں شریعت کا ایک مستقل قانون ہے، جس کے تحت بہت سی عورتوں اور مردوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

دوسرے تمام معاملات و معاہدات کے منعقد اور مکمل ہونے کے لئے کوئی گواہی شرط نہیں، گواہی کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب فریقین میں اختلاف ہو جائے، لیکن نکاح ایسا معاملہ نہیں، یہاں اس کے منعقد ہونے کے لئے بھی گواہوں کا سامنے ہونا شرط ہے، اگر مرد و عورت بغیر دو گواہوں کے آپس میں نکاح کر لیں اور دونوں میں کوئی فریق کبھی اختلاف و انکار بھی نہ کرے اس وقت بھی شرعاً وہ نکاح باطل کالعدم ہے جب تک گواہوں کے سامنے دونوں کا ایجاب و قبول نہ ہو، اور سنت یہ ہے کہ نکاح اعلان عام کے ساتھ کیا جائے اسی طرح کی اور بہت سی شرائط اور آداب ہیں، جو معاملہ نکاح کے لئے ضروری یا مسنون ہیں۔

امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بہت سے دوسرے حضرات ائمہ کے نزدیک تو نکاح میں معاملہ اور معاہدہ کی حیثیت سے زیادہ عبادت و سنت کی حیثیت غالب ہے، اور قرآن و سنت کے شواہد اس پر قائم ہیں، اسلامی تعلیمات کا اصل رخ یہ ہے کہ نکاح کا معاملہ اور معاہدہ عمر بھر کے لئے ہو، اس کے توڑنے اور ختم کرنے کی کبھی نوبت ہی نہ آئے۔

طلاق کے بارے میں اسلام کی تعلیمات:

مرد کو طلاق کا آزادانہ اختیار تو دے دیا مگر اول تو یہ کہہ دیا کہ اس اختیار کا استعمال کرنا اللہ کے نزدیک بہت مبغوض و مکروہ ہے، صرف مجبوری کی حالت میں اجازت ہے، حدیث میں ارشاد نبوی ہے:

اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَی اللّٰهِ الطَّلَاقُ

''یعنی حلال چیزوں میں سب سے زیادہ مبغوض اور مکروہ اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔''

دوسری پابندی یہ لگائی کہ حالت غیظ و غضب میں یا کسی وقتی اور ہنگامی ناگواری میں اس اختیار کو استعمال نہ کریں اسی حکمت کے ماتحت حالت حیض میں طلاق دینے کو ممنوع قرار دیا، اور حالت طہر میں بھی جس طہر میں صحبت و ہمبستری ہو چکی ہے اس میں طلاق دینے کو اس بناء پر ممنوع قرار دیا کہ اس کی وجہ سے عورت کی عدت طویل ہو جائے گی، اس کو تکلیف ہوگی ان دونوں چیزوں کے لئے قرآن کریم کا ارشاد یہ آیا (فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ)، یعنی طلاق دینا ہو تو ایسے وقت میں دو جس میں بلا وجہ عورت کی عدت طویل نہ ہو، حیض کی حالت میں طلاق ہوئی تو موجودہ حیض عدت میں شمار نہ ہوگا، اس کے بعد طہر اور پھر طہر کے بعد حیض سے عدت شمار ہوگی، اور جس طہر میں ہمبستری ہو چکی ہے اس میں یہ امکان ہے کہ حمل رہ گیا ہو تو عدت وضع حمل تک طویل ہو جائے گی، طلاق دینے کے لئے مذکورہ وقت طہر کا مقرر کرنے میں یہ بھی حکمت ہے کہ اس انتظار کے وقفہ میں بہت ممکن ہے کہ غصہ فرو ہو، معافی تلافی ہو کر طلاق کا ارادہ ہی ختم ہو جائے۔

تیسری پابندی یہ لگائی کہ معاہدہ نکاح توڑنے اور فسخ کرنے کا طریقہ بھی وہ نہیں رکھا جو عام بیع و شراء کے معاملات و معاہدات کا ہے کہ ایک مرتبہ معاہدہ فسخ کر دیا تو اسی وقت اسی منٹ میں فریقین آزاد ہو گئے، اور پہلا معاملہ بالکل ختم ہو گیا، ہر ایک کو اختیار ہو گیا کہ کسی دوسرے سے معاہدہ کر لے، بلکہ معاملہ نکاح کو قطع کرنے کے لئے اول تو اس کے تین درجے تین طلاقوں کی صورت میں رکھے گئے، پھر اس پر عدت کی پابندی لگا دی کہ عدت پوری ہونے تک معاملہ نکاح کے بہت سے اثرات باقی رہیں گے۔ عورت کو دوسرا نکاح حلال نہ ہوگا، مرد کے لئے بھی بعض پابندیاں باقی رہیں گی۔

چوتھی پابندی یہ لگائی کہ اگر صاف و صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دے دی گئی ہے تو طلاق دیتے ہی نکاح نہیں ٹوٹتا، بلکہ رشتہ ازدواج عدت پوری ہونے تک قائم ہے دوران عدت میں اگر یہ اپنی طلاق سے رجوع کر لے تو نکاح سابق بحال ہو جائے گا۔ لیکن یہ رجوع کرنے کا اختیار صرف ایک یا دو طلاق تک محدود کر دیا گیا۔ تاکہ کوئی ظالم شوہر ایسا نہ کر سکے کہ ہمیشہ طلاق دیتا رہے، پھر رجوع کر کے اپنی قید میں رکھتا رہے۔

طلاق کا احسن طریقہ:

خلاصہ یہ ہے کہ جب طلاق دینے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ رہے تو طلاق کا احسن طریقہ یہ ہے کہ صرف ایک طلاق حالت طہر میں دیدے جس میں مجامعت نہ کی ہو۔ اور یہ ایک طلاق دے کر چھوڑ دے، عدت ختم ہونے کے ساتھ رشتہ نکاح خود ٹوٹ جائے گا، اس کو فقہاء نے طلاق احسن کہا ہے، اور حضرات صحابہؓ نے اسی کو طلاق کا بہتر طریق قرار دیا ہے، امام نسائی نے بروایت محمود بن لبیدؓ نقل کیا ہے:۔

اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهٗ ثَلَاثَ تَطْلِیْقَاتٍ جَمِیْعًا فَقَامَ غَضْبَانًا ثُمَّ قَالَ اَیُلْعَبُ بِکِتَابِ اللّٰهِ وَاَنَا بَیْنَ اَظْهُرِکُمْ حَتّٰی قَامَ رَجُلٌ وَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اَقْتُلُهٗ. (نسائی کتاب الطلاق)

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آدمی کے متعلق خبر کر دی گئی جس نے اپنی بیوی کو ایک ساتھ تین طلاقیں دی تھیں، آپؐ غصہ ہو کر کھڑے ہو گئے، اور فرمایا کیا اللہ کی کتاب کیساتھ کھیل کیا جاتا ہے، حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، اتنے میں ایک آدمی کھڑا ہو گیا، اور کہنے لگا، اے اللہ کے رسول میں اسکو قتل نہ کر دوں؟ ﴿معارف القرآن﴾

امام حدیث ابو داؤد نے بروایت ابورزین اسدی نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نزول پر ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اَلطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فرمایا، تیسری طلاق کا یہاں کیوں ذکر نہیں کیا؟ آپؐ نے فرمایا کہ تسریح باحسانٍ جو بعد میں مذکور ہے وہی تیسری طلاق ہے۔ ﴿روح المعانی﴾

دوسری حدیث صدیقہ عائشہؓ کی صحیح بخاری میں بالفاظ ذیل ہے:

اَنَّ رَجُلًا طَلَّقَ اِمْرَأَتَهٗ ثَلَاثًا فَتَزَوَّجَتْ فَطَلَّقَ فَسُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَحِلُّ لِلْاَوَّلِ قَالَ لَا حَتّٰی یَذُوْقَ عُسَیْلَتَهَا کَمَا ذَاقَهَا الْاَوَّلُ. (صحیح بخاری، ص ۷۹۱ ج ۲ صحیح مسلم)

''ایک آدمی نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی، اس عورت نے دوسری جگہ نکاح کیا تو اس دوسرے شوہر نے بھی اسے طلاق دیدی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا یہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال ہے؟ آپؐ نے فرمایا نہیں، جب تک کہ دوسرا شوہر اس سے ہمبستری کر کے لطف

اندوز نہ ہو جائے، جس طرح پہلے شوہر نے کیا تھا، اس وقت تک طلاق دینے سے پہلے شوہر کے لئے حلال نہیں ہوگی۔"

امام طحاویؒ نے شرح معانی الآثار میں فرمایا:

"پس حضرت عمر رضی اللہ نے اس کے ساتھ لوگوں کو مخاطب فرمایا، اور ان لوگوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ صحابہ بھی تھے جن کو اس سے پہلے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کے طریقے کا علم تھا، تو ان میں سے کسی انکار کرنے والے نے انکار نہیں کیا، اور کسی رد کرنے والے نے اسے رد نہیں کیا۔"

حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کے عہد خلافت میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے ابتدائی دو سالوں میں طلاق کا یہ طریقہ تھا کہ تین طلاقوں کو ایک قرار دیا جاتا تھا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ لوگ جلدی کرنے لگے ہیں، ایک ایسے معاملہ میں جس میں ان کیلئے مہلت تھی تو مناسب رہے گا ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں، تو آپ نے ان پر نافذ کر دیا۔ (صحیح مسلم ص ۴۷۷ جلد ۱)

فاروق اعظمؓ کا یہ اعلان فقہاء صحابہ کے مشورہ سے صحابہ و تابعین کے مجمع عام میں ہوا کسی سے اس پر انکار یا تردد منقول نہیں، اسی لئے حافظ حدیث امام ابن عبدالبر مالکی نے اس پر اجماع نقل کیا ہے، زرقانی شرح موطاء میں یہ الفاظ ہیں:

"اور جمہور امت تین طلاقوں کے واقع ہونے پر متفق ہیں، بلکہ ابن عبدالبر نے اس پر اجماع نقل کر کے فرمایا کہ اس کا خلاف شاذ ہے جس کی طرف التفات نہیں کیا جائے گا۔"

فاروق اعظمؓ کی فراست اور انتظام دین میں دور بینی کو سب ہی صحابہؓ نے درست سمجھ کر اتفاق کیا، یہ حضرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے۔ انہوں نے سمجھا کہ اگر ہمارے اس دور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہوتے تو یقیناً وہ بھی اب دلوں کی مخفی نیت اور صاحب معاملہ کے بیان پر مدار رکھ کر فیصلہ نہ فرماتے اس لئے قانون یہ بنا دیا کہ اب جو شخص تین مرتبہ لفظ طلاق کا تکرار کرے گا اس کی تین ہی طلاقیں قرار دی جائیں گی۔ اس کی یہ بات نہ سنی جائے کہ اس نے نیت صرف ایک طلاق کی کی تھی۔

حضرت فاروق اعظمؓ کے مذکورۃ الصدر واقعہ میں جو الفاظ منقول ہیں وہ بھی اسی مضمون کی شہادت دیتے ہیں۔ انہوں نے فرمایا:

اِنَّ النَّاسَ قَدِ اسْتَعْجَلُوْا فِیْ اَمْرٍ کَانَتْ لَهُمْ فِیْهِ اَنَاةٌ فَلَوْ اَمْضَیْنَا عَلَیْهِمْ.

"لوگ جلدی کرنے لگے ہیں ایک ایسے معاملہ میں جس میں ان کے لئے مہلت تھی تو مناسب رہے گا کہ ہم اس کو ان پر نافذ کر دیں۔"

رجوع کا طریقہ:

مثلاً اگر واقعہ طلاق کے بعد مفارقت کے ناگوار عواقب کا خیال کر کے رائے یہ ہو جائے کہ رجعت کر کے نکاح قائم رکھنا ہے تو اس کے لئے شریعت کا قاعدہ یہ ہے کہ پچھلے غصہ و ناراضی کو دل سے نکال کر حسن معاشرت کے ساتھ زندگی گذارنا اور حقوق کی ادائیگی کا خیال رکھنا پیش نظر ہو، عورت کو اپنی قید میں رکھ کر ستانا اور تکلیف پہنچانا مقصود نہ ہو۔

مطلب یہ ہے کہ جب رجعت کا ارادہ کرو تو اس پر دو معتبر مسلمانوں کو گواہ بنالو، اس میں کئی فائدے ہیں، ایک یہ کہ اگر عورت کی طرف سے رجعت کے خلاف کوئی دعویٰ ہو تو اس گواہی سے کام لیا جا سکے،

اور دنیا میں بھی اگر بصیرت اور تجربہ کے ساتھ غور کیا جائے تو نظر آئے گا کوئی ظالم بظاہر تو مظلوم پر ظلم کر کے اپنا دل ٹھنڈا کر لیتا ہے، لیکن اس کے نتائج بد اس دنیا میں بھی اس کو اکثر ذلیل وخوار کرتے ہیں، اور وہ سمجھے یا نہ سمجھے اکثر ایسی آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے کہ ظلم کا نتیجہ اس کو دنیا میں بھی کچھ نہ کچھ چکھنا پڑتا ہے، اسی کو شیخ سعدی علیہ الرحمتہ نے فرمایا

پنداشت ستمگر کہ جفا برما کرد
برگردن وے بماند و برما بگذشت

صحابہ کرام اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سچے عاشق تھے، آیت کریمہ کے سنتے ہی معقل بن یسار کا سارا غصہ ٹھنڈا ہو گیا، اور خود جا کر اس شخص سے بہن کا دوبارہ نکاح کر دیا، اور قسم کا کفارہ ادا کیا، اسی طرح جابر بن عبداللہؓ نے تعمیل فرمائی۔

وہ صورت جس میں سرپرستوں کو نکاح سے روکنے کا حق ہے

اسی طرح کوئی لڑکی بلا اجازت اپنے اولیاء کے اپنے کفو کے خلاف دوسرے کفو میں نکاح کرنا چاہے، یا اپنے مہر مثل سے کم پر نکاح کرنا چاہے جس کا اثر خاندان پر پڑتا ہے جس کا اس کو حق نہیں، تو یہ رضامندی بھی قاعدہ شرعی کے مطابق نہیں، اس صورت میں لڑکی کے اولیاء کو اس نکاح سے روکنے کا حق حاصل ہے، اذا تراضوا کے الفاظ سے اس طرف سے بھی اشارہ ہو گیا کہ عاقلہ بالغہ لڑکی کا نکاح بغیر اسکی رضا یا اجازت کے نہیں ہو سکتا۔

قرآنی نظام امتیاز:

قرآنی نظام حکومت کا یہی امتیاز ہے کہ اس میں ایک طرف قانون کی حدود و قیود کا ذکر ہے تو دوسری طرف ترغیب و ترہیب کے ذریعہ انسان

کے اخلاق و کردار کو ایسا بلند کیا گیا ہے کہ قانونی حدود و قیود اس کے لئے ایک طبعی چیز بن جاتی ہیں، جس کے سامنے وہ اپنے جذبات اور تمام نفسانی خواہشات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔ ﴿معارف مفتی اعظمؒ﴾

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پہنچیں اپنی عدت تک

یعنی عدت ختم ہونے کو آئی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ
تو رکھ لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو ان کو بھلی طرح سے
بِمَعْرُوْفٍ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ
اور نہ روکے رکھو ان کو ستانے کیلئے تاکہ ان پر زیادتی کرو

عورت کو ستانا ہرگز جائز نہیں:

یعنی عدت کے ختم ہونے تک خاوند کو اختیار ہے کہ اس عورت کو موافقت اور اتحاد کے ساتھ پھر بلا لے یا خوبی اور رضامندی کے ساتھ بالکل چھوڑ دے یہ ہرگز جائز نہیں کہ قید میں رکھ کر اس کو ستانے کے قصد سے رجعت کرے جیسا کہ بعض اشخاص کیا کرتے تھے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

فائدہ: آیۂ سابقہ یعنی الطلاق مرتان الخ میں یہ بتلایا تھا کہ دو طلاق تک زوج کو اختیار ہے کہ عورت کو عمدگی سے پھر ملا لے یا بالکل چھوڑ دے اب اس آیت میں یہ ارشاد ہے کہ یہ اختیار صرف عدت تک ہے عدت کے بعد زوج کو اختیار مذکور حاصل نہ ہوگا اس لئے کوئی تکرار کا شبہ نہ کرے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ۭ
اور جو ایسا کرے گا وہ بیشک اپنا ہی نقصان کرے گا
وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۡ وَّاذْكُرُوْا
اور مت ٹھہراؤ اللہ کے احکام کو ہنسی اور یاد کرو اللہ کا احسان
نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ
جو تم پر ہے اور اس کو کہ جو اتاری تم پر کتاب اور علم کی
الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ
باتیں کہ تم کو نصیحت کرتا ہے اس کے ساتھ، اور ڈرتے رہو اللہ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾
سے اور جان رکھو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے

احکام الٰہی کو مزاح نہ بناؤ:

نکاح طلاق ایلاء خلع رجعت حلالہ وغیرہ میں بڑی حکمتیں اور مصلحتیں ہیں ان میں حیلے کرنے اور بیہودہ اغراض کو دخل دینا مثلاً کوئی رجعت کر لے اور اس سے مقصود عورت کو تنگ کرنا ہے تو گویا اللہ کے احکام کے ساتھ ٹھٹھے بازی ٹھہری نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِكَ اللہ کو سب کچھ روشن ہے ایسے حیلوں سے بجز مضرت اور کیا حاصل ہو سکتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

شرط سے نکاح باطل نہیں ہوتا:

پہلے خاوند کے تین طلاقیں دیئے گئے بعد اگر عورت نے دوسرا خاوند کر لیا اور یہ اس سے شرط کر لی کہ مجھے طلاق دیدینا چنانچہ اس نے صحبت کرنے کے بعد اسے طلاق دیدی اور اس نے اپنی عدت پوری کر دی تو امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ نکاح صحیح میں صحبت ہو جانے کی وجہ سے یہ عورت پہلے خاوند کے لئے حلال ہوگئی اور شرطوں سے نکاح باطل نہیں ہوا کرتا۔

سرپرست اور گواہوں کی اہمیت:

ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہؓ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یعنی جو عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر نکاح کر لے تو اس کا نکاح باطل ہے تو اس کا نکاح باطل ہے اس کا نکاح باطل ہے پس اگر اس سے صحبت ہو جائے تو اس کی شرمگاہ کو حلال سمجھ لینے کی وجہ سے وہ مہر کی مستحق ہوگی اور اگر ان میں کچھ جھگڑا ہو جائے تو جس کا کوئی ولی نہ ہو اس کا ولی سلطان ہے۔ اور حضرت عائشہؓ ہی فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا نِكَاحَ اِلَّا بِوَلِيٍّ وَ شَاهِدَيْ عَدْلٍ (یعنی ولی اور دو منصف گواہوں کے بغیر نکاح نہیں ہوتا)۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

شان نزول:

ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ پہلے لوگوں کی حالت یہ تھی کہ اول طلاق دیدیتے اور پھر یہ کہتے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ اور اسی طرح غلام اور لونڈی کو آزاد کر دیتے اور پھر کہتے کہ ہم نے تو مذاق کیا تھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

(وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا) اور حدیث شریف میں ہے کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جن کا جد یعنی حقیقت تو حقیقت ہے ہی۔ مگر ان کا ہزل

یعنی ان کا ہنسی اور مذاق کے طور پر کہنا بھی حقیقت ہی کا حکم رکھتا ہے۔ وہ تین چیزیں یہ ہیں۔ نکاح اور طلاق اور رجعت۔ یعنی ان چیزوں میں تمہارے الفاظ کا اعتبار ہے نیت کا اعتبار نہیں۔ بندہ کے جن اعمال کا تعلق فقط حق تعالیٰ سے ہو وہاں شریعت نے نیت کا اعتبار کیا ہے اور جو اعمال ایسے ہیں جن کا تعلق حقوق العباد سے ہے وہاں الفاظ کی لفظی دلالت کا اعتبار ہے نیت کا اعتبار نہیں۔ طلاق اور رجعت بھی اسی قبیل سے ہیں۔ طلاق اور رجعت میں الفاظ کا اعتبار ہوگا نیت کا اعتبار نہ ہوگا۔

ایک وقت میں تین طلاق سے تین ہوتی ہیں:

امام قرطبی فرماتے ہیں کہ سعید بن جبیر اور مجاہد اور عطاء اور عمرو بن دینار اور مالک بن حویرث اور محمد بن ایاس اور نعمان بن ابی عیاش یہ تمام اکابر ثقات ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص اپنی عورت کو تین طلاق دیدے تو اس کے بارہ میں ابن عباس کا فتویٰ یہ تھا کہ اس شخص نے خدا کی نافرمانی کی کہ یکدم تین طلاقیں دیدی۔ اس کی بیوی اس سے بائنہ ہوگئی بغیر دوسرے شخص سے نکاح کیے اور طلاق حاصل کیے بغیر پہلے شوہر سے نکاح نہیں کرسکتی۔ ان ائمہ اکابر نے ابن عباس سے جو کچھ روایت کیا ہے وہ جماعت صحابہ وتابعین کے مطابق ہے اور اس امر کی دلیل ہے کہ طاؤس وغیرہ نے ابن عباس سے جو روایت نقل کی ہے تین طلاق ایک سمجھی جاتی تھی۔ وہ بالکل ضعیف اور کمزور ہے۔

تو حاصل یہ نکلا کہ طلاق ثلاث کے مسئلہ میں ایک مختلف فیہ روایت تو ایک ہونے پر دلالت کرتی ہے اور باقی تمام احادیث صحیحہ وصریحہ اور آیت قرآنیہ تین طلاق کے تین ہونے پر دلالت کرتی ہیں اور حضرت عمر کی مجلس میں یہ مسئلہ پیش ہوا فاروق اعظم نے بمشورہ عثمان وعلی دیگر اکابر صحابہ ان روایتوں کو ترجیح دی کہ جو تین طلاق کے تین طلاق واقع ہونے پر دلالت کرتی تھی۔

امت کا فریضہ:

تو امت کا فریضہ یہ ہے کہ احادیث مختلفہ میں جس جانب کو خلفاء راشدین اور تمام صحابہ کرام بلا اختلاف اختیار کرلیں اگرچہ وہ حدیث باعتبار سند کے ضعیف ہو اسی جانب کا اتباع ضروری ہوگا اور جس چیز پر خلفاء راشدین اور صحابہ کرام متفق ہوگئے ہوں اس کی مخالفت ناجائز ہوگی اور یہی ائمہ اربعہ اور تمام محدثین کا مسلک ہے۔

حضرت امام حسنؓ کا واقعہ:

معجم طبرانی اور سنن بیہقی میں سید بن غفلہ سے مروی ہے کہ عائشہ خثعمیہ۔ امام حسن بن علی کے زوجیت میں تھیں جب علی کرم اللہ وجہہ شہید ہوئے تو خثعمیہ نے امام حسن کو مبارک باد دی اور یہ کہا لتہنک الخلافۃ۔ خلافت آپ کو مبارک ہو امام حسن کو سخت ناگوار گذرا اور کہا کہ کیا تجھکو علی کے قتل سے خوشی ہوئی۔ اذہبی فانت طالق ثلاثا۔ جا تجھے تین طلاق۔

اور امام حسن نے بقیہ مہر اس کا بھیج دیا اور مزید براں دس ہزار درہم اور بھیج دیے عائشہ خثعمیہ کو بہت صدمہ ہوا اس پر امام حسن نے یہ فرمایا کہ اگر میں اپنے جدامجد یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول نہ سنے ہوئے ہوتا تو رجوع کرلیتا وہ قول یہ ہے۔

اَيُّمَا رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأَتَهٗ ثَلَاثًا عِنْدَ الْاَقْرَاءِ اَوْ ثَلَاثَةً بَتَّةً لَمْ تَحِلَّ لَهٗ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ.

"جو شخص اپنی بیوی کو تین طلاق دے حیض کے وقت یا اور کسی طرح تو وہ اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے شوہر سے نکاح کرے۔" (معارف کاندھلوی)

طلاق کا جائز ہونا وغیرہ ماخوذ از رسالہ حمیدیہ

زوجہ وشوہر دونوں ایک دوسرے سے تعلق قطع کرنا چاہیں تو کرسکتے ہیں تاکہ ہر ایک نقصان سے محفوظ رہے کیونکہ اگر ان کو اس کی اجازت نہ دی جاتی اور پھر ان میں کسی وجہ سے آپس میں نفرت پیدا ہو جاتی جیسا کہ اکثر دیکھا جاتا ہے کہ زن وشوہر میں مختلف اسباب سے ناراضگی ہو جایا کرتی ہے تو اس وقت یہ بات کچھ بعید نہ تھی کہ طرح طرح کے فساد پھیلتے جب خواہش نفسانی کا کسی پر غلبہ ہوتا تو باہم نفرت کی وجہ سے ضرور کسی دوسرے کے ذریعہ سے ناجائز طریق پر وہ خواہش پوری کی جاتی۔ بے عزت بننا پڑتا علاوہ اس کے جب عورت بانجھ ہوتی اور مرد میں بچہ پیدا کرانے کی قابلیت پائی جاتی یا بالعکس قصہ ہوتا تو ان دونوں میں سے ایک شخص کو ناحق اولاد سے محروم رکھنا لازم آتا اس لئے ان کو قطع تعلق کی اجازت دینا ہی عقل کے موافق ٹھہرا۔

پردہ ظلم نہیں حفاظت ہے:

مرد فطرتی طور پر بہ نسبت عورت کے جسمانی ساخت میں قوی ہونے کی وجہ سے تحصیل معاش پر زیادہ قادر ہے اور جو کچھ مشقتیں اس میں درپیش ہوں گی وہ کرسکتا ہے۔ ہاں عورت کے لئے یہ مناسب ہے کہ خانہ داری کے اندرونی امور کی دیکھ بھال کرے۔ بچوں کی غور وپرداخت میں مشغول ہو۔ عورتوں کے پردہ میں رہنے میں ظلم نہیں بلکہ بدمعاشوں سے ان کی حفاظت کا ذریعہ ہے۔

پس جس طرح کسی نفیس شے کو لوگوں کی نظروں سے بچایا کرتے ہیں اور کسی کو نہیں دکھلاتے اور سات پردوں میں چھپا کر رکھتے ہیں اسی طرح پردہ سے بھی مقصود یہ ہے کہ عورتوں کی حفاظت کی جائے انہیں ہر کس و ناکس نہ دیکھ سکے۔

مسلمان عورت تو بچپن ہی سے پردہ میں رہا کرتی ہے۔ پردہ ہی میں وہ جوان ہوتی ہے اپنے پیدا ہی کے زمانہ سے وہ پردے کے ساتھ مالوف ہو جاتی ہے گویا کہ وہ اس کی فطرت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس کو یہاں تک پردے کی عادت ہو جاتی ہے کہ وہ اس سے انس اور محبت کرنے لگتی ہے۔ اس کو بھی ایسا ہی ضروری خیال کرتی ہے جیسا کہ اپنی اور طبعی عادات کو حتیٰ کہ جو عورتیں اس میں ذرا کوتاہی کرتی ہیں انہیں شرم دلانے پر آمادہ ہو جاتی ہے ان کو بے شرم بیباک قرار دیتی ہے۔

علاوہ بریں عورتوں میں بعض ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں پوری پوری پارسائی نہیں پائی جاتی ان کی عادتیں اچھی نہیں ہوا کرتیں تو ایسی حالت میں پردہ کرنے سے عورت کی نسبت کسی قسم کی خیانت کا مشکل سے خیال ہو سکتا ہے بلکہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ اس کے خاوند کو بچہ کے نسب کے بارے میں شک کرنے کا کوئی موقع نہیں ہے۔

شریعت نے عورت کو باہر نکلنے کی اجازت بھی دی ہے لیکن وہی پردہ کے ساتھ تاکہ بدکاروں کی نظر سے محفوظ رہے اور شہوت پرستوں کے ہیجان کا باعث نہ ہو جس میں کہ اس کی پارسائی اور آبرو پر حرف نہ آنے پائے۔ اگر تعصب کو چھوڑ کر عقل سلیم سے پوچھا جائے تو وہ یہی حکم دے گی کہ بے شک عورت کے لئے پردہ نہایت ہی عمدہ احکام میں سے ہے۔

اب یہ امر بخوبی واضح ہو گیا کہ عورتوں کا بے پردہ ہو کر نکلنا نہایت ہی ضرر کی بات ہے اور بالفرض یہ مان بھی لیا جائے کہ عورتوں کے پردہ میں رہنے سے نقصان ہے تو بے پردگی میں اس سے بڑھ کر نقصان متصور ہے اور ظاہر ہے کہ جس میں کم ضرر ہو اسی کا اختیار کرنا عقلاً و نقلاً بہتر ہوا کرتا ہے چہ جائیکہ بے پردگی میں بکثرت نقصانات ہوں اور پردہ کرنے میں سراسر فائدے ہی ہوں کہ جس کو ہر عاقل مان لے گا۔

تعداد ازدواج

ایک سے زیادہ شادی کی اجازت دینے میں گویا کہ شریعت نے عورتوں کی تعداد کی زیادتی کا لحاظ کیا ہے کیونکہ مردوں کی تعداد کا بہ نسبت عورتوں کے اس وجہ سے کم ہو جانا کہ انہیں سیر و سیاحت اور کسب معاش وغیرہ کی مشقتیں برداشت کرنا پڑتی ہیں لڑائی میں کام آتے ہیں ایک ضروری امر ہے۔ پس اگر مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہیں دی جاتی تو فاضل عورتیں بالکل معطل اور بے کار رہتیں اور بلا وجہ ان کو نسل کی افزائش سے روکنا لازم آتا۔ علاوہ بریں مرد میں سن بلوغ سے لے کر آخر عمر تک خواہ وہ سو ہی برس تک کیوں نہ زندہ رہے توالد و تناسل کی استعداد باقی رہا کرتی ہے بخلاف عورت کے کہ وہ پچاس یا پچپن برس کے بعد اولاد سے بالکل مایوس ہو جاتی ہے کیونکہ اس سن تک اس کا حیض منقطع ہو جاتا ہے اور یعنی تخم وہ مادہ ہے جس سے کہ بچہ بنتا ہے اس میں باقی نہیں رہتا۔

یہ بات بھی خدا تعالیٰ کے لطف سے خالی نہیں اس لئے کہ حاملہ ہونے، بچہ جننے اور دودھ پلانے کی وجہ سے اس کی قوتوں میں ضعف آ جاتا ہے اگر اب بھی بچہ ہوتا تو اس کے لئے مصیبت پر مصیبت بڑھ جاتی۔ پس عورت کے بالغ ہونے سے لے کر سن ایاس تک باعتبار اکثر کے کل پینتیس برس کی مدت رہ جاتی ہے جس میں کہ عورت میں بچہ ہونے کی قابلیت باقی رہتی ہے۔

پس اگر مرد کو کئی شادیوں کی اجازت نہ ہوتی تو ایک عورت کے ساتھ رہ کر اپنی عمر کے ایک بہت بڑے حصہ تک اسے ناحق اپنی نسل پھیلانے سے محروم رہنا پڑتا۔ پس کئی شادیوں کی اجازت دینے سے مرد کو اپنی نسل میں معطل رہنے کی آفت سے نجات مل گئی۔

اب صرف چار ہی عورتوں کی اجازت کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ اصل کسب معاش کے معتد بہ چار ہی قسم کے ذریعے ہوا کرتے ہیں اس لئے ہر ایک کے مقابل میں ایک ایک عورت کی اجازت دی گئی کہ کبھی ایسا بھی ہو کہ صرف کسب معاش کا ایک ہی طریق وسیع ہونے کی وجہ سے باقی طریقوں کے قائم مقام ہو جائے اور وہ چار قسمیں یہ ہیں۔ تجارت، صنعت، زراعت، حکومت۔ یہاں تک کہ اگر کوئی دو عورتوں کے ساتھ بھی انصاف کرنے سے قاصر ہو تو اسے دو کی بھی اجازت نہیں صرف ایک شادی وہ کر سکتا ہے اور اگر کسی کو ایک عورت کے ساتھ بھی بے انصافی کا خوف ہو اور اپنے کو عاجز پائے یا نان و نفقہ دینے کی وسعت نہ رکھتا ہو تو اسے ایک سے بھی شادی کرنے کی اجازت نہیں بلکہ سخت ممانعت ہے۔

سریہ بنانے کی حکمت

پھر چونکہ لونڈیاں یعنی وہ عورتیں جو کہ لڑائی میں گرفتار ہو کر آتی ہیں افزائش نسل سے محروم رہ جاتی تھیں۔ کیونکہ غلاموں کا کاروبار خدمت میں مشغول ہونے کی وجہ سے نکاح کر کے ان کی خبر گیری کرنا ذرا مشکل امر ہے۔ یا یوں کہئے کہ وہ نکاح کے حقوق ادا کرنے پر پورے طور سے قادر ہی

نہیں اس لئے ان کے (لونڈیوں کے) مالکوں کو وہ چار سے زیادہ ہی کیوں نہ ہوں متمتع ہونے کی اجازت دی ہے تا کہ وہ توالد و تناسل سے بیکار نہ رہیں۔ (رسالہ حمید یہ اردو)

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ
اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو
فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ
اب نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں
اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ
سے جبکہ راضی ہو جاویں آپس میں موافق دستور کے

شانِ نزول:

ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاق دی اور پھر عدت میں رجعت بھی نہ کی جب عدت ختم ہو چکی تو دوسرے لوگوں کے ساتھ زوج اول نے بھی نکاح کا پیام دیا عورت بھی اس پر راضی تھی مگر عورت کے بھائی کو غصہ آیا اور نکاح کو روک دیا اس پر یہ حکم اترا کہ عورت کی خوشنودی اور بہبودی کو ملحوظ رکھو اسی کے موافق نکاح ہونا چاہئے اپنے کسی خیال اور ناخوشی کو دخل مت دو اور یہ خطاب عام ہے نکاح سے روکنے والوں کو سب کو خواہ زوج اول جس نے طلاق دی ہے وہ دوسری جگہ عورت کو نکاح کرنے سے روکے یا عورت کے ولی اور وارث عورت کو پہلے خاوند سے یا کسی دوسری جگہ نکاح کرنے سے مانع ہوں سب کو روکنے سے ممانعت آ گئی، ہاں اگر خلاف قاعدہ کوئی بات ہو مثلاً غیر کفو میں عورت نکاح کرنے لگے یا پہلے خاوند کی عدت کے اندر کسی دوسرے سے نکاح کرنا چاہے تو بیشک ایسے نکاح سے روکنے کا حق ہے۔ بالمعروف فرمانے کا یہی مطلب ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

صحیح بخاری میں اس آیت کی تفسیر کے بیان میں ہے کہ حضرت معقلؓ فرماتے ہیں میری بہن کا مانگا میرے پاس آتا تھا۔ میں نے نکاح کر دیا۔ اس نے کچھ دنوں بعد طلاق دیدی پھر عدت گزرنے کے بعد نکاح کی درخواست کی، میں نے انکار کیا اس پر یہ آیت اتری، جسے سن کر حضرت معقلؓ نے باوجودیکہ قسم کھا رکھی تھی کہ میں تیرے نکاح میں نہ دوں گا نکاح پر آمادہ ہو گئے اور کہنے لگے میں نے خدا کا فرمان سنا اور میں نے مان لیا، اور اپنے بہنوئی کو بلا کر دوبارہ نکاح کرا دیا اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

واقعہ کی تفصیل:

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت معقل بن یسارؓ نے اپنی بہن کی شادی ایک شخص کے ساتھ کر دی تھی، اس نے طلاق دیدی اور عدت بھی گذر گئی، اس کے بعد یہ شخص اپنے فعل پر پشیمان ہوا، اور چاہا کہ دوبارہ نکاح کر لیں، اس کی بیوی یعنی معقل بن یسارؓ کی بہن بھی اس پر آمادہ ہو گئی، لیکن جب اس شخص نے معقلؓ سے اس کا ذکر کیا تو ان کو طلاق دینے پر غصہ تھا، انہوں نے کہا کہ میں نے تمہارا اعزاز کیا، اپنی بہن تمہارے نکاح میں دیدی تم نے اس کی یہ قدر کی کہ اس کو طلاق دیدی، اب پھر تم میرے پاس آئے ہو کہ دوبارہ نکاح کروں، خدا کی قسم! اب وہ تمہارے نکاح میں نہ لوٹے گی،

اسی طرح ایک واقعہ جابر بن عبداللہؓ کی چچازاد بہن کا پیش آیا تھا، ان واقعات پر آیت مذکورہ نازل ہوئی، جس میں معقل اور جابرؓ کے اس رویہ کو ناپسند و ناجائز قرار دیا گیا۔

ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ
یہ نصیحت اس کو کی جاتی ہے جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہو
بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
اللہ پر اور قیامت کے دن پر

جو اللہ کے حکموں پر عمل نہیں کرتے گویا مؤمن نہیں:

یعنی حکم جو مذکور ہوئے ان سے اہل ایمان کو نصیحت دی جاتی ہے کیونکہ اس نصیحت سے وہی متنفع ہوتے ہیں اور یوں تو نصیحت سبھی کے لئے ہے کسی کی خصوصیت نہیں اور مومنین کے خاص کرنے سے دوسروں پر تہدید اور ان کی تحقیر بھی مفہوم ہوتی ہے یعنی جو لوگ ان حکموں پر عمل نہیں کرتے گویا ان کو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان ہی نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَاَطْهَرُ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
اس میں تمہارے واسطے بڑی ستھرائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۲﴾
اور تم نہیں جانتے

نکاح میں پاکیزگی ہے:

یعنی عورت کو نکاح سے نہ روکنے اور اس کے نکاح ہو جانے میں وہ

پاکیزگی ہے جو نکاح سے روکنے میں ہرگز نہیں اور عورت جب کہ پہلے خاوند کی طرف راغب ہو تو اسی کے ساتھ نکاح ہو جانے میں وہ پاکیزگی ہے کہ دوسرے کے ساتھ نکاح کرنے میں ہرگز نہیں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کی باتوں کو اور نفع نقصان آئندہ کو خوب جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَالْوٰلِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ
اور بچے والی عورتیں دودھ پلاویں اپنے بچوں کو
كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ
دو برس پورے جو کوئی چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت

بچہ کو دودھ پلانے کی مدت:

یعنی ماں کو حکم ہے کہ اپنے بچہ کو دو برس تک دودھ پلائے اور یہ مدت اس کے لئے ہے جو ماں باپ بچہ کے دودھ پینے کی مدت کو پورا کرنا چاہیں ورنہ اس میں کمی بھی جائز ہے جیسا آیت کے اخیر میں آتا ہے اور اس حکم میں وہ مائیں بھی داخل ہیں جن کا نکاح باقی ہے اور وہ بھی جن کو طلاق مل چکی ہو یا ان کی عدت بھی گذر چکی ہو ہاں اتنا فرق ہوگا کہ کھانا کپڑا منکوحہ اور معتدہ کو تو دینا زوج کو ہر حال میں لازم ہے دودھ پلائے یا نہ پلائے اور عدت ختم ہو چکے گی تو پھر صرف دودھ پلانے کی وجہ سے دینا ہوگا اور اس آیت سے یہ معلوم ہوا کہ دودھ کی مدت کو جس ماں سے پورا کرانا چاہیں یا جس صورت میں باپ سے دودھ پلانے کی اجرت ماں کو دلوانا چاہیں تو اس کی انتہا دو برس کامل ہیں یہ معلوم نہیں ہوا کہ علی العموم دودھ پلانے کی مدت دو برس سے زیادہ نہیں۔

وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ
اور لڑکے والے یعنی باپ پر ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا
بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ
موافق دستور کے تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق
لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ
نہ نقصان دیا جاوے ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ اس کو کہ جس کا وہ
بِوَلَدِهٖ ق
بچہ ہے یعنی باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے

ہر حال میں ماں خرچہ لے گی:

یعنی باپ کو بچہ کی ماں کو کھانا کپڑا ہر حال میں دینا پڑے گا۔ اول صورت میں تو اس لئے کہ وہ اس کے نکاح میں ہے، دوسری صورت میں عدت میں ہے اور تیسری صورت میں دودھ پلانے کی اجرت دینی ہوگی اور بچہ کے ماں باپ بچہ کی وجہ سے ایک دوسرے کو تکلیف نہ دیں مثلاً ماں بلا وجہ دودھ پلانے سے انکار کرے یا باپ بلا سبب ماں سے بچہ کو جدا کر کے کسی اور سے دودھ پلوائے یا کھانے کپڑے میں تنگی کرے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ
اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے

والد مر جائے تو بچہ کا ذمہ ورثاء پر ہے:

یعنی اگر باپ مر جاوے تو بچہ کے وارثوں پر بھی یہی لازم ہے کہ دودھ پلانے کی مدت میں اس کی ماں کے کھانے کپڑے کا خرچ اٹھائیں اور تکلیف نہ پہنچائیں اور وارث سے مراد وہ وارث ہے جو محرم بھی ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

صاحبزادہ حضرت ابراہیمؓ:

جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیمؓ کا انتقال ہوا تھا کہ وہ دودھ پلائی کی مدت میں انتقال کر گئے ہیں اور انہیں دودھ پلانے والی جنت میں مقرر ہے۔ حضرت ابراہیمؓ کی عمر اس وقت ایک سال اور دس مہینے تھی۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا
پھر اگر ماں باپ چاہیں کہ دودھ چھڑا لیں یعنی دو برس کے اندر ہی اپنی
وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ
رضا اور مشورہ سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں

دودھ چھڑانا:

یعنی اگر ماں باپ کسی مصلحت کی وجہ سے دو سال کے اندر ہی بچہ کی مصلحت کا لحاظ کر کے باہمی مشورہ اور رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو اس میں گناہ نہیں، مثلاً ماں کا دودھ اچھا نہ ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ
اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلواؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَّا آتَيْتُمْ

تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جبکہ حوالہ کردو جو تم نے دینا ٹھہرایا تھا

بِالْمَعْرُوفِ ط

موافق دستور کے

ماں کے علاوہ دوسری عورت سے دودھ پلوانا جائز ہے:

یعنی اے مردو اگر تم کسی ضرورت و مصلحت سے ماں کے سوا کسی دوسری عورت سے دودھ پلوانا چاہو تو اس میں بھی گناہ نہیں مگر اس کی وجہ سے ماں کا کچھ حق نہ کاٹ رکھے بلکہ دستور کے موافق جو ماں کو دینا ٹھہرایا تھا وہ دے دے۔ اور یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ دودھ پلانے والی کا حق نہ کاٹے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ

اور ڈرو اللہ سے اور جان رکھو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے

بَصِيرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ

اور جو لوگ مرجاویں تم میں سے اور چھوڑ جاویں

أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ

اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو

وَعَشْرًا ج

چار مہینے اور دس دن

بیوہ کی عدت:

پہلے گذر چکا ہے کہ طلاق کی عدت میں تین حیض انتظار کرے اب فرمایا کہ موت کی عدت میں چار مہینے دس دن انتظار کرے سو اس مدت میں اگر معلوم ہوگیا کہ عورت کو حمل نہیں تو عورت کو نکاح کی اجازت ہوگی ورنہ وضع حمل کے بعد اجازت ہوگی اس کی تشریح سورہ طلاق میں آئے گی حقیقت میں تین حیض یا چار مہینے دس دن حمل کے انتظار اور اس کے دریافت کرنے کے لئے مقرر فرمائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

چار ماہ دس دن کی حکمت:

ابن مسعودؓ کی صحیحین والی مرفوع حدیث میں ہے کہ انسان کی پیدائش کا یہ حال ہے کہ چالیس دن تک تو رحم مادر میں نطفہ کی شکل میں ہوتا ہے پھر خون بستہ کی شکل چالیس دن تک رہتی ہے پھر چالیس دن تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے پھر اللہ تعالیٰ فرشتے کو بھیجتا ہے اور اس میں روح پھونکتا ہے تو یہ ایک سو بیس دن ہوئے جس کے چار مہینے ہوئے۔ دس میں احتیاطاً اور رکھ دیئے کیونکہ بعض مہینے انتیس دن کے بھی ہوتے ہیں، اور جب روح پھونک دی گئی تو اب بچہ کی حرکت محسوس ہونے لگتی ہے اور حمل بالکل ظاہر ہوجاتا ہے اس لئے اتنی عدت مقرر کی گئی، واللہ اعلم۔

زمانہ جاہلیت کی رسم:

حضرت زینب بنت ام سلمہؓ فرماتی ہیں کہ پہلے جب کبھی کسی عورت کا خاوند مرجاتا تھا تو اسے کسی جھونپڑے میں ڈال دیتے تھے۔ وہ بدترین کپڑے پہنتی خوشبو وغیرہ سے الگ رہتی اور سال بھر تک ایسی ہی سڑی بھسی رہتی تھی، سال بھر کے بعد نکلتی اور اونٹ کی مینگنی لے کر پھینکتی اور کسی جانور مثلاً گدھا یا بکری یا پرندے کے جسم کے ساتھ اپنے جسم کو رگڑتی بسا اوقات وہ مر ہی جاتی۔ یہ تھی زمانہ جاہلیت کی رسم۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

عدت بیٹھنے کا مسئلہ

امام ابوحنیفہ کا قول ہے کہ اگر میت یعنی عورت کے مرے ہوئے شوہر کے مکان میں سے اس عورت کا اتنا ہی حصہ ہے کہ وہ اسے کافی نہیں ہوتا اور باقی ورثا اپنے حصہ میں سے اسے نکال لیتے ہیں تو یہ عورت وہاں سے چلی آئے کیونکہ یہ آنا ایک عذر کی وجہ سے ہے اور عبادات میں عذر کا اثر ہوتا ہے۔ پس یہ ایسی صورت ہوگئی کہ جیسے کسی عورت کو مکان کے گرنے کا ڈر ہو یا وہ کرایہ پر رہتی تھی اور کرایہ دینے کو کچھ نہیں۔

یعنی جو عورت اللہ پر ایمان رکھتی ہو اسے کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرنا جائز نہیں سوائے خاوند پر چار مہینے دس دن سوگ کرنے کے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ

پھر جب پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات

فِيمَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ ط

میں کہ کریں وہ اپنے حق میں قاعدہ کے موافق

بیوہ کو دوسری جگہ نکاح میں کوئی گناہ نہیں:

جب بیوہ عورتیں اپنی عدت پوری کرلیں یعنی غیر حاملہ چار ماہ دس روز

اور حاملہ مدت حمل تو ان کو دستور شریعت کے موافق نکاح کر لینے میں کچھ گناہ نہیں اور زینت اور خوشبو سب حلال ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ۝ وَلَا جُنَاحَ
اور اللہ کو تمہارے تمام کاموں کی خبر ہے اور کچھ
عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ
گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان
النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ
عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں اللہ کو معلوم ہے کہ
اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ
تم البتہ اُن عورتوں کا ذکر کرو گے لیکن ان سے نکاح کا وعدہ نہ کر رکھو
سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ وَلَا تَعْزِمُوْا
چھپ کر مگر یہی کہہ دو کوئی بات رواج شریعت کے موافق اور نہ
عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ
ارادہ کرو نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جاوے عدت مقررہ اپنی انتہا کو

عدت کے دوران اشارہ جائز ہے صراحۃً خطبہ نہیں:

خلاصہ آیت کا یہ ہوا کہ عورت خاوند کے نکاح سے جدا ہوئی تو جب تک عدت میں ہے تو کسی دوسرے کو جائز نہیں کہ اس سے نکاح کر لے یا صاف وعدہ کرا لے یا صاف پیام بھیجے لیکن اگر دل میں نیت رکھے کہ بعد عدت اس سے نکاح کروں گا یا اشارۃً اپنے مطلب کو اسے سنا دے تا کہ کوئی دوسرا اس سے پہلے پیام نہ دے بیٹھے مثلاً عورت کو سنا دے کہ تجھ کو ہر کوئی عزیز رکھے گا یا کہے کہ میرا ارادہ کہیں نکاح کرنے کا ہے تو کچھ گناہ نہیں مگر صاف پیام ہرگز نہ دے۔ (تفسیر عثمانی)

ابوجعفر محمد بن علی کا واقعہ:

سکینہ بنت حنظلہ بیوہ ہو گئی تھیں تو ان کی عدت کے اندر ابوجعفر محمد بن علی الباقر ان کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اے بنت حنظلہ میں وہ ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری قرابت داری کو تم خوب جانتی ہو اور میرے دادا علی کے حق سے اور ان کے قدیمی مسلمان ہونے سے بھی تم خوب واقف ہو اس پر سکینہ بولیں کہ کیا میری عدت ہی میں تم مجھ سے نکاح کرنے کا پیغام دیتے ہو۔ حالانکہ اس کام سے بھی مواخذہ ہو گا کہنے لگے کہ میں نے تو اپنی آنحضرت سے قرابت داری ہونی تمہارے سامنے ظاہر کر دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ام سلمہ کے پاس (اپنے نکاح کا پیغام دینے) ان کے شوہر ابوسلمہ کی عدت میں تشریف لے گئے تھے اور اللہ عزوجل کے ہاں اپنا عالی مرتبہ ہونا ان سے بیان کیا تھا اور اس وقت آپ اپنے ہاتھ میں (ایک بہت بڑا) بوریا لئے ہوئے تھے اس کے بوجھ کی وجہ سے اس کے نشان آپ کے ہاتھ پر پڑ گئے تھے۔ (تفسیر مظہری)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ
اور جان رکھو کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ۝
اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے

ناجائز سے بچتے رہو:

یعنی حق تعالیٰ تمہارے جی کی باتیں جانتا ہے سو ناجائز ارادہ سے بچتے رہو اور ناجائز ارادہ ہو گیا تو اس سے توبہ کر لو، اللہ بخشنے والا ہے اور گنہگار پر عذاب نہ ہوا تو اس سے مطمئن نہ ہو جائے کیونکہ وہ حلیم ہے عقوبت میں جلدی نہیں فرماتا۔ (تفسیر عثمانی)

حدیث میں ہے کہ جو چراگاہ کے گرد گھومتا ہے عجب نہیں کہ وہ کسی وقت چراگاہ کے اندر گھس بھی جائے اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے عدت کے اندر نکاح کا میلان چھپا ہوا ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
کچھ گناہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو
مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ
اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کیلئے
فَرِيْضَةً ۖۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ
کچھ مہر اور ان کو کچھ خرچ دو مقدور والے پر اس کے موافق ہے

وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ
اور تنگی والے پر اس کے موافق جو خرچ کہ قاعدہ کے موافق ہے
حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ
لازم ہے نیکی کرنیوالوں پر

مہر مقرر کئے بغیر نکاح:

اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہ آیا اور بلا مہر ہی نکاح کر لیا تو بھی نکاح درست ہے مہر بعد میں مقرر ہو رہے گا لیکن اس صورت میں اگر ہاتھ لگانے سے پہلے یعنی مجامعت اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق دے دی تو مہر کچھ لازم نہ ہوگا لیکن زوج کو لازم ہے کہ اپنے پاس سے عورت کو کچھ دے دے کم سے کم یہی کہ تین کپڑے کرتہ، سربند، چادر اپنی حالت کے موافق اور خوشی سے دیدے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

مہر مقرر ہے اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دیدی:

اگر نکاح کے وقت مہر مقرر ہو چکا تھا اور ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی تو آدھا مہر دینا لازم ہے مگر عورت یا مرد کے جس کے اختیار میں ہے نکاح کا قائم رکھنا اور توڑنا اپنے حق سے درگذر کرے تو تقویٰ کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ اللہ نے اس کو بڑائی دی اور مختار کیا نکاح باقی رکھنے اور طلاق دینے کا نفس نکاح سے تمام مہر لازم ہو جاتا ہے اور بدون ہاتھ لگائے طلاق دے کر زوج نصف مہر کو اپنے ذمہ سے ٹلاتا ہے یہ تقویٰ کے مناسب نہیں اور زوجہ کی طرف سے کسی قسم کی کوتاہی نہیں ہوئی جو کچھ کیا زوج نے کیا ان وجوہ سے زوج کو زیادہ مناسب ہے کہ درگذر کرے۔

فائدہ: طلاق کی مہر اور وطی کے لحاظ سے چار صورتیں ہوسکتی ہیں ایک تو یہ کہ نہ مہر ہو نہ وطی۔ دوسری یہ کہ مہر تو مقرر ہو مگر وطی کی نوبت نہ آئے ان دونوں صورتوں کا حکم دونوں آیتوں میں معلوم ہو چکا۔ تیسری یہ کہ مہر مقرر ہو اور وطی کی نوبت آوے اس میں جو مہر مقرر کیا ہے پورا دینا ہوگا یہ صورت کلام اللہ میں دوسرے موقع پر مذکور ہے۔ چوتھی یہ کہ مہر نہ ٹھہرایا تھا اور ہاتھ لگانے کے بعد طلاق دی اس میں مہر مثل پورا دینا پڑیگا۔ یعنی جو اس عورت کی قوم میں رواج ہے اور یہی چاروں صورتیں موت زوج میں نکلیں گی مگر موت کا حکم طلاق کے حکم سے جدا ہے اگر مہر مقرر نہ کیا تھا اور ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا کہ زوج مر گیا یا ہاتھ لگانے کے بعد مرا ان دونوں صورتوں میں جو مہر مقرر ہوا تھا وہ پورا دینا ہوگا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اپنے نفس کو سلوک اور احسان سے نہ بھولو جس نے نماز ادا کی اس نے اپنے نفس پر احسان کیا اور جس نے نماز سے غفلت برتی اس نے اپنے نفس کو فراموش کیا کہ آخرت کے منافع سے اسکو محروم کیا۔ (معارف کاندھلویؒ)

جس عورت کا مہر نکاح کے وقت مقرر ہوا ہو، اور اس کو قبل صحبت و خلوت صحیحہ کے طلاق دیدی ہو تو مقرر کئے ہوئے مہر کا نصف مرد کے ذمے واجب ہوگا، البتہ اگر عورت معاف کر دے یا مرد پورا دیدے تو اختیاری بات ہے، جیسا کہ آیت: (اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ) سے معلوم ہوتا ہے۔

مرد کے پورا مہر دینے کو بھی معاف کرنیکے لفظ سے شاید اس لئے تعبیر کیا کہ عام عادت عرب کی یہ تھی کہ مہر کی رقم شادی کے ساتھ دیدی جاتی تھی، تو طلاق قبل از خلوت کی صورت میں وہ نصف واپس لینے کا حق دار ہو گیا، اب اگر وہ رعایت کر کے اپنا نصف واپس نہ لے تو یہ بھی معاف ہی کرنا ہے، اور معاف کرنے کو افضل اور اقرب للتقوی قرار دیا، کیونکہ یہ معافی علامت اس کی ہے کہ تعلق نکاح کا قطع کرنا بھی احسان اور حسن سلوک کے ساتھ ہوا جو مقصد شریعت اور موجب ثواب عظیم ہے۔ خواہ معافی عورت کی طرف سے ہو یا مرد کی طرف سے۔

(الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ) کی تفسیر خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا: وَلِیُّ عُقْدَةُ النِّکَاحِ الزَّوْجِ یعنی عقدہ نکاح کا مالک شوہر ہے۔ یہ حدیث دار قطنی میں بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ منقول ہے، اور حضرت علیؓ اور حضرت ابن عباسؓ سے بھی۔ (قرطبی)

وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ
اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے
تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً
پہلے اور ٹھہرا چکے تھے تم ان کیلئے مہر
فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ
تو لازم ہوا آدھا اس کا کہ تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ درگذر کریں
يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ
عورتیں یا درگذر کرے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے گرہ نکاح

تَعْفُوٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ
کی یعنی خاوند اور تم مرد در گذر کرو تو قریب ہے پرہیزگاری سے اور نہ بھلا دو
بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿٢٣٧﴾
احسان کرنا آپس میں بیشک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے

(لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ) (الی قولہ)
(اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ) ۔ طلاق کی مہر اور صحبت کے لحاظ سے چار صورتیں ہو سکتی ہیں، ان میں سے دو کا حکم ان آیات میں بیان کیا گیا ہے، ایک یہ کہ نہ مہر مقرر ہو نہ صحبت وخلوت، دوسری یہ کہ مہر تو مقرر ہو لیکن صحبت وخلوت کی نوبت نہ آئے، تیسری صورت یہ ہے کہ مہر بھی مقرر ہوا اور صحبت کی نوبت بھی آئے اس میں جو مہر مقرر کیا ہے پورا دینا ہوگا۔ یہ حکم قرآن مجید میں دوسرے مقام پر بیان کیا گیا ہے، چوتھی صورت یہ ہے کہ مہر معین نہ کیا اور صحبت یا خلوت کے بعد طلاق دیدی، اس میں مہر مثل پورا دینا ہوگا۔ (معارف مفتیؒ)

ایک مجلس کی تین طلاقیں

(قرآن، حدیث اور اقوال صحابہ وتابعین کی روشنی میں)

ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہونے کا ثبوت احادیث سے
فتاویٰ رحیمیہ کے صفحہ نمبر ۳۳۰ تا ۳۹۶ سے اقتباسات

یہ کہنا کہ تین طلاقیں ایک ساتھ دینے سے ایک ہی طلاق پڑتی ہے قطعاً غلط اور گمراہ کن ہے، قرآن واحادیث اور اجماع صحابہ، علماء وسلف، فقہاء، مشائخ اور ائمہ مسلمین حضرت امام ابوحنیفہؒ، حضرت امام مالکؒ، حضرت امام شافعیؒ، حضرت امام احمد بن حنبلؒ وغیرہم بزرگان دین کے متفقہ فیصلہ کے خلاف ہے۔

تین طلاقوں کے بعد شرعی حلالہ کے بغیر نکاح درست نہیں اور آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنا ناجائز اور قطعی حرام ہے، دونوں زانی اور بدکار سمجھے جائیں گے۔

ایک آدمی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ سلم سے پوچھا کہ (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ) کے بعد تیسری کہاں مذکور ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "اَلتَّسْرِيْحُ بِاِحْسَانٍ هُوَ الثَّالِثَةُ" تسریح باحسان یہی تیسری طلاق ہے (روح المعانی بحوالہ ابوداؤد، تفسیر مظہری بحوالہ ابوداؤد وسنن سعید بن منصور وابن مردویہ اردو)۔

اور قرآن مجید میں بھی "مرتان" کا لفظ "اثنان" کے معنی میں استعمال ہوا ہے ارشاد ربانی ہے (نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ) (سورۂ احزاب پ ۲۲)

اور قرآن کی ایک آیت دوسری آیت کی تفسیر کرتی ہے، اس اصول کے پیش نظر (اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ) میں بھی یہی معنی لینا مناسب ہیں چنانچہ یہی معنی امام بخاریؒ نے بھی سمجھے ہیں اور اپنی مشہور کتاب صحیح بخاری میں یکبارگی طلاق ثلٰثہ کے وقوع کے جائز ہونے پر مستقل باب قائم کیا ہے اور ترجمۃ الباب میں اسی آیت کو ذکر کیا گیا ہے۔

طلاق تو مرد کا حق ہے جسے وہ نکاح کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، اسے وہ الگ الگ استعمال کرے یا دفعۃً استعمال کر ڈالے، جب اور جیسے بھی استعمال کرے گا وہ حق ختم ہو جائے گا، اس کی مثال ایسی ہے کہ آپ اپنے تین روپوں کو تین مختلف وقتوں میں خرچ کریں یا ایک ہی وقت میں سودا خرید ڈالیں دونوں صورتوں میں یہ روپے آپ کی ملک سے خارج ہو جائیں گے۔

ترجمہ حدیث: محمود بن لبیدؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی گئی کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں اکٹھی دیدیں ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غضبناک ہو کر تقریر فرمائی کہ کیا کتاب اللہ کے ساتھ کھیل کیا جا رہا ہے حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ غصہ دیکھ کر ایک صحابی کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا اسے قتل نہ کر دوں؟۔
(نسائی شریف ص ۹۱، ج ۲) (مشکوٰۃ شریف ص ۲۸۴) (اغاثۃ اللھفان ص ۳۵۴)

ترجمہ حدیث: حضرت حسن کا بیان ہے کہ ہم سے حضرت ابن عمرؓ نے بیان فرمایا کہ انہوں نے اپنی اہلیہ کو حالت حیض میں ایک طلاق دیدی پھر ارادہ کیا کہ دو طہروں میں بقیہ طلاقیں دیدیں گے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ نے فرمایا اے ابن عمر! اس طرح اللہ نے تم کو حکم نہیں کیا ہے، تم نے سنت طریقہ کے خلاف کیا (کہ حالت حیض میں طلاق دیدی) سنت طریقہ یہ ہے کہ طہر کا انتظار کیا جائے اور ہر طہر میں ایک طلاق دی جائے اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رجوع کرنے کا حکم فرمایا چنانچہ میں نے رجوع کر لیا پھر فرمایا جب وہ پاک ہو جاوے تو تم کو اختیار ہے چاہو تو طلاق دیدینا یا اس کو روکے رکھنا، حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں پھر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! اگر میں نے تین طلاقیں دی ہوتیں تو کیا میرے لئے رجوع کرنا جائز ہوتا؟ حضور نے فرمایا نہیں اس صورت میں بیوی تم سے جدا ہو جاتی اور تمہارا یہ فعل (تین طلاقیں ایک ساتھ دینا) گناہ ہوتا۔ (دارقطنی ص ۴۳۸ ج ۲)

ترجمہ حدیث: حضرت نافع فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر سے

جب اس شخص کے متعلق فتویٰ دریافت کیا جاتا جس نے تین طلاقیں دی ہوں، تو فرماتے اگر تو نے ایک یا دو طلاق دی ہوتی (تو رجوع کر سکتا تھا) اس لئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کا (یعنی رجعت کا) حکم دیا تھا اور اگر تین طلاق دیدے تو عورت حرام ہو جائے گی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے (اور دوسرا شوہر اپنی مرضی سے طلاق دیدے یا اس کا انتقال ہو جائے تو عدت گذرنے کے بعد پہلے شوہر کیلئے حلال ہو جائے گی) (بخاری شریف ص۷۹۲ ج۲ نیز ص ج ۸۰۳ ج۲)

مسلم شریف میں بھی آپ کا فتویٰ منقول ہے: وَكَانَ عَبْدُ اللّٰهِ اِذَا سُئِلَ عَنْ ذٰلِكَ قَالَ لِاَحَدِهِمْ اَمَا اَنْتَ طَلَّقْتَ اِمْرَأَتَكَ مَرَّةً اَوْمَرَّتَيْنِ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَنِی بِهٰذَا وَاِنْ كُنْتَ طَلَّقْتَهَا ثَلَاثًا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْكَ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَكَ وَعَصَيْتَ اللّٰهَ فِيْمَا اَمَرَكَ مِنْ طَلَاقِ اِمْرَأَتِكَ. (مسلم شریف ص۴۷۶ ج۱)

(سنن دارقطنی ص۴۳۸ ج۱) (بیہقی ص۳۳۶ ج۷)

اس کی سند کے متعلق ابن رجب فرماتے ہیں ''اسنادہ صحیح کہ اس کی سند صحیح ہے (بحوالہ کتاب الاشفاق) اس روایت کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے۔

ترجمہ: عویمرؓ نے اپنی اہلیہ کو حضور کے سامنے تین طلاقیں دیدیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو نافذ فرمایا دیا (تین کو ایک قرار نہیں دیا) (ابوداؤد شریف ص۳۱۳ ج۱)

ترجمہ: عامر شعبی کہتے ہیں میں نے فاطمہ بنت قیسؓ سے کہا کہ اپنی طلاق کا قصہ مجھ سے بیان کیجئے۔ انہوں نے کہا میرے شوہر یمن گئے ہوئے تھے وہیں سے انہوں نے مجھ کو تین طلاقیں بھیج دیں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین طلاقوں کے واقع ہو جانے کا فتویٰ دیا۔ (ابن ماجہ ص۱۴۷)

خلاصہ یہ کہ حضرت فاطمہ بنت قیس کی متعدد روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ فاطمہ کو ان کے شوہر نے تین طلاقیں ایک ہی وقت میں دی تھیں اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تین ہی گردانا تھا۔ علامہ ابن حزم نے بھی اسی کو راجح قرار دیا ہے اور جن روایتوں سے اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے ان کا جواب دیا ہے۔ (محلی ص۱۷۱...۲۷۲ ج۱۰)

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے متعلق سنا کہ انہوں نے ''طلاق البتۃ'' دی ہے (لفظ البتۃ سے ایک طلاق مراد ہوتی ہے اور تین طلاقوں کی بھی نیت ہو سکتی ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم غضبناک ہو گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو کھیل اور مذاق بناتے ہیں جو کوئی طلاق البتۃ دے گا ہم اس کے ذمہ تین لازم کر دیں گے (پھر وہ عورت اس کیلئے حلال نہ ہوگی) یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے)۔ (دارقطنی ص۴۴۳ ج۲)

ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص بدعی طریقے پر طلاق دے گا چاہے ایک طلاق دے یا دو طلاقیں یا تین طلاقیں دے گا تو ہم وہ اس پر لازم کر دیں گے۔ (دارقطنی ص۴۴۳...۴۴۴ ج۲) (اغاثۃ اللہفان ص۳۵۵...۳۵۶)

حضرت عبادۃ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے اپنی زوجہ کو ہزار طلاقیں دے ڈالیں، حضرت عبادہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کی بیوی تین طلاقوں سے بائنہ ہو گئی اور نو سو ستانوے ظلم اور عدوان ہوئیں، اللہ چاہے تو اس ظلم کی سزا دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔

(یہ حدیث طبرانی نے بھی روایت کی ہے)۔

(مصنف عبدالرزاق ص۳۹۳ ج۶) (فتح القدیر ص۳۳۰ ج۳)

صفوان بن عمر سے روایت ہے کہ ایک عورت کو خاوند ناپسند تھا (ایک مرتبہ) اس کو سوتا ہوا پا کر اس کے سینے پر بیٹھ گئی اور چھری اس کے سینے پر رکھ کر کہنے لگی کہ مجھے تین طلاقیں دیدے ورنہ تجھے ذبح کر دوں گی، خاوند نے قسم دی کہ میں تجھے بعد میں طلاق دیدوں گا لیکن اس نے انکار کر دیا (مجبور ہو کر اس نے عورت کو تین طلاقیں دیدیں۔ اس کے بعد وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور مسئلہ پوچھا تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ''طلاق میں چشم پوشی نہیں ہوتی۔'' (انوار السنن ص۸۱۲)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ کے ابتدائی زمانہ میں جب انت طالق، انت طالق، انت طالق کہا جاتا تو عموماً لوگوں کی دوسری اور تیسری طلاق سے تاکید کی نیت ہوتی، استیناف کی نیت نہ ہوتی تھی اور اس زمانہ میں لوگوں میں تدین اور تقویٰ، خوف آخرت اور خوف خدا غالب تھا، دنیا کی خاطر دروغ بیانی کا خطرہ تک دل میں نہ آتا تھا، آخرت میں جوابدہی اور آخرت کے عذاب کا اتنا استحضار رہتا کہ مجرم بذات خود حاضر ہو کر اپنے جرم کا اقرار کرتا اور اپنے اوپر شرعی حد جاری کرنے کی درخواست کرتا اس بناء پر ان کی بات پر اعتماد کر کے ایک طلاق کا حکم کیا جاتا اسی اعتبار سے حدیث میں کہا گیا ہے کہ اس زمانہ میں تین طلاقیں ایک شمار کی جاتیں تھیں، مگر جیسے جیسے عہد نبوی سے بعد ہوتا گیا اور بکثرت عجمی لوگ بھی حلقہ بگوش اسلام ہونے لگے ان میں تقویٰ و خوف آخرت کا معیار کم ہونے لگا اور پہلے جیسی سچائی، امانت داری اور

دیانت داری نہ رہی دنیا اور عورت کی خاطر دروغ بیانی ہونے لگی جس کا اندازہ اس واقعہ سے لگایئے۔

حضرت عمرؓ کے پاس عراق سے ایک سرکاری خط آیا کہ یہاں ایک شخص نے اپنی بیوی کو یہ جملہ کہا ہے حبلک علیٰ غاربک (تیری رسی تیری گردن پر ہے) عمر بن خطابؓ نے اپنے عامل کو لکھا کہ اَنْ مُرْهُ اَنْ يُوَافِيْنِي بِمَكَّةَ فِي الْمَوْسِمِ" اس کو کہو کہ حج کے زمانہ میں مکہ مکرمہ میں مجھ سے ملے۔ حضرت عمرؓ حج کے زمانہ میں کعبہ کا طوف کر رہے تھے کہ اس آدمی (عراقی) نے آپ سے ملاقات کی اور سلام کیا حضرت عمرؓ نے فرمایا من انت تم کون ہو؟ اس نے کہا اَنَا الرَّجُلُ الَّذِيْ اَمَرْتَ اَنْ اُجْلَبَ عَلَيْكَ میں وہی ہوں جس کو آپ نے حج کے زمانہ میں طلب فرمایا تھا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تجھے رب کعبہ کی قسم سچ بتا "حَبْلُكَ عَلٰى غَارِبِكَ" سے تیری کیا نیت تھی؟ اس شخص نے کہا "يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَوِ اسْتَحْلَفْتَنِيْ فِيْ غَيْرِ هٰذَا الْمَوْضِعِ مَا صَدَّقْتُكَ اَرَدْتُ بِهٰذَا الْفِرَاقَ" اے امیر المومنین آپ نے اگر اس مبارک جگہ کے علاوہ کسی اور جگہ قسم لی ہوتی تو میں صحیح نہ بتاتا حقیقت یہ ہے کہ میں نے اس جملہ سے فراق کا یعنی عورت کو اپنے نکاح سے الگ کرنے کا ارادہ کیا تھا حضرت عمرؓ نے فرمایا عورت تیرے ارادے کے مطابق تجھ سے علیحدہ ہوگئی۔

(موطا امام مالک ص ۲۰۰ فی الخلیۃ والبریۃ واشباہ ذلک)

آپ نے اس چور دروازے کو بند کرنے کیلئے فیصلہ کیا کہ لوگوں نے ایسی چیز میں جلد بازی شروع کر دی جس میں انہیں دیر کرنا چاہئے تھی اب جو شخص تین مرتبہ طلاق دے گا ہم اسے تین ہی قرار دیں گے۔ صحابہ کرامؓ نے اس فیصلہ سے اتفاق کیا اور کسی ایک نے بھی حضرت عمرؓ کی مخالفت نہ کی۔ چنانچہ امام طحاویؒ لکھتے ہیں:۔

حضرت عمرؓ نے اس کے ساتھ سب لوگوں کو خطاب کیا ان میں وہ صحابہ کرامؓ بھی تھے جو اس بات سے واقف تھے کہ مطلقہ ثلاث کا عہد نبوی میں کیا حکم تھا پھر بھی ان میں سے کسی نے انکار نہیں کیا اور حضرت عمرؓ کے ارشاد کو رد نہیں کیا۔ (طحاوی شریف ص ۲۹ ج ۲)

محقق علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں:۔ لَمْ يُنْقَلْ عَنْ اَحَدٍ مِنْهُمْ اَنَّهٗ خَالَفَ عُمَرَ حِيْنَ اَمْضَى الثَّلَاثَ وَهِيَ يَكْفِيْ فِي الْاِجْمَاعِ. یعنی کسی ایک صحابی سے بھی یہ منقول نہیں ہے کہ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں تین طلاق کا فیصلہ کیا ان میں سے کسی ایک نے بھی حضرت عمرؓ کا خلاف کیا ہو اور اس قدر بات اجماع کیلئے کافی ہے۔ (حاشیہ ابوداؤد ص ۳۰۶ ج ۱)

جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا اور لوگوں نے اس جملہ کا استعمال بکثرت شروع کر دیا اور عموماً ان کی نیت طلاق کے دوسرے اور تیسرے لفظ سے استیناف ہی کی ہوتی تھی اسلئے اس جملہ کا جب کوئی استعمال کرتا تو عرف کی بنا پر تین طلاقوں کا حکم کیا جاتا۔ (نووی شرح مسلم ص ۴۷۸ ج ۱)

علامہ ابن قیمؒ لکھتے ہیں یعنی حضرت ابن مسعود، حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین سے اکٹھی تین طلاقوں کا لازم کرنا بے شک وشبہ ثابت ہے (اغاثۃ اللہفان ص ۱۷۹)

اور ایسا ہی اعلام الموقعین میں بھی ہے۔

حضرت مولانا سید نذیر حسین صاحب دہلوی لکھتے ہیں:۔ صحابہ کی یہ عادت تھی کہ بلا حکم اور بلا اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کوئی شرعی اور دین کا حکم محض اپنی طرف سے قائم و جاری نہیں کرتے تھے۔ (مجموعہ فتاوی نذیریہ ص ۳۵۸ ج ۲)

(۱) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ عُمَرُؓ اِذَا اُتِيَ بِرَجُلٍ قَدْ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ ثَلَاثًا فِيْ مَجْلِسٍ اَوْجَعَهٗ ضَرْبًا وَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا. (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱ ج ۵)

"حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب حضرت عمرؓ کے پاس ایسا شخص لایا جاتا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہوتیں تو آپ اس کو سزا دیتے اور دونوں میں تفریق کر دیتے۔"

زید بن وہب فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لایا گیا اس نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی تھیں، اس سے حضرت عمرؓ نے فرمایا "کیا تو نے اتنی طلاقیں دی ہیں؟ اس نے کہا میں تو مذاق کر رہا تھا حضرت عمرؓ نے اسے درے سے سزا دی اور فرمایا کہ تجھ کو ایک ہزار میں صرف تین کافی تھیں۔ (محلی ابن حزم ص ۱۷۲ ج ۱۰)

(۳) حضرت عمرؓ نے اپنے گورنر حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو ایک سرکاری خط لکھا اس میں آپ نے یہ بھی تحریر فرمایا وَمَنْ قَالَ اَنْتَ طَالِقٌ ثَلٰثًا فَهِيَ ثَلَاثٌ. جو شخص یوں کہے "تجھے تین طلاق" تو تین واقع ہوں گی۔ (سنن سعید بن منصور ص ۲۵۹ ج ۳ قسم اول۔ رقم الحدیث نمبر ۱۰۶۹)

(۴) خلیفہ راشد حضرت عثمان بن عفانؓ کا فتویٰ

یعنی: معاویہ ابن ابی یحییٰ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدی ہیں آپ نے جواب دیا:

"بَانَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ"

تیری بیوی تجھ سے تین طلاقوں سے جدا ہوگئی۔ (محلی ابن حزم ص ۲۷، ج ۱۰)

(۳) خلیفہ راشد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے آثار

(۱) رَوٰی وَکِیْعٌ عَنْ حَبِیْبِ بْنِ اَبِیْ ثَابِتْ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلٰی عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ قَالَ اِنِّیْ طَلَّقْتُ امْرَأَتِیْ اَلْفًا فَقَالَ لَهٗ عَلِیٌّ بَانَتْ مِنْکَ بِثَلَاثٍ.

(محلی ابن حزم ص ۱۳ ج ۱۰) (سنن بیہقی ص ۳۳۵ ج ۷) (زاد المعاد ص ۲۵۹ ج ۲) (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳ ج ۵) (ایضاً ص ۱۲ ج ۵) (فتح القدیر ص ۳۳۰ ج ۳) (طحاوی شریف ص ۳۰ ج ۲)

حبیب ابن ابی ثابتؒ روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس ایک آدمی آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاقیں دی ہیں۔ آپ نے فرمایا: تین طلاقوں سے عورت تجھ سے بائنہ ہوگئی۔

علامہ شوکانی نے بھی نیل الاوطار میں حضرت علیؓ کا یہی مسلک بیان کیا ہے کہ وہ طلاق ثلثہ کے وقوع کے قائل تھے۔ (نیل الاوطار ص ۲۴۵ ج ۶)

درحقیقت یہ انتہائی نادانی اور کجروی ہے کہ جو جماعت امت اور اس کے رسول کے درمیان واسطہ ہے، جو اس کے اقوال و افعال ہم تک پہنچانے والی ہے اسی پر اعتماد نہ کیا جائے، اگر خدا کا رسول خود اپنی حیات میں ان پر اعتماد کر چکا ہے، بادشاہوں اور قبائل کفار سے گفت و شنید انہی کی معرفت کی ہے تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ امت ان پر اعتماد نہ کرے ایک عالم گیر دین جس جماعت سے نکلتا ہے اگر وہی جماعت ناقابل اعتماد ہے تو پھر آئندہ اس دین کا خدا حافظ۔

اسی اہمیت کے پیش نظر حدیث میں فرقہ ناجیہ کی علامت "مَا اَنَا عَلَیْهِ وَاَصْحَابِیْ" بتلا کر صحابہ کرامؓ کی سنت کو ایک مستقل حیثیت دیدی گئی ہے، جس طرح رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ خدا تعالیٰ کے طریقہ سے علیحدہ نہیں ٹھیک اسی طرح صحابہ کرامؓ کی سنت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے الگ نہیں اس لئے فرقہ ناجیہ کی بڑی علامت یہ ہے کہ وہ ان دونوں طریق کی جو درحقیقت ایک ہی ہیں اپنے اپنے مرتبہ میں بزرگی اور احترام کی قائل ہو، بلکہ اس پر گامزن بھی ہو، خوارج نے صرف سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو لیا اور صحابہ کی ایک جماعت کو کافر ٹھہرایا یہی ان کے ناحق ہونے کی پہلی علامت ہے۔

ہجرت کے چھٹے سال صلح حدیبیہ کے موقع پر جب عروہ ثقفی قریش کی جانب سے شرائط صلح پر گفتگو کرنے کیلئے آئے ہیں تو جن الفاظ میں صحابہ کرام کی وفاداری کا نقشہ انہوں نے قریش کے سامنے کھینچا ہے اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک کافر کے قلب پر اس کا کتنا گہرا اثر پڑا تھا۔ وہ کہتا ہے:

"میں نے قیصر و کسریٰ و نجاشی کے دربار دیکھے ہیں لیکن جو والہانی عقیدت کا منظر یہاں دیکھا کہیں نہیں دیکھا، جب محمد صلی اللہ علیہ وسلم بات کرتے ہیں تو گردنیں جھک جاتی ہیں اور محفل پر ایک سکوت کا عالم طاری ہو جاتا ہے نظر بھر کر کوئی شخص ان کی طرف دیکھ نہیں سکتا، آپ کے وضو کا پانی اور آپ کا بلغم زمین پر گرنے نہیں پاتا کہ وہ اسے ہاتھ لے لیتے ہیں اور اپنے چہرے اور ہاتھوں پرمل لیتے ہیں۔"

صحابہ کرام کی تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ وہ سب سے پہلے (بعد کتاب اللہ کے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی سنت تلاش کیا کرتے تھے اگر وہ نہ ملتی تو اس کے بعد اپنے اجتہاد سے فیصلہ کرتے اور اگر بعد بھی آپ کی سنت ہاتھ آجاتی تو اسی کی اتباع کرتے اور اپنے قول سے رجوع کر لیتے۔ ایک واقعہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا جہاں کسی صحابی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ سنا ہو اور اس کے ثبوت کے بعد پھر اس کے خلاف فیصلہ کرنے کا اپنے دل میں خطرہ بھی محسوس کیا ہو۔

اس لئے موجودہ مسئلہ میں صحابہ کے فتاویٰ کیا ہیں۔ یہ معلوم ہو جانے کے بعد اتنی بات بخوبی ثابت ہو جائے گی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ بھی یہی ہے۔

سہل بن ابی حثمہؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں چھ حضرات فتویٰ کا کام کرتے تھے تین مہاجرین میں سے اور تین انصار میں سے۔ (۱) عمر فاروقؓ (۲) عثمان بن عفانؓ (۳) علی مرتضیٰؓ۔ (۴) ابی بن کعبؓ (۵) معاذ بن جبلؓ (۶) زید بن ثابتؓ۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور مسور بن مخرمہؓ فرماتے ہیں کہ تمام صحابہ کرام کا علم انہی چھ حضرات پر منتہی ہوتا ہے۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو جب کوئی مشکل پیش آتی تھی تو انہی چھ حضرات فتویٰ میں مرجع خلائق سمجھے جاتے تھے۔ پھر فاروق اعظم کے عہد میں بھی یہی صورت باقی رہی کہ فتویٰ انہیں حضرات کا چلتا تھا۔ (طبقات ابن سعد ص ۱۰۹ ج ۲ بحوالہ ثمرات الاوراق ص ۱۹۲)

اب صحابہ کرامؓ کے فتاویٰ پیش کیے جاتے ہیں

مصنف عبدالرزاق میں ہے

حضرت علیؓ کا فتویٰ:

شریک بن ابی نمر سے روایت ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہنے لگا میں نے اپنی بیوی کو عرفج کے درختوں کے برابر طلاقیں دیدی ہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ ان میں سے تین لے لو اور باقی کو چھوڑ دو۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۴ ج ۶)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا فتویٰ:

مسروق اور علقمہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک شخص سے جس نے اپنی عورت کو سو طلاقیں دی تھی (اور ایک دوسرے شخص سے جس نے اپنی عورت کو ننانوے طلاقیں دیں تھیں) فرمایا کہ تین طلاقوں سے بیوی جدا ہوگئی اور بقیہ طلاقیں ظلم، عدوان اور زیادتی ہیں۔ (محلی ص ۱۷۲ ج ۱۰) (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۲ ج ۵) (زاد المعاد ص ۲۵۹ ج ۲)

حضرت علی، حضرت عبداللہ اور حضرت زید کا فتویٰ:

حکم روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین یہ تینوں حضرات فرماتے ہیں کہ اگر غیر مدخولہ منکوحہ کو تین طلاقیں ایک لفظ سے (اَنْتَ طَالِقٌ ثَلَاثًا، تجھے تین طلاق) دیدی تو تینوں واقع ہو جائیں گی اور عورت شوہر کیلئے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اگر الگ الگ لفظوں سے طلاق دے تو پہلی ہی طلاق سے بائنہ ہو جائے گی۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۳۶ ج ۶)

حضرت عبداللہ بن مسعود کا فتویٰ:

علقمہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے ابن مسعودؓ سے آ کر کہا میں نے اپنی بیوی کو ننانوے طلاقیں دیدیں، میں نے مسئلہ دریافت کیا تو مجھے جواب ملا کہ عورت مجھ سے جدا ہوگئی۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا ان لوگوں کی خواہش یہ ہے کہ تم دونوں میں تفریق کر دیں۔ یہ سن کر اس شخص نے کہا آپ کیا فرماتے ہیں؟ اس نے یہ گمان کیا کہ شاید ابن مسعودؓ رخصت دیدیں گے (اور رجعت کا حکم دیدیں گے) ابن مسعودؓ نے جواب دیا کہ تین طلاقوں سے وہ تم سے جدا ہوگئی اور بقیہ طلاقیں ظلم اور زیادتیاں ہیں۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۵ ج ۶)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا فتویٰ:

ابن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی عورت کو ستاروں کی تعداد کے برابر طلاقیں دی ہوں تو آپ نے فرمایا اس نے سنت طریقہ کے خلاف کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہوگئی۔ (دارقطنی ص ۴۳۳ ج ۲)

ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا ابن عباس! میں نے اپنی عورت کو سو طلاقیں ایک ہی دفعہ دیدی ہیں کیا وہ مجھ سے تین طلاقوں سے الگ ہو جائے گی یا وہ ایک طلاق شمار ہوگی؟ آپ نے فرمایا تین طلاقوں سے عورت جدا ہوگئی اور بقیہ ستانوے تم پر وزر (بوجھ) ہیں۔ یہی فتویٰ حضرت ابو ہریرہؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی ہے۔

ایک شخص حضرت ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو ایک ہزار طلاقیں دیدی ہیں۔ آپ نے فرمایا ان میں سے تین لے لو (کہ عورت کے حرام ہونے کیلئے تین ہی کافی ہیں اور مرد تین ہی طلاق کا مالک ہے) اور بقیہ ۹۹۷ چھوڑ دو۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۶ ج ۶)

عطاء فرماتے ہیں ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی عورت کو تین طلاقیں دیدی ہیں، فرمایا تم جیسے لوگوں کا طریقہ یہ ہے کہ گندگی سے پوری طرح آلودہ ہو جاتے ہو پھر ہمارے پاس آتے ہو، چلے جاؤ تم نے اپنے رب کی نافرمانی کی، تم پر تمہاری بیوی حرام ہوگئی، تاوقتیکہ دوسرے سے نکاح نہ کرے۔ (کتاب الآثار ص ۳۰ ج ۲)

حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو کا فتویٰ:

محمد ابن ایاس فرماتے ہیں کہ ابن عباس، ابو ہریرہ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہم اجمعین سے سوال کیا گیا کہ غیر مدخولہ کو اس کا شوہر (مجتمعاً) تین طلاقیں دیدے تو کیا حکم ہے؟ ان تینوں حضرات نے متفقہ طور پر فرمایا کہ وہ عورت اس مرد کیلئے حرام ہوگئی یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ (ابوداؤد ص ۳۰۲ ج ۱)

حضرت نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے جب کسی ایسے شخص کے متعلق سوال کیا جاتا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدی ہوں تو آپ جواب دیا کرتے اگر ایک بار یا دو بار طلاق دی ہوتی (تو رجعت کر سکتا اس لئے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اسی کا (رجعت کا) حکم دیا تھا لیکن اگر تین طلاقیں دیدی ہیں تو وہ حرام ہوگئی جب تک دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے۔ (بخاری شریف)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دیدے تو اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور عورت اس سے جدا ہوگئی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۱ ج ۵)

ابن عمر فرماتے ہیں جو شخص اپنی عورت کو تین طلاقیں دیدے تو وہ مطلقہ ہو جائے گی اور اس نے اپنے رب کی نافرمانی کی۔ (مصنف عبدالرزاق ص ۳۹۵ ج ۶)

عبداللہ بن عمرؓ سے اس شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جو اپنی عورت کو سو طلاقیں دیدے تو آپ نے فرمایا تین طلاقیں عورت کو مرد سے جدا کر دیں گی اور بقیہ زیادتی ہیں۔ (طحاوی شریف ص ۳۱ ج ۲)

ابن عباس، ابو ہریرہ اور حضرت عائشہؓ کا فتویٰ:

معاویہ فرماتے ہیں کہ ابن عباس، ابو ہریرہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہم اجمعین نے (اس عورت کے متعلق جس کو تین

طلاقیں دیدی گئی ہوں) فرمایا کہ اب وہ عورت شوہر کیلئے حلال نہیں جب تک دوسرا نکاح نہ کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۲ ج ۵)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا فتوی:

حضرت جابرؓ سے روایت ہے آپ فرماتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ایک ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو صحبت سے قبل تین طلاقیں دیدی ہوں۔ آپ نے جواب دیا کہ اب اس شوہر کیلئے حلال نہیں کہ اس سے وطی کرے۔

(۱۱) حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کا اثر

طارق فرماتے ہیں کہ قیس بن ابی حازم حضرت مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت مغیرہؓ سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدی ہوں تو آپ نے جواب دیا کہ تین طلاقوں نے عورت کو شوہر پر حرام کر دیا اور بقیہ ستانوے فاضل اور بیکار ہیں۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۳، ۱۴ ج ۵) (اغاثۃ اللہفان ص ۲۹ ۳ عن بیہقی)

(۱۲) حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کا اثر

عمران بن حصین سے ایسے شخص کے متعلق سوال کیا گیا جس نے اپنی بیوی کو ایک مجلس میں تین طلاق دے دی ہو تو آپ نے فرمایا اس نے گناہ کا کام کیا اور اس کی عورت اس پر حرام ہوگئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۰۔۱۱ ج ۵) (احکام القرآن للجصاص ص ۳۸۳ ج ۱) (اغاثۃ اللہفان ص ۳۷۱)

(۱۳) حضرت انس رضی اللہ عنہ کا اثر

شفیق فرماتے ہیں کہ حضرت انس بن مالکؓ اس شخص کے متعلق جو صحبت سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاقیں دیدے فرماتے تھے یہ تین طلاقیں ہیں، اب وہ عورت اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ اور حضرت عمرؓ کے پاس جب ایسا شخص لایا جاتا تو آپ اس کو سزا دیتے۔ (سنن سعید بن منصور ص ۲۹۰ ج ۳ قسم اول۔ رقم الحدیث ۱۰۷۴)

شریح رحمہ اللہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقرر کردہ قاضی تھے۔ حضرت عمرؓ کے عہد سے لے کر حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ اور حضرت معاویہؓ کے عہد تک برابر قاضی رہے، بڑے بلند پایہ تابعی ہیں۔

شعبی کا بیان ہے کہ ایک شخص نے شریح سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دیدی ہیں، قاضی شریح نے فرمایا عورت تین طلاقوں سے تم سے جدا ہوگئی باقی ستانوے اسراف اور معصیت ہیں۔

مغیرہ ابراہیم نخعی سے روایت کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور صحبت سے قبل ہی تین طلاقیں دیدے تو کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا اگر ایک جملہ میں تین طلاقیں دی ہیں (یعنی اس طرح کہا ہے کہ "تجھے تین طلاق") تو عورت اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کرے۔ (مصنف ابن ابی شیبہ ص ۲۳ ج ۵)

امام شعبی فرماتے ہیں جو شخص اپنی زوجہ کو تین مرتبہ طلاق دینے کا اختیار دیدے اور عورت ایک ہی مرتبہ اپنے اوپر تین طلاقیں واقع کر دے تو (تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور بیوی اس سے جدا ہو جائے گی۔

امام شعبی فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ ارادہ کرے کہ اس کی بیوی بالکل اس سے علیحدہ ہو جائے وہ اسکو تین طلاقیں دیدے۔

ایک شخص حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہا میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاقیں دیدی ہیں آپ نے فرمایا وہ عورت تم سے جدا ہوگئی۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ص ۱۴ ج ۵)

حزم بن حزم فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حسن بصری سے مسئلہ پوچھا کہ گذشتہ رات ایک شخص نے اپنی بیوی کو نشہ کی حالت میں تین طلاقیں دیدی ہیں آپ نے فرمایا کہ اس کو اسی کوڑے لگائے جائیں اور اس کی بیوی اس سے علیحدہ ہوگئی۔ (سنن سعید بن منصور ص ۲۶۶ ج ۳ قسم اول۔ رقم الحدیث نمبر ۱۱۰۰)

(۱۵) حضرت امام جعفر صادق رحمہ اللہ کا اثر

حضرت امام جعفر صادق کا صریح فتوی ہے کہ تین طلاقوں کے بعد عورت حلالہ کے بغیر حلال نہیں ہوسکتی۔ عَنْ اَبَانَ تَغْلَبَ قَالَ سَأَلْتُ جَعْفَرَ بْنُ مُحَمد(رِ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ اِمْرَأتَهُ ثَلَاثاً فَقَالَ بَانَتْ مِنْهُ وَلَا تَحِلُّ لَهُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجاً غَيْرَهُ فَقُلْتُ اَفْتَى النَّاسُ بِهٰذَا قَالَ نَعَمْ. (سنن دار قطنی ص ۴۴۴ ج ۲)

(۱۶) حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا اثر

قَالَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ لَوْ كَانَ الطَّلَاقُ اَلْفاً مَا اَبْقَتُ اَلْبَتَّةُ مِنْهُ شَيْئاً (موطا امام مالک ص ۱۹۹)

آپ ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر مرد کو شریعت کی طرف سے ایک ہزار طلاقیں دینے کا اختیار دیا گیا ہوتا۔ اور کوئی شخص اپنی بیوی کو لفظ "البتۃ" سے طلاق دیتا تو ایک بھی طلاق باقی نہ رہتی (ہزار واقع ہو جاتیں)۔

(سنن سعید بن منصور ص ۳۹۰ ج ۳ قسم اول۔ رقم الحدیث نمبر ۱۶۷۳)

نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے نزدیک بھی کلمہ واحدہ سے تین طلاقیں واقع ہو جاتی ہیں۔ (سنن سعید بن منصور ص ۲۶۳ ج ۳ قسم اول۔ رقم الحدیث نمبر ۱۰۷۱)

مسروق فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنی غیر مدخولہ منکوحہ کو تین طلاقیں دیدے تو اب وہ اس کیلئے حلال نہیں یہاں تک کہ دوسرے سے نکاح کرے۔

فَقَطْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالصَّوَابِ (موطا امام مالک ص ۲۲۰)

ابن شہاب زہریؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق البتۃ دیتا تو مروان بن حکم اس کو تین طلاقیں قرار دیتے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سعودی عرب کے جید علماء کی نامزد و منتخب تحقیقاتی کمیٹی

''مجلس ہیئت کبار العلماء'' کے سامنے "طَلَقَاتُ ثَلَاثٌ بِلَفْظٍ وَاحِدٍ" کا مسئلہ پیش ہوا۔ اس مسئلے کے متعلق ربیع الثانی ۱۳۹۳ء کو مجلس کا ایک اجلاس منعقد ہوا جسمیں ایک مجلس کی اکٹھی تین طلاقوں کے تین واقع ہونے یا صرف ایک واقع ہونے کے دلائل پیش کئے گئے پھر ان کا تجزیہ و مناقشہ کیا گیا۔

مسلسل چھ ماہ (۱۹ رمضان المبارک ۱۳۹۳ء ھ) تک یہ مسئلہ زیر بحث رہا۔ انتہائی محنت و عرق ریزی کے ساتھ اس مسئلے سے متعلق قرآن وحدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر وحدیث کی سینتالیس کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کرنے کے بعد کمیٹی کی اکثریت نے واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا کہ ''ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں اگرچہ تین کی نیت نہ بھی ہو۔ رجوع یا نکاح کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی۔ الا یہ کہ وہ عورت حلالہ کے طور پر کسی اور شخص سے نکاح کرے اور وہ اسے طلاق دیدے تب وہ پہلے خاوند کے لئے حلال ہوسکتی ہے۔ اور اس طریقے پر طلاق دینا اگرچہ حرام و ناجائز ہے لیکن واقع تینوں ہی طلاقیں ہوجاتی ہیں۔ یہ قانون حضرت عمر فاروقؓ کے دور مبارک میں منعقدہ اجماع صحابہ کی روشنی میں امت اسلامیہ اہلسنت کا متفقہ مسلک و موقف چلا آرہا ہے''۔ اس سیر حاصل بحث کی کاروائی کا مکمل متن ۱۳۶ صفحات پر مشتمل ہے جسکو کمیٹی کی ''ذیلی شاخ'' "اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والا فتاء" نے تفصیلی رپورٹ کی شکل میں مرتب کرکے کمیٹی کے ''مرکزی بورڈ'' کے سامنے پیش کیا۔ اس تفصیلی رپورٹ و کاروائی کے اخیر میں ذیلی شاخ "اللجنة" کے رئیس ابراہیم بن محمد آل الشیخ کے علاوہ نائب الرئیس عبدالرزاق عفیفی نیز دیگر دو ارکان عبداللہ بن سلیمان بن منیع اور عبداللہ بن عبدالرحمٰن بن غدیان کے دستخط بھی ثبت ہیں۔

اس کے بعد ۱۲ ذیقعد ۱۳۹۳ھ کو کمیٹی کے ''مرکزی بورڈ'' نے اسی تفصیلی رپورٹ کی روشنی میں ایک قرارداد پاس کی جس کے متن کا اردو ترجمہ حسب ذیل ہے ''طلقات ثلاث بلفظ واحد موضوع پر وہ سابقہ بحث جو ہیئت کبار العلماء کی منتخب و نامزد کمیٹی نے پیش کی ہے۔ اور جس کو اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والافتاء نے مدون و مرتب کیا ہے ہم نے اس پر اطلاع پائی اس مسئلے پر کامل بحث و تحقیق و تبادلہ خیالات اور جملہ اقوال ومسالک کی چھان بین اور مناقشہ و تجزیہ کے بعد ارکان کمیٹی کی اکثریت اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ لفظ واحد سے طلقات ثلاث کے بارے میں تینوں ہی طلاقوں کے وقوع و نفاذ کا قول اختیار کیا جائے'' ۱۲/۱۱/۱۳۹۳ھ

یہ رپورٹ قرارداد نو صفحات پر حاوی ہے۔

یہ پوری بحث و کاروائی مع قرارداد حکومت سعودیہ نے اپنے رسالہ "مجلة البحوث الاسلامیه" (۱۳۹۷ھ، محرم ۱۴۱۳ھ) الریاض المملکة العربیہ السعودیہ میں شائع کی ہے۔ یہ مجلّہ اس وقت شیخ عبدالعزیز بن باز رحمۃ اللہ علیہ کی نگرانی میں شائع ہوتا تھا۔

جلالۃ الملک خادم حرمین حفظ اللہ نے جہاں توسیع حرمین، تزئین مدینہ، طباعت قرآن کریم، عالمی زبانوں کی تفاسیر کی اشاعت جیسے شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں اہلسنت والجماعت کے موقف کے مطابق ''طلقات ثلاث بلفظ واحد'' جیسے معرکۃ الاراء اختلافی مسئلے کی تجدید و احیاء نو فرما کر مسلمانوں کو حرام سے محفوظ فرما کر امت اسلامیہ پر عظیم احسان فرمایا ہے۔ فجزاهم الله خير الجزاء

جو اس مسئلے سے اختلاف کرکے اکٹھی تین طلاقوں کی ایک ہی طلاق ماننے پر اصرار کرتے ہیں ان حضرات پر سعودیہ عربیہ کا یہ فیصلہ حجت قاطعہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

حق کے متلاشی کیلئے تردد کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ اگرچہ سعودی عرب کے کبار علماء کی اس تحقیقاتی کمیٹی میں ایک بھی حنفی عالم موجود نہ تھا بایں ہمہ شاید بعض لوگوں کو یہ غلط فہمی ہو کہ اکٹھی تین طلاقوں ماننا صرف علماء احناف ہی کا مسلک ہے مگر حقیقت اس کے برخلاف ہے۔ یہ چاروں مذاہب کے آئمہ واصحاب کے ہاں قطعی متفقہ و مسلمہ ہے۔

خیر الفتاویٰ جلد پنجم سے تلخیص

کتاب الطلاق (حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمۃ اللہ علیہ)

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّي عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ. اَمَّا بَعْد:

دین اسلام خدا تعالیٰ کا کامل دین ہے اور آخری بھی ہے۔ اور صرف اور

مجلة البحوث الإسلامية

مجلة دورية تصدر عن الرئاسة العامة لإدارات البحوث العلمية والإفتاء والدعوة والإرشاد - الرياض

الأمانة العامة لهيئة كبار العلماء

رئيس التحرير

محمد بن سعد الشويعر

مجلة فصلية تعنى بالبحوث الإسلامية
تصدر كل أربعة أشهر مؤقتا

١١/١٣ التاريخ ١/١/١٤١٣ هـ
الرياض - ص.ب ١٥٤١٧٠

حكم الطلاق الثلاث بلفظ واحد

هذا ما تيسر إعداده، وبالله التوفيق، وصلى الله على محمد وعلى آله وصحبه وسلم.

حرر في ١٩/٩/١٣٩٣هـ

اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء

عضو	عضو	نائب الرئيس	رئيس اللجنة
عبد الله بن سليمان بن منيع	عبد الله بن عبد الرحمن بن غديان	عبد الرزاق عفيفي	إبراهيم بن محمد آل الشيخ

صرف ایک ہی دین ہے جو محفوظ ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ احکام شرعیہ کا کلی علم رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا فرما دیا گیا۔ ان ہی کلیات کی تعبیر و تشریح اور تفصیل آئمہ مجتہدین نے فرمائی۔ اور دین کی کاملیت کو آفتاب نیمروز کی طرح ظاہر و باہر فرما دیا۔ اسلام کی کامل تعبیر و تشریح جو خیر القرون میں ہی مرتب ہوئی اور اسی دن سے آج تک شہرت عام بقائے دوام کی لازوال سعادت سے مشرف ہوئی، اس کا نام فقہ حنفی ہے۔ مشہور اور مسلم مقولہ ہے کہ وَبِضِدِّهَا تَتَبَيَّنُ الْاَشْيَاءُ چراغ تاریکی میں چمکتا ہے۔ دوسرے ادیان کو دیکھو آپ کو ایک جز بھی طہارت، عبادات، معاملات، سیاسیات، معیشت، معاشرت کی جزئیات پر نہیں ملے گا۔ ہر طرف ظلمات بعضھا فوق بعض کی طرح نہ ختم ہونے والی تاریکی ہے۔ لیکن اسلام میں ایک ایک کتاب کے سینکڑوں صفحات ملیں گے۔ جن میں ہزاروں جزئیات ہوں گی۔ آپ کوئی ٹیڑھی سے ٹیڑھی اور پیچیدہ سے پیچیدہ صورت مسئلہ بنا کر پیش کریں۔ مفتی صاحبان اصول شریعت سے اس کا حکم آپ کو بتا دیں گے۔

یہ خیر الفتاویٰ کی پانچویں جلد آپ کے ہاتھ میں ہے۔ یہ عبادات سے متعلق نہیں، معاملات سے متعلق ہے۔ اور تمام معاملات بھی نہیں صرف طلاق کے مسائل پر مشتمل ہے، جو معاشرہ کا ایک اہم مسئلہ ہے۔ آپ دنیا بھر کی لائبریریوں کی سیر کر لیں۔ عیسائی، یہودی، ہندو، بدھسٹ، جین مت جیسے دین کے دعوے داروں کے ہاں تلاش کریں۔ اس جلد کا سوواں حصہ بھی کسی مذہب میں طلاق کی جزئیات نہیں ملیں گی۔

حضرات مجتہدین اور مفتیان کرام پورے دین کے محافظ اور پہرے دار ہیں۔ اور تفصیل و تشریح بھی فرماتے ہیں۔ جامعہ خیر المدارس ایک بین الاقوامی یونیورسٹی ہے۔ اس جامعہ کے بانی عارف کامل جامع بین الشریعۃ والطریقۃ استاد العلماء حضرت اقدس مولانا خیر محمد صاحب جالندھری قدس سرہٗ تھے۔

خالق کائنات نے رنگا رنگ مخلوق پیدا فرمائی۔

ع اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

ان میں انسان کو اشرف المخلوقات بنایا۔ اور اس میں دو قسم کی شہوت رکھ دی۔ ایک شہوت بطن، دوسری شہوت شرم گاہ۔ شہوت بطن کی بقاء اصل کے لئے ہے۔ تاکہ انسان کو بھوک لگے۔ وہ کھائے پئے اور اس مشینری کے چلنے کے لئے خون کا پٹرول پیدا ہوتا رہے۔ اور شہوت شرمگاہ بقائے نسل کے لئے ہے۔

تورات اور طلاق

تورات میں ہے: ''اگر کوئی مرد کسی عورت سے بیاہ کرے۔ اور پیچھے اس میں کوئی ایسی بیہودہ بات پائے جس سے اس عورت کی طرف التفات نہ رہے تو وہ اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے۔ اور جب وہ اس کے گھر سے نکل جائے تو وہ دوسرے مرد کی ہو سکتی ہے۔ پھر اگر دوسرا شوہر بھی اس سے ناخوش رہے اور اس کا طلاق نامہ لکھ کر اس کے حوالے کرے اور اسے اپنے گھر سے نکال دے یا وہ دوسرا شوہر جس نے اس سے بیاہ کیا ہو مر جائے تو اس کا پہلا شوہر جس نے اسے نکال دیا تھا، اس عورت کے ناپاک ہو جانے کے بعد پھر اس سے نکاح نہ کرنے پائے۔ کیونکہ ایسا کام خداوند کے ہاں مکروہ ہے۔ (استثناء (۲۴: ۱-۴) دیکھئے یہاں نہ طلاق کی تعداد معین ہے اور نہ ہی طلاق کی کوئی عدت ہے، جس میں دونوں کو سوچ بچار کا موقع ہو۔ یا برادری و احباب ان کو سمجھا سکیں۔

انجیل اور طلاق

اور فریسیوں نے پاس آ کر اسے آزمانے کے لئے اس سے پوچھا کیا یہ روا ہے کہ مرد اپنی بیوی کو چھوڑ دے؟ اس نے ان سے جواب میں کہا کہ موسیٰ نے تم کو حکم دیا ہے؟ انہوں نے کہا موسیٰ نے تو اجازت دی ہے کہ طلاق نامہ لکھ کر چھوڑ دیں۔ مگر یسوع نے ان سے کہا کہ اس نے تمہاری سخت دلی کے سبب سے تمہارے لئے یہ حکم لکھا تھا۔ لیکن خلقت کے شروع سے اس نے انہیں مرد اور عورت بنایا۔ اسلئے مرد اپنے باپ سے اور ماں سے جدا ہو کر اپنی بیوی کے ساتھ رہے گا اور وہ اور اس کی بیوی دونوں ایک جسم ہوں گے۔ پس وہ دو نہیں بلکہ ایک جسم ہیں۔ اس لئے جسے خدا نے جوڑا ہے اسے آدمی جدا نہ کرے۔ اور گھر میں شاگردوں نے اس سے اس کی بابت پھر پوچھا۔ اس نے ان سے کہا جو کوئی اپنی بیوی کو چھوڑ دے اور دوسری سے بیاہ کرے وہ اس پہلی کے برخلاف زنا کرتا ہے۔ اور اگر عورت اپنے خاوند کو چھوڑ دے اور دوسرے سے بیاہ کرے تو زنا کرتی ہے۔'' (مرقس ۱۰: ۲-۱۲) جناب یسوع نے طلاق کا جواز ہی ختم کر دیا۔

اسلام اور طلاق

یہود کے ہاں طلاق پر کوئی پابندی نہیں اور عیسائیوں کے ہاں طلاق جائز ہی نہ تھی۔ اسلام نے طلاق کو نہایت ناپسندیدہ تو فرمایا، بوقت ضرورت اس کو حلال بھی فرمایا۔ مگر یہ پابندی لگا دی کہ مرد کو زیادہ سے زیادہ تین طلاق کا حق ہے۔ جب اس نے تین کی گنتی پوری کر دی تو اب اسے رجوع کا تو حق کیا ہوتا اس عورت سے نکاح کا بھی حق نہیں ہے۔

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

دور نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت ابو درداءؓ، حضرت رفاعہ قرظیؓ،

حضرت عبادہؓ کے والد نے ایک ہی دفعہ تین طلاقیں دیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلامی حکم کے مطابق یہی فرمایا کہ اب تم ان سے نکاح نہیں کر سکتے، جب تک وہ دوسرے خاوند سے نکاح نہ کرے۔ ایک بھی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش نہیں کی جا سکتی کہ کسی مدخولہ عورت کو طلاق ہوئی ہو۔ اور اسے تین طلاق کہا گیا ہو اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بیوی کو رکھنے کی اجازت دی ہو۔

دور صدیقی رضی اللہ عنہ

رسول رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پیکر صداقت حضرت ابو بکر صدیقؓ خلیفہ بلافصل بنے۔ آپ کے زمانہ خلافت میں بھی ایک واقعہ پیش نہیں کیا جا سکتا کہ کسی آدمی نے اپنی بیوی کو کہا ہو تجھے تین طلاق اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسے فرمایا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم بیوی کو پھر رکھ لو۔

دور فاروقی رضی اللہ عنہ

سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت کے دور سے تیسرے سال مسائل شرعیہ کے بارہ میں بھی اعلانات فرمائے۔ آپؓ نے حرمت متعہ کے حکم کا تاکیدی اعلان فرمایا۔ اور یہ کہ جس عورت کو کہا جائے تجھے تین طلاق وہ تین ہی شمار ہوں گی، اور بیس رکعت تراویح باجماعت پر لوگوں کو جمع فرمایا اور کسی ایک متنفس نے بھی اس کے خلاف آواز نہ اٹھائی۔ کتاب وسنت کے ان احکام پر تمام صحابہ کرام کا اجماع ہو گیا

دور عثمانی رضی اللہ عنہ

حضرت عثمانؓ یا ان کے دور خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے تم رجوع کر لو۔ اس کی کہیں مثال نہیں ملتی۔

دور مرتضوی رضی اللہ عنہ

اور دور مرتضوی میں ایک بھی نام نہیں لیا جا سکتا کہ جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق یا سو طلاق وغیرہ کہا ہو اور حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہٗ یا ان کی خلافت کے کسی مفتی نے یہ فتویٰ دیا ہو کہ یہ ایک رجعی طلاق ہے۔ تم پھر بیوی کو رکھ لو۔

سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ

آپ نے خود اپنی بیوی کو غصہ میں فرمایا کہ تجھے تین طلاق۔ پھر آپ اس پر پریشان ہوئے مگر کہیں سے یہ فتویٰ نہ مل سکا کوئی مفتی نہ تھا جو یہ فتویٰ دیتا کہ جب آپ دونوں مل بیٹھنا چاہتے ہیں تو دوبارہ نکاح کر لیں۔

دور تابعین

رافضیوں نے ایک شرارت کی۔ ایک بوڑھے کو کہا کہ تو یہ حدیث لوگوں کو سنایا کر کہ حضرت علیؓ کو رسول اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک ہی دفعہ تین طلاق دے تو اس کو ایک قرار دیا جائے گا۔ وہ بوڑھا خفیہ خفیہ بیس سال تک اس کو بیان کرتا رہا۔ حضرت امام اعمشؒ کو اس کی بھنک لگی تو فوراً اس بوڑھے کے پاس پہنچے تو اس نے اپنی غلط بیانی کا اعتراف کیا۔ اس طرح پہلی صدی میں رافضیت کا ڈنک نہ چل سکا۔ اور کوئی حرام کو حلال نہ کر سکا۔ دور تابعین ۱۷۰ھ تک ہے۔ اسی دور میں ۱۴۵ھ سے ۱۵۰ھ تک مذہب حنفی مدون ہو گیا۔ جو کتاب وسنت کی پہلی جامع اور مکمل تعبیر وتشریح تھی۔ اور یہ مذہب اس دور میں تواتر سے پھیل گیا۔ اور آج تک متواتر ہے۔ اس میں بھی ایک مجلس کی تین طلاق کو تین ہی قرار دیا گیا۔ اور ایک آواز بھی کسی صحابی یا تابعی کی طرف سے اس کے خلاف نہ اٹھی۔ امام محمدؒ کتاب الآثار میں واشگاف الفاظ میں تحریر فرما رہے ہیں: لا اختلاف فیہ۔ اس مسئلہ میں کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

دور تبع تابعین

یہ دور ۲۲۰ھ تک ہے۔ اس دور میں امام مالکؒ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے مذاہب مدون ہوئے۔ ان تینوں مذاہب میں بھی بالاتفاق یہی مسئلہ لکھا گیا کہ ایک مجلس میں دی ہوئی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوتی ہیں۔

تیسری صدی

اب مذاہب اربعہ کا چلن عام تھا۔ اگر کوئی صاحب ہمت کر کے تاریخ کے کسی مستند حوالہ سے ایسا آدمی تلاش کر دیں تو ہم فی حوالہ ایک ہزار روپے انعام دیں گے۔ اس دور میں بھی مذاہب اربعہ کا ہی چلن تھا کہ ایسی عورت سے رجوع کا کوئی حق نہیں۔ اسی صدی میں مسند امام احمد، دارمی، بخاری، مسلم، ابن ماجہ، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، کتب حدیث مدون ہوئیں۔ ان میں سے کسی ایک محدث نے بھی مذاہب اربعہ کے خلاف کوئی فتویٰ نہیں دیا۔

چوتھی صدی ہجری

اہل سنت مذاہب اربعہ میں سے کسی ایک مذہب کی تقلید کرتے تھے۔ جو اس علاقے میں درساً وعملاً متواتر ہوتا، خواہ وہ فقیہ ہو یا قاضی محدث ہو یا مفسر، اس صدی کے تقریباً ۲۰۲ جلیل القدر محدثین کا تذکرہ ذہبی نے کیا ہے۔ ان میں سے کسی ایک بھی سنی محدث کے بارے میں کوئی یہ ثابت نہیں کر سکتا کہ وہ غیر مقلد تھا۔ اور طلاق ثلاثہ میں مذاہب اربعہ کے خلاف فتویٰ دیتا تھا۔

پانچویں صدی

اس صدی کے ممتاز علماء سب کے سب مذاہب اربعہ میں سے کسی کے مقلد تھے۔ امام بیہقی نے السنن الکبریٰ جلد ہفتم میں تین طلاق کے مسئلہ پر سیر حاصل بحث فرمائی ہے۔ لیکن مذاہب اربعہ کے اجماعی مسئلہ طلاق ثلاثہ کے خلاف ایک فقرہ بھی کسی کے زبان وقلم پر نہ آیا۔

چھٹی صدی

اس صدی میں بھی تمام عالم اسلام کے اہل سنت والجماعت فقہاء اور محدثین مذاہب اربعہ ہی میں سے کسی نہ کسی کے مقلد تھے۔

ساتویں صدی

یہ دور بھی اسلامی ترقی اور عروج کا دور تھا۔ علم وعمل اور اخلاص کا دور دورہ تھا۔ فقہاء کی گرفت مضبوط تھی۔ امام طریقت قطب الاقطاب خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ۔

سعودی علماء کرام کی سپریم کونسل کا فیصلہ

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے حرمین شریفین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کررکھی ہے۔ جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے، بلکہ خود بادشاہ (سلمہٗ اللہ) بھی اس کا پابند ہے۔ اس مجلس میں "طلاق ثلاثہ" کا مسئلہ پیش ہوا۔ مجلس نے اس مسئلہ کے متعلق قرآن وحدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر وحدیث کی سینتالیس (۴۷) کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد صاف اور واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ "ایک مجلس میں ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں۔" بحث ربیع الثانی ۱۳۹۳ھ میں ہوئی تھی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا ہے۔ اس مجلس میں یہ اکابر علماء موجود تھے جن کے نام یہ ہیں۔

۱۔ الشیخ عبدالعزیز باز
۲۔ الشیخ عبداللہ بن حمید
۳۔ الشیخ محمد الامین الشنقیطی
۴۔ الشیخ سلیمان بن عبید
۵۔ الشیخ عبداللہ خیاط
۶۔ الشیخ محمد الحرکان
۷۔ الشیخ ابراہیم بن محمد آل الشیخ
۸۔ الشیخ عبدالرزاق عفیفی
۹۔ الشیخ عبدالعزیز بن صالح
۱۰۔ الشیخ صالح بن غصون
۱۱۔ الشیخ محمد بن جبیر
۱۲۔ الشیخ عبدالمجید حسن
۱۳۔ الشیخ راشد بن حنین
۱۴۔ الشیخ صالح بن الحیدان
۱۵۔ الشیخ محضار عقیل
۱۶۔ الشیخ عبداللہ بن غدیان
۱۷۔ الشیخ عبداللہ بن سلیمان بن منیع ودیگر علماء کرام اس میں شریک تھے۔

ان حضرات نے قرآن وحدیث اور اجماع کی روشنی میں اپنے اکثریتی فیصلے میں یہی قرار دیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

قرآن کریم کی تین آیات، تقریباً ساٹھ احادیث مرفوعہ وموقوفہ اور اتفاق جمہور اور سلف صالحین کی تیس تصریحات سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مدخول بہا پر ایک مجلس کی تین طلاقیں، تین ہی واقع ہوتی ہیں۔ سلف صالحین میں کوئی بھی قابل اقتداء ایسی شخصیت نہیں ہے جو اس کے خلاف کی قائل ہو۔ چنانچہ ابن رجب حنبلی رحمہ اللہ لکھتے ہیں۔

اَلَمْ اَنَّهٗ لَمْ يَثْبُتْ عَنْ اَحَدٍ مِّنَ الصَّحَابَةِ وَلَا مِنَ التَّابِعِيْنَ وَلَا مِنْ اَئِمَّةِ السَّلَفِ الْمُعْتَمَدُ بِقَوْلِهِمْ فِيْ الْفَتَاوىٰ فِيْ الْحَلَالِ وَ الْحَرَامِ شَىْءٌ صَرِيْحٌ فِيْ اَنَّ الطَّلَاقَ الثَّلٰثَ بَعْدَ الدُّخُوْلِ يُحْسَبُ وَاحِدَةٌ اِذَا سَبَقَ بِلَفْظٍ وَّاحِدٍ ذَكَرَهٗ اِبْنِ عَبْدُ الْهَادِى عَنْ اِبْنِ رَجَبْ رَحْمَهُ اللّٰه. (رسالہ "الطلاق الثلاث" ص ۳۲۲)

گزشتہ صفحات میں جو دلائل واحادیث ذکر کی گئی ہیں ان کی روشنی میں ہم یہاں پر ان حضرات کی مختصر فہرست ذکر کرنا چاہتے ہیں جو ایک مجلس کی تین طلاقوں کے قائل ہیں۔

حق جل شانہٗ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت عمر بن الخطابؓ، حضرت عثمان بن عفانؓ، حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا، ام المومنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت عمران بن حصینؓ، حضرت انسؓ، حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما، حضرت ابوقتادہؓ، حضرت عبداللہ بن مغفلؓ، حضرت قاضی شریح رحمہ اللہ، حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ، حضرت مکحول رحمہ اللہ، حضرت قتادہ رحمہ اللہ، حضرت امام شعبی رحمہ اللہ، امام زہری رحمہ اللہ، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ، حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ، حضرت حمید بن عبدالرحمٰن رحمہ اللہ، حضرت مصعب بن سعید رحمہ اللہ، حضرت ابو مالک اور حضرت عبداللہ بن شداد رحمہما اللہ، حضرت عطاء ابن ابی رباح رحمہ اللہ، حضرت امام جعفر صادقؒ۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ

اللہ، حضرت امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ، حضرت مروان بن الحکم رحمہ اللہ، حضرت سلیمان بن اعمش کوفی رحمہ اللہ اور حضرت مسروق رحمہ اللہ، امام ابو حنیفہ، امام قاضی ابو یوسف، امام محمد، امام مالک، امام شافعی رحمہما اللہ، امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ، حضرت امام اوزاعی وسفیان ثوری واسحاق ونووی وبخاری رحمہم اللہ ودیگر علماء وفقہائے امت۔

اس مسئلہ پر ائمہ اربعہ اور جمہور کا اتفاق نقل کرنیوالے حضرات کے اسماء گرامی

امام بخاری رحمہ اللہ، امام نووی رحمہ اللہ، علامہ بدرالدین عینی رحمہ اللہ، ملا علی قاری رحمہ اللہ، امام قرطبی رحمہ اللہ، شیخ زین الدین بن ابراہیم المعروف بابن نجیم الحنفی رحمہ اللہ، شیخ ابوبکر رازی المعروف بالجصاص رحمہ اللہ، مولانا خلیل احمد سہارن پوری رحمہ اللہ، مولانا ظفر احمد عثمانی رحمہ اللہ فی اعلاء السنن، قاضی ثناء اللہ رحمہ اللہ، شیخ عبداللہ بن احمد بن محمد بن قدامہ فی کتاب المغنی سید عبداللہ بن مظفر حسین حیدر آبادی رحمہ اللہ تعالیٰ علیہ، علامہ ابن رشد وعلامہ محمد امین المعروف بابن عابدین وشیخ کمال الدین محمد بن عبدالواحد بن عبدالحمید المعروف بابن ہمام الحنفی رحمہ اللہ، شیخ محمود بن صدر الشریعہ وعبیداللہ بن مسعود بن تاج الشریعہ وشیخ محمد امین الشنقیطی رحمہما اللہ ومفتی تقی عثمانی صاحب مصنف تکملہ فتح الملہم، علامہ حبیب الرحمٰن الاعظمی ودیگر فقہائے امت۔

حضرات علماء کرام نے ایک مجلس میں طلاق ثلاثہ کے نفاذ والے مسئلے کو ان مسائل اجماعیہ میں شامل کیا ہے۔ جس کے خلاف قضاء قاضی بھی نافذ نہیں ہے، بلکہ قاضی کا اس کے خلاف کیا ہوا فیصلہ ایسے ہی نا قابل قبول ہوگا جیسے صریح قرآن وسنت یا اجماع امت کے خلاف قاضی کا فیصلہ مردود قرار دیا جاتا ہے۔ چنانچہ بحر الرائق میں ہے:

"وَلَا حَاجَةَ اِلَی الْاِ شْتِغَالِ بِالْاَدِلَةِ عَلٰی رَدِقَوْ مٍ اَنْکَرَوَقُوْعَ الثَّلَاثِ جُمْلَةً لِاَنَّهُ مُخَالِفٌ لِلْاِجْمَاعِ کَمَا حَکَاهُ فِی الْمِعْرَاجِ وَلِذَا قَالُوْا لَوْ حَکَمَ حَاکِمٌ بِاَنَّ الثَّلَاثَ بِفَمٍ وَّاحِدَةٍوَّاحِدَةٍ لَمْ یَنْفُذْ حُکْمُهُ لِاَنَّهُ خِلَافٌ لَا اخْتِلَافٌ." (بحر الرائق ص ۲۵۷، ج ۳)

کہ اگر قاضی یا حاکم اس اجماع کے خلاف فیصلہ کردے تو وہ نافذ نہیں ہوگا کیونکہ یہ خلاف ہے نہ کہ اختلاف۔

تفصیل بالا کے مطابق کسی اہل فہم واہل دیانت کو اس میں شبہ نہیں رہنا چاہئے کہ یہی مسئلہ حق ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں واقع ہوجاتی ہیں۔

گزشتہ صفحات میں قرآن وسنت آثار صحابہ وتابعین فقہائے کرام وائمہ مجتہدین مفسرین ومحدثین اور اجماع امت کی تصریحات سے اس حقیقت کو واضح کردیا گیا ہے کہ ایک مجلس کی تین طلاقیں تین ہی شمار ہوں گی۔ (نیت تاکید کی صورت زیر بحث نہیں) اس مسئلہ کے اثبات کے لئے دلائل بالا صرف کافی ہی نہیں بلکہ اس سے بھی اوپر ہیں۔ (خیر الفتاوی جلد ۵ ص ۴۵۰)

حکم الطلاق الثلاث بلفظ واحد

هيئة كبار العلماء

حکومت سعودیہ نے اپنے ایک شاہی فرمان کے ذریعے علماء حرمین اور ملک کے دوسرے نامور ترین علماء کرام پر مشتمل ایک تحقیقاتی مجلس قائم کر رکھی ہے جس کا فیصلہ تمام ملکی عدالتوں میں نافذ ہے بلکہ خود بادشاہ (سلمہ اللہ) بھی اس کا پابند ہے، اس مجلس میں "طلاق ثلاث" کا مسئلہ پیش ہوا مجلس نے اس مسئلہ سے متعلق قرآن وحدیث کی نصوص کے علاوہ تفسیر وحدیث کی سینتالیس کتابیں کھنگالنے اور سیر حاصل بحث کے بعد بالاتفاق واضح الفاظ میں یہ فیصلہ دیا ہے کہ: ایک لفظ سے دی گئی تین طلاقیں بھی تین ہی ہیں۔

یہ پوری بحث اور متفقہ فیصلہ حکومت سعودیہ نے زیر نظر رسالہ میں شائع کیا ہے۔ غیر مقلدین اکثر مختلف فیہ مسائل میں اہل حرمین کے عمل کو بطور حجت پیش کیا کرتے ہیں۔ یہ فیصلہ بھی علماء حرمین کا ہے اس لئے تمام امت مسلمہ کیلئے ہے۔

حَافِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى
خبردار رہو سب نمازوں سے اور بیچ والی نماز سے
وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾
اور کھڑے رہو اللہ کے آگے ادب سے

نمازِ فجر اور عصر کی تاکید:

بیچ والی نماز سے مراد عصر کی نماز ہے کہ دن اور رات کے بیچ میں ہے اسکی تاکید زیادہ فرمائی کہ اس وقت دنیا کا مشغلہ زیادہ ہوتا ہے اور فرمایا کھڑے رہو ادب سے یعنی نماز میں ایسی حرکت نہ کرو کہ جس سے معلوم ہوجائے کہ نماز نہیں پڑھتے ایسی باتوں سے نماز ٹوٹ جاتی ہے جیسے کھانا یا پینا یا کسی سے بات کرنا یا ہنسنا۔

فائدہ: طلاق کے حکموں میں نماز کے حکم کو بیان فرمانے کی یا یہ وجہ ہے کہ دنیا کے معاملات اور باہمی نزاعات میں پڑ کر کہیں خدا کی عبادت کو نہ بھلا دو اور یا یہ وجہ ہے کہ ہوا و ہوس کے بندوں کو بوجہ غلبہ حرص و بخل عدل کو پورا کرنا اور انصاف سے کام لینا اور وہ بھی رنج اور طلاق کی حالت میں بہت دشوار ہے پھر وَاَنْ تَعْفُوْٓا اور لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ پر اور اس حالت میں ان سے عمل کرنے کی توقع بیشک مستبعد نظر آتی تھی سو اس کا علاج فرما دیا گیا کہ نماز کی محافظت اور اس کی پابندی اور اس کے حقوق کی رعایت عمدہ علاج ہے کہ نماز کو ازالہ رذائل اور تحصیل فواضل میں بڑا اثر ہے۔

نماز حفاظت کرتی ہے:

حافظوا باب مفاعلت کا صیغہ لایا گیا جو مشارکت پر دلالت کرتا ہے جس درجہ تم نماز کی حفاظت اور خبر گیری کرو گے اسی درجہ نماز تمہاری حفاظت کرے گی۔ اور کھڑے رہو اللہ کے سامنے نہایت ادب اور احترام کے ساتھ نماز میں نہایت خاموشی کے ساتھ کھڑے رہو کسی سے کوئی بات نہ کرو۔ نگاہ نیچی رکھو۔ ادھر ادھر نہ دیکھو۔ دنیاوی خیالات سے قلب کو محفوظ رکھو۔

سببِ نزول:

زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم (ابتداء میں) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے پیچھے نماز میں بات چیت بھی کر لیتے تھے یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی (وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ) تو ہم کو خاموش رہنے کا حکم ہو گیا اور نماز میں باتیں کرنے سے ہم کو منع کر دیا گیا (بخاری و مسلم وغیرہ) اس لئے کہ نماز کی حقیقت مناجات خداوندی ہے آپ میں باتیں کرنے سے خدا تعالیٰ سے مناجات باقی نہیں رہ سکتی۔

دو رکعت سے گناہ معاف:

حدیث شریف میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری طرح وضو کرے اور پھر دو رکعت نماز اسطرح ادا کرے کہ اس نماز میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اسکے گذشتہ گناہ معاف کر دیئے جائیں گے۔ (بخاری شریف) (معارف کاندھلویؒ)

نماز قیامت کے دن نور رہوگی:

عبداللہ بن عمرو آنحضرت سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز آپ نے نماز کا ذکر فرمایا کہ جو شخص اس کی محافظت کرے گا تو یہ اس کے لئے قیامت کے دن نور اور برہان اور نجات (کا باعث) ہو جائے گی) اور جو اس کی محافظت نہ کرے گا تو نہ اس کے لئے یہ نور ہوگی نہ برہان ہوگی نہ نجات (کا باعث) ہوگی اور قیامت کے دن قارون فرعون ہامان ابی ابن خلف (منافق) کے ساتھ ہوگا یہ روایت امام احمدؒ نے نقل کی ہے۔

نماز کا منکر اور تارک:

اس پر تمام امت کا اجماع ہے کہ نماز قطعی فرض ہے اس کا انکار کرنے والا کافر ہوتا ہے۔ لیکن جو جان بوجھ کے ترک کرے اس کی بابت امام احمد کا قول یہ ہے کہ وہ بھی کافر ہوتا ہے اور امام مالک اور امام شافعی کا قول یہ ہے اور یہی ایک روایت امام احمد سے بھی ہے کہ وہ کافر نہیں ہوتا لیکن اس سے توبہ کرائی جائے اگر توبہ کر لے تو خیر ورنہ اسے قتل کر دیا جائے اور امام ابو حنیفہ کا قول یہ ہے کہ قتل نہ کیا جائے ہاں اسے ہمیشہ قید میں رکھا جائے یہاں تک کہ یا توبہ کر لے یا مر جائے۔

پانچوں نمازوں کی پابندی:

عبادۃ بن صامت کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (یعنی پانچ نمازیں ہیں جو اللہ نے فرض کر دی ہیں پس جس نے ان کے وضو کو اچھی طرح کیا اور انہیں ان کے وقت پر پڑھا اور ان کے رکوع اور سجود کو پورا ادا کیا تو ایسے آدمی کو بخشد ینے کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ لے لیا ہے اور جس نے ایسا نہ کیا تو اس کا اللہ تعالیٰ نے ذمہ نہیں لیا وہ چاہے اسے بخشدے اور چاہے عذاب دے) یہ حدیث امام احمد اور ابوداؤد نے نقل کی ہے اور امام مالک اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے اور یہ حدیث جمہور کی دلیل ہے اس پر کہ تارک نماز کافر نہیں ہوتا واللہ اعلم۔

فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ
پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو پیادہ پڑھ لو یا سوار پھر جس وقت تم امن پاؤ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا
تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم
تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾
نہ جانتے تھے

خوف کے وقت نماز:

یعنی لڑائی اور دشمن سے خوف کا وقت ہو تو ناچاری کو سواری پر اور پیادہ بھی اشارہ سے نماز درست ہے گو قبلہ کی طرف بھی منہ نہ ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ) امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر خوف اتنا شدید ہے کہ ایک جگہ کھڑے

ہو کر نماز ادا نہیں کر سکتا تو نماز کو مؤخر کرے جیسا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ خندق میں نمازوں کو مؤخر فرمایا اور چلتے چلتے نمازیں نہیں پڑھیں۔

مسئلہ: اسی آیت کی بنا پر تمام ائمہ کا اس پر اجماع ہے کہ اگر بہت ہی زیادہ خوف ہو اور لوگ قبلہ رخ نہ کر سکیں تو پھر سوار ہوئے ہوئے جس طرح ہو سکے پڑھ لیں۔ رکوع سجدے اشاروں سے کریں۔ امام ابوحنیفہؒ کا قول یہ ہے کہ چلنے اور گھوڑ دوڑ کرنے کی حالت میں نماز (پڑھنی) جائز نہیں ہے۔ (تفسیر مظہری)

غزوۂ خندق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نمازوں کا قضاء ہونا

صحیح بخاری ص ۳۸ ج ا میں حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ جنگ خندق کے موقع پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حاضر خدمت ہوئے اور کفار قریش کو برا کہنے لگے اور عرض کیا یا رسول اللہ میں نماز نہیں پڑھ سکا یہاں تک کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللہ کی قسم میں نے بھی عصر نہیں پڑھی پھر وادی بطحان کی طرف توجہ فرمائی اور آپ نے وضو کیا اور ہم نے بھی وضو کیا۔ اس کے بعد آپ نے عصر کی نماز پڑھی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ پھر اسکے بعد مغرب کی نماز پڑھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ غزوہ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (مشرکین کو بددعا دیتے ہوئے) فرمایا اللہ ان کی قبروں اور گھروں کو آگ سے بھر دے انہوں نے ہمیں صلاۃ وسطی سے روک دیا یہاں تک کہ سورج غروب ہو گیا۔ (صحیح مسلم ۲۲۶ ج ا) (انوار البیان)

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ
اور جو لوگ تم میں سے مرجاویں اور چھوڑ جاویں
اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى
اپنی عورتیں تو وصیت کر دیں اپنی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک
الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ
بغیر نکالنے کے گھر سے

وصیت کا حکم:

یہ حکم اول تھا اس کے بعد جب آیت میراث نازل ہوئی اور عورتوں کا حصہ بھی مقرر ہو چکا ادھر عورت کی عدت چار مہینے دس دن کی ٹھہرا دی گئی تب سے اس آیت کا حکم موقوف ہوا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ مَا فَعَلْنَ
پھر اگر وہ عورتیں آپ نکل جاویں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ
فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ
کریں وہ عورتیں اپنے حق میں بھلی بات اور اللہ زبردست ہے
حَكِيْمٌ ﴿۲۴۰﴾
حکمت والا

مدت ختم ہونے پر عورت کو نہ روکو:

یعنی اگر وہ عورتیں اپنی خوشی سے سال کے ختم ہونے سے پہلے گھر سے نکلیں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اے وارثو اس کام میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں شریعت کے موافق یعنی چاہیں خاوند کریں یا اچھی پوشاک اور خوشبو کا استعمال کریں کچھ حرج نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ:

موطا مالک کی یہ حدیث ہے کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی ہمشیرہ صاحبہ فریعہ بنت مالکؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا ہمارے غلام بھاگ گئے تھے جنہیں ڈھونڈھنے کے لئے میرے خاوند گئے۔ قدوم میں ان غلاموں سے ملاقات ہوئی لیکن انہوں نے آپ کو قتل کر دیا۔ ان کا کوئی مکان نہیں جس میں عدت گزاروں اور نہ کچھ کھانے پینے کو ہے اگر آپ اجازت دیں تو اپنے میکے چلی آؤں اور یہیں عدت پوری کروں۔ آپ نے فرمایا اجازت ہے۔ میں لوٹی، ابھی تو میں حجرے ہی میں تھی کہ حضورؐ نے مجھے بلوایا یا خود بلایا اور فرمایا تم نے کیا کہا۔ میں نے پھر قصہ بیان کیا آپؐ نے فرمایا اپنے گھر میں ہی ٹھہرے رہو یہاں تک کہ عدت گزر جائے۔ چنانچہ میں نے وہیں عدت کا زمانہ پورا کیا یعنی چار مہینے دس دن۔ حضرت عثمانؓ کے زمانے میں آپ نے مجھے بلوایا اور مجھ سے یہی مسئلہ پوچھا۔ میں نے اپنا یہ واقعہ حضورؐ کے فیصلہ سمیت سنایا۔ حضرت عثمانؓ نے بھی اسی کی پیروی کی اور یہی فیصلہ دیا۔ اس حدیث کو امام ترمذی حسن صحیح کہتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

عدت کے بعض احکام

(۱) جس کا خاوند مر جائے اس کو عدت کے اندر خوشبو لگانا، سنگھار کرنا،

سرمہ اور تیل بلاضرورت دوا لگانا، مہندی لگانا، رنگین کپڑے پہننا درست نہیں، اور صریح گفتگوئے نکاح ثانی بھی درست نہیں جیسا اگلی آیت میں آتا ہے اور رات کو دوسرے گھر میں رہنا بھی درست نہیں، ترجمہ میں ''نکاح'' کے ساتھ جو ''وغیرہ'' کہا گیا ہے اس سے یہی امور مراد ہیں، اور یہی حکم ہے اس عورت کا جس پر طلاق بائن واقع ہوئی، یعنی جس میں رجعت درست نہیں، مگر اس کو اپنے گھر سے دن کو بھی بدون سخت مجبوری کے نکلنا درست نہیں۔

(۲) اگر چاندرات کو خاوند کی وفات ہوئی تب تو یہ مہینے خواہ تیس کے ہوں خواہ انتیس کے ہوں، چاند کے حساب سے پورے کئے جاویں گے، اور اگر چاندرات کے بعد وفات ہوئی ہے تو یہ سب مہینے تیس تیس دن کے حساب سے پورے کئے جاویں گے، پس کل ایک سوتیس دن پورے کریں گے، اس مسئلہ سے بہت لوگ غافل ہیں، اور جس وقت وفات ہوئی ہو جب یہ مدت گزر کر وہی وقت آوے گا، عدت ختم ہو جاوے گی۔ (معارف القرآن مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ)

وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى
اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے خرچ دینا ہے قاعدہ کے موافق لازم ہے
الْمُتَّقِيْنَ ﴿۲۴۱﴾
پرہیزگاروں پر

طلاق پر عورت کو جوڑا دینا:

یعنی جوڑا دینے کا حکم اس طلاق پر آچکا ہے کہ نہ مہر ٹھہرا ہو نہ زوج نے ہاتھ لگایا ہو اب اس آیت میں وہ حکم سب کے لئے آ گیا ہے مگر اتنا فرق ہے کہ سب طلاق والیوں کو جوڑا دینا مستحب ہے ضروری نہیں اور پہلی صورت میں ضروری ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۲۴۲﴾
اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تمہارے واسطے اپنے حکم تا کہ تم سمجھ لو

یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہاں نکاح طلاق عدت کے احکام بیان فرمائے ایسے ہی اپنے احکام وآیات کو واضح فرماتا ہے کہ تم سمجھ لو اور عمل کر سکو۔ یہاں نکاح وطلاق کے احکام ختم ہو چکے۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ
کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ
اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ
ہزاروں تھے موت کے ڈر سے پھر فرمایا ان کو اللہ نے کہ مرجاؤ
ثُمَّ اَحْيَاھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَي النَّاسِ
پھر ان کو زندہ کر دیا بے شک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾
لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے

موت بھاگنے والی قوم:

یہ پہلی امت کا قصہ ہے کہ کئی ہزار شخص گھر بار کو ساتھ لیکر وطن سے بھاگے۔ ان کو ڈر ہوا تھا غنیم کا اور لڑنے سے جی چھپایا یا ڈر ہوا تھا وبا کا اور تقدیر پر توکل اور یقین نہ کیا پھر ایک منزل پر پہنچ کر بحکم الٰہی سب مر گئے پھر سات دن کے بعد پیغمبر کی دعا سے زندہ ہوئے کہ آگے کو توبہ کریں۔ اس حال کو یہاں اس واسطے ذکر فرمایا کہ کافروں سے لڑنے یا فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے میں جان اور مال کی محبت کے باعث دریغ نہ کریں اور جان لیویں کہ اللہ موت بھیجے تو چھٹکارے کی کوئی صورت نہیں اور زندگی چاہے تو مردہ کو دم کے دم میں زندہ کر دے زندہ کو موت سے بچالینا تو کوئی چیز ہی نہیں پھر اس کی تعمیل حکم میں موت سے ڈر کر جہاد سے بچنا یا افلاس سے بچ کر صدقہ اور دوسروں پر احسان یا عفو اور فضل سے رکنا بد دینی کے ساتھ حماقت بھی پوری ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

طاعون:

امام بخاریؒ نے یحیٰی بن یعمر کی روایت سے نقل کیا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے ان کو خبر دی کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے طاعون کے متعلق سوال کیا تھا، تو آپ نے ان کو بتلایا کہ یہ بیماری اصل میں عذاب کی حیثیت سے نازل ہوئی تھی اور جس قوم کو عذاب دینا منظور ہوتا تھا اس پر بھیج دی جاتی تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو مومنین کے لئے رحمت بنا دیا، تو جو اللہ کا بندہ طاعون پھیلنے کے بعد اپنی بستی میں صبر وسکون کے ساتھ ٹھیرا رہے اور یہ اعتقاد رکھے کہ اس کو صرف وہی مصیبت پہنچ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لکھ دی ہے، تو ایسے شخص کو شہید کے برابر ثواب ملے گا۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی وفات:

عجائب قدرت سے ہے کہ صحابہ کرامؓ کے سب سے بڑے جنگی سیف

اللہ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کی اسلامی عمر ساری جہاد ہی میں گذری ہے، وہ کسی جہاد میں شہید نہیں ہوئے، بیمار ہو کر گھر میں وفات پائی، وفات کے قریب اپنے بستر پر مرنے کا افسوس کرتے ہوئے گھر والوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ میں فلاں فلاں عظیم الشان جنگوں اور جہادوں میں شریک ہوا، اور میرا کوئی عضو ایسا نہیں جس میں تیر یا نیزے یا چوٹ کے زخم کا اثر و نشان نہ ہو، مگر افسوس ہے کہ میں اب گدھے کی طرح بستر پر مر رہا ہوں، خدا تعالیٰ بزدلوں کو آرام نہ دے، ان کو میری نصیحت پہنچاؤ۔

بھاگنے والوں کا تفصیلی واقعہ:

تفسیر ابن کثیر میں سلف صحابہؓ اور تابعینؒ کے حوالہ سے اس واقعہ کی تشریح یہ بیان کی ہے کہ بنی اسرائیل کی کوئی جماعت ایک شہر میں بستی تھی، اور وہاں کوئی سخت وباء طاعون وغیرہ پھیلا یہ لوگ جو تقریباً دس ہزار کی تعداد میں تھے گھبرا اٹھے، اور موت کے خوف سے اس شہر کو چھوڑ کر سب کے سب دو پہاڑوں کے درمیان ایک وسیع میدان میں جا کر مقیم ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے ان پر اور دنیا کی دوسری قوموں پر یہ واضح کرنے کے لئے کہ موت سے کوئی شخص بھاگ کر جان نہیں چھڑا سکتا، دو فرشتے بھیج دیئے، جو میدان کے دونوں سروں پر آ کھڑے ہوئے، اور کوئی ایسی آواز دی جس سے سب کے سب بیک وقت مرے ہوئے رہ گئے، ایک بھی زندہ نہ رہا آس پاس کے لوگوں کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہوئی، یہاں پہنچے، دس ہزار انسانوں کے کفن دفن کا انتظام آسان نہ تھا، اس لئے ان کے گرد ایک احاطہ کھینچ کر حظیرہ جیسا بنا دیا، ان کی لاشیں حسب دستور گل سڑ گئیں، ہڈیاں پڑی رہ گئی، ایک زمانہ دراز کے بعد بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر جن کا نام حزقیل بتلایا گیا ہے، اس مقام پر گذرے، اس حظیرہ میں جگہ جگہ انسانی ہڈیوں کے ڈھانچے بکھرے ہوئے دیکھ کر حیرت میں رہ گئے، بذریعہ وحی ان کو ان لوگوں کا پورا واقعہ بتلا دیا گیا، حضرت حزقیل علیہ السلام نے دعا کی کہ یا اللہ ان لوگوں کو پھر زندہ فرما دے، اللہ تعالیٰ نے ان کی دعاء قبول فرمائی، اور انہیں حکم دیا آپ ان شکستہ ہڈیوں کو اس طرح خطاب فرمائیں،

اَيَّتُهَا الْعِظَامَ الْبَالَةَ اَنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ اَنْ تَجْمَعِيْ،

''یعنی اے پرانی ہڈیو اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ ہر جوڑ کی ہڈی اپنی جگہ جمع ہو جائے۔''

پیغمبر کی زبان سے خدا تعالیٰ کا حکم ان ہڈیوں نے سنا اور حکم کی تعمیل کی، جن کو دنیا بے عقل و بے شعور سمجھتی ہے مگر دنیا کے ہر ذرہ ذرہ کی طرح وہ بھی تابع فرمان اور اپنے وجود کے مناسب عقل و ادراک رکھتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی مطیع ہیں، قرآن کریم نے آیت اَعْطٰى كُلَّ شَىْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى میں اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو پیدا فرمایا پھر اس کو اس کے مناسب حال ہدایت فرمائی، مولانا رومیؒ نے ایسے ہی امور کے متعلق فرمایا

خاک و بادو آب وآتش بندہ اند
بامن و تو مردہ باحق زندہ اند

بہر حال ایک آواز پر ہر انسان کی ہڈیاں اپنی اپنی جگہ لگ گئیں، پھر حکم ہوا کہ اب ان کو یہ آواز دو:۔

اَيَّتُهَا الْعِظَامَ الْبَالَةَ اَنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ اَنْ تَكْتَسِىْ لَحْماً وَعَصَباً وَجَلْداً

''یعنی اے ہڈیو! اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ اپنا گوشت پہن لو اور پٹھے اور کھال درست کر لو۔''

یہ کہنا تھا کہ ہڈیوں کا ہر ڈھانچہ ان کے دیکھتے دیکھتے ایک مکمل لاش بن گئی، پھر حکم ہوا کہ اب ارواح کو یہ خطاب کیا جائے:۔

اَيَّتُهَا الْاَرْوَاحِ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكَ اِنْ تَرْجَعُ كُلُّ رُوْحٍ اِلَى الْجَسَدُ الَّذِىْ كَانَتْ تَعْمِرُهٗ

''یعنی اے ارواح تمہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اپنے اپنے بدنوں میں لوٹ آئیں، جن کی تعمیر و حیات ان سے وابستہ تھی۔''

یہ آواز دیتے ہی ان کے سامنے سارے لاشے زندہ ہو کر کھڑے ہو گئے، اور حیرت سے چاروں طرف دیکھنے لگے، سب کی زبانوں پر تھا سبحانک لا الہ الا انت۔

یہ واقعہ ہائلہ دنیا کے فلاسفروں اور عقلاء کے لئے دعوت فکر اور منکرین قیامت پر حجت قاطعہ ہونے کے ساتھ اس ہدایت پر بھی مشتمل ہے کہ موت کے خوف سے بھاگنا خواہ جہاد سے ہو یا کسی وباء و طاعون سے اللہ تعالیٰ اور اس کی تقدیر پر ایمان رکھنے والے کے لئے ممکن نہیں۔ (معارف حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ)

بے کس عورتوں کو تنگ نہ کرو:

اگر تم بے کس عورتوں کا عرصہ حیات تنگ کرو گے اور ان کے مہر اور متعہ کے دینے میں کوتاہی کرو گے تو عجب نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس عدول حکمی کی سزا میں تمہارے اموال اور ذخائر کو اور تمہاری مستعار حیات کو تم سے واپس لے لے جیسا کہ پہلی امتوں میں اس قسم کے واقعات پیش آ چکے ہیں۔

حضرت عمرؓ کا واقعہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب ملک شام تشریف لے گئے تو مقام سرغ

میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ شام میں طاعون اور وبا پھیلی ہوئی ہے۔ اس وقت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے یہ حدیث سنائی۔ حضرت عمرؓ یہ حدیث سن کر سرغ سے واپس چلے گئے۔ ابوعبیدہؓ نے کہا:۔

اَفِرَاراً مِنْ قَدَرَ اللّٰهِ

''اے امیر المومنین کیا اللہ کی قضاوقدر سے بھاگتے ہیں؟''

حضرت عمرؓ نے فرمایا:

لَوْ غَيْرُكَ قَالَهَا يَا اَبَا عُبَيْدَةَ نَعَمْ نَفِرُّ مِنْ قَدَرِ اللّٰهِ اِلٰى قَدَرِ اللّٰهِ.

کاش! تیرے سوا کوئی یہ شبہ کرتا۔ یعنی یہ کلمہ تیری شان کے مناسب نہیں۔ ہاں ہم اللہ کی ایک قضاوقدر سے خدا کی دوسری قضاوقدر کی طرف بھاگ رہے ہیں۔

جس طرح بیماری میں علاج کرنا ایک قضاوقدر سے دوسری قضاوقدر کی طرف بھاگنا ہے۔ اس لئے کہ بیماری بھی اللہ کی قضاوقدر سے ہے اور علاج اور دوا بھی اللہ کی قضاء وقدر اسی طرح ہمارا وبائی زمین میں داخل نہ ہونا اور وطن کی طرف لوٹ جانا ایک قدر سے دوسری قدر کی طرف جانا ہے۔

(۵) یہ آیت معاد جسمانی کے ثبوت کے لئے قطعی دلیل ہے۔ معاد جسمانی کا اقرار اصول ایمان میں سے ہے اور معاد جسمانی کا منکر باجماع امت بلاشبہ دائرہ اسلام سے خارج ہے۔ (معارف القرآن)

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ بیشک خوب
سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ
سنتا جانتا ہے کون شخص ہے ایسا جو کہ قرض دے اللہ کو
قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ط
اچھا قرض پھر دوگنا کردے اللہ اس کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کردیتا ہے
وَاللّٰهُ يَقْبِضُ وَيَبْصُۜطُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝
اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے

اللہ کی راہ میں لڑو:

یعنی جب معلوم ہو چکا کہ اللہ کے حکم میں تمہاری جان اور مال ہے تو اب تم کو چاہئے کہ لڑو کافروں سے اللہ کے واسطے دین کے لئے اور جان لو کہ خدا تعالیٰ سنتا ہے بہانہ کرنے والوں کی باتیں اور جانتا ہے ان کے منصوبوں کو اور چاہئے کہ خرچ کرو اللہ کے راستہ میں مال اور تنگی سے مت ڈرو کہ کشائش اور تنگی سب اس کے اختیار میں ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر سب کو جانا ہے۔ قرض حسنہ اسے کہتے ہیں جو قرض دیکر تقاضا نہ کرے اور اپنا احسان نہ رکھے اور بدلہ نہ چاہے اور اسے حقیر نہ سمجھے۔ اور خدا کو دینے سے جہاد میں خرچ کرنا مراد ہے یا محتاجوں کو دینا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

جہاد کا مقصد:

اسلام میں جہاد اور قتال کی تعلیم لوگوں کو قبول ایمان پر مجبور کرنے کے لئے نہیں ہے۔ ورنہ جزیہ لے کر کفار کو اپنی ذمہ داری میں رکھنے اور ان کی جان و مال و آبرو کی حفاظت کرنے کے لئے اسلامی احکام کیسے جاری ہوتے، بلکہ دفع فساد کے لئے ہے، کیونکہ فساد اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہے، جس کے درپے کافر رہتے ہیں۔

اسلام نے عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور اپاہج وغیرہ کے قتل کو عین میدان جہاد میں بھی سختی سے روکا ہے، کیونکہ وہ فساد کرنے پر قادر نہیں ہوتے، ایسے ہی ان لوگوں کے بھی قتل کرنے کو روکا ہے جو جزیہ ادا کرنے کا وعدہ کر کے قانون کے پابند ہو گئے ہوں۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

حضرت ابوالدحداحؓ کا ایثار:

حدیث میں ہے کہ جب یہ آیت:

(مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا)

نازل ہوئی تو ابوالدحداح رضی اللہ عنہ نے (بطور مسرت اور لذت) عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَوَ اَنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُرِيْدُ مِنَّا الْقَرْضَ قَالَ نَعَمْ يَا اَبَا الدَّحْدَاحِ.

''یارسول اللہ! کیا اللہ تعالیٰ ہم سے قرض چاہتا ہے؟ آپؐ نے فرمایا! ہاں اے ابوالدحداح''

ابوالدحداح نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس دو باغ ہیں ایک عالیہ میں اور ایک سافلہ میں اور خدا کی قسم ان دو باغوں کے سوا اور کسی چیز کا مالک نہیں۔ دونوں باغوں کو خدا تعالیٰ کے لئے قرض دیتا ہوں حضورؐ نے فرمایا کہ ایک باغ خدا کے لئے دیدے اور ایک باغ اپنے اہل وعیال کے گذران معاش کے لئے رہنے دے۔ ابوالدحداح نے عرض کیا یارسول اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ ان دو باغوں میں جو سب سے بہتر باغ ہے جس میں چھ سو کھجور کے درخت ہیں وہ اللہ کے لئے دیتا

ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:۔

اِذًا یُجْزِیُکَ اللّٰهُ بِهِ الْجَنَّةَ.

اللہ تعالیٰ تجھ کو اس کے عوض میں جنت میں باغ دے گا۔

ابوالدحداح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اٹھ کر اپنے اس بڑے اور عمدہ باغ میں پہنچے جسے خدا تعالیٰ کی نذر کر آئے تھے۔ ابوالدحداح کی بیوی ام دحداح اور بچے اسی باغ میں تھے اور پھل کھا رہے تھے اور درختوں کے سایہ میں کھیل رہے تھے ابو الدحداح باغ میں داخل ہوئے اور بیوی (ام دحداح) سامنے آئیں ابوالدحداح نے یہ شعر پڑھنے شروع کیے:۔

هداک ربی سبل الرشاد الی سبیل الخیر والسداد

''اللہ تعالیٰ تجھ کو رشد اور ہدایت اور خیر اور صواب کے راستے پر چلائے''

وبینی من الحائط بالوداد

فقدمضی قرضا الی التناد

''اس باغ سے فرحت اور مسرت کے ساتھ ابھی علیحدہ ہو جاؤ اور باہر چلی جاؤ۔ یہ باغ اللہ تعالیٰ کو قیامت تک کے لئے قرض دے دیا ہے۔''

اقرضته اللّٰہ علی اعتماد

بالطوع لا من ولا ارتداد

''یہ باغ میں نے اللہ تعالیٰ کو نہایت شوق اور رغبت کے ساتھ قرض دیا ہے جس کا نہ کوئی احسان ہے اور نہ جس کو واپس لینا ہے۔''

الا رجاء الضعف فی المعاد

فارتحلی بالنفس والا ولاد

''صرف اضعافا مضاعفہ اجر اور ثواب کی امید پر قرض دیا ہے لہٰذا اسی وقت تو خود مع بچوں کے باغ سے باہر نکل جا اب یہ باغ خدا تعالیٰ کا ہو چکا ہے ہمارا نہیں رہا۔''

والبر لا شک فخیر زاد

قدمه المرء الی المعاد

''اور آخرت کا بہترین توشہ وہ خدا کی راہ میں نیکوئی ہے یعنی اپنی محبوب چیز کو خدا تعالیٰ کی راہ میں دیدینا ہے۔ کما قال تعالیٰ

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۵

''ام دحداح نے شوہر کا یہ کلام سنتے ہی اول تو مبارک باد دی اور یہ کہا:''

''رَبِحَ بَيْعُکَ بَارَکَ اللّٰهُ لَکَ فِيْمَا اشْتَرَيْتُ ''

''تیری تجارت نفع مند ہوئی اللہ تعالیٰ برکت دے اس میں جو تو نے خریدا ہے۔''

بعد ازاں اس شوہر کی نظم کا جواب نظم میں دیا اور یہ شعر پڑھنے شروع کیے:۔

بشرک اللّٰہ بخیر وفرح

مثلک ادی مالدیه ونصح

''تجھ کو خیر اور فرحت کی بشارت ہو تجھ جیسا ہی ایسے حوصلے کے کام کرتا ہے۔''

قد متع اللّٰہ عیلی ومنح

باعجوة السوداء والزهوا البلح

''اللہ تعالیٰ نے میرے بچوں کو قسم قسم کی کھجوریں دی ہیں۔ اگر ایک باغ خدا کو دیدیا تو کیا ہوا۔''

سوّی العبد یسعیٰ وله ما قد کدح

طول اللیالی وعلیه ما اجترح

بندہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ اپنی ہی منفعت اور آخرت کی درستی کے لئے کرتا یعنی خدا تعالیٰ کو کوئی حاجت نہیں نیکی سے بندہ کو ثواب ملتا ہے اور گناہ کا وبال اس پر پڑتا ہے۔

بعد ازاں ام دحداح بچوں کی طرف متوجہ ہوئیں بچے جو پھل دامنوں میں لے رہے تھے وہ دامن جھٹک دیے اور جو کھجوریں بچوں کے منہ میں تھیں وہ انگلی ڈال کر نکال دیں اور بچوں سے کہا کہ اس باغ سے نکلو اور اسی وقت دوسرے باغ میں منتقل ہو گئیں۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو فرمایا:

کم من عذاقٍ رداحٍ ودارٍ فیاحٍ لا بی الدحداح (تفسیر قرطبی)

نہ معلوم ابوالدحداح کے لئے آخرت میں کتنے بیشمار کھجور کے لمبے لمبے درخت ہیں اور کتنے وسیع اور کشادہ مکان ہیں۔

بخیل اور سخی کی مثال:

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بخیل اور سخی کی مثال ان دو آدمیوں جیسی ہے جو لوہے کے دو کرتے پہنے ہوئے ہوں اور ان کے ہاتھ ان کی چھاتیوں سے لگے ہوئے ہوں پس جب سخی خیرات کرنی چاہتا ہے تو اسکا ہاتھ کھل جاتا ہے اور جب بخیل خیرات کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو اس کا ہاتھ وہیں چپکا رہتا ہے اور (اس جبہ کا) ہر حلقہ اپنی جگہ پر ویسا ہی رہتا ہے۔ یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

دل اللہ کے قبضہ میں ہیں:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلْقُلُوْبُ بَيْنَ اِصْبَعَيْنِ مِنْ اَصَابِعِ الرَّحْمٰنِ يُقَلِّبُهَا كَيْفَ يَشَاءُ. (ترجمہ) سب کے دل رحمٰن

کی دو انگلیوں میں ہیں وہ انہیں جس طرف چاہے پھیر دے۔ اور بعض کا قول اس آیت کے معنے میں) یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ) صدقات کو لے لیتا ہے اور جزا اور ثواب کو بڑھا دیتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ترجمہ: یعنی جو شخص اپنی نیک کمائی میں سے ایک کھجور کے برابر خیرات کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اپنے داہنے ہاتھ سے قبول کر لیتا ہے پھر اسی طرح پالتا ہے جس طرح کوئی تم میں سے اپنے بچھیرے کو پالتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ پہاڑ کے برابر ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ نیک ہی کمائی کو قبول کرتا ہے یہ حدیث متفق علیہ ہے۔

ابن آدم سے اللہ تعالیٰ کا سوال:

ایک حدیث میں ابو ہریرہ سے مرفوعاً آیا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ یا ابن آدم! اِسْتَطْعَمْتُکَ فَلَمْ تُطْعِمْنِیْ قَالَ یَا رَبِّ کَیْفَ اُطْعِمُکَ وَاَنْتَ رَبُّ الْعَالَمِیْنَ قَالَ اِسْتَطْعَمَکَ عَبْدِیْ فُلَانٌ فَلَمْ تُطْعِمْهُ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّکَ لَوْ اَطْعَمْتَهٗ لَوَجَدْتَّ ذٰلِکَ عِنْدِیْ. الحدیث۔ ترجمہ: یعنی اے اولاد آدم میں نے تجھ سے کھانا مانگا تھا لیکن تو نے مجھے کھانا نہیں دیا وہ عرض کرے گا کہ اے پروردگار میں تجھے کھانا کس طرح دے سکتا تھا تو تو رب العالمین ہے۔ سب جہان والوں کا پرورش کرنے والا ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ فلاں میرے بندے نے تجھ سے کھانا مانگا تھا۔ اسے تو نے کھانا نہیں دیا کیا تو نہ جانتا تھا کہ اگر تو اسے دیدیتا تو اسے اب میرے پاس ضرور پاتا، یہ حدیث مسلم نے روایت کی ہے۔

قرض دینے کی فضیلت:

قرض کی فضیلت میں بہت سی حدیثیں ہیں منجملہ ان کے ایک حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کُلُّ قَرْضٍ صَدَقَةٌ (یعنی ہر قرض صدقہ ہے) یہ حدیث طبرانی اور بیہقی نے حسن سند کے ساتھ روایت کی ہے ابن مسعودؓ ہی روایت کرتے ہیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَامِنْ مُسْلِمٍ یُقْرِضُ مُسْلِماً قَرْضاً مَرَّةً اِلَّا کَانَ کَصَدَقَتِهٖ مَرَّتَیْنِ. (ترجمہ) یعنی جو مسلمان کسی مسلمان کو ایک دفعہ قرض دیتا ہے تو وہ اس کی طرف سے دو دفعہ صدقہ کرنے جیسا ہوتا ہے۔ یہ حدیث ابن ماجہ نے روایت کی ہے اور ابن حبان نے اسے صحیح کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ
کیا نہ دیکھا تو نے ایک جماعت بنی اسرائیل کو

مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی
موسیٰ کے بعد

قدرت کے کرشمے:

اس قصہ سے حق تعالیٰ کا بسط وقبض جو ابھی مذکور ہوا خوب ثابت ہوتا ہے یعنی فقیر کو بادشاہ بنانا اور بادشاہ سے بادشاہت چھین لینا اور ضعیف کو قوی اور قوی کو ضعیف کر دینا۔

اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ
جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کر دو ہمارے لئے ایک بادشاہ تا کہ ہم لڑیں
فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ
اللہ کی راہ میں پیغمبر نے کہا کیا تم سے یہ بھی توقع ہے کہ اگر
كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا
حکم ہو تم کو لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو وہ بولے
وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ
ہم کو کیا ہوا کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں اور ہم تو
اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ
نکال دیئے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے پھر جب حکم ہوا
عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْهُمْ ؕ
ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر تھوڑے سے ان میں کے
وَاللّٰهُ عَلِیْمٌۢ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۲۴۶﴾
اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے گنہگاروں کو

بنی اسرائیل کے حالات کی تبدیلی:

حضرت موسیٰ کے بعد کچھ عرصہ تک بنی اسرائیل کا کام درست رہا پھر جب ان کی نیت بگڑی تب ان پر ایک غنیم کافر بادشاہ جالوت نام مسلط ہوا ان کو شہر سے نکال دیا اور لوٹا اور ان کو پکڑ کر بندہ بنایا بنی اسرائیل بھاگ کر بیت المقدس میں جمع ہوئے اس وقت حضرت اشموئیل علیہ السلام پیغمبر تھے

ان سے درخواست کی کہ کوئی بادشاہ ہم پر مقرر کر دو کہ اس کے ساتھ ہو کر ہم جہاد کریں فی سبیل اللہ۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ

اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرما دیا

لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ

تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ کہنے لگے کیونکر ہو سکتی ہے اس کو

الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ

حکومت ہم پر اور ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اُس سے

وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ

اور اُس کو نہیں ملی کشائش مال میں پیغمبر نے کہا بیشک اللہ

اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ

نے پسند فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ فراخی دی اس کو علم

وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے

وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾

اور اللہ ہے فضل کرنیوالا سب کچھ جاننے والا

طالوت:

طالوت کی قوم میں آگے سے سلطنت نہ تھی غریب محنتی آدمی تھے ان (بنی اسرائیل) کی نظر میں سلطنت کے قابل نظر نہ آئے، اور بوجہ مال و دولت اپنے آپ کو سلطنت کے لائق خیال کیا نبی نے فرمایا کہ سلطنت کسی کا حق نہیں اور سلطنت کی بڑی لیاقت ہے عقل اور بدن میں زیادتی اور وسعت ہوئی جس میں طالوت تم سے افضل ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

فائدہ: بنی اسرائیل نے جب یہ سنا تو پھر کہا پیغمبر سے کہ اس کے سوا کوئی اور دلیل بھی ان کی بادشاہت پر دکھلا دو تا کہ ہمارے دل میں کوئی اشتباہ نہ رہے نبی نے دعا کی جناب الٰہی میں اور طالوت کی سلطنت کی دوسری نشانی بیان فرما دی گئی۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ

اور کہا بنی اسرائیل سے انکے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ

التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ

آوے تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسلی خاطر ہے تمہارے رب کی

مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ

طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو چھوڑ گئی تھی موسیٰ اور ہارون

الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

کی اولاد اٹھا لاویں گے اس صندوق کو فرشتے بیشک اس میں پوری نشانی

مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾

ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو

تبرکات کا صندوق:

بنی اسرائیل میں ایک صندوق چلا آتا تھا اس میں تبرکات تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام وغیرہ انبیائے بنی اسرائیل اس صندوق کو لڑائی میں آگے رکھتے اللہ اس کی برکت سے فتح دیتا جب جالوت غالب آیا ان پر تو یہ صندوق بھی وہ لے گیا تھا جب اللہ تعالیٰ کو صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ کیا کہ وہ کافر جہاں صندوق کو رکھتے وہیں وبا اور بلا آتی پانچ شہر ویران ہو گئے ناچار ہو کر دو بیلوں پر اس کو لاد کر ہانک دیا فرشتے بیلوں کو ہانک کر طالوت کے دروازے پر پہنچا گئے بنی اسرائیل اس نشانی کو دیکھ کر طالوت کی بادشاہت پر یقین لائے اور طالوت نے جالوت پر فوج کشی کی اور موسم نہایت گرم تھا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فرشتے آسمان و زمین کے درمیان اس تابوت کو اٹھائے ہوئے سب لوگوں کے سامنے لائے اور حضرت طالوت بادشاہ کے سامنے لا رکھا۔ اس تابوت کو ان کے ہاں دیکھ کر انہیں نبی کی نبوت اور طالوت کی بادشاہت کا یقین ہو گیا۔

ابدال:

ابن مردویہ کی ایک حدیث میں ہے کہ قیامت تک ہر زمانہ میں سات شخص تم میں ضرور ایسے رہیں گے جن کی وجہ سے تمہاری مدد کی جائے گی اور تم پر بارش برسائی جائے گی اور تمہیں روزی دی جائے گی۔ ابن مردویہ کی

دوسری حدیث میں ہے کہ میری امت میں تیس ابدال ہوں گے جن کی وجہ سے تم روزیاں دیئے جاؤ گے تم پر بارشیں برسائی جائیں گی اور تمہاری مدد کی جائے گی۔ اس حدیث کے راوی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے حضرت حسنؒ بھی انہی ابدال میں سے تھے۔ (تفسیر ابن کثیر)

سکینہ:

ابن عساکر نے کلبی کے طریق سے انہوں نے ابی صالح سے انہوں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ سکینہ زبرجد یا یاقوت کی ایک تصویر تھی جو تابوت میں رکھی ہوئی تھی اس کا سر اور دم مثل بلی کے سر اور دم کے تھی اور اس کے دو بازو تھے وہ روتی چیختی تھی تو تابوت دشمن کی طرف دوڑتا تھا اور لوگ اس کے پیچھے پیچھے دوڑتے اور جب تابوت ٹھیر جاتا تھا تو یہ بھی ٹھیر جاتے تھے اور پھر مدد الٰہی نازل ہوتی تھی بغوی نے مجاہد کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا وہ ایک تیز ہوا تھی بہ روایت کلبی اس کے دو سر تھے اور انسان کے منہ جیسا ایک منہ تھا۔

بعض کا قول یہ ہے کہ اس تابوت میں دو تختیاں توریت کی (پوری) اور شکستہ تختیوں کے ٹکڑے تھے اور موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور آپ کے دونوں جوتے اور ہارونؑ کا عمامہ اور ان کی لاٹھی اور اس من کا ایک قفیز تھا جو بنی اسرائیل پر (آسمان سے) نازل ہوتا تھا۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ سکینہ سونے کا ایک بہشتی طشت تھا اس میں انبیاء کے دل دھوئے جاتے تھے۔ (تفسیر مظہری)

ابن عباس اور قتادہ اور سدی اور عکرمہ اور ربیع بن انس اور ابو صالح سے مروی ہے کہ اس تابوت میں توریت کی دو تختیاں اور کچھ تختیوں کے ٹکڑے تھے جو ٹوٹ گئی تھیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے عصا اور ان کے عمامے اور جوتے وغیرہ تھے۔ اور اس صندوق کی آمد بھی عجب شان سے ہوتی۔

شانِ اصطفاء:

قرآن کریم میں جس کسی کو شان اصطفاء سے حصہ ملا ہے وہ ضرور صاحب الہام اور صاحب کشف و کرامت ہوا ہے اور فی العلم کا لفظ اپنے عموم اور اطلاق کی بناء پر علم ظاہری اور علم باطنی اور علم شریعت اور علم سلطنت اور علم سیاست سب کو شامل ہے کیونکہ ایسی سلطنت جس سے دین اور دنیا دونوں ہی درست ہوں وہ جب ہو سکتی ہے کہ جب بادشاہ اوصاف مذکورہ کا حامل ہو۔

جس کو چاہتے ہیں بادشاہی عطا کرتے ہیں اور اگر وہ شخص بادشاہت کی ذرہ برابر لیاقت بھی نہ رکھتا ہو تو اس کو سلطنت کی لیاقت اور قابلیت عطا فرما دیتے ہیں اور غیب سے اس کی مدد فرماتے ہیں۔ (معارف کاندھلویؒ)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ
پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر کہا بیشک اللہ
مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ
تمہاری آزمائش کرتا ہے ایک نہر سے سو جس نے پانی پیا اس نہر کا تو وہ
مِنِّي ۚ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي إِلَّا مَنِ
میرا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بیشک میرا ہے مگر جو کوئی
اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ ۚ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا
بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے پھر پی لیا سب نے اس کا پانی مگر تھوڑوں نے
مِنْهُمْ ۚ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ وَالَّذِينَ آمَنُوا
ان میں سے پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے
مَعَهُ ۙ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ
ساتھ اس کے تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت
وَجُنُودِهِ ۚ قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ
اور اس کے لشکروں سے لڑنے کی کہنے لگے وہ لوگ جن کو خیال تھا کہ ان کو
مُلَاقُوا اللَّهِ ۙ كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ
اللہ سے ملنا ہے بارہا تھوڑی جماعت غالب ہوئی ہے بڑی
فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿٢٤٩﴾
جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے

لشکر کی آزمائش:

ہوس سے طالوت کے ساتھ چلنے کو سب تیار ہو گئے طالوت نے کہہ دیا کہ جو کوئی جوان زور آور اور بے فکر ہو وہ چلے ایسے بھی اسی ہزار نکلے پھر طالوت نے ان کو آزمانا چاہا ایک منزل میں پانی نہ ملا دوسری منزل میں ایک نہر ملی طالوت نے حکم کر دیا کہ جو ایک چلو سے زیادہ پانی پیوے وہ میرے ساتھ نہ چلے صرف تین سو تیرہ ان کے ساتھ رہ گئے اور سب جدا ہو

گئے جنہوں نے ایک چلو سے زیادہ نہ پیا ان کی پیاس بجھی اور جنہوں نے زیادہ پیا ان کو اور پیاس زیادہ لگی اور آگے نہ چل سکے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابن عباسؓ کے قول کے مطابق یہ نہر اردن اور فلسطین کے درمیان تھی۔ اس کا نام نہر الشریعۃ تھا۔ (تفسیر ابن کثیر)

اور انہی تینوں پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر مارا جالوت کا صرف ماتھا کھلا تھا اور تمام بدن لوہے میں غرق تھا تینوں پتھر اس کے ماتھے پر لگے اور پیچھے کو نکل گئے۔ جالوت کا لشکر بھاگا اور مسلمانوں کو فتح ہوئی پھر طالوت نے حضرت داؤد سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دیا اور طالوت کے بعد یہ بادشاہ ہوئے اس سے معلوم ہوگیا کہ حکم جہاد ہمیشہ سے چلا آرہا ہے اور اس میں اللہ کی بڑی رحمت اور احسان ہے۔ نادان کہتے ہیں کہ لڑائی نبیوں کا کام نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ
اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے تو بولے اے رب
اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا
ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور مدد
عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ
کر ہماری اس کافر قوم پر پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے
وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ
حکم سے اور مار ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت
وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ
اور حکمت اور سکھایا ان کو جو چاہا اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا
النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ
اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہوجاتا
الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى
ملک لیکن اللہ بہت مہربان ہے
الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾
جہان کے لوگوں پر

جالوت کا قتل:

جب سامنے ہوئے جالوت کے یعنی وہی تین سو تیرہ آدمی اور انہی تین سو تیرہ میں حضرت داؤد کے والد اور ان کے چھ بھائی اور خود حضرت داؤد بھی تھے حضرت داؤد کو راہ میں تین پتھر ملے اور بولے کہ اٹھا لے ہم کو ہم جالوت کو قتل کریں گے جب مقابلہ ہوا جالوت خود باہر نکلا اور کہا میں اکیلا تم سب کو کافی ہوں میرے سامنے آتے جاؤ حضرت اشموئیل نے حضرت داؤد کے باپ کو بلایا کہ اپنے بیٹے کو مجھ کو دکھلا اس نے چھ بیٹے دکھائے جو قد آور تھے حضرت داؤد کو نہیں دکھایا ان کا قد چھوٹا تھا اور بکریاں چراتے تھے پیغمبر نے ان کو بلوایا اور پوچھا کہ تو جالوت کو مار دے گا انہوں نے کہا ماروں گا پھر جالوت کے سامنے گئے۔ اور انہیں تین پتھروں کو فلاخن میں رکھ کر مارا جالوت کا صرف ماتھا کھلا۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ
یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک
وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾
اور تو بے شک ہمارے رسولوں میں ہے

ماضی کے حالات آیاتِ الٰہیہ ہیں:

یہ قصہ جو بنی اسرائیل کا گذرا یعنی ہزاروں کا نکلنا اور ان کا دفعتہً مرنا اور جینا اور طالوت کا بادشاہ ہونا یہ سب اللہ کی آیتیں ہیں جو تجھ کو سنائی جاتی ہیں اور تم بیشک اللہ کے رسولوں میں ہو یعنی جیسے پہلے پیغمبر ہو چکے ہیں ویسے ہی تم بھی یقیناً رسول ہو کہ ان قصص قرون ماضیہ کو ٹھیک ٹھیک بیان کرتے ہو حالانکہ نہ کسی کتاب میں آپ نے دیکھا اور نہ کسی آدمی سے سنا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت داؤد علیہ السلام:

داؤد علیہ السلام مع اپنے والد اور تیرہ بھائیوں کے طالوت کے لشکر میں تھے اور طالوت کے ساتھ وہ بھی اتر گئے تھے داؤد سب بھائیوں میں چھوٹے تھے بکریاں چرایا کرتے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے نبی کی طرف وحی بھیجی کہ جالوت کو یہ (لڑکا) مارے گا اور اس راستہ میں تین پتھروں نے ان سے کہا کہ ہم سے تم جالوت کو مارو گے اس لئے داؤد نے انہیں اٹھا کر اپنی جھولی میں ڈال لیا۔ طالوت انہیں ایک گھوڑا اور ایک زرہ اور ایک تلوار دینے لگے تو انہوں نے جواب دیا اگر اللہ نے میری مدد نہ کی تو

یہ تلوار وغیرہ مجھے کچھ بھی فائدہ نہ دے گی اس لئے آپ نے ان سب چیزوں کو وہیں چھوڑ دیا اور اپنی جھولی اٹھا کے دشمن کی طرف بڑھے آپ کا قد چھوٹا تھا دائم المریض زرد رنگ رہا کرتے تھے جب انہیں جالوت نے دیکھا تو وہ بڑا قوی قد آور تندخو تیز مزاج آدمی تھا اکیلا ہی بہت سے لشکروں کو بھگا دیتا تھا لیکن داؤد علیہ السلام کا اللہ تعالیٰ نے اس کے دل میں رعب ڈال دیا وہ (انہیں دیکھ کر) کہنے لگا۔ کیا تم میرے پاس گوپیا اور پتھر لے کے آئے ہو جیسے کوئی کتے کو مارنے آیا کرتا ہے آپ نے فرمایا ہاں تو تو کتے سے بھی بدتر ہے پھر آپ نے ان تینوں پتھروں کو گوپھن میں رکھا اور (بسم اللہ کی جگہ) بِاسْمِ اِلٰهِ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اور گوپیا مارا تو پتھر جالوت کے بھیجے میں لگ کے گدی میں سے نکل گیا:

(وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ) (اور داؤد نے جالوت کو مار ڈالا) اور طالوت نے اپنی بیٹی سے ان کی شادی کر دی۔

حضرت داؤد پر سلطنت و نبوت دونوں جمع ہو گئیں:

(وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ) (اور اسے (یعنی داؤد کو) اللہ نے سلطنت دی) یعنی طالوت کے مرنے کے بعد بعض کہتے ہیں کہ داؤد سے پہلے بنی اسرائیل کسی سلطنت پر مجتمع نہیں ہوئے (وَالْحِكْمَةَ) (اور نبوت) یہ دونوں چیزیں اللہ نے حضرت داؤد ہی کو دی تھیں اور اس سے پہلے یہ دونوں نعمتیں (ایک ہی آدمی میں) کبھی جمع نہیں ہوئیں بلکہ سلطنت شاہی خاندان میں رہتی تھی اور نبوت نبی کے خاندان میں۔

حضرت داؤد علیہ السلام کا ہنر:

(وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ) (اور جو چاہا اسے سکھا دیا) اللہ نے داؤد علیہ السلام کو زبور عنایت کی تھی اور زرہیں بنانا سکھا دیا تھا اور لوہے کو آپ کے واسطے نرم (مثل موم کے) کر دیا تھا پس آپ اپنے ہاتھ ہی کے کام کی مزدوری میں سے کھایا کرتے تھے مقدام بن معدی کرب کہتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کھانے سے بہتر کوئی کھانا نہیں ہے جو اپنے ہاتھوں سے کر کے کھائے اللہ تعالیٰ کے نبی داؤد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے پرندوں کی بولی اور چیونٹی وغیرہ کی زبان سکھلا دی تھی اور اعلیٰ درجہ کی خوش آوازی عطا کی تھی بعض کہتے ہیں کہ جب آپ زبور پڑھا کرتے تھے تو جنگلی جانور آپ کے قریب آ جاتے تھے اور لوگ انہیں ہاتھوں سے پکڑ لیتے تھے اور پرندے آپ پر سایہ کر لیتے تھے اور چلتا پانی ٹھیر جاتا اور ہوا رک جاتی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوموسیٰ اشعری سے فرمایا کہ اے ابوموسیٰ تمہیں آل داؤد کی خوش آوازیوں میں سے ایک خوش آوازی عطا ہوئی ہے یہ روایت متفق علیہ ہے۔

مشرکین کا فساد:

(لَفَسَدَتِ الْاَرْضُ) (تو تمام زمین میں فساد پھیل جائے) یعنی تمام روئے زمین پر مشرک غالب آ کر فساد برپا کر دیں پھر تمام شہروں کو ویران کر دیں اور بندگان الٰہی کو قتل کر دیں اور ان پر ظلم کریں اور تمام یہود و نصاریٰ کے عبادت خانے اور مسجدیں ڈھا دیں جن میں اللہ کا نام بکثرت لیا جاتا ہے اور اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے اور لوگوں کو ایمان لانے اور اسکی عبادت کرنے سے روک دیں یہ قول حضرت ابن عباس اور مجاہد کا ہے اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ جہاد فرض ہونے (کا باعث اور اس) کی علت فساد رفع کرنا ہے جیسا کہ آیت (لَآ اِكْرَاهَ فِى الدِّيْنِ) کی تفسیر میں ہم عنقریب ذکر کریں گے بعض مفسرین نے یہ معنے لئے ہیں کہ اگر مومنین اور نیک لوگوں کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کفار اور فجار سے عذاب کو دفع نہ کرتا تو تمام روئے زمین کی مخلوق برباد ہو جاتی بغوی نے عبدالرحمٰن بن احمد کی طریق سے انہوں نے ابن عمر سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ يَدْفَعُ بِالْمُسْلِمِ الصَّالِحِ عَنْ مِائَةِ اَهْلِ بَيْتٍ مِنْ جِيْرَانِهِ الْبَلَاءَ۔ یعنی ایک نیک مسلمان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس کے ہمسایوں میں سے سو گھر والوں کی بلا کو دفع کر دیتا ہے پھر آپ نے یہ آیت پڑھی:

(وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ)

الآیۃ اس کے علاوہ ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ اگر (مخلوق میں) نماز پڑھنے والے اور دودھ پیتے بچے اور بے خطا جانور نہ ہوں تو تم پر بہت سخت عذاب ڈال دیا جائے۔ (تفسیر مظہری)

فائدہ: نبی اگرچہ نبی ہونے سے پہلے نبی نہیں ہوتا مگر ولی ضرور ہوتا ہے اور اولیاء کی کرامتیں حق ہیں جیسا کہ کتاب اللہ اور سنت متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ محض تین پتھروں سے جالوت کو مارنا یہ داؤد علیہ السلام کی کرامت تھی اور آئندہ نبوت کا ارہاص یعنی پیش خیمہ تھی اور حضرت داؤد کی یہ کرامت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معجزہ کا نمونہ تھی جو حضورؐ سے جنگ حنین میں ظاہر ہوا کہ ایک مشت خاک سے ہوازن سراسیمہ ہو گئے۔ (تفسیر قرطبی۔ معارف کاندھلوی)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى
یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان میں بعض کو بعض سے
بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ
کوئی تو وہ ہے کہ کلام فرمایا اس سے اللہ نے اور بلند کئے
بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَیْنَا عِیْسَى ابْنَ
بعضوں کے درجے اور دیئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو
مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَاَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ
معجزے صریح اور قوت دی اس کو روح القدس یعنی جبریل سے

پیغمبروں کی شانیں:

یہ پیغمبر جن کا ذکر ہوا ان میں فضیلت دی ہم نے بعض کو بعض پر بعضے ان میں ایسے ہیں کہ ان سے بات کی خدا تعالیٰ نے جیسے آدم اور موسیٰ علیہما السلام اور بلند کیا بعضوں کا درجہ جیسے کوئی ایک قوم کا نبی کوئی ایک گاؤں کا کوئی ایک شہر کا کوئی تمام جہان کا جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عنایت ہوئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کھلے معجزے جیسے احیائے موتی اور ابراء اکمہ اور ابرص وغیرہ اور قوت دی ان کو روح پاک یعنی حضرت جبرئیل کو ان کی مدد کو بھیج کر۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ایک مسلمان اور یہودی کا واقعہ:

حدیث میں ہے کہ ایک مسلمان اور یہودی کی کچھ بات چیت ہوگئی تو یہودی نے کہا قسم ہے اس خدا تعالیٰ کی جس نے موسیٰؑ کو تمام جہان والوں پر فضیلت دی۔ مسلمان سے ضبط نہ ہو سکا، اس نے اٹھا کر ایک تھپڑ مارا اور کہا خبیث! کیا ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی وہ افضل ہیں؟ یہودی نے سرکار نبویؐ میں آکر اس کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو، قیامت کے دن سب بے ہوش ہوں گے سب سے پہلے میں ہوش میں آؤں گا تو میں دیکھوں گا کہ (حضرت) موسیٰ علیہ السلام خدا تعالیٰ کے عرش کا پایہ تھامے ہوئے ہوں گے۔ مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہی ہوش میں آگئے؟ یا سرے سے بے ہوش ہی نہیں ہوئے تھے اور طور کی بے ہوشی کے بدلے یہاں کی بے ہوشی سے بچا لئے گئے، پس مجھے نبیوں پر فضیلت نہ دو۔ (تفسیر ابن کثیر)

مراتبِ قرب کا تفاوت اللہ ہی کو معلوم ہے:

تمام انبیاء اور پیغمبر اگر چہ وصف رسالت و نبوت میں شریک ہیں اور سب کو اجر و ثواب کا استحقاق ہے لیکن کثرت ثواب اور مراتب قرب میں ان کے آپس میں اتنا تفاوت ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی اس سے واقف نہیں ہاں اللہ کے بتانے سے ہی اس کا علم ہو سکتا ہے۔

تمام انبیاء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت ثابت ہے:

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اللہ تعالیٰ نے طور پر کلام کیا اور حضور سرور کائنات فخر موجودات (علیہ التحیۃ والسلام) سے شب معراج میں جبکہ بقدر دو کمانوں کے یا اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا تھا اس وقت اللہ نے اپنے بندہ کو وحی سے سرفراز فرمایا الخ دونوں حالتوں اور کلاموں میں عظیم الشان تفاوت فرمایا:

(وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ)

رسولوں کو انبیاء پر فضیلت عطا کی گئی تھی پھر اولوالعزم رسولوں کو دوسرے رسولوں پر بھی بہت رفعت حاصل تھی لیکن تمام رسولوں اور نبیوں پر برتری صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل ہوئی تھی۔ اس قول کا ثبوت احادیث سے ہوتا ہے اور اسی پر اجماع امت ہے۔

قیامت کے دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی انوکھی شان:

حضرت ابوسعید خدریؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن میں بنی آدم کا سردار ہونگا اور (میرا یہ کلام بطور) فخر نہیں ہے۔ میرے ہاتھ میں حمد کا پھریرا ہوگا اور (میرا یہ قول بھی بطور) فخر نہیں ہے آدم کی تمام اولاد اور اس کے علاوہ دوسرے بھی میرے ہی جھنڈے کے نیچے ہونگے اور زمین پھٹ کر سب سے اول میں ہی برآمد ہونگا اور (یہ بھی بطور) فخر نہیں ہے اور میں ہی سب سے اول سفارشی ہونگا اور میری ہی سفارش سب سے پہلے قبول کی جائے گی۔ (احمد۔ ترمذی۔ ابن ماجہ)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ کچھ صحابیؓ بیٹھے باتیں کر رہے تھے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے اور صحابیوںؓ کو باتیں کرتے سنا۔ ایک صاحبؓ کہہ رہے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ نے اپنا خلیل بنالیا تھا۔ دوسرے نے کہا موسیٰ علیہ السلام سے اللہ نے کلام کیا۔ تیسرے نے کہا عیسیٰ علیہ السلام کلمۃ اللہ اور روح اللہ تھے۔ چوتھے بولے آدم علیہ السلام کو صفی اللہ بنایا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے برآمد ہو کر فرمایا میں نے تمہاری تعجب آگیں باتیں سنیں کہ ابراہیمؑ خلیل اللہ اور روح اللہ تھے حقیقت میں وہ ایسے ہی تھے اور آدم علیہ السلام صفی اللہ تھے وہ اسی طرح تھے لیکن میں حبیب اللہ ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم) اور (میرا یہ کلام بطور) فخر نہیں۔ میں ہی جنت کی زنجیر سب سے پہلے کھٹ کھٹاؤنگا

اور اللہ میرے لئے جنت کو کھول دے گا اور مجھے اندر داخل فرمائے گا۔ اس وقت میرے ساتھ فقراء مسلمین بھی ہونگے اور (یہ بات بطور) فخر نہیں۔ میں اللہ کے ہاں تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ معزز ہوں اور (یہ کلام بطور) فخر نہیں۔ (ترمذی و دارمی)

حضرت جابر راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں قائد مرسلین ہوں اور (یہ کلام بطور) فخر نہیں۔ میں خاتم النبیین ہوں اور (یہ کلام بطور فخر نہیں)۔ دارمی۔ حضرت ابی بن کعب راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کا دن ہوگا تو میں انبیاء کا امام خطیب اور ان کی طرف سے سفارشی ہونگا اور کوئی فخر نہیں۔ ترمذی۔ حضرت ابو ہریرہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا زمین پھٹ کر سب سے اول میں ہی برآمد ہونگا اور مجھے جنت کا خلعت پہنایا جائے گا۔ پھر عرش کے دائیں جانب اس مقام پر میں کھڑا ہونگا کہ میرے سوا اس جگہ پر مخلوق میں سے کوئی کھڑا نہ ہوگا۔ (ترمذی)

جنت کا سب سے اونچا درجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (میرے لئے) اللہ سے وسیلہ طلب کرو صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسیلہ کیا چیز ہے فرمایا جنت کا سب سے اونچا درجہ ہے جس پر صرف ایک شخص پہنچے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ پہنچنے والا میں ہی ہوں گا۔ ترمذی۔ یہ تمام احادیث اگر چہ احاد ہیں لیکن معنی کے لحاظ سے ان میں تواتر ہے اور امت اسلامیہ نے ان کو مانا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات تمام انبیاء سے بڑھ کر ہیں:

امام محی السنۃ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان جیسے تمام معجزات دیئے گئے تھے جو دوسرے پیغمبروں کو الگ الگ دیئے گئے تھے اور اس مجموعہ معجزات کے علاوہ بھی آپ کو معجزات عطا فرمائے گئے تھے جیسے انگلی کے اشارہ سے چاند کا پھٹ جانا۔ آپ کے جدا ہونے کی وجہ سے ستون حنانہ کا رونا پتھروں اور درختوں کا آپ کو سلام کرنا چوپایوں کا کلام کرنا اور آپ کی رسالت کی شہادت دینا۔ آپ کی انگلیوں کے درمیان سے فوارہ کی طرح پانی پھوٹ کر نکلنا، ان کے علاوہ بیشمار معجزات تھے جن میں سب سے نمایاں قرآن مجید ہے جس کی مثل پیش کرنے سے آسمان و زمین کے باشندے عاجز رہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خصوصی معجزہ:

اس بیان کے بعد بغویؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر نبی کو کوئی ایسا معجزہ دیا گیا جو دوسرے انسانوں کی قدرت سے خارج تھا اور مجھے جو معجزہ عطا کیا گیا وہ اللہ کا کلام ہے جو میرے پاس وحی کے ذریعے سے بھیجا گیا پس مجھے امید ہے کہ قیامت کے دن میرے متبعین کی تعداد زیادہ ہوگی۔ (بخاری و مسلم)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصوص چیزیں:

بغویؒ نے اپنی سند سے بحوالہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے پانچ چیزیں ایسی عطا کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں عطا کی گئیں ایک ماہ کی مسافت تک میرا رعب ڈال کر میری مدد کی گئی زمین کو میرے لئے مسجد اور پاک قرار دیا گیا لہذا میری امت میں سے جس کسی کو (جہاں) نماز کا وقت آ جائے وہ وہیں نماز پڑھ لے (خواہ مسجد ہو یا گھر یا صحرا وغیرہ) میرے لئے مال غنیمت حلال کیا گیا مجھ سے پہلے کسی نبی کے لئے حلال نہیں کیا گیا اور مجھے شفاعت (کا حق) دیا گیا اور ہر نبی کو صرف اسی کی قوم کی ہدایت کے لئے بھیجا جاتا رہا مگر مجھے سب لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا گیا۔ (متفق علیہ)

بغویؒ نے اپنی سند سے بروایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھ امور میں مجھے انبیاء پر برتری عطا فرمائی گئی مجھے الفاظ جامعہ (یعنی ایسے الفاظ جو باوجود مختصر ہونے کے معانی کثیرہ اور حقائق عظیمہ کو حاوی ہوں) دیئے گئے دشمنوں کے دلوں میں رعب ڈال کر میری مدد کی گئی۔ مال غنیمت میرے لئے حلال کیا گیا۔ میرے لئے زمین کو مسجد اور پاک قرار دیدیا گیا۔ مجھے تمام مخلوق جن و انس کے لئے بھیجا گیا۔ مجھ پر انبیاء کو ختم کر دیا گیا۔ مسلم۔ اس مبحث کی تفصیل بہت طویل ہے تنگی مقام مفصل بیان کی اجازت نہیں دیتی اس موضوع پر بڑی بڑی کتابیں تصنیف کی جا چکی ہیں۔

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات:

(وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ) اور عیسیٰؑ بن مریمؑ کو ہم نے کھلے ہوئے معجزات عطا کئے۔ حضرت عیسیٰؑ نے پالنے کے اندر ہی لوگوں سے باتیں کیں آپ مادر زاد نابینا اور برص کی بیماری والے کو تندرست کر دیا کرتے تھے۔ آپ مردوں کو زندہ کر دیتے تھے اور آسمان سے آپ پر خوان اتارا گیا تھا۔ (وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ) (اور جبرئیل علیہ السلام کے ذریعہ سے ہم نے اس کی مدد کی تھی اس کی تشریح پہلے گذر چکی ہے۔

خصوصیت کے ساتھ حضرت عیسیٰؑ کے ذکر کی وجہ:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کرنیکی وجہ یہ ہے کہ

یہودی حد سے زیادہ آپ کی توہین کرتے تھے (نعوذ باللہ حرامی بچہ کہتے تھے) اور عیسائی آپ کی تعظیم میں بہت آگے بڑھ چکے تھے (نعوذ باللہ خدا کا بیٹا کہنے لگے تھے) (تفسیر مظہری)

وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ
اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں کے پیچھے
مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ
بعد اسکے کہ پہنچ چکے ان کے پاس صاف حکم لیکن
اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ
ان میں اختلاف پڑ گیا پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر
كَفَرَ ط وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۫ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
ہوا اور اگر چاہتا اللہ تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن
يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾ ع
اللہ کرتا ہے جو چاہے

اللہ چاہتا تو سب ایک ہی دین پر ہوتے:

ان انبیاء پر ایمان لے آئے اور صاف حکم اور روشن نشانیاں ہمارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے کی دیکھ سن چکے اگر خدا چاہتا تو یہ باہم نہ لڑتے اور مخالفت نہ کرتے اور کوئی ان میں مومن اور کوئی کافر نہ ہوتا لیکن حق تعالیٰ مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے کوئی فعل اس کا حکمت سے خالی نہیں۔ (تفسیر عثمانیؒ)

جس نے نورِ الٰہی پالیا وہ ہدایت والا ہے:

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تاریکی میں پیدا کیا پھر ان پر اپنا نور ڈالا پس جس نے وہ نور پالیا ہدایت یاب ہوگیا اور جو نور کو نہ پاسکا وہ گمراہ ہوگیا اسی لئے تو میں کہتا ہوں کہ علم الٰہی کے مطابق قلم (لکھ کر) خشک ہوگیا۔ (احمد وترمذی)

تقدیر کی حقیقت تک انسانی عقل کی رسائی نہیں ہے:

بغویؒ کا بیان ہے کہ ایک شخص نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے دریافت کیا امیر المومنین مجھے تقدیر کی حقیقت بتا دیجئے۔ فرمایا یہ تاریک راہ ہے اس پر نہ چل۔ اس نے مکرر سوال کیا آپ نے فرمایا یہ گہرا سمندر ہے اس میں داخل نہ ہو اس نے سوال کا پھر اعادہ کیا تو فرمایا یہ پوشیدہ راز ہے اس کی جستجو نہ کر۔ یعنی حقیقت تقدیر نا قابل فہم ہے انسانی دانش کی وہاں تک رسائی نہیں جس طرح گہرے سمندر میں گھسنا اور تاریک راہ میں چلنا تباہی آفریں ہے اسی طرح اس حقیقت (سربستہ) کی جستجو ہلاکت انگیز ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میں نے خود سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے جس نے تقدیر کے معاملہ میں کچھ گفتگو کی اس سے قیامت کے دن باز پرس ہوگی اور اگر کچھ نہ کہا تو سوال نہ ہوگا۔ (ابن ماجہ)

تقدیر پر ایمان ضروری ہے:

اگر تم کوہ احد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرو تو اللہ قبول نہیں فرمائے گا تاوقتیکہ تمہارا ایمان تقدیر پر نہ ہو اور جب تک تم کو اس کا یقین نہ ہو کہ جو کچھ تم کو پہنچنے والا ہے وہ پہنچ کر رہے گا اور نہیں پہنچنے والا ہے تو نہیں پہنچے گا۔ اگر اس عقیدہ کے خلاف دوسرے عقیدہ پر مرو گے تو دوزخ میں جاؤ گے۔ حضرت ابن مسعود اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم کے اقوال بھی اسی مضمون کے مروی ہیں بلکہ حضرت زید بن ثابت نے تو فرمان نبوی اسی مضمون کا بیان کیا ہے۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ) (تفسیر مظہری)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ
اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی
مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ
دی پہلے اُس دن کے آنے سے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہے
وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ط
اور نہ آشنائی اور نہ سفارش

ربطِ آیات:

اس سورت میں عبادات و معاملات کے متعلق احکام کثیرہ بیان فرمائے جن سب کی تعمیل نفس کو ناگوار اور بھاری ہے اور تمام اعمال میں زیادہ دشوار انسان کو جان اور مال کا خرچ کرنا ہوتا ہے اور احکام الٰہی اکثر جو دیکھے جاتے ہیں یا جان کے متعلق ہیں یا مال کے اور گناہ میں بندہ کو جان یا مال کی محبت اور رعایت ہی اکثر مبتلا کرتی ہے گویا ان دونوں کی محبت گناہوں کی جڑ اور اس سے نجات جملہ طاعات کی سہولت کا منشاء ہے اس لئے ان احکامات کو بیان فرما کر قتال اور انفاق کو بیان فرمانا مناسب ہوا (وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ)

الخ اول کا بیان تھا تو (مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا) دوسرے کا ذکر ہے اس کے بعد قصہ طالوت سے اول کی تاکید ہوئی تو اب (اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ) الخ سے دوسرے کی تاکید منظور ہے اور چونکہ انفاق مال پر بہت سے امور عبادات و معاملات کے موقوف ہیں تو اس کے بیان میں زیادہ تفصیل اور تاکید سے کام لیا چنانچہ اب جو رکوع آتے ہیں ان میں اکثروں میں امر ثانی یعنی انفاق مال کا ذکر ہے۔ خلاصہ معنی یہ ہوا کہ عمل کا وقت ابھی ہے آخرت میں تو نہ عمل بکتے ہیں نہ کوئی آشنائی سے دیتا ہے نہ کوئی سفارش سے چھڑا سکتا ہے جب تک پکڑنے والا نہ چھوڑے۔

وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝
اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم

کافر ظالم ہیں:

یعنی کفار نے آپ اپنے اوپر ظلم کیا جس کی شامت سے ایسے ہوگئے کہ آخرت میں نہ کسی کی دوستی سے ان کو نفع ہو سکے اور نہ سفارش سے۔ (تفسیر عثمانی)

ترکِ زکوٰۃ:

بیضاویؒ نے لکھا ہے الکافرون سے مراد ہیں زکوٰۃ نہ دینے والے ترک زکوٰۃ کی برائی کی شدت کو ظاہر کرنے کے لئے زکوٰۃ نہ دینے کو کفر سے تعبیر کیا۔ جیسے حج نہ کرنے کو کفر کرنے سے تعبیر کیا ہے اور من لم یحج کی جگہ مَنْ کَفَرَ فرمایا ہے نیز آیت:

(وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِكِیْنَ ۝ الَّذِیْنَ لَا یُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ) میں عدم ادائے زکوٰۃ کو مشرکوں کی صفت قرار دیا ہے اور یہ اشارہ کیا ہے کہ ترک زکوٰۃ کافروں کی خصوصیت ہے۔

منکرین زکوٰۃ سے حضرت ابوبکرؓ کا جہاد:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد عرب مرتد ہوگئے اور کہنے لگے ہم زکوٰۃ نہیں دینگے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر یہ اونٹ کی ٹانگ باندھنے کی رسی دینے سے بھی انکار کرینگے تو میں ان کے خلاف جہاد کروں گا۔ میں نے کہا اے جانشین رسول صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو ملائے رکھئے ان سے نرمی کیجئے فرمایا تم جاہلیت میں تو بڑے پکے تھے (اب) اسلام میں کیا ضعیف ہوگئے یقیناً وحی ختم ہوگئی دین کامل ہوگیا تو کیا میری زندگی میں دین میں نقصان ہو سکے گا۔ (رواہ رزین۔ تفسیر مظہری ص ۲۵۵ ج ۲)

اللہ ظالم نہیں ہے:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے فرمایا اگر اللہ تمام آسمان و زمین کے رہنے والوں کو عذاب دے تو اس کا عذاب ظلم نہ ہوگا اور اگر سب پر رحم فرمائے تو اس کی رحمت ان کے اعمال سے بہتر ہوگی یعنی اعمال موجب سزا ہیں اور مجرم کو سزا دینا ظلم نہیں اور رحم کرنا اس کی مہربانی ہے اور مہربانی اعمال کے زیر اثر نہیں بلکہ اعمال سے بہتر ہوگی۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ
اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا

آیت الکرسی اور قرآن پاک کے تین مضامین:

پہلی آیت سے حق سبحانہ کی عظمت شان بھی مفہوم ہوتی ہے اب اس کے بعد اس آیت کو جس میں توحید ذات اور اس کا تقدس و جلال غایت عظمت و وضاحت کے ساتھ مذکور ہے نازل فرمائی اور اسی کا لقب آیۃ الکرسی ہے اسی کو حدیث میں اعظم آیات کتاب اللہ فرمایا ہے اور بہت فضیلت اور ثواب منقول ہے اور اصل بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں رلا ملا کر تین قسم کے مضمون کو جگہ جگہ بیان فرمایا ہے علم توحید وصفات، علم احکام، علم قصص و حکایات سے بھی توحید وصفات کی تقریر و تائید مقصود ہوتی ہے یا علم احکام کی تاکید وضرورت اور علم توحید وصفات اور علم احکام بھی باہم ایسے مربوط ہیں کہ ایک دوسرے کے لئے علت اور علامت ہے صفات حق تعالیٰ احکام شرعیہ کے حق میں منشا اور اصل ہیں تو احکام شرعیہ صفات کے لئے بمنزلہ ثمرات اور فروع ہیں تو اب ظاہر ہے کہ علم قصص اور علم توحید و صفات سے ضرور علم احکام کی تاکید اور اس کی ضرورت بلکہ حقیقت اور اصلیت ثابت ہوگی اور یہ طریقہ جو تین طریقوں سے مرکب ہے بغایت احسن اور اسہل اور قابل قبول ہے اول تو اس وجہ سے کہ ایک طریقہ کی پابندی موجب ملال ہوتی ہے اور ایک علم سے دوسرے کی طرف منتقل ہو جاتا ایسا ہو جاتا ہے جیسا ایک باغ کی سیر کر کے دوسرے باغ کی سیر کرنے لگے دوسرے تینوں طریقوں سے مل کر حقیقت منشاء ثمرہ نتیجہ سب ہی معلوم ہو جائے گا اور اس میں تعمیل احکام نہایت شوق و مستعدی اور رغبت و بصیرت کے ساتھ ہوگی اس لئے طریقہ مذکورہ بغایت عمدہ اور مفید اور قرآن مجید میں کثیر الاستعمال ہے اسی جگہ دیکھ لیجئے کہ اول احکام کو کس کثرت و تفصیل سے بیان فرمایا اس کے بعد بقدر مصلحت قصص

کو بیان کر کے تمام احکامات کی جڑ کو دلوں میں ایسا مستحکم فرما دیا کہ اکھاڑے نہ اکھڑے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

جنّوں سے حفاظت کرنے والی آیت:

حضرت ابی بن کعبؓ فرماتے ہیں کہ میرے ہاں کھجور کی ایک بوری تھی میں نے دیکھا کہ اس میں سے کھجوریں روز بروز گھٹ رہی ہیں۔ ایک رات میں جاگتا رہا اور اس کی نگہبانی کرتا رہا میں نے دیکھا کہ ایک جانور مثل جوان لڑکے کے آیا میں نے اسے سلام کیا اس نے میرے سلام کا جواب دیا، میں نے کہا تو انسان ہے یا جن؟ اس نے کہا میں جن ہوں، میں نے کہا ذرا اپنا ہاتھ تو دے، اس نے ہاتھ آگے بڑھا دیا، میں نے اپنے ہاتھ میں لیا تو کتے جیسا ہاتھ تھا اور اس پر کتے جیسے ہی بال بھی تھے۔ میں نے کہا کیا جنوں کی پیدائش ایسی ہے؟ اس نے کہا تمام جنات میں سب سے زیادہ قوت والا میں ہی ہوں۔ میں نے کہا بھلا تو میری چیز چرانے پر کیسے دلیر ہو گیا؟ اس نے کہا مجھے معلوم ہے کہ تو صدقہ کو پسند کرتا ہے ہم نے کہا پھر ہم کیوں محروم رہیں؟ میں نے کہا تمہارے شر سے بچانے والی کونسی چیز ہے؟ اس نے کہا آیت الکرسی۔ صبح کو جب میں سرکار محمدیؐ میں حاضر ہوا تو میں نے رات کا سارا واقعہ بیان کیا۔ آپؐ نے فرمایا خبیث نے یہ بات بالکل سچ کہی (ابویعلیٰ)

بڑی آیت:

مہاجرین کے پاس آپؐ گئے تو ایک شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کی آیت کونسی بہت بڑی ہے؟ آپؐ نے آیۃ الکرسی پڑھ کر سنائی (طبرانی)

بے مالوں کا مال:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ صحابہؓ میں سے ایک سے پوچھا کیا تم نے نکاح کر لیا؟ اس نے کہا حضرت! میرے پاس مال نہیں اس لئے نکاح نہیں کیا۔ آپؐ نے فرمایا (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) الخ یاد نہیں؟ اس نے کہا وہ تو یاد ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن تو یہ ہو گیا، کیا (قُلْ يٰۤاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ) الخ یاد نہیں؟ کہا ہاں وہ بھی یاد ہے۔ فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا۔ پھر پوچھا کیا (اِذَا زُلْزِلَتِ الْاَرْضُ زِلْزَالَهَا) الخ بھی یاد ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا، کیا (اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ) الخ بھی یاد ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی یہ، کیا آیت الکرسی یاد ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا چوتھائی قرآن یہ ہوا۔ (مسند احمد) (تفسیر ابن کثیر)

خدا تعالیٰ ہر چیز کو قائم رکھنے والا ہے:

کوئی شے اپنی ذات سے قائم نہیں خدا تعالیٰ ہی ہر شے کا قائم رکھنے والا ہے۔ ممکنات اپنے وجود اور بقاء میں اس سے کہیں زائد خدا کے محتاج ہیں۔ ممکنات کی حیات اور وجود اسی واجب الوجود کی حیات کا ایک ادنیٰ سا عکس اور پرتو ہے۔

ے کل مافی الکون وهم او خیال
او عکوس فی المرایا اوظلال

غرض یہ کہ حق تعالیٰ تمام عالم کا قائم رکھنے والا اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے ایک لمحہ بھی تدبیر سے غافل نہیں اس لئے اس کو اونگھ اور نیند نہیں پکڑتی اس لئے کہ نیند ایک قسم کا تغیر ہے جو وجوب وجود کے منافی ہے اور حیات کو ضعیف اور کمزور بناتا ہے پس جس کو اونگھ اور نیند آئے گی اس کی حیات بھی ناقص اور کمزور ہوگی اور دوسروں کی تدبیر بھی نہیں کر سکے گا۔ کیونکہ نیند موت کی بہن ہے لہذا نیند کیوجہ سے اس کی حیات بھی ناقص ٹھیرے گی اور اس کی شان قیومیت میں بھی قصور اور نقصان لازم آئے گا۔

اللہ تعالیٰ کا علم:

خداوند ذوالجلال کا علم ذاتی اور تام ہے اور مخلوق کے تمام احوال کو محیط ہے جو اس کی وحدانیت اور قیومیت اور کمال عظمت پر دال ہے اور بندوں کا علم نہایت قلیل اور ناتمام بلکہ برائے نام ہے بندہ بدون اس کی تعلیم کے ایک ذرہ کو بھی نہیں جان سکتا اور ایک ذرہ کے بھی تمام احوال اور کیفیات اور جہات اور حیثیات کا احاطہ نہیں کر سکتا۔ اگر ایک حال کو جان لیتا ہے تو سو حال سے جاہل اور بے خبر رہتا ہے اور اس کا علم ناتمام احوال کو محیط ہو بغیر اس کی اجازت کے ممکن نہیں اس لئے کہ شفاعت وہاں ہوتی ہے کہ جہاں شفاعت کرنے والا بادشاہ کو ایسی چیز سے آگاہ کرے کہ جس کی بادشاہ کو خبر نہ ہو یا اس کے عفو کی مصلحت کی خبر نہ ہو اور بارگاہ خداوندی میں یہ ناممکن ہے کہ اس کو کسی شے کا علم نہ ہو اور اس کی مالکیت تمام کائنات کو محیط ہے۔ (کاندھلوی رحمہ اللہ)

کرسی:

ابن کثیرؒ نے بروایت حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ نقل کیا ہے کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کرسی کیا اور کیسی ہے، آپؐ نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ ساتوں آسمانوں اور زمینوں کی مثال کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں کوئی حلقہ انگشتری ڈال دیا جائے۔

اور بعض دوسری روایات میں ہے کہ عرش کے سامنے کرسی کی مثال بھی ایسی ہی ہے جیسے ایک بڑے میدان میں انگشتری کا حلقہ۔

جنت میں داخلہ کا وظیفہ:

نسائی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص ہر نماز فرض کے بعد آیت الکرسی پڑھا کرے تو اس کو جنت میں داخل ہونے کیلئے بجز موت کے کوئی مانع نہیں ہے، یعنی موت کے بعد فوراً وہ جنت کے آثار اور راحت و آرام کا مشاہدہ کرنے لگے گا،

قیوم فقط اللہ تعالیٰ ہے:

کسی انسان کو قیوم کہنا جائز نہیں، جو لوگ عبدالقیوم کے نام کو بگاڑ کر صرف قیوم بولتے ہیں گنہگار ہوتے ہیں، اللہ جل شانہٗ کے اسماء صفات میں حی و قیوم کا مجموعہ بہت سے حضرات کے نزدیک اسم اعظم ہے، حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر میں میں نے ایک وقت یہ چاہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھوں آپ کیا کر رہے ہیں، پہنچا تو دیکھا کہ آپ سجدہ میں پڑے ہوئے بار بار یا حی یا قیوم کہہ رہے ہیں۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی

نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند اسی کا ہے جو کچھ

السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ

آسمانوں اور زمین میں ہے ایسا کون ہے جو

یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ

سفارش کرے اسکے پاس مگر اجازت سے جانتا ہے جو کچھ

اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ

خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ انکے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں

بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ

کر سکتے کسی چیز کا اسکی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے گنجائش ہے

كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا یَئُوْدُهٗ

اس کی کرسی میں تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اس کو

حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

تھامنا ان کا اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا

توحید ذات و عظمت صفات:

اس آیت میں توحید ذات اور عظمت صفات حق تعالیٰ کو بیان فرمایا کہ حق تعالیٰ موجود ہے ہمیشہ سے اور کوئی اس کا شریک نہیں تمام مخلوقات کا موجد وہی ہے تمام نقصان اور ہر طرح کے تبدل اور فتور سے منزہ ہے سب چیزوں کا مالک ہے تمام چیزوں کا کامل علم اور سب پر پوری قدرت اور اعلیٰ درجہ کی عظمت اس کو حاصل ہے کسی کو نہ اتنا استحقاق نہ اتنی مجال کہ بغیر اس کے حکم کے سفارش بھی اس سے کر سکے کوئی امر ایسا نہیں جس کے کرنے میں اس کو دشواری اور گرانی ہو سکے۔ تمام چیزوں اور سب کی عقلوں سے برتر ہے اس کے مقابلہ میں سب حقیر ہیں۔ اس سے دو مضمون اور خوب ذہن نشین ہو گئے ایک تو حق تعالیٰ کی ربوبیت اور حکومت اور اپنی محکومیت اور عبدیت جس سے حق تعالیٰ کے تمام احکامات مذکورہ اور غیر مذکورہ کا بلا چون و چرا واجب التصدیق اور واجب التعمیل ہونا اور اس کے احکام میں کسی قسم کے شک و شبہ کا معتبر نہ ہونا معلوم ہو گیا دوسرے عبادات و معاملات کثیرہ مذکورہ سابقہ کو اور ان کے ساتھ تعمیم و تعذیب کو دیکھ کر کسی کو خلجان ہو سکتا تھا کہ ہر ہر فرد کے اس قدر معاملات و عبادات کثیرہ ہیں کہ جن کا مجموعہ اتنا ہوا جاتا ہے کہ ان کا ضبط اور حساب کتاب محال معلوم ہوتا ہے پھر اس کے مقابلہ میں ثواب و عقاب یہ بھی عقل سے باہر غیر ممکن معلوم ہوتا ہے سو اس آیت میں حق سبحانہٗ نے چند صفات مقدسہ اپنی ایسی ذکر فرمائیں کہ وہ تمام خیالات بسہولت دور ہو گئے یعنی اس کا علم و قدرت ایسا کامل ہے کہ ایک چیز بھی ایسی نہیں جو اس سے باہر ہو جس کا علم اور قدرت ایسا غیر متناہی اور ہمیشہ یکساں رہنے والا ہو اس کو تمام جزئیات عالم کے ضبط رکھنے اور ان کا عوض عطا فرمانے میں کیا دقت ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت ابوایوب انصاریؓ کا واقعہ:

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے خزانے میں سے جنات چرا کر لے جایا کرتے تھے۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی، آپؐ نے فرمایا جب تو اسے دیکھے تو کہنا بسم اللہ اجیبی رسول اللہ۔ جب وہ آیا میں نے یہی کہا اور پکڑ لیا۔ اس نے کہا میں اب نہیں آؤں گا۔ پھر اسے چھوڑ دیا، میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؐ نے فرمایا تیرے قیدی نے کیا کیا؟ میں نے کہا میں نے اسے پکڑ لیا تھا لیکن اس نے وعدہ کیا کہ اب پھر نہیں آؤں گا آپؐ نے فرمایا وہ پھر بھی آئے گا۔ میں نے اسے اسی طرح دو تین بار پکڑا

اور اقرار لے کر چھوڑ دیا۔ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا اور آپؐ نے ہر دفعہ یہی فرمایا کہ وہ پھر بھی آئے گا۔ آخری مرتبہ میں نے کہا اب تجھے نہ چھوڑوں گا۔ اس نے کہا چھوڑ دے میں تجھے ایک ایسی چیز بتاؤں کہ کوئی جن اور شیطان تیرے پاس ہی نہ آ سکے۔ میں نے کہا اچھا بتا، تو کہا وہ آیت الکرسی ہے۔ میں نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپؐ نے فرمایا اس نے سچ کہا گو وہ جھوٹا ہے۔ (مسند احمد)

شیطان سے حفاظت کا طریقہ:

حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک انسان کی اور جن کی ملاقات ہوئی جن نے کہا مجھ سے کشتی کرے گا اگر مجھے گرا دے تو میں تجھے ایک ایسی آیت سکھاؤں گا کہ جب تو اپنے گھر جائے اور اسے پڑھ لے تو شیطان اس میں نہ آ سکے۔ کشتی ہوئی اور اس آدمی نے اس جن کو گرا دیا اس شخص نے کہا تو نحیف اور ڈرپوک ہے اور تیرے ہاتھ مثل کتے کے ہیں، کیا جنات ایسے ہی ہوتے ہیں، یا صرف تو ہی ایسا ہے؟ کہا میں تو ان سب میں قوی ہوں، پھر دوبارہ کشتی ہوئی اور دوسری مرتبہ بھی اس نے گرا دیا تو جن نے کہا وہ آیت الکرسی ہے، جو شخص اپنے گھر میں جاتے ہوئے اسے پڑھ لے تو شیطان اس گھر سے گدھے کی طرح چیختا ہوا۔ بھاگ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ شخص حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے۔ (کتاب الغریب) (تفسیر ابن کثیر)

کرسی کی اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت:

کرسی کی اضافت اور نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ہے جیسے عرش اللہ اور بیت اللہ کی نسبت ہے بظاہر یہ کوئی خاص قسم کی تجلی ہے اور جس طرح تجلیات کی انواع اور اقسام میں ہر شے کی تجلی علیحدہ ہے اسی طرح عجب نہیں کہ کرسی اور عرش کی تجلیات علیحدہ علیحدہ ہوں اور ایک دوسرے سے ممتاز ہوں۔

آیت الکرسی کے فضائل:

مستدرک حاکم میں ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

سُوْرَةُ الْبَقَرَةِ فِيْهَا اٰيَةٌ اٰيِ الْقُرْاٰنِ لَا تُقْرَاُ فِيْ بَيْتٍ فِيْهِ شَيْطَانٌ اِلَّا خَرَجَ مِنْهُ اٰيَةُ الْكُرْسِيْ.

سورۂ بقرہ میں ایک آیت ہے جو تمام آیات قرآن کی سردار ہے وہ آیت الکرسی ہے، جس گھر میں وہ پڑھی جاتی ہے شیطان اس سے نکل جاتا ہے۔ اور اسی طرح حضرت عمرؓ اور حضرت علیؓ اور عبد اللہ بن مسعودؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ تمام آیتوں کی سردار اور سب سے بڑی آیت، آیت الکرسی ہے۔ (درمنثور)

اسمِ اعظم:

اسی بنا پر کہا جاتا ہے کہ اسم اعظم:

(اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ) ہے۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب مردوں کے زندہ کرنے کا ارادہ فرماتے تو یا حی یا قیوم پڑھ کر دعا فرماتے۔ اور آصف بن برخیا نے جب بلقیس کے عرش کو لانے کا ارادہ کیا تو یَاحَیُّ یَاقَیُّوْم پڑھ کر دعا مانگی۔ (تفسیر قرطبی)

سورۂ بقرہ کا دل:

حضرت شاہ عبد العزیز دہلوی قدس اللہ سرہ فرماتے ہیں کہ آیت الکرسی سورۂ بقرہ کا قلب ہے اور الحی القیوم بمنزلہ روح اور جان کے ہے اور باقی آیات بمنزلہ اعضاء اور جوارح کے ہیں۔ اس سورت کے تمام مطالب اسی آیت کے گرد گھومتے ہیں۔ جس طرح اعضاء اور جوارح، جان کے شئون اور مظاہر ہوتے ہیں اسی طرح اس سورت کی تمام آیتیں الحی القیوم کے شئون مظاہر ہیں۔ سورۂ بقرہ کے کل چالیس رکوع ہیں۔ کوئی ایسا نہیں کہ جس میں حیات اور قیومیت اور ہمیشہ کی زندگانی کا مضمون مذکور نہ ہو۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)

اللہ لازوال اور بذاتِ خود موجود ہے:

تمام اقوال کا مشترک معنی یہ ہے کہ اللہ لازوال ہے بذات خود موجود ہے دوسری چیزوں کی نگرانی کرنے اور ہستی کو قائم رکھنے والا ہے اس کے بغیر کسی چیز کی بقاء اور ہستی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اللہ کے قیوم ہونے کا تقاضا ہے جس طرح ہر چیز اپنی ہستی کے لئے خدا کی محتاج ہے اسی طرح بقاء ہستی میں بھی اس سے بے نیاز نہیں ہے جس طرح سایہ اصل شئ کا محتاج ہوتا ہے اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ کائنات اللہ کی محتاج ہے شان اعلیٰ اللہ کی ہی ہے۔

عالم کا قیام:

قیام عالم باللہ کی کیفیت نا قابل تصور ہے۔ خیال کی پہنائیاں اس کو نہیں سما سکتیں قیام کے مفہوم کے قریب الفہم تعبیر کے لئے ہم اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اللہ ہماری رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہے مگر یہ قرب مکانی نہیں، نہ حلولی ہے اللہ احتیاج مکانی اور حلول سے پاک ہے، ہر تغیر اور ضعف سے منزہ ہے مالک الملک والملکوت ہے، اس کی گرفت بہت سخت ہے اس کا انتقام نا قابل برداشت ہے اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس سے سفارش بھی نہیں کر سکتا، اس کا علم ہمہ گیر ہے ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کی

حقیقت کو ہر طرح محیط ہے۔

کوئی امر دشوار اس کے لئے تعجب آفریں نہیں ہوتا کسی شئے میں مشغولیت اس کو دوسری چیز سے غافل نہیں بنا سکتی وہ تمام نامناسب اوصاف سے پاک اور کل حمد کرنیوالوں کی ستائش سے برتر ہے وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس کے دست مبارک میں قیامت کے دن حمد کا جھنڈا ہوگا۔

عظمت والی آیت وسورت:

دریافت کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن میں سب سے بڑھ کر عظمت والی آیت کونسی ہے فرمایا آیۃ الکرسی:

(اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ)

عرض کیا گیا سب سے زیادہ عظمت والی سورت کونسی ہے فرمایا: (قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ) (دارمی، بروایت اسقع بن عبد کلابی)

حارث بن اسامہ رضی اللہ عنہ نے بروایت حسن مرسلاً بیان کیا کہ سب سے بڑھ کر عظمت والی آیت آیۃ الکرسی ہے۔

آیت الکرسی کی ایک زبان اور دو لب ہیں:

حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابوالمنذر (رضی اللہ عنہ) اللہ تعالیٰ کی کتاب کی سب سے زیادہ عظمت والی آیت کونسی ہے میں نے عرض کیا: (اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے سینہ پر ہاتھ مارا اور فرمایا تجھ کو علم مبارک ہو۔ پھر فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اس آیت کی ایک زبان اور دو لب ہیں پایہ عرش کے پاس فرشتہ اللہ کی پاکی بیان کرتا ہے۔ (مسلم)

میں کہتا ہوں شاید اس آخری جملہ کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے اس آیت کی تلاوت کر کے اللہ تعالیٰ کی تقدیس کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ عالم مثال میں ہر چیز کی ایک صورت ہے یہاں تک کہ قرآن کی آیات قرآن کی اور رمضان کی بھی (عالم مثال میں) شکلیں معین ہیں۔

کرسی کی وسعت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ کرسی عرش کے سامنے قائم ہے اور آیت وسع الخ کا مطلب یہ ہے کہ کرسی کی وسعت زمین اور آسمان کی وسعت کے برابر ہے۔

ابن مردویہ رحمہ اللہ نے حضرت ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان نقل کیا ہے کہ ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں کرسی کے مقابلہ میں ایسی ہیں جیسے کسی بیابان میں کوئی چھلا پڑا ہوا اور کرسی سے عرش کی بڑائی (بھی) ایسی ہے جیسے چھلے سے بیابان کی بڑائی ہو۔

محدثین کا مشہور قول یہ ہے کہ کرسی ایک جسم ہے (جس میں لمبائی چوڑائی اور موٹائی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ کرسی کے اندر ساتوں آسمان ایسے ہیں جیسے کسی ڈھال میں سات درہم ڈال دیئے جائیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ اور مقاتل رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کرسی کے ہر پایہ کا طول ساتوں آسمانوں اور ساتوں زمینوں کے برابر ہے۔ کرسی عرش کے سامنے ہے کرسی کو چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ ہر فرشتے کے چار منہ ہیں ان فرشتوں کے قدم ساتویں نچلی زمین کے نیچے پتھر پر ہیں۔ یہ مسافت پانچ سو برس کی راہ کے برابر ہے۔ ایک فرشتہ کی شکل ابوالبشر یعنی حضرت آدم علیہ السلام کی طرح ہے جو سال بھر تک آدمیوں کے رزق کی دعا کرتا رہتا ہے دوسرے فرشتہ کی صورت چوپایوں کے سردار یعنی بیل کی طرح ہے چوپایوں کے لئے سال بھر رزق مانگتا رہتا ہے لیکن جب سے گوسالہ کی پوجا کی گئی اس وقت سے اس کے چہرہ پر کچھ خراشیں ہوگئیں ہیں۔

کرسی عرش اور بیت کی نسبت خدا کی طرف کرنے کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیزیں ایک خاص قسم کے جلوہ الٰہی کے لئے مخصوص ہیں۔

عرش اور آسمانوں کی شکل:

آیت (فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ) کی تفسیر کے ذیل میں ہم نے لکھا ہے کہ عرش کی شکل کا کروی ہونا اور اس کا آسمانوں کو محیط ہونا حدیث سے مستنبط ہے لیکن اس جگہ حضرت ابوذرؓ کی روایت مذکور سے ثابت ہو رہا ہے کہ کرسی آسمانوں کو محیط ہے اور عرش کرسی کو گھیرے ہوئے ہے اور بعض آسمان بعض کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اس قول کا تقاضا ہے کہ ہر آسمان بھی کروی ہو اسی لئے بعض لوگ قائل ہیں کہ آٹھواں آسمان کرسی ہے اور نواں آسمان عرش ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے جو آسمانوں کی تعداد سات بتائی ہے اور عرش و کرسی کا شمار آسمانوں میں نہیں کیا اس کی وجہ شاید یہ ہے کہ دوسرے آسمانوں سے عرش و کرسی کی ماہیت جدا ہے اور خاص

نمبر ۱: ہیئت قدیم کے یونانی اور مصری علماء کہتے تھے جیسا کہ سبع شداد اور شرح چغمنی وغیرہ کتب میں مذکور ہے کہ مجموعہ عالم کی شکل کردی ہے گویا یہ کائنات ایک پیاز کی گانٹھ ہے جس کے تیرہ پرت ہیں اور ہر چھلکا اپنے اندرونی چھلکوں کو محیط ہے سب کو محیط افلک الافلاک یا فلک اطلس ہے اسکے اندر فلک ثوابت ہے اس کے نیچے فلک زحل پھر فلک مشتری پھر فلک مریخ پھر فلک شمس پھر فلک زہرہ پھر فلک عطارد پھر فلک قمر گویا فلک قمر فلک دنیا ہے اور ہماری جانب سب سے اول یہی ہے اور آخری انتہائی نواں آسمان فلک الافلاک ہے فلک قمر کے نیچے کرۂ نار ہے اور کرۂ نار کے نیچے کرۂ ہوا اور ہوا کے نیچے پانی اور پانی کے نیچے زمین اور یہی زمین مرکز عام ہے۔ علما ہیئت قدیم افلاک کو تہ بر تہ محیط مانتے تھے قرآن مجید اور احادیث مقدسہ میں عرش کرسی اور سبع سموات کے الفاظ آئے ہیں سبع سموات کے ساتھ طباقاً کا لفظ بھی مذکور ہے۔ (حاشیہ از مترجم)

تجلیات کے لحاظ سے ان کو دوسرے آسمانوں سے امتیاز حاصل ہے واللہ اعلم۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا واقعہ:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ آیۃ الکرسی آیات قرآنی کی سردار ہے (ترمذی وحاکم) حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آیۃ الکرسی (ثواب میں) چوتھائی قرآن کے برابر ہے (احمد) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص آیۃ الکرسی اور حٰمٓ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ کی دو آیتیں صبح کو پڑھے گا وہ دن بھر شام تک محفوظ رہے گا اور جو شام کو پڑھے گا وہ رات بھر (اللہ کی) امان میں صبح تک رہے گا۔ (رواہ الترمذی والدارمی) ترمذی نے اس حدث کو غریب کہا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے رمضان کی زکوٰۃ کے مال کی حفاظت پر مامور فرمایا (رات کو) کوئی آ کر لپ بھر بھر غلہ اٹھا کر لینے لگا میں نے اسکو پکڑ لیا اور اس سے کہا میں تجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت لے کر جاؤں گا وہ بولا میں محتاج ہوں عیالدار ہوں بڑا ضرورت مند ہوں میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ابو ہریرہؓ رات والے تمہارے قیدی کا کیا ہوا میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے اپنی سخت محتاجی اور عیالداری کا دکھ ظاہر کیا تھا مجھے اس پر رحم آ گیا میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ فرمایا آگاہ ہو جاؤ اس نے تم سے جھوٹ بولا آئندہ پھر لوٹ کر آئے گا یہ سن کر مجھے اس کے دوبارہ آنے کا یقین ہو گیا۔ چنانچہ میں اس کی تاک میں رہا وہ آیا اور پھر لپ میں غلہ بھرنے لگا فوراً میں نے اس کو پکڑ لیا اور کہا اب تو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تجھے لے جاؤں گا۔ اس نے پہلے کی طرح وہی بات کہی کہ مجھے چھوڑ دو۔ الخ

اور (صبح کو) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی وہی بات فرمائی جو پہلے فرمائی تھی آخر تیسری بار جب وہ پھر چوری کرنے آیا تو میں نے کہا یہ آخری باری ہے تو دوبارہ نہ آنے کا وعدہ کرتا رہا اور پھر واپس آتا رہا اب تو میں تجھے ضرور ہی لے جاؤں گا اس نے کہا تم مجھے چھوڑ دو میں تم کو چند لفظ ایسے سکھا تا ہوں جن سے اللہ تم کو فائدہ عطا فرمائے گا۔ جب تم اپنے بستر پر رات کو لیٹنے کیلئے جاؤ تو آیۃ الکرسی: (اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ) الخ پڑھ لیا کرو تمہاری نگہداشت کیلئے اللہ کی طرف سے ایک نگراں مقرر رہے گا۔ پھر صبح تک کوئی شیطان تمہارے پاس آنے نہ پائے گا۔ میں نے اس کو چھوڑ دیا۔ صبح کو خدمت گرامی میں پہنچا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارا رات والا قیدی کیا ہوا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس نے کہا کہ میں تم کو چند الفاظ ایسے بتاتا ہوں کہ ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ تم کو فائدہ عطا فرمائے گا۔ ارشاد فرمایا سنو وہ ہے تو جھوٹا مگر اس نے یہ بات تم کو سچ کہی ہے کیا تم واقف ہو کہ تین راتوں سے تم کس سے گفتگو کرتے رہے میں نے عرض کیا نہیں فرمایا وہ شیطان ہے۔ (بخاری)

آیت الکرسی پڑھنے کے فوائد:

نسائی ابن حبانؒ اور دار قطنیؒ نے بروایت حضرت ابو امامہ اور شعب الایمان میں بیہقیؒ نے بروایت حضرت صلصالؒ دیہمی وحضرت علیؓ بن ابی طالب مرفوعاً بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے گا اس کو (حجاب) موت کے علاوہ جنت کے داخلہ سے اور کوئی چیز روکنے والی نہ ہوگی۔ ایک اور روایت میں آیا ہے کہ جو شخص بستر خواب پکڑتے وقت آیۃ الکرسی پڑھے گا اللہ اس کے گھر کو اس کے ہمسایہ کے گھر کو اور گرداگرد کے دوسرے گھر والوں کو اپنی امان میں رکھے گا بیہقیؒ نے شعب الایمان میں حضرت انسؓ کی مرفوع روایت لکھی ہے کہ جو شخص ہر فرض نماز کے بعد آیۃ الکرسی پڑھے گا اللہ اگلی نماز تک اس کا محافظ رہے گا اور اس کی پابندی صرف نبی کرتا ہے یا صدیق یا شہید۔

حاشیہ مؤلف

نمبر ۱: دینوری نے مجالس میں حسن کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبرئیلؑ نے مجھ سے آ کر کہا کہ جن یا شیطان تمہارے ساتھ فریب کرنے (کی گھات) میں لگا رہتا ہے لہذا جب بستر پر پہنچا کرو تو آیۃ الکرسی پڑھ لیا کرو۔ فردوس میں حضرت ابو قتادہؓ کی روایت سے منقول ہے کہ بے چینی کے وقت جو شخص آیۃ الکرسی پڑھتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک روز برآمد ہوئے اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی مجھے بتا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں سب سے زیادہ عظمت والی سب سے بڑھ کر عدل آگیں اور خوفناک ترین اور سب سے بڑھ کر امید آفریں کونسی آیت ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے خود آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ قرآن میں سب سے زیادہ عظمت والی آیت (اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ) ہے اور سب سے بڑھ کر عدل آگیں آیت (اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ) الخ ہے اور خوفناک ترین آیت (فَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَّرَهٗ ۝ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَّرَهٗ ۝) ہے اور سب سے زیادہ امید آفرین آیت: (قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ) الیٰ آخرہ ہے۔ مؤلف رحمہ اللہ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

اسم اعظم کی برکت:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ کا اسم اعظم ہے ایک تو آیت الکرسی، دوسری آیت: (اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ) (مسند احمد)۔ اور حدیث میں ہے کہ اسم اعظم جس نام کی برکت سے جو دعا خدا تعالیٰ سے مانگی جائے وہ قبول فرمائے ان تین سورتوں میں ہے سورۂ بقرہ، سورۃ آل عمران اور سورۃ طٰہٰ (ابن مردویہ)۔ ہشام بن عمار خطیب دمشق فرماتے ہیں سورۃ بقرہ کی آیت آیت الکرسی ہے اور آل عمران کی پہلی ہی آیت اور طٰہٰ کی آیت (وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَیِّ الْقَیُّوْمِ) ہے۔

قابل تعجب لوگ:

صحیح حدیث میں ہے تیرے رب تعالیٰ کو ان لوگوں پر تعجب آتا ہے جو زنجیروں میں جکڑے ہوئے جنت کی طرف گھسیٹے جاتے ہیں، یعنی وہ کفار جو میدان جنگ سے قیدی ہو کر طوق وسلاسل پہنا کر یہاں لائے جاتے ہیں پھر وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں اور ان کا ظاہر باطن اچھا ہو جاتا ہے اور وہ جنت کے لائق بن جاتے ہیں۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان ہو جا۔ اس نے کہا حضرت! میرا دل نہیں مانتا۔ آپ نے فرمایا گو دل نہ چاہتا ہو۔

لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ ۙ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ
زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں بیشک جدا ہو چکی ہے ہدایت
مِنَ الْغَیِّ ۚ
گمراہی سے

کسی کو زبردستی مسلمان نہ بناؤ:

جب دلائل توحید بخوبی بیان فرما دی گئیں جس سے کافر کا کوئی عذر باقی نہ رہا تو اب زور سے کسی کو مسلمان کرنے کی کیا حاجت ہو سکتی ہے عقل والوں کو خود سمجھ لینا چاہئے اور نہ شریعت کا حکم ہے کہ زبردستی کسی کو مسلمان بناؤ (اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی یَكُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ) خود نص موجود ہے اور جو جزیہ کو قبول کرے گا اس کا جان و مال محفوظ ہو جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ابن جریر نے بوساطت سعید یا عکرمہ حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ قبیلہ سالم بن عوف کے انصاریوں میں سے ایک آدمی تھا جس کا نام حصین تھا۔ حصین کے دو بیٹے عیسائی تھے لیکن خود وہ مسلمان ہو گئے تھے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا میرے دونوں بیٹے تو عیسائیت کے سوا کسی دین کو مانتے ہی نہیں کیا میں جبر کر کے ان کو مسلمان بنا لوں اس پر آیت: (لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ) نازل ہوئی۔

آیت کا مفہوم:

بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ نے آیت کی تفسیر اس طرح کی ہے کہ اکراہ کا معنی ہے کسی کو ایسا کام کرنے پر مجبور کرنا جس میں اسے خود بھلائی نظر نہ آتی ہو لہٰذا دین میں اکراہ نہیں ہو سکتا کیونکہ دین کی بھلائی، گمراہی سے ممتاز ہو گئی ہے اور ہر دانشمند پر جب ہدایت واضح ہو گئی تو لامحالہ نجات وسعادت کی طلب میں وہ ہدایت کو ماننے کی طرف پیش قدمی کرے گا ہی اکراہ کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

قتال اور جہاد کا حکم اسلئے تو نہیں دیا گیا کہ جبراً مومن بنایا جائے بلکہ زمین پر بگاڑ اور تباہی کو روکنے کے لئے جہاد کا حکم دیا گیا ہے کافر ملک میں تباہی مچاتے ہیں اور اللہ کے بندوں کو راہ مستقیم پر چلنے اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے سے روکتے ہیں پس ان کو قتل کرنا ایسا ہی ہے جیسے سانپ بچھو اور کاٹنے والے کتے کو قتل کرنا بلکہ اس سے بھی زیادہ اہم ہے اسی لئے اللہ نے ادائے جزیہ کی صورت میں قتال کے حکم کو ختم کر دیا اور فرما دیا۔ (حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَةَ عَنْ یَّدٍ وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ)۔ اور یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ نے بچوں عورتوں درویشوں تارک الدنیا عالموں اپاہجوں اور اندھوں کو قتل کرنے کی ممانعت فرما دی کیونکہ ان کی طرف سے بگاڑ اور تباہی ممکن نہیں۔ (تفسیر مظہری)

فَمَنْ یَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَیُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ
اب جو کوئی نہ مانے گمراہ کرنے والوں کو اور یقین لاوے اللہ پر
فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰی ۗ لَا
تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا
انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۵۶﴾
نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے

جو حق پر چلا محفوظ ہو گیا:

یعنی جب ہدایت و گمراہی میں تمیز ہو گئی تو اب جو کوئی گمراہی کو چھوڑ کر

ہدایت کو منظور کرے گا اس نے ایسی مضبوط چیز کو پکڑ لیا جس میں ٹوٹنے چھوٹنے کا ڈر نہیں اور حق تعالیٰ اقوال ظاہر کو خوب سنتا ہے اور نیت و حالت قلبی کو خوب جانتا ہے اس سے کسی کی خیانت اور فساد نیت چھپا نہیں رہ سکتا۔ (تفسیر عثانی)

حضرت عبداللہ بن سلام کا خواب:

مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت قیس بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں مسجد نبوی میں تھا جو ایک شخص آیا جس کا چہرہ خداترس تھا دو ہلکی رکعتیں نماز کی اس نے ادا کیں، لوگ انہیں دیکھ کر کہنے لگے یہ جنتی ہیں، جب وہ باہر نکلے تو میں بھی ان کے پیچھے گیا، باتیں کرنے لگا، جب وہ متوجہ ہوئے تو میں نے کہا جب آپ تشریف لائے تھے تب لوگوں نے آپ کی نسبت یوں کہا تھا۔ کہ سبحان اللہ! کسی کو وہ نہ کہنا چاہئے جس کا علم اسے نہ ہو، ہاں البتہ اتنی بات تو ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں ایک خواب دیکھا کرتا تھا کہ گویا میں ایک لہلہاتے ہوئے سرسبز گلشن میں ہوں اس کے درمیان ایک لوہے کا ستون ہے جو زمین سے آسمان تک چلا گیا ہے اس کی چوٹی پر ایک کڑا ہے، مجھ سے کہا گیا کہ اس پر چڑھ جاؤ۔ میں نے کہا میں تو نہیں چڑھ سکتا۔ چنانچہ ایک شخص نے مجھے تھاما اور میں بآسانی چڑھ گیا اور اس کڑے کو تھام لیا۔ اس نے کہا دیکھو مضبوط پکڑے رکھنا۔ بس اس حالت میں میری آنکھ کھل گئی کہ وہ کڑا میرے ہاتھ میں تھا۔ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا خواب بیان کیا تو آپؐ نے فرمایا گلشن باغ اسلام ہے اور ستون ستون دین ہے اور کڑا عروہ وثقیٰ ہے تو مرتے دم تک اسلام پر قائم رہے گا۔ یہ شخص حضرت عبداللہ بن سلام ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یہ حدیث بخاری و مسلم دونوں میں مروی ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ
اللہ مدد گار ہے ایمان والوں کا نکالتا ہے ان کو
الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۬ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا
اندھیروں سے روشنی کی طرف اور جو لوگ کافر ہوئے
اَوْلِيٰٓـُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ
ان کے رفیق ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو روشنی سے
اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ
اندھیروں کی طرف یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے

فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ
وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے جھگڑا
اِبْرٰهٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ
کیا ابراہیم سے اسکے رب کی بابت اسی وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اسکو سلطنت
اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُـحْيٖ وَيُمِيْتُ ۙ
جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے
قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيْتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
وہ بولا میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں کہا ابراہیم نے
فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ
کہ بیشک اللہ تو لاتا ہے سورج کو مشرق سے
فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ
اب تو لے آ اس کو مغرب کی طرف سے تب حیران رہ گیا
كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾
وہ کافر اور اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو

ایمان کے نور اور کفر کی ظلمت کی مثال:

پہلی آیت میں اہل ایمان و اہل کفر اور ان کے نور ہدایت اور ظلمت کفر کا ذکر تھا اب اس کی تائید میں چند نظائر بیان فرماتے ہیں۔ نظیر اول میں نمرود بادشاہ کا ذکر ہے وہ اپنے آپ کو سلطنت کے غرور سے سجدہ کرواتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کے سامنے آئے تو سجدہ نہ کیا نمرود نے دریافت کیا تو فرمایا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا اس نے کہا رب تو میں ہوں انہوں نے جواب دیا کہ میں حاکم کو رب نہیں کہتا رب وہ ہے جو جلاتا ہے اور مارتا ہے۔ نمرود نے دو قیدی منگا کر بے قصور مار ڈالے اور قصوروار کو چھوڑ دیا اور کہا کہ دیکھا میں جسکو چاہوں مارتا ہوں جسے چاہوں نہیں مارتا اس پر حضرت ابراہیم نے آفتاب کی دلیل پیش فرما کر اس مغرور احمق کو لاجواب کیا اور اس کی ہدایت نہ ہوئی یعنی لاجواب ہو کر بھی ارشاد ابراہیم علیہ السلام پر ایمان نہ لایا حالانکہ جیسا جواب پہلے ارشاد کا دیا

تھا ویسا جواب دینے کی یہاں گنجائش تھی۔(تفسیر عثمانی)

حضرت ایوب بن خالدؒ فرماتے ہیں کہ اہل ہوا یا اہل فتنہ کھڑے کئے جائیں گے، جس کی چاہت صرف ایمان ہی کی ہو وہ تو روشن صاف اور نورانی ہوگا۔ اور جسکی خواہش کفر کی ہو وہ سیاہ اور اندھیریوں والا ہوگا۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔

نمرود:

اس بادشاہ کا نام نمرود بن کنعان بن کوس بن سام بن نوح تھا اس کا پایہ تخت بابل تھا۔ اس کے نسب نامہ میں کچھ اختلاف بھی ہے۔ حضرت مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ دنیا کی مشرق ومغرب کی سلطنت رکھنے والے چار ہوئے ہیں، جس میں سے دو مومن ہیں اور دو کافر ہیں۔ حضرت سلیمان بن داؤد علیہ السلام اور حضرت ذوالقرنین اور کافروں میں نمرود اور بخت نصر۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

قحط سالی اور حضرت ابراہیمؑ کا معجزہ:

زید بن اسلمؒ کا قول ہے کہ قحط سالی تھی لوگ نمرود کے پاس جاتے تھے اور غلہ لے آتے تھے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام بھی گئے وہاں یہ مناظرہ ہوگیا بد بخت نے آپؑ کو غلہ نہ دیا، آپؑ خالی ہاتھ واپس آئے۔ گھر کے قریب پہنچ کر آپؑ نے دونوں بوریوں میں ریت بھر لی کہ گھر والے سمجھیں گے کہ کچھ لے آئے۔ گھر آتے ہی بوریاں رکھ کر سو گئے۔ آپؑ کی بیوی صاحبہ سارہؓ اٹھیں، بوریوں کو کھولا تو عمدہ اناج سے دونوں پر تھیں، کھانا پکا کر تیار کیا۔ آپؑ کی بھی آنکھ کھلی دیکھا کہ کھانا تیار ہے، پوچھا اناج کہاں سے آیا؟ کہا دو بوریاں جو آپؑ بھر کر لائے ہیں انہی میں سے یہ اناج نکالا تھا۔ آپؑ سمجھ گئے کہ یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے برکت اور اس کی رحمت ہے۔

نمرود اور اس کے لشکر کی ہلاکت:

اس ناہنجار بادشاہ کے پاس خدا تعالیٰ نے اپنا فرشتہ بھیجا اس نے آ کر اسے توحید کی دعوت دی لیکن اس نے قبول نہ کی۔ دوبارہ دعوت دی لیکن انکار کیا، تیسری مرتبہ خدا تعالیٰ کی طرف بلایا لیکن پھر بھی یہ منکر ہی رہا، اس بار بار کے انکار کے بعد فرشتے نے اس سے کہا اچھا تو اپنا لشکر تیار کر میں بھی اپنا لشکر لے کر آتا ہوں نمرود نے بڑا بھاری لشکر تیار کیا اور زبردست فوج کو لے کر سورج نکلنے کے وقت میدان میں آ ڈٹا، ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھروں کا دروازہ کھول دیا بڑے بڑے مچھر اس کثرت سے آئے کہ لوگوں کو سورج بھی نظر نہ آتا تھا، یہ خدائی فوج نمرودیوں پر گری اور تھوڑی دیر میں ان کا خون تو کیا ان کا گوشت پوست سب کھا پی گئے اور سارے وہیں ہلاک ہو گئے ہڈیوں کا ڈھانچہ باقی رہ گیا، انہی مچھروں میں سے ایک نمرود کے نتھنے میں گھس گیا اور چار سو سال تک اس کا دماغ چاٹتا رہا۔ ایسے سخت عذاب میں وہ رہا کہ اس سے موت ہزاروں درجہ بہتر تھی، اپنا سر دیواروں اور پتھروں پر مارتا پھرتا تھا، ہتھوڑوں سے کچلواتا تھا، یونہی رینگ رینگ کر بدنصیب نے ہلاکت پائی، اعاذنا اللہ۔ (تفسیر ابن کثیر اردو)

نمرود کا جواب:

اس کے قلب میں بلا اختیار یہ بات پڑ گئی کہ خدا ضرور ہے، اور یہ مشرق سے نکالنا اسی کا فعل ہے، اور وہ مغرب سے بھی نکال سکتا ہے، اور یہ شخص پیغمبر ہے، اس کے کہنے سے ضرور ایسا ہوگا اور ایسا ہونے سے انقلاب عظیم عالم میں پیدا ہوگا، کہیں اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں، مثلاً لوگ اس معجزے کو دیکھ کر مجھ سے منحرف ہو کر ان کی راہ پر ہو لیں، ذرا سی حجت میں سلطنت جاتی رہے، یہ جواب تو اس لئے نہ دیا اور دوسرا کوئی جواب تھا نہیں، اسلئے حیران رہ گیا۔ ﴿بیان القرآن﴾ ﴿مفتی اعظم رحمۃ اللہ علیہ﴾

روئے زمین کے چار بادشاہ:

بغوی نے لکھا ہے کہ روئے زمین کے چار بادشاہ ہوئے دو مومن اور دو کافر۔ حضرت سلیمان اور ذوالقرنین مومن، اور نمرود و بخت نصر کافر۔

سوال وجواب کب ہوئے:

روایت میں آیا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بت توڑ ڈالے تو نمرود نے ان کو قید کر دیا۔ پھر جلا ڈالنے کے لئے جیل سے باہر نکال کر پوچھا تیرا رب کون ہے حضرت نے فرمایا میرا رب وہ ہے جو زندگی عطا فرماتا اور موت دیتا ہے اس طرح حضرت ابراہیمؑ غالب آ گئے اور نمرود کچھ نہ کر سکا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ یہ واقعہ آگ میں پھینکے جانے سے بعد کا ہے آپ کو آگ میں جب پھینک دیا گیا اور اللہ نے بچا لیا تو ملک میں کال پڑ گیا لوگ راشن مانگنے نمرود کے پاس آنے لگے نمرود کا قاعدہ تھا کہ جب کوئی شخص غلہ مانگنے اسکے پاس آتا تو اول وہ پوچھتا تیرا رب کون ہے وہ جواب دیتا آپ میرے رب ہیں تو نمرود اس کے ہاتھ غلہ فروخت کرتا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی اس کے پاس پہنچے اور اس کے سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا رَبِّیَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ تو وہ لاجواب ہو گیا اور آپ کو کچھ نہیں دیا حضرت ناکام واپس آ گئے اثنا واپسی

میں ریت کے ٹیلے کی طرف سے گذرے اور گھر والوں کو بہلانے کے لئے کچھ ریت تھیلے میں بھر لی اور گھر پہنچ کر سامان کو یونہی رکھ کر سو گئے بیوی نے اٹھ کر سامان کو کھول کر دیکھا تو اس کے اندر سے اعلیٰ ترین غلہ برآمد ہوا بیوی نے کھانا پکایا اور لیکر حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچیں آپ نے فرمایا یہ کہاں سے آیا بیوی نے کہا اسی آٹے سے بنایا گیا ہے جو آپ لائے تھے۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا۔

(يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ) یعنی جن لوگوں کا مومن ہونا خدا چاہتا ہے ان کو اپنی توفیق و ہدایت کی مدد سے جہالت نفس پرستی، ذہنی وسوسوں اور کفر تک پہنچانے والے شبہات سے نکال کر اس صراط مستقیم پر ڈالتا ہے جو ایمان تک ان کو پہنچا دیتی ہے۔

واقدیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن مجید میں جس جگہ الفاظ ظلمت و نور آئے ہیں ان سے مراد کفر و ایمان ہے ہاں صرف سورۂ انعام کی آیت جعل الظلمات والنور میں شب و روز مراد ہیں۔ آیت مذکورہ بتا رہی ہے کہ ایمان اختیاری نہیں صرف عطیہ خداوندی ہے۔

(يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ) : یعنی کافروں کے یہ دوست ان کو فطری نور سے نکال کر شکوک وشبہات، نفس پرستی اور کفر انگیز تباہی کی اندھیریوں کی طرف لیجاتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بچہ ایسا نہیں کہ فطرت پر نہ پیدا کیا جائے پھر اس کے ماں باپ اس کو یہودی اور عیسائی اور مجوسی بنا لیتے ہیں۔ (بخاری ومسلم) (تفسیر مظہری)

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ
یا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ گذرا وہ ایک شہر پر اور وہ گرا پڑا تھا
عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ
اپنی چھتوں پر بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ
بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ
مر گئے پیچھے پھر مردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس
ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ
پھر اٹھایا اسکو

حضرت عزیر علیہ السلام کا واقعہ:

وہ شخص حضرت عزیر پیغمبر تھے اور تمام توریت ان کو یاد تھی۔ بخت نصر کافر بادشاہ تھا اس نے بیت المقدس کو ویران کیا اور بنی اسرائیل سے بہت لوگوں کو قید کر کے لے گیا ان میں حضرت عزیر بھی تھے جب قید سے چھوٹ آئے تب حضرت عزیر نے راہ میں ایک شہر دیکھا ویران اس کی عمارت گری ہوئی دیکھ کر اپنے جی میں کہا کہ یہاں کے ساکن سب مر گئے کیونکر حق تعالیٰ ان کو جلاوے اور یہ شہر پھر آباد ہو۔ اسی جگہ ان کی روح قبض ہوئی اور ان کی سواری کا گدھا بھی مر گیا سو برس تک اس حال میں رہے اور کسی نے نہ ان کو وہاں آکر دیکھا نہ ان کو خبر ہوئی اس مدت میں بخت نصر بھی مر گیا اور کسی بادشاہ نے اس مدت میں بیت المقدس کو آباد کیا اور اس شہر کو بھی خوب آباد کیا پھر سو برس کے بعد حضرت عزیر زندہ کیے گئے ان کا کھانا اور پینا اسی طرح پاس دھرا ہوا تھا ان کا گدھا جو مر چکا تھا اور اس کی بوسیدہ ہڈیاں اپنی حالت پر دھری تھیں وہ ان کے روبرو زندہ کیا گیا اور اس سو برس میں بنی اسرائیل قید سے خلاص ہو کر شہر میں آباد بھی ہو چکے تھے حضرت عزیر نے زندہ ہو کر آبادی کو دیکھا۔

قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ
کہا تو کتنی دیر یہاں رہا بولا میں رہا ایک دن یا
بَعْضَ يَوْمٍ ؕ
ایک دن سے کچھ کم

جب حضرت عزیر مرے تھے اس وقت کچھ دن چڑھا تھا اور جب زندہ ہوئے تو ابھی شام نہ ہوئی تھی تو یہ سمجھے کہ اگر میں یہاں کل آیا تھا تو ایک دن ہوا اور اگر آج ہی آیا تھا تو دن سے بھی کم رہا۔ (تفسیر عثمانی)

چار نشانیاں:

اس واقعہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر کو چار نشانیاں دکھلائیں، دو ان کی ذات میں اور دو خارجی (۱) سو سال مردہ رکھ کر ان کو دوبارہ زندہ کرنا (۲) سو سال تک ان کے جسم کا صحیح سالم محفوظ رہنا۔ حدیث میں ہے کہ:

اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَى الْاَرْضِ اَجْسَادَ الْاَنْبِيَاءِ: اللہ تعالیٰ نے زمین پر انبیاء کے بدن کا کھانا حرام کر دیا ہے۔ اور خارجی دو نشانیاں یہ تھیں ایک طعام وشراب کی کہ سو سال میں تغیر نہ آیا جس طرح حضرت عزیر کے جسم مبارک میں کوئی تغیر نہ آیا۔ اور دوسری نشانی حمار (گدھے) کی کہ

مرکر ہڈیوں کا ڈھیر ہو گیا اس کو دوبارہ زندہ کر کے دکھلایا تا کہ کیفیت احیاء موتی کی معلوم ہو جائے راکب اور مرکوب دونوں سو سال کے بعد زندہ ہوئے حضرت عزیر یہاں سے اٹھ کر اسی حمار پر سوار ہو کر بیت المقدس واپس ہوئے اور شہر کو آباد پایا اور اپنے محلّہ اور گھر پہنچے تو کسی نے نہ پہچانا اس لئے کہ بچے تو بوڑھے ہو چکے تھے اور حضرت عزیر علیہ السلام جوان رہے اللہ تعالیٰ نے ان کی حیات اور جوانی کو محفوظ رکھا۔ پھر علامتیں دیکھ کر سب نے پہچانا اور یقین کیا کہ یہ عزیر ہمارے باپ ہیں تفصیل کے لئے امام قرطبی کی تفسیر (ص۲۹۴ ج۲) کو دیکھئے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ

کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس اب دیکھ اپنا کھانا

وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ

اور پینا سڑ نہیں گیا اور دیکھ اپنے گدھے کو

وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ

اور ہم نے تجھ کو نمونہ بنانا چاہا لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ

كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ

ہم انکو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر اُن پر پہناتے ہیں گوشت

حضرت عزیر علیہ السلام کے گدھے کا زندہ ہونا:

حضرت عزیر علیہ السلام کے سامنے وہ سب ہڈیاں موافق ترکیب بدن کے جمع کی گئیں پھر ان پر گوشت پھیلایا گیا اور چمڑا درست ہوا پھر خدا کی قدرت سے ایکبارگی اس میں جان آ گئی اور اٹھ کھڑا ہوا اور اپنی بولی بولا۔

فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى

پھر جب اس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ

كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۵۹﴾

بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے

علم مشاہدہ:

حضرت عزیر نے اس تمام کیفیت کو ملاحظہ کرنے کے بعد فرمایا کہ مجھ کو خوب یقین ہوا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے یعنی میں جو جانتا تھا کہ مردہ کو جلانا خدا تعالیٰ کو آسان ہے سو اب اپنی آنکھ سے دیکھ لیا یہ مطلب نہیں کہ پہلے یقین میں کچھ کمی تھی ہاں مشاہدہ نہ ہوا تھا پھر حضرت عزیر یہاں سے اٹھ کر بیت المقدس میں پہنچے کسی نے ان کو نہ پہچانا کیونکہ یہ تو جوان رہے اور ان کے آگے کے بچے بوڑھے ہو گئے جب انہوں نے توریت حفظ سنائی تب لوگوں کو ان کا یقین آیا۔ بخت نصر بنی اسرائیل کی تمام کتابیں جلا گیا تھا جن میں توریت بھی تھی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

خبر مشاہدہ کے برابر نہیں ہے:

حدیث میں ہے کہ خبر مشاہدہ اور معاینہ کے برابر نہیں اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر خبر دی کہ آپ کی قوم گوسالہ پرستی میں مبتلا ہو گئی تو اس اطلاع پانے پر الواح تورات یعنی توریت کی تختیوں کو ہاتھ سے نہیں پھینکا اور جب شہر میں واپس آ کر ان کی گوسالہ پرستی کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیا تو غصہ میں آ کر تختیاں ہاتھ سے پھینک دیں۔

(کما رواہ احمد والطبرانی بسند صحیح (معارف القرآن کاندھلویؒ)

حضرت عزیر نے بیت المقدس کی تباہی دیکھ کر سوال کیا:

روایت میں آیا ہے کہ بخت نصر بیت المقدس کو تباہ کر کے بنی اسرائیل کو قید کر کے بابل لے گیا۔ قیدیوں میں حضرت دانیال علیہ السلام اور حضرت داؤد کی نسل کے کچھ لوگ بھی تھے کچھ مدت کے بعد عزیر قید سے چھوٹ گئے اور گدھے پر واپس آئے۔ دیر ہرقل پر پہنچے تو دجلہ کے ساحل پر اترے اور بستی میں چکر لگایا مگر کوئی آدمی نہ ملا، ہاں تمام درخت پھلوں سے لدے ہوئے تھے آپ نے کچھ پھل کھائے انگوروں کا عرق نچوڑ کر پیا اور بقیہ پھل ایک ٹوکری میں رکھ لئے اور بچا ہوا عرق مشکیزے میں بھر لیا اور بستی کی تباہی کو دیکھ کر بولے (اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا) الخ۔

دوبارہ زندہ ہونے کے بعد شہر میں واپسی:

قتادہؒ نے حضرت کعبؒ کا قول اور ضحاکؒ و ابن عساکرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا بیان نیز سدی نے بروایت مجاہدؒ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب سو برس تک مردہ رکھنے کے بعد اللہ نے عزیرؑ کو زندہ کر دیا تو وہ گدھے پر سوار ہو کر اپنے محلّہ میں آئے لیکن نہ لوگوں کو پہچان سکے نہ ان کے مکانوں کو نہ لوگوں نے انکو پہچانا صرف اندازہ سے اپنے گھر پر پہنچے تو ایک نابینا اپاہج بڑھیا ملی جس کی عمر ۱۲۰ سال تھی حقیقت میں وہ حضرت عزیر علیہ السلام کی باندی تھی جب حضرت گھر سے نکلے تھے تو وہ بیس برس کی تھی آپ نے اس بڑھیا سے پوچھا کیا یہ عزیر کا مکان ہے بڑھیا نے کہا جی

ہاں! لیکن میں نے تو عزیز کا تذکرہ اتنی مدت کے بعد آج سنا ہے (تم کون ہو) حضرت نے فرمایا میں عزیز ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے سو سال تک مردہ کر دیا تھا پھر زندہ کر دیا۔ بڑھیا نے کہا عزیر علیہ السلام تو مقبول الدعوات شخص تھے اگر تم عزیز ہو تو اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ میری آنکھیں واپس مل جائیں حضرت نے دعا کی اور اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیر دیا آنکھیں درست ہوگئیں پھر اس کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اللہ کے حکم سے اٹھ کھڑی ہو بڑھیا بالکل تندرست ہو کر اٹھ کھڑی ہوئی اور حضرت کو دیکھ کر پہچان کر بولی میں شہادت دیتی ہوں کہ آپ بلاشبہ عزیز ہیں۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ
اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار میرے دکھلا دے مجھ کو کہ
الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى
کیونکر زندہ کریگا تو مردے فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا کہا کیوں نہیں
وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ
لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ تسکین ہو جاوے میرے دل کو

خلاصہ یہ ہوا کہ یقین پورا تھا صرف عین الیقین کے خواستگار تھے جو مشاہدہ پر موقوف ہے۔

قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ
فرمایا تو پکڑ لے چار جانور اڑنے والے پھر اُن کو ہلا لے اپنے
اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ
ساتھ پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا پھر
جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ
اُن کو بلا چلے آوینگے تیرے پاس دوڑتے

حضرت ابراہیم کے سامنے ہڈیوں کا زندہ ہونا:

حضرت ابراہیم حسب ارشاد الٰہی چار جانور لائے ایک مور ایک مرغ ایک کوا ایک کبوتر اور چاروں کو اپنے ساتھ ہلایا تاکہ پہچان رہے اور بلانے سے آنے لگیں پھر چاروں کو ذبح کیا پھر ایک پہاڑ پر چاروں کے سر رکھے ایک پر پر رکھے ایک پر سب کے دھڑ رکھے ایک پر پاؤں رکھے پہلے بیچ میں کھڑے ہو کر ایک کو پکارا اس کا سر اٹھ کر ہوا میں کھڑا ہوا پھر دھڑ ملا پھر پر لگے پھر پاؤں وہ دوڑتا چلا آیا پھر اسی طرح چاروں آ گئے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾
اور جان لے کہ بیشک اللہ زبردست ہے، حکمت والا

دو وہم اور ان کا ازالہ:

یہاں دو خلجان گذرنے کا قوی احتمال ہے اول تو جسم بے جان متفرق الاجزا کا زندہ ہونا قابل انکار دوسرے ان خصوصیات کو کہ وہ پرندے ہوں اور چار بھی ہوں اور چار بھی فلاں فلاں ہوں اور اس طرح ان کے اجزاء کو متفرق کر کے بلایا جائے تو زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے چلے آئیں گے اس کا کوئی دخل اور ان قیود کا کوئی نفع معلوم نہیں ہوتا اس لئے اول خلجان کے جواب میں عزیز اور دوسرے کے جواب میں حکیم فرما کر دونوں شبہوں کا قلع قمع فرما دیا یعنی اس کو خوب سمجھ لو کہ اللہ تعالیٰ زبردست قدرت والا ہے جو چاہے کر سکتا ہے اور اسکے ہر حکم میں اس قدر حکمتیں ہوتی ہیں کہ جن کا ادراک اور احاطہ اگر ہم کو نہ ہو تو یہ ہمارے نقصان علم کی بات ہے اس کی حکمت کا انکار ایسے امور سے ہرگز ممکن نہیں واللہ اعلم آیۃ الکرسی میں علم و قدرت وغیرہ صفات الٰہی کو ذکر فرمایا اس کے بعد یہ تین قصے بیان فرمائے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے ہدایت کر سکتا ہے اور جس کو چاہے گمراہ کر سکتا ہے اور مارنا جلانا سب اس کے اختیار میں ہے اب جہاد اور اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے کی فضیلت اور اس کے متعلق قیود و شرائط بیان فرماتے ہیں جس کا ذکر کسی قدر گذر بھی چکا ہے کیونکہ جہاد و انفاق مال میں جو موانع نظر آتے ہیں حق تعالیٰ کے علم و قدرت کے یقین کر لینے کے بعد اور اس کی عجائب قدرت کے حالات معلوم ہونے کے بعد ان کا ازالہ ہوگا ورنہ نقصان تو ان میں ضرور آنا چاہئے۔ (تفسیر عثمانی)

سلوک کے دو مقام:

میرے نزدیک سلوک کے دو مقام ہیں (۱) عروج (۲) نزول عروج یہ ہے کہ آدمی تمام بشری اوصاف کا لباس اتار پھینکے اس کے اندر ملکوتی صفات اور قدسی احوال پیدا ہو جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب خود طے کے روزے رکھے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو طے کے روزے رکھنے کی ممانعت فرمائی صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ بھی تو طے کے روزے رکھتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تمہاری اس ظاہری

بشری ہیئت کی طرح نہیں ہوں مجھے تو میرا رب کھلاتا پلاتا ہے اس حدیث میں مقام عروج ہی کا بیان ہے۔ اہل اللہ کی اصطلاح میں اس سیر حٰیوۃ کو سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کہتے ہیں۔ نزول کا یہ معنی ہے کہ عروج کے بعد پھر لوٹ کر بشری صفات سے موصوف ہو جائے اس رجوعی سیر کو سیر من اللہ باللہ کہتے ہیں۔ مقام نزول مقام تکمیل ہوتا ہے اس مقام پر پہنچنے والا مخلوق کو خالق کی طرف آنے کی دعوت دیتا ہے یعنی صاحب دعوت ہوتا ہے۔

عارف کامل پر جب نزول کے آثار نمایاں ہوتے ہیں تو اس وقت وہ بالکل عوام کی طرح اسباب ظاہری کے دامن سے وابستہ نظر آتا ہے اسی مقام پر اتر کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ کے موقع پر تہ بر تہ زرہ پہنی تھی اور جسم مبارک کی حفاظت کے لئے لوہے کی زرہ استعمال کی تھی اور مدینہ کے گرداگرد دشمن کی روک کے لئے خندق کھدوائی تھی۔ اسی مقام پر عارف کامل اپنے یقین کی زیادتی اور قلبی سکون حاصل کرنے کے لئے استدلال قطعی کا خواہاں ہوتا ہے پس حضرت ابراہیم علیہ السلام کا قصہ اسی مقام کی تشریح ہے۔

چار پرندے لینے کی حکمت:

عطاء خراسانی کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس وحی بھیجی کہ سبز بطخ، کالا کوا، سفید کبوتر اور سرخ مرغ لے لے۔ میں کہتا ہوں، چار پرندے لینے کا حکم شاید اس وجہ سے دیا کہ انسان اور دوسرے تمام حیوان چار اخلاط سے بنے ہیں اور چار اخلاط چار عناصر سے پیدا ہوتے ہیں سرخ مرغ خون کی تعبیر ہے اور سفید کبوتر بلغم کی اور سیاہ کوا سوداء کو بتا رہا ہے اور سبز بطخ صفراء کو۔ ان جانوروں کو مرے پیچھے زندہ کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ انسانی اجزاء بھی مرنے کے بعد زندہ کئے جا سکتے ہیں۔

لطیف اشارہ:

بیضاویؒ نے لکھا ہے اس میں اس بات کی طرف لطیف اشارہ ہے کہ مذکورہ جانوروں کے خصوصی اوصاف کو فنا کئے بغیر نفس کو حیات ابدی حاصل نہیں ہو سکتی ظاہری سجاوٹ اور خواہشات کی محبت طاؤس کی خصوصیت ہے۔ رعب داب اور حملہ کرنے میں مرغ مشہور ہے دناءت نفس اور طول آرزو کوے کی صفت ہے۔

قیامت میں اسی طرح جسم زندہ ہوں گے:

حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا ہی کیا، پھر ان کو پکارا تو فوراً ہڈی سے ہڈی، پر سے پر، خون سے خون، گوشت سے گوشت مل کر ملا کر سب اپنی اپنی اصلی ہیئت میں زندہ ہو کر دوڑتے ہوئے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آ گئے، حق تعالیٰ نے فرمایا کہ اے ابراہیم قیامت کے روز اسی طرح سب اجزاء و اجساد کو جمع کر کے ایک دم سے ان میں جان ڈال دوں گا۔

ایک چیز جو تمام دنیا کے ذرات سے بنی ہے:

انسان کی آفرینش جن ماں اور باپ کے ذریعے ہوتی ہے، اور جن غذاؤں سے ان کا خون اور جسم بنتا ہے وہ خود جہان کے مختلف گوشوں سے سمٹے ہوئے ذرات ہوتے ہیں، پھر پیدائش کے بعد انسان جس غذا کے ذریعے نشو و نما پاتا ہے، جس سے اس کا خون اور گوشت پوست بنتا ہے، اس میں غور کرے تو اس کی غذاؤں میں ایک ایک چیز ایسی ہے جو تمام دنیا کے مختلف ذرات سے بنی ہوئی ہے۔ (معارف القرآن جلد اول)

مرزا قادیانی کا دجل:

مرزا قادیانی نے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کیا اور دیکھا کہ مسیح ابن مریم کی طرح میں تو مردوں کو زندہ کر کے دکھلانے سے عاجز ہوں اس لئے اس نے اپنی فرضی نبوت کے قائم رکھنے کے لئے حضرت عیسیٰ اور دیگر انبیاء کرام کے اس قسم کے تمام معجزات کا انکار کر دیا اور یہ دعویٰ کیا کہ یہ ناممکن ہے کہ حق تعالیٰ کسی کو ایک دفعہ مار کر دوبارہ دنیا میں بھیجے۔ اگر یہ اللہ کی عام عادت ہوتی تو لوگ قیامت کے منکر نہ ہوتے۔ بیشک اللہ کا یہ عام قانون ہے مگر ناممکن اور محال نہیں۔ حق تعالیٰ بطور اعجاز اور اکرام کبھی کبھی دنیا میں بھی کسی مردہ کو اپنے کسی برگزیدہ بندہ کی دعاء سے دوبارہ زندہ فرما دیتے ہیں تاکہ خدا کی قدرت اور اس نبی کی نبوت اور قیامت کی حقانیت ثابت ہو جائے۔

ملحد اور بے دین لوگ جو حضرات انبیاء کے معجزات اور خوارق عادات کے منکر ہیں وہ اس قسم کے واقعات میں طرح طرح کی تحریفات کیا کرتے ہیں خوب سمجھ لو۔

چار پرندوں کے نام:

ان چار پرندوں کے نام اگرچہ کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں۔ مگر ابن عباسؓ اور علماء تابعین سے منقول ہے کہ ان کے نام یہ تھے، مور اور کبوتر اور مرغ اور کوا، اور بعض نے بجائے کوے کے غرنوق کو ذکر کیا ہے۔ (معارف القرآن کاندھلوی)

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ

مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال

سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ

اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات

سَنَابِلَ فِیْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ط

بالیں ہر بال میں سو سو دانے اور اللہ بڑھاتا ہے

وَاللّٰهُ یُضٰعِفُ لِمَنْ یَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ وَاسِعٌ

جس کے واسطے چاہے اور اللہ بے نہایت بخشش کرنیوالا ہے سب

عَلِیْمٌ ﴿۲۶۱﴾

کچھ جانتا ہے

تھوڑے مال کا بہت زیادہ ثواب:

یعنی اللہ کی راہ میں تھوڑے مال کا بھی ثواب بہت ہے جیسا ایک دانہ سے سات سو دانے پیدا ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑھائے جس کے واسطے چاہے اور سات سو سے سات ہزار اس سے بھی زیادہ کر دے اور اللہ بہت بخشش کرنے والا اور ہر ایک خرچ کرنے والے کی نیت اور اس کے خرچ کی مقدار اور مال کی کیفیت کو خوب جانتا ہے یعنی ہر ایک سے اس کے مناسب معاملہ فرماتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِیْ سَبِیْلِ

جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ ثُمَّ لَا یُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى لا

پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں

لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ج وَلَا خَوْفٌ

انہی کے لئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے یہاں

عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾

اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ غمگین ہونگے

کامل ثواب والے لوگ:

جو لوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کئے پر نہ زبان سے احسان رکھتے ہیں اور نہ ستاتے ہیں طعن سے اور نہ خدمت لینے سے اور نہ تحقیر کرنے سے انہی کیلئے ہے ثواب کامل اور نہ ڈر ہے ان کو ثواب کم ہونے کا اور نہ غمگین ہونگے ثواب کے نقصان سے۔

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَیْرٌ مِّنْ

جواب دینا نرم اور درگذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے

صَدَقَةٍ یَّتْبَعُهَآ اَذًى ط وَاللّٰهُ غَنِیٌّ حَلِیْمٌ ﴿۲۶۳﴾

جس کے پیچھے ہو ستانا اور اللہ بے پروا ہے نہایت تحمل والا

بدخوئی کرنے سے نہ دینا بہتر ہے

یعنی مانگنے والے کو نرمی سے جواب دینا اور اس کے اصرار اور بدخوئی پر درگذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے کہ بار بار اس کو شرمائے یا احسان رکھے یا طعنہ دے اور اللہ غنی ہے کسی کے مال کی اس کو حاجت نہیں جو صدقہ اس کی راہ میں کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے اور حلیم ہے کہ ستانے پر عذاب بھیجنے میں جلدی نہیں فرماتا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

ایک کے بدلہ سات سو:

مسند احمد کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے نکیل والی اونٹنی خیرات کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ قیامت کے دن سات سو نکیل والی اونٹنیاں پائے گا۔

مسند کی اور حدیث میں ہے کہ نماز، روزہ، ذکر اللہ، اللہ تعالیٰ کی راہ کے خرچ پر سات سو گنا بڑھ جاتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

صدقات وخیرات کی شرطیں:

جس طرح نماز کے لئے دو قسم کی شرائط ہیں۔ ایک شرط صحت، جیسے وضو اور طہارت اور دوسری شرط بقاء جیسے نماز میں کسی سے باتیں نہ کرنا اور کھانے پینے سے پرہیز کرنا۔ پس اگر وضو ہی نہ کرے تو سرے ہی سے نماز صحیح نہ ہوگی اور اگر وضو اور طہارت کے بعد نماز شروع کی، مگر ایک رکعت یا دو رکعت کے بعد نماز میں کھانا اور پینا اور بولنا شروع کر دیا تو اس کی نماز باقی نہ رہے گی۔

اسی طرح صدقات اور خیرات کے لئے بھی دو قسم کی شرطیں ہیں، ایک شرط صحت اور دوسری شرط بقاء اخلاص شرط صحت ہے۔ بغیر اخلاص کے صدقہ صحیح ہی نہیں ہوتا۔ لہٰذا جو صدقہ ریاء اور نفاق کے ساتھ دیا جائے وہ شریعت میں معتبر نہیں۔ اور من اور اذای سے پرہیز شرط بقاء ہے یعنی صدقہ اور خیرات اس وقت تک محفوظ اور باقی رہیں گے جب تک صدقہ دینے کے بعد نہ تو احسان جتایا جائے اور نہ سائل کو کسی قسم کی ایذاء پہنچائی جائے۔ اگر صدقہ دینے کے بعد احسان جتایا یا ستایا تو وہ صدقہ ضائع اور

باطل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں صدقہ اور خیرات کے مفسدات میں سے ہیں، جیسے کھانے اور پینے سے نماز باطل ہو جاتی ہے اسی طرح من اور اذی سے صدقہ باطل ہو جاتا ہے۔ (معارف کاندھلوی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ

اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا

بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ

دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے

رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر

احسان جتلانے سے ثواب جاتا رہتا ہے:

یعنی صدقہ دے کر محتاج کو ستانے اور اس پر احسان رکھنے سے صدقہ کا ثواب جاتا رہتا ہے یا اوروں کو دکھا کر اس لئے صدقہ دیتا ہے کہ لوگ سخی جانیں اس طرح کی بھی خیرات کا ثواب کچھ نہیں ہوتا باقی یہ فرمانا کہ وہ یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر یہ ابطال صدقہ کے لئے قید وشرط نہیں ہیں کیونکہ صدقہ تو صرف ریا سے ہی باطل ہو سکتا ہے اگر چہ خرچ کرنے والا مومن ہی کیوں نہ ہو مگر اس قید کو صرف اس نفع کی غرض سے بڑھایا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ ریاکاری مومن کی شان سے بعید ہے بلکہ یہ امر منافقین کے مناسب حال ہے۔

فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ

سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی

فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ

پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف کچھ ہاتھ

عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي

نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا جو انہوں نے کمایا اور اللہ

الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۶۴

نہیں دکھاتا سیدھی راہ کافروں کو

صحیح نیت شرط ہے:

اوپر مثال بیان فرمائی تھی خیرات کی کہ ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا اور اس سے سات سو دانے پیدا ہو گئے اب فرماتے ہیں کہ نیت شرط ہے اگر کسی نے ریا اور دکھاوے کی نیت سے صدقہ کیا تو اس کی مثال ایسی سمجھو کہ کسی نے دانہ بویا ایسے پتھر پر کہ جس پر تھوڑی سی مٹی نظر آتی تھی جب مینہ برسا تو بالکل صاف رہ گیا اب اس پر دانہ کیا اگے گا ایسے ہی صدقات میں ریاکاروں کو کیا ثواب ملے گا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کی مدح وتعریف کرتا ہے جو خیرات و صدقات کرتے ہیں اور پھر جسے دیتے ہیں اس پر احسان جتانے نہیں بیٹھتے۔

وہ لوگ جن سے اللہ بات نہیں کرے گا:

صحیح مسلم شریف کی حدیث ہے کہ تین قسم کے لوگوں سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بات چیت نہ کرے گا نہ ان کی طرف نظر رحمت سے دیکھے گا نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہیں۔ ایک تو دے کر احسان جتانے والا۔ دوسرا ٹخنوں سے نیچے پاجامہ اور تہبند لٹکانے والا۔ تیسرا اپنے سودے کو جھوٹی قسم کھا کر بیچنے والا۔ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے ماں باپ کا نافرمان، خیرات صدقہ کر کے احسان جتانے والا، شرابی اور تقدیر کو جھٹلانے والا جنت میں داخل نہ ہوگا۔ (تفسیر ابن کثیر)

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَاۗءَ

اور مثال ان کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی

مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ

حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو ثابت کر کر ایسی ہے

جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا

جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل

ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۭ

دو چند اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝۲۶۵

اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے

صحیح نیت سے خرچ کرنے والوں کی مثال:

زور کے مینہ سے مراد بہت مال خرچ کرنا اور پھوار سے مراد تھوڑا مال خرچ کرنا اور دلوں کو ثابت کرنے سے مراد یہ ہے کہ ثابت کریں دلوں کو ثواب پانے میں یعنی ان کو یقین ہے کہ خیرات کا ثواب ضرور ملے گا سو اگر نیت درست ہے تو بہت خرچ کرنے سے بہت ثواب ملے گا اور تھوڑی خیرات میں بھی فائدہ ہوگا جیسے خالی زمین پر باغ ہے تو جتنا مینہ برسے گا اتنا ہی باغ کو فائدہ پہنچے گا اور نیت درست نہیں تو جس قدر زیادہ خرچ کرے اتنا ہی مال ضائع ہوگا اور نقصان پہنچے گا کیونکہ زیادہ مال دینے میں ریا اور دکھاوا بھی زیادہ ہوگا جیسا پتھر پر دانہ اگے گا تو جتنا زور کا مینہ برسے گا اتنا ہی ضرر زیادہ ہوگا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ
کیا پسند آتا ہے تم میں سے کسی کو یہ کہ ہووے اس کا ایک باغ
نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
کھجور اور انگور کا بہتی ہوں نیچے اسکے
الْاَنْهٰرُ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ
نہریں اس کو اس باغ میں اور بھی سب طرح کا میوہ حاصل ہو
وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ
اور آ گیا اس پر بڑھاپا اور اس کی اولاد ہیں ضعیف
فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ
تب آ پڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی جس سے
كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ
وہ باغ جل گیا یوں سمجھاتا ہے تم کو اللہ آیتیں تا کہ تم غور کرو وہ باغ جل
تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾
گیا یوں سمجھاتا ہے تم کو اللہ آیتیں تا کہ تم غور کرو

ریاکاروں کی مثال:

یہ مثال ان کی ہے جو لوگوں کو دکھانے کو صدقہ خیرات کرتے ہیں یا خیرات کر کے احسان رکھتے ہیں اور ایذاء پہنچاتے ہیں یعنی جیسے کسی شخص نے جوانی اور قوت کے وقت باغ تیار کیا تا کہ ضعیفی اور بڑھاپے میں اس سے میوہ کھائے اور ضرورت کے وقت کام آئے پھر جب بڑھاپا آیا اور میوے کی پوری حاجت ہوئی تب وہ باغ عین حالت احتیاج میں جل گیا یعنی صدقہ مثل باغ میوہ دار کے ہے کہ اس کا میوہ آخرت میں کام آئے جب کسی کی نیت بری ہے تو وہ باغ جل گیا پھر اس کا میوہ جو ثواب کا ہے کیونکر نصیب ہو حق سبحانہ اسی طرح کھول کر سمجھاتا ہے تم کو آیتیں تا کہ غور کرو اور سمجھو۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعاء:

مستدرک حاکم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دعا یہ بھی تھی:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ اَوْسَعَ رِزْقِكَ عَلَيَّ عِنْدَ كِبَرِ سِنِّيْ وَانْقِضَاءِ عُمْرِيْ.

''اے اللہ تعالیٰ! اپنی روزی کو سب سے زیادہ مجھے اس وقت عنایت فرما جب میری عمر بڑی ہو جائے اور ختم ہونے کو آئے''

بے قیمت چیز نہ لو:

حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب تمہارا حق کسی پر ہو اور وہ تمہیں وہ چیز دے جو بے قدر و قیمت ہو تو تم اسے نہ لو گے مگر اس وقت جب تمہیں اپنے حق کی بربادی دکھائی دیتی ہو تو خیر تم چشم پوشی کر کے اسی کو لے لو گے۔

قابل رشک آدمی:

مسند کی حدیث میں ہے قابل رشک صرف دو شخص ہیں: جسے اللہ تعالیٰ نے مال دیا اور اپنی راہ میں خرچ کرنے کی توفیق بھی دی اور جسے اللہ تعالیٰ نے حکمت دی اور ساتھ ہی اسی کے ساتھ فیصلے کرنے اور اس کی تعلیم دینے کی توفیق بھی عطا فرمائی۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

مثال کا حاصل:

''حاصل مثال کا یہ ہے کہ احسان جتلانے والے اور ریاء سے صدقہ دینے والے کے اعمال شدید احتیاج کے وقت حبط ہو جائیں گے۔ جیسے اس شخص کا باغ شدید احتیاج کے وقت جل کر خاک ہو گیا۔''

یہ نہیں کہ معاصی اور سیئات کے ارتکاب سے گذشتہ طاعات باطل ہو جاتے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ ان کے انوار و برکات جاتے رہتے ہیں۔ جیسے حدیث میں ہے اِذَا زَنَى الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْهُ الْاِيْمَانُ. یعنی جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس سے ایمان کا نور زائل ہو جاتا ہے اور یہ مطلب نہیں کہ زنا کرنے سے کافر ہو جاتا ہے۔ (معارف کاندھلویؒ)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ

اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں

مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ

اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کیا تمہارے واسطے

الْاَرْضِ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ

زمین سے اور قصد نہ کرو گندی چیز کا اس میں سے کہ اسکو خرچ کرو

وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ

حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے خوبیوں والا

صدقہ قبول ہونے کی شرط:

یعنی عنداللہ صدقہ کے مقبول ہونے کی یہ بھی شرط ہے کہ مال حلال کمائی کا ہو حرام کا مال اور شبہ کا مال نہ ہو اور اچھی سے اچھی چیز اللہ کی راہ میں دے۔ بری چیز خیرات میں نہ لگائے کہ اگر کوئی ایسی ویسی چیز دے تو جی نہ چاہے لینے کو مگر شرما شرمائی پر خوشی سے ہرگز نہ لے۔ اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پرواہ ہے تمہارا محتاج نہیں اور خوبیوں والا ہے۔ اگر بہتر سے بہتر چیز دل کے شوق اور محبت سے دے تو پسند فرماتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ

شیطان وعدہ دیتا ہے تم کو تنگ دستی کا اور حکم کرتا ہے

بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ

بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا ہے تم کو اپنی بخشش اور فضل کا

وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾

اور اللہ بہت کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے

شیطان غربت کی دھمکی دیتا ہے:

جب کسی کے دل میں خیال آئے کہ اگر خیرات کرونگا تو مفلس رہ جاؤنگا اور حق تعالیٰ کی تاکید سن کر بھی یہی ہمت ہو اور دل چاہے کہ اپنا مال خرچ نہ کرے اور وعدۂ الٰہی سے اعراض کر کے وعدہ شیطانی پر طبیعت کو میلان اور اعتماد ہو تو اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ یہ مضمون شیطان کی طرف سے ہے۔ یہ نہ کہے کہ شیطان کی تو ہم نے کبھی صورت بھی نہیں دیکھی حکم کرنا تو درکنار رہا اور اگر یہ خیال آوے کہ صدقہ خیرات سے گناہ بخشے جائیں گے اور مال میں بھی ترقی اور برکت ہوگی تو جان لیوے کہ یہ مضمون اللہ کی طرف سے آیا ہے اور خدا کا شکر کرے اور اللہ کے خزانہ میں کمی نہیں سب کے ظاہر و باطن نیت عمل کو خوب جانتا ہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حلال اور پاکیزہ مال خرچ کرو:

اے اہل ایمان اپنی پاکیزہ کمائی میں سے راہ خدا میں خرچ کرو۔ طیبات سے مراد عمدہ کھری چیزیں۔ لیکن حضرت ابن مسعودؓ اور مجاہد نے اس کی تشریح میں فرمایا کہ حلال چیزیں مراد ہیں۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا کہ جو بندہ حرام مال کما کر اسمیں سے خیرات کرتا ہے اسکی خیرات قبول نہیں ہوتی۔ نہ حرام مال خرچ کرنے میں برکت ہوتی ہے۔ اور جو کچھ اپنے پیچھے چھوڑ جاتا ہے وہ دوزخ تک جانے کا اس کے لئے سامان ہو جاتا ہے۔ وہ برے (عذاب) کو بری کمائی کی خیرات سے مٹا نہیں سکتا۔ بلکہ برے کو بھلے سے مٹا سکتا ہے۔ ناپاک سے ناپاک دور نہیں ہوتا۔ (رواہ احمد)

مال تجارت پر زکوٰۃ:

یہ آیت اجماع علماء اور جمہور اہل سنت کی بڑی پکی دلیل ہے جمہور کے نزدیک منقولہ اور غیر منقولہ چیزوں پر بشرطیکہ تجارت کی ہو زکوٰۃ واجب ہے۔ تجارت کی شرط اسلئے ہے کہ مال زکوٰۃ کا نامی ہونا شرط ہے اور سامان میں بغیر نیت تجارت کے نمو نہیں ہو سکتا۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا سامان پر زکوٰۃ واجب نہیں سوائے اس سامان کے جو تجارت کے لئے ہو۔ رواہ الدارقطنی (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

میں کہتا ہوں کہ ثمنیت (یعنی اشیاء کی قیمت بننے کی صلاحیت) جو زکوٰۃ کے لئے شرط ہے وہ صرف نمو پذیر ہونے کی وجہ سے ہے اور زمین سے جو چیز برآمد ہوتی ہے وہ تو سراسر نمو ہی ہے اس لئے غلہ پھل وغیرہ کی زکوٰۃ کے لئے باتفاق علماء سال کا دوران شرط نہیں ہے باوجود یہ کہ چیزیں نقود میں سے نہیں ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ معدنی اشیاء کی زکوٰۃ کے لئے ان کا نقدی ہونا (یعنی قیمت بننے کی صلاحیت رکھنا) ضروری قرار دیا جائے۔

رکاز میں پانچواں حصہ:

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے جو صحاح ستہ کی مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رکاز میں پانچواں حصہ ہے۔ لفظ رکاز معدن کو بھی شامل ہے اور کنز یعنی مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے کے گڑے ہوئے خزانہ کو بھی قاموس میں رکاز کے معنی کے ذیل میں ہے کہ رکاز وہ ہے جو کانوں کے اندر اللہ پیدا کرتا ہے اور جاہلیت کے دفینے مسلمانوں کے قبضہ سے پہلے کے گڑے ہوئے خزانے اور کان سے برآمد ہونے والے سونے چاندی کے ٹکڑے نہایہ میں ہے کہ اہل حجاز کے نزدیک رکاز اس خزانہ کو کہتے ہیں جو جاہلیت کے زمانہ کا ہو۔ (تفسیر مظہری)

کافروں کو صدقہ دینا:

نفلی صدقہ اور خیرات دینا کافر کو بھی جائز ہے۔ البتہ زکوۃ سوائے مسلمان کے کسی اور کو دینا جائز نہیں۔ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب معاذ ابن جبل کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو یہ فرمایا کہ وہاں کے لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا اور جب اسلام قبول کرلیں تو ان کو یہ بتلا دینا کہ اللہ نے تم پر زکوۃ فرض کی ہے جو انہی مسلمان امیروں سے لی جائے گی اور انہی کے غریبوں کو دی جائے گی۔ پس جس طرح زکوۃ مسلمانوں ہی کے امیروں پر فرض ہے اسی طرح ان سے لے کر مسلمان فقیروں ہی پر تقسیم کی جائے گی۔ کافر فقیروں پر اس کا تقسیم کرنا جائز نہ ہوگا۔

ابن عباسؓ سے مروی ہے کہ صحابہ نے اپنے مشرکین رشتہ داروں کے ساتھ سلوک اور احسان کرنے کو مکروہ سمجھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے فتویٰ پوچھا تو آپ نے ان کو اجازت دی اور اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یعنی (لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰهُمْ) نازل ہوئی۔

(نسائی طبرانی و بزار وغیرہ) اور مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک مرسل روایت میں ہے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو یہ حکم دیا تھا کہ تم اپنے ہی دین کے لوگوں کو صدقہ دیا کرو۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

(معارف القرآن حضرت کاندھلوی)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حضرت اسماء کو نصیحت:

حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا بے گنتی خرچ کرو ورنہ اللہ تعالیٰ بھی تجھے حساب سے دیگا اور جمع کر کے نہ رکھو ورنہ اللہ بھی جمع کر لیگا۔ (تجھے نہیں دیگا) جہاں تک تجھ سے ہو سکے پیسیجتی رہ (کچھ نہ کچھ دیتی رہ) (بخاری ومسلم)

نقصان اٹھانے والے:

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قسم ہے کعبہ کے مالک کی وہ گھاٹا پانے والے ہیں۔ میں نے عرض کیا وہ کون؟ فرمایا وہ جو زیادہ مالدار ہیں لیکن اس حکم سے وہ مالدار مستثنیٰ ہیں جو اس طرح اور اس طرح اور اس طرح آگے پیچھے اور دائیں بائیں سے دیتے ہیں مگر ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں۔ (بخاری ومسلم)

سخی اللہ کے قریب ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سخی اللہ کے قریب ہے جنت کے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے دوزخ سے دور ہے اور بخیل اللہ سے دور ہے جنت سے دور ہے لوگوں سے دور ہے دوزخ سے قریب ہے۔ اور جاہل سخی عبادت گذار بخیل سے اللہ کو زیادہ محبوب ہے۔ (ترمذی)

سخاوت کا درخت:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخاوت جنت میں ایک درخت ہے جس کی ٹہنیاں جنت سے باہر جھکی ہوئی ہیں پس جو شخص اس کی کوئی شاخ پکڑ لیتا ہے۔ تو وہ شاخ آدمی کو جنت کے باہر نہیں رہنے دیتی اٹھا کر اندر لے جاتی ہے۔ اور کنجوسی دوزخ میں ایک درخت ہے جس کی شاخیں دوزخ سے باہر ہیں۔ پس جو شخص اس کی شاخ پکڑ لیتا ہے تو وہ شاخ اس آدمی کو دوزخ کے اندر لے جائے بغیر نہیں چھوڑتی۔ (بیہقی)

جلدی خیرات کرو:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا فرمان مرفوعاً منقول ہے کہ خیرات دینے کی طرف جلد جلد آگے بڑھو کیونکہ مصیبت خیرات کو کود کر تمہارے پاس نہیں پہنچ سکتی۔ (رواہ رزین)

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ

عنایت کرتا ہے سمجھ جس کسی کو چاہے اور جس کو سمجھ ملی

الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا

اس کو بڑی خوبی ملی اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں

يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾
جو عقل والے ہیں

جس کو چاہتا ہے دانائی عطا کرتا ہے:

یعنی جس کو چاہتا ہے دین کی باتوں میں دانائی اور خیرات کرنے میں سمجھ عنایت کرتا ہے کہ کس نیت سے اور کس مال سے اور کس کو کس طرح محتاج کو دینا چاہئے۔ اور جس کو سمجھ عنایت ہوئی اس کو بڑی نعمت اور بڑی خوبی ملی۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ
اور جو خرچ کرو گے تم خیرات یا قبول کرو گے
مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۗ وَمَا
کوئی منت تو بیشک اللہ کو سب معلوم ہے
لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿۲۷۰﴾
اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں

منّت کا مسئلہ:

یعنی جو کچھ خیرات کی جائے تھوڑی یا بہت بھلی نیت سے یا بری نیت سے چھپا کر یا لوگوں کو دکھا کر یا منت مانی جائے کسی طرح کی تو بیشک خدا تعالیٰ کو پورا علم ہے سب کا اور جو لوگ انفاق مال اور نذر میں حکم الٰہی کے خلاف کرتے ہیں ان کا کوئی مددگار نہیں اللہ جو چاہے ان پر عذاب کرے منت قبول کرنے سے واجب ہو جاتی ہے۔ اب اگر ادا نہ کی تو گنہگار ہوگا اور نذر اللہ کے سوا کسی کی جائز نہیں مگر یہ کہے کہ اللہ کے واسطے فلاں شخص کو دوں گا یا اس نذر کا ثواب فلاں کو پہنچے تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (تفسیر عثمانی)

پیارے آدمی:

حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت ہے فرمایا تین آدمی ہیں جو اللہ کو پیارے ہیں ایک وہ جو رات سے اٹھ کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتا ہے دوسرا وہ جو دائیں ہاتھ سے راہ خدا میں کچھ دیتا ہے اور بائیں ہاتھ سے بھی چھپا کر دیتا ہے۔ تیسرا وہ جو کسی جہادی دستہ میں ہو ساتھی شکست کھا کر بھاگ گئے ہوں مگر وہ دشمن کے مقابل ثابت قدم رہے۔ (ترمذی)

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین آدمی ہیں جن سے اللہ محبت کرتا ہے اور تین آدمی ہیں جن سے اس کو نفرت ہے۔ جن سے اللہ کو پیار ہے ان میں سے ایک یہ ہے کہ کچھ لوگوں کے پاس ایک آدمی بغیر کسی استحقاق قرابت کے محض اللہ واسطے کچھ مانگنے آیا لیکن کسی نے کچھ نہ دیا صرف ایک آدمی لوگوں کی نظر سے ہٹ گیا اور جا کر سائل کو اتنا چھپا کر کچھ دیا کہ اللہ کے اور لینے والے کے علاوہ کسی کو معلوم نہ ہوا۔ دوسرا یہ کہ ایک جماعت رات بھر دشمن سے لڑنے کے لئے سفر کرتی رہی جب آخر رات کو ایسا وقت آیا کہ لوگوں کو ہر مساوی المرتبہ چیز سے نیند زیادہ محبوب ہوگئی اور سب نے سونے کے لئے اپنے سر رکھ دیے تو ایک آدمی کھڑا ہو کر مجھ سے دعا کرنے اور میری آیات کی تلاوت کرنے لگا تیسرا وہ شخص جو کسی جہادی دستہ میں تھا مقابلہ کے وقت ساتھی شکست کھا کر بھاگ نکلے مگر یہ شخص دشمن کے مقابل اس وقت تک ثابت قدم رہا کہ شہید ہو جائے۔ یا اللہ فتح عنایت کر دے جن تین لوگوں سے اللہ تعالیٰ کو نفرت ہے زانی بوڑھا۔ اترانے والا فقیر۔ اور ظالم غنی۔ ان تینوں کے پاس اپنے گناہ کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔ بڑھاپے میں جوش جوانی نہیں ہوتا کہ زنا پر مجبور ہو۔ فقیر کے پاس دولت نہیں ہوتی کہ فخر اور غرور کا سامان ہو۔ مالدار اپنے گذارے کے لئے کسی کی حق تلفی پر مجبور نہیں ہوتا کیونکہ خود مالدار ہوتا ہے۔ رواہ الترمذی۔ النسائی (تفسیر مظہری اردو۔ جلد۲)

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ
اگر ظاہر کر کے دو خیرات تو کیا اچھی بات ہے اور اگر
تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ
اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو پہنچاؤ تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں
وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا
اور دور کرے گا کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے
تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾
کاموں سے خوب خبردار ہے

چھپا کر خیرات کرنا:

اگر لوگوں کے دکھانے کی نیت نہ ہو تو خیرات کرنا لوگوں کے روبرو بھی بہتر ہے تاکہ اوروں کو بھی شوق اور رغبت ہو اور چھپا کر خیرات کرنا بھی

بہتر ہے تا کہ لینے والا نہ شرمائے۔ خلاصہ یہ کہ اظہار واخفا دونوں بہتر ہیں۔مگر ہر موقع اور مصلحت کا لحاظ ضروری بات ہے۔(تفسیر عثمانی)

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چھپا کر خیرات کرنی رب کے غضب کی آگ کو بجھا دیتی ہے۔اور عزیزوں سے اچھا سلوک کرنا عمر کو بڑھا دیتا ہے۔(رواہ طبرانی۔بسند حسن)

حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ کا ظاہر کرنے والا مثل بلند آواز سے قرآن پڑھنے والے کے ہے اور اسے چھپانے والا آہستہ پڑھنے والے کی طرح ہے۔پس اس آیت سے صدقہ جو پوشیدہ دیا جائے اسکی افضلیت ثابت ہوتی ہے۔بخاری ومسلم میں بروایت حضرت ابوہریرہؓ مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات شخصوں کو اللہ تعالیٰ اپنے سائے میں جگہ دے گا جس دن اس کے سائے کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔

لوہے سے بھی سخت چیز:

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے زمین کو پیدا کیا تو ہلنے لگی اللہ تعالیٰ نے پہاڑ پیدا کر کے انہیں گاڑ دیا جس سے زمین کا ہلنا موقوف ہوگیا۔فرشتوں کو پہاڑوں کی ایسی سنگین پیدائش پر تعجب ہوا۔ انہوں نے دریافت کیا کہ باری تعالیٰ کیا تیری مخلوق میں پہاڑ سے زیادہ سخت بھی کوئی ہے؟ فرمایا ہاں ''لوہا'' پھر اس سے سخت ''آگ'' اور اس سے سخت ''پانی'' اور اس سے سخت ''ہوا'' دریافت کیا اس سے بھی زیادہ سخت فرمایا ابن آدم جو اس طرح صدقہ کرتا ہے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر نہیں ہوتی۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما کی فضیلت:

حضرت شعبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہم کے بارے میں اتری ہے۔حضرت عمر تو اپنا آدھوں آدھ مال حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائے اور حضرت صدیقؓ نے جو کچھ تھا لا کر رکھ دیا۔آپؐ نے پوچھا اپنے گھر والوں کے لئے کیا چھوڑ آئے ہو؟ فاروقؓ نے جواب دیا اتنا ہی۔صدیقؓ گو ظاہر کرنا نہیں چاہتے تھے اور چپکے سے سب کا سب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے کر چکے تھے لیکن جب ان سے بھی پوچھا گیا تو کہنا پڑا کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور اس کے رسول کا وعدہ کافی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سن کر رو دیئے اور فرمانے لگے خدا کی قسم جس کی نیکی کے کام کی طرف ہم لپکے ہیں اس میں اے صدیق! آپ کو آگے ہی آگے پاتے ہیں، رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔(تفسیر ابن کثیر)

یہاں یہ بات بھی سمجھ لیجئے یہ اس صدقہ سے مراد صدقہ نفلی ہے جس کا ذمی کافر کو بھی دینا جائز ہے۔صدقہ واجبہ مراد نہیں ہے، کیونکہ وہ سوائے مسلمان کے کسی دوسرے کو دینا جائز نہیں۔(مظہری)

مسئلہ ۱: حربی کافر کو کسی قسم کا صدقہ وغیرہ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ ۲: کافر ذمی یعنی غیر حربی کو صرف زکوٰۃ وعشر دینا جائز نہیں، اور دوسرے صدقات واجبہ ونفل سب جائز ہیں اور آیت میں زکوٰۃ داخل نہیں۔

نام ونمود کیلئے خرچ کرنے والا:

حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ پاک اور حلال مال کے سوا کسی چیز کو قبول نہیں فرماتے، دوسرے خرچ کرنے والا بھی نیک نیت اور صالح ہو بدنیتی یا نام ونمود کے لئے خرچ کرنے والا اس ناواقف کاشتکار کی طرح ہے جو دانہ کو کسی ایسی جگہ ڈال دے کہ وہ ضائع ہو جائے۔

تیسرے جس پر خرچ کرے وہ بھی صدقہ کا مستحق ہو، کسی نااہل پر خرچ کر کے ضائع نہ کرے۔

عشر، زکوٰۃ، خراج:

مسلمان چونکہ عبادت کے اہل اور پابند ہیں، ان سے جو زمین کی پیداوار کا حصہ لیا جاتا ہے اس کو عشر کہتے ہیں، اور غیر مسلم چونکہ عبادت کے اہل نہیں ان کی زمینوں پر جو کچھ عائد کیا جاتا ہے اس کا نام خراج ہے، عملی طور پر زکوٰۃ اور عشر میں یہ بھی فرق ہے کہ سونا چاندی اور تجارت کے مال پر زکوٰۃ سال بھر گزرنے کے بعد عائد ہوتی ہے، اور عشر زمین سے پیداوار حاصل ہوتے ہی واجب ہو جاتا ہے۔(معارف القرآن حضرت مفتی اعظم جلد اول)

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ
تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر
يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ
لاوے جس کو چاہے اور جو کچھ خرچ کرو گے
فَلِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ
تم مال سواپنے ہی واسطے جب تک کہ خرچ کرو گے اللہ ہی کی رضا
وَجْهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ
جوئی میں اور جو کچھ خرچ کرو گے خیرات سو پوری ملے گی

وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾
تم کواور تمہارا حق نہ رہے گا

سببِ نزول:

جب آپ نے صحابہ کو مسلمانوں کے سوا اوروں پر صدقہ کرنے سے روکا اوراس میں یہ مصلحت تھی کہ مال ہی کی غرض سے دین حق کی طرف راغب ہوں۔ آگے یہ فرمادیا کہ ثواب جب ہی تک ملے گا کہ اللہ تعالیٰ کی خوشی مطلوب ہوگی تو یہ آیت نازل ہوئی اوراس میں عام حکم آگیا کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جس کو مال دو گے تم کواس کا ثواب دیا جائے گا مسلم غیر مسلم کسی کی تخصیص یعنی جس پر صدقہ کرواس میں مسلم کی تخصیص نہیں البتہ صدقہ میں یہ ضرور ہے کہ محض لوجہ اللہ ہو۔ (تفسیر عثمانیؒ)

اس سے ثابت ہورہا ہے کہ سوائے رضائے خداوندی کی طلب کے اور کسی غرض کے لئے خیرات کرنا ممنوع ہے۔ ورنہ مفت میں مال کی بربادی ہوگی اور مفت مال کی بربادی ناجائز ہے۔

کلبی نے شان نزول اس طرح نقل کی ہے کہ مسلمانوں کی کچھ سسرالی رشتہ داریاں یہودیوں سے تھیں اسلام سے پہلے یہ یہودیوں کی مدد کرتے تھے لیکن مسلمان ہونے کے بعد انہوں نے یہودیوں کو کچھ دینا مناسب نہیں سمجھا اور ہاتھ کو روک لیا مقصد یہ تھا کہ وہ مسلمان ہوجائیں کیونکہ ان کی مدد کے سوا ان یہودیوں کے گذران کا کوئی ذریعہ نہ تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

کافر کو زکوٰۃ دینا:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے نکلتا ہے کہ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کو وصول زکوٰۃ کے لئے بھیجا تو فرمایا ان دولت مندوں سے فرض زکوٰۃ وصول کی جائے اورانہی کے غریبوں کو لوٹا کر دیدی جائے۔ متفق علیہ۔ صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے کتاب اللہ کے عمومی حکم کواس سے مقید کیا جاسکتا ہے لہٰذا حدیث کا تقاضا ہے کہ ذمی کو زکوٰۃ نہ دی جائے اگرچہ کتاب اللہ میں حکم عام فقراء مسلم ہوں یا ذمی سب کو زکوٰۃ دینا آیت کی رو سے درست ہے مگر حدیث نے فقراء مسلمین کے لئے زکوٰۃ کو مخصوص کردیا۔

ابن ہمام شارح ہدایہ نے لکھا ہے کہ آیت مذکورہ عام ہے لیکن بالا جماع حربی کافر کو مخصوص کرلیا گیا ہے اور حربی کافر کو زکوٰۃ دینا ناجائز قرار دیدیا گیا ہے اس کی وجہ دوسری آیت کا حکم ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (اِنَّمَا یَنْھٰکُمُ اللّٰہُ عَنِ الَّذِیْنَ قٰتَلُوْکُمْ فِی الدِّیْنِ) الخ پس اس آیت کی وجہ سے حربی کافر کو زکوٰۃ دینا ناجائز قرار پایا۔ (تفسیر مظہری۔ اردو جلد۲)

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ
خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رکے ہوئے ہیں اللہ کی راہ
لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُھُمُ
میں چل پھر نہیں سکتے ملک میں سمجھے ان کو
الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُھُمْ
ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے تو پہچانتا ہے
بِسِیْمٰھُمْ لَا یَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا
ان کو ان کے چہرہ سے نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر

دین کیلئے گھر بار چھوڑنے والے:

یعنی ایسوں کا دینا بڑا ثواب ہے جو اللہ کی راہ اوراس کے دین کے کام میں مقید ہوکر چلنے پھرنے کھانے کمانے سے رک رہے ہیں اور کسی پر اپنی حاجت ظاہر نہیں کرتے جیسے حضرتؐ کے اصحاب تھے اہل صفہؓ نے گھر بار چھوڑ کر حضرتؐ کی صحبت اختیار کی تھی علم دین سیکھنے کو اور مفسدین فتنہ پردازوں پر جہاد کرنے کو اسی طرح اب بھی جو کوئی قرآن کو حفظ کرے یا علم دین میں مشغول ہو تو لوگوں پر لازم ہے کہ انکی مدد کریں۔ اور چہرہ سے انکو پہچاننا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے چہرے زرد اور بدن دبلے ہورہے ہیں اور آثار جدوجہد ان کی صورت سے نمودار ہیں۔

مسکین:

صحیح حدیث میں ہے کہ مسکین وہی نہیں جو دربدر جاتے ہیں کہیں سے دو ایک کھجوریں مل گئیں کہیں سے دو ایک لقمہ مل گئے کہیں سے دو ایک وقت کا کھانا مل گیا، بلکہ وہ بھی مسکین ہے جس کے پاس اتنا نہیں جس سے وہ بے پرواہ ہوجائے اوراس نے اپنی حالت بھی ایسی نہیں بنائی جس سے ہر شخص اس کی ضرورت کا احساس کرے اور کچھ احسان کرے اور نہ وہ سوال کے عادی ہیں۔ تو انہیں ان کی اس حالت سے جان لے گا جو صاحب بصیرت پر مخفی نہیں رہتی، جیسے اور جگہ ہے سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ ان کی نشانیاں ان کے چہروں پر ہیں اور فرمایا وَلَتَعْرِفَنَّھُمْ فِیْ لَحْنِ الْقَوْلِ

ان کے لب ولہجہ سے تم انہیں پہچان لو گے۔ سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ مومن کی دانائی سے بچو وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ایک دو کھجوریں اور ایک دو لقمے لے کر چلے جانے والے ہی مسکین نہیں بلکہ حقیقتاً مسکین وہ ہیں جو باوجود حاجت کے خودداری برتیں اور سوال سے بچیں۔

حضرت ابوذرؓ کا واقعہ:

شام میں ایک قریشی تھے جنہیں معلوم ہوا کہ حضرت ابوذرؓ ضرورت مند ہیں تو تین سو اشرفیاں انہیں بھجوائیں۔ آپ خفا ہو کر فرمانے لگے اس اللہ تعالیٰ کے بندے کو کوئی مسکین ہی نہیں ملا جو میرے پاس بھیجیں، میں نے تو نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ چالیس درہم جس کے پاس ہوں اور پھر سوال کرے تو وہ چمٹ کر سوال کرنے والا ہے اور ابوذرؓ کے گھرانے والوں کے پاس تو چالیس درہم بھی ہیں چالیس بکریاں بھی ہیں اور دو غلام بھی ہیں۔

بچوں اور جہاد کے گھوڑوں پر خرچ کرنا:

مسند میں ہے کہ مسلمان طلب ثواب کی نیت سے اپنے بال بچوں پر بھی جو خرچ کرتا ہے وہ صدقہ ہے۔ حضور فرماتے ہیں کہ اس آیت کا شان نزول مسلمان مجاہدین کا وہ خرچ ہے جو وہ اپنے گھوڑوں پر کرتے ہیں۔ (تفسیر ابن کثیر)

سوال سے پرہیز کرنا چاہئے:

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف فرما تھے اور کچھ خیرات اور سوال کرنے سے پرہیز رکھنے کا بیان فرما رہے تھے دوران بیان میں فرمایا اوپر کا ہاتھ نیچے کے ہاتھ سے بہتر ہے۔ (متفق علیہ)

بلاضرورت سوال کرنا:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کوئی شخص لوگوں سے کچھ مانگے حالانکہ (سوال سے) غنی بنا دینے والی (مقدار) اس کے پاس موجود ہو تو قیامت کے دن اس سوال سے اس کے منہ پر خراشیں پڑی ہونگی۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غنی کر دینے والی مقدار کیا ہے فرمایا پچاس درہم یا اتنی قیمت کا سونا۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی۔

مثلاً جس کے پاس آج کے لئے کھانا پورا پورا ہو اور کل کے لئے مل جانے کی امید ہو اس کو سوال کرنا درست نہیں لیکن اگر کل کو بھی میسر آنے کی امید نہ ہو تو سوال کرنا حلال ہے اور اس وقت تک سوال کرنا جائز رہے گا جب تک آئندہ کھانا میسر آنے کی امید نہ ہو جائے جس کے پاس کھانا تو بقدر ضرورت ہو مگر ستر عورت کے لئے لباس نہ ہو یا دوسری ضرورتیں پوری کرنے کی سبیل نہ ہو اس کے لئے اپنی ضرورت کے موافق سوال کرنا درست ہے۔ رہی چالیس درہم کی مقدار تو یہ ہر سوال کو حرام کر دیتی ہے۔ (چالیس درہم کا مالک نہ کھانا مانگ سکتا ہے نہ کپڑا نہ کوئی اور ضرورت کی چیز۔

اہل صُفّہ:

ابن منذرؒ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی طرف اس قول کی نسبت کی ہے کہ یہ لوگ اہل صفہ (چبوترہ پر پڑے رہنے والے) تھے ان کی تعداد کوئی چار سو تھی۔ نادار اور مہاجر تھے مدینہ میں نہ ان کا کوئی ٹھکانا تھا نہ خاندان قبیلہ، مسجد میں رہتے تھے اور ہمہ وقت عبادت اور مسائل دین سیکھنے میں لگے رہتے تھے (کبھی) جہادی دستوں میں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو بھیج دیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو ان کی امداد کی ترغیب دی تھی اس لئے شام کو جس کے پاس ضرورت سے زائد کھانے کی چیز ہوتی وہ لاکر ان کو دیدیتا تھا۔

عطار بن یسارؒ نے قبیلہ بنی اسد کے ایک شخص کی روایت سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کسی کے پاس ایک اوقیہ یا اس کے مساوی (چاندی) موجود ہو اور وہ سوال کرے تو وہ سائل بالالحاف ہے۔ رواہ مالک وابوداؤد والنسائی۔

محنت کرنا سوال سے بہتر ہے:

حضرت زبیر بن عوام راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم میں سے کوئی رسی لے کر (جنگل کو جا کر لکڑی کاٹ کر) گٹھا باندھ کر پشت پر لاد کر (بازار میں) لائے (اور فروخت کرے اور اس طرح اللہ اس کی آبرو بچائے تو اس سے بہتر ہے لوگوں سے سوال کرے وہ دیں یا نہ دیں۔ (رواہ البخاری)

حاشیہ: امام احمدؒ نے بروایت ابن ابی ملیکہ لکھا ہے کہ اکثر ایسا ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ سے اونٹ کی مہار چھوٹ کر گر گئی تو آپ نے اونٹ کو بٹھا کر خود اتر کر نکیل اٹھالی لوگ کہتے کہ حضرت آپ نے ہم کو حکم کیوں نہ دیدیا ہم اٹھا دیتے فرماتے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ لوگوں سے میں کچھ نہ مانگوں۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ
اور جو کچھ خرچ کرو گے کام کی چیز وہ بیشک اللہ کو

عَلِيْمٌ ﴿٢٧٣﴾
معلوم ہے

علی العموم اور خاص کر ایسے لوگوں پر جن کا ذکر ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ
جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو
وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ
اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو انکے لئے ہے ثواب ان کا
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ
يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٤﴾
غمگین ہونگے

ربطِ آیات:

یہاں تک خیرات کا بیان اور اس کی فضیلت اور اس کی قیود و شرائط کا مذکور تھا اور چونکہ خیرات کرنے سے ادھر تو معاملات میں سہولت و تسہیل کی عادت ہوتی ہے اور بے مروتی و سخت گیری کی برائی دلنشین ہوتی ہے اور ادھر یہ ہوتا ہے کہ معاملات و اعمال میں جو گناہ ہو جاتا ہے خیرات سے اس کا کفارہ کر دیا جاتا ہے اور نیز خیرات کرنے سے اخلاق و مروت و خیر اندیشی و نفع رسانی خلق اللہ میں ترقی ہوتی ہے تو ان وجوہ سے ان آیات متعددہ میں اس کا ذکر فرمایا گیا تھا اب سود لینا چونکہ خیرات کی ضد ہے وہاں مروت و نفع رسانی تھی تو سود میں محض بے مروتی اور ضرر رسانی اور ظلم ہے۔ اسلئے خیرات کی فضیلت کے بعد سود کی مذمت اور اسکی ممانعت کا ذکر بہت مناسب ہے اور جس قدر خیرات میں بھلائی ہے اتنی ہی سود میں برائی ہونی ضروری بات ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سات آدمی عرش کے سائے میں:

بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سات گروہوں کو اپنے عرش کے سایہ میں جگہ دیں گے جس دن اس سایہ کے سوا کوئی سایہ نہ ہوگا۔ ایک عادل بادشاہ۔ دوسرے وہ نوجوان جو اپنی جوانی خدا کی عبادت اور شریعت کی فرمانبرداری میں گذارے تیسرے وہ دو شخص جو اللہ کے لئے آپس میں محبت رکھیں، اسی پر جمع ہوں اور اسی پر جدا ہوں۔ چوتھے وہ شخص جس کا دل مسجد میں لگا رہے۔ نکلنے کے وقت سے جانے کے وقت تک، پانچویں وہ شخص جو خلوت اور تنہائی میں اللہ کا ذکر کر کے رو دے۔ چھٹے وہ شخص جسے کوئی منصب اور جمال والی عورت بدکاری کی طرف بلائے اور وہ کہہ دے کہ میں تو رب العلمین سے ڈرتا ہوں اور ساتویں وہ شخص جو اپنا صدقہ اس قدر چھپا کر دے کہ بائیں ہاتھ کو دائیں ہاتھ کے خرچ کی خبر تک نہ ہو۔ (مراد یہ ہے کہ کسی پر ظاہر نہ ہو) (درس محمد احمدؒ)

صدقہ کا عجیب واقعہ:

صحیحین کی حدیث میں آیا کہ ایک شخص نے قصد کیا کہ آج رات میں صدقہ دوں گا، لے کر نکلا اور چپکے سے ایک عورت کو دے کر چلا آیا۔ صبح لوگوں میں یہ باتیں ہونے لگیں کہ آج رات کو کوئی شخص ایک بدکار عورت کو کوئی خیرات دے گیا اس نے بھی سنا اور خدا تعالیٰ کا شکر ادا کیا پھر اپنے جی میں کہا کہ آج رات پھر صدقہ دوں گا، لے کر چلا اور ایک شخص کی مٹھی میں رکھ کر چلا آیا۔ صبح سنتا ہے کہ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ آج رات ایک مالدار کو کوئی صدقہ دے گیا۔ اس نے پھر خدا تعالیٰ کی حمد کی اور ارادہ کیا کہ آج رات کو تیسرا صدقہ دوں گا، دے آیا۔ دن کو پھر معلوم ہوا کہ وہ چور تھا تو کہنے لگا خدایا تیری تعریف ہے۔

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا
جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح
يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ
اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن نے
الْمَسِّ ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ
لپٹ کر یہ حالت ان کی اس واسطے ہوگی کہ انہوں نے کہا کہ سوداگری بھی تو ایسی ہی
مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ۭ
ہے جیسے سود لینا حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے سوداگری کو اور حرام کیا ہے سود کو

سود خوروں کا انجام:

یعنی سود کھانے والے قیامت کو قبروں سے ایسے اٹھیں گے جیسے

آسیب زدہ اور مجنون اور یہ حالت اس واسطے ہوگی کہ انہوں نے حلال و حرام کو یکساں کر دیا اور صرف اس وجہ سے کہ دونوں میں نفع مقصود ہوتا ہے دونوں کو حلال کہا حالانکہ بیع اور سود میں بڑا فرق ہے کہ بیع کو حق تعالیٰ نے حلال کیا ہے اور سود کو حرام۔

فائدہ: بیع میں جو نفع ہوتا ہے وہ مال کے مقابلہ میں ہوتا ہے جیسا کسی نے ایک درہم کی قیمت کا کپڑا دو درہم کو فروخت کیا اور سود وہ ہوتا ہے جس میں نفع بلاعوض ہو جیسے ایک درہم خرید لیوے اول صورت میں چونکہ کپڑا اور درہم دو جدا جدا قسم کی چیزیں ہیں اور نفع اور غرض ہر ایک کی دوسرے سے علیحدہ ہے اس لئے ان میں فی نفسہٖ موازنہ اور مساوات غیر ممکن ہے بضرورت خرید و فروخت موازنہ کرنے کی کوئی صورت اپنی اپنی ضرورت اور حاجت کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی اور ضرورت اور رغبت ہر ایک کی از حد مختلف ہوتی ہے کسی کو ایک درہم کی اتنی حاجت ہوتی ہے کہ دس روپیہ کی قیمت کے کپڑے کی بھی اس قدر نہیں ہوتی اور کسی کو ایک کپڑے کی جو کہ بازار میں ایک درہم کا شمار ہوتا ہے اتنی حاجت ہو سکتی ہے کہ دس درہم کی بھی اتنی احتیاج اور رغبت نہیں ہوتی تو اب ایک کپڑے کو ایک درہم میں کوئی خریدے گا تو اس میں سود یعنی نفع خالی عن العوض نہیں اور اگر بالفرض اسی کپڑے کو ایک ہزار درہم کو خریدے گا تو سود نہیں ہو سکتا کیونکہ فی حد ذاتہٖ تو ان میں موازنہ اور مساوات ہو ہی نہیں سکتی اس کے لئے اگر پیمانہ ہے تو اپنی اپنی رغبت اور ضرورت اور اس میں اتنا تفاوت ہے کہ خدا کی پناہ تو سود متعین ہو تو کیونکر ہو اور ایک درہم کو دو درہم کے عوض فروخت کریگا تو یہاں فی نفسہٖ مساوات ہو سکتی ہے جس کے باعث ایک درہم ایک درہم کے مقابلہ میں معین ہوگا اور دوسرا درہم خالی عن العوض ہو کر سود ہوگا اور شرعاً یہ معاملہ حرام ہوگا۔

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى
پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آ گیا
فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ
تو اسکے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اسکا اللہ کے حوالہ ہے
عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا
اور جو کوئی پھر سود لیوے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے اور اُس

خٰلِدُوْنَ ۝
میں ہمیشہ رہیں گے

حرمت کے حکم کے بعد سود کھانے والا دوزخ میں جائے گا:

یعنی سود کی حرمت سے پہلے جو تم نے سود لیا دنیا میں اس کو مالک کی طرف سے واپس کرنے کا حکم نہیں دیا جاتا یعنی تم کو اس سے مطالبہ کا حق نہیں اور آخرت میں حق تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے اپنی رحمت سے اس کو بخش دے لیکن حرمت کے بعد بھی اگر کوئی باز نہ آیا بلکہ برابر سود لئے گیا تو وہ دوزخی ہے اور خدا تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی عقلی دلیلوں کو پیش کرنے کی سزا وہی سزا ہے جو فرمائی۔ (تفسیر عثمانیؒ)

سود خوروں کا عذاب:

شب معراج میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کچھ لوگوں کو دیکھا جن کے پیٹ مثل بڑے بڑے گھروں کے تھے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ بتلایا گیا سود خوار بیاج لینے والے ہیں۔ اور روایت میں ہے کہ ان کے پیٹوں میں سانپ بھرے ہوئے تھے جو باہر سے نظر آتے تھے۔

خطبہ حجۃ الوداع میں اعلان:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ والے دن فرمایا تھا جاہلیت کے تمام سود میرے ان دونوں قدموں تلے برباد ہیں۔ سب سے پہلا سود جسے میں میٹتا ہوں وہ عباسؓ کا سود ہے۔ پس جاہلیت میں جو سود لے چکے تھے ان کے لوٹانے کا حکم نہیں ہوا۔

کھٹکنے والی چیز چھوڑ دو:

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ حلال ظاہر ہے اور حرام بھی ظاہر ہے لیکن کچھ کام درمیانی شبہ والے ہیں ان شبہات سے بچنے والے نے اپنے دین اور اپنی عزت کو بچا لیا اور ان مشتبہ چیزوں میں پڑنے والا حرام میں پڑنے والا ہے جس طرح کوئی چرواہا جو کسی کی چراگاہ کے آس پاس اپنے جانور چراتا ہو ممکن ہے کہ کوئی جانور اس چراگاہ میں بھی منہ مار لے۔ سنن میں حدیث ہے کہ جو چیز تجھے شک میں ڈالے اسے چھوڑ اور اسے لے جو شک شبہ سے پاک ہو۔ دوسری حدیث میں ہے گناہ وہ ہے جو دل میں کھٹکے طبیعت میں تردد ہو اور اس پر لوگوں کا واقف ہو جانا برا لگتا ہے۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب سورۃ بقرہ کی آخری آیت حرمت سود میں نازل ہوئی تو حضرتؐ نے مسجد میں آ کر اس کی تلاوت کی

اور شراب کے کاروبار اور شراب کی تجارت کو حرام قرار دے دیا۔

حیلہ سازی کی سزا:

صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی اس لئے کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے حیلہ سازی کر کے چربی کو پگھلا کر بیچا اور اس کی قیمت کھائی۔

امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے مستقل کتاب "ابطال التحلیل" لکھی ہے۔

سودی لین دین کے تمام متعلقین پر لعنت ہے:

حدیث شریف میں ہے کہ سود کھانے والے پر کھلانے والے پر شہادت دینے والوں پر گواہ بننے والوں پر لکھنے والے پر سب پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے تو ظاہر ہے کاتب وشاہد کو کیا ضرورت پڑی جو خواہ مخواہ لعنت اللہ اپنے اوپر لے۔

مہنگائی کے خیال سے غلہ روکنا:

جو شخص مسلمانوں میں مہنگا بیچنے کے خیال سے غلہ روک رکھے اسے خدا تعالیٰ مفلس کر دے گا۔

صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی پاک کمائی میں سے ایک کھجور بھی خیرات کرے اسے اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ میں لیتا ہے پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے جس طرح تم لوگ اپنے بچھیروں کو پالتے ہو اور اسکا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ احد کے پہاڑ کے برابر ثواب ایک کھجور کا ملتا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر اردو)

شب معراج میں دوزخیوں کو دیکھنا:

حضرت ابوسعید خدری راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شب معراج کے قصہ میں فرمایا پھر جبرئیلؑ مجھے لے کر بہت سارے آدمیوں کے پاس پہنچے ان میں سے ہر ایک کا پیٹ بڑی کوٹھڑی کی طرح تھا یہ لوگ فرعون کے ساتھیوں کی گذرگاہ میں بالکل سامنے تھے فرعونیوں کی پیشی صبح شام دوزخ پر ہوتی ہے۔ فرعونی لوگ بھڑکائے ہوئے ان اونٹوں کی طرح جو اندھا دھند پتھروں اور چھوٹے موٹے درختوں کو روندتے چلے جاتے ہیں نہ سنتے ہیں نہ سمجھتے ہیں سامنے سے دوڑے آرہے تھے جب ان پٹیل لوگوں کو ان کی آہٹ محسوس ہوئی تو وہ کھڑے ہونے لگے تاکہ راستہ سے ہٹ جائیں لیکن ان کے پیٹ ان کو لے کر جھکے آخر وہ پچھڑ گئے پھر ایک شخص اٹھنے لگا لیکن اسکا پیٹ اس کو لے جھکا اور وہ پچھڑ گیا غرض وہ ہٹ نہ سکے اور فرعونی ان پر آپہنچے اور آتے جاتے ان کو روندتے رہے ان پر یہ عذاب برزخ میں دنیا وآخرت کے درمیان ہو رہا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرعونی کہہ رہے تھے الٰہی کبھی قیامت برپا نہ کرنا کیونکہ قیامت کے روز اللہ فرمائے گا کہ فرعونیوں کو سخت ترین عذاب میں داخل کرو۔ میں نے پوچھا جبرئیلؑ یہ کون لوگ ہیں۔ جبرئیلؑ نے کہا "یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے یہ نہیں اٹھیں گے مگر اس طرح جیسا کہ جن زدہ آدمی جن کے جھپٹنے کی وجہ سے اٹھتا ہے۔ (رواہ البغوی)

ایک درہم سود کھانا:

حضرت عبداللہ بن حنظلہ غسیل الملائکہ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی جو سود کا ایک درہم دانستہ کھاتا ہے اس کا جرم چھتیس بار زنا سے زیادہ سخت ہے۔ رواہ احمد والدارقطنی (تفسیر مظہری) (معارف القرآن جلد اول)

مشکلات کا حل:

مشکلات کا حل بلکہ دنیا میں اقتصادی امن واطمینان سود کے چھوڑنے پر موقوف ہے، اور یہ کہ دنیا کی اقتصادی مصائب کا سب سے بڑا سبب سود وربا ہے۔ جیسے کہ ربا اور سٹہ کے بازاروں میں اس کا ہمیشہ مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، کہ بڑے بڑے کروڑ پتی اور سرمایہ دار دیکھتے دیکھتے دیوالیہ اور فقیر بن جاتے ہیں، بے سودی تجارتوں میں بھی نفع ونقصان کے احتمالات رہتے ہیں، اور بہت سے صدقہ میں تو بغیر کسی معاوضہ کے اپنا مال دوسروں کو دیا جاتا ہے، اور سود میں بغیر کسی معاوضہ کے دوسرے کا مال لیا جاتا ہے، ان دونوں کاموں کے کرنے والوں کی نیت اور غرض اس لئے متضاد ہے کہ صدقہ کرنے والا محض اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی اور ثواب آخرت کے لئے اپنے مال کو کم یا ختم کر دینے کا فیصلہ کرتا ہے، اور سود لینے والا اپنے موجودہ مال پر ناجائز زیادتی کا خواہشمند ہے۔

مال کی ہوس کرنیوالے کا مقصد پورا نہیں ہوتا، اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے والا جو اپنے مال کی کمی پر راضی تھا، اس کے مال میں برکت ہو کر اس کا مال یا اس کے ثمرات وفوائد بڑھ جاتے ہیں،

ایک نیند کی راحت کو دیکھ لیجئے کہ اس کو حاصل کرنے کے لئے تو کر سکتے ہیں کہ سونے کے لئے مکان کو بہتر سے بہتر بنائیں، ہوا اور روشنی کا پورا اعتدال ہو، مکان کا فرنیچر دیدہ زیب دل خوش کن ہو، چارپائی اور گدے اور تکئے حسب منشا ہوں، لیکن کیا نیند کا آجانا ان سامانوں کے مہیا ہونے پر لازمی ہے؟ اگر آپ کو کبھی اتفاق نہ ہوا ہو تو ہزاروں وہ انسان اسکا

جواب نفی میں دیں گے جن کو کسی عارضہ سے نیند نہیں آتی، اب امریکہ جیسے مال دار متمدن ملک کے متعلق بعض رپورٹوں سے معلوم ہوا کہ وہاں پچھتر فی صد آدمی خواب آور گولیوں کے بغیر سو ہی نہیں سکتے، اور بعض اوقات خواب آور دوائیں بھی جواب دیدیتی ہیں، نیند کے سامان تو آپ بازار سے خرید لائے مگر نیند آپ کسی بازار سے کسی قیمت پر نہیں لاسکتے۔

جب حجۃ الوداع کے خطبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قانون کا اعلان کیا تو اس کا اظہار فرمایا کہ یہ قانون کسی خاص شخص یا قوم یا مسلمانوں کے مالی مفاد کے پیش نظر نہیں، بلکہ پوری انسانیت کی تعمیر اور اصلاح و فلاح کے لئے جاری کیا گیا ہے، اسی لئے ہم سب سے پہلے مسلمانوں کی بہت بڑی رقم سود جو غیر مسلموں کے ذمہ تھی اس کو چھوڑتے ہیں تو اب ان کو بھی اپنے بقایا سود کی رقم چھوڑنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہئے۔

سود کھانے والے کا حکم:

اگر مسلمان ہو جانے کے باوجود سود کو حرام ہی نہ سمجھے، اس لئے سود چھوڑنے کے لئے توبہ نہیں کرتا تب تو یہ شخص اسلام سے خارج اور مرتد ہو گیا، جس کا حکم یہ ہے کہ مرتد کا مال اس کی ملک سے نکل جاتا ہے، پھر جو زمانہ اسلام کی کمائی ہے وہ اس کے مسلمان وارثوں کو مل جاتی ہے، اور جو کفر کے بعد کی کمائی ہے تو وہ بیت المال میں جمع کر دی جاتی ہے، اس لئے سود سے توبہ نہ کرنا اگر حلال سمجھنے کی بنا پر ہو تو اس کو اصل راس المال بھی نہ ملے گا، اور اگر حلال تو نہیں سمجھتا مگر عملاً باز نہیں آتا اور اس کے ساتھ جتھ بنا کر حکومت اسلامیہ کا مقابلہ کرتا ہے تو وہ باغی ہے، اس کا بھی سب مال ضبط کر کے بیت المال میں امانت رکھا جاتا ہے، کہ جب یہ توبہ کر لے تب اس کا مال اس کو واپس دیدیا جائے، شاید اس قسم کی جزئیات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے بصورت شرط فرمایا گیا، (وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ) یعنی اگر تم توبہ نہ کرو گے تو تمہارے راس المال بھی ضبط ہو جائیں گے۔

قرض دار کو مہلت دینا:

اسی مضمون کی حدیث صحیح مسلم میں بھی ہے، اور مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص کسی مفلس مدیون کو مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اتنی رقم کے صدقہ کا ثواب ملے گا، جتنی اس مدیون کے ذمہ واجب ہے، اور یہ حساب میعاد قرض پورا ہونے سے پہلے مہلت دینے کا ہے اور جب میعاد قرض پوری ہو جائے اور وہ شخص ادا کرنے پر قادر نہ ہو اس وقت اگر کوئی مہلت دے گا تو اس کو ہر روز اس کی دوگنی رقم صدقہ کرنے کا ثواب ملے گا،

ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص یہ چاہے کہ اس کی دعا قبول ہو یا اس کی مصیبت دور ہو تو اس کو چاہئے کہ تنگدست مدیون کو مہلت دیدے۔

صحابہ کرامؓ کی اطاعت شعاری:

جس طرح شراب کی حرمت نازل ہوتے ہی صحابہ کرام نے اس پر عمل کیا اسی طرح سود کی حرمت نازل ہوتے ہی سود کے سب معاملات ترک کر دیئے، پچھلے زمانہ کے معاملات میں مسلمانوں کو جو رباغیر مسلموں کے ذمہ واجب الاداء تھا وہ بھی مسلمانوں نے چھوڑ دیا جو غیر مسلموں کا مسلمانوں کے ذمہ واجب الاداء تھا اور مسلمان نزول ممانعت کے بعد اسکو دینا نہیں چاہتے تھے اس کا جھگڑا امیر مکہ کی عدالت میں پیش ہوا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا، تو اس کا فیصلہ سورۂ بقرہ کی آیات میں آسمان سے نازل ہوا کہ پچھلے زمانہ کے بقایا ربا کا لین دین بھی اب جائز نہیں،

بیع و شراء کی چند ممنوع صورتیں:

البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رباء کے مفہوم میں بیع و شراء کی چند صورتوں کو بھی داخل فرمایا ہے جن کو عرب رباء نہ سمجھتے تھے مثلاً چھ چیزوں کی بیع و شراء میں یہ حکم دیا کہ اگر ان کا تبادلہ کیا جائے تو برابر سرابر ہونا چاہئے، اور نقد دست بدست ہونا چاہئے، اس میں کمی بیشی کی گئی یا ادھار کیا گیا تو وہ بھی ربا ہے، یہ چھ چیزیں سونا، چاندی، گیہوں، جو، کھجور اور انگور ہیں۔

حاشیہ: مزابنہ یہ ہے کہ درخت پر لگے ہوئے پھل کو ٹوٹے ہوئے پھلوں کے بدلے میں اندازہ سے فروخت کیا جائے اور محاقلہ یہ کہ کھڑے کھیت کے غلہ گندم، چنا وغیرہ کو خشک صاف کئے ہوئے غلہ گندم یا چنے سے اندازہ لگا کر فروخت کیا جائے اندازہ میں چونکہ کمی بیشی کا امکان رہتا ہے، اسلئے اس کو منع کیا گیا۔

اور حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں فرمایا ہے کہ ربا ایک حقیقی ہے اور ایک وہ جو بحکم رباء ہے حقیقی ربا قرض ادھار پر زیادتی لینے کا نام ہے اور بحکم ربا وہ ہے جسکا بیان حدیث میں آیا ہے کہ بعض خاص چیزوں کی بیع میں زیادتی لینے کو ربا کہا گیا ہے۔

سرمایہ کو منجمد حالت میں نہ رکھو:

زکوٰۃ کا فریضہ سرمایہ ٹیکس کی صورت میں عائد کر کے ہر مال دار کو اس پر مجبور کر دیا ہے کہ وہ اپنے سرمایہ کو منجمد حالت میں نہ رکھے، بلکہ تجارت اور کاروبار میں لگائے کیونکہ زکوٰۃ سرمایہ ٹیکس کی صورت میں ہونے کی بنا پر اگر کوئی شخص اپنا روپیہ یا سونا چاندی دفینہ کر کے رکھتا ہے تو ہر سال اسکا

چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں نکلتے نکلتے سرمایہ فنا ہو جائے گا، اسلئے ہر سمجھدار انسان اس پر مجبور ہوگا کہ سرمایہ کو کام میں لگا کر اس سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے اور اسی نفع میں سے زکوٰۃ ادا کرے۔

اسلامی بیت المال:

اسلامی حکومت عادلہ بن جائے اور اس کے تحت شرعی بیت المال قائم ہو جائے اور تمام مسلمانوں کے اموال ظاہرہ کی زکوٰۃ اس میں جمع ہوا کرے تو اس بیت المال سے ہر ایک ضرورت مند کی ضرورت پوری کی جاسکتی ہے، اور کسی بڑی رقم کی ضرورت پڑ جائے تو بطور قرض بھی بغیر سود کے دیا جاسکتا، اور اس طرح بیکار پھرنے والوں کو چھوٹی دکانیں کرا کر یا کسی صنعت میں لگا کر بھی کام میں لگایا جاسکتا ہے، کسی یورپین ماہر نے صحیح کہا کہ مسلمانوں کا نظام زکوٰۃ ایسی چیز ہے کہ اگر مسلمان اس کے پابند ہو جائیں تو اس قوم میں کوئی مفلس اور مصیبت زدہ نظر نہ آئے۔

دو مقصد:

اس وقت ہمارے اس بیان کے دو مقصد ہیں، اول یہ کہ مسلمانوں کی جماعتیں اور حکومتیں جو اس کام کو صحیح طور پر کرسکتی ہیں، اس طرف متوجہ ہوں اور مسلمانوں کو پوری دنیا کو سود کے منحوس اثرات سے نجات دلائیں،

دوسرے یہ کہ کم از کم علم سب کا صحیح ہو جائے، مرض کو مرض تو سمجھنے لگیں، حرام کو حلال سمجھنے کا دوسرا گناہ جو پہلے گناہ سے زیادہ عظیم ہے کم از کم اس کے تو مرتکب نہ ہوں عملی گناہ میں تو کچھ نہ کچھ ظاہری فائدہ بھی ہے، لیکن یہ دوسرا علمی اور عقیدہ کا گناہ کہ اس کو حلال ثابت کرنے کی کوشش کی جائے، پہلے سے عظیم تر بھی ہے اور لغو و فضول بھی کیونکہ سود کو حرام سمجھنے اور اپنے گناہ کا اعتراف کرنے میں تو کوئی مالی نقصان بھی نہیں ہوتا، کوئی تجارت بھی بند نہیں ہوتی، ہاں اعتراف جرم کا نتیجہ یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی وقت توبہ کی توفیق ہو جانے سے اس سے بچنے کی تدبیر سوچیں۔

سود کا گناہ:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آدمی جو سود کا ایک درہم کھاتا ہے وہ چھتیس مرتبہ بدکاری کرنے سے زیادہ سخت گناہ ہے، اور بعض روایات میں ہے کہ جو گوشت مال حرام سے بنا ہو اس کے لئے آگ ہی زیادہ مستحق ہے، اسی کے ساتھ بعض روایات میں ہے کہ کسی مسلمان کی آبرو ریزی سود سے بھی زیادہ سخت گناہ ہے۔ (یہ روایت مسند احمد، طبرانی میں ہے)

اور ایک حدیث میں ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات سے منع فرمایا کہ پھل کو قابل استعمال ہونے سے پہلے فروخت کیا جائے، اور فرمایا کہ جب کسی بستی میں بدکاری اور سود کا کاروبار پھیل جائے تو اس نے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو اپنے اوپر دعوت دیدی (یہ روایت مستدرک حاکم میں ہے)

اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب کسی قوم میں لین دین سود کا رواج ہو جائے تو اللہ تعالیٰ ان پر ضروریات کی گرانی مسلط کر دیتا ہے، اور جب کسی قوم میں رشوت عام ہو جائے تو دشمنوں کا رعب و غلبہ ان پر ہو جاتا ہے (یہ روایت مسند احمد میں ہے)

معاف نہ ہونے والے گناہ:

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عوف بن مالکؓ سے فرمایا کہ ان گناہوں سے بچو جو معاف نہیں کئے جاتے، ان میں سے ایک مال غنیمت کی چوری ہے اور دوسرے سود کھانا۔ (طبرانی)

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص کو تم نے قرض دیا ہو اس کا ہدیہ بھی قبول نہ کرو ایسا نہ ہو اس نے یہ ہدیہ قرض کے عوض میں دیا ہو جو سود ہے، اس لئے اس کے ہدیہ قبول کرنے سے بھی احتیاط چاہئے۔ (معارف القرآن جلد اول ص ۶۸۰)

ایک کھجور کا ثواب:

صحیح بخاری شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص اپنی پاک کمائی سے ایک کھجور بھی خیرات کرے۔ اسے اللہ تعالیٰ اپنے داہنے ہاتھ میں لے لیتا ہے پھر اسے پال کر بڑا کرتا ہے جس طرح تم لوگ اپنے بچھیروں کو پالتے ہو اس کا ثواب پہاڑ کے برابر بنا دیتا ہے اور پاک چیز کے سوا وہ ناپاک چیز کو قبول نہیں فرماتا۔

سود کا انجام قلت ہے:

ایک اور حدیث میں جس کو مسند احمد اور ابن ماجہ میں روایت کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ سود اگرچہ کتنا ہی زیادہ ہو جائے مگر انجام کار نتیجہ اس کا قلت ہے۔

ایک نیکی کے بدلہ بخشش:

ایک حدیث میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ قیامت کے دن ایک بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے لایا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ اس سے سوال کریں گے کہ بتلا میرے لئے تو نے کیا نیکی کی ہے؟ وہ کہے گا خدایا ایک ذرہ کے برابر بھی کوئی نیکی ایسی مجھ سے نہیں ہوئی جو آج میں اس کی جزا طلب کر سکوں اللہ تعالیٰ اس سے پھر پوچھیں گے وہ پھر یہی جواب دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ پوچھیں گے تو پھر یہ کہے گا کہ پروردگار ایک چھوٹی سی بات یاد پڑتی ہے۔

کہ تو نے اپنے فضل سے کچھ مال بھی مجھے دے رکھا تھا۔ میں تجارت پیشہ شخص تھا لوگ ادھار سدھار لے جاتے تھے۔ میں اگر دیکھتا کہ یہ غریب شخص ہے اور وعدہ پر قرض ادا نہ کر سکا تو میں اسے کچھ اور مدت کی مہلت دے دیتا۔ قرض داروں پر سختی نہ کرتا۔ زیادہ تنگی والا اگر کسی کو پاتا تو معاف بھی کر دیتا۔ اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تو پھر میں تجھ پر آسانی کیوں نہ کروں میں تو سب سے زیادہ آسانی کرنے والا ہوں۔ جا میں نے تجھے بخش دیا جنت میں داخل ہو جا۔

مہلک چیزیں:

صحیح بخاری و مسلم کی روایت ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سات مہلک چیزوں سے بچو۔ صحابہ کرام نے دریافت کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا ایک اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر اللہ کو شریک کرنا، دوسرے جادو کرنا، تیسرے کسی کو ناحق قتل کرنا، چوتھے سود کھانا، پانچویں یتیم کا مال کھانا، چھٹے جہاد کے وقت میدان سے بھاگنا۔ ساتویں کسی پاک دامن عورت پر تہمت باندھنا۔

چار آدمی:

ایک حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ چار آدمی ایسے ہیں کہ ان کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے اوپر لازم کر لیا ہے کہ ان کو جنت میں نہ داخل کرے۔ اور جنت کی نعمت نہ چکھنے دے۔ وہ چار یہ ہیں۔ ایک جو شراب پینے کا عادی ہو۔ دوسرے سود کھانے والا۔ تیسرے یتیم کا مال ناحق کھانے والا اور چوتھے اپنے والدین کی نافرمانی کرنے والا (مستدرک حاکم) یعنی بلا سزا بھگتے سیدھا جنت میں داخل نہ ہوگا۔

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ
مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو

صدقہ بڑھتا ہے سود گھٹتا ہے:

اللہ سود کے مال کو مٹاتا ہے یعنی اس میں برکت نہیں ہوتی بلکہ اصل مال بھی ضائع ہو جاتا ہے چنانچہ حدیث میں ارشاد ہے کہ سود کا مال کتنا ہی بڑھ جائے انجام اس کا افلاس ہے۔ اور خیرات کے مال کو بڑھانے سے یہ مطلب ہے کہ اس مال میں زیادتی ہوتی ہے اور اللہ برکت دیتا ہے اور اس کا ثواب بڑھایا جاتا ہے چنانچہ احادیث میں وارد ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ۝
اور اللہ خوش نہیں کسی ناشکر گناہگار سے

سود خور ناشکرا ہے:

مطلب یہ کہ سود لینے والے نے مالدار ہو کر اتنا بھی نہ کیا کہ محتاج کو قرض ہی بلا سود دے دیتا چاہئے تو یہ تھا کہ بطریق خیرات حاجت مند کو دیتا اور اس سے زیادہ اللہ کی نعمت کی ناشکری کیا ہوگی۔ (تفسیر عثمانی)

بیع میں اضافی شرائط:

اگر تقاضا بیع کے خلاف کچھ شرطیں بیع کے وقت لگا دی جائیں اور بائع یا مشتری کا ان شرطوں میں فائدہ ہو تو ایسی بیع فاسد ہے اور حکم رباء میں داخل ہے امام اعظم اور امام شافعیؒ کا یہی قول ہے لیکن ابن ابی لیلیٰ نخعیؒ اور حسنؒ کے نزدیک بیع ہو جائے شرط فاسد مانی جائے گی اس کو لغو قرار دیا جائے گا۔

حضرت جابرؓ کیساتھ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب معاملہ:

حضرت جابرؓ والی حدیث شیخین بخاری و مسلم نے اس تفصیل کے ساتھ بیان کی ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک جہاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب مجھے جانا ہوا میں تھا تو اونٹ پر مگر میرا اونٹ کچھ کمزور ہو گیا تھا اس لئے تیز نہ چل سکتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ تیرے اونٹ کو کیا ہو گیا۔ میں نے عرض کیا کچھ کمزور ہو گیا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹ کے پیچھے جا کر ڈانٹا اور اس کے لئے دعا فرمائی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ میرا اونٹ سب اونٹوں سے آگے چلنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب تمہارے اونٹ کا کیا حال ہے میں نے عرض کیا بہت بہتر ہے آپ کی برکت کا اثر ہے فرمایا کیا ایک اوقیہ قیمت پر تم میرے ہاتھ اس کو بیچتے ہو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ اس شرط پر بیچ ڈالا کہ مدینے تک مجھے اس پر سوار ہو کر پہنچنے کا حق رہے گا چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ پہنچ گئے تو میں اونٹ پر سوار خدمت گرامی میں پہنچا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے قیمت عطا فرما دی اور اونٹ بھی مجھے واپس کر دیا۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے ہاتھ اس کو ایک اوقیہ میں فروخت کر دو میں نے فروخت کر دیا لیکن گھر تک اس پر سوار ہو کر پہنچنے کی شرط لگا لی۔ بخاری و مسلم۔ بخاری کی روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ سے فرمایا اس کو اس کا قرضہ چکا دو اور زیادہ بھی دیدو چنانچہ حضرتؓ نے ایک قیراط زیادہ دے دیا۔ ابن جوزیؒ نے اسی حدیث سے بیع مع شرط کے جواز پر استدلال کیا ہے ابن جوزی کی ایک دلیل وہ

حدیث بھی ہے جو حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان اپنی شرطوں کے پابند ہیں جبکہ وہ حق کے مطابق ہوں۔

ممنوع بیع:

حضرت ابو سعید خدریؓ سے دوسرے سلسلہ اسناد کے ساتھ مروی ہے کہ سونے کو سونے کے عوض نہ بیچو۔ مگر برابر برابر ایک کو دوسرے سے نہ بڑھاؤ اور چاندی کو چاندی کے عوض نہ بیچو۔ مگر برابر ایک کو دوسرے سے نہ بڑھاؤ اور غائب کو نقد (حاضر) کے عوض نہ فروخت کرو۔ رواہ البخاری و مسلم

ثمن کی موجودگی ضروری نہیں:

حضرت ابن عمرؓ والی حدیث دار قطنی نے نقل کی ہے۔ ثمن کا مشتری کے پاس موجود ہونا ضروری نہیں ہے نہ سامنے حاضر اور معین ہونا بلکہ مشتری کے ذمہ پر اس کی ادائیگی ضروری ہے کیونکہ بعینہ اس کی شخصیت اور ذات مقصود نہیں قیاس کا تو تقاضا تھا کہ اگر مشتری کے پاس ثمن نہ ہو تو بیع جائز نہ ہو کیونکہ جو چیز موجود نہیں وہ مشتری کا مال ہی نہیں ہے۔ اور تبادلہ کے لئے دونوں طرف مال ہونا چاہئے۔

لیکن اہل معاملہ کی دشواری کو دور کرنے کے لئے ثمن میں شارع علیہ السلام نے موجود ہونے کی شرط نہیں لگائی بلکہ مشتری کے ادائیگی کا وجوب کافی قرار دیا لیکن اگر قیمت فوری ادا نہ کی جائے تو چار چیزوں کو بیان کرنا لازم ہے۔ مدت ادا کی تعیین۔ جنس ثمن۔ مقدار ثمن۔ صفات ثمن تاکہ آئندہ جھگڑا پیدا نہ ہو۔ آئندہ نزاع کا اندیشہ جواز بیع کو روک دیتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی یہودی سے کچھ غلہ خریدا اور اس کے پاس اپنی فولادی زرہ رہن رکھ دی اور قیمت ادا کرنے کی مدت مقرر کر دی۔ متفق علیہ

حضرت عائشہؓ کی دوسری روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آپ کی زرہ ایک یہودی کے پاس تیس صاع جو کے عوض رہن رکھی ہوئی تھی۔ رواہ البخاری۔

اس حدیث کو امام احمد اور ترمذی نے بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت سے لکھا ہے اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے یہ فیصلہ باتفاق علماء ہے کہ مبیع کی تعیین ضروری ہے اور ثمن کی تعیین سامنے موجود ہونا یا قبضہ مشتری میں ہونا ضروری نہیں البتہ امور اربعہ مذکور کا معلوم ہونا لازم ہے۔

دوسری بیع عین بعین یعنی ایک جنس کا دوسری جنس سے تبادلہ ہے اس بیع میں دونوں جانب مبیع ہوتا ہے۔

بیع کی حقیقت مبادلہ مالی ہے اور مال دو طرح کا ہوتا ہے۔

۱۔ وہ مال جو بعینہ مقصود ہوتا ہے یعنی اس کی شخصیت اور ذات مطلوب ہوتی ہے۔ اس کو عین کہتے ہیں۔

۲۔ وہ مال جو بعینہ مقصود نہیں ہوتا وہ ہو یا اس کی مثل دوسرا ہو ایسا مال کسی دوسری چیز کے حصول کا ذریعہ ہوتا ہے۔ اور فطری طور پر وہ دوسری ضرورت زندگی کی چیزیں حاصل کرنے کے کام میں آتا ہے۔ یہ ثمن یعنی قیمت کہلاتا ہے ثمن بننے کے لئے فطرۃ سونا چاندی معین ہے۔

مبیع کی موجودگی ضروری ہے:

حضرت حکیمؓ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض لوگ میرے پاس ایسا سامان خریدنے آتے ہیں جو میرے پاس اس وقت نہیں ہوتا میں فروخت کر دیتا ہوں پھر بازار جا کر خرید کر لا کر دیدیتا ہوں۔ سرکار عالی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو چیز تمہارے پاس نہ ہو اس کو فروخت نہ کیا کرو۔ بروایت یوسف بن ماہک از حکیم یہ حدیث امام احمد اور اصحاب السنن نے نقل کی ہے۔

شرائط جائز و نافذہ میں سے ایک صورت یہ بھی ہے کہ بیع کے وقت بائع مشتری سے ادا قیمت کا کوئی کفیل طلب کرے یا کچھ مال بطور رہن اپنے پاس رکھنے کی شرط کرے۔ یہ بھی تقاضائے عقد کے خلاف نہیں بلکہ موکد ہے اس لئے جائز ہے۔

جو شرط بیع کو باطل کر دیتی ہے

جیسے گیہوں اس شرط پر فروخت کرنا کہ بائع ہی پیس کر دے گا یا اپنے گھر ایک دن یا ایک ماہ یا ایک سال رکھے گا یا کوئی کپڑا اس شرط پر فروخت کرنا کہ بائع ہی اسکو سی کر دے گا یا کوئی اونٹ اس شرط پر بیچنا کہ بائع اس پر سوار ہو کر مقررہ مسافت تک جائے گا یا مشتری خریدنے کے بعد مبیع کو کسی مقرر شخص کے ہاتھ فروخت کر دے گا ایسی شرائط سے عقد فاسد ہو جاتا ہے اس میں زیادتی بلا معاوضہ ہے۔ جو ربوا یعنی سود ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیشی کو حرام قرار دیا اور برابر برابر لین دین کو واجب کیا اور مساوات کی شناخت صرف پیمانہ کی ناپ یا تول سے ہوتی ہے اس لئے مناسب یہ ہے کہ کیل اور وزن کو ہی علت قرار دیا جائے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اسی کا اعتبار کیا ہے اور فرمایا ہے جو موزون ہو اس کو برابر برابر بدلو جب کہ وہ ایک نوع کی ہو اور جو کیل ہو اس کا بھی اسی طرح تبادلہ کرو اور جب نوعیں الگ الگ ہوں تو کمی بیشی میں کوئی حرج نہیں۔ حضرت

عبادہؓ اور حضرت انس رضی اللہ عنہما کی روایت سے یہ حدیث دار قطنی نے بیان کی ہے حضرت ابوسعید اور حضرت ابو ہریرہ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سواد بن عربہ کو خیبر کا امیر بنا کر بھیجا۔ سوادؓ نے وہاں کے عمدہ چھوارے خدمت مبارک میں پیش کئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا خیبر کے سب چھوارے ایسے ہوتے ہیں سوادؓ نے عرض کیا جی نہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم گڈے کے مخلوط کے دو صاع دیکر ایک صاع اور تین صاع دیکر دو صاع خرید لیتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہ کیا کرو بلکہ اس کو قیمت سے بیچ دیا کرو پھر اس قیمت سے یہ خرید لیا کرو۔ یہی حکم ترازو کا یعنی ان چیزوں کا ہے جو تولی جاتی ہیں۔ رواہ دار قطنی

(وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ) اور بڑھاتا ہے خیرات کو یعنی جس مال میں سے خیرات نکالی جاتی ہے اس میں برکت عطا فرماتا ہے اور ثواب چند گنا کر دیتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت اوپر گذر چکی ہے کہ اللہ خیرات کو قبول فرماتا ہے اور اس کو اس طرح بڑھاتا رہتا ہے جس طرح تم اپنے بچھیرے کی پرورش کرتے ہو۔ متفق علیہ۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدقہ مال میں کمی نہیں کرتا اور معاف کر دینے سے اللہ عزت ہی بڑھاتا ہے اور اللہ کے لئے جو شخص تواضع اختیار کرتا ہے اللہ اس کو اونچا کرتا ہے۔ رواہ مسلم والترمذی

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰؓ کا بیان ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اور حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے زمانہ میں گیہوں جو چھوارے اور کشمش کی بیع بطور سلم کرتے تھے۔ (رواہ البخاری)

غنچوں سے قبل بیع سلم:

امام ابوحنیفہ کے قول کی بنا اس حدیث پر ہے جو ابوداؤد اور ابن ماجہ نے ابن اسحاق کے حوالے سے نقل کی ہے کہ ایک نجرانی یمنی شخص نے بیان کیا میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ کیا میں چھواروں کی بیع سلم اس وقت کر سکتا ہوں جب کہ درختوں پر ان کے غنچے بھی برآمد نہ ہوئے ہوں فرمایا نہیں میں نے کہا کیوں؟ فرمایا اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک شخص نے اس طرح کی بیع سلم کی تھی مگر اس سال ان درختوں پر غنچے برآمد ہی نہیں ہوئے مشتری کہنے لگا میں اس وقت تک مہلت دیتا ہوں کہ آئندہ سال یا تیسرے سال درختوں میں شگوفے برآمد ہو جائیں اس وقت میں مبیع وصول کر لوں گا بائع نے کہا اسی سال کے لئے درختوں کا سودا ہوا تھا اس سال پھل نہ آئے تمہارا حق ختم ہوا۔ دونوں جھگڑا لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے آپ نے بائع سے فرمایا کیا اس نے تیرے درختوں سے کچھ حاصل کیا ہے اس نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا۔ تو پھر تو کیسے اس کے مال کو حلال سمجھتا ہے جو کچھ اس سے لیا ہے واپس دیدے جب تک درختوں پر صلاح قابل استعمال پھل برآمد نہ ہو جائے اس وقت تک ان کی بیع سلم نہ کیا کرو۔ (تفسیر مظہری)

بیع کی چار قسمیں:

بیع کی چار قسمیں ہیں۔ ا۔ بیع الدین بالدین یعنی مبیع اور قیمت دونوں ادھار ہوں۔ یعنی ادھار کو ادھار کے بدلہ میں فروخت کرنا یہ بیع بالا جماع باطل ہے۔ ۲۔ بیع العین بالدین یعنی بیع نقد ہو اور قیمت ادھار ہو۔ یہ صورت بالاجماع جائز ہے۔ ۳۔ بیع الدین بالعین یعنی قیمت نقد ہو اور مبیع ادھار ہو۔ اسی کو بیع سلم کہتے ہیں۔

سود کی حرمت کی حکمت:

امام جعفر صادقؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سود کو اسلئے حرام فرمایا تاکہ قرض سے ایک دوسرے کی مدد کریں۔ عبداللہ بن مسعود راوی ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ کسی کو دو مرتبہ قرض دینا ایک مرتبہ صدقہ دینے کے برابر ہے۔ (تفسیر قرطبی)

سود کو حلال سمجھنے والا:

جو شخص سود کو حلال سمجھے وہ با جماع امت کافر اور مرتد ہے۔ اور اگر سود کو حلال تو نہیں سمجھتا مگر چھوڑتا بھی نہیں تو بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسے شخص کا قید کرنا واجب ہے۔ یہاں تک کہ توبہ کرے۔ اور اگر کوئی اس قسم کی جماعت اور جتھا ہے جن کا قید کرنا مشکل ہے تو بادشاہ اسلام کے ذمہ ایسی جماعت سے جہاد اور قتال واجب ہے۔ اور یہی حکم ہے ہر اس شخص کا جو فرائض کو چھوڑ دے۔ مثلاً نماز اور زکوٰۃ وغیرہ کو یا علی الاعلان گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوا اور اس پر اڑا رہے۔ تفصیل کے لئے ابوبکر رازی جصاص کی احکام القرآن کی مراجعت کریں یا تفسیر مظہری دیکھیں۔

حرام مال سے توبہ کا طریقہ:

حرام مال سے توبہ کا طریقہ یہ ہے کہ سود اور رشوت کا جو پیسہ اس کے پاس ہے وہ صاحب حق کو واپس کرے یا اس سے معاف کرائے۔ اور اگر اس شخص کو نہ تلاش کر سکے اور نہ کہیں اسکو پا سکے تو اس کی طرف سے خیرات کرے اور ایسے مصرف میں اس کو خرچ کرے کہ جس میں اسلام اور مسلمانوں کا نفع اور فائدہ ہو۔ اور اگر کسی کی کل آمدنی حرام کی ہو تو سب کا خیرات کرنا واجب اور فرض ہے۔ سوائے ستر عورت کے کپڑے کے کسی

شے کا اپنی ملک میں رکھنا جائز نہیں۔ جو کیا ہے اس کو بھگتنا پڑے گا۔ تفصیل کے لئے تفسیر قرطبی کی مراجعت کریں۔

حرام مال پر زکوٰۃ نہیں:

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ حرام مال پر زکوٰۃ نہیں۔ لہٰذا جس شخص کے پاس سود یا رشوت کا کروڑ روپیہ بھی جمع ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔ زکوٰۃ حلال مال پر واجب ہوتی ہے۔ جو مال سود یا رشوت یا خیانت یا چوری سے حاصل کیا جائے وہ دوسروں کا حق ہے اس پر زکوٰۃ کیسے واجب ہو؟

حرام مال کا صدقہ:

جو شخص حرام مال کا صدقہ کرے اور اللہ سے ثواب کی امید رکھے تو اندیشہ کفر کا ہے۔ بارگاہ خداوندی میں ناپاک اور گندی چیز پیش کرنا اور پھر اس کی رضا اور خوشنودی کی امید رکھنا کمال بے ادبی اور گستاخی ہے۔ (معارف مفتی اعظم)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے
وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ
اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوٰۃ
اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
ان کیلئے ہے ثواب ان کا اپنے رب کے پاس
وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٢٧٧﴾
اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے

ربطِ آیات:

اس آیت میں سود لینے والے کے مقابلہ میں اہل ایمان کے اوصاف اور ان کا انعام ذکر کردیا جو سود خور کے اوصاف وحالات اور اس کے حکم کے خلاف اور ضد ہیں جس سے سود خور کی پوری تہدید وتشنیع بھی ظاہر ہوگئی۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا
اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ
مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰٓوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٧٨﴾
باقی رہ گیا ہے سود اگر تم کو یقین ہے اللہ کے فرمانے کا

یعنی ممانعت سے پہلے جو سود لے چکے سو لے چکے لیکن ممانعت کے بعد جو چڑھا اس کو ہرگز نہ مانگو۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ
پھر اگر نہیں چھوڑتے تو تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے
وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ
اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے
اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿٢٧٩﴾
واسطے ہے اصل مال تمہارا نہ تم کسی پر ظلم کرو اور نہ کوئی تم پر

یعنی پہلے سود جو تم لے چکے ہو اس کو اگر تمہارے اصل مال میں محسوب کریں اور اس میں سے کاٹ لیویں تو تم پر ظلم ہے اور ممانعت کے بعد کا سود چڑھا ہوا اگر تم مانگو تو یہ تمہارا ظلم ہے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے پہلے سایہ الٰہی میں آنے والا:

حضرت ابوہریرہؓ نے کہا تھا میں شہادت دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے قیامت کے دن جس شخص پر سب سے پہلے اللہ کا سایہ ہوگا وہ شخص وہ ہوگا جس نے کسی تنگ دست کو ادائے قرض کی مہلت اس وقت تک دی ہو جب تک اس کو میسر آئے یا اپنا مطالبہ بالکل معاف کر دیا ہو اور کہہ دیا ہو کہ میں اپنے حق سے اللہ واسطے تجھے سبکدوش کرتا ہوں اور معافی کے بعد قرض کی تحریر جلا دی ہو۔ (رواہ الطبرانی)

شانِ نزول:

بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بحوالہ عکرمہ وعطاء بیان کیا ہے کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب اور حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے کچھ چھوارے بطور سلم خریدے تھے فصل ٹوٹنے کا زمانہ آیا تو چھوارے والے نے کہا اگر آپ لوگ اپنا پورا حق لے لینگے تو میرے بچوں کی ضرورت کے لئے کچھ نہیں بچے گا اس لئے مناسب ہے کہ آپ آدھا واجب الادا حق اس وقت لے لیجئے اور باقی کے لئے مدت مقرر کردیجئے میں آپ کو دوگنا کر کے دیدوں گا۔ دونوں حضرات اس تجویز پر راضی ہو گئے جب مدت مقررہ گذری اور وقت ادا آ گیا تو حسب وعدہ زیادتی کا مطالبہ کیا اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوئی تو آپ نے دونوں کو ممانعت فرما دی اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی دونوں بزرگوں نے حکم کی تعمیل کی اور اپنا اصل

مال لے لیا۔ سود چھوڑ دیا۔ (فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ)

صحابہؓ کا حکم پر عمل:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو بنی عمرو اور دوسرے سود خواروں نے کہا ہم اللہ سے توبہ کرتے ہیں ہم کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے لڑنے کی طاقت نہیں چنانچہ سب لوگ صرف اپنا اصل مال لینے پر راضی ہو گئے۔ یہ ابویعلی کی روایت کردہ حدیث کا تتمہ ہے۔

اہل حقیقت کا بیان:

اہل حقیقت نے بیان کیا ہے کہ اللہ کی طرف سے جنگ دوزخ ہے اور اللہ کے رسول کی طرف سے جنگ تلوار ہے۔ اسی بنیاد پر بیضاوی نے لکھا ہے یہ لفظ چاہتا ہے کہ باغی کی طرح سود خوار سے توبہ طلب کی جائے تاکہ وہ امر خداوندی کی طرف لوٹ آئے تو بہ نہ کرے تو اس سے جنگ کی جائے۔

میں کہتا ہوں ظاہر یہ ہے کہ سود خوار کے پاس اگر اپنی حفاظت کی طاقت نہو تو امام پر واجب ہے کہ اس کو قید کر دے اور جب تک توبہ نہ کرے قید رکھے اور اگر اس کے پاس حفاظتی طاقت ہو اور امام اس کو گرفتار نہ کر سکے تو وہ باغی قرار دیا جائے گا اور اس سے اس وقت تک جنگ کی جائے جب تک وہ توبہ نہ کر لے یہ ہی حکم ہر تارک فرض کا ہے نماز۔ زکوٰۃ وغیرہ کا تارک اور کبیرہ گناہ کا مرتکب، جبکہ علی الاعلان وہ گناہ پر جمار ہے۔ سب کا یہی حکم ہے۔ (تفسیر مظہری)

بیضاویؒ نے لکھا ہے اس آیت سے سمجھا جاتا ہے کہ اگر سود خوری کو حلال سمجھنے والے توبہ نہ کریں تو اصل مال بھی ان کا نہ رہے گا۔ کیونکہ حرام کو حلال قرار دینے پر اڑ جانے والا مرتد ہے اور اس کا مال مفت کی غنیمت ہے۔

جوازِ قرض کی تاویل:

علماء نے قرض کو جائز قرار دینے کے لئے ایک تاویل کی ہے۔

تاویل یہ ہے کہ شریعت کی نظر میں قرض عاریت کے حکم میں ہے گویا قرض لینے والا قرض دینے والی کی ایک چیز استعمال کے لئے لیتا ہے۔ جس کو عند الطلب واپس کرنا ضروری ہے لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں کہ ان کو اگر خرچ نہ کر دیا جائے تو صرف رکھنے یا کسی اور طریقہ سے استعمال کرنے سے کوئی فائدہ نہیں جیسے روپیہ پیسہ اور کھانے کی چیزیں ایسی چیزیں ہیں اگر خرچ کر دی جائیں تو بعینہ ان چیزوں کی واپسی ناممکن ہے پس شریعت نے اس ضرورت کے تحت اجازت دیدی کہ نفس شے خرچ ہو جانے کی صورت میں بالکل اسی طرح کوئی دوسری چیز واپس کر دی جائے جیسے اگر ایک روپیہ یا کچھ کھانا لیا ہے اور اس کو خرچ کر دیا ہے تو ایک روپیہ دوسرا اور ویسا ہی کھانا واپس کیا جائے۔ قرض کا عاریت کے حکم میں ہونا اس بات سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ عاریت دینے والے کی طرح قرض دینے والا بھی جب چاہے اپنا قرض واپس لے سکتا ہے خواہ قرض میعادی ہی دیا ہو جیسے عاریت دینے والا اپنی عاریت کا مطالبہ ہر وقت کر سکتا ہے۔ لہذا جن چیزوں کے مثل کی واپسی ممکن ہو اصل شے کی واپسی ممکن نہ ہو جیسے روپیہ پیسہ کھانا، پھل وغیرہ تو ان کو قرض دینا بھی جائز ہے اور جن کے مثل کی واپسی نہو بلکہ اصل شے کو واپس کرنا ضروری ہو اس کو قرض دینا بھی جائز نہیں جیسے باندی غلام کپڑا چوپایہ مکان وغیرہ کیونکہ اس صورت میں نفس شئے کو واپس کرنا لازم ہے ایسی چیزیں اگر کسی کو استعمال کے لئے دی جائیں تو اس کو قرض نہیں بلکہ عاریت کہا جائے گا یہی بنیاد ہے جس کی وجہ سے امام اعظمؒ نے جانور لباس اور باندی غلام کے بطور قرض دینے کو ناجائز کہا ہے اور علماء کا اجماع ہے کہ قربت جنسی کے لئے کسی کو اپنی باندی قرض دینا ناجائز ہے۔

روٹی وغیرہ کا قرض:

حضرت معاذ بن جبلؓ سے خمیر اور روٹی کو بطور قرض لینے دینے کا مسئلہ پوچھا گیا تو فرمایا سبحان اللہ یہ تو اچھے اخلاق ہیں کم لیلو زیادہ دیدو، زیادہ لے لو کم دیدو تم میں بہترین وہ شخص ہے جو ادا کرنے میں سب سے اچھا ہو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے یہ دونوں حدیثیں ابن جوزی نے نقل کی ہیں (تفسیر مظہری اردو جلد۲)

بنو عمرو اور بنو مغیرہ کا معاملہ:

اسلام کے بعد بنو عمرو نے بنو مغیرہ سے اپنا سود طلب کیا اور انہوں نے کہا کہ اب ہم اسے اسلام لانے کے بعد ادا نہ کریں گے آخر جھگڑا بڑھا۔ حضرت عتاب بن اسیدؓ جو مکہ شریف کے نائب تھے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ لکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لکھوا کر بھیجدی اور انہیں چڑھا ہوا سود لینا حرام قرار دیا چنانچہ وہ تائب ہوئے اور اپنا سود بالکل چھوڑ دیا۔

سخت وعید:

اس آیت میں زبردست وعید ہے ان لوگوں پر جو سود کی حرمت کا علم ہونے کے باوجود بھی اس پر جمے رہیں۔ حضرت ابن عباسؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں سود خوار سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ اپنے ہتھیار لے لے اور خدا تعالیٰ سے لڑنے کے لئے آمادہ ہو جا، آپ فرماتے ہیں امام وقت پر فرض ہے کہ سود خوار لوگ اگر سود نہ چھوڑیں تو ان سے توبہ کرائے اور اگر نہ کریں تو ان کی گردن مار دے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ

اور اگر ہے تنگ دست تو مہلت دینی چاہئے کشائش ہونے تک

وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

اور بخش دو تو بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو سمجھ ہو

یعنی جب سود کی ممانعت آ گئی اور اس کا لینا دینا موقوف ہو گیا تو اب تم مدیون مفلس سے تقاضا کرنے لگو یہ ہرگز نہ چاہئے بلکہ مفلس کو مہلت دو اور توفیق ہو تو بخش دو۔

بغویؒ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد بنی مغیرہ نے اپنی تنگ دستی کی شکایت کی اور فصل توڑنے تک مہلت کے خواستگار ہوئے مگر قرض خواہوں نے مہلت دینے سے انکار کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ)

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ

اور ڈرتے رہو اس دن سے کہ جس دن لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف

ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ

پھر پورا دیا جائیگا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا

لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾

اور ان پر ظلم نہ ہوگا

یعنی قیامت کو تمام اعمال کی جزا اور سزا ملے گی تو اب ہر کوئی اپنا فکر کر لے اچھے کام کرے یا برے سود لے یا خیرات کرے۔ (تفسیر عثمانی)

سب سے آخری آیت:

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت نزول کے اعتبار سے سب سے آخری آیت ہے اس کے بعد کوئی آیت نازل نہیں ہوئی اس کے اکتیس روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی اور بعض روایات میں صرف نو دن بعد وفات ہونا مذکور ہے۔ (معارف مفتی رحمہ اللہ)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ

اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا

اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ وَلْيَكْتُبْ

کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہئے کہ لکھ دے

بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ

تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور انکار نہ کرے لکھنے والا

اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ

اس سے کہ لکھ دیوے جیسا سکھایا اسکو اللہ نے سو اسکو چاہئے کہ لکھ دے

الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ

اور بتلاتا جاوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا

وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْــــًٔا ؕ

رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ

معاملہ قرض:

پہلے صدقہ خیرات کی فضیلت اور اس کے احکام بیان فرمائے اس کے بعد ربوا اور اس کی حرمت اور برائی مذکور ہوئی اب اس معاملہ کا ذکر ہے جس میں قرض ہو اور آئندہ کسی مدت کا وعدہ ہو اس کی نسبت یہ معلوم ہوا کہ ایسا معاملہ جائز ہے مگر چونکہ یہ معاملہ آئندہ مدت کے لئے ہوا ہے بھول چوک، خلاف نزاع کا احتمال ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس کا تعین اور اہتمام ایسا کیا جائے کہ آئندہ کوئی قضیہ اور خلاف نہ ہو۔ اس کی صورت یہی ہے کہ ایک کاغذ لکھو جس میں مدت کا تقرر ہو اور دونوں معاملہ والوں کا نام اور معاملہ کی تفصیل سب باتیں صاف صاف کھول کر لکھی جاویں کاتب کو چاہئے بلا انکار جس طرح شرع کا حکم ہے اس کے موافق انصاف میں کوتاہی نہ کرے اور چاہئے کہ مدیون اپنے ہاتھ سے لکھے یا کاتب کو اپنی زبان سے بتلائے اور دوسرے کے حق میں ذرا نقصان نہ ڈالے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا

پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے

اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ

یا ضعیف ہے یا آپ نہیں بتلا سکتا تو بتلاوے کارگذار

وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ

اس کا انصاف سے

مدیون عاقل نہ ہو تو وارث پر ذمہ داری ہے:

یعنی جو دیندار اور مدیون ہے وہ اگر بے عقل بھولا یا سست اور ضعیف ہے مثلاً بچہ ہے یا بہت بوڑھا ہے کہ معاملہ کے سمجھنے کی سمجھ ہی نہیں ہے یا معاملہ کو کاتب کو بتلا نہیں سکتا تو ایسی صورتوں میں مدیون کے مختار اور وارث اور کارگذار کو چاہئے کہ معاملہ کو انصاف سے بلاکم وکاست لکھوا دے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

دو اسرائیلیوں کا واقعہ:

مسند میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل کے ایک شخص نے دوسرے شخص سے ایک ہزار دینار ادھار مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ۔ جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ کہا ضمانت لاؤ۔ جواب دیا کہ خدا تعالیٰ کی ضمانت کافی ہے۔ کہا تو نے سچ کہا۔ ادائیگی کی معیاد مقرر ہوگئی اور اس نے اسے ایک ہزار دینار گن دیئے۔ اس نے تری کا سفر کیا اور اپنے کام سے فارغ ہوا، جب میعاد پوری ہونے کو آئی تو یہ سمندر کے قریب آیا کہ کوئی جہاز کشتی ملے تو اس میں بیٹھ کر جاؤں اور رقم ادا کر آؤں لیکن کوئی جہاز نہ ملا۔ جب دیکھا کہ وقت پر نہیں پہنچ سکتا تو اس نے ایک لکڑی لی اور بیچ میں سے کھوکھلی کر لی اور اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک پرچہ بھی رکھ دیا پھر منہ بند کر دیا اور خدا تعالیٰ سے دعا کی "اے پروردگار! تجھے خوب علم ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے اس نے مجھ سے ضمانت طلب کی میں نے تجھے ضامن دیا اور اس پر وہ خوش ہوگیا، گواہ مانگا میں نے گواہ بھی تجھی کو رکھا۔ وہ اس پر بھی خوش ہوگیا، اب جب کہ وقت مقررہ ختم ہونے کو آیا تو میں نے ہر چند کشتی تلاش کی کہ جاؤں اور اپنا قرض ادا کر آؤں لیکن کوئی کشتی نہیں ملی اب میں اس رقم کو تجھے سونپتا ہوں اور سمندر میں ڈال دیتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ یہ رقم اسے پہنچا دے۔" پھر اس لکڑی کو سمندر میں ڈال دیا اور خود چلا گیا لیکن پھر بھی کشتی کی تلاش میں رہا کہ مل جائے تو جاؤں۔ یہاں تو یہ ہوا وہاں جس شخص نے اسے قرض دیا جب اس نے دیکھا کہ وقت پورا ہوا اور آج اسے آ جانا چاہئے تو وہ بھی دریا کے کنارے آ کھڑا ہوا کہ وہ آئے گا اور میری رقم مجھے دے گا یا کسی کے ہاتھ بھجوائے گا، مگر جب شام ہونے کو آئی اور کوئی کشتی اس طرف سے نہیں آئی تو یہ واپس لوٹا۔ کنارے پر ایک لکڑی دیکھی تو یہ سمجھ کر کہ خالی تو جا ہی رہا ہوں آؤ اس لکڑی کو لے چلوں پھاڑ کر سکھا لوں گا جلانے کے کام آئے گی، گھر پہنچ کر جب اسے چیرتا ہے تو کھنا کھن بجتی ہوئی اشرفیاں نکلتی ہیں گنتا ہے تو پوری ایک ہزار ہیں، وہیں پرچہ پر نظر پڑتی ہے اسے بھی اٹھا کر پڑھ لیتا ہے۔ پھر ایک دن وہی شخص آتا ہے اور ایک ہزار پیش کر کے کہتا ہے کہ یہ آپ کی رقم، معاف کیجئے میں نے ہر چند کوشش کی کہ وعدہ خلافی نہ ہو لیکن کشتی کے نہ ملنے کی وجہ سے مجبور ہوگیا اور دیر لگ گئی آج کشتی ملی آپ کی رقم لے کر حاضر ہوا۔ اس نے پوچھا کہ کیا میری رقم آپ نے بھجوائی بھی ہے؟

اس نے کہا میں تو کہہ چکا کہ مجھے کشتی نہ ملی۔ اس نے کہا اپنی رقم واپس لے کر خوش ہو کر چلے جاؤ۔ آپ نے جو رقم لکڑی میں ڈال کر اسے توکل علی اللہ دریا میں ڈال دیا تھا اسے خدا تعالیٰ نے مجھ تک پہنچا دیا اور میں نے اپنی پوری رقم وصول کر لی۔ اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔

حدیث میں ہے کہ جو علم کو جان کر پھر اسے چھپائے قیامت کے دن اسے آگ کی لگام پہنائی جائے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عورتوں کو نصیحت:

صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عورتو! صدقہ اور بکثرت استغفار کرتی رہو میں نے دیکھا ہے کہ جہنم میں تم بہت زیادہ تعداد میں جاؤ گی۔ ایک عورت نے پوچھا حضور! یہ کیوں؟ آپؐ نے فرمایا تم لعنت زیادہ بھیجا کرتی ہو اور اپنے خاوند کی ناشکری کرتی ہو، میں نے نہیں دیکھا کہ باوجود عقل و دین کی کمی کے مردوں کی عقل مارنے والی تم سے زیادہ کوئی ہو۔ اس نے پھر پوچھا کہ حضور! ہم میں دین کی اور عقل کی کمی کیسے ہے؟ فرمایا عقل کی کمی تو اس سے ظاہر ہے دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کی گواہی کے برابر ہے اور دین کی کمی یہ ہے کہ ایام حیض میں نہ نماز ہے نہ روزہ۔

آیۃ الدّین:

یہ آیت قرآن کریم کی تمام آیتوں سے بڑی ہے۔ حضرت سعید بن مسیبؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ قرآن کی سب سے نئی آیت عرش کے ساتھ یہی آیت الدین ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام:

یہ آیت جب نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے پہلے انکار کرنے والے حضرت آدم علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت آدمؑ کو پیدا کیا ان کی پیٹھ پر ہاتھ پھیرا اور قیامت تک کی تمام ان کی اولاد نکالی۔ آپؑ نے اپنی اولاد کو دیکھا ایک شخص کو خوب تر و تازہ اور

نورانی دیکھ کر پوچھا کہ خدایا! ان کا کیا نام ہے؟ جناب باری تعالیٰ نے فرمایا یہ تمہارے لڑکے داؤد ہیں۔ پوچھا خدایا! ان کی عمر کیا ہے؟ فرمایا ساٹھ سال کہا خدایا اس کی عمر کچھ اور بڑھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہیں، ہاں اگر تم اپنی عمر میں سے کچھ دینا چاہو تو دے دو کہا خدایا میری عمر میں سے چالیس سال اسے دیئے جائیں۔ چنانچہ دے دیئے گئے۔ حضرت آدمؑ کی اصل عمر ایک ہزار سال کی تھی، اس لین دین کو لکھا گیا اور فرشتوں کو اس پر گواہ کیا گیا۔ حضرت آدمؑ کی موت جب آئی تو کہنے لگے خدایا میری عمر میں سے تو ابھی چالیس سال باقی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ تم نے اپنے لڑکے (حضرت) داؤد کو دیدیئے ہیں۔ تو حضرت آدمؑ نے انکار کیا، جس پر وہ لکھا ہوا دکھایا گیا اور فرشتوں کی گواہی گزری۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار کی پوری کی اور حضرت داؤدؑ کی ایک سو سال کی (مسند احمد)۔ لیکن یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر اردو)

اس مظلوم کو دیکھو:

ابوسلیمان مرعشیؒ جنہوں نے حضرت کعبؓ کی صحبت بہت اٹھائی تھی۔ انہوں نے ایک دن اپنے پاس والوں سے کہا اس مظلوم کو بھی جانتے ہو جو اللہ تعالیٰ کو پکارتا ہے اور اس کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ لوگوں نے کہا یہ کس طرح؟ فرمایا یہ وہ شخص ہے جو ایک مدت تک کیلئے ادھار دیتا ہے اور نہ گواہ رکھتا ہے نہ لکھت پڑھت کرتا ہے پھر مدت گزرنے پر تقاضا کرتا ہے اور دوسرا شخص انکار کر جاتا ہے، اب یہ خدا تعالیٰ سے دعا کرتا ہے لیکن پروردگار قبول نہیں کرتا اسلئے کہ اس نے یہ کام اسکے فرمان کے خلاف کیا ہے اور اپنے رب تعالیٰ کا نافرمان ہوا ہے۔

اہل مدینہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت:

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ مدینہ والوں کا ادھار لین دین دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ناپ تول یا وزن مقرر کر لیا کرو، بھاؤ تاؤ چکا لیا کرو اور مدت کا بھی فیصلہ کر لیا کرو۔

صاحب معاملہ کی معذوریاں:

مثلاً گونگا ہے اور لکھنے والا اس کا اشارہ نہیں سمجھتا، یا مثلاً دوسرے ممالک کا رہنے والا ہے اور زبان غیر رکھتا ہے اور لکھنے والا اس کی بولی نہیں سمجھتا، تو ایسی حالت میں اس کا کارکن ٹھیک ٹھیک طور پر لکھوا دے اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ بھی کر لیا کرو اور شرعاً اصل مدار ثبوت دعویٰ کا یہی گواہ ہیں گو دستاویز نہ ہو، اور خالی دستاویز بدون گواہوں کے ایسے معاملات میں حجت اور معتبر نہیں۔

دستاویز:

دستاویز لکھنا صرف یادداشت کی آسانی کے لئے رہے کہ اس کا مضمون دیکھ کر اور سن کر طبعی طور پر اکثر تمام واقعہ یاد آ جاتا ہے۔ شاید کل کو کوئی بات نکل آئے مثلاً بائع کہنے لگے کہ مجھ کو دام ہی وصول نہیں ہوئے یا یہ چیز میں نے فروخت ہی نہیں کی، یا مشتری کہنے لگے کہ میں نے تو واپسی کا اختیار بھی لے لیا تھا یا ابھی تو مبیع پوری میرے پاس نہیں پہنچی۔ اور جس طرح ہم نے اوپر کاتب اور گواہ کو منع کیا ہے کہ کتابت اور شہادت سے انکار نہ کریں۔

ادھار کی معیاد ضرور مقرر کی جائے:

دوسرا مسئلہ یہ بیان فرمایا گیا کہ ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کی میعاد ضرور مقرر کی جائے، غیر معین مدت کیلئے ادھار دینا لینا جائز نہیں، کیونکہ اس سے جھگڑے فساد کا دروازہ کھلتا ہے، اسی وجہ سے فقہاء نے فرمایا کہ میعاد بھی ایسی مقرر ہونا چاہئے جس میں کوئی ابہام نہ ہو، مہینہ اور تاریخ کے ساتھ معین کی جائے، کوئی مبہم میعاد نہ رکھیں، جیسے کھیتی کٹنے کے وقت، کیونکہ وہ موسم کے اختلاف سے آگے پیچھے ہو سکتا ہے۔ چونکہ لکھنا اس زمانے میں عام نہ تھا اور آج بھی عام ہونے کے بعد دنیا کی بیشتر آبادی وہی ہے جو لکھنا نہیں جانتی۔ لکھنے والے یا گواہ کو نقصان پہنچانا حرام ہے، اسی لئے فقہاء نے فرمایا کہ اگر لکھنے والا اپنے لکھنے کی مزدوری مانگے یا گواہ اپنی آمد و رفت کا ضروری خرچ طلب کرے تو یہ اس کا حق ہے۔ اس کو ادا نہ کرنا بھی اس کو نقصان پہنچانے میں داخل اور ناجائز ہے، اسلام نے اپنے نظام عدالت میں جس طرح گواہ کو گواہی دینے پر مجبور کیا ہے اور گواہی چھپانے کو سخت گناہ قرار دیا ہے، اس طرح اس کا بھی انتظام کیا کہ لوگ گواہی سے بچنے پر مجبور نہ ہو جائیں، اسی دو طرفہ احتیاط کا یہ اثر تھا کہ ہر معاملہ میں سچے بے غرض گواہ مل جاتے اور فیصلے جلد اور آسان حق کے مطابق ہو جاتے۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ
اور گواہ کرو دو شاہد اپنے مردوں میں سے

فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ

پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں

مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ

ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تا کہ اگر

اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ

بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلا دے اس کو وہ دوسری

گواہ ضروری ہیں:

اور تم کو چاہئے کہ اس معاملہ پر کم سے کم دو گواہ مردوں میں سے یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنائی جائیں اور گواہ قابل پسند یعنی لائق اعتبار اور اعتماد ہوں۔ (تفسیر عثانی)

اچھے گواہ:

صحیح مسلم اور سنن کی حدیث میں ہے کہ اچھے گواہ وہ ہیں جو بے پوچھے ہی گواہی دے دیا کریں۔ صحیحین کی دوسری حدیث میں جو آیا ہے کہ بدترین گواہ وہ ہیں کہ جن سے گواہی طلب نہ کی جائے اور وہ گواہی دینے بیٹھ جائیں۔

حضرت خزیمہؓ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے:

مسند احمد میں ہے کہ آپؐ نے ایک اعرابی سے گھوڑا خریدا اور اعرابی آپؐ کے پیچھے پیچھے آپؐ کے دولت خانہ کی طرف رقم لینے کے لئے چلا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تو ذرا جلد نکل گئے اور وہ آہستہ آہستہ آ رہا تھا۔ لوگوں کو یہ تو معلوم نہ تھا کہ یہ گھوڑا بک گیا ہے انہوں نے قیمت لگانی شروع کی کہ یہاں تک کہ جتنے داموں اس نے آپؐ کے ہاتھ بیچا تھا اس سے زیادہ دام لگ گئے اعرابی کی نیت پلٹی اور اس نے آپ کو آواز دے کر کہا حضرت! یا تو لے لیجئے یا میں اور کے ہاتھ بیچ دیتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر رکے اور فرمانے لگے تو تو اسے میرے ہاتھ بیچ چکا ہے، پھر یہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا نہیں اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے تو نہیں بیچا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا غلط کہتا ہے۔ میرے تیرے درمیان معاملہ ہو چکا ہے۔ اب لوگ اِدھر اُدھر سے بیچ میں بولنے لگے۔ اس گنوار نے کہا اچھا تو گواہ لائیے کہ میں نے آپ کے ہاتھ بیچ دیا۔ مسلمانوں نے ہر چند کہا بدبخت آپ تو خدا تعالیٰ کے پیغمبرؐ ہیں، آپ کی زبان مبارک سے تو حق ہی نکلتا ہے لیکن وہ یہی کہے چلا جائے کہ لاؤ گواہ پیش کرو۔ اتنے میں حضرت خزیمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آ گئے اور اعرابی کے قول کو سن کر فرمانے لگے میں گواہی دیتا ہوں کہ تو نے بیچ دیا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ تو فروخت کر چکا ہے۔ آپؐ نے فرمایا تو کیسے شہادت دے رہا ہے؟ حضرت خزیمہؓ نے فرمایا کہ آپؐ کی تصدیق اور سچائی کی بنا پر۔ چنانچہ آپؐ نے فرمادیا کہ آج سے خزیمہ کی گواہی دو گواہوں کے برابر ہے۔ (تفسیر ابن کثیر اردو)

عورتوں کی شہادت:

دو عورتیں ایک مرد کے قائم مقام ہیں اصل تو یہی ہے کہ عورتوں کی شہادت نہ لی جائے لیکن ایک مرد کا بدل دو عورتوں کو مان لیا گیا ہے اسی شبہ کی بدلیت کی بنا پر ان حدود و قصاص میں جن کا سقوط ادنیٰ اشتباہ سے ہو جاتا ہے۔ عورتوں کی شہادت اجماعاً غیر معتبر ہے۔ اس کی تائید زہری کے اس قول سے ہوتی ہے جو ابن ابی شیبہ نے بروایت حفص از حجاج بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے بعد دونوں خلفاء کا طریقہ یہی رہا ہے کہ حدود و قصاص میں عورتوں کی شہادت جائز نہیں۔

اجماع صحابہ:

یہ حدیث مرسل ہے اور ہمارے نزدیک مرسل قابل احتجاج ہے۔ حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے خصوصی ذکر کی وجہ یہ ہے کہ انہی حضرات کے زمانے میں بیشتر قوانین شرع کا قیام اور اجماع صحابہؓ ہوئے ہیں ان کے بعد تو صرف اتباع سابق ہوا تاسیس ضوابط اور انعقاد اجماع بہت کم ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے ان دونوں کی اقتدا کرنا جو میرے بعد (خلیفہ) ہوں گے ابوبکر و عمر۔ (رواہ الترمذی عن حذیفہ)

مسئلہ: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا حاکم گواہ کی ظاہری عدالت کو دیکھ لے اتنا ہی اس کے لئے کافی ہے لیکن اگر فریق ثانی گواہ کی عدالت پر طعن کرے تو حاکم اس کے احوال دریافت کرے۔ صاحبین کے نزدیک ظاہر باطن ہر طرح سے شاہد کے احوال دریافت کرنا حاکم پر لازم ہے خواہ فریق ثانی گواہ کے چال چلن پر جرح کرے یا نہ کرے۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی قول ہے۔ امام مالکؒ نے فرمایا جس گواہ کا صالح ہونا مشہور ہو اس کے احوال دریافت نہ کرے۔ اور جس کا فاسق ہونا مشہور ہو اس کی شہادت رد کر دے اور جس کے صالح اور فاسق ہونے میں تردد ہو اس کے احوال دریافت کرے.....

امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سوائے اس شخص کے جس کو زنا کی تہمت تراشی کی وجہ سے کوڑوں کی سزا دی گئی ہو باقی مسلمان باہم عادل ہیں ہر ایک

دوسرے پر شہادت دے سکتا ہے۔(رواہ ابن ابی شیبہ)

آج کل گواہوں کی زیادہ تفتیش کی ضرورت نہیں:

میں کہتا ہوں کہ ہمارے زمانہ میں امام صاحب کے قول پر فتویٰ ہونا چاہیے کیونکہ اس زمانہ میں کتابی شرائط کے مطابق کوئی شخص صالح ملتا ہی نہیں سب ہی کسی نہ کسی صورت میں فاسق ہیں اب اگر ہم شہادت کے دائرہ کو تنگ کردیں گے تو حقوق تباہ ہوجائیں گے اور فیصلہ کے تمام راستے بند ہوجائیں گے بلکہ ہمارے زمانے میں تو فاسق کی شہادت بھی قبول ہونی چاہئے بشرطیکہ وہ دنیا میں با وجاہت اور آبرودار ہو اور گمان غالب ہو کہ وہ جھوٹی شہادت نہیں دے گا۔ یا قرائن سے اس کی سچائی معلوم ہو رہی ہو۔

متاخرین نے گواہوں کی اندرونی حالت کی تفتیش کے قائم مقام حلف کو قرار دیا ہے گواہوں سے بقسم شہادت لینا کافی سمجھا گیا ہے...

ہمارے زمانے میں ابوحنیفہؒ جیسے لوگ شہادت دینے کیلئے کہاں سے آئیں گے اس زمانہ میں تو کوئی مرد صالح ملتا ہی نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا تھا تم ایسے زمانہ میں ہو کہ جن امور کا تم کو حکم دیا جاتا ہے اگر ان کا دسواں حصہ بھی چھوڑ دو گے تو تباہ ہو جاؤ گے پھر ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا اس زمانے کے لوگوں کو جو حکم دیا جائے گا اس کا دسواں حصہ بھی اگر وہ کرلیں گے وہ نجات پا جائیں گے۔ رواہ الترمذی عن ابی ہریرہؓ

گواہی نہ دینے کی مذمت:

ارشادربانی: ''وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ''

حضرت ابوموسیٰ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی کو ادائے شہادت کے لئے بلایا گیا اور اس نے شہادت کو چھپالیا تو وہ جھوٹی شہادت دینے والے کی طرح ہوگا۔ رواہ الطبرانی فی الکبیر والا وسط۔ اس سند کے سلسلہ میں عبداللہ بن صالح راوی بھی ہے جو لیث بن سعد کا کاتب تھا اور بخاری نے اس کو حجت قرار دیا ہے........

مسئلہ: اگر گواہ کو ادائے شہادت کیلئے حاکم کے اجلاس میں طلب کیا جائے تو بعض کے نزدیک جانا واجب ہے۔

مسئلہ: اگر گواہ بوڑھا ہو اور مدعی اس کو اپنی سواری پر سوار کرلے تو کوئی حرج نہیں ایسے گواہ کی شہادت قابل قبول ہے۔

مسئلہ: جن امور کی اطلاع مردوں کو عموماً نہیں ہوتی ان میں تنہا عورتوں کی شہادت اجماعاً کافی ہے۔ جیسے بچہ کی پیدائش۔ دوشیزگی عورتوں کے اندرونی عیوب وغیرہ۔ امام اعظمؒ کے نزدیک ایسے امور میں صرف ایک مسلمان آزاد صالح عورت کی شہادت کافی ہے اور دو ہوں تو زیادہ مناسب ہے۔

مسلمانوں کے خون، مال اور آبرو کی حُرمت:

حجۃ الوداع میں قربانی کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا تھا تمہارے خون تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں حرمت والی ہیں۔ نہ کسی کی آبروریزی جائز ہے نہ قتل وخون ریزی نہ مال کی چوری اور غصب یہ حدیث صحیحین میں موجود ہے۔ ایک اور حدیث ہے جس کو امام احمد اور ابن حبان نے حضرت سعید بن زیدؓ کی روایت سے بیان کیا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے مال کو بچانے میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنی جان کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے۔ اور جو اپنے دین کو بچانے میں مارا گیا وہ شہید ہے اور جو اپنی بیوی بچوں کی حفاظت میں مارا گیا وہ شہید ہے۔

مُدَّعی اور مُدَّعیٰ عَلَیہ کی ذمہ داری:

شیخین نے صحیحین میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر لوگوں کو ان کے دعوے کے مطابق دیدیا جائے تو کچھ لوگ لوگوں کے خون اور مال کا دعویٰ کرنے لگیں گے لیکن قسم مدعا علیہ پر عائد ہوتی ہے۔ بیہقی کی روایت کے یہ الفاظ ہی اور گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور بصورت عدم شہادت قسم منکر پر عائد ہوتی ہے۔ عمرو بن شعیب کی روایت اس طرح ہے کہ گواہ پیش کرنا مدعی کے ذمہ ہے اور قسم مدعا علیہ پر۔ (رواہ الدارقطنی والترمذی)

جو چیزیں گواہ کو متہم کرتی ہیں:

فاسق ہونا۔ شرافت نفس کی پاسداری نہ ہونا۔ شاہد اور مدعا علیہ کے درمیان دنیوی عداوت ہونا مدعی اور شاہد کے درمیان قرابت قریبہ ہونا یہ تمام چیزیں شاہد کی شہادت کو متہم کردیتی ہیں فاسق کی شہادت باتفاق علماء قابل قبول نہیں۔

عورتوں کے خاص امور میں عورتوں کی گواہی:

عبدالرزاق نے بروایت ابن جریج زہری کا قول بیان کیا ہے جس کو ابن ابی شیبہ نے بھی نقل کیا ہے کہ طریقہ یعنی طریقہ رسولؐ وخلفاء یونہی چلا آیا ہے کہ جن امور پر مرد مطلع نہیں ہوا کرتے جیسے بچوں کی پیدائش اور عورتوں کے خصوصی عیوب ان میں عورتوں کی شہادت جائز ہے۔ عبدالرزاق نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے کہ سوائے ان امور کے جن پر عورتیں ہی مطلع ہوتی ہیں یعنی عورتوں کی اندرونی چیزیں دوسرے امور میں تنہا عورتوں کی شہادت کافی نہیں۔ اس اثر کی تخریج دوسرے طریقوں سے بھی کی گئی مختلف سندوں سے حضرت ابن عمرؓ کا یہ قول مروی ہے۔

نکاح میں اعلان و گواہ:

میں کہتا ہوں کہ بقاء اعلان کی شرط تو بالاجماع نہیں ہے نکاح ہو جانے کے بعد نکاح کو چھپانے یا انکار کر دینے سے نکاح فسخ نہیں ہو جاتا اور دف سے اعلان تو انعقاد نکاح کے بعد ہوتا ہے جو غیر ضروری ہے اسی لئے ہم نے دو گواہوں کا ایجاب قبول کے وقت حاضر ہونا اور ایجاب قبول کو کو سننا ضروری قرار دیا ہے تاکہ انعقاد نکاح کے وقت اعلان نکاح ہو۔ یعنی چھپ کر نکاح نہ ہو گواہوں کے سامنے ہو۔ ﴿مؤلف﴾

گواہی دینے کا شرعی حکم:

ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی دوسرا گواہ نہ ہو تو شہادت دینا اس گواہ کے لئے فرض عین ہے ورنہ فرض کفایہ ہے اور اگر عدم فرضیت ہم تسلیم بھی کر لیں تو بہر حال مستحب ہوگا (یعنی عبادت نافلہ کے حکم میں اور عبادت کی اجرت لینا ہمارے نزدیک درست نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے رشوت دینے والا اور لینے والا دونوں دوزخ میں۔ (رواہ الطبرانی فی الصغیر عن ابن عمر باسناد حسن)

۱- (وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ) میں گواہ بنانے کا حکم استحبابی ہے۔

زناء کیلئے چار گواہ ضروری ہیں:

سوائے شہادت زناء کے ہر امر کی شہادت کے لئے دو ثقہ آدمیوں کی گواہی کافی ہے۔ البتہ زناء کی شہادت کے لئے چار مردوں کی گواہی ضروری ہے۔ کیونکہ زناء کا تعلق مرد اور عورت دونوں سے ہے اس لئے چار آدمیوں کی گواہی ضروری ہوئی کہ گویا دو گواہ مرد کے زناء کے لئے اور دو گواہ عورت کے زناء کے لئے۔ نیز شریعت کا مقصود پردہ پوشی بھی مطلوب ہے۔

سوائے زناء کے حدود و قصاص میں دو گواہ کافی ہیں:

پھر سوائے زناء کے حدود اور قصاص میں دو مردوں کی گواہی کافی ہے، مگر شرط یہ ہے کہ کوئی گواہ عورت نہ ہو۔

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْـَٔــمُوْٓا

اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جاویں اور کاہلی نہ کرو

اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ

اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک

ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ

اس میں پورا انصاف ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے

وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا

والا ہے گواہی کو اور نزدیک ہے کہ شبہ میں نہ پڑو

ضرورت کے وقت گواہ انکار نہ کرے:

یعنی گواہ کو جس وقت گواہ بنانے کے لئے یا ادائے شہادت کے لئے بلائیں تو اس کو کنارہ یا انکار نہ چاہئے اور کاہلی سستی نہ کرو اس کے لکھنے لکھانے میں معاملہ چھوٹا ہو یا بڑا کہ انصاف پورا اس میں ہے اور گواہی پر بھی کامل اعتماد اسی لکھ لینے میں ہے اور بھول چوک اور کسی کے حق ضائع ہونے سے اطمینان بھی اس میں ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا

مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو

بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ

آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اس کو نہ لکھو

وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ

اور گواہ کر لیا کرو جب تم سودا کرو اور نقصان نہ کرے

كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ

لکھنے والا اور نہ گواہ

نقد معاملہ ہو تو لکھنا ضروری نہیں ہے:

یعنی اگر سوداگری کا معاملہ دست بدست ہو جنس کے بدلے جنس یا نقد کی طرح معاملہ ہو مگر ادھار کا قصہ نہ ہو تو اب نہ لکھنے میں گناہ نہیں مگر گواہ بنا لینا اس وقت بھی چاہئے کہ اس معاملہ کے متعلق کوئی نزاع آئندہ پیش آئے تو کام آئے اور لکھنے والا اور گواہ نقصان نہ کرے یعنی مدعی اور مدعی علیہ میں سے کسی کا بھی نقصان نہ کرے بلکہ جو حق واجبی ہو وہ ہی ادا کریں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا

اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی بات ہے تمہارے اندر اور ڈرتے رہو

اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ

اللہ سے اور اللہ تم کو سکھلاتا ہے اور اللہ ہر ایک چیز کو

عَلِيْمٌ ۝ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّ لَمْ

جانتا ہے اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ

تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ

کوئی لکھنے والا تو گرو ہاتھ میں رکھنی چاہئے پھر اگر

اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى

اعتبار کرے ایک دوسرے کا تو چاہئے کہ پورا ادا کرے وہ شخص کہ

اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا

جس پر اعتبار کیا اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت

تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ

چھپاؤ گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپاوے تو بیشک

اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝ ع

گنہگار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے

کاتب نہ ہو تو رہن رکھ لو:

یعنی اگر سفر میں قرض اور ادھار کا معاملہ کرو اور دستاویز کیلئے کوئی کاتب نہ ملے تو قرض کے عوض کوئی چیز مدیون کو رہن رکھ دینی چاہئے۔

سفر میں رہن کی حاجت بہ نسبت حضر زیادہ ہوگی کیونکہ حضر میں کتابت وشہادت سے بھی بسہولت صاحب دَین کا اطمینان ممکن ہے اس لئے سفر میں رہن کا حکم ہوا اور نہ حضر میں اور کاتب کی موجودگی میں بھی رہن درست ہے جیسا کہ حدیث میں موجود ہے اور اگر صاحب دَین کو مدیون پر اعتماد اور اس کا اعتبار ہو اور اس لئے رہن کا طالب نہ ہو تو مدیون کو لازم ہے کہ صاحب دَین کا حق تمام و کامل ادا کر دے اور خدا سے ڈرتا رہے صاحب حق کے حق میں امانت سے معاملہ کرے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

حضرت خزیمہؓ کی شہادت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اعرابی سے ایک گھوڑا خریدا اور فوراً اس جگہ سے چلدیئے تاکہ گھوڑے کی قیمت ادا کر دیں لیکن اعرابی نے کچھ تاخیر کی اتنے میں لوگ آ کر اعرابی سے گھوڑے کا بھاؤ تاؤ کرنے لگے ان کو معلوم نہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو خرید چکے ہیں بعض نے قیمت بڑھا بھی دی۔ قیمت میں اضافہ دیکھ کر اعرابی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آواز دی اور کہا اگر تم خریدنا چاہتے ہو تو تم خرید و، ورنہ میں فروخت کئے دیتا ہوں۔ آوز سنتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور اعرابی سے فرمایا کیا میں تم سے اس کو نہیں خرید چکا ہوں اعرابی نے کہا نہیں خدا کی قسم میں نے تو نہیں بیچا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بلا شبہ میں نے خرید لیا ہے اعرابی بولا کوئی گواہ لاؤ جو شہادت دے کہ میری تمہاری خرید و فروخت ہو چکی ہے۔ لوگ اعرابی سے کہنے لگے ارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلط بات نہیں کہہ سکتے اتنے میں خزیمہؓ آ گئے اور بولے میں شہادت دیتا ہوں کہ تیری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خرید و فروخت ہو چکی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خزیمہؓ کی طرف رخ موڑا اور فرمایا تم کس بنا پر شہادت دے رہے ہو (خرید و فروخت کے وقت تو موجود ہی نہ تھے) خزیمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف آپ کی سچائی کا یقین رکھتے ہوئے میں نے شہادت دی۔ چنانچہ خزیمہؓ کی شہادت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی شہادت کے برابر قرار دیا۔

ایک شبہ:

ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ ان دیکھے واقعہ کی شہادت جائز نہیں اور خزیمہؓ نے محض تصدیق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بناء پر بغیر دیکھے ہوئے شہادت دی تھی اول تو یہ فعل ناجائز تھا اور اگر اس سے خزیمہؓ کی ایمانی قوت پر استدلال بھی تسلیم کر لیا جائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شہادت کو فیصلہ کن شہادت کیوں قرار دیا اس شبہ کو دور کرنے کے لئے۔

جواب:

ہم کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خرید فروخت ہو چکنے کا پہلے ہی علم و یقین تھا آپؐ جانتے تھے کہ اعرابی جھوٹا ہے جو فروختگی کا انکار کر رہا ہے۔ خزیمہؓ کی شہادت کی بناء پر آپ نے تکمیل عقد کا فیصلہ نہیں کیا تھا۔ رہی یہ بات کہ تنہا خزیمہؓ کی گواہی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کی گواہی کے برابر قرار دیا تو اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ آپ نے خزیمہ کے ایمان کی قوت اور فہم و دانش کی پختگی ملاحظہ فرمائی تھی۔

حاکم اپنے علم یقینی پر فیصلہ کر سکتا ہے:

اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ اگر حاکم کو کسی واقعہ کا یقینی علم ہو تو اپنے علم کے مطابق اس کو فیصلہ کرنے کا اختیار ہے کیونکہ دو آدمیوں کی شہادت سے گمان غالب حاصل ہوتا ہے۔ یقین حاصل نہیں ہوتا۔ اور

حاکم کا علم بجائے خود یقینی ہے اور یقین کا درجہ ظن سے اونچا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت سیدہ فاطمہؓ کے خلاف اس حدیث کی بناء پر فیصلہ کیا جو خود تنہا آپ نے سنی تھی حضورؐ نے فرمایا تھا ہم انبیاء کے گروہ اپنے بعد اپنے مال کا کسی کو وارث نہیں بناتے۔

اپنے علم پر حاکم اپنا حق وصول کر سکتا ہے:

ایک مسئلہ یہ بھی اس حدیث سے نکلتا ہے کہ اگر بادشاہ یا حاکم وغیرہ کا کسی پر کوئی حق ہو یا اس نے کسی سے کچھ خریدا ہو تو اس کے لئے جائز ہے کہ اس سے اپنا حق جبراً وصول کرے خواہ وہ شخص انکاری ہو۔ اور حاکم کے پاس شہادت نہو۔ لیکن اگر یہ مدعی حق حاکم کسی دوسرے حاکم کی عدالت میں اپنے حق کی چارہ جوئی کرے گا تو اس وقت شہادت کی ضرورت ہوگی تنہا اس کا ذاتی یقین دعوے کو ثابت کرنے کے لئے کافی نہوگا اور حاکم کے لئے جائز نہیں ہوگا کہ بادشاہ یا کسی مدعی حق قاضی کے ذاتی یقین کی بناء پر اس کو ڈگری دیدے۔

مسئلہ: جب مرتہن کا مال مرہون پر قبضہ ہو جائے تو وہ چیز راہن کی ملک میں رہتی ہے صرف مرتہن کے قبضہ میں چلی جاتی ہے گویا حق ملکیت راہن کا ہوتا ہے اور حق قبضہ مرتہن کا اس لئے رہن کے قبضہ کی تکمیل کے بعد راہن کے لئے مال مرہون سے نفع اندوزی کی اجازت نہیں۔ نہ سواری کے جانور پر سوار ہو سکتا ہے نہ کپڑا پہن سکتا ہے نہ مکان میں رہ سکتا ہے۔ ہاں اگر مرتہن اجازت دیدے تو خیر بات یہ ہے کہ مال مرہون مرتہن کے قبضہ میں ہر وقت رہنا چاہئے اور راہن کی مال مرہون سے کسی قسم کی نفع اندوزی سے بعض اوقات خواہ تھوڑی دیر ہی کے لئے ہو مال مرہون پر مرتہن کا قبضہ نہیں رہے گا۔ یہ مسلک امام اعظمؒ کا ہے۔

مسئلہ: مال مرہون میں راہن کا ہر شرعی تصرف ناجائز ہے لیکن اگر اس نے کوئی تصرف کر لیا تو تصرف بجائے خود ہو جائے گا مگر اس کا نفاذ مرتہن کی اجازت یا مال مرہون کی واگذاشت پر موقوف رہے گا کیونکہ نفس شیٔ کی ملکیت تو راہن کو حاصل ہی ہے۔

اگر قرض مال مرہون کی قیمت کے برابر یا اوس سے کم ہوگا تو مال مرہون تلف ہونے کی صورت میں قرض بھی ساقط ہو جائے گا اور جتنا مال مرہون قرض سے زائد ہوگا وہ امانت سمجھا جائے گا اور اتنی مقدار کے تلف ہونے کا حکم امانت کے تلف ہونے کے حکم کی طرح ہوگا۔

مسئلہ: اگر راہن مر جائے تو گرو کا مال راہن کے قرض خواہوں کو نہیں دیا جائے گا بلکہ بیچ کر مرتہن کا قرض ادا کیا جائے گا کیونکہ مال رہن مرتہن کے قبضہ میں تو ہوتا ہی ہے اور اس کو ملکیت کا استحقاق بھی دوسروں سے زائد ہوتا ہے کیونکہ اس کا قبضہ اسی لئے ہوتا ہے کہ اگر اس کا قرض وصول نہو سکے تو وہ مال رہن سے اپنا قرض وصول کر لے۔ (تفسیر مظہری)

مسئلہ: راہن چونکہ مرہون کا مالک ہے اس لئے مرہون کا ہر خرچ راہن کے ذمہ ہے اور مرہون سے جو کچھ پیدا ہو جیسے بچے اون دودھ پھل وغیرہ وہ راہن کا ہے۔ اس پر اجماع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کچھ فائدہ ہو وہ بھی راہن ہی کا ہے اور جو نقصان ہو وہ بھی راہن ہی کا ہے۔

مسئلہ: مرہون کی تمام پیداوار بچے اون وغیرہ مرتہن کے پاس بطور رہن رہے گی اس کو بھی اصل مرہون کا حکم ہوگا البتہ راہن کی ملکیت ہوگی مگر قبضہ مرتہن کا ہوگا اور مرتہن کو حق ملکیت حاصل نہیں اس لئے مرہون میں وہ کوئی تصرف نہیں کر سکتا اور نہ مرہون سے کسی قسم کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ ورنہ سود ہو جائے گا۔

مسئلہ: مرتہن اگر راہن کی اجازت سے مال مرہون پر کچھ خرچ کرے تو وہ راہن پر قرض ہوگا اور اگر بغیر اجازت صرف کرے تو ایک قسم کا احسان ہوگا۔ (راہن پر قرض نہ ہوگا)

رہن کا مال مرہون کا نہیں ہو جاتا:

ایک روایت میں آیا ہے ابن جوزی نے ابراہیم نخعیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ لوگ کسی کے پاس مال رہن رکھتے تھے اور کہہ دیا کرتے تھے کہ اگر فلاں وقت تک ہم قرض ادا کر دیں تو خیر ورنہ مال تمہارا ہو جائے گا اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا يَغْلَقُ الرَّهْنُ (یعنی اگر مدت مقررہ کے اندر فک رھن نہو سکے تب بھی وہ مال مرتہن کا نہیں ہو جاتا طحاوی نے بھی اپنی سند سے ابراہیم نخعی کا یہ بیان نقل کیا ہے۔

باجماع علماء یہ مطلب ہے کہ مال رہن میں کچھ بیشی ہو (مثلاً مرہون جانور کے بچے ہو جائیں یا دودھ ہو) تو وہ راہن کی ہے اور جو کچھ مرہون کے کھلانے پلانے میں صرف ہو وہ بھی راہن کے ذمہ ہوگا۔

جسم میں دِل کی حیثیت:

جیسے کہتے ہیں میں نے اس کو اپنی آنکھوں سے دیکھا اپنے کانوں سے سنا اپنے دل سے یاد رکھا۔ یا دل کی طرف نسبت کرنے کی یہ وجہ ہے کہ دل تمام اعضاء کا سردار ہے اس کے افعال کا مرتبہ بھی سب افعال سے بڑا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنی آدم کے بدن میں ایک بوٹی ایسی ہے کہ جب وہ ٹھیک ہوتی ہے تو سارا بدن ٹھیک ہوتا ہے

اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے سن لو وہ بوٹی دل ہے۔ رواہ الشیخان عن النعمان بن بشیر۔ بعض علماء نے کہا کہ دل کے گناہ گار ہونے سے مراد ہے دل کا مسخ ہو جانا۔

شہادت چھپانا حرام ہے:

(وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ) :اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے بخوبی واقف ہے یعنی شہادت دینے اور شہادت کو چھپانے سے واقف ہے یہ جملہ بطور تہدید ہے۔ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ شہادت کو چھپانا حرام ہے مشہود لہٗ خواہ طلب نہ کرے مگر ادائے شہادت فرض ہے اگر مشہود لہٗ کو شاہد کا شاہد ہونا معلوم بھی نہ ہو تب بھی شاہد پر لازم ہے کہ اپنے شاہد ہونے کی اطلاع مشہود لہٗ کو دیدے۔

بغیر طلب شہادت دینا:

بعض علماء کا خیال ہے کہ طلب شہادت کے بغیر شہادت دینی مذموم ہے کیونکہ حضرت عمران بن حصین کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا میری بہترین امت میرے زمانہ کی ہے ان کے بعد ان لوگوں کا مرتبہ جو ان کے متصل آئیں گے پھر ان کا مرتبہ ہے جو ان صحابہؓ کے متصل ہونگے ان کے بعد ایسے لوگ آئیں گے جو بلا طلب شہادت دینگے خیانت کرینگے امانت دار نہ ہونگے نذریں مانیں گے مگر پوری نہیں کرینگے اور عموماً ان میں فربہی ہوگی۔ (یعنی موٹے بے غیرت بے حیا حرام خور ہونگے)۔

دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ بلا طلب قسمیں کھائیں گے۔ متفق علیہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ کی عزت کرو۔ یہ تم میں سب سے اچھے ہیں ان کے بعد ان لوگوں کا مرتبہ ہے جو ان سے متصل آئیں گے پھر ان لوگوں کا درجہ ہے جو ان سے متصل ہونگے پھر کذب پھیل جائے گا۔ یہاں تک کہ آدمی بلا طلب قسمیں کھائے گا اور بلا طلب شہادت دے گا۔ (رواہ النسائی واسنادہ صحیح۔)

سب سے اچھا گواہ:

طحاوی نے بوساطت مالک حضرت زید بن خالد جہنی کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تم کو بتاؤں کہ سب سے اچھا گواہ کون ہے سب سے اعلیٰ گواہ وہ ہے جو درخواست سے پہلے ہی اپنی شہادت دیدے یا طلب شہادت سے پہلے اپنی شہادت کی اطلاع دیدے۔

بگاڑ اور سنوار:

عمرو بن شعیب نے بوساطت شعیب اپنے دادا کی مرفوع روایت بیان کی ہے کہ اس امت کی اول ترین سنوار یقین اور دنیا سے بے رغبتی ہے اور اول ترین بگاڑ بخل اور آرزو ہے۔ رواہ البیہقی۔

خوش بختی و بدبختی:

حضرت سعد کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے فیصلہ پر راضی رہنا آدمی کی خوش نصیبی ہے اور قضا خداوندی سے ناراضگی آدمی کی بدبختی ہے۔ رواہ احمد والترمذی۔

اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر خاص نظر:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مرفوع روایت ہے کہ نصف شعبان کی رات میں اللہ اپنی مخلوق کی طرف خاص نظر فرماتا ہے اور سوائے مشرک اور دل میں کینہ رکھنے والے کے سب کو بخش دیتا ہے۔ رواہ الدارقطنی۔ ابن حبان نے اس روایت کو صحیح کہا ہے نفسانی فضائل وعیوب کے متعلق ان گنت حدیثیں آئی ہیں۔

بندہ کی دُعاء کا جواب:

حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں آیا ہے کہ لفظ غُفْرَانَکَ پڑھنے کے بعد اللہ نے فرمایا: قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ میں نے تم کو بخش دیا اور جملہ اَوْ اَخْطَاْنَا کے بعد فرمایا لا اُوَاخِذُكُمْ میں تم سے مواخذہ نہیں کروں گا اور لَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ کے بعد فرمایا لَا اَحْمِلُ عَلَيْكُمْ اور لَا تُحَمِّلْنَا کے بعد فرمایا لَا اُحَمِّلُكُمْ اور وَاعْفُ عَنَّا الخ کے بعد فرمایا: قَدْ عَفَوْتُ عَنْكُمْ وَعَفَوْتُ عَنْكُمْ وَغَفَرْتُ لَكُمْ وَرَحِمْتُكُمْ وَنَصَرْتُكُمْ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِيْنَ یعنی میں نے تمہارے گناہ معاف کر دیئے بخشدیئے اور تم پر رحمت فرمائی اور تم کو کافروں پر فتحیاب کیا۔ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دعا قبول کر لی گئی۔ بھول چوک کا مواخذہ نہ ہونے کا حکم اجماعاً تمام امت کے لئے ثابت ہے اسی طرح اصر کا بار نہ ڈالنا اور مالا یطاق پر مکلّف نہ کرنا بھی تمام امت کے لئے عام ہے۔ دوسری آیت سے اس کی تائید ہو رہی ہے فرمایا لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا کیونکہ قانون شریعت ایک ہے اور دوامی ہے یہ نہیں ہوسکتا کہ جو حکم اگلوں کے لئے ساقط تھا وہ پچھلوں کیلئے ساقط نہ ہو حکم کی معافی ہے تو سب کیلئے ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نہ کوئی حکم منسوخ ہوسکتا ہے نہ بدل سکتا ہے۔ ہاں تمام گناہوں کی معافی کا حکم اور عمومی رحمت اور کافروں پر فتحیابی کی صراحت یہ چیزیں بظاہر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہ کیلئے مخصوص تھیں۔ (تفسیر مظہری)

لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ
اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آسمانوں اور زمین میں ہے
وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ
اور اگر ظاہر کرو گے اپنے جی کی بات یا چھپاؤ گے
یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَیَغْفِرُ لِمَنْ یَّشَآءُ
اسکو حساب لے گا اس کا تم سے اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے
وَیُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ
اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر
شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۸۴﴾
چیز پر قادر ہے

خلاصہ سورت وربط آیات:

اس سورت میں اصول وفروع عبادات ومعاملات جانی ومالی ہرقسم کے احکامات بہت کثرت سے مذکور فرمائے اور شاید اس سورت کے سنام القرآن فرمانے کی یہی وجہ ہو اس لئے مناسب ہے کہ بندوں کو پوری تاکید و تہدید بھی ہرطرح سے فرمادی جائے تاکہ تعمیل احکام مذکورہ میں کوتاہی سے اجتناب کریں سواسی غرض کے لئے آخر سورت میں احکام کو بیان فرما کر اس آیت کو بطور تہدید وتنبیہ ارشاد فرما کر تمام احکام مذکورہ سابقہ کی پابندی پر سب کو مجبور کردیا اور طلاق ونکاح قصاص وزکوٰۃ بیع اور ربواوغیر میں جواکثر صاحب حیلوں اور اپنی ایجاد کردہ تدبیروں سے کام لیتے ہیں اور ناجائز امور کو جائز بنانے میں خودرائی اور سینہ زوری سے کام لیتے ہیں ان کو بھی اس میں پوری تنبیہ ہوگئی دیکھئے جس کو ہم پر استحقاق عبادت حاصل ہوگا اس کو مالک ہونا چاہئے اور جو ہماری ظاہری اور مخفی تمام اشیاء کا محاسبہ کرسکے اس کو تمام امور کا علم ہونا ضروری ہے اور جو ہماری تمام چیزوں کا حساب لے سکے اور ہرایک کے مقابلہ میں جزاوسزادے سکے اس کو تمام چیزوں پر قدرت ہونی ضروری ہے سوانہی تین کمالات یعنی ملک اور علم اور قدرت کو یہاں بیان فرمایا اور انہی کا آیۃ الکرسی میں ارشاد ہو چکا ہے مطلب یہی ہے کہ ذات پاک سبحانہٗ تمام چیزوں کی مالک اور خالق اس کا علم سب کو محیط اس کی قدرت سب پر شامل ہے تو پھر اس کی نافرمانی کسی امر ظاہر یا مخفی میں کرکے بندہ کیونکر نجات پاسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

جب ثابت ہو چکا کہ رذائل نفس کا مواخذہ اعمال بدنیہ کے مواخذہ سے زیادہ سخت ہے اور طاقت سے زیادہ آدمی مکلّف نہیں ہے گو اگر بندہ اپنی امکانی کوشش کرے اور مجاہدہ نفسانی کے ذریعہ امراض نفسانی کو دور کرنے کی جدوجہد کو کام میں لائے اور خواہش نفس کے پیچھے نہ پڑ جائے اور رذائل نفس کو دور کرنے کے لئے فقراء کے دامن سے وابستہ ہو جائے تو امید ہے کہ اللہ اس کے اندرونی معاصی معاف فرمادے گا مواخذہ نہ کرے گا کیونکہ طاقت سے زیادہ بندہ مکلّف نہیں اور ممنوعات خداوندی پر کاربند ہونے کی وہ امکانی کوشش کر چکا۔ لیکن جو شخص اپنے اندرونی عیوب کی طرف توجہ ہی نہ کرے اور رذائل نفس کو دور کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو تو وہ یقیناً دوزخ میں جائے گا۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فقراء کے دامن سے وابستہ ہونا ایسا ہی فرض ہے جیسے کتاب اللہ کی تلاوت اور اس کے احکام کو سیکھنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا میں نے تم میں دو عظیم الشان چیزیں چھوڑی ہیں۔ ایک کتاب اللہ دوسری اپنی آل۔ پس اللہ کی کتاب کو استنباط احکام، درستی اعمال، نصیحت پذیری، اور مدارج قرب کی ترقی کے لئے پکڑنا ضروری ہے اور مرضی خدا کے مطابق باطن کی صفائی اور نفس کے تزکیہ کے لئے آل رسول کے دامن سے وابستہ ہونا بھی لازم ہے۔

اللہ تعالیٰ قیامت میں بھی پردہ پوشی کرے گا:

ایک حدیث میں ہے کہ ہم طواف کر رہے تھے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے پوچھا کہ تم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے متعلق کیا سنا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ایمان والے کو اپنے پاس بلالے گا یہاں تک کہ اپنا بازو اس پر رکھ دیگا پھر اس سے کہے گا بتا تو نے فلاں فلاں گناہ کیا فلاں دن فلاں گناہ کیا؟ وہ غریب اقرار کرتا جائے گا، جب بہت سے گناہوں کا اقرار کرلے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا سن! دنیا میں بھی میں نے تیرے ان عیوب کی پردہ پوشی کی اور اب آج کے دن میں ان تمام گناہوں کو معاف فرمادیتا ہوں۔ اب اسے اس کی نیکیوں کا صحیفہ اس کے داہنے ہاتھ میں دے دیا جائے گا، ہاں البتہ کفار ومنافق کو تمام مجمع کے سامنے رسوا کیا جائے گا، ان کے گناہ ظاہر کئے جائیں گے اور پکار دیا جائے گا کہ یہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب تعالیٰ پر جھوٹ باندھا، ان ظالموں پر خدا تعالیٰ کی پھٹکار ہے۔

حضرت زیدؓ کا حضرت عائشہؓ سے سوال:

حضرت زیدؓ نے ایک مرتبہ اس آیت کے بارے میں حضرت عائشہؓ سے سوال کیا تو آپ نے فرمایا جب سے میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں پوچھا ہے تب سے لے کر آج تک مجھ سے کسی شخص نے نہیں پوچھا آج تو نے پوچھا ہے۔ سن! اس سے مراد بندے کو دنیوی تکلیفیں مثلاً بخار وغیر تکلیفیں پہنچنا ہے، یہاں تک کہ مثلاً ایک جیب میں نقدی رکھی ہے اور خیال رہا کہ اس کی دوسری جیب میں ہے ہاتھ ڈالا وہاں نہ نکلی دل پر چوٹ سی پڑی پھر دوسری جیب میں ہاتھ ڈالا وہاں سے مل گئی، اس پر بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں یہاں تک کہ مرنے کے وقت وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے جس طرح خالص سرخ سونا ہو (ترمذی) یہ حدیث غریب ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

آیت کے نزول پر صحابہ کی حالت:

بخاری مسلمؒ اور امام احمدؒ نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت سے اور مسلم وغیرہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب آیت: ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ نازل ہوئی تو صحابہؓ پر یہ بات بہت شاق گذری اور دوزانو بیٹھ کر انہوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز، روزہ، جہاد اور خیرات کا ہم کو حکم دیا گیا تھا اس کو ادا کرنے کی ہم میں طاقت تھی لیکن اب آپ پر یہ آیت نازل ہوئی اس کو برداشت کرنے کی تو ہم میں طاقت نہیں (ہم نفسانی اور قلبی خطرات پر کس طرح قابو پا سکتے ہیں اور کس طرح محاسبہ سے بچ سکتے ہیں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کیا تم وہ بات کہنی چاہتے ہو جو تم سے پہلے دونوں کتابوں والوں نے کہی تھی، انہوں نے کہا تھا سَمِعْنَا وَعَصَیْنَا نہیں ایسا نہ کہو بلکہ یوں کہو

﴿سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ﴾

حسب الحکم لوگ یہ آیت پڑھنے لگے جب زبانوں پر یہ الفاظ خوب رواں ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت نازل فرمائی۔

﴿اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مؤمن ان آیات پر ایمان رکھتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رب کی طرف سے ان پر اتاری گئی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ آیت: ﴿وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ﴾ الخ کے نزول کے بعد شاید صحابہؓ یہ سمجھے کہ خطرات نفس وساوس کا بھی اللہ محاسبہ فرمائے گا یا انکسار نفس کی وجہ سے انہوں نے نفسانی گناہوں کے ساتھ اپنے کو آلودہ قرار دیا اس لئے آیت کی حکم آمیز اطلاع ان پر شاق گذری آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلیم ورضا اور توکل کا راستہ ان کو بتایا کیونکہ یہ نفوس مطمئنہ کی ہی صفات ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے اس خیال کا ازالہ کر دیا کہ خطرات پر بھی محاسبہ ہوگا اور ان کو تسلی دی کہ تمہارے ایمان سچے ہیں تمہاری نیتیں درست ہیں تمہارے نفس پاکیزہ ہیں اور دل صاف ہیں رذائل نفس کا زوال ایمان کا مقتضا ہے اور اللہ نے ان کے مؤمن ہونے کی شہادت آیت مذکورہ میں دی ہے تو گویا رذائل نفسانی سے ان کے نفوس کو پاک اور دلوں کو صاف قرار دیا ہے کیونکہ کامل ایمان حقیقی اسی وقت ہوتا ہے جب نفس اور رذائل نفس بالکل فنا ہو جائیں اور آیت میں ایمان سے مراد ایمان کامل ہی ہے۔

حضور پرنورؐ نے انتظار وحی میں از خود آیت کی کوئی تفسیر نہیں فرمائی بلکہ صحابہؓ کو ادب کی تعلیم اور تلقین فرمائی۔ صحابہؓ نے فوراً ہی سمعنا اور اطعنا کہا اور کلمات ایمان دل و جان سے کہے اللہ تعالیٰ کو صحابہؓ کی یہ بات پسند آئی۔ اس پر آئندہ آیتیں یعنی امن الرسول الخ نازل ہوئی جس میں اول کی دو آیتوں میں صحابہؓ کی مدح اتری اور تفصیل کے ساتھ ان کی اطاعت کو بیان فرمایا تا کہ ان کے دلوں کو اطمینان ہو جائے اور عشاق محبین کے دلوں میں جو خلجان اور اضطراب ہو وہ دور ہو جائے اور پھر ان کی اس مدح کے بعد ان کے اس خلجان اور اشکال کا جواب جو ان کو پیش آیا تھا۔ ﴿لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا﴾ الخ سے ذکر فرمایا کہ جو چیز بندہ کی طاقت اور اختیار سے باہر ہے بندہ اس کا مکلف نہیں۔ لہٰذا دل میں جو گناہ کا خیال اور خطرہ آ جائے تو اس پر کوئی مواخذہ نہیں جب تک خود اپنے اختیار اور ارادہ سے اس پر عمل نہ کرے یا زبان سے اس کا تکلم اور تلفظ نہ کرے۔ اور علی ہذا بھول چوک پر بھی کوئی مواخذہ نہیں، البتہ جو باتیں بندہ کی قدرت اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا۔

خطا اور نسیان پر مواخذہ:

اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ خطاء اور نسیان پر مواخذہ عقلاً وشرعاً ممتنع نہیں۔ نشہ آور چیزوں کے استعمال سے غیر اختیاری طور پر افعال کا صدور ہوتا ہے۔ مگر عقلاً وشرعاً شراب پینے والا مواخذہ سے بری نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ یہ افعال اگرچہ غیر اختیاری ہیں مگر ان غیر اختیاری افعال کا سبب تو فعل اختیاری ہے یعنی نشہ آور چیز کا استعمال۔ اس شخص نے اپنے اختیار کے بے محل استعمال سے حفاظت کیوں نہیں کی اس لئے قابل

مواخذہ ہے۔نسیان اگر چہ بالذات غیر اختیاری ہے مگر اس کا سبب عموماً اختیاری ہوتا ہے اسی وجہ سے بسا اوقات بھولنے والے پر لاابالیت اور بے پروائی کا الزام عائد کرتے ہیں اور خطا کار پر سہل انگاری اور بے احتیاطی اور بے توجہی کا الزام رکھتے ہیں۔عارف رومی قدس سرہ السامی فرماتے ہیں:

لا تواخذان نسینا شد گواہ / کہ بود نسیاں بوجہے ہم گناہ
زانکہ استکمال تعظیم اونکرد / ورنہ نسیاں درنیاوردے نبرد

(معارف کاندھلویؒ)

اخفاءِشہادت کا خیال:

شعبی اور عکرمہ نے آیت کا تفسیری مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اخفاء شہادت کا جو خیال تمہارے دلوں کے اندر ہوگا اس کو ظاہر کرو یا نہ کرو۔اللہ اس کی حساب فہمی کرے گا۔

غیر مادی مخلوقات:

بکثرت ممکنات غیر مادی ہیں انسانوں کی روحیں ملائکہ وغیرہ سب مادہ سے خالی ہیں۔اہل دل واقف ہیں کہ قلب روح سر خفی اخفی تمام کے تمام غیر مادی ہیں اللہ ہی اپنی مخلوق سے واقف ہے کہ کتنی ہے (وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ)۔

بغیر حساب جنت میں جانے والے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے مجھ سے میرے رب نے وعدہ کیا ہے کہ مری امت کے ستر ہزار آدمیوں کو بغیر حساب و کتاب کے جنت میں داخل فرمائے گا اور ہر ایک کے ساتھ ستر ستر ہزار شخص ہونگے اور پھر میرے رب کے تین لپ بھر بھی بلا حساب و کتاب جنت میں داخل ہونگے۔رواہ احمد ترمذی وابن ماجہ

حضرت اسماء بنت یزید کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔قیامت کے دن لوگوں کو ایک میدان میں جمع کیا جائے گا پھر ایک پکارنے والا پکار کر کہے گا کہاں ہیں وہ لوگ جن کے پہلو بستروں سے الگ رہتے تھے کچھ لوگ کھڑے ہو جائیں گے مگر وہ تھوڑے ہونگے ان کو جنت میں بلا حساب داخل کر دیا جائے گا پھر باقی لوگوں کو حساب کے لئے جانے کا حکم ہوگا۔(رواہ البیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے ستر ہزار آدمی بغیر حساب کے جنت میں داخل ہونگے یہ وہ لوگ ہونگے جو جھاڑ پھونک نہیں کرتے ہونگے شگون نہیں لیتے ہونگے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہوں گے۔متفق علیہ

حضرت ابن عباس سے ایک طویل حدیث میں اسی طرح مروی ہے۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید اور احادیث مقدسہ کی رفتار عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بلا حساب جنت میں جانے والے اہل تصوف ہی ہونگے جو اللہ کے عاشق ہیں کیونکہ آیت:

(وَإِن تُبْدُوا مَا فِي أَنفُسِكُمْ) میں اللہ نے حساب فہمی کو نفسانی گناہوں سے متعلق فرمایا ہے۔اس آیت میں اظہار اور اخفاء دونوں کو محاسبہ کے لئے مساوی قرار دیا ہے جیسے آیت (اسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ) :میں استغفار اور عدم استغفار کو مساوی قرار دیا ہے۔حساب فہمی اگر چہ اعمال اعضاء کی بھی ہوگی کچھ نفسانی گناہوں کی ہی خصوصیت نہیں ہے لیکن اعمال کے مقابلہ میں نفسانی رذائل شدید ترین ہوتے ہیں ان کی بدی زیادہ ہے اور جسمانی گناہ بھی انہی سے پیدا ہوتے ہیں تزکیہ نفس اور جلاء قلب کے بعد گناہوں کا ارتکاب بہت ہی کم ہوتا ہے اس لئے صرف باطنی گناہوں کی حساب فہمی کا ذکر کیا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے بدن کے اندر ایک ایسی بوٹی ہے کہ جب وہ درست ہوتی ہے تو سارا بدن درست ہوتا ہے اور جب وہ بگڑ جاتی ہے تو سارا بدن بگڑ جاتا ہے اور وہ دل ہے۔

تمام آلودگیوں سے قلب کی صفائی اور نفس کے پاکیزہ و مطمئن ہونے کے بعد بھی آدمی سے کبھی گناہ کا صدور ہو جاتا ہے تو اس کی فوراً ندامت ہوتی ہے اور توبہ کر لیتا ہے اس طرح اس کی بدیاں نیکیوں سے بدل جاتی ہیں اللہ غفور ورحیم ہے اس کو معاف کر دیتا ہے۔حضرت ابن مسعودؓ کی مرفوع روایت ہے کہ گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہو جاتا ہے۔(رواہ ابن ماجہ والبیہقی)

شرح السنۃ میں حضرت ابن مسعودؓ کی موقوف حدیث آئی ہے کہ گناہ پر پشیمانی توبہ ہے۔صوفیہ ہی وہ لوگ ہیں جن کو حدیث مبارک میں فقراء مؤمنین کے نام سے ذکر کیا گیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے دروازہ کی زنجیر کو ہلانے والا سب سے پہلے میں ہی ہوں گا اللہ جنت کا دروازہ سب سے پہلے میرے لئے کھول دے گا اور مجھے اندر داخل فرمائے گا اس وقت میرے ساتھ فقراء مؤمنین ہونگے اور میرا یہ کلام بطور فخر نہیں ہے۔آیت:

(وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ)

(وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ)

کی تفسیر میں یہ حدیث گذر چکی ہے۔

فقیر وہی ہوتا ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو صوفیہ کے پاس بھی کچھ نہیں ہوتا نہ اپنا وجود نہ متعلقات وجود وہ اپنی ہستی مرضی مولا کے حصول کے لئے

وقف کر دیتے ہیں۔ امراض نفسانیہ اور باطنی گناہ تو ان سے بالکل ہی سلب ہو چکتے ہیں وجود اور کمالات ہستی ان کے پاس ضرور ہوتے ہیں مگر وہ ان کمالات کو اللہ کی امانت اور ودیعت سمجھتے ہیں اور ہر کمال کو خداداد جانتے ہیں اور ہر نیکی کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہیں گویا اپنی ذات کو نیکی سے متصف بھی نہیں کرتے اور نہ کسی اچھے کام کا صدور اپنی ذات سے جانتے ہیں اسی لئے کسی اچھے کام سے ان کے اندر نہ غرور پیدا ہوتا ہے نہ فخر نہ الوہیت باطلہ کا کوئی شائبہ۔ حدیث مذکور میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ ستر ہزار کا داخلہ بتایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار ہونگے غالباً اول ستر ہزار سے تو حضور کی مراد وہ لوگ ہیں جو بجائے خود کامل ہونے کے بعد دوسرے کاملوں کے لئے رہنما ہوتے ہیں جیسے انبیاء اور بہت سے اولیاء مرشدین ان میں سے ہر ایک کے ساتھ ایسے ستر ہزار علماء راسخین اور اولیاء صالحین اور صدیقین ہونگے جن کے لئے اول گروہ راہنما اور مرشد ہوتا ہے۔ اول گروہ کامل گروں کا ہے اور دوسرا کاملوں کا۔

رہا اللہ کے تین لپ بھر لوگوں کا داخلہ تو ظاہر ہے کہ اس سے مراد کثرت ہے (ورنہ اللہ کے لپ کا نہ کوئی مفہوم ہے نہ لپوں کی تعداد کا) اللہ کے تو ایک لپ میں اول آخر سارا جہان آ جاتا ہے (تین لپ کا کیا معنی) قیامت کے دن ساری زمین اس کی مٹھی میں اور تمام آسمان لپٹے لپٹائے اس کے دست قدرت میں ہونگے پس غالباً تین لپ فرمانے سے انسانوں کی تین قسمیں مراد ہیں۔ ایک گروہ وہ جنہوں نے راہ خدا میں اپنی جانیں دیدیں یعنی شہداء۔ دوسرا وہ گروہ جنہوں نے مرضی مولی کی طلب میں اپنی عمریں اس کی اطاعت میں صرف کر دیں یہ گروہ ان باصفا مریدوں کا ہے جو مذکورۂ بالا مکملین و کاملین کے دامن سے وابستہ ہے۔ تیسرا گروہ وہ جنہوں نے مرضی خدا حاصل کرنے کے لئے اپنے مال خرچ کئے یہ گروہ اول اور دوسرے نمبر کے گروہ کے درجہ تک تو نہ پہنچ سکا مگر ان کی راہ پر چلنے والا ضرور ہے پس یہی تین گروہ اللہ کے تین لپوں میں ہونگے۔ اور ہر لپ بھر کر اللہ ایک ایک گروہ کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ رب پر ہی بھروسہ رکھنا صوفیہ کی باطنی صفت ہے اور راتوں کو ذکر و عبادت کے لئے بستروں سے پہلو الگ رکھنا ظاہری علامت ہے۔

آمَنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ

مان لیا رسول نے جو کچھ اترا اس پر اس کے رب کی طرف سے

وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ

اور مسلمانوں نے بھی سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو

وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْ

اور اسکی کتابوں کو اور اسکے رسولوں کو کہتے ہیں کہ ہم جدا نہیں کرتے کسی کو

رُسُلِهِ وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ

اسکے پیغمبروں میں سے اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا تیری بخشش

رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۲۸۵﴾

چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹ کر جانا ہے

شانِ نزول:

پہلی آیت سے جب یہ معلوم ہوا کہ دل کے خیالات پر بھی حساب اور گرفت ہے تو اس پر حضرات صحابہ گھبرائے اور ڈرے اور ان کو اتنا صدمہ ہوا کہ کسی آیت پر نہ ہوا تھا آپ سے شکایت کی تو آپ نے فرمایا (وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا) یعنی اشکال نظر آئے یا دقت مگر حق تعالیٰ کے ارشاد کی تسلیم میں ادنیٰ توقف بھی مت کرو اور سینہ ٹھوک کر سمعنا واطعنا عرض کر دو آپ کے ارشاد کی تعمیل کی تو انشراح کے ساتھ یہ کلمات زبان پر بے ساختہ جاری ہو گئے مطلب ان کا یہ ہے کہ ہم ایمان لائے اور اللہ کے حکم کی اطاعت کی یعنی اپنی دقت اور خلجان سب کو چھوڑ کر ارشاد کی تعمیل میں مستعدی اور آمادگی ظاہر کی حق تعالیٰ کو یہ بات پسند ہوئی تب یہ دونوں آیتیں اتریں اول یعنی (آمَنَ الرَّسُولُ) الخ اس میں رسول کریم اور ان کے بعد صحابہ کہ جن کو اشکال مذکور پیش آیا تھا ان کے ایمان کی حق سبحانہ نے تفصیل کے ساتھ مدح فرمائی جس سے ان کے دلوں میں اطمینان ترقی پا دے اور خلجان سابق زائل ہو اس کے بعد دوسری آیت (لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا) الخ میں فرما دیا کہ مقدور سے باہر کسی کو تکلیف نہیں دی جاتی اب اگر کوئی دل میں گناہ کا خیال اور خطرہ پائے اور اس پر عمل نہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اور بھول چوک بھی معاف ہے غرض صاف فرما دیا کہ جن باتوں سے بچنا طاقت سے باہر ہے جیسے برے کام کا خیال و خطرہ یا بھول چوک ان پر مواخذہ نہیں ہاں جو باتیں بندہ کے ارادے اور اختیار میں ہیں ان پر مواخذہ ہوگا اب آیت سابقہ کو سن کر جو صدمہ ہوا تھا اس کے معنی بھی اسی پچھلے قاعدہ کے موافق لینے چاہئیں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور خلجان مذکور کا اب ایسا قلع قمع ہو گیا کہ سبحان اللہ فائدہ جدا نہیں کرتے کسی کو اس کے پیغمبروں میں سے یعنی یہود اور نصاری کی طرح نہیں کہ کسی پیغمبر کو مانا اور کسی پیغمبر کو نہ مانا۔ (تفسیر عثمانی)

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا

اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اسکی گنجائش ہے اسی کو ملتا ہے

كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا

جواس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جواس نے کیا اے رب ہمارے نہ

تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا

پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چُوکیں اے رب

وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ

ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا

عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا

ہم سے اگلے لوگوں پر اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے

مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۣ وَاغْفِرْ لَنَا ۣ

وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور درگذر کر ہم سے اور بخش ہم کو

وَارْحَمْنَا ۣ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ

اور رحم کر ہم پر تو ہی ہمارا رب ہے مدد کر ہماری

الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۸۶

کافروں پر

صحابہ کرامؓ کو اطمینان دلانا:

اول آیۃ پر حضرات صحابہ کو بڑی پریشانی ہوئی تھی ان کی تسلی کیلئے یہ دو آیتیں (اٰمَنَ الرَّسُوْلُ) الخ اور (لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا) الخ نازل ہوئی اب اس کے بعد (رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ) آخر سورت تک نازل فرما کر ایسا اطمینان دیا گیا کہ کسی صعوبت اور دشواری کا اندیشہ بھی باقی نہ چھوڑا کیونکہ جن دعاؤں کا ہم کو حکم ہوا ہے ان کا مقصود یہ ہے کہ بیشک ہر طرح کا حق حکومت اور استحقاق عبادت تجھ کو ہم پر ثابت ہے۔ مگر اے ہمارے رب اپنی رحمت و کرم سے ہمارے لئے ایسے حکم بھیجے جائیں جن کے بجالانے میں ہم پر صعوبت اور بھاری مشقت نہ ہو نہ بھول چوک میں ہم پکڑے جائیں نہ مثل پہلی امتوں کے ہم پر شدید حکم اتارے جائیں نہ ہماری طاقت سے باہر کوئی حکم ہم پر مقرر ہو اس سہولت پر بھی ہم سے جو قصور ہو جائے اس سے درگذر اور معافی اور ہم پر رحم فرمایا جائے۔ حدیث میں ہے کہ یہ سب دعائیں مقبول ہوئیں۔ اور جب اس دشواری کے بعد جو حضرات صحابہ کو پیش آ چکی تھی اللہ کی رحمت سے اب ہر ایک دشواری سے ہم کو امن مل گیا تو اب اتنا اور بھی ہونا چاہئے کہ کفار پر ہم کو غلبہ عنایت ہو ورنہ ان کی طرف سے مختلف دقتیں دینوی ہر طرح کی مزاحمتیں پیش آ کر جس صعوبت سے اللہ اللہ کر کے اللہ کے فضل سے جان بچی تھی کفار کے غلبہ کی حالت میں پھر وہی کھٹکا موجب بے اطمینانی ہوگا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

آخری دو آیتوں کی فضیلت:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے رات کو یہ دو آیتیں پڑھ لیں تو یہ اس کے لئے کافی ہیں،

اور ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے دو آیتیں جنت کے خزائن میں سے نازل فرمائی ہیں جس کو تمام مخلوق کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے خود رحمٰن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا جو شخص ان کو عشاء کی نماز کے بعد پڑھ لے تو وہ اس کے لئے قیام اللیل یعنی تہجد کے قائم مقام ہو جاتی ہیں اور مستدرک حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ نے سورۂ بقرہ کو ان دو آیتوں پر ختم فرمایا ہے۔ جو مجھے اس خزانہ خاص سے عطا فرمائی ہیں جو عرش کے نیچے ہے۔ اس لئے تم خاص طور پر ان آیتوں کو سیکھو، اور اپنی عورتوں اور بچوں کو سکھاؤ، اسی لئے حضرت فاروق اعظمؓ اور علی مرتضیٰؓ نے فرمایا کہ ہمارا خیال یہ ہے کہ کوئی آدمی جس کو کچھ بھی عقل ہو وہ سورۃ بقرہ کی ان دونوں آیتوں کو پڑھے بغیر نہ سوئے گا۔

قیامت میں مؤمن کی پردہ پوشی:

صحیح بخاری و مسلم میں بروایت حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مومن قیامت کے روز اپنے رب عزوجل جل وعلیٰ سے قریب کیا جائے گا یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس کے ایک ایک گناہ کو یاد دلائیں گے، اور سوال کریں گے کہ تو مانتا ہے کہ تو نے یہ گناہ کیا تھا، بندہ مومن اقرار کر لے گا، حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ میں نے دنیا میں بھی تیری پردہ پوشی کی، اور تیرا گناہ لوگوں میں ظاہر نہ ہونے دیا، اور میں آج اس کو معاف کرتا ہوں، اور حسنات کا اعمالنامہ اس کو دیدیا جائے گا لیکن کفار اور منافقین کے گناہوں کو مجمع عام میں بیان کیا جائے گا۔

اور ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے روز فرمائے گا کہ یہ وہ دن ہے جس میں پوشیدہ چیزوں کا جائزہ لیا جائے گا، اور دلوں کے پوشیدہ راز کھولے جائیں گے، اور یہ کہ میرے کاتب اعمال فرشتوں نے تو تمہارے صرف وہ اعمال لکھے ہیں جو ظاہر تھے، اور میں ان چیزوں کو بھی جانتا ہوں جن پر فرشتوں کو اطلاع نہیں، اور نہ انہوں نے وہ چیزیں تمہارے نامہ اعمال میں لکھی ہیں، اور اب وہ سب تمہیں بتلاتا ہوں، اور ان پر محاسبہ کرتا ہوں، پھر جس کو چاہوں گا بخش دوں گا اور جس کا چاہوں گا عذاب دوں گا، پھر مومنین کو معاف کر دیا جائے گا اور کفار کو عذاب دیا جائے گا، (قرطبی)

اعمال ظاہرہ وباطنہ کا محاسبہ:

اور تفسیر مظہری میں ہے کہ انسان پر جو اعمال اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کیے گئے ہیں یا حرام کئے گئے ہیں وہ کچھ تو ظاہری اعضاء و جوارح سے متعلق ہیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور تمام معاملات اسی قسم میں داخل ہیں، اور کچھ اعمال و احکام وہ بھی ہیں جو انسان کے قلب اور باطن سے تعلق رکھتے ہیں، ایمان واعتقاد کے تمام مسائل تو اسی میں داخل ہیں، اور کفر وشرک جو سب سے زیادہ حرام وناجائز ہیں ان کا تعلق بھی انسان کے قلب سے ہی ہے، اخلاق صالحہ تواضع، صبر، قناعت، سخاوت وغیرہ، اسی طرح اخلاق رذیلہ کبر، حسد، بغض، حب دنیا، حرص وغیرہ یہ سب چیزیں ایک درجہ میں حرام قطعی ہیں، ان سب کا تعلق بھی انسان کے اعضاء و جوارح سے نہیں بلکہ دل سے اور باطن سے ہے۔

اس آیت میں ہدایت کی گئی ہے کہ جس طرح اعمال ظاہرہ کا حساب قیامت میں لیا جائے گا اسی طرح اعمال باطنہ کا بھی حساب ہوگا، اور خطا پر بھی مواخذہ ہوگا۔

اس سے مراد وہ سخت اعمال ہیں جو بنی اسرائیل پر عائد تھے کہ کپڑا پانی سے پاک نہ ہو، بلکہ کاٹنا یا جلانا پڑے، اور قتل کے بغیر توبہ قبول نہ ہو، یا مراد یہ ہے کہ دنیا میں ہم پر عذاب نازل نہ کیا جائے جیسا کہ بنی اسرائیل کے اعمال بد پر کیا گیا، اور یہ سب دعائیں حق تعالیٰ نے قبول فرمانے کا اظہار بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ کر دیا۔ (معارف القرآن مفتی اعظمؒ)

حضرت شیخ سید نور محمد بدایونی:

حضرت شیخ شہیدؒ نے اپنے شیخ سید نور محمد بدایونی رحمہ اللہ علیہ کا واقعہ نقل کیا ہے کہ جب شیخ بدایونی کے پاس کھانا یا کچھ اور چیز ہدیہ میں آتی تھی تو شیخ بصیرت کی نظر سے اس پر غور کرتے تھے۔ اگر اس کے اندر کسی قسم کی تاریکی نظر نہ آتی تو خود کھا لیتے یا استعمال کر لیتے یا دوسرے کو دیدیتے اور کبھی ہدیہ میں آئے ہوئے کھانے کو زمین میں دفن کرا دیتے۔ کسی بے بصیرت شخص نے پوچھا۔ شیخ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں کسی دوسرے کو ہی کھلا دیا کریں فرمایا سبحان اللہ، اگر مسلمان کو کھانے میں زہر ملا نظر آجائے اور وہ خود نہ کھائے تو کیا دوسرے کو کھانے کے لئے دینا جائز ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِسْتَفْتِ قَلْبَكَ وَاِنْ اَفْتَاكَ الْمُفْتُوْنَ کا روئے خطاب انہی لوگوں کی طرف ہے یعنی چاہے مفتی تم کو فتویٰ دے چکے ہوں پھر بھی اپنے دل سے فتویٰ طلب کرو۔ (اگر مفتیوں کے جائز قرار دینے کے باوجود تمہارا دل اسکے جواز کی طرف راغب نہو تو مت اختیار کرو۔)

خطا ونسیان معاف ہے:

حدیث سے ثابت ہے اور اجماع بھی منعقد ہے کہ اس امت کی خطا و نسیان کو اللہ نے معاف فرما دیا ہے ایسی صورت میں آیت کے اندر جو دعا مذکور ہے اس کا ورد صرف طلب دوام اور شمار نعمت کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں کہ میری امت سے خطا ونسیان اور مجبوری کا مواخذہ اٹھا ہوا اور اس کو اگر پڑھا جائے گا تو ضرور سیدھا راستہ اللہ دکھا دے گا اور دوسرے رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَا سے آخر سورت تک اگر پڑھا جائے گا س تو اللہ قبول فرمائے گا۔ اور حسب دعا عطا کرے گا اور یہ دونوں نور صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی عطا کئے گئے ہیں اسی لئے آپ کے بعد بھی آپ کی امت بحیثیت مجموعی قیامت تک گمراہ نہ ہوگی۔

ایک گروہ حق پر قائم رہے گا:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے میری امت بحیثیت مجموعی گمراہی پر جمع نہیں ہوگی۔ دوسری حدیث صحیحین میں معاویہؓ کی روایت سے آئی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ اللہ کے حکم پر قائم رہے گا مدد نہ کرنیوالے اس کو ضرر نہ پہنچا سکیں گے اور نہ اس کی مخالفت کرنیوالے نقصان پہنچا سکیں گے۔ اسی حالت میں اللہ تعالیٰ کا امر یعنی قیامت بپا ہونیکا حکم آجائے گا۔

سدرۃ المنتہیٰ پر عطاء کی گئی تین چیزیں:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب معراج میں لے جایا گیا اور آپ سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے۔ سدرۃ المنتہیٰ چھٹے آسمان پر ہے۔ زمین سے چڑھنے والے اعمال بھی اسی جگہ تک پہنچتے ہیں لے لئے جاتے ہیں۔ اور اوپر سے اترنیوالے احکام

بھی اسی جگہ تک پہنچتے اور لے لئے جاتے ہیں۔ سدرۃ المنتہی پر ہی وہ چیز چھائی ہوئی ہے جس کا ذکر آیت:

"(اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى) میں آیا ہے یعنی سنہری پتنگے۔ اس جگہ آپ کو تین چیزیں عطا ہوئیں۔ پانچ وقت کی نمازیں، سورۃ بقرہ کے خاتمہ کی آیت۔ اور آپ کی امت کے ان لوگوں کے کبائر کی معافی جو شرک نہیں کرتے۔ (رواہ مسلم)

نماز، روزہ میں بھول کا ازالہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا جو نماز سے سو جائے یا نماز پڑھنی بھول جائے تو جب یاد آئے پڑھ لے بھول چوک کے عذر سے اجماعاً روزہ کی نماز کی قضاء ساقط نہیں، نماز میں سہو ہو جائے تو سجدہ، سہو بالا جماع واجب ہے۔

قتل خطا:

قتل خطاء موجب کفارہ ہے اور میراث سے بھی اجماعاً محروم کر دیتا ہے۔

یہودیوں کو دیئے گئے احکام:

(كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا)

اللہ نے یہودیوں پر پچاس وقت کی نماز فرض کی تھی اور زکوۃ میں ایک چوتھائی مال دینے کا حکم دیا تھا۔ ان کو یہ بھی حکم تھا کہ اگر کپڑے پر نجاست لگ جائے تو کپڑے کو کاٹ دیا جائے۔ اگر کسی سے کوئی گناہ ہو جاتا تو صبح کو اس کے دروازہ پر لکھا ہوا پایا جاتا۔

بقرہ کی دو آیتیں:

حضرت ابومسعود انصاریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سورۂ بقرہ کے آخر کی دو آیتیں ہیں جو رات کو ان کو پڑھے گا (رات بھر کے لئے) وہ اس کے لئے کافی ہونگی۔ (رواہ الائمۃ الستۃ)

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ آسمان و زمین کو پیدا کرنے سے دو ہزار سال پہلے اللہ نے ایک تحریر لکھ دی تھی جس میں سے دو آیات سورۂ بقرہ کے خاتمہ والی نازل فرمادیں جس گھر میں یہ دونوں آیات تین رات پڑھی جائیں تو ایسا نہیں ہوسکتا کہ شیطان اس کے قریب آسکے۔ (رواہ البغوی)

حضرت ابومسعود انصاریؓ کی مرفوع روایت ہے کہ اللہ نے جنت کے خزانوں میں سے دو آیات نازل فرمائیں ان آیات کو پیدائش مخلوق سے دو ہزار برس پہلے رحمن نے اپنے ہاتھ سے لکھ دیا تھا جو شخص عشاء کی نماز کے بعد انکو پڑھ لے گا قیام شب کی جگہ یہ اس کے لئے کافی ہونگی۔ اخرجہ ابن عدی فی الکامل۔

قرآن کا میزان:

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر ہے میزان قرآن ہے، تم لوگ اس کو سیکھو، اس کو سیکھنا برکت ہے اور اس کو چھوڑ دینا باعث حسرت ہے۔ باطلین اس کی تاب نہیں لا سکتے عرض کیا گیا باطلین کون ہیں۔ فرمایا جادوگر اخرجہ الدیلمی فی مسند الفردوس۔ (تفسیر مظہری)

وسوسہ معاف ہے:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو وسوسے دل میں پیدا ہوتے ہیں جب تک ان پر عمل نہ ہویا ان کو زبان سے نہ کہہ دیا جائے اللہ نے میری امت کے لئے ان سے درگذر فرمائی ہے۔ (متفق علیہ)

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ عطا اور اکثر اہل تفسیر کے نزدیک آیت: (وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ) میں خطرات نفس یعنی وسوسے مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

سورۃ البقرہ ختم ہوئی

سورة آل عمران

سورۃ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی۔ اوراس میں دوسو آیتیں ہیں اوربیس رکوع ہیں۔

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ وَّهِیَ مِائَتَا اٰیَۃٍ وَّعِشْرُوْنَ رُکُوْعًا
سورۂ آل عمران مدینہ میں نازل ہوئی اوراسمیں دوسو آیتیں ہیں اوربیس رکوع ہیں
بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے
الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۝
اللہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ ہے سب کا تھامنے والا

وفد نجران:

نجران کے ساٹھ عیسائیوں کا ایک مؤقر ومعزز وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس میں تین شخص عبدالمسیح عاقب بحیثیت امارت وسیادت کے، ایہم السید بلحاظ رائے وتدبیر کے، اورابوحارثہ بن علقمہ باعتبار سب سے بڑے مذہبی عالم اور لاٹ پادری ہونے کے عام شہرت اور امتیاز رکھتے تھے۔ یہ تیسرا شخص اصل میں عرب کے مشہور قبیلہ ''بنی بکر بن وائل'' سے تعلق رکھتا تھا۔ پھر پکا نصرانی بن گیا۔ سلاطین روم نے اس کی مذہبی صلابت اور مجدوشرف کو دیکھتے ہوئے بڑی تعظیم وتکریم کی۔ علاوہ بیش قرار مالی امداد کے اس کے لئے گرجے تعمیر کئے اور امور مذہبی کے اعلیٰ منصب پر مامور کیا۔ یہ وفد بارگاہ رسالت میں بڑی آن بان سے حاضر ہوا اور متنازع فیہ مسائل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کی جس کی پوری تفصیل محمد بن اسحٰق کی سیرۃ میں منقول ہے۔ سورۂ ''آل عمران'' کا ابتدائی حصہ تقریباً اسی نوے آیات تک اسی واقعہ میں نازل ہوا عیسائیوں کا پہلا اور بنیادی عقیدہ یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام بعینہ خدا یا خدا کے بیٹے یا تین خداؤں میں سے ایک ہیں۔ سورۂ ہذا کی پہلی آیت میں توحید خالص کا دعویٰ کرتے ہوئے خدا تعالیٰ کی جو صفات ''حی قیوم'' بیان کی گئیں وہ عیسائیوں کے اس دعوے کو صاف طور پر باطل ٹھہراتی ہیں۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوران مناظرہ میں ان سے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ تعالیٰ حی (زندہ) ہے جس پر کبھی موت طاری نہیں ہو سکتی۔ اسی نے تمام مخلوقات کو وجود عطا کیا اور سامان بقا پیدا کر کے ان کو اپنی قدرت کاملہ سے تھام رکھا ہے۔ برخلاف اس کے عیسیٰ علیہ السلام پر یقیناً موت وفنا آکر رہے گی۔ اور ظاہر ہے جو شخص خود اپنی ہستی کو برقرار نہ رکھ سکے دوسری مخلوقات کی ہستی کیا برقرار رکھ سکتا ہے۔ ''نصاریٰ'' نے سن کر اقرار کیا کہ بیشک صحیح ہے شاید انہوں نے غنیمت سمجھا ہوگا کہ آپ اپنے اعتقاد کے موافق ''عیسیٰ یاتی علیه الفناء'' کا سوال کر رہے ہیں یعنی عیسیٰ پر فنا ضرور آئے گی، اگر جواب نفی میں دیا تو آپ ہمارے عقیدہ کے موافق کہ حضرت عیسیٰ کو عرصہ ہوا موت آچکی ہے۔ ہم کو اور زیادہ صریح طور پر ملزم اور مفحم کر سکیں گے۔ اسلئے لفظی مناقشہ میں پڑنا مصلحت نہ سمجھا۔ اور ممکن ہے یہ لوگ ان فرقوں میں سے ہوں جو عقیدہ اسلام کے موافق مسیح علیہ السلام کے قتل وصلب کا قطعاً انکار کرتے تھے اور رفع جسمانی کے قائل تھے جیسا کہ حافظ ابن تیمیہ نے ''الجواب الصحیح'' میں اور ''الفارق بین المخلوق والخالق'' کے مصنف نے تصریح کی ہے کہ شام ومصر کے نصاریٰ عموماً اسی عقیدہ پر تھے مدت کے بعد پولوس نے عقیدہ صلب کی اشاعت کی۔ پھر یہ خیال یورپ سے مصروشام وغیرہ پہنچا بہرحال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان عیسیٰ اتی علیه الفناء کے بجائے یاتی علیه الفناء فرمانا، درآں حالیکہ پہلے الفاظ تردید الوھیۃ مسیح کے موقع پر زیادہ صاف اور مسکت ہوتے۔ ظاہر کرتا ہے کہ موقع الزام میں بھی مسیح علیہ السلام پر موت سے پہلے لفظ موت کا اطلاق آپ نے پسند نہیں کیا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

ابن ابی حاتم نے بروایت ربیع بن انسؓ بیان کیا کہ کچھ عیسائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوکر حضرت عیسیٰؑ کے متعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کرنے لگے اس پر اللہ تعالیٰ نے الٓمّٓ الله لا اله الا هو سے کچھ اوپر اسی آیات آل عمران کی نازل فرمائیں۔

ابن اسحاق نے بیان کیا کہ مجھ سے محمدؒ بن سہل بن ابی امامہ نے کہا کہ جب نجران کے نمائندے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کے متعلق سوال کرنے کے لئے حاضر ہوئے تو ان کے متعلق سورۂ آل عمران شروع سے اسی (۸۰) آیات کے آخر تک نازل ہوئی۔ (بیہقی فی الدلائل)

بغویؒ نے کلبی اور ربیع بن انسؓ کا قول بھی یہی لکھا ہے کہ ان آیات کا نزول نجران کے نمائندوں کے متعلق ہوا جنکی تعداد ساٹھ تھی۔ وہ اونٹوں پر سوار ہوکر آئے تھے پوری جماعت کے سردار ۱۴ شخص تھے اور ان میں بھی صرف تین لیڈر رہتے تھے۔ عاقب سب کا امیر اور مشیر اعلیٰ تھا جس کے مشورہ کے بغیر اہل وفد کچھ کام نہیں کرتے تھے۔ عاقب کا نام عبدالمسیح تھا۔ امیر سفر سید

تھا جس کا نام ایھم تھا۔ اور ابو حارثہ بن علقمہ پادری اور اہل قافلہ میں مذہبی عالم تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عصر کی نماز پڑھ چکے تھے کہ یہ وفد مسجد میں داخل ہوا۔ یمنی منقش کپڑے کے چغے پہنے اور خوبصورت مردانہ چادریں اوڑھے ایسے بھلے معلوم ہوتے تھے کہ دیکھنے والے کہہ رہے تھے ہم نے اس شان کا کوئی ڈیپوٹیشن نہیں دیکھا۔ ان لوگوں کی نماز کا وقت بھی ہو گیا تھا اسلئے وہیں مسجد میں ہی نماز کو کھڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اجازت دیدی۔ مشرق کی طرف منہ کر کے انہوں نے نماز پڑھی۔ سید اور عاقب سے گفتگو ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام لانے کی دعوت دی۔ دونوں نے جواب دیا ہم تو آپ سے پہلے ہی اسلام لا چکے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم غلط کہتے ہو تم کو اسلام سے روک دینے والی چیز یہ ہے کہ تم اللہ کا بیٹا قرار دیتے ہو۔ صلیب کی پرستش کرتے ہو اور خنزیر کو کھاتے ہو۔ یعنی خنزیر کے گوشت کو حلال سمجھتے ہو۔ کہنے لگے اچھا بتاؤ اگر عیسیٰ کا باپ خدا نہیں تو ان کا باپ اور کون تھا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم ناواقف ہو کہ ہمارا رب زندہ ہے جس کو موت نہیں اور عیسیٰ علیہ السلام پر موت آئے گی۔ اہل وفد نے کہا بلاشبہ ایسا ہی ہے فرمایا کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا رب ہر چیز کو تھامے ہوئے ہے نگران کل اور رزاق ہے۔ اہل وفد نے کہا جانتے کیوں نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا عیسیٰ کے قابو میں بھی ان امور میں سے کوئی شے ہے۔ اہل وفد نے جواب دیا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تم کو علم نہیں کہ اللہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ نہ زمین میں نہ آسمان میں۔ اہل وفد نے کہا جانتے کیوں نہیں۔ فرمایا تو کیا عیسیٰ علیہ السلام بھی سوائے مخصوص علم کے اس میں سے کچھ جانتے ہیں اہل وفد نے کہا نہیں۔ فرمایا ہمارے رب نے عیسیٰ کی شکل ماں کے پیٹ کے اندر جیسی چاہی بنادی ہمارا رب نہ کھاتا ہے نہ پیتا ہے۔ اہل وفد نے کہا جی ہاں فرمایا کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں کہ عیسیٰ کو ماں نے اپنے پیٹ میں اسی طرح رکھا جس طرح عورت بچہ کو اپنے پیٹ میں رکھتی ہے اور اس طرح جنا جس طرح عورت جنتی ہے پھر عیسیٰ کو اسی طرح غذا دی گئی جیسے بچہ کو دی جاتی ہے عیسیٰ کھاتے بھی تھے پیتے بھی تھے اور پیشاب پاخانہ بھی کرتے تھے اہل وفد نے کہا ہم یہ باتیں جانتے ہیں فرمایا تو پھر عیسیٰ تمہارے دعوے کے بموجب اللہ کا بیٹا کیسے ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد اہل وفد خاموش ہو گئے اور اللہ نے سورۂ آل عمران کی شروع سے کچھ اوپر اسی آیات نازل فرمائیں۔

اسم اعظم:

ابن ابی شیبہ، طبرانی اور ابن مردویہ نے ابو امامہ کی مرفوع حدیث بیان کی کہ اللہ کا اسم اعظم تین سورتوں میں ہے البقرہ اور آل عمران اور طٰہٰ۔ حضرت ابو امامہؓ کے شاگرد قاسم نے کہا میں نے تینوں سورتوں میں تلاش کیا تو الحی القیوم کو تینوں سورتوں میں مشترک پایا ایک سورۂ بقرہ کی آیۃ الکرسی میں دوسرے آل عمران کی اسی آیت میں اور تیسرے سورۂ طٰہٰ کی آیت ﴿وَعَنَتِ الْوُجُوْهُ لِلْحَيِّ الْقَيُّوْمِ﴾ میں۔

جزری مولف حصن حصین نے لکھا ہے کہ میرے نزدیک اسم اعظم ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ ہے یہی تینوں سورتوں میں مذکور ہے میں کہتا ہوں کہ اسم اعظم ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ﴾ ہے حدیثوں میں مطابقت اس طرح ہو جائے گی۔ ایک حدیث حضرت ابو امامہؓ کی روایت کردہ جو ابھی بیان کر دی گئی۔ دوسری حدیث حضرت اسماء بنت یزید کی روایت کردہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے خود سنا فرما رہے تھے اللہ کا اسم اعظم ان دو آیات میں ہے:

﴿وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ﴾

اور ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ﴾ ﴿رواہ الترمذی وابوداؤد وابن ماجۃ والدارمی﴾

تیسری حدیث حضرت سعد بن ابی وقاص کی روایت کردہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ذوالنون حضرت یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ کے اندر اپنے رب سے جو دعا کی تھی وہ یہ تھی۔ ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾ جو مسلمان کسی چیز کے متعلق ان الفاظ کے ساتھ اللہ سے دعاء کرے گا تو اس کی دعا ضرور قبول کرے گا۔ ﴿رواہ احمد والترمذی﴾

مستدرک میں حاکم نے لکھا ہے کہ

﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ﴾

اللہ کا وہ اسم اعظم ہے کہ اگر اسکے ذریعہ سے اللہ سے دعا کی جائے تو اللہ قبول فرماتا ہے اور اس سے کچھ مانگا جائے تو عطا فرماتا ہے۔

چوتھی روایت حضرت یزیدؓ کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو یہ کہتے سنا اللھم انی اسئالک بانی اشھد ان لآ الہ الا انت الا حد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً احد۔ فرمایا اس شخص نے اللہ سے ایسا اسم اعظم پڑھ کر دعاء مانگی ہے کہ جب اس سے اس اسم کے ذریعہ سے کچھ مانگا جائے تو وہ عطا فرماتا ہے اور دعاء کی جائے تو قبول فرماتا ہے۔ رواہ احمد وابوداؤد والنسائی وابن ماجۃ والترمذی والحاکم وابن حبان۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن غریب کہا ہے اور حاکم نے کہا کہ شرط شیخین کے مطابق صحیح ہے۔

پانچویں حدیث اس پوری جماعت نے حضرت انسؓ کی روایت سے

بیان کی ہے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا اور ایک شخص نماز پڑھ رہا تھا۔ اس نے نماز میں کہا اللھم انی اسئالک بان لک الحمد لآ الہ الا انت الحنان المنان بدیع السموت والارض یا ذالجلال والاکرام یا حی یا قیوم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس نے اللہ کا ایسا اسم اعظم لیکر دعا کی ہے کہ اگر اُس سے یہ نام لیکر دعا کی جائے تو وہ قبول فرماتا ہے اور کچھ مانگا جائے تو عطا فرماتا ہے۔

احادیث کا خلاصہ:

ابن ابی شیبہؒ نے یا حی یا قیوم کے الفاظ کا ذکر نہیں کیا ان تمام احادیث کا تقاضا ہے کہ ان سب میں اور تینوں سورتوں میں اسم اعظم موجود ہے اور وہ صرف نفی و اثبات یعنی لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہے سورۂ بقرہ میں آیۃ الکرسی کے اندر اور آل عمران میں اسی آیت کے اندر کلمۂ توحید مذکور ہے اور سورۂ طٰہٰ میں آیت اللہ لا الہ الا هو له الاسماء الحسنیٰ موجود ہے۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ہی افضل الذکر ہے۔ رواہ الترمذی۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کی مرفوع حدیث ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه جنت کی کنجی ہے۔ اس مفہوم کی احادیث متواتر المعنیٰ آئی ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ اس نفی و اثبات کے اسم اعظم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اثبات الوہیت کا تقاضا ہے کہ تمام صفات کمالیہ اس کی ذات میں بالذات موجود ہوں اور کوئی عیب و نقص اس میں نہ ہو کیونکہ جو ذات ایسی جامع الصفات اور منزہ از نقائص نہ ہو اس کو استحقاق معبودیت نہیں ہوسکتا۔

ایسی حالت میں غیر اللہ کی الوہیت کی نفی اور ذات الٰہی میں تمام صفات ثبوتیہ وسلبیہ کے حصر پر جو کلمہ دلالت کرے گا وہی اسم اعظم ہوگا اس لئے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه ہی اسم اعظم ہے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ
اتاری تجھ پر کتاب سچی

یعنی قرآن کریم جو عین حکمت کے موافق نہایت بروقت سچائی اور انصاف کو اپنی آغوش میں لے کر اترا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ
تصدیق کرتی ہے اگلی کتابوں کی اور اتارا توریت

وَالْاِنْجِيْلَ ﴿٣﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ
اور انجیل کو اس کتاب سے پہلے لوگوں کی ہدایت کے لئے

تمام کتابوں کے اصول ایک ہیں:

یعنی قرآن اگلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اگلی کتابیں تورات و انجیل وغیرہ پہلے سے قرآن اور اس کے لانے والے کی طرف لوگوں کی رہنمائی کر رہی تھیں اور اپنے اپنے وقت میں مناسب احکام و ہدایات دیتی تھیں۔ گویا بتلا دیا کہ ''الوہیت'' یا ''ابنیت مسیح'' کا عقیدہ کسی آسمانی کتاب میں موجود نہ تھا۔ کیونکہ اصول دین کے اعتبار سے تمام کتب سماویہ متفق و متحد ہیں۔ مشرکانہ عقائد کی تعلیم کبھی نہیں دی گئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۬ؕ
اور اتارے فیصلے

حق و باطل میں فیصلہ کرنے والی:

یعنی ہر زمانہ کے مناسب ایسی چیزیں اتاریں جو حق و باطل حلال و حرام اور جھوٹ سچ کے درمیان فیصلہ کرنے والی ہوں۔ اس میں قرآن کریم، کتب سماویہ، معجزات انبیاء سب داخل ہوگئے اور ادھر بھی اشارہ ہو گیا کہ جن مسائل میں یہود و نصاریٰ جھگڑتے چلے آرہے ہیں ان اختلافات کا فیصلہ بھی قرآن کے ذریعہ سے کر دیا گیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ
بیشک جو منکر ہوئے اللہ کی آیتوں سے ان کے واسطے
عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو
سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست ہے بدلہ
انْتِقَامٍ ﴿٤﴾
لینے والا

حضرت مسیح علیہ السلام معبود نہ تھے:

یعنی ایسے مجرموں کو نہ سزا دیئے بغیر چھوڑے گا نہ وہ اس کے زبردست اقتدار سے چھوٹ کر بھاگ سکیں گے۔ اس میں بھی الوہیت مسیح کے ابطال کی طرف لطیف اشارہ ہو گیا۔ کیونکہ جو اختیار و اقتدار کلی

خدا کیلئے ثابت کیا گیا، ظاہر ہے وہ مسیح میں نہیں پایا جاتا۔ بلکہ نصاریٰ کے نزدیک حضرت مسیح کسی کو سزا تو کیا دے سکتے خود اپنے کو باوجود سخت تضرع والحاح کے ظالموں کے پنجہ سے نہ چھڑا سکے۔ پھر خدا یا خدا کا بیٹا کیسے بن سکتے ہیں؟ بیٹا وہی کہلاتا ہے جو باپ کی نوع سے ہو۔ لہٰذا خدا کا بیٹا خدا ہی ہونا چاہئے۔ ایک عاجز مخلوق کو حقیقۃً قادر مطلق کا بیٹا کہنا، باپ اور بیٹے دونوں پر سخت عیب لگانا ہے۔ العیاذ باللہ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي
اللہ پر چھپی نہیں کوئی چیز
الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝
زمین میں اور نہ آسمان میں

اللہ تعالیٰ کا علم محیط:

یعنی جس طرح اس کا اقتدار و اختیار کامل ہے۔ علم بھی محیط ہے، عالم کی کوئی چھوٹی بڑی چیز ایک سیکنڈ کیلئے اس سے غائب نہیں سب مجرم و بری، اور تمام جرموں کی نوعیت و مقدار اس کے علم میں ہے۔ مجرم بھاگ کر روپوش ہونا چاہے تو کہاں ہوسکتا ہے۔ یہیں سے تنبیہ کر دی گئی کہ مسیح علیہ السلام خدا نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ ایسا علم محیط انکو حاصل نہ تھا۔ وہ اسی قدر جانتے تھے جتنا حق تعالیٰ ان کو بتلا دیتا تھا۔ جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جواب میں خود نصاریٰ نجران نے اقرار کیا اور آج بھی انا جیل مروجہ سے ثابت ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ
وہی تمہارا نقشہ بناتا ہے ماں کے پیٹ میں جس طرح
يَشَآءُ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝
چاہے کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا زبردست ہے حکمت والا

کمال قدرت:

یعنی اپنے علم و حکمت کے مطابق کمال قدرت سے جیسا اور جس طرح چاہا ماں کے پیٹ میں تمہارا نقشہ بنایا نذکر مونث، خوبصورت، بدصورت، جیسا پیدا کرنا تھا کر دیا۔ ایک پانی کے قطرہ کو کتنی پلٹیاں دیکر آدمی کی صورت عطا فرمائی۔ جس کی قدرت و صنعت کا یہ حال ہے کیا اس کے علم میں کمی ہوسکتی ہے۔ یا کوئی انسان جو خود بھی بطن مادر کی تاریکیوں میں رہ کر آیا ہو اور عام بچوں کی طرح کھاتا پیتا، پیشاب پاخانہ کرتا ہو، اس خداوند قدوس کا بیٹا یا پوتا کہلایا جا سکتا ہے؟

(كَبُرَتْ كَلِمَةً تَخْرُجُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۚ اِنْ يَّقُوْلُوْنَ اِلَّا كَذِبًا)

عیسائیوں کے سوال کا جواب:

عیسائیوں کا سوال تھا کہ جب مسیح کا ظاہری باپ کوئی نہیں تو بجز خدا کے کس کو باپ کہیں یُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ میں اس کا جواب بھی ہو گیا، یعنی خدا کو قدرت ہے رحم میں جس طرح چاہے آدمی کا نقشہ تیار کر دے۔ خواہ ماں باپ دونوں کے ملنے سے یا صرف ماں کی قوت منفعلہ سے اسی لئے آگے فرمایا (هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ) یعنی زبردست ہے جس کی قدرت کو کوئی محدود نہیں کر سکتا۔ اور حکیم ہے جہاں جیسا مناسب جانتا ہے کرتا ہے۔ حواء کو بدون ماں کے مسیح کو بدون باپ کے "آدم" کو بدون ماں باپ دونوں کے پیدا کر دیا۔ اس کی حکمتوں کا احاطہ کون کر سکے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تخلیق انسانی کے مراحل:

حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ ہم سے اللہ کے سچے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے ہر ایک کا تخلیقی قوام ماں کے پیٹ کے اندر چالیس روز تک بصورت نطفہ پھر اتنی ہی مدت بصورت علقہ پھر اسی قدر بصورت مضغہ ہوتا ہے پھر اللہ فرشتہ کو چار باتیں لکھنے کے لئے بھیجتا ہے حسب الحکم فرشتہ اسکا رزق (اچھے برے) اعمال۔ مدت زندگی۔ اور نیک بخت یا بد بخت ہونا لکھ دیتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بعض لوگ اہل جنت کے عمل (اتنے) کرتے ہیں کہ ان کے اور جنت کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے آخر تقدیر کا لکھا آگے آتا ہے اور وہ شخص دوزخیوں کے کام کرتا ہے اور دوزخ میں چلا جاتا ہے کچھ لوگ دوزخیوں کے اعمال (اتنے) کرتے ہیں کہ ان کے اور دوزخ کے درمیان صرف ایک گز کا فاصلہ رہ جاتا ہے آخر تحریر خلقی غالب آتی ہے اور وہ شخص اہل جنت کے کام کرتا ہے اور جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ متفق علیہ

حضرت حذیفہ بن اسید کی مرفوع روایت ہے کہ رحم کے اندر نطفہ کے چالیس یا پینتالیس روز ٹھیرنے کے بعد ایک فرشتہ اس کے پاس آتا ہے اور عرض کرتا ہے الٰہی یہ بد بخت ہے یا نیک بخت (حسب الحکم) دونوں باتوں میں سے کوئی بات لکھ دی جاتی ہے پھر عرض کرتا ہے مالک یہ نر ہے یا مادہ (حسب الحکم) یہ چیزیں بھی لکھ دی جاتی ہیں۔ اسی طرح اسکے اعمال

احوال مدت، زندگی اور رزق بھی تحریر کر دیا جاتا ہے پھر تحریر کو لپیٹ دیا جاتا ہے۔ پھر اس میں زیادتی کمی نہیں کی جاتی۔ ﴿رواہ البغوی، تفسیر مظہری اردو جلد۲﴾

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ

وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب اس میں بعض آیتیں ہیں

مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ

محکم یعنی انکے معنیٰ واضح ہیں وہ اصل ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں مشابہ

فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُوْنَ

یعنی جن کے معنیٰ معلوم یا معین نہیں سو جن کے دلوں میں کجی ہے

مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ

وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور

تَاْوِیْلِهٖ ۚ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ

مطلب معلوم کرنے کی وجہ سے اور ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوا اللہ کے

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا

اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم اس پر یقین لائے

بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّآ

سب ہمارے رب کی طرف سے اتری ہیں اور سمجھانے سے

اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝۷

وہی سمجھتے ہیں جن کو عقل ہے

نصاریٰ کی الزامی دلیل کا جواب:

نصاریٰ نجران نے تمام دلائل سے عاجز ہو کر بطور معارضہ کہا تھا کہ آخر آپ حضرت مسیح کو "کلمتہ اللہ" اور "روح اللہ" مانتے ہیں۔ بس ہمارے اثبات مدعا کیلئے یہ الفاظ کافی ہیں۔ یہاں اس کا تحقیقی جواب ایک عام اصول اور ضابطہ کی صورت میں دیا جس کے سمجھ لینے کے بعد ہزاروں نزاعات و مناقشات کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں ایک وہ جن کی مراد معلوم و متعین ہو، خواہ اس لئے کہ لغت و ترکیب وغیرہ کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام و اجمال نہیں نہ عبارت کئی معنی کا احتمال رکھتی ہے نہ جو مدلول سمجھا گیا وہ عام قواعد مسلمہ کے مخالف ہے۔ اور یا اس لئے کہ عبارت والفاظ میں گو لغۃً کئی معنی کا احتمال ہو سکتا تھا، لیکن شارع کی نصوص مستفیضہ یا اجماع معصوم یا مذہب کے عام اصول مسلمہ سے قطعاً متعین ہو چکا کہ متکلم کی مراد وہ معنی نہیں، یہ ہے۔ ایسی آیات کو محکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہ ہی آیات ہوتی ہیں۔ دوسری قسم آیات کی "متشابہات" کہلاتی ہے۔ یعنی جن کی مراد معلوم و متعین کرنے میں کچھ اشتباہ والتباس واقع ہو جائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہئے جو معنی اس کے خلاف پڑیں ان کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے مخالف نہ ہو۔ اگر باوجود اجتہاد و سعی بلیغ کے متکلم کی مراد کی پوری پوری تعیین نہ کر سکیں۔ تو دعویٰ ہمہ دانی کر کے ہم کو حد سے گذرنا نہیں چاہئے۔ جہاں قلت علم اور قصور استعداد کی وجہ سے بہت سی حقائق پر ہم دسترس نہیں پا سکتے اس کو بھی اسی فہرست میں شامل کر لیں۔ مگر زنہار ایسی تاویلات اور ہیر پھیر نہ کریں جو مذہب کے اصول مسلمہ اور آیات محکمہ کے خلاف ہوں مثلاً قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت تصریح کر دی۔ (اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ) یا (اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ) الخ یا (ذٰلِكَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ ۚ قَوْلَ الْحَقِّ الَّذِیْ فِیْهِ یَمْتَرُوْنَ ۝ مَا كَانَ لِلّٰهِ اَنْ یَّتَّخِذَ مِنْ وَّلَدٍ ۙ سُبْحٰنَهٗ)

اور جا بجا ان کی الوہیت و ابنیت کا رد کیا۔ اب ایک شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے "كَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَا اِلٰی مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ" وغیرہ متشابہات کو لے دوڑے اور اسکے وہ معنی چھوڑ کر جو محکمات کے موافق ہوں ایسے سطحی معنی لینے لگے جو کتاب کی عام تصریحات اور متواتر بیانات کے منافی ہوں، یہ کجروی اور ہٹ دھرمی نہیں تو اور کیا ہوگی بعض قاسی القلب تو چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دے کر لوگوں کو گمراہی میں پھنسا دیں اور بعض کمزور عقیدہ والے ڈھل مل یقین ایسے متشابہات سے اپنی رائے و ہوا کے مطابق کھینچ تان کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں۔ حالانکہ ان کا صحیح مطلب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے وہ ہی اپنے کرم سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہے کر دیتا ہے جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات و متشابہات سب کو حق جانتے ہیں۔ انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سرچشمہ سے آئی ہیں جن میں تناقض و تہافت کا امکان نہیں۔ اسی

لئے وہ متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹا کر مطلب سمجھتے ہیں۔ اور جو حصہ ان کے دائرہ فہم سے باہر ہوتا ہے اسے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہ ہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام ہے (تنبیہ) بندہ کے نزدیک اس آیت کا مضمون "سورۂ حج" کی آیت ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ اِلَّآ اِذَا تَمَنّٰى﴾ الی آخرہا" کے مضمون سے بے حد مشابہ ہے جسے ان شاء اللہ اس کے موقع پر بیان کیا جائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ
اے رب نہ پھیر ہمارے دلوں کو جب تو ہم کو ہدایت کر چکا اور
لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ⑧
عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت تو ہی ہے سب کچھ دینے والا

راسخین فی العلم کا طریقہ:

یعنی راسخین فی العلم اپنے کمال علمی اور قوت ایمانی پر مغرور و مطمئن نہیں ہوتے بلکہ ہمیشہ حق تعالیٰ سے استقامت اور مزید فضل وعنایت کے طلبگار رہتے ہیں تا کہ کمائی ہوئی پونجی ضائع نہ ہو جائے اور خدا نکردہ دل سیدھے ہونے کے بعد کج نہ کر دیئے جائیں۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (امت کو سنانے کیلئے) دعا کیا کرتے تھے

"یَامُقَلِّبَ الْقُلُوْبِ ثَبِّتْ قَلْبِیْ عَلٰی دِیْنِکَ" ﴿تفسیر عثمانی﴾

متشابہات قرآن کے پیچھے پڑنا فتنہ ہے:

دارمی نے حضرت عمرؓ کا فرمان نقل کیا ہے کہ عنقریب تمہارے پاس ایسے لوگ آئیں گے جو متشابہات قرآن میں تم سے جھگڑا کریں گے تم سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انکی پکڑ کرنا کیونکہ اہل سنت ہی کتاب اللہ کو خوب جانتے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ ہم حضرت عمرؓ کے پاس موجود تھے کہ ایک شخص آیا اور قرآن کے متعلق پوچھنے لگا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ حضرت عمرؓ کھڑے ہو کر اس کے کپڑوں سے لپٹ گئے اور اس کو کھینچ کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے پاس لے گئے اور فرمایا ابوالحسن سنتے ہو یہ شخص کیا کہہ رہا ہے مجھ سے آکر یہ پوچھنے لگا کہ قرآن مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے فرمایا اس بات کا برا پھل عنقریب نکلے گا۔ خلافت آپ کی ہے اگر میری ہوتی تو میں اسکی گردن مار دیتا۔ دارمی نے بروایت سلیمان بن یسار لکھا ہے کہ ایک آدمی جس کا نام صبیغ تھا مدینہ میں آیا اور متشابہات قرآن کے متعلق پوچھنے لگا حضرت عمرؓ نے اس کو بلوایا اور کھجور کی ننگی قمچیاں اس کے لئے تیار رکھیں جب وہ آگیا تو آپ نے فرمایا کون ہے اس نے جواب دیا میں اللہ کا بندہ صبیغ ہوں۔ حضرت نے فرمایا میں اللہ کا بندہ عمرؓ ہوں یہ فرمانے کے بعد ایک قمچی لے کر اسکے ماری اور اس کے سر کو خون آلود کر دیا۔ صبیغ فوراً بول اٹھا امیر المؤمنین بس کیجئے وہ چیز جاتی رہی جو پہلے میں اپنے سر میں پاتا تھا۔

ابو عثمان سندی کا بیان ہے حضرت عمرؓ نے بصری کو لکھ بھیجا تھا کہ صبیغ کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھنا اسکے بعد اگر وہ ہمارے جلسہ میں آتا تھا اور ہم سو آدمی بیٹھے ہوتے تھے تو سب الگ الگ ہو جاتے تھے اور جلسہ برخاست کر دیتے تھے۔ حضرت محمد بن سیرین کا بیان ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو موسیٰ اشعری کو لکھ بھیجا تھا کہ صبیغ کے ساتھ نشست و برخاست نہ رکھنا اور اس کو تنخواہ و روزینہ نہ دینا۔

معتزلہ وقدریہ:

امام شافعیؒ نے فرمایا میرا فیصلہ اہل کلام (معتزلہ اور قدریہ وغیرہ) کے بارہ میں بھی وہی ہے جو حضرت عمرؓ کا فیصلہ صبیغ کے بارہ میں تھا کہ ان کو قمچیوں سے مارا جائے اور اونٹ پر بٹھا کر قبائل اور خاندانوں میں گھمایا جائے اور ندا کرا دی جائے کہ یہ اس شخص کی سزا ہے جو کتاب وسنت کو چھوڑتا اور علم کلام کی جانب اپنا رخ کرتا ہے۔

یہودیوں کی شرارت:

روایت میں آیا ہے کہ بعض یہودیوں نے جب اسلام کی شوکت اور بلندی دیکھی تو جل گئے اور یقین کر لیا کہ اللہ کی طرف سے مسلمانوں کی یہ امدادان کے دین کی وجہ سے ہو رہی ہے لہذا دو غلے بن گئے ظاہر میں اسلام لے آئے اور متشابہات کی غلط تو جیہات تفسیری کرنے لگے اور مذاہب باطلہ کی ایجاد کرنی شروع کر دی چنانچہ حروریہ اور معتزلہ اور رافضی وغیرہ بن گئے۔

متشابہات کے بارے میں صحیح فیصلہ:

صحیح بات وہی ہے جو ہم نے سورۂ بقرہ کے اول میں لکھ دی ہے کہ اللہ اور اللہ کے رسول کے درمیان متشابہات ایک راز ہیں عام لوگوں کو ان کا علم عطا کرنا مقصود ہی نہیں ہے بلکہ ان کے لئے متشابہات کا علم ممکن ہی نہیں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے بعض کامل امتیوں کو ہی بتانا مقصود ہے اور اخص الخواص حضرات ہی علم لدنی کے ذریعہ سے ان سے واقف ہوتے ہیں۔

راسخ فی العلم کی تعریف:

اہل تصوف کہتے ہیں کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو نفس اور عناصر کو

فنا کر کے خواہشات سے بالکل الگ ہو چکے ہیں۔ تجلیات ذاتیہ میں ایسے ڈوبے ہوئے ہیں کہ کوئی شبہ ان کو لاحق ہی نہیں ہوسکتا وہ کہتے ہیں کہ اگر نقاب ہٹا بھی دیا جائے تو جتنا یقین ہم کو ہو چکا ہے اس سے زیادہ نہ ہوگا (یعنی ہمارے یقین میں اضافہ کی گنجائش ہی نہیں ہے ہمارا ایمان عین مشاہدہ ہے ہم کو حق الیقین حاصل ہو چکا ہے۔)

طبرانی وغیرہ نے حضرت ابوالدرداءؓ کی روایت سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے راسخین فی العلم کے متعلق دریافت کیا گیا فرمایا جو لوگ قسم کے پورے زبان کے سچے استقامت قلبی رکھنے والے اور شکم و شرمگاہ کو حرام سے بچانے والے ہیں وہ راسخین فی العلم میں سے ہیں۔

ہدایت و گمراہی سب اللہ کی طرف سے ہے:

(اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ) ۔ بلاشبہ تو ہی وہاب ہے ہر مانگنے والے کو عطا فرماتا ہے۔ اس آیت میں دلیل ہے اس امر کی کہ ہدایت ہو یا گمراہی سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے اور اس کی توفیق و عدم توفیق پر موقوف ہے اس پر کسی کا حق واجب نہیں بلکہ وہ اپنے بندوں پر مہربان ہے۔ حضرت نواس بن سمعانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی قلب ایسا نہیں کہ وہ رحمٰن کی چٹکی میں نہ ہو (ہر قلب رحمٰن کی چٹکی میں ہے) وہی سیدھا کرنا چاہتا ہے سیدھا کر دیتا ہے ٹیڑھا کرنا چاہتا ہے ٹیڑھا کر دیتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے اے دلوں کو پھیرنے والے ہمارے دلوں کو اپنے دین پر قائم رکھ۔ عزت و ذلت کی ترازو رحمٰن کے ہاتھ میں ہے روز قیامت تک وہ کسی قوم کو اونچا اور کسی قوم کو نیچا کرتا رہے گا۔ ﴿رواہ البغوی﴾

صحیحین میں حضرت عائشہ صدیقہؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت سے آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دل کی حالت ایسی ہے جیسے کوئی پَر کسی چٹیل میدان میں پڑا ہوا اور ہوائیں اسکو الٹ پلٹ کر رہی ہوں۔ ﴿رواہ احمد﴾

نسائی وغیرہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب رات کو جاگتے تو یہ دعا پڑھتے لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَکَ اَسْتَغْفِرُکَ لِذَنْبِیْ وَاَسْئَلُکَ رَحْمَۃً اَللّٰهُمَّ زِدْنِیْ عِلْمًا وَلَا تُزِغْ قَلْبِیْ بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنِیْ وَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَۃً اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ۔

راسخین کی آخری حد:

بعض اکابر کا قول ہے کہ میں علم کا آدھا حصہ بھی نہیں جانتا۔

اسلئے عمر بن عبدالعزیزؒ نے فرمایا تھا کہ تفسیر قرآن کے علم میں رسوخ رکھنے والوں کے علم کی یہ آخری حد آ گئی کہ انہوں نے آمنا بہ کہہ دیا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

رَبَّنَآ اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ
اے رب تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن جس میں
فِیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۹﴾
کچھ شبہ نہیں بیشک اللہ خلاف نہیں کرتا اپنا وعدہ

قیامِ قیامت:

وہ دن ضرور آ کر رہے گا اور "زائغین" کجرو جن مسائل میں جھگڑتے تھے سب کا دوٹوک فیصلہ ہو جائے گا۔ پھر ایک مجرم کو اپنی کجروی اور ہٹ دھرمی کی سزا بھگتنی پڑے گی۔ اسی خوف سے ہم ان کے راستہ سے بیزار اور آپ کی رحمت و استقامت کے طالب ہوتے ہیں۔ ہمارا زائغین کے خلاف راستہ اختیار کرنا کسی بدنیتی اور نفسانیت کی بنا پر نہیں محض اخروی فلاح مقصود ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ
بیشک جو لوگ کافر ہیں ہر گز کام نہ آویں گے ان کو
اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْئًا ؕ
ان کے مال اور نہ انکی اولاد اللہ کے سامنے کچھ
وَاُولٰٓئِکَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ﴿۱۰﴾
اور وہی ہیں ایندھن دوزخ کے

مال، اولاد عذاب سے نہیں بچا سکتے:

قیامت کے ذکر کے ساتھ کافروں کا انجام بھی بتلا دیا کہ ان کو کوئی چیز دنیا و آخرت میں خدا کی سزا سے نہیں بچا سکتی۔ جیسا کہ میں ابتداء سورۃ میں لکھ چکا ہوں۔ ان آیات میں اصلی خطاب وفد "نجران" کو تھا جسے عیسائی مذہب و قوم کی سب سے بڑی نمائندہ جماعت کہنا چاہئے۔ امام فخر الدین رازی نے محمد بن اسحاق کی سیرت سے نقل کیا ہے کہ جس وقت یہ وفد نجران سے بقصد مدینہ روانہ ہوا تو ان کا بڑا پادری ابوحارثہ بن علقمہ خچر پر سوار تھا۔ خچر نے ٹھوکر کھائی تو اسکے بھائی کرز بن علقمہ کی زبان سے نکلا تعس الابعد (ابعد سے مراد محمد صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ العیاذ باللہ) ابوحارثہ نے کہا تعست امک۔ کرز نے حیران ہو کر اس کلمہ کا سبب پوچھا۔ ابوحارثہ نے کہا واللہ ہم خوب جانتے ہیں۔ کہ یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ ہی نبی

منتظر ہیں جن کی بشارت ہماری کتابوں میں دی گئی تھی۔ کرز نے کہا پھر مانتے کیوں نہیں؟ بولا لِاَنَّ هٰؤُلَاءِ الْمُلُوکُ اَعْطُوْنَا اَمْوَالًا کَثِیْرَةً وَاَکْرِمُوْنَا اٰمَنَّا بِمُحَمَّد صلی اللّٰه علیه وسلم لَا خَذُوْا مِنَّا کُلَّ هٰذِهِ الْاَشْیَاءِ. اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے تو یہ بادشاہ جو بے شمار دولت ہم کو دے رہے ہیں اور اعزاز و اکرام کر رہے ہیں سب واپس کر لیں گے۔ کرز نے اس کلمہ کو اپنے دل میں رکھا اور آخر کار یہی کلمہ ان کے اسلام کا سبب ہوا رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ میرے نزدیک ان آیات میں ابو حارثہ کے ان ہی کلمات کا جواب ہے گویا دلائل عقلیہ ونقلیہ سے ان کے فاسد عقیدہ کا رد کر کے متنبہ فرما دیا کہ وضوح حق کے بعد جو لوگ محض دنیوی متاع (اموال و اولاد وغیرہ) کی خاطر ایمان نہیں لاتے وہ خوب سمجھ لیں کہ مال و دولت اور جتھے نہ ان کو دنیا میں خدائی سزا سے بچا سکتے ہیں نہ آخرت میں عذاب عظیم سے۔ چنانچہ اس کی تازہ مثال ابھی "بدر" کے موقع پر مسلمان اور مشرکین کی لڑائی میں دیکھ چکے ہو۔ دنیا کی بہار محض چند روزہ ہے۔ مستقبل کی کامیابی ان ہی کے لئے ہے جو خدا سے ڈرتے اور تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ دور تک یہ مضمون چلا گیا ہے اور عموم الفاظ کے اعتبار سے یہود و مشرکین وغیرہ دوسرے کفار کو بھی خطاب میں لپیٹ لیا گیا۔ گو اصلی مخاطب نصاریٰ نجران تھے۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِيْنَ مِنْ

جیسے دستور فرعون والوں کا اور جو ان سے

قَبْلِهِمْ ؕ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ

پہلے تھے جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پھر پکڑا ان کو اللہ نے

بِذُنُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾

ان کے گناہوں پر اور اللہ کا عذاب سخت ہے

ف: یعنی کسی کے ٹالے ٹل نہیں سکتا اور جس طرح وہ پکڑے گئے تم بھی خدا کی پکڑ میں آنے والے ہو۔ (تفسیر عثمانی)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَتُحْشَرُوْنَ

کہہ دے کافروں کو کہ اب تم مغلوب ہو گے اور ہانکے

اِلٰى جَهَنَّمَ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

جاؤ گے دوزخ کی طرف اور کیا برا ٹھکانا ہے

کافر مغلوب ہوں گے:

یعنی وقت آ گیا ہے کہ تم سب کیا یہود، کیا نصاریٰ، اور کیا مشرکین عنقریب خدائی لشکر کے سامنے مغلوب ہو کر ہتھیار ڈالو گے یہ تو دنیا کی ذلت ہوئی اور آخرت میں جو گرم مکان تیار ہے وہ الگ رہا بعض روایات میں ہے کہ بدر سے فاتحانہ واپسی کے بعد حضور نے یہود کو فرمایا کہ تم حق کو قبول کر لو۔ ورنہ جو حال قریش کا ہوا۔ تمہارا ہوگا۔ کہنے لگے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس دھوکہ میں نہ رہئے کہ تم نے قریش کے چند نا تجربہ کاروں پر فتح حاصل کر لی ہم سے مقابلہ ہوا تو پتہ لگ جائے گا کہ ہم جنگ آزمودہ سپاہی اور بہادر آدمی ہیں اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ بدر کی فتح دیکھ کر یہود کچھ تصدیق کی طرف مائل ہونے لگے تھے۔ پھر کہا کہ جلدی مت کرو دیکھو آئندہ کیا ہوتا ہے۔ دوسرے سال احد کی پسپائی دیکھ کر ان کے دل سخت ہو گئے اور حوصلے بڑھ گئے۔ حتیٰ کہ عہد شکنی کر کے مسلمانوں سے لڑائی کا سامان کیا۔ کعب بن اشرف ساٹھ سواروں کے ساتھ مکہ معظمہ جا کر ابوسفیان وغیرہ سرداران قریش سے ملا اور کہا ہم تم ایک ہیں۔ متحدہ محاذ قائم کر کے محمدؐ کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ واللہ اعلم (تفسیر عثمانی)

☆ بہر حال تھوڑے ہی دنوں بعد خدا نے دکھلا دیا کہ جزیرۃ العرب میں مشرک کا نام نہ رہا۔ قریظہ کے بدعہد یہود تلوار کے گھاٹ اتار دیے گئے۔ بنی نضیر جلا وطن ہوئے۔ نجران کے عیسائیوں نے ذلیل ہو کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا۔ اور تقریباً ایک ہزار سال تک دنیا کی بڑی بڑی مغرور متکبر قومیں مسلمانوں کی بلندی و برتری کا اعتراف کرتی رہیں۔ فالحمد علی ذلک۔

اسلام غالب ہوگا:

ابن ابی حاتم میں ہے حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی والدہ صاحبہ حضرت ام فضلؓ کا بیان ہے کہ مکہ شریف میں ایک رات رسول اللہ کھڑے ہو گئے اور بآواز بلند فرمانے لگے لوگو! کیا میں نے خدا تعالیٰ کی باتیں تم تک پہنچا دیں؟ لوگو! کیا میں نے تبلیغ کر دی؟ لوگو! کیا میں وحدانیت و رسالت پہنچا چکا؟ حضرت عمرؓ فرمانے لگے ہاں حضورؐ! بیشک آپؐ نے خدا تعالیٰ کا دین ہمیں پہنچایا۔ پھر جب صبح ہوئی تو آپؐ نے فرمایا سنو خدا تعالیٰ کی قسم اسلام غالب ہوگا اور خوب پھیلے گا یہاں تک کہ کفر اپنی جگہ جا چھپے گا۔ مسلمان اسلام کو لے کر سمندروں کو چیرتے پھاڑتے نکل جائیں گے اور اسلام کی اشاعت کریں گے یاد رکھو وہ زمانہ بھی آنے والا

ہے کہ لوگ قرآن کو سیکھیں گے پڑھیں گے پھر تکبر بڑائی اور خود بینی کے طور پر کہنے لگیں گے ہم قاری ہیں ہم عالم ہیں، کون ہے جو ہم سے بڑھ چڑھ کر ہو۔ (تفسیر ابن کثیر)

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ
ابھی گذر چکا ہے تمہارے سامنے ایک نمونہ دو فوجوں میں جن میں مقابلہ
فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى
ہوا ایک فوج ہے کہ لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج
كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ
کافروں کی ہے دیکھتے ہیں یہ ان کو اپنے سے دو چند صریح آنکھوں سے اور اللہ
يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ
زور دیتا ہے اپنی مدد کا جس کو چاہے اسی میں
لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾
عبرت ہے دیکھنے والوں کو

عبرتناک واقعہ:

جنگ بدر میں کفار تقریباً ایک ہزار تھے جن کے پاس سات سو اونٹ اور ایک سو گھوڑے تھے۔ دوسری طرف مسلمان مجاہدین تین سو سے کچھ اوپر تھے جن کے پاس کل ستر اونٹ دو گھوڑے چھ زرہیں اور آٹھ تلواریں تھیں۔ اور تماشا یہ تھا کہ ہر ایک فریق کو حریف مقابل اپنے سے دوگنا نظر آتا تھا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ کفار کے دل مسلمانوں کی کثرت کا تصور کر کے مرعوب ہوتے تھے اور مسلمان اپنے سے دوگنی تعداد دیکھ کر اور زیادہ حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہوتے۔ اور کامل توکل اور استقلال سے خدا کے وعدہ (فَاِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ مِّائَةٌ صَابِرَةٌ يَّغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ) پر اعتماد کر کے فتح و نصرت کی امید رکھتے تھے اگر ان کی پوری تعداد جو تگنی تھی منکشف ہوتی تو ممکن تھا خوف طاری ہو جاتا۔ اور یہ فریقین کا دوگنی تعداد دیکھنا بعض احوال میں تھا ورنہ بعض احوال وہ تھے جب ہر ایک کو دوسرے فریق کی جمعیت کم محسوس ہوئی جیسا کہ سورۂ انفال میں آئے گا بہرحال ایک قلیل اور بے سروسامان جماعت کو ایسی مضبوط جمعیت کے مقابلہ میں ان پیشین گوئیوں کے موافق جو مکہ میں کی گئی تھیں۔ اس طرح مظفر و منصور کرنا، آنکھیں رکھنے والوں کیلئے بہت بڑا عبرتناک واقعہ ہے۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ
فریفتہ کیا ہے لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت نے جیسے عورتیں

امتحان و آزمائش کی چیزیں:

یعنی جب ان میں پھنس کر آدمی خدا سے غافل ہو جائے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا مَاتَرَكْتُ بَعْدِيْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ۔ میرے بعد مردوں کیلئے کوئی ضرر رساں فتنہ عورتوں سے بڑھ کر نہیں۔ ہاں اگر عورت سے مقصود اعفاف اور کثرت اولاد ہو، تو وہ مذموم نہیں بلکہ مطلوب و مندوب ہے۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دنیا کی بہترین متاع نیک بیوی ہے۔ اگر اس کی طرف دیکھے تو خوش ہو۔ حکم دے تو فرمانبردار پائے۔ کہیں غائب ہو تو پیٹھ پیچھے شوہر کے مال اور اپنی عصمت کے معاملہ میں اس کی حفاظت کرے اسی طرح جتنی چیزیں آگے متاع دنیا کے سلسلہ میں بیان ہوئیں سب کا محمود و مذموم ہونا نیت اور طریق کار کے تفاوت سے متفاوت ہوتا رہے گا۔ مگر چونکہ دنیا میں کثرت ایسے افراد کی ہے جو عیش و عشرت کے سامانوں میں پھنس کر خدا تعالیٰ کو اور اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں۔ اس لئے زین للناس میں سطح کلام کی عام رکھی گئی ہے۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ
اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے
وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ
اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے

یعنی جن پر نمبر یا نشان لگائے جائیں پانچ کلیان گھوڑے جن کے ہاتھ پاؤں اور پیشانی پر قدرتی نشان ہوتے ہیں یا جو گھوڑے چراگاہ میں چرنے کے لئے چھوڑے گئے ہوں۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ
اور مویشی اور کھیتی یہ فائدہ اٹھانا ہے دنیا کی زندگی میں
الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾
اور اللہ ہی کے پاس ہے اچھا ٹھکانا

مال ومتاع کا مقصد:

یعنی ابدی فلاح ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی محض دنیا میں چند روزہ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے کامیاب مستقبل اور اچھا ٹھکانا چاہتے ہوتو خدا کے پاس ملے گا۔ اس کی خوشنودی اور قرب حاصل کرنے کی فکر کرو۔ اگلی آیت میں یہ بتلاتے ہیں کہ وہ اچھا ٹھکانا کیا ہے اور کن لوگوں کو ملتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۭ لِلَّذِيْنَ

کہہ دے کیا بتاؤں میں تم کو اس سے بہتر پرہیز گاروں

اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا

کے لئے اپنے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے جاری ہیں

الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ

نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں ہیں ستھری

یعنی ہر قسم کی صوری ومعنوی گندگی سے پاک صاف ہوں گی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۭ

اور رضامندی اللہ کی

کہ اس سے بڑھ کر کیا نعمت ہو سکتی ہے بلکہ جنت بھی فی الحقیقت اس لئے مطلوب ہے کہ وہ محل رضا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اولاد آنکھ کی خنکی اور دل کا کامل سرور ہوتی ہے تو کیا جنتیوں کے بچے پیدا ہوں گے فرمایا مومن جب اولاد کی خواہش کریگا تو ایک ہی ساعت میں استقرار حمل وضع حمل اور سن (یعنی بالیدگی اور بڑھاؤ) اس کی خواہش کے مطابق ہو جائے گا۔

اللہ نے ایک جنت ایسی بنائی ہے جس کی ایک اینٹ چاندی کی دوسری اینٹ سونے کی اور گارا مشک کا ہے۔ (یعنی گنگا جمنی جنت)۔ رواہ البزار والطبرانی والبیہقی عن ابی سعید عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرفوع حدیث میں آیا ہے کہ دو جنتیں چاندی کی ہیں جن کے ظروف اور ان کے اندر کی تمام چیزیں چاندی کی ہیں اور دو جنتیں سونے کی ہیں جن کے برتن اور ان کے اندر کی تمام چیزیں سونے کی ہیں۔ ﴿رواہ البخاری ومسلم من حدیث ابی موسیٰ﴾

جنت کے گھوڑے:

باقی گھوڑوں اور چوپایوں کا جنت کے اندر ہونا تو یہ بھی ثابت ہے ایک اعرابی نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے گھوڑوں سے محبت ہے کیا جنت میں گھوڑے ہونگے فرمایا جب تم جنت میں داخل ہو گئے تو تمہارے سامنے یاقوت کا گھوڑا لایا جائے گا جس کے دو بازو ہونگے تم کو اس پر سوار کیا جائے گا اور وہ تم کو تمہاری مرضی کے موافق اڑا کر لے جائے گا۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

ابن مبارکؒ نے حضرت شفی بن ماتعؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کی آسائشوں میں سے یہ بات بھی ہوگی کہ جنتی باہم ملاقات کے لئے اونٹوں اور گھوڑوں پر سوار ہو کر جائیں گے۔ اور جمعہ کے روز ان کے سامنے زین پوش گھوڑے لائے جائیں گے جن کے لگام میں لگی ہوں گی وہ لید اور پیشاب نہیں کریں گے۔ جنتی ان پر سوار ہو کر جہاں اللہ چاہے گا پہنچ جائیں گے۔

ابن ابی الدنیا اور ابوالشیخ اور اصفہانی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جنت میں ایک درخت ہے جس کی بالائی چوٹی سے لباس کے جوڑے اور نچلے حصہ سے سونے کے ابلق گھوڑے پیدا ہونگے جن کی زینیں اور لگام میں موتی اور یاقوت کی ہونگی ان کے پروں والے بازو بھی ہوں گے ان کا ایک پر بقدر رسائی نگاہ ہوگا وہ لید اور پیشاب نہیں کرینگے ان پر اولیاء اللہ سوار ہونگے اور جہاں چاہیں گے گھوڑے اڑا کر لے جائیں گے۔ نیچے والے کہیں گے انہوں نے تو تمہارا نور ماند کر دیا۔ (اللہ یا فرشتہ کہے گا یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے تھے) تم کنجوسی کرتے تھے یہ جہاد کرتے تم بیٹھے رہتے تھے۔

ابن مبارک نے حضرت ابن عمرؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت میں عمدہ گھوڑے اور اعلیٰ اونٹنیاں ہونگی جن پر جنتی سوار ہونگے۔ ابن وہبؒ نے حسنؒ بصری کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کم سے کم مرتبہ والا جنتی وہ ہوگا جو ہزار در ہزار غلمان جنت کے ساتھ یاقوت سرخ کے گھوڑوں پر سوار ہوگا اور ان گھوڑوں کے بازو سونے کے ہوں گے۔ رہا کھیتی کا تذکرہ تو اس کے سلسلہ میں بخاری نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک جنتی اپنے رب سے کھیتی کرنے کی اجازت مانگے گا اللہ فرمائے گا کیا تو اپنی خواہش کے مطابق حالت میں نہیں ہے جنتی عرض کرے گا کیوں نہیں لیکن میں کھیتی کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ کاشت کریگا مگر پلک جھپکنے سے پہلے کھیتی اگ آئے گی پودے ٹھیک ہو جائیں گے اور کھیت کٹنے کے قابل ہو جائے گا۔ اور پہاڑوں کی طرح کھیتی ہو جائے گی اللہ فرمائے گا اے آدمؑ کے بچے لے تجھے کوئی چیز سیر نہیں کرے گی۔ (طبرانی) اور ابوالشیخ نے بھی اس

طرح کی حدیث نقل کی ہے اس روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ کھیتی کی ایک ایک بالی بارہ ہاتھ کی ہوجائے گی۔ اور وہ شخص اپنی جگہ سے ہٹنے بھی نہ پائے گا کہ پہاڑوں کے برابر غلہ کا ٹیلہ ہوجائیگا۔

جنت میں ازواج واولاد:

جنت کی نعمتوں میں ازواج کے خصوصی تذکرہ کی وجہ غالباً یہ ہے کہ عرب کو عورتوں کی خواہش شدت کے ساتھ ہوتی تھی یا یہ وجہ ہے کہ جنت میں ہر ایک کو ازواج (حوریں) ملیں گی۔

باقی اولاد تو صرف انہی کو ملے گی جن کی دنیا میں اولاد ہوگی یا جنت میں اولاد کے خواہشمند ہونگے عموماً اہل جنت کو اولاد کی خواہش نہیں ہوگی کیونکہ حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت میں آیا ہے کہ جب جنت کے اندر مؤمن اولاد کا خواہشمند ہوگا تو فوراً اولاد ہوجائے گی۔ مگر وہ خواہشمند ہی نہ ہوگا۔ ﴿رواہ الترمذی والدارمی﴾

مطلب یہ ہے کہ اکثر لوگ اولاد کے خواہشمند نہ ہونگے ہم نے یہ تاویل مختلف روایات کو مطابق بنانے کے لئے کی ہے۔

عظیم الشان نعمت:

آخر میں ایک عظیم الشان نعمت کا اضافہ کیا جس پر زیادتی ممکن نہیں یعنی اللہ کی خوشنودی۔ پھر رضوان کو بصورت نکرہ (غیر معرف) لانے سے اشارہ کیا کہ اللہ کی رضامندی کی حد کوئی سمجھ نہیں سکتا۔

حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ اہل جنت سے فرمائے گا اے اہل جنت جنتی جواب دینگے لَبَّیْکَ رَبَّنَا وَسَعْدَیْکَ وَالخَیْرُ فِیْ یَدَ یْکِ. اللہ فرمائے گا کیا میں اس سے بڑھ کر چیز تم کو دوں جنتی عرض کریں گے اے ہمارے رب اس سے بڑھ کر کیا چیز ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں تم پر اپنی خوشنودی نازل کروں گا تم پر کبھی غصے نہ ہوں گا۔ ﴿متفق علیہ﴾

اللہ نے آخر میں ایک ایسی نعمت کا ذکر فرمایا ہے جو دنیوی نعمتوں سے بڑھ چڑھ کر ہے اور اس سے بڑی نعمت کا امکان ہی نہیں ہے یعنی اللہ کی خوشنودی۔ اللہ کی رضامندی ہی وہ امتیازی نعمت ہے جو جنت کی نعمتوں کو دنیوی نعمتوں سے ممتاز کرتی ہے۔ دنیا ملعون ہے جو کچھ اس میں ہے وہ ملعون ہے ہاں دنیا کی چیزوں میں سے جس چیز سے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہو وہ ملعون نہیں ہے۔ بعض روایات میں اللہ کے ذکر اور علم دین کے عالم و متعلق کو ملعون ہونے سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ طبرانی نے اوسط میں حضرت ابن مسعودؓ کی روایت سے اور صغیر میں حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کی روایت سے اور ابن ماجہ نے سنن میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے اور جنت کی نعمتیں اللہ کی نظر میں پسندیدہ ہیں۔ حضرت ربیعہ حرسیؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے خواب میں بتایا گیا ہے کہ کسی سردار نے کوئی مکان بنایا اور پھر دسترخوان چنوایا اور ایک منادی کو لوگوں کے بلوانے کے لئے بھیجا اب جس شخص نے منادی کی دعوت کو قبول کیا وہ گھر میں آ گیا اور اس نے دسترخوان پر کھانا کھا لیا۔ اور وہ سردار اس سے خوش ہو گیا اور جس نے دعوت کرنیوالے کی دعوت نہ قبول کی وہ گھر میں نہ آیا اور دسترخوان سے کچھ نہ کھا سکا۔ اور سردار اس سے ناراض ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سردار تو اللہ ہے اور اسکی طرف سے دعوت دینے والا محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے اور مکان اسلام ہے اور دسترخوان جنت ہے۔ ﴿رواہ الدارمی﴾

وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ ﴿۱۵﴾
اور اللہ کی نگاہ میں ہیں بندے

بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں:

بندوں کے تمام اعمال واحوال اس کے سامنے ہیں جو جس جزاو سزا کا مستحق ہوگا بلا کم و کاست دی جائے گی۔ دنیا کی بہار پر مرنیوالے اور اس کے فانی مزوں سے پرہیز کرنے والے سب اپنے اپنے ٹھکانے پہنچادیے جائیں گے۔ یا یہ مطلب لیا جائے کہ پرہیز گار بندوں پر خدا کی نگاہ لطف و کرم ہے۔ جو دنیا کی ابلہ فریب سحر کاریوں سے ان کو محفوظ رکھتی ہے۔ چنانچہ حدیث میں آپ ؐ نے فرمایا کہ جب خدا کسی بندہ کو محبوب رکھتا ہے تو اسی طرح دنیا سے اس کا پرہیز کرادیتا ہے۔ جیسے تم اپنے مریض کو پانی وغیرہ سے پرہیز کراتے ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ
وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لائے ہیں سو بخش دے
لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ ﴿۱۶﴾
ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے

معلوم ہوا کہ گناہ معاف ہونے کے لئے ایمان لانا شرط ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ
وہ صبر کرنیوالے ہیں اور سچے اور حکم بجالانیوالے

وَ الْمُنْفِقِيْنَ وَ الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

اور خرچ کرنیوالے اور گناہ بخشوانے والے پچھلی رات میں

پکے سچے مسلمان:

یعنی اللہ کے راستہ میں بڑی بڑی تکلیفیں اٹھا کر بھی اس کی فرمانبرداری میں جمے رہتے اور معصیت سے رکے رہتے ہیں زبان کے دل کے نیت کے معاملہ کے سچے ہیں پوری تسلیم و انقیاد کے ساتھ خدا کے احکام بجالاتے ہیں خدا کی دی ہوئی دولت کو اس کے بتلائے ہوئے مواقع میں خرچ کرتے ہیں۔ اور پچھلی رات میں اٹھ کر جو طمانیت اور اجابت کا وقت ہوتا ہے لیکن اٹھنا اس وقت سہل نہیں ہوتا اپنے رب سے گناہ اور تقصیرات معاف کراتے ہیں۔

(كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ وَ بِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ) (ذاریات رکوع ۱)

یعنی اکثر رات عبادت میں گزارتے اور سحر کے وقت استغفار کرتے کہ خدا وندا عبادت میں جو تقصیر رہ گئی اپنے فضل سے معاف فرمانا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

معافی اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا قسم ہے اس کی جسکے دست قدرت میں میری جان ہے اگر تم گناہ نہیں کرو گے تو اللہ تم کو لیجائے گا۔ (فنا کردے گا) اور تمہاری جگہ ایسے لوگوں کو لے آئے گا جو گناہ کرینگے پھر گناہ کرنے کے بعد معافی کے طلبگار ہونگے اور ان کے گناہ بخش دیئے جائیں گے۔ ﴿رواہ مسلم﴾

سحری کے وقت کی خصوصیت:

طلب معافی کے لئے سحر کے وقت کا خصوصی ذکر اس لئے کیا کہ یہ وقت قبول دعا سے بہت ہی قرب رکھتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہر رات کا جب آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے باری تعالیٰ آسمان دنیا پر نزول اجلال فرماتا ہے۔ اور ارشاد فرماتا ہے میں ہی سارے جہان کا خود مختار بادشاہ ہوں کوئی ہے جو مجھ سے دعا کرے۔ اور میں اس کی دعا قبول کروں۔ کوئی ہے جو مجھ سے مانگے اور میں اس کو عطا کروں کوئی ہے جو مجھ سے گناہوں کی معافی چاہے اور میں اسکی مغفرت کروں۔

مسلمؒ کی روایت میں اتنا اور ہے کہ پھر پروردگار اپنے دونوں ہاتھ پھیلاتا ہے اور فرماتا ہے کون ہے قرض دینے والا ایسے شخص کو جو مفلس نہیں ہے اور نہ حق مارنے والا۔ یہ ندا صبح کی پو پھٹنے تک ہوتی رہتی ہے۔ ﴿بخاری و مسلم﴾

بغویؒ نے حسن بصری کا قول نقل کیا ہے۔ حضرت لقمان نے اپنے بیٹے سے فرمایا بیٹے اس مرغ سے بھی زیادہ عاجز نہ ہو۔ جو سحر کے وقت چیختا ہے اور تو بستر پر پڑا سوتا ہوتا ہے۔

صبح کی نماز:

زید بن اسلمؓ نے فرمایا کہ (الْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ) سے وہ لوگ مراد ہیں جو فجر کی نماز جماعت کے ساتھ پڑھتے ہیں سحر کا وقت صبح کے قریب ہی ہوتا ہے اس لئے بالاسحار فرمایا۔

حضرت ابن عمرؓ کا عمل:

نافع کا بیان ہے کہ حضرت ابن عمرؓ رات کو یا رات بھر عبادت کرتے آخر میں فرماتے نافع کیا سحر ہوگئی۔ میں عرض کرتا ابھی نہیں۔ آپ لوٹ کر پھر نماز پڑھنے لگتے۔ اور اگر میں کہہ دیتا جی ہاں تو بیٹھ کر استغفار کرتے۔ اور صبح تک دعا کرتے رہتے تھے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ

اللہ نے گواہی دی کہ کسی کی بندگی نہیں اس کے سوا

ربطِ آیات:

ابتدا میں نصاریٰ نجران سے خطاب تھا اور نہایت لطیف انداز سے الوہیت مسیح کے عقیدہ کا ابطال اور توحید خالص کا اعلان کر کے ایمان لانے کی ترغیب دی گئی تھی۔ درمیان میں ان موانع کا ذکر فرمایا جو انسان کو وضوح حق کے باوجود شرف ایمان سے محروم رکھتے ہیں یعنی مال و اولاد اور سامان عیش و عشرت۔ ان آیات میں مؤمنین کی صفات بیان کرنے کے بعد پھر اصل مضمون توحید وغیرہ کی طرف عود کیا گیا ہے۔

توحید کے گواہ:

یعنی توحید خالص کے ماننے میں کیا تردد ہوسکتا ہے۔ جبکہ خود حق تعالیٰ اپنی تمام کتابوں میں برابر اس مضمون کی گواہی دیتا رہا ہے۔ اور اس کی فعلی کتاب صحیفہ کائنات کا ایک ایک ورق بلکہ ایک ایک نقطہ شہادت دیتا ہے کہ بندگی کے لائق رب العالمین کے سوا کوئی نہیں ہوسکتا۔

وَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَهٗ اٰيَةٌ تَدُلُّ عَلٰى اَنَّهٗ وَاحِدٌ

(سَنُرِيْهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ۭ اَوَلَمْ يَكْفِ بِرَبِّكَ اَنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ) ﴿حم سجدہ رکوع ۶﴾

حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اللہ نے اجسام سے چار ہزار سال پہلے ارواح کو پیدا کیا اور ارواح کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے رزق کو پیدا کیا اور مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے جب کہ وہ خود ہی تھا۔ نہ آسمان تھا نہ زمین نہ نیک نہ بد خود ہی اپنے ایک ہونے کی شہادت دی اور فرمایا (شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ)۔ (تفسیر مظہری)

آیت کی فضیلت:

امام بغویؒ نے اپنی سند کے ساتھ اس جگہ ایک حدیث نقل فرمائی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حق تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جو شخص ہر نماز کے بعد سورۃ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور آل عمران کی دو آیتیں ایک آیت (شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ) آخر تک اور دوسری یہ آیت (قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ) سے بغیر حساب تک پڑھا کرے تو میں اس کا ٹھکانہ جنت میں بنا دوں گا۔ اور اس کو اپنے حظیرۃ القدس میں جگہ دوں گا، اور ہر روز اس کی طرف ستر مرتبہ نظر رحمت کروں گا۔ اور اس کی ستر حاجتیں پوری کروں گا، اور ہر حاسد اور دشمن سے پناہ دوں گا۔ اور ان پر اس کو غالب رکھوں گا۔

یہ آیت شہادت ایک خاص شان رکھتی ہے امام تفسیر بغویؒ نے نقل کیا ہے کہ یہود کے دو بڑے عالم ملک شام سے مدینہ طیبہ میں وارد ہوئے، مدینہ کی بستی کو دیکھ کر آپس میں تذکرہ کرنے لگے کہ یہ بستی تو اس طرح کی ہے جس کے لئے توراۃ میں پیشینگوئی آئی ہے۔ کہ اس میں نبی آخر الزمان قیام پذیر ہوں گے۔ اس کے بعد ان کو اطلاع ملی کہ یہاں کوئی بزرگ ہیں جن کو لوگ نبی کہتے ہیں۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر پڑتے ہی وہ تمام صفات سامنے آگئیں، جو توراۃ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بتلائی گئی تھیں، حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں؟ آپؐ نے فرمایا ہاں، پھر عرض کیا کہ آپ احمد ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں! میں محمد ہوں اور احمد ہوں پھر عرض کیا کہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سوال کرتے ہیں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا صحیح جواب دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دریافت کرو۔ انہوں نے سوال کیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں سب سے بڑی شہادت کون سی ہے۔ اس سوال کے جواب کے لئے یہ آیت شہادت نازل ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پڑھ کر سنا دی، یہ دونوں اسی وقت مسلمان ہو گئے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ عرفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت پڑھی تو اس کے بعد فرمایا: (وَاَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ) یا ربّ

"یعنی اے پروردگار میں بھی اس پر شاہد ہوں۔ ﴿ابن کثیر﴾

اور امام احمد کی ایک روایت سے معلوم ہوا کہ جو شخص اس آیت کی تلاوت کے بعد یہ کہے کہ (اَنَا عَلٰى ذٰلِكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ) تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرشتوں سے فرمائیں گے۔ "کہ میرے بندے نے ایک عہد کیا ہے اور میں عہد پورا کرنے والوں میں سب سے زیادہ ہوں، اس لئے میرے بندے کو جنت میں داخل کر دو۔ ﴿ابن کثیر﴾

وَالْمَلٰٓئِكَةُ
اور فرشتوں نے

ظاہر ہے فرشتوں کی گواہی خدا کی گواہی کے خلاف کیسے ہو سکتی ہے فرشتہ تو نام ہی اس مخلوق کا ہے جو صدق و حق کے راستہ سے سرتابی نہ کر سکے۔ چنانچہ فرشتوں کی تسبیح و تحمید تمام تر توحید و تفرید باری پر مشتمل ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاُولُوا الْعِلْمِ
اور علم والوں نے بھی

علم والے ہر زمانہ میں توحید کی شہادت دیتے رہے ہیں اور آج تو عام طور پر توحید کے خلاف ایک لفظ کہنا جہل محض کے مرادف سمجھا جاتا ہے۔ مشرکین بھی دل میں مانتے ہیں کہ علمی اصول کبھی مشرکانہ عقائد کی تائید نہیں کر سکتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اہل علم سے مراد انبیاء علیہم السلام اور عام علماء اسلام ہیں اسلئے امام غزالیؒ اور ابن کثیرؒ نے فرمایا کہ اس میں علماء کی بڑی فضیلت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی شہادت کو اپنی اور اپنے فرشتوں کی شہادت کے ساتھ ذکر فرمایا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اہل علم سے مطلق وہ لوگ مراد ہوں جو علمی اصول پر صحیح نظر کر کے یا کائنات عالم میں غور فکر کر کے حق جل وعلا شانہ کی وحدانیت کا علم حاصل کر سکیں۔

قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾
وہی حاکم انصاف کا ہے کسی کی بندگی نہیں سوا اس کے زبردست ہے حکمت والا

منصف کی صفات:

انصاف کرنے کیلئے دو باتیں ضروری ہیں زبردست ہو کہ اس کے فیصلہ سے کوئی سرتابی نہ کر سکے۔ اور حکیم ہو کہ حکمت و دانائی سے پوری طرح جانچ تول کر ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرے کوئی حکم بے موقع نہ دے چونکہ حق تعالیٰ عزیز و

حکیم ہے لہٰذا اس کے منصف علی الاطلاق ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے۔

عیسائیوں کی تردید:

غالباً اس لفظ (قَآئِمًا بِالْقِسْطِ) میں عیسائیوں کے مسئلہ کفارہ کا بھی رد ہو گیا۔ بھلا یہ کہاں کا انصاف ہوگا کہ ساری دنیا کے جرائم ایک شخص پر لاد دیے جائیں اور وہ تنہا سزا پا کر سب مجرموں کو ہمیشہ کے لئے بری اور پاک کردے۔ خدائے عادل و حکیم کی بارگاہ ایسی گستاخیوں سے کہیں بالا و برتر ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ

بیشک دین جو ہے اللہ کے ہاں سو یہی مسلمانی حکم برداری

اسلام کے اصلی معنی سونپ دینے کے ہیں۔ ''مذہب اسلام'' کو بھی اسی لحاظ سے اسلام کہا جاتا ہے کہ ایک مسلم اپنے کو ہمہ تن خدائے واحد کے سپرد کردینے اور اس کے احکام کے سامنے گردن ڈال دینے کا اقرار کرتا ہے گویا ''اسلام'' انقیاد و تسلیم کا اور ''مسلمانی'' حکمبر داری کا دوسرا نام ہوا۔ یوں تو شروع سے اخیر تک تمام پیغمبر یہی مذہب اسلام لے کر آئے اور اپنے اپنے زمانہ میں اپنی اپنی قوم کو مناسب وقت احکام پہنچا کر طاعت و فرمانبرداری اور خالص خدائے واحد کی پرستش کی طرف بلاتے رہے ہیں لیکن اس سلسلہ میں خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام دنیا کو جو اکمل جامع ترین، عالمگیر اور ناقابل تنسیخ ہدایات دیں۔ وہ تمام شرائع سابقہ حقہ پر مع شے زائد مشتمل ہونے کی وجہ سے خصوصی رنگ میں اسلام کے نام سے موسوم وملقب ہوئیں۔ بہر حال اس آیت میں نصاریٰ نجران کے سامنے خصوصاً اور تمام اقوام و ملل کے سامنے عموماً اعلان کیا گیا ہے کہ دین و مذہب صرف ایک ہی چیز کا نام ہوسکتا ہے وہ یہ کہ بندہ دل و جان سے اپنے کو خدا وندقدوس کے سپرد کردے اور جس وقت جو حکم اس کی طرف سے پائے، بے چون و چرا گردن تسلیم جھکا دے اب جو لوگ خدا کے لئے بیٹے، پوتے تجویز کریں، مسیح و مریم کی تصویروں اور صلیب کی لکڑی کو پوجیں، خنزیر کھائیں، آدمی کو خدا یا خدا کو آدمی بنا دیں۔ انبیاء و اولیاء کو قتل کر ڈالنا معمولی بات سمجھیں، دین حق کو مٹانے کی ناپاک کوششوں میں لگے رہیں، موسیٰ و مسیح کی بشارات کے موافق جو پیغمبر ان دونوں سے بڑھ کر شان و نشان دکھلاتا ہوا آیا، جان بوجھ کر اس کی تکذیب اور اس کے لائے ہوئے کلام و احکام سے ٹھٹھا کریں، یا جو بیوقوف پتھروں، درختوں، ستاروں اور چاند سورج کے آگے سجدہ کریں اور حلال و حرام کا معیار محض ہوائے نفس کو ٹھہرالیں، کیا ان میں کوئی جماعت اس لائق ہے کہ اپنے کو مسلم اور ملت ابراہیمی کا پیرو کہہ سکے، العیاذ باللہ۔ ''وفی روایۃ محمد بن اسحاق فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم۔ فَقَالُوا قَدْ اَسْلَمْنَا. فَقَالَ صلی اللہ علیہ وسلم كَذَبْتُمْ كَيْفَ يَصِحُّ اِسْلَامُكُمْ وَاَنْتُمْ تَثْبِتُوْنَ لِلّٰهِ وَتَعْبُدُوْنَ الصَّلِيْبَ وَتَاْكُلُوْنَ الْخِنْزِيْرَ۔ ﴿تفسیر کبیر﴾

خلاصہ یہ ہوا کہ ہر نبی کے زمانہ میں ان کا لایا ہوا دین ہی دین اسلام اور عنداللہ مقبول تھا۔ جو بعد میں یکے بعد دیگرے منسوخ ہوتا چلا آیا، آخر میں خاتم الانبیاء کا دین دین اسلام کہلایا، جو قیامت تک باقی رہے گا اور اگر اسلام کے دوسرے معنی لئے جائیں یعنی وہ شریعت جو خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے تو آیت کا مفہوم یہ ہو جاتا ہے کہ اس زمانہ میں صرف وہ اسلام مقبول ہے جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہے، پچھلے ادیان کو بھی اگر چہ ان کے اوقات میں اسلام کہا جاتا تھا مگر اب وہ منسوخ ہو چکے ہیں، اور دونوں صورتوں میں نتیجہ کلام ایک ہی ہے۔ کہ ہر پیغمبر کے زمانہ میں اللہ کے نزدیک مقبول دین وہ اسلام ہے جو اس پیغمبر کی وحی اور تعلیمات کے مطابق ہو اس کے سوا دوسرا کوئی دین مقبول نہیں، خواہ وہ پچھلی منسوخ شدہ شریعت ہی ہو، اگلے زمانہ کے لئے وہ اسلام کہلانے کی مستحق نہیں، شریعت ابراہیم علیہ السلام ان کے زمانہ میں اسلام تھی، موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اس شریعت کے جو احکام منسوخ ہوگئے وہ اب اسلام نہیں رہے اسی طرح عیسیٰؑ کے زمانہ میں شریعت موسویہ کا اگر کوئی حکم منسوخ ہوا ہے تو وہ اب اسلام نہیں، ٹھیک اسی طرح خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں شرائع سابقہ کے جو احکام منسوخ ہوگئے وہ اب اسلام نہیں رہے، اس لئے جو امت قرآن کی مخاطب ہے اس کے لئے اسلام کے معنی عام لیے جائیں یا خاص دونوں کا حاصل یہی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے بعد صرف دین اسلام کہلانے کا مستحق وہ ہے جو قرآن اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کے مطابق ہو اور وہی اللہ کے نزدیک مقبول ہے، اس کے سوا کوئی دین مقبول اور ذریعہ نجات نہیں۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم۔ مفتی اعظمؒ﴾

اقتباس از رسالہ

اسلام کے بنیادی عقائد

(علامہ شبیر احمد عثمانی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم وبعد،

ہر مذہب وملت کی جانچ اس کے اصول اور کلیات ہی کی صداقت سے کی جائے گی اور اس کی حقانیت کی پڑتال کا یہی بہتر اور آسان ذریعہ قرار پائے گا۔

اس قید کو ملحوظ رکھ کر ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصول بلکہ تنگی وقت کا لحاظ کر کے اصل الاصول کہاں تک عقل صحیح اور فطرت سلیمہ کے زیر حمایت ہیں وہ انسان کی فلاح و بہبود کی کس حد تک کفالت کر سکتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے شاندار مذاہب سے ان کو کیا فوقیت اور امتیاز حاصل ہے انہوں نے بندوں کے دلوں میں خدا کی کیسی قدر ومنزلت قائم کرائی ہے اور پیغمبروں کا کس قسم کا احترام منوانے کی کوشش کی ہے۔ اگر ہم اپنی اس تحقیق میں جس کا مدار محض نیک نیتی پر ہوگا خاطر خواہ کامیاب ہو گئے تو یوں سمجھو کہ ہم نے اپنی زندگی کا ایک بڑا بھاری فرض ادا کر لیا۔ اور بہت سے دوستوں کو جو مجھ ہی جیسے ہوں سخت محنت اور کدوکاوش اور دردسری سے نجات دلا دی اور ہزار ہا بندگان خدا کو تفتیش مذاہب میں ایک طویل جانکاہی سے بچا دیا۔

تحریر کا مقصد:

اس تحریر میں جو کچھ خیال ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ اصول اسلام کی تشریح میں بعض کارآمد اور مفید عام مضامین نہایت ایجاز کے ساتھ لکھ دیئے جائیں جن سے ایک طرف تو ہمارے مذہبی خیالات کا اندازہ ہو جائیگا اور دوسری طرف اس مفصل کتاب کی جس کا قصد میں نے ابھی ظاہر کیا، نوعیت مضامین سے واقف ہونے اور طرز تحریر کے پرکھنے کا بھی مشتاقوں کے واسطے یہ تحریر ایک نمونہ بن جائے گی۔

ڈاکٹر کستاؤلیبان وغیرہ کی حیرت:

بلاشبہ اس قدر وسیع عنوان (اسلام) کو ان چند اوراق میں کھپا دینا دریا کو کوزہ میں بند کرنے سے ہرگز کم نہیں ہے مگر اسلام کے تعجب انگیز اعجازوں میں سے یہ بھی ایک ہے جس پر ڈاکٹر کستاؤلیبان وغیرہ محققین یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی ہے کہ جس قدر طویل ہے اسی قدر مختصر بھی ہے اور جتنا دشوار ہے اتنا ہی آسان بھی ہے اور جیسا کہ اس سے ایک حکیم اور ارسطوئے وقت فائدہ اٹھا سکتا ہے ایسے ہی ایک عامی اور افریقہ کا ایک وحشی بھی اپنا کام نکال لیتا ہے، اسلام کے برگ و بار اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر ان سب کی جڑ صرف ایک کلمہ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ہے۔ ان ہی دو جملوں میں تمام اسلامی معتقدات کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہے اور یہی کلمہ شریعت اسلام کا جو ہر ایمان کی روح، راستی کا نشان، ہدایت کی زندہ تصویر اور علوم حقائق کا سرچشمہ ہے، اسی کلمہ سے دائمی راحت حاصل ہوتی ہے اسی سے روحی مسرت اور حقیقی آرام ملتا ہے، اسی کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے سرفراز کیئے گئے ہیں اور اس کے چھوڑنے سے آج ان کو قعر مذلت میں گرا دیا گیا۔ لیکن جبکہ یہ کلمہ کل اہل اسلام کے نزدیک ایسی نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ تصور کر لیا گیا ہے، تو نہایت ضروری ہے کہ اسلام پر مضمون لکھنے والا اول اسی کی حقیقت کے واضح کرنے میں اپنا وقت صرف کرے۔ اور جب تک اس کی کامل تحقیق سے فارغ نہ ہو جائے اسی کو مطمح نظر بنائے رکھے چنانچہ میرا ارادہ بھی اس وقت یہی ہے کہ جہاں تک غور کیا اس کلمہ کے دو جز نظر آئے ان میں سے پہلا جزو جس کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی چیز معبود بننے کی صلاحیت و استحقاق نہیں رکھتی فی الواقع تین مضمونوں پر مشتمل ہے خدا کا وجود ہونا، اس کا قابل عبادات ہونا اور اس کی خدائی میں کسی کا شریک نہ ہونا۔

خدا کا وجود

یہی وہ مضمون ہے جس کی تائید تمام ادیان و مذہب نے یک زبان ہو کر کی ہے اور جس پر بلا نکیر اہل ملل کا اجماع منعقد ہو چکا ہے ملاحدہ جن کا دوسرا نام منکرین مذہب بھی ہے زور وشور کے ساتھ اسی مضمون کی تردید پر تلے ہوئے ہیں اور مادیین (میٹریسٹ) کے گروہ سے ہماری سب سے بڑی معرکہ آرائی اسی میدان میں ہو سکتی ہے۔

یورپ میں مادہ پرستوں کی جو جماعت تیار ہوئی ہے اس نے آج کل مذہبی دنیا میں ایک عام ہلچل ڈال رکھی ہے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اس کا اظہار کیا ہے کہ خدا کا وجود ہرگز کوئی واقعتہً وجود نہیں ہے بلکہ وہ بھی ان وہمی اشیاء میں سے ایک شے ہے جن کو انسانی تخیل نے قوانین طبعیہ سے مرعوب ہو کر اختراع کر لیا تھا رفتہ رفتہ اس فرضی خدا نے لوگوں کے دماغوں پر ایسا کچھ قبضہ اور اقتدار حاصل کیا کہ انہوں نے اپنے تمام اعمال وافعال اور تمام ارادوں بلکہ تمام کائنات کی عنان حکومت اسی کے ہاتھ میں دے دی اور محض اپنی خوش اعتقادی سے یہ سمجھ لیا ہے کہ دنیا میں جو کچھ کرتا ہے

خدا ہی کرتا ہے اور جس قدر حوادث پیش آتے ہیں یا واقعات کا ظہور ہوتا ہے یہاں تک کہ اگر ایک پتہ بھی ہلتا ہے اور ایک تنکا بھی اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے تو بغیر اس کے حکم اور ارادہ کے نہیں ہوسکتا۔

مادہ پرستوں کا سوال:

مادہ پرست کہتے ہیں کہ اہل مذاہب سے کوئی پوچھے کہ تم کو ایک ایسی مافوق الفطرت ہستی کے ماننے پر کس چیز نے مجبور کیا ہے کیا عالم میں جو حوادث واقع ہوتے رہتے ہیں یا زمانہ جو پلٹیاں کھاتا ہے یا وجود کی آمد و شد جو اکثر چیزوں میں مشاہدہ کی جارہی ہے تمہارے اس فرضی خدا کے سوا اور کسی سبب سے ربط نہیں کھا سکتے یا مادہ جو مع اپنی حرکت کے ابدی وابدی ہے ان ضرورتوں کو سرانجام نہیں دے سکتا۔ یا خواہی نخواہی تم کو ایک موہوم خارج از عقل ہستی کے سامنے جبہہ سائی ضروری معلوم ہوئی۔

جب ہم کرات عالم اور تمام مخلوقات کے وجود کو مادہ اور اس کی حرکت سے منسوب کر سکتے ہیں تو نہ ہم کو کسی فرضی خدا کی حکومت ماننی پڑتی ہے اور نہ اپنے کو مذہبی طوق وسلاسل میں پھانسنے کی ضرورت رہتی ہے غرض ہمارے نزدیک مادہ بھی قدیم ہے اور اس کی حرکت بھی قدیم ہے اور جو سلسلہ صورتوں کا مادہ کے اندر قائم رہتا ہے وہ بھی قدیم ہے اگرچہ صورت شخصیہ علیحدہ علیحدہ حادث ہے اس حالت میں ہم کو خدا کے وجود کی اصلاً ضرورت نہیں، بلکہ مادہ اور اس کے قوانین فطریہ ہی عالم کی ہستی اور بقا کی ضمانت ہیں۔

جواب: ہم کہتے ہیں کہ بے شک مادیین نے بزعم خود کائنات کے وجود کا ایک خاص سبب پیدا کیا لیکن ابھی تک جس منتظم اور مرتب کائنات کے سبب کی ہم کو تلاش تھی اس میں کامیابی نہیں ہوئی انہوں نے ہم کو ایک نہایت علیم وحکیم اور ہمہ صفت موصوف خدا سے علیحدہ کر کے ایک ایسے خدا پر قناعت کرنے کی رائے دی جو بالکل اندھا، بہرہ، گونگا، اور بے حس و بے شعور ہے جس کا کوئی کام نہ قصد و اختیار سے ہوسکتا ہے، نہ مصنوعات میں کسی قسم کی ترتیب اور تناسب پیدا کرنے پر قادر ہے نہ اس میں سمجھ کا مادہ ہے وہ نہ کسی قاعدہ وقانون سے واقف ہے نہ اس کو امور انتظامیہ کی اطلاع ہے، حالانکہ جس عالم کے فاعل کا ہم کو کھوج لگانا تھا وہ عالم کائنات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کے ہر ہر جزو میں بیش قیمت حکمتیں ودیعت رکھی ہوئی ہیں جس کے عجیب وغریب اسرار کا مشاہدہ کرتے کرتے عقل انسانی تھک جاتی ہے اور جس کے بہت تھوڑے سے حصہ کا تتبع کرنے سے حکماء کو خصوصاً ان مادیین کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ مظاہر فطرت کی جس قدر باریکیاں ہم معلوم کر سکے ہیں وہ اس سے بہت ہی کم ہیں جو اب تک معلوم نہیں ہوسکیں۔ علم تشریح علم الافلاک، علم الحیوانات، علم نباتات اور علم طبقات الارض کے ماہرین سے دریافت کرو جو راز ہائے قدرت تم نے موجودات عالم میں آج تک دریافت کئے ہیں وہ کس قدر ہیں۔ اور ان کی حفاظت کے واسطے کتنے دفتر اور کتنے کتب خانہ تم کو درکار ہوئے ہیں۔

انقلاباتِ جہاں:

پھر عالم کے احوال میں جو تفاوت اور حاجت مندی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اس پر بھی ایک نظر ڈالو اور ہر ہر شے کی پستی و ذلت کو جس سے خدا تعالیٰ کی پرحکمت و جبروت کا سبق حاصل ہوتا ہے بہ نظر تعمق ملاحظہ کرو تا کہ تم کو معلوم ہو کہ یہ کارخانہ یوں ہی بے سرا اور بخت واتفاق سے پیدا ہونے کے قابل نہیں ہے۔

آسمان، چاند، سورج اور ستاروں کو دیکھئے کہ ایک حال پر قرار نہیں کبھی عروج ہے، کبھی زوال، کبھی طلوع، کبھی غروب، کبھی نور، کبھی گہن، آگ کو دیکھئے کہ بے قرار ہے تھامے نہیں تھمتی ہوا کا یہ حال ہے کہ کبھی حرکت کبھی سکون اور حرکت بھی ہے تو کبھی شمال کبھی جنوب، کبھی پورب، کبھی پچھم، کو ماری ماری پھرتی ہے، ادھر پانی کا کرہ ہوا کے دھکوں سے کہیں کا کہیں نکلا جاتا ہے، اور زمین کو بھی پستی کے سوالا چاری اس درجہ کی ہے کہ اس پر کوئی دوڑتا ہے، کوئی بھاگتا ہے، کوئی کھودتا ہے کوئی بھرتا ہے، اسی طرح نباتات کبھی چھوٹے ہوتے ہیں کبھی بڑے، کبھی تر ہوجاتے ہیں کبھی خشک ہو جاتے ہیں اور اس پر ایک زمین ایک پانی اور ایک آفتاب ہونے کے باوجود اس قدر مختلف پھول اور پھل لاتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتے، علی ہذا القیاس حیوانات خصوصاً بنی نوع انسان باوجود یکہ سب کے سب اربع عناصر، ہی سے مرکب ہیں، شکل وشمائل خو، بو، اور خاصیت ومزاج میں اتنے مختلف معلوم ہوتے ہیں کہ حد ادراک سے باہر ہے، اس کے علاوہ بھوک پیاس صحت، مرض، گرمی سردی اور حرص وہوا وغیرہ کے بہت سے موکل ان کے پیچھے ایسے لگا دیئے ہیں کہ جس سے شرف حیات بھی خاک میں مل گیا۔ اور حضرت انسان کے پیچھے تو اتنا لشکر کا لشکر خواہشات اور حاجات کا متعین ہوا کہ جس نے اس کی فہم ودانش کو ناچار کر کے تمام شرافت وعزت کو ملیا میٹ کر دیا، دوسرے حیوانات تو صرف کھانے پینے ہی کے محتاج ہیں۔

لباس، مکانات، سواری، عزت منصب جاگیر، بیٹھے، کھٹے، نمکین کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے لیکن انسان کو بغیر ان چیزوں کے بھی زندگی بسر کرنا محال یا دشوار ہے بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس میں کوئی خوبی

اور کمال زیادہ تر تھا اسی کو اوروں کی نسبت زیادہ قیودات میں بند کر کے رکھا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ بادشاہ غریبوں کو قید کرتے تو کئی کئی قیدیوں کو ایک محافظ سپاہی کفالت کرتا ہے اور اگر کوئی بادشاہ یا امیر ان کی قید میں آجاتا تو وہ اسے تعظیم سے رکھیں لیکن اس پر بہت پہرے اور بڑے بڑے بہادر حفاظت کے لئے مقرر کیا کرتے ہیں۔

بہرحال جبکہ ایسے ایسے اشرف اجزائے عالم اس ذلت وخواری میں گرفتار ہیں جس کا ذکر اوپر ہوا ایسے مجبور ہیں کہ دم بھر کو بھی ان قیودات کے شکنجوں سے وہ علیحدہ نہیں ہو سکتے تو بلا شبہ ان کے سر پر کوئی ایسا منتظم حاکم ہے جو ان سے ہر وقت قیدیوں کی مانند یہ سب بیگاریں لیتا ہے اور چین سے نہیں رہنے دیتا تا کہ یہ مغرور نہ ہو جائیں اور اوروں کو ان پر بے نیازی کا گمان نہ پیدا ہو۔

بلکہ ان کو ایسا ذلیل وخوار دیکھ کر یہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی خدا کو پہچانیں اور سمجھ لیں کہ یہ اس کے انتظام کی خوبی ہے کہ ان سے طرح طرح کے کام لیتا ہے اور ان پر قسم قسم کے احوال بھیجتا ہے اور یہ ایسا قصہ ہے جیسا کہ ایک بیدار مغز اور مدبر حاکم اپنے ماتحتوں کو فارغ نہیں رہنے دیتا، اور ان کو کہیں کبھی کہیں تبدیل کرتا رہتا ہے۔

ایک یورپین محقق کا اقرارِ حق:

یورپ کا ایک محقق راسین بھی انہیں مناظر قدرت کو دیکھ کر کہتا ہے کہ ''اے آسمانو! مجھ کو خبر دو، اے دریاؤ مجھ کو بتاؤ اے زمین مجھ کو جواب دے اے بے انتہا ستارو تم بولو کہ کون سا ہاتھ ہے جس نے تمہیں افق میں تھام رکھا ہے۔ اے شب چاردہ (چودھویں) کس نے تیری تاریکی کو خوب صورت بنا دیا ہے، تو کس قدر شان والی ہے۔ اور کس قدر عظمت مآب ہے، تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جس نے تجھ کو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے، اس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اس نے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے، اور گردکو ابھارا ہے، اور مژدہ رساں سحر! او نیر شگرف! او ہمیشہ روشن رہنے والے ستارے! اور آفتاب درخشاں! سچ بتا تو کس کی ادائے طاعت کے لئے محیط کے پردے سے باہر آتا ہے، اور نہایت فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں عالم پر ڈالتا ہے۔ اے پر رعب سمندر، اے وہ کہ غضب ناک ہو کر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے۔ کس نے تجھ کو محبوس کر رکھا ہے، جس طرح شیر کٹہرہ میں قید کر دیا جاتا ہے تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے تیری موجوں کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔

ملین ڈورڈ کا اقرار:

ملین ڈورڈ کہتا ہے کہ ''انسان اس وقت سخت حیرت زدہ ہو جاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوئے ایسے بھی موجود ہیں کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت واتفاق نتائج کے ہیں یا دوسری عبارت میں یوں کہنا چاہئے کہ مادہ کی عام خاصیت کے نتائج ہیں یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جن کو لوگوں نے علم المحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے ان کو بالکل باطل کر دیا ہے، فزیکل سائنسدان بھی اس پر اعتقاد نہیں لاسکتا۔ ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے کہ'' یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہیں جب ان پر زیادہ بحث کرتے ہیں تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی وابدی قوت ہے، جس سے تمام اشیاء وجود میں آتی ہیں،'' پروفیسر لینا کہتا ہے وہ خدائے اکبر جو ازلی ہے جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اپنی عجیب وغریب کاری گریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میں مبہوت اور مدہوش ہو جاتا ہوں۔

مادہ پرستوں کی طرف سے جواب:

اب ان سب کے جواب میں مادہ پرست کہتے ہیں کہ یہ تمام عمدہ انتظام اور مضبوط قاعدے جو دنیا میں جاری ہیں یہ بھی ''مادہ اور حرکت'' ہی کی کارسازیاں ہیں اور مادہ اگرچہ خود نہیں جانتا مگر خود بخود اس سے بے سوچے ایسے ایسے حیرت انگیز قوانین اور اصول بن جاتے ہیں جن کی اس عالم کو ضرورت رہتی ہے اور جس پر نظام عالم کا دارومدار ہے۔

مادہ پرستوں کی بے سمجھی:

لیکن ان حضرات سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہندوستان کے کسی گاؤں میں بچہ پیدا ہوا اور بچہ پیدا ہوتے ہی اس نے نہایت فصیح وبلیغ تقریر شروع کی اور وہ علوم ومعارف اس کی زبان سے ظاہر ہوئے ہیں جن کی خبر نہ ارسطو کو ہوئی تھی، نہ افلاطون، نہ بیکن کا ذہن وہاں تک پہنچا تھا اور نہ نیوٹن کا۔ نہ رازی کو وہ مضامین خواب میں نظر آئے تھے نہ امام غزالی کو تو یہ لوگ ہرگز اس کے بیان کی تصدیق نہ کرسکیں گے، بلکہ جو شخص اس عجوبہ قصہ کی تصدیق کرے گا اس کو بھی ان لوگوں کے یہاں مجنوں، دیوانہ، اور خبطی و پاگل کا خطاب ملے گا، تو کیا اے عقلمند! مادہ کی وہ سحر کاریاں اس واقعہ کی ندرت سے کچھ کم حیرت افزا ہیں وہ بچہ جو ایک نامکمل انسان ہے ان امور کی قدرت نہ رکھے، جن کو چند تعلیم یافتہ مرد انجام دے سکتے ہیں۔ اور ایک ''جماد لا یعقل'' جس کو ذرہ برابر ادراک وشعور نہیں، تمام مخلوقات کی حفاظت اور زینت کے ایسے

محکم دستور العمل تیار کرے جن کو دیکھ کر دنیا کے عقلاء حیران ہیں اور جن کے اسرار و حکمت کی گہرائی کو سب مل کر بھی آج تک معلوم نہیں کر سکے، اگر اس پر بھی آپ یہی کہے جاویں کہ نہیں کچھ ہی ہوا ان تمام قوانین کی واضع وہی مادہ کی بے اختیاری حرکت ہے تو بقول علامہ حسین آفندی'' ہماری اور آپ کی مثال ٹھیک ان دو شخصوں کی سی ہوگی جو کسی رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہوئے جس میں متعدد کمرے اور نشست گاہیں پائی جاتی ہوں وہ شاندار دروازوں اور مضبوط جنگلوں سے آراستہ ہو اس کے برآمدے اور ڈیوڑھیاں بہت استحکام کے ساتھ بنائی گئی ہوں اور کمروں میں اعلیٰ درجہ کے فرش بچھے ہوئے ہوں بڑے بڑے بلند تخت لگے ہوں، نہایت بیش قیمت برتن اس کے چاروں طرف قرینے سے رکھے ہوں۔

مختلف گھڑیوں، متعدد'' مقیاس الحرارۃ'' اور مقیاس الہواء کے ذریعہ اس کی دیواروں کی زیبائش کی گئی ہو۔

اب ایسے مقام پر پہنچ کر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ کہنے لگا کہ صاحب اس میں ذرا شک نہیں کہ اس کا بنانے والا ان ساری عجیب و غریب صناعیوں پر خوب ہی قادر تھا۔

اب دوسرا شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اس کوٹھی کے وجود کا سبب جو تم نے بتلایا یہ درست نہیں بلکہ ایک پہاڑی کی طرف جو اس کوٹھی کے پاس استادہ تھی اور جس کی جڑ میں ایک پانی کا چشمہ جاری تھا اشارہ کر کے کہا کہ اس پہاڑی کی چوٹی سے اس قطعہ زمین کی جانب جس میں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانہ قدیم سے ہوا چلا کرتی ہے یہی ہوا لاکھوں برس تک مٹی اور پتھروں کو پہاڑی سے منتقل کرتی رہی اور وہ سب چیزیں اس کی وجہ سے مختلف شکلوں پر اس قطعہ زمین پر جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اس میں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اس کی شکل کچھ ہو گی کبھی کچھ اسی طرح کبھی وہ چیزیں مجتمع ہوگئیں اور کبھی پراگندہ اور ان کی اوضاع شکلوں میں اور بارش کی وجہ سے کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی یہاں تک کہ کروڑوں برس کا زمانہ گزرنے کے بعد اب اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بن گئی جس میں کمرے، نشست گاہیں دروازے جنگلے برآمدے، راستے، حوضیں اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں۔ رہا نہروں کا جاری ہونا اس کی یہ صورت ہوئی کہ اس چشمہ سے جو کہ اس پہاڑی کی تلی میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہہ بہہ کر اس قصر کے صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہوا، اس لئے پانی سے اس کی مٹی گلتی رہی ہوا، اور بارشوں کا اثر اس کے راستہ میں ہوتا رہا، شدہ شدہ لاکھوں برس کا زمانہ گزرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضیں جاری ہوگئیں اور انہیں پانی اس

موجودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا اب اس کے برتن گھڑیوں، فرش اور مختلف قسم کے مقیاسوں کو لیجئے، ان کی یہ صورت ہوئی کہ مسافروں کا قافلہ جو کبھی اس پہاڑ پر اس زمین میں اترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق سے چھوٹ گئیں۔ اور ہوا ان کو مختلف طرح پر ادھر ادھر منتقل کرتی رہی حتیٰ کہ سالہا سال کے بعد یہ نوبت پہنچی کہ فرش باقاعدہ بچھ گئے، برتن قطاروں میں آراستہ گھڑیاں اور مقیاس دیواروں پر آویزاں ہوگئیں، یہی حالت ان درختوں اور پھولوں کی ہوئی۔ جو یہاں کی سیر گاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں ان کے بیج ہوا میں اڑ کر یہاں تک پہنچ گئے اور اس زمین پر جم کر اگ آئے اور ہوا کی وجہ سے ادھر ادھر منتقل ہوتے ہوتے باقاعدہ طور پر آراستہ ہوگئے اور موجودہ حالت پر نظر آنے لگے۔

اب وہ شخص جس کے دماغ میں کچھ بھی عقل اور سر میں کچھ بھی انصاف ہے بے لاگ ہو کر ان دونوں بیانات کا فیصلہ کر دے اور بے تعصبی کی راہ سے بتلا دے کہ اس کوٹھی کے تیار ہونے کا وہ سبب جو پہلے آدمی نے بتلایا ہے عقل کے نزدیک ماننے کے قابل ہے یا دوسرے شخص کی بیہودہ بکواس اور اسی طرح عالم کی پر اسرار ہستی کے واسطے ایک قادر مطلق اور علام الغیوب، خدا کا اعتقاد رکھنا زیادہ قرین قیاس ہے، یا ایک جاہل اور اپاہج مادہ کا، اور ایسی صورت میں اربوں کھربوں انسانوں کی رائے جو آدم علیہ السلام کے عہد سے اس وقت تک گزرے ہیں اور جن کے اندر بڑے بڑے حکماء اور اولوالعزم انبیاء بھی شامل ہیں۔ صحت اور واقعیت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے۔ یا ہزار دو ہزار غافل اور بدمستوں کی۔

بعض عقلاء کی غلطی:

بلاشبہ ہمارے زمانہ کے بعض عقلاء سے سخت غلطی ہوئی کہ انہوں نے ایسے ایسے اعلیٰ درجے کے قوانین قدرت کو جن سے خدا تعالیٰ کی حکمتوں اور صناعیوں کی بوقلمونی ظاہر ہوتی ہے، خدائے برتر کی امداد کا محتاج نہیں سمجھا، بلکہ صرف ان قوانین میں جو حرکت مادہ سے پیدا ہوئی ہیں باہم توافق تناسب ربط اتحاد پیدا کرنے کے لئے خدا کے وجود کی ضرورت باقی رکھی حالانکہ اس تناسب واتحاد کا باقی رکھنا بھی اس مادہ اور حرکت کو کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا جس نے ایسے ایسے غامض اور غیر متغیر قوانین عالم میں جاری کر دیئے ہیں۔

تماشے کی بات:

تماشے کی بات یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں میں بعض علماء نے مادہ پرستوں کی دھمکی سے مرعوب ہو کر مادہ وغیرہ کو قدیم مان لیا اسی طرح بعض دوسری اقوام کے لیڈروں نے بھی یورپ کے ملحدوں سے ڈر کر قدامت کے

مسئلہ کو جزو مذہب بنالیا ہے اور اسی پر مسئلہ تناسخ کی بھی نیو جمانا شروع کر دی حالانکہ دنیا کی وہ پرانی کتاب جس پر یہ لوگ نہایت زور شور کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور جسکو اہل ہند کی عزت افزائی نے الہامی کتاب بھی بنا دیا ہے خوب پکار کر کہہ رہی ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے سوا کوئی قدیم نہیں ہے چنانچہ رگوید منتر اشلوک ۱۸ وبھیائے ورک ۱۷ کا جو ترجمہ خود سوامی دیانند جی مہاراج نے بھاشیہ بھومکا صفحہ ۷۵ میں کیا اس کی حرف بحرف نقل یہ ہے۔

جس وقت ذروں سے مل کر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اس وقت یعنی پیدائش کائنات سے پہلے است (غیر محسوس حالت تھی) یعنی شونیہ اکاش بھی نہیں تھا۔ کیونکہ اس کا اس وقت کچھ کاروبار نہیں تھا اس وقت ست پرکرتی، یعنی کائنات کی غیر محسوس علت جس کو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرے) تھے وارث (کائنات) میں جو اکاش دوسرے درجہ پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اس وقت صرف پربرہم کی سامرتھیہ (قدرت جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر پرم (بے علت) ارکان موجود تھی الخ۔

لیکن ان صاحبوں کو یہ خیال نہیں رہا کہ بڑھئی، لوہار وغیرہ کو بغیر ہاتھ پاؤں، اعضاء جسمانی وغیرہ سامان اور اوزاروں کے بھی کسی چیز کا بنانا محال ہے، حالانکہ خدا کی نسبت خود بھومکا صفحہ ۹ میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اس کو ان آلات کی ضرورت نہیں۔

بڑھئی، لوہار وغیرہ کو جیسا کہ کسی چیز کے بنانے میں مادہ کی ضرورت ہے ایسے ہی دیکھنے میں آنکھ کی اور سننے میں کان کی اور بولنے میں زبان کی ضرورت ہے حالانکہ ستیارتھ پرکاش کی تصریح کے موافق خدائے عزوجل بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے بغیر کانوں کے سنتا ہے اور بغیر زبان کے کلام کرتا ہے۔

تو ایسی حالت میں نہ معلوم ان حضرات کو ویدک تعلیم کے برخلاف مادہ کو قدیم کہنے اور اس پر تناسخ کا خیال باندھنے کی کیا ضرورت پیش آئی کیوں صاف طور پر وہی نہ کہہ دیا جو مسلمان وغیرہ کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا سب اشیاء فانی اور حادث ہیں اور سب چیزوں کا وجود خدائے تعالیٰ کے اعتبار سے ایسا ہی عرضی ومستعار ہے جیسا کہ زمین و آسمان اور در ودیوار کا نور آفتاب کے نور سے یا گرم پانی کی گرمی آگ کی حرارت سے، اس خدائے واحد نے اپنی قدرت کاملہ اور ارادۂ نافذہ سے ہر چیز کو نیست سے ہست کیا اور وہی اپنے اختیار سے جب چاہے گا نیست کر دے گا نہ اس کو مادہ کا احتیاج ہے نہ اس پر روح کی حکومت ہے نہ اس کے اختیارات محدود ہیں، اور نہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی ہے وہ تمام کمالات کے ساتھ موصوف، اور جملہ نقصانات اور عیوب سے پاک ہے، کیونکہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں اور وجود ہی ان کا سرچشمہ ہے اور تمام نقصانات عدمی ہیں اور عدم ہی ان کا باعث ہوا ہے تو جب خدا کا وجود غیر محدود اور خانہ زاد ہے کسی دوسری جگہ سے آیا ہوا نہیں اور نہ ہی عدم کا قطعاً اس کے ساتھ اختلاط ہوا ہے تو جملہ کمالات بھی اس کے بے حد و بے پایاں اور غیر مستعار ہوں گے اور مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے اندر جو کوئی بھی خوبی اور حسن ہوگا وہ سب اسکے محاسن اور صفات کا پرتو ہوگا۔

خلاصۂ کلام:

پس جب ایسی ذات ستودہ صفات نے اپنے اختیار وقدرت سے دنیا کو بنا دیا ہے تو یقیناً اس کی ایجاد اور ابقاء میں بے انتہا حکمتیں صرف ہوئی ہوں گی اور بے شبہ بنانے سے پہلے ہی خدائے تعالیٰ کے علم میں اس کا مرتب نقشہ اور ابتدا سے انتہا تک ہر ہر چیز کا اندازہ اور پیمانہ موجود ہوگا۔ جس کو غالباً اہل اسلام لفظ تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ تعبیر اس اعتبار سے بالکل موضوع ہے کہ لغت میں اس لفظ کے معنے اندازہ ہی کرنے کے ہیں۔

عالم کے واسطے ایک جامع الکمالات فاعل کا ہونا ضروری قرار پا گیا اور یہی وہ مدعا تھا جس کو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے۔ اب جو کچھ گفتگو باقی ہے وہ اس میں ہے کہ اتنی بڑی کائنات کے لئے کیا تنہا ایک ہی خدا کا وجود کافی ہو سکتا ہے اور اسی سے ہماری سب حاجتیں پوری ہو سکتی ہیں۔

یا ہم کو مختلف ضروریات کے واسطے در در بھٹکنا پڑے گا اور بہت سے خود مختار بادشاہوں کے سامنے گردن جھکانا ہوگی۔

توحید

یہی وہ بحث ہے جس کے ضمن میں اسلام کے چمکتے ہوئے امتیازات ظاہر ہوتے ہیں یہی وہ مقام ہے جس میں آ کر تمام مذاہب کے قدم لغزش کھا گئے ہیں اور یہی وہ موقعہ ہے جہاں پہنچ کر دین برحق کے کارناموں کی آزمائش ہوتی ہے مگر قبل اس کے کہ ہم اس بارے میں مذہب اسلام کی خصوصیات کو نہایت جلی حرفوں کے اندر ظاہر کریں یہ لازم خیال کرتے ہیں کہ جملہ مذاہب سے علیحدہ ہو کر محض عقلی حیثیت سے اس مسئلہ کو سمجھیں اور خدائے کامل کے دریافت کرنیوالی عقلوں سے دریافت کریں کہ آیا فی الواقع ایک ہی خدا ساری دنیا کا بلا مشقت انتظام کر سکتا ہے، یا اس کو اپنی حکومت کے برقرار رکھنے میں یار و مددگار رکھنے کی بھی ضرورت ہے۔

اگر خالق دو ہوتے تو کوئی چیز نہ بنتی:

جناب من دنیا کے پیدا کرنے والے اگر دو یا دو سے زائد خدا ہوتے تو ہر

گز کوئی چیز بھی وجود میں نہ آسکے گی اور یہ سارا قدرتی کارخانہ بالکل درہم برہم ہوجائے گا کیونکہ یہ بات تو یقینی طور پر تسلیم کی جاچکی ہے کہ جس چیز کو خدا کہا جائے اس میں کسی طرح کی کمی اور نقصان نہ ہونا چاہئے اگر ایسا ہو تو عام بندوں میں اور اس میں فرق نہیں رہ سکتا اس لئے کہ بندے خدا بننے سے اس لئے محروم ہیں کہ ان میں قسم قسم کے نقصانات پائے جاتے ہیں اور وجود کی باگ ان کے قبضہ میں نہیں ہے کہ جو خوبی اور جو کمال چاہیں اپنے واسطے موجود کرلیں اب اگر خدا بھی ایسا ہی مجبور ناقص ہو تو اس کو کیا استحقاق ہے کہ وہ ہمارا خدا بن بیٹھے جب یہ بات قرار پا گئی تو اب یہ تو کبھی نہیں ہوسکتا کہ آدھی مخلوق ایک خدا کی اور آدھی ایک کی ورنہ ہر خدا میں نصفا نصف خدائی کی کمی اور کسر ہوگی، اس بنا پر یہی کہنا پڑے گا کہ ہر ایک خدا پوری پوری خدائی کا مالک ہے۔

اللہ تعالیٰ کامل ہے:

مگر اس صورت میں جیسا وہ کامل ہوگا۔ دوسرے پر اس کی تاثیر بھی کامل ہی واقع ہوگی کیونکہ ممکنات اور خالق کی ایسی مثال ہے، جیسے آفتاب یا چاند اور زمین وآسمان وغیرہ کی، آفتاب سے آفتاب کی طرح کا، اور چاند سے چاند کی طرح کا نور پھیلتا ہے، اور زمین وآسمان در و دیوار کوہ اشجار وغیرہ میں سے ہر ایک شے کو حسب قابلیت منور کردیتا ہے اور چیزیں تو فقط نظر آنے لگتی ہیں لیکن آئینے کا اتنے ہی نور سے کچھ اور حال ہوجاتا ہے، وہ خود بھی منور ہوتا ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کردیتا ہے، الغرض جتنا چاند اور سورج میں فرق ہے اتنا ہی ان کی شعاعوں میں اور چیزوں کے منور ہونے میں فرق ہے تو جب خدا کا وجود بڑا ہی کامل ٹھہرا اور مخلوقات کے موجود کرنے میں اس کی تاثیر بھی کامل ہوئی۔ اب اگر ایسے دو یا کئی خدا ہوں گے اور مخلوقات مشترک ہوگی تو ہر طرف سے کامل ہی کامل وجود ہر مخلوق کے پیمانہ اور حوصلہ کے موافق آئے گا، گز میں گز بھر اور بالشت میں بالشت بھر اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سانچہ میں دو چیزیں اور ایک سیر بھر کے برتن میں دو سیر اناج اور ایک جوتے میں ویسے ویسے دو قدم، اور ایک اچکن میں اس کے موافق دو بدن اور ایک نیام میں اسی مقدار کی دو تلواریں، اور ایک مکان میں اسی کی گنجائش کے موافق دو چند اسباب نہیں سما سکتا اور دھینگا دھینگی سے ایک میں دو کو ڈالنے لگتے ہیں تو وہ سانچے اور برتن وغیرہ ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوجاتے ہیں اسی طرح اگر دونوں خداؤں کی طرف سے پورا پورا وجود ایک مخلوق میں سمانے لگے تو بے شک وہ مخلوق معدوم اور نیست و نابود ہوجائیگی۔

ہاں اگر خدا کے وجود کا کامل ہونا ثابت نہ ہوتا بلکہ اس میں نقصان اور کمی کا احتمال ہوتا تو یوں بھی کہہ سکتے کہ جیسے دو چراغوں کا نور ملکر کامل نور ہوجاتا ہے دو خدا کے وجود کا پرتو مل کر کمال کو پہنچ جاتا ہوگا، مگر اس کو کیا کیجئے کہ خدائی کے واسطے کامل الوجود اور تمام الصفات ہونا لازم ہے اور تمام اہل مذاہب کو اس کا اعتراف کرنا پڑتا ہے۔

اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ وہ دو وجود جو خداؤں کی جانب سے مخلوق کو عطا ہوئے، اگر ایک ہی خدا کے خزانہ میں ہوتے اور جو زور وقوت اور شوکت و حشمت دوسرے کو حاصل ہے وہ سب بھی اس ایک خدا کے پاس ہوتے تو بلاشبہ یہ سب مل کر اس ایک تنہا خدا کی انفرادی قوۃ میں بہت کچھ اضافہ ہوجاتا اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک خدا کے وجود میں فی الجملہ کوتاہی اور نقصان ہے جس کی مکافات دوسرے کے وجود سے کی جاسکتی ہے باوجود یہ کہ اس کا اقرار کیا جاچکا ہے کہ خدائے پاک کی ذات ہر قسم کے قصور وفتور سے مبرا ہے وہ بے نقصان ہے سب چیزیں اس کے بھروسہ پر قائم ہیں وہ کسی کے سہارے کا محتاج نہیں وہ سب کی اصل ہے اور سب اس کی فرع ہیں۔

اور کیوں نہ ہو جس سلسلہ کو دیکھئے ایک ہی اصل پر قرار پکڑتا ہے، نور آفتاب اگرچہ ہزاروں مکانوں اور ہزار ہا روشندانوں میں جدا جلوہ گر ہے لیکن ان سب متفرق انوار کو اسی ایک آفتاب کے ساتھ رابطہ ہے اعداد کا سلسلہ گو ایک سے الی غیر النہایۃ پھیلا ہوا ہے کہیں دو کہیں تین کہیں چار کہیں پانچ کہیں بیس کہیں سو کہیں ہزار اور اس پر کہیں جذر کہیں مجذور کہیں حاصل ضرب کہیں مضروب فیہ کہیں حاصل قسمت کہیں مقسوم کہیں مقسوم علیہ وغیرہ لیکن ان سب کی اصل وہی ایک کا عدد ہے اگر ایک نہ ہو تو یہ سارا سلسلہ اعداد کا نیست و نابود ہوجائے موجوں اور حبابوں کے کارخانوں کو دیکھئے تو سب کی اصل وہی ایک جڑ ہے آدمی وغیرہ کو دیکھئے تو سب اصل میں جسے انسانیت وغیرہ کہتے ہیں مشترک ہیں۔

اسی طرح جہاں نظر پڑتی ہے کوئی ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جس کا کوئی سر منشا نہ ہو اور پھر ان سر منشاؤں کو دیکھئے تو ان کا کوئی اور سر منشا ہے۔ وَهَلُمَّ جَرًّا مثلاً ہم تم ہندو مسلمان اور یہود و نصاری وغیرہ میں آدمیت سر منشا ہے۔ اسی طرح گھوڑوں میں کوئی اور سر منشا ہے اور گدھوں کی اور اصل اور کتوں کی اور اصل ہے، ان سب اصولوں کی اصل جاندار ہونا ہے ادھر نباتات کی اصل علیحدہ ہے اور ان کا جدا ہی سلسلہ اور جدا ہی سر منشا ہے۔ پھر ان کی اصل اور، اور جانداروں کی اصل جسمیت کی زیر حکومت ہے اسی طرح اوپر تک چلے چلو آخر میں جا کر سارے عالم کا اشتراک وجود میں نکلتا ہے لیکن چونکہ شئے مشترک عین موجودات نہیں جیسا کہ اپنے موقعہ

میں دلائل سے ثابت ہو چکا ہے، بلکہ بایں لحاظ کہ ایک شئے کبھی موجود ہو سکتی ہے کبھی معدوم یہ کہا جائے گا کہ وجود عالم ایک خارجی اور عارضی چیز ہے اصلی اور ذاتی نہیں جیسا کہ پانی اپنی ذات سے گرم نہیں ہے اور آگ کی حرارت سے جو کہ اس کی اصلی اور ذاتی ہے، اس میں عارضی گرمی پیدا کر سکتے ہیں، ٹھیک اسی طرح عالم کے وجود عارضی کے لئے بھی ضرورت ہے کہ وہ کسی ایسے موجود اصلی سے مستعار ہو جس کا وجود عرضی و مستعار نہ ہو پھر جیسے آفتاب سے گو ہزار ہا جگہ دھوپ پھیلے پر سب کی سب ایک ہی آفتاب کا فیض ہے یوں یقین کرنا چاہئے کہ تمام عالم کا وجود بھی ایک موجود حقیقی و اصلی کا پرتو ہے اسی کو ہم خدا سمجھتے ہیں اور اسی کی نسبت ہمارا یہ خیال ہے کہ اس میں تعدد کی گنجائش نہیں۔

آفتاب اور پانی کی وحدت عارضی ہے:

آفتاب اور پانی وغیرہ کے بہت سے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اگر ان کی وحدت اصلی اور ذاتی ہوتی تو وہ ان سے کسی طرح زائل نہ ہو سکتی۔ یعنی نہ ان میں تقسیم جاری ہوتی اور نہ کثرت کی گنجائش کسی نہج نکل سکتی، اس سے ظاہر ہوا کہ جیسا عالم کا وجود عارضی ہے وحدت بھی اس کی عارضی ہوگی، اور یہ وحدت بھی اسی موجود اصلی کا فیض ہوگا، جس کا فیض خود وجود عالم ہے۔ دیکھو ہم جانتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شئے واحد ہے لیکن اگر کسی دیوار میں ایک مکان کے دو روشندان برابر ہوں تو درمیان میں اندھیرا ہونے کی وجہ سے ہر روشندان کا نور علیحدہ علیحدہ معلوم ہوگا، غرض یہ کثرت اندھیرے کے سبب سے معلوم ہوتی ہے اگر ادھر ادھر نور اور بیچ میں اندھیرا نہ ہو، مثلاً دیوار کو مکان میں سے اٹھا ڈالیں تو سب جگہ نور ہی نور ہو جائے گا اور یہ فرق و امتیاز اور تعدد جس کا نام کثرت ہے ذرا باقی نہ رہے گا اب چونکہ اندھیرا نور کے نہ ہونے کو کہتے ہیں اور نہ ہونا ہی عدم ہے تو معلوم ہوا کہ کثرت عدم کے باعث پیدا ہوئی ہے وجود کے اقسام میں سے نہیں۔

بگوش ہوش سنئے میں کہتا ہوں کہ اگر کم از کم دو صانع ایجاد عالم میں شریک ہوں گے تو وہ دونوں جیسا کہ صانع ہونے اور موجود اصلی ہونے میں شریک ہوں گے ایسے ہی کسی نہ کسی امر میں علیحدہ بھی ہوں گے کیوں کہ جہاں اشتراک کے ساتھ تعدد پایا جائے تو وہاں لازمی بات ہے کہ کسی حیثیت سے ایک کو دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز بھی سمجھا جائے مثلاً دو آدمی باوجود یہ کہ آدمیت میں شریک ہیں مگر بعض اوصاف میں مختلف بھی ہیں جیسا کہ شکل و صورت قد و قامت، مکان و زمان، رنگ و روپ، خاصیت مزاج وغیرہ اگر یہ علیحدگی اور فرق نہ ہو تو تعدد ہرگز نہ ہو، وہی ایک آدمی رہے اس وجہ سے ضروری قرار پایا کہ جو دو چیزیں کسی امر میں مشترک ہوں تو ان میں سے ہر ایک کے اندر ایسے خصوصیات ہونی چاہئیں جو دوسری میں نہ پائی جائیں ان ہی خصوصیات کے مجموعہ کو ہم اپنی اصطلاح میں ذات سے تعبیر کرتے ہیں۔

ہر چیز وجود کی محتاج ہے:

مگر ذات بے وجود کہ معدوم محض ہے کیوں کہ دنیا کی ہر ایک چیز وجود کے ذریعہ سے ہی موجود کہلاتی ہے البتہ خود وجود کو اپنے موجود ہونے میں کسی دوسرے وجود کی حاجت نہیں اور یہ بالکل اسی طرح ہے جیسا کہ ہر شئے کو اپنے روشن ہونے میں نور کی حاجت ہے مگر خود نور کو اپنی نورانیت میں دوسرے نور کی حاجت نہیں اب اگر دو یا کئی صانع ہوں اور وہ دونوں وجود میں اشتراک رکھتے ہوں تو ان دونوں کی ذات (یعنی وہ خصوصیات خاصہ جن سے ایک دوسرے سے امتیاز حاصل ہے) وجود کے ماسوا کوئی اور چیز ہوگی اور چونکہ وجود کے سوا سب چیزیں اصل سے معدوم ہیں، اس لئے ہر ایک خدا فی حد ذاتہ وجود سے بالکل خالی ہوگا اور ان پر وجود اسی طرح عارض ہوگا، جس طرح زمین آسمان وغیرہ سب چیزیں جو فی نفسہ تاریک اور مظلم تھیں مگر آفتاب کے نور نے ان کو روشن کر دیا اس صورت میں ہم دونوں خداؤں کو کسی طرح موجود اصلی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ دونوں بھی کسی ایسے موجود اصلی کے محتاج ہوں گے جس کا وجود خود اس کی ذات کے اندر داخل ہوا ور ہمارا مقصد بھی توحید سے صرف اتنا ہی تھا کہ موجودات کا سلسلہ ایک موجود اصلی پر ختم ہوتا ہے سب کو معلوم ہے کہ چھت کا پانی پرنالہ کی راہ سے آتا ہے پرنالہ سے پیدا نہیں ہوتا۔ آفتاب کی سوزش آتشی شیشہ کی راہ سے آتی ہے آتشی شیشہ میں کچھ حرارت نہیں آفتاب کا نور آئینہ کی راہ سے اور اشیاء کو پہنچتا ہے آئینہ میں ذرہ برابر نور نہیں تو اسی طرح اگر بہت سے موجود اصلی اور بکثرت صانع موجود ہوں تو توحید میں کچھ رخنہ نہیں پڑسکتا بلکہ اور یہ زیادہ مضبوط اور مستحکم ہو جاتی ہے۔

کیونکہ فلک اور زمانہ جو باعتبار شہرت کے وقائع عالم کا فاعل گنا جاتا ہے یا انسان وحیوان وغیرہ جو ظاہر بینوں کو افعال اختیار یہ کے خالق معلوم ہوتے ہیں یا دوا اور دعا وغیرہ جو بہ نسبت اپنی تاثیروں کے مؤثر حقیقی سمجھے جاتے ہیں یہ سب چیزیں اس وقت بحیثیت اپنے فیوض کے وسیلہ فیض اور واسطہ ایجاد سمجھی جائیں گی اور ان کے خالق ہونے کا شبہ جو بعض ظاہر پرستوں کو پڑا ہوا ہے بے محنت حل ہو جائے گا اور اس وقت ہم بآواز دہل یہ ندا دے سکیں گے کہ ماسوا خالق بزرگ کے جو چیزیں ظاہر میں مصدر افعال یا مصدر تاثیرات نظر پڑتی ہیں وہ سب خدائے اکبر کے سامنے ایک

کاریگر کے آلات کی طرح ہیں بادی النظر میں ان چیزوں سے کام ہوتا ہے اور حقیقت میں خدا کرتا ہے اعلیٰ طبقہ کے حضرات جیسے نبی ہوں یا ولی اور ادنیٰ درجہ کے مثلاً دیو ہوں یا پری، اوتار ہوں یا فلک دوار، دوا ہو یا دعا، پتھر ہو یا کوئی جاندار چیز زمانہ ہو یا مکان، چاند ہو یا سورج ستارے ہوں یا اور کچھ، سب کے سب خدا کے سامنے ایسے ہیں جیسے بڑھئی کے سامنے بسولہ نہانی برما وغیرہ فرمانبردار ہوتے ہیں کہ بے ہلائے اس کے نہیں ہلتے اور بغیر اس کی مرضی کے کوئی کام نہیں کرسکتے۔

سلسلۂ عالم کی مثال:

اور اس سارے سلسلہ عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشینوں اور کارخانوں اور گھڑیوں وغیرہ میں بہت سی کلیں اور پرزے آگے پیچھے ہوتے ہیں پھر اگر کوئی کام لینا منظور ہوتا ہے اول کل کو ہلاتے ہیں اور سب کلیں بہ ترتیب ہلتی ہیں اور آخر میں جو کام مقصود ہوتا ہے وہ اخیر کی کل سے ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ یہ کلیں خود بخود نہیں ہلتیں کیونکہ وہ بے حس وحرکت جمادات میں سے ہیں ان کے واسطے جب تک کوئی ذی عقل اور صاحب ارادہ کام لینے والا نہ ہوگا ہرگز کام نہ چلے گا اسی طرح سلسلہ عالم کے واسطے علت العلل اور فاعل حقیقی ایک خدائے تعالیٰ ہے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ فعل اور حقیر سے حقیر چیز بھی اس کے ارادہ اور مشیت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی اور کسی شئے کو اس کی سطوت اور حکومت کے آگے دم مارنے کی مجال نہیں جو کچھ وہ چاہے اس میں کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا اور مقرب سے مقرب بندے بھی اس کے دربار میں بغیر اس کی اجازت کے لب نہیں ہلا سکتے یہی وہ عقیدہ ہے جس کی طرف اسلام نے نہایت زور شور کیساتھ دعوت دی ہے یہی خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہے اور اسی مضمون کی اشاعت تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد اولین ہے۔

اس میں شک نہیں کہ تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کی فی الجملہ جھلک پائی جاتی ہے اور جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم موجود ہے وہ بھی توحید کے بالکلیہ ترک کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ توحید کے چھوڑنے سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شرک کو توحید کے ساتھ جمع کر لیا جاوے اگرچہ یہ اجتماع اجتماع نقیضین ہی کیوں نہ ہو لیکن یہ عزت خاص مذہب اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے بالکل خالص اور بے لوث توحید کی طرف لوگوں کو رجوع کیا اور شرک جلی یا خفی کا تسمہ باقی لگا نہیں رکھا اس جہالت اور تاریکی نے زمانہ میں جبکہ دنیا میں خالص توحید سے بڑھ کر کوئی گناہ نہ تھا، ہزاروں بندگان خدا کو توحید سے مانوس بنا دیا اور آج تک کروڑہا کروڑ انسانوں کے دلوں سے شرک فی الذات شرک فی الصفات اور شرک فی العبادۃ کی ظلمتوں اور کدورتوں کو دھو ڈالا۔

عقیدۂ توحید کا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا:

کیا اسلام کی اس بے غل وغش توحید کا مقابلہ اس قوم کی توحید کرسکتی ہے جس نے خدا کے سوا ہر اینٹ پتھر کے سامنے گردن ڈال دی اور آگ پانی وغیرہ کو بھی قابل پرستش سمجھا ہے اور اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورتیوں کو حاجت روا اور مشکل کشا تصور کیا، اس قوم کی جن کے خدا کی تکمیل مادہ اور روح سے ہوتی ہے ان کا کمزور خدا ان دونوں کے منشاء کے خلاف نہ کبھی کوئی کاروائی کرسکتا ہے اور نہ ان سے بگاڑ کر ایک دم اپنی خدائی کو قائم رکھ سکتا ہے یا اس قوم کی جن کا مثلث خدا اپنی کرسی عظمت سے اتر کر تمام انسانی حوائج اور بشری خصوصیات کا محکوم بنا اور بنی آدم کی خطائیں معاف کرنے کے واسطے اس کو سخت تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنا پڑیں، یا اس قوم کی جن کا خدا خلقت کے بے سوچے سمجھے پیدا کرنے پر سخت نادم ہوا اور دنیا میں طوفان آجانے سے اسے بیحد ملول ہونا پڑا یہاں تک کہ روتے روتے اس کی آنکھیں سوج گئیں اور ملائکہ کو اس کی عیادت کرنی پڑی اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب اس کی کشتی ہوئی تو انہوں نے اس کو زمین پر پٹک دیا۔

کیوں منصفو! کیا ایمان سے کہہ سکتے ہو کہ آج صحیح اور مکمل توحید ان میں سے کس مذہب کی بدولت دنیا میں نظر آرہی ہے۔

نبوت: ان تمام مراحل کے بعد جو ہم نے یہاں تک طے کئے ہیں سب سے زیادہ ضروری اور معرکۃ الآراء بحث جو باقی رہ جاتی ہے وہ نبوت کی بحث ہے اور افسوس کہ جس قدر وقت اس کے لئے درکار ہے اس کا عشر عشیر بھی ہمارے پاس موجود نہیں لیکن اس پر بھی ہم نے یہ کسی حال میں مناسب نہیں سمجھا کہ اسلام کے اتنے بڑے رکن اعظم کو بالکلیہ قلم انداز کردیا جائے۔

اطاعت کے اسباب پر غور:

نبوت کا عقدہ حل ہونے سے پہلے ہر انسان پر یہ فرض ہے کہ وہ اسباب اطاعت پر غور کرے یعنی یہ کہ ایک آدمی کی اطاعت دوسرے پر عقلاً کن حالتوں میں اور کن وجوہات سے ضروری سمجھی جاتی ہے اس بارے میں جہاں تک تامل سے کام لیا گیا ہے کل تین سبب اس کے متعین ہوئے جلب منفعت، دفع مضرت اور عشق ومحبت، چنانچہ نوکر اپنے آقا کی اطاعت ملازمت کی امید پر اور رعیت اپنے حاکم کے اندیشہ تکالیف سے اور عاشق اپنے محبوب کی بتقاضاء محبت کرتا ہے اور اطاعت کی کوئی ایک فرد بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ان تینوں وجوہات سے خالی ہو اب اگر یہ تینوں سبب فرض کرو

کسی ایک ہی شخص میں جمع ہو جائیں تو فطرت انسانی یقیناً اس کی خدمت و اطاعت کو فرض عین قرار دے گی۔ پس جبکہ پچھلے اوراق میں حق تعالیٰ شانہٗ کی نسبت مدلل طریقہ سے یہ طے ہو چکا ہے کہ دنیا کے تمام کام اسی کے ارادہ اور اختیار سے انجام پاتے ہیں اور ہر قسم کی دادوستد، سلب وعطاء اور نفع اور ضرر اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر قسم کا کمال اور حسن وخوبی اسی کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اس کے سوا کوئی عالم کا مربی اور محسن بھی نہیں ہے تو بے شبہ عقل کے نزدیک ایسے خدا کی عبادت سے سرموانحراف جائز نہ ہوگا اور یہ لازم ہوگا کہ اسی کی خدمت گزاری میں آدمی مصروف رہے اسی کا ہر دم دھیان رکھے اور اسی کی محبت میں اپنے کو دیوانہ بنائے، جئے تو اسی کے نام پر جئے، اور مرے تو اسی کا کلمہ پڑھتا مرے، غرض کسی حالت میں اس سے جدا نہ ہووے اور ظاہر و باطن میں اسی کا تابع فرمان رہے۔

باطن کی فرمانبرداری:

باطن کی فرمانبرداری تو یہی ہے کہ دل میں خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ یقین ہو کہ ہماری ہستی اس کی ہستی کے سامنے بالکل حقیر اور اس کا وجود ہر طرح پر عظمت اور کامل اور مکمل ہے، ہمارے ہر قسم کے نفع و نقصان کا اختیار اسی کو ہے اور وہ ہمارا حاکم ہم محکوم ہیں اس میں اعلیٰ درجہ کی شان محبوبیت موجود ہے اور ظاہری فرمانبرداری وہ افعال وحرکات ہیں جن سے ہمارے انہیں اندرونی جذبات اور باطنی اعتقادات کا سراغ ملتا ہو اور خدا کی محبوبیت کا خیال ان سے مترشح ہوتا ہو۔

مثلاً خدائے تعالیٰ کے سامنے اس کی خاص تجلی گاہ کی طرف ہاتھ باندھ کر کھڑا ہونا اس سے اپنے حال کے متعلق عرض معروض کرنا ادھر سے حکم آجانے پر سر نیاز جھکا دینا، اور اس کے آستانہ پر اپنے کو ذلیل وحقیر سمجھ کر ناک اور پیشانی رگڑنا یہ سب آثار محکومیت اور آداب شاہی کے قائمقام ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اپنے مال و دولت کو خدا کے بتلائے ہوئے مصارف میں خرچ کرنا اور ہر آمد و صرف میں اس کے حکم کا منتظر رہنا یہ بھی سراپا اطاعت ہونے کے لوازمات میں سے ہے۔

پھر اگر خدائے تعالیٰ کو محبوب حقیقی سمجھتا ہے تو اس کے قرب ووصل کی فکر میں ہر ایک ماسوا سے بیزار ہو جانا آب وطعام اور لذت جماع کو (جو کہ خلاصہ تمام کائنات کا ہے) ترک کر دینا اس کے بعد تجلی گاہ ربانی کی طرف پابرہنہ سر برہنہ لبیک کہتے ہوئے دوڑنا اور وہاں پہنچ کر کبھی حالت شوق وجد میں اس تجلی گاہ کے گرد گھومنا کبھی جنگلوں میں بھٹکتے پھرنا، کبھی دشمن محبوب کے خاص مکان پر سنگ باری کرنا ہے اور کبھی جان و مال سے فدا ہونے کے لئے تیار رہنا یہ سب محبت قلبی کی علامات اور عشق حقیقی کے ظاہری نشانات ہوں گے۔ الغرض یہ امر تو اب عقلاً پایہ ثبوت کو پہنچ گیا ہے کہ دل سے زبان سے ہاتھ پاؤں سے جس طرح بھی بن پڑے آدمی اپنے خالق کی اطاعت کی طرف متوجہ رہے اور ہرگز اپنا روئے نیاز دوسری جانب نہ پھیرے، لیکن سخت مشکل یہ تھی کہ کسی کی اطاعت بغیر اس کے متصور نہیں کہ ہم کو اس کی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا علم ہو اور خدائے تعالیٰ کی نسبت یہ دریافت کرنا کہ وہ کن امور سے خوش اور کن امور سے ناخوش ہوتا ہے ہر شخص کی قدرت سے باہر تھا، کیونکہ محض اپنی عقل سے اگر ہم نے چند احکام معلوم کر لئے تو اول تو تمام احکام کی تفصیل اس سے معلوم نہیں ہوسکتی دوسری یہ کہ خدائے تعالیٰ شانہ ہماری عقل کا ہر بات میں پابند بھی نہیں ہوسکتا۔ اس بناء پر خدائے تعالیٰ کی اطاعت وعبادت بغیر اس کے ممکن نہیں کہ خود خدائے برتر اپنی رضاء وعدم رضا سے بندوں کو مطلع فرمائے۔

اور یہ خوب معلوم ہے کہ جب سلاطین دنیا اس تھوڑی سی نخوت وتکبر اور ذرا سے جھوٹے استغناء پر ہر دوکان، دوکان اور مکان، مکان اپنے احکام سناتے نہیں پھرتے، اور نہ ان کو یہ گوارا ہے کہ ہر کس وناکس کو اپنے مافی الضمیر کی اطلاع کے واسطے ہمکلامی بخشیں تو کیا وہ احکم الحاکمین وراء الوراء ثم الوراء جس کو تمام عالم سے بالکل استغناء اور سب چیزوں کو اس کی احتیاج ہے ہر ایک عام و خاص اور ہر ایک رند بازاری کو منہ لگانا اور اپنی حضوری وہمکلامی سے باریاب فرمانا پسند فرمائے گا۔ جب ایسا نہیں تو بیشک خدا کے یہاں بھی کچھ لوگ ایسے خاص ہوں گے جیسے بادشاہوں کے یہاں وزیر یا نائب السلطنت یا وائسرائے اور جیسا کہ تمام سرکاری احکام رعایا کے پاس انہیں صاحبوں کے توسط سے پہنچتے ہیں ایسے ہی خدا کے پیغام اوامر ونواہی ان معتمدین کے ذریعے سے ہم تک وصول ہوں گے ہم انہیں معتمدین کو انبیاء رسول اور پیغمبر کہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ جس زمانہ میں خدائے تعالیٰ سمجھتا ہے، ایسے رسولوں کو اس زمانہ کے مناسب ہدایات دے کر مبعوث فرما دیتا ہے۔

ایک شبہ اور اس کا ازالہ:

یہاں پر تم کو شاید یہ شبہ گزرے کہ مختلف قرون میں جب انبیاء علیہم السلام تشریف لاویں گے اور ظاہر ہے کہ ان میں سے مؤخر کی شریعت مقدم کی شریعت کے واسطے ناسخ ہوگی تو وہم یہ ہوتا ہے کہ..... پہلے نبی کے بھیجنے میں شاید خدائے تعالیٰ سے کچھ سہو ہو گیا تھا یا بھول چوک سے اس کو مناسب احکام نہ دیئے تھے جو دوسرے نبی کے ذریعے سے اس غلطی کی اصلاح کرائی گئی، مگر یہ شبہ آپ کا سراسر کم فہمی اور نادانی پر مبنی ہے، نسخ کے

معنی صرف تبدیلی احکام کے ہیں یہ آگے آپ کا قیاس ہے کہ وہ تبدیلی پہلی غلطی کی اصلاح کی وجہ سے واقع ہوئی ہوگی۔

خدائے برتر کی نسبت ایسا خیال باندھنا سخت گستاخی ہے، آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ طبیب اگر کسی مریض کو مسہل دینا چاہتا ہے تو اس کے لئے پہلے منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے چند روز بعد وہ نسخہ بدل کر مسہل کا نسخہ پلاتا ہے تو کیا آپ نے اس طبیب کی نسبت بھی یہی رائے قائم کی ہے کہ اس منضج کا نسخہ دینے میں غلطی ہوگئی تھی جس کی مکافات وہ دوسرے نسخے سے کر رہا ہے، جب یہاں آپ نے ایسا نہیں سمجھا تو خدائے تعالیٰ کے معاملہ میں آپ کو کس چیز نے مجبور کیا ہے کہ بلاوجہ ایک ایسا مہمل خیال پیدا کرلیں کیوں یہ نہیں مان لیتے کہ اس نے بھی ہر زمانہ کی طبیعت اور مزاج کا اندازہ کر کے اس کے موافق مختلف احکام جاری کر دیئے ہیں اور اس میں کچھ مضائقہ نہیں،

عین حکمت اور رحمت ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہٗ نے ان مختلف تخم ہائے اخلاق (جو ازل سے قلوب بنی آدم کی زمینوں میں ڈال دیئے گئے ہیں) کی تربیت اور نشوونما کے واسطے اپنی رحمت کے بادل بھیجے اور بادلوں کے برسنے سے جس زمین میں جیسا کچھ اچھا یا برا بیج بویا گیا ہے، اس کو ترقی اور نشوونما حاصل ہو وہ ابر ہائے رحمت جیسا کہ بلالؓ اور سلمانؓ کے کھیتوں کو سرسبز وشاداب کریں ایسے ہی ابوجہل وغیرہ کے دلوں میں جو کفر وشقاوت کا بیج بکھیرا گیا اس میں بھی جان تازہ ڈالدیں ان ہی سحابہائے معارف کو انبیاء کہا جاتا ہے۔ ان کے اثر کو تقویت پہنچانے والوں کا نام ملائکہ ہے اور ان کی تدابیر کی رہزنی کرنے والوں کو شیاطین کا لقب دیا جاتا ہے۔

ملائکہ اور شیاطین

ملائکہ اور شیاطین کا لفظ سن کر بعض منکرین کو شاید ہم پر غصہ آجائے اور وہ اس قصور پر کہ ہم نے ان کے نزدیک چند فرضی چیزوں کا نام لے دیا ہے کہیں ہمارے تمام سابق بیانات کو واقفیت سے دور نہ سمجھ بیٹھیں اس وجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کی بھی کچھ مختصر تشریح کردی جائے۔

انسان کی ترکیب:

یہ خوب یاد رہے کہ باجماع اہل عقل جسم انسان کی ترکیب چند ایسے مختلف عنصروں سے دی گئی ہے جن میں سے ایک عنصر کی تاثیر دوسرے کے مخالف اور متضاد ہے مثلاً بدن انسان میں گرمی کے آثار پائے جانے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے قوام میں کوئی حصہ آگ کا موجود ہے اور سردی کی کیفیات محسوس ہونے سے جزو ہوائی کا تیقن ہوتا ہے، اور خشکی سے جزو خاکی کا ثبوت اور تری سے جزو آبی کا پتہ چلتا ہے گویا کہ مٹی پانی، ہوا، اور آگ میں سے ہر ایک کا بقدر مناسب حصہ لے کر جسم کا خمیر بنایا گیا ہے، اس کے بعد جب حکماء نے دیکھا کہ جو آدمی پیدا ہوتا ہے اس میں یہ چاروں اجزاء ضرور ملے ہوئے ہوتے ہیں تو انہوں نے ایسے چار خزانوں کا کھوج لگایا جن میں یہ چاروں چیزیں الگ الگ بافراط موجود ہوں اور جن میں سے تھوڑا تھوڑا لے کر خدائے تعالیٰ نے آدم کے جسم کو ترکیب دیا ہو، اس قسم کے چار خزانوں کے نام انہوں نے کرۂ ارض کرۂ ہوا، کرۂ نار اور کرۂ آب اور ان میں سے ایک ایک کو حرارت، برودت، رطوبت، یبوست کا منبع اور معدن قرار دیا۔

ٹھیک اسی طرح روح انسان کی ترکیب اور اس کا امتزاج ایسے دو متضاد اور معارض اجزاء سے واقع ہوا ہے جس کی بنا پر انسان کبھی نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی بدی کی طرف اس کی رغبت ہوتی ہے، کیونکہ جس طرح کسی نے خدائے تعالیٰ کو آدم کا خمیر بناتے نہیں دیکھا، بلکہ صرف یہ سمجھ کر کہ رطوبت، اور یبوست مثلاً دو متضاد اثر ایک ہی چیز سے پیدا نہیں ہوتے، یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ یقیناً جسم کی ترکیب آب وخاک وغیرہ سے ہوئی ہے، اسی طرح طاعت ومعصیت کی طرف میلان جو ایک ہی آدمی سے متفرق اوقات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے اس کے بغیر جوڑ نہیں کھاتا کہ روح کی ترکیب بھی دو مختلف قسم کی اشیاء سے مانی جاوے،

اور جب یہ ہے تو جیسا کہ عناصر جسم کے لئے علیحدہ علیحدہ چار مخزن تسلیم کر لئے گئے تھے ایسا ہی ان دونوں روحانی جزوں کے واسطے بھی مخلوقات میں دو مخزن مان لئے جاویں تو کیا استبعاد ہے۔ پس خدا کی وہ مخلوق جس میں ہمیشہ امور خیر اور نیکی ہی کی طرف توجہ پائی جاوے اور ان کا طبعی اقتضاء طاعت ہی ہو اور ان کی صرف یہی شان ہو کہ ﴿لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ﴾ اسی مخلوق کو ہم ملائکہ اور فرشتوں سے تعبیر کرتے ہیں اور ان کے مقابلہ میں وہ گروہ جس کی طبیعت میں معصیت ہی معصیت رکھی ہو اور اطاعت وعبادت سے اس کا پیمانہ بالکل خالی ہو اور اس کی حالت محض ﴿وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا﴾ ہی سے ادا کی جاسکتی ہو ایسے گروہ کو ہم شیاطین کا لقب دیتے ہیں۔

نبی کی علامت

بلاشبہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوا ہے کہ جبکہ انبیاء علیہم السلام خدا کے معتمد، اس کے وکیل اس کے راز دار اور اس کے نائب ہیں تو ان کی ذات میں ایسے پاکیزہ اوصاف اور حقیقی خوبیاں مجتمع ہونی چاہئیں جو ایک ایسے با

خبر شہنشاہ اعظم کا قرب حاصل کرنے کے لئے درکار ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ سلاطین دنیا بھی جن کو کچھ عقل ہو باوجود اس مجازی حکومت کے اپنی مسند قرب پر ان لوگوں کو نہیں بٹھلاتے جو بے عقل، کج خلق پست حوصلہ یا حکومت کے دشمن ہوں۔

تو اس صورت میں یہ واجب ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں اولاً تو خدا کی محبت اور اخلاص اس درجہ ہو کہ ارادۂ معصیت کی گنجائش ہی نہ نکلے۔ دوسرے یہ کہ اخلاق پسندیدہ جو اعمال حسنہ کی جڑ ہیں، ان کے اندر فطرتی طور پر راسخ ہوں تاکہ جو کام بھی وہ کریں قابل اقتداء اور جو فعل بھی ان سے سرزد ہو باعث ہدایت سمجھا جائے۔ تیسرے یہ کہ فہم و فراست انہیں امتیوں کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہو کیونکہ کم فہمی فی نفسہ عیب ہونے کے علاوہ اس وجہ سے بھی ان کے حق میں مضر ہے کہ کلام خداوندی کے اسرار غامضہ کا سمجھنا اور دقیق علل پر مطلع ہونا اور ہر ایک ذکی و غبی کو احکام الٰہی دلنشین طریقے سے سمجھا دینا بغیر عقل صحیح اور فہم کامل کے ہرگز متصور ہی نہیں۔

اگر ایک شخص مثلاً سلطان روم کے روبرو لوگوں سے یہ کہے کہ میں سلطان کا معتمد اور محبوب ہوں اور اس کی دلیل یہ بیان کرے کہ دیکھو جس طرح میں ان سے کہوں گا برابر وہ اسی کے موافق کریں گے اور جو فرمائش کروں گا اس کو پورا کر کے دکھلائیں گے یہ کہہ کر سلطان کو کھڑا ہونے کی طرف اشارہ کرے اور وہ کھڑے ہو جائیں پھر ان سے بیٹھنے کو کہے اور وہ معاً بیٹھ جائیں اور اسی طرح لگاتار بہت سے کاموں کی خواہش کرتا رہے اور وہ بھی ایک ذرہ اس کے خلاف نہ کریں یہی حال بعینہٖ انبیاء علیہم السلام کے معجزات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسبت خدا کا وزیر اور معتمد ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا ہر وقت اور ہر جگہ ان کے دعویٰ کو سنتا ہے پھر وہ عادت اللہ کے خلاف بہت سے کاموں کی فرمائش کرتے ہیں تاکہ ان کے دعویٰ کی سچائی دنیا پر ظاہر ہو جاوے اور خدائے تعالیٰ برابر ان کے حسب مدعا فرمائشوں کو پورا فرماتا رہتا ہے۔

سرورِ کائنات آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم رسالت کے متعلق کچھ تھوڑا سا لکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

آپ کے بیشمار علمی و عملی کارنامے اس وقت بھی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہیں۔ اور نہ تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے معجزات مل کر آپ کے معجزات کی ہمسری کر سکتے ہیں آپ کے فہم و اخلاق کا موافق و مخالف کو اعتراف کرنا پڑا ہے اور چار دانگ عالم میں آپ کی صداقت کا سکہ بیٹھ گیا ہے اور دنیا کے ہر خطہ میں آپ کا آفتاب فیض لمعہ افگن ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق:

جب ایک غیر متعصب اور عقلمند آدمی آپ کے احوال کا انبیاء سابقین کے احوال سے اور آپ کی تعلیم کا ان کی تعلیم سے اور آپ کی قوت وہمت کا ان کی قوت وہمت سے مقابلہ کرے گا تو یہی اس کے لئے ضروری ہوگا کہ آپ کی محض صداقت کا نہیں بلکہ رسالت کا اور رسالت کا نہیں بلکہ ختم رسالت کا زبان و دل سے اقرار کرے۔ عرب کی جہالت درشت مزاجی گردن کشی کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب اس کے پاس آسمانی ہو نہ زمینی اور اس کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل و غارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو، عقل و فہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھا لائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت ہو کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کرے جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے ملک میں شاد و خرم عمر گزارے۔ ایسے جاہلوں اور خودسروں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائے کہ علم الٰہیات، علم معاملات، علم عبادات، علم اخلاق اور علم سیاست میں رشک حکماء نامدار بنا دیا یہاں تک کہ دنیا نے ان کی اور ان کے شاگردوں کی شاگردی کی۔ ڈاکٹر لیبان کہتا ہے "اس پیغمبر اسلام، اس نبی امی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگزشت ہے جس کی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اس وقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آئی تھی، رام کیا اور اس درجہ پر پہنچایا کہ اس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیر و زبر کر دیا اور اس وقت بھی وہی نبی امی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان خدا کو کلمہ اسلام پر قائم رکھے ہوئے ہے۔

اگر انصاف کرو تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کا اندازہ کرنے کے لئے یہی کافی ہے کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے نہ کچھ زیادہ مال و دولت آپ نے جمع کر رکھا تھا۔ نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا نہ آپ کے پاس تنخواہ دار فوج تھی نہ اہل وطن آپ کے ہمراہ تھے نہ قبیلے والوں کو آپ کے مذہب سے ہمدردی تھی۔ ایسی بے کسی اور بے بسی کی حالت میں آپ نے ان تندخو گنواروں کو ایک صدائے نامانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھ کر اس وقت تک ساری دنیا میں کوئی ناپسند آواز نہ تھی اور نہ ایسی صدا دینے والے سے زیادہ ان کے نزدیک کوئی شخص ان کا دشمن اور بدخواہ سمجھا جا سکتا تھا۔ یہ وہی لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی آواز تھی کہ جس نے دفعتاً تمام عرب میں تہلکہ ڈال دیا جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع

ہو گیا اور جس کی چمک سے اس کفر اور جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوند گئی گویا وہ ایک زورشور کی ہوا تھی جس کے چلتے ہی شرک و بت پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردہ سے باہر نکل آیا یا ابابیل رحمت تھی۔ جس کی بوچھاڑ نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھوں کے پرخچے اڑا دیئے اور خدا کے گھر کو ان کی زد سے بچالیا گیا۔

غرضیکہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسے ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کی طرف ابھارا اور تھوڑے سے عرصہ میں ان سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنا لیا کہ جہاں آپ کا پسینہ گرے وہاں خون گرانے کے لئے تیار ہو گئے گھر بار کو ترک کر دیا زن و فرزند سے بگاڑ لی۔ مال و دولت کو سنگ ریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا اپنے بیگانوں سے آمادہ جنگ و پیکار ہوئے کسی کو مارا کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے۔ پھر دو چار روز کا ولولہ نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی اسی حالت پر استقلال کے ساتھ جمع رہے یہاں تک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت الٹ دیئے۔ فارس و روم کو تہ و بالا کر دیا اور اس پر معاملات میں وہ شائستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی یا ہتک ناموس کو گوارا نہ کیا یہ تسخیر اخلاق بتلایئے۔ اس سے پہلے زمانہ میں بھی کسی سے ظاہر ہوئی ہے۔ اب بھی اگر کوئی یہی کہے کہ نہیں اسلام بزور شمشیر پھیلا ہے تو فی الواقع اس سے زیادہ کور چشم تنگ دل متعصب کوئی نہیں ہو سکتا، کاش کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے اور وہ اپنے اسلام کا واقعہ ان کے سامنے بیان فرماتے یا سلمان فارسی سے جا کر ان کی داستان سنتے یا عبداللہ بن سلام کی خدمت میں اپنا اعتراض پیش کرتے اور وہ ان کو اس کا جواب سمجھاتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا علم:

مگر یہ تو آپ کے اخلاق کی حالت تھی باقی آپ کے علم و فہم کا نشان سب سے بڑا یہی ہے کہ آپ بذات خود امی محض، جس ملک میں پیدا ہوئے، جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری علوم سے یک لخت خالی، نہ وہاں علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیاوی کا نشان پھر اس پر ایسا دین، ایسے آئین، ایسی کتاب لاجواب، اور ایسی ہدایات بینات لائے کہ آج تک بڑے بڑے حکماء اس کا جواب نہ لا سکے بلکہ بڑے بڑے مدعیان عقل وتہذیب نے اس کی داد دی قرآن جیسا زندہ اور علمی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا جس کا مقابلہ کیا باعتبار فصاحت و بلاغت کے اور کیا باعتبار علوم و معارف کے اور کیا باعتبار تحریف و تبدیل سے محفوظ رہنے کے دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ تعالیٰ کر سکے گی۔ قرآن کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں کہ جو خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کر کہہ رہا ہے یعنی یہ کہ جس میں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھ دے مگر آج تک کسی کا حوصلہ نہ ہوا اور نہ ہو گا اور اس کی ایک چھوٹی سی سورۃ کی مثال بھی پیش کر سکے۔

اب میں اس کے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادات واخلاق میں تمام انبیاء علیہم السلام سے فائق تھے۔ ایسے ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپ پر تمام کر دیئے گئے تھے، کیونکہ انبیاء سابقین میں نہ ایسا اعجاز علمی کسی کو دیا گیا نہ ان کے اتباع میں کسی نے ان علوم کے دریا بہائے جو اہل اسلام نے بہائے ہیں اور جبکہ صفت علم تمام ان صفات کی خاتم ہے جو مربی عالم ہیں تو جس کا اعجاز علمی ہو گا گویا اس پر تمام کمالات علمی کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا مناسب ہو گا اور چونکہ اس کا دین قیامت تک رہے گا اس لئے اس کتاب کا بھی تا قیامت باقی رہنا ضروری ٹھہرے گا، باقی قرآن کے سوا آپ کے جو علمی اور عملی معجزات ہیں ان کے بیان کی اس وقت بالکل گنجائش نہیں رہی اور نہ میں قلت وقت کی وجہ سے توریت وانجیل وغیرہ کے بشارات آپ کی نبوت کے متعلق نقل کر سکا جس کسی کو شوق ہو، اول مضمون کے واسطے حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ الاسلام اور دوسرے کیلئے علامہ ابن القیم کی ہدایۃ الحیاری کا مطالعہ کرے۔

اسلام اور علم وفن

البتہ اس اخیر موقع پر اس قدر عرض کر دینا ضروری ہے کہ آپ کے بعد جو علوم وفنون دنیا میں مسلمانوں کے ذریعہ سے پھیلے اور تمدن کے شعبوں کو ترقی ہوئی اس کا بھی قدر اندازہ غیروں کی زبان سے ہم سامعین کو کرا دیں تاکہ جو لوگ مسلمانوں کو علم اور تمدن کا دشمن بناتے ہیں اور پھر اس دشمنی کو ان کی مذہبی تعلیم کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ بھی اپنی کم فہمی اور کوتاہ نظری سے کچھ شرمائیں ترقی علوم فنون کے متعلق انسائیکلوپیڈیا میں لکھا ہے جس کا خلاصہ نقل کرتا ہوں۔

عہدِ عباسیہ:

۷۴۹ء خلفاء عباسیہ کے عہد میں علم ادب وفنون حکمت کا ظہور ہوا اور المنصور ۷۵۴ء کے ایام حکمرانی سے ہارون رشید ۷۸۶ء تک بڑی فیاضی سے اس کی تربیت ہوئی۔ بہت سے ملکوں سے اہل علم طلب کئے گئے اور بادشاہانہ سخاوت سے ان کی بہت کچھ داد و دہش کی گئی۔ اہل یونان وشام و ایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہو کر شائع اور مشتہر ہوئیں

خلیفہ مامون نے سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا دینا اور ہمیشہ کے لئے صلح اس شرط پر منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دی جاوے کہ کچھ عرصہ کے لئے وہ یہاں آکر مامون کو فلسفہ و حکمت سکھا جاوے فلسفہ حاصل کرنے کے لئے ایسی زر خطیر صرف کرنے کی بہت کم مثال ملے گی اس مامون کے زمانہ میں بغداد، بصرہ، بخارا، اور کوفہ میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی اور اسکندریہ اور بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کتب خانے بنائے گئے۔ اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا اور دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھانے والے نظر آتے تھے فرانس اور ممالک فرنگستان کے جوق در جوق طالب علم اندلس کو آنے لگے، اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے اندلس میں چودہ مدرسے اور بڑے بڑے کتب خانے جن میں سے حاکم کے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں جمع ہوئیں یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اس زمانہ سے ملائی جاوے جو قبیل زمانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے گزرا تو ثابت ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے جغرافیہ، تاریخ، فلسفہ، طب، طبعیات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا ہے اور عربی الفاظ جو آج تک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں اور بہت سے ستاروں کا نام وغیرہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پر قدیم سے مسلمانوں کے بہت دخل وتصرف ہوا ہے مگر بعد کے زمانہ میں اس سے زیادہ جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ سے حاصل ہوا ایشیاء اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علیٰ ہذا جغرافیہ میں پرانی عربی اور سفر و سیاحت کے رسالے تصنیفات ابو الفدا اور یسی لیو افریقالوس، ابن بطوطہ، ابن فصلان، بن خبیر البیروتی، المنجم اوران کی تحریریں اب تک مفید اور گرامی قدر ہیں، علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مورخ جس کا حال ہم کو ملتا ہے محمد الکلبی ہے جو ۸۱۹ء میں گزرا مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مورخ گزرے اور دسویں صدی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہان کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا ان میں اول مسعودی، طبری، حمزہ، اصفہانی اور بطریق اسکندریہ ہیں، مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب اور معدن الجواہر ہے، اس کے بعد ابوالفرح، اور جارج الماقین (ہر دو عیسائی) اور ابوالفدا وغیرہ ہیں، نو میری نے جزیرہ سقلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب لکھی۔ بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جن میں عیسائیوں کی جنگ مقدس کا بیان ہے۔ فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئے ہیں اور اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابوالقاسم قرطبی تمیمی وغیرہ کے متعدد کتابوں میں لکھے۔ کسی کو ان کے حالات دریافت کرنے کا زیادہ شوق ہو تو قطر ہمیر کی تصنیفات خصوصاً وان ہمیر کی کتابوں پر رجوع کرے۔ عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت ہے جو اوسط زمانہ کی معقولات کو عیسائیوں کی کتب مقدسہ سے تھی۔ یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا۔ عربوں نے ارسطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اس پر ان کی بہت شہرت ہوئی، اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کے ذریعہ سے اس کی اشاعت ہوئی۔ گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلہ سے حاصل ہوا تھا۔ منطق اور علم مابعد الطبیعہ پر زیادہ توجہ ہوئی اور مسلمانوں میں اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے۔

الکندی البصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا۔ الفارابی جس نے ۹۵۴ء میں اصول میں کتاب لکھی۔ ابن سینا جس نے منطق اور علم مابعد الطبیعہ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا اور تشخیص امراض و شناخت ادویات بنانے میں بڑی ترقی کی۔ ابن یحیٰ جس کی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی الغزالی جس نے ''تہافۃ الفلاسفۃ'' تصنیف کی ابوبکر بن طفیل جس نے حیی بن یقظان میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور میں آنے کا مسئلہ بیان کیا اور اس کا شاگرد ابن رشد جو ارسطالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا، ان لوگوں کا اور ان کے مسلک کا بیان شمول سدرس اور ٹرکی کی کتابوں میں مفصل ملے گا بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے ان کے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کرنے کو نیوست نے معلومات جغرافیہ سے منسوب کیا ہے۔

علمِ طب:

علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے عرب ہی کی ایجاد ہے جن کو نہایت قدیم اور وسیع ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے مل گئے تھے معجون بنانے کی کیمیائی ترکیب عربوں ہی نے ایجاد کی اور دواؤں کے مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انہیں سے ہوئی اور مدرسہ سائرنو کے ذریعہ سے یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا۔ دوا سازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی اور تین سو برس تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی۔ اور چند سار، بغداد، اصفہان، فیروز آباد، بلخ، کوفہ، بصرہ، اسکندریہ، قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہو گئے اور طبابت کے ہر صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی۔ اس کے استثناء کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح منع کی گئی ہے۔

علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوئے۔ ہارون کندی، ابن سینا

جس نے قانون لکھا اور عرصہ تک اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی۔
علی بن عباس، اسحاق بن سلیمان، ابوالقاسم اور روس جس نے طب کی تکمیل کی اور علی ابن عیسیٰ وغیرہ ریاضی میں اہل عرب نے بڑی ترقی کی اور الجبرا والمقابلہ کو بڑی ترقی دی، بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصدگاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے بڑھا جاتا تھا۔ الحسن نے علم مناظرہ پر تصنیف کی۔ اور نصیرالدین توسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا۔ جبیر بن عقلاء نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی۔ اور نظام بطلیموسی کی کتاب کاسیومیوس نے عربی میں ترجمہ کیا۔ اور دسویں صدی عیسوں میں البائن نے زمین کے دائرہ عظیمیہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن الجبرالثانی نے رفتار شمس دریافت کی، التیر جیوش نے ثوابت کے بیان میں کتاب لکھی۔ اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی، انتہی کلامہ۔

مسلمانوں کی تمدنی خصوصیات:

یہ حالت جوانسائیکلو پیڈیا کے ذریعہ سے درج کی گئی مسلمانوں کے علم وفضل کے متعلق تھی، اب ان کے چند تمدنی خصوصیات کو سن لینا چاہئے۔ فرانس کا مشہور ومعروف محقق ڈاکٹر لیبان عربوں کی ملک گیری کی خصوصیات میں لکھتا ہے ”یہ خلفائے راشدین جس خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق ان کی سپاہ گری اور فن حرب کے تھے جسے انہوں نے آسانی سے سیکھ لیا تھا۔“
شروع ہی سے انہیں ایسی اقوام سے کام پڑا جن پر سالہا سال سے مختلف صورتوں میں مختلف حکومتوں نے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ نئے ملک گیروں کو قبول کر لیا جن کی حکومت میں انہیں بہت زیادہ صاف وصریح طور پر مقرر کر دیا گیا تھا۔ اور خلفاء اسلام نے ہرگز بزور شمشیر دین کو پھیلانے کی کوشش نہیں کی بلکہ بعوض اس کے اپنے دین کی اشاعت کرتے جیسا کہ بار بار کہا جاتا ہے وہ صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب اور رسوم واوضاع کی پوری طرح سے حرمت کی جائے گی۔
اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہ ان سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے جو اس مطلوب کے مقابلہ میں جو ان اقوام کے پرانے حکام ان سے وصول کیا کرتے تھے نہایت کم تھا۔ کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ ان کے پاس سفیروں کے ذریعہ سے صلح کے شرائط بھیجا کرتے تھے اور یہ شرائط جن کا ذکر المکین نے کیا ہے علی العموم اسی قسم کے ہوا کرتے تھے جیسا کہ عمرؓ نے ۱۷ھ میں باشندگان غزوہ کے سامنے جو اس وقت محصور تھے پیش کیں تھیں اور یہ شرائط مصریوں اور ایرانیوں دونوں سے کی گئی تھیں وہ شرائط ذیل میں لکھی جاتی ہیں۔
ہمارے حاکم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم قانون اسلام قبول نہ کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں پس تم بھی ہم سے مل جاؤ اور ہمارے بھائی بن جاؤ اور ہمارے منافع اور ہمارے منصوبوں میں شریک ہو جاؤ اس کے بعد ہم تم سے کوئی برائی نہ کریں گے لیکن اگر تم یہ کرنا نہیں چاہتے تو تم ہمیں اپنی زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو۔ اس کے بعد تمہارے بدلے ہم تمام ان لوگوں سے لڑیں گے جو تمہیں ستانا چاہیں یا کسی طرح تمہارے دشمن ہوں اور ہم اپنے وعدہ پر مضبوط رہیں گے۔ اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہے تو پھر ہم میں اور تم میں بجز تلوار کے کوئی چیز نہیں رہتی۔ اور ہم تم سے اسوقت تک جنگ کرتے رہیں گے جب تک اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا نہ کر لیں۔
بیت المقدس کی فتح کے وقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہم پر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اس مدارات کے مقابل جو صلیبیوں نے اس شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کیا نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے۔ حضرت عمرؓ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے اور آپ نے صفرینس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلے اسی وقت عمرؓ نے منادی کرادی کہ میں ذمہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور ان کی عبادت گاہوں کی حرمت کی جائے گی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہ ہوں گے۔
سب سے پہلا سلوک حضرت عمرؓ نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا۔ انہوں ں نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ انہیں پوری مذہب کی آزادی پورا انصاف بلا رو و رعایت اور جائیداد کے ملکیت کے پورے حقوق دیئے جائیں گے اور ان ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہ یونانی ان سے وصول کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لگایا جائے گا جس کی مقدار فی کس تقریباً دس روپیہ تھی۔ رعایائے صوبہ جات نے ان شرائط کو اسقدر غنیمت سمجھا کہ وہ عہد و پیمان میں شریک ہو گئے اور جزیہ کی رقم انہوں نے پیشگی ادا کر دی عمال اسلام اپنے عہد پر اس قدر مستحکم رہے اور انہوں نے ان رعایا کے ساتھ جو ہر روز شاہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ساتھ سے انواع واقسام کے مظالم سہا کرتی تھی اس طرح کا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک میں بکشادہ پیشانی دین اسلام اور زبان عربی کو قبول کر لیا، میں بار بار کہوں گا کہ یہ وہ نتیجہ ہے کہ ہرگز بزور شمشیر حاصل نہیں ہو سکتا اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی وہ ہرگز یہ کامیابی حاصل نہ کر سکیں۔

عربوں کی ایک خاص بات:

عربوں کی ملک گیری میں ایک خاص بات ہے جو ان کے بعد کے

ملک گیروں میں ہرگز نہیں پائی جاتی دیگر اقوام نے بھی مثل بربریوں (جنہوں نے روم کے ملک کو فتح کیا ہے) یا ترکوں وغیرہ نے ملک گیری کی ہے لیکن انہوں نے کبھی کوئی تمدن نہیں قائم کیا۔ اوران کی ساری ہمت اسی طرف مصروف رہی ہے۔ کہ جہاں تک ممکن ہو اقوام مفتوحہ کے مال سے فائدہ اٹھائیں برخلاف اس کے عربوں نے قلیل زمانہ میں ایک جدید تمدن کی عمارت کھڑی کر دی اور انہوں نے ایک گروہ اقوام کو اس جدید تمدن کے ساتھ اپنے مذہب اور اپنی زبان اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ عربوں کی صحبت کے ساتھ ہی مصر اور ہندوستان کے سے قدیم اقوام نے ان کا دین ان کا لباس، ان کا طرز معیشت بلکہ ان کا طریقہ تعمیر تک اختیار کرلیا۔ عربوں کے بعد بہت سی اقوام نے انہیں خطوط پر حکومت کی ہے لیکن پیغمبر اسلام کی تعلیم کا اثر اسوقت تک ان ملکوں میں باقی ہے کل ممالک ایشیاء و افریقہ میں مراکش سے لے کر ہندوستان تک جہاں کہیں عرب پہنچے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اثر ان ملکوں میں ہمیشہ کے لئے قائم ہو گیا ہے۔ بہت سے نئے ملک گیروں نے ان ممالک کو عربوں کے بعد فتح کیا ہے لیکن وہ ان سے عربوں کا مذہب عربوں کی زبان کو ہرگز نہ مٹا سکے۔

انتھی کلامہٗ۔ یہ شائستہ تمدن جس کا ذکر محقق موصوف نے کیا چند ہی روز میں دریائے سندھ سے اندلس تک پہنچ گیا اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں جو ہزار ہا معبودوں کا گھر تھا۔ مسلمانوں کے بابرکت قدم آئے اور انہوں نے اس ظلمت کدہ میں توحید کا چراغ روشن کیا۔ اور گویا بت خانہ کے اندر مسجد بنا دی، ہنگامہ ۱۸۵۷ء کے زلزلہ سے جہاں اور قومی عمارات گرنا شروع ہوئیں یہ مسجد بھی انہدام کے قریب آ پہنچی۔ اس پر ایک طرف تو دشمنان اسلام نے اس کی بنیادیں نکال ڈالنے کا ارادہ کرلیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں نے اس کی اینٹوں سے اپنے رہنے کے مکانات تعمیر کرنا چاہے، اسی پرخطر وقت میں ایک مرد کو خدائے تعالیٰ نے بھیجد یا جس نے اس مسجد کی عمارت کو زمانے کی دستبرد سے بچالیا اور پہلے سے بھی زیادہ رفیع الشان اور باعظمت بنانے کی کوشش میں کامیاب ہوا۔

یہ رفیع المنزلت عمارت مدرسہ عربی دیوبند ہے

وآخر دعوانا ان الحمد لله رب العلمين

انتھیٰ کلام حضرت عثمانی رحمتہ اللہ علیہ وابویہ وجمیع المسلمین

وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ
اور مخالف نہیں ہوئے کتاب والے مگر جب
بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ؕ
اُن کو معلوم ہو چکا آپس کی ضد اور حسد سے

اہل کتاب کا عناد:

یعنی اسلام ایک واضح اور روشن چیز ہے جس قسم کے دلائل سے موسیٰ و مسیح کی رسالت و تورات وانجیل کا کتاب سماوی ہونا ثابت کیا جا سکتا ہے، اس سے بہتر مضبوط اور زندہ دلائل محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے موجود ہیں۔ بلکہ خود وہ کتابیں آپ کی حقانیت کی شہادت دے رہی ہیں۔ توحید خالص ایک صاف مضمون ہے جس کے خلاف باپ بیٹے کا نظریہ محض ایک بے معنی چیستاں ہوکر رہ جاتی ہے، جس کی کوئی علمی اصول تائید نہیں کرتا، اب جو اہل کتاب مخالف اسلام ہوکر ان روشن حقائق کو جھٹلائیں اور حق تعالیٰ کی حکمبر داری سے سرتابی کریں بجز اس کے کیا کہا جا سکتا ہے کہ محض ضد، حسد، عناد اور جاہ و مال کی حرص میں ایسا کر رہے ہیں، جیسا کہ پہلے (اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ) الخ کے فوائد میں خود ابو حارثہ بن علقمہ رئیس وفد نجران کا اقرار واعتراف نقل کیا جا چکا ہے اور یہ ان لوگوں کی قدیم عادت ہے۔ یہود ونصاریٰ کے باہم جو اختلافات ہوئے یا ہر ایک مذہب میں جو بہت سے فرقے بنے پھر مخالفت باہمی خوفناک محاربات اور خونریزیوں پر منتہی ہوئی۔ تاریخ بتلاتی ہے کہ اس کا منشاء عموماً غلط فہمی یا جہل نہ تھا، بلکہ اکثر حالات میں محض سیم وزر کی محبت اور جاہ پرستی سے یہ فرقہ وار اختلافات پیدا ہوئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابن ابی حاتم نے ربیع کا قول نقل کیا ہے کہ حضرت موسیٰ نے اپنی وفات کے وقت بنی اسرائیل کے ستر علماء کو طلب کیا اور تورات ان کی امانت میں دیدی اور یوشع بن نون کو اپنا جانشین مقرر کردیا جب پہلی دوسری اور تیسری صدی گزر گئی تو اس کے بعد یہودیوں میں تفرقہ پڑ گیا۔ آیت (وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ) میں انہی ستر علماء کی اولاد مراد ہے جن کو تورات دی گئی تھی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ
اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی

الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

حساب لینے والا ہے

دنیا میں بھی، ورنہ آخرت میں تو ضرور ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ

پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا منہ اللہ کے حکم

وَمَنِ اتَّبَعَنِ ؕ

پر اور انہوں نے بھی کہ جو میرے ساتھ ہیں

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ معیار ہے:

جیسا کہ دوفوائد پہلے نقل کیا جا چکا ہے۔ وہ جھگڑتے تھے کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ یہاں انکو بتلایا گیا کہ ایسا (فرضی) اسلام کس کام کا۔ آؤ دیکھو، اسلام اسے کہتے ہیں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے جاں نثار ساتھیوں کے پاس ہے۔ ابھی بیان ہو چکا کہ اسلام نام ہے تسلیم وانقیاد کا۔ یعنی بندہ ہمہ تن اپنے کو خدا کے ہاتھ میں دیدے سو محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور مہاجرین وانصار کو دیکھو کس طرح انہوں نے شرک، بت پرستی، بد اخلاقی، فسق وفجور اور ظلم وعدوان کا مقابلہ کرتے ہوئے اپنی جان، مال، وطن، کنبہ، بیوی بچے، غرض تمام مرغوب ومحبوب چیزیں حق تعالیٰ کی خوشنودی پر نثار کر دیں اور کس طرح ان کا چہرہ اور آنکھیں ہر وقت حکم الٰہی کی طرف لگی رہتی ہیں کہ ادھر سے حکم آئے اور ہم تعمیل کریں۔ اس کے بالمقابل تم اپنا حال دیکھو کہ خود اپنی خلوتوں میں اقرار کرتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہیں، مگر ان پر ایمان لائیں تو دنیا کا مال وجاہ چھنتا ہے۔ بہر حال اگر باوجود وضوح حق کے اسلام کی طرف نہیں آتے، تم جانو، ہم تو اپنے کو ایک خدا کے سپرد کر چکے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ

اور کہہ دے کتاب والوں کو اور ان پڑھوں کو کہ تم بھی تابع

ءَاَسْلَمْتُمْ ؕ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ

ہوتے ہو پھر اگر وہ تابع ہوئے تو انہوں نے راہ پائی سیدھی

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ؕ وَاللّٰهُ

اور اگر منہ پھیریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ کی نگاہ

بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

میں ہیں بندے

سنبھل جاؤ! اعراض نہ کرو:

یعنی سوچ لو، کیا تم بھی ہماری طرح خدا کے تابعدار بندے بنے ہو یا اب بنتے ہو، ایسا ہو تو سمجھو لو سیدھے رستہ پر لگ گئے اور ہمارے بھائی بن گئے ورنہ ہمارا کام سمجھا دینا اور نشیب وفراز بتلا دینا تھا، وہ کر چکے۔ آگے سب بندے اور ان کے اعمال ظاہری وباطنی خدا کی نظر میں ہیں، وہ ہر ایک کا بھگتان کر دے گا۔ (تنبیہ) ان پڑھ کہتے تھے عرب کے مشرکوں کو کہ ان کے پاس کتب سماویہ کا علم نہ تھا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ

جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کے حکموں کا اور قتل کرتے ہیں

النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ

پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو

يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ

جو حکم کرتے ہیں انصاف کرنے کا لوگوں میں سے سو خوشخبری سنا

بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ

دے ان کو عذاب دردناک کی یہی ہیں جن کی

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ

محنت ضائع ہوئی دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی نہیں

مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۲۲﴾

اُن کا مددگار

پیغمبروں کی مخالفت جرم عظیم ہے:

حدیث میں ہے کہ بنی اسرائیل نے ایک دن میں تینتالیس نبی اور ایک سو ستر یا ایک سو بارہ صالحین کو شہید کیا۔ یہاں نصاریٰ نجران اور دوسرے کفار کو سنایا جا رہا ہے کہ احکام الٰہی سے منکر ہو کر انبیاء اور انصاف پسند ناصحین سے مقابلہ کرنا اور پرلے درجہ کی شقاوت وسنگدلی سے ان

کے خون میں ہاتھ رنگنا معمولی چیز نہیں، ایسے لوگ سخت دردناک عذاب کے مستحق اور دونوں جہان کی کامیابی سے محروم ہیں۔ ان کی محنت برباد اور ان کی کوششیں اکارت ہونگی اور دنیا و آخرۃ میں جب سزا ملے گی تو کوئی بچانیوالا اور مدد کرنے والا نہ ملے گا۔ (تفسیر عثمانی)

بغویؒ نے حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح کا قول نقل کیا ہے۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے بیان کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا یا رسول اللہ قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب کس کو ہوگا فرمایا جس نے کسی نبی کو قتل کیا یا منکر کا حکم دیا اور معروف سے ممانعت کی پھر حضورؐ نے آیت (وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ) سے (وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ) تک تلاوت فرمائی اس کے بعد ارشاد فرمایا ابوعبیدہؓ بنی اسرائیل نے ۴۳ انبیاء کو ایک ساعت کے اندر دن کے اول حصہ میں قتل کر دیا شہادت انبیاء کے بعد بنی اسرائیل کے عابدوں میں سے ۱۲۰ آدمی بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لئے کھڑے ہو گئے بنی اسرائیل نے اسی روز دن کے آخر حصہ میں ان کو بھی قتل کر دیا یہی وہ لوگ ہیں جن کا تذکرہ اللہ نے اپنی کتاب میں کیا اور ان کے بیان میں آیت نازل فرمائی۔

(فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ) اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم ان کو دردناک عذاب کی بشارت یعنی اطلاع دیدو۔ خبر کو بشارت سے بطور استہزاء تعبیر کیا۔ (تفسیر مظہری)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ

کیا نہ دیکھا تو نے اُن لوگوں کو جن کو ملا کچھ ایک حصہ کتاب کا

یعنی تھوڑا بہت حصہ تورات و انجیل وغیرہ کا جو ان کی تحریفات لفظی و معنوی سے بچ بچا کر رہ گیا ہے۔ یا جو تھوڑا بہت حصہ فہم کتاب کا ملا۔ (تفسیر عثمانی)

يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ

اُن کو بلاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تا کہ وہ کتاب ان میں حکم کرے پھر

يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾

منہ پھیرتے ہیں بعضے اُن میں سے تغافل کر کے

علمائے یہود کی خواہش پرستی:

یعنی جب انہیں دعوت دی جاتی ہے کہ قرآن کریم کی طرف آؤ جو خود تمہاری تسلیم کردہ کتابوں کی بشارات کے موافق آیا اور تمہارے اختلافات کا ٹھیک ٹھیک فیصلہ کرنے والا ہے، تو ان کے علماء کا ایک فریق تغافل برت کر منہ پھیر لیتا ہے۔ حالانکہ قرآن کی طرف دعوت فی الحقیقت تورات و انجیل کی طرف دعوت دینا ہے۔ بلکہ کچھ بعید نہیں کہ اس جگہ کتاب اللہ سے مراد تورات و انجیل ہی ہو۔ یعنی لو ہم تمہارے نزاعات کا فیصلہ تمہاری ہی کتاب پر چھوڑتے ہیں مگر غضب تو یہ ہے کہ وہ اپنی خواہشات اور پست اغراض کے سامنے خود اپنی کتاب کی ہدایات سے بھی منہ پھیر لیتے ہیں۔ نہ اس کی بشارات سنتے ہیں نہ احکام پر کان دھرتے ہیں۔ چنانچہ رجم زانی کے مسئلہ میں تورات کے حکم منصوص سے صریح روگردانی کی۔ جیسا کہ آگے سورۂ مائدہ میں آئے گا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

کلبی نے بروایت ابوصالح حضرت ابن عباس کا قول نقل کیا ہے کہ خیبر کے باشندوں میں ایک مرد و عورت نے زنا کیا اور زنا کی سزا ان کی کتاب میں رجم (سنگسار) کر دینا مقرر تھی زانی چونکہ عالی مرتبہ تھے اس لئے یہودیوں نے ان کو سنگسار کرنا مناسب نہ سمجھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں معاملہ پیش کیا ان کو یہ امید تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس سزا میں کچھ تخفیف مل جائے گی۔

لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو رجم کر دینے کا حکم دیدیا نعمان بن اوفی اور بحری بن عمرو اس سزا کو سن کر بولے محمدؐ! آپ کا فیصلہ غلط ہے ان کے لئے سنگسار کرنے کا حکم نہیں ہے۔ آپؐ نے فرمایا میرے تمہارے قول کا فیصلہ تورات سے ہو سکتا ہے۔ (تورات لاؤ) وہ بولے آپؐ نے انصاف کی بات کہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ تم میں تورات کا سب سے بڑا عالم کون ہے؟ انہوں نے جواب دیا ایک یک چشم آدمی ہے جو فدک کا باشندہ ہے اس کو ابن صوریا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ یہودیوں نے ابن صوریا کو بلوا بھیجا اور وہ مدینہ میں آ گیا۔

حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابن صوریا کے حالات بتا دیئے تھے ابن صوریا حاضر ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ابن صوریا ہو اس نے جواب دیا جی ہاں فرمایا کیا تم یہودیوں کے سب سے بڑے عالم ہو۔ ابن صوریا نے کہا لوگ ایسا ہی خیال کرتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کا وہ حصہ طلب فرمایا جس میں رجم کا حکم مذکور تھا اور فرمایا اس کو پڑھو۔

حسب الحکم ابن صوریا نے تورات پڑھنی شروع کی اور جب آیت رجم پر پہنچا تو اپنی ہتھیلی اس پر رکھ دی اور آگے پڑھنے لگا۔ حضرت عبداللہ بن

سلام بولے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت رجم کو چھوڑ گیا، پھر عبداللہؓ نے خود اٹھ کر اس کا ہاتھ آیت رجم سے ہٹایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نیز یہودیوں کو پڑھ کر سنایا کہ محصن اور محصنہ جب زنا کریں اور شہادت سے ثبوت ہو جائے تو ان کو سنگسار کر دیا جائے اور اگر عورت حاملہ ہو تو بچہ پیدا ہونے تک سزا موقوف رکھی جائے اس فیصلہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں کو سنگسار کرا دیا اور یہودی ناراض ہو کر لوٹ گئے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ (لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ)۔

بیضاوی نے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب مدینہ کی حفاظت کے لئے خندق کھودنے کے خطوط ڈالے اور ہر دس آدمیوں کے لئے بیس ہاتھ زمین کھودنا طے کر دی اور لوگوں نے کھدائی شروع کر دی تو کھودنے کے دوران زمین کے اندر ایک بڑی چٹان نمودار ہوئی۔ جس پر کدال اثر نہیں کرتی تھی۔ لوگوں نے حضرت سلمانؓ کو اس بات کی اطلاع دینے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا آپ تشریف لے آئے اور کدال ہاتھ میں لے کر ایک ایسی ضرب لگائی کہ پتھر پھٹ گیا اور ایک چمک پیدا ہوئی جس سے مدینہ کے دونوں کناروں کا درمیانی حصہ چمک اٹھا گویا تاریک کوٹھری میں چراغ روشن ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تکبیر کہی مسلمانوں نے بھی آپ کے ساتھ نعرہ تکبیر لگایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ضرب سے میرے سامنے حیرہ (عراق علاقہ فارس) کے محلات نمودار ہو گئے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ جیسے کتوں کے دانت پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسری ضرب لگائی اور فرمایا اس ضرب سے میرے سامنے سرزمین روم کی سرخ کوٹھیاں نمودار ہو گئیں پھر تیسری ضرب لگائی اور فرمایا اس ضرب سے میرے سامنے صنعاء (تختگاہ یمن) کے محل نمودار ہو گئے اور جبرئیل علیہ السلام نے مجھے بتایا کہ میری امت ان سب (ممالک) پر غالب آئے گی پس تم کو بشارت ہو۔ منافق کہنے لگے کیا تم کو اس بات سے تعجب نہیں ہوتا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم کو امیدیں دلا رہے ہیں تم سے جھوٹے وعدہ کر رہے ہیں۔

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا
یہ اس واسطے کہ کہتے ہیں وہ ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ
مَّعْدُوْدٰتٍ وَّغَرَّهُمْ فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا
دوزخ کی مگر چند دن گنتی کے اور بہکے ہیں اپنے دین میں اپنی بنائی

يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾
باتوں پر

یہودیوں کے خود ساختہ عقائد:

یعنی ان کے تمرد وطغیان اور گناہوں پر جری ہونے کا سبب یہ ہے کہ سزا کی طرف سے بے خوف ہیں۔ ان کے بڑے بڑے جھوٹ بنا کر کہہ گئے کہ ہم میں اگر کوئی سخت گناہگار بھی ہوگا تو وہ گنتی کے چند روز سے زیادہ عذاب نہ پائے گا۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں گذر چکا اور اسی طرح کی بہت سی باتیں گھڑ رکھی ہیں۔ مثلاً کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے چہیتے بیٹے ہیں۔ یا انبیاء کی اولاد ہیں اور اللہ تعالیٰ یعقوب علیہ السلام سے وعدہ کر چکا ہے کہ ان کی اولاد کو سزا نہ دیگا۔ مگر یونہی برائے نام قسم کھانے کو، اور نصاریٰ نے تو کفارہ کا مسئلہ نکال کر گناہ ومعصیت کا سارا حساب ہی بیباق کر دیا۔

اَللّٰهُمَّ اَعِذْنَا مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ
پھر کیا ہوگا حال جب ہم اُن کو جمع کرینگے ایک دن کہ اُسکے آنے
وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ
میں کچھ شبہ نہیں اور پورا پاویگا ہر کوئی اپنا کیا

قیامت میں آنکھیں کھلیں گی:

یعنی اس وقت پتہ چلے گا کہ کس اندھیرے میں پڑے ہوئے تھے جب محشر میں تمام اولین وآخرین اور خود اپنے بزرگوں کے سامنے رسوا ہونگے اور ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ملے گا۔ نہ نسبی تعلقات اور من گھڑت عقیدے کام دینگے۔ نہ کفارہ کا مسئلہ یاد آئے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾
اور انکی حق تلفی نہ ہوگی

یعنی فرضی جرائم پر سزا نہ ہوگی۔ ان کاموں پر ہوگی جن کا جرم ہونا خود تسلیم کرینگے اور جس قدر سزا کا استحقاق ہوگا اس سے زیادہ نہ دی جائے نہ کسی کی ادنیٰ سے ادنیٰ نیکی ضائع ہو سکے گی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ
تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیوے

مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ

جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیوے جس سے چاہے اور

تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ

عزت دیوے جس کو چاہے اور ذلیل کرے جس کو چاہے

الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۶﴾

تیرے ہاتھ ہے سب خوبی بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے

یہود کی دنیا پرستی کا علاج:

جیسا کہ پہلے نقل کیا جا چکا ہے وفد نجران کے رئیس ابو حارثہ بن علقمہ نے کہا تھا کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں تو روم کے بادشاہ جو ہماری عزت اور مالی خدمت کرتے ہیں سب بند کر لینگے۔ شاید یہاں دعاء و مناجات کے رنگ میں اس کا جواب دیا کہ جن بادشاہوں کی سلطنت اور ان کی دی ہوئی عزتوں پر تم مفتون ہو رہے ہو، تو خوب سمجھ لو کہ کل سلطنت و عزت کا اصلی مالک خداوند قدوس ہے اسی کے قبضہ قدرت میں ہے جس کو چاہے دے اور جس سے چاہے سلب کر لے کیا یہ امکان نہیں کہ روم و فارس کی سلطنتیں اور عزتیں چھین کر مسلمانوں کو دے دی جائیں بلکہ وعدہ ہے کہ ضرور دیجائیں گی۔ آج مسلمانوں کی موجودہ بے سروسامانی اور دشمنوں کی طاقت کو دیکھتے ہوئے بیشک یہ چیز تمہاری سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ اسی لئے یہود منافقین مذاق اڑاتے تھے کہ قریش کے حملہ سے ڈر کر مدینہ کے گرد خندق کھودنے والے مسلمان قیصر و کسریٰ کے تاج و تخت پر قبضہ پانے کے خواب دیکھتے ہیں۔ مگر حق تعالیٰ نے چند ہی سال میں دکھلا دیا کہ روم و فارس کے جن خزانوں کی کنجیاں اس نے اپنے پیغمبر کے ہاتھ میں دی تھی فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں وہ کس طرح مجاہدین اسلام کے درمیان تقسیم ہوئے۔ اصل یہ ہے کہ یہ مادی سلطنت و عزت کیا چیز ہے جب خداوند قادر و حکیم نے روحانی سلطنت و عزت کا آخری مقام (یعنی منصب نبوت و رسالت) بنی اسرائیل سے منتقل کر کے بنی اسمٰعیل میں پہنچا دیا تو روم و عجم کی ظاہری سلطنت کا عرب کے خانہ بدوشوں کی طرف منتقل کر دینا کیا مستبعد ہے گویا یہ دعا ایک طرح کی پیشینگوئی تھی کہ عنقریب دنیا کی کایا پلٹ ہونے والی ہے۔ جو قوم دنیا سے الگ تھلگ پڑی تھی عزتوں اور سلطنتوں کی مالک ہوگی، اور جو بادشاہت کر رہے تھے ان کو اپنی بداعمالیوں کی بدولت پستی و ذلت کے غار میں گرایا جائے گا۔ (تنبیہ) بِیَدِکَ الْخَیْرُ بیشک خدا کے ہاتھ میں ہر قسم کی خیر و خوبی ہے اور شر کا پیدا کرنا بھی اس کے اعتبار سے خیر ہی ہے۔ کیونکہ مجموعہ عالم کے اعتبار سے اس میں ہزار ہا حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ فی الحدیث الصحیح اَلْخَیْرُ کُلُّهٗ فِیْ یدیْکَ وَالشَّرُّ لَیْسَ اِلَیْکَ. ﴿تفسیر عثمانی﴾

آیت کی فضیلت:

طبرانی کی معجم صغیر میں ہے کہ ایک جمعہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے معاذ بن جبلؓ کو نماز میں نہ دیکھا تو خود ان کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا اے معاذ کیا بات ہے آج میں نے تم کو نہیں دیکھا عرض کیا یا رسول اللہ ایک یہودی کا میرے ذمہ ایک اوقیہ (چالیس درہم) قرض تھا۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے نکلا راستہ میں اس یہودی نے مجھ کو روک لیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اے معاذ کیا میں تمہیں ایسی دعا نہ بتاؤں کہ اگر تمہارے ذمہ پہاڑ کے برابر بھی قرض ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو ادا کر دے۔ وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ
مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ
شَيْءٍ قَدِيْرٌ. تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ
مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ

رَحْمٰنَ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَرَحِيْمَهُمَا تُعْطِيْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُمَا وَتَمْنَعُ مَنْ تَشَآءُ اِرْحَمْنِيْ رَحْمَةً تُغْنِيْ بِهَا عَنْ رَحْمَةِ مَنْ سِوَاکَ اَللّٰهُمَّ اقْضِ عَنِّي الدَّيْنَ وَاَغْنِنِيْ مِنَ الْفَقْرِ وَتَوَفَّنِيْ فِيْ عِبَادَتِکَ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِکَ. ﴿تفسیر قرطبی ص۵۲ ج۱﴾

در منثور و شرح حصن حصین میں بزرگوں نے لکھا ہے کہ اس آیت کی خاصیت یہ ہے کہ جو اس پر مداومت کرے اللہ تعالیٰ اس کو قرض سے سبکدوش فرماتا ہے۔ بعض بزرگوں نے یہ تخصیص بھی کی ہے کہ ہر نماز کے بعد سات سات بار پڑھے اور بزرگوں نے اس عمل کو مجرب لکھا ہے۔ معجم طبرانی میں عبد اللہ بن عباسؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسم اعظم جس کے ذریعہ سے دعا قبول ہوتی ہے۔ وہ آل عمران کی اس آیت میں ہے۔

اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ
الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ
اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ.

﴿معارف کاندھلویؒ﴾

تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي

تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرے دن کو

الَّيْلِ

رات میں

سب کچھ اللہ کے ہاتھ میں ہے:

یعنی کبھی رات کو گھٹا کر دن کو بڑھا دیتا ہے کبھی اس کا عکس کرتا ہے، مثلاً ایک موسم میں ۱۴ گھنٹے کی رات اور دس گھنٹہ کا دن ہے۔ چند ماہ بعد رات کے چار گھنٹہ کاٹ کر دن میں داخل کر دیے۔ اب رات دس گھنٹہ کی رہ گئی اور دن ۱۴ گھنٹہ کا ہو گیا۔ یہ سب الٹ پھیر تیرے ہاتھ میں ہیں۔ کیونکہ شمس وقمر وغیرہ تمام سیارات بدون تیرے ارادہ کے ذرا حرکت نہیں کر سکتے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ کبھی کے دن بڑے اور کبھی کی رات۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ

اور تو نکالے زندہ مردہ سے اور نکالے مردہ

مِنَ الْحَيِّ

زندہ سے

یعنی بیضہ کو مرغی سے، مرغی کو بیضہ سے آدمی کو نطفہ سے، نطفہ کو آدمی سے جاہل کو عالم سے، عالم کو جاہل سے، کامل کو ناقص سے، ناقص کو کامل سے نکالنا تیری ہی قدرت کا کام ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

اور تو رزق دے جس کو چاہے بے شمار

حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں یہود جانتے تھے کہ پہلے جو بزرگی ہم میں تھی وہ ہی ہمیشہ رہے گی، اللہ کی قدرت سے غافل ہیں، جس کو چاہے عزیز کرے اور سلطنت دے اور جس سے چاہی چھین لے اور ذلیل کر دے۔ اور جاہلوں میں کامل پیدا کرے (جیسے عرب کے اُمیوں میں سے کئے) اور کاملوں میں سے جاہل (جیسے بنی اسرائیل میں ہوا) اور جس کو چاہے (حسی ومعنوی) رزق بے حساب دیوے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

نہ بناویں مسلمان کافروں کو دوست

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ

مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اُس کو

فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا

اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرنا چاہو

مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ

تم اُن سے بچاؤ

کافروں سے دوستی نہ کرو:

یعنی جب حکومت وسلطنت، جاہ وعزت، اور ہر قسم کے تقلبات وتصرفات کی زمام اکیلے خداوند قدوس کے ہاتھ میں ہوئی تو مسلمانوں کو جو صحیح معنی میں اس پر یقین رکھتے ہیں۔ شایان نہیں کہ اپنے اسلامی بھائیوں کی اخوۃ ودوستی پر اکتفاء نہ کر کے خواہ مخواہ دشمنان خدا کی موالاۃ و مدارات کی طرف قدم بڑھائیں، خدا اور رسول کے دشمن ان کے دوست کبھی نہیں بن سکتے، جو اس خبط میں پڑے گا سمجھ لو کہ خدا کی محبت وموالات سے اسے کچھ سروکار نہیں۔ ایک مسلمان کی سب امیدیں اور خوف صرف خداوند رب العزت سے وابستہ ہونے چاہئیں۔ اور اس کے اعتماد ووثوق اور محبت ومناصرت کے مستحق وہ ہی لوگ ہیں جو حق تعالیٰ سے اسی قسم کا تعلق رکھتے ہوں۔

کفار سے تعلقات کی حد:

ہاں تدبیر وانتظام کے درجہ میں کفار کے ضرر عظیم سے اپنے ضروری بچاؤ کے پہلو اور حفاظت کی صورتیں معقول ومشروع طریقہ پر اختیار کرنا، ترک موالات کے حکم سے اسی طرح مستثنیٰ ہیں۔ جیسے سورۂ انفال میں (وَمَنْ يُّوَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبُرَهٗٓ اِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ اَوْ مُتَحَيِّزًا اِلٰى فِئَةٍ) کو مستثنیٰ کیا گیا ہے۔ جس طرح وہاں تحرف وتحیز کی حالت میں حقیقۃً فرار من الزحف نہیں ہوتا، محض صورۃً ہوتا ہے، یہاں بھی اِلَّا اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً کو حقیقت موالات نہیں، فقط صورت موالات سمجھنا چاہئے۔ جس کو ہم مدارات کے نام سے موسوم کرتے ہیں اس مسئلہ کی مزید تفصیل سورۂ مائدہ کی آیت (يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُوْدَ وَالنَّصٰرٰٓى اَوْلِيَآءَ) کے فوائد میں ملاحظہ کر لی جائے۔ اور بندہ کا مستقل رسالہ بھی اس موضوع پر چھپا ہوا ہے جو حضرت الاستاذ (مترجم محقق) قدس اللہ روحہ کے ایماء پر لکھا گیا تھا۔ فلیراجع ﴿تفسیر عثمانی﴾

محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے دوستی اور دشمنی کرنا۔ ایمان کا ایک عظیم الشان دروازہ ہے حضرت ابن مسعودؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی۔ متفق علیہ۔ حضرت انسؓ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے تجھے محبت ہوگی۔ متفق علیہ۔ حضرت ابوموسیٰؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نیک ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے مشک اپنے ساتھ رکھنے والا اور برے ہم نشین کی مثال ایسی ہے جیسے بھٹی دھونکنے والا۔ مشک اپنے پاس رکھنے والا یا تو مفت تجھے مشک دیدیگا۔ یا تو اسے خرید لیگا۔ اور کچھ نہ ہوگا تو خوشبو تو بہرحال تجھے پہنچے گی اور بھٹی دھونکنے والا تیرے کپڑے جلادیگا یا کم سے کم تجھے اس کی طرف سے بدبو آئے گی۔ متفق علیہ۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذرؓ سے فرمایا، ابوذر ایمان (کے حصول) کا کونسا قبضہ (ذریعہ) سب سے زیادہ مضبوط ہے ابوذرؓ نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہی بخوبی واقف ہیں فرمایا اللہ کے لئے دوستی۔ اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے محبت اور بغض رکھنا۔ رواہ البیہقی فی الشعب۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا محبت فی اللہ اور بغض فی اللہ۔ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل ہے۔ رواہ احمد و ابوداؤد۔ اس موضوع کی احادیث بکثرت آئی ہیں۔

(وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ) اور جو ایسا کرے گا یعنی کافروں سے اندرونی دوستی رکھے گا۔

(فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ) تو اللہ سے اس کا کچھ بھی دوستی کا تعلق نہیں۔ شیٔ کی تنوین اظہار تحقیر کے لئے مطلب یہ ہے کہ اللہ کی دوستی یا اللہ کے دین کی کم سے کم مقدار میں بھی اس کا دخل نہیں یعنی کافروں کی دوستی جس طرح مومنوں کی دوستی کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی دوستی کے ساتھ بھی نہیں ہوسکتی۔ اگر شروع میں ہی بجائے (مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ) کے من دون اللہ والمومنین کہہ دیا جاتا تو بیان کردہ مطلب ادا ہوجاتا لیکن اللہ کی دوستی سے محرومی کا اظہار پرزور عبارت میں نہ ہوتا اس لئے آیت (فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ) کو (مستقل طور پر) ذکر کیا۔ (اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً) مگر یہ کہ کافروں کی طرف سے تم کو کچھ شر کا اندیشہ ہو تو کفار سے (ظاہری) دوستی جائز ہے اور اللہ کی دوستی سے محرومی نہ ہوگی۔

کافروں کے شر سے اندیشہ کے وقت ان سے موالات جائز ہے۔ لیکن ناجائز کا جواز بقدر ضرورت ہوتا ہے اس لئے صرف ظاہری دوستی جائز ہوگی اندرونی دوستی کا جواز نہیں ہوسکتا۔ اور کافروں کی دوستی میں کسی حرام خون یا حرام مال کو حلال قرار دینا یا گناہ کا ارتکاب کرنا یا کافروں کو مسلمانوں کی نقصان رساں تدبیریں بتانا یا مسلمانوں کے رازوں سے واقف کرنا جائز نہیں بعض لوگوں نے ظہور اسلام کے بعد تقیہ کرنے کو ناجائز کہا ہے کیونکہ حضرت معاذ بن جبلؓ کا قول ہے کہ ابتداء اسلام میں جب تک دین کا استحکام نہ ہوا تھا اور اسلام میں قوت نہ آئی تھی تقیہ جائز تھا لیکن اب مسلمانوں کے لئے دشمن سے تقیہ کرنا جائز نہیں۔

(وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ) مذکورہ بالا آیات میں کفار کی دوستی کا نتیجہ مسلمانوں کی اور خدا کی دوستی سے محروم ہوجانا بیان کیا تھا اب مزید باز داشت کے لئے فرمایا کہ اللہ تم کو اپنی ناراضگی اور عذاب سے ڈرا رہا ہے جو موالات کفار کی صورت میں ہوگا۔

صحیحین میں حضرت ابن عمرؓ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ مومن کو قریب بلا کر اپنی ہتھیلی اس پر رکھ کر خفیہ طور پر فرمائے گا کیا تو اپنے فلاں گناہ سے واقف ہے کیا تجھے اپنا فلاں گناہ معلوم ہے بندہ عرض کرے گا بیشک میرے رب مجھے معلوم ہے جب اللہ اس سے اس کے گناہوں کا اقرار کرالے گا اور بندہ خیال کرے گا کہ اب میں تباہ ہوا تو اللہ فرمائے گا میں نے دنیا میں تیرے گناہ چھپائے اور آج معاف کرتا ہوں اس کے بعد نیکیوں کا اعمالنامہ اس کو دیدیا جائے گا۔ رہے کافر اور منافق تو ان کے متعلق سب مخلوق کے سامنے ندا دی جائے گی کہ :

(هٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ)

ضحاک نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا کہ کچھ قریشیوں نے کعبہ کے اندر بت نصب کئے تھے اور ان پر شتر مرغ کے انڈے لٹکائے تھے اور انکے کانوں میں بالیاں پہنائی تھیں اور ان کو سجدے کر رہے تھے رسول صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے وہاں پہنچ کر کچھ توقف کیا اور فرمایا اے گروہ قریش تم نے اپنے باپ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کے طریقہ کی مخالفت کی۔ قریشی کہنے لگے ہم تو اللہ ہی کی محبت میں ان کی پوجا کرتے ہیں تاکہ یہ ہم کو خدا کے قرب میں پہنچادیں اس پر آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم :

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو رحمۃ للعالمین ہوکر اس دنیا

میں تشریف لائے، آپؐ نے غیر مسلموں کے ساتھ جو احسان و ہمدردی اور خوش خلقی کے معاملات کئے، اس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے، مکہ میں قحط پڑا تو جن دشمنوں نے آپؐ کو اپنے وطن سے نکالا تھا، ان کی خود امداد فرمائی، پھر مکہ مکرمہ فتح ہو کر یہ سب دشمن آپؐ کے قابو میں آ گئے تو سب کو یہ فرما کر آزاد کر دیا کہ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ، یعنی آج تمہیں صرف معافی نہیں دی جاتی بلکہ تمہارے پچھلے مظالم اور تکالیف پر ہم کوئی ملامت بھی نہیں کرتے، غیر مسلم جنگی قیدی ہاتھ آئے تو ان کے ساتھ وہ سلوک کیا جو اپنی اولاد کے ساتھ بھی ہر شخص نہیں کرتا، کفار نے آپؐ کو طرح طرح کی ایذائیں پہنچائیں، کبھی آپؐ کا ہاتھ انتقام کے لئے نہیں اٹھا، زبان مبارک سے بددعا بھی نہیں فرمائی بنوثقیف جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ان کا ایک وفد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو ان کو مسجد نبویؐ میں ٹھیرایا گیا، جو مسلمانوں کے لئے سب سے زیادہ عزت کا مقام تھا۔

فاروق اعظمؓ نے غیر مسلم محتاج ذمیوں کو مسلمانوں کی طرح بیت المال سے وظیفے دیئے۔

خلفائے راشدینؓ اور صحابہ کرامؓ کے معاملات اس قسم کے واقعات سے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ سب مواسات یا مدارات یا معاملات کی صورتیں تھیں، جس موالات سے منع کیا گیا وہ نہ تھی۔ اس تفصیل اور تشریح سے ایک طرف تو یہ معلوم ہو گیا کہ غیر مسلموں کے لیے اسلام میں کتنی رواداری اور حسن سلوک کی تعلیم ہے، دوسری طرف جو ظاہری تعارض ترک موالات کی آیات سے محسوس ہوتا تھا وہ بھی رفع ہو گیا۔

کفار کی دوستی:

اب ایک بات یہ باقی رہ گئی کہ قرآن نے کفار کی موالات اور قلبی دوستی و محبت کو اسی شدت کے ساتھ کیوں روکا کہ وہ کسی حال میں کسی کافر کے ساتھ جائز نہیں رکھی، اس میں کیا حکمت ہے؟ اس کی ایک خاص وجہ یہ ہے کہ اسلام کی نظر میں اس دنیا کے اندر انسان کا وجود عام جانوروں یا جنگل کے درختوں اور گھاس پھوس کی طرح نہیں کہ پیدا ہوئے، پھولے پھلے پھر مر کر ختم ہو گئے بلکہ انسان کی زندگی اس جہان میں ایک بامقصد زندگی ہے، اس کی زندگی کے تمام ادوار اس کا کھانا پینا، اٹھنا، بیٹھنا، سونا جاگنا، یہاں تک کہ جینا اور مرنا سب ایک مقصد کے گرد گھومتے ہیں، جب تک وہ اس مقصد کے مطابق ہیں تو یہ سارے کام صحیح و درست ہیں اس کے مخالف ہیں تو یہ سب غلط ہیں، دانائے روم نے خوب فرمایا ۔

زندگی از بہر ذکر و بندگی ست
بے عبادت زندگی شرمندگی ست

جو انسان اس مقصد سے ہٹ جائے وہ دانائے روم و اہل حقیقت کے نزدیک انسان نہیں

آنچہ می بینی خلاف آدم اند
نیستند آدم غلاف آدم اند

قرآن حکیم نے اسی مقصد کا اظہار انسان سے ان الفاظ میں لیا ہے۔

قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

''آپ کہتے ہیں کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت سب اللہ رب العلمین کے لئے ہے۔''

اور جب انسان کی زندگی کا مقصد اللہ رب العالمین کی اطاعت و عبادت ٹھیرا تو دنیا کے کاروبار ریاست و سیاست اور عائلی اور منزلی تعلقات سب اس کے تابع ٹھیرے، تو جو انسان اس مقصد کے مخالف ہیں وہ انسان کے سب سے زیادہ دشمن ہیں۔

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾
اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے

امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں یہ بھی اس کی سراسر مہربانی اور لطف و محبت ہے کہ اس نے اپنے سے ہی اپنے بندوں کو ڈرایا۔ (ابن کثیرؒ)

اسلوب بیان:

قرآن کریم کا یہ خاص طرز ہی عموماً خوف کے ساتھ رجاء اور رجا کے ساتھ خوف کا مضمون سناتا ہے۔ یہاں بھی مضامین ترہیب کو معتدل بنانے کے لئے اخیر میں واللہ رؤف بالعباد فرما دیا۔ یعنی خدا سے ڈر کر اگر برائی چھوڑ دو گے تو اس کی مہربانی پھر تمہارا استقبال کرنے کو تیار ہے۔ ناامید ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔ آؤ! تم کو ایسا دروازہ بتائیں جس سے داخل ہو کر مغفرت و رحمت کے پورے مستحق بلکہ خدا تعالیٰ کے محبوب بن سکتے ہو۔

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ
تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے جی کی بات یا اسے ظاہر کرو گے
يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ
جانتا ہے اسکو اللہ

یعنی ممکن ہے آدمی اپنی نیت اور دل کی بات آدمیوں سے چھپالے لیکن وہ اس طرح خدا کو فریب نہیں دے سکتا۔

(وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ) ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
اور اس کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں
وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٩﴾
اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے

جب علم اس قدر محیط اور قدرت ایسی عام و تام ہے تو مجرم کے لئے اخفاء جرم یا سزا سے بچ کر بھاگ جانے کی کوئی صورت نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ
جس دن موجود پاویگا ہر شخص جو کچھ کہ کی ہے اُس نے نیکی اپنے
مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ
سامنے اور جو کچھ کہ کی ہے اُس نے برائی آرزو کرے گا کہ
اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًا بَعِيدًا ۭ
مجھ میں اور اُس میں فرق پڑ جاوے دور کا

مجرموں کی ناکام تمنا:

یعنی قیامت کے دن ہر نیکی بدی آدمی کے سامنے حاضر ہوگی۔ عمر بھر کا اعمال نامہ ہاتھ میں پکڑا دیا جائے گا۔ اس وقت مجرمین آرزو کرینگے کہ کاش یہ دن ہم سے دور ہی رہتا۔ یا ہم میں اور ان برے اعمال میں بڑی دور کا فاصلہ ہوتا کہ ان کے قریب بھی نہ جاتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ
اور اللہ ڈراتا ہے تم کو اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے
بِالْعِبَادِ ﴿٣٠﴾
بندوں پر

اللہ کی مہربانی:

یہ بھی اس کی مہربانی ہے کہ تم کو اس خوفناک دن کے آنے سے پہلے ڈراتا اور آگاہ کرتا ہے۔ تا کہ برائی کے طریقے خصوصاً موالات کفار ترک کر کے اور بھلائی کے راستہ پر چل کر اپنے کو خداوند قہار کے غصہ سے بچا لینے کا قبل از وقت انتظام کر رکھو۔

(قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾) ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ
تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ کی تو میری راہ چلو
يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ
تا کہ محبت کرے تم سے اللہ اور بخشے گناہ تمہارے
غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣١﴾
اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

خدا سے محبت کا معیار:

دشمنان خدا کی موالات و محبت سے منع کرنے کے بعد خدا سے محبت کرنے کا معیار بتلاتے ہیں یعنی اگر دنیا میں آج کسی شخص کو اپنے مالک حقیقی کی محبت کا دعویٰ یا خیال ہو تو لازم ہے کہ اس کو اتباع محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی کسوٹی پر کس کر دیکھ لے، سب کھرا کھوٹا معلوم ہو جائے گا۔

جو شخص جس قدر حبیب خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چلتا اور آپ ﷺ کی لائی ہوئی روشنی کو مشعل راہ بناتا ہے اسی قدر سمجھنا چاہئے کہ خدا کی محبت کے دعوے میں سچا اور کھرا ہے، اور جتنا اس دعوے میں سچا ہوگا، اتنا ہی حضور ﷺ کی پیروی میں مضبوط و مستعد پایا جائے گا۔ جس کا پھل یہ ملے گا کہ حق تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگے گا۔ اور اللہ کی محبت اور حضور ﷺ کے اتباع کی برکت سے پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے اور آئندہ طرح طرح کی ظاہری و باطنی مہربانیاں مبذول ہونگی۔ گویا توحید وغیرہ کے بیان سے فارغ ہو کر یہاں سے نبوت کا بیان شروع کیا گیا اور پیغمبر آخر الزماں کی اطاعت کی دعوت دی گئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

محبت کی حقیقت:

محبت کے دل کا محبوب کے خیال میں مشغول رہنا اور ایسا استغراق ہو جانا کہ دوسرے کی طرف توجہ نہ رہے اور کسی وقت خیال محبوب کی طرف توجہ اور اشتغال کے بغیر چارہ ہی نہ ہو یہ محبت کا مفہوم ہے یہی مطلب ہے

کہ اس قول کا کہ عشق دل کی آگ ہے جو محبوب کے سوا ہر چیز کو سوخت کر دیتی ہے یعنی ہر چیز کی طرف سے توجہ کو ہٹا دیتی ہے محبوب کے سوا ہر شے کا تصور مٹا دیتی ہے گویا محبّ کی نظر میں محبوب کے علاوہ کوئی چیز موجود ہی نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ اس کو اپنی ہستی بھی نظر نہیں آتی ہر ماسوا تصور محبوب میں فنا ہو جاتا ہے۔ اس مغلوب الحالی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کو طبعًا وہی چیز پسند آتی ہے جو محبوب کو پسند ہو اور اس چیز سے ذاتی نفرت ہو جاتی ہے جس سے محبوب کو نفرت ہو وہ ہر وقت مرضی محبوب کا خواستگار رہتا ہے اس کو نہ ثواب اور فائدہ کا لالچ رہتا ہے نہ عذاب اور ضرر کا اندیشہ اگر چہ بالعرض اس کی لب میں طمع اور خوف کی آمیزش ہوتی ہے (مگر آلائش نہیں ہوتی اس کی اصل غرض محبوب کی خوشنودی کی طلب ہوتی ہے۔)

اللہ کی محبت:

یہ تو بندہ کی محبت کی حقیقت ہے، رہی اللہ کی محبت بندہ سے تو ظاہر ہے کہ اللہ قلب، استغراق تصور اور انہماک سے پاک ہے اس کو ایسی توجہ کسی طرف نہیں ہوتی کہ دوسری طرف توجہ نہ رہے اس کی محبت ایک سادہ انس کا نام ہے جو بندہ کو اپنی طرف کھینچ لیتا ہے اور دوسرے کی طرف بندہ کو مائل نہیں ہونے دیتا اللہ کی طرف سے اسی کشش کا نتیجہ ہوتا ہے کہ بندہ اللہ سے محبت کرتا ہے۔ (تفسیر مظہری)

قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ
تو کہہ حکم مانو اللہ کا اور رسول کا پھر اگر اعراض کریں تو
اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾
اللہ کو محبت نہیں ہے کافروں سے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت:

ف: ﴿ یہود و نصاریٰ کہتے تھے نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (ہم خدا کے بیٹے اور محبوب ہیں) یہاں بتلا دیا گیا کہ کافر کبھی خدا کا محبوب نہیں ہو سکتا۔ اگر واقعی محبوب بنا چاہتے ہو تو اس کے احکام کی تعمیل کرو پیغمبر کا کہا مانو اور خدا کے سب سے بڑے محبوب کے نقش قدم پر چلے آؤ۔ وفد نجران نے یہ بھی کہا تھا کہ ہم مسیح کی تعظیم و عبادت اللہ کی محبت و تعظیم کے لئے کرتے ہیں، اس کا بھی جواب ہو گیا۔ آگے خدا تعالیٰ کے چند محبّ و محبوب بندوں کا حال سنایا گیا اور وفد نجران کی رعایت سے حضرت مسیح علیہ السلام کی سوانح زیادہ شرح و بسط کے ساتھ بیان کی گئی ہے، جو تمہید ہے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر مبارک کی۔ جیسا کہ آگے چل کر معلوم ہوگا۔ ﴾ (تفسیر عثمانی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ میری سب امت جنت میں جائے گی سوائے جس نے انکار کیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (امت میں ہونے ہوئے) انکار کون کر سکتا ہے۔ فرمایا جس نے میرا کہا مانا وہ جنت میں جائے گا اور جس نے میرا کہا نہ مانا تو اس نے انکار کیا۔ متفق علیہ۔ دیکھو اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنت کے داخلہ کو اپنی اطاعت کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ دوسری حدیث میں ہے فرمایا جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی نے اللہ کے فرمان برداروں اور نافرمانوں میں امتیاز قائم کر دیا ہے۔ رواہ البخاری فی حدیث طویل عن جابرؓ (تفسیر مظہری)

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ
بیشک اللہ نے پسند کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کے
اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ
گھر کو اور عمران کے گھر کو

آل عمران: عمران دو ہیں۔ ایک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد، دوسرے حضرت مریم کے والد، اکثر سلف و خلف نے یہاں عمران ثانی مراد لیا ہے کیونکہ آگے اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ الخ سے اسی دوسرے عمران کے گھرانے کا قصہ بیان ہوا ہے اور غالبًا سورۃ کا نام آل عمران اسی بناء پر ہوا کہ اس میں عمران ثانی کے گھرانے (یعنی حضرت مریم و مسیح علیہ السلام) کا واقعہ بہت بسط و تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ
سارے جہان سے جو اولاد تھے ایک دوسرے کی

شرف انسانیت:

خدا کی مخلوقات میں زمین، آسمان، چاند، سورج، ستارے، فرشتے جن، شجر، حجر سب شامل تھے، مگر اس نے اپنے علم محیط اور حکمت بالغہ سے ملکات روحانیہ اور کمالات جسمانیہ کا جو مجموعہ ابو البشر آدم علیہ السلام میں ودیعت کیا وہ مخلوقات میں سے کسی کو نہ دیا۔ بلکہ آدم کو مسجود ملائکہ بنا کر ظاہر فرما دیا کہ آدم کا اعزاز و اکرام اس کی بارگاہ میں ہر مخلوق سے زیادہ ہے۔ آدم کا یہ انتخابی اور اصطفائی فضل و شرف جسے ہم "نبوت" سے تعبیر کرتے

ہیں کچھ ان کی شخصیت پر محدود و مقصود نہ تھا، بلکہ منتقل ہو کر ان کی اولاد میں نوح علیہ السلام کو ملا، پھر منتقل ہوتا ہوا نوحؑ کی اولاد حضرت ابراہیمؑ تک پہنچا، یہاں سے ایک نئی صورت پیدا ہوگئی، آدم و نوح کے بعد جتنے انسان دنیا میں آباد رہے تھے وہ سب ان دونوں کی نسل سے تھے۔ کوئی خاندان ان دونوں کی ذریت سے باہر نہ تھا۔ برخلاف اس کے کہ حضرت ابراہیمؑ کے بعد ان کی نسل کے علاوہ دنیا میں دوسرے بہت خاندان موجود رہے لیکن جس خدا نے اپنی بیشمار مخلوقات میں سے اس منصب نبوت کے لئے آدم کا انتخاب کیا تھا اسی کے علم محیط اور اختیار کامل نے آئندہ کے لئے ہزاروں گھرانوں میں سے اس منصب جلیل کے واسطے حضرت ابراہیمؑ کے گھرانے کو مخصوص فرمادیا۔ جس قدر انبیاء و رسل ابراہیمؑ کے بعد آئے ان ہی کے دو صاحبزادوں اسحٰق و اسمٰعیل کی نسل سے آئے۔ چونکہ عموماً نسب کا سلسلہ باپ کی طرف سے چلتا ہے اور حضرت مسیح علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے تھے اس لحاظ سے وہم ہوسکتا تھا کہ ان کو نسل ابراہیمی سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا۔ اس لئے حق تعالیٰ نے آل عمران اور (ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ) فرما کر متنبہ کر دیا کہ حضرت مسیح جب صرف ماں سے پیدا ہوئے تو اُن کا سلسلۂ نسبت بھی ماں ہی کی طرف سے لیا جائے گا نہ کہ معاذ اللہ خدا کی طرف سے۔ اور ظاہر ہے کہ ان کی والدہ مریم صدیقہ کے باپ عمران کا سلسلہ آخر حضرت ابراہیمؑ پر منتہی ہوتا ہے تو آل عمران، آل ابراہیمؑ کی ایک شاخ ہوئی اور کوئی پیغمبر خاندان ابراہیمی سے باہر نہ ہوا۔

وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٣٤﴾
اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ کا انتخاب صحیح ہے:

سب کی دعاؤں اور باتوں کو سنتا اور سب کے ظاہری و باطنی احوال و استعداد کو جانتا ہے۔ لہٰذا یہ وہم نہ کرنا چاہئے کہ یوں ہی کیف ما اتفق انتخاب کرلیا ہوگا۔ وہاں کا ہر کام پورے علم و حکمت پر مبنی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّيْ نَذَرْتُ
جب کہا عمران کی عورت نے کہ اے رب میں نے نذر کیا
لَكَ مَا فِيْ بَطْنِيْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّيْ ۚ اِنَّكَ
تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے سب سے آزاد رکھ کر سو تو مجھ سے قبول کر بیشک

اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٣٥﴾
تو ہی ہے اصل سننے والا اور جاننے والا

اہلیہ عمران کی دُعاء:

عمران کی عورت کا نام ہے "حنہ بنت فاقوذا" اس نے اپنے زمانہ کے رواج کے موافق منت مانی تھی کہ خداوندا جو بچہ میرے پیٹ میں ہے میں اسے محرر (تیرے نام پر آزاد) کرتی ہوں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ تمام دنیوی مشاغل اور قید نکاح وغیرہ سے آزاد رہ کر ہمیشہ خدا کی عبادت اور کلیسا کی خدمت میں لگا رہے گا۔ اے اللہ تو اپنی مہربانی سے میری نذر قبول فرما۔ تو میری عرض کو سنتا اور میری نیت و اخلاص کو جانتا ہے۔ گویا لطیف طرز میں استدعا ہوئی کہ لڑکا پیدا ہو کیونکہ لڑکیاں اس خدمت کے لئے قبول نہیں کی جاتی تھیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

عمرانؑ کے باپ کا نام ماثان تھا یا اشہم۔ ماثان کی اولاد بنی اسرائیل کی سردار تھی انہی میں سے علماء اور بادشاہ ہوتے تھے عمران کی بیوی کا نام حنہ بنت فاقوذا تھا حنہ بانجھ تھیں اور بوڑھی ہوگئی تھیں ایک روز کسی درخت کے نیچے سے انہوں نے دیکھا کہ ایک پرندہ اپنے بچہ کو چونچ سے چوگا دے رہا ہے یہ دیکھ کر ان کے دل میں بچہ کے لئے ہوک اٹھی۔ تھیں اللہ کے مقبول گھرانے سے۔ فوراً اللہ سے بچہ کی دعا کی۔ دعا قبول ہوئی اور حاملہ ہوئی۔ ابن جریرؒ نے ابن اسحاقؒ کی روایت اسی طرح نقل کی ہے اور عکرمہؒ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔

جب گرجا کی خدمت کے لئے کسی لڑکے کو وقف کیا جاتا تھا تو وہ جوان ہونے تک گرجا کی خدمت میں لگا رہتا تھا وہاں سے نہ ہٹتا تھا جوان ہونے کے بعد اس کو اختیار ہوتا تھا کہ چاہے تو وہیں رہ کر گرجا کی خدمت کرتا رہے اور چاہے تو کہیں چلا جائے۔ کوئی پیغمبر اور مذہبی عالم ایسا نہیں ہوا کہ اس کی نسل کا کوئی فرد بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف نہ کیا گیا ہو مگر وقف کرنے کا دستور صرف لڑکوں کے لئے تھا لڑکیاں وقف نہیں کی جاتی تھیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّيْ وَضَعْتُهَآ
پھر جب اُس کو جنا بولی اے رب میں نے تو اُس کو
اُنْثٰى ۭ
لڑکی جنی

ف: ﴿یہ حسرت وافسوس سے کہا، کیونکہ خلاف توقع پیش آیا۔ اور لڑکی قبول کرنے کا دستور نہ تھا۔﴾ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَيْسَ الذَّكَرُ

اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اُس نے جنا اور بیٹا نہ ہو

كَالْاُنْثٰى ۚ

جیسی وہ بیٹی

حضرت مریم کی فضیلت:

یہ درمیان میں بطور جملہ معترضہ حق تعالیٰ کا کلام ہے۔ یعنی اسے معلوم نہیں کیا چیز جنی۔ اس لڑکی کی قدر و قیمت کو خدا ہی جانتا ہے جس طرح کے بیٹے کی اسے خواہش تھی وہ اس بٹی کو کہاں پہنچ سکتا تھا۔ یہ بٹی بذات خود مبارک ومسعود ہے اور اس کے وجود میں ایک عظیم الشان مبارک ومسعود بیٹے کا وجود منطوی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ

اور میں نے اُس کا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اُس کو

وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ۝

اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے

ماحول کا اثر:

حق تعالیٰ نے یہ دعا قبول فرمائی۔ حدیث میں ہے کہ آدمی کے بچہ کو ولادت کے وقت جب ماں سے جدا ہو کر زمین پر آرہتا ہے، شیطان مس کرتا ہے۔ مگر عیسیٰ اور مریم مستثنیٰ ہیں۔ اس کا مطلب دوسری احادیث کے ملانے سے یہ ہوا کہ بچہ اصل فطرت صحیحہ پر پیدا کیا جاتا ہے جس کا ظہور بڑے ہو کر عقل وتمیز آنے کے بعد ہوگا۔ لیکن گرد و پیش کے حالات اور خارجی اثرات کے سامنے بسا اوقات اصل فطرت دب جاتی ہے جس کو حدیث میں فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْيُنَصِّرَانِهٖ سے تعبیر کیا ہے پھر جس طرح ایمان وطاعت کا بیج اس کے جو فطرت میں غیر مرئی طور پر رکھ دیا گیا۔ حالانکہ اس وقت اس کو ایمان تو کیا موٹی موٹی محسوسات کا ادراک وشعور بھی نہیں تھا۔ اسی طرح خارجی اثر اندازی کی ابتداء بھی ولادت کے بعد ایک قسم کے مس شیطانی سے غیر محسوس طور پر ہوگئی۔ یہ ضروری نہیں کہ ہر شخص اس مس شیطانی کا اثر قبول کرے یا قبول کرلے تو آئندہ چل کو وہ برابر باقی رہے۔

عصمت انبیاء:

تمام انبیاء علیہم السلام کی عصمت کا تکفل چونکہ حق تعالیٰ نے کیا ہے اس لئے اگر فرض کرو ابتدائے ولادت میں یہ صورت ان کو پیش آئی ہو۔ اور مریم وعیسیٰ کی طرح اس ضابطہ سے مستثنیٰ نہ ہو تو اس میں پھر بھی کوئی شبہ نہیں کہ ان مقدس ومعصوم بندوں پر شیطان کی اس حرکت کا کوئی مضر اثر قطعاً نہیں پڑسکتا۔ فرق صرف اتنا ہوگا کہ مریم وعیسیٰ علیہ السلام کو کسی مصلحت سے یہ صورت سرے سے پیش ہی نہ آئی ہو۔ اوروں کو پیش آئی مگر کوئی اثر نہ ہوا۔

فضیلت کا مسئلہ:

اس قسم کے جزئی امتیازات فضیلت کلی ثابت کرنیکا موجب نہیں ہوسکتے۔ حدیث میں ہے کہ دو بچیاں کچھ اشعار گا رہی تھی۔ حضورؐ نے ادھر سے منہ پھیرلیا۔ ابوبکرؓ آئے مگر لڑکیاں بدستور مشغول رہیں، اس کے بعد حضرت عمرؓ آئے۔ لڑکیاں اٹھ کر بھاگ گئیں، حضورؐ نے فرمایا کہ عمر جس راستہ پر چلتا ہے شیطان وہ رستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ کیا اس سے کوئی خوش فہم یہ مطلب لے سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرؓ کو اپنے سے افضل ثابت کر رہے ہیں ہاں ابوہریرہؓ کا مس شیطان کی حدیث کو آیت ہذا کی تفسیر بنانا بظاہر چسپاں نہیں ہوتا۔ (الآیہ) (وَاِنِّىْٓ اُعِيْذُهَا بِكَ) الخ میں واؤ عطف کو ترتیب کے لئے نہ سمجھا جائے۔ یا حدیث میں استثناء سے صرف مسیحؑ کے مریم سے پیدا ہونے کا واقعہ مراد ہو۔ مریم ومسیح الگ الگ مراد نہ ہوں۔ چنانچہ بخاری کی ایک روایت میں صرف حضرت عیسیٰؑ کے ذکر پر اکتفاء کیا ہے۔ واللہ اعلم ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت عمران کا نسب نامہ:

عمران نام ہے حضرت مریم کے والد صاحب کا جو حضرت عیسیٰؑ کی والدہ ہیں۔ ان کا نسب نامہ بقول محمد بن اسحٰق یہ ہے عمران بن یاشم بن میشا بن حزقیا بن ابراہیم بن عزرایا بن ناوش بن اجرا بن بہوا بن نازم بن مقاسط بن ایشا بن ایاذ بن رحیعم بن سلیمان بن داؤد علیہما السلام۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں۔ اس کا مفصل بیان سورۂ انعام کی تفسیر میں آئے گا انشاء اللہ تعالیٰ۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وجہ تسمیہ:

(وَاِنِّىْ سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ) یہ بھی حنہ کے کلام کا جز ہے۔ مریم کا معنی ہے عابدہ۔ حنہ نے بٹی کا نام عابدہ اس امید پر رکھا کہ اللہ اس کو عابدہ بنا

دے۔ یعنی میں نے ہی اس کا نام مریم رکھا ہے مراد یہ کہ یہ مہربانی کی مستحق ہے نام رکھنے والا اس کا باپ بھی نہیں ہے یہ یتیمہ ہے۔

اولادِ سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے پیدائش کے وقت شیطان اس کو ضرور مس کرتا ہے جس کیوجہ سے بچہ چیختا ہے سوائے مریم اور اس کے بچہ کے (کہ شیطان نے پیدائش کے وقت ان کو مس نہیں کیا) متفق علیہ۔

میں کہتا ہوں کہ صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے کیا تو فرمایا الٰہی میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں۔ حضرت علیؓ سے بھی یہی فرمایا تھا۔ رواہ ابن حبان من حدیث انس رضی اللہ عنہ۔

ظاہر ہے کہ حنہ کی دعا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا زیادہ قابل قبول ہے لہٰذا مجھے امید ہے کہ حضرت سیدہؓ اور آپ کی اولاد (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) کو اللہ تعالیٰ نے شیطان سے محفوظ رکھا ہوگا اور شیطان نے ان کو چھوا بھی نہیں ہوگا۔ اس صورت میں حضرت مریم اور ان کے بیٹے کے لئے شیطان کے عدم مس کی خصوصیت حقیقی نہیں ہوگی اضافی ہوگی یعنی ہر بچہ کو پیدائش کے وقت عام طور پر شیطان چوکا مارتا ہے (کچھ خاص خاص افراد مستثنیٰ بھی ہیں جیسے حضرت مریمؑ اور ان کے بیٹے (اور حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولادؓ) کو اللہ نے محفوظ رکھا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّ اَنْۢبَتَهَا
پھر قبول کیا اُس کو اسکے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا
نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّ كَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ
اس کو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کی زکریا کو

حضرت مریم کی قبولیت:

یعنی گو لڑکی تھی مگر حق تعالیٰ نے لڑکے سے بڑھ کر اسے قبول فرمایا۔ بیت المقدس کے مجاورین کے دلوں میں ڈال دیا کہ عام دستور کے خلاف لڑکی کو قبول کرلیں۔ اور ویسے بھی مریم کو قبول صورت بنایا اور اپنے مقبول بندہ زکریا کی کفالت میں دیا اور اپنی بارگاہ میں حسن قبول سے سرفراز کیا۔ جسمانی، روحانی، علمی، اخلاقی، ہر حیثیت سے غیر معمولی طور پر بڑھایا۔ جب مجاورین میں اس کی پرورش کے متعلق اختلاف ہوا تو قرعہ انتخاب حضرت زکریا کے نام نکال دیا۔ تا لڑکی اپنی خالہ کی آغوش شفقت میں تربیت پائے اور زکریا کے علم و دیانت سے مستفید ہو۔ زکریا علیہ السلام نے پوری مراعاۃ اور جدوجہد کی۔ جب مریم سیانی ہوئیں تو مسجد کے پاس ان کیلئے ایک حجرہ مخصوص کر دیا۔ مریم دن بھر وہاں عبادت وغیرہ میں مشغول رہتی اور رات اپنی خالہ کے گھر گزارتی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ
جس وقت آتے اُس کے پاس زکریا حجرے میں پاتے اُس کے
عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ
پاس کچھ کھانا

معجزات:

اکثر سلف کے نزدیک "رزق" سے مراد ظاہری کھانا ہے کہتے ہیں کہ مریم کے پاس بے موسم میوے آتے گرمی کے پھل سردی میں، اور سردی کے گرمی میں۔ اور مجاہد سے ایک روایت ہے کہ "رزق" سے مراد علمی صحیفے ہیں جن کو روحانی غذا کہنا چاہئے۔ بہر حال اب کھلم کھلا مریم کی برکات و کرامات اور غیر معمولی نشانات ظاہر ہونے شروع ہوئے جن کا بار بار مشاہدہ ہونے پر زکریاؑ سے نہ رہا گیا اور ازراہ تعجب پوچھنے لگے کہ مریم یہ چیزیں تم کو کہاں سے پہنچتی ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۖ قَالَتْ هُوَ مِنْ
کہا اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ کہنے لگی یہ
عِنْدِ اللّٰهِ ۖ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ
اللہ کے پاس سے آتا ہے اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے
حِسَابٍ ﴿۳۷﴾
بے قیاس

یعنی خدا کی قدرت اسی طرح مجھ کو یہ چیزیں پہنچاتی ہے جو قیاس و گمان سے باہر ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ابن جریرؒ نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ مریم کے پاس اُن کا رزق جنت سے آتا تھا۔ حسن بصریؒ نے کہا کہ پیدا ہونے کے بعد مریم نے دودھ پینے کے لئے کسی کا پستان منہ میں نہیں پکڑا بلکہ ان کا رزق

جنت سے آتا تھا اور عیسیٰؑ کی طرح انہوں نے بھی بچپن میں ہی بات کی تھی۔ (اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ)

حضرت سیدہ فاطمہؓ کی فضیلت:

ابویعلی نے مسند میں حضرت جابرؓ کی روایت سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ سیدہ فاطمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو خمیری روٹیاں اور ایک پارچہ گوشت بطور ہدیہ بھیجا حضورؐ نے وہ ہدیہ واپس لے کر خود ہی حضرت فاطمہؓ کے پاس پہنچ گئے اور فرمایا بیٹی یہ لیلے حضرت سیدہؓ نے طباق کھول کر دیکھا تو اس میں روٹیاں اور گوشت بھرا ہوا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انی لک ھذا، تمہارے پاس یہ کہاں سے آیا۔ سیدہؓ نے کہا (ھُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ستائش ہے اس اللہ کے لئے جس نے تم کو زنان بنی اسرائیل کی سردار مریم کی طرح کر دیا۔ پھر آپؐ نے حضرت علیؓ اور حسن و حسینؓ اور سب گھر والوں کو جمع کر کے کھانے کا حکم دیا۔ سب نے پیٹ بھر کر کھالیا اور کھانا پھر بھی بچ رہا تو حضرت سیدہؓ نے پڑوسیوں کو تقسیم کیا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ
وہیں دعاء کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے
لِي مِن لَّدُنكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۖ إِنَّكَ سَمِيعُ
عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بیشک تو سننے والا ہے
الدُّعَاءِ ﴿۳۸﴾
دعاء کا

حضرت زکریا علیہ السلام کی دُعاء:

حضرت زکریا بالکل بوڑھے ہو چکے تھے، ان کی بیوی بانجھ تھی، اولاد کی کوئی ظاہری امید نہ تھی۔ مریم کی نیکی و برکت اور غیر معمولی خوارق دیکھ کر دفعتہً قلب میں ایک جوش اٹھا اور فوری تحریک ہوئی کہ میں بھی اولاد کی دعا کروں۔ امید ہے مجھے بھی بے موسم میوہ مل جائے یعنی بڑھاپے میں اولاد مرحمت ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کثرتِ اولاد:

یعنی جس طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بیویاں اور اولاد عطا کی گئیں اسی طرح یہ نعمت انبیاء سابقین کو بھی دی گئی تھی۔ اب اگر کوئی شخص کسی ذریعہ سے اولاد کو پیدا ہونے سے روکنے کی کوشش کرے تو وہ نہ صرف فطرت کے خلاف علم بغاوت بلند کرے گا بلکہ انبیاء علیہم السلام کی ایک مشترک اور متفق علیہ سنت سے بھی محروم ہوگا۔

چنانچہ آپؐ فرماتے ہیں۔

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِیْ ☆ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَیْسَ مِنِّیْ ☆ وَتَزَوَّجُوْا فَاِنِّیْ مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ.

"یعنی نکاح میری سنت ہے جو اس سنت سے اعراض کرے وہ مجھ سے نہیں ہوگا۔ لہٰذا تم نکاح کرو۔ کیونکہ تمہاری کثرت کی وجہ سے میں دوسری امتوں پر فخر کروں گا۔"

ایک حدیث میں آتا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ام سلیم نے درخواست کی کہ آپ اپنے خادم "انس" کے لئے کوئی دعا فرمائیں تو آپؐ نے ان کے لئے یہ دعا کی:

اَللّٰھُمَّ اَكْثِرْ مَالَهٗ وَوَلَدَهٗ وَبَارِکْ لَهٗ فِيْمَا اَعْطَيْتَهٗ

"یعنی اے اللہ اس (انس) کے مال اور اولاد کو زیادہ کر اور اس چیز میں برکت عطا کر جو کہ آپ نے اس کو عطا کی ہے۔"

اسی دعا کا اثر تھا کہ حضرت انسؓ کی اولاد سو کے قریب ہوئی اور اللہ تعالیٰ نے مالی وسعت بھی عطا فرمائی۔ ﴿معارف القرآن﴾

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّي فِي
پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں
الْمِحْرَابِ أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ
حجرے کے اندر کہ اللہ تجھ کو خوشخبری دیتا ہے یحییٰ کی

دعاء قبول ہوئی، بشارت ملی کہ لڑکا ہوگا، جس کا نام یحییٰ رکھا گیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ
جو گواہی دیگا اللہ کے ایک حکم کی

ایک حکم سے یہاں حضرت مسیح علیہ السلام مراد ہیں جو خدا کے حکم سے بدون باپ کے پیدا ہوئے۔ حضرت یحییٰ لوگوں کو پہلے سے خبر دیتے تھے کہ مسیح پیدا ہونے والے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا

اور سردار ہوگا اور عورت کے پاس نہ جائیگا

حضرت یحییٰ کی خصوصیت:

یعنی لذات وشہوات سے بہت زیادہ رکنے والا ہوگا۔ اللہ کی عبادت میں اس قدر مشغول رہے گا کہ عورت کی طرف التفات کرنے کی نوبت نہ آئے گی۔ یہ حضرت یحییٰ کا مخصوص حال تھا، جس سے امتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے کوئی ضابطہ نہیں بن سکتا۔ ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اعلیٰ امتیاز یہ ہے کہ کمالِ معاشرت کے ساتھ کمالِ عبادت کو جمع فرمایا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ۝۳۹

اور نبی ہو گا صالحین سے

یعنی صلاح ورشد کے اعلیٰ مرتبہ پر فائز ہوگا، جسے نبوت کہتے ہیں۔ یا ''صالح'' کے معنی ''شائستہ'' کے لئے جائیں یعنی نہایت شائستہ ہوگا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت یحییٰ وحضرت عیسیٰ علیہما السلام:

حضرت یحییٰ علیہ السلام نے سب سے پہلے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے۔ حضرت یحییٰ کی عمر حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے چھ ماہ زیادہ تھی۔ صحیحین میں حدیثِ معراج کے ذیل میں آیا ہے کہ یحییٰ اور عیسیٰ باہم خالہ زاد بھائی تھے۔ لیکن ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ یحییٰ مریم کی خالہ کے بیٹے تھے (گویا حضرت یحییٰ آپ کے ماموں تھے)۔ اگر روایت کی صحت ثابت ہو جائے تو دونوں میں مطابقت اس طرح ہو جائے گی کہ حدیث میں خالہ زاد بھائی قرار دینا بر سبیلِ مجاز ہوگا۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہؓ سے فرمایا تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے؟ حالانکہ حضرت علیؓ حضرت فاطمہؓ کے والد کے چچا کے بیٹے تھے، لیکن مجازاً حضرت فاطمہؓ کے چچا کا بیٹا حضرت علیؓ کو قرار دیدیا۔ حضرت یحییٰ کی شہادت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھانے سے پہلے ہوئی تھی۔

حضرت یحییٰ بچپن میں کچھ بچوں کی طرف سے گزرے۔ لڑکوں نے ان کو کھیلنے کے لئے بلایا۔ آپ نے فرمایا، ہم کھیلنے کے لئے نہیں پیدا ہوئے ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد۲﴾

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ

کہا اے رب کہاں سے ہو گا میرے لڑکا اور پہنچ چکا مجھ کو

الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ

بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح

يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ۝۴۰

اللہ کرتا ہے جو چاہے

اللہ تعالیٰ اسباب کا محتاج نہیں:

یعنی اس کی قدرت ومشیت سلسلۂ اسباب کی پابند نہیں۔ گو اس عالم میں اس کی عادت یہی ہے کہ اسبابِ عادیہ سے مسببات کو پیدا کرے۔ لیکن کبھی کبھی اسبابِ عادیہ کے خلاف غیر معمولی طریقہ سے کسی چیز کا پیدا کر دینا بھی اس کی خاص عادت ہے۔ اصل یہ ہے کہ مریم صدیقہ کے پاس خارقِ عادت طریقہ سے رزق کا پہنچنا اور بہت سے غیر معمولی واقعات کا ظہور پذیر ہونا۔ یہ دیکھ کر مریم کے حجرہ میں بے ساختہ حضرت زکریاؑ کا دعاء مانگنا، پھر ان کو اور ان کی بانجھ عورت کو بڑھاپے میں غیر معتاد طور پر اولاد ملنا، ان سب نشانات کو قدرت کی طرف سے اس عظیم الشان آیت الٰہیہ کی تمہید سمجھنا چاہئے، جو مریم کے وجود سے بدون قربان زوج مستقبل قریب میں ظاہر ہونے والی تھی۔ گویا حضرت یحییٰ کی غیر معتاد ولادت پر (كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ) فرمانا تمہید تھی، (كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ) کی جو آگے حضرت مسیحؑ کی غیر معتاد ولادت کے سلسلہ میں آیا چاہتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت زکریا علیہ السلام کے تعجب کا مقصد:

حسنؒ بصری نے کہا طریق پیدائش کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زکریا نے مذکورہ الفاظ کہے تھے کہ میرا لڑکا کس طرح ہوگا، کیا مجھے اور میری بیوی کو جوان کر دیا جائے گا اور بیوی کے بانجھ پن کو دور کر دیا جائے گا۔ کسی دوسری عورت سے میرا لڑکا ہوگا یا موجودہ حالت میں ہی ہم دونوں کو بچہ عنایت کیا جائے گا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر:

مراد یہ ہے کہ میں بڑھاپے کو پہنچ گیا ہوں اور بوڑھا ہو گیا ہوں۔ یا یہ مطلب ہے کہ مجھ پر بڑھاپے کا اثر پہنچ گیا ہے اور بڑھاپے نے مجھے کمزور کر دیا۔ اس وقت حضرت زکریاء (علیہ السلام) کی عمر بقول کلبی ۹۲ سال اور بقول ضحاک ۱۲۰ سال تھی اور بیوی کی عمر ۹۸ سال تھی۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد۲﴾

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ

کہا اے رب مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی

ف: ☆ جس سے معلوم ہو جائے کہ اب حمل قرار پا گیا ہے تا کہ قرب ولادت کے آثار دیکھ کر مسرت تازہ حاصل ہو۔ اور شکر نعمت میں دیکھ کر بیش از بیش مشغول رہوں۔ ☆ تفسیر عثمانی ☆

قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ
فرمایا نشانی تیرے لئے یہ ہے کہ نہ بات کرے گا تو لوگوں سے تین
اِلَّا رَمْزًا ؕ
دن مگر اشارہ سے

نشانی: یعنی جب تجھ کو یہ حالت پیش آئے کہ تین دن رات لوگوں سے بجز اشارہ کے کوئی کلام نہ کر سکے اور تیری زبان خالص ذکر الٰہی کے لئے وقف ہو جائے تو سمجھ لینا کہ اب استقرار حمل ہو گیا۔ سبحان اللہ نشانی بھی ایسی مقرر کی کہ نشانی کی نشانی ہو اور اطلاع پانے سے جو غرض تھی (شکر نعمت) وہ بھی علی وجہ الکمال حاصل ہو جائے۔ گویا خدا کے ذکر و شکر کے سواء چاہیں بھی تو زبان سے دوسری بات نہ کر سکیں۔ ☆ تفسیر عثمانی ☆

مسئلہ: الا رمزاً ...... اس آیت سے معلوم ہوا کہ جب کلام کرنا متعذر رہو، اشارہ قائم مقام کلام کے سمجھا جائے گا۔ چنانچہ ایک حدیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک باندی سے سوال کیا کہ "این اللہ"، اللہ کہاں ہے؟ تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ یہ باندی مسلمان ہے۔ ☆ قرطبی، معارف القرآن ☆

وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّ سَبِّحْ بِالْعَشِيِّ
اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام
وَالْاِبْكَارِ ؏ ﴿۴۱﴾
اور صبح

یعنی اس وقت خدا کو بہت کثرت سے یاد کرنا اور صبح شام تسبیح و تہلیل میں لگے رہنا۔ معلوم ہوتا ہے کہ آدمیوں سے کلام نہ کر سکنا گو اضطراری تھا تا کہ ان دنوں میں محض ذکر و شکر کے لئے فارغ کر دیئے جائیں، لیکن خود ذکر و فکر میں مشغول رہنا اضطراری نہ تھا، اسی لئے اس کا امر فرمایا گیا۔ ☆ تفسیر عثمانی ☆

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ
اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے

اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى
تجھ کو پسند کیا اور ستھرا بنایا اور پسند کیا تجھ کو سب
نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾
جہان کی عورتوں پر

حضرت مریم علیہا السلام کی فضیلت:

حضرت زکریا و یحییٰ علیہما السلام کا قصہ جو ضمنی مناسبت سے درمیان میں آ گیا تھا اور جس میں اصطفاء آل عمران کی تاکید اور مسیح علیہ السلام کے قصہ کی تمہید تھی، یہاں ختم کر کے پھر مریم و مسیح کے واقعات کی طرف کلام منتقل کیا گیا ہے۔ چنانچہ مسیح سے پہلے ان کی والدہ کا فضل و شرف ذکر فرماتے ہیں۔ یعنی فرشتوں نے مریم سے کہا کہ اللہ نے تجھے پہلے دن سے چھانٹ لیا کہ باوجود لڑکی ہونے کے اپنی نیاز میں قبول کیا، طرح طرح کے احوال رفیعہ اور کرامات سنیہ عنایت فرمائیں۔ ستھرے اخلاق، پاک طبیعت اور ظاہری و باطنی نزاہت عطاء فرما کر اپنی مسجد کی خدمت کے لائق بنایا اور جہان کی عورتوں پر تجھ کو بعض وجوہ سے فضیلت بخشی۔ مثلاً ایسی استعداد رکھی کہ بدون مس بشر تنہا اس کے وجود سے حضرت مسیح جیسے اولوالعزم پیغمبر پیدا ہوں۔ یہ امتیاز دنیا میں کسی عورت کو حاصل نہیں ہوا۔ ☆ تفسیر عثمانی ☆

وَطَهَّرَكِ ...... اور اللہ نے تجھے پاک رکھا۔ یعنی گناہوں سے محفوظ رکھا یا پاک کر دیا۔ یعنی گناہوں کی مغفرت کر کے اور شیطان کا راستہ بند کر کے۔ جس طرح حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث صحیحین میں مذکور ہے اور ہم اوپر نقل کر چکے ہیں، بعض علماء نے کہا کہ پاک رکھنے سے مراد ہے مردوں کے چھونے سے پاک رکھنا۔

افضل خاتون:

وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ...... اور جہان کی عورتوں پر تجھے فضیلت دی ہے۔ یعنی تیرے زمانہ کی عورتوں پر۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا، میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس امت کی عورتوں میں افضل مریمؑ بنت عمران ہے اور اس امت کی عورتوں میں افضل خدیجہؓ ہے۔ متفق علیہ۔ حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، تیرے لئے جہان کی عورتوں سے مریمؑ بنت عمران اور خدیجہؓ بنت خویلد اور فاطمہؓ بنت محمدؐ اور آسیہ زوجہ فرعون کافی ہیں (یعنی سب سے افضل ہیں)۔ رواہ الترمذی۔ حضرت ابو موسیٰؓ اشعری کی

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مردوں میں تو کامل بہت ہیں، لیکن عورتوں میں کامل صرف مریم بنتِ عمران اور آسیہ زوجہ فرعون تھیں۔ اور عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید (شوربے میں بھیگی ہوئی گھی سے آمیختہ روٹی) کی فضیلت باقی کھانوں پر۔ متفق علیہ۔

میں کہتا ہوں شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کا معنی یہ ہے کہ گزشتہ اقوام میں عورتوں میں کامل صرف مریم بنتِ عمران اور آسیہ زوجہ فرعون تھیں، کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی آخر میں فرمادیا کہ عائشہؓ کی فضیلت عورتوں پر ایسی ہے جیسی ثرید کی فضیلت باقی کھانوں پر۔ اس جملہ سے ثابت ہورہا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو حضرت مریم اور حضرت آسیہ پر بھی فضیلت حاصل تھی۔ صحیحین میں حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیث آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اے فاطمہؓ! کیا تو اس پر خوش نہیں کہ تو اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہو، یا فرمایا اہلِ ایمان کی عورتوں کی۔

ابوداؤد نسائی اور حاکم نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اہلِ جنت کی عورتوں میں سب سے زیادہ فضیلت والی خدیجہؓ بنتِ خویلد اور فاطمہؓ بنتِ محمدؐ ہیں۔ احمد، ترمذی، نسائی، ابنِ حبان اور حاکم نے حضرت حذیفہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک فرشتہ آسمان سے اترا، اس نے اللہ سے اجازت لے کر مجھے سلام کیا اور مجھے بشارت دی کہ فاطمہؓ اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں۔

یہ احادیث بتا رہی ہیں کہ حضرت سیدہؓ، حضرت مریم سے افضل ہیں، کیونکہ اہلِ جنت کی عورتوں کی کسی خاص زمانہ کے ساتھ کوئی تخصیص نہیں۔ صراحت عام ہے، ہاں تخصیص کا احتمال آیت، وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ، میں ہے کہ حضرت مریم کے زمانہ کی عورتیں ہی مراد ہوں، جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کردیا ہے۔ لیکن ایک حدیث اور آئی ہے، جس کو ابویعلی اور ابنِ حبان اور طبرانی نے حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ فاطمہؓ اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہیں، سوائے اس کے جو مریم سے ہوا ہے (یعنی مریم کی وجہ فضیلت کو چھوڑ کر)۔ اسی طرح ترمذی نے حضرت ام سلمہ کا قول نقل کیا ہے کہ فاطمہؓ نے فرمایا، مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اطلاع دی کہ تو اہلِ جنت کی عورتوں کی سردار ہے، سوائے مریم بنتِ عمران کے۔ یہ دونوں حدیثیں بتا رہی ہیں کہ حضرت مریمؑ پر حضرت فاطمہؓ کو فضیلت حاصل نہیں تھی۔ لیکن اس سے حضرت مریم کا حضرت فاطمہؓ سے افضل ہونا بھی ثابت نہیں ہوتا۔

سیدہ فاطمہؓ:

صحیحین میں حضرت مسور بن مخرمہ کی روایت سے یہ ارشادِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم مذکور ہے کہ فاطمہؓ میرا پارہ ہے۔ احمد اور ترمذی اور حاکم نے بھی حضرت ابن الزبیر کی روایت سے ایسا ہی نقل کیا ہے۔ اس حدیث کا مقتضاء یہ ہے کہ تمام مردوں اور عورتوں پر حضرت فاطمہؓ کو برتری حاصل ہو۔ جیسا کہ امام مالکؒ نے فرمایا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹکڑے کے برابر ہم کسی کو نہیں قرار دیتے، لیکن جمہورِ اہلِ سنت کے نزدیک اس عمومی صراحت سے وہ لوگ الگ ہیں جن کی فضیلت (شرعاً) معلوم ہوچکی ہے، یعنی انبیاء اور بعض صدیقین ان کے علاوہ باقی لوگ عموم میں داخل ہیں۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

يٰمَرْيَمُ اقْنُتِىْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِىْ
اے مریم بندگی کر اپنے رب کی اور سجدہ کر

فضیلت کا تقاضا:

یعنی خدا نے جب ایسی عزت اور بلند مرتبہ تجھ کو عطاء فرمایا تو چاہئے کہ ہمیشہ اخلاص و تذلل کے ساتھ اپنے پروردگار کے آگے جھکی رہے اور وظائف عبودیت کے انجام دینے میں بیش از بیش سرگرمی دکھلائے، تاحق تعالیٰ نے تجھے جس امرِ عظیم کے بروئے کار لانے کا ذریعہ تجویز کیا ہے، وہ ظہور پذیر ہو۔

وَارْكَعِىْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾
اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنیوالوں کے

نماز باجماعت:

جس طرح اور لوگ خدا کے آگے رکوع کرتے ہیں۔ تو بھی اسی طرح رکوع کرتی رہ۔ یا یہ مطلب ہے کہ جماعت کے ساتھ نماز اداء کر۔ اور چونکہ کم از کم رکوع میں امام کے ساتھ شریک ہونے والا اس رکعت کو پانے والا سمجھا جاتا ہے، شاید اس لئے نماز کو بعنوانِ رکوع تعبیر کیا گیا۔ کما يفهم من كلام ابن تيميه فى فتاواه. واللہ اعلم۔ اس تقدیر پر اگر "اقنتى" میں "قنوت" سے قیام مراد لیں تو قیام، رکوع، سجود تینوں ہیئاتِ صلوٰۃ کا ذکر آیت میں ہو جائے گا۔ (تنبیہ) ممکن ہے اس وقت عورتوں کو عام طور پر جماعت میں شریک ہونا جائز ہو یا خاص فتنہ سے مامون ہونے کی صورت میں اجازت ہو یا مریم کی خصوصیت ہو یا مریم

اپنے حجرہ میں رہ کر تنہا، یا دوسری عورتوں کے ہمراہ امام کی اقتداء کرتی ہوں، سب احتمالات ہیں۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر ثنائی)

حضرت مریم کی عبادت:

حضرت اوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ مریم صدیقہؑ اپنے عبادت خانے میں اس قدر بکثرت اور باخشوع اور لمبی نمازیں پڑھا کرتی تھیں کہ دونوں پیروں میں زرد پانی اتر آیا۔ (تفسیر ابن کثیر اردو، پارہ سوم)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ
یہ خبریں غیب کی ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو

آنحضرت کی سچائی کی دلیل:

یعنی ظاہری حیثیت سے آپ کچھ پڑھے لکھے نہیں۔ پہلے سے اہل کتاب کی کوئی معتد بہ صحبت نہیں رہی، جن سے واقعات ماضیہ کی ایسی تحقیقی معلومات ہو سکیں۔ اور صحبت رہتی بھی تو کیا تھا، وہ لوگ خود ہی اوہام و خرافات کی اندھیریوں میں پڑے بھٹک رہے تھے۔ کسی نے عداوت میں، کسی نے حد سے زیادہ محبت میں آ کر صحیح واقعات کو مسخ کر رکھا تھا۔ پھر اندھے کی آنکھ سے روشنی حاصل ہونے کی کیا توقع ہو سکتی تھی۔ اندریں حالات "مدنی" اور "مکی" دونوں قسم کی سورتوں میں ان واقعات کو ایسی صحت اور بسط و تفصیل سے سنانا جو بڑے بڑے مدعیان علم کتاب کی آنکھوں میں چکا چوند کر دیں اور کسی کو مجال انکار باقی نہ رہے، اس کی کھلی دلیل ہے کہ بذریعہ وحی آپ کو یہ علم دیا گیا تھا۔ کیونکہ آپ نے نہ بچشم خود ان حالات کا معائنہ کیا اور نہ علم حاصل کرنے کا کوئی خارجی ذریعہ آپ کے پاس موجود تھا۔ (تفسیر ثنائی)

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ
اور تو نہ تھا اُن کے پاس جب ڈالنے لگے اپنے قلم کہ
اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ
کون پرورش میں لے مریم کو اور تو نہ تھا اُن کے پاس
اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾
جب وہ جھگڑتے تھے

حضرت مریم کی سرپرستی کا فیصلہ:

جب حضرت مریم نذر میں قبول کر لی گئیں تو مسجد کے مجاورین میں جھگڑا ہوا کہ انہیں کس کی پرورش میں رکھا جائے۔ آخر قرعہ اندازی کی نوبت آئی، سب نے اپنے اپنے قلم جن سے تورات لکھتے تھے، چلتے پانی میں چھوڑ دیئے کہ جس کا قلم پانی کے بہاؤ پر نہ بہے، بلکہ الٹا پھر جائے اسی کو حقدار سمجھیں۔ اس میں بھی قرعہ حضرت زکریاؑ کے نام نکلا اور حق حقدار کو پہنچ گیا۔ (تفسیر ثنائی)

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ
جب کہا فرشتوں نے اے مریم اللہ تجھ کو
يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى
بشارت دیتا ہے ایک اپنے حکم کی جس کا نام مسیح ہے عیسیٰ
ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ
مریم کا بیٹا مرتبہ والا دنیا میں اور آخرت میں اور اللہ کے
الْمُقَرَّبِيْنَ ﴿۴۵﴾
مقربوں میں

کلمۃ اللہ کہنے کی وجہ:

حضرت مسیح علیہ السلام کو یہاں اور قرآن وحدیث میں کئی جگہ "کلمۃ اللہ" فرمایا۔ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰهَآ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ (نساء رکوع ۲۳) یوں تو اللہ کے کلمات بے شمار ہیں، جیسا کہ دوسری جگہ فرمایا، قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّىْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّىْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (کہف رکوع ۱۲) لیکن بالتخصیص حضرت مسیح کو كَلِمَةُ اللّٰهِ "(اللہ کا حکم) کہنا اس حیثیت سے ہے کہ ان کی پیدائش باپ کے توسط کے بدون عام سلسلۂ اسباب کے خلاف محض خدا کے حکم سے ہوئی۔ اور جو فعل عام اسباب عادیہ کے سلسلہ سے خارج ہو، عموماً اس کی نسبت براہ راست حق تعالیٰ کی طرف کر دی جاتی ہے۔ جیسے فرمایا "وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى" (انفال رکوع ۲)۔ (تنبیہ) "مسیح" اصل عبرانی میں "ماشیح" یا "مشیحا" تھا، جس کے معنی مبارک کے ہیں، معرب ہو کر مسیح بن گیا۔ باقی دجال کو جو "مسیح" کہا جاتا ہے، وہ بالاجماع عربی لفظ ہے، جس کی وجہ تسمیہ اپنے موقع پر کئی طرح بیان کی گئی ہے۔ "مسیح" کا دوسرا نام یا لقب "عیسیٰ" ہے۔ یہ اصل عبرانی میں "ایشوع" تھا، معرب ہو کر "عیسیٰ" بنا، جس کے معنی سید کے ہیں۔ یہ

بات خاص طور پر قابلِ غور ہے کہ قرآن کریم نے یہاں "ابن مریم" کو حضرت مسیح کے لئے بطور جزوِ علم کے استعمال کیا ہے، کیونکہ خود مریم کو بشارت سناتے وقت یہ کہنا کہ تجھے "کَلِمَۃُ اللہِ" کی خوشخبری دی جاتی ہے، جس کا نام "مسیح عیسیٰ ابنِ مریم" ہوگا، عیسیٰ کا پتہ بتلانے کے لئے نہ تھا بلکہ اس پر متنبہ کرنا تھا کہ باپ نہ ہونے کی وجہ سے اس کی نسبت صرف ماں ہی کی طرف ہوا کرے گی، حتیٰ کہ لوگوں کو خدا کی یہ آیتِ عجیبہ ہمیشہ دلانے اور مریم کی بزرگی ظاہر کرنے کے لئے گویا نام کا جزو بنادی گئی۔ ممکن تھا کہ حضرت مریم کو بمقتضائے بشریت یہ بشارت سن کر تشویش ہو کہ دنیا کس طرح باور کرے گی کہ تنہاء عورت سے لڑکا پیدا ہو جائے ناچار مجھ پر تہمت رکھیں گے، اور بچہ کو ہمیشہ برے لقب سے مشہور کر کے ایذا پہنچائیں گے۔ میں کس طرح برأت کروں گی۔ اس لئے آگے، وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ، کہہ کر اطمینان کر دیا کہ خدا اس کو نہ صرف آخرۃ میں بلکہ دنیا میں بھی بڑی عزت و وجاہت عطاء کرے گا اور دشمنوں کے سارے الزام جھوٹے ثابت کر دے گا۔ "وجیھاً" کا لفظ یہاں ایسا سمجھو جیسے موسیٰ علیہ السلام کے متعلق فرمایا، يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۚ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا (احزاب رکوع ۹) گویا جو لوگ "وجیہہ" کہلاتے ہیں ان کو حق تعالیٰ خصوصی طور پر جھوٹے طعن وتشنیع یا الزامات سے بری کرتا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کے نسب پر جو خبیث باطن طعن کریں گے یا خدا کو یا کسی انسان کو جھوٹ موٹ انکا باپ بتلائیں گے یا خلافِ واقع ان کو مصلوب ومقتول یا بحالتِ زندگی مردہ کہیں گے یا الوہیت وابنیت وغیرہ کے باطل عقائد کے مشرکانہ تعلیم ان کی طرف منسوب کریں گے، اس طرح تمام الزامات سے حق تعالیٰ دنیا اور آخرت میں علانیہ بری ظاہر کر کے ان کی وجاہت ونزاہت کا علیٰ رؤس الاشہاد اظہار فرمائے گا۔ جو وجاہت ان کو ولادت وبعثت کے بعد دنیا میں حاصل ہوئی اس کو پوری پوری تکمیل نزول کے بعد ہوگی، جیسا کہ اہلِ اسلام کا اجماعی عقیدہ ہے۔ پھر آخرت میں خصوصیت کے ساتھ ان سے ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِىْ الخ کا سوال کر کے اور انعاماتِ خصوصی یاد دلا کر تمام اولین وآخرین کے روبرو وجاہت وکرامت کا اظہار ہوگا، جیسا کہ سورۂ "مائدہ" میں مذکور ہے اور نہ صرف یہ کہ دنیا وآخرت میں باوجاہت ہوں گے، بلکہ خدا تعالیٰ کے اخص خواص مقربین میں ان کا شمار ہوگا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ
اور باتیں کریگا لوگوں سے جبکہ ماں کی گود میں ہوگا اور جبکہ پوری

الصّٰلِحِيْنَ ﴿۴۶﴾
عمر کا ہوگا اور نیک بختوں میں ہے

حضرت عیسیٰؑ کے معجزات:

یعنی نہایت شائستہ اور اعلیٰ درجہ کے نیک ہونگے اور اول ماں کی گود میں پھر بڑے ہو کر عجیب وغریب باتیں کرینگے۔ ان الفاظ سے فی الحقیقت مریم کی پوری تسکین کر دی گئی۔ گزشتہ بشارات سے ممکن تھا یہ خیال کرتیں کہ وجاہت تو جب کبھی حاصل ہوگی، مگر یہاں تو ولادت کے بعد ہی طعن وتشنیع کا ہدف بننا پڑے گا۔ اس وقت برأت کی کیا صورت ہوگی۔ اس کا جواب دے دیا کہ گھبراؤ نہیں، تم کو زبان ہلانے کی ضرورت نہ پڑے گی، بلکہ تم کہہ دینا کہ میں نے آج روزہ رکھ چھوڑا ہے، کلام نہیں کر سکتی۔ بچہ خود جواب وہی کرے گا۔ جیسا کہ سورۂ مریم میں پوری تفصیل آئے گی۔ بعض محرفین نے کہا ہے کہ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا الخ سے صرف مریم کی تسلی کرنی تھی کہ لڑکا گونگا نہ ہوگا۔ تمام لڑکوں کی طرح بچپن اور کہولت میں کلام کرے گا۔ لیکن عجیب بات ہے کہ محشر میں بھی لوگ حضرت عیسیٰ کو یوں خطاب کرینگے، یا عیسیٰ انت رسول الله و کلمتہٗ القاھا الیٰ مریم و روح منه و کلمت الناس فی المهد صبیا. اور خود حق تعالیٰ بھی قیامت کے دن فرمائیں گے، اذْكُرْ نِعْمَتِىْ عَلَيْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَيَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۟ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا کیا وہاں بھی اس خاص نشان کا بیان فرمانا اسی لئے ہے کہ مریم کو اطمینان ہو جائے کہ لڑکا گونگا نہیں عام لڑکوں کی طرح بولنے والا ہے۔ اعاذنا الله من الغواية والضلالة. ﴿تفسیر عثمانی﴾

روایات سے یہ ثابت ہے کہ ان کو اٹھانے کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عمر تقریباً تیس پینتیس سال کے درمیان تھی جو عین عنفوانِ شباب کا زمانہ تھا۔ ادھیڑ عمر جس کو عربی میں کہل کہتے ہیں، وہ اس دنیا میں ان کی ہوئی ہی نہ تھی۔ اس لئے ادھیڑ عمر لوگوں سے کلام بھی جبھی ہو سکتا ہے جبکہ وہ پھر دنیا میں تشریف لائیں۔ اس لئے جس طرح ان کا بچپن کا کلام معجزہ تھا اسی طرح ادھیڑ عمر کا کلام بھی معجزہ ہی ہے۔ ﴿معارف القرآن﴾

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِىْ
بولی اے رب کہاں سے ہوگا میرے لڑکا اور مجھ کو ہاتھ نہیں لگایا

بَشَرٌ
کسی آدمی نے

معلوم ہوا کہ وہ بشارت سے یہی سمجھیں کہ لڑکا بحالت موجودہ ہونے والا ہے، ورنہ تعجب کا کیا موقع تھا۔ (تفسیر عثمانی)

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۭ اِذَا
فرمایا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب ارادہ کرتا ہے
قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۴۷﴾
کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اُس کو کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے

قدرتِ الٰہی:

یعنی اسی طرح بدون مس بشر کے ہو جائے گا۔ خلاف عادت ہونے کی وجہ سے تعجب نہ کر۔ حق تعالیٰ جو چاہے اور جس طرح چاہے پیدا کر دے۔ اس کی قدرت کی حد بندی نہیں ہوسکتی۔ ایک کام کا ارادہ کیا اور ہو گیا۔ نہ وہ مادہ کا محتاج نہ اسباب کا پابند۔ (تفسیر عثمانی)

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ
اور سکھاویگا اُس کو کتاب اور تہ کی باتیں اور توریت
وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾
اور انجیل

یعنی لکھنا سکھائے گا، یا عام کتب ہدایت کا عموماً اور تورات وانجیل کا خصوصاً علم عطا فرمائے گا اور بڑی گہری حکمت کی باتیں تلقین کریگا اور بندہ کے خیال میں ممکن ہے کتاب وحکمت سے مراد قرآن وسنت ہو، کیونکہ حضرت مسیح نزول کے بعد قرآن وسنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق حکم کریں گے اور یہ جب ہی ہوسکتا ہے کہ ان چیزوں کا علم دیا جائے واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت مریم علیہا السلام کو تسلی:

مریم کو جب معلوم ہوا کہ بچہ یونہی مرد کے بغیر پیدا ہوگا، تو ان کو فکر ہوئی اور لوگوں کی لعنت ملامت کا اندیشہ پیدا ہوا۔ اس فکر کو دور کرنے اور ان کے دل کو تسکین دینے کے لئے فرمایا کہ اللہ اس کو لکھنا سکھائے گا۔ کتاب سے مراد ہے تحریر اور خط، چنانچہ آپ اپنے زمانہ میں سب سے بڑے خوشنویس تھے یا آسمانی کتابیں مراد ہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّىْ قَدْ
اور کریگا اُس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف بیشک میں آیا ہوں تمہارے
جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ
پاس نشانیاں لیکر تمہارے رب کی طرف سے

یعنی پیغمبر ہو کر اپنی قوم بنی اسرائیل سے یہ فرمائینگے۔ (تفسیر عثمانی)

اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْــــَٔــةِ الطَّيْرِ
کہ میں بنا دیتا ہوں تم کو گارے سے پرندہ کی شکل پھر اُس میں
فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًۢا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
پھونک مارتا ہوں تو ہو جاتا ہے وہ اُڑتا جانور اللہ کے حکم سے

تخلیق فقط اللہ کا کام ہے:

محض شکل وصورت بنانے کو "خلق" سے تعبیر کرنا صرف ظاہری حیثیت سے ہے۔ جیسے حدیث صحیح میں معمولی تصویر بنانے کو "خلق" سے تعبیر فرمایا "احیوا ما خلقتم" یا خدا کو "احسن الخالقین" فرما کر بتلا دیا کہ محض ظاہری صورت کے لحاظ سے غیر اللہ پر بھی یہ لفظ بولا جاسکتا ہے، اگرچہ حقیقت تخلیق کے لحاظ سے حق تعالیٰ کے سوا کوئی خالق نہیں کہلا سکتا۔ شاید اسی لئے یہاں یوں نہ فرمایا اَنِّىْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ (میں مٹی سے پرندہ بنا دیتا ہوں)۔ یوں کہا کہ میں مٹی سے پرندہ کی شکل بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں پھر وہ پرندہ اللہ کے حکم سے بن جاتا ہے۔

تہمت سے برأت کی دلیل:

بہر حال یہ معجزہ آپ نے دکھلایا، اور کہتے ہیں کہ بچپن میں ہی بطور ارہاص آپ ہی یہ خرق عادت ظاہر ہوا، تاکہ تہمت لگانے والوں کو ایک چھوٹا سا نمونہ قدرتِ خداوندی کا دکھلا دیں کہ جب میرے نفخہ پھونکنے) پر خدا تعالیٰ مٹی کی بیجان صورت کو جاندار بنا دیتا ہے اسی طرح اگر اس نے بدون مسِ بشر محض روح القدس کے نفخہ سے ایک برگزیدہ عورت کے پانی پر روح عیسوی فائض کر دی، تو کیا تعجب ہے۔ بلکہ حضرت مسیح چونکہ نفخہ جبرائیلیہ سے پیدا ہوئے ہیں، اس مسیحائی نفخہ کو اسی نوعیت ولادت کا ایک اثر سمجھنا چاہئے۔ سورۂ مائدہ کے آخر میں حضرت مسیح علیہ

السلام کے ان معجزات وخوارق پر دوسرے رنگ میں کلام کیا جائے گا وہاں ملاحظہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ حضرت مسیح پر کمالات ملکیہ وروحیہ کا غلبہ تھا۔ اسی کے مناسب آثار ظاہر ہوتے تھے، لیکن اگر بشر کو ملک پر فضیلت حاصل ہے، اور اگر ابوالبشر کو مسجود ملائکہ بنایا گیا ہے، تو کوئی شبہ نہیں کہ جس میں تمام کمالات بشریہ (جو عبارت ہے مجموعۂ کمالات روحانیہ وجسمانیہ سے) اعلیٰ درجہ پر ہوں گے اس کو حضرت مسیح سے افضل ماننا پڑے گا اور وہ ذات قدسی صفات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

چمگادڑ:

بغوی نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰ نے صرف چمگادڑ بنائی تھی۔ چمگادڑ کی خصوصیت کی وجہ یہ تھی کہ تخلیق (اور ساخت) کے لحاظ سے چمگادڑ سب پرندوں سے زیادہ کامل ہے۔ اس کے پستان بھی ہوتے ہیں اور دانت بھی، اور اس کو حیض بھی آتا ہے (گویا چوپایہ سے زیادہ مشابہ ہے)۔ وہب نے بیان کیا وہ پرندہ جب تک لوگوں کی نظروں کے سامنے ہوتا تھا اڑتا رہتا تھا اور آنکھوں سے غائب ہوتے ہی گر کر مر جاتا تھا۔ ایسا صرف اس لئے ہوتا تھا کہ براہ راست خدائی تخلیق اور بندہ کی وساطت سے تخلیق میں فرق واضح ہو جائے۔

معجزات کی حکمت:

حضرت عیسیٰ کے زمانہ میں طب کا زور تھا، اس لئے آپ نے لوگوں کو طبی معجزہ دکھایا۔ جیسے حضرت موسیٰ کے زمانہ میں جادو کا بہت شور تھا، اس لئے آپ نے ہر ماہر جادوگر کو عاجز کر کے دکھا دیا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کلام کی بلاغت وفصاحت کا بڑا چرچا تھا، اس لئے قرآن نے ان کو بلاغت میں زیر کر دیا اور حکم دیا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى
اور اچھا کرتا ہوں مادر زاد اندھے کو اور کوڑھی کو اور جلا تا ہوں مردے
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ
اللہ کے حکم سے

معجزات:

اس زمانہ میں اطباء وحکماء کا زور تھا۔ حضرت مسیح کو ایسے معجزات مرحمت ہوئے جو لوگوں پر ان کے سب سے زیادہ مایۂ ناز فن میں حضرت مسیح کا نمایاں تفوق ثابت کریں۔ بلاشبہ مردہ کو زندہ کرنا حق تعالیٰ کی صفت ہے۔ جیسا کہ باذن اللہ کی قید سے صاف ظاہر ہے، مگر مسیح اس کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے توسعاً اپنی طرف نسبت کر رہے ہیں۔ یہ کہنا کہ حق تعالیٰ قرآن کریم میں، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم احادیث میں اعلان کر چکے ہیں کہ ازل سے ابد تک کسی مردہ کو دنیا میں دوبارہ زندہ نہیں کیا جائے گا، نرا دعویٰ ہے، جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اگر اس نے قرآن میں فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ فرما کر یہ بتلایا کہ مرنے والے کی روح خدا تعالیٰ روک لیتا ہے اور سونے والے کی اس طرح نہیں روکتا، تو یہ کب کہا ہے کہ اس روک لینے کے بعد دوبارہ اسے چھوڑ دینے کا اختیار نہیں رہتا۔ یاد رکھو! معجزہ وہی ہے جو حق تعالیٰ کی عام عادت کے خلاف مدعی نبوت کی تصدیق کے لئے ظاہر کیا جائے۔ پس ایسی نصوص کو لے کر جو کسی چیز کی نسبت خدا کی عام عادت بیان کرتی ہوں، یہ استدلال کرنا کہ ان سے معجزات کی نفی ہوتی ہے، سرے سے معجزہ کے وجود کا انکار اور اپنی حماقت وغباوت کا اظہار ہے۔ معجزہ اگر عام قانونِ عادت کے موافق آیا کرے تو اسے معجزہ کیوں کہیں گے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کا بن باپ پیدا ہونا یا ابراء اکمہ وابرص اور احیاءِ موتی وغیرہ معجزات دکھلانا، اہل اسلام میں تمام سلف وخلف کے نزدیک مسلم رہا ہے۔ صحابہ وتابعین میں ایک قول بھی اس کے انکار میں دکھلایا نہیں جا سکتا۔ آج جو ملحد یہ دعویٰ کرے کہ ان خوارق کا ماننا محکماتِ قرآنی کے خلاف ہے۔ گویا وہ ایسی چیزوں کو محکمات بتلاتا ہے، جن کا صحیح مطلب سمجھنے سے تمام امت عاجز رہی؟ یا سب کے سب محکمات کو چھوڑ کر اور متشابہات کے پیچھے پڑ کر فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ کے مصداق بن گئے؟ آج کل کے ملحدین کے سواء، متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹانے کی کسی کو توفیق نہ ہوئی، العیاذ باللہ۔ حق یہ ہے کہ وہ آیات جن کے ظاہری معنی کو ساری امت مانتی چلی آئی ہے، ''محکمات'' ہیں۔ اور ان کو توڑ موڑ کر محض استعارات وتمثیلات پر حمل کرنا اور معجزات کی نفی کی طرف خلافِ عادت سے دلیل لانا، یہ ہی زائغین کا کام ہے۔ جن سے حذر کرنے کی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

مریضوں کیلئے دُعاء:

وہبؒ بن منبہ نے بیان کیا کہ ایک ایک دن میں پچاس پچاس ہزار مریض حضرت کے پاس جمع ہو جاتے تھے، جو خود آ سکتا تھا آ جاتا تھا جو نہیں آ سکتا تھا، آپ اس کے پاس چلے جاتے تھے، اور بیماروں، اپاہجوں اور اندھوں کے لئے ان الفاظ سے دعا کرتے تھے۔

اَللّٰھُمَّ اَنْتَ اِلٰہُ مَنْ فِی السَّمَاءِ وَاِلٰہُ مَنْ فِی الْاَرْضِ
لَا اِلٰہَ فِیْھِمَا غَیْرُکَ وَاَنْتَ جَبَّارُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ
وَجَبَّارُ مَنْ فِی الْاَرْضِ لَا جَبَّارَ فِیْھِمَا غَیْرُکَ وَاَنْتَ
مَلِکُ مَنْ فِی الْاَرْضِ لَا مَلِکَ فِیْھِمَا غَیْرُکَ
قُدْرَتُکَ فِی الْاَرْضِ کَقُدْرَتِکَ فِی السَّمَاءِ
سُلْطَانُکَ فِی الْاَرْضِ کَسُلْطَانِکَ فِی السَّمَاءِ
اَسْاَلُکَ بِاسْمِکَ الْکَرِیْمِ وَوَجْھِکَ الْمُنِیْرِ
وَمُلْکِکَ الْقَدِیْمِ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ''۔

وہب نے لکھا یہ دعاء خفقان اور جنون کے لئے ہے۔ مجنون اور خفقانی پر یہ دعاء پڑھ کر دم کی جائے اور لکھ کر پانی سے دھو کر پلائی جائے۔ انشاءاللہ صحت ہو جائے گی۔

وَاُحْیِ الْمَوْتٰی بِاِذْنِ اللّٰہِ: اور اللہ کے حکم سے میں مردوں کو زندہ کروں گا۔ مردوں کو زندہ کرنا بشری فعل کی جنس سے خارج ہے۔ توہم الوہیت کو دور کرنے کے لئے آپ نے مکرر باذن اللہ فرمایا۔ بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے چار آدمیوں کو زندہ کیا۔ نمبر۱: عاذر۔ نمبر۲: ایک بڑھیا کا بیٹا۔ نمبر۳: عاشر کی بیٹی۔ نمبر۴: سام بن نوح۔ عاذر آپ کا دوست تھا۔ مرنے لگا تو اس کی بہن نے حضرت کے پاس پیام بھیجا کہ آپ کا دوست مر رہا ہے۔ درمیانی مسافت تین روز کا سفر چاہتی تھی۔ آپ اپنے ساتھیوں سمیت پہنچے تو عاذر کو مرے تین دن ہو گئے تھے۔ حضرت نے اس کی بہن سے فرمایا مجھے اس کی قبر پر لے چل! عاذر کی بہن قبر پر لے گئی۔ آپ نے اللہ سے دعاء کی، عاذر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے بدن سے روغن ٹپک رہا تھا۔ پھر قبر سے نکل آیا اور مدت تک زندہ رہا۔ اس کے اولاد بھی ہوئی۔

قبولیت دُعاء:

ایک بڑھیا کے بیٹے کا جنازہ چارپائی پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے گزرا۔ آپ نے دعاء کی، وہ فوراً چارپائی پر اٹھ بیٹھا۔ لوگوں کے کندھوں سے نیچے اتر آیا اور کپڑے پہن کر چارپائی اپنی گردن پر اٹھا کر لوٹ کر گھر پہنچ گیا۔ وہ بھی بعد کو زندہ رہا اور اس کے بچے بھی ہوئے۔ ایک شخص عاشر یعنی محصل ٹیکس تھا۔ اس کی بیٹی ایک روز پہلے مر گئی۔ حضرت نے دوسرے روز اللہ سے دعاء کی، اللہ نے اس کو زندہ کر دیا۔ وہ بھی بعد کو زندہ رہی اور اس کے بھی بچے پیدا ہوئے۔ سام بن نوح کی قبر پر آپ خود گئے اور اللہ کا اسم اعظم لے کر صاحب قبر کو پکارا۔ سام قبر سے نکل آیا، قیامت بپا ہونے کے اندیشہ سے اس کا آدھا سر سفید ہو چکا تھا۔ اس زمانہ میں لوگوں کے بال سفید نہیں ہوتے تھے۔ سام نے کہا کیا قیامت برپا ہو گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ نہیں۔ میں نے تم کو اللہ کا اسم اعظم لے کر پکارا تھا۔ پھر آپ نے فرمایا، اب مر جاؤ۔ سام نے کہا اس شرط پر (مرنے کو تیار ہوں) کہ اللہ موت کی تلخی سے محفوظ رکھے۔ آپ نے اللہ سے دعاء کی اور دعاء قبول ہوئی۔

وَاُنَبِّئُکُمْ بِمَا تَاْکُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ فِیْ
اور بتا دیتا ہوں تم کو جو کھا کر آؤ اور جو رکھ آؤ
بُیُوْتِکُمْ
اپنے گھر میں

آئندہ کے لئے یعنی بعض مغیبات ماضیہ ومستقبلہ پر تم کو مطلع کر دیتا ہوں۔ عملی معجزات کے بعد ایک علمی معجزہ ذکر کر دیا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

چنانچہ آپ رات کی کھائی ہوئی چیز اور دن میں جو کچھ کھایا جاتا تھا، اور شام کے لئے جو کچھ بچا کر رکھا جاتا تھا، سب کی تفصیل بتا دیتے تھے۔

سدی نے بیان کیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مکتب میں جا کر بچوں کو بتا دیتے تھے کہ تمہارے باپوں نے یہ بنایا ہے۔ کسی بچہ سے فرماتے جا تیرے گھر والوں نے فلاں فلاں چیز کھالی اور فلاں فلاں چیز اٹھا کر رکھ دی ہے۔ بچہ گھر جا کر روتا، آخر گھر والے وہ چیز اس کو دے دیتے اور پوچھتے تجھے کس نے بتا دیا؟ بچہ کہتا عیسیٰ علیہ السلام نے۔ غرض گھر والوں نے اپنے بچوں کو عیسیٰ علیہ السلام کے ملنے کی ممانعت کر دی اور کہہ دیا کہ اس جادوگر سے ہرگز نہ ملنا۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ
اس میں نشانی پوری ہے تم کو اگر تم یقین رکھتے ہو
مُّؤْمِنِیْنَ ﴿٤٩﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ
اور سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو
مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَکُمْ بَعْضَ الَّذِیْ
توریت ہے اور اس واسطے کہ حلال کر دوں تم کو بعضی وہ چیزیں جو

حُرِّمَ عَلَيْكُمْ
حرام تھیں تم پر

دَور کے تقاضے کو ملحوظ رکھنا:

یعنی تورات کی تصدیق کرتا ہوں کہ خدا کی کتاب ہے اور اس کے عام اصول واحکام کو بحالہ قائم رکھتے ہوئے زمانہ کے مناسب حق تعالیٰ کے حکم سے چند جزئی وفرعی تغیرات کروں گا۔ مثلاً بعض احکام میں پہلے جو سختی تھی وہ اب اٹھا دی جائے گی۔ اس کا نام خواہ نسخ رکھ لو یا تکمیل، اختیار ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ
اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی سو ڈرو اللہ سے
وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾
اور میرا کہا مانو

یعنی میری صداقت کے نشان جب دیکھ چکے تو اب خدا سے ڈر کر میری باتیں ماننی چاہئیں، ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ: ایک شخص نے عرض کیا تھا کہ مجھے اسلام میں کوئی ایسی بات بتادیجئے کہ آپ کے بعد مجھے کسی سے کچھ نہ پوچھنا پڑے۔ اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ بالا جملہ فرمایا تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا
بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اُس کی بندگی کرو
صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾
یہی راہ سیدھی ہے

سو باتوں کی ایک بات:

یعنی سب باتوں کی ایک بات اور ساری جڑوں کی اصل جڑ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو میرا اور اپنا دونوں کا یکساں رب سمجھو (باپ بیٹے کے رشتے قائم نہ کرو)، اور اسی کی بندگی کرو۔ سیدھا راستہ رضائے الٰہی تک پہنچنے کا یہی توحید، تقویٰ اور اطاعتِ رسول ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ
پھر جب معلوم کیا عیسیٰ نے بنی اسرائیل کا کفر

یعنی یہ میرا دین قبول نہ کرینگے بلکہ دشمنی اور ایذاء رسانی کے درپے رہیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

پورا کلام اس طرح تھا کہ مریم سے عیسیٰ پیدا ہوئے اور اپنی قوم سے شیر خوارگی کے زمانہ میں کلام کیا، اور حدِ کمال کو پہنچ گئے، یہاں تک کہ آسمانی کتابوں کے عالم اور نبی ہوگئے۔ اور لوگوں کو ہدایت کی طرف بلایا اور معجزاتِ مذکورہ پیش کئے اور بنی اسرائیل نے آپ کا انکار کیا اور تکذیب کی اور کفریہ حرکات کا ان سے ظہور ہوا۔ پس جب عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کی طرف سے ایسی باتیں سنیں اور ایسی حرکات دیکھیں اور کفریہ حالات محسوس کئے تو کہا۔

قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ
بولا کون ہے کہ میری مدد کرے اللہ کی راہ میں

یعنی میرا ساتھ دے اور دینِ الٰہی کو رواج دینے میں میری مدد کرے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ
کہا حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنیوالے اللہ کے

اللہ کی مدد کرنا یہی ہے، کہ اس کے دین وآئین اور پیغمبروں کی مدد کی جائے، جس طرح انصارِ مدینہ نے اپنے پیغمبر علیہ السلام اور دینِ حق کی مدد کرکے دکھلائی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت زبیرؓ کی فضیلت:

صحیحین کی حدیث میں ہے کہ جنگِ خندق کے موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہے کوئی جو سینہ سپر ہو جائے؟ اس آواز کو سنتے ہی حضرت زبیرؓ تیار ہوئے۔ آپؐ نے دوبارہ یہی فرمایا۔ پھر بھی حضرت زبیرؓ نے ہی قدم اٹھایا۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ۔ پھر یہ لوگ اپنی دعاء میں کہتے ہیں کہ ہمیں شاہدوں میں لکھ لے۔ اس سے مراد حضرت ابن عباس کے نزدیک امتِ محمدیہؐ میں لکھ لینا ہے۔ اس تفسیر کی روایت سنداً بہت عمدہ ہے۔ ﴿ابن کثیر، تفسیر عثمانی﴾

اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾
ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم نے حکم قبول کیا

حواری:

”حواری“ کون لوگ تھے، اور یہ لقب ان کا کس وجہ سے ہوا؟ اس

میں علماء کے بہت اقوال ہیں۔ مشہور یہ ہے کہ پہلے دو شخص جو حضرت عیسیٰؑ کے تابع ہوئے، دھوبی تھے اور کپڑے صاف کرنے کی وجہ سے حواری کہلاتے تھے۔ حضرت عیسیٰ نے ان کو کہا کہ کپڑے کیا دھوتے ہو، آؤ! میں تم کو دل دھونا سکھلاؤں۔ وہ ساتھ ہو لئے۔ پھر ایسے سب ساتھیوں کا یہ ہی لقب پڑ گیا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

پہلے حواریوں نے ایمان کا اظہار کیا، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اپنے اسلام کی شہادت کے خواستگار ہوئے۔ معلوم ہوا کہ ایمان و اسلام سے ان کی مراد ایک ہی تھی۔ (تفسیر مظہریؒ)

رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا
اے رب ہم نے یقین کیا اُس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم تابع ہوئے
مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾
رسول کے سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں

ایمان کی قبولیت:

پیغمبر کے سامنے اقرار کرنے کے بعد پروردگار کے سامنے یہ اقرار کیا کہ ہم انجیل پر ایمان لا کر تیرے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اتباع کرتے ہیں۔ آپ اپنے فضل و توفیق سے ہمارا نام ماننے والوں کی فہرست میں ثبت فرما دیں۔ گویا ایمان کی رجسٹری ہو جائے گی کہ پھر لوٹنے کا احتمال نہ رہے۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿۵۴﴾
اور مکر کیا اُن کافروں نے اور مکر کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے

مکر کا معنی:

"مکر" کہتے ہیں لطیف و خفیہ تدبیر کو۔ اگر وہ اچھے مقصد کے لئے ہو اچھا ہے، اور برائی کے لئے ہو تو برا ہے۔ اسی لئے وَلَا يَحِيْقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ میں مکر کے ساتھ "سیء" کی قید لگائی، اور یہاں خدا کو "خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ" کہا۔ مطلب یہ ہے کہ یہود نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف طرح طرح کی سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کر دیں۔ حتیٰ کہ بادشاہ کے کان بھر دیئے کہ یہ شخص (معاذ اللہ) ملحد ہے۔ تورات کو بدلنا چاہتا ہے، سب کو بد دین بنا کر چھوڑے گا۔ اس نے مسیح علیہ السلام کی گرفتاری کا حکم دے دیا۔ ادھر یہ ہو رہا تھا اور ادھر حق تعالیٰ کی لطیف و خفیہ تدبیر ان کے توڑ میں اپنا کام کر رہی تھی، جس کا ذکر آگے آتا ہے۔ بے شک خدا کی تدبیر سب سے بہتر اور مضبوط ہے، جسے کوئی نہیں توڑ سکتا۔ (تفسیر عثمانیؒ)

یہودیوں کا مکر:

وَمَكَرُوْا: اور جن لوگوں کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کفر کا احساس کیا تھا، انہوں نے فریب کیا کہ حضرت کو (خفیہ) قتل کر دینے کا ارادہ کیا۔ کلبی نے بوساطت ابوصالح حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ ایک بار یہودیوں کی ایک جماعت حضرت عیسیٰ کے سامنے آئی۔ آپ کو دیکھ کر کہنے لگے، جادوگر جادوگرنی کا بیٹا آ گیا۔ آپ پر بھی تہمت لگائی اور آپ کی والدہ پر بھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان پر لعنت کی اور ان کو بددعا دی۔ فوراً اللہ تعالیٰ نے ان کو سوّر بنا دیا۔ یہودیوں کا سردار یہودا تھا، اس نے جو یہ بات دیکھی تو گھبرا گیا اور آپ کی بددعاء سے ڈر گیا۔ آخر تمام یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مار ڈالنے پر متفق ہو گئے، اور قتل کرنے کے ارادہ سے حضرت کی طرف بڑھے۔ لیکن اللہ نے جبرائیلؑ کو بھیج دیا۔ جبرائیلؑ نے آپ کو چھت کے روزن میں داخل کر دیا۔ پھر وہاں سے اللہ نے آپ کو آسمان پر اٹھا لیا۔ سردار یہود یعنی یہودا نے اپنے ساتھیوں میں سے ایک شخص کو جس کا نام طیطیانوس تھا، کھڑکی کے اندر بھیجا تاکہ اندر جا کر حضرت کو قتل کر دے۔ وہاں اللہ نے اس کی شکل حضرت عیسیٰ جیسی بنا دی۔ لوگوں نے اس کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر قتل کر دیا۔ آیت "وَمَكَرَ اللّٰهُ" کا یہی معنی ہے۔ (تفسیر مظہریؒ)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ
جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ میں لے لوں گا
وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ
تجھ کو اور اُٹھا لوں گا اپنی طرف اور پاک کر دونگا تجھ کو
كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ
کافروں سے اور رکھونگا اُن کو جو تیرے تابع ہیں غالب
الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ
ان لوگوں سے جو انکار کرتے ہیں قیامت کے دن تک پھر میری
مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ
طرف ہے تم سب کو پھر آنا پھر فیصلہ کر دونگا تم میں جس بات میں

تَخْتَلِفُوْنَ ۝ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ

تم جھگڑتے تھے سو وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا

عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ

سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں

وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ۝ وَاَمَّا الَّذِيْنَ

اور کوئی نہیں ان کا مدد گار اور وہ لوگ

اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط

جو ایمان لائے اور کام نیک کئے سو ان کو پورا دیگا اُن کا حق

وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۝

اور اللہ کو خوش نہیں آتے بے انصاف

یہودی بادشاہ کا حکم:

بادشاہ نے لوگوں کو مامور کیا کہ مسیح علیہ السلام کو پکڑیں، صلیب (سولی) پر چڑھائیں اور ایسی عبرتناک سزائیں دیں جسے دیکھ کر دوسرے لوگ اس کا اتباع کرنے سے رک جائیں۔ فَبَعَثَ فِيْ طَلَبِهٖ مَنْ يَّاْخُذُهٗ وَيَصْلُبُهٗ وَيُنَكِّلُ (ابن کثیر)۔

تدبیر الٰہی:

خداوند قدوس نے اس کے جواب میں مسیح علیہ السلام کو مطمئن فرمادیا کہ میں ان اشقیاء کے ارادوں اور منصوبوں کو خاک میں ملادوں گا۔ یہ چاہتے ہیں کہ تجھے پکڑ کر قتل کردیں اور پیدائش و بعثت سے جو مقصد ہے پورا نہ ہونے دیں اور اس طرح خدا کی نعمت عظیمہ کی بے قدری کریں۔ لیکن میں ان سے اپنی یہ نعمت لےلوں گا۔ تیری عمر مقدر اور جو مقصد عظیم اس سے متعلق ہے، پورا کرکے رہوں گا۔ اور تجھ کو پورے کا پورا صحیح وسالم لے جاؤں گا کہ ذرا بھی تیرا بال بیکا نہ کرسکیں۔ بجائے اس کے کہ وہ لے جائیں، خدا تجھ کو آسمان پر چڑھائے گا۔ ان کا ارادہ ہے کہ رسواء کن اور عبرتناک سزائیں دے کر لوگوں کو تیرے اتباع سے روک دیں۔ لیکن خدا ان کے ناپاک ہاتھ تیرے تک نہ پہنچنے دے گا، بلکہ اس گندے اور نجس مجمع کے درمیان سے تجھ کو بالکل پاک وصاف اٹھالے گا اور اس کے بجائے کہ تیری بے عزتی ہو اور لوگ ڈر کر تیرے اتباع سے رک جائیں، تیرا اتباع کرنے والوں اور نام لینے والوں کو قرب قیامت تک منکروں پر غالب و قاہر رکھے گا۔ جب تک تیرا انکار کرنے والے یہود اور اقرار کرنے والے مسلمان یا نصاریٰ دنیا میں رہیں گے، ہمیشہ اقرار کرنے والے منکرین پر فائق وغالب رہیں گے۔ بعدہ ایک وقت آئے گا جب تجھ کو اور تیرے موافق ومخالف سب لوگوں کو میرے حکم کی طرف لوٹنا ہے۔ اس وقت میں تمہارے سب جھگڑوں کا دوٹوک فیصلہ کردوں گا اور سب اختلافات ختم کردیئے جائیں گے یہ فیصلہ کب ہوگا؟ اس کی جو تفصیل،

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا الخ سے بیان کی گئی ہے، وہ بتلاتی ہے کہ آخرت سے پیشتر دنیا ہی میں اس کا نمونہ شروع کردیا جائے گا۔ یعنی اس وقت تمام کافر عذاب شدید کے نیچے ہونگے۔ کوئی طاقت ان کی مدد اور فریاد کو نہ پہنچ سکے گی۔ اس کے بالمقابل جو ایمان والے رہیں گے، ان کو دنیا وآخرت میں پورا پورا اجر دیا جائے گا، اور بے انصاف ظالموں کی جڑ کاٹ دی جائے گی۔

اجماعی عقیدہ:

امت مرحومہ کا اجماعی عقیدہ ہے کہ جب یہود نے اپنی ناپاک تدبیریں پختہ کرلیں تو حق تعالیٰ نے حضرت مسیح علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متواتر احادیث کے موافق قیامت کے قریب جب دنیا کفر وضلالت اور دجل وشیطنت سے بھر جائے گی، خدا تعالیٰ خاتم الانبیاء بنی اسرائیل حضرۃ مسیح علیہ السلام کو خاتم الانبیاء علی الاطلاق حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک نہایت وفادار جنرل کی حیثیت میں نازل کرکے دنیا کو دکھلادے گا کہ انبیاء سابقین کو بارگاہ خاتم النبیین کے ساتھ کس قسم کا تعلق ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اور اس کے اتباع یہود کو چن چن کر ماریں گے۔ کوئی یہودی جان نہ بچا سکے گا۔ شجر وحجر تک پکاریں گے کہ ہمارے پیچھے یہ یہودی کھڑا ہے، قتل کرو! حضرت مسیح صلیب کو توڑ دیں گے، نصاریٰ کے باطل عقائد وخیالات کی اصلاح کرکے تمام دنیا کو ایمان کے راستہ پر ڈال دیں گے۔ اس وقت تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہوکر اور مذہبی اختلافات مٹ مٹا کر ایک خدا کا سچا دین (اسلام) رہ جائے گا۔ اسی وقت کی نسبت فرمایا، وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ (نساء رکوع ۲۲) جس کی پوری تقریر اور رفع مسیح کی کیفیت سورۂ ''نساء'' میں آئے گی۔ بہرحال میرے نزدیک ثُمَّ اِلَيَّ مَرْجِعُكُمْ الخ صرف آخرت سے متعلق نہیں، بلکہ دنیا وآخرت دونوں سے تعلق رکھتا ہے، جیسا کہ آگے تفصیل کے موقع پر

فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ کا لفظ صاف شہادت دے رہا ہے۔ اور یہ اس کا قرینہ ہے کہ الٰی یوم القیامۃ کے معنی قرب قیامت کے ہیں۔ چنانچہ احادیث صحیحہ میں مصرح ہے کہ قیامت سے پہلے ایک مبارک وقت ضرور آنے والا ہے، جب سب اختلافات مٹ مٹا کر ایک دین باقی رہ جائے گا۔ وللہ الحمد اولاً وآخراً۔

توفی کا معنی:

چند امور اس آیت کے متعلق یاد رکھنے چاہئیں۔ لفظ ''توفی'' کے متعلق کلیات ابو البقاء میں ہے، ''اَلتَّوَفِّیْ اَلْاِمَاتَۃُ وَقَبْضُ الرُّوْحِ وَعَلَیْہِ اِسْتِعْمَالُ الْعَامَّۃِ اَوِالْاِسْتِیْفَاءُ اَوْ اَخْذُ الْحَقِّ وَعَلَیْہِ اِسْتِعْمَالُ الْبُلَغَاءِ'' (توفی کا لفظ عوام کے یہاں موت دینے اور جان لینے کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن بلغاء کے نزدیک اس کے معنی ہیں پورا وصول کرنا اور ٹھیک لینا) گویا ان کے نزدیک موت پر بھی ''توفی'' کا اطلاق اسی حیثیت سے ہوا کہ موت میں کوئی عضو خاص نہیں بلکہ خدا کی طرف سے پوری جان وصول کر لی جاتی ہے۔ اب اگر فرض کرو خدا تعالیٰ نے کسی کی جان بدن سمیت لے لی تو اسے بطریق اولیٰ ''توفی'' کہا جائے گا۔ جن اہل لغت نے ''توفی'' کے معنی قبض روح کے لکھے ہیں، انہوں نے یہ نہیں کہا کہ قبض روح مع البدن کو ''توفی'' نہیں کہتے۔ نہ کوئی ایسا ضابطہ بتلایا ہے کہ جب ''توفی'' کا فاعل اللہ اور مفعول ذی روح ہو تو بجز موت کے کوئی معنی نہ ہو سکیں۔ ہاں چونکہ عموماً قبض روح کا وقوع بدن سے جدا کر کے ہوتا ہے، اس لئے کثرت وعادت کے لحاظ سے اکثر موت کا لفظ اس کے ساتھ لکھ دیتے ہیں ورنہ لفظ کا لغوی مدلول قبض روح مع البدن کو شامل ہے۔ دیکھئے۔

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا (زمر رکوع ۵)

توفی نفس (قبض روح) کی دو صورتیں بتلائیں۔ موت اور نیند، اس تقسیم سے نیز ''توفی'' کو ''انفس'' پر وارد کر کے اور ''حین موتھا'' کی قید لگا کر بتلا دیا کہ ''توفی'' اور ''موت'' دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اصل یہ ہے کہ قبض روح کے مختلف مدارج ہیں۔ ایک درجہ وہ ہے جو موت کی صورت میں پایا جائے۔ دوسرا وہ جو نیند کی صورت میں ہو۔ قرآن کریم نے بتلا دیا کہ وہ دونوں پر ''توفی'' کا لفظ اطلاق کرتا ہے۔ کچھ موت کی تخصیص نہیں۔

یَتَوَفّٰکُمْ بِالَّیْلِ وَیَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّھَارِ (انعام رکوع ۷) اب جس طرح اس نے دو آیتوں میں نوم پر توفی کا اطلاق جائز رکھا حالانکہ نوم میں قبض روح بھی پورا نہیں ہوتا۔ اسی طرح اگر ''آل عمران'' اور ''مائدہ'' کی دو آیتوں میں ''توفی'' لفظ قبض روح مع البدن پر اطلاق کر دیا گیا تو کونسا استحالہ لازم آتا ہے۔ بالخصوص جب یہ دیکھا جائے کہ موت اور نوم، میں لفظ ''توفی'' کا استعمال قرآن کریم ہی نے شروع کیا ہے جاہلیت والے تو عموماً اس حقیقت سے ہی نا آشنا تھے کہ موت یا نوم میں خدا تعالیٰ کوئی چیز آدمی سے وصول کر لیتا ہے اسی لئے لفظ ''توفی'' کا استعمال موت اور نوم پر ان کے یہاں شائع نہ تھا قرآن کریم نے موت وغیرہ کی حقیقت پر روشنی ڈالنے کے لئے اول اس لفظ کا استعمال شروع کیا۔ تو اسی کو حق ہے کہ موت ونوم کی طرح اخذ روح مع البدن کے نادر مواقع میں بھی اسے استعمال کر لے بہر حال آیت حاضرہ میں جمہور کے نزدیک ''توفی'' سے موت مراد نہیں۔ اور ابن عباس سے بھی صحیح ترین روایت یہی ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام زندہ آسمان پر اٹھائے گئے۔ کما فی روح المعانی وغیرہ زندہ اٹھائے جانے یا دوبارہ نازل ہونے کا انکار سلف میں کسی سے منقول نہیں، بلکہ ''تلخیص الحبیر'' میں حافظ ابن حجر نے اس پر اجماع نقل کیا ہے اور ابن کثیر وغیرہ نے احادیث نزول کو متواتر کہا ہے اور ''اکمال اکمال المعلم'' میں امام مالکؒ سے اس کی تصریح نقل کی ہے۔

معجزات عیسوی:

پھر جو معجزات حضرت مسیح علیہ السلام نے دکھلائے ہیں ان میں علاوہ دوسری حکمتوں کے ایک خاص مناسبت آپ کے رفع الی السماء کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ آپ نے شروع ہی سے متنبہ کر دیا کہ جب ایک مٹی کا پتلا میرے پھونک مارنے سے باذن اللہ پرندہ بن کر اوپر اڑا چلا جاتا ہے کیا وہ بشر جس پر خدا نے روح اللہ کا لفظ اطلاق کیا اور ''روح القدس'' کے نفخہ سے پیدا ہوا، یہ ممکن نہیں کہ خدا کے حکم سے اڑ کر آسمان تک چلا جائے۔ جس کے ہاتھ لگانے یا دو لفظ کہنے پر حق تعالیٰ کے حکم سے اندھے اور کوڑھی اچھے اور مردے زندہ ہو جائیں، اگر وہ اس موطن کون و فساد سے الگ ہو کر ہزاروں برس فرشتوں کی طرح آسمان پر زندہ اور تندرست رہے، تو کیا استبعاد ہے۔ قال قتادہ فَطَارَ مَعَ الْمَلٰٓئِکَۃِ فَھُوَ مَعَھُمْ حَوْلَ الْعَرْشِ وَصَارَ اِنْسِیًّا مَلَکِیًّا وَسَمَاوِیًّا اَرْضِیًّا (بغوی) اس موضوع پر مستقل رسالے اور کتابیں شائع ہو چکی ہیں۔

''عقیدۃ الاسلام'' از علامہ کشمیریؒ:

مگر میں اہل علم کو توجہ دلاتا ہوں کہ ہمارے مخدوم علامہ فقید النظیر حضرت مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری اطال اللہ بقاہ نے رسالہ ''عقیدۃ الاسلام'' میں جو علمی لعل و جواہر ودیعت کئے ہیں ان سے متمتع ہونیکی ہمت کریں، میری نظر میں ایسی جامع کتاب اس موضوع پر نہیں لکھی گئی۔ ☆ تفسیر عثمانی ☆

عادتِ الٰہی:

عادۃ اللہ یہ رہی ہے کہ جب کسی نبی کی قوم اپنے انکار اور ضد پر جمی رہی پیغمبر کی بات نہ مانی، ان کے معجزات دیکھنے کے بعد بھی ایمان نہ لاتی تو دو صورتوں میں سے ایک صورت کی گئی ہے، یا تو اس قوم پر آسمانی عذاب بھیج کر سب کو فنا کر دیا گیا، جیسے عاد و ثمود اور قوم لوط علیہ السلام و قوم صالح علیہ السلام کے ساتھ معاملہ کیا گیا، یا پھر یہ صورت ہوتی کہ اپنے پیغمبر کو اس دار الکفر سے ہجرت کرا کے کسی دوسری طرف منتقل کیا گیا اور وہاں ان کو وہ قوت و شوکت دی گئی کہ پھر اپنی قوم پر فتح پائی، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عراق سے ہجرت کر کے علاقہ شام میں تشریف لائے اور آخر میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لائے، پھر وہاں سے حملہ آور ہو کر مکہ فتح کیا، یہودیوں کے نرغہ سے بچانے کے لئے یہ آسمان پر بلا لینا بھی درحقیقت ایک قسم کی ہجرت تھی، جس کے بعد وہ پھر دنیا میں واپس آ کر یہودیوں پر مکمل فتح حاصل کریں گے۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

علماء امت نے اس مسئلہ کو مستقل کتابوں اور رسالوں میں پورا پورا واضح فرما دیا ہے، اور منکرین کے جوابات تفصیل سے دیئے ہیں، ان کا مطالعہ کافی ہے مثلاً حضرت حجۃ الاسلام مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری کی تصنیف بزبان عربی عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسٰی علیہ السلام، حضرت مولانا بدر عالم صاحب مہاجر مدنی کی تصنیف بزبان اردو حیات عیسٰی علیہ السلام، مولانا سید محمد ادریس صاحب کی تصنیف حیات مسیح علیہ السلام اور بھی سینکڑوں چھوٹے بڑے رسائل اس مسئلہ پر مطبوع و مشتہر ہو چکے ہیں۔ احقر نے بامر استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کشمیریؒ کی سو سے زائد احادیث جن سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کا زندہ اٹھایا جانا اور پھر قرب قیامت میں نازل ہونا بتواتر ثابت ہوتا ہے ایک مستقل کتاب التصریح بما تواتر فی نزول المسیح میں جمع کر دیا ہے۔

اور حافظ ابن کثیرؒ نے سورۂ احزاب کی آیت وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ کی تفسیر میں لکھا ہے:

وَقَدْ تَوَاتَرَتِ الْاَحَادِيْثُ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم اَنَّهٗ اَخْبَرَ بِنُزُوْلِ عِيْسٰى عَلَيْهِ السَّلَامُ قَبْلَ يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِمَامًا عَادِلًا الخ. ''یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث اس معاملے میں متواتر ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے قبل قیامت نازل ہونے کی خبر دی ہے۔''

حضرت عیسٰیؑ کی خصوصیت:

یہاں صرف ایک بات کی طرف توجہ دلاتا ہوں جس پر نظر کرنے سے ذرا بھی عقل و انصاف ہو تو اس مسئلہ میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی ہو وہ یہ ہے کہ سورۂ آل عمران کے گیارہویں رکوع میں حق تعالیٰ نے انبیاء سابقین کا ذکر فرمایا تو حضرت آدم، نوح، آل ابراہیم، آل عمران، سب کا ذکر ایک ہی آیت میں اجمالاً کرنے پر اکتفاء فرمایا اس کے بعد تقریباً تین رکوع اور بائیس آیتوں میں حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کے خاندان کا ذکر اس بسط و تفصیل کے ساتھ کیا گیا کہ خود خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جن پر قرآن نازل ہوا ان کا ذکر بھی اتنی تفصیل کے ساتھ نہیں آیا، حضرت عیسٰی علیہ السلام کی نانی کا ذکر ان کی نذر کا بیان والدہ کی پیدائش، ان کا نام ان کی تربیت کا تفصیلی ذکر، حضرت عیسٰی علیہ السلام کا بطن مادر میں آنا، پھر ولادت کا مفصل حال، ولادت کے بعد ماں نے کیا کھایا پیا اس کا ذکر، اپنے خاندان میں بچے کو لے کر آنا، ان کے طعن و تشنیع، اول ولادت میں ان کو بطور معجزہ گویائی عطا ہونا، پھر جوان ہونا، اور قوم کو دعوت دینا، ان کی مخالفت حواریین کی امداد، یہودیوں کا نرغہ، ان کو زندہ آسمان پر اٹھایا جانا وغیرہ پھر احادیث متواترہ میں ان کی مزید صفات، شکل و صورت، ہیئت، لباس وغیرہ کی پوری تفصیلات، یہ ایسے حالات ہیں کہ پورے قرآن و حدیث میں کسی نبی و رسول کے حالات اس تفصیل سے بیان نہیں کئے گئے، یہ بات ہر انسان کو دعوت فکر دیتی ہے کہ ایسا کیوں اور کس حکمت سے ہوا۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

نزولِ مسیح:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ عنقریب ابن مریم حاکم عادل ہو کر تمہارے اندر اتریں گے صلیب کو توڑیں گے خنزیر کو قتل کریں گے جزیہ کو ساقط کر دیں گے اور مال کو بہائیں گے کوئی قبول بھی نہیں کرے گا۔ انتہا یہ ہو گی کہ ایک سجدہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہو گا، یہی حدیث بیان کرنے کے بعد حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا اگر تم (اس کی تصدیق) چاہتے ہو تو پڑھو وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ الآیۃ متفق علیہ۔ بخاری و مسلم کی دوسری روایت میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ الفاظ بھی آئے ہیں تمہارا کیا حال ہو گا اس وقت جب (عیسٰی) ابن مریم تم میں اتریں گے اور تمہارا امام تم ہی میں سے ہو گا۔ مسلم کی ایک

روایت میں اتنا زائد آیا ہے کہ اونٹنیاں چھوڑ دی جائیں گی ان پر سوار ہو کر دوڑ نہیں کی جائے گی آپس کی دشمنی بغض اور حسد جاتا رہے گا لوگوں کو مال لینے کے لئے بلایا جائے گا لیکن کوئی قبول نہیں کرے گا۔

بغوی نے حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت لکھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے متعلق فرمایا ان کے زمانہ میں تمام مذاہب سوائے اسلام کے مردہ ہو جائیں گے اور دجال بھی ہلاک ہو جائے گا آپ زمین پر چالیس سال رہیں گے پھر آپ کی وفات ہو جائے گی اور مسلمان آپ کے جنازہ کی نماز پڑھیں گے۔ (تفسیر مظہری)

ابن جوزی نے کتاب الوفاء میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت سے ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا عیسیٰ ابن مریم زمین پر اتریں گے، نکاح کرینگے، ان کی اولاد ہوگی پینتالیس سال رہیں گے پھر آپ کی وفات ہو جائے گی، اور میرے ساتھ میری قبر میں دفن کئے جائیں گے اور عیسیٰ ابن مریمؑ ایک ہی قبر میں ابو بکرؓ و عمرؓ کے درمیان رہیں گے۔ حضرت جابرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کا ایک گروہ برابر حق پر جہاد کرتا رہے گا اور قیامت کے دن تک غالب رہے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر عیسیٰ ابن مریم اتریں گے۔ مسلمانوں کا امیر کہے گا آیئے ہم کو نماز پڑھائیے! عیسیٰ فرمائیں گے، تم ہی میں سے بعض بعض کے سردار ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہ بات صرف اس لئے کہیں گے کہ اللہ نے اس امت کو عزت عطا فرمائی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی گواہی:

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ ہم شکل مسیح کو جب قتل کر دیا گیا اور صلیب پر لٹکا دیا، تو حضرت مریم علیہا السلام اور ایک عورت جس کے جنون کو اللہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دعاء سے دور کر دیا تھا، روتی ہوئی صلیب پر لٹکی ہوئی نعش کے پاس پہنچیں۔ اچانک حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے (نمودار ہو کر) ان سے کہا تم کیوں روتی ہو؟ اللہ نے مجھے اٹھا لیا ہے اور سوائے بھلائی کے مجھے اس نے کوئی دکھ نہیں دیا۔ باقی یہ صلیب کشیدہ شخص تو میرا ہم شکل ہے۔ اللہ نے ان کی نظر میں اس کو میری شکل کا کر دیا ہے (یہ کہہ کر عیسیٰ علیہ السلام غائب ہو گئے)۔ پھر سات روز کے بعد اللہ نے عیسیٰ کو حکم دیا کہ مریم کے پاس پہاڑ پر جا کر اترو، وہ سوگوار ہے۔ مریم کی طرح نہ کوئی رویا، نہ اس کے برابر کسی کو غم ہوا۔ وہاں جا کر حواریوں کو جمع کرنا اور اللہ کی طرف لوگوں کو بلانے کیلئے ملک میں پھیلا دینا۔ حسب الحکم حضرت عیسیٰ علیہ السلام پہاڑ پر نازل ہوئے۔ آپ کے نزول کے وقت پہاڑ بقعۂ نور بن گیا۔ حواری آ کر آپ کے پاس جمع ہوئے۔ آپ نے دین کی دعوت دینے کے لئے ان کو ملک میں پھیلا دیا۔ اس کے بعد اللہ نے آپ کو اٹھا لیا۔ صبح ہوئی تو جس جس حواری کو جس جس کی ہدایت کے لئے عیسیٰ علیہ السلام نے مقرر فرمایا تھا، اس حواری نے اسی کی زبان میں گفتگو کی۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ تیرہ سال کی عمر میں شکم مریمؑ میں استقرار عیسیٰ ہوا۔ اور سرزمین بابل پر سکندر کے حملہ کو ۶۵ سال گذر رہے تھے، کہ آپ کی پیدائش ہوئی اور آغاز وحی کے وقت آپ کی عمر ۳۰ سال تھی۔ اور جب آپ ۳۳ سال کے ہوئے تو شب قدر ماہ رمضان میں بیت المقدس سے (آسمان پر) اللہ نے آپ کو اٹھا لیا۔ گویا اٹھانے کے وقت تک آپ کی نبوت کو تین سال گذر رہے تھے آپ کے بعد حضرت مریم چھ سال زندہ رہیں۔ (مظہری)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام چالیس سال کی عمر میں نبی بنائے گئے اور اسی سال کی عمر میں آسمان پر اٹھائے گئے۔ اور آسمان سے نازل ہونے کے بعد چالیس سال زمین پر زندہ رہیں گے اور اس کے بعد وفات پائیں گے، اور حجرۂ نبوی میں مدفون ہوں گے۔ اس طرح وفات کے وقت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی کل عمر ایک سو بیس سال کی ہوگی۔ (کذا فی عقیدۃ الاسلام ص ۲۹ بحوالہ معارف القرآن کاندھلوی)

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ
یہ پڑھ سناتے ہیں ہم تجھ کو آیتیں اور بیان
الْحَكِيْمِ ﴿٥٨﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ؕ
تحقیقی بیشک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی
خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿٥٩﴾
بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا وہ ہو گیا

عقیدۂ ابنیت کی تردید:

نصاریٰ اس بات پر حضرتؐ سے بہت جھگڑے کہ عیسیٰ بندہ نہیں، اللہ کا بیٹا ہے۔ آخر کہنے لگے کہ وہ اللہ کا بیٹا نہیں تو تم بتاؤ کس کا بیٹا ہے؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری کہ آدم کے تو نہ باپ تھا نہ ماں۔ عیسیٰ کے باپ نہ ہو تو کیا عجب ہے (موضح القرآن)۔ اس حساب سے تو آدم کو خدا کا بیٹا ثابت کرنے پر زیادہ زور دینا چاہئے۔ حالانکہ کوئی بھی اس کا قائل نہیں۔

شانِ نزول: ابن ابی حاتم نے حسن بصریؒ کا قول بیان کیا ہے کہ

نجران کے دو راہب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک نے پوچھا عیسیٰ علیہ السلام کا باپ کون تھا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت تھی کہ اللہ کا حکم آنے سے پہلے آپ فوراً ہی جواب نہیں دیا کرتے تھے۔ اس پر آیت، ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ۔ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ۔ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ۔ نازل ہوئی (اور وہ راہب لا جواب ہو گئے)، کیونکہ بغیر ماں باپ کے آدم کے مٹی سے پیدا ہونے کا ان کو بھی اقرار تھا۔ وہ عیسائی بھی کس قدر جاہل تھے کہ یہ تو پوچھا کہ کیا کوئی انسان بن باپ کے پیدا ہوتے آپ نے دیکھا ہے اور خود یہ نہ سوچا کہ انہوں نے کبھی کسی بکری کا بچہ آدمی کو یا آدمی کا بچہ بکری کو دیکھا ہے حالانکہ دونوں میں حیوانی جنس کا اشتراک ہے اختلاف ہے تو صرف نوعیت کا پھر جنسی تباین بلکہ ہر طرح کے اختلاف کے باوجود انہوں نے کیسے فیصلہ کر لیا کہ وہ اللہ جو ایک اور ہر چیز سے بے نیاز اور قدیم ہے اور اس کی مثل کوئی بھی نہیں ہے وہ عیسیٰ علیہ السلام کا باپ ہو گیا حالانکہ جیسے ایک مخلوق جسم رکھتا تھا جو حادث تھا کھانا کھاتا اور سوتا بھی تھا اور اس کو موت بھی آئے گی۔ لاریب اللہ نہ کسی کا والد ہے نہ مولود نہ اس کا کوئی ہمسر ہے۔ (مظہری)

فائدہ: اس آیت سے قیاس کا شرعی حجت ہونا ثابت ہو رہا ہے کیونکہ تخلیق آدم پر قیاس کرتے ہوئے عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کی پیدائش کے جواز پر اللہ نے استدلال کیا ہے (پس مسلمانوں کا وہ گروہ جو صرف قرآن سنت اور اجماع کو احکام کی علت قرار دیتا ہے اور قیاس کو دلیل حکم نہیں مانتا اس آیت سے اس قول کی تردید مستفاد ہوتی ہے

اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾
حق وہ ہے جو تیرا رب کہے پھر تو مت رہ شک لانیوالوں سے

یعنی مسیح علیہ السلام کے متعلق جو کچھ حق تعالیٰ نے فرمایا وہ ہی حق ہے، اس میں کوئی شک وشبہ کی قطعاً گنجائش نہیں۔ جو بات تھی، بلا کم وکاست سمجھا دی گئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شک کا نتیجہ:

یہودی شک میں پڑ گئے اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ پر زنا کی تہمت لگائی اور عیسائی شک میں پڑ گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہنے لگے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ
پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ
الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ
آ چکی تیرے پاس خبر سچی تو تو کہہ دے آؤ بلاویں ہم اپنے بیٹے
وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ
اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان
ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى
پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی اُن پر
الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾
کہ جو جھوٹے ہیں

مباہلہ:

اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ نصاریٰ نجران اس قدر سمجھانے پر بھی اگر قائل نہ ہوں تو ان کے ساتھ "مباہلہ" کرو۔ جس کی زیادہ مؤثر اور مکمل صورت یہ تجویز کی گئی کہ دونوں فریق اپنی جان سے اولاد سے حاضر ہوں اور خوب گڑگڑا کر دعا کریں کہ جو کوئی ہم میں سے جھوٹا ہے اس پر خدا کی لعنت اور عذاب پڑے۔ یہ مباہلہ" کی صورت پہلے ہی قدم پر اس بات کا اظہار کر دے گی کہ کون فریق کس حد تک خود اپنے دل میں اپنی صداقت و حقانیت پر وثوق یقین رکھتا ہے۔

عیسائیوں کا اقرارِ حق:

چنانچہ دعوت "مباہلہ" سن کر وفد نجران نے مہلت لی کہ ہم آپس میں مشورہ کر کے جواب دینگے۔ آخر مجلس مشاورت میں ان کے ہوشمند تجربہ کار ذمہ داروں نے کہا کہ اے گروہ نصاریٰ! تم یقیناً دلوں میں سمجھ چکے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نبی مرسل ہیں اور حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق انہوں نے صاف صاف فیصلہ کن باتیں کہی ہیں۔ تم کو معلوم ہے کہ اللہ نے بنی اسمٰعیل میں نبی بھیجنے کا وعدہ کیا تھا۔ کچھ بعید نہیں یہ وہی نبی ہوں، پس ایک نبی سے مباہلہ وملاعنہ کرنے کا نتیجہ کسی قوم کے حق میں یہی نکل سکتا ہے کہ ان کا چھوٹا بڑا ہلاکت یا عذاب الٰہی سے نہ بچے۔ اور پیغمبر کی لعنت کا اثر نسلوں تک پہنچ کر رہے۔ بہتر یہی ہے کہ ہم ان سے صلح کر کے اپنی بستیوں کی طرف روانہ ہو

جائیں۔ کیونکہ سارے عرب سے لڑائی مول لینے کی طاقت ہم میں نہیں۔ یہ ہی تجویز پاس کر کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسن، حسین، فاطمہ، علی رضی اللہ عنہم کو ساتھ لئے باہر تشریف لا رہے تھے۔ یہ نورانی صورتیں دیکھ کر ان کے لاٹ پادری نے کہا کہ میں ایسے پاک چہرے دیکھ رہا ہوں جن کی دعاء پہاڑوں کو ان کی جگہ سے سرکا سکتی ہے، ان سے مباہلہ کر کے ہلاک نہ ہو، ورنہ ایک بھی نصرانی زمین پر باقی نہ رہے گا۔ آخر انہوں نے مقابلہ چھوڑ کر سالانہ جزیہ دینا قبول کیا اور صلح کر کے واپس چلے گئے۔ حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر مباہلہ کرتے تو وادی آگ بن کر ان پر برستی اور خدا تعالیٰ نجران کا بالکل استیصال کر دیتا۔ ایک سال کے اندر اندر تمام نصاریٰ ہلاک ہو جاتے۔

مباہلہ کی مشروعیت:

(تنبیہ) قرآن نے یہ نہیں بتلایا کہ مباہلہ کی صورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی اختیار کی جا سکتی ہے اور یہ کہ مباہلہ کا اثر کیا ہمیشہ وہ ہی ظاہر ہونا چاہئے جو آپ کے مباہلہ میں ظاہر ہونیوالا تھا۔ بعض سلف کے طریق عمل اور بعض فقہائے حنفیہ کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مباہلہ کی مشروعیت اب بھی باقی ہے مگر ان چیزوں میں جن کا ثبوت بالکل قطعی ہو، یہ ضروری نہیں کہ مباہلہ میں بچوں، عورتوں کو بھی شریک کیا جائے، نہ مباہلین پر اس قسم کا عذاب آنا ضروری ہے جو پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مباہلہ پر آتا ہے۔ بلکہ ایک طرح کا اتمام حجت کر کے بحث و جدال سے الگ ہو جانا ہے۔ اور میرے خیال میں مباہلہ ہر ایک کاذب کے ساتھ نہیں صرف کاذب معاند کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ابن کثیرؒ کہتے ہیں ثُمَّ قَالَ تَعَالٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ اَنْ يُّبَاهِلَ مِنْ عَانِدِ الْحَقِّ فِیْ اَمْرِ عِيْسٰى بَعْدَ ظُهُوْرِ الْبَيَانِ واللہ اعلم۔

مباہلہ کی تعریف:

اگر کسی امر کے حق و باطل میں فریقین میں نزاع ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر خدا تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے کیونکہ لعنت کے معنی رحمت حق سے بعید ہو جانا ہے اور رحمت سے بعید ہونا قہر سے قریب ہونا پس حاصل معنی اس کے یہ ہوئے کہ جھوٹے پر قہر نازل ہو، سو جو شخص جھوٹا ہو گا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا، اس وقت پوری تعیین صادق و کاذب کی منکرین کے نزدیک بھی واضح ہو جائے گی۔ اس طور پر دعاء کرنے کو ''مباہلہ'' کہتے ہیں۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ: مَن شرطیہ ہے یا استفہام انکاری کے لئے جب عیسائی مناظرہ سے عاجز ہو گئے تو اب عیسیٰ کے معاملہ میں یا اس حق بات میں کون آپ سے مناظرہ کر سکتا ہے۔

مباہلہ کی شرط:

مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ: یعنی اس علم کے آ جانے کے بعد کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ کا بندہ اور اس کا رسول تھا جو شخص بھی تم سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق مناظرہ کرے۔ علم حاصل ہو جانے کی شرط جو مباہلہ کے لئے بیان کی اس میں اس امر پر تنبیہ ہے کہ جب تک کسی بات کا پورا یقین نہ ہو گیا ہو مسلمان کے لئے اس میں مباہلہ کرنا زیبا نہیں۔

معارف واسرار:

فَقُلْ تَعَالَوْا: تو اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ ان سے کہہ دیجئے کہ پختہ رائے اور عزم کے ساتھ آؤ۔ تعالوا جمع مذکر حاضر باب تفاعل۔ مادہ علو فراء نے اس کا ترجمہ کیا اوپر اٹھو میں کہتا ہوں گویا مخاطب سے کہتا ہے کہ اونچی جگہ پر چڑھ کر دیکھو جو چیز تم کو نیچے سے نہیں دکھائی دیتی وہ اوپر سے دکھ جائے گی۔ بطور استعارہ اس سے مراد ہوتا ہے کہ جو چیز تم سے مخفی ہے اس پر غور اور توجہ کرو۔ خلاصہ مطلب یہ ہوا کہ پختہ رائے اور عزم کے ساتھ آؤ۔ کبھی اس لفظ کا استعمال ایسے مقام کی طرف بلانے کے لئے بھی ہوتا ہے جو بلانے والے کے قریب ہو (یعنی میرے پاس آؤ) نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ یہ امر کا جواب ہے اسی لئے ندع پر جزم ہے (یعنی واؤ حذف کر دیا گیا ہے) مراد یہ ہے کہ ہم تم یعنی ہر ایک اپنی ذات کو اور اپنے عزیز ترین لوگوں کو بلا کر اپنے ساتھ ملا لیں تا کہ جھوٹے پر جو عذاب نازل ہو وہ اس شخص پر بھی نازل ہو اور اس کے عزیز ترین بیوی بچوں پر بھی۔ اولاد و نساء کا ذکر انفس سے پہلے اس لئے کیا کہ آدمی انہی کے لئے اپنے آپ کو خطرہ میں ڈالتا ہے اور ان کو بچاتا ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بلانے والے میں اور جس کو بلایا جائے اس میں مغایرۃ ہونی چاہئے بیوی بچے واقع میں شخصیت کے لحاظ سے آدمی کی ذات سے الگ ہوتے ہیں اور آدمی کی اپنے نفس سے مغایرۃ صرف فرضی ہوتی ہے لہٰذا حقیقی مغایرۃ والی ہستیوں کو پہلے ذکر کیا اور پھر فرضی غیریت والی ہستی یعنی اپنی ذات کو ذکر کیا۔

مسلم اور ترمذی نے حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم نے حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کو بلایا اور کہا اے اللہ یہ ہی میرے اہل بیت ہیں۔

ثُمَّ نَبْتَهِلْ: پھر پھر ہم زاری کریں ابتہال اگرچہ باب افتعال ہے لیکن باب تفاعل کے معنی میں ہے باب تفاعل کو چھوڑ کر باب افتعال کو اس لئے اختیار کیا کہ باب افتعال کی خاصیت ہے کسی چیز کو اپنے لئے حاصل کرنا اور لے لینا اور یہاں مقصود یہ ہے کہ اگر جھوٹا ہو تو لعنت کو اپنے لئے کھینچ لے اور سچا ہو تو فریق مخالف کی طرف لعنت کا رخ پھیر دے اور ظاہر ہے کہ آدمی کے اپنے نفس پر کسی برائی کا وقوع مخالف پر واقع ہونے سے پہلے ہوتا ہے گویا (بصورت کذب) تحصیل لعنت اپنے لئے اصل غرض ہے (اور مخالف پر اس کے جھوٹے ہونے کی صورت میں لعنت کا پڑ جانا ایک ضمنی چیز ہے۔)

فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ اور جھوٹوں پر اللہ کی لعنت کریں یہ بصورت عطف نبتهل کی تشریح ہے فاء (جو بلا تاخیر عطف کے لئے مستعمل ہے) لانے سے اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ ابتہال کے بعد لعنت کا وقوع فوراً ہی ہو جائے گا تاخیر نہ ہوگی۔

شرائط صلح:

جب اہل وفد نے مسلمان ہونے سے انکار کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میری تمہاری جنگ ہوگی۔ کہنے لگے عرب سے لڑنے کی ہم میں طاقت نہیں ہے ہم آپ سے اس شرط پر صلح کر سکتے ہیں کہ آپ ہم پر نہ لشکر کشی کریں نہ ہم کو خوفزدہ کریں نہ اپنا مذہب ترک کرنے پر مجبور کریں اور ہم سالانہ دو ہزار جوڑے کپڑوں کے آپ کو ادا کرتے رہیں گے ایک ہزار صفر میں اور ایک ہزار رجب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شرط پر ان سے صلح کر لی۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ
بیشک یہی ہے بیان سچا اور کسی کی بندگی نہیں ہے
إِلٰهٍ إِلَّا اللّٰهُ ۚ
سوا اللہ کے

دعوت مباہلہ کے ساتھ بتلا دیا کہ مباہلہ اس پر کیا جاتا تھا جو کچھ حضرت مسیح علیہ السلام کے متعلق قرآن میں بیان ہوا وہ ہی سچا بیان ہے اور خدا کی بارگاہ ہر قسم کے شرک اور باپ بیٹے وغیرہ کے تعلقات سے پاک ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَإِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۶۲﴾
اور اللہ جو ہے وہی ہے زبردست حکمت والا

اپنی زبردست قدرت وحکمت سے جھوٹے اور سچے کے ساتھ وہ ہی معاملہ کرے گا جو اس کے حسب حال ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿۶۳﴾
پھر اگر قبول نہ کریں تو اللہ کو معلوم ہیں فساد کرنے والے

اگر نہ دلائل سے مانیں نہ مباہلہ پر آمادہ ہو تو سمجھ لو کہ احقاق حق مقصود نہیں نہ دل میں اپنے عقائد کی صداقت پر وثوق ہے محض فتنہ وفساد پھیلانا ہی پیش نظر ہے تو خوب سمجھ لیں۔ کہ سب مفسدین اللہ کی نظر میں ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وفد نجران کے واقعہ کی تفصیل:

امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بھی وفد نجران کے قصے کو مطول بیان کیا ہے ہم اسے یہاں نقل کرتے ہیں کیونکہ اس میں سے بہت سے فوائد ہیں گو اس میں غرابت بھی ہے اور اس مقام سے وہ نہایت مناسبت رکھتا ہے۔ سلمہ بن عبد یسوع اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں جو پہلے نصرانی تھے، پھر مسلمان ہو گئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورۃ طٰس سلیمان کے نازل ہونے سے پیشتر اہل نجران کو نامہ مبارک لکھا جس کی عبارت یہ تھی

بِسْمِ اِلٰهِ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مِنْ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى اُسْقُفِ نَجْرَانَ وَاَهْلِ نَجْرَانَ اَسْلِمْ اَنْتُمْ فَاِنِّيْ اَحْمَدُ اِلَيْكُمْ اِلٰهَ اِبْرَاهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اَمَّا بَعْدُ فَاِنِّيْ اَدْعُوْكُمْ اِلٰى عِبَادَةِ اللّٰهِ مِنْ عِبَادَةِ الْعِبَادِ وَاَدْعُوْكُمْ اِلٰى وِلَايَةِ اللّٰهِ مِنْ وِلَايَةِ الْعِبَادِ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَالْجِزْيَةُ فَاِنْ اَبَيْتُمْ فَقَدْ اٰذَنْتُكُمْ بِحَرْبٍ وَالسَّلَامُ.

یعنی اس خط کو میں شروع کرتا ہوں (حضرت) ابراہیم، حضرت اسحٰق

اور حضرت یعقوبؑ کے خدا تعالیٰ کے نام سے، یہ خط ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے جو خدا تعالیٰ کے نبی اور رسول ہیں سرداران نجران اور اہل نجران کی طرف، اسلام لے آؤ اللہ تعالیٰ کی میں تمہارے سامنے حمد وثنا بیان کرتا ہوں جو حضرت ابراہیمؑ حضرت یعقوبؑ اور حضرت اسحٰقؑ کا معبود ہے، پھر میں تمہیں دعوت دیتا ہوں۔ کہ بندوں کی عبادت کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ کی عبادت کی طرف آجاؤ اگر تم اسے نہ مانو تو جزیہ دو اور ماتحتی اختیا کرو اگر اس سے بھی انکار ہو تو تمہیں لڑائی کا اعلان ہے والسلام۔

جب یہ خط اسقف کو پہنچا اور اس نے اسے پڑھایا تو بڑا سٹ پٹایا گھبرا گیا اور تھر تھرانے لگا۔ جھٹ سے شرجیل بن وداعہ کو بلوایا جو قبیلہ ھمدان کا تھا، سب سے بڑا مشیر سلطنت یہی تھا۔

جب یہ سب لوگ آ گئے تو اسقف نے انہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک پڑھ کر سنایا اور پوچھا بتاؤ تمہاری کیا رائے ہے تو تمام عقلمندوں نے کہا کہ شرجیل بن وداعہ ہمدانی، عبداللہ بن شرجیل اصبحی اور جبار بن فیض حارثی کو بطور وفد بھیجا جائے۔ یہ وہاں سے پختہ خبر لائیں۔ اب یہاں سے یہ وفد ان تینوں کی سرداری کے ماتحت روانہ ہوا مدینہ پہنچ کر انہوں نے سفری لباس اتار ڈالا اور نقش بنے ہوئے ریشمی لمبے لمبے حلے پہن لئے اور سونے کی انگوٹھیاں انگلیوں میں ڈال دیں اور اپنی چادروں کے پلے تھامے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا۔ بہت دیر تک انتظار کیا کہ حضور کچھ بات چیت کریں لیکن ان ریشمی حلوں اور سونے کی انگوٹھیوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کلام بھی نہ کیا اب یہ لوگ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تلاش میں نکلے۔ ان دونوں بزرگوں سے ان کی پہلے سے ملاقات تھی۔ مہاجرین اور انصار کے ایک مجمع میں ان دونوں حضراتؓ کو پالیا، ان سے واقعہ بیان کیا کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خط لکھا ہم اس کا جواب دینے کے لئے خود حاضر ہوئے، آپ کے پاس گئے سلام کیا لیکن جواب نہ دیا۔ پھر بہت دیر تک انتظامیں بیٹھے رہے کہ آپ سے کچھ باتیں ہو جائیں لیکن آپ نے ہم سے کوئی بات نہ کی آخر ہم لوگ تھک کر چلے آئے۔ اب آپ حضرات فرمائیے کہ کیا ہم یونہی واپس چلے جائیں، ان دونوں نے حضرت علی بن ابی طالبؓ سے کہا کہ آپ ہی انہیں جواب دیجئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا میرا خیال یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے حلے اور اپنی انگوٹھیاں اتار دیں اور وہی سفری معمولی لباس پہن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوبارہ جائیں

چنانچہ انہوں نے یہی کیا اس معمولی لباس میں گئے سلام کیا، آپ نے جواب دیا فرمایا خدا تعالیٰ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا ہے یہ جب میرے پاس پہلی مرتبہ آئے تو ان کے ساتھ ابلیس تھا۔

پوچھا آپ حضرت عیسیٰؑ کی بابت کیا فرماتے ہیں۔ تاکہ ہم اپنی قوم کے پاس جا کر دہ کہیں، ہمیں اسکی خوشی ہے کہ اگر آپ نبی ہیں تو آپ کی زبانی سنیں کہ آپ کا ان کی بابت کیا خیال ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس اس کا جواب آج تو نہیں تم ٹھیرو تو میرا رب مجھے اس کی بابت جو فرمائے گا وہ میں تمہیں سنا دوں گا۔ دوسرے دن پھر وہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت کی اتری ہوئی اس آیت میں ان مثل عیسیٰ کی کاذبین تک تلاوت سنائی۔ انہیں نے اس بات کا اقرار کرنے سے انکار کر دیا۔ دوسرے دن صبح ہی صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملاعنہ کیلئے حضرت حسنؓ کو اور حضرت حسینؓ کو اپنی چادر میں لئے ہوئے تشریف لائے پیچھے پیچھے حضرت فاطمہؓ آ رہی تھیں، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کئی ایک بیویاں تھیں۔ شرجیل یہ دیکھتے ہی اپنے دونوں ساتھیوں سے کہنے لگا کہ تم جانتے ہو کہ نجران کی ساری وادی میری بات کو مانتی ہے۔

سنو اگر یہ شخص نبی مرسل ہے تو ملاعنہ کرتے ہی روئے زمین پر ایک بال یا ایک ناخن بھی ہمارا باقی نہ رہے گا۔ اس کے دونوں ساتھیوں نے کہا پھر اے ابومریم آپ کی کیا رائے ہے؟ اس نے کہا میری رائے یہ ہے کہ اسی کو ہم حاکم بنا دیں جو کچھ یہ حکم دے ہم اسے منظور کر لیں، یہ کبھی بھی خلاف عدل حکم نہ دے گا ان دونوں نے اس کی بات تسلیم کر لی۔ اب شرجیل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ میں اس ملاعنہ سے بہتر چیز جناب کے سامنے پیش کرتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا وہ کیا؟ کہا آج کا دن آنے والی رات اور کل کی صبح تک آپ ہمارے بارے میں جو حکم کریں گے وہ ہمیں منظور ہے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک تحریر انہیں لکھ کر دی جس میں بسم اللہ الخ کے بعد یہ مضمون تھا کہ یہ تحریر اللہ تعالیٰ کے نبی محمد رسول اللہ کی طرف سے نجرانیوں کے لئے ہے ان پر اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم جاری تھا ہر پھل میں اور ہر زرد وسفید وسیاہ میں اور ہر غلام میں لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب انہیں کو دیتے ہیں یہ ہر سال صرف دو ہزار حلے دیدیا کریں اور ایک ہزار رجب میں ایک ہزار صفر میں وغیرہ وغیرہ، پورا عہد نامہ انہیں عطا فرمایا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر اردو﴾

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ

تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے

بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا
ہم میں اور تم میں کہ بندگی نہ کریں ہم
نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا
مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہراویں اُس کا کسی کو اور نہ بناوے
اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ
کوئی کسی کو رب سوا اللہ کے

حقیقۃً اسلام قبول کرو:

پہلے نقل کیا جا چکا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جب وفد نجران کو کہا اسلموا (مسلم بن جاؤ) تو کہنے لگے اسلمنا (ہم مسلم ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی طرح ان کو بھی مسلم ہونے کا دعویٰ تھا۔ اسی طرح جب یہود و نصاریٰ کے سامنے توحید پیش کی جاتی تو کہتے کہ ہم بھی خدا کو ایک کہتے ہیں بلکہ ہر مذہب والا کسی نہ کسی رنگ میں اوپر جا کر اقرار کرتا ہے کہ بڑا خدا ایک ہی ہے۔ یہاں اسی طرف توجہ دلائی گئی کہ بنیادی عقیدہ (خدا کا ایک ہونا اور اپنے کو مسلم ماننا) جس پر ہم دونوں متفق ہیں۔ ایسی چیز ہے جو ہم سب کو ایک کر سکتا ہے۔ بشرطیکہ آگے چل کر اپنے ایک دفعہ تصرف اور تحریف سے اس کی حقیقت بدل نہ ڈالیں۔ ضرورت اس کی ہے کہ جس طرح زبان سے مسلم و موحد کہتے ہو حقیقۃً وعملاً بھی اپنے کو تنہا خدائے وحدہٗ لاشریک لہ کے سپرد کر دو۔ نہ اس کے سوا کسی کی بندگی کرو نہ اس کی صفات خاصہ میں کسی کو شریک ٹھہراؤ، نہ کسی اور عالم، پیر، پیغمبر کے ساتھ وہ معاملہ کرو جو صرف رب قدیر کے ساتھ کیا جانا چاہئے۔ مثلاً کسی کو اس کا بیٹا پوتا بنانا، یا نصوص شریعت سے قطع نظر کر کے محض کسی کے حلال و حرام کر دینے پر اشیاء کی حلت و حرمت کا مدار رکھنا جیسا کہ اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَھُمْ وَرُھْبَانَھُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ کی تفسیر سے ظاہر ہوتا ہے یہ سب امور دعوائے اسلام و توحید کے منافی ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تبلیغ ودعوت کے اہم اصول:

تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اس آیت سے تبلیغ و دعوت کا ایک اہم اصول معلوم ہوتا ہے، وہ یہ کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہش مند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو، تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو، جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب روم کے بادشاہ ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ کی طرف دی جس پر دونوں کا اتفاق تھا، یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر، وہ دعوت نامہ ذیل میں نقل کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ اِلٰى هِرَقْل عَظِيْمِ الرُّوْمِ، سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى اما بعد فَاِنِّيْ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ الْاِسْلَامِ اَسْلِمْ تَسْلِمْ يُؤْتِكَ اللّٰهُ اَجْرَكَ مَرَّتَيْنِ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَاِنَّ عَلَيْكَ اِثْمَ الْاَرِيْسِيِّيْنَ يَآ اَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ. ﴿بخاری﴾

''میں شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ یہ خط محمدؐ، اللہ کے بندے اور اس کے رسول کی جانب سے روم کے بادشاہِ ہرقل کی جانب ہے۔ سلامتی ہو اس شخص کے لئے جو راہِ ہدایت کی پیروی کرے۔ بعد اس کے میں تجھے اسلام کے بلاوے کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اسلام لا! تو سلامت رہے گا اور اللہ تعالیٰ تجھ کو دوہرا اجر دے گا۔ اور اگر تو اعراض کرے گا، تو تجھ پر ان سب کسانوں کا وبال ہوگا جو تیری رعایا ہیں۔ اے اہلِ کتاب! ایک ایسی بات پر آ کر جمع ہو جاؤ! جو ہم اور تم دونوں میں برابر ہے، یہ کہ ہم سوائے اللہ کے کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ شریک کریں، اور نہ ہم اللہ کو چھوڑ کر آپس میں اپنوں کو رب بنائیں''۔ ﴿معارف القرآن﴾

بیضاوی نے لکھا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ کے قصہ میں کس قدر پر زور ہدایت کا طریقہ اختیار کیا اور مناظرہ میں کتنی خوبصورت ترتیب مناظرہ ملحوظ رکھی قابل غور ہے۔ اول حضرت عیسیٰ کے وہ احوال واطوار بیان کئے جو الوہیت کے منافی ہیں پھر عیسیٰ کی تخلیقی حالت کو آدم کی تخلیقی حالت سے تشبیہ دے کر ان کے دل کی گرہ اور شبہ کو دور کرنے کا طریقہ اختیار کیا لیکن اس کے بعد بھی جب ان کی طرف سے ضد اور ہٹ دیکھی تو اعجازآ گیں طریقہ سے مباہلہ کی دعوت دی اور جب دیکھا کہ مباہلہ سے وہ کترا گئے اور کسی قدر اطاعت کا اظہار کرنے لگے تو پھر ان کو ہدایت کرنے کی طرف رخ کیا اور اس طریقہ سے ہدایت کی پیش کش کی جو بہت ہی آسان اور لا

جواب بنا دینے والا ہے یعنی ان کو ایسی چیز کی دعوت دی جس پر حضرت عیسیٰ انجیل وتمام پیغمبر اور کتابیں متفق ہیں اور یہ طریقہ بھی سودمند ثابت نہیں ہوا اور تمام آیات وتنبیہات غیر مفید ہوئیں تو پھر ہر طرف سے رخ موڑ کر فرمایا اشْهَدُوا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا: اور ہم میں سے بعض آدمی بعض آدمیوں کو رب نہ بنائیں۔ یعنی بعض لوگ بعض کی اطاعت نہ کریں۔

علماء ومشائخ کو رب بنانا:

حضرت عدیؓ بن حاتم راوی ہیں کہ جب آیت اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ نازل ہوئی تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم تو علماء ومشائخ کی پوجا نہیں کرتے تھے۔ فرمایا، کیا وہ اپنی مرضی سے اشیاء کو تمہارے لئے حلال حرام نہیں بنایا کرتے تھے، اور پھر تم ان کے قول پر عمل نہیں کیا کرتے تھے؟ میں نے عرض کیا، جی ہاں! ایسا تو کرتے تھے۔ فرمایا، یہی تو وہ ہے، یعنی یہی تو غیر اللہ کو رب بنانا ہوا۔ ترمذی نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

ائمہ فقہاء کی پیروی کی شرط:

حضرت عمران ابن حصین اور حضرت حکیم بن عمرو غفاری کی روایت ہے کہ خالق کی معصیت میں مخلوق کی اطاعت جائز نہیں۔ اس مقام سے اس بات پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ اگر کسی کی تحقیق میں کوئی مرفوع حدیث صحیح ثابت ہو جائے، اور اس کے مقابل کوئی دوسری حدیث بھی نمودار نہ ہو، اور کوئی حدیث اس کی ناسخ بھی نہ ہو، اور امام ابوحنیفہؒ کا فتویٰ حدیث مذکور کے خلاف ہو، اور باقی ائمہ میں سے کسی امام کا مسلک حدیث مذکور کے موافق ہو، تو اس صورت میں حدیث کا اتباع واجب ہے۔ ایسی حالت میں اگر امام اعظمؒ کے فتویٰ پر جما رہے گا، تو گویا یہ غیر اللہ کی ربوبیت کی تسلیم ہوگی۔ بیہقی نے مدخل میں صحیح اسناد کے ساتھ، عبداللہ بن مبارک کا قول نقل کیا ہے۔ ابن مبارکؒ نے کہا میں نے خود ابوحنیفہؒ کو یہ فرماتے سنا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی حدیث مل جائے تو ہمارے سر آنکھوں پر، اور کسی صحابیؓ کا قول مل جائے تو ان کے اقوال سے ہم (کسی مسلک کو) ترجیح دیں گے اور کسی تابعی کا قول ہو تو ہم اس سے مقابلہ کریں گے۔

بیہقی نے روضۃ العلماء سے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام اعظمؒ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث اور صحابہؓ کے قول کے مقابل میں سے میرے قول کو ترک کردو۔ یہ بھی منقول ہے کہ امام صاحب نے فرمایا اگر حدیث صحیح ثابت ہو جائے تو وہی میرا مذہب ہے۔ ہم نے عمل بالحدیث کے لئے یہ شرط لگائی ہے کہ چاروں اماموں میں سے کسی امام کا قول اس حدیث کے موافق ہونا ضروری ہے۔ اس شرط کی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں حدیث کے خلاف عمل کرنے سے اجماع کی خلاف ورزی لازم آئے گی۔ کیونکہ تیسری یا چوتھی قرن کے بعد فرعی مسائل میں اہلِ سنت کے چار فرقے ہو چکے۔ کوئی پانچواں مذہب باقی نہیں رہا۔ پس گویا اس امر پر اجماع ہو گیا کہ جو قول ان چاروں کے خلاف ہو وہ باطل ہے۔ رسول اللہ کا ارشاد ہے کہ میری امت کا اتفاق گمراہی پر نہیں ہوگا۔ اللہ نے بھی فرمایا ہے،

وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۚ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا

اس کے علاوہ یہ بات بھی ظاہر ہے کہ یہ بات تو ممکن ہے کہ حدیث مذکور کا علم چاروں اماموں میں سے کسی کو نہ ہوا ہو، اور نہ ان کے شاگردوں میں سے کسی بڑے عالم کو اطلاع ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر سب نے بالاتفاق حدیث مذکور کے خلاف فتویٰ دیا ہے اور حدیث پر عمل ترک کر دیا ہے، تو اس کی وجہ صرف یہ ہوگی کہ اس حدیث کو کسی دوسری حدیث سے انہوں نے منسوخ یا مؤول قرار دیا ہے۔

شریعت وتصوف:

اگر علماء شرع کسی مسئلہ کے جواز یا عدم جواز کا فیصلہ کر چکے ہوں، تو پھر اس فتویٰ کی خلاف ورزی یہ کہہ کر کرنی جائز نہیں کہ مشائخ صوفیہ کا طریقہ اس کے علاوہ ہے، اور ہم صوفیہ کے طریقہ کے پابند ہیں۔ حقیقت میں صوفیائے کرام نے شرع کے خلاف کبھی کوئی کام نہیں کیا۔ شریعت کا بگاڑ تو ان جاہلوں کی وجہ سے ہوا جو صوفیہ کے پیچھے آئے (اور تصوف کے علمبردار بنے)۔

اولیاء وعلماء کے مقابر:

اولیاء اور شہداء کے مزارات پر سجدہ کرنا، طواف کرنا، چراغ روشن کرنا، ان پر مسجدیں قائم کرنا، عید کی طرح مزارات پر عرس کے نام سے میلے لگانا، جس طرح آج کل جاہل کرتے ہیں، جائز نہیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ مرضِ وفات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دھاری دار کمبل سے چہرہ مبارک ڈھانک لیا اور دم گھٹا تو منہ سے ہٹا دیا۔ اور اسی حالت میں فرمایا، یہود ونصاریٰ پر اللہ کی لعنت۔ انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد میں یہود ونصاریٰ

کے فعل سے مسلمانوں کو باز داشت کی۔ بخاری و مسلم۔ امام احمد اور ابوداؤد طیالسی نے بھی حضرت اسامہ بن زیدؓ سے یہ حدیث نقل کی ہے۔

حاکم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے یہ حدیث نقل کی ہے اور اس کو صحیح بھی کہا ہے کہ قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر، اور ان لوگوں پر، جو قبروں پر سجدہ گاہ بناتے اور چراغ جلاتے ہیں، اللہ کی لعنت ہو۔ مسلم نے حضرت جندب بن عبدالملک کا قول نقل کیا ہے۔ جندب کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا وفات سے پانچ رات پہلے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے، ہوشیار! قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنانا! میں تاکید کے ساتھ تم کو اس کی ممانعت کرتا ہوں۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد۲﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچائی کی دلیل:

فائدہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت نجرانی نمائندوں کو پڑھ کر سنائی اور ہرقل کو لکھ کر بھیجی اور سب نے اس کو تسلیم کیا اور مضمون کا انکار نہیں کیا اور یہ کہہ کر رد نہ کر دیا کہ یہ بات ہماری کتابوں میں نہیں ہے یہ امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا قطعی ثبوت ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ مندرجہ آیات امور پر تمام کتابوں اور پیغمبروں کا اتفاق ہے۔ رہا عزیرؑ اور عیسیٰؑ کو خدا کا بیٹا قرار دینا یہ صرف دماغی تراشیدہ اور تقلیدی عقیدہ ہے آسمانی کتابوں میں اس کی سند نہیں ہے چونکہ عیسیٰؑ کا ابن اللہ ہونا کسی کتاب میں نہیں اسی لئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مناظرہ کے وقت انہوں نے اپنی اختراعی عقلی یہ) دلیل پیش کی کہ کیا بن باپ کا آپ نے کوئی آدمی دیکھا ہے۔ (مظہری)

فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۶۴﴾
پھر اگر وہ قبول نہ کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو حکم کے تابع ہیں

یعنی تم دعوائے اسلام و توحید کر کے پھر گئے ہم بحمد اللہ اس پر قائم ہیں کہ اپنے کو محض خدائے واحد کے سپرد کر دیا ہے اور اسی کے تابع فرمان ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ
اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کی
وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا
بابت اور توریت اور انجیل تو اتریں
مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۶۵﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ
اُس کے بعد کیا تم کو عقل نہیں سنتے ہو تم لوگ
حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ
جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی اب کیوں جھگڑتے ہو
فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ
جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں اور اللہ جانتا ہے
وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۶﴾
اور تم نہیں جانتے

دعوائے توحید اور تعظیم ابراہیم علیہ السلام:

جیسے دعوائے اسلام و توحید سب میں مشترک تھا اسی طرح حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی تعظیم و تکریم میں بھی سب شریک تھے اور یہود و نصاریٰ میں سے ہر ایک فرقہ دعویٰ کرتا تھا کہ ابراہیمؑ ہمارے دین پر تھے یعنی معاذ اللہ یہودی تھے یا نصرانی، اسکا جواب دیا کہ تورات وانجیل جن کے پیرو کار یہودی یا نصرانی کہلائے ابراہیمؑ سے سینکڑوں برس بعد اتری۔ پھر ابراہیم کو نصرانی یا یہودی کیسے کہہ سکتے ہیں بلکہ جس طرح کے تم یہودی یا نصرانی ہو، اس معنی سے تو خود موسیٰ یا عیسیٰ علیہ السلام کو بھی یہودی یا نصرانی نہیں کہا جا سکتا۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت ہمارے مذہب سے زیادہ قریب تھی تو یہ بھی غلط ہے۔ اس کا علم تم کو کہاں سے ہوا؟ تمہاری کتابوں میں مذکور نہیں۔ نہ خدا نے خبر دی نہ تم کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہو پھر ایسی بات میں جھگڑنا جس کا کچھ علم آدمی کو نہ ہو حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔ جن چیزوں کی تمہیں کچھ تھوڑی بہت خبر تھی گو محض ناتمام اور سرسری تھی مثلاً مسیح علیہ السلام کے واقعات یا نبی آخر الزمان کی بشارات وغیرہ ان میں تم جھگڑ چکے، لیکن جس چیز سے تمہیں بالکل مس نہیں نہ اس کی کبھی ہوا لگی اسے تو خدا کے سپرد کر دو۔ وہی ہی جانتا ہے کہ ابراہیمؑ کیا تھے اور آج دنیا میں کونسی جماعت کا مسلک اس سے قریب تر ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شانِ نزول:

ابن اسحاق نے اپنی مکرر سند سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ نجران کے عیسائی اور یہودی علماء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

میں جمع ہوئے علماء یہود نے کہا کہ ابراہیمؑ تو یہودی تھے اور عیسائیوں نے کہا کہ وہ عیسائی تھے اس پر اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ کیا تم اپنے قول کی غلطی نہیں سمجھتے۔

ضابطہ الٰہی اور سنت خداوندی اس طرح ہے کہ جب گذشتہ شریعت کو زیادہ زمانہ گذر جاتا تھا تو ہر زمانہ کی مصلحت کے پیش نظر اللہ گذشتہ شریعت کے فرعی احکام منسوخ فرما دیتا تھا ایسی حالت میں یہودیت یا عیسائیت کے موافق دین ابراہیمؑ کا ہونا کس طرح ممکن ہے ہاں اصول دین اور غیر منسوخ فرعی احکام جیسے غیر اللہ کی عبادت کی حرمت اور کذب وظلم کی ممانعت تو یہ امور تمام شرائع میں ایک ہی طرح موجود ہیں ان میں اختلاف کا احتمال ہی نہیں۔ واللہ اعلم۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا
نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی
وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ؕ وَمَا كَانَ
لیکن تھا حنیف یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم بردار
مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۶۷﴾
اور نہ تھا مشرک

حنیف کا معنی:

یعنی ابراہیمؑ نے اپنے تئیں حنیف یا مسلم کہا ہے۔ حنیف کے معنی؟ جو کوئی راہ حق پکڑے اور سب باطل راہیں چھوڑ دے۔ اور مسلم کے معنی حکم بردار اب خود اندازہ کر لو کہ آج کس نے سب سے ٹوٹ کر خدا کی راہ پکڑی اور اپنے کو خالص اسی کے سپرد کر دیا ہے۔ وہ ہی ابراہیمؑ سے زیادہ اقرب واشبہ ہوگا۔

مسلما کا معنی:

(تنبیہ) یہاں مسلماً میں اسلام سے خاص شریعت محمدیہ مراد لینے کی ضرورت نہیں۔ بلکہ تسلیم وتفویض اور فرمان برداری کے معنی ہیں جو تمام انبیاء کا دین رہا ہے اور ابراہیم علیہ السلام نے خصوصیت سے اس نام ولقب کو بہت زیادہ روشن کیا۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (بقرہ رکوع ۱۶) حضرت ابراہیمؑ کی سوانح حیات کا ایک ایک حرف بتلاتا ہے کہ وہ ہمہ تن اسلام اور تسلیم و رضا کے پیکر مجسم تھے۔ ذبح اسمٰعیل کے واقع میں فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ کا لفظ ان کی شان اسلام کو بہت وضاحت سے نمایاں کرتا ہے۔ صلی علی نبینا وعلیہ وبارک وسلم۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ
لوگوں میں زیادہ مناسبت ابراہیم سے اُن کو تھی جو ساتھ
وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ؕ
اُس کے تھے اور اس نبی کو اور جو ایمان لائے اس نبی پر

اصل ابراہیم علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ نے بتلا دیا کہ زیادہ مناسبت ابراہیمؑ سے اس وقت کی امت کو تھی یا پچھلی امتوں میں سے نبی کی امت کو ہے تو یہ امت نام میں بھی اور راہ میں بھی ابراہیمؑ سے مناسبت زیادہ رکھتی ہے اور اس امت کا پیغمبر خلقاً و خلقاً صورۃً وسیرۃً حضرت ابراہیمؑ سے اشبہ ہے اور ان کی دعاء کے موافق آیا ہے جیسا کہ سورۃ بقرہ میں گذرا۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ الخ

اسی لئے حبشہ کا نصرانی بادشاہ (نجاشی) مسلمان مہاجرین کو "حزب ابراہیمؑ" کہتا تھا۔ شاید اسی قسم کی مناسبات کی وجہ سے درود شریف میں كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰى اِبْرَاهِيْمَ فرمایا۔ یعنی اس نوعیت اور نمونہ کی صلوٰۃ نازل فرمائے جو ابراہیمؑ وآل ابراہیم پر کی تھی۔

جامع ترمذی میں حدیث ہے اِنَّ لِكُلِّ نَبِيٍّ وُلَاةً مِنَ النَّبِيِّيْنَ وَاِنَّ وَلِيِّيْ مِنْهُمْ اَبِيْ وَخَلِيْلُ رَبِّيْ اس مضمون کی تفصیل آئندہ کسی سورت میں آئے گی۔ ان شاء اللہ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۶۸﴾
اور اللہ والی ہے مسلمانوں کا

اللہ خود مؤمنوں کا والی ہے:

یعنی اپنی راہ کے حق ہونے پر محض کسی کی موافقت و مشابہت سے دلیل جب پکڑے کہ اپنے اوپر وحی نہ آتی ہو۔ سو اللہ والی ہے مسلمانوں کا کہ یہ براہ راست اس کے حکم پر چلتے ہیں۔ ﴿موضح القرآن، تفسیر عثمانی﴾

قریشی وفد کی نجاشی کے ہاں روانگی:

بغوی نے کلبی کی روایت سے اور محمدؒ بن اسحاقؒ نے زہری کی روایت سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ جب حضرت جعفرؓ بن ابی طالبؓ کچھ صحابیوں کو ساتھ لیکر مکہ چھوڑ کر حبشہ چلے گئے اور رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم بھی مدینہ کو ہجرت کر گئے اور پھر بدر کی جنگ بھی ہو چکی (جس میں بڑے بڑے قریشی سردار مارے گئے اور بہت سے گرفتار ہو گئے) تو اس کے بعد قریش نے مشورہ گھر میں کمیٹی کی اور کہنے لگے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جو ساتھی نجاشی کے پاس چلے گئے ہیں ان کے ذمہ ہمارے مقتولین بدر کا قصاص ہے لہٰذا کچھ مال جمع کر کے نجاشی کے پاس بطور ہدیہ لے جاؤ ممکن ہے کہ تمہاری قوم کے جو لوگ اس کے پاس پہنچ گئے ہیں ان کو وہ تمہارے سپرد کر دے اور تم انتقام لے سکو۔ پس دو سمجھدار آدمیوں کو اپنا نمائندہ بنا کر بھیجو چنانچہ عمر بن عاصؓ اور عمارہؓ بن ابی معیط کو کچھ (طائف کے) چمڑے وغیرہ بطور ہدیہ دے کر نجاشی کے پاس سب نے باتفاق رائے بھیجا۔ یہ دونوں سمندری راستہ سے حبشہ جا پہنچے اور نجاشی کے دربار میں حاضر ہو کر اس کو سجدہ کیا اور دعاء سلامتی دی اور عرض کیا ہماری قوم آپ کی خیر خواہ اور شکر گذار ہے اور آپ کی عافیت کی طلبگار ہے قوم والوں نے ہم کو آپ کی خدمت میں اس بات پر آگاہ کرنے کے لئے بھیجا ہے کہ کچھ لوگ آپ کے پاس مکہ کے آئے ہیں ان سے ہوشیار رہیں یہ لوگ ایک بڑے جھوٹے آدمی کے ساتھی ہیں جس نے رسول خدا ہونے کا دعویٰ کیا ہے مگر سوائے بیوقوفوں کے ہم میں سے کوئی بھی اس کے پیچھے نہیں ہوا ہم نے ان کو اتنا تنگ کیا کہ مجبور ہو کر انہوں نے ہمارے ملک کی ایک گھاٹی میں پناہ لی اور وہاں لوگوں کی آمد و رفت بند ہو گئی نہ وہاں سے کوئی باہر نکلتا ہے نا باہر سے اندر جاتا ہے اور بھوک اور پیاس سے ان کی جانوں پر بنی ہوئی ہے آخر سختی سے تنگ آ کر اس نے اپنے چچا کے بیٹے کو آپ کی خدمت میں بھیجا ہے تا کہ وہ آپ کا مذہب خراب کر دے اور آپ کی حکومت و رعیت کو بھی تباہ کر دے۔ آپ ان لوگوں سے احتیاط رکھیں اور ان کو ہمارے سپرد کر دیں تا کہ ہم ان کو آپ سے روک دیں آپ کا کام ہو جائے ہمارے اس قول کا ثبوت یہ ہے کہ چونکہ وہ آپ کے دین اور طور طریقہ سے نفرت کرتے ہیں اس لئے جب وہ آپ کے سامنے آئیں گے تو سجدہ نہیں کریں گے۔ اور نہ دوسروں کی طرح شاہی آداب بجالائیں گے۔

حضرت جعفرؓ کی نجاشی کے سامنے گفتگو:

نجاشی نے حضرت جعفرؓ کو ساتھیوں سمیت طلب کیا یہ حضرات دروازہ پر ہی پہنچے تھے کہ حضرت جعفرؓ نے چیخ کر کہا اللہ کا گروہ باریاب ہونے کی اجازت چاہتا ہے نجاشی نے آواز سن کر کہا اس چیخنے والے کو حکم دو کہ دوبارہ یہی الفاظ کہے حضرت جعفرؓ نے پھر وہی کہا۔ نجاشی نے کہا جی ہاں۔ اللہ کے اذن اور ذمہ داری کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ عمرو بن عاصؓ نے اپنے ساتھی سے کہا سن رہے ہو انہوں نے کس طرح لفظ حزب اللہ کہا نجاشی نے ان کو کیا جواب دیا۔ عمرو بن عاصؓ اور عمارہؓ کو حضرت جعفرؓ کے کلام اور نجاشی کے جواب سے دکھ ہوا، جب وہ حضرات اندر آئے تو نجاشی کو انہوں نے سجدہ نہیں کیا عمرو بن عاص نے نجاشی سے کہا آپ دیکھ رہے ہیں یہ آپ کو سجدہ کرنے سے بھی غرور کرتے ہیں (یعنی غرور کی وجہ سے آپ کو سجدہ بھی نہیں کرتے) نجاشی نے ان حضرات سے کہا کیا وجہ کہ تم نے مجھے سجدہ نہیں کیا اور آداب بجا نہ لائے جو باہر سے آنیوالے بجالاتے ہیں۔ صحابہؓ نے کہا ہم اس خدا کو سجدہ کرتے ہیں جس نے آپ کو پیدا کیا اور بادشاہ بنایا سلام کا یہ طریقہ ہمارا اس وقت تھا جب ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے (گویا آپ کو بھی ایک بت سمجھ کر سجدہ کر لیتے تھے) لیکن اللہ نے ہمارے اندر ایک سچا نبی مبعوث فرمایا اس نے ہم کو اسی طرح سلام کرنے کا حکم دیا جو اللہ کو پسند تھا یعنی لفظ سلام کہنے کا یہی اہل جنت کا سلام ہے۔ اس گفتگو سے نجاشی سمجھ گیا کہ یہی بات حق ہے اور توریت و انجیل میں بھی یہی ہے۔ بولا تم میں سے کون ہے جس نے حزب اللہ کہہ کر باریاب ہونے کی چیخ کر اجازت طلب کی تھی۔ حضرت جعفرؓ نے فرمایا میں ہوں اس کے بعد آپ نے فرمایا کوئی شبہ نہیں کہ آپ زمین کے بادشاہوں میں سے ایک بادشاہ ہیں اور اہل کتاب میں سے ہیں آپ کے سامنے نہ زیادہ باتیں کرنا مناسب ہے نہ کسی پر ظلم (آپ کے لئے سزاوار ہے میں چاہتا ہوں کہ اپنے ساتھیوں کی طرف سے (تنہا) خود جواب دوں۔ آپ ان دونوں آدمیوں کو حکم دیجئے کہ ان میں سے ایک بات کرے اور دوسرا خاموش رہ کر ہماری گفتگو سنتا رہے یہ سن کر عمرو نے حضرت جعفرؓ سے کہا بولو حضرت جعفرؓ نے نجاشی سے کہا ان دونوں سے دریافت کیجئے کہ ہم کیا آزاد ہیں یا غلام کہ بھاگ کر آ گئے ہیں۔ عمرو نے کہا نہیں تم آزاد ہو اور معزز ہو نجاشی نے کہا غلام ہونے (کے الزام) سے تو بچ گئے۔ جعفر نے کہا ان سے دریافت کیجئے کیا ہم نے ناحق کوئی خون کیا ہے جس کا قصاص ہم سے لیا جائے۔ عمرو نے کہا نہیں۔ ایک قطرہ خون بھی نہیں بہایا۔ جعفرؓ نے کہا کیا ہم نے ناحق لوگوں کا مال لے لیا ہے۔ جس کی ادائیگی ہمارے ذمہ ہے۔ نجاشی نے کہا اگر (تمہارے ذمہ) قنطار (یعنی ڈھیروں مال) بھی ہوگا تو اس کی ادائیگی میرے ذمہ عمرو نے کہا کوئی مال نہیں ایک قیراط بھی نہیں۔ نجاشی نے کہا تو پھر تم ان سے کیا مطالبہ کرتے ہو۔ عمرو نے کہا ہم ایک مذہب اور ایک طریقہ پر تھے باپ دادا کے دین پر تھے۔ انہوں نے اس دین کو چھوڑ دیا اور دوسرے مذہب کے پیرو ہو گئے اس لئے ہماری قوم نے ہم کو آپ کے پاس بھیجا ہے کہ آپ ان کو ہمارے حوالے کر دیں نجاشی نے

پوچھا مجھے سچ سچ بتاؤ وہ مذہب جس پر تم تھے وہ کیا تھا اور جس دین کے اب پیرو ہو وہ کیا ہے؟ حضرت جعفرؓ نے کہا جس مذہب پر ہم تھے وہ شیطان کا دین تھا ہم اللہ کا انکار کرتے تھے پتھروں کو پوجتے تھے اور پلٹ کر جس دین کو ہم نے اختیار کیا وہ اللہ کا دین اسلام ہی ہے اللہ کے پاس سے اس دین کو لے کر ہمارے پاس ایک رسول صلی اللہ علیہ وسلم آیا اور کتاب بھی ویسی ہی آئی جیسی ابن مریم لیکر آئے تھے۔ یہ کتاب بھی اس کتاب کے موافق ہے نجاشی نے کہا تم نے بڑا بول بولا ہے نرم رفتار پر رہو اس کے بعد نجاشی کے حکم سے ناقوس بجایا گیا اور تمام عیسائی علماء و مشائخ جمع ہو گئے جب سب اکٹھے ہو گئے تو نجاشی نے ان سے کہا میں تم کو اس خدا کی جس نے عیسیٰ پر انجیل نازل کی تھی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا تم کو (کتاب میں) یہ بات ملتی ہے کہ عیسیٰ اور قیامت کے درمیان کوئی نبی مرسل آئے گا۔ علماء نے جواب دیا بے شک خدا گواہ ہے ایسا ہے ہم کو عیسیٰ علیہ السلام نے اس کی بشارت دی ہے اور یہ بھی فرما دیا کہ جو اس پر ایمان لایا وہ مجھ پر ایمان لایا اور جس نے اس کا انکار کیا اس نے میرا انکار کیا۔ نجاشی نے جعفرؓ سے کہا یہ شخص تم سے کیا کہتا ہے کیا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور کس چیز سے منع کرتا ہے؟ جعفرؓ نے جواب دیا وہ ہمارے سامنے اللہ کی کتاب پڑھتے ہیں، اچھے کاموں کا حکم دیتے ہیں، برے کاموں سے روکتے ہیں، ہمسایوں سے حسن سلوک کرنے، قرابت داروں سے میل رکھنے اور یتیموں کو نوازنے کا حکم دیتے ہیں۔ اور یہ بھی ہدایت فرماتے ہیں کہ ہم فقط اللہ ہی کی پوجا کریں جس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

نجاشی نے کہا جو کلام وہ تمہارے سامنے پڑھتے ہیں اس میں کچھ مجھے سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ عنکبوت و روم کی تلاوت کی جس کو سن کر نجاشی اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے نجاشی کے ساتھی بولے۔ جعفرؓ یہ پاکیزہ کلام ہم کو کچھ اور سناؤ۔ حضرت جعفرؓ نے سورۂ کہف پڑھ کر سنائی۔ یہ حالت دیکھ کر عمرو بن عاص نے چاہا کہ نجاشی کو جعفرؓ پر غصہ دلا دے اس لئے کہنے لگا یہ لوگ عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی ماں کو گالی دیتے ہیں اس پر نجاشی نے جعفرؓ سے پوچھا تم عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی والدہ کے بارہ میں کیا کہتے ہو حضرت جعفرؓ نے جواب میں سورۂ مریم کی تلاوت کی اور مریم اور عیسیٰؑ کے تذکرہ پر پہنچے تو نجاشی نے اپنی مسواک کا اتنا باریک ریزہ جیسے ذرہ آنکھ میں تنکا پڑ جاتا ہے اٹھایا اور کہنے لگا۔

نجاشی کا تائید کرنا:

خدا کی قسم مسیح علیہ السلام اس بیان سے اتنے بھی زائد نہ تھے پھر جعفرؓ اور ان کے ساتھیوں سے خطاب کر کے کہا جاؤ میرے ملک میں تم محفوظ ہو یعنی امن کے ساتھ رہو جو تم کو گالی دے گا کچھ ستائے گا اس کو ڈنڈ بھگتنا ہوگا پھر کہنے لگا تم خوش رہو کچھ اندیشہ نہ کرو۔ ابراہیمؑ کے گروہ کا آج بگاڑ نہیں ہوگا۔ عمرو نے پوچھا نجاشی ابراہیم کی جماعت کونسی ہے۔ نجاشی نے جواب دیا۔ یہی گروہ اور ان کا وہ آقا جس کے پاس سے یہ آئے ہیں اور ان کی پیروی کرنیوالے مشرکین نے اس بات کو ماننے سے انکار کیا اور خود دین ابراہیمی میں ہونے کا دعویٰ کیا۔ پھر نجاشی نے وہ مال واپس کر دیا جو عمرو اور اس کا ساتھی لے کر آئے تھے اور کہا تمہارا ہدیہ محض رشوت ہے اس پر اپنا قبضہ کر لو اللہ نے بغیر رشوت لئے مجھے بادشاہت عطا فرمائی ہے۔

شانِ نزول:

حضرت جعفرؓ کا بیان ہے کہ پھر ہم لوٹ آئے اور بہترین مکان اور بڑی عزت کی عمدہ مہمانی میں رہے۔ ادھر اللہ نے اسی روز مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت ابراہیم کے دین پر ہونے کے نزاع کے متعلق یہ آیت نازل فرمادی ان اولی الناس بابراہیم الخ۔ ﴿تفسیر مظہری جلد اردو ۲﴾

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ
آرزو ہے بعضے اہل کتاب کو کہ کسی طرح گمراہ کریں تم کو
وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾
اور گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے

یہودی ناکام ہوں گے:

پہلے کہا تھا ''واللہ ولی المؤمنین'' یہاں بتلایا کہ جب مؤمنین کا ولی اللہ ہے تو تمہارا داؤ ان پر کیا چل سکتا ہے۔ بیشک بعض اہل کتاب چاہتے ہیں کہ جس طرح خود گمراہ ہیں مسلمانوں کو بھی راہ حق سے ہٹا دیں لیکن مسلمان تو ان کے جال میں پھنسنے والے نہیں۔ البتہ یہ لوگ اپنی گمراہی کے وبال میں مزید اضافہ کر رہے ہیں۔ ان کی مغویانہ کوششوں کا ضرر خود ان کو ہی پہنچے گا جسے وہ فی الحال نہیں سمجھتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ
اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کے کلام کا
وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾
اور تم قائل ہو

قرآن کا انکار کیوں کرتے ہو:

یعنی تم تورات وغیرہ کے قائل ہو۔ جس میں پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے متعلق بشارات موجود ہیں جن کو تمہارے دل سمجھتے ہیں اور اپنی خلوتوں میں ان چیزوں کا اقرار بھی کرتے ہو۔ پھر کھلم کھلا قرآن پر ایمان لانے اور خاتم الانبیاء کی صداقت کا اقرار کرنے سے کیا چیز مانع ہے۔ خوب سمجھ لو قرآن کا انکار کرنا تمام پچھلی کتب سماویہ کا انکار کرنا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ
اے اہل کتاب کیوں ملاتے ہو سچ میں
بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ
جھوٹ اور چھپاتے ہو سچی بات
تَعْلَمُوْنَ ﴿٧١﴾
جان کر

یہودیوں کی خیانت:

تورات کے بعض احکام تو اغراض دنیوی کی خاطر سرے سے موقوف ہی کر ڈالے تھے۔ بعض آیات میں تحریف لفظی کی تھی۔ بعض کے معنی بدل دیے تھے اور بعض چیزیں چھپا رکھی تھیں ہر کسی کو خبر نہ کرتے تھے جیسے بشارات پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا
اور کہا بعضے اہل کتاب نے مان لو
بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ
جو کچھ اترا مسلمانوں پر دن چڑھے
النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿٧٢﴾
اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ پھر جاویں

چالاکیاں:

ان آیتوں میں اہل کتاب کی چالاکیاں اور خیانتیں ذکر کی جا رہی ہیں۔ ان میں سے ایک یہ تھی کہ اپنے کچھ آدمی صبح کے وقت بظاہر مسلمان بن جائیں اور مسلمانوں کے ساتھ نماز پڑھیں اور شام کو یہ کہہ کر کہ ہم کو اپنے بڑے بڑے علماء سے تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ وہ نبی نہیں جن کی بشارت دی گئی تھی اور تجربہ سے ان کے حالات بھی اہل حق کی طرح کے ثابت نہ ہوئے۔ اسلام سے پھر جایا کریں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ بہت سے ضعیف الایمان ہماری یہ حرکت دیکھ کر اسلام سے پھر جائیں گے۔ اور سمجھ لیں گے کہ مذہب اسلام میں ضرور کوئی عیب و نقص دیکھا ہوگا جو یہ لوگ داخل ہونے کے بعد اس سے نکلے۔ نیز عرب کے جاہلوں میں اہل کتاب کے علم و فضل کا چرچا تھا، اس بناء پر یہ خیال پیدا ہو جائے گا کہ یہ جدید مذہب اگر سچا ہوتا تو ایسے اہل علم اسے رد نہ کرتے۔ بلکہ سب سے آگے بڑھ کر قبول کرتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ
اور نہ مانیو مگر اسی کی جو چلے تمہارے دین پر

یہودیوں کی چالاکی فضول ہے:

یعنی جو یہود مسلمانوں کے سامنے جا کر نفاق سے اپنے کو مسلمان ظاہر کریں، انہیں یہ برابر ملحوظ رہے کہ وہ سچ مچ مسلمان نہیں بن گئے۔ بلکہ بدستور یہودی ہیں۔ اور سچے دل سے انہی کی بات مان سکتے ہیں جو ان کے دین پر چلتا ہو اور شریعت موسوی کے اتباع کا دعویٰ رکھتا ہو۔ بعض نے وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ کے یہ معنی کئے ہیں کہ ظاہری طور پر جو ایمان لاؤ اور اپنے کو مسلمان بتاؤ، وہ محض ان لوگوں کی وجہ سے جو تمہارے دین پر چلنے والے ہیں۔ یعنی اس تدبیر سے اپنے ہم مذہبوں کی حفاظت مقصود ہونی چاہئے کہ وہ مسلمان نہ بن جائیں یا جو بن چکے ہیں اس تدبیر سے واپس آ جائیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ
کہہ دے کہ بیشک ہدایت وہی ہے جو اللہ ہدایت کرے

یعنی ہدایت تو اللہ کے دیئے سے ملتی ہے جس کے دل میں خدا نے ہدایت کا نور ڈال دیا تمہاری ان پرفریب چالبازیوں سے وہ گمراہ ہونیوالا نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ
اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ اور کسی کو بھی کیوں مل گیا جیسا کچھ تم کو ملا تھا یا وہ
يُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ
غالب کیوں آ گئے تم پر تمہارے رب کے آگے

یہود کا حسد:

یعنی یہ مکاریاں اور تدبیریں محض از راہ حسد اس جلن میں کی جاتی ہیں کہ دوسروں کو اس طرح کی شریعت اور نبوت و رسالت کیوں دی جارہی ہے جیسے پہلے تم کو دی گئی تھی۔ یا مذہبی و دینی جدو جہد میں دوسرے لوگ تم پر غالب آ کر کیوں آگے نکلے جارہے ہیں اور خدا کے آگے تمہیں ملزم گردان رہے ہیں۔ یہود ہمیشہ اس خیال کی اشاعت کرتے رہے تھے کہ دنیا میں تنہا ہماری ہی قوم علم شرعیات کی اجارہ دار ہے۔ تورات ہم پر اتری۔ موسیٰ جیسے اولوالعزم پیغمبر ہم میں آئے۔ پھر عرب کے امیوں کو اس فضل و کمال سے کیا واسطہ؟

تورات کی گواہی:

لیکن تورات سفر استثناء کی عظیم الشان پیشین گوئی غلط نہیں ہوسکتی۔ تھی جس میں بتایا گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ بنی اسرائیل کے بھائیوں بنی اسمٰعیل میں سے ایک موسیٰ جیسا (صاحب شریعت مستقلہ) نبی اٹھائے گا۔ اپنا کلام قرآن کریم اس کے منہ میں ڈالے گا۔ اِنَّاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلَیْكُمْ رَسُوْلًا ۙ۬ شَاهِدًا عَلَیْكُمْ كَمَاۤ اَرْسَلْنَاۤ اِلٰى فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا (مزمل رکوع ۱) چنانچہ نبی اسمٰعیل کو یہ دولت ملی اور وہ علم و فضل حجت و برہان اور مذہبی جدو جہد کے میدان مقابلہ میں نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ دنیا کے تمام اقوام سے گوئے سبقت لے گئے۔ فالحمد للہ علیٰ ذالک۔ (تنبیہ) اس آیت کی تقریر کئی طرح سے کی گئی ہے لیکن ہم نے وہ ہی تقریر اختیار کی جس کی طرف مترجم محقق قدس اللہ روحہ کے الفاظ اشارہ کر رہے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ ۚ یُؤْتِیْهِ مَنْ
تو کہہ بڑائی اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو
یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ۟ۙ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ
چاہے اور اللہ بہت گنجائش والا ہے خبردار خاص کرتا ہے
مَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ۟
اپنی مہربانی جس پر چاہے اور اللہ کا فضل بڑا ہے

فضل و کمال کا مالک اللہ ہے:

یعنی اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں۔ اور اسی کو خبر ہے کہ کس کو کیا بڑائی ملنی چاہئے۔ نبوت، شریعت، ایمان و اسلام اور ہر قسم کی مادی و روحانی فضائل و کمالات کا تقسیم کرنا اسی کے ہاتھ میں ہے۔ جس وقت جسے مناسب جانے عطا کرتا ہے۔ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (انعام رکوع ۱۵) ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ
اور بعضے اہل کتاب میں وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ڈھیر
یُّؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ ۚ وَ مِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ
مال کا تو ادا کردیں تجھ کو اور بعضے اُن میں وہ ہیں کہ اگر تو اُن کے
بِدِیْنَارٍ لَّا یُؤَدِّهٖۤ اِلَیْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَیْهِ
پاس امانت رکھے ایک اشرفی تو ادا نہ کریں تجھ کو مگر جب تک کہ تو رہے
قَآىِٕمًا ؕ
اُس کے سر پر کھڑا

یہودیوں کی دنیوی خیانت:

اہل کتاب کی دینی خیانت و نفاق کے سلسلہ میں دنیوی خیانت کا ذکر آ گیا جس سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ جو لوگ چار پیسہ پر نیت خراب کر لیں اور امانتداری نہ برت سکیں ان سے کیا توقع ہوسکتی ہے کہ دینی معاملات میں امین ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ان میں بہت سے وہ ہیں جن کے پاس زیادہ تو کیا، ایک اشرفی بھی امانت رکھی جائے تو تھوڑی دیر بعد مکر جائیں۔ اور جب تک کوئی تقاضہ کے لئے ہر وقت ان کے سر پر کھڑا نہ رہے اور پیچھا کرنے والا نہ ہو، امانت ادا نہ کریں،

بعض خوش معاملہ لوگ:

بیشک ان میں سب کا حال ایسا نہیں بعض ایسے بھی ہیں جن کے پاس اگر سونے کا ڈھیر رکھ دیا جائے تو ایک رتی خیانت نہ کریں گے۔ لیکن یہ ہی خوش معاملہ اور امین لوگ ہیں جو یہودیت سے بیزار ہو کر اسلام کے حلقہ بگوش بنتے جارہے ہیں۔ مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام وغیرہ رضی اللہ عنہ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَلَیْنَا فِی الْاُمِّیّٖنَ
یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر اُمّی لوگوں
سَبِیْلٌ ۚ
کے حق لینے میں کچھ گناہ

تحریفِ دین: یعنی پرایا حق کھانے کو یہ مسئلہ بنالیا ہے کہ عرب کے

ای جو ہمارے مذہب پر نہیں، ان کا مال جس طرح ملے روا ہے۔ غیر مذہب والوں کی امانت میں خیانت کی جائے تو کچھ گناہ نہیں۔ خصوصاً وہ عرب جو اپنا آبائی دین چھوڑ کر مسلمان بن گئے ہیں۔ خدا نے ان کا مال ہمارے لئے حلال کر دیا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ یعنی امانت واپس نہ کرنے اور خیانت کو حلال سمجھ لینے کا سبب یہ ہے کہ کافر یہودی کہتے ہیں کہ جو اہل کتاب نہیں ہیں ان کے معاملہ میں اللہ کے ہاں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں۔ یہودی کہتے تھے کہ عرب کا مال ہر طرح ہمارے لئے حلال ہے کیونکہ یہ ہمارے مذہب پر نہیں ہیں۔ ہماری کتاب میں ان کے حقوق ہی نہیں ہیں بلکہ یہودی غیر مذہب والوں پر ہر ظلم کو اور ان کی ہر حق تلفی کو حلال جانتے تھے۔

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝٧٥
اور جھوٹ بولتے ہیں اللہ پر اور وہ جانتے ہیں

یہودیوں کی تردید:

یعنی جان بوجھ کر خدا کی طرف جھوٹی بات منسوب کر رہے ہیں۔ امانت میں خیانت کرنے کی خدا نے ہرگز اجازت نہیں دی آج بھی اسلامی فقہ کا مسئلہ یہی ہے کہ مسلم ہو یا کافر کسی کی امانت میں خیانت جائز نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ
کیوں نہیں جو کوئی پورا کرے اپنا قرار اور وہ پرہیزگار رہے تو اللہ کو
يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ۝٧٦
محبت ہے پرہیزگاروں سے

ایفائے عہد:

یعنی خیانت و بدعہدی میں گناہ کیوں نہیں، جبکہ خدا تعالیٰ کا عام قانون یہ ہے کہ جو کوئی خدا کے اور بندوں کے جائز عہد پورے کرے اور خدا سے ڈر کر تقویٰ کی راہ پر چلے یعنی فاسد خیالات مذموم اعمال اور پست اخلاق سے پرہیز کرے، اسی سے خدا محبت کرتا ہے۔ اس میں امانتداری کی خصلت بھی آ گئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

یہودی مباح المال ہیں:

بلٰی یعنی جس طرح یہودی کہتے ہیں ایسا نہیں ہے بلکہ مومنین کے معاملہ میں بھی ان کی گرفت ہوگی یا یہ مطلب ہے کہ کافروں کے مال کے بچاؤ کی صرف دو صورتیں ہیں مسلمان ہو جانا یا مسلمانوں کا ذمی بن جانا (یعنی یہودی الٹا سمجھے ہیں کہ مسلمان کے مال کو اپنے لئے مباح جانتے ہیں حقیقت اسکے برعکس ہے ان کا مال مسلمانوں کے لئے مباح ہے ہر طرح سے لینا جائز ہے بچاؤ کی صرف دو صورتیں ہیں مسلمان ہو جانا یا جزیہ دینا۔ حضرت ابوموسیٰؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے لوگوں سے لڑنے کا اس وقت تک حکم دیا گیا ہے کہ وہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ کا اقرار کر لیں اور ٹھیک ٹھیک نماز پڑھیں اور زکوۃ ادا کریں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کی جانیں اور ان کے مال سوائے اسلامی حقوق کے ہر طرح مجھ سے محفوظ ہو جائیں گے اور (اندرونی) حساب فہمی اللہ کے ذمہ ہے (کہ انہوں نے یہ اقرار توحید و رسالت دل کے یقین کے ساتھ کیا ہے یا نفاق کے ساتھ) سلیمان بن بریدہ نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے ایک طویل حدیث بیان کی ہے جس میں یہ حکم بھی مذکور ہے کہ اگر وہ یعنی کفار اسلام سے انکار کریں تو ان سے جزیہ طلب کرنا۔ اگر دیدیں تو لے لینا اور جنگ کو ان سے روک دینا۔ متفق علیہ۔

منافقت کی علامت:

بخاری و مسلم میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کی روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار خصلتیں ہیں جس کے اندر یہ چاروں ہوں گی وہ خالص عملی منافق ہوگا اور جسکے اندر ان میں سے کوئی ایک ہوگی وہ تاوقتیکہ اس کو ترک نہ کر دے نفاق کی ایک خصلت اس میں رہے گی۔ جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو خیانت کرے۔ بات کرے تو جھوٹی کرے۔ وعدہ کرے تو خلاف ورزی کرے۔ کسی سے جھگڑا ہو تو بیہودہ بکے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ
جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے قرار پر اور اپنی قسموں پر
ثَمَنًا قَلِيْلًا
تھوڑا سا مول

بد دیانتوں کا انجام:

یعنی جو لوگ دنیا کی متاع قلیل لے کر خدا کے عہد اور آپس کی قسموں کو توڑ ڈالتے ہیں، نہ باہمی معاملات درست رکھتے ہیں، نہ خدا سے جو قول و اقرار کیا تھا اس پر قائم رہتے ہیں۔ بلکہ مال و جاہ کی حرص میں احکام شرعیہ کو

بدلتے اور کتب سماویہ میں تحریف کرتے رہتے ہیں ان کا انجام آگے مذکور ہے۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یہ یہود میں صفت تھی کہ اللہ نے ان سے اقرار لیا تھا اور قسمیں دی تھیں کہ ہر نبی کے مددگار رہیو۔ پھر غرض دنیا کے واسطے پھر گئے اور جو کوئی جھوٹی قسم کھائے دنیا لینے کے واسطے اس کا یہ ہی حال ہے۔" ﴿تفسیر عثمانی﴾

سببِ نزول:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَیْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِیْلًا صحیحین میں ابو وائلؒ کی وساطت سے حضرت عبداللہ کی روایت منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان کا مال مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائے گا تو اللہ کے سامنے اس کی پیشی ایسی حالت میں ہوگی کہ اللہ اس پر غضب ناک ہوگا۔ اس کی تصدیق میں آیت مذکورہ آخر تک نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہؓ یہ حدیث بیان کر چکے تو حضرت اشعثؓ بن قیس باہر سے اندر آئے اور پوچھا ابو عبدالرحمٰنؓ نے تم سے کیا حدیث بیان کی تھی تو لوگوں نے بتا دیا کہ یہ بیان کر رہے تھے حضرت اشعثؓ نے کہا یہ آیت میرے متعلق نازل ہوئی تھی بات یہ ہوئی کہ میرا ایک کنواں میرے چچا کے بیٹے کی زمین میں تھا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر گذارش کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گواہ پیش کرو۔ ورنہ اس کی قسم کو مانو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ تو اس پر قسم کھا لے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے مسلمان آدمی کا مال مارنے کے لئے جھوٹی قسم کھائی اور (دانستہ) قسم میں جھوٹا ہو تو قیامت کے دن جب اللہ کی پیشی میں جائے گا تو اللہ اس پر غضبناک ہوگا۔

ابن جریر نے عکرمہ کا قول نقل کیا ہے کہ آیت کا نزول کعب بن اشرف حی بن اخطب اور ان جیسے دوسرے یہودیوں کے حق میں ہوا جو توریت میں نازل شدہ اوصاف محمدیؐ کو چھپاتے بدلتے اور ان کی جگہ دوسری دوسری چیزیں درج کیا کرتے تھے اور قسم کھا کر کہتے تھے کہ یہ اللہ کی طرف سے نازل شدہ ہیں اس میں تبدیل و تحریف سے ان کی غرض یہ تھی کہ ان کو کھانے کو ملتا رہے اور جو رشوتیں وہ اپنے متبعین سے لیتے رہتے تھے ان میں فرق نہ آئے۔

ایک اور روایت میں آیا ہے کہ کندی کا نام امرء القیس بن عابس اور اس کے حریف کا نام ربیعہ بن عبدان تھا۔ ابوداؤد کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کوئی قسم کھا کر (کسی کا) کوئی مال مارے گا وہ اللہ کی پیشی کے وقت کوڑھی ہوگا۔ یہ سن کر کندی نے عرض کیا یہ زمین اسی کی ہے۔ بغوی کی ایک روایت میں آیا ہے کہ جب کندی نے قسم کھانے کا ارادہ کیا تو یہ آیت نازل ہوئی اس پر امراء القیس (یعنی کندی) نے قسم کھانے سے انکار کر دیا اور اپنے حریف کے حق کا اقرار کر لیا اور زمین اس کو دیدی۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ وَلَا
ان کا کچھ حصہ نہیں آخرت میں اور نہ بات کریگا اُن سے اللہ اور نہ
یُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا یَنْظُرُ اِلَیْهِمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ
نگاہ کرے گا اُن کی طرف قیامت کے دن
وَلَا یُزَكِّیْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿۷۷﴾
اور نہ پاک کریگا اُن کو اور اُنکے واسطے عذاب ہے دردناک

اس قسم کی آیت سورۂ بقرہ کے اکیسویں رکوع میں گذر چکی، وہاں کے فوائد میں الفاظ کی تشریح دیکھ لی جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِی الْاٰخِرَةِ ان لوگوں کا راحت آخرت میں کوئی حصہ نہ ہوگا۔

حقوق العباد کی اہمیت:

حضرت ابوامامہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے قسم کھا کر کسی مسلمان شخص کا حق مارا اللہ نے اس کے لئے دوزخ لازم کر دی اور جنت اس پر حرام کر دی۔ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چہ تھوڑی سی چیز ہو فرمایا اگر چہ درخت پیلو کی ایک ٹہنی ہو۔ رواہ مسلم ایک روایت میں آیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آخری لفظ تین مرتبہ فرمایا۔

حضرت عائشہؓ کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال ناموں کی تین مدیں ہیں ایک مد وہ ہے جس کی پرواہ (سختی کے ساتھ) اللہ نہیں کرے گا۔ دوسری مد وہ ہے جس میں سے کوئی چیز (بغیر عوض کے) نہیں چھوڑے گا تیسری مد وہ ہے جس کو معاف نہیں فرمائے گا۔ جس مد کو معاف نہیں فرمائے گا وہ تو شرک ہے اور جس مد کی کوئی خاص پرواہ نہیں کرے گا وہ خود انسان کا اپنی ذات پر ظلم ہے یعنی وہ حقوق جو براہ راست خدا کے انسان پر ہیں ان کو ادا نہ کرنا (جیسے) کوئی روزہ ترک کر دیا یا کوئی نماز چھوڑ دی اور وہ مد جس (کے اندراجات) میں سے کوئی چیز (بغیر

بدلہ کے) نہیں چھوڑے گا وہ بندوں کی باہم حق تلفیاں ہیں اس میں لامحالہ بدلہ دینا ہوگا۔ رواہ الحاکم واحمد۔

تین آدمی جن کی طرف اللہ نہیں دیکھے گا:

حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین ہیں جن سے قیامت کے دن اللہ کلام نہیں کرے گا اور نہ ہی ان کی طرف نظر فرمائے گا۔ اور نہ ان کو پاک کرے گا اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تین بار تلاوت فرمائی۔ حضرت ابوذرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ناکام اور نامراد ہونگے مگر ہیں کون لوگ؟ فرمایا (غرور سے) تہبند نیچی لٹکانیوالا) یعنی ٹخنوں سے نیچے) اور وہ احسان جتلانے والا کہ جب کچھ دیتا ہے تو اس کا احسان ضرور جتلاتا ہے اور جھوٹی قسم کھا کر اپنے مال کی فروخت کو فروغ دینے والا۔ رواہ مسلم واحمد وابوداؤد والترمذی والنسائی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین ہیں جن سے اللہ قیامت کے دن کلام نہیں کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ ان کو پاک کرے گا اور انہی کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ایک وہ شخص جس کے پاس بیابان میں ضرورت سے زائد پانی ہو اور وہ دوسرے مسافر کو نہ دے ایک وہ شخص جس نے عصر کے بعد (جب کہ بازار میں رونق ہوتی ہے) کچھ سامان تجارت کا فروخت کرنا چاہا اور اللہ کی قسم کھا کر کہا کہ میں نے یہ اتنے کو خریدا ہے حالانکہ بیان کردہ قیمت پر اس نے نہیں خریدا تھا اور لوگوں نے اس کی بات کو سچ مان لی۔ اور ایک وہ آدمی جس نے امام کی بیعت کی اور صرف دنیا کے لئے کی اگر امام نے کچھ دنیا اسے دے دی تو وفادار رہا اور نہ دی تو اس نے بیعت کی وفا نہ کی (یعنی غداری کی)۔ رواہ اصحاب الستہ واحمد۔

طبرانی اور بیہقی نے تین آدمیوں کی تفصیل حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کی روایت سے اس طرح نقل کی ہے کہ ایک بوڑھا زانی دوسرا شیخی خورا مفلس تیسرا وہ شخص جس نے اپنا سرمایہ ہی اس بات کو بنا رکھا ہے کہ کچھ بیچے گا تو قسم کھا کر اور خریدے گا تو قسم کھا کر۔ طبرانی نے حضرت عصمہ بن مالک کی روایت سے بھی ایسی ہی مرفوع حدیث نقل کی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

حضرت مالک بن دینارؒ کا قول مروی ہے کہ دینار کو اس لئے دینار کہتے ہیں کہ وہ دین یعنی ایمان بھی ہے اور نار یعنی آگ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ حق کے ساتھ لو تو دین، ناحق لو تو نار یعنی آتش دوزخ۔

دیانتدار کا واقعہ:

اس موقعہ پر اس حدیث کا بیان کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے۔ جو صحیح بخاری شریف میں کئی جگہ ہے اور کتاب الکفالۃ میں بہت پوری ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل میں ایک شخص تھا جس نے کسی اور شخص سے ایک ہزار دینار قرض مانگے اس نے کہا گواہ لاؤ کہا خدا تعالیٰ کی گواہی کافی ہے۔ اس نے کہا ضامن لاؤ، اس نے کہا میں ضمانت بھی خدا تعالیٰ ہی کی دیتا ہوں وہ اس پر راضی ہو گیا اور وقت ادائیگی مقرر کر کے رقم دی۔ وہ اپنے تری کے سفر میں نکل گیا، جب کام کاج سے نبٹ گیا تو دریا کے کنارے کسی جہاز کا انتظار کرنے لگا تاکہ جا کر اس کا قرض ادا کر دے لیکن سواری نہ ملی تو اس نے ایک لکڑی لی اور اسے بیچ میں سے کھوکھلا کر کے اس میں ایک ہزار دینار رکھ دیئے اور ایک خط بھی اس کے نام رکھ دیا پھر منہ بند کر کے اسے دریا میں ڈال دیا، اور کہا خدایا! تو بخوبی جانتا ہے کہ میں نے فلاں شخص سے ایک ہزار دینار قرض لئے تیری شہادت پر اور تیری ضمانت پر اور اسنے بھی اس پر خوش ہو کر دے دیئے، اب میں نے ہر چند کشتی ڈھونڈی کہ جا کر اس کا حق مدت کے اندر ہی اندر دیدوں لیکن نہ ملی پس اب عاجز آ کر تجھ پر بھروسہ کر کے میں اسے دریا میں ڈال دیتا ہوں تو اسے اس تک پہنچا دے۔ یہ دعا کر کے لکڑی کو سمندر میں ڈال کر چل دیا۔ لکڑی پانی میں ڈوب گئی یہ پھر بھی تلاش میں رہا کہ کوئی سواری ملے تو جائے اور اس کا حق ادا کر آئے۔ ادھر یہ قرض خواہ شخص دریا کے کنارے آیا کہ شاید وہ کسی کشتی میں اس کی رقم لے کر آ رہا ہو جب دیکھا کہ کشتی کوئی نہیں آئی اور جانے لگا تو ایک لکڑی کنارے پر پڑی ہوئی تھی یہ سمجھ کر لے لی کہ جلانے کے کام آئے گی۔ گھر جا کر اسے چیرا تو مال اور خط نکل پڑا۔ پھر قرض لینے والا شخص آیا اور کہا خدا تعالیٰ جانتا ہے کہ میں نے ہر چند کوشش کی کہ سواری ملے تو آپ کے پاس آؤں اور مدت گزرنے سے پہلے ہی آپ کا قرض ادا کر دوں لیکن کوئی سواری نہ ملی اس لئے دیر لگ گئی۔ اس نے کہا تو نے جو رقم بھیج دی تھی وہ خدا تعالیٰ نے مجھے پہنچا دی ہے تو اب اپنی یہ رقم واپس لے جا اور راضی خوشی لوٹ جا۔

صحابہ کرام ﷺ کی پرہیز گاری:

حضرت ابن عباسؓ سے لوگ مسئلہ پوچھتے ہیں کہ ذمی کفار کی مرغی بکری وغیرہ کبھی غزوے کی حالت میں ہمیں مل جاتی ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس کے لینے میں کوئی حرج نہیں، تو آپ نے فرمایا ٹھیک یہی اہل کتاب بھی کہتے تھے کہ امیوں کے مال کے لے لینے میں ہم پر کوئی حرج نہیں، سنو جب وہ جزیہ ادا کر رہے ہیں تو ان کا کوئی مال تم پر حلال نہیں ہاں وہ اپنے خوشی سے دیدیں تو اور بات ہے (عبدالرزاق)۔ سعید بن جبیرؒ فرماتے ہیں کہ جب اہل کتاب سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو فرمایا

دشمنان خدا جھوٹے ہیں، جاہلیت کی تمام باتیں میرے قدموں تلے مٹ گئیں مگر امانت کہ وہ ہر فاسق وفاجر کی بھی ادا کرنی پڑے گی۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ
اور اُن میں ایک فریق ہے کہ زبان مروڑ کر پڑھتے ہیں کتاب
لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ
تا کہ تم جانو کہ وہ کتاب میں ہے اور وہ نہیں کتاب میں
وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ
اور کہتے ہیں وہ اللہ کا کہا ہے اور وہ
مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
نہیں اللہ کا کہا

یہود کی جعلسازی:

یہ اہل کتاب کی تحریف کا حال بیان فرمایا یعنی آسمانی کتاب میں کچھ چیزیں اپنی طرف سے بڑھا گھٹا کر ایسے انداز ولہجہ میں پڑھتے ہیں کہ ناواقف سننے والا دھوکہ میں آجائے۔ اور یہ سمجھے کہ یہ بھی آسمانی کتاب کی عبارت ہے یہ ہی نہیں بلکہ زبان سے دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ یہ سب اللہ کے پاس سے آیا ہوا ہے حالانکہ نہ وہ مضمون کتاب میں موجود ہے اور نہ خدا کے پاس سے آیا ہے بلکہ خود اس تحریف شدہ کتاب کو بھی بہیأت مجموعی خدا کی کتاب نہیں کہہ سکتے۔ کیونکہ اس میں طرح طرح کے تصرفات اور جعلسازیاں کی گئی ہیں، آج بائبل کے جو نسخے دنیا میں موجود ہیں انمیں باہم شدید اختلاف پایا جاتا ہے اور بعض ایسے مضامین درج ہیں جو قطعاً خدا کی طرف سے نہیں ہوسکتے۔ اس کی کچھ تفصیل روح المعانی'' میں موجود ہے۔ اور اثبات تحریف پر ہمارے علماء نے مبسوط بحثیں کی ہیں۔ جزاہم اللہ احسن الجزاء۔ (تفسیر عثمانیؒ)

وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ				
اور	اللہ	پر	جھوٹ	بولتے ہیں
يَعْلَمُوْنَ ﴿٧٨﴾ مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ				
جان کر	کسی بشر	کا کام	نہیں	کہ اللہ

الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ
اُس کو دیوے کتاب اور حکمت اور پیغمبر کرے پھر وہ کہے لوگوں کو
كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر

سببِ نزول:

وفد نجران کی موجودگی میں بعض یہود ونصاریٰ نے کہا تھا کہ اے محمدؐ! کیا تم یہ چاہتے ہو کہ ہم تمہاری اسی طرح پرستش کرنے لگیں، جیسے نصاریٰ عیسیٰ ابن مریمؑ کو پوجتے ہیں۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں۔ یا دوسروں کو اس کی دعوت دیں۔ حق تعالیٰ نے ہم کو اس کام کے لئے نہیں بھیجا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

پیغمبر کا کام:

یعنی جس بشر کو حق تعالیٰ کتاب وحکمت اور قوت فیصلہ دیتا ہے اور پیغمبری کے منصب جلیل پر فائز کرتا ہے کہ وہ ٹھیک ٹھیک پیغام الٰہی پہنچا کر لوگوں کو اس کی بندگی اور وفاداری کی طرف متوجہ کرے، اس کا یہ کام کبھی نہیں ہوسکتا کہ ان کو خالص ایک خدا کی بندگی سے ہٹا کر خود اپنا یا کسی دوسری مخلوق کا بندہ بنانے لگے۔ اس کے تو یہ معنی ہونگے کہ خدا وندقدوس نے جس منصب کا اہل جان کر بھیجا تھا، فی الواقع وہ اس کا اہل نہ تھا، دنیا کی کوئی گورنمنٹ بھی اگر کسی شخص کو ایک ذمہ داری کے عہدہ پر مأمور کرتی ہے تو پہلے دو باتیں سوچ لیتی ہے (۱) یہ شخص گورنمنٹ کی پالیسی کو سمجھنے اور اپنے فرائض کو انجام دینے کی لیاقت رکھتا ہے یا نہیں (۲) گورنمنٹ کے احکام کی تکمیل کرنے اور رعایا کو جادۂ وفاداری پر قائم رکھنے کی کہاں تک اس سے توقع کی جاسکتی ہے؟ کوئی بادشاہ یا پارلیمنٹ ایسے آدمی کو نائب السلطنت یا سفیر مقرر نہیں کرسکتی۔ جس کی نسبت حکومت کے خلاف بغاوت پھیلانے یا اسکی پالیسی اور احکام سے انحراف کرنے کا ادنیٰ شبہ ہو، بیشک یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کی قابلیت یا جذبہ وفاداری کا اندازہ حکومت صحیح طور پر نہ کرسکی ہو۔ لیکن خداوندقدوس کے یہاں یہ بھی احتمال نہیں، اگر کسی فرد کی نسبت اس کو علم ہے کہ یہ میری وفاداری اور اطاعت شعاری سے بال برابر تجاوز نہ کرے گا تو محال ہے کہ وہ آگے چل کر اس کے خلاف ثابت ہوسکے۔ ورنہ علم الٰہی کا غلط ہونا لازم آتا ہے۔ العیاذ باللہ

یہیں سے عصمت انبیاء علیہم السلام کا مسئلہ سمجھ میں آ جاتا ہے کما نبه علیه ابو حیان فی البحر و فصله مولانا قاسم العلوم والخیرات فی تصانیفه پھر جب انبیاء علیہم السلام ادنیٰ عصیان سے پاک ہیں تو شرک اور خدا کے مقابلہ میں بغاوت کرنے کا امکان کہاں باقی رہ سکتا ہے۔ اس میں نصاریٰ کے اس دعوے کا بھی رد ہو گیا جو کہتے تھے کہ ابنیت والوہیت مسیح کا عقیدہ ہم کو خود مسیح علیہ السلام نے تعلیم فرمایا ہے اور ان مسلمانوں کو بھی نصیحت کر دی گئی جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا تھا کہ ہم سلام کی بجائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا کریں تو کیا حرج ہے اور اہل کتاب پر بھی تعریض ہو گئی جنہوں نے اپنے احبار و رہبان کو خدائی کا درجہ دے رکھا تھا۔ (العیاذ باللہ)

تنبیہ: مَاكَانَ لِبَشَرٍ الخ۔ میں ابوحیان کے نزدیک اسی طرح کی نفی کی جیسے مَاكَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا میں یا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ میں۔ وھو اصوب عندی۔ (تفسیر عثانی)

وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ
لیکن یوں کہے کہ تم اللہ والے ہو جاؤ جیسے کہ تم سکھلاتے تھے
الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ
کتاب اور جیسے کہ تم آپ بھی پڑھتے تھے اُسے

اہل کتاب کو دعوت:

موضح القرآن میں ہے "جس کو اللہ نبی بنائے اور وہ لوگوں کو کفر و شرک سے نکال کر مسلمانی میں لائے پھر کیونکر ان کو کفر سکھلائے گا۔ ہاں تم کو (اے اہل کتاب!) یہ کہتا ہے کہ تم میں جو آگے دینداری تھی۔ کتاب کا پڑھنا اور سکھانا وہ نہیں رہی۔ اب میری صحبت میں پھر وہی کمال حاصل کرو۔ اور عالم حکیم فقیہ، عارف، مدبر، متقی اور پکے خدا پرست بن جاؤ۔ اور یہ بات اب قرآن کریم پڑھنے پڑھانے اور سیکھنے سکھانے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ (تفسیر عثانی)

وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ
اور نہ یہ کہے تم کو کہ ٹھہرا لو فرشتوں کو اور
اَرْبَابًا
نبیوں کو رب

کوئی خدائی میں شریک نہیں:

جیسے نصاریٰ نے مسیح روح القدس کو بعض یہود نے عزیر کو اور بعض مشرکین نے فرشتوں کو ٹھہرا لیا تھا جب فرشتے اور پیغمبر خدائی میں شریک نہیں ہو سکتے تھے تو پتھر کے بت اور صلیب کی لکڑی تو کس شمار میں ہے۔ (تفسیر عثانی)

اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ
کیا تم کو کفر سکھائے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو

نبی شرک نہیں سکھاتا:

یعنی پہلے تو ربانی (اللہ والا) اور مسلم موحد بنانے میں کوشش کی، جب لوگوں نے قبول کر لیا تو کیا پھر انہیں شرک و کفر کی طرف لے جا کر اپنی ساری محنت اور کمائی اپنے ہاتھ سے برباد کر دے گا؟ یہ بات سمجھ میں نہیں آ سکتی۔ (تفسیر عثانی)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ
اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے
مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ
تم کو دیا کتاب اور علم پھر آوے تمہارے پاس کوئی رسول کہ
مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ
سچا بتاوے تمہارے پاس والی کتاب کو تو اُس رسول پر ایمان لاؤ گے
قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ
اور اُس کی مدد کرو گے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس شرط پر
اِصْرِيْ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا
میرا عہد قبول کیا بولے ہم نے اقرار کیا

انبیاء کا حق:

یعنی کوئی نبی اپنی بندگی کی تعلیم نہیں دے سکتا بندگی صرف ایک خدا کی سکھائی جاتی ہے البتہ انبیاء کا حق یہ ہے کہ لوگ ان پر ایمان لائیں اان کا کہا مانیں اور ہر قسم کی مدد کریں عام لوگوں کا تو کیا ذکر ہے حق تعالیٰ نے خود پیغمبروں سے بھی یہ پختہ عہد لے چھوڑا ہے کہ جب تم میں سے کسی نبی کے

بعد دوسرا نبی آئے (جو یقیناً پہلے انبیاء اور ان کی کتابوں کی اجمالاً تفصیلاً تصدیق کرتا ہوا آئے گا) تو ضروری ہے کہ پہلا نبی پچھلے کی صداقت پر ایمان لائے اور اس کی مدد کرے اگر اس کا زمانہ پائے تو بذات خود بھی اور نہ پائے تو اپنی امت کو پوری طرح ہدایت و تاکید کر جائے کہ بعد میں آنیوالے پیغمبر پر ایمان لا کر اس کی اعانت و نصرت کرنا، کہ یہ وصیت کر جانا بھی اس کی مدد کرنے میں داخل ہے۔

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان کا عہد:

اس عام قاعدہ سے روز روشن کی طرح ظاہر ہے کہ خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلعم پر ایمان لانے اور ان کی مدد کرنے کا عہد بلا استثناء تمام انبیائے سابقین سے لیا گیا ہوگا اور انھوں نے اپنی اپنی امتوں سے یہی قول وقرار لئے ہوں گے کیونکہ ایک آپ ہی کی مخزن الکمالات ہستی تھی جو عالم غیب میں سب سے پہلے اور عالم شہادت میں سب انبیاء کے بعد جلوہ افروز ہونیوالی تھی اور جس کے بعد کوئی نبی آنے والا نہ تھا اور آپ ہی کا وجود باجود تمام انبیائے سابقین اور کتب سماویہ کی حقانیت پر مہر تصدیق ثبت کرنے والا تھا چنانچہ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ وغیرہ سے منقول ہے کہ اس قسم کا عہد انبیاء سے لیا گیا اور خود آپ نے ارشاد فرمایا کہ اگر آج موسیٰ زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بدون چارہ نہ ہوتا اور فرمایا کہ عیسیٰ جب نازل ہوں گے تو کتاب اللہ (قرآن مجید) اور تمہارے نبی کی سنت پر فیصلے کریں گے محشر میں شفاعت کبریٰ کے لئے پیش قدمی کرنا اور تمام بنی آدم کا آپ کے جھنڈے تلے جمع ہونا اور شب معراج میں بیت المقدس کے اندر تمام انبیاء کی امامت کرانا حضورؐ کی اسی سیادت عامہ اور امامت عظمیٰ کے آثار میں سے ہے اللھم صلی علی سیدنا محمد و علی آل سیدنا محمد و بارک وسلم. (تفسیر عثمانی)

لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ آدمؑ اور آدمؑ کے بعد ہر نبی سے اللہ نے وعدہ لے لیا تھا کہ تم اور تمہاری امت محمد کی تصدیق کرنا اور اگر تمہاری زندگی میں محمد کی بعثت ہو جائے تو تم سب ان کی مدد کرنا (گویا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عام پیغمبر مراد ہیں اور حضرت علیؓ کی تشریح پر صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارک مراد ہے)۔

اسرار ورموز:

بعض علماء نے لکھا ہے کہ میثاق النبیین سے میثاق اہل کتاب مراد ہے یعنی بنی اسرائیل سے اللہ نے عہد لے لیا تھا اس صورت میں یا مضاف محذوف جانا جائے گا یعنی میثاق اولاد النبیین یا بطور استہزا میثاق اہل کتاب کو میثاق انبیاء فرمایا کیونکہ اہل کتاب کا خیال تھا کہ ہم اہل کتاب ہیں ہم محمدؐ سے زیادہ نبوت کے مستحق ہیں بعض لوگ کہتے ہیں کہ میثاق کی اضافت فاعل کی طرف ہے انبیاء نے اپنی امتوں سے عہد لیا تھا۔ اس توجیہ کی تائید حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ کی قرآت سے ہوتی ہے ان دونوں حضرات کی قرآت میں مِیْثَاقَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ ہے۔ (النبیین نہیں ہے)

مگر صحیح مطلب وہی ہے جو سب سے پہلے بیان کر دیا گیا وہی متواتر قرآت کے موافق ہے پس اللہ نے حضرت موسیٰ سے عہد لیا تھا کہ تم خود عیسیٰ کی تصدیق کرو اور اپنی امت کو بھی حکم کرو کہ وہ عیسیٰ پر ایمان لائے اور حضرت عیسیٰ سے بھی عہد لیا تھا کہ تم خود محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرو اور اپنی امت کو بھی حکم دو کہ وہ بھی ان پر ایمان لائیں اور ان کی مدد کریں اسی لئے تو حضرت عیسیٰ نے کہا تھا۔ یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ مُّصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَمُبَشِّرًا بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ (پھر قرآت ابن مسعود اور قرآت متواترہ میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ لیڈر کا عہد اس کے متبعین کا عہد ہوتا ہے (جب انبیاء سے عہد لیا تو بس ان کی امتوں سے بھی لے لیا)۔

لَمَآ اٰتَیْتُكُمْ : حمزہ کی قرآت میں لام جارہ مکسورہ ہے اور ما مصدریہ یا موصولہ متواتر قرآت فتح لام کے ساتھ ہے لام تمہید قسم کے لئے ہے کیونکہ میثاق لینے کا معنی ہی قسم لینا ہے اس صورت میں ما یا شرطیہ اور لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ جواب قسم بھی ہے اور جزاء شرط بھی اس وقت مطلب اس طرح ہوگا کہ اللہ نے پیغمبروں سے قسم لے لی تھی کہ اگر میں تم کو کتاب عطا کروں پھر اس کتاب کی تصدیق کرنے والا رسول تمہارے سامنے آ جائے تو تم اس کی تصدیق کرنا یا ما موصولہ ہے اور من کتاب اس کا صلہ ہے اور مِنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ :حکمت سے مراد ہے سنت یا دین کی سمجھ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ مامعکم سے مراد ہے کتاب بعض علماء کے نزدیک رسول سے مراد ہے صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کیونکہ تمام انسانوں کے لئے آپ ہی کی بعث ہوئی تھی حضرت ابن عمر کے قول سے یہی مطلب اخذ کیا گیا اور حضرت علیؓ کے کلام میں تو اس کی صراحت ہے۔ میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ لفظ عام ہے تعین کی کوئی دلیل نہیں ہے گذشتہ امتیں ہوں یا آنے والی سب کے لئے تمام انبیاء پر ایمان لانا واجب ہے اور لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ کہنا لازم ہے (دین کی وحدت اور عدم تفرق کے متعلق) اللہ نے فرمایا: شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ وَمَا وَصَّیْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِیْمَ وَمُوْسٰى وَعِیْسٰٓى اَنْ اَقِیْمُوا الدِّیْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِیْهِ

حضرت علیؓ اور حضرت ابن عمرؓ کے قول میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے خصوصیات صرف اہل کتاب کو قائل کرنے کے لئے ہے کیونکہ اہل کتاب سے کلام صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق تھا کسی دوسرے پیغمبر کے متعلق نہ تھا لیکن ان خصوصیات کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ اس جگہ کوئی دوسرا پیغمبر مراد ہی نہیں ہے یہ بھی ممکن ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق خاص طور پر اخذ میثاق آپ کی فضیلت کے اظہار کے لئے ہو مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ کے لفظ میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس رسول کی تکذیب سے اہل کتاب سابق کی تکذیب لازم آتی ہے۔

لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ: تم ضرور اس رسول کی تصدیق کرنا۔

وَلَتَنْصُرُنَّهٗ: اور اگر تم کو اس کا زمانہ مل جائے تو خود اس کی مدد کرنا اور اگر وہ تمہارے زمانہ میں نہ آئے تو اپنے متبعین کو نصیحت کر دینا کہ جو اس کے زمانہ میں ہو مدد کرے۔

بغوی نے لکھا ہے کہ اللہ نے آدمؑ کی پشت سے (تمام) ذریات کو برآمد کیا جن میں انبیاء چراغوں کی طرح (روشن) تھے اور سب سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے بارہ میں میثاق لیا۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ: سے پہلے اگر لفظ اِذ کو محذوف قرار دیا جائے تو پورا جملہ اَخَذَ اللّٰهُ اس کا مفعول ہوگا ورنہ قال کا مفعول ہوگا یا قال علیحدہ جملہ ہے جس میں میثاق لینے کی تفصیل ظاہر کی گئی ہے۔

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ اللہ نے فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کر لیا اور اپنے اس اقرار پر میرا عہد لے لیا یہ استفہام (سوالیہ نہیں بلکہ) تقریری ہے (اقرار پر جمانے کے لئے ہے)۔

قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا: انبیاء نے یا انبیاء اور ان کی امتوں نے بروز میثاق کہا ہم نے اقرار کیا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ
فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ
الشّٰهِدِیْنَ ﴿۸۱﴾
گواہ ہوں

الفاظ محض عہد کی تاکید واہتمام کے لئے فرمائے کیونکہ جس عہد نامہ پر خدا تعالیٰ اور پیغمبروں کی گواہی ہو اس سے زیادہ پکی دستاویز کہاں ہو سکتی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قَالَ فَاشْهَدُوْا اللہ نے پیغمبروں سے فرمایا تم اپنے اور اپنے متبعین کے اس اقرار کی قیامت کے دن شہادت دینا۔

وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِیْنَ: اور میں بھی تمہارے اور ان کے اقرار پر تمہارے ساتھ شہادت دوں گا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ
پھر جو کوئی پھر جاوے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں
الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾
نافرمان

عہد کے بعد منکر ہونا:

جس چیز کا عہد خدا نے تمام انبیاء سے لیا اور انبیاء نے اپنی اپنی امتوں سے اب اگر دنیا میں کوئی شخص اس سے روگردانی کرے تو بلاشبہ پرلے درجہ کا بدعہد اور نافرمان ہوگا۔ بائبل، اعمال رسل، باب ۳، آیت ۲۱ میں ہے ''ضرور ہے کہ آسمان اسے لئے رہے اس وقت تک کہ سب چیزیں جن کا ذکر خدا نے اپنے سب پاک نبیوں کی زبانی شروع سے کیا اپنی حالت پر آویں کیونکہ موسیٰ نے باپ دادوں سے کہا کہ خداوند جو تمہارا خدا ہے تمہارے بھائیوں میں سے تمہارے لئے ایک نبی میری مانند اٹھائے گا جو کچھ وہ تمہیں کہے اس کی سب سنو'' ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَمَنْ تَوَلّٰی بَعْدَ ذٰلِكَ: اب اس اقرار کے بعد جس نے پیغمبروں کے اتباع سے اپنا رخ پھیرا یہ رخ پھیرنے والے یہود اور نصاریٰ ہیں۔

فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ پس وہی ایمان سے خارج یعنی کافر ہیں یہ آیت صراحۃً بتا رہی ہے کہ انبیاء اور ان کی امتوں سے سب سے عہد لیا گیا تھا مگر پیشواؤں کے ذکر کے بعد متبعین کے ذکر کی ضرورت نہ تھی اس لئے پیشواؤں ہی کے ذکر پر اکتفا کیا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰهِ یَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ
اب کوئی اور دین ڈھونڈھتے ہیں سوا دین اللہ کے اور اُسی کے حکم میں ہے
فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا
جو کوئی آسمان اور زمین میں ہے خوشی سے یا لاچاری سے

عالم کا ذرہ ذرہ تابع فرمان ہے:

یعنی ہمیشہ سے خدا کا دین اسلام رہا ہے جس کے معنی ہیں حکم برداری

مطلب یہ ہے کہ جس وقت حق تعالیٰ کا جو حکم کسی راستباز اور صادق القول پیغمبر کے توسط سے پہنچے اس کے سامنے گردن جھکا دو پس آج جو احکام وہدایات سید المرسلین خاتم الانبیاء لے کر آئے وہ ہی خدا کا دین ہے کیا اسے چھوڑ کر نجات وفلاح کا کوئی اور راستہ ڈھونڈتے ہیں؟ خوب سمجھ لیں کہ خدا کا دین چھوڑ کر کہیں ابدی نجات اور حقیقی کامیابی نہیں مل سکتی۔ آدمی کو سزاوار نہیں کہ اپنی خوشی اور شوق ورغبت سے اس خدا کی حکمرداری اختیار نہ کرے جس کے حکم تکوینی کے نیچے تمام آسمان وزمین کی چیزیں ہیں خواہ وہ حکم تکوینی ان کے ارادہ اور خوشی کے توسط سے ہو جیسے فرشتے اور فرمانبردار بندوں کی اطاعت میں، یا مجبوری اور لاچاری سے، جیسے عالم کا ذرہ ذرہ ان آثار وحوادث میں جن کا وقوع وظہور بدون مخلوق کی مشیت وارادہ کے ہوتا ہے حق تعالیٰ کی مشیت وارادہ کا تابع ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

شانِ نزول:

بغوی نے لکھا ہے کہ یہود ونصاریٰ میں ہر فریق نے دین ابراہیمی پر ہونے کا دعویٰ کیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں یہ جھگڑا لے کر حاضر ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دونوں فریق دین ابراہیم سے علیحدہ ہیں اس فیصلہ سے دونوں ناراض ہو گئے اور کہنے لگے ہم آپ کے فیصلہ کو نہیں مانتے اور نہ آپ کے مذہب کو پسند کرتے ہیں اس پر یہ آیت مذکورہ نازل ہوئی۔

مجبوراً مطیع ہونا:

وکرھا اور مجبوراً بھی مطیع ہیں۔ خواہ اسلام کی قوت کی وجہ سے یا ایسے اسباب کا معائنہ کرنے کی وجہ سے جو اسلام پر مجبور کرتے ہیں جیسے (بنی اسرائیل کے سروں پر) پہاڑ کو اکھاڑ کر معلق کیا گیا یا آل فرعون کو غرق کیا گیا تھا یا موت کا پھندہ گلے میں پڑنے لگتا ہے تو منکر بھی اسلام پر مجبور ہو جاتا ہے یہ صورت تو اوامر تکلیفیہ میں ہوتی ہے اور اوامر تکوینیہ میں تو کوئی اختیار ہوتا ہی نہیں ہے نیچرل تسخیر سب کو محیط ہے اور سب مسخر ہیں (بہرحال مؤمن وکافر سب چاروناچار اللہ کے فرمانبردار ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾
اور اُسی کی طرف سب پھر جاوینگے

سب کو آخر کار جب وہیں لوٹ کر جانا ہے تو عقلمند کو چاہئے کہ پہلے سے تیاری کر رکھے۔ یہاں نافرمانیاں کیں تو وہاں کیا منہ دکھلائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ مَاۤ
تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اُترا ہم پر اور جو کچھ
اُنْزِلَ عَلٰۤى اِبْرٰهِيْمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ
اُترا ابراہیم پر اور اسمٰعیل پر اور اسحٰق پر
وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَاۤ اُوْتِيَ مُوْسٰى
اور یعقوب پر اور اُس کی اولاد پر اور جو ملا موسیٰ کو
وَ عِيْسٰى وَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ
اور عیسیٰ کو اور جو ملا سب نبیوں کو اُنکے پروردگار کی طرف سے ہم
بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾
جدا نہیں کرتے اُن میں کسی کو اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں

اسلام کی حقیقت:

یعنی جو کچھ جس زمانہ میں خدا کی طرف سے اترا، یا کسی پیغمبر کو دیا گیا، ہم بلاتفریق سب کو حق مانتے ہیں ایک مسلم فرمانبردار کا یہ وتیرہ نہیں کہ خدا کے بعض پیغمبروں کو مانے بعض کو نہ مانے، گویا اخیر میں وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ کہہ کر اسلام کی حقیقت بتلا دی اور آگاہ کر دیا کہ اسلام کسی نبی برحق اور کسی آسمانی کتاب کی تکذیب کا روادار نہیں۔ اس کے نزدیک جس طرح قرآن کریم اور پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کا نہ ماننا کفر ہے ایسے ہی کسی ایک نبی یا کتاب سماوی کا انکار کرنے سے بھی انسان کافر ہو جاتا ہے۔ بیشک پیغمبر آخرالزمان کی یہ ہی شان ہونی چاہئے کہ وہ تمام پہلی کتابوں اور نبوتوں کا مصدق ہو اور اسی طرح کی تمام اقوام کو جن کے پاس مقامی ''نذیر'' ''وہادی'' آتے رہے تھے جامعیت کبریٰ کے سب سے بڑے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے کا راستہ بتلائے۔

تنبیہ: اسی قسم کی آیت پارۂ الم کے آخر میں آ چکی ہے اس کے فوائد ملاحظہ کر لئے جائیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اسرار ومعارف:

قُلْ اٰمَنَّا: آپ کہہ دیں کہ ہم مانتے ہیں یہ خطاب یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے آپ کی عظمت کے اظہار کے لئے شاہانہ طریقہ کلام کا

حکم دیا یا یہ حکم دیا کہ اپنے ساتھ اپنے متبعین کو بھی شامل قرار دے کر اظہار ایمان کرو یا خطاب ہر مؤمن کو ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اپنے ساتھ ہر مؤمن بھائی کو شامل سمجھ کر اظہار ایمان کریں۔ باللہ تنہا اللہ کو وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا اور اس قرآن جو ہم پر اتارا گیا ہے اگر خطاب ہر مؤمن کو مانا جائے تو ہم پر نازل ہونے سے مراد ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے ہم تک پہنچایا یوں تاویل کی جائے گی کہ اگر جماعت کے کسی ایک فرد کی طرف سے کسی فعل کی نسبت کی جائے (اور وہ فرد اہم ہو) تو پوری جماعت کی طرف سے اس فعل کی نسبت ہو جاتی ہے (اہل ایمان میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مرتبہ سب سے اہم ہے اور آپ پر قرآن نازل ہوا تو گویا سب پر قرآن نازل ہوا) مادہ نزول کے بعد کبھی الی آتا ہے کیونکہ اللہ کا پیام پیغمبروں تک پہنچتا ہے کبھی علی آیا ہے کیونکہ اللہ کا پیام اوپر سے اترتا ہے۔

اسباط سے مراد ہیں حضرت یعقوب کی نسل کے انبیاء۔ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی جن میں سے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ بھی تھے لیکن یا تو ان دونوں حضرات کی جلالت قدر کی وجہ سے ان کا خصوصی ذکر کیا یا یہ وجہ ہے کہ یہود و نصاریٰ کی طرف سے انہی کے متعلق خصوصی نزاع تھا اور ان کو یہ خیال تھا کہ مسلمان حضرت موسیٰ اور عیسیٰ (علیہ السلام) کو نہیں مانتے اس گمان کو دفع کرنے کیلئے خاص طور پر ان کا ذکر کیا۔ بے اس جگہ بھی کتابیں اور صحیفے مراد ہیں یا مَآ اُنْزِلَ سے وحی جلی اور مَآ اُوْتِیَ سے وحی خفی مراد ہے یا معجزات وفضائل سے مراد ہیں۔ وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ اور اس کو بھی مانتے ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء کو اللہ کی طرف سے دیا گیا تھا۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ
اور جو کوئی چاہے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہرگز
يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ
قبول نہ ہوگا

اب فقط اسلام حق ہے:

یعنی جب خدا کا دین اسلام اپنی مکمل صورت میں آ پہنچا تو کوئی جھوٹا یا نامکمل دین قبول نہیں کیا جا سکتا طلوع آفتاب کے بعد مٹی کے چراغ جلانا یا گیس بجلی اور ستاروں کی تمام روشنی تلاش کرنا محض لغو اور کھلی حماقت ہے۔ مقامی نبوتوں اور ہدایتوں کا عہد گزر چکا اب سب سے بڑی آخری اور عالمگیر نبوت و ہدایت سے ہی روشنی حاصل کرنی چاہیے کہ یہ تمام روشنیوں کا خزانہ ہے جس میں پہلی تمام روشنیاں مدغم ہو چکی ہیں۔ فَاِنَّکَ شَمْسٌ" وَالْمُلُوْکُ کَوَاکِبُ. ﴿تفسیر عثمانی﴾

معارف واسرار:

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ جو طلب کرے گا سوائے اسلام کے کوئی دوسرا دین اسلام سے مراد ہے توحید اور اللہ کی فرمانبرداری یا دین محمدی جو تمام مذاہب کا ناسخ ہے دینًا یا تمیز ہے یا يَبْتَغِ کا مفعول اس صورت میں غَيْرَ الْاِسْلَامِ حال ہوگا جو دِيْنًا کے نکرہ ہونے کے وجہ سے پہلے ذکر کر دیا گیا ہے فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ" تو ہرگز اس سے قبول نہیں کیا جائے گا کیونکہ وہ دین اللہ کے حکم اور پسند کے خلاف ہوگا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝
اور وہ آخرت میں خراب ہے

یعنی ثواب وکامیابی سے قطعاً محروم ہے اس سے بڑا خسارہ کیا ہوگا کہ راس المال ہی کھو بیٹھا حق تعالیٰ نے جس صحیح فطرت پر پیدا کیا تھا اپنے سوء اختیار اور غلط کاری سے اسے بھی تباہ کر ڈالا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سبب نزول:

بغوی نے لکھا ہے کہ یہ آیت اور اس کی بعد والی آیات کا نزول بارہ آدمیوں کے حق میں ہوا تھا یہ لوگ مرتد ہو کر مدینہ سے مکہ چلے گئے تھے انہیں میں سے حارث بن سوید انصاری بھی تھے (حارث مرتد ہو کر چلے گئے تھے لیکن پھر سچے دل سے توبہ کر کے واپس آ گئے تھے۔

سرکش جانور کا علاج:

بیہقی نے دعوات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی کا سواری کا جانور سرکش ہو اور اس پر سوار ہونا دشوار ہو تو اس کے کانوں میں آیت ومن یبتغ غیر الاسلام الخ پڑھی جائے۔ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ
کیونکر راہ دیگا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے
اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ
ایمان لاکر اور گواہی دے کر کہ بیشک رسول سچا ہے

وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ

اور آئیں اُنکے پاس نشانیاں روشن اور اللہ راہ نہیں دیتا

الظّٰلِمِيْنَ ۝

ظالم لوگوں کو

دنیا پرست اہلِ علم:

جن لوگوں نے وضوحِ حق کے بعد جان بوجھ کر کفر اختیار کیا یعنی دل میں یقین رکھتے ہیں اور آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں اقرار کرتے ہیں کہ رسول سچا ہے۔ اسکی حقانیت وصداقت کے روشن دلائل کھلے نشانات اور صاف بشارات ان کو پہنچ چکی ہیں اس پر بھی کبر و حسد اور حبِ جاہ و مال، اسلام قبول کرنے اور کفر و عدوان کے چھوڑنے سے مانع ہے جیسا کہ عموماً یہود و نصاریٰ کا حال تھا ایسے ہٹ دھرم، ضدی معاندین کی نسبت کیونکر توقع کی جاسکتی ہے کہ باوجود اس طرح کا رویہ قائم رکھنے کے خدا تعالیٰ ان کو نجات وفلاح اور اپنی خوشنودی کے راستہ پر لے جائے گا یا جنت تک پہنچنے کی راہ دے گا۔ اس کی عادت نہیں کہ ایسے بے انصاف متعصب ظالموں کو حقیقی کامیابی کا راہ دے۔ اسی پر ان بدبختوں کو قیاس کرلو جو قلبی معرفت ویقین کے درجہ سے بڑھ کر ایک مرتبہ مسلمان بھی ہو چکے پھر دنیوی اغراض اور شیطانی اغواء سے مرتد ہو گئے۔ یہ ان پہلوں سے بھی زیادہ کجرو بے حیا واقع ہوئے ہیں، اس لئے ان سے بڑھ کر لعنت وعقوبت کے مستحق ہوں گے۔ (تفسیر عثمانی)

اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ

ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ اُن پر لعنت ہے اللہ کی

وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝

اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی

اللہ اور فرشتوں اور لوگوں کی لعنت:

یعنی خدا فرشتے اور مسلمان لوگ سب ان پر لعنت بھیجتے ہیں بلکہ ہر انسان حتی کہ وہ خود بھی اپنے اوپر لعنت کرتے ہیں۔ جب کہتے ہیں کہ ظالموں اور جھوٹوں پر خدا کی لعنت گو اس وقت سمجھتے نہیں کہ یہ لعنت خود ان ہی پر واقع ہو رہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

لعنت اللہ سے مراد ہے اللہ کا غضب لیکن اللہ کے غضب کے بعد اس کی رحمت سے دوری ضروری ہے (اس لئے لعنت سے مراد ہوئی رحمت سے دوری) اور فرشتوں کی لعنت یعنی اللہ کی رحمت سے دور رہنے کی بددعا۔ اور تمام لوگوں سے مراد ہیں تمام مؤمن یا سب آدمی خواہ کافر ہوں یا مؤمن کیونکہ کافر بھی منکرِ حق پر لعنت کرتا ہے اگرچہ (اس کی لعنت اسی پر پڑتی ہے کیونکہ وہ بھی منکرِ حق ہوتا ہے مگر) وہ حق کی شناخت نہیں رکھتا یا یہ مراد ہے کہ قیامت کے دن بعض کافر بعض کافروں پر لعنت کریں گے اللہ نے فرمایا ہے يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَّيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا۔ (تفسیر مظہری)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ

ہمیشہ رہیں گے اس میں

یعنی اس لعنت کا اثر ہمیشہ رہے گا دنیا میں پھٹکار اور آخرت میں خدا کی مار۔ (تفسیر عثمانی)

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا: اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے یا آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔ آگ کا ذکر گو صراحتاً نہیں ہے مگر کلام اس پر دلالت کر رہا ہے (کیونکہ لعنت کے بعد دوزخ لازم ہے)۔ (تفسیر مظہری)

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ۝

نہ ہلکا ہوگا اُن سے عذاب اور نہ اُن کو فرصت ملے

یعنی انہیں نہ کسی وقت عذاب کی شدت میں کمی محسوس ہوگی اور نہ ذرا سی دیر کے لئے عذاب ملتوی کر کے آرام دیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟

مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور نیک کام کئے

فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

تو بیشک اللہ غفور رحیم ہے

توبہ سے معافی مل جاتی ہے:

ایسے سخت بے حیا مجرموں اور شدید ترین باغیوں کو کون بادشاہ معافی دے سکتا ہے؟ لیکن یہ اس غفور رحیم ہی کی بارگاہ ہے کہ اس قدر شدید جرائم اور بغاوتوں کے بعد بھی اگر مجرم نادم ہو کر سچے دل سے توبہ اور نیک چال چلن اختیار کر لے تو سب گناہ ایک قلم معاف کر دیئے جاتے ہیں اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ ذُنُوْبِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (تفسیر عثمانی)

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ: ہاں جن لوگوں نے ارتداد سے توبہ کر لی۔

واصلحوا اور اصلاح نفس کر لی۔ یہ تابوا کی تفسیر ہے توبہ کر لی یعنی نیک ہو گئے مراد یہ ہے کہ مسلمان ہو گئے یا یہ مراد ہے کہ انہوں نے اپنے ایمان کو ٹھیک کر لیا یعنی (کفر کی وجہ سے) جو ملک میں بگاڑ کیا تھا اس کو (ایمان کے بعد) درست کر لیا۔

فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ: تو بلاشبہ اللہ معاف کرنے والا ہے ان کی توبہ قبول فرما لے گا اور ان سے جو اللہ کی حق تلفیاں ہوئی ہیں ان کو معاف کر دے گا۔

رَّحِیْمٌ: وہ مہربان ہے ان پر مہربانی کر کے جنت میں لے جائیگا۔

شانِ نزول:

نسائی، ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول نقل کیا ہے کہ ایک انصاری مسلمان ہونے سے کچھ مدت کے بعد مرتد ہو گیا لیکن پھر اسے پشیمانی ہوئی اس نے اپنے خاندان والوں کے پاس پیام بھیجا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کسی کو بھیج کر یہ دریافت کراؤ کہ کیا اب میرے لئے توبہ کی گنجائش ہے اس پر آیت کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِہِمْ ... فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ نازل ہوئی اور انصاری کے خاندان والوں نے اس کے پاس (قبول توبہ کا) پیام بھیج دیا وہ (پھر) مسلمان ہو گیا۔ ابن المنذر نے (مسند میں) اور عبدالرزاق نے مجاہد کا قول بیان کیا ہے کہ حارث بن سوید آ کر مسلمان ہوا لیکن کچھ عرصہ کے بعد کافر ہو کر اپنے قبیلہ میں لوٹ گیا اللہ نے اس کے متعلق آیت کَیْفَ یَھْدِی اللّٰہُ قَوْمًا کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِہِمْ ..... فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ نازل فرمائی اس کے خاندان کے کسی شخص نے یہ آیت لے جا کر اس کو سنا دی حارث نے کہا خدا کی قسم میری دانست میں تم بڑے سچے آدمی ہو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تم سے زیادہ سچے ہیں اور اللہ دونوں سے بڑھ کر سچا ہے اس کے بعد حارثؓ واپس آ کر مسلمان ہو گیا اور اچھا مسلمان ہو گیا ﴿تفسیر مظہری﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا بَعْدَ اِیْمَانِھِمْ ثُمَّ
جو لوگ منکر ہوئے مان کر
ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّنْ تُقْبَلَ تَوْبَتُھُمْ وَاُولٰٓئِكَ
پھر بڑھتے رہے انکار میں ہرگز قبول نہ ہو گی اُن کی توبہ
ھُمُ الضَّآلُّوْنَ ۝۹۰
اور وہی ہیں گمراہ

جھوٹی توبہ: یعنی جو لوگ حق کو مان کر اور سمجھ بوجھ کر منکر ہوئے پھر اخیر تک انکار میں ترقی کرتے رہے، نہ کبھی کفر سے ہٹنے کا نام لیا نہ حق اور اہل حق کی عداوت ترک کی، بلکہ حق پرستوں کے ساتھ بحث و مناظرہ اور جنگ و جدل کرتے رہے۔ جب مرنے کا وقت آیا اور فرشتے جان نکالنے لگے تو توبہ کی سوجھی۔ یا کبھی کسی مصلحت سے ظاہر طور پر رسمی الفاظ توبہ کے کہہ لئے یا کفر پر برابر قائم رہتے ہوئے بعض دوسرے اعمال سے توبہ کر لی جنھیں اپنے زعم میں گناہ سمجھ رہے تھے۔ یہ توبہ کسی کام کی نہیں۔ بارگاہ رب العزت میں اس کے قبول کی کوئی امید نہ رکھیں۔ ایسے لوگوں کو سچی توبہ نصیب ہی نہ ہوگی جو قبول ہو۔ ان کا کام ہمیشہ گمراہی کی وادیوں میں پڑے بھٹکتے رہنا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ
جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی تو ہرگز
یُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِھِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَھَبًا
قبول نہ ہو گا کسی ایسے سے زمین بھر کر سونا

ایمان چھوڑ کر مال کام نہ دے گا:

یعنی دنیا کی حکومتوں کی طرح وہاں سونے چاندی کی رشوت نہ چلے گی، وہاں تو صرف دولت ایمان کام دے سکتی ہے۔ فرض کرو ایک کافر کے پاس اگر اتنا ڈھیر سونے کا ہو جس سے ساری زمین بھر جائے اور وہ سب کا سب خیرات کر دے تو خدا کے یہاں اس کی ذرہ برابر وقعت نہیں نہ آخرت میں یہ عمل کچھ کام دیگا۔ کیونکہ عمل کی روح ایمان ہے جو عمل روح ایمان سے خالی ہو مردہ عمل ہوگا۔ جو آخرت کی ابدی زندگی میں کام نہیں دے سکتا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَّلَوِ افْتَدٰی بِهٖ ۭ اُولٰٓئِكَ لَھُمْ عَذَابٌ
اور اگرچہ بدلا دیوے اسقدر سونا اُن کو عذاب
اَلِیْمٌ وَّمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝۹۱
دردناک ہے اور کوئی نہیں اُن کا مددگار

یعنی اگر فرض کرو کافر کے پاس وہاں اتنا مال ہو اور خود اپنی طرف سے درخواست کر کے بطور فدیہ پیش کرے کہ یہ لیکر مجھے چھوڑ دو تب بھی قبول نہیں کیا جا سکتا اور بدون پیش کئے تو پوچھتا ہی کون ہے۔ دوسری جگہ فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ اَنَّ

لَھُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِیَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ

یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْھُمْ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ (مائدہ۔ رکوع ۶) ﴿تفسیر عثمانی﴾

جہنمی کی حسرت:

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جہنمی سے قیامت کے دن کہا جائے گا کہ زمین پر جو کچھ ہے اگر تیرا ہو جائے تو کیا تو اس سب کو ان سزاؤں کے بدلے اپنے فدیے میں دے ڈالے گا۔ وہ کہے گا ہاں۔ تو جناب باری تعالیٰ کا ارشاد ہوگا کہ میں نے تجھ سے بہ نسبت اس کے بہت ہی کم چاہا تھا، میں نے تجھ سے اس وقت وعدہ لیا تھا جب تو اپنے باپ آدمؑ کی پیٹھ میں تھا کہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا لیکن تو بے شرک کئے نہ رہا۔ یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی دوسری سند کے ساتھ ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۚ

ہرگز نہ حاصل کرسکو گے نیکی میں کمال جب تک نہ خرچ کرو اپنی

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَيْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ

پیاری چیز سے کچھ اور جو چیز خرچ کرو گے سو اللہ کو

عَلِيْمٌ ﴿۹۲﴾

معلوم ہے

محبوب چیز خرچ کرو:

یعنی اللہ کو معلوم ہے کہ کیسی چیز خرچ کی، کہاں خرچ کی اور کس کے لئے خرچ کی۔ جتنی محبوب اور پیاری چیز جس طرح کے مصرف میں جس قدر اخلاص وحسن نیت سے خرچ کرو گے اسی کے موافق خدا تعالیٰ کے یہاں سے بدلہ ملنے کی امید رکھو اعلیٰ درجہ کی نیکی حاصل کرنا چاہو تو اپنی محبوب و عزیز ترین چیزوں میں سے کچھ خدا کے راستہ میں نکالو۔ حضرت شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں "یعنی جس چیز سے دل بہت لگا ہوا ہو اس کے خرچ کرنیکا بڑا درجہ ہے، یوں ثواب ہر چیز میں ہے شاید یہود اور نصاریٰ کے ذکر میں یہ آیت اس واسطے نازل فرمائی کہ ان کو اپنی ریاست بہت عزیز تھی جس کے تھامنے کو نبی کے تابع نہ ہوتے تھے تو جب تک وہ ہی اللہ کے راستہ میں نہ چھوڑیں درجہ ایمان نہ پائیں گے۔"

ربط: پہلی آیت سے یہ مناسبت ہوئی کہ وہاں کافر کا مال خرچ کرنا بیکار بتلایا تھا، اب اس کے بالمقابل بتلا دیا کہ مومن جو خرچ کرے اسے نیکی میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابوطلحہؓ کا واقعہ:

حضرت انسؓ بن مالکؓ کا بیان ہے کہ مدینہ میں حضرت ابوطلحہؓ انصاریوں میں سب سے زیادہ مالدار تھے اور آپ کا مرغوب ترین مال (بستان) بیرحاء تھا جو مسجد کے سامنے تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی کبھی کبھی تشریف لے جا کر وہاں کا عمدہ پانی پیتے تھے جب آیت (لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ) نازل ہوئی تو حضرت ابو طلحہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرماتا ہے: (لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ) مجھے اپنے مال میں بیرحا سب سے زیادہ پسند ہے میں اللہ کی خوشنودی کے لئے اس کو دیتا ہوں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ثواب اور اجر میرے لئے جمع رکھے گا۔ آپ جس طرح چاہیں اس باغ میں تصرف کریں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا واہ واہ یہ تو نفع بخش مال ہے جو کچھ تم نے کہا میں نے سن لیا میرے نزدیک یہی مناسب ہے کہ تم یہ اپنے قرابتداروں کو دیدو۔ حضرت ابوطلحہؓ نے کہا بہت خوب یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا ہی کروں گا چنانچہ حضرت ابوطلحہؓ نے وہ باغ اپنے اقرباء اور چچازادوں کو تقسیم کر دیا۔ ﴿صحیح بخاری ومسلم﴾

حضرت زیدؓ کا عمل:

حضرت زیدؓ بن حارثہ اپنے محبوب گھوڑے کو لے کر آئے اور عرض کیا یہ اللہ کی راہ میں دیتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ گھوڑا حضرت اسامہؓ بن زید کو سواری کے لئے دیدیا حضرت زیدؓ نے کہا میں نے تو اسکو خیرات کرنیکا ارادہ کیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہاری طرف سے اس کو قبول کر لیا (یعنی تم کو خیرات کا ثواب ملے گا)۔

حضرت عمرؓ کا عمل:

بغوی نے مجاہدؒ کی روایت لکھی ہے کہ جلولاء کی فتح کے دن حضرت عمرؓ نے حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کو لکھا کہ میرے لئے جلولاء کے قیدیوں میں سے کوئی باندی خرید لو حضرت ابوموسیٰ اشعری نے حسب الحکم ایک باندی خرید لی اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں بھیج دی۔ آپ کو وہ باندی بہت پسند آئی اور فرمایا اللہ نے فرمایا (لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ) اسلئے آپ نے اس باندی کو آزاد کر دیا۔

فی سبیل اللہ کی صورتیں:

ان احادیث اور آثار صحابہؓ سے معلوم ہوتا ہے کہ راہ خدا میں دینے کا مفہوم

عام ہے اس کا اطلاق خیرات پر بھی ہوتا ہے اور استعمال کے لئے عاریۃً دینے پر بھی اور قرض دینے پر بھی اور باندی غلام کو آزاد کرنے پر بھی۔ حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سب سے زیادہ قریبی رشتہ دار کو دینا افضل ہے۔

حسن بصریؒ نے فرمایا کہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے مسلمان جس قسم کا جو مال خرچ کرے گا یہاں تک کہ ایک چھوارہ دینے والا بھی اس بر کا مستحق ہے جس کا ذکر آیت میں کیا گیا ہے۔ حضرت حسن کے اس قول کا مقتضاء یہ ہے کہ آیت میں جس انفاق کا حکم ہے وہ انفاق واجب اور انفاق مستحب دونوں کو شامل ہے اگر کوئی مطلقاً راہ خدا میں خرچ نہ کرے یہاں تک کہ فرض زکوٰۃ بھی نہ دے تو وہی بر مذکور سے محروم ہوگا۔ اور اسی پر فاجر (خارج از حکم خدا) کا اطلاق کیا جائے گا۔ عطاء نے آیت کا تفسیری مطلب ان الفاظ میں بیان کیا ہے کہ تم فضیلت دین وتقویٰ اس وقت تک نہیں پا سکتے جب تک صحت اور ضرورت کی حالت میں تم خیرات نہ کرو۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

حضرت عمرؓ کا ایک اور عمل:

بخاری ومسلم میں آیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا سب سے زیادہ عزیز اور بہتر مال وہ ہے جو خیبر میں میری زمین کا ایک حصہ ہے۔ میں اس کو راہ خدا میں صدقہ کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایئے میں کیا کروں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "اصل (زمین) کو اپنے قبضہ میں رکھو اور اس کی پیداوار پھل وغیرہ خدا کی راہ میں وقف کردو۔"

ابن عمرؓ کا عمل:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب میں تلاوت کے دوران اس مذکورہ بالا آیت پر پہنچا تو میں اپنے تمام مال و جائیداد کو تصور میں لایا لیکن مجھے اپنی رومی کنیز سے زیادہ کوئی چیز محبوب تر نظر نہ آئی، الہٰذا میں نے اس کو خدا تعالیٰ کی راہ میں آزاد کردیا (میرے دل میں اس کی اتنی محبت ہے کہ) اگر میں خدا کی راہ میں دی ہوئی کسی چیز کو واپس لے سکتا تو اس کنیز سے تو ضرور ہی نکاح کر لیتا۔ ﴿مسند بزار﴾ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

فالتو چیزوں کا صدقہ:

جو شخص صدقہ خیرات میں اپنی محبوب اور عمدہ چیزیں بھی خرچ کرتا ہے، اور اپنی ضرورت سے زائد چیزیں، بچا ہوا کھانا یا پرانے کپڑے، عیب دار برتن یا استعمال کی چیزیں بھی خیرات میں دیدیتا ہے، وہ ان چیزوں کو صدقہ کرنے سے کسی گناہ کا مرتکب نہیں بلکہ اس کو ان پر بھی ضرور ثواب ملے گا، اور محبوب چیزوں کے خرچ کرنے پر اس کو خیر عظیم بھی حاصل ہوگی، اور صف ابرار میں اس کا داخلہ بھی ہوگا۔ ﴿معارف القرآن﴾

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيٓ اِسْرَآءِيْلَ
سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کو
اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ
مگر وہ جو حرام کر لی تھی اسرائیل نے
مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ
اپنے اُوپر توریت نازل ہونے سے پہلے

یہودیوں کے ایک اعتراض کا جواب:

یہود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں سے کہتے تھے کہ تم اپنے کو دین ابراہیم پر کیسے بتلاتے ہو جبکہ وہ چیزیں کھاتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کے گھرانے پر حرام کی تھیں جیسے اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جتنی چیزیں اب لوگ کھاتے ہیں سب ابراہیمؑ کے وقت میں حلال تھیں جب تک تورات نازل ہوئی، بیشک تورات میں خاص بنی اسرائیل پر بعض چیزیں حرام ہوئی ہیں۔ مگر ایک اونٹ تورات سے پہلے حضرت اسرائیل) یعقوب علیہ السلام نے اس کے کھانے سے قسم کھائی تھی ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا، اور اس قسم کا سبب یہ تھا کہ یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا درد تھا، اس وقت نذر کی کہ اگر صحت پاؤں تو جو چیز میری رغبت کی ہے اسے چھوڑ دوں گا۔ ان کو یہ ہی اونٹ کا گوشت اور دودھ بہت مرغوب تھا، سو نذر کے سبب چھوڑ دیا۔ اس قسم کی نذر جو تحریم حلال پر مشتمل ہو ہماری شریعت میں روا نہیں کما قال تعالیٰ ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ (تحریم۔ رکوع ۱) اگر کر لی تو توڑ دے اور کفارہ ادا کرے۔ (تنبیہ) پہلی آیت میں محبوب چیز کے خرچ کرنے کا ذکر تھا، اس آیت میں یعقوبؑ کا ایک محبوب چیز کو چھوڑ دینا مذکور ہے۔ اس طرح دونوں آیتوں میں لطیف مناسبت ہوگئی۔ نیز ان آیات میں متنبہ کیا گیا ہے کہ پہلی شرائع میں نسخ واقع ہوا ہے جو چیز ایک زمانہ میں حلال تھی بعد میں حرام ہوگئی۔ اگر اسی طرح اب شریعت محمدیہ اور شرائع سابقہ میں حلال وحرام کے اعتبار سے تفاوت ہو تو انکار و استبعاد کی کوئی وجہ نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَآ اِنْ كُنْتُمْ
تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اگر
صٰدِقِيْنَ ﴿۹۳﴾
سچے ہو

یہودیوں کا جھوٹا ہونا:

یعنی اگر تم سچے ہو کہ یہ چیزیں ابراہیمؑ کے زمانہ سے حرام تھیں تو لاؤ یہ مضمون خود اپنی مسلم کتاب تورات میں دکھلا دو۔ اگر اس میں بھی نہ نکلا تو تمہارے کاذب و مفتری ہونے میں کیا شبہ ہو سکتا ہے۔ روایات میں ہے کہ یہود نے یہ زبردست چیلنج منظور نہ کیا۔ اور اس طرح نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت پر ایک اور دلیل قائم ہوگئی۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ
پھر جو کوئی جوڑے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد
ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾
تو وہی ہیں بڑے بے انصاف

یعنی بڑی بے انصافی ہوگی اگر اس کے بعد بھی وہی مرغے کی ایک ٹانگ گاتے رہو کہ نہیں، یہ چیزیں ابراہیمؑ کے زمانہ سے حرام ہیں اور دین ابراہیمؑ کے اصلی پیرو ہم ہیں۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ
تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے اب تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے
حَنِيْفًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۵﴾
جو ایک ہی کا ہو رہا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والا

اتمامِ حجت ہو چکا اب اسلام لاؤ:

یعنی خدا تعالیٰ نے حلال و حرام کے متعلق نیز اسلام اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں سچی سچی اور کھری کھری باتیں تم کو سنا دیں جن کو کوئی جھٹلا نہیں سکتا۔ اب چاہئے کہ تم بھی مسلمانوں کی طرح اصلی دین ابراہیمؑ کی پیروی اور اس کے اصول کا اتباع کرنے لگو جن میں سب سے بڑی چیز توحید خالص تھی۔ چاہئے کہ تم بھی عزیر و مسیح اور احبار و رہبان کی پرستش چھوڑ کر پکے مسلم بن جاؤ۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ
بیشک سب سے پہلا گھر جو مقرر ہوا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو
بِبَكَّةَ
مکہ میں ہے

یہود کے ایک اور اعتراض کا جواب:

مسلمانوں کے اس دعوے پر کہ ہم سب سے زیادہ ابراہیمؑ سے اشبہ و اقرب ہیں، یہود کو یہ بھی اعتراض تھا کہ ابراہیم علیہ السلام نے وطن اصلی عراق چھوڑ کا شام کو ہجرت کی وہیں رہے وہیں وفات پائی، بعدہٗ ان کی اولاد شام میں رہی، کتنے انبیاء اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے سب کا قبلہ بیت المقدس رہا کیا، پھر تم حجاز کے رہنے والے جنہوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو اپنا قبلہ بنا لیا ہے، اور سرزمین شام سے دور ایک طرف پڑے ہو کس منہ سے دعویٰ کر سکتے ہو کہ ابراہیمؑ و ملت ابراہیمؑ سے تم کو زیادہ قرب و مناسبت حاصل ہے۔ اس آیت میں معترضین کو بتلایا گیا کہ بیت المقدس وغیرہ مقامات مقدسہ تو بعد میں تعمیر ہوئے ہیں دنیا میں سب سے پہلا متبرک گھر جو لوگوں کی توجہ الی اللہ کے لئے مقرر کیا گیا اور بطور ایک عبادت گاہ اور نشان ہدایت کے بنایا گیا، وہ یہی کعبہ شریف ہے جو اس مبارک شہر معظمہ میں واقع ہوا ہے۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

بکہ، مکہ شریف کا مشہور نام ہے، چونکہ بڑے بڑے جابر شخصوں کی گردنیں یہاں ٹوٹ جاتی تھیں۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں فج سے تنعیم تک تو مکہ ہے اور بیت اللہ سے بطحاء تک بکہ ہے۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں بیت اللہ پناہ چاہنے والے کو پناہ دیتا ہے لیکن جگہ اور کھانا پینا نہیں دیتا۔ (ابن کثیر)

تعمیر کعبہ مختلف ادوار میں:

بعض روایات میں ہے کہ آدم علیہ السلام کی یہ تعمیر کعبہ نوحؑ کے زمانے تک باقی تھی، طوفان نوحؑ میں منہدم ہوئی، اور اس کے نشانات مٹ گئے، اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے انہیں بنیادوں پر دوبارہ تعمیر کیا۔ پھر ایک

مرتبہ کسی حادثہ میں اس کی تعمیر منہدم ہوئی تو قبیلہ جرہم کی ایک جماعت نے اس کی تعمیر کی، پھر ایک مرتبہ منہدم ہوئی تو عمالقہ نے تعمیر کی، اور پھر منہدم ہوئی تو قریش نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابتدائی زمانہ میں تعمیر کی، جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی شریک ہوئے اور حجر اسود کو اپنے دست مبارک سے قائم فرمایا لیکن قریش نے اس تعمیر میں بناء ابراہیمی سے کسی قدر مختلف تعمیر کی تھی کہ ایک حصہ بیت اللہ کا بیت اللہ سے الگ کر دیا جس کو حطیم کہا جاتا ہے اور خلیل اللہ علیہ السلام کی بناء میں کعبہ کے دو دروازے تھے، ایک داخل ہونے کے لئے دوسرا پشت کی جانب باہر نکلنے کے لئے، قریش نے صرف مشرقی دروازہ کو باقی رکھا، تیسرا تغیر یہ کیا کہ دروازہ بیت اللہ کا سطح زمین سے کافی بلند کر دیا تاکہ ہر شخص آسانی سے اندر نہ جا سکے، بلکہ جس کو وہ اجازت دیں وہی جا سکے۔

بیہقیؒ نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں بروایت حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاصؓ روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت آدم وحوا علیہما السلام کے دنیا میں آنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبرئیل امین کے ذریعہ ان کو یہ حکم بھیجا کہ وہ بیت اللہ (کعبہ) بنائیں ان حضرات نے حکم کی تعمیل کر لی تو ان کو حکم دیا گیا کہ اس کا طواف کریں، اور ان سے کہا گیا کہ آپ اول الناس یعنی سب سے پہلے انسان ہیں، اور یہ گھر (اَوَّلَ بَیْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ) ہے، یعنی سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

حضرت عبداللہ بن عمر مجاہد قتادہ، سدی، وغیرہ صحابہ وتابعین اسی کے قائل ہیں کہ کعبہ دنیا کا سب سے پہلا گھر ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ لوگوں کے رہنے سہنے کے مکانات پہلے بھی بن چکے ہوں مگر عبادت کے لئے یہ پہلا گھر بنا ہو، حضرت علیؓ سے یہی منقول ہے۔

مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۶﴾ فِيْهِ
برکت والا اور ہدایت جہاں کے لوگوں کو اس میں
اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ
نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا
كَانَ اٰمِنًا ؕ
اس کو امن ملا

برکات، ہدایت اور امن کا مرکز:

حق تعالیٰ نے شروع سے اس گھر کو ظاہری و باطنی، حسی و معنوی برکات سے معمور کیا اور سارے جہان کی ہدایت کا سرچشمہ ٹھہرایا ہے۔ روئے زمین پر جس کسی مؤمن میں برکت و ہدایت پائی جاتی ہے۔ اسی بیت مقدس کا ایک عکس اور پرتو سمجھنا چاہئے۔ یہیں سے رسول الثقلین کو اٹھایا، مناسک حج ادا کرنے کے لئے سارے جہان کو اسی کی طرف دعوت دی عالمگیر مذہب اسلام کے پیرووں کو مشرق ومغرب میں اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہوا۔ اس کے طواف کرنیوالوں پر عجیب وغریب برکات وانوار کا افاضہ فرمایا۔ انبیائے سابقین بھی حج ادا کرنیکے لئے نہایت شوق وذوق سے تلبیہ پکارتے ہوئے اسی شمع کے پروانے بنے اور طرح طرح کی ظاہر و باہر نشانیاں قدرت نے بیت اللہ کی برکت سے اس سرزمین میں رکھ دیں۔ اسی لئے ہر زمانہ میں مختلف مذاہب والے اس کی غیر معمولی تعظیم واحترام کرتے رہے اور ہمیشہ وہاں داخل ہونیوالے کو مامون سمجھا گیا اس کے پاس مقام ابراہیم کی موجودگی پتہ دے رہی ہے کہ یہاں ابراہیمؑ کے قدم آئے ہیں اوراس کی تاریخ جو تمام عرب کے نزدیک بلانکیر مسلم چلی آرہی ہے بتلاتی ہے کہ یہ وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ تعمیر کیا تھا اور خدا کی قدرت سے اس پتھر میں ابراہیم کے قدم کا نشان پڑ گیا تھا جو آج تک محفوظ چلا آتا ہے گویا علاوہ تاریخی روایات کے اس مقدس پتھر کا وجود ایک ٹھوس دلیل اس کی ہے کہ یہ گھر طوفان نوح کی تباہی کے بعد حضرت ابراہیمؑ کے پاک ہاتھوں سے تعمیر ہوا جن کی مدد کے لے حضرت اسمٰعیل علیہ السلام شریک کار رہے جیسا کہ پارہ الٓمّ کے آخر میں گذر چکا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اور اس کا اجر وثواب بہت ہے بعض عبادتیں تو کعبہ کے ساتھ ہی مخصوص ہیں (کسی دوسری جگہ نہیں ہوسکتیں) جیسے حج، حج کی قربانی کا جانور بھیجنا، عمرہ اور بعض عبادتیں اس جگہ ادا کرنیکا ثواب اتنا زائد ہے کہ کسی اور جگہ اس کی برابر نہیں جیسے نماز روزہ اور اعتکاف اسی لئے امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ جس نے مسجد حرام میں دو رکعت نماز پڑھنے کی نذر مانی ہو اور دوسری جگہ پڑھ لے تو کافی نہ ہوگا۔ کیونکہ حضرت انس بن مالکؓ کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے گھر کے اندر آدمی کی نماز ایک نماز کے برابر ہے اور محلّہ کی مسجد میں ایک نماز پچیس نماز کے برابر ہے او رجامع مسجد میں پانچ سو نمازوں کے برابر ہے اور مسجد اقصیٰ میں ایک ہزار

نمازوں کے برابر ہے اور میری مسجد میں پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہے اور مسجد حرام میں ایک لاکھ نمازوں کے برابر ہے۔ ﴿ابن ماجہ﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مکہ سے محبت:

ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے فضائل مکہ میں حضرت عبداللہؓ بن عدی بن الحمراء کی روایت میں لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ کے بازار میں حرورہ مقام پر کھڑے فرمارہے تھے کہ خدا کی قسم تو بلاشبہ اللہ کی زمین میں سب سے اچھی اور اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب ہے اگر مجھے تیرے اندر سے نکالا نہ جاتا تو میں نہ نکلتا۔ یہی حدیث ابن جوزی نے حضرت ابوہریرہؓ سے بھی مرفوعاً بیان کی ہے۔

امن کی جگہ:

آیات بینات میں سے ایک نشانی یہ بھی ہے کہ حرم میں داخل ہونیوالا مامون ہوجاتا ہے۔ اسلام سے پہلے عرب باہم کشت وخون اور قتل وغارت میں مشغول رہتے تھے لیکن جو شخص حرم میں داخل ہوجاتا تھا اس سے کسی قسم کا تعرض نہیں کرتے تھے۔ حسن قتادہ اور اکثر اہل تفسیر کا قول ہے کہ اسی آیت کی طرح ایک اور آیت ہے فرمایا ہے:

﴿اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا وَّيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِنْ حَوْلِهِمْ﴾

حرم کے اندر قصاص لینے کا مسئلہ:

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا جو شخص حرم کے اندر آجائے وہ امن میں آجاتا ہے اس کو قتل کرنا جائز نہیں۔ پس حرم سے باہر اگر کسی نے کوئی جرم موجب قصاص یا موجب حد کیا ہو اور حرم میں آکر پناہ گیر ہوجائے تو اس سے حرم کے اندر نہ قصاص لیا جائے گا نہ حد جاری کی جائے گی البتہ اس کا کھانا پینا بند کردیا جائے گا۔ اور خرید فروخت بھی اس سے ترک کردی جائے گی تاکہ مجبور ہوکر وہ حرم سے باہر نکل آئے اور اس کو باہر سزا دی جاسکے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعیؒ نے فرمایا بیرون حرم جرم کرکے حرم میں پناہ لینے والے سے حرم کے اندر بھی قصاص لیا جائے گا۔

لیکن حرم کے اندر کسی نے جرم کیا تو باتفاق علماء حرم کے اندر ہی اس کو سزا دی جائیگی آیت: ﴿وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ﴾ کی تفسیر میں گذر چکا ہے کہ حرم کے اندر مسلمانوں کی طرف سے کافروں کو قتل کرنیکی ابتداء نہ کی جائے اگر کافر مغلوب ہوکر حرم میں داخل ہوجائیں تو ہاتھوں یا تلواروں یا کوڑوں سے مار کر ان کو نکال دیا جائے یا ان کا محاصرہ کر لیا جائے اور باہر سے کھانے پینے کی رسد بند کردی جائے تاکہ مجبور ہوکر وہ باہر نکلیں اس وقت ان سے قتال کیا جائے اور اگر کافر خود حرم کے اندر قتال کا آغاز کردیں تو مسلمانوں کے لئے حرم کے اندر ان سے لڑنا جائز ہے۔

تعمیر ابراہیم:

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور بیہقی کا بیان ہے کہ طوفان کے زمانہ میں کعبہ کی عمارت اٹھالی گئی تھی۔ پھر حضرت ابراہیمؑ نے اس کو بنانے کا ارادہ کیا تو اللہ نے اس کی جگہ آپ کو بتادی اس کی صورت یہ ہوئی کہ اللہ نے خجوج نام کی ہوا بھیجی ہوا نے کعبہ کی گرداگرد کی مٹی اڑا کر بنیاد نمودار کردی اور آپ نے قدیم بنیاد پر تعمیر کی۔ خجوج ایک جانور ہوتا ہے جس کے دو بازو پرندوں کی طرح اور صورت سانپ کی طرح ہوتی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

کعبہ کی تخلیق:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ مجاہدؒ، قتادہ اور سدی نے فرمایا آسمان وزمین کی پیدائش کے زمانہ میں پانی کی سطح سے سب سے اول کعبہ کا مقام نمودار ہوا شروع میں یہ سفید جھاگ تھے (جو منجمد ہوگئے تھے) زمین کی پیدائش سے دو ہزار برس پہلے اس کی تخلیق ہوئی تھی پر اسی کے نیچے سے زمین پھیلائی گئی۔ حضرت علی بن الحسینؓ (امام زین العابدین) نے فرمایا کہ اللہ نے عرش کے نیچے ایک مکان بنایا جس کا نام بیت المعمور ہے اور (آسمان کے) فرشتوں کو اس کے طواف کرنیکا حکم دیا پھر زمین پر رہنے والے فرشتوں کو حکم دیا کہ بیت المعمور کی طرح زمین پر ایک مکان بنائیں فرشتوں نے حسب الحکم کعبہ کی تعمیر کی اور اس نام صراح رکھا پھر اللہ نے زمین والوں کو حکم دیا کہ جس طرح آسمان والے بیت المعمور کا طواف کرتے ہیں اسی طرح زمین والے صراح کا طواف کریں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ آدمؑ کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے فرشتوں نے کعبہ کی عمارت بنائی تھی اور اس کا حج کیا کرتے تھے آدم نے حج کیا تو فرشتوں نے کہا آپ کا حج مبرور ہے ہم نے آپ سے دو ہزار سال پہلے اس کا حج کیا تھا۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

حرمین میں موت:

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دونوں حرموں میں سے کسی میں مرے گا قیامت کے دن دوزخ سے بے خوف اٹھے گا۔

شیخینؓ کی فضیلت:

حارث بن ابی اسامہ نے مسند میں سالم بن عبداللہؓ بن عمر رضی اللہ عنہ کی روایت میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ

قیامت کے دن میں ابوبکر وعمر (کی قبروں) کے درمیان سے اٹھایا جاؤں گا پھر بقیع غرقد کو جاؤں گا اور میرے ساتھ وہ بھی اٹھ کر آئیں گے پھر اہل مکہ کا انتظار کروں گا یہاں تک کہ وہ بھی آ جائیں گے پس میری بعثت اہل حرمین کے درمیان ہوگی۔

مسئلہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلام کی عمارت کی بناء پانچ امور پر ہے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار اور نماز ٹھیک ٹھیک ادا کرنا اور زکوٰۃ دینا اور حج کرنا اور رمضان کے روزے رکھنا۔ ﴿صحیح بخاری ومسلم﴾

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا اگر لوگ حج کو چھوڑ دیں تو میں ان سے جہاد کروں گا جیسے نماز اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں ہم جہاد کرتے ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی نے قبلہ نما کے نام سے ایک مستقل تحریر لکھی اسرار ولطائف کا ایک خزینہ ہے۔ ﴿معارف القرآن کاندھلوی رحمہ اللہ﴾

مبارک، برکت سے مشتق ہے۔ برکت کے معنی ہیں بڑھنا اور ثابت رہنا۔

بیت اللہ کی برکت:

بیت اللہ کا بابرکت ہونا ظاہری طور پر بھی ہے معنوی طور پر بھی، اس کے ظاہری برکات میں یہ مشاہد ہے کہ مکہ اور اس کے آس پاس ایک خشک ریگستان اور بنجر زمین ہونے کے باوجود اس میں ہمیشہ ہر موسم میں ہر طرح کے پھل اور ترکاریاں اور تمام ضروریات مہیا رہتی ہیں، کہ صرف اہل مکہ کے لئے نہیں بلکہ اطراف عالم سے آنے والوں کے لئے بھی کافی ہو جاتی ہیں۔

جب بیت اللہ قائم ہوا اس کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے اہل مکہ کو مخالفین کے حملوں سے محفوظ فرما دیا، ابرہہ نے ہاتھیوں کا لشکر لے کر چڑھائی کی، تو اللہ جل شانہٗ نے اپنی قدرت کاملہ سے ان کو پرندوں کے ذریعہ تباہ وہلاک کر دیا، حرم مکہ میں داخل ہونے والا انسان بلکہ جانور تک محفوظ ہے، جانوروں میں بھی اس کا احساس ہے، حدود حرم کے اندر جانور بھی اپنے آپ کو محفوظ سمجھتے ہیں، وہاں وحشی شکاری جانور، انسان سے نہیں بھاگتا، عام طور پر یہ بھی مشاہدہ کیا جاتا ہے کہ بیت اللہ کی جس جانب بارش ہوتی ہے اس جانب کے ممالک زیادہ بارش سے سیراب ہوتے ہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ابدی معجزات:

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے خصائص کبریٰ میں فرمایا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات ایسے بھی ہیں جو آپ کی وفات کے بعد بھی موجود اور قائم ہیں، اور قیامت تک باقی رہیں گے، اور ہر شخص ان کا مشاہدہ کر سکے گا، ان میں سے ایک تو قرآن کا بے نظیر ہونا ہے کہ ساری دنیا اس کی مثال لانے سے عاجز ہے، یہ عجز جیسے عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں تھا ایسے ہی آج بھی موجود ہے، اور قیامت تک رہے گا، ہر زمانہ کا مسلمان پوری دنیا کو چیلنج کر سکتا ہے کہ ﴿فَأْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ﴾ اسی طرح جمرات کے بارے میں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ان کی پھینکی ہوئی کنکریاں نامعلوم طور پر فرشتے اٹھا لیتے ہیں، صرف ان بدنصیب لوگوں کی کنکریاں رہ جاتی ہیں جن کے حج قبول نہیں ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کی تصدیق ہر زمانہ ہر قرن میں ہوتی رہی ہے، اور قیامت تک ہوتی رہے گی، یہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمیشہ باقی رہنے والا معجزہ اور بیت اللہ سے متعلق اللہ تعالیٰ کی ایک بڑی نشانی ہے۔

مقام ابراہیم:

ان نشانیوں میں سے ایک بڑی نشانی مقام ابراہیمؑ ہے، اسی لئے قرآن کریم نے اس کو مستقل طور پر علیحدہ بیان فرمایا ہے، مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت اللہ کی تعمیر فرماتے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ پتھر تعمیر کی بلندی کے ساتھ ساتھ خود بخود بلند ہو جاتا تھا، اور نیچے اترنے کے وقت نیچا ہو جاتا تھا، اس پتھر کے اوپر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدم مبارک کا گہرا نشان آج تک موجود ہے، ظاہر ہے کہ ایک بے حس و بے شعور پتھر میں یہ ادراک کہ ضرورت کے موافق بلند یا پست ہو جائے اور یہ تاثر کہ موم کی طرح نرم ہو کر قدمین کا مکمل نقش اپنے اندر لے لے، یہ سب آیات قدرت ہیں جو بیت اللہ کے اعلیٰ فضیلت ہی سے متعلق ہیں، یہ پتھر بیت اللہ کے نیچے دروازے کے قریب تھا، جب قرآن کا یہ حکم نازل ہوا کہ مقام ابراہیم پر نماز پڑھو، ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى﴾ اس وقت طواف کرنیوالوں کی مصلحت سے اس کو اٹھا کر بیت اللہ کے سامنے ذرا فاصلہ پر مطاف سے باہر بیر زمزم کے قریب رکھ دیا گیا۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ موجودہ تعمیر کو منہدم کر کے اس کو بالکل بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دوں۔ قریش نے جو تصرفات بناء ابراہیمی کے خلاف کئے ہیں ان کی اصلاح کر دوں، لیکن نو مسلم ناواقف مسلمانوں میں غلط فہمی پیدا ہونے کا خطرہ ہے، اسی لئے سر دست اس کو اسی حال پر چھوڑتا ہوں، اس ارشاد کے بعد اس دنیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات زیادہ نہیں رہی۔

حجاج کی تعمیر:

لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے بھانجے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سنے ہوئے تھے، خلفائے راشدین کے بعد جس وقت مکہ مکرمہ پر ان کی حکومت ہوئی تو انہوں نے بیت اللہ منہدم کر کے ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دیا، مگر عبداللہ بن زبیرؓ کی حکومت مکہ معظمہ پر چند روزہ تھی، ظالم الامتہ حجاج بن یوسف نے مکہ پر فوج کشی کر کے ان کو شہید کیا، اور حکومت پر قبضہ کر کے اس کو گوارا نہ کیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کا یہ کارنامہ رہتی دنیا تک ان کی مدح وثناء کا ذریعہ بنا رہے، اس لئے لوگوں میں یہ مشہور کیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کا یہ فعل غلط تھا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو جس حالت میں چھوڑا تھا ہمیں اسی حالت پر اس کو رکھنا چاہئے، اس بہانے سے بیت اللہ کو پھر منہدم کر کے اسی طرح کی تعمیر بنا دی جو زمانہ جاہلیت میں قریش نے بنائی تھی، حجاج بن یوسف کے بعد آنے والے بعض مسلم بادشاہوں نے پھر حدیث مذکور کی بناء پر یہ ارادہ کیا کہ بیت اللہ کو از سر نو حدیث رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موافق بنا دیں، لیکن اس زمانہ کے امام حضرت امام مالک بن انسؒ نے یہ فتویٰ دیا کہ اب بار بار بیت اللہ منہدم کرنا اور بنانا آگے آنیوالے بادشاہوں کے لئے بیت اللہ کو ایک کھلونا بنا دے گا، ہر آنے والا بادشاہ اپنی نام آوری کے لئے یہی کام کرے گا، اس لئے اب جس حالت میں بھی ہے اس حالت میں چھوڑ دینا مناسب ہے، تمام امت نے اس کو قبول کیا، اسی وجہ سے آج تک وہی حجاج بن یوسف ہی کی تعمیر باقی ہے البتہ شکست وریخت اور مرمت کا سلسلہ ہمیشہ جاری رہا۔

سب سے پہلی اور دوسری مسجد:

صحیحین کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت ابوذرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ دنیا کی سب سے پہلی مسجد کونسی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، مسجد حرام، انہوں نے عرض کیا اس کے بعد کون سی مسجد ہے آپ نے فرمایا مسجد بیت القدس پھر دریافت کیا کہ ان دونوں کی تعمیر کے درمیان کتنی مدت کا فاصلہ ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چالیس سال کا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت:

فتح مکہ میں صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے دین کی اہم مصلحت اور بیت اللہ کی تطہیر کی خاطر صرف چند گھنٹوں کے لئے حرم میں قتال کی اجازت اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوئی تھی۔ اور فتح کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑی تاکید کے ساتھ اس کا اعلان واظہار فرمایا کہ یہ اجازت صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تطہیر بیت اللہ کی غرض سے تھی، اور وہ بھی چند گھنٹوں کے لئے تھی، اس کے بعد ہمیشہ کے لئے پھر اس کی وہی حرمت ثابت ہے جو پہلے سے تھی، اور فرمایا کہ حرم کے اندر قتل وقتال نہ مجھ سے پہلے حلال تھا نہ میرے بعد کسی کے لئے حلال ہے، اور میرے لئے بھی صرف چند گھنٹوں کے لئے حلال ہوا تھا، پھر حرام کر دیا گیا۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ
اور اللہ کا حق ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا
اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ
جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی اور جو نہ مانے تو پھر
اللّٰهَ غَنِىٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۷﴾
اللہ پرواہ نہیں رکھتا جہاں کے لوگوں کی

حج بیت اللہ:

اس پاک گھر میں جمال خداوندی کی کوئی خاص تجلی ہے جس کی وجہ سے ادائے حج کے لئے اسے مخصوص کیا گیا کیونکہ حج ایک ایسی عبادت ہے جس کی ہر ادا اس جمیل مطلق اور محبوب برحق کے عشق ومحبت کے جذبہ کا اظہار کرتی ہے پس ضروری ہے کہ جسے اس کی محبت کا دعویٰ ہو اور بدنی ومالی حیثیت سے بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتا ہو، کم از کم عمر میں ایک مرتبہ دیار محبوب میں حاضری دے اور دیوانہ وار وہاں کا چکر لگائے۔ (اس مضمون کو حضرت مولانا محمد قاسم قدس اللہ سرہٗ نے "قبلہ نما" میں بڑے شرح وبسط سے لکھا ہے) جو مدعی محبت اتنی تکلیف اٹھانے سے بھی انکار کرے سمجھ لو کہ جھوٹا عاشق ہے۔ اختیار ہے جہاں چاہے دھکے کھاتا پھرے خود محروم ومہجور رہے گا۔ اس محبوب حقیقی کو کسی کی کیا پرواہ ہے کوئی یہودی ہو کر مرے یا نصرانی ہو کر، اس کا کیا بگڑتا ہے۔ احکام حج کی تفصیل کتب فقہ میں دیکھنی چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا لوگو! تم پر اللہ تعالیٰ نے حج فرض کیا ہے تم حج کرو۔ ایک شخص نے پوچھا حضور! کیا ہر سال؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو گئے۔ اس نے تین مرتبہ یہی سوال کیا۔ آپ

صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر میں ہاں کہہ دیتا تو فرض ہو جاتا پھر بجا نہ لا سکتے ہیں جو نہ کہوں تم اس کی پوچھ پاچھ نہ کرو۔

ترمذی میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ! حاجی کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پراگندہ بالوں اور میلے کچیلے کپڑوں والا۔ ایک اور نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کونسا حج افضل ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس میں قربانیاں کثرت سے کی جاتی اور لبیک زیادہ پکارا جائے۔ ایک اور شخص نے سوال کیا حضور! سبیل سے کیا مراد ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا توشہ بھتہ کھانے کے لائق خرچ اور سواری، اس حدیث کا ایک راوی گو ضعیف ہے مگر حدیث کی متابعت اور سندوں سے بھی ہے۔

سببِ نزول:

عکرمہؒ فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری کہ دین اسلام کے سوا جو شخص کوئی دین تلاش کرے اس سے قبول نہ کیا جائے گا، تو یہودی کہنے لگے کہ ہم بھی مسلمان ہیں، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پھر مسلمانوں پر تو حج فرض ہے تم بھی حج کرو، تو وہ صاف انکار کر بیٹھے، جس پر یہ آیت اتری کہ اس کا انکاری کافر ہے اور اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے بے پرواہ ہے۔

حج نہ کرنے پر وعید:

حضرت عمر فاروقؓ فرماتے ہیں طاقت رکھ کر حج نہ کرنے والا یہودی ہو کر مرے گا یا نصرانی ہو کر۔ اس کی سند بالکل صحیح ہے (حافظ ابوبکر اسماعیلی)۔ مسند سعید بن منصور میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا میرا قصد ہے کہ میں لوگوں کو مختلف شہروں میں بھیجوں وہ دیکھیں جو لوگ باوجود مال رکھنے کے حج نہ کرتے ہوں ان پر جزیہ لگا دیں وہ مسلمان نہیں ہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

حج میں توشہ ساتھ لینا واجب ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے:
(وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى) اور توشہ لے لیا کرو اور بہترین توشہ سوال سے بچا رہنا ہے۔ بخاری وغیرہ نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ اہل یمن بغیر توشہ ساتھ لئے حج کرنے چل دیتے تھے اور کہتے تھے کہ ہم متوکل ہیں لیکن جب مکہ میں پہنچتے تو لوگوں سے بھیک مانگتے تھے اس پر آیت وتزودوا کا نزول ہوا۔

کعبہ کی حقیقت:

کعبہ نام کسی خاص چھت یا پتھر مٹی کی دیواروں کا نہیں ہے۔ پتھر مٹی کو اٹھا کر کہیں دوسری جگہ ڈال دیا جائے تو کعبہ منتقل نہیں ہو جائے گا اگر اس مصالحہ سے کسی دوسری جگہ کوئی عمارت بنا دی جائے تو وہ قبلہ و مسجود نہ بن جائے گی۔ بلکہ کعبہ ایک ربانی لطیفہ ہے جس کی فرودگاہ ایک موہوم مکان ہے جہاں تجلیات ذاتیہ کی بارش ہوتی ہے پس ظاہر کعبہ اگرچہ مخلوق ہے اور اس کا تعلق عالم خلق سے ہے مگر حقیقت میں کعبہ ایک باطنی نسبت ہے جس کا ادراک نہ حس کر سکتی ہے۔ نہ خیال بلکہ محسوس (ظاہری) ہونے کے باوجود وہ محسوس نہیں ہے۔ اور جہت خصوصہ میں ہونے کے باوجود اس کی کوئی جہت نہیں۔ یہ ظاہر کعبہ کی شان ہے رہی کعبہ کی حقیقت تو وہ کون جانے، پاک ہے وہ ذات جس نے ممکنات کو وجود کا آئینہ (اور پرتو گاہ) بنایا اور عدم (ذاتی) کو وجوب و وجود کا مظہر قرار دیا۔ پھر کعبہ کی حقیقت سے بالا حقیقت قرآن ہے۔ جو مخلوق بھی نہیں ہے۔ اور حقیقت قرآن سے بالاتر نماز کی حقیقت ہے اور اس مقام پر پہنچ کر سالک کی سیر بوساطت پیغمبر ختم ہو جاتی ہے اور فناء و بقاء کا مقام آتا ہے اور اس سے بھی اوپر خالص معبودیت (الوہیت) کا مقام ہے جس کی سیر صرف نظری ہی ہو سکتی ہے (سلوکی نہیں ہو سکتی) واللہ اعلم۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ
تو کہہ اے اہل کتاب کیوں منکر ہوتے ہو
اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾
اللہ کے کلام سے اور اللہ کے رُوبرُو ہے جو تم کرتے ہو

یہودیوں کو تنبیہ:

پہلے سے خطاب یہود و نصاریٰ کو کیا جا رہا تھا، درمیان میں ان کے بعض شبہات کا جواب دیا گیا۔ یہاں سے پھر ان کو تنبیہ و توبیخ کی گئی۔ یعنی حق و صداقت کے واضح دلائل اور قرآن کریم کی ایسی سچی اور پکی باتیں سننے کے بعد بھی تمہیں کیا ہوا کہ باوجود اہل کتاب کہلانے کے برابر کلام اللہ اور اس کے لانیوالے کے انکار پر تلے ہوئے ہو۔ یاد رکھو تمہاری سب کارروائیاں خدا کے سامنے ہیں تمہاری نیتوں اور تدبیروں کو وہ خوب جانتا ہے جس وقت پکڑے گا۔ رتی رتی کا حساب لے کر چھوڑے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ
تو کہہ اے اہل کتاب کیوں روکتے ہو

سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا

اللہ کی راہ سے ایمان لانے والوں کو کہ ڈھونڈتے ہو اُس میں عیب

وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا

اور تم خود جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں

تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

تمہارے کام سے

دوسری تنبیہ:

یعنی نہ صرف یہ کہ خود ایمانی سعادت حاصل کرنے سے محروم ہو۔ دوسروں کو بھی چاہتے ہو کہ اللہ کے راستہ سے روک دو اور جو سعید روحیں مشرف بایمان ہو چکی ہیں ان کو اسلام کے فرضی عیب بتلا کر دین اسلام سے واپس لے آؤ۔ پھر یہ حرکتیں محض جہل و بے خبری سے نہیں کر رہے بلکہ سمجھ بوجھ کر سیدھی باتوں کو ٹیڑھا ثابت کرنے کی فکر میں رہتے ہو۔ تمہارے اس ہیر پھیر سے خدا بے خبر نہیں، مناسب وقت پر اکٹھی سزا دے گا۔ (تفسیر عثمانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ

اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے بعضے

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ

اہل کتاب کا تو پھر کر دینگے وہ تم کو

اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

ایمان لائے پیچھے کافر

مسلمانوں کو تنبیہ:

پہلے اہل کتاب کو ڈانٹا گیا تھا کہ جان بوجھ کر کیوں لوگوں کو گمراہ کرتے پھرتے ہو۔ یہاں مسلمانوں کو نصیحت کی گئی کہ تم ان مفسدین کے دھوکے میں نہ آنا، اگر ان کے اشاروں پر چلو گے تو اندیشہ ہے کہ آہستہ آہستہ نور ایمان سے نکل کر کفر کے تاریک گڑھے میں دوبارہ نہ جا گرو۔ (تفسیر عثمانی)

وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو اور تم پر پڑھی جاتی ہیں

اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ

آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے اور جو کوئی مضبوط پکڑے

بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

اللہ کو تو اُس کو ہدایت ہوئی سیدھے راستہ کی

سچے مؤمن کو کوئی نہیں پھسلا سکتا:

یعنی بہت بعید ہے کہ وہ قوم ایمان لائے پیچھے کافر بن جائے یا کافروں جیسے کام کرنے لگے جس کے درمیان خدا کا عظیم الشان پیغمبر جلوہ افروز ہو، جو شب و روز ان کو اللہ کا روح پرور کلام اور اس کی تازہ بتازہ آیتیں پڑھ کر سنا تا رہتا ہے، سچ تو یہ ہے کہ جس نے ہر طرف سے قطع نظر کر کے ایک خدا کو مضبوط پکڑ لیا اور اسی پر دل سے اعتماد و توکل کیا اسے کوئی طاقت کامیابی کے سیدھے رستہ سے ادھر ادھر نہیں ہٹا سکتی۔

شانِ نزول:

(تنبیہ) انصار مدینہ کے دونوں خاندانوں اوس و خزرج کے باہم اسلام سے قبل سخت عداوت اور دشمنی تھی، ذرا ذرا بات پر لڑائی اور خونریزی کا بازار گرم ہو جاتا تھا جو برسوں تک سرد نہ ہوتا تھا۔ چنانچہ بعاث کی مشہور جنگ ایک سو بیس سال تک رہی آخر پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت پر ان کی قسمت کا ستارہ چمکا اور اسلام کی تعلیم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت نے دونوں قبیلوں کو جو صدیوں سے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے رہتے تھے ملا کر شیر و شکر کر دیا اور نہایت مضبوط برادرانہ تعلقات قائم کر دیئے۔ یہود مدینہ کو ان دونوں حریف خاندانوں کا اس طرح مل بیٹھنا اور متفقہ طاقت سے اسلام کی خدمت و حمایت کرنا ایک آنکھ نہ بھاتا تھا۔ ایک اندھے یہودی شماس بن قیس نے کسی فتنہ پرداز شخص کو بھیجا کہ جس مجلس میں دونوں خاندان جمع ہوں وہاں کسی ترکیب سے بعاث کی لڑائی کا ذکر چھیڑ دے۔ چنانچہ اس نے مناسب موقع پا کر بعاث کی یاد تازہ کرنے والے اشعار سنانے شروع کر دیئے۔ اشعار کا سننا تھا کہ ایک مرتبہ بجھی ہوئی چنگاریاں پھر سلگ اٹھیں۔ زبانی جنگ سے گذر کر ہتھیاروں کی لڑائی شروع ہونے کو تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جماعت مہاجرین کو ہمراہ لئے ہوئے موقع پر پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے گروہ مسلمین! اللہ سے ڈرو، میں تم میں موجود ہوں۔ پھر یہ جاہلیت کی پکار کیسی؟ خدا نے تم کو ہدایت دی اسلام سے مشرف کیا، جاہلیت کی تاریکیوں کو محو فرما دیا۔ کیا ان ہی

کفریات کی طرف پھر الٹے پاؤں لوٹنا چاہتے ہو، جن سے نکل کر آئے تھے۔ اس پیغمبرانہ آواز کا سننا تھا کہ شیطانی جال کے سب حلقے ایک ایک کر کے ٹوٹ گئے اوس وخزرج نے ہتھیار پھینک دیئے اور ایک دوسرے سے گلے مل کر رونے لگے۔ سب نے سمجھ لیا کہ یہ سب ان کے دشمنوں کی فتنہ انگیزی تھی، جس سے آئندہ ہمیشہ ہشیار رہنا چاہئے۔ اسی واقعہ کے متعلق یہ کئی آیتیں نازل ہوئیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بڑا ایمان والا:

حدیث شریف میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک روز اپنے اصحابؓ سے پوچھا تمہارے نزدیک سب سے بڑا ایمان والا کون ہے؟ انہوں نے کہا فرشتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بھلا وہ ایمان کیوں نہ لاتے؟ انہیں تو وحی خدا ہے۔ صحابہؓ نے کہا پھر ہم فرمایا تم ایمان کیوں نہ لاتے تم میں تو میں خود موجود ہوں۔ صحابہؓ نے کہا پھر حضور خود ہی ارشاد فرمائیں۔ فرمایا کہ تمام لوگوں سے زیادہ عجیب ایمان والے وہ ہیں جو تمہارے بعد آئیں گے وہ کتابوں میں لکھا پائیں گے اور اس پر ایمان لائیں گے۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ
اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے
وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ
اُس سے ڈرنا اور نہ مریو مگر مسلمان

اللہ سے ڈرو:

یعنی ہر مسلمان کے دل میں پورا ڈر خدا کا ہونا چاہئے کہ اپنے مقدور بھر پرہیزگاری وتقویٰ کی راہ سے نہ ہٹے اور ہمیشہ اس سے استقامت کا طالب رہے۔ شیاطین چاہتے ہیں کہ تمہارا قدم اسلام کے راستہ سے ڈگمگا دیں۔ تم کو چاہئے کہ انہیں مایوس کر دو۔ اور مرتے دم تک کوئی حرکت مسلمانی کے خلاف نہ کرو۔ تمہارا جینا اور مرنا خالص اسلام پر ہونا چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

تقویٰ:

لفظ تقویٰ اصل عربی زبان میں بچنے اور اجتناب کرنے کے معنی میں آتا ہے۔

جن چیزوں سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ڈرنے ہی کی چیزیں ہوتی ہیں، یا کہ ان سے عذاب الٰہی کا خطرہ ہے، وہ ڈرنے کی چیز، تقویٰ کے کئی درجات ہیں، ادنیٰ درجہ کفر وشرک سے بچنا ہے، اس معنی کے لحاظ سے ہر مسلمان کو متقی کہا جا سکتا ہے۔

دوسرا درجہ جو اصل میں مطلوب ہے وہ ہے اس چیز سے بچنا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے نزدیک پسندیدہ نہیں، تقویٰ کے فضائل و برکات جو قرآن وحدیث میں آئے ہیں وہ اسی درجہ پر موعود ہیں۔

تیسرا درجہ تقویٰ کا اعلیٰ مقام ہے جو انبیاء علیہم السلام اور ان کے خاص نائبین اولیاء اللہ کو نصیب ہوتا ہے، کہ اپنے قلب کو ہر غیر اللہ سے بچانا اور اللہ کی یاد اور اس کی رضا جوئی سے معمور رکھنا۔

تقویٰ درحقیقت پورا اسلام ہی ہے، کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مکمل اطاعت اور اس کی نافرمانی سے مکمل پرہیز کا ہی نام تقویٰ ہے، اور اسی کو اسلام کہا جاتا ہے۔

خاتمہ بالایمان:

حدیث میں ہے کما تحیون تموتون و کما تموتون تحشرون. یعنی جس حالت پر تم اپنی زندگی گذارو گے اسی پر موت آئے گی، اور جس حالت میں موت آئے گی اسی حالت میں حشر میں کھڑے کئے جاؤ گے۔ تو جو شخص اپنی پوری زندگی اسلام پر گذارنے کا پختہ عزم رکھتا ہے۔ اور مقدور بھر اس پر عمل کرتا ہے اس کی موت انشاء اللہ اسلام ہی پر آئے گی، بعض روایات حدیث میں جو یہ آیا ہے کہ بعض آدمی ایسے بھی ہونگے کہ ساری عمر اعمال صالحہ کرتے ہوئے زندگی گذر گئی، آخر میں کوئی ایسا کام کر بیٹھے جس سے سارے اعمال حبط و برباد ہو گئے، یہ ایسے ہی لوگوں کو پیش آ سکتا ہے جن کے اعمال میں اول اخلاص اور پختگی نہیں تھی، واللہ اعلم۔

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا
اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو

اللہ کی رسی:

یعنی سب مل کر قرآن کو مضبوط تھامے رہو جو خدا کی مضبوط رسی ہے۔ یہ رسی ٹوٹ تو نہیں سکتی ہاں چھوٹ سکتی ہے۔ اگر سب مل کر اس کو پوری قوت سے پکڑے رہو گے۔ کوئی شیطان شر انگیزی میں کامیاب نہ ہو سکے گا اور انفرادی زندگی کی طرح مسلم قوم کی اجتماعی قوت بھی غیر متزلزل اور ناقابل اختلال ہو جائے گی۔ قرآن کریم سے تمسک کرنا ہی وہ چیز ہے جس سے بکھری ہوئی قوتیں جمع ہوتیں ہیں اور ایک مردہ قوم حیات تازہ حاصل کرتی ہے لیکن تمسک بالقرآن کا یہ مطلب نہیں کہ قرآن کو اپنی آراء واہواء کا تختہ مشق بنا لیا جائے، بلکہ قرآن کریم کا مطلب وہی معتبر ہوگا جو احادیث صحیحہ

اور سلف صالحین کی متفقہ تصریحات کے خلاف نہ ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت زید بن ارقم کی روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے مجمع میں کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور اللہ کی حمد و ثناء کے بعد فرمایا لوگو میں محض ایک آدمی ہوں عنقریب میرے رب کا قاصد میرے پاس آئے گا اور میں اس کی دعوت قبول کروں گا۔ میں تمہارے اندر دو بڑی عظمت والی چیزیں چھوڑ رہا ہوں پہلی کتاب اللہ ہے جس کے اندر ہدایت اور نور ہے تم اللہ کی کتاب کو پکڑ لو اور مضبوطی کے ساتھ تھامے رہو۔ (دوسری چیز) میرے اہل بیت ہیں میں اپنے اہل بیت کے متعلق تم کو اللہ کے احکام اور خوف کی یاد دلاتا ہوں۔

دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی کتاب ہی اللہ تک پہنچنے کا ذریعہ ہے جو اسکے حکم پر چلے گا ہدایت پر ہوگا جو اس کو چھوڑ دے گا گمراہ ہوگا۔ ﴿رواہ مسلم﴾

ترمذی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑ رہا ہوں کہ اگر تم اس کو تھامے رہو گے تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ یہ دو چیزیں ہیں جن میں سے ایک دوسری سے مرتبہ میں زائد ہے۔ ایک اللہ کی کتاب ہے جو آسمان سے زمین تک ایک آویختہ رسی ہے۔ اس کو پکڑ کر آسمان تک پہنچا جا سکتا ہے اور دوسری چیز میری عترت یعنی میرے اہل بیت ہیں حوض پر اترنے کے وقت تک یہ دونوں ایک دوسرے سے جدا نہ ہونگے اسی لئے تم کو دیکھنا چاہئے کہ ان دونوں کے معاملہ میں تم میری نیابت کس طرح کرتے ہو۔

ترمذی کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے حج میں عرفہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اونٹنی قصواء پر سوار ہونے کی حالت میں خطبہ دیتے دیکھا آپ فرما رہے تھے لوگو میں نے تمہارے اندر ایسی چیز چھوڑی ہے کہ اگر اس کو پکڑ لو گے تو ہرگز گمراہ نہ ہوگے اللہ کی کتاب اور اپنی عترت یعنی اہل بیت۔

(وَمَنْ يَعْتَصِمْ بِاللّٰهِ) اور جو مضبوط پکڑ لے گا اللہ کو یعنی اللہ کے دین کو۔ (فَقَدْ هُدِيَ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ) :تو اس کو ضرور ہدایت مل جائے گی اللہ تک پہنچنے کی سیدھی راہ کے یعنی کھلے ہوئے راستہ کی جس پر چلنے والا کبھی بھٹک نہیں سکتا۔

شانِ نزول:

بغویؒ نے مقاتلؒ بن حبان کی روایت سے لکھا ہے کہ جاہلیت کے زمانہ میں اوس اور خزرج کے درمیان دشمنی اور لڑائی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ پہنچے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں صلح کرا دی اور دونوں قبیلے مسلمان ہو کر باہم صلح کے ساتھ رہنے لگے۔ اتفاقاً کچھ مدت کے بعد ثعلبہ بن غنم اوسی اور اسعد بن زرارہ خزرجی میں باہمی قبائلی برتری کے متعلق نزاع ہو گیا۔ اوسی نے کہا ہم میں ہی سے تھا وہ خزیمہؓ بن ثابت جس کی تنہا شہادت کو دو گواہیوں کے برابر مانا گیا تھا اور ہم میں ہی سے تھا حنظلہؓ جس کو ملائکہ نے غسل دیا تھا اور ہم میں ہی سے تھا عاصم بن ثابت بن افلح۔ اور ہم میں ہی سے تھا سعد بن معاذؓ جس کی وفات پر عرش الٰہی لرزہ آ گیا تھا اور بنی قریظہ کے متعلق اس کے فیصلہ کو اللہ نے پسند کیا تھا۔ خزرجی نے کہا ہم میں چار آدمی ایسے ہیں جنہوں نے قرآن کو محکم کر لیا ہے (یعنی قرآن کے حافظ اور لفظ لفظ کے قاری اور معانی کے عالم ہیں۔) ابی بن کعب اور معاذ بن جبلؓ اور زید بن ثابتؓ اور ابوزیدؓ اور ہم میں سے ہی ہیں۔ سعدؓ بن عبادہ جو انصار کے خطیب اور سردار ہیں غرض اسی طرح گفتگو کا ردوبدل ہو گیا دونوں کو غصہ آ گیا اور دونوں نے فخریہ اشعار پڑھے آخر دونوں قبیلے اوس اور خزرج ہتھیار لے کر آ گئے پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

اجماع: (جَمِيعًا) سب کے سب یعنی جو تفسیر کلام اللہ باجماع امت ہو اس کو مضبوطی سے پکڑ لو اجماع کی خلاف متفرق آراء کی طرف نہ جاؤ۔

تین باتیں:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہاری تین باتیں اللہ کو پسند ہیں اور تین ناپسند۔ تم اللہ کی عبادت کرو۔ کسی کو اس کا ساجھی نہ جانو۔ اور سب کے سب اللہ کی رسی کو مضبوطی سے پکڑے رہو اور اللہ جس کو تمہارا حاکم بنا دے اس کی خیر خواہی کرو۔ یہ باتیں اللہ کو پسند ہیں۔ اور وہ ناپسند کرتا ہے فضول قیل و قال کو اور مال کو برباد کرنے کو اور کثرت سوال کو۔ ﴿رواہ مسلم واحمد﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ میری امت کو گمراہی پر مجتمع نہیں کرے گا۔ اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے جو بچھڑا وہ جماعت سے بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔ رواہ الترمذی۔ یہ بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے زیادہ عظمت والے فرقہ کا اتباع کرو اس لئے کہ جو اس سے بچھڑا وہ بچھڑ کر دوزخ میں گیا۔ ﴿رواہ ابن ماجہ﴾

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح بکریوں کا شکار کرنے والا بھیڑیا گلے سے بچھڑ نیوالی۔ گلے سے دور رہ جانیوالی اور گلے سے الگ ہونیوالی بکری کو شکار کرلیتا ہے اسی طرح انسان کے لئے شیطان بھیڑیا ہے (جماعت سے ہٹ کر ادھر ادھر کی گھاٹیوں میں بھٹکتے پھرنے سے بچو اور جماعت وجمہور کے ساتھ رہو۔ ﴿رواہ احمد﴾

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو جماعت سے بالشت بھر الگ ہوا اس نے اسلام کی رسی اپنی گردن سے نکال دی۔ ﴿رواہ احمد وابوداوٗد﴾

نجات والا گروہ:

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جو حالت بنی اسرائیل کی ہوئی وہی حالت میری امت پر آئے گی یہ ان کے نقش قدم پر چلے گی یہاں تک کہ بنی اسرائیل میں سے اگر کسی نے اپنی ماں سے علانیہ زنا کیا ہوگا تو میری امت میں بھی کوئی ایسا کرے گا۔ بنی اسرائیل پھٹ کر بہتر فرقہ بن گئے تھے اور میری امت پھٹ کر تہتر گروہ ہو جائے گی جن میں سے سوائے ایک فرقہ کے سب دوزخی ہونگے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا فرمایا وہ نجات یافتہ ہوگا جو میرے اور میرے صحابہؓ کے طریقہ پر ہوگا۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

میں کہتا ہوں صحابہؓ میں یہ تفرقہ نہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہوا نہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر وحضرت عثمان رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافتوں میں۔

اول تفرقہ:

امام برحق کے خلاف اول ترین بغاوت اہل مصر نے کی جنہوں نے حضرت عثمانؓ کے خلاف خروج کیا اور خلافت کے معاملہ میں حضرت معاویہؓ کے زمانے سے اول ترین اختلاف پیدا ہوا اور دین میں اول ترین اختلاف فرقہ حروریہ (خوارج ونواصب) نے کیا جنہوں نے حضرت علیؓ کے خلاف بغاوت کی پھر عبداللہ بن سبا نے مخالفت ڈالی اور حق کو چھوڑا یہی شخص رافضیوں کا سرچشمہ ہے پھر تابعین کے دور میں معتزلہ کا مسلک پیدا ہوا جنہوں نے فلاسفہ کا دامن جا پکڑا، قیل وقال میں پھنس گئے۔ مناظرہ بازی میں پڑ گئے۔ کتاب اللہ کی کھلی آیات اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور سلف کے طریقہ کو انہوں نے چھوڑ دیا اور اپنے ناقص گمراہ خیالات کے پیرو ہو گئے۔

اتفاق کی اہمیت:

دنیا میں شاید کوئی ایک آدمی بھی ایسا نہ نکلے جو لڑائی جھگڑے کو بذاتہ مفید اور بہتر جانتا ہو، اس لئے دنیا کی ہر جماعت ہر پارٹی لوگوں کو متفق کرنے کی ہی دعوت دیتی ہے۔ لیکن دنیا کے حالات کا تجربہ بتلاتا ہے کہ اتفاق کے مفید اور ضروری ہونے پر سب کے اتفاق کے باوجود ہو یہ رہا ہے کہ انسانیت فرقوں، گروہوں، پارٹیوں میں بٹی ہوئی ہے۔

اتفاق کا طریقہ:

اگر مسلمانوں کی مختلف پارٹیاں قرآن کریم کے نظام پر متفق ہو جائیں تو ہزاروں گروہی اور نسلی وطنی اختلافات ایک لحظہ میں ختم ہو سکتے ہیں جو انسانیت کی ترقی کی راہ میں حائل ہیں، اب اگر مسلمانوں میں کوئی باہمی اختلاف رہے گا تو وہ صرف فہم قرآن اور تعبیر قرآن میں رہ سکتا ہے۔

مسلمان سب باہم متفق ومتحد اور منظم ہو جائیں، جیسے کوئی جماعت ایک رسی کو پکڑے ہوئے ہو تو پوری جماعت ایک جسم واحد بن جاتی ہے۔

محاورۂ عربی میں حبل سے مراد عہد بھی ہوتا ہے اور مطلقاً ہر وہ شے جو ذریعہ یا وسیلہ کا کام دے سکے، قرآن کو یا دین کو رسی سے اس لئے تعبیر کیا گیا کہ یہی وہ رشتہ ہے جو ایک طرف اہل ایمان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے قائم کرتا ہے اور دوسری طرف تمام ایمان لانے والوں کو باہم ملا کر ایک جماعت بناتا ہے۔

اقوام عالم کی راہیں مختلف ہیں، کہیں نسلی اور نسبی رشتوں کو مرکز وحدت سمجھا گیا، جیسے قبائل عرب کی وحدت تھی کہ قریش ایک قوم اور بنو تمیم دوسری قوم سمجھی جاتی تھی اور کہیں رنگ کا امتیاز اس وحدت کا مرکز بن رہا تھا، کہ کالے لوگ ایک قوم اور گورے دوسری قوم سمجھے جاتے کہیں وطنی اور لسانی وحدت کو مرکز اتحاد بنایا ہوا تھا، کہ ہندی ایک قوم اور عربی دوسری قوم، کہیں آبائی رسوم ورواج کو مرکز وحدت بنایا گیا تھا، کہ جو ان رسوم کے پابند ہیں وہ ایک قوم اور جو ان کے پابند نہیں وہ دوسری قوم، جیسے ہندوستان کے ہندو اور آریہ سماج وغیرہ۔

قرآن کریم نے ان سب کو چھوڑ کر مرکز وحدت حبل اللہ قرآن کریم کو یعنی اللہ تعالیٰ کے بھیجے ہوئے نظام محکم کو قرار دیا، اور دوٹوک فیصلہ کر دیا کہ مومن ایک قوم ہے جو حبل اللہ سے وابستہ ہے۔ اور کافر دوسری قوم جو اس حبل متین سے وابستہ نہیں۔

قرآن پر مجتمع رہتے ہوئے اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریح و تفصیل کو قبول کرتے ہوئے اپنی فطری استعداد اور دماغی صلاحیتوں کی

بناء پر فروع میں اختلاف کیا جائے تو یہ اختلاف فطری ہے۔ اور اسلام اس سے منع نہیں کرتا، صحابہ و تابعین اور ائمۂ فقہاء کا اختلاف اسی قسم کا اختلاف تھا، اور اسی اختلاف کو رحمت قرار دیا گیا۔ ﴿معارف القرآن﴾

وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ
اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اُوپر جب کہ تھے تم
اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ
آپس میں دشمن پھر اُلفت دی تمہارے دلوں میں اب ہو گئے
بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ
اُس کے فضل سے بھائی

نعمتِ اتحاد:

یعنی صدیوں کی عداوتیں اور کینے نکال کر خدا نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے تم کو بھائی بھائی بنا دیا۔ جس سے تمہارا دین اور دنیا دونوں درست ہوئے اور ایسی ساکھ قائم ہوگئی جسے دیکھ کر تمہارے دشمن مرعوب ہوتے ہیں۔ یہ برادرانہ اتحاد خدا کی اتنی بڑی نعمت ہے جو روئے زمین کا خزانہ خرچ کر کے بھی میسر نہ آسکتی تھی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطاب:

حنین کی فتح کے بعد جب مالِ غنیمت تقسیم کرتے ہوئے مصلحت دینی کے مطابق حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بعض لوگوں کو زیادہ مال دیا تو کسی شخص نے کچھ ایسے ہی نامناسب الفاظ زبان سے نکال دیئے جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جماعت انصار کو جمع کر کے ایک خطبہ پڑھا۔ اس میں یہ بھی فرمایا تھا کہ اے جماعت انصار! کیا تم گمراہ نہ تھے پھر خدا تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت دی؟ کیا تم متفرق نہ تھے پھر خدا تعالیٰ نے میری وجہ سے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی کیا تم فقیر نہ تھے اللہ تعالیٰ نے تمہیں میری وجہ سے غنی کر دیا۔ ہر ہر سوال کے جواب میں یہ پاکباز جماعت یہ با خدا گروہ کہتا جاتا تھا کہ ہم پر خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے احسان اور بھی بہت سے ہیں اور بہت بڑے بڑے ہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

(فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا): اور تم اس کی رحمت و ہدایت سے بھائی بھائی ہو، یعنی دین دوستی ہمدردی اور محبت کے اعتبار سے بھائی بھائی بن گئے (اگرچہ نسبی برادری نہیں تھی)۔

اوس اور خزرج کا اتفاق:

محمد بن اسحاق اور دوسرے اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ قبائل اوس و خزرج ایک ماں باپ کی نسل سے تھے لیکن ایک مقتول کی وجہ سے دونوں میں دشمنی ہوگئی اور اتنی بڑھی کہ ایک سو بیس برس تک باہم جنگ ہوتی رہی آخر کار اسلام کی وجہ سے اللہ نے ان کی باہمی عداوت کی آگ بجھا دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے سب میں اتفاق ہوگیا ان کے اسلام اور باہمی الفت کا آغاز اس طرح ہوا کہ قبیلہ بنی عمرو بن عوف میں ایک شخص تھا جس کا نام سوید بن صامت تھا اور قوم والے اس کو طاقتور اور اصیل ہونے کی وجہ سے کامل کہتے تھے۔ سوید حج یا عمرہ کرنے کے لئے مکہ کو گیا اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہو چکی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسلام کی دعوت دینے کا حکم مل چکا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سوید کی آمد کی خبر سنی تو اس کے پیچھے گئے اور اللہ اور اسلام کی اس کو دعوت دی سوید نے کہا شاید تمہارے پاس ویسی ہی کوئی چیز ہے جیسے میرے پاس ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا تمہارے پاس کیا ہے۔ سوید نے کہا لقمان کا رسالہ یعنی لقمان کا پرحکمت کلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے لاؤ سوید نے پیش کیا (یعنی پڑھ کر سنایا) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اچھا ہے مگر میرے پاس جو چیز ہے وہ اس سے افضل ہے میرے پاس قرآن ہے جس کو اللہ نے نور اور ہدایت بنا کر اتارا ہے پھر آپ نے اس کو قرآن سنایا اور اسلام کی دعوت دی سوید نے نفرت نہیں کی اور کہنے لگا یہ اچھی چیز ہے پھر واپس مدینہ چلا گیا اور کچھ ہی مدت کے بعد جنگ بعاث میں قبیلہ خزرج نے اس کو قتل کر دیا۔ اوس کی قوم والوں کا بیان ہے کہ مسلمان ہونے کی حالت میں اس کو قتل کیا گیا۔

اس کے بعد ابوالحیسر انس بن رافع بنی اشہل کی ایک جماعت کو ساتھ لے کر جس میں ایاس بن معاذ بھی شامل تھا۔ قریش سے معاہدہ تعاون کرنے کے لئے آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ تشریف لے گئے اور ان کے پاس بیٹھ کر فرمایا جس کام کے لئے تم آئے ہو کیا اس سے بہتر چیز کی تم کو خواہش ہے لوگوں نے کہا وہ کیا چیز ہے فرمایا میں اللہ کا پیغامبر ہوں اللہ نے مجھے اپنے بندوں کے پاس بھیجا ہے میں ان کو دعوت دیتا ہوں کہ کسی چیز کو اللہ کا ساجھی نہ قرار دو، اللہ نے مجھ پر کتاب بھی نازل فرمائی ہے اس کے بعد آپ نے ان کے سامنے اسلام کا تذکرہ کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا ایاس بن معاذ جو نوجوان لڑکا تھا کہنے لگا قوم والو جس کام

کے لئے تم آئے ہو خدا کی قسم یہ اس سے بہتر ہے۔ ابوالحیسیر نے ایک لپ بھر کر کنکریاں ایاس کے منہ پر ماریں اور بولا یہ اپنی بات رہنے دے ہم دوسری غرض سے آئے ہیں۔ ایاس خاموش ہو گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو گئے اور وہ لوگ بھی مدینہ کو لوٹ گئے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد اوس وخزرج کے درمیان جنگ بعاث ہوئی اور کچھ ہی عرصہ کے بعد ایاس کا انتقال ہو گیا پھر جب اللہ نے چاہا کہ اس کا دین ظاہر اور رسول غالب ہو جائے تو ایک حج کے زمانہ میں ہر سال کے معمول کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انصار کی ایک جماعت سے ملے اور عقبہ کے پاس ایک خزرجی گروہ سے ملاقات ہوئی اس گروہ میں چھ شخص تھے اسعد بن زرارہ، عوف بن حارث یعنی عوف بن عفراء نافع بن مالک عجلانی عطیہ بن عامر عقبہ بن عامر اور جابر بن عبداللہ، اللہ کو مقصود تھا کہ ان کو خیر نصیب ہو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا تم کون لوگ ہو انہوں نے جواب دیا خزرجی گروہ فرمایا کیا یہودیوں کے دوستوں میں سے ہو انہوں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا کیا تم بیٹھ کر میری بات نہیں سنو گے انہوں نے کہا کیوں نہیں سنیں گے اس کے بعد سب بیٹھ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اللہ کی دعوت دی اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا (وہ مسلمان ہو گئے) ان کے اسلام کی خدا کی طرف سے ایک وجہ یہ بھی ہوئی کہ مدینہ میں وہ یہودیوں کے ساتھ رہتے تھے یہودی اہل کتاب اور اہل علم تھے اور یہ لوگ بت پرست اور مشرک یہودیوں سے ان کا کچھ جھگڑا ہو جاتا تھا تو یہودی کہتے تھے اب ایک نبی آنیوالا ہے جس کی بعثت کا زمانہ قریب آ گیا ہے ہم اس کا اتباع کرینگے اور اس کے ساتھ ہو کر تم کو قوم عاد کی طرح قتل کرینگے پس اس گروہ نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام اور اسلام کی دعوت سنی تو آپس میں کہنے لگے لوگو تم جانتے ہو کہ یہ وہی پیغمبر ہیں جن کا نام لے کر یہودی تم کو دھمکیاں دیتے ہیں۔ اب یہودی تم سے اس کی مدد حاصل کرنے میں سبقت نہ کرنے پائیں چنانچہ سب نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کی اور مسلمان ہو گئے اور عرض کیا ہم ایسی قوم کو چھوڑ کر آئے ہیں جن میں آپس کی جنگ اور دشمنی اتنی ہے کہ کسی قوم میں نہیں ہے۔ اب امید ہے کہ اللہ آپ کے ذریعہ سے ان میں اتفاق کرا دے گا۔ عنقریب ہم ان کے پاس جائیں گے اور ان کو اس بات کی دعوت دیں گے۔ اگر اللہ نے ان سب کو آپ کے معاملہ میں متفق کر دیا تو آپ سے بڑھ کر پھر کوئی عزت یافتہ نہ ہوگا۔ پھر یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے اپنے شہر کو لوٹ گئے اور مدینہ پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ کیا اور مدینہ والوں کو اسلام کی دعوت دی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر مدینہ میں اتنا پھیل گیا کہ انصار کے ہر گھر میں آپ ہی کا چرچا ہونے لگا۔

پھر آئندہ سال ایام حج میں بارہ انصاری (رِضْوَانُ اللّٰهِ عَلَيْهِمْ اَجْمَعِيْنَ) آئے۔

شرائط بیعت:

عقبہ اولیٰ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی ملاقات ہوئی اور عورتوں کی بیعت کی کہ شرطوں پر انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیعت کی کہ شرک نہیں کرینگے۔ زنا نہیں کریں گے الخ (حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا) اگر تم ان شرطوں کو پورا کرو گے تو تمہارے لئے جنت ہے۔ اگر ان میں کچھ کھوٹ کرو گے اور دنیوی سزا میں گرفتار ہو جاؤ گے تو گناہ کا کفارہ ہو جائے گا لیکن اگر تمہارے جرم پر پردہ پڑا رہا تو تمہارا معاملہ اللہ کے سپرد رہے گا وہ چاہے تم کو عذاب دے چاہے معاف کر دے۔

راوی کا بیان ہے کہ یہ واقعہ جنگ پیش آنے سے پہلے کا ہے۔ ان لوگوں کی واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مصعب بن عمیر بن ہاشم یا بن عبد مناف کو ان کے ساتھ کر دیا اور حکم دیدیا کہ ان کو قرآن پڑھانا، اسلام کی تعلیم دینا اور احکام سمجھانا، مدینہ میں مصعب کا لقب مقری (قرآن پڑھانیوالا) ہو گیا اور اسعد بن زرارہ کے مکان پر آپ کا قیام ہوا۔

کچھ مدت کے بعد اسعد بن زرارہؓ مصعبؓ کو ساتھ لے کر بنی ظفر کے ایک باغ کو گئے اور اندر جا کر بیٹھ گئے وہاں دوسرے مسلمان بھی جمع ہو گئے۔ دوسری طرف سعد بن معاذ نے اسید بن حضیر سے کہا یہ دونوں آدمی ہمارے گھر میں آ کر ہمارے کمزور سمجھ کے آدمیوں کو بہکانا چاہتے ہیں تم جا کر ان دونوں کو جھڑک کر نکال دو۔ اسعد میرے میرے ماموں کا بیٹا ہے اگر یہ رشتہ نہ ہوتا تو میں خود ہی یہ کام کر لیتا تمہاری ضرورت بھی نہیں ہوتی سعد اور اسید بنی اشہل کے سردار تھے اور اس وقت تک مشرک تھے حسب مشورہ اسید اپنا چھوٹا نیزہ لیکر مصعب اور اسعد کے پاس گیا۔ دونوں باغ کے اندر بیٹھے ہوئے تھے اسیدؓ کو دیکھ کر اسعد نے مصعب سے کہا یہ آنیوالا اپنی قوم کا سردار ہے، اس کو مسلمان بناؤ۔ مصعب نے جواب دیا اگر یہ بیٹھ جائے گا تو میں اس سے بات کروں گا۔ اسید پہنچ کر دونوں کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور گالیاں دینے لگا کہنے لگا تم ہمارے ہاں کیوں آئے ہو کیا ہمارے کمزور سمجھ والوں کو بے وقوف بنا رہے ہو اگر تم کو اپنی جان سے کچھ محبت ہے تو یہاں سے ہٹ کر چلے جاؤ۔ مصعبؓ نے کہا آپ بیٹھ کر ذرا ہماری بات تو سن لیجئے

اگر ہماری بات آپ کو پسند آئے تو مان لینا ناپسند ہو تو آپ کے ناگوار خاطر بات نہیں کی جائے گی اسید نے کہا یہ بات تم نے ٹھیک کہی، یہ کہہ کر نیزہ زمین میں گاڑ کر دونوں کی طرف رخ کر کے بیٹھ گیا۔

مصعبؓ نے اسلام کے متعلق اس سے گفتگو کی اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ مصعبؓ کا بیان ہے ابھی وہ کچھ بولا بھی نہ تھا مگر ہم کو اس کے چہرہ کی چمک اور بشاشت سے اسلام کے آثار دکھنے لگے تھے قرآن سننے کے بعد کہنے لگا یہ تو بڑی اچھی اور خوبصورت چیز ہے اچھا بتاؤ کہ اس مذہب میں داخل ہونے کے وقت تم کیا کرتے ہو۔ مصعبؓ اور اسعد نے جواب دیا غسل کر لو کپڑے پاک کرو پھر شہادت حق دو پھر دو رکعت نماز پڑھو۔ اسید نے فوراً اٹھ کر جا کر غسل کیا کپڑے پاک کئے اور کلمۂ شہادت پڑھ کر کھڑے ہو کر دو رکعت نماز ادا کی پھر کہنے لگا میرے پیچھے ایک آدمی اور ہے اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو اس کی قوم کا کوئی شخص تامل نہیں کرے گا۔ وہ سعدؓ بن معاذ ہے میں ابھی اس کو تمہارے پاس بھیجتا ہوں پھر نیزہ لے کر چلدیا اور اپنی چوپال پر جا کر ٹھیر گیا۔ سعدؓ نے پوچھا پیچھے کیا چھوڑ کر آئے اسید نے کہا خدا کی قسم میں نے تو ان میں کوئی جرأت نہیں پائی میں نے ان کو روک دیا انہوں نے کہا جیسا آپ کو پسند ہے ہم ویسا ہی کرینگے۔ لیکن مجھے ایک خبر یہ ملی ہے کہ بنی حارثہ اسعد کو قتل کرنے کے لئے نکلے ہیں کیونکہ اسعد تمہارا ماموں کا بیٹا ہے وہ اس کو قتل کر کے تم سے عہد شکنی کرنا چاہتے ہیں یہ سن کر سعد غضب ناک ہو کر فوراً اٹھ کھڑا ہوا نیزہ ہاتھ میں لیا اور بولا خدا کی قسم میرے خیال میں تم نے کچھ کام نہیں کیا باغ میں پہنچ کر دیکھا تو مصعب اور اسعد دونوں کو مطمئن پا کر سمجھ گیا کہ اسید نے مجھے اسلئے بھیجا ہے کہ میں خود پہنچ کر ان کی بات سنوں جب سامنے جا کر کھڑا ہوا تو گالیاں دینے لگا اور اسعد بن زرارہ سے بولا اگر مجھ سے تیرا رشتہ نہ ہوتا تو پھر میرے متعلق تیری یہ جرات نہ ہوتی تو ہمارے گھر کے اندر ایسی باتیں لیکر آتا ہے جو ہم کو ناگوار ہیں سعد کو دیکھتے ہی اسعد نے مصعب سے کہہ دیا تھا کہ یہ آنے والا اپنی قوم کا سردار ہے اگر اس نے تمہاری بات مان لی تو پھر اس کی قوم میں کوئی تمہاری مخالفت نہیں کرے گا۔ مصعب نے سعد سے کہا ذرا بیٹھ کر ہماری بات سن لیجئے اگر آپ کو دلپسند اور مرغوب ہو تو مان لیں ورنہ آپ کے ناگوار خاطر کام ہم آپ سے الگ رکھیں گے۔ سعد نے کہا تیری یہ بات ٹھیک ہے کہ پھر نیزہ زمین میں گاڑ کر بیٹھ گیا۔ مصعب نے اسلام پیش کیا اور قرآن پڑھ کر سنایا۔ مصعب اور اسعد کا بیان ہے کہ سعد کے چہرہ کی چمک اور بشاشت دیکھ کر ہی ہم پہچان گئے تھے کہ اسلام اسکو پسند آ گیا چنانچہ قرآن سن کر سعد نے کہا جب تم مسلمان ہوتے اور اس دین میں داخل ہوتے ہو تو کیا کرتے ہو۔ مصعبؓ نے کہا غسل کر لو۔ دونوں کپڑے پاک کر لو پھر شہادت حق ادا کرو اور دو رکعت نماز پڑھو۔

شہادت کی تیاری:

سعدؓ نے اٹھ کر غسل کیا۔ کپڑے پاک کئے شہادت حق ادا کی اور دو رکعت نماز پڑھی اور نیزہ لے کر قصداً اپنی قوم کی چوپال کی طرف گئے ساتھ میں اسید بن حضیر بھی تھے۔ قوم والوں نے آتا دیکھ کر کہا خدا کی قسم اب سعد کا وہ چہرہ نہیں جو جاتے وقت تھا۔ سعد نے قوم سے کہا اے بنی عبدالاشہل تم مجھے اپنے اندر کیسا جانتے ہو۔ قوم والوں نے کہا آپ ہمارے سردار ہیں سب سے زیادہ آپ کی رائے فضیلت رکھتی ہے۔ آپ کا قول و عمل نہایت مبارک ہے۔

سعد نے کہا تو سن لو کہ تمہارے مردوں اور عورتوں سے بات کرنا مجھ پر حرام ہے جب تک تم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان نہ لے آؤ۔ سعد کے اس قول کے بعد بنی عبدالاشہل کے احاطہ میں کوئی مرد عورت بغیر اسلام لائے نہیں رہا۔

اسلام کی دعوت:

اسعدؓ اور مصعبؓ دونوں لوٹ کر اسعدؓ کے گھر آ گئے مصعبؓ یہیں مقیم رہے اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دیتے رہے یہاں تک کہ انصار کے احاطوں میں کوئی احاطہ ایسا نہیں رہا جس میں کچھ مرد اور عورتیں مسلمان نہ ہوں ہاں بنی امیہ بن زید اور حطمہ اور وائل اور واقف کے احاطہ میں مسلمان نہ ہوئے کیونکہ ابوقیس بن اسلت شاعر ان میں موجود تھا اور یہ خاندان والے اسی کی بات سنتے اور کہا مانتے تھے۔ اس نے سب کو اسلام سے روک دیا تھا۔ یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے آئے اور بدر، احد اور خندق کی لڑائیاں بھی گذر گئیں۔ (اس کے بعد یہ لوگ مسلمان ہوئے)

اہل تاریخ نے لکھا ہے کہ اس کے بعد مصعبؓ بن عمیر مکہ کو واپس چلے گئے۔ اس وقت آپ کے ساتھ ستر مسلمان انصاری اور کچھ مشرک تھے جو حج کے لئے گئے تھے۔ مکہ پہنچ کر وسط ایام تشریق میں عقبہ ثانیہ پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہونے کا وعدہ ہوا۔ یہ ہی بیعت عقبہ ثانیہ کہلاتی ہے۔ کعبؓ بن مالک کا بیان ہے کہ میں موجود تھا۔ ہم حج سے فارغ ہوئے اور وعدہ ملاقات والی رات آئی یوں تو ہم اپنے ساتھ والے مشرکوں سے اپنی باتیں چھپا رکھتے تھے مگر ابو جابر عبداللہ بن عمرو بن حرام کو ہم نے بتا دیا تھا اور اس سے گفتگو کر لی تھی اور کہہ دیا تھا کہ آپ ہمارے

سرداروں میں سے ایک سردار ہیں اور ہمارے بزرگ ہیں ہم نہیں چاہتے کہ آپ کل کو آگ کا ایندھن بنیں اس لئے جس حالت میں آپ ہیں اس حالت میں آپ کو چھوڑ دینا ہم کو پسند نہیں۔ غرض ہم نے اس کو اسلام کی دعوت دی اور وہ مسلمان ہو گیا اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وعدہ ملاقات کی اس کو اطلاع دیدی اور عقبہ میں ہمارے ساتھ آ گیا اور نقیب ہو گیا۔ وعدہ والی رات کا کچھ حصہ ہم نے اپنی فرودگاہوں میں ہی گذارا جب ایک تہائی رات گذر گئی تو ہم چپکے چپکے چھپتے چھپاتے قطا (چکور) کی چال سے نکلے اور عقبہ کے پاس گھاٹی میں پہنچ کر جمع ہوئے اس وقت ہم ستر مرد اور دو عورتیں تھے۔ ایک بنی نجار کی عمارہ نسیبہ بنت کعب اور دوسری بنی سلمہ کی۔ ام منیع اسماء بنت عمرو بن عدی۔ گھاٹی کے اندر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرتے رہے۔ آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب کے ساتھ تشریف لے آئے۔

حضرت عباسؓ نے فرمایا اے گروہ خزرج (خزرج کا اطلاق انصاریوں کے پورے گروہ پر ہوتا تھا خزرجی ہوں یا اوسی تم واقف ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ہیں جو لوگ ہماری قوم میں ہمارے خیالات کے ہیں ان سے ہم نے ان کی حفاظت کی ہے یہ اپنی قوم میں باعزت اور اپنے شہر میں حفاظت سے ہیں لیکن یہ سب سے کٹ کر تم سے جڑنا چاہتے ہیں اور تم سے کٹنے پر راضی نہیں ہیں پس سوچ لو اگر اس بات کو تم پورا کر سکو جس کے لئے ان کو بلا رہے ہو اور مخالفوں سے ان کی حفاظت کر سکو تو تمہاری ذمہ داری تم پر ہے اور اگر تم یہ خیال کرتے ہو کہ جب یہ تمہارے پاس پہنچ جائیں گے اور ان کو مدد کی ضرورت ہوگی تو تم ان کو بے مدد بے سہارا چھوڑ دو گے تو ابھی سے ان کو چھوڑ دو یہ عزت وحفاظت کے ساتھ ہیں کعب کا بیان ہے ہم نے جواب دیا جو کچھ آپ نے فرمایا ہم نے سن لیا۔ لیکن اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم آپ خود کچھ فرمائیے اور اپنے لئے اور اپنے رب کے لئے ہم سے جو عہدہ لینا چاہیں لے لیجئے۔

راوی کا بیان ہے اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بولے قرآن مجید کی تلاوت کی اور اللہ کی طرف بلایا اور اسلام کی طرف راغب کیا پھر فرمایا میں تم سے ان شرطوں پر بیعت لیتا ہوں کہ اپنی بیوی بچوں کی جس چیز سے حفاظت کرو گے اس سے میری بھی حفاظت کرنا۔ یہ سن کر براء بن معرور نے دست مبارک پکڑ لیا۔ اور عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے ہم جس چیز سے اپنی اور اپنے بال بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ اس سے آپ کی بھی حفاظت کرینگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہماری بیعت قبول کیجئے ہم خود بھی جنگجو ہیں اور دوسروں سے بھی تعاون کا ہمارا معاہدہ ہے جو بزرگوں سے موروثی چلا آتا ہے۔ براء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بات کر ہی رہے تھے کہ ابوالہیثم بن تیہان بیچ میں بول اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں سے ہمارے معاہدے ہیں اب ان کو ختم کرنا پڑے گا کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ ہم سب سے معاہدے ختم کر دیں اور اللہ آپ کو غلبہ عنایت فرما دے تو آپ ہم کو چھوڑ کر اپنی قوم کی طرف آ جائیں یہ کلام سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور فرمایا نہیں۔ تمہارا خون میرا خون ہے۔

تم مجھ سے ہو اور میں تم سے جس سے تم لڑو گے میں بھی لڑوں گا جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کروں گا پھر حضور نے فرمایا۔ اپنے میں سے بارہ نمائندے چھانٹ کر نکال لو جو حضرت عیسیٰ کے حواریوں کی طرح اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہوں حسب الحکم بارہ نمائندے چھانٹے گئے نو خزرج میں سے اور تین اوس میں سے۔

صحابہؓ نے جنگ کیلئے بیعت کی:

عاصم بن عمرو بن قتادہ کا بیان ہے کہ جب بیعت کے لئے لوگ جمع ہو گئے تو عباس بن عبادہ بن نضلہ انصاری نے کہا اے گروہ خزرج کیا تم جانتے ہو کہ کس شرط پر تم اس شخص کی بیعت کر رہے ہو۔ ہر گورے کالے سے لڑنے کی بیعت کر رہے ہو۔ اگر تمہارا خیال ہو کہ جب تمہارے مالوں پر کوئی مصیبت پڑے گی اور تمہارے سردار مارے جائیں گے تو تم اس کو بے مدد چھوڑ جاؤ گے تو ابھی بیعت نہ کرو ورنہ اس وقت خدا کی قسم دنیا وآخرت کی رسوائی نصیب ہوگی اور اگر مالوں کی تباہی اور سرداروں کی ہلاکت کے باوجود تم اپنے اس وعدہ کو پورا کر سکتے ہو جس پر تم اس شخص کو دعوت دے رہے ہو تو اس کو لے لو۔ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔

انصار نے جواب دیا ہم مالوں کی تباہی اور سرداروں کے قتل ہو جانے کے بعد بھی ان کو نہیں چھوڑیں گے اور اسی شرط پر ان کو قبول کر رہے ہیں لیکن اے اللہ کے رسول اگر ہم نے یہ شرط پوری کر دی تو ہم کو اس کے عوض کیا ملے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت۔ انصار نے عرض کیا تو دست مبارک پھیلایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ پھیلایا۔ سب نے بیعت کر لی اول براء بن معرور نے ہاتھ پر ہاتھ مارا پھر یکے بعد دیگرے دوسرے لوگوں نے۔

جب ہم بیعت کر چکے تو عقبہ کی چوٹی سے انتہائی بلند آواز سے شیطان

نے چیخ کر کہا اے اہل حباحب کیا تم کو مذمم (محمدؐ) کی بھی اطلاع ہے بے دین اس کے ساتھ مل کر تم سے جنگ کرنے پر متفق ہو گئے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ اللہ کا دین ہے۔ یہ عقبہ کا ازب ہے (اس شیطان کا نام ازب تھا ازب لغت میں سانپ کو کہتے ہیں) اے دشمن خدا سن لے خدا کی قسم میں تیرے مقابلہ کے لئے بالکل فارغ ہو جاؤں گا پھر فرمایا اب تم اپنے اپنے پڑاؤ پر چلے جاؤ عباسؓ بن عبادہ بن نضلہ نے عرض کیا قسم ہے اس کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے اگر آپ چاہیں تو ہم کل صبح ہی اہل منا پر تلواریں لے کر ٹوٹ پڑیں فرمایا مجھے اس کا حکم نہیں دیا گیا ہے تم اپنی فرودگاہوں پر چلے جاؤ حسب الحکم ہم اپنی خوابگاہوں پر آ گئے اور سو گئے صبح ہوئی تو قریش کے بڑے بڑے لوگ ہمارے پڑاؤ پر آئے اور کہنے لگے اے گروہ خزرج! ہم کو اطلاع ملی ہے کہ تم ہمارے اس ساتھی کے پاس آئے ہو اس کو ہمارے پاس سے نکال کر لیجانا چاہتے ہو اور ہمارے خلاف جنگ کرنے کے لئے اس سے بیعت کر رہے ہو خدا کی قسم عرب کے کسی قبیلہ سے جنگ چھڑ جانا ہمارے نزدیک اتنی قابل نفرت نہیں جتنی تم سے ہے یہ سن کر ہمارے (یعنی خزرج اور اوس کے) مشرک کھڑے ہو گئے اور اللہ کی قسمیں کھا کر انہوں نے کہا کہ ایسی کوئی بات نہیں ہوئی اور نہ ہمیں اس کا علم ہے حقیقت میں انہوں نے سچ کہا تھا ان کو بیعت کا علم ہی نہ تھا۔ ان کی باتوں کے وقت ہم آپس میں ایک دوسرے کی طرف دیکھ رہے تھے غرض سب لوگ اٹھ کھڑے ہوئے۔

قریش میں ایک شخص حارث بن مغیرہ مخزومی نئی جوتیاں پہنے ہوئے تھا۔ میں نے ابو جابر سے ایک بات کہی گویا میں دوسرے قریش کو یہ دکھانا چاہتا تھا کہ میں مشرکین انصار کے کلام کی تائید کر رہا ہوں اور بات یہ تھی کہ میں نے اس سے کہا ابو جابر تم ہمارے سرداروں میں سے ہو لیکن اتنی بھی تم میں استطاعت نہیں کہ اس قریشی جوان کی جوتیوں کی طرح جوتیاں ہی بنوا لو حارث نے یہ بات سنی تو فوراً جوتیاں پاؤں سے نکال کر میری طرف پھینک دیں اور بولا خدا کی قسم اب ان کو تو پہنے گا ابو جابر نے کہا ہائیں تو نے جوان کو غصہ دلا دیا جوتیاں واپس کر دے میں نے کہا کہ میں تو واپس نہیں کروں گا۔ یہ شگون اچھا ہے اگر فال سچی ہوئی تو خدا کی قسم میں اس کے کپڑے تک اتاروں گا۔ غرض مضبوط معاہدہ کے بعد انصار مدینہ کو لوٹ گئے اور مدینہ میں اسلام کا ظہور ہو گیا۔

قریش کو اس کی اطلاع ملی تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دکھ دینے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں سے فرمایا اللہ نے تمہارے کچھ بھائی بنا دیئے ہیں اور امن کی ایک جگہ بھی دیدی ہے تم ہجرت کر کے مدینہ چلے جاؤ اور اپنے انصاری بھائیوں میں مل کر رہو۔ اس حکم پر سب سے پہلے سلمہ بن عبداللہ مخزومی کے بھائی نے مدینہ کو ہجرت کی پھر عامر بن ربیعہ نے پھر عبداللہ بن جحش نے پھر، پے در پے جتھے جانے لگے اس طرح اسلام کی وجہ سے اللہ نے مدینہ والے اوس اور خزرج کے قبیلوں کو متفق بنا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ ان میں باہم صلح کرا دی۔ ☆ تفسیر ابن کثیر ☆

وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ
اور تم تھے کنارے پر ایک آگ کے گڑھے کے پھر تم کو
فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ؕ
اُس سے نجات دی

ایمان وایقان کی روشنی:

یعنی کفر وعصیان کی بدولت دوزخ کے بالکل کنارے پر کھڑے تھے کہ موت آئی اور اس میں گرے۔ خدا نے تمہارا ہاتھ پکڑ کر اس سے بچایا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے ایمان وایقان کی روشنی سینوں میں ڈالی۔ حق تعالیٰ کے ان عظیم الشان دینی ودنیوی احسانات کو یاد رکھو گے تو کبھی گمراہی کی طرف واپس نہ جاؤ گے۔ ☆ تفسیر عثمانی ☆

كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ
اسی طرح کھولتا ہے اللہ تم پر آیتیں
تَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۳﴾
تاکہ تم راہ پاؤ

یعنی یہ باتیں اس قدر کھول کھول کر سنانے سے مقصود یہ ہے کہ ہمیشہ ٹھیک راستہ پر چلتے رہو۔ ایسی مہلک وخطرناک غلطی کا پھر اعادہ نہ کرو اور کسی شیطان کے اغوا سے استقامت کی راہ نہ چھوڑو۔ ☆ تفسیر عثمانی ☆

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى
اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی جو بلاتی رہے
الْخَيْرِ وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ
نیک کام کی طرف اور حکم کرتی رہے اچھے کاموں کا

عَنِ الْمُنْكَرِ ۚ وَ أُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اور منع کریں برائی سے اور وہی پہنچے اپنی مُراد کو

اتفاق واتحاد باقی رکھنے کا طریقہ:

یعنی تقویٰ، اعتصام بحبل اللّٰہ. اتحاد و اتفاق قومی زندگی، اسلامی مواخات، یہ سب چیزیں اس وقت باقی رہ سکتی ہیں جب کہ مسلمانوں میں ایک جماعت خاص دعوت و ارشاد کے لئے قائم رہے۔ اس کا وظیفہ یہ ہی ہو کہ اپنے قول و عمل سے دنیا کو قرآن و سنت کی طرف بلائے، اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے، اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے میں اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہ کرے۔ ظاہر ہے کہ یہ کام وہ ہی حضرات کر سکتے ہیں جو معروف و منکر کا علم رکھنے اور قرآن و سنت سے باخبر ہونے کے ساتھ ذی ہوش اور موقع شناس ہوں، ورنہ بہت ممکن ہے کہ ایک جاہل آدمی معروف کو منکر یا منکر کو معروف خیال کر کے بجائے اصلاح کے سارا انظام ہی مختل کر دے، یا ایک منکر کی اصلاح کا ایسا طریقہ اختیار کرے جو اس سے بھی زیادہ منکرات کے حدوث کا موجب ہو جائے، یا نرمی کی جگہ سختی اور سختی کے موقع میں نرمی برتنے لگے۔ شاید اسی لئے مسلمانوں میں سے ایک مخصوص جماعت کو اس منصب پر مامور کیا گیا جو ہر طرح دعوت الی الخیر، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی اہل ہو۔ حدیث میں ہے کہ جب لوگ منکرات میں پھنس جائیں اور کوئی روکنے والا نہ ہو تو عام عذاب آنے کا اندیشہ ہے باقی یہ کہ کن احوال و اوقات میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے ترک میں آدمی معذور سمجھا جا سکتا ہے اور کن مواقع میں واجب یا مستحب ہے اس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں، ابو بکر رازی نے ''احکام القرآن'' میں اس پر نہایت مبسوط کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فرض کا امر بھی فرض ہے:

وجوب میں یہ تفصیل ہے کہ امور واجبہ میں معروف کا امر اور منکر سے نہی کرنا واجب اور امور مستحبہ میں مستحب ہے، مثلاً نماز پنجگانہ فرض ہے تو ہر شخص پر واجب ہوگا کہ بے نمازی کو نصیحت کرے، اور نوافل مستحب ہیں، اس کی نصیحت کرنا مستحب ہوگا، اس کے علاوہ ایک ضروری ادب یہ بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ مستحبات میں مطلقاً نرمی سے اظہار کرے، اور واجبات میں اولاً نرمی اور نہ ماننے پر سختی کی بھی گنجائش ہے، آج کل لوگ مستحبات میں یا مباحات میں تو سختی سے روک ٹوک کرتے ہیں۔

مثلاً ایک شخص دیکھ رہا ہے کہ کوئی مسلمان شراب پی رہا ہے یا چوری کر رہا ہے یا کسی غیر عورت سے مجرمانہ اختلاط کر رہا ہے، تو اس کے ذمہ واجب ہوگا کہ اپنی استطاعت و قدرت کے مطابق اس کو روکے، اور اگر اس کے سامنے یہ سب کچھ نہیں ہو رہا ہے تو یہ فریضہ اس کے ذمہ نہیں، بلکہ اب یہ فریضہ اسلامی حکومت کا ہے کہ مجرم کے جرم کی تفتیش و تحقیق کر کے اس کو سزا دے،

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد من رأی منکم میں اس طرف اشارہ ہے کیونکہ اس میں ارشاد ہے کہ جو شخص تم میں سے کسی منکر کو دیکھے۔

دوسرا درجہ:

امر بالمعروف کا دوسرا درجہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں سے ایک جماعت خاص دعوت و ارشاد ہی کے لئے قائم رہے، اس کا وظیفہ ہی یہی ہو کہ اپنے قول و عمل سے لوگوں کو قرآن و سنت کی طرف بلائے، اور جب لوگوں کو اچھے کاموں میں سست یا برائیوں میں مبتلا دیکھے اس وقت بھلائی کی طرف متوجہ کرنے اور برائی سے روکنے کی اپنے مقدور کے موافق کوتاہی نہ کرے۔

پھر اس دعوت الی الخیر کے بھی دو درجے ہیں، پہلا یہ کہ غیر مسلموں کو خیر یعنی اسلام کی طرف دعوت دینا ہے، مسلمانوں کا ہر فرد عموماً اور یہ جماعت خصوصاً دنیا کی تمام قوموں کو خیر یعنی اسلام کی دعوت دے زبان سے بھی اور عمل سے بھی۔

امر بالمعروف والی جماعت:

(وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ أُمَّةٌ) میں اشارہ ہے کہ اس جماعت کا وجود ضروری ہے، اگر کوئی حکومت یہ فریضہ انجام نہ دے تو تمام مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ ایسی جماعت قائم کریں، کیونکہ ان کی حیات ملی اسی وقت محفوظ رہے گی جب تک یہ جماعت باقی ہے، پھر اس جماعت کے بعض اہم اوصاف اور امتیازات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا (يَّدْعُوْنَ إِلَى الْخَيْرِ) یعنی اس جماعت کا پہلا امتیاز خصوصی یہ ہوگی کہ وہ خیر کی طرف دعوت دیا کرے گی۔

صحابہ کرامؓ:

حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت: (وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ) تلاوت فرمائی اور پھر فرمایا: ہم خاصة اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (ابن جریر) یعنی یہ جماعت مخصوص صحابہ کرام کی جماعت ہے، کیونکہ ان نفوس قدسیہ کا ہر فرد خود کو دعوت الی الخیر کا ذمہ دار سمجھتا تھا۔

دعوت الی الخیر کا دوسرا درجہ خود مسلمانوں کو دعوت خیر دینا ہے، کہ تمام مسلمان علی العموم اور جماعت خاصہ علی الخصوص مسلمانوں کے درمیان تبلیغ کرے، اور فریضہ دعوت الی الخیر انجام دے، پھر اس میں بھی ایک تو دعوت الی الخیر عام ہوگی، یعنی تمام مسلمانوں کو ضروری احکام و اسلامی اخلاق سے واقف کیا جائے۔ دوسری دعوت الی الخیر خاص ہوگی یعنی امت مسلمہ میں علوم قرآن وسنت کے ماہرین پیدا کرنا۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

(يَدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ) : جو لوگوں کو بھلائی کی طرف بلائیں یعنی ان عقائد اخلاق اور اعمال کی دعوت دیں جن کے اندر دین و دنیا کی بہتری ہو، ابن مردویہ نے حضرت امام باقرؒ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قرآن اور میری سنت پر چلنا ہی خیر ہے۔ سیوطیؒ نے اس حدیث کو معضل کہا ہے۔

(وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ) : یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والے ہی کامیاب ہونگے۔ جو ایسا نہ کرے گا ناکام ہوگا اور گھاٹا اٹھائے گا۔

نہی عن المنکر کے درجات:

حضرت ابو سعیدؓ خدری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے جس کو بری بات دکھائی دے وہ اپنے ہاتھ سے اس کو بدل دے ہاتھ سے نہ کر سکے تو زبان ہی سے اس سے روک تھام کرے۔ اگر ایسا بھی نہ کر سکے تو دل سے ہی اس کو برا جانے، اور یہ کمزور ترین ایمان کا درجہ ہے۔ ﴿رواہ مسلم﴾

امر بالمعروف میں سستی کی مثال:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ضوابط الٰہیہ میں سستی کرنے والے اور ان میں پڑ جانے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کچھ لوگوں نے قرعہ اندازی کی ہو اور قرعہ ڈالنے کے بعد کوئی کشتی کے بالائی درجہ میں سوار ہوگیا اور کوئی نچلے درجہ میں نچلے درجہ والا پانی لے کر بالائی درجہ والوں کی طرف سے گذرتا تھا تو ان کو تکلیف پہنچتی تھی اس لئے نچلے درجہ والے نے کلہاڑی لے کر کشتی کے نچلے حصہ میں سوراخ کرنا شروع کیا۔ بالائی درجہ والوں نے جا کر کہا تو یہ کیا کر رہا ہے اس نے جواب دیا آپ لوگوں کو میری وجہ سے تکلیف ہوتی تھی اور مجھے پانی کی بہر حال ضرورت ہے اس لئے کشتی میں سوراخ کر رہا ہوں اب اگر وہ لوگ اس کے ہاتھ پکڑ لیں گے تو اس کو بھی ڈوبنے سے بچا لیں گے اور خود بھی محفوظ رہیں گے اور اگر سوراخ کرتے چھوڑ دینگے تو اس کو بھی ہلاک کرینگے اور خود بھی ہلاک ہونگے۔ ﴿رواہ البخاری﴾

امر بالمعروف نہ کرنے کا عذاب:

حضرت حذیفہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے تم ضرور ضرور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو گے ورنہ قریب ہے کہ اللہ تم پر اپنا عذاب بھیج دیگا پھر تم اس کے دور ہونیکی دعا کرو گے مگر تمہاری دعا قبول نہیں ہوگی۔ ﴿رواہ الترمذی﴾

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا لوگو! تم آیت:

(يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ)

پڑھتے ہو اور خیال کرتے ہو کہ اگر کوئی برے کام کریگا تو تم کو اس کا نقصان نہیں پہنچے گا خواہ ہم اس کی روک تھام کریں یا نہ کریں۔ حالانکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرما رہے تھے کہ اگر لوگ بدکاریاں دیکھ کر ان کو بدلنے کی کوشش (ہاتھ یا زبان یا دل سے) نہیں کرینگے تو ممکن ہے کہ اللہ نے ان سب پر اپنا عمومی عذاب بھیج دے۔ ﴿رواہ ابن ماجہ والترمذی و قال صحیح وروی ابوداؤد نحوہ وعن جریر بن عبداللہ جاء نحوہ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ﴾

خود عمل نہ کرنے کا عذاب:

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا معراج کی رات میں نے کچھ آدمی دیکھے جن کے لب آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے تھے میں نے پوچھا جبرئیلؑ یہ کون لوگ ہیں جبرئیلؑ نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے وہ خطیب ہیں جو لوگوں کو تو نیکی کا حکم دینگے اور خود اپنے کو بھول جائیں گے۔ ﴿رواہ البغوی فی شرح السنۃ والبیہقی فی شعب الایمان۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

حضرت اسامہؓ بن زید کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن ایک آدمی کو لا کر دوزخ میں ڈالدیا جائے گا اور وہ اپنی انتڑیاں گھسیٹتا ہوا دوزخ میں اس طرح چکر لگائے گا جیسے گدھا چکی کو لے کر گھومتا ہے دوزخی اس کے پاس جمع ہو کر کہیں گے اے شخص یہ تیرا کیا حال ہے کیا تو ہم کو اچھے کام کرنے کا حکم اور برے کاموں سے باز داشت نہیں کرتا تھا۔ وہ جواب دے گا میں تم کو نیکی کرنے کا حکم دیتا تھا مگر خود نہیں کرتا تھا اور برے کاموں سے روکتا تھا مگر خود کیا کرتا تھا۔ متفق علیہ ﴿تفسیر مظہری﴾

عدی بن عدی کندی کے ایک آزاد کردہ غلام کے دادا کا بیان ہے کہ میں نے خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے کہ مخصوص لوگوں

کے برے اعمال سے اللہ تعالیٰ عام لوگوں کو اس وقت تک ہلاک نہیں کرتا جب تک کہ عام لوگ اپنے سامنے بدکاریاں دیکھ کر باوجود تردید کی قدرت کے انکار نہ کرتے ہوں جب وہ ایسا کرتے ہیں تو اللہ عام و خاص سب کو عذاب میں گرفتار کر دیتا ہے۔ ﴿رواہ البغوی شرح فی السنۃ﴾

بنی اسرائیل کے علماء:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب بنی اسرائیل گناہوں میں پڑ گئے تو ان کے علماء نے منع کیا مگر وہ نہ مانے مگر علماء ان کی مجلسوں میں ان کے ساتھ بیٹھتے اور کھاتے پیتے رہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے ان سب کے دل ایک جیسے کر دیئے اور داؤد و عیسیٰ کی زبانی ان پر لعنت کرائی (ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ) راوی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تکیہ لگائے ہوئے تھے۔ یہ فرمانے کے بعد بیٹھ گئے اور فرمایا نہیں خدا کی قسم یہاں تک کہ تم بھی ان کی طرف جھک جاؤ گے پورے طور پر۔ ﴿رواہ الترمذی وابوداؤد﴾

علم ضروری ہے:

جو شخص خود معروف و منکر سے واقف نہیں اس پر یہ فریضہ تو عائد ہے کہ واقفیت پیدا کرے اور احکام شرعیہ کے معروف و منکر کا علم حاصل کرے اور پھر اس کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت انجام دے، لیکن جب تک اس کو واقفیت نہیں اس کا اس خدمت کے لئے کھڑا ہونا جائز نہیں جیسے اس زمانہ میں بہت سے جاہل وعظ کہنے کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔''

حدیث میں ارشاد فرمایا گیا کہ گناہ کو ہاتھ اور قوت سے نہ روک سکے تو زبان سے روکے، اور زبان سے روکنے پر قدرت نہ ہو تو دل ہی سے برا سمجھے۔ ظاہر ہے کہ زبان سے روکنے پر قدرت نہ ہونے کے یہ معنی تو ہیں نہیں کہ اس کی زبان حرکت نہیں کر سکتی، بلکہ مراد یہی ہے کہ اس کو یہ خطرہ قوی ہے کہ اس نے حق بات کی تلقین کی تو اس کی جان جائے گی، یا کوئی دوسرا شدید نقصان پہنچ جائے گا، ایسی حالت میں اس شخص کو قادر نہ سمجھا جائے گا، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ترک پر اس کو گنہگار نہ کہا جائے گا، یہ دوسری بات ہے کہ اللہ کی راہ میں اپنی جان و مال کی پرواہ نہ کرے، اور نقصان برداشت کر کے بھی امر بالمعروف نہی عن المنکر کی خدمت انجام دے جیسے بہت سے صحابہ و تابعین اور آئمہ اسلام کے واقعات منقول ہیں یہ ان کی اولوالعزمی اور بڑی فضیلت ہے، جس سے ان کا مقام دنیا و آخرت میں بلند ہوا، مگر ان کے ذمہ ایسا کرنا فرض و واجب نہ تھا۔

بیماریوں کا علاج:

اگر آج امت مسلمہ اپنا مقصد دیگر اقوام کو خیر کی طرف دعوت دینا بنا لیں تو وہ سب بیماریاں ختم ہو جائیں گی جو دوسری قوموں کی نقالی سے ہمارے اندر پھیلی ہیں، کیونکہ جب کوئی قوم اس عظیم مقصد دعوت الی الخیر پر مجتمع ہو جائے، اور یہ سمجھ لے کہ ہمیں علمی اور عملی حیثیت سے اقوام عالم پر غالب آنا ہے اور اقوام کی تربیت و تہذیب ہمارے ذمہ ہے، تو اس کی نااتفاقیاں بھی یکسر ختم ہو جائیں گی، اور پوری قوم ایک عظیم مقصد کے حصول کے لئے لگ جائے گی، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی کامیابیوں کا راز اسی میں مضمر تھا۔

نکتہ: معروف و منکر کا عنوان اختیار کرنے میں شاید یہ حکمت بھی ہو کہ روک ٹوک کا معاملہ صرف ان مسائل میں ہو گا جو امت میں مشہور و معروف ہیں، اور سب کے نزدیک متفق علیہ ہیں، اجتہادی مسائل جن میں اصول شرعیہ کے ماتحت رائیں ہو سکتی ہیں، ان میں یہ روک ٹوک کا سلسلہ نہ ہونا چاہئے، افسوس ہے کہ عام طور پر اس حکیمانہ تعلیم سے غفلت برتی جاتی ہے، اور اجتہادی مسائل کو جدال کا میدان بنا کر مسلمانوں کی جماعت کو ٹکرایا جاتا ہے، اور اس کو سب سے بڑی نیکی قرار دیا جاتا ہے، اور اس کے بالمقابل متفق علیہ معاصی اور گناہوں سے روکنے کی طرف توجہ بہت کم دی جاتی ہے۔

آیت کے اختتام پر اس جماعت کے انجام اور عاقبت محمودہ کو ان لفظوں میں فرمایا (وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ) یعنی درحقیقت یہ لوگ کامیاب ہیں، فلاح و سعادت دارین انہیں کا حصہ ہے۔

صحابہ کرام کی کارکردگی:

اس جماعت کا سب سے پہلا مصداق جماعت صحابہ ہے، جو دعوت الی الخیر اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے عظیم مقصد کو لے کر اٹھی اور قلیل عرصہ میں ساری دنیا پر چھا گئی، روم و ایران کی عظیم سلطنتیں روند ڈالیں، اور دنیا کو اخلاق و پاکیزگی کا درس دیا، نیکی اور تقویٰ کی شمعیں روشن کیں،

اجتہاد: حدیث صحیح بخاری و مسلم نے مرفوعاً عمر بن العاصؓ سے روایت کی ہے کہ جب کوئی اجتہاد کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں، اور جب اجتہاد میں غلطی کرے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ جس اختلاف اجتہادی میں خطا ہونے پر بھی ایک ثواب ملتا ہے وہ مذموم نہیں ہو سکتا، لہٰذا وہ اجتہادی اختلاف جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور

ائمہ مجتہدین میں ہوا ہے اس کو اس آیت مذکورہ سے کوئی تعلق نہیں، بقول حضرت قاسم بن محمدؒ و حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ صحابہ کا اختلاف لوگوں کے لئے موجب رحمت و رخصت ہے۔ (کذافی روح المعانی نقلاً عن البیہقی والمدخل)

اجتہادی اختلافات میں کوئی جانب منکر نہیں ہوتی اس پر نکیر جائز نہیں، یہاں سے ایک بہت اہم اصولی بات واضح ہوگئی کہ جو اجتہادی اختلاف شرعی اجتہاد کی تعریف میں داخل ہے، اس میں اپنے اپنے اجتہاد سے جس امام نے جو جانب اختیار کر لی اگرچہ عنداللہ اس میں سے صواب اور صحیح صرف ایک ہے دوسرا خطاء ہے، لیکن یہ صواب و خطاء کا فیصلہ صرف حق تعالیٰ کے کرنے کا ہے، وہ محشر میں بذریعہ اجتہاد صواب پر پہنچنے والے عالم کو دوہرا ثواب عطا فرما دیں گے اور جس کے اجتہاد نے خطاء کی ہے اس کو ایک ثواب دیں گے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اجتہادی اختلاف میں یہ کہنے کا حق نہیں کہ یقینی طور پر یہ صحیح ہے دوسرا غلط ہے، ہاں اپنی فہم و بصیرت کی حد تک ان دونوں میں جس کو وہ اقرب الی القرآن والسنۃ سمجھے اس کے متعلق یہ کہہ سکتا ہے کہ میرے نزدیک یہ صواب ہے، مگر احتمال خطاء کا بھی ہے، اور دوسری جانب خطاء ہے، مگر احتمال صواب کا بھی ہے، اور یہ وہ بات ہے جو تمام ائمہ فقہاء میں مسلم ہے۔

امام ابن عبدالبر اپنی کتاب جامع العلم میں اس معاملہ کے متعلق سنت سلف کے بارے میں یہ بیان فرماتے ہیں:

عَنْ یَحْیٰی بْنِ سَعِیْدٍ قَالَ مَا بَرِحَ اَھْلُ الْفَتْوٰی یُفْتُوْنَ فَیُحِلُّ ھٰذَا وَیُحَرِّمُ ھٰذَا فَلَا یَرَی الْمُحَرِّمُ اَنَّ الْمُحِلَّ ھَلَکَ لِتَحْلِیْلِہٖ وَلَا یَرَی الْمُحِلُّ اَنَّ الْمُحَرِّمَ ھَلَکَ۔ (جامع بیان القرآن)

”یحییٰ بن سعید فرماتے ہیں کہ ہمیشہ اہل فتویٰ فتویٰ دیتے رہے ہیں ایک شخص غیر منصوص احکام میں ایک چیز کو اپنے اجتہاد سے حلال قرار دیتا ہے، دوسرا حرام کہتا ہے، مگر نہ حرام کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ جس نے حلال ہونے کا فتویٰ دیا ہے وہ ہلاک اور گمراہ ہوگیا، اور نہ حلال کہنے والا یہ سمجھتا ہے کہ حرام کا فتویٰ دینے والا ہلاک اور گمراہ ہوگیا۔“

نا اہل مجتہد:

اسی طرح شرائط اجتہاد جس شخص میں موجود نہیں اس کے اختلاف کو اجتہادی اختلاف نہیں کہا جاسکتا ہے، اس کے قول کا کوئی اثر مسئلہ پر نہیں پڑتا، جیسے آجکل بہت سے لکھے پڑھے لوگوں نے یہ سن لیا ہے کہ اسلام میں اجتہاد بھی ایک اصول ہے، اور ان منصوصات شرعیہ میں رائے زنی کرنے لگے، جس میں کسی امام مجتہد کو بھی بولنے کا حق نہیں، اور یہاں تو شرائط اجتہاد کیا نفس علم دین سے بھی واقفیت نہیں ہوتی، العیاذ باللہ۔ (معارف القرآن جلد دوم)

وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا
اور مت ہو اُن کی طرح جو متفرق ہوگئے اور اختلاف کرنے لگے
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۚ وَأُولَٰئِكَ
بعد اس کے کہ پہنچ چکے اُن کو حکم صاف اور
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ
اُن کو بڑا عذاب ہے

یہود و نصاریٰ کی طرح نہ بنو:

یعنی یہود و نصاریٰ کی طرح مت بنو جو خدا تعالیٰ کے صاف احکام پہنچنے کے بعد محض اوہام و اہواء کی پیروی کر کے اصول شرع میں متفرق اور فروع میں مختلف ہوگئے۔ آخر فرقہ بندیوں نے ان کے مذہب و قومیت کو تباہ کر ڈالا، اور سب کے سب عذاب الٰہی کے نیچے آگئے۔ (تنبیہ) اس آیت سے ان اختلافات اور فرقہ بندیوں کا مذموم و مہلک ہونا معلوم ہوا جو شریعت کے صاف احکام پر مطلع ہونے کے بعد پیدا کئے جائیں۔ افسوس ہے کہ آج مسلمان کہلانیوالوں میں بھی سینکڑوں فرقے شریعت اسلامیہ کے صاف و صریح اور مسلم و محکم اصول سے الگ ہو کر اور ان میں اختلاف ڈال کر اس عذاب کے نیچے آئے ہوئے ہیں۔ تاہم اسی طوفان بے تمیزی میں اللہ و رسول کے وعدہ کے موافق ایک عظیم الشان جماعت بحمد اللہ خدا کی رسی کو مضبوط تھامے ہوئے مَا اَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ کے مسلک پر قائم ہے اور تا قیام قیامت قائم رہیگی۔ باقی فروعی اختلافات جو صحابہ رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین میں ہوئے ہیں، انکو آیت حاضرہ سے کوئی تعلق نہیں اس فروعی اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہٗ نے اپنی تصانیف میں کافی وشافی بحث کی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

(وَاخْتَلَفُوا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ) اور کھلے ہوئے قطعی دلائل آنے کے بعد باہم اختلاف کرنے لگے۔ البینات سے مراد ہیں اللہ کی آیات محکمہ اور انبیاء کی احادیث متواترہ اور انہی جیسی دوسری دلیلیں جیسے اجماع امت اسلامیہ۔

اختلاف کی نوعیتیں:

اختلاف عام ہے خواہ اصول دین میں ہو جیسے اہل سنت سے اہل

بدعت (معتزلہ خوارج وغیرہ) کا اختلاف یا ان فروعی مسائل میں ہو جن کا ثبوت اجماعی ہے جیسے وضوء میں پاؤں دھونا اور خفین پر مسح کرنا اور خلفاء اربعہ کی خلافت، قطعیت کی شرط لگانے سے اس امتناعی حکم سے وہ اختلاف خارج ہو گیا۔ جو ظنی دلائل میں اجتہادی اختلاف کی صورت میں ہوتا ہے کیونکہ ظنی دلائل کا اجتہادی اختلاف ضروری ہے اس اختلاف میں بعض مجتہدوں کی اجتہادی غلطی تو لا محالہ ہوتی ہے لیکن اگر ضد اور تعصب کے بغیر اجتہادی طاقت صرف کرنے کے بعد غلطی ہو جائے تو معاف ہے بلکہ لوگوں کے لئے رحمت اور مجتہد کیلئے موجب ثواب ہے۔

اختلاف صحابہ:

عبدؒ بن حمیدؒ نے مسند میں اور دارمی اور ابن ماجہ نے اور عبدری نے الجمع بین الصحیحین اور ابن عساکر نے اور حاکم نے حضرت عمرؓ بن خطاب کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں نے اپنے رب سے اپنے ساتھیوں کے اس اختلاف کے متعلق دریافت کیا جو میرے بعد ہوگا کہ ان لوگوں کا کیا ہوگا۔ اللہ نے وحی بھیجی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیرے ساتھی میرے نزدیک ستاروں کی طرح بعض بعض سے زیادہ قوی روشنی والے ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

دوسری روایت میں آیا ہے کہ بعض بعض سے زیادہ روشن ہیں اور روشنی ہر ایک میں ہے۔ اب اختلافی مسائل میں جو بھی جس مسلک کو لے گا وہ میرے نزدیک ہدایت پر ہوگا۔ رواہ الدارقطنی فی فضائل الصحابہ وابن عبد البر عن جابر والبیہقی فی المدخل عن ابن عباسؓ۔

بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم کو جو کچھ حکم اللہ کی کتاب سے دیا گیا ہے اس پر عمل کرو کسی کے لئے کتاب اللہ کو ترک کرنے کا عذر نہیں ہوسکتا۔ اگر اللہ کی کتاب میں نہ ہو تو نبی کی سنت فیصلہ کن ہے اگر نبی کی سنت میں بھی نہ ہو تو جو کچھ میرے صحابہ کہیں اس پر عمل کرو۔ میرے اصحاب آسمان کے ستاروں کی طرح ہیں جس کو پکڑ لوگے اور پیچھے لگ جاؤ گے۔ ہدایت پاؤ گے میرے صحابہ کا اختلاف تمہارے لئے رحمت ہے۔

بیہقی نے مدخل میں اور ابن سعدؒ نے طبقات میں قاسم بن محمد کا قول نقل کیا ہے کہ محمد کے صحابیوں کا اختلاف اللہ کے بندوں کے لئے رحمت ہے۔ بیہقی نے عمر بن عبدالعزیز کا قول بھی اسی طرح نقل کیا ہے۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوهٌ

جس دن کہ سفید ہوں گے بعضے منہ اور سیاہ ہوں گے بعضے منہ

یعنی بعضوں کے چہرہ پر ایمان وتقویٰ کا نور چمکتا ہوگا اور عزت ووقار کے ساتھ شاداں وفرحاں نظر آئیں گے۔ ان کے برخلاف بعضوں کے منہ کفر و نفاق یا فسق وفجور کی سیاہی سے کالے ہونگے۔ صورت سے ذلت ورسوائی ٹپک رہی ہوگی۔ گویا ہر ایک کا ظاہر باطن کا آئینہ بن جائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اہل سنت اور اہل بدعت:

سعید بن جبیر نے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ اہل سنت کے چہرے گورے اور اہل بدعت کے چہرے کالے ہونگے۔ دیلمی نے مسند الفردوس میں ضعیف سند کے ساتھ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اہل سنت کے چہرے گورے اور بدعت کے چہرے کالے ہونگے۔

مسند احمد میں ہے حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہ حج کے لئے جب مکہ شریف میں آئے تو ظہر کی نماز کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اہل کتاب اپنے دین میں اختلاف کر کے بہتر گروہ بن گئے۔ اور اس میری امت کے تہتر فرقے ہو جائیں گے یعنی خواہشات میں، سب کے سب جہنمی ہیں مگر ایک اور بھی جماعت ہے اور میری امت میں ایسے لوگ بھی ہوں گے جن کی رگ رگ میں اس طرح نفسانی خواہش گھس جائیں گی جس طرح کتے کا کاٹا ہوا انسان جس کی ایک ایک رگ اور ایک ایک جوڑ میں اس کا اثر پہنچ جاتا ہے۔ اے عرب کے لوگو! اگر تم ہی اپنے نبی کی لائی ہوئی چیز پر قائم نہ رہو گے تو اور لوگ تو بہت دور ہو جائیں گے۔ اس حدیث کی بہت سے سندیں ہیں۔ پھر فرمایا اس دن سفید چہرے ہوں گے اور سیاہ منہ بھی ہوں گے۔

ابن عباسؓ کا فرمان ہے کہ اہل سنت والجماعت کے منہ سفید نورانی ہوں گے اور اہل بدعت وفرقت کے کالے منہ ہوں گے۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب خارجیوں کے سر دمشق کی مسجد کے زینوں پر لٹکے ہوئے دیکھے تو فرمانے لگے یہ جہنم کے کتے ہیں ان سے بدتر مقتول روئے زمین پر کوئی نہیں انہیں قتل کرنے والے بہترین مجاہد ہیں۔ پھر آیت یوم تبیض تلاوت فرمائی۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ قف

سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے منہ ان کے ان سے کہا جائے گا

أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ

کیا تم کافر ہو گئے ایمان لا کر

مرتد، منافق، مبتدع، فاسق:

یہ الفاظ مرتدین منافقین، اہل کتاب عام کفار یا مبتدعین وفساق فجار سب کو کہے جا سکتے ہیں۔ ''مرتد'' تو اسی کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد کافر ہو جائے۔ منافق'' زبان سے اقرار کرنے کے بعد دل سے کافر رہتا ہے۔ اہل کتاب اپنے نبیوں اور کتابوں پر ایمان لانے کے مدعی ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی سب بشارتوں کو جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق دی گئی تھیں تسلیم کریں اور ان کی ہدایات کے موافق حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لائیں مگر وہ انکار میں سب سے آگے رہتے ہیں گویا اپنے نبی اور کتاب پر ایمان لانے کے بعد کافر بن رہے ہیں۔ مبتدعین کا دعویٰ زبان سے یہ ہوتا ہے کہ ہم قرآن وسنت کے متبع ہیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا چکے ہیں مگر اس کے بعد بہت سی بے اصل اور باطل چیزیں دین میں شامل کر کے یا بعض ضروریات دین کا انکار کر کے اصلی دین سے نکل جاتے ہیں اس طرح وہ بھی ایک درجہ میں (أَكَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ) کے مخاطب ہوئے۔ رہے فساق جن کا عقیدہ صحیح ہو، اگر ان سے خطاب ہوا تو یہ مطلب ہوگا کہ ایمان لانے کے بعد کافروں جیسے عمل کیوں کئے۔ گویا کفر سے عملی کفر مراد ہوگا اور اگر عام کفار کے حق میں یہ خطاب مانا جائے تو یہ حاصل ہے کہ خدا تعالیٰ نے سب کو دین فطرت پر پیدا کیا۔ اس فطرت ایمانی کو ضائع کر کے کافر کیوں بنے۔ باقی سیاق آیات سے ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کفر سے کفر فعل یعنی اختلاف وتفریق مذموم مراد ہو۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿١٠٦﴾

اب چکھو عذاب بدلہ اُس کفر کرنے کا

وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ

اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے منہ اُن کے

فَفِي رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿١٠٧﴾

سو رحمت میں ہیں اللہ کی وہ اُس میں ہمیشہ رہیں گے

یعنی جنت میں۔ کیونکہ جنت محض عمل سے نہیں ملتی۔ عمل کے بعد خدا کی رحمت سے ملتی ہے۔ اور وہ ہی جگہ ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کی رحمت کے سامان کئے ہیں۔ بہشت آنجا کہ آزارے نہ باشد۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راستی اختیار کرو اور درمیانی رفتار سے چلو اور خوش رہو کیونکہ جنت کے اندر کسی کو اس کے اعمال نہیں لے جائیں گے صحابہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ کو بھی (آپ کے اعمال جنت میں نہیں لے جائیں گے۔) فرمایا نہ مجھ کو ہاں اللہ اپنی مغفرت اور رحمت سے مجھ کو ڈھانک لے (تو جنت میں داخل ہو جائے گا۔) (رواہ الشیخان فی الصحیحین واحمد)

شیخین نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے ایسی ہی حدیث بیان کی ہے اور مسلم نے حضرت جابرؓ کی روایت سے ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا ہے کہ تم میں سے کسی کو اس کا عمل جنت میں داخل نہیں کرے گا اور نہ دوزخ سے بچائے گا اور نہ مجھے سوائے اللہ کی رحمت کے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض پر دیکھتا رہوں گا کہ کون کون میرے پاس آتا ہے کچھ لوگ مجھ سے پرے ہی پکڑ لئے جائیں گے۔ یعنی ان کو حوض میں نہیں آنے دیا جائے گا۔ میں کہوں گا اے رب یہ تو میرے ہیں میری امت کے افراد ہیں جواب دیا جائے گا کیا تم کو معلوم ہے کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کیا خدا کی قسم یہ برابر اپنی ایڑیوں کے بل تمہاری ہدایت سے لوٹتے رہے۔ (رواہ البخاری تفسیر مظہری اردو جلد دوم)

تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ نَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ

یہ حکم ہیں اللہ کے ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک ٹھیک

وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظُلْمًا لِلْعَالَمِينَ ﴿١٠٨﴾

اور اللہ ظلم کرنا نہیں چاہتا خلقت پر

اللہ کے ہاں ظلم نہیں ہے:

حقیقی معنی میں ظلم تو وہاں ممکن ہی نہیں لیکن ظاہری طور پر جسے تم ظلم کہہ سکتے ہو۔ اس کا صدور بھی خدا تعالیٰ سے نہیں ہوتا۔ مثلاً ایسے سخت احکام بندوں کو بھیجے جن سے غرض محض ستانا اور دق کرنا ہو یا۔ مستحق رحمت پر عذاب کرنے لگے یا تھوڑی سزا کی جگہ زائد سزا جاری کر دے۔ یا کسی کی ادنیٰ ترین نیکی کا صلہ نہ دے وغیرہ ذلک۔ خوب سمجھ لو، اس کا جو حکم ہے خالص بندوں کی تربیت کے لئے جو معاملہ کسی کے ساتھ ہے عین حکمت ومصلحت کے موافق ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں

وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

اور اللہ کی طرف رجوع ہے ہر کام کا

جب ہر چیز اللہ کی مخلوق و مملوک اور ہر کام کا انجام اسی کے ہاتھ میں ہے تو ظلم کیونکر اور کس کے لئے کیا جائے گا۔ ☆تفسیر عثمانی☆

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

تم ہو بہتر سب اُمتوں سے جو بھیجی گئی عالم میں

امتِ محمدیہ کی فضیلت:

گذشتہ رکوع کے شروع میں فرمایا تھا: (يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ) الخ درمیان میں اسی کے مناسب کچھ اوامر ونواہی اور وعدو وعید آ گئی یہاں سے پھر اسی اول مضمون کی تکمیل کی جاتی ہے۔ یعنی اے مسلمانو! خدا تعالیٰ نے تم کو تمام امتوں میں بہترین امت قرار دیا ہے اس کے علم ازلی میں پہلے سے یہ مقدر ہو چکا تھا جس کی خبر بعض انبیائے سابقین کو بھی دیدی گئی تھی کہ جس طرح نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں سے افضل ہونگے۔ آپ کی امت بھی جملہ امم واقوام پر گوئے سبقت لے جائیں گے کیونکہ اس کو سب سے اشرف و اکرم پیغمبر نصیب ہوگا۔ ادوم واکمل شریعت ملے گی علوم و معارف کے دروازے اس پر کھول دیئے جائیں گے۔ ایمان وعمل وتقویٰ کی تمام شاخیں اس کی محنت اور قربانیوں سے سرسبز وشاداب ہونگی وہ کسی خاص قوم ونسب یا مخصوص ملک واقلیم میں محصور نہ ہوگی بلکہ اس کا دائرۂ عمل سارے عالم کو اور انسانی زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہوگا۔ گویا اس کا وجود ہی اس لئے ہوگا کہ دوسروں کی خیر خواہی کرے اور جہاں تک ممکن ہو انہیں جنت کے دروازوں پر لا کر کھڑا کردے۔ (اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ) میں اسی طرف اشارہ ہے۔

ربط: (تنبیہ) اس سورۃ کے نویں رکوع میں (وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ) الخ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی امامت و جامعیت کبریٰ کا بیان ہوا تھا۔ دسویں رکوع میں (اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ) سے اس امت کے قبلہ کی برتری دکھلائی گئی۔ گیارہویں رکوع میں (وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا) الخ سے اس امت کی کتاب وشریعت کی مضبوطی کا اظہار فرمایا۔ اب یہاں بارہویں رکوع کے آغاز سے خود امت مرحومہ کی فضیلت وعظمت کا اعلان کیا جارہا ہے۔ ☆تفسیر عثمانی☆

کنتم کے مخاطب یا تو صحابہؓ ہیں بروایت ضحاک جویبر نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا کہ کنتم خیر امة ہمارے اولین کے لئے ہے پچھلوں کے لئے نہیں ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ وہی لوگ تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کو ہجرت کی حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اللہ چاہتا تو بجائے کنتم کے انتم فرماتا لیکن اس نے کنتم صرف صحابہؓ کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جنہوں نے صحابیوں کی طرح کام کئے فرمایا۔ یا مخاطب عام امت محمدیہ ہے دونوں مضمون نصوص سے ثابت ہیں اور یہی اجماع امت کا فیصلہ ہے کیونکہ امت اسلامیہ تمام امتوں سے افضل ہے اور امت اسلامیہ میں قرن صحابہؓ افضل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے اصحاب کو گالی نہ دو کیونکہ تم میں سے اگر کوئی کوہ اُحد کے برابر سونا راہ خدا میں خرچ کرے گا تو ان کے سیر بھر بلکہ آدھے سیر خرچ کرنے کے درجہ کو بھی نہ پہنچے گا۔ یہ حدیث شیخین نے حضرت ابوسعیدؓ خدری کی روایت سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے صحابہ میں سے جو کوئی کسی زمین میں مرے گا قیامت کے دن وہ ان لوگوں کے یعنی اس زمین والوں کے لئے قائد اور نور راہ بنا کر اٹھایا جائے گا۔ یہ حدیث ترمذی نے حضرت بریدہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔

(لِلنَّاسِ) لوگوں کے لئے۔ اس لفظ کا تعلق خیر سے ہے یعنی تم لوگوں کے لئے خیر ہو حضرت ابو ہریرہؓ نے کہا لوگوں کے لئے سب لوگوں سے زیادہ بہتر ہو کہ وہ زنجیروں میں بندھے آتے ہیں اور تم ان کو اسلام میں داخل کر لیتے ہو۔

بعض لوگوں کے نزدیک (لِلنَّاسِ) کا تعلق اخرجت سے ہے یعنی لوگوں کیلئے تم کو پیدا کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں تم اوروں کے حق میں سب سے بہتر ہو تم لوگوں کی گردنیں پکڑ پکڑ کر اسلام کی طرف جھکاتے ہو۔

سب سے اچھا شخص:

ابولہب کی بیٹی حضرت درہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں ایک مرتبہ کسی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت منبر پر تھے کہ حضور کونسا شخص بہتر ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب لوگوں سے

بہتر وہ شخص ہے جو سب سے زیادہ قاری قرآن ہو، سب سے زیادہ پرہیزگار ہو سب سے زیادہ اچھائیوں کا حکم کرنے والا سب سے زیادہ برائیوں سے روکنے والا سب سے زیادہ رشتے ناتے ملانے والا ہو۔ ﴿مسند احمد﴾ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے خصوصی نعمتیں:

حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں وہ وہ نعمتیں دیا گیا ہوں جو مجھ سے پہلے کوئی نہیں دیا گیا۔ لوگوں نے پوچھا وہ کیا باتیں ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری مدد رعب سے کی گئی ہے۔ میں زمین کی کنجیاں دیا گیا ہوں۔ میرا نام احمد رکھا گیا ہے، میرے لئے مٹی پاک کی گئی ہے، میری امت سب امتوں سے بہتر بنائی گئی ہے۔ ﴿مسند احمد﴾

اس حدیث کی اسناد حسن ہے۔

ستر ہزار امتی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری امت میں سے ستر ہزار شخص بغیر حساب کتاب کے جنت میں جائیں گے جن کے چہرے چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہوں گے، سب یک دل ہوں گے میں نے اپنے رب سے گزارش کی کہ یا خدایا اس تعداد میں اضافہ فرما اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار اور بھی۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ حدیث بیان کر کے فرمایا کرتے تھے کہ پھر تو اس تعداد میں گاؤں اور دیہاتوں والے بلکہ بادیہ نشین بھی آجائیں گے۔ ﴿مسند احمد﴾

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ایک رات ہم خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں دیر تک باتیں کرتے رہے پھر صبح جب حاضر خدمت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آج رات انبیاء اپنی اپنی امت سمیت مجھے دکھائے گئے بعض نبی کے ساتھ صرف تین شخص تھے بعض کے ساتھ مختصر سا گروہ بعض کے ساتھ ایک جماعت کسی کیساتھ کوئی بھی نہ تھا۔ جب موسیٰ علیہ السلام آئے تو ان کے ساتھ بہت سے لوگ تھے۔ مجھے یہ جماعت پسند آئی۔ میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو جواب ملا کہ یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھائی موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ان کے ساتھ بنی اسرائیل ہیں۔ میں نے کہا پھر میری امت کہاں ہے؟ جواب ملا اپنی داہنی طرف دیکھو۔ اب جو دیکھتا ہوں تو بیشمار مجمع ہے جس سے پہاڑیاں بھی ڈھک گئی ہیں۔ اب مجھ سے پوچھا گیا کہو خوش ہو میں نے کہا میرے رب! میں راضی ہو گیا فرمایا گیا سنو! ان کے ساتھ ستر ہزار اور ہیں جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے۔ اب نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر میرے ماں باپ فدا ہوں) اگر ہو سکے تو ان ستر ہزار میں سے ہی ہونا اگر یہ نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو پہاڑیوں کو چھپائے ہوئے تھے اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان میں سے ہونا جو آسمان کے کناروں کناروں پر تھے۔ حضرت عکاشہ بن محصن ؓ نے کھڑے ہو کر کہا حضور! میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ان ستر ہزار میں سے کرے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی تو ایک دوسرے صحابیؓ نے بھی اٹھ کر یہی گزارش کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم پر حضرت عکاشہ سبقت کر گئے۔ اب ہم آپس میں کہنے لگے کہ شاید یہ ستر ہزار وہ لوگ ہوں گے جو اسلام پر ہی پیدا ہوئے ہوں اور پوری عمر میں کبھی خدا تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا ہی نہ ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو دم جھاڑ انہیں کراتے، آگ کے داغ نہیں لگواتے، شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر پورا بھروسہ رکھتے ہیں۔ ﴿مسند احمد﴾

چار لاکھ:

ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ میری امت میں سے چار لاکھ آدمی جنت میں جائیں گے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا حضور! کچھ اور زیادہ کیجئے۔ اسے سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا ابوبکرؓ بس کرو۔ صدیقؓ نے جواب دیا کیوں صاحب اگر ہم سب کے سب جنت میں چلے جائیں تو آپ کو کیا نقصان ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ایک ہی ہاتھ میں ساری مخلوق کو جنت میں ڈال دے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرؓ سچ کہتے ہیں۔ (مسند عبدالرزاق) اسی حدیث کا اور سند سے بھی بیان ہے اس میں تعداد ایک لاکھ آئی ہے۔ (اصبہانی)۔ ایک اور روایت میں ہے کہ جب صحابہؓ نے ستر ہزار اور پھر ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار پھر خدا کا لپ بھر کر جنتی بنانا سنا تو کہنے لگے پھر تو اس کی بدنصیبی میں کیا شک رہ گیا جو باوجود اس کے بھی جہنم میں جائے۔ ﴿ابویعلی﴾

سب سے بڑی امت:

ایک اور حسن حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قسم ہے اس ذات کی کہ جان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اس کے ہاتھ میں ہے تم ایک اندھیری رات کی طرح بیشمار ایک ساتھ جنت کی طرف بڑھو گے زمین تم سے پر ہو جائیگی فرشتے پکار اٹھیں گے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو جماعت آئی وہ تمام نبیوں کی جماعت سے بہت زیادہ ہے۔

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہم دنیا میں سب سے آخر آئے اور جنت میں سب سے پہلے جائیں گے اور ان کو کتاب اللہ پہلے ملی ہمیں بعد میں ملی جن باتوں میں انہوں نے اختلاف کیا ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں صحیح طریق کی توفیق دی، جمعہ کا دن بھی ایسا ہی ہے کہ یہود ہمارے پیچھے ہیں ہفتہ کے دن اور نصرانی ان کے بھی پیچھے اتوار کے دن۔ دار قطنی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک میری امت نہ داخل ہو دوسری امتوں پر دخول جنت حرام ہے۔

اور حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ تم راضی نہیں ہو کہ تم تمام جنتیوں کے چوتھائی ہو۔ ہم نے خوش ہو کر اللہ کی بڑائی بیان کی۔ پھر فرمایا کیا تم راضی نہیں ہو کہ تم اہل جنت کی تہائی ہو۔ ہم نے پھر تکبیر کہی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تو امید ہے کہ تم جنتیوں کے آدھوں آدھ ہو جاؤ گے۔ (بخاری و مسلم، طبرانی) میں یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا کہتے ہو تم جنتیوں کا چوتھا حصہ بننا چاہتے ہو کہ چوتھائی جنت تمہارے پاس ہو اور تین اور چوتھائیوں میں تمام امتیں ہوں؟ ہم نے کہا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم خوب جانتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا تہائی حصہ ہو تو۔ ہم نے کہا یہ بہت ہے۔ فرمایا کہو اگر آدھوں آدھ ہو تو۔ انہوں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! پھر تو بہت ہی زیادہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سنو! کل اہل جنت کی ایک سو بیس صفیں ہیں جن سے اسی صفیں صرف اس میری امت کی ہیں۔ ﴿ابن کثیرؒ﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کی مثال ایسی ہے جیسے بارش کہ معلوم نہیں اس کا ابتدائی حصہ بہتر ہے یا آخری حصہ یہ حدیث ترمذی نے حضرت انسؓ اور حضرت جعفرؓ بن محمد کے دادا کی روایت سے بیان کی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ نے معاف فرما دی میری امت کے لئے بھول چوک اور وہ گناہ جس پر اس کو مجبور کیا گیا ہو۔ یہ حدیث بیہقی اور ابن ماجہ نے بیان کی ہے۔

تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ
حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو بُرے
الْمُنْكَرِ
کاموں سے

برائیوں سے روکنا:

منکر (برے کاموں) میں کفر، شرک، بدعات، رسوم قبیحہ، فسق و فجور اور ہر قسم کی بداخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنا بھی کئی طرح ہوگا۔ کبھی زبان سے کبھی ہاتھ سے کبھی قلم سے کبھی تلوار سے غرض ہر قسم کا جہاد اس میں داخل ہو گیا۔ یہ صفت جس قدر عموم و اہتمام سے امت محمدیہ میں پائی گئی پہلی امتوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ (تفسیر عثمانی)

وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ
اور ایمان لاتے ہو اللہ پر

اس امت کی شان:

اللہ پر ایمان لانے میں، اس کی توحید پر، اس کے رسولوں پر اور کتابوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے اور سچ تو یہ ہے کہ توحید خالص و کامل کا اتنا شیوع و اہتمام کبھی کسی امت میں نہیں رہا جو بحمد اللہ اس امت میں رہا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص تم میں سے چاہتا ہے کہ اس امت (خیر الامم) میں شامل ہو، چاہئے کہ اللہ کی شرط پوری کرے یعنی امر بالمعروف نہی عن المنکر اور ایمان باللہ، جس کا حاصل ہے خود درست ہو کر دوسروں کو درست کرنا۔ جو شان حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی تھی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ
اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو ان کے لئے بہتر تھا کچھ
مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾
تو اُن میں سے ہیں ایمان پر اور اکثر ان میں نافرمان ہیں

اکثر اہل کتاب کافر رہے:

یعنی اہل کتاب اگر ایمان لے آتے تو وہ بھی اس خیر الامم میں شامل ہو سکتے تھے۔ جس سے دنیا میں عزت بڑھتی اور آخرت میں دوہرا اجر ملتا۔ مگر افسوس ہے ان میں سے چند افراد کے سوا (مثلاً عبداللہ بن سلام چند افراد کا تعلق یہود سے ہے نجاشی یہودی نہ تھا عیسائی تھا اور عیسائیوں کی کثیر تعداد مشرف بہ اسلام ہوئی) باقی کسی نے حق کو قبول نہ کیا۔ باوجود وضوح حق کے نافرمانی ہی پر اڑے رہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ
وہ کچھ نہ بگاڑ سکیں گے تمہارا مگر ستانا زبان سے اور اگر تم سے

يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

لڑیں گے تو پیٹھ دیں گے پھر اُن کی مدد نہ ہو گی

غلبہ اسلام کی پیشگوئی:

یعنی اگر اکثر نافرمان ہیں تو ہونے دو تم کو انکی اکثریت یا مادی سازو سامان سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں اے خیرالامم! خدا کا وعدہ ہے کہ یہ شیطانی لشکر تمہارا کچھ نہ بگاڑ سکے گا۔ بشرطیکہ تم اپنے کو خیر الامم ثابت کرو۔ بس یہ انتہائی کر سکتے ہیں کہ زبان سے گالی دیں اور نامردوں کی طرح تم کو برا بھلا کہتے پھریں یا کوئی چھوٹی موٹی عارضی تکلیف پہنچائیں، باقی تم پر غالب ومسلط ہو جائیں، یا کوئی بڑا قومی نقصان پہنچا سکیں۔ یہ کبھی نہ ہوگا۔ اگر لڑائی میں تمہارے مقابلہ پر آئے تو پیٹھ دے کر بھاگیں گے اور کسی طرف سے ان کو مدد نہ پہنچے گی جو ان کی ہزیمت کو روک سکے۔ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں اہل کتاب کا یہی حشر ہوا۔ اسلام اور مسلمانوں کی تباہی کے لئے انہوں نے ایڑی چوٹی کا زور خرچ کر دیا مگر بال بیکا نہ کر سکے۔ جہاں مقابلہ ہوا حمر مستنفرہ کی طرح بھاگے۔ ہر موقع پر خدا کی نصرت وامداد خیر الامم کے شامل حال رہی اور دشمن بدحواسی اور بیکسی کی حالت میں مقہور ومخذول ہوکر بھاگے یا قید ہوئے یا رعیت بن کر رہے یا جہنم میں پہنچ گئے۔ فالله الحمد و المنه ﴿تفسیر عثمانی﴾

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا

ماری گئی اُن پر ذلت جہاں دیکھے جائیں سوائے

بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ

دست آویز اللہ کے اور دست آویز لوگوں کے

یہودیوں کی ذلت:

یہ آیتیں اہل کتاب میں سے خاص یہود کے متعلق معلوم ہوتی ہیں جیسا کہ سیاق کلام اور قرآن کی دوسری آیات سے ظاہر ہے یعنی یہود پر ہمیشہ کے لئے ذلت کی مہر کر دی گئی۔ یہ بد بخت جہاں کہیں پائے جائیں۔ ذلت کا نقش ان سے محو نہیں ہو سکتا۔ بڑے بڑے کروڑ پتی یہود بھی آزادی وخود مختاری سے اپنے جان ومال کی حفاظت نہیں کر سکتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کیونکہ ان کی آزاد حکومت کسی جگہ نہیں سوائے دستاویز اللہ کے یعنی بعض بچی کھچی رسمیں تورات کے عمل میں لاتے ہیں اس کے طفیل سے پڑے ہیں اور سوائے دستاویز لوگوں کے یعنی کسی کی رعیت ہیں اس کی پناہ میں پڑے ہیں (کذا فی الموضح) بعض مفسرین نے "حَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ" "و" "حَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ" سے اللہ کا ذمہ اور مسلمانوں کا عہد مراد لیا ہے یعنی بجز اس کے کہ مسلمانوں سے عہد کر کے خدا کے ذمہ میں آجائیں۔ بعض کہتے ہیں کہ "حبل من اللہ" سے اسلام مراد ہے یعنی اسلام لا کر اس ذلت سے نکل سکتے ہیں یا معاہد بن کر، کیونکہ معاہدہ بھی جان ومال کی طرف سے مامون کر دیتا ہے۔ واللہ اعلم۔ (تفسیر عثمانی)

وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ

اور کمایا انہوں نے غصہ اللہ کا اور لازم کر دی گئی اُن کے اُوپر

الْمَسْكَنَةُ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ

حاجتمندی یہ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں

بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ

اللہ کی آیتوں سے اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق یہ

ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۱۱۲﴾

اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور حد سے نکل گئے

نافرمانی کی نحوست:

یعنی نافرمانی کرتے کرتے حد سے نکل گئے جس کا انتہائی اثر یہ تھا کہ اللہ کی صریح آیتوں کے انکار اور معصوم پیغمبروں کے قتل پر آمادہ ہو گئے۔ اسی مضمون کی آیت بقرہ پارہ "الم" میں گذر چکی ہے۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لَيْسُوْا سَوَآءً مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ

وہ سب برابر نہیں اہل کتاب میں ایک فرقہ ہے

قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ

سیدھی راہ پر پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ

يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

سجدے کرتے ہیں ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر

وَيَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ
اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں
الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ
بُرے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں پر اور وہی لوگ
مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾
نیک بخت ہیں

چند اہل کتاب:

یعنی سب اہل کتاب کا حال یکساں نہیں اتنے بُروں میں کچھ اچھے بھی ہیں۔ ان ہی ممسوخ اشقیاء کے درمیان چند سعید روحیں ہیں جن کو حق تعالیٰ نے قبول حق کی توفیق دی اور اسلام کی آغوش میں آ گئے اور جادۂ حق پر ایسے مستقیم ہو گئے کہ کوئی طاقت ہلا نہیں سکتی۔ وہ رات کی تاریکی میں میٹھی نینداور نرم بستر سے چھوڑ کر خدا کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ اپنے مالک کے سامنے خضوع وتذلل اختیار کرتے ہیں۔ جبین نیاز زمین پر رکھتے ہیں، نماز میں اس کا کلام پڑھتے ہیں۔ اللہ پر اور یوم آخر پر ٹھیک ٹھیک ایمان لاتے ہیں، خالص توحید کے قائل ہیں، قیامت کے دن سے ڈرتے ہیں اور جب کسی نیک کام کی طرف پکارا جائے دوڑ کر دوسروں سے آگے نکلنا چاہتے ہیں، پھر نہ صرف یہ کہ خود راہ راست پر ہیں، دوسروں کو بھی سیدھے راستے پر لانا چاہتے ہیں۔ بلا شبہ ان یہود میں سے یہ لوگ ہیں جن کو خدا نے نیک بختی اور صلاح ورشد کا خاص حصہ عطا فرمایا ہے۔ یہ عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں کا ذکر ہوا۔ (تفسیر عثمانی)

شانِ نزول:

احمد اور نسائی اور ابن حبان نے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی روایت سے بیان کیا کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں تاخیر کر دی پھر دیر کے بعد (نبوت کدہ سے) برآمد ہو کر مسجد میں تشریف لائے لوگ نماز کے منتظر تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار ہو جاؤ کہ اس وقت کسی مذہب کا کوئی شخص تمہارے سوا اللہ کی یاد نہیں کرتا اور یہ آیت نازل ہوئی۔ لَيْسُوْا سَوَاۗءً یعنی تمام یہودی مذکورہ برائیوں میں برابر نہیں۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ
اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام اُس کی ہرگز ناقدری نہ ہوگی

بلکہ دگنا اجر ملے گا۔ جیسا کہ دوسری جگہ ارشاد ہوا۔
(اُولٰۗىِٕكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ بِمَا صَبَرُوْا) (قصص رکوع ۶)
اور حدیث صحیح میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تشریح فرما دی۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾
اور اللہ کو خبر ہے پرہیزگاروں کی

اسی لئے جب یہود کی برائیوں کا ذکر آتا ہے حق تعالیٰ ان پرہیزگاروں کو مستثنیٰ کر دیتا ہے اور پرہیزگاری کے موافق دنیا وآخرت میں ان کے ساتھ معاملہ بھی بالکل ممتاز کیا جائے گا۔ (تفسیر عثمانی)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْھُمْ اَمْوَالُھُمْ
وہ لوگ جو کافر ہیں ہرگز کام نہ آویں گے اُن کو اُن کے مال
وَلَآ اَوْلَادُھُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَـيْـــًٔـا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ
اور نہ اولاد اللہ کے آگے کچھ اور وہی لوگ
اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْھَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۱۶﴾
رہنے والے ہیں آگ میں دوزخ کی وہ اُس آگ میں ہمیشہ رہیں گے
مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ ھٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا
جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں
كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْھَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ
اُس کی مثال جیسے ایک ہوا کہ اُس میں ہو پالا جا لگی کھیتی کو اس
ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَاَھْلَكَتْهُ ۭ
قوم کی کہ انہوں نے اپنے حق میں بُرا کیا تھا پھر اُسکو نابود کر گئی

کافروں کا حال:

صالحین ومتقین کے بالمقابل یہاں کافروں کا حال وانجام کا ذکر فرماتے ہیں پہلے فرمایا تھا وہ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ یعنی مومنین کی ادنیٰ ترین نیکی بھی کام آئے گی۔ ان کے کسی بھلے کام کی بے قدری نہیں کی جائے گی۔ اس کے برخلاف کافر جو کچھ مال وقوت دنیا میں خرچ کرے،

خواہ اپنے نزدیک بڑا ثواب اور خیرات کا کام سمجھ کر کرتا ہو، آخرت میں اس کی کوئی قدر و قیمت اور پرسش نہیں۔ کیونکہ ایمان و معرفت صحیحہ کی روح نہ ہونے سے اس کا ہر ایک عمل بے جان اور مردہ ہے۔ اس کی جزا بھی ایسے ہی فانی و زائل اس دار فانی میں مل رہے گی۔ عمل کی ابدی حفاظت کرنے والی چیز ایمان و ایقان ہے اس کے بدون عمل کی مثال ایسی سمجھو جیسے کسی شریر ظالم نے کھیتی یا باغ لگایا، اور اس کو برف پالے سے بچانے کا کوئی انتظام نہ کیا، چندروز اس کی سرسبزی و شادابی کو دیکھ کر خوش ہوتا اور بہت کچھ امیدیں باندھتا رہا۔ یکایک اس کی شرارت و بدبختی سے سرد ہوا چلی، برف پالا اس قدر گرا کہ ایک دم میں ساری لہلہاتی کھیتی جلا کر رکھ دی آخر اپنی کلی تباہی و بربادی پر کف افسوس ملتا رہ گیا، نہ امیدیں پوری ہوئیں نہ احتیاج کے وقت اس کی پیداوار سے منتفع ہوا۔ اور چونکہ یہ تباہی ظلم و شرارت کی سزا تھی۔ اس لئے اس مصیبت پر کوئی اجر اخروی بھی نہ ملا، جیسا کہ مومنین کو ملتا ہے۔ بعینہ یہ مثال ان کفار کی ہے جو کفر و شرک پر قائم رہتے ہوئے اپنے خیال میں بہت پن خیرات کرتے ہیں، باقی وہ بدبخت جن کا زور و قوت اور پیسہ حق اور اہل حق کی دشمنی یا فسق و فجور میں خرچ ہوتا ہو ان کا تو پوچھنا ہی کیا ہے، وہ نہ صرف بیکار خرچ کر رہے ہیں، بلکہ روپیہ خرچ کر کے اپنے لئے اور زیادہ وبال خرید رہے ہیں ان سب کو یاد رکھنا چاہئے کہ مال ہو یا اولاد کوئی چیز عذاب الٰہی سے نہ بچا سکے گی اور نہ متقین کے مقابلہ پر وہ اپنی توقعات میں کامیاب ہونگے۔ (تنبیہ) "ریح" کا لفظ مفرد قرآن میں عموماً عذاب کے موقع پر استعمال ہوا ہے۔ (رِیْحٌ فِیْهَا عَذَابٌ اَلِیْمٌ) الخ وَلَئِنْ اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا الخ. (اِنَّا اَرْسَلْنَا عَلَیْهِمْ رِیْحًا صَرْصَرًا) اور رحمت کے موقع پر جمع کا لفظ "ریاح" لائے ہیں۔ (یُرْسِلَ الرِّیَاحَ مُبَشِّرٰتٍ وَاَرْسَلْنَا الرِّیٰحَ لَوَاقِحَ)
"یرسل الریاح بشراً کذا ذکرہ ابو حیان. (تفسیر عثمانی)

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ یَظْلِمُوْنَ ﴿۱۱۷﴾
اور اللہ نے اُن پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اُوپر ظلم کرتے ہیں

کافروں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا ہے:

یہ نہ سمجھا جائے کہ کافر کی کوئی نیکی قبول نہیں کی جاتی تو اس پر معاذ اللہ خدا کی طرف سے ظلم ہوا نہیں یہ ظلم تو انہوں نے اپنی جانوں پر خود اپنے ہاتھوں سے کیا ہے۔ نہ کفر اختیار کرتے نہ روز بد دیکھنا پڑتا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً
اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو
مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا یَاْلُوْنَكُمْ خَبَالًا ؕ وَدُّوْا
اپنوں کے سوا وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں'
مَا عَنِتُّمْ ۚ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَآءُ مِنْ
اُنکی خوشی ہے تم جس قدر تکلیف میں رہو نکلی پڑتی ہے
اَفْوَاهِهِمْ ۚۖ وَمَا تُخْفِیْ صُدُوْرُهُمْ اَكْبَرُ ؕ
دشمنی اُن کی زبان سے اور جو کچھ مخفی ہے انکے جی میں وہ اس
قَدْ بَیَّنَّا لَكُمُ الْاٰیٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۱۸﴾
سے بہت زیادہ ہے ہم نے بتا دیئے تم کو پتے اگر تم کو عقل ہے

کسی کو اپنا بھیدی نہ بناؤ:

یہ آیتیں بعض کہتے ہیں یہود کے متعلق نازل ہوئیں۔ کیونکہ بعض مسلمان جوار (ہمسائیگی) حلف دوستانہ معاہدہ وغیرہ کی بناء پر جو تعلقات قبل از اسلام ان سے رکھتے چلے آ رہے تھے بعد از اسلام بھی بدستور ان پر قائم رہے اور دوستی پر اعتماد کر کے ان سے مسلمانوں کے بعض رازدارانہ مشوروں کے اخفاء کا بھی اہتمام نہ کیا" اور بعض کے نزدیک یہ آیتیں منافقین کے حق میں نازل ہوئیں، کیونکہ عام طور پر لوگ ظاہر میں مسلمان سمجھ کر ان سے پوری احتیاط نہ کرتے تھے جس سے سخت نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا، حق تعالیٰ نے یہاں صاف صاف آگاہ کر دیا کہ مسلمان اپنے اسلامی بھائیوں کے سوا کسی کو بھیدی اور رازدار نہ بنائیں۔ کیونکہ یہود ہوں یا نصاریٰ، منافقین ہوں یا مشرکین، ان میں کوئی جماعت تمہاری حقیقی خیرخواہ نہیں، بلکہ ہمیشہ یہ لوگ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ تمہیں پاگل بنا کر نقصان پہنچائیں اور دینی و دنیوی خرابیوں میں مبتلا کریں، ان کی خواہش اسی میں ہے کہ تم تکلیف میں رہو اور کسی نہ کسی تدبیر سے تم کو دینی یا دنیوی ضرر پہنچ جائے۔ جو دشمنی اور بغض ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت ہی زیادہ ہے۔ لیکن بسا اوقات عداوت و غیظ کے جذبات سے مغلوب ہو کر کھلم کھلا ایسی باتیں کر گذرتے ہیں جو ان کی گہری دشمنی کا صاف پتہ دیتی ہیں۔ مارے دشمنی اور حسد کے ان کی زبان قابو میں نہیں رہتی۔ پس عقلمند آدمی کا کام نہیں کہ ایسے خبیث باطن دشمنوں کو اپنا رازدار بنائے۔ خدائے تعالیٰ نے دوست و دشمن کے پتے اور موالات وغیرہ کے احکام کھول کر بتلا دیئے ہیں جس میں عقل ہوگی ان سے کام لے گا (موالات کفار کے متعلق کچھ) تفصیل پہلے اسی سورت میں گذر چکی اور کچھ

''مائدہ'' وغیرہ میں آئے گی۔'' ⁂ تفسیر عثمانی ⁂

نکتہ: اس میں مسلمانوں کی مدح ہے کہ تمہارا مرتبہ غیر مسلموں سے زیادہ ہے اور اس بات کی بھی آیت سے ہدایت (مستفاد) ہوتی ہے کہ اونچے مرتبہ والوں کے ساتھ رہو ادنیٰ لوگوں کی صحبت نہ اختیار کرو گوشہ نشینی برے ہم نشین سے بہتر ہے اور اچھا ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے۔

(مِنْ دُوْنِكُمْ) کا لفظ رافضیوں خارجیوں اور دوسرے بدعتیوں کو بھی شامل ہے اس لئے کافروں کی طرح ان کو بھی اندرونی راز دار بنانا جائز نہیں۔ ⁂ تفسیر مظہری ⁂

غیر مسلم اقلیتیں:

جو غیر مسلم اسلامی مملکت کے باشندے ہیں، یا مسلمانوں سے کوئی معاہدہ کئے ہوئے ہیں، ان کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان کی حفاظت کے لئے انتہائی تاکیدات اسلامی قانون کا جزء ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

مَنْ اٰذٰی ذِمِّیاً فَاَنَا خَصِمُهٗ وَمَنْ كُنْتُ خَصِمُهٗ خَصِمْتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۔ (عن ابن مسعودؓ)

''جس شخص نے کسی ذمی کو ستایا تو قیامت کے روز اس کی طرف سے میں دعوے دار بنوں گا، اور جس مقدمہ میں میں دعوے دار ہوں تو میں ہی غالب رہوں گا۔''

ایک دوسری حدیث میں فرمایا:

مَنَعَنِیْ رَبِّیْ اَنْ اَظْلِمَ مُعَاهَداً وَّلَا غَيْرَهٗ (عن علیؓ)

''مجھے میرے پروردگار نے منع فرمایا ہے کہ میں کسی معاہد یا کسی دوسرے پر ظلم کروں۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا:

اَلَا مَنْ ظَلَمَ مُعَاهَداً اَوْ نَقَصَهٗ اَوْ كَلَّفَهٗ فَوْقَ طَاقَتِهٖ اَوْ اَخَذَ مِنْهُ شَيْئاً بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ مِنْهُ فَاَنَا حَجِيْجُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

''خبردار جو کسی غیر مسلم معاہد پر ظلم کرے، یا اس کے حق میں کمی کرے یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ ڈالے، یا اس سے کوئی چیز بغیر اس کی دلی رضامندی کے حاصل کرے تو قیامت کے روز میں اس کا وکیل ہوں گا۔ ⁂ معارف القرآن ⁂

هٰٓاَنْتُمْ اُولَآءِ تُحِبُّوْنَهُمْ وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُؤْمِنُوْنَ

سن لو تم لوگ اُن کے دوست ہو اور وہ تمہارے دوست نہیں اور تم
بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ
سب کتابوں کو مانتے ہو

مسلمانوں کی حقیقت پسندی:

یہ کیسی بے موقع بات ہے کہ تم ان کی دوستی کا دم بھرتے ہو، اور وہ تمہارے دوست نہیں بلکہ جڑ کاٹنے والے دشمن ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ تم تمام آسمانی کتابوں کو مانتے ہو خواہ وہ کسی قوم کی ہوں اور کسی زمانہ میں کسی پیغمبر پر نازل ہوئی ہوں (جن کے خدا نے نام بتلا دیئے ان پر علی التعیین اور جن کے نام نہیں بتلائے ان پر بالاجمال ایمان رکھتے ہو) اس کے برخلاف یہ لوگ تمہاری کتاب اور پیغمبر کو نہیں مانتے، بلکہ خود اپنی کتابوں پر بھی ان کا ایمان صحیح نہیں۔ اس لحاظ سے چاہئے تھا کہ وہ تم سے قدرے محبت کرتے اور تم ان سے سخت نفور و بیزار رہتے مگر یہاں معاملہ برعکس ہو رہا ہے۔ ⁂ تفسیر عثمانی ⁂

وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ
اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں

کافروں کی فریب کاری:

منافقین تو کہتے ہی تھے، عام یہود ونصاریٰ بھی بحث و گفتگو میں ''امنا'' (ہم مسلمان ہیں) کہہ کر یہ مطلب لے لیتے تھے کہ ہم اپنی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں اور ان کو تسلیم کرتے ہیں۔ ⁂ تفسیر عثمانی ⁂

وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ مِنَ
اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں
الْغَيْظِ ۭ
غصہ سے

کافروں کا دانت پیسنا:

یعنی اسلام کا عروج اور مسلمانوں کی باہمی الفت و محبت دیکھ کر یہ لوگ جلے مرتے ہیں۔ اور چونکہ اس کے خلاف کچھ بس نہیں چلتا، اس لئے فرط غیظ و غضب سے دانت پیستے اور اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ ⁂ تفسیر عثمانی ⁂

صحاح میں ہے کہ غیظ کا معنی ہے شدت غضب یعنی وہ حرارت جو دل

کے خون کے جوش میں آنے کی وجہ سے انسان محسوس کرتا ہے مطلب یہ ہے کہ جب وہ تمہاری سلطنت دیکھتے ہیں اور تم کو ضرر پہنچانے کا کوئی راستہ ان کو نہیں مل جاتا تو شدت غضب کی وجہ سے نہایت حسرت و افسوس کے ساتھ اپنی انگلیاں چباتے ہیں یا اس سبب سے انگلیاں چباتے ہیں کہ اظہار ایمان کے سوا ان کے لئے کوئی چارہ نہیں ہوتا اور وہ دل سے اس کو پسند نہیں کرتے انگلیاں کاٹنے سے مراد مجازاً شدت غضب بھی ہوسکتی ہے خواہ واقع میں انہوں نے انگلیاں نہ کاٹی ہوں۔

قُلْ مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ ؕ
تو کہہ مرو تم اپنے غصہ میں

حاسد جل مریں گے:

یعنی خدا تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو اور زیادہ ترقیات و فتوحات عنایت فرمائے گا۔ تم غیظ کھا کھا کر مرتے رہو۔ اگر ایڑیاں رگڑ کر مر جاؤ گے تب بھی تمہاری آرزوئیں پوری نہ ہونگی، خدا اسلام کو غالب اور سر بلند کر کے رہے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قل آپ کہہ دیں۔ یہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے یا ہر مسلمان کو ہے آئندہ کلام میں مسلمانوں کو کافروں کی عداوت پر برانگیختہ کیا گیا ہے اور اس طرح خطاب کرنے پر ابھارا گیا ہے جیسے دشمنوں سے خطاب کیا جاتا ہے کیونکہ زخم شمشیر سے بھی زخم زبان زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔

(مُوْتُوْا بِغَيْظِكُمْ): یعنی اے کافرو! اور منافقو اپنے غصہ سے خود مر جاؤ۔ مطلب یہ کہ اسلام کی شان یونہی بڑھتی رہے گی اور تم اسلام کی شوکت دیکھ کر ہمیشہ جلتے اور مرتے رہو۔ اس کلام میں ایک خوبی یہ ہے کہ جس کے لئے بد دعا کی جا رہی ہے اس کی طرف کلام کا رخ نہیں ہے بلکہ دعاء اللہ سے کی گئی ہے بظاہر کلام میں دو باتیں ہیں اول کافروں کو اس امر کی اطلاع ہے کہ آئندہ کبھی تمہارے سامنے کوئی ایسی صورت نہیں آئے گی جو تمہارے لئے خوش کن ہو۔ دوسرے اس بات پر آگاہی دینا ہے کہ جو عداوت تمہارے دلوں میں ہے ہم اس سے واقف ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۱۹﴾
اللہ کو خوب معلوم ہیں دلوں کی باتیں

اسی لئے مسلمانوں کو ان شریروں کے باطنی حالات اور قلبی جذبات پر مطلع کر دیا اور سزا بھی ان کو ایسی دے گا جو اندرونی شرارتوں اور خفیہ عداوتوں کے مناسب ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنْ تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ
اگر تم کو ملے کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے اُن کو اور اگر تم پر پہنچے
تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ
کوئی برائی تو خوش ہوں اس سے

کافروں کی کمینگی:

اگر تمہاری ذرا سی بھلائی دیکھتے ہیں، مثلاً مسلمانوں کا اتحاد و یکجہتی یا دشمنوں پر غلبہ تو حسد کی آگ میں بھننے لگتے ہیں۔ اور جہاں تم پر کوئی مصیبت نظر آئی خوشی کے مارے پھولے نہیں سماتے۔ بھلا ایسی کمینہ قوم سے ہمدردی اور خیر خواہی کی کیا توقع ہوسکتی ہے، جو دوستی کا ہاتھ ان کی طرف بڑھایا جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ایک بات یہ بھی کہ صبر اور تقویٰ کو جو شخص آہستہ آہستہ مشاق ہو جائے اور رفتہ رفتہ کوشش کرتا رہے وہ متاثر بھی کم ہوتا ہے پھر مومن کو ہر مصیبت کے ثواب کی امید ہوتی ہے اس لئے نعمت ملنے سے زیادہ اس کو مصیبت سے خوشی ہوتی ہے عاشق کو اگر معلوم ہو جائے کہ اس پر جو دکھ آیا ہے وہ محبوب کا بھیجا ہوا ہے تو اس کو اس دکھ میں اتنی لذت حاصل ہوتی ہے کہ نعمت میں نہیں حاصل ہوتی کیونکہ محبوب کی مرضی اور خوشی اسکو اپنی مرضی اور خوشی سے زیادہ لذت بخش ہوتی ہے۔

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ
اور اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو تو کچھ نہ بگڑے گا تمہارا اُن کے
شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾
فریب سے بیشک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب اللہ کے بس میں ہے

صبر اور تقویٰ میں کامیابی ہے:

ممکن تھا کہ کسی کو یہ خیال گذرے کہ جب ہم ان سے دوستانہ تعلقات نہ رکھیں گے تو وہ زیادہ غیظ و غضب میں آ کر ہمارے خلاف تدبیریں کرینگے اور بیش از بیش نقصان پہنچانا چاہیں گے۔ اس کا جواب دیا کہ تم صبر و استقلال اور تقویٰ و طہارت پر ٹھیک ٹھیک قائم رہو گے تو ان کا کوئی داؤ فریب تم پر کارگر نہ ہوگا۔ جو کاروائیاں وہ کرتے ہیں سب خدا کے علم

میں ہیں، اور اس کو ہر وقت قدرت حاصل ہے کہ ان کا تار پود بکھیر کر رکھ دے تم اپنا معاملہ خدا سے صاف رکھو، پھر تمہارے راستہ سے سب کانٹے صاف کر دیے جائیں گے آگے غزوۂ احد کا واقعہ یاد دلاتے ہیں کہ اس میں بعض مسلمان منافقین کی مغویانہ حرکات سے کچھ اثر پذیر ہو گئے تھے اور قریب تھا کہ مسلمانوں کے دو قبیلے صبر وتقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ بیٹھیں جس سے منافقین کو خوش ہونے کا موقع ہاتھ آئے، مگر خدا نے دستگیری فرمائی اوران قبیلوں کو سخت مہلک ٹھوکر سے بچالیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا ایک روز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا ارشاد فرمایا لڑکے اللہ کا لحاظ رکھ اللہ تیری نگہداشت کرے گا اللہ کا لحاظ رکھ تو اپنے سامنے اللہ کو پائے گا اگر کچھ مانگے تو اللہ سے مانگ اور مدد کی درخواست کرے تو اللہ سے مدد طلب کر اور سمجھ لے کہ اگر سب لوگ جمع ہو کر تجھے کچھ نفع پہنچانا چاہیں گے تو بس نفع اتنا ہی ضرور پہنچائیں گے جتنا اللہ نے تیرے لئے لکھ دیا ہوگا اور اگر سب مل کر کچھ نقصان پہنچانا چاہیں گے تو صرف اتنا ہی ضرر پہنچائیں گے جتنا اللہ نے لکھا دیا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور لکھی ہوئی تحریریں خشک ہو گئیں۔ رواہ احمد ترمذی نے اس حدیث کو حسن صحیح کہا ہے۔ حضرت ابوذرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے ایک ایسی آیت معلوم ہے کہ لوگ اس کو پکڑ لیں تو وہی ان کے لئے کافی ہے اللہ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾

رواہ احمد وابن ماجۃ والدارمی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ
اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے بٹھلانے لگا مسلمانوں کو
مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾
لڑائی کے ٹھکانوں پر اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے
اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ
جب قصد کیا دو فرقوں نے تم میں سے کہ نامردی کریں
وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
اور اللہ مددگار تھا اُن کا اور اللہ ہی پر چاہئے بھروسہ کریں

الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ
مسلمان اور تمہاری مدد کر چکا ہے اللہ بدر کی لڑائی میں اور تم
وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾
کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم احسان مانو

غزوۂ احد:

اس آیت میں جنگ احد کا واقعہ یاد دلایا ہے۔ صورت یہ ہوئی تھی کہ رمضان المبارک ۲ھ میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں مڈبھیڑ ہوگئی جس میں کفار مکہ کے ستر نامور اشخاص مارے گئے اور اسی قدر گرفتار ہوئے۔ اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے قریش کا شعلہ انتقام بھڑک اٹھا جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے کہ وہ ہی باعث جنگ بدر کا ہوا تھا۔ سب اسی مہم کی نذر کر دیں تاکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں سب نے منظور کیا اور ۳ھ میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تاکہ موقع پیش آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں۔ جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خیمہ زن ہوا۔ تو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ لیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے اس کی تائید آپ کے ایک خواب سے ہوئی تھی، یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی سے بھی رائے لی گئی جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے سے موافق تھی۔ مگر بعض پر جوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی اور شوق شہادت بے چین کر رہا تھا مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہئے، تاکہ دشمن ہماری نسبت بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے۔ کثرت رائے اسی طرف ہوگئی۔ اسی حیص وبیص میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے اندر تشریف لے گئے اور زرہ پہن کر باہر آئے اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر لڑائی کرنے پر مجبور کیا انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ صلی اللہ

علیہ وسلم کا منشا نہ ہو تو یہیں تشریف رکھئے۔ فرمایا ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگا لے پھر بدون قتال کئے بدن سے اتارے۔ جب آپ مدینہ سے باہر تشریف لے گئے تقریباً ایک ہزار آدمی آپ کے ساتھ تھے مگر عبداللہ بن ابی تقریباً تین سو آدمیوں کو جن میں بعض مسلمان بھی تھے ساتھ لے کر راستہ سے یہ کہتا ہوا واپس ہو گیا کہ جب میرا مشورہ نہ مانا اور دوسروں کی رائے پر عمل کیا تو ہم کو لڑنے کی ضرورت نہیں، کیوں خواہ مخواہ اپنے کو ہلاکت میں ڈالیں۔ بعض بزرگوں نے سمجھایا بھی مگر کچھ اثر نہیں ہوا، آخر آپ کل سات سو سپاہیوں کی جمعیت لیکر میدان جنگ میں پہنچ گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس فوجی قاعدہ سے صفیں ترتیب دیں۔ ہر ایک دستہ کو اس کے مناسب ٹھکانہ پر بٹھلایا۔ اور فرمایا جب تک میں حکم نہ دوں کوئی قتال نہ کرے۔ اسی اثناء میں عبداللہ بن ابی کی علیحدگی سے دو قبیلے بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے دلوں میں کچھ کمزوری پیدا ہوئی۔ مسلمانوں کی قلیل جمعیت پر نظر کر کے دل چھوڑنے لگے اور خیال آیا کہ میدان سے سرک جائیں مگر حق تعالیٰ نے ان کی مدد اور دستگیری فرمائی، دلوں کو مضبوط کر دیا اور سمجھا دیا کہ مسلمانوں کا بھروسہ تنہا خدائے واحد کی اعانت ونصرت پر ہونا چاہئے تعداد اور سامان وغیرہ کوئی چیز نہیں جب وہ مظفر ومنصور کرنا چاہے تو سب سامان رکھے رہ جاتے ہیں اور غیبی تائید سے فتح مبین حاصل ہو جاتی ہے جیسے معرکہ بدر میں ہوا۔ پس مسلمانوں کو صرف اللہ سے ڈرنا چاہئے تا کہ اس کی طرف سے مزید انعام واحسان ہو اور مزید شکر گذاری کا موقع ملے۔ (غزوۂ بدر کی پوری تفصیل سورۂ انفال میں آئے گی۔ وہاں کے فوائد ملاحظہ کئے جائیں (تنبیہ) دو فرقوں سے مراد وہی بنو سلمہ و بنو حارثہ ہیں۔ گو اس آیت میں ان پر چشمک کی گئی لیکن ان کے بعض بزرگ فرمایا کرتے تھے کہ اس آیت کا نازل نہ ہونا ہم کو پسند نہ تھا کیونکہ واللہ ولیھما کی بشارت عتاب سے بڑھ کر ہے۔ (تفسیر عثمانی)

بدر کی اہمیت اور اس کا محل وقوع:

بدر مدینہ کے جنوب مغرب میں کوئی بیس میل کے فاصلہ پر ایک پڑاؤ اور منڈی کا نام ہے۔

اس وقت اس کو اس لئے اہمیت حاصل تھی کہ یہاں پانی کی افراط تھی، اور یہ عرب کے ریگستانی میدانوں میں بڑی چیز تھی، توحید اور شرک کے درمیان یہیں سب سے پہلا معرکہ بروز جمعہ ۱۷ رمضان المبارک ۲ ھ مطابق ۱۱ مارچ ۶۲۴ء کو پیش آیا تھا، یہ غزوہ بظاہر تو ایک مقامی جنگ معلوم ہوتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس نے دنیا کی تاریخ میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا، اسی لئے قرآن کی زبان میں اس کو یوم الفرقان کہا گیا ہے، فرنگی مورخوں نے بھی اس کی اہمیت کا اقرار کیا ہے۔

امریکی پروفیسر ہٹی نے اپنی کتاب ہسٹری آف دی عربین میں کہتا ہے:

''یہ اسلام کی سب سے پہلی فتح مبین تھی''

وانتم اذلة'' یعنی تم اس وقت تعداد میں قلیل اور سامان میں حقیر تھے، مسلمان تعداد میں قوی روایات کے مطابق ۳۱۳ تھے اس فوج کے ہمراہ گھوڑے صرف دو تھے، اور اونٹ ستر کی تعداد میں تھے،

ابن حاتم اور ابویعلی نے بیان کیا ہے حضرت مسور بن مخرمہؓ نے حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف سے کہا مجھ سے جنگ احد کا واقعہ بیان فرمایئے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے فرمایا آل عمران کی ایک سو بیس آیات کے بعد والی آیات پڑھو تم کو ہمارا قصہ وہاں مل جائے گا اللہ نے فرمایا وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ الی قولہ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا یہ بزدل ہو جانے والے وہ لوگ تھے جنہوں نے کافروں سے امان طلب کی تھی اور (وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ) الخ میں اس آرزو کا بیان ہے جو مسلمانوں نے دشمن سے مقابلہ کے لئے کی تھی۔ اور (اَفَاۡئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ) کا قصہ یہ ہوا کہ احد کے دن شیطان نے چیخ کر کہا تھا محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے اور امنة نعاسا کی صورت یہ ہوئی کہ مسلمانوں پر نیند کا دورہ پڑ گیا تھا تا کہ خوف اور تھکان اور دہشت دور ہو جائے۔ حضرت عبدالرحمٰنؓ نے ساٹھ آیات کے آخر تک یعنی (وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ) تک تلاوت فرمائی اور اس کے بعد آیت (لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ) الخ ہے۔

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ اللہ نے آل عمران کی ساٹھ آیات جنگ احد کے حالات کے بیان میں نازل فرمائیں جن کے اندر ان باتوں کو ظاہر فرمایا جو اس روز ہوئی تھی اور جو لوگ جنگ سے غیر حاضر تھے ان پر عتاب فرمایا۔

مجاہد اور کلبی اور واقدی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صبح کو حضرت عائشہؓ کے مکان سے برآمد ہوئے اور پیادہ چل کر احد تک پہنچے اور لڑائی کے لئے اپنے ساتھیوں کی صف بندی ایسی سیدھی کرنے لگے جیسے تیر سیدھا کیا جاتا ہے۔

مشرکین کی پیش قدمی:

ابن جریر اور بیہقی نے دلائل میں ابن اسحاق کے حوالہ سے اور عبد الرزاق نے مصنف میں معمر کی وساطت سے زہری کی روایت سے بیان کیا

ہے کہ ۱۴ شوال ۳ھ کو بروز بدھ تین ہزار مشرکوں نے احد میں پڑاؤ کیا۔

صحابہ کا مشورہ:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا اور عبداللہ بن ابی بن سلول کو بھی مشورہ کے لئے بلوایا اس سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو کبھی طلب نہیں فرمایا تھا عبداللہ اور اکثر انصاریوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو (سب مسلمانوں کے ساتھ) مدینہ کے اندر ہی رہنا چاہئے باہر نہ نکلنا چاہئے۔ کیونکہ خدا کی قسم ہمیشہ یہ طریقہ رہا ہے کہ دشمن کے حملہ آور ہونے کے وقت ہم اگر گھر سے باہر نکلے ہیں تو دشمن ہم پر کامیاب رہا ہے اور اگر دشمن اندر آ کر ہم پر حملہ آور ہوا ہے تو ہم اس پر کامیاب رہے ہیں اب جبکہ آپ ہم میں موجود ہیں تو ہم کو کیا ڈر ہے۔ اگر مشرک جہاں ہیں وہیں قیام پذیر رہیں گے تو وہ ان کے قیام کے لئے بری جگہ ہے اور اگر وہ شہر کے اندر گھسیں گے تو ہمارے مردان کے سامنے سے لڑیں گے اور بچے اور عورتیں اوپر سے ان پر پتھر برسائیں گے اور اگر لوٹ کر چلے جائیں گے تو ناکام لوٹیں گے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ رائے پسند آئی بزرگ مہاجرین اور انصار کی یہی رائے تھی لیکن حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب، حضرت سعدؓ بن عبادہ، حضرت نعمانؓ بن مالک اور انصاریوں کی ایک جماعت (جن میں اکثر نوجوان تھے اور بدر کی شرکت سے محروم رہے تھے اور دشمن کے مقابلہ میں شہید ہونیکے خواستگار تھے۔ اور اللہ نے احد کے دن ان کو شہادت عطا بھی فرمادی) کی رائے ہوئی کہ ان کتوں کی طرف نکل کر چلنا چاہئے تاکہ یہ خیال نہ کریں کہ ہم بزدل اور کمزور ہو گئے ہیں۔

خوابِ نبوی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے خواب میں گائے دیکھی ہے جس کی تفسیر ہے بھلائی اور میں نے اپنی تلوار کی دھار ٹوٹی ہوئی دیکھی ہے میرے نزدیک اس کی تعبیر ہے شکست۔ اور میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں داخل کیا۔ اس کی تعبیر میں نے دی مدینہ میں داخلہ (یا قیام) بس اگر مدینہ میں ہی قیام رکھنے کی تمہاری رائے ہو تو بہتر ہے آپ کو بھی یہی بات پسند تھی کہ دشمن مدینہ کے اندر آجائیں اور گلی کوچوں میں ان سے لڑائی ہو۔

احمد، دارمی اور نسائی کی روایت کے یہ الفاظ ہیں کہ میں نے اپنا ہاتھ مضبوط زرہ میں دیکھا اور گائے کو ذبح کئے جاتے دیکھا تو میں نے اس کی تعبیر یہ دی کہ مضبوط زرہ مدینہ ہے اور گائے خدا کی قسم بہتری ہے۔

حضرت نعمان کی شہادت:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ ہم کو جنت سے محروم نہ کریں قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے میں تو جنت میں ضرور ضرور داخل ہوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ کیوں۔ حضرت نعمانؓ نے جواب دیا میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھتا ہوں۔ دوسری روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں کہ میں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور لڑائی کے دن نہیں بھاگوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے سچ کہا ہے چنانچہ حضرت نعمانؓ اس روز شہید ہو گئے۔ نیز مالک بن سنان خدری اور ایاس بن عتیک نے بھی لڑائی کے لئے مدینہ سے باہر نکلنے کی ترغیب دی۔

غرض جب لوگ نہ مانے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمعہ کی نماز پڑھائی اور نصیحت کی اور خوب کوشش ومحنت کرنے کا حکم دیا اور بتا دیا کہ اگر صبر رکھو گے تو فتح تمہاری ہوگی لوگ دشمن کی طرف روانہ ہونے (کی اجازت سننے) سے خوش ہو گئے لیکن مدینہ سے خروج بہت سے لوگوں کو پسند بھی نہیں آیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز بھی لوگوں کو پڑھا دی اور بالا مدینہ کے رہنے والے بھی آگئے عورتوں کو اونچے ٹیلوں پر محفوظ مقامات پر بھیج دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابو بکرؓ و حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر اپنے گھر تشریف لے گئے لوگ حجرۂ مبارک سے منبر تک صف بند ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برآمدگی کا انتظار کرنے لگے اتنے میں حضرت سعد بن معاذؓ اور حضرت اسیدؓ بن حضیر آئے اور لوگوں سے کہا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف کیا اور جو کچھ کہنا تھا کہا حالانکہ آسمان سے وحی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتی ہے تم پر نہیں اترتی مناسب یہ ہے کہ معاملہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے سپرد کر دو اور جو کچھ آپ حکم دیں وہی کرو اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہتھیار لگائے زرہ پہنے برآمد ہو گئے۔ اس وقت آپ کمر پر تلوار کا چمڑہ کا پرتلہ بطور پیٹی باندھے عمامہ پہنے اور تلوار لٹکائے ہوئے تھے لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف رائے دینے پر پشیمان ہوئے اور عرض کیا۔

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی کے خلاف رائے دی۔ ہم کو یہ نہ چاہیے تھا اب اگر آپ مناسب سمجھیں تو بیٹھ جائیے۔ یعنی مدینہ سے باہر نہ نکلئے۔ فرمایا میں نے تم کو اسی بات کی دعوت

دی تھی مگر تم نے نہ مانا اور کسی نبی کے لئے زیبا نہیں کہ جب وہ ہتھیار لگا لے تو بغیر جنگ کے ہتھیار اتار دے دیکھو میں جو حکم دوں اس پر چلو۔ اللہ کے نام پر بھروسہ کر کے روانہ ہو جاؤ جب صبر رکھو گے تو فتح تمہاری ہوگی۔

مالک بن عمرو کا جنازہ:

اس فرمان کے بعد مالک بن عمرو نجاری کا جنازہ جنازوں کے مقام میں آپ نے رکھا ہوا پایا مالک کی وفات ہو گئی تھی اور لوگوں نے میت کو لا کر رکھ دیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جنازہ کی نماز پڑھی۔

روانگی:

پھر باہر نکل کر اپنے گھوڑے پر جس کا نام سکب تھا سوار ہو گئے کمان کاندھے پر ڈالی سعدؓ بن عبادہ اور سعد بن معاذ مسلح دائیں بائیں موجود تھے اور دوسرے لوگ بھی تھے۔ گھاٹی کے سرے پر پہنچے تو وہاں ایک بہادر طاقتور فوجی دستہ ملا دریافت فرمایا یہ کیا ہے لوگوں نے کہا یہ عبداللہ بن ابی کے یہودی معاہد ہیں (جنہوں نے عبداللہ سے تعاونی معاہدہ کیا ہوا ہے) فرمایا کیا یہ مسلمان ہو گئے ہیں۔ جواب دیا گیا نہیں۔ فرمایا تو مشرکوں کے خلاف اہل شرک سے ہم مدد کے طالب نہیں۔ یہاں سے چل کر مقام شیخین میں پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لشکر بندی کی۔ شیخین دو ٹیلوں کا نام تھا۔

بچوں کا جذبہ:

اس روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کچھ لڑکے جن کی عمریں ۱۴ برس کی تھیں لشکر میں شامل کئے جانے کے لئے پیش کئے گئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لوٹا دیا ان کی تعداد سترہ تھی۔ کچھ اور لڑکے جن کی عمریں پندرہ سال کی تھیں پیش ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لڑائی میں شامل ہونیکی اجازت دیدی۔ جن میں سے عبداللہ بن عمر۔ زید بن ثابت۔ اسامہ بن زید۔ زید بن ارقم۔ براء بن عازب۔ ابو سعید خدری اور اوس بن ثابت انصاری بھی تھے۔ رافع بن خدیج کو لوٹا دیا گیا تھا لیکن جب بتایا گیا کہ یہ تیر انداز ہے تو شامل ہونے کی اجازت عطا فرمادی اس پر سمرہ بن جندب بولے کہ رافع بن خدیج کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دیدی اور مجھے لوٹا دیا حالانکہ کشتی میں میں اس کو پچھاڑ دوں گا اس کی اطلاع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی دی گئی تو آپ نے فرمایا دونوں کشتی لڑلو۔ کشتی ہوئی تو سمرہ نے رافع کو پچھاڑ لیا اس لئے سمرہ کو بھی جنگ میں شامل ہونیکی اجازت مل گئی فوج کا معائنہ ختم ہو گیا اور سورج ڈوب گیا۔

پہرہ داری:

تو بلال نے مغرب کی اذان دی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ساتھیوں کو نماز پڑھائی پھر کچھ دیر کے بعد عشاء کی اذان دی اور آپ نے عشاء کی نماز پڑھائی اور رات شیخین میں بسر کی اس رات لشکر کی نگرانی کے لئے محمدؓ بن مسلمہ کو پچاس آدمی دے کر مقرر کیا گیا ان لوگوں نے لشکر کے گرد گھوم پھر کر چوکیداری کی۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سو گئے سحر ہوئی تو فجر کی نماز پڑھ کر فرمایا کیا کوئی ایسا رہبر ہے جو دشمنوں کی طرف سے گذارے بغیر ہم کو ٹیلہ سے نکال کر لیجائے۔ ابوخثیمہ نے کھڑے ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا کروں گا۔ چنانچہ ابوخثیمہ بنی حارثہ کے میدان اور ان کے باغات کے درمیان سے لیکر چلا۔

مِرْبَعْ منافق:

یہاں تک کہ مربع بن قیظی کے باغ میں لے کر پہنچا مربع منافق اور نابینا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کی آہٹ پا کر ان حضرات کے منہ کی طرف خاک اڑانے لگا اور کہنے لگا اگر تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہو تب بھی اپنے باغ میں داخل ہونے کی میں تم کو اجازت نہیں دیتا۔ یہ کہہ کر اس نے لپ بھر مٹی لی اور بولا اگر مجھے علم ہو جاتا کہ جس وقت یہ مٹی ماروں گا تو تمہارے چہرہ پر ہی پڑے گی تو ضرور مار دیتا لوگ اس کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھے مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کو قتل نہ کرو یہ اندھا کوردل بھی ہے۔ اور کور چشم بھی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ممانعت سے پہلے ہی سعد بن زید اشہلی اندھے کے پاس پہنچ چکے تھے اور کمان مار کر اس کو زخمی کر دیا تھا۔

عبداللہ بن ابی:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے ہزار آدمی لے کر کوہ احد کی طرف نکلے تھے۔ بعض روایات میں نو سو پچاس کی تعداد آئی ہے جب دونوں فوجوں کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو عبداللہ بن ابی ایک تہائی یعنی تین سو آدمی لے کر واپس لوٹ گیا اور کہنے لگا ہم کیوں اپنی اور اپنی اولاد کی جانیں دیں ابو جابر سلمہ اس کے پیچھے گیا اور کہا میں تم کو تمہارے نبی اور تمہاری جانوں کا واسطہ دیتا ہوں لوٹ کر نہ جاؤ۔ عبداللہ بولا ﴿لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ﴾۔

مسلمانوں کی تعداد:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سات سو آدمی اور دو گھوڑے رہ گئے تھے ایک گھوڑا خود آپ کا تھا اور دوسرا ابو بردہ کا۔ ابن عقبہ کا بیان ہے کہ اس روز مسلمانوں کے پاس کوئی گھوڑا نہیں تھا۔ قبیلہ خزرج میں سے بنو سلمہ اور قبیلہ اوس میں سے بنو حارثہ اسلامی لشکر کے دو بازو تھے ان دونوں قبیلوں نے بھی عبداللہ بن ابی کے ساتھ لوٹ پڑنے کا ارادہ کر لیا تھا مگر اللہ نے ان

کو محفوظ رکھا اور وہ نہیں لوٹے اللہ نے اپنی یہی نعمت عظمیٰ ان کو یاد دلائی۔

حضرت جابر بن عبداللہ نے فرمایا اس آیت کا نزول ہمارے حق میں ہوا تھا ہم نے ہی بھاگنے کا ارادہ کیا تھا لوگوں نے کہا کہ جب اللہ نے فرما دیا (وَاللّٰهُ وَلِیُّهُمَا) تو اب ہم کو گذشتہ ارادۂ فرار سے اتنی مسرت ہے کہ اگر ہم ارادہ فرار نہ کرتے تو اتنی مسرت نہ ہوتی۔ (یہ تھی جنگ احد)۔

☆ تفسیر مظہری اردو جلد دوم ☆

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ
جب تو کہنے لگا مسلمانوں کو کیا تم کو کافی نہیں
يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
کہ تمہاری مدد کو بھیجے رب تمہارا تین ہزار فرشتے آسمان سے
مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾
اُترنے والے

نزولِ ملائکہ:

یعنی جو آسمان سے خاص اسی کام کے لئے اتارے گئے ہوں۔ اکثر علماء کے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقع غزوۂ بدر کا ہے جب کفار کی جمعیت اور تیاری دیکھ کر مسلمانوں کو تشویش ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تسلی کے لئے ایسا فرمایا۔ چنانچہ فرشتوں کی کمک آسمان سے پہنچی۔ سورۂ انفال میں اس کا مفصل بیان آئے گا۔ وہیں نزول ملائکہ کی حکمت اور عدد ملائکہ کے ظاہری تعارض پر کلام کیا جائے گا۔ ☆ تفسیر عثمانی ☆

بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ
البتہ اگر تم صبر کرو اور بچتے رہو اور وہ آئیں
فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ
تم پر اسی دم تو مدد بھیجے تمہارا رب پانچ ہزار
مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾
فرشتے نشان دار گھوڑوں پر

فرشتوں کی مختلف تعداد:

یعنی تین ہزار بیشک کافی ہیں تاہم اگر تم نے صبر واستقلال کا ثبوت دیا اور تقویٰ اختیار کر کے نافرمانی سے بچتے رہے، اور کفار کی فوج ایک دم تم پر ٹوٹ پڑی تو تین ہزار کے بجائے پانچ ہزار فرشتے بھیج دیئے جائیں گے جن کی خاص علامتیں ہونگی اور ان کے گھوڑوں پر بھی خاص نشان ہونگے۔ چونکہ بدر میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی اولاً اس کے مناسب ایک ہزار فرشتوں کا وعدہ فرمایا جیسا کہ سورۂ انفال میں آئے گا۔ پھر مسلمانوں کی گھبراہٹ دور فرمانے کے لئے تعداد تگنی کر دی گئی کیونکہ کفار کی تعداد مسلمانوں سے تگنی تھی۔ اس کے بعد شعبی کی روایت کے موافق جب مسلمانوں کو یہ خبر ملی کہ کرز بن جابر بڑی کمک لیکر مشرکین کی مدد کے لئے آرہا ہے تو ایک جدید اضطراب پیدا ہوگیا، اس وقت مزید تسکین وتقویت کے لئے وعدہ فرمایا کہ اگر تم صبر وتقویٰ سے کام لوگے تو ہم پانچ ہزار فرشتے تمہاری مدد کو بھیج دیں گے۔ اگر مشرکین کی کمک بالکل ناگہانی طور پر آپہنچے تب بھی فکر مت کرو۔ خدا تعالیٰ بروقت تمہاری مدد کرے گا۔ شاید پانچ ہزار کا وعدہ اس لئے رکھا ہو کہ لشکر کے پانچ حصے ہوتے تھے۔ ہر ایک حصہ کو ایک ایک ہزار کی کمک پہنچا دی جائے گی۔ چونکہ کرز بن جابر کی مدد مشرکین کو نہ پہنچی تھی اسلئے بعض کہتے ہیں کہ پانچ ہزار کا وعدہ پورا نہیں کیا تھا۔ کیونکہ وہ (يَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا) پر معلق تھا۔ اور بعض کا قول ہے کہ پانچ ہزار فرشتے نازل ہوئے۔ واللہ اعلم۔ اس کا مزید بیان "انفال" میں دیکھو۔ ☆ تفسیر عثمانی ☆

علامت والے فرشتے:

مُسَوِّمین کے معنی علامت والے حضرت علیؓ فرماتے ہیں فرشتوں کی نشانی بدر والے دن سفید رنگ صوف کی تھی اور ان کے گھوڑوں کی نشانی ماتھے کی سفیدی تھی۔ ☆ تفسیر ابن کثیر ☆

قتادہ اور ضحاک نے کہا فرشتوں نے اپنے گھوڑوں کی پیشانیوں اور دموں میں اون کا نشان لگا دیا تھا۔ ابن ابی شیبہ نے مصنف میں عمرو بن اسحاق کی روایت مرسلاً نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بدر کے دن صحابہؓ سے فرمایا تم بھی اپنا نشان لگا لو کیونکہ ملائکہ نے سفید اون کے نشان اپنی ٹوپیوں اور خودوں میں لگا لئے ہیں۔ ابن جریر نے بھی روایت نقل کی ہے اور اتنا زائد لکھا ہے کہ یہ اول ترین جنگ تھی جس میں اون کا نشان لگایا گیا۔

حضرت عبداللہ بن ابی اوفی کا بیان ہے کہ ہم بنی قریظہ اور بنی نضیر کا محاصرہ کیئے رہے لیکن فتح حاصل نہیں ہوئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی منگوا کر سر دھو رہے تھے کہ جبرئیلؑ نے آکر کہا تم لوگوں نے ہتھیار کھول دیئے اور ملائکہ نے ابھی تک اپنے اسلحہ نہیں اتارے یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ایک کپڑا منگوا کر سر سے لپیٹا سر نہیں دھویا پھر ہم کو جمع کرنے کے

لئے منادی کرائی ہم فوراً تیار ہو گئے اور قریظہ و نضیر کی بستیوں پر جا پہنچے اس روز تین ہزار ملائکہ نے ہماری مدد کی اور آسانی سے فتح عنایت کر دی۔

مجاہدؒ و ضحاک نے کہا (مِنْ فَوْرِهِمْ) کا معنی ہے مِنْ غَضَبِهِمْ۔ بات یہ ہوئی تھی کہ بدر کے دن کی شکست سے مشتعل ہو کر انتہائی غضب کے ساتھ احد میں لڑنے کے لئے کفار آئے تھے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد کے دن ثابت قدم رہے تھے اور اللہ کے حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی اس لئے اللہ نے جبرئیل اور میکائیل کے ذریعہ سے آپ کی مدد کی۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ احد کے دن میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اس وقت آپ کی معیت میں دو آدمی سفید کپڑے پہنے ہوئے دشمن سے لڑ رہے تھے ان دونوں آدمیوں کو میں نے نہ اس سے پہلے دیکھا تھا نہ بعد کو دیکھا۔ متفق علیہ۔ یہ دونوں آدمی جبرئیل و میکائیل تھے۔

سعد بن مالکؓ کی جانثاری:

محمد بن اسحاق نے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر لوگ پراگندہ ہو گئے صرف سعد بن مالک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے تیر چلاتے رہے اور ایک جوان تیروں میں بوریاں لگا کر دے رہا تھا جب بوریاں ختم ہو گئیں تو جبرئیل بوریاں لے کر آئے اور لا کر بکھیر دیں اور دو مرتبہ کہا ابو اسحاق تیر مار۔ جب معرکہ ختم ہو گیا تو اس جوان کے متعلق دریافت کیا گیا کہ کون تھا مگر کسی کو معلوم نہ ہو سکا۔ (تفسیر مظہری)

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ

اور یہ تو اللہ نے تمہارے دل کی خوشی کی اور تاکہ تسکین ہو تمہارے

قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۗ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ

دلوں کو اُس سے اور مدد ہے صرف اللہ ہی کی طرف سے جو کہ

الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ (۱۲۶)

زبردست ہے حکمت والا

مسلمانوں کی تسکینِ قلب:

یعنی یہ سب غیبی سامان غیر معمولی طور پر ظاہری اسباب کی صورت میں محض اس لئے مہیا کئے گئے کہ تمہارے دلوں سے اضطراب و ہراس دور ہو کر سکون و اطمینان نصیب ہو۔ ورنہ خدا کی مدد کچھ ان چیزوں پر محدود و مقصود نہیں نہ اسباب کی پابند ہے وہ چاہے تو محض اپنی زبردست قدرت سے بدون فرشتوں کے تمہارا کام بنا دے یا بدون تمہارے توسط کے کفار کو خائب و خاسر کر دے۔ یا ایک فرشتے سے وہ کام لے جو پانچ ہزار سے لیا جاتا ہے۔ فرشتے بھی جو امداد پہنچاتے ہیں وہ اسی خداوند قدیر کی قدرت و مشیت سے پہنچا سکتے ہیں مستقل طاقت و اختیار کسی میں نہیں۔ آگے یہ اس کی حکمت ہے کہ کس موقع پر کس قسم کے اسباب و وسائط سے کام لینا مناسب ہے تکوینیات کے رازوں کا کوئی احاطہ نہیں کر سکتا۔

فرشتوں کا میدان جنگ میں اترنا:

نیز یہ کہ جب فرشتے میدان میں آئے ہی تھے تو ایک کافر بھی بچنا نہیں چاہئے تھا اس کا جواب خود قرآن کریم نے آیت (وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى) میں دیدیا ہے کہ فرشتوں کے بھیجنے میں درحقیقت ان سے کوئی میدان جنگ فتح کرانا مقصود نہ تھا، بلکہ مجاہدین مسلمین کی تسلی اور تقویت قلب اور بشارت فتح دینا مقصود تھا جیسا کہ اس آیت کے الفاظ (اِلَّا بُشْرٰى) اور (وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ) سے واضح ہے، اور اس سے زیادہ صریح سورۂ انفال میں اسی واقعہ کے متعلق آئے ہوئے الفاظ ہیں فَثَبِّتُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا جس میں فرشتوں کو خطاب کر کے ان کے سپرد یہ خدمت کی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کے قلوب کو جمائے رکھیں، پریشان نہ ہونے دیں، اس تثبیت قلوب کو مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں ایک یہ بھی ہے کہ اپنے تصرف کے ذریعہ ان کے قلوب کو مضبوط کر دیں، جیسا کہ مشائخ صوفیہ اہل تصرف کا معمول ہے۔

اور یہ بھی ہو سکتی ہے کہ مسلمانوں کو مختلف طریقوں سے یہ واضح کر دیں کہ اللہ کے فرشتے ان کی مدد پر کھڑے ہیں، کبھی سامنے ظاہر ہو کر کبھی آواز سے، کبھی کسی اور طریقہ سے جیسا کہ میدان بدر میں یہ سب طریقے استعمال کئے گئے، آیت فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ کی ایک تفسیر میں یہ خطاب فرشتوں کو ہے، اور بعض روایات حدیث میں ہے کہ فرشتے نے کسی مشرک پر حملہ کرنے کا ارادہ کیا تو اس کا سر خود ہی بدن سے جدا ہو گیا، (کما روی عن سہل بن حنیف بروایۃ الحاکم وتصحیح البیہقی) اور بعض صحابہ کرام نے جبرائیل امین کی آواز بھی سنی کہ اقدم حیزوم فرما رہے ہیں، اور بعض نے خود بھی بعض ملائکہ کو دیکھا بھی (رواہ مسلم) یہ مشاہدات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں کہ ملائکۃ اللہ نے مسلمانوں کو اپنی نصرت کا یقین دلانے کے لئے کچھ کچھ کام ایسے بھی کئے ہیں کہ گویا وہ بھی قتال میں شریک ہیں اور دراصل ان کا کام مسلمانوں کی تسلی اور تقویت قلب تھا، فرشتوں کے ذریعہ میدان جنگ فتح

کرانا مقصود نہیں تھا، اس کی واضح دلیل یہ بھی ہے کہ اس دنیا میں جنگ و جہاد کے فرائض انسانوں پر عائد کئے گئے ہیں، اور اسی وجہ سے ان کو فضائل و درجات حاصل ہوتے ہیں، اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت یہ ہوتی کہ فرشتوں کے لشکر سے ملک فتح کرائے جائیں تو دنیا میں کفر و کافر کا نام ہی نہ رہتا، حکومت و سلطنت کی تو کیا گنجائش تھی۔ (مظہری)

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوٓا أَوْ يَكْبِتَهُمْ
تاکہ ہلاک کرے بعضے کافروں کو یا اُن کو ذلیل کرے
فَيَنقَلِبُوا خَآئِبِينَ ﴿۱۲۷﴾
تو پھر جاویں محروم ہوکر

کافروں کی ہلاکت:

یعنی فرشتے بھیجنے سے مقصود تمہاری مدد کرنا تھا کہ تمہارے دل مضبوط ہوں اور خدا کی طرف سے بشارت و طمانینت پاکر پوری دلجمعی اور پامردی کے ساتھ دشمن کا مقابلہ کرو جس سے یہ غرض تھی کہ کافروں کا زور ٹوٹے۔ ان کا بازو کٹ جائے۔ پرانے نامور مشرک کچھ مارے جائیں، کچھ ذلیل و خوار ہوں، اور بقیۃ السیف بہزار رسوائی و ناکامی واپس ہو جائیں۔ چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا۔ ستر سردار جن میں اس امت کا فرعون ابوجہل بھی تھا، مارے گئے۔ ستر قید ہوئے، اور نہایت ذلیل و نامراد ہوکر مکہ واپس جانا پڑا۔ (تفسیر عثمانی)

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ
تیرا اختیار کچھ نہیں یا اُن کو توبہ دیوے خدا تعالیٰ یا اُن کو
عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿۱۲۸﴾
عذاب کرے کہ وہ ناحق پر ہیں

مسلمانوں کی آزمائش:

احد میں ستر صحابہؓ شہید ہوئے جن میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا سیدالشہداء حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، مشرکین نے نہایت وحشیانہ طور پر شہداء کا مثلہ کیا (ناک کان وغیرہ کاٹے) پیٹ چاک کئے حتیٰ کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا جگر نکال کر ہندہ نے چبایا۔ مفصل واقعہ آگے آئے گا۔ خلاصہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس لڑائی میں چشم زخم پہنچا۔ سامنے کے چار دانتوں میں سے نیچے کا دایاں دانت شہید ہوا۔ خود کی کڑیاں ٹوٹ کر رخسار مبارک میں گھس گئیں، پیشانی زخمی ہوئی اور بدن مبارک لہولہان تھا اسی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاؤں لڑکھڑایا اور زمین پر گر کر بے ہوش ہوگئے۔ کفار نے مشہور کردیا۔ اِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ قُتِلَ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم مارے گئے) اس سے مجمع بدحواس ہوگیا تھوڑی دیر کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش آیا۔ اس وقت زبان مبارک سے نکلا کہ وہ قوم کیونکر فلاح پائے گی جس نے اپنے نبی کا چہرہ زخمی کیا۔ جو ان کو خدا کی طرف بلاتا تھا۔

پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام:

مشرکین کے وحشیانہ شدائد و مظالم کو دیکھ کر آپ سے نہ رہا گیا تھا اور ان میں سے چند نامور اشخاص کے حق میں آپ نے بددعاء کا ارادہ کیا یا شروع کر دی جس میں ظاہر ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر طرح حق بجانب تھے مگر حق تعالیٰ کو منظور تھا کہ آپ اپنے منصب جلیل کے موافق اس سے بھی بلند مقام پر کھڑے ہوں، وہ ظلم کرتے جائیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہیں۔ جتنی بات کا آپ کو حکم ہے مثلاً دعوت و تبلیغ اور جہاد وغیرہ۔ اسے انجام دیتے رہیں۔ باقی ان کا انجام خدا کے حوالے کریں۔ اس کی جو حکمت ہوگی کرے گا آپ کی بددعا سے وہ ہلاک کردیئے جائیں کیا اس کی جگہ یہ بہتر نہیں کہ ان ہی دشمنوں کو اسلام کا محافظ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جان نثار عاشق بنا دیا جائے؟ چنانچہ جن لوگوں کے حق میں آپ بددعا کرتے تھے چند روز کے بعد سب کو خدا تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدموں پر لا ڈالا، اور اسلام کا جانباز سپاہی بنا دیا، غرض (لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ) میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو متنبہ فرمایا کہ بندہ کو اختیار نہیں نہ اس کا علم محیط ہے اللہ تعالیٰ جو چاہے سو کرے۔ اگرچہ کافر تمہارے دشمن ہیں اور ظلم پر ہیں لیکن چاہے وہ ان کو ہدایت دے یا چاہے عذاب کرے تم اپنی طرف سے بددعا نہ کرو۔ بعض روایات سے ان آیات کی شان نزول کچھ اور معلوم ہوتی ہے۔ یہاں تفصیل کی گنجائش نہیں فتح الباری میں کئی جگہ اس پر شافی کلام کیا ہے۔ فلیراجع۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول:

مسلم اور امام احمد نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ احد کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا دانت اور چہرہ مبارک زخمی ہوکر خون بہنے لگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسی قوم کیسے ٹھیک ہو سکتی ہے جس نے اپنے پیغمبر سے یہ سلوک کیا ہو حالانکہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اللہ کی طرف بلا رہا ہے اس پر مندرجہ ذیل آیت نازل ہوئی۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ
اور اللہ ہی کا مال ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں

يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ

ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾

اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے

یعنی تمام زمین آسمان میں خدائے واحد کا اختیار چلتا ہے سب اسی کی مخلوق ہے۔ وہ جس کو مناسب جانے ایمان کی توفیق دے کر بخش دے اور جسے چاہے کفر کی سزا میں پکڑ لے۔

نکتہ: شاید اخیر میں (وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ) فرما کر اشارہ کر دیا کہ ان لوگوں کو جن کے حق میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بد دعا کرنا چاہتے تھے ایمان دے کر مغفرت و رحمت کا مورد بنایا جائے گا۔ (تفسیر عثانی)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا

اے ایمان والو مت کھاؤ سود

سود کی ممانعت:

جنگ احد کے تذکرہ میں سود کی ممانعت کا ذکر بظاہر بے تعلق معلوم ہوتا ہے۔ مگر شاید یہ مناسبت ہو کہ اوپر (اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا) میں ''جہاد'' کے موقع پر نامردی دکھلانے کا ذکر ہوا تھا۔ اور سود کھانے سے نامردی پیدا ہوتی ہے دو سبب سے۔ ایک یہ کہ مال حرام کھانے سے توفیق طاعت کم ہوتی ہے اور بڑی طاعت جہاد ہے، دوسرے یہ کہ سود لینا انتہائی بخل پر دلالت کرتا ہے کیونکہ سود خوار چاہتا ہے کہ اپنا مال جتنا دیا تھا لے لے اور بیچ میں کسی کا کام نکلا، یہ بھی مفت نہ چھوڑے، اس کا علیحدہ معاوضہ وصول کرے۔ تو جس کو مال میں اتنا بخل ہو کہ خدا کے لئے کسی کی ذرہ بھر ہمدردی نہ کر سکے وہ خدا کی راہ میں جان کب دے سکے گا۔

یہود سے تعلقات کا خاتمہ:

ابو حیان نے لکھا ہے کہ اس وقت یہود وغیرہ سے مسلمانوں کے سودی معاملات اکثر ہوتے رہتے تھے۔ اسی لئے ان سے تعلقات قطع کرنا مشکل تھا چونکہ پہلے (لَا تَتَّخِذُوْا بِطَانَةً) کا حکم ہو چکا ہے اور احد کے قصہ میں بھی منافقین یہود کی حرکات کو بہت دخل تھا اس لئے متنبہ فرمایا کہ سودی لین دین ترک کرو ورنہ اس کی وجہ سے خواہی نہ خواہی ان ملعونوں کے ساتھ تعلقات قائم رہیں گے جو آئندہ نقصان اٹھانے کا موجب ہوں گے۔ (تفسیر عثانی)

اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠

دونے پر دونا

سود کی انتہائی ظالمانہ شکل:

اس کا مطلب یہ نہیں کہ تھوڑا سود لے لیا کرو۔ دونے پر دونا مت لو۔ بات یہ ہے کہ جاہلیت میں سود اسی طرح لیا جاتا تھا جیسے ہمارے یہاں کے بنئے لیتے ہیں۔ سو روپے دیئے اور سود در سود بڑھاتے چلے گئے یہاں تک کہ سو روپے میں ہزاروں روپیہ کی جائیدادوں کے مالک بن بیٹھے۔ اسی صورت کو یہاں اضعافا مضاعفۃ سے تعبیر فرمایا۔ یعنی اول تو سود مطلقاً حرام وقبیح اور یہ صورت تو بہت ہی زیادہ شنیع وقبیح ہے جیسے کوئی کہے میاں مسجد میں گالیاں مت بکو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسجد سے باہر بکنے کی اجازت ہے بلکہ مزید تقبیح و تشنیع کے موقع پر ایسے الفاظ بولتے ہیں۔ (تفسیر عثانی)

وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہارا بھلا ہو

یعنی سود کھانے میں بھلا نہیں، بلکہ تمہارا اس میں بھلا ہے کہ خدا سے ڈر کر سود کھانا چھوڑ دو۔ (تفسیر عثانی)

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾

اور بچو اس آگ سے جو تیار ہوئی کافروں کے واسطے

سود کا عذاب:

یعنی سود کھانے والا دوزخ میں جلتا ہے جو اصل میں کافروں کے واسطے بنائی گئی تھی۔ (تفسیر عثانی)

وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا تاکہ تم پر رحم ہو

اطاعتِ رسول:

رسول کا حکم ماننا بھی فی الحقیقت خدا ہی کا حکم ماننا ہے کیونکہ اس نے حکم دیا ہے کہ ہم پیغمبر کا حکم مانیں اور ان کی پوری اطاعت کریں جن احمقوں کو اطاعت اور عبادت میں فرق نظر نہ آیا وہ اطاعت رسول کو شرک کہنے لگے۔ چونکہ جنگ احد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی ہوئی تھی (جیسا کہ آگے آتا ہے) اسلئے آئندہ کے لئے ہوشیار کیا جاتا ہے کہ

خدا کی رحمت اور فلاح و کامیابی کی امید اسی وقت ہوسکتی ہے جب اللہ و رسول کے کہنے پر چلو۔ (تفسیر عثمانی)

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ
اور دوڑو بخشش کی طرف اپنے رب کی اور جنت کی طرف

یعنی ان اعمال و اخلاق کی طرف جھپٹو جو حسب وعدۂ خداوندی اس کی بخشش اور جنت کا مستحق بناتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

مغفرت کے اسباب:

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے ادائے فرض اور حضرت انس بن مالکؓ نے نماز کی تکبیر اولیٰ سے تفسیر فرمائی۔ تمام اقوال کا مآل یہ ہے کہ مغفرت سے مراد ہیں ایسے عقائد، اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ جن سے گناہوں کی مغفرت دوزخ سے رہائی، اور ظل رحمت میں پہنچنے کا استحقاق ہوجاتا ہے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سات امور سے پہلے اچھے اعمال کرلو تمہارے سامنے (بس یہی سات امور ہیں) یا تو ایسا افلاس ہے جو ہر چیز کو فراموش کرا دینے والا ہے، یا ایسی مالداری ہے جو سرکش بنا دینے والی ہے۔ یا نظام صحت کو بگاڑ دینے والی بیماری ہے یا سٹھیا دینے والا بڑھاپا ہے یا جلد آجانیوالی موت ہے یا دجال ہے اور وہ بدترین انتظار کی چیز ہے یا قیامت ہے اور قیامت عظیم ترین مصیبت اور بہت ہی تلخ چیز ہے۔ (رواہ الترمذی والحاکم۔ تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ
جس کا عرض ہے آسمان اور زمین

جنت کی وسعت:

چونکہ آدمی کے دماغ میں آسمان و زمین کی وسعت سے زیادہ اور کوئی وسعت نہیں آسکتی تھی اسلئے سمجھانے کے لئے جنت کے عرض کو اسی سے تشبیہ دی گئی گویا بتلا دیا کہ جنت کا عرض زیادہ سے زیادہ سمجھو پھر جب عرض اتنا ہی تو طول کا حال خدا جانے کیا ہوگا۔ (تفسیر عثمانی)

ایک سوال اور جواب:

مسند امام احمد میں ہے ہرقل نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بطور اعتراض کے ایک سوال لکھ کر بھیجا کہ آپ مجھے اس جنت کی دعوت دے رہے ہیں جس کی چوڑائی آسمان و زمین کے برابر ہے تو یہ فرمائیے کہ پھر جہنم کہاں گئی؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سبحان اللہ جب دن آتا ہے تو رات کہاں جاتی ہے؟ جو قاصد ہرقل کا یہ خط لے کر خدمت نبوی میں حاضر ہوا تھا اس سے حضرت یعلیٰ بن مرہ کی ملاقات حمص میں ہوئی تھی۔ کہتے ہیں اس وقت یہ بہت ہی بڈھا ہوگیا تھا کہنے لگا جب میں نے یہ خط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا تو آپ نے اپنی بائیں طرف کے ایک صحابی کو دیا۔ میں نے لوگوں سے پوچھا ان کا کیا نام ہے؟ لوگوں نے کہا حضرت معاویہ ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ الخ۔ (تفسیر ابن کثیرؒ)

آسمان و زمین:

یہ کلام بطور تمثیل ہے حقیقت مراد نہیں ہے جنت تو ان کے لئے سب سے زیادہ وسیع ہے لیکن عوام کے خیال میں سب سے زیادہ وسعت مکانی آسمان و زمین کی ہے اس لئے آیت میں آسمان و زمین کی وسعت سے جنت کی وسعت کو تشبیہ دیکر بیان کیا جس طرح آیت (خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ) میں جنت کے اندر دوام سکونت کو بقاء ارض و سماء کی مدت سے تشبیہ دی جاتی ہے۔ کیونکہ عامی نظر میں آسمان و زمین سے زیادہ کسی چیز کی مدت کا بقاء نہیں ہے پس انسانوں کے خیال کے مطابق تشبیہ دی۔

جنت کہاں ہے:

بغویؒ نے لکھا ہے کہ حضرت انسؓ بن مالک سے دریافت کیا گیا کہ جنت آسمان میں ہے یا زمین میں فرمایا کس زمین و آسمان میں جنت کی سمائی ہوسکتی ہے۔ دریافت کیا پھر کہاں ہے فرمایا ساتوں آسمانوں کے اوپر عرش کے نیچے۔ قتادہؒ نے کہا کہ وہ یعنی صحابہؓ خیال کرتے تھے کہ جنت ساتوں آسمانوں کے اوپر اور جہنم ساتوں زمینوں کے نیچے ہے۔ ابوالشیخ نے العظیمہ میں باسناد ابوالزعراء حضرت عبداللہؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جنت سب سے اونچے ساتویں آسمان میں (یعنی ساتویں آسمان) کے اوپر ہے اور دوزخ سب سے نچلی ساتویں زمین میں یعنی ساتویں زمین کے نیچے ہے۔ (تفسیر مظہری)

اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي
تیار ہوئی ہے واسطے پرہیزگاروں کے جو خرچ کئے جاتے ہیں
السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ
خوشی میں اور تکلیف میں

متقین کی صفات:

یعنی نہ عیش و خوشی میں خدا کو بھولتے ہیں نہ تنگی و تکلیف کے وقت خرچ

کرنے سے جان چراتے ہیں۔ ہر موقع پر اور ہر حال میں حسب مقدرت خرچ کرنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ سود خواروں کی طرح بخیل اور پیسہ کے پجاری نہیں۔ گویا جانی جہاد کے ساتھ مالی جہاد بھی کرتے ہیں۔ (تفسیر عثمانی)

سخاوت کی فضیلت:

بغوی نے لکھا ہے کہ من جملہ ان اوصاف کے جو اہل تقویٰ کو مستحق جنت بناتے ہیں سب سے اول سخاوت کا ذکر اس آیت میں کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا سخی اللہ سے قرب رکھنے والا ہے جنت سے قرب رکھنے والا ہے لوگوں سے قرب رکھنے والا ہے دوزخ سے دور رہنے والا ہے اور کنجوس اللہ سے دور جنت سے دور لوگوں سے دور اور دوزخ سے قریب۔ جاہل سخی، عابد بخیل سے اللہ کے نزدیک اچھا ہے رواہ الترمذی عن ابی ہریرۃ۔ بغوی کی نقل کردہ روایت میں عابد بخیل کی بجائے عالم بخیل کا لفظ آیا ہے۔ مذکورہ حدیث بیہقی نے حضرت جابرؓ کی روایت سے اور طبرانی نے حضرت عائشہؓ کی روایت سے بیان کی ہے۔ حضرت ابن عباسؓ کی مرفوع روایت ہے کہ سخاوت اللہ کی سب سے بڑی صفت ہے۔ رواہ ابن النجار۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سخاوت جنت کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹکیں ہوئی ہیں۔ جو شخص ان ٹہنیوں میں سے کسی ٹہنی کو پکڑ لے گا وہ ٹہنی اس کو جنت کی طرف کھینچ کر لے جائے گی اور کنجوسی دوزخ کے درختوں میں سے ایک درخت ہے جس کی شاخیں دنیا میں لٹکی ہوئی ہیں جو شخص ان ٹہنیوں میں سے کسی ٹہنی کو پکڑ لے گا وہ ٹہنی اس کو کھینچ کر دوزخ کی طرف لے جائے گی۔ رواہ الدار قطنی والبیہقی عن علیؓ وابن عدی والبیہقی عن ابی ہریرۃؓ وابونعیم فی الحلیۃ عن جابرؓ والخطیب عن ابی سعیدؓ وابن عساکر عن انسؓ والدیلمی فی مسند الفردوس عن معاویہؓ۔

ایک درہم اور ایک لاکھ درہم:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک درہم ایک لاکھ سے بازی لے گیا ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کیسے فرمایا ایک آدمی ہو جو بڑا مالدار ہو اور اپنے مال میں سے وہ ایک لاکھ درہم خیرات کردے اور ایک اور آدمی ہو جس کے پاس صرف دو درہم ہوں اور وہ دو درہموں میں سے ایک درہم خیرات کردے۔ پس یہ ایک درہم ایک لاکھ سے بہتر ہوگا۔ رواہ النسائی و صححہ وابن خزیمہ وابن حبان والحاکم (تفسیر مظہری اردو جلد۲)

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ

اور دبا لیتے ہیں غصہ اور معاف کرتے ہیں لوگوں کو

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۚ﴿۱۳۴﴾

اور اللہ چاہتا ہے نیکی کرنیوالوں کو

معاف کرنا:

غصہ کو پی جانا ہی بڑا کمال ہے اس پر مزید یہ کہ لوگوں کی زیادتی یا غلطیوں کو بالکل معاف کردیتے ہیں، اور نہ صرف معاف کرتے ہیں بلکہ احسان اور نیکی سے پیش آتے ہیں۔ غالباً پہلے جن لوگوں کی نسبت بد دعا کرنے سے روکا تھا۔

نکتہ: یہاں ان کے متعلق غصہ دبانے اور عفو و درگذر سے کام لینے کی ترغیب دی گئی ہے نیز جن بعض صحابہ نے جنگ احد میں عدول حکمی کی تھی، یا فرار اختیار کیا تھا، ان کی تقصیر معاف کرنے اور شان عفو و احسان اختیار کرنے کی طرف متوجہ کیا گیا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ظفر شاہ دہلوی کا کلام اس معنی میں خوب ہے

ظفر آدمی اس کو نہ جانیے گا خواہ ہو کتنا ہی صاحب فہم و ذکا
جسے عیش میں یاد خدا نہ رہی جسے طیش میں خوف خدا نہ رہا

متقین کی صفات عالیہ:

ایک خاص صفت اور علامت یہ بتلائی گئی کہ اگر ان کو کسی ایسے شخص سے سابقہ پڑے جو ان کو اذیت اور تکلیف پہنچائے تو وہ غصہ میں مشتعل اور مغلوب نہیں ہوجاتے، اور غصہ کے مقتضیٰ پر عمل کرکے انتقام نہیں لیتے، پھر صرف یہی نہیں کہ انتقام نہ لیں، بلکہ دل سے بھی معاف کردیتے ہیں، اور پھر اس پر بس نہیں بلکہ تکلیف دینے والے کے ساتھ احسان کا معاملہ فرماتے ہیں، اسی ایک صفت میں گویا تین صفتیں شامل ہیں، اپنے غصہ پر قابو پانا، تکلیف دینے والے کو معاف کرنا، پھر اس کے ساتھ احسان کا سلوک کرنا، ان تینوں چیزوں کو اس آیت میں بیان فرمایا۔

حضرت علی بن حسینؒ کا واقعہ:

امام بیہقیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں حضرت سیدنا علی ابن حسین رضی اللہ عنہما کا ایک عجیب واقعہ نقل فرمایا ہے کہ آپ کی ایک کنیز آپ کو وضو کرا رہی تھی کہ اچانک پانی کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر حضرت علی ابن

حسین رضی اللہ عنہما کے اوپر گرا، تمام کپڑے بھیگ گئے، غصہ آنا طبعی امر تھا، کنیز کو خطرہ ہوا، تو اس نے فوراً یہ آیت پڑھی، (وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ)، یہ سنتے ہی خاندان نبوت کے اس بزرگ کا سارا غصہ ٹھنڈا ہوگیا، بالکل خاموش ہو گئے، اس کے بعد کنیز نے آیت کا دوسرا جملہ و العافین عن الناس پڑھ دیا، تو فرمایا کہ میں نے تجھے دل سے بھی معاف کردیا، کنیز بھی ہوشیار تھی، اسکے بعد اس نے تیسرا جملہ بھی سنادیا۔ واللہ یحب المحسنین جس میں احسان اور حسن سلوک کی ہدایت ہے، حضرت علی بن حسینؓ نے یہ سن کر فرمایا کہ جا میں نے تجھے آزاد کردیا۔ ﴿روح المعانی بحوالہ بیہقی﴾

معاف کرنے والا:

لوگوں کی خطاؤں اور غلطیوں کو معاف کردینا انسانی اخلاق میں ایک بڑا درجہ رکھتا ہے اور اس کا ثواب آخرت ہے نہایت اعلیٰ ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز حق تعالیٰ کی طرف سے منادی ہوگی جس شخص کا اللہ تعالیٰ پر کوئی حق ہے وہ کھڑا ہوجائے تو اس وقت وہ لوگ کھڑے ہوں گے، جنہوں نے لوگوں کے ظلم و جور کو دنیا میں معاف کیا ہوگا۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے،

مَنْ سَرَّهٗ اَنْ يُّشْرَفَ لَهُ الْبُنْيَانُ وَتُرْفَعَ لَهُ الدَّ رَجٰتُ فَلْيَعْفُ عَنْ مَنْ ظَلَمَهٗ وَيُعْطِ مَنْ حَرَمَهٗ وَيَصِلْ مَنْ قَطَعَهٗ

"جو شخص یہ چاہے کہ اس کے محلات جنت میں اونچے ہوں اور اس کے درجات بلند ہوں اس کو چاہئے کہ جس نے اس پر ظلم کیا ہو اس کو معاف کردے اور جس نے اسکو کبھی کچھ نہ دیا ہو اس کو بخشش و ہدیہ کرے، اور جس نے اس سے ترک تعلقات کیا ہو یہ اس سے ملنے میں پرہیز نہ کرے۔

بعض روایتوں میں ہے اے ابن آدم اگر غصے کے وقت تو مجھے یاد رکھے گا یعنی میرا حکم مان کر غصہ پی جائے گا تو میں بھی اپنے غصہ کے وقت تجھے یاد رکھوں یعنی ہلاکت کے وقت تجھے ہلاکت سے بچالوں گا۔ ﴿ابن ابی حاتم﴾

امام اعظمؒ کا واقعہ:

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ایک واقعہ ہے کہ ایک شخص نے بھرے بازار میں امام اعظمؒ کی شان میں گستاخی کی اور گالیاں دیں، حضرت امام اعظمؒ نے غصہ کو ضبط فرمایا، اور اس کو کچھ نہیں کہا، اور گھر پر واپس آنے کے بعد ایک خوان میں کافی درہم و دینار رکھ کر اس شخص کے گھر تشریف لے گئے، دروازے پر دستک دی، یہ شخص باہر آیا تو اشرفیوں کا یہ خوان اس کے سامنے یہ کہتے ہوئے پیش فرمایا کہ آج تم نے مجھ پر بڑا احسان کیا، اپنی نیکیاں مجھے دیدیں، میں اس احسان کا بدلہ کرنے کے لئے یہ تحفہ پیش کررہا ہوں، امامؒ کے اس معاملہ کا اس کے قلب پر اثر ہونا ہی تھا، آئندہ کو اس بری خصلت سے ہمیشہ کے لئے تائب ہوگیا، حضرت امامؒ سے معافی مانگی، اور آپ کی خدمت اور صحبت میں علم حاصل کرنے لگا یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں میں ایک بڑے عالم کی حیثیت اختیار کرلی۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

پہلوان:

حدیث شریف میں ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پہلوان وہ نہیں جو کسی کو پچھاڑ دے بلکہ حقیقتاً پہلوان وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے نفس پر قابو رکھے (احمد)۔

نفع کا مختصر عمل:

حضرت حارثہ بن قدامہ سعدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ حاضر خدمت نبوی ہوکر عرض کرتے ہیں کہ حضور! مجھ سے کوئی نفع کی بات کہئے اور مختصر ہوتا کہ میں یاد بھی رکھ سکوں۔ آپ نے فرمایا غصہ نہ کر۔ اس نے پھر پوچھا آپ نے پھر یہی جواب دیا کئی کئی مرتبہ یہی کہا سنا۔ ﴿مسند احمد﴾ ﴿ابن کثیر﴾

کظم کا معنی باوجود بھر بھر کر آنے کے اپنے نفس کو روکنا۔ کَظَمْتِ الْقِرْبَةَ میں میں نے مشک کو بھر دیا اور اس کے منہ کو باندھ دیا۔ یعنی باوجود قدرت رکھنے کے غصہ نکالنے سے اپنے آپ کو روکنے والے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے سخت غصہ کو روک لیا باوجودیکہ اس کو پورا کرنیکی قدرت تھی اللہ اس کے دل کو امن اور ایمان سے بھر دے گا۔ (رواہ احمد و عبدالرزاق اور ابن ابی الدنیا فی ذم الغضب۔

غصے کو پی جانا:

بغویؒ نے حضرت انسؓ کی مرفوع حدیث نقل کی ہے جو شخص سخت غصہ کو پی گیا باوجودیکہ غصہ نکالنے پر اس کو قابو تھا قیامت کے دن سب مخلوق کے سامنے اللہ اس کو بلالے گا۔ اور اس کو اختیار دے گا کہ جس حور کو چاہے لیلے۔

عیب پوشی:

ابن ابی الدنیا نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ جو شخص اپنے غصہ کو روکے گا اللہ اس کی عیب پوشی کرے گا۔

شیخین نے صحیحین میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے نقل کیا کہ جب حضرت جبرئیلؑ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کی

تشریح پوچھی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا احسان یعنی خوبی عبادت یہ ہے کہ تم اپنے رب کی اس طرح عبادت کرو جیسے تم اس کو دیکھ رہے ہو۔ پس اگر تم اسکو نہیں دیکھ پاتے تو وہ یقیناً تم کو دیکھتا ہے۔

صوفیانہ تشریح:

میں کہتا ہوں اس صورت میں تو اہل احسان صوفیہ ہیں اور شاید کظم غیظ سے بطور کنایہ فنائے نفس مراد ہو کیونکہ غرور، حسد، کینہ، بخل اور اسی طرح کی دوسری رذیل صفات ہی غضب کی بنیاد ہیں اور شاید عفو سے بطور کنایہ فنائے قلب مراد ہو کیونکہ قلب کے فنا کے بعد آدمی کی نظر سے فاعلیت انسان کا پردہ ہٹ جاتا ہے۔ اور اس کو دکھنے لگتا ہے کہ تمام افعال کی فاعلی حقیقی نسبت اللہ ہی کی طرف ہے لہٰذا وہ کسی آدمی کو کسی عمل کی وجہ سے قابل مواخذہ نہیں سمجھتا ہے اور ماخوذ سمجھتا ہے تو بسلسلہ حق اللہ جتنا اللہ نے حکم دیا ہے۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا
اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھیں کچھ کھلا گناہ یا برا کام کریں
اَنْفُسَهُمْ
اپنے حق میں

یعنی کھلم کھلا کوئی بے حیائی کا کام کر گذریں جس کا اثر دوسروں تک متعدی ہو یا کسی اور بری حرکت کے مرتکب ہو جائیں جس کا ضرر ان ہی کی ذات تک محدود رہے۔ (تفسیر عثمانی)

شان نزول:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے فرمایا فاحشہ زنا ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا مسلمانوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم سے تو بنی اسرائیل ہی اللہ کی نظر میں زیادہ عزت والے تھے ان میں سے اگر کوئی (رات کو) گناہ کر لیتا تھا تو صبح کو دروازہ کی چوکھٹ پر اس کا کفارہ لکھا ہوا ملتا تھا کہ اپنی ناک یا کان کاٹ ڈال یا ایسا کر لے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خاموش ہو گئے تو اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

نبہان کا واقعہ:

عطاء نے کہا اس آیت کا نزول نبہان خرما فروش کے حق میں ہوا تھا جس کی کنیت ابو معبد تھی۔ قصہ یہ ہوا کہ ایک خوبصورت عورت چھوارے خریدنے اس کے پاس آئی نبہان نے کہا یہ چھوارے اچھے نہیں ہیں گھر کے اندر اس سے کھرے موجود ہیں چنانچہ اس عورت کو لے کر نبہان گھر میں گیا اور اندر جا کر اس کو چمٹا لیا اور بوسہ لیا۔ عورت نے کہا اللہ سے ڈر! نبہان نے فوراً چھوڑ دیا اور اس حرکت پر پشیمان ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور قصہ عرض کر دیا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

انصاری اور ثقفی کا واقعہ:

مقاتل اور کلبی کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں کو بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ ایک انصاری تھا دوسرا ثقفی۔ ثقفی ایک جہاد پر گیا اور انصاری بھائی کو اپنے بال بچوں کا نگران بنا گیا۔ ایک روز انصاری نے ثقفی کے گھر والوں کے لئے گوشت خریدا اور ثقفی کی بیوی نے جب انصاری سے گوشت لینا چاہا تو وہ عورت کے پیچھے پیچھے گھر میں آ گیا اور اس کے ہاتھ کو چوم لیا پھر اس کو پشیمانی ہوئی اور واپس لوٹ آیا مگر خاک سر پر اڑاتا سرگرداں ہو کر جنگل میں نکل گیا۔ ثقفی لوٹ کر آیا اور انصاری استقبال کے لئے نہ آیا تو اس نے اپنی بیوی سے انصاری کا حال پوچھا تو عورت نے کہا ایسے بھائیوں کی تعداد اللہ زیادہ نہ کرے اور پوری حالت بیان کر دی ادھر انصاری پہاڑوں میں گھومتا اور توبہ استغفار کرتا پھر رہا تھا ثقفی نے اس کی تلاش کی اور جب مل گیا تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں لے کر اس امید پر آیا کہ شاید کوئی سکون اور کشائش کا راستہ آپ کے پاس مل جائے۔ انصاری نے قصہ عرض کر دیا اور کہا میں تباہ ہو گیا۔

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا تیرا برا ہو گیا تجھے معلوم نہیں کہ غازی کے سلسلے میں اللہ اتنی حمیت رکھتا ہے کہ مقیم کے سلسلے میں نہیں رکھتا اس کے بعد یہ دونوں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی وہی جواب دیا جو حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ مگر آپ نے بھی شیخین کا سا جواب دیا اس پر اللہ نے یہ آیات نازل فرمائی۔

نفس پر ظلم:

یعنی صغیرہ گناہ کر کے یا زنا سے کم درجہ کا گناہ کر کے جیسے بوسہ یا معانقہ اور ہاتھ لگانا۔ بعض علماء نے یہ مطلب بیان کیا ہے کہ فاحشہ کا ارتکاب کیا ہو قولاً اور اپنی جانوں پر ظلم کیا ہو عملاً۔ بعض اہل علم نے کہا کہ فاحشہ وہ ہے جو متعدی گناہ ہو اور ظلم نفس سے وہ گناہ مراد ہے جو متعدی نہ ہو۔ یہی زیادہ ظاہر ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ جنت ان لوگوں کے لئے بھی تیار کی گئی ہے جو کسی فاحشہ کا ارتکاب یا اپنے نفس پر ظلم کرتے ہیں: (مظہری)

ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَمَنْ

تو یاد کریں اللہ کو اور بخشش مانگیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے

يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى

گناہ بخشنے والا سوا اللہ کے اور اڑتے نہیں

مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ

اپنے کئے پر اور وہ جانتے ہیں انہی کی جزا ہے

مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ

بخشش اُن کے رب کی اور باغ جن کے نیچے نہریں

تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَنِعْمَ اَجْرُ

بہتی ہیں ہمیشہ رہینگے وہ لوگ ان باغوں میں اور کیا خوب مزدوری ہے

الْعٰمِلِيْنَ ۝

کام کرنیوالوں کی ہو چکے ہیں

یادِ الٰہی کا مطلب:

یعنی خدا کی عظمت و جلال۔ اس کے عذاب وثواب اس کے حقوق و احکام، اس کی عدالت کی پیشی اور وعدہ وعید کو دل سے یاد کر کے زبان سے بھی اس کی یاد شروع کر دی۔ خوفزدہ اور مضطرب ہو کر اسے پکارا، اس کے سامنے سر بسجود ہوئے (جیسا کہ صلوٰۃ التوبہ) کی حدیث میں آیا ہے پھر جو شرعی طریقہ گناہوں کے معاف کرانے کا ہے اس کے موافق معافی بخشش طلب کی۔ مثلاً اہل حقوق کے حقوق ادا کئے یا ان سے معاف کرائے اور خدا کے سامنے توبہ و استغفار کیا کیونکہ اصل بخشنے والا تو وہی ہے جو گناہ بمقتضائے بشریت ہو گیا تھا اس پر اڑے نہیں۔ بلکہ یہ جان کر کہ حق تعالیٰ بندوں کی سچی توبہ قبول کرتا ہے ندامت واقلاع کے ساتھ توبہ کرتے ہوئے اس کے حضور میں حاضر ہو گئے۔ یہ لوگ بھی دوسرے درجہ کے متقین میں ہیں جن کے لئے جنت تیار کی گئی ہے۔ حق تعالیٰ ان تائبین کے گناہ معاف کر کے اپنی جنت میں جگہ دے گا اور جو توبہ یا اور عمل نیک کئے ہوں گے ان کا بہترین معاوضہ ملے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ ذکر اللہ سے صلوٰۃ استغفار مراد ہو کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے جو مومن بندہ یا جو شخص کوئی گناہ کرتا ہے پھر اچھی طرح وضو کر کے کھڑا ہو کر نماز پڑھتا ہے پھر اللہ سے معافی کا طلبگار رہتا ہے تو اللہ اس کا گناہ ضرور معاف فرما دیتا ہے۔ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی وابن ماجہ وابن حبان۔ ترمذی نے اتنا لفظ اور روایت کیا ہے کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھا (وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ)

﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

(وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا): یعنی اور اپنے گناہوں پر جم کر نہ بیٹھ رہے صحاح میں ہے کہ اس جگہ اصرار کا معنی ہے گناہ میں گھس کر بیٹھ رہنا اور شدت کرنا اور ترک گناہ سے باز رہنا۔

استغفار کی شرط:

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ استغفار کے لئے جس طرح گناہ پر ندامت ضروری ہے اسی طرح ترک گناہ کا عزم بھی لازم ہے خواہ آئندہ یہ عزم ترک ٹوٹ جائے اور گناہ صادر ہو جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جس نے ا ار کیا اس نے اصرار نہیں کیا خواہ دن میں لوٹ لوٹ کر ستر بار گناہ کیا ہو۔ رواہ ابوداؤد والترمذی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گناہ پر قائم رہتے ہوئے استغفار کرنے والا ایسا ہے جیسے کوئی اپنے رب سے استہزاء کر رہا ہو۔ ﴿رواہ البیہقی وا ... ذکر عن ابن عباس رضی اللہ عنہما﴾۔

مسئلہ: صغیرہ گناہوں پر جم جانا کبیرہ ہو جاتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا استغفار کے ساتھ کوئی کبیرہ کبیرہ نہیں رہتا۔ اور اصرار کے ساتھ کوئی صغیرہ صغیرہ نہیں رہتا بلکہ کبیرہ ہو جاتا ہے۔ ﴿رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس﴾

بخشش الٰہی:

شیخین نے صحیح مسلم اور صحیح بخاری میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث بیان کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ نے ایک گناہ کیا پھر عرض کیا میرے رب مجھ سے ایک گناہ ہو گیا ہے تو اسے معاف کر دے اللہ نے فرمایا میرے بندے نے جان لیا ہے کہ اس کا ایک رب ہے جو گناہ کو معاف بھی کرتا ہے اور پکڑ بھی کرتا ہے میں نے اپنے بندہ کو معاف کر دیا کچھ مدت کے بعد اسی شخص نے پھر ایک گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار مجھ سے ایک اور گناہ ہو گیا تو معاف کر دے اللہ نے فرمایا میرا بندہ واقف ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ بخش دیتا ہے۔ اور کبھی گرفت بھی کر لیتا ہے۔ میں نے اپنے بندہ کا گناہ بخش دیا کچھ وقت کے بعد بندہ

نے ایک اور گناہ کیا اور عرض کیا پروردگار تو معاف فرمادے اللہ نے فرمایا میرا بندہ سمجھتا ہے کہ اس کا ایک مالک ہے جو گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گرفت بھی کر لیتا ہے میں نے اپنے بندے کو بخشا اب وہ جو کچھ چاہے کرے۔

طبرانی اور حاکم نے بسند صحیح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت سے یہ فرمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نقل کیا ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا جو شخص مجھے مغفرت معاصی پر قادر جانتا ہے میں اس کو بخش دیتا ہوں اور اس کے گناہوں کی کثرت کی پرواہ بھی نہیں کرتا جب کہ اس نے کسی چیز کو میرا ساجھی نہ ٹھیرایا ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا گناہ سے توبہ کرنے والا بے گناہ کی طرح ہے۔ رواہ البیہقی۔ وابن عساکر عن ابن عباسؓ والقشیری فی الرسالۃ وابن النجار عن علی کرم اللہ وجہہٗ۔

فائدہ: بے شک جنت اہل تقویٰ اور گناہ گار اہل توبہ کے لئے تیار کی گئی ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ گناہوں پر جم جانے والے اہل ایمان جنت میں نہیں جائیں گے جیسے دوزخ اگرچہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے لیکن دوسروں کا دوزخ میں نہ ہونا اس سے لازم نہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مومن مرتکب کبیرہ کو اللہ گناہوں سے پاک کر کے جنت میں داخل فرمادے خواہ تطہیر کی یہ صورت ہو کہ دوزخ کا عذاب دے کر پاک صاف کردے جیسے بھٹی میں پڑ کر معدنی چیزوں کا میل صاف ہوجاتا ہے یا بغیر عذاب دیئے اللہ بخش دے اور اس طرح توبہ نہ کرنے والا گناہ گار بھی توبہ کرنے والے کی طرح ہوجائے۔

ابلیس کی پریشانی:

ثابت بنانی نے کہا مجھے اطلاع ملی ہے کہ جب آیت
(وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً) الخ نازل ہوئی تو ابلیس رو دیا۔

﴿ تفسیر مظہری اردو جلد دوم ﴾

اللہ کو بخشش پسند ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں ہم نے ایک مرتبہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب ہم آپ کو دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں میں رقت طاری ہوجاتی ہے اور ہم اللہ والے بن جاتے ہیں لیکن جب آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں تو وہ حالت نہیں رہتی عورتوں بچوں میں پھنس جاتے ہیں گھر بار کے دھندوں میں لگ جاتے ہیں۔ آپ نے فرمایا سنو جو کیفیت تمہارے دلوں کی میرے سامنے ہوتی ہے اگر یہی ہر وقت رہتی تو پھر فرشتے تم سے مصافحہ کرتے اور تمہاری ملاقات کو تمہارے گھروں پر آتے۔ سنو اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تمہیں یہاں سے ہٹا دے اور دوسری قوم کو لے آئے جو گناہ کرے پھر بخشش مانگے، اور خدا انہیں بخشے۔ ہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم! یہ تو فرمایئے کہ جنت کی بنا کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایک اینٹ سونے کی ایک چاندی کی، اس کا گارہ مشک خالص ہے، اس کے کنکر لؤ لؤ اور یاقوت ہیں، اس کی مٹی زعفران ہے جنتیوں کی نعمتیں کبھی ختم نہ ہوں گی، ان کی زندگی ہیشگی والی ہوگی، ان کے کپڑے پرانے نہ ہوں گے، ان کی جوانی فنا نہ ہوگی۔ تین شخصوں کی دعا رد نہیں ہوتی، عادل بادشاہ، روزے دار، اور مظلوم، اس کی دعا بادلوں میں اٹھائی جاتی ہے اور اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور جناب باری ارشاد فرماتا ہے مجھے میری عزت کی قسم میں تیری ضرور مدد کروں گا اگرچہ کچھ وقت کے بعد ہو ﴿ مسند احمد ﴾

گناہ کا علاج:

امیر المؤمنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے اور اپنے گناہ کی معافی چاہے تو اللہ عزوجل معاف فرما دیتا ہے۔ ﴿ مسند احمد ﴾

صحیح مسلم میں بروایت امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں تم میں سے جو شخص کامل وضو کر کے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ پڑھے اس کے لئے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس سے چاہے اندر چلا جائے۔ امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سنت کے مطابق وضو کرتے ہیں پھر فرماتے ہیں میں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا ہے جو شخص مجھ جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں اپنے دل سے باتیں نہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ معاف فرما دیتا ہے۔ ﴿ بخاری ومسلم ﴾

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ابلیس نے کہا اے رب! مجھے تیری عزت کی قسم میں بنی آدم کو ان کے آخری دم تک بہکاتا رہوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے بھی میرے جلال اور میری عزت کی قسم جب تک وہ مجھ سے بخشش مانگتے رہیں گے میں بھی انہیں بخشتا ہی رہوں گا۔ مسند بزار میں ہے کہ ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا

مجھ سے گناہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا توبہ کر لے۔ اس نے کہا میں نے توبہ کی پھر گناہ ہو گیا۔ فرمایا پھر توبہ کر لے۔ اس نے کہا مجھ سے پھر گناہ ہو گیا۔ آپ نے فرمایا پھر استغفار کر لے۔ اس نے کہا مجھ سے اور گناہ ہوا۔ فرمایا استغفار کئے جا، یہاں تک کہ شیطان تھک جائے۔ پھر فرمایا گناہ کو بخشنا اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيْرُوْا
تم سے پہلے واقعات سو پھرو
فِى الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ
زمین میں اور دیکھو کہ کیا ہوا انجام
الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿۱۳۷﴾
جھٹلانے والوں کا

ماضی سے سبق حاصل کرو:

یعنی تم سے پہلے بہت قومیں اور ملتیں گذر چکیں۔ بڑے بڑے واقعات پیش آ چکے خدا تعالیٰ کی عادت بھی بار بار معلوم کرا دی گئی کہ ان میں سے جنہوں نے انبیاء علیہم السلام کی عداوت اور حق کی تکذیب پر کمر باندھی اور خدا اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق و اطاعت سے منہ پھیر کر حرام خوری اور ظلم و عصیان پر اصرار کرتے رہے، اُن کا کیسا برا انجام ہوا، یقین نہ ہو تو زمین میں چل پھر کر ان کی تباہی کے آثار دیکھ لو جو آج بھی تمہارے ملک کے قریب موجود ہیں، ان واقعات میں غور کرنے سے معرکہ احد کے دونوں حریفوں کو سبق لینا چاہئے۔ یعنی مشرکین جو پیغمبر خدا کی عداوت میں حق کو کچلنے کے لئے نکلے۔ اپنی تھوڑی سی عارضی کامیابی پر مغرور نہ ہوں کہ ان کا آخری انجام بجز ہلاکت و بربادی کے کچھ نہیں اور مسلمان کفار کی سختیوں اور وحشیانہ دراز دستیوں یا اپنی ہنگامی پسپائی سے ملول و مایوس نہ ہوں کہ آخر حق غالب و منصور ہو کر رہے گا۔ قدیم سے سنت اللہ یہ ہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ
یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے
لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۸﴾
ڈرنے والوں کو

نصیحت:

یعنی عام لوگوں کے کان کھولنے کے لئے قرآن میں یہ مضامین بیان کئے جا رہے ہیں جن کو سن کر خدا سے ڈرنے والے ہدایت و نصیحت حاصل کرتے ہیں۔ باقی جس کے دل میں خدا کا خوف نہ ہو ناصحانہ تنبیہات سے کیا منتفع ہو سکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ
اور سست نہ ہو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۳۹﴾
اگر تم ایمان رکھتے ہو

سستی نہ دکھاؤ غم نہ کرو:

یہ آیت جنگ احد کے بارہ میں نازل ہوئیں۔ جب مسلمان مجاہدین زخموں سے چور چور ہو رہے تھے ان کے بڑے بڑے بہادروں کی لاشیں آنکھوں کے سامنے مثلہ کی ہوئی پڑی تھیں۔ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھی اشقیاء نے مجروح کر دیا تھا۔ اور بظاہر کامل ہزیمت کے سامان نظر آ رہے تھے۔ اس ہجوم شدائد و یاس میں خداوند قدوس کی آواز سنائی دی۔

(وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ)

(دیکھنا) سختیوں سے گھبرا کر دشمنان خدا کے مقابلہ میں نامردی اور سستی پاس نہ آنے پائے پیش آمدہ حوادث و مصائب پر غمگین ہو کر بیٹھ رہنا مومن کا شیوہ نہیں۔ یاد رکھو آج بھی تم ہی معزز و سربلند ہو کہ حق کی حمایت میں تکلیفیں اٹھا رہے اور جانیں دے رہے ہو اور یقیناً آخری فتح بھی تمہاری ہے انجام کار تم ہی غالب ہو کر رہو گے۔ بشرطیکہ ایمان و ایقان کے راستہ پر مستقیم رہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے وعدوں پر کامل وثوق رکھتے ہوئے اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور جہاد فی سبیل اللہ سے قدم پیچھے نہ ہٹاؤ اس خدائی آواز نے ٹوٹے ہوئے دلوں کو جوڑ دیا اور پژمردہ جسموں میں حیات تازہ پھونک دی اور نتیجہ یہ ہوا کہ کفار جو بظاہر غالب آ چکے تھے زخم خوردہ مجاہدین کے جوابی حملہ کی تاب نہ لا سکے۔ اور سر پر پاؤں رکھ کر میدان سے بھاگے۔ (تفسیر عثمانی)

ابن عباسؓ کا بیان ہے کہ گھاٹی میں صحابہؓ کو شکست ہو گئی خالد بن ولید مشرکوں کا سوار دستہ ساتھ لے کر پہاڑ پر چڑھ کر اوپر سے حملہ کرنا چاہتے تھے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی اے اللہ یہ ہمارے اوپر نہ آئے ہم کو تیرے سوا کسی اور کی قوت حاصل نہیں۔ مسلمان تیر اندازوں کی ایک جماعت پہاڑ پر چڑھ گئی تھی اور انہوں نے رات وہیں گذاری تھی اس گروہ نے مشرک رجمنٹ کو تیروں پر رکھ لیا اور بھگا دیا آیت (وَاَنۡتُمُ الۡاَعۡلَوۡنَ) کا یہی مطلب ہے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

اِنۡ يَّمۡسَسۡكُمۡ قَرۡحٌ فَقَدۡ مَسَّ الۡقَوۡمَ
اگر پہنچا تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے اُن کو بھی زخم ایسا ہی
قَرۡحٌ مِّثۡلُهٗ ‌ؕ وَتِلۡكَ الۡاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيۡنَ
اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم اُن کو
النَّاسِ ۚ
لوگوں میں

اللہ کی طرف سے مسلمان کو تسلی:

مسلمانوں کو جنگ میں جو شدید نقصان اٹھانا پڑا تھا، اس سے سخت شکستہ خاطر تھے۔ مزید برآں منافقین اور دشمنوں کے طعنے سن کر اور زیادہ اذیت پہنچتی تھی کیونکہ منافقین کہتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے پیغمبر ہوتے تو یہ نقصانات کیوں پہنچتے یا تھوڑی دیر کے لئے بھی عارضی ہزیمت کیوں پیش آتی۔ حق تعالیٰ نے ان آیات میں مسلمانوں کو تسلی دی کہ اگر اس لڑائی میں تم کو زخم پہنچایا تکلیف اٹھانی پڑی تو اس طرح کے حوادث فریق مقابل کو پیش آ چکے ہیں۔ احد میں تمہارے پچھتر آدمی شہید اور بہت سے زخمی ہوئے، تو ایک سال پہلے بدر میں ان کے ستر جہنم رسید اور بہت سے زخمی ہو چکے ہیں اور خود اس لڑائی میں بھی ابتداء ان کے بہت آدمی مقتول و مجروح ہوئے جیسا کہ (وَلَقَدۡ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعۡدَهٗۤ اِذۡ تَحُسُّوۡنَهُمۡ بِاِذۡنِهٖ) کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ پھر بدر میں ان کے ستر آدمی ذلت کے ساتھ قید ہوئے تمہارے ایک فرد نے بھی یہ ذلت قبول نہ کی۔ بہر حال اپنے نقصان کا ان کے نقصان سے مقابلہ کرو تو غم و افسوس کا کوئی موقع نہیں۔ نہ ان کیلئے کبر و غرور سے سر اٹھانے کی جگہ ہے۔ باقی ہماری عادت ہمیشہ یہ رہی ہے کہ سختی نرمی دکھ سکھ تکلیف و راحت کے دنوں کو لوگوں میں ادل بدل کرتے رہتے ہیں جس میں بہت سی حکمتیں مضمر ہیں پھر جب وہ دکھ اٹھا کر باطل کی حمایت میں ہمت نہیں ہارے تو تم حق کی حمایت سے کیونکر ہمت ہار سکتے ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

دورانِ جنگ فریقین کی گفتگو:

ابوسفیان نے تین بار پکار کر کہا کیا قوم میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جواب دینے سے منع فرما دیا۔ ابوسفیان نے تین بار کہا کیا ابوقحافہ کا بیٹا موجود ہے پھر تین بار کہا کیا ابن خطاب ہے جب کوئی جواب نہ ملا تو لوٹ کر اپنے ساتھیوں سے کہنے لگا سب مارے گئے یہ بات سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ بے قابو ہو گئے اور بولے:

''اے دشمن خدا خدا کی قسم تو جھوٹا ہے جن کے تو نے نام لئے وہ سب زندہ ہیں اور تجھے دکھ دینے والا کانٹا موجود ہے۔'' ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

ابوسفیان بولا آج کا دن، بدر کے دن کا بدلہ ہو گیا۔ لڑائی چرخ کے ڈولوں کی طرح (نیچی اونچی ہوتی ہی ہے) مقتولین میں تم کو کچھ لوگ مثلہ (ناک کان پیشاب گاہ کٹے ہوئے) ملیں گے۔ لیکن میں نے اس کا حکم نہیں دیا تاہم مجھے یہ برا بھی نہیں معلوم ہوا۔ اس کے بعد جنگی لے میں گانے لگا ہبل کی جے ہبل کی جے۔ (ہبل ایک بت کا نام تھا قریش اس کی پوجا کرتے تھے۔) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کو کیوں جواب نہیں دیتے لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کہیں، فرمایا کہو اللہ سب سے بالا و برتر ہے۔ ابوسفیان نے کہا ہماری عزیٰ ہے تمہارا کوئی عزیٰ نہیں (عزیٰ بھی ایک مورتی تھی جس کی شکل عورت کی تھی گویا ہبل دیوتا تھا اور عزیٰ دیوی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم جواب نہیں دیتے صحابہؓ نے عرض کیا ہم کیا کہیں فرمایا کہو اللہ ہمارا مولیٰ ہے اور تمہارا کوئی مولیٰ نہیں۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوسفیان نے حضرت عمرؓ سے کہا تم خوشی کے ساتھ یہاں آؤ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمرؓ جاؤ دیکھو اس کا کیا کام ہے۔ حسب الحکم حضرت عمر گئے۔ ابوسفیان نے کہا عمرؓ میں تم کو اللہ کی قسم دیکر پوچھتا ہوں کیا ہم نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا بخدا نہیں وہ تو اس وقت بھی تیرا کلام سن رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا تم میری نظر میں ابن قمیہ سے زیادہ سچے ہو اور سچی قسم والے ہو۔ ابن قمیہ نے قریش سے جا کر کہد یا تھا کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا۔ پھر ابوسفیان نے کہا سال ختم ہونے پر آئندہ بدر صغریٰ پر تم سے مقابلہ ہوگا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہد و اچھا ہمارا تمہارا وعدہ ہو گیا پھر ابوسفیان اپنے ساتھیوں کو لے کر لوٹ گیا اور روانہ ہو گیا۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جن کو ایمان ہے

آزمائش کی حکمت:

یعنی سچے ایمان والوں کو منافقوں سے الگ کر دے۔ دونوں کا رنگ صاف صاف اور جدا جدا نظر آنے لگے۔

وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ

اور کرے تم میں سے شہید اور اللہ کو محبت نہیں

الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۰﴾

ظلم کرنیوالوں سے

"ظالمین" سے مراد اگر مشرکین ہیں جو احد میں فریق مقابل تھے تو یہ مطلب ہوگا کہ ان کی عارضی کامیابی کا سبب یہ نہیں کہ خدا ان سے محبت کرتا ہے بلکہ دوسرے اسباب ہیں۔ اور منافقین مراد ہوں جو عین موقع پر مسلمانوں سے الگ ہو گئے تھے۔ تو یہ بتلا دیا کہ خدا کے نزدیک مبغوض تھے، اس لئے ایمان و شہادت کے مقام سے انہیں دور پھینک دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ

اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹا

الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۱﴾

دیوے کافروں کو

یعنی فتح اور شکست بدلتی چیز ہے اور مسلمانوں کو شہادت کا مقام بلند عطا فرمانا تھا مومن و منافق کا پرکھنا، مسلمانوں کو سدھانا، یا ذنوب سے پاک کرنا اور کافروں کو آہستہ آہستہ مٹا دینا منظور تھا کہ جب وہ اپنے عارضی غلبہ اور وقتی کامیابی پر مسرور مغرور ہو کر کفر و طغیان میں بیش از بیش غلو کریں گے۔ خدا کے قہر و غضب کے اور زیادہ مستحق ہونگے۔ اس واسطے یہ عارضی ہزیمت مسلمانوں کو ہوئی نہیں تو اللہ کافروں سے راضی نہیں ہے۔ (تفسیر عثمانی)

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا

کیا تم کو خیال ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں اور ابھی تک

يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ

معلوم نہیں کیا اللہ نے جو لڑنیوالے ہیں تم میں اور معلوم نہیں کیا ثابت

الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

قدم رہنے والوں کو

امتحان ضروری ہے:

یعنی جنت کے جن اعلیٰ مقامات اور بلند درجات پر خدا تم کو پہنچانا چاہتا ہے کیا تم سمجھتے ہو کہ بس یونہی آرام سے وہاں جا پہنچیں گے اور خدا تمہارا امتحان لے کر یہ نہ دیکھے گا کہ تم میں کتنے خدا کی راہ میں لڑنے والے اور کتنے لڑائی کے وقت ثابت قدم رہنے والے ہیں۔ ایسا خیال نہ کرنا۔ مقامات عالیہ پر وہی لوگ فائز کئے جاتے ہیں جو خدا کے راستہ میں ہر طرح کی سختیاں جھیلنے اور قربانیاں پیش کرنے کے لئے تیار ہوں۔

یہ رتبہ بلند ملا جس کو مل گیا — ہر مدعی کے واسطے دار و رسن کہاں

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ

اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اُس کی ملاقات سے پہلے

تَلْقَوْهُ ۠ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ ع

سو اب دیکھ لیا تم نے اُس کو آنکھوں کے سامنے

تنبیہ: جو صحابہ بدر کی شرکت سے محروم رہ گئے تھے شہدائے بدر کے فضائل سن سن کر تمنا کیا کرتے تھے کہ خدا پھر کوئی موقع لائے جو ہم بھی خدا کی راہ میں مارے جائیں اور شہادت کے مراتب حاصل کریں۔ انہی حضرات نے احد میں یہ مشورہ دیا تھا کہ مدینہ سے باہر نکل کر لڑنا چاہئے، ان کو فرمایا کہ جس چیز کی پہلے تمنا رکھتے تھے وہ تمہاری آنکھوں کے سامنے آ چکی اب آگے بڑھنے کی بجائے پیچھے ہٹنا کیسا؟ حدیث میں ہے کہ لقاء عدو کی تمنا مت کرو اور جب ایسا موقع پیش آ جائے تو ثابت قدم رہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ

اور محمد تو ایک رسول ہے ہو چکے اُس سے پہلے بہت

الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى

رسول پھر کیا اگر وہ مر گیا یا مارا گیا تو تم پھر جاؤ گے اُلٹے پاؤں

أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ

اور جو کوئی پھر جائے گا اُلٹے پاؤں تو ہرگز نہ بگاڑے گا

يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ

اللہ کا کچھ اور اللہ ثواب دے گا شکر گذاروں کو

شانِ نزول:

واقعہ یہ ہے کہ احد میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفسِ نفیس نقشہ جنگ قائم کیا، تمام صفوف درست کرنے کے بعد پہاڑ کا ایک درہ باقی رہ گیا جہاں سے اندیشہ تھا کہ دشمن لشکر اسلام کے عقب پر حملہ آور ہو جائے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پچاس تیر اندازوں کو جن کے سردار حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ تھے، مامور فرما کر تاکید کر دی کہ ہم خواہ کسی حالت میں ہوں تم یہاں سے مت ٹلنا، مسلمان غالب ہوں یا مغلوب، حتیٰ کہ اگر تم دیکھو کہ پرندے ان کا گوشت نوچ کر کھا رہے ہیں تب بھی اپنی جگہ مت چھوڑنا۔ وَاِنَّا لَنْ نَزَالُ غَالِبِيْنَ مَا لَبِسْتُمْ مَكَانَكُمْ. (بغوی) ہم برابر اس وقت تک غالب رہیں گے جب تک تم اپنی جگہ قائم رہو گے۔ الغرض فوج کو پوری ہدایت دینے کے بعد جنگ شروع کی گئی۔ میدان کارزار گرم تھا غازیان اسلام بڑھ چڑھ کر جو ہر شجاعت دکھا رہے تھے۔ ابو دجانہ، علی مرتضیٰ اور دوسرے مجاہدین کی بسالت و بے جگری کے سامنے مشرکین قریش کی کمریں ٹوٹ چکی تھیں۔ ان کو راہ فرار کے سوا اب کوئی راستہ نظر نہ آتا تھا کہ حق تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔ کفار کو شکست فاش ہوئی وہ بدحواس ہو کر بھاگے ان کی عورتیں جو غیرت دلانے کو آئی تھیں، پائنچے چڑھا کر ادھر ادھر بھاگتی نظر آئیں۔

مجاہدین اور مالِ غنیمت:

مجاہدین نے مال غنیمت پر قبضہ کرنا شروع کر دیا یہ منظر جب تیر اندازوں نے دیکھا تو سمجھے کہ اب فتح کامل ہو چکی دشمن بھاگ رہا ہے۔ یہاں بیکار ٹھہرنا کیا ضروری ہے چل کر دشمن کا تعاقب کریں اور غنیمت میں حصہ لیں۔ عبداللہ بن جبیر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان کو یاد دلایا وہ سمجھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا اصلی منشا ہم پورا کر چکے ہیں۔ یہاں ٹھہرنے کی حاجت نہیں۔ یہ خیال کر کے سب غنیمت پر جا پڑے۔ صرف عبداللہ بن جبیر اور ان کے گیارہ ساتھی درہ کی حفاظت پر باقی رہ گئے۔ مشرکین کے سواروں کا رسالہ خالد بن الولید کے زیر کمان تھا (جو اس وقت تک ''حضرت'' اور ''رضی اللہ عنہ'' نہیں بنے تھے) انہوں نے پلٹ کر درہ کی طرف سے حملہ کر دیا۔ دس بارہ تیر انداز ڈھائی سو سواروں کے یلغار کو کہاں روک سکتے تھے تاہم عبداللہ بن جبیر اور ان کے رفقاء نے مدافعت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا اور اسی میں جان دیدی۔ مسلمان مجاہدین اپنے عقب سے مطمئن تھے کہ ناگہاں مشرکین کا رسالہ ان کے سروں پر جا پہنچا اور سامنے سے مشرکین کی فوج جو بھاگی جا رہی تھی، پیچھے پلٹ پڑی، مسلمان دونوں طرف سے گھر گئے اور بہت زور کا رن پڑا، کتنے ہی مسلمان شہید اور زخمی ہوئے۔ اسی افراتفری میں ابن قمیہ نے ایک بھاری پتھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر پھینکا جس سے دندان مبارک شہید اور چہرۂ انور زخمی ہوا۔ ابن قمیہ نے چاہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرے مگر مصعب بن عمیر نے جن (کے ہاتھ میں اسلام کا جھنڈا تھا) مدافعت کی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زخم کی شدت سے زمین پر گر پڑے، کسی شیطان نے آواز لگا دی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل کر دیئے گئے یہ سنتے ہی مسلمانوں کے ہوش خطا ہو گئے اور پاؤں اکھڑ گئے بعض مسلمان ہاتھ پاؤں چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ بعض ضعفاء کو خیال ہوا کہ مشرکین کے سردار ابوسفیان سے امن حاصل کر لیں۔ بعض منافقین کہنے لگے کہ جب محمد قتل کر دیئے گئے تو اسلام چھوڑ کر اپنے قدیم مذہب میں واپس چلا جانا چاہئے۔ اس وقت انس بن مالک کے چچا انس ابن انضر نے کہا کہ اگر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقتول ہو گئے تو رب محمد صلی اللہ علیہ وسلم تو مقتول نہیں ہوا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تمہارا رہنا کس کام کا ہے۔ جس چیز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم قتل ہوئے تم بھی اسی پر کٹ مرو اور جس چیز پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جان دی ہے اسی پر تم بھی جان دیدو۔ یہ کہہ کر آگے بڑھے حملہ کیا، لڑے اور مارے گئے رضی اللہ عنہ۔ اسی اثناء میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دی اِلَيَّ عِبَادَ اللّٰهِ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ (اللہ کے بندو ادھر آؤ میں خدا کا پیغمبر ہوں) کعب بن مالک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر چلائے ''یا معشر المسلمین'' مسلمانو، بشارت حاصل کرو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں موجود ہیں'' آواز کا سننا تھا کہ مسلمان ادھر ہی سمٹنا شروع ہو گئے تیس صحابہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہو کر مدافعت کی اور مشرکین کی فوج کو منتشر کر دیا۔ اس موقع پر سعد بن ابی وقاص، طلحہ، ابوطلحہ اور قتادہ بن النعمان وغیرہ نے بڑی جانبازیاں دکھلائیں۔ آخر مشرکین

میدان چھوڑ کر چلے جانے پر مجبور ہو گئے اور یہ آیات نازل ہوئیں۔ (وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ) الخ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آخر خدا تو نہیں۔ ایک رسول ہیں۔ ان سے پہلے کتنے رسول گذر چکے، جن کے بعد ان کے متبعین نے دین کو سنبھالا اور جان و مال فدا کر کے قائم رکھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس دنیا سے گذرنا بھی کچھ اچنبھا نہیں۔ اس وقت نہ سہی، اگر کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی یا شہید کر دیئے گئے تو کیا تم دین کی خدمت و حفاظت کے راستہ سے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے اور جہاد فی سبیل اللہ ترک کر دو گے جیسے اس وقت محض خبر قتل سن کر بہت سے لوگ حوصلہ چھوڑ کر بیٹھنے لگے تھے یا منافقین کے مشورہ کے موافق العیاذ باللہ سرے سے دین کو خیر باد کہہ دو گے۔ تم سے ایسی امید ہرگز نہیں اور کسی نے ایسا کیا تو اپنا ہی نقصان کرے گا۔ خدا کا کیا بگاڑ سکتا ہے۔ وہ تمہاری مدد کا محتاج نہیں بلکہ تم شکر کرو اگر اس نے اپنے دین کی خدمت میں لگا لیا۔

منت منہ کہ خدمت سلطان ہمی کنی
منت شناس از و کہ بخدمت گذاشتت

اور شکر یہی ہے کہ ہم بیش از بیش خدمت دین میں مضبوط اور ثابت قدم ہوں۔ اس میں اشارہ نکلتا ہے کہ حضرت کی وفات پر بعضے لوگ دین سے پھر جائیں گے اور جو قائم رہیں گے ان کو بڑا ثواب ہے اسی طرح ہوا کہ بہت لوگ حضرت کے بعد مرتد ہوئے۔

صدیق اکبرؓ نے ان کو پھر مسلمان کیا اور بعض مارے گئے۔ (تنبیہ) (قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) میں خلت "خلو" سے مشتق ہے جس کے معنی "ہو چکنے" گذرنے اور چھوڑ کر چلے جانے کے ہیں۔ اس کے لئے موت لازم نہیں جیسے فرمایا: (وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚ وَاِذَا خَلَوْا عَضُّوْا عَلَيْكُمُ الْاَنَامِلَ) یعنی جب تمہیں چھوڑ کر علیحدہ ہوتے ہیں۔ نیز الرسل میں لام استغراق نہیں۔ لام جنس ہے کیونکہ اثبات مدعا میں استغراق کو کوئی دخل نہیں۔ بعینہ اسی قسم کا جملہ حضرت مسیح کی نسبت فرمایا (مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ) کیا لام استغراق لے کر اس کے یہ معنی ہوں گے کہ تمام پیغمبر مسیح سے پہلے گذر چکے کوئی ان کے بعد آنیوالا نہ رہا۔ لامحالہ لام جنس لینا ہوگا۔ وہ ہی یہاں لیا جائے اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ عبد اللہ بن مسعود کے مصحف اور ابن عباسؓ کے قرأت میں "الرسل" نہیں رسل نکرہ ہے باقی "خلو" کی تفصیل میں صرف موت یا قتل کا ذکر اس لئے کیا کہ موت طبعی بہر حال آنیوالی تھی اور قتل کی خبر اس وقت مشہور کی گئی تھی۔ اور چونکہ صورت موت کا وقوع میں آنا مقدر تھا اس لئے اس کو قتل پر مقدم کیا گیا۔

صدیق اکبرؓ کا اعلان حق:

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب صحابہؓ کے مجمع میں یہ پوری آیۃ "الشاکرین" تک بلکہ آیت (اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ) بھی پڑھی تو لوگ "(قَدْ خَلَتْ)" اور "(اَفَاۡىِٕنْ مَّاتَ)" اور "(اِنَّكَ مَيِّتٌ)" سے "خلو" اور "موت" کے جواز و عدم استبعاد پر متنبہ ہو گئے جو صدیق اکبرؓ کی غرض تھی موت کے واقع ہو چکنے پر نہ صدیق اکبر نے اس سے استدلال کیا نہ کسی اور نے سمجھا۔ اگر یہ الفاظ موت واقع ہو چکنے کی خبر دیتے تو چاہئے تھا کہ نزول آیت کے وقت یعنی وفات کے سات برس پہلے ہی سمجھ لیا جاتا کہ آپ کی وفات ہو چکی ہے۔ اس تقریر سے بعض محرفین کی سب تحریفات ہباءً منثورا ہو جاتی ہیں۔ بخوف تطویل ہم زیادہ بسط نہیں کر سکتے۔ اہل علم کے لئے اشارے کر دیئے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

قصہ احد

اہل مغازی نے بیان کیا ہے کہ احد کی گھاٹی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سات سو صحابہؓ کی جمعیت کے ساتھ اترے اور عبد اللہ بن جبیرؓ کو پچاس پیادوں کا سردار بنا کر گھاٹی پر مقرر فرما دیا جیسا کہ حضرت براء بن عازبؓ کی سابق روایت میں گذر چکا ہے اب قریش آئے میمنہ پر خالد بن ولید اور میسرہ پر عکرمہ بن ابی جہل کمانڈر تھے عورتیں ان کے ساتھ تھیں جو دف بجا بجا کر شعر گا رہی تھیں گھمسان کا رن پڑا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دست مبارک میں تلوار لے کر فرمایا یہ تلوار لے کر کون اس کا حق ادا کرے گا کہ دشمن کو مارے اور خوب خون بہائے۔ ابو دجانہ سماک بن حرشہ انصاری نے وہ تلوار لے لی اور لے کر سرخ عمامہ باندھ کر اٹھلا کر چلنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ چال اللہ کو ناپسند ضرور ہے مگر اس موقع پر درست ہے مشرکوں کے سرداروں کو ابو دجانہ نے اس تلوار سے قتل کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں نے مشرکوں پر حملہ کیا اور ان کو مار بھگایا اور اللہ نے مسلمانوں کو فتح عنایت کی اور اپنا وعدہ پورا کیا مسلمانوں نے کافروں کو تلوار سے کاٹ کر رکھ دیا میدان جنگ سے ان کو بھگا دیا اور خوب قتل کیا۔

مشرکوں کے سواروں نے مسلمانوں پر تین بار حملہ کیا لیکن ہر بار ان پر تیروں کی بوچھاڑ کی گئی اور ان کو پسپا ہونا پڑا۔ تیرانداز مسلمانوں کی پشت کی حفاظت کر رہے تھے اور مشرکوں کے سواروں کو تیروں کا نشانہ بنا رہے تھے

ہر تیر یا گھوڑے کے لگتا تھا یا آدمی کے آخر کار سب پشت دیکر بھاگ گئے۔

حضرت علیؓ بن ابی طالب نے مشرکوں کے علمبردار طلحہ بن طلحہ کو قتل کر دیا اور مسلمان تکبیر کہہ کر کافروں کو خوب ہی مارنے لگے نتیجہ میں کافروں کی صفیں پراگندہ ہوگئیں۔ حضرت زبیر بن عوام نے فرمایا میں نے دیکھا کہ ہندہ اور اس کے ساتھ والیاں بھاگتی ہوئی تیزی کے ساتھ پہاڑ پر جا رہی تھیں۔ ان کی پازیبیں (یعنی پنڈلیاں) کھلی ہوئی تھیں ان کی گرفتاری سے کوئی مانع نہ تھا۔ جب حضرت عبد اللہ بن جبیر کے ساتھ والے تیر اندازوں نے دیکھا کہ دشمنوں کے پرے چھٹ گئے تو لوٹنے کے لئے یہ بھی میدان جنگ کی طرف چل دیئے جیسا کہ حضرت براء کی سابق حدیث سے واضح ہو چکا ہے۔

تیر اندازوں کے کمانڈر یعنی حضرت عبد اللہؓ کے ساتھ دس سے کم آدمی رہ گئے خالدؓ بن ولید نے جب پہاڑ کی طرف نگاہ کی اور پہاڑ کے محافظ کم نظر آئے اور مسلمانوں کو لوٹ میں مشغول پایا اور ان کی پشت خالی دکھائی دی تو کافروں کے سواروں کو چیخ کر آواز دی اور مسلمانوں کے پیچھے آ کر حملہ کیا۔

بیہقی نے حضرت مقدادؓ کی روایت سے لکھا ہے حضرت مقدادؓ نے کہا قسم ہے اس ذات کی جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا آپ اپنی جگہ سے بالشت بھر نہیں ہٹے دشمن کے سامنے مقابلہ پر رہے آپ کی طرف صحابہ کی ایک جماعت (حفاظت کے لئے) لوٹتی رہی اور کبھی اس میں شگاف پڑتے رہے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم برابر کھڑے کمان سے تیر پھینک رہے تھے اور پتھر مار رہے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس روز پندرہ آدمی بھی جمے رہے آٹھ مہاجر، ابوبکر، عمر، علی، طلحہ، زبیر، عبد الرحمٰن بن عوف، سعد بن ابی وقاص اور ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم اور سات انصار حباب بن منذر، ابو دجانہ، عاصم بن ثابت، حارث بن صمہ، سہل بن حنیف محمد بن مسلمہ اور سعد بن معاذ رضی اللہ عنہم بعض روایت میں سعدؓ بن معاذ کی جگہ سعد بن عبادہ کا ذکر ہے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

عبد الرزاق نے مرسلاً زہری کی روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک پر تلوار کے ستر وار ہوئے اور کوئی ضرب کارگر نہ ہوئی اللہ نے محفوظ رکھا۔ عتبہ بن وقاص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر چار پتھر مارے جن سے آپ کا اگلا دایاں نچلا دانت ٹوٹ گیا اور زیریں لب زخمی ہو گیا۔ حافظ نے کہا اس سے مراد وہ دانت ہے جو کاٹنے والے اور چھپنے والے دانتوں کے درمیان تھا۔ حاطب بن بلتعہ کا بیان ہے میں نے عتبہ کو قتل کر دیا اور اس کا سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لا کر حاضر کر دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے خوشی ہوئی اور میرے لئے دعا فرمائی۔ ﴿رواہ الحاکم﴾

عبد اللہ بن شہاب زہری نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کو زخمی کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد یہ شخص مسلمان ہو گیا تھا۔ چہرۂ مبارک پر خون بہنے لگا یہاں تک کہ ریش اقدس خون سے تر ہوگئی۔

ابن قمیہ کا انجام:

عبد اللہ بن قمیہ کے پتھر سے رخسار مبارک زخمی ہو گیا اور خود کی دو کڑیاں رخسار میں گھس گئیں عبد اللہ بن قمیہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے ارادہ سے آگے آیا لیکن مصعب بن عمرؓ نے مدافعت کی آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علمبردار تھے ابن قمیہ نے ان کو شہید کر دیا اور یہ سمجھا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہید کر دیا لوٹ کر گیا تو اپنے لوگوں سے کہا میں نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کر دیا اس پر ایک چیخنے والے نے ندا کی محمد مارے گئے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ پکارنے والا ابلیس تھا۔ طبرانی نے حضرت ابو امامہؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن قمیہ سے فرمایا تھا اَقْمَاکَ اللّٰہُ اللہ تجھے بیخ بن سے ہلاک کر دے۔

اس بددعا ہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ کسی پہاڑی بکرے کو اللہ نے اس پر مسلط کر دیا اور بکرے نے سینگ مارتے مارتے اس کو پارہ پارہ کر دیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کر ایک چٹان پر چڑھنا چاہتے تھے لیکن تہ برتہ دو زرہیں پہنے تھے اس لئے خود چڑھ نہ سکے۔ حضرت طلحہؓ نے نیچے بیٹھ کر اپنے اوپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھالیا اور اس طرح آپ چٹان پر پہنچ گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا طلحہؓ نے واجب کر دیا یعنی اپنے لئے جنت کو ہندہ اور اس کے ساتھ دوسری عورتیں شہیدوں کے ناک کان کاٹنے لگیں یہاں تک کہ ہندہ نے ان کے ہار بنا کر وحشی کو دیئے اور حضرت حمزہؓ کا جگر نکال کر چبایا مگر نگل نہ سکی تھوک دیا۔

حضرت سعدؓ کی شاباش:

ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو پکار رہے تھے اللہ کے بندو اوپر آؤ آواز سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تیس آدمی جمع ہو گئے جن میں سے ہر ایک کہہ رہا تھا میرا چہرہ (زخمی ہو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ نہ ہو میری جان (کام آئے) آپ کی جان ایسی نہ ہو یعنی آپ محفوظ رہیں میں قربان ہو جاؤں آپ سالم رہیں غرض سب آپ کے محافظ ہو گئے اور

مشرکوں کو آپ کی طرف سے ہٹا دیا۔ سعدؓ بن ابی وقاص نے اتنے تیر مارے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چھ کمانیں ٹوٹ گئیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سامنے اپنی ترکش سے تیر بکھیر دیئے اور فرمایا تیر مار تجھ پر میرے ماں باپ قربان۔ ﴿رواہ البخاری﴾

ابوطلحہؓ بھی بڑے تیرانداز تھے اور کمان کھینچنے میں بڑے طاقتور تھے۔ آپ نے بھی اس روز دو یا تین کمانیں توڑی تھیں جو شخص بھی ان کی طرف سے تیر دان لے کر گذرتا آپ فرماتے تھے ابوطلحہؓ کے لئے تیر بکھیر دو جب ابوطلحہؓ تیر پھینکتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی گردن اٹھا کر تیر لگنے کی جگہ کو دیکھتے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حفاظت کے لئے حضرت طلحہؓ بن عبید اللہ کا ہاتھ اتنا چھلنی ہوا کہ آخر خشک ہو گیا۔ ابوداؤد طیالیسی اور ابن حبانؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت سے لکھا ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا وہ دن سارا کا سارا طلحہؓ کے لئے ہوا (یعنی حضرت طلحہؓ کی حفاظت کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محفوظ رہے) محمد بن عمرؒ کا بیان ہے کہ اس روز حضرت طلحہؓ کے سر میں ایسی چوٹ لگی کہ خون نچڑ گیا اور آپ پر غشی طاری ہو گئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے آپ کے چہرہ پر پانی چھڑکا جس سے آپ کو ہوش آ گیا۔ ہوش آتے ہی فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا ہوا۔ حضرت ابوبکر نے فرمایا خیریت سے ہیں انہوں نے ہی مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔ حضرت طلحہؓ نے کہا اللہ کا شکر ہے اس کے بعد ہر مصیبت حقیر ہے۔ اس روز حضرت قتادہؓ بن نعمانؓ کی آنکھ میں چوٹ لگی تھی۔ جس کی وجہ سے آنکھ رخسار پر آ پڑی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ جگہ پر لوٹا دی اور آنکھ بھی اچھی ہو گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احد سے واپس آ رہے تھے کہ (راستہ میں) ابی بن خلف جمحی نے آلیا اور کہنے لگا اگر اب میرے ہاتھ سے تم بچ نکلے تو مجھے خدا نہ بچائے (یعنی اس وقت میں ضرور قتل کر دوں گا) لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم میں سے کوئی آدمی اس پر نہ جھک پڑے (یعنی قتل نہ کر دے) فرمایا رہنے دو۔ جب وہ قریب آ گیا۔ اس سے پہلے ابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے کے وقت کہا کرتا تھا کہ میرے پاس خاکستری رنگ کی ایک گھوڑی ہے جس کو روزانہ ایک فرق جوار دیکر میں پالتا ہوں اسی پر سوار ہو کر تم کو قتل کروں گا اس کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایسا نہیں ہوگا بلکہ میں تجھے قتل کروں گا۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن صمہ سے چھوٹا نیزہ لے کر ابی کے سامنے جا کر اس کی گردن پر مارا جس کی وجہ سے کچھ خراش پڑ گئی۔ ابی گھوڑے سے لڑھک کر نیچے گرا اور بیل کی طرح دھاڑنے لگا اور کہنے لگا محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مار ڈالا لوگوں نے کہا کوئی خطرہ کی بات نہیں ہے بولا کیوں نہیں اگر یہ نیزہ کا زخم (تمام قبائل) ربیعہ و مضر کے لگتا تو ان کو بھی ہلاک کر دیتا کیا انہوں نے مجھ سے نہیں کہا تھا کہ میں تجھے قتل کروں گا۔ اس قول کے بعد تو اگر یہ مجھ پر تھوک دیتے تب بھی قتل کر دیتے غرض زیادہ مدت نہیں گذری کہ مقام سرف میں پہنچ کر وہ مر گیا۔

بخاری نے صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول نقل کیا ہے جس کو نبی نے قتل کیا اس پر اللہ کا سخت غضب ہوا اور جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ مبارک کو خون آلود کر دیا اس پر بھی اللہ کا غضب سخت ہوا۔

اہل مغازی نے لکھا ہے کہ لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ محمد قتل کر دیئے گئے یہ سن کر بعض مسلمان کہنے لگے کاش کوئی قاصد عبد اللہ بن ابی کے پاس چلا جاتا تاکہ ابن ابی ابوسفیان سے ہمارے لئے امان لے لیتا کچھ صحابی پست ہمت ہو کر بیٹھ رہے بعض اہل نفاق کہنے لگے اگر محمد مارے گئے تو تم اپنے پہلے مذہب میں شامل ہو جاؤ۔ حضرت انس بن مالکؓ کے چچا حضرت انسؓ بن نضر بولے قوم والو اگر محمد مارے بھی گئے ہوں تو محمد کا رب تو قتل نہیں ہو گیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد زندہ رہ کر کیا کرو گے جس کام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لڑے تم بھی اسی کام کے لئے لڑو اور جس غرض کے لئے وہ مرے تم بھی اسی کے لئے مر جاؤ پھر بولے اے اللہ یہ لوگ یعنی مسلمان جو کچھ کہہ رہے ہیں میں تیرے سامنے اس کی معذرت کرتا ہوں اور یہ لوگ یعنی منافق جو بات پیش کر رہے ہیں میں اس سے بیزاری کا اظہار کرتا ہوں یہ کہہ کر تلوار لے کر حضرت انسؓ نے حملہ کیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پتھر کی چٹان کے پاس جا کر لوگوں کو پکارنے لگے سب سے پہلے حضرت کعب بن مالکؓ نے آپ کو پہچانا خود کے نیچے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں چمکتی دیکھ کر شناخت کی۔ حضرت کعبؓ کا بیان ہے کہ میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان کر اونچی آواز سے پکار کر کہا اے گروہ اہل اسلام تم کو بشارت ہو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف اشارہ کیا کہ خاموش رہو پھر صحابہؓ کی ایک جماعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آ کر جمع ہو گئی آپ نے بھاگنے پر ان کو ملامت کی صحابہؓ نے عرض کیا اے اللہ کے نبی ہمارے ماں باپ آپ پر قربان ہم کو اطلاع ملی کہ آپ شہید کر دیئے گئے اس لئے ہمارے دل خوف زدہ ہو گئے اور ہم پشت پھیر کر بھاگ نکلے

(یعنی آپ کو چھوڑ کر نہیں بھاگے تھے بلکہ جب آپ کی شہادت کی خبر سن لی تو لڑائی کو بیکار سمجھ کر ڈر کر بھاگ نکلے تھے، اس پر اللہ نے نازل فرمایا وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ الخ۔

غزوۂ احد کا پس منظر

رمضان المبارک ۲ھ میں بدر کے مقام پر قریشی فوج اور مسلمان مجاہدین میں جنگ ہوئی، جس میں کفار مکہ کے ستر نامور اشخاص مارے گئے، اور اسی قدر گرفتار ہوئے اس تباہ کن اور ذلت آمیز شکست سے جو حقیقتاً عذاب الٰہی کی پہلی قسط تھی قریش کا جذبہ انتقام بھڑک اٹھا، جو سردار مارے گئے تھے ان کے اقارب نے تمام عرب کو غیرت دلائی اور یہ معاہدہ کیا کہ جب تک ہم اس کا بدلہ مسلمانوں سے نہ لیلیں گے چین سے نہ بیٹھیں گے اور اہل مکہ سے اپیل کی کہ ان کا تجارتی قافلہ جو مال شام سے لایا ہے وہ سب اسی مہم پر خرچ کیا جائے، تاکہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے ساتھیوں سے اپنے مقتولین کا بدلہ لے سکیں، سب نے منظور کیا، اور ۳ھ میں قریش کے ساتھ بہت سے دوسرے قبائل بھی مدینہ پر چڑھائی کرنے کی غرض سے نکل پڑے، حتیٰ کہ عورتیں بھی ساتھ آئیں تاکہ موقع آنے پر مردوں کو غیرت دلا کر پسپائی سے روک سکیں، جس وقت یہ تین ہزار کا لشکر اسلحہ وغیرہ سے پوری طرح آراستہ ہو کر مدینہ سے تین چار میل جبل احد کے قریب خیمہ زن ہوا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں سے مشورہ لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے مبارک یہ تھی کہ مدینہ کے اندر رہ کر دشمن کا مقابلہ بہت آسانی اور کامیابی کے ساتھ کیا جا سکتا ہے، یہ پہلا موقع تھا کہ رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی جو بظاہر مسلمانوں میں شامل تھا، اس سے بھی رائے لی گئی، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے موافق تھی مگر بعض پر جوش مسلمان جنہیں بدر کی شرکت نصیب نہ ہوئی تھی اور شوق شہادت بے چین کر رہا تھا مصر ہوئے کہ ہم کو باہر نکل کر مقابلہ کرنا چاہیے، تاکہ دشمن ہمارے بارے میں بزدلی اور کمزوری کا گمان نہ کرے، کثرت رائے اسی طرف ہوگئی،

اس عرصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکان کے اندر تشریف لے گئے، اور زرہ پہن کر باہر آئے تو اس وقت بعض لوگوں کو خیال ہوا کہ ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رائے کے خلاف مدینہ سے باہر جنگ کرنے پر مجبور کیا، یہ غلط ہوا، اس لئے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاء نہ ہو تو یہیں تشریف رکھئے، فرمایا ایک پیغمبر کو سزاوار نہیں کہ جب وہ زرہ پہن لے اور ہتھیار لگا لے پھر بدوں قتال کئے ہوئے بدن سے اتارے۔ اس جملہ میں نبی اور غیر نبی کا فرق واضح ہو رہا ہے کہ نبی کی ذات سے کبھی کمزوری کا اظہار نہیں ہو سکتا اور اس میں امت کے لئے بھی ایک بڑا سبق ہے۔

جنگ احد کا آغاز:

اس کے بعد جنگ شروع ہوئی، ابتداءً مسلمانوں کا پلہ بھاری رہا یہاں تک کہ مقابل کی فوج میں ابتری پھیل گئی، مسلمان سمجھے کہ فتح ہوگئی، مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوئے، ادھر جن تیراندازوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت کی جانب حفاظت کے لئے بٹھایا تھا انہوں نے جب دیکھا کہ دشمن بھاگ نکلا ہے تو وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر پہاڑ کے دامن کی طرف آنے لگے، حضرت عبداللہ بن جبیرؓ نے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تاکیدی حکم یاد دلا کر روکا، مگر چند آدمیوں کے سوا دوسروں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل تو موقت تھی اب ہمیں سب کے ساتھ مل جانا چاہئے، اس موقع سے خالد بن ولید نے جو ابھی تک مسلمان نہ تھے اور اس وقت لشکر کفار کے رسالہ کی کمان کر رہے تھے، بروقت فائدہ اٹھایا اور پہاڑی کا چکر کاٹ کر عقب کے درہ سے حملہ کر دیا، عبداللہ بن جبیرؓ اور ان کے قلیل ساتھیوں نے اس حملہ کو ہمت و شجاعت سے روکنا چاہا، مگر مدافعت نہ کر سکے، اور یہ سیلاب یکا یک مسلمانوں پر ٹوٹ پڑا، دوسری طرف جو دشمن بھاگ گئے تھے، وہ پلٹ کر حملہ آور ہو گئے اس طرح لڑائی کا پانسہ ایک دم پلٹ گیا، اور مسلمان اس غیر متوقع صورت حال سے اس قدر سراسیمہ ہوئے کہ ان کا ایک بڑا حصہ پراگندہ ہو کر میدان سے چلا گیا تاہم کچھ صحابہؓ ابھی تک میدان میں ڈٹے ہوئے تھے، اتنے میں کہیں سے یہ افواہ اڑ گئی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے، اس خبر نے صحابہؓ کے رہے سہے ہوش و حواس بھی گم کر دیئے اور باقی ماندہ لوگ بھی ہمت ہار کر بیٹھ گئے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد و پیش صرف دس بارہ جاں نثار رہ گئے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی زخمی ہو گئے تھے، شکست کی تکمیل میں کوئی کسر باقی نہیں رہی تھی، کہ عین وقت پر صحابہ کو معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بسلامت تشریف رکھتے ہیں، چنانچہ وہ ہر طرف سے سمٹ کر پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہ سلامت پہاڑی کی طرف لے گئے اس شکست کے بعد مسلمان حد درجہ پریشان رہے۔

کفار قریش اس جنگ میں عورتوں کو بھی لائے تھے، تا کہ وہ مردوں کو پسپائی سے روک سکیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ عورتیں ہندہ زوجہ ابی سفیان کی سربراہی میں اشعار گا کر مردوں کو جوش دلا رہی ہیں

اِنْ تَقْبِلُوا نُعَانِقْ وَنَفرِشُ النَّمَارِقْ

اِنْ مُدْ بِرُوا نُفَارِقْ فِرَاقَ وَامِق

''مطلب یہ تھا کہ اگر مقابلہ پر ڈٹے رہے اور فتح پائی تو ہم تم کو گلے لگائیں گے، اور تمہارے لئے نرم بستر بچھائیں گے، لیکن اگر تم نے پیٹھ موڑی تو ہم تم کو بالکل چھوڑ دیں گے''

خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک پر یہ الفاظ دعائیہ جاری تھے:

'' اَللّٰهُمَّ بِکَ اَصُوْلُ وَفِيْکَ اُقَاتِلُ حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِيْلُ''

''اے اللہ میں تجھ ہی سے قوت حاصل کرتا ہوں اور تیرے ہی نام سے حملہ کرتا ہوں۔ اور تیرے ہی دین کے لئے قتال کرتا ہوں اللہ ہی کافی ہے اور وہ بڑا اچھا کارساز ہے۔''

اس دعاء کا ایک ایک لفظ تعلق مع اللہ کی تاکید اور مسلمانوں کے تمام افعال و اعمال حتیٰ کہ جنگ و قتال کو بھی دیگر اقوام کے جنگ و قتال سے ممتاز کر رہا ہے۔

دوسری چیز قابل غور یہ ہے کہ اس غزوہ میں بعض صحابہؓ نے بہادری و شجاعت و جاں نثاری اور فدائیت کے وہ نقش چھوڑے کہ تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے عاجز ہے حضرت ابو دجانہؓ نے اپنے جسم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ڈھال بنا لیا تھا، کہ ہر آنے والا تیر اپنے سینہ پر کھاتے تھے، حضرت طلحہؓ نے بھی اسی طرح اپنے بدن کو چھلنی کرا لیا تھا، لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت کو نہیں چھوڑا۔

جنگ یرموک کے موقع سے جب محاذ جنگ سے حضرت عمرؓ کو مزید فوجی کمک پہنچنے کے لئے لکھا گیا اور قلت تعداد کی شکایت کی گئی تو تحریر فرمایا:

قَدْ جَاءَ نِیْ کِتَابُکُمْ تَسْتَمِدُّوْنَنِیْ وَاِنِّیْ اَدُ لُّکُمْ عَلٰی مَنْ هُوَاَعَزُّ نَصراً وَاَحْصَنُ جُنْداً اَللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ فَاسْتَنْصِرُوْهُ فَاِنَّ مُحَمَّداً صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ نُصِرَفِیْ يَوْمِ بَدْرٍ فِیْ اَقَلِّ مِنْ عِدَتِکُمْ فَاِذَا جَاءَ کُمْ کِتَابِیْ هٰذَا فَقَاتِلُوْهُمْ وَلَا تُرَجِعُوْنِیْ. ﴿بحوالہ مسند احمدؒ، ابن کثیر﴾

میرے پاس تمہارا خط آیا جس میں تم نے زیادہ فوجی مدد طلب کی ہے لیکن میں تم کو ایک ایسی ذات کا پتہ دیتا ہوں جو نصرت کے لحاظ سے سب سے زیادہ غالب اور فوج کے لحاظ سے زیادہ محفوظ ہے وہ اللہ رب العالمین کی ذات ہے، لہذا تم اسی سے مدد طلب کرو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر میں باوجود قلت عدد کی مدد دی گئی، جب میرا یہ خط تم کو پہنچے تو ان پر ٹوٹ پڑو اور مجھ سے اس سلسلہ میں کوئی مراجعت نہ کرو۔

اس واقعہ کے راوی بیان کرتے ہیں کہ جب ہم کو یہ خط ملا ہم نے اللہ کا نام لے کر کفار کے لشکر کثیر پر یکبارگی حملہ کیا جس میں ان کو شکست فاش ہوئی، حضرت فاروق اعظمؓ کو معلوم تھا کہ مسلمانوں کی فتح و شکست، قلت و کثرت پر دائر نہیں ہوتی، بلکہ اللہ پر توکل اور اس کی مدد پر موقوف ہے۔

نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جنگی ترتیب

غیروں کی نظر میں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس صف آرائی اور فوجی قواعد کے لحاظ سے نظم و ضبط کو دیکھ کر یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے رہبر کامل، مقدس نبی ہونے کے ساتھ سپہ سالار اعظم کے لحاظ سے بھی بے نظیر ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس انداز میں مورچے قائم کئے اور لڑائی کا نظم قائم کیا، اس وقت دنیا اس سے نا آشنا تھی، اور آج جبکہ فن حرب ایک مستقل سائنس کی حیثیت اختیار کر گیا ہے، وہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فوجی قواعد اور نظم و ضبط کو سراہتا ہے، اسی حقیقت کو دیکھ کر ایک مسیحی مورخ بول اٹھا:

''برخلاف اپنے مخالفین کے جو محض ہمت و شجاعت ہی رکھتے تھے، کہنا چاہئے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ فن حرب کی بھی نئی راہ نکالی۔ مکہ والوں کی بے دھڑک اور اندھا دھند لڑائی کے مقابلہ میں خوب دور اندیشی اور سخت قسم کے نظم و ضبط سے کام لیا۔''

یہ الفاظ بیسویں صدی کے ایک مورخ ٹام انڈر کے ہیں جو اس نے لائف آف محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کی۔

وَمَا کَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ
اور کوئی مر نہیں سکتا بغیر حکم اللہ کے
اللّٰهِ کِتٰبًا مُّؤَجَّلًاؕ
لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر

جب کوئی شخص بدون حکم الٰہی کے نہیں مر سکتا خواہ کتنے ہی اسباب موت کے جمع ہوں اور ہر ایک کی موت وقت مقدر پر آنی ضرور ہے خواہ بیماری سے ہو یا قتل سے یا کسی اور سبب سے تو خدا پر توکل کرنے والوں کو اس سے گھبرانا نہیں چاہئے اور نہ کسی بڑے یا چھوٹے کی موت کو سن کر مایوس و بددل ہو کر بیٹھ جانا چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حجر بن عدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب دشمنان دین کے مقابلہ میں جاتے ہیں اور دریائے دجلہ بیچ میں آ جاتا ہے اور لشکر اسلام ٹھٹھک کر کھڑا ہو جاتا ہے تو آپ اس آیت کی تلاوت کر کے فرماتے ہیں کہ کوئی بھی بے اجل نہیں مرتا، آؤ اسی دجلہ میں گھوڑے ڈال دو، یہ فرما کر آپ اپنا گھوڑا دریا میں ڈال دیتے ہیں آپ کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی اپنے جانوروں کو پانی میں کدا دیتے ہیں دشمن کا خون خشک ہو جاتا ہے اور اس پر ہیبت طاری ہو جاتی ہے اور کہنے لگتے ہیں کہ یہ تو دیوانے آدمی ہیں یہ تو پانی کی موجوں سے بھی نہیں ڈرتے بھاگو بھاگو، چنانچہ سب بھاگ کھڑے ہوئے۔ (مظہری)

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ
اور جو کوئی چاہیگا بدلہ دنیا کا دیوینگے ہم اُسکو دنیا ہی سے

یعنی اگر چاہیں کما قال (عَجَّلْنَا لَهٗ فِيْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِيْدُ) ﴿بنی اسرائیل رکوع ۲﴾ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ
اور جو کوئی چاہے گا بدلہ آخرت کا اس میں سے دیوینگے ہم اس کو

اس کو آخرت میں یقیناً بدلہ ملے گا۔

نکتہ: اس آیت کے پہلے جملہ میں ان لوگوں پر تعریض ہے جنہوں نے مال غنیمت کی طمع میں عدول حکمی کی۔ اور دوسرے میں ان کا ذکر ہے جو برابر فرمانبرداری پر ثابت قدم رہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نیت پر ثواب:

حضرت انس بن مالک راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کی نیت طلب آخرت کی ہو اللہ اس کے دل میں دنیا کی طرف سے بے نیازی پیدا کر دیتا ہے اور اس کی پریشانی کو جمع کر دیتا ہے اور دنیا اس کے پاس ذلیل ہو کر آتی ہے اور جس کی نیت طلب دنیا کی ہو اللہ محتاجی اس کی آنکھوں کے سامنے کر دیتا ہے اس کی جمعیت (خاطر) کو پراگندہ بنا دیتا ہے اور دنیا میں سے اس کو اتنا ہی ملتا ہے جو اللہ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔ ﴿رواہ البغوی﴾

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال صرف نیتوں سے وابستہ ہیں اور آدمی کے لئے صرف اس کی نیت کا پھل ہے پس جس کی ہجرت اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہے اس کی ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہوگی اور جس کی ہجرت مال حاصل کرنے یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لئے ہوگی اس کی ہجرت اسی غرض کے لئے ہوگی جس کے لئے اس نے ہجرت کی ہوگی۔ ﴿متفق علیہ﴾

ہر کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند … فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی ہر دو جہانش بخشی … دیوانہ تو دو جہاں راچہ کند

یعنی جس نے تجھے پہچان لیا وہ اپنی جان اہل و عیال اور خاندان کا کیا کرے گا تو اپنا دیوانہ بنانے کے بعد اس کو دونوں جہان عطا فرماتا ہے۔ تیرا دیوانہ دونوں جہان کا کیا کرے گا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَسَنَجْزِی الشّٰكِرِيْنَ ۝
اور ہم ثواب دینگے احسان ماننے والوں کو

یعنی جو لوگ اس دین پر ثابت قدم رہیں گے ان کو بھی دین ملے گا اور دنیا بھی لیکن جو کوئی اس نعمت کی قدر جانے۔ ﴿کذا فی الموضح﴾ ﴿تفسیر عثمانی﴾

میں کہتا ہوں کہ شاید اس فقرہ سے یہ مراد ہے کہ جو شخص اپنے عمل سے صرف شکر گذار ہونے کا طلبگار ہو نہ اس کے پیش نظر ثواب دنیا ہو نہ ثواب آخرت تو اللہ اس کو ایسی عظیم الشان جزا دے گا جس کا اندازہ کوئی عقل نہیں کر سکتی نہ کسی فہم کی رسائی وہاں تک ہو سکتی ہے اور یہ جزا صرف ذات باری تعالیٰ ہے۔ جزا کو مبہم رکھنا اور تعیین کے ساتھ کسی خاص قسم کے ثواب کا ذکر نہ کرنا) بتا رہا ہے کہ جزاء غیر معروف ہے انسان کی عقل اس کو نہیں جان سکتی۔

قاموس میں ہے شکر کا معنی ہے احسان کو پہچاننا اور اسکو پھیلانا۔

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ
اور بہت نبی ہیں جن کے ساتھ ہو کر لڑے ہیں بہت خدا کے
كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ
طالب پھر نہ ہارے ہیں کچھ تکلیف پہنچنے سے
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ
اللہ کی راہ میں اور نہ سست ہوئے ہیں اور نہ دب گئے ہیں

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾

اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے

حق والوں کی ثابت قدمی:

یعنی تم سے پہلے بہت اللہ والوں نے نبیوں کے ساتھ ہو کر کفار سے جنگ کی ہے جس میں بہت تکلیفیں اور سختیاں اٹھائیں لیکن ان شدائد و مصائب سے نہ ان کے ارادوں میں سستی ہوئی نہ ہمت ہارے نہ کمزوری دکھائی۔ نہ دشمن کے سامنے دبے اللہ تعالیٰ ایسے ثابت قدم رہنے والوں سے خاص محبت کرتا ہے،

تنبیہ: ان مسلمانوں کو تنبیہ فرمائی اور غیرت دلائی جنہوں نے احد میں کمزوری دکھلائی تھی، حتیٰ کہ بعض نے یہ کہہ دیا تھا کہ کسی کو بیچ میں ڈال کر ابوسفیان سے امن حاصل کر لیا جائے مطلب یہ ہے کہ جب پہلی امتوں کے حق پرستوں نے مصائب و شدائد میں اس قدر صبر و استقلال کا ثبوت دیا تو اس امت کو جو خیر الامم ہے ان سے بڑھ کر صبر و استقامت کا ثبوت دینا چاہئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا

اور کچھ نہیں بولے مگر یہی کہا کہ اے رب ہمارے

اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ

بخش ہمارے گناہ اور جو ہم سے زیادتی ہوئی ہمارے کام میں

اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو قوم کفار پر

مصائب پر صبر:

یعنی مصائب و شدائد کے ہجوم میں نہ گھبراہٹ کی کوئی بات کہی نہ مقابلہ سے ہٹ جانے اور دشمن کی اطاعت قبول کرنے کا ایک لفظ زبان سے نکالا۔ بولے تو یہ ہی بولے کہ خداوندا! تو ہم سب کی تقصیرات اور زیادتیوں کو معاف فرما دے ہمارے دلوں کو مضبوط و مستقل رکھ، تا ہمارا قدم جادۂ حق سے نہ لڑکھڑائے اور ہم کو کافروں کے مقابلہ میں مدد پہنچا وہ سمجھے کہ بسا اوقات مصیبت کے آنے میں لوگوں کے گناہوں اور کوتاہیوں کو دخل ہوتا ہے اور ہم میں کون دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس سے کبھی کوئی تقصیر نہ ہوئی ہوگی۔ بہر حال بجائے اس کے کہ مصیبت سے گھبرا کر مخلوق کی طرف جھکتے اپنے خالق و مالک کی طرف جھکے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ

پھر دیا اللہ نے اُن کو ثواب دنیا کا اور خوب ثواب

الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنیوالوں سے

محسنین کا اجر و ثواب

یعنی دنیا میں ان کی فتح و ظفر کا سکہ بٹھا دیا، وجاہت و قبول عطا کیا اور آخرت کا جو بہترین ثواب ملا اس کا تو پوچھنا ہی کیا ہے دیکھو جو لوگ خدا تعالیٰ سے اپنا معاملہ ٹھیک رکھیں اور نیک کام کریں ان سے خدا ایسی محبت کرتا ہے اور ایسا پھل دیتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نکتہ: (وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ) اور اللہ اہل احسان کو پسند فرماتا ہے يُحِبُّهُمْ نہیں فرمایا بلکہ ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو ذکر کیا تاکہ اس امر کی صراحت ہو جائے کہ مذکورہ مقولہ کے قائل ہی اہل احسان ہیں کیونکہ احسان کا معنی ہے اللہ کو حاضر ناظر سمجھتے ہوئے عبادت کرنا یعنی ہر طرح کی غفلت دور کر کے دل کو حاضر رکھنا۔

احسان کا تقاضا:

پس احسان کا تقاضا ہے مقولہ مذکورہ زبان سے کہا جائے اور یہ یقین رکھا جائے کہ راحت و رنج اور دکھ و سکھ سب اللہ کی طرف سے آتا ہے مگر اللہ کریم ہے اس لئے انسان جب تک اپنی اطاعت میں کوئی قصور نہ کرے اللہ کی طرف سے نعمت نہیں بدلی جاتی جب اطاعت میں کمی آتی ہے تو اللہ اپنی نعمت بدل دیتا ہے اور نعمت کی جگہ کچھ تکلیف بھیج دیتا ہے تاکہ انسان بیدار ہو کر معافی کا طلب گار ہو اور دنیوی سزا بھگت کر پاک صاف ہو جائے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ

اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے

كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا

کافروں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے اُلٹے پاؤں پھر جا پڑو گے تم

خٰسِرِيْنَ ﴿۱۴۹﴾

نقصان میں

خبر دار! ہوشیار!

یعنی جنگ احد میں مسلمانوں کے دل ٹوٹے تو کافروں اور منافقوں نے موقع پایا۔ بعض الزام اور طعنے دینے لگے۔ بعض خیر خواہی کے پردہ میں سمجھانے لگے تا آئندہ لڑائی پر دلیری نہ کریں۔ حق تعالیٰ خبردار کرتا ہے کہ دشمن کا فریب مت کھاؤ اگر خدا نکردہ انکے چکموں میں آؤ گے تو جس ظلمت سے خدا نے نکالا ہے پھر الٹے پاؤں اسی میں جا گرو گے اور رفتہ رفتہ دین حق کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جائیگا۔ جس کا نتیجہ دنیا و آخرت کے خسارے کے سوا کچھ نہیں۔ پہلے اللہ والوں کی راہ پر چلنے کی ترغیب دی تھی۔ یہاں بد باطن شریروں کا کہا ماننے سے منع کیا تا کہ مسلمان ہوشیار رہیں اور اپنا نفع نقصان سمجھ سکیں۔ (تفسیر عثمانی)

بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ ﴿۱۵۰﴾
بلکہ اللہ تمہارا مددگار ہے اُس کی مدد سب سے بہتر ہے

فقط اللہ پر نظر رکھو:

لہٰذا اسی کا کہنا ماننا چاہئے اور اسی کی مدد پر بھروسہ رکھنا چاہئے جسکی نظر خدا پر ہو اس کو کیا حاجت ہے کہ دشمنان خدا کی مدد کا منتظر رہے یا ان کے سامنے گردن اطاعت خم کرے۔ حدیث میں ہے کہ احد سے واپسی کے وقت ابو سفیان نے ''ہبل'' کی جے پکاری اور کہا ''لَنَا الْعُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جواب دو۔ ''اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ'' (تفسیر عثمانی)

سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ
اب ڈالیں گے ہم کافروں کے دل میں ہیبت اس واسطے کہ
بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ
انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا جس کی اُس نے کوئی سند نہیں
وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۚ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾
اتاری اور اُن کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بُرا ٹھکانا ہے ظالموں کا

ہیبت حق:

یہ تو تمہارا امتحان تھا۔ اب ہم کافروں کے دلوں میں ایسی ہیبت اور رعب ڈال دینگے کہ وہ باوجود تمہارے زخمی اور کمزور ہونے اور نقصان اٹھانے کے تم پر پلٹ کر حملہ کرنے کی جرأت نہ کر سکیں۔ چنانچہ یہی ہوا۔ ابو سفیان اپنی فوج لیکر بے نیل و مرام میدان سے بھاگا۔ راستہ میں ایک مرتبہ خیال بھی آیا کہ ایک تھکی ماندی زخم خوردہ فوج کو ہم یوں ہی آزاد چھوڑ کر چلے آئے۔ چلو پھر واپس ہو کر ان کا کام تمام کر دیں، مگر ہیبت حق اور رعب اسلام کے اثر سے ہمت نہ ہوئی کہ اس خیال کو عمل میں لا سکے۔ بر خلاف اسکے مسلمان مجاہدین نے ''حمراء الاسد'' تک ان کا تعاقب کیا اور اس کے بعد کبھی موقع نہ دیا کہ احد کے واقعات کا اعادہ ہو سکے۔

مشرک کا تجزیہ:

(تنبیہ) مشرک خواہ کتنا ہی زور دکھلائے اسکا دل کمزور ہوتا ہے کیونکہ وہ کمزور مخلوق کی عبادت کرتا ہے۔ بس جیسا معبود ویسے عابد (ضَعُفَ الطَّالِبُ وَالْمَطْلُوْبُ) (الحج رکوع ۱۰) اور ویسے بھی اصلی زور و قوت تو فی الحقیقت خدا کی تائید و امداد سے ہے جس سے کفار مشرکین یقیناً محروم ہیں۔ اسی لئے جب تک مسلمان، مسلمان رہے، ہمیشہ کفار ان سے خائف و مرعوب رہے۔ بلکہ ہم آج تک مشاہدہ کرتے ہیں کہ باوجود مسلمانوں کے تحت انتشار و تشتت اور ضعف و تنزل کے دنیا کی تمام کافر طاقتیں اس سوئے ہوئے زخمی شیر سے ڈرتی رہتی ہیں۔ اور ہمیشہ فکر رکھتی ہیں کہ یہ قوم بیدار ہونے نہ پائے۔ علمی اور مذہبی مناظروں میں بھی اسلام کا یہی رعب مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرا رعب ایک مہینہ کی مسافت سے دشمنوں کے دل میں ڈال دیا جاتا ہے بیشک اسی کا اثر ہے جو امت مسلمہ کو ملا۔ فللہ الحمد علیٰ ذلک و لہ المنۃ۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ
اور اللہ تو سچا کر چکا تم سے اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے اُن کو
بِاِذْنِهٖ ۚ
اُسکے حکم سے

اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ اگر صبر و استقلال سے کام لو گے، حق تعالیٰ تم کو غالب کریگا۔ چنانچہ خدا نے اپنا وعدہ ابتدائے جنگ میں سچا کر دکھایا، انہوں نے خدا کے حکم سے کفار کو مار مار کر ڈھیر کر دیا۔ سات یا نو آدمی جنکے ہاتھ میں مشرکین کا جھنڈا یکے بعد دیگرے دیا گیا تھا، سب وہیں کھیت ہوئے آخر بدحواس ہو کر بھاگے مسلمان فتح و کامرانی

کا چہرہ صاف دیکھ رہے تھے اور اموال غنیمت انکے سامنے پڑے تھے کہ تیر اندازوں کی غلطی سے خالد بن ولید نے فائدہ اٹھایا اور یک بیک لڑائی کا نقشہ بدل دیا جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حَتّٰۤى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ
یہاں تک کہ جب تم نے نامردی کی اور کام میں جھگڑا ڈالا
وَعَصَيْتُمْ
اور نافرمانی کی

کمزوری کا سبب:

یعنی پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حکم تیر اندازوں کو دیا تھا اس کا خلاف کیا اور آپس میں جھگڑنے لگے، کوئی کہتا تھا کہ ہم کو یہیں جمے رہنا چاہئے، اکثر نے کہا کہ اب یہاں ٹھہرنے کی ضرورت نہیں چل کر غنیمت حاصل کرنی چاہئے۔ آخر اکثر تیر انداز اپنی جگہ چھوڑ کر چلے گئے۔ مشرکین نے اسی راستہ سے دفعۃً حملہ کر دیا۔ دوسری طرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی خبر مشہور ہوگئی۔ ان چیزوں نے قلوب میں کمزوری پیدا کر دی جس کا نتیجہ فشل وجبن کی صورت میں ظاہر ہوا۔ گویا فشل کا سبب تنازع اور تنازع کا سبب عصیان تھا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مِّنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ؕ مِنْكُمْ مَّنْ
بعد اس کے کہ تم کو دکھا چکا تمہاری خوشی کی چیز کوئی تم
يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ
میں سے چاہتا تھا دنیا اور کوئی تم میں سے چاہتا تھا آخرت

طلبِ دُنیا:

یعنی بعضے لوگ دنیوی منافع (مال غنیمت) کی خوشی میں پھسل پڑے۔ جس کا خمیازہ سب کو بھگتنا پڑا۔ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ اس آیت کے نزول سے پہلے میں نے کبھی محسوس نہ کیا تھا کہ ہم میں کوئی آدمی دنیا کا طالب بھی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ
پھر تمکو الٹ دیا اُن پر سے تاکہ تم کو آزماوے

یعنی یا تو وہ تمہارے سامنے سے بھاگ رہے تھے، اب تم ان کے آگے سے بھاگنے لگے۔ تمہاری غلطی اور کوتاہی سے معاملہ الٹا اور اس میں بھی تمہاری آزمائش تھی۔ تاکہ پکے اور کچے صاف ظاہر ہو جائیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ؕ
اور وہ تو تم کو معاف کر چکا

صحابہ کی غلطی معاف ہوگئی:

یعنی جو غلطی ہوئی خدا تعالیٰ اسے بالکل معاف کر چکا۔ اب کسی کو جائز نہیں کہ ان پر اس حرکت کی وجہ سے طعن وتشنیع کرے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾
اور اللہ کا فضل ہے ایمان والوں پر

کہ ان کی کوتاہیوں کو معاف کر دیتا ہے اور عتاب میں بھی لطف و شفقت کا پہلو ملحوظ رکھتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مہربان ہونے کا مطلب:

اور اللہ مومنوں پر بڑا مہربان ہے کہ اگر اس کی مشیت ہوتی ہے تو اپنی مہربانی سے معاف کر دیتا ہے یا یہ مطلب ہے کہ ہر حال میں اللہ مہربانی فرماتا ہے۔ معصیت کے بعد مومنوں پر مصیبت ڈالنا بھی اس کی مہربانی ہے کہ گناہوں سے پاکیزگی اور صفائی ہوجاتی ہے۔

بزرگ ترین آیت:

بغوی نے اپنی اسناد سے بیان کیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا کہ میں تم کو قرآن کی وہ بزرگ ترین آیت بتاؤں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیان فرمائی تھی وہ آیت یہ ہے:

وَمَاۤ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ میں تم سے اس آیت کی تفسیر بیان کرتا ہوں تم پر جو بیماری عذاب یا دنیوی مصیبت آتی ہے وہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے اعمال کی وجہ سے آتی ہے (ایسے لوگوں کو) آخرت میں دوبارہ عذاب دینا اللہ کی شان سے بعید ہے اور دنیا میں اگر سزا دینے سے اللہ درگزر فرمادے تو (آخرت میں) دوبارہ پکڑنے کا اس کو اختیار ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰۤى اَحَدٍ
جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے پھر کر نہ دیکھتے تھے کسی کو

وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ

اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ثابت قدمی:

یعنی تم بھاگ کر پہاڑوں اور جنگلوں کو چڑھے جا رہے تھے اور گھبراہٹ میں پیچھے مڑ کر بھی کسی کو نہ دیکھتے تھے۔ اس وقت خدا کا پیغمبر بدستور اپنی جگہ کھڑا ہوا تم کو اس قبیح حرکت سے روکتا تھا اور اپنی طرف بلا رہا تھا۔ مگر تم تشویش و اضطراب میں آواز کہاں سننے والے تھے۔ آخر جب کعب بن مالک چلائے تب لوگوں نے سنا اور واپس آ کر اپنے نبیؐ کے گرد جمع ہو گئے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوْا عَلٰى

پھر پہنچایا تم کو غم عوض میں غم کے تاکہ تم غم نہ کیا کرو اس پر

مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ اَصَابَكُمْ

جو ہاتھ سے نکل جاوے اور نہ اس پر کہ جو کچھ پیش آ جاوے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت سے کامیابی ہے:

یعنی تم نے رسول کا دل تنگ کیا اس کے بدلے تم پر تنگی آئی۔ غم کا بدلہ غم ملا۔ تا آگے کو یاد رکھو۔ ہر حالت میں رسولؐ کے حکم پر چلنا چاہئے خواہ کوئی نفع کی چیز مثلاً غنیمت وغیرہ ہاتھ سے جائے، یا کچھ بلا سامنے آئے (تنبیہ) اکثر مفسرین نے (فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ) کے معنی یوں کئے ہیں کہ خدا نے تم کو غم پر غم دیا۔ یعنی ایک غم تو ابتدائی فتح و کامیابی کے فوت ہونے کا تھا۔ دوسرا اپنے آدمیوں کے مارے جانے اور زخمی ہونے اور نبی کریمؐ کی خبر شہادت مشہور ہونے سے پہنچا۔ بعض نے یہ مطلب لیا ہے کہ فتح و کامرانی کے فوت ہونے، غنیمت کے ہاتھ سے نکل جانے اور نقصان جانی و بدنی اٹھانے کا جو غم تھا اس کے عوض میں ایک ایسا بڑا غم دیدیا گیا جس نے پہلے سب غموں کو بھلا دیا یعنی نبی کریمؐ کے مقتول ہونے کی افواہ۔ اسی غم کی شدت میں آگے پیچھے کا ہوش نہ رہا حتیٰ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز بھی نہ سنی، جیسا کہ ایک طرف ہمہ تن ملتفت ہونے کے وقت دوسری طرف سے ذہول وغفلت پیش آ جاتی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

دوسرا غم:

میں کہتا ہوں یہ بھی ہوسکتا ہے کہ دوسرے غم سے مراد مدینہ کے لوٹے جانے کے خیال سے پیدا ہونیوالا غم مراد ہو کیونکہ روایت میں آیا ہے کہ جب ابوسفیان ساتھیوں سمیت کوچ کر کے مکہ کو چل دیا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ کہیں یہ لوگ مدینہ پہنچ کر بچوں اور عورتوں کو ہلاک نہ کر دیں اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو دیکھنے کے لئے بھیجا اور فرمایا اگر وہ لوگ اونٹوں پر سوار ہوں اور گھوڑوں کو پہلو میں لگا کر لیجا رہے ہوں تو (سمجھ لو) یہ کوچ کر کے چل دیئے اور اگر گھوڑوں پر سوار ہوں اور اونٹوں کو ساتھ لے جا رہے ہوں تو یقیناً وہ مدینہ کو جانا اور لوٹنا چاہتے ہیں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر انہوں نے مدینہ پر چڑھائی کی تو میں خود جا کر ان سے مقابلہ کروں گا۔ حسب الحکم حضرت علیؓ اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ مشرکوں کے پیچھے گئے اور دیکھا کہ وہ خود اونٹوں پر سوار ہیں اور گھوڑوں کو پہلو سے لگائے جا رہے ہیں لیکن ایسا انہوں نے مدینہ کو لوٹنے کے متعلق مشورہ کرنے کے بعد کیا تھا کیونکہ صفوان بن امیہ نے ان سے کہہ دیا تھا کہ ایسا نہ کرو (یعنی مدینہ پر چڑھائی نہ کرو)

ایک اور مطلب:

آیت کا مطلب اس طرح بھی بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے جو تم کو پیہم غم دیا اس کی غرض یہ تھی کہ مصائب پر صبر کرنے کی تم میں جرأت پیدا ہو اور آئندہ کی فوت شدہ فائدے یا پہنچنے والے دکھ سے تم کو رنج نہ ہو۔ میں کہتا ہوں کہ یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ اللہ نے مسلسل غم کے عوض تم کو ثواب عطا فرمایا اور نبی کی زبانی تم کو اس کی اطلاع کر دی تاکہ فوت شدہ فائدے اور پہنچے ہوئے دکھ کا تم کو غم نہ ہو بلکہ اللہ کے ثواب کی خبر پا کر تم خوش ہو جاؤ۔

تیسرا مفہوم:

بعض علماء کا قول ہے کہ اثاب کی ضمیر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے اور باء سببیت یا بدلیت کے لئے ہے یعنی اس غم میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تمہارے برابر کے شریک ہو گئے مطلب یہ کہ جس مصیبت کی وجہ سے تم غمگین ہوئے تمہاری طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی غمگین ہوئے اور نافرمانی پر انہوں نے تم ملامت نہ کی تاکہ تم کو تسلی رہے اور فوت شدہ نعمت اور پہنچنے والی مصیبت کا تم کو غم نہ ہو۔ (تفسیر مظہری)

وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۵۳﴾

اور اللہ کو خبر ہے تمہارے کام کی

یعنی تمہارے احوال اور نیتوں کو جانتا ہے اور اسی کے موافق معاملہ کرتا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

(وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ) ۔ اور اللہ تمہارے اعمال سے اور اعمال کی غرض سے باخبر ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً
پھر تم پر اُتارا تنگی کے بعد امن کو جو اُونگھ تھی
نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ
کہ ڈھانک لیا اُس اُونگھ نے بعضوں کو تم میں سے

نزول اطمینان:

یعنی اس جنگ میں جن کو شہید ہونا تھا ہو چکے اور جن کو ہٹنا تھا ہٹ گئے اور جو میدان میں باقی رہے ان میں سے مخلص مسلمانوں پر حق تعالیٰ نے ایک دم غنودگی طاری کر دی لوگ کھڑے کھڑے اونگھنے لگے۔ حضرت طلحہؓ کے ہاتھ سے کئی مرتبہ تلوار چھوٹ کر زمین پر گری یہ ایک حسی اثر اس باطنی سکون و اطمینان کا تھا جو ایسے ہنگامہ رستخیز میں مومنین کے قلوب پر محض خدا کے فضل و رحمت سے وارد ہوا اس کے بعد دشمن کا خوف و ہراس سب کافور ہو گیا۔ یہ کیفیت عین اس وقت پیش آئی جب لشکر مجاہدین میں نظم و ضبط قائم نہ رہا تھا۔ بیسیوں لاشیں خاک و خون میں تڑپ رہی تھیں، سپاہی زخموں سے چور ہو رہے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کی افواہ نے رہے سہے ہوش و حواس کھو دیئے تھے، گویا یہ سونا بیدار ہونے کا پیام تھا۔ غنودگی طاری کر کے ان کی ساری تھکن دور کر دی گئی اور متنبہ فرما دیا کہ خوف و ہراس اور تشویش و اضطراب کا وقت جا چکا۔ اب مامون و مطمئن ہو کر اپنا فرض انجام دو۔ فوراً صحابہؓ نے حضورؐ کے گرد جمع ہو کر لڑائی کا محاذ قائم کر دیا۔ تھوڑی دیر بعد مطلع صاف تھا۔ دشمن سامنے سے بھاگتا نظر آیا۔ (تنبیہ) ابن مسعود فرماتے ہیں کہ عین لڑائی کے موقع پر نعاس (اونگھ) کا طاری ہونا اللہ کی طرف سے (فتح و ظفر کی علامت ہے) ﴿تفسیر عثمانی﴾

ثُمَّ اَنْزَلَ .... اَمَنَةً: پھر اے گروہ اسلام اللہ نے غم کے بعد تمہارے لئے امن یعنی قلبی اطمینان اور سکون اتارا۔ نزول رحمت کے وقت اس سکون کا وجدان صوفی کو ہوتا ہے۔

(نُّعَاسًا) میدان جنگ میں اونگھ کی نعمت ...... یعنی اونگھ۔ یہ امنۃ سے بدل یا انزل کا مفعول ہے ممکن ہے کہ نعاس سے مراد وہ استغراقی کیفیت ہو جو نزول رحمت کے وقت صوفی کو حاصل ہوتی ہے اور وہ تمام ماسوا سے غافل ہو جاتا ہے۔ کیونکہ یہ کیفیت اونگھ سے بہت زیادہ مشابہ ہوتی ہے۔

(يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ) جو تمہارے ایک گروہ پر چھا گئی تھی۔ یہ گروہ اہل ایمان کا تھا۔ بخاریؒ وغیرہ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا کہ احد کے دن جب ہم صف بند میدان میں تھے کہ ہم پر ایسی اونگھ چھا گئی کہ میرے ہاتھ سے چھوٹ کر تلوار گری جا رہی تھی اور میں اس کو پکڑ رہا تھا وہ گری جا رہی تھی اور میں پکڑ رہا تھا۔ ثابتؒ نے حضرت انسؓ کی روایت سے بیان کیا کہ حضرت ابوطلحہؓ نے فرمایا احد کے دن میں نے سر اٹھایا تو لوگوں میں کوئی شخص ایسا نظر نہیں آیا کہ اونگھ کی وجہ سے ڈھال کے نیچے وہ جھکا نہ پڑ رہا ہو۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ
اور بعضوں کو فکر پڑ رہا تھا اپنی جان کا

منافقین کا حال:

یہ بزدل اور ڈرپوک منافقین ہیں جن کو نہ اسلام کی فکر تھی نہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محض اپنی جان بچانے کی فکر میں ڈوبے ہوئے تھے کہ کہیں ابوسفیان کی فوج نے دوبارہ حملہ کر دیا تو ہمارا کیا حشر ہوگا۔ اس خوف و فکر میں اونگھ یا نیند کہاں؟ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضرت حمزہؓ کے جنازے کو اپنے سامنے رکھ کر نماز جنازہ ادا کی پھر ایک انصاری کا جنازہ لایا گیا وہ حضرت حمزہ کے پہلو میں رکھا گیا اور آپؐ نے پھر نماز جنازہ پڑھی انصاری کا جنازہ اٹھا لیا گیا لیکن حضرت حمزہؓ کا جنازہ وہیں رہا۔ اسی طرح ستر (۷۰) شخص لائے گئے اور حضرت حمزہؓ کی ستر دفعہ جنازے کی نماز پڑھی گئی۔ ﴿مسند ..... ابن کثیر﴾

ابی ابن خلف ...... احد والے دن یہ خبیث سرتاپا لوہے میں غرق زرہ بکتر لگائے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھا اور یہ کہتا آیا تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچ گئے تو میں اپنے تئیں ہلاک کر ڈالوں گا ادھر سے حضرت مصعب بن عمیرؓ اس نا ہنجار کی طرف بڑھے لیکن آپؓ شہید ہو گئے۔ اب حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف بڑھے اس کا سارا جسم لوہے میں چھپا ہوا تھا صرف ذرا سی پیشانی نظر آ رہی تھی۔ آپؐ نے نیزہ تاک کر وہیں لگایا جو ٹھیک نشانے پر بیٹھا اور یہ تیورا کر گھوڑے پر سے گرا۔ گو اس زخم سے خون بھی نہ نکلا تھا لیکن اس کی یہ حالت تھی کہ بلبلا رہا تھا۔ لوگوں نے اسے اٹھا لیا لشکر میں لے گئے اور تشفی دینے لگے کہ ایسا کوئی کاری زخم نہیں

لگا، کیوں اسقدر نامردی کرتا ہے آخران کے طعنوں سے مجبور ہو کر اس نے کہا: میں نے سنا ہے کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا ہے میں ابیؔ کو قتل کروں گا، سچ مانو اب میں کبھی نہیں بچ سکتا، تم اس پر نہ جاؤ کہ مجھے ذرا سی خراش ہی آئی ہے۔ خدا کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر کل اہل حجاز کو اتنا زخم اس ہاتھ سے لگ جاتا تو سب ہلاک ہو جاتے۔ پس یونہی تڑپتے تڑپتے اور بلکتے بلکتے اس جہنمی کی ہلاکت ہوئی اور مر کر جہنم رسید ہوا۔ مغازی محمد بن اسحاق میں ہے کہ جب یہ شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہوا تو صحابہؓ نے اس کے مقابلے کی خواہش کی لیکن آپؐ نے انھیں روک دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے آنے دو۔ جب وہ قریب آ گیا تو آپؐ نے حضرت حارث بن صمہ سے نیزہ لے کر اس پر حملہ کر دیا۔ حضورؐ کے ہاتھ میں نیزہ دیکھتے ہی وہ کانپ اٹھا۔ ہم نے اسی وقت سمجھ لیا کہ اس کی خیر نہیں۔ آپؐ نے اس کی گردن پر وار کیا اور وہ لڑکھڑا کر گھوڑے پر سے گرا۔ حضرت ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ بطن رابغ میں اس کافر کو موت آئی۔ ایک مرتبہ میں پچھلی رات یہاں سے گزرا تو میں نے ایک جگہ سے آگ کے دہشت ناک شعلے اٹھتے ہوئے دیکھے اور دیکھا کہ ایک شخص کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے اس آگ میں گھسیٹا جا رہا ہے اور وہ پیاس پیاس کر رہا ہے اور دوسرا شخص کہتا ہے اسے پانی نہ دینا یہ پیغمبر کے ہاتھ کا مارا ہوا ہے یہ ابیؔ بن خلف ہے۔ ﴿ابن کثیرؒ﴾

حضرت طلحہؓ کی فضیلت:

امّ المومنین حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ میرے والد حضرت ابوبکرؓ جب احد کا ذکر فرماتے تھے تو صاف کہتے کہ اس دن کی تمام تر فضیلت کا سہرا حضرت طلحہؓ کے سر ہے، جب میں لوٹ کر آیا تو میں نے دیکھا کہ ایک شخص حضورؐ کی حمایت میں جان ٹکائے لڑ رہا ہے۔ میں نے کہا خدا کرے یہ طلحہؓ ہو۔ اب جو قریب آ کر دیکھا تو طلحہؓ ہی تھے۔ میں نے کہا الحمد للہ میری ہی قوم کا ایک شخص ہے۔ میرے اور مشرکوں کے درمیان ایک شخص تھا جو مشرکین میں کھڑا ہوا تھا لیکن اس کے بے پناہ حملے مشرکوں کی ہمت توڑ رہے تھے۔ غور سے دیکھا تو وہ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ تھے۔ اب جو میں نے بغور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھا تو آپؐ کے سامنے کے دانت ٹوٹ گئے ہیں، چہرہ زخمی ہو رہا ہے اور پیشانی میں زرہ کی دو کڑیاں کھب گئی ہیں۔ میں آپؐ کی طرف لپکا لیکن آپؐ نے فرمایا ابوطلحہؓ کی خبر لو۔ میں نے چاہا کہ حضورؐ کے چہرہ میں سے وہ دونوں کڑیاں نکالوں لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے مجھے قسم دے کر روک دیا اور خود قریب آئے اور ہاتھ سے نکالنے میں زیادہ تکلیف محسوس کر کے دانتوں سے پکڑ کر ایک کو نکال لیا لیکن اس میں ان کا دانت بھی ٹوٹ گیا۔ میں اب پھر چاہا کہ دوسری میں نکال لوں لیکن حضرت ابوعبیدہؓ نے پھر قسم دی، تو میں رک گیا۔ انہوں نے پھر دوسری کڑی نکالی۔ اب کی مرتبہ بھی ان کے دانت ٹوٹے۔ اس سے فارغ ہو کر ہم حضرت طلحہؓ کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہم نے دیکھا کہ ستر سے زیادہ زخم انہیں لگ چکے ہیں، انگلیاں کٹ گئی ہیں، ہم نے پھر ان کی بھی خبر لی۔ حضورؐ کے زخم کا خون حضرت ابوسعید خدریؓ کے والد نے چوسا تاکہ خون تھم جائے پھر ان سے کہا گیا کہ کلی کر ڈالو لیکن انھوں نے کہا خدا کی قسم میں کلی نہ کروں گا، پھر میدان جنگ میں چلے گئے۔ حضورؐ نے فرمایا اگر کوئی شخص جنتی شخص کو دیکھنا چاہتا ہو تو انہیں دیکھ لے۔ چنانچہ یہ اسی میدان میں شہید ہوئے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضورؐ کا چہرہ زخمی ہوا، سامنے کے دانت ٹوٹے، سر کا خود ٹوٹا۔ حضرت فاطمہؓ خون دھوتی تھیں اور حضرت علیؓ ڈھال میں پانی لا لا کر ڈالتے جاتے تھے جب دیکھا کہ خون کسی طرح تھمتا ہی نہیں تو حضرت فاطمہؓ نے بوریا جلا کر اس کی راکھ زخم پر رکھ دی جس سے خون بند ہوا۔ ﴿ابن کثیرؒ﴾

يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ
خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلوں جیسے

منافقین کی بدگمانی:

یعنی وہ اللہ کے وعدے کہاں گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کا قصہ ختم ہوا۔ اب پیغمبر اور مسلمان اپنے گھر واپس جانے والے نہیں سب یہیں کام آئیں گے۔ جیسے دوسری جگہ فرمایا:

(بَلْ ظَنَنْتُمْ اَنْ لَّنْ يَّنْقَلِبَ الرَّسُوْلُ وَالْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰٓى اَهْلِيْهِمْ اَبَدًا)

(فتح رکوع ۲) ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ
کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں

یعنی کچھ بھی ہمارا کام بنا رہے گا یا بالکل بگڑ چکا۔ یا یہ کہ ہم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دینے والوں کے ہاتھ میں کچھ بھی فتح وظفر آئی۔ یا یہ معنی کہ اللہ نے جو چاہا سو کیا ہمارا یا کسی کا کیا اختیار؟ یہ تو الفاظ کے ظاہری معنی تھے لیکن جو دل میں نیت تھی وہ آگے آتی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ
تو کہہ سب کام ہے اللہ کے ہاتھ

یعنی منافقین کا یہ قول (هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ)، کلمۃ حق ارید بھا الباطل ہے۔ بیشک یہ صحیح ہے کہ تمہارے ہاتھ میں کچھ نہیں، سب کام اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو چاہے بنائے یا بگاڑے، غالب کرے یا مغلوب، آفت بھیجے یا راحت، کامیاب کرے یا ناکام۔ ایک ہی واقعہ کو ایک قوم کے حق میں رحمت اور دوسری کے لئے زحمت بنا دے، سب اس کے قبضہ میں ہے۔ مگر تم اس قول سے اپنے دل میں جو معنی لے رہے ہو خدا تمہارے دل کے چور سے واقف ہے، جسے آگے بیان کیا جائے گا۔ ☆ تفسیر عثمانی

يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ
وہ اپنے جی میں چھپاتے ہیں جو تجھ سے
لَكَ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَیْءٌ
ظاہر نہیں کرتے کہتے ہیں اگر کچھ کام ہوتا ہمارے ہاتھ تو ہم
مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا
مارے نہ جاتے اس جگہ

منافقین کے دل کا چور:

دل کا چور یہ تھا (هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَیْءٍ) کہہ کر دل میں یہ مطلب لیتے تھے اور پکے مسلمانوں سے علیحدہ ہو کر آپس میں بھی کہتے ہونگے کہ میاں شروع میں ہماری رائے نہ مانی۔ چند جوشیلے ناتجربہ کاروں کے کہنے پر مدینہ سے باہر لڑنے چلے گئے، آخر منہ کی کھائی۔ اگر کچھ کام ہمارے اختیار میں ہوتا اور ہمارے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو اس قدر نقصان کیوں اٹھانا پڑتا ہماری برادری کے اتنے آدمی مارے گئے، یہ کیوں مارے جاتے اکثر منافقین نسباً انصار مدینہ کی برادری میں شامل تھے، اس لئے (مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا) میں انکے مارے جانے کو اپنا مارا جانا کہا) یا یہ مطلب ہے کہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے کہنے کے موافق فتح وظفر اور غلبہ مسلمانوں کے لئے ہوتا تو یہ قتل وجرح کی مصیبت ہم پر کیوں ٹوٹتی (تنبیہ) بظاہر یہ باتیں منافقین نے مدینہ میں کہیں۔ کیونکہ عبداللہ بن ابی جنگ شروع ہونے سے پیشتر اپنی جمعیت کو ساتھ لیکر واپس ہو گیا تھا۔ اس صورت میں "(هٰهُنَا)" کا اشارہ قرب کی وجہ سے احد کی طرف ہوگا۔ لیکن بعض روایات سے ایک منافق معتب بن قشیر کا میدان جنگ میں یہ کلمات کہنا ثابت ہوتا ہے، تو شاید بعض منافقین عبداللہ بن ابی کے ہمراہ کسی مصلحت سے واپس نہ ہوئے ہونگے۔ واللہ اعلم۔ ☆ تفسیر عثمانی

قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ
تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں
كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ
البتہ باہر نکلتے جن پر لکھ دیا تھا مارا جانا اپنے پڑاؤ پر

موت یقینی ہے

یعنی اس طعن وتشنیع یا حسرت وافسوس سے کچھ حاصل نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی جو اجل موت کی جگہ سبب اور وقت لکھ دیا ہے کبھی ٹل نہیں سکتا۔ اگر تم گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے اور فرض کرو تمہاری ہی رائے سنی جاتی تب بھی جن کی قسمت میں احد کے قریب جس جس پڑاؤ پر مارا جانا لکھا جا چکا تھا وہ کسی نہ کسی سبب سے ضرور ادھر نکلتے اور وہیں مارے جاتے، یہ خدا کا انعام ہے کہ جہاں مارا جانا مقدر تھا مارے گئے، مگر اللہ کے راستہ میں خوشی کے ساتھ بہادروں کی موت شہید ہوئے۔ پھر اس پر پچھتانے اور افسوس کرنے کا کیا موقع ہے مردانِ خدا کو اپنے پر قیاس مت کرو۔ ☆ تفسیر عثمانی

وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ
اور اللہ کو آزمانا تھا جو کچھ تمہارے جی میں ہے اور صاف کرنا تھا
مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ
اُس کا جو تمہارے دل میں ہے اور اللہ جانتا ہے دلوں کے بھید

امتحان خداوندی:

یعنی اللہ تعالیٰ تو دلوں کے پوشیدہ بھید جانتا ہے، اس سے کسی کی کوئی حالت پوشیدہ نہیں۔ مقصود یہ تھا کہ تم سب کو ایک آزمائش میں ڈالا جائے۔ تا جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے وہ باہر نکل پڑے، امتحان کی بھٹی میں کھرا کھوٹا الگ ہو جائے مخلصین کامیابی کا صلہ پائیں اور انکے قلوب آئندہ کے لئے وساوس اور کمزوریوں سے پاک وصاف ہوں۔ منافقین کا اندرونی نفاق کھل جائے اور لوگ صاف طور پر ان کے خبث باطن کو سمجھنے لگیں۔ ☆ تفسیر عثمانی

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى
جو لوگ تم میں سے ہٹ گئے جس دن لڑیں

الْجَمْعٰنِ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ بِبَعْضِ
دو فوجیں سو اُن کو بہکا دیا شیطان نے اُن کے
مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ؕ اِنَّ
گناہ کی شامت سے اور اُن کو بخش چکا اللہ
اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ
اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا

مخلصین کو معاف کر دیا گیا:

مخلصین سے بھی بعض اوقات کوئی چھوٹا بڑا گناہ سرزد ہو جاتا ہے اور جس طرح ایک طاعت سے دوسری طاعت کی توفیق بڑھتی ہے ایک گناہ کی نحوست سے شیطان کو موقع ملتا ہے کہ دوسری غلطیوں اور لغزشوں کی طرف آمادہ کرے۔ جنگ احد میں بھی جو مخلص مسلمان ہٹ گئے تھے، کسی پچھلے گناہ کی شامت سے شیطان نے بہکا کر ان کا قدم ڈگمگا دیا۔ چنانچہ ایک گناہ تو یہی تھا کہ تیر اندازوں کی بڑی تعداد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی پابندی نہ کی مگر خدا کا فضل دیکھو کہ اس کی سزا میں کوئی تباہ کن شکست نہیں دی بلکہ ان حضرات پر اب کوئی گناہ بھی نہیں رہا۔ حق تعالیٰ کلیۃً ان کی تقصیر معاف فرما چکا ہے۔ کسی کو طعن و ملامت کا حق نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مصری ظالموں کی حضرت عثمانؓ پر بے جا نکتہ چینی:

جب مصر والوں نے حضرت عثمانؓ پر نکتہ چینی کی احد کے دن آپؓ کے فرار ہونے کا ذکر کیا اور جنگ بدر اور بیعت رضوان سے غیر حاضر ہونے کا بھی اظہار کیا تو حضرت ابن عمرؓ نے یہی بات ان کے جواب میں فرمائی۔ فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ جنگ احد سے فرار کو تو اللہ نے معاف فرما دیا اور بدر سے غیر حاضری کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہؓ آپؓ کے عقد میں تھیں اور بیمار تھیں (جن کی وجہ سے باجازت آپؐ کو رکنا پڑا) اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرما دیا تھا کہ شرکاء بدر کے برابر تم کو ثواب ملے گا اور حصہ بھی۔ رہا بیعت رضوان سے غیر حاضر رہنے کا معاملہ تو وادی مکہ کے اندر اگر حضرت عثمان غنیؓ سے زیادہ کوئی معزز شخص ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو (قریش مکہ کے پاس) بھیج دیتے (لیکن عثمانؓ ہی سب سے زیادہ عزت والے تھے اس لئے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپؓ کو مکہ کو بھیج دیا تھا اور ان کے جانے کے بعد بیعت رضوان ہوئی پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے داہنے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا یہ عثمانؓ کا ہاتھ ہے پھر اس کو دوسرے ہاتھ پر خود ہی مارا اور فرمایا یہ عثمانؓ کی بیعت ہے۔ حضرت ابن عمرؓ نے یہ واقعہ بیان کرنے کے بعد نکتہ چینی کرنے والے سے فرمایا اب اس (تفصیل) اپنے کو ساتھ لے جا۔ ﴿رواہ البخاری﴾

صحابیؓ پر طعن جائز نہیں:

لہٰذا جنگ احد سے فرار کرنے کی بنیاد پر کسی صحابیؓ کو مطعون کرنا جائز نہیں۔ اس کے علاوہ یہ امر بھی تو ہے کہ فرار کی ممانعت سے پہلے یہ واقعہ ہوا تھا (اس لئے قابل طعن نہیں ہے کیونکہ ورود حکم سے پہلے عدم تعمیل کوئی جرم نہیں بلکہ قابل تصور ہی نہیں۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

(اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِیْمٌ) کوئی شبہ نہیں کہ اللہ بڑی مغفرت اور حلم والا ہے۔ (اس لئے اس نے اہل فرار سے مواخذہ نہیں کیا اور معاف فرما دیا) ﴿تفسیر مظہری﴾

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا
اے ایمان والو تم نہ ہو اُن کی طرح جو کافر ہوئے

کافروں کی مشابہت سے بچو:

یعنی تم ان کافر منافقوں کی طرح ایسے لغو خیالات کو زنہار دل میں جگہ نہ دینا کہ گھر میں بیٹھے رہتے تو نہ موت آتی، نہ مارے جاتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص کسی قوم کے افکار و اعمال کی مشابہت اختیار کرے گا وہ اسی قوم میں سے ہوگا۔ اس حدیث کو حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے ابوداؤد نے مرفوعاً اور حضرت حذیفہؓ کی روایت سے طبرانی نے مرفوعاً نقل کیا ہے۔ خصوصاً ایسی مشابہت (سے تو اجتناب فرض ہے) جو موجب کفر ہو۔ اس جگہ جس مشابہت کو اختیار کرنے کی ممانعت کی گئی ہے وہ موجب کفر ہی ہے کیونکہ یہ تقدیر کا انکار ہے اور تقدیر کا انکار کفر ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ
اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو

برادری:

چونکہ منافقین ظاہر میں مسلمان بنے ہوئے تھے، اس لئے مسلمانوں کو اپنا بھائی کہا، یا اس لئے کہ نسبی طور پر وہ اور انصار مدینہ برادری کے بھائی

بند تھے۔ اور چونکہ یہ بات خیر خواہی و ہمدردی کے پیرایہ میں کہتے تھے اس لئے لفظ اخوان سے تعبیر کیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

اِذَا ضَرَبُوْا فِی الْاَرْضِ اَوْ کَانُوْا غُزًّی لَّوْ
جب وہ سفر کو نکلیں ملک میں یا ہوں جہاد میں
کَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا لِیَجْعَلَ اللّٰهُ
اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے تاکہ اللہ ڈالے
ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ
اس گمان سے افسوس اُن کے دلوں میں

منافقین کی شرارت

یعنی خواہ مخواہ باہر نکل کر مرے۔ ہمارے پاس اپنے گھر پڑے رہتے تو کیوں مرتے یا کیوں مارے جاتے۔ یہ کہنا اس غرض سے تھا کہ سننے والے مسلمانوں کے دل میں حسرت وافسوس پیدا ہو کہ واقعی بے سوچے سمجھے نکل کھڑے ہوتے اور لڑائی کی آگ میں کود پڑنے کا یہ نتیجہ ہوا۔ گھر رہتے تو یہ مصیبت کیوں دیکھنی پڑتی، مگر مسلمان ایسے کچے نہ تھے جو ان چکموں میں آ جاتے، ان باتوں سے الٹا منافقین کا بھرم کھل گیا۔

دلوں کی حسرت:

بعض مفسرین نے (لِیَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِیْ قُلُوْبِهِمْ) میں ''لام عاقبت'' لیکر یوں معنی کئے ہیں کہ منافقین کے زبان ودل پر یہ باتیں اس لئے جاری کی گئیں کہ خدا ان کو ہمیشہ اسی حسرت وافسوس کی آگ میں جلتا چھوڑ دے اور دوسری حسرت ان کو یہ رہی کہ مسلمان ہماری طرح نہ ہوئے اور ہماری باتوں پر کسی نے کان نہ دھرا، گویا اس طرح (لِیَجْعَلَ) کا تعلق لاتکونوا کے سے بھی ہوسکتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ
اور اللہ ہی جلاتا ہے اور مارتا ہے

موت وحیات:

یعنی مارنا جلانا اللہ کا کام ہے۔ بہتیرے آدمی عمر بھر سفر کرتے اور لڑائیوں میں جاتے ہیں، مگر موت گھر میں بستر پر آتی ہے اور کتنے آدمی گھر کے کونے میں پڑے رہنے کے خوگر ہیں، لیکن اخیر میں خدا کوئی سبب کھڑا کر دیتا ہے کہ وہ باہر نکلیں اور وہیں مریں یا مارے جائیں۔ بندہ کی روک تھام سے یہ چیز ٹلنے اور بدلنے والی نہیں۔

حضرت خالد بن ولید کی نصیحت وصیت:

حضرت خالد بن ولیدؓ نے وفات کے وقت فرمایا کہ میرے بدن پر ایک بالشت جگہ تلوار یا نیزہ کے زخم سے خالی نہیں، مگر آج میں ایک اونٹ کی طرح (گھر میں) مر رہا ہوں فَلَا نَامَتْ اَعْیُنُ الْجُبَنَاءِ (خدا کرے یہ دیکھ کر نامردوں کی آنکھیں کھلیں) (تفسیر عثمانی)

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ
اور اللہ تمہارے سب کام دیکھتا ہے

کہ منافقین وکفار کس راستہ پر جارہے ہیں اور مسلمان کہاں تک ان کے تشبہ اور پیروی سے علیحدہ رہتے ہیں۔ ہر ایک کو اسکی حالت کے مناسب بدلہ دیگا۔ (تفسیر عثمانی)

وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ
اور اگر تم مارے گئے اللہ کی راہ میں یا مر گئے

یعنی اسی کی راہ میں۔ (تفسیر عثمانی)

لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَیْرٌ مِّمَّا
تو بخشش اللہ کی اور مہربانی اُسکی بہتر ہے اُس چیز سے
یَجْمَعُوْنَ ۝ وَلَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَی
جو وہ جمع کرتے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی
اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ۝
کے آگے اکٹھے ہو گے تم سب

شہادت فی سبیل اللہ:

یعنی فرض کرو تم سفر یا جہاد میں نہ نکلے اور فی الحال موت سے بچ گئے مگر ضروری ہے کہ کبھی نہ کبھی مرو گے یا مارے جاؤ گے پھر بہر حال خدا کے سامنے سب کو جمع ہونا ہے۔ اس وقت پتہ چل جائیگا کہ جو خوش قسمت اللہ کی راہ میں نیک کام کرتے ہوئے مرے یا مارے گئے تھے۔ ان کو خدا تعالیٰ کی بخشش ومہربانی سے کیساوافر حصہ ملا جس کے سامنے تمہاری دنیا کی کمائی اور جمع کی ہوئی دولت وثروت سب ہیچ ہے۔ الحاصل اگر منافقین ہی

کا قول تسلیم کر لیا جائے کہ گھر سے نہ نکلتے تو نہ مارے جاتے، تب بھی سرا سر خسارہ تھا، کیونکہ اس صورت میں اس موت سے محروم رہ جاتے جس پر ایسے ایسی لاکھوں زندگیاں قربان کی جا سکتی ہیں۔ بلکہ جو حقیقت میں موت نہیں حیات ابدی ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ

سو کچھ اللہ ہی کی رحمت ہے جو تو نرم دل مل گیا

فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ

اُنکو اور اگر تو ہوتا تندخو سخت دل تو متفرق ہو جاتے

حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ

تیرے پاس سے سو تو اُن کو معاف کر اور اُنکے واسطے بخشش مانگ اور اُن

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ

سے مشورہ لے کام میں پھر جب قصد کر چکا تو اس کام کا تو پھر بھروسہ کر

عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ

اللہ پر اللہ کو محبت ہے توکل والوں سے

ربط: مسلمانوں کو ان کی کوتاہیوں پر متنبہ فرمانے اور معافی کا اعلان سنانے کے بعد نصیحت کی تھی کہ آئندہ اس مار آستین جماعت کی باتوں سے فریب مت کھانا۔ اس آیت میں ان کے عفو تقصیر کی تکمیل کی گئی ہے۔

معافی کی تکمیل:

چونکہ جنگ احد میں سخت خوفناک غلطی اور زبردست کوتاہی مسلمانوں سے ہوئی تھی، شاید آپ کا دل خفا ہوا ہوگا اور چاہا ہوگا کہ آئندہ ان سے مشورہ لے کر کام نہ کیا جائے، اس لئے حق تعالیٰ نے نہایت عجیب وغریب پیرایہ میں ان کی سفارش کی۔ اول اپنی طرف سے معافی کا اعلان کر دیا، کیونکہ خدا کو معلوم تھا کہ آپ کا غصہ خالص اپنے پروردگار کے لئے ہوتا ہے، پھر فرمایا (فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ)

صحابہؓ پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مہربانی:

یعنی اللہ کی کتنی بڑی رحمت آپ پر اور ان پر ہے کہ آپ کو اس قدر خوش اخلاق اور نرم خو بنا دیا۔ کوئی اور ہوتا تو خدا جانے ایسے سخت معاملہ میں کیا رویہ اختیار کرتا، یہ سب کچھ اللہ ہی کی مہربانی ہے کہ تجھ جیسا شفیق نرم دل پیغمبر ان کو مل گیا، فرض کیجئے اگر خدانہ کردہ آپ کا دل سخت ہوتا اور مزاج میں شدت ہوتی تو یہ قوم آپ کے گرد کہاں جمع رہ سکتی تھی۔ ان سے کوئی غلطی ہوتی اور آپ سخت پکڑتے تو شرم ودہشت کے مارے پاس بھی نہ آ سکتے اس طرح یہ لوگ بڑی خیر وسعادت سے محروم رہ جاتے اور جمعیت اسلامی کا شیرازہ بکھر کر رہ جاتا، لیکن حق تعالیٰ نے آپ کو نرم دل اور نرم خو بنایا۔ آپ اصلاح کے ساتھ ان کی کوتاہیوں سے اغماض کرتے رہتے ہیں۔ سو یہ کوتاہی بھی جہاں تک آپ کے حقوق کا تعلق ہے معاف کر دیجئے اور گو خدا اپنا حق معاف کر چکا ہے، تاہم انکی مزید دلجوئی اور تطییب خاطر کے لئے ہم سے بھی ان کے لئے معافی طلب کریں تا یہ شکستہ دل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی اور انبساط محسوس کر کے بالکل مطمئن ومنشرح ہو جائیں۔

مشورہ:

اور صرف معاف کر دینا ہی نہیں آئندہ بدستور ان سے معاملات میں مشورہ لیا کریں، مشاورت کے بعد جب ایک بات طے ہو جائے اور پختہ ارادہ کر لیا جائے، پھر خدا پر توکل کر کے اس کو بلا پس وپیش کر گزریں۔ خدا تعالیٰ متوکلین کو پسند کرتا اور انکے کام بنا دیتا ہے۔ (تنبیہ) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا۔ ''عزم'' کیا ہے؟ فرمایا مشاورت اہل الرائے ثم اتباعھم'' (ابن کثیر) اور مجمع الزوائد میں حضرت علیؓ کی حدیث ہے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بات ہم کتاب و سنت میں نہ پائیں اس میں کیا طریقہ استعمال کریں؟ فرمایا فقہاء عابدین (سمجھدار خدا پرستوں) سے مشورہ کرو وَلَا تُمْضُوْا فِيْهِ رَأْيَ خَاصَّةٍ (اور کسی اکے دکے کی رائے مت جاری کرو)۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

بغوی نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ لوگوں کے لئے مشورہ لینے والا میں نے کسی شخص کو نہیں دیکھا۔

صحابہ کرام کا عزم:

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے جیسے بدر والے دن قافلے کی طرف بڑھنے کے لئے مشورہ لیا اور صحابہؓ نے کہا کہ اگر آپ سمندر کے کنارے پر کھڑا کر کے ہمیں فرمائیں گے کہ اس میں کود پڑو اور اس پار نکلو تو بھی ہم سرتابی نہ کریں گے اور اگر ہمیں برک غماد تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم وہ نہیں کہ موسیٰ کے صحابیوں کی طرح کہہ دیں کہ تو

اور تیرا رب لڑے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں، بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے۔ جنگ احزاب کے موقعہ پر بھی اپنے اصحابؓ سے مشورہ کیا کہ مدینہ کے پھلوں کی پیداوار کا تہائی حصہ دینے کا وعدہ کر کے مخالفین سے مصالحت کر لی جائے۔ تو حضرت سعد بن عبادہؓ اور حضرت سعد بن معاذؓ نے اسکا انکار کیا اور آپؐ نے بھی اس مشورہ کو قبول کر لیا اور مصالحت چھوڑ دی۔ ﴿حاکم﴾ ﴿تفسیر مظہری﴾

(وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) (فَإِذَا عَزَمْتَ) پھر جب مشورہ کے بعد تمہارا ارادہ محکم ہو جائے

صحابہؓ سے مشورہ کا حکم:

(فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ) تو اللہ پر بھروسہ کرو، اپنا معاملہ اللہ کے سپرد کردو اور اس پر اعتماد رکھو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی حالت تھی۔ اسی لئے جب احد کے دن جنگ کے ارادہ سے برآمد ہو گئے (اور پھر پشیمان ہو کر لوگوں نے روکنا چاہا) تو فرمایا کسی نبی کے لئے زیبا نہیں کہ جب اس نے زرہ پہن لی ہو تو بغیر جنگ کئے اتارے۔

آیت کا مطلب یہ ہے کہ باہم مشورہ کے بعد مشورہ سے جو کچھ طے ہو اس پر عمل کرو اور اعتماد اللہ پر رکھو۔ یہ مطلب نہیں کہ اپنی رائے پر عمل کرو (اور مشورہ کو نظر انداز کردو) کیونکہ غیب کا علم تو اللہ کو ہے مگر باہم مشورہ کے بعد افکار و خیالات کے ردو بدل سے وہ بات نکل آتی ہے جو زیادہ مفید ہوتی ہے۔ پھر بھی اجتماعی مشورہ قابل بھروسہ نہیں ہوتا کہ یقیناً مفید ہی ہو کیونکہ انسانی افکار کی رفتار کبھی اندھادھند ہوتی ہے اور اللہ معمول کے خلاف کبھی نتیجہ پیدا کر دیتا ہے اس لئے بھروسہ لوگوں کی رائے پر نہیں صرف اللہ پر ہونا چاہئے۔

حضرت ابوبکر اور حضرت عمرؓ کی فضیلت:

حضرت ابن عباسؓ کا قول منقول ہے کہ آیت (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) میں ابوبکرؓ اور عمرؓ سے مشورہ لینے کا حکم ہے۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر و حضرت عمر رضی اللہ عنہما کے حق میں نازل ہوئی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم دونوں مشورہ میں متفق الرائے ہو جاؤ تو میں مخالفت نہیں کروں گا۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ کو لکھا کہ جنگ کے معاملہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ لیا کرتے تھے اس لئے تم بھی مشورہ لیا کرو۔ ضحاک نے کہا کہ حضرت عمرؓ مشورہ لیا کرتے تھے یہاں تک کہ عورت سے بھی۔ حضرت ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میری امت کے ستر ہزار آدمی بلا حساب جنت میں جائیں گے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کون ہوں گے، فرمایا وہ لوگ وہ ہیں جو داغ نہیں لگواتے، منتر نہیں پڑھتے پڑھواتے، شگون نہیں لیتے اور اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھتے ہیں۔ (متفق علیہ) بغوی نے حضرت عمران بن حصینؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔

توکل علی اللہ:

حضرت عمرؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم اللہ پر توکل کرو جیسا توکل کا حق ہے تو اللہ تم کو اسی طرح رزق دے جیسے پرندوں کو دیتا ہے کہ صبح کو بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو پیٹ بھرے واپس آتے ہیں۔ ﴿رواہ الترمذی وابن ماجہ﴾

توکل کا مطلب یہ ہے کہ ہر چیز اللہ کے سپرد کر دی جائے اسی سے درخواست کی جائے کہ کوشش کا نتیجہ اچھا نکلے اور اللہ پر بدگمانی نہ کی جائے حسن ظن رکھا جائے (کہ وہ ضرور اچھا نتیجہ نکالے گا) ﴿تفسیر مظہری﴾

مشورہ کے فوائد:

مشورہ کا فائدہ یہ ہے کہ مسئلہ کے تمام پہلو روشن ہو جائیں گے اور اطراف و جوانب کی چھوٹی اور بڑی چیزیں نمودار ہو جائیں گی مجلس مشاورت میں کوئی ذی رائے اور ہوشیار زیادہ ہوگا اور کوئی صاحب تدبیر اور تجربہ کار زیادہ ہوگا۔ کوئی کتنا ہی عاقل اور ہوشیار کیوں نہ ہو مگر میدان کارزار کا تجربہ کار نہ ہو تو جنگی امور میں تنہا اس کا مشورہ ناتمام ہوگا بہتر یہ ہوگا کہ عقل اور تجربہ دونوں ہی سے مشورہ کر کے جنگ شروع کی جائے کسی نے کیا خوب کہا ہے،

اَلرَّأْيُ كَاللَّيْلِ مُسْوَدٌّ جَوَانِبُهٗ
وَاللَّيْلُ لَا يَنْجَلِيْ اِلَّا بِاِصْبَاحٖ

رائے مثل شب دیجور کے ہے جس کے تمام اطراف سیاہ اور تاریک ہیں اور رات کا اندھیرا بغیر صبح کی روشنی کے زائل نہیں ہوسکتا۔

فَاضْمُمْ مَصَابِيْحَ اٰرَاءِ الرِّجَالِ اِلٰى
مِصْبَاحِ رَأْيِكَ تَزْدَدْ ضَوْءَ مِصْبَاحٖ

پس لوگوں کے رایوں کے چراغوں کی روشنیوں کی اپنی رائے کے چراغ کی روشنی کے ساتھ ملالے تاکہ تیرے چراغ کی روشنی بڑھ جائے۔

ترجمہ۔ حدیث میں ہے مشورہ ندامت سے محفوظ رہنے کا ایک قلعہ ہے اور ملامت سے امن ہے۔ (کتاب ادب الدنیا والدین ص ۲۰۷)

معارف القرآن حضرت کاندھلویؒ سے اقتباسات

قاضی ابوالحسن بصری ماوردی ادب الدنیا والدین ص ۲۰۷ میں فرماتے ہیں، کسی عاقل کا قول ہے،

جب تجھ کو معاملات میں کوئی اشکال اور دشواری پیش آئے اور عام جمہور تجھ سے منحرف ہو جائیں تو تجھ کو عقلاء کی رائے کی طرف رجوع کرنا چاہئے اور گھبرا کر علماء کے مشورہ کی پناہ لینی چاہئے لوگوں سے مشورہ اور امداد طلب کرنے میں حیاء اور عار نہ کرنی چاہئے عقلاء سے پوچھ کر کوئی کام کر لینا اور آئندہ کی ندامت سے سالم و محفوظ ہو جانا یہ بہتر ہے کہ خود رائی سے کام کر کے شرمندہ اور پشیمان ہو۔

ایک شخص نے عضدالدولہ کی تعریف میں یہ لکھا کہ اس کے لئے ایک چہرہ ہے جس میں ہزار آنکھیں ہیں اور اس کے لئے ایک منہ ہے جس میں ہزار زبانیں ہیں اور اس کے ایک سینہ ہے جس میں ہزار دل ہیں۔

مطلب یہ ہے کہ عضدالدولہ باوجود دانشمند اور زیرک ہونے کے تنہا اپنی رائے سے کوئی کام نہیں کرتا بلکہ ہزار عاقلوں سے مشورہ سے کام کرتا ہے گویا کہ ہزار دلوں اور ہزار آنکھوں اور ہزار زبانوں سے سوچتا اور دیکھتا اور بولتا ہے۔

حدیث میں ہے، جو شخص کسی کام کا ارادہ کرے اور پھر وہ کسی سچے اور پکے مسلمان یعنی متقی اور پرہیزگار سے مشورہ کرے تو توفیق خداوندی اس کو بہترین امور کی طرف لے جائیگی۔ (رواہ طبرانی)

کسی حکیم اور دانا کا قول ہے، ہر چیز محتاج عقل ہے اور عقل محتاج ہے تجربوں کی اسی وجہ سے کہا گیا کہ زمانہ کے تجربے پوشیدہ چیزوں کے پردے اٹھا دیتے ہیں۔

عورت کا مشورہ:

شیخ عبدالرؤف مناوی اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت سے مشورہ نہ کرے اس لئے کہ حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہے کہ مشورہ کامل العقل سے کرو اور حدیث میں ہے کہ عورتیں ناقصات العقل والدین ہیں یعنی عورتوں کی عقل بھی ناقص اور دین بھی ناقص ہے۔ اور حضرت عمرؓ کا فرمان ہے،

خَالِفُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ فِیْ خِلَافِهِنَّ الْبَرَكَةُ (فیض القدیر ص ۲۰۹ ج ۱)

عورتوں کا خلاف کروان کے خلاف میں برکت ہے۔

اسلامی حکومت کا اصول:

اسلامی حکومت ایک شورائی حکومت ہے، جس میں امیر کا انتخاب مشورہ سے ہوتا ہے۔ خاندانی وراثت سے نہیں، آج تو اسلامی تعلیمات کی برکت سے پوری دنیا میں اس اصول کا لوہا مانا جا چکا ہے۔ شخصی بادشاہتیں بھی طوعاً و کرہاً اسی طرف آ رہی ہیں، لیکن اب سے چودہ سو برس پہلے زمانہ کی طرف مڑ کر دیکھئے جب کہ پوری دنیا پر آج کے تین بڑوں کی جگہ دو بڑوں کی حکومت تھی۔ ایک کسریٰ، دوسرا قیصر، اور ان دونوں کے آئین حکومت شخصی اور وراثتی بادشاہت ہونے میں مشترک تھے، جس میں ایک شخص واحد لاکھوں کروڑوں انسانوں پر اپنی قابلیت اور صلاحیت سے نہیں بلکہ وراثت کے ظالمانہ اصولوں کی بناء پر حکومت کرتا تھا، اور انسانوں کو پالتو جانوروں کا درجہ دینا بھی بادشاہی انعام سمجھا جاتا تھا۔ یہی نظریہ حکومت دنیا کے بیشتر حصہ پر مسلط تھا، صرف یونان میں جمہوریت کے چند دھندلے اور نا تمام نقوش پائے جاتے تھے، لیکن وہ بھی اتنے ناقص اور مدھم تھے کہ ان پر کسی مملکت کی بنیاد رکھنا مشکل تھا۔ اسی وجہ سے جمہوریت کے ان یونانی اصولوں پر کبھی کوئی مستحکم حکومت نہیں بن سکی بلکہ وہ اصول ارسطو کے فلسفہ کی ایک شاخ بن کر رہ گئے۔ اس کے برخلاف اسلام نے حکومت میں وراثت کا غیر فطری اصول باطل کر کے امیر مملکت کا عزل و نصب جمہور کے اختیار میں دے دیا، جس کو وہ اپنے نمائندوں اہل حل وعقد کے ذریعہ استعمال کر سکیں، بادشاہ پرستی کی دلدل میں پھنسی ہوئی دنیا اسلامی تعلیمات ہی کے ذریعہ اس عادلانہ اور فطری نظام سے آشنا ہوئی، اور یہی روح ہے اسی طرز حکومت کی جس کو آج جمہوریت کا نام دیا جاتا ہے۔

لیکن موجودہ طرز کی حکومتیں چونکہ بادشاہی ظلم وستم کے ردعمل کے طور پر وجود میں آئیں تو وہ بھی اس بے اعتدالی کے ساتھ آئیں کہ عوام کو مطلق العنان بنا کر پورے آئین حکومت اور قانون مملکت کا ایسا آزاد مالک بنایا کہ ان کے قلب و دماغ زمین و آسمان اور تمام انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا اور اس کی اصلی مالکیت و حکومت کے تصور سے بھی بیگانہ ہو گئے۔ اب ان کی جمہوریت خدا تعالیٰ ہی کے بخشے ہوئے عوامی اختیار پر خدا تعالیٰ کی عائد کردہ پابندیوں کو بھی بارِ خاطر خلاف انصاف تصور کرنے لگیں۔

اسلامی آئین نے جس طرح خلق خدا کو کسریٰ و قیصر اور دوسری شخصی بادشاہتوں کے جبر و استبداد کے پنجہ سے نجات دلائی، اسی طرح نا خدا آشنا مغربی جمہوریتوں کو بھی خدا شناسی اور خدا پرستی کا راستہ دکھلایا، اور بتلایا کہ ملک کے حکام ہوں یا عوام خدا تعالیٰ کے دیئے ہوئے قانون کے سب پابند ہیں ان کے عوام اور عوامی اسمبلی کے اختیارات، قانون سازی، عزل و نصب خدا تعالیٰ کے مقرر کردہ حدود کے اندر ہیں، ان پر لازم ہے کہ امیر

کے انتخاب میں اور پھر عہدوں اور منصبوں کی تقسیم میں ایک طرف قابلیت اور صلاحیت کی پوری رعایت کریں تو دوسری طرف ان کی دیانت وامانت کو پرکھیں، اپنا امیر ایسے شخص کو منتخب کریں جو علم، تقویٰ، دیانت، امانت صلاحیت، اور سیاسی تجربہ میں سب سے بہتر ہو، پھر یہ امیر منتخب بھی آزاد اور مطلق العنان نہیں، بلکہ اہل الرائے سے مشورہ لینے کا پابند ہے۔ قرآن کریم کی آیت مذکورہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدین کا تعامل اس پر شاہد عدل ہیں، حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے۔

لَا خِلَافَةَ اِلَّا عَنْ مَشْوَرَةٍ. یعنی شورائیت کے بغیر خلافت نہیں ہے۔ ﴿کنز العمال بحوالہ ابن ابی شیبۃ﴾

شورائیت اور مشورہ کو اسلامی حکومت کے لئے اساسی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے حتیٰ کہ اگر امیر مملکت مشورہ سے آزاد ہو جائے، یا ایسے لوگوں سے مشورہ لے جو شرعی نقطۂ نظر سے مشورہ کے اہل نہ ہوں تو اس کا عزل کرنا ضروری ہے۔

ذَكَرَ ابْنُ عَطِيَّةَ اَنَّ الشُّوْرٰى مِنْ قَوَاعِدِ الشَّرِيْعَةِ وَالدِّيْنِ فَعَزْلُهٗ وَاجِبٌ، هٰذَا مَا لَا خَلَافَ لَهٗ ﴿البحر المحیط لابی حیان﴾

ابن عطیہؒ نے فرمایا کہ شورائیت شریعت کے قواعد اور بنیادی اصولوں میں سے ہے، جو امیر کے اہل علم اور اہل دین سے مشورہ نہ لے، اس کا عزل کرنا واجب ہے، اور یہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

مشورہ کے ضروری ہونے سے اسلامی حکومت اور اس کے باشندوں پر جو ثمرات اور برکات حاصل ہوں گے، اس کا اندازہ اس سے لگایئے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ کو رحمت سے تعبیر فرمایا، ابن عدی اور بیہقی نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اس مشورہ کی حاجت نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کو میری امت کے لئے ایک رحمت بنایا ہے۔ ﴿بیان القرآن﴾ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

اختلافِ رائے اور مشورہ:

مشورہ میں اختلاف رائے ہو جائے تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی؟ مسئلہ میں اگر اختلاف رائے ہو جائے تو کیا آج کل کے پارلیمانی اصول پر اکثریت کا فیصلہ نافذ کرنے پر امیر مجبور ہوگا، یا اس کو اختیار ہوگا کہ اکثریت ہو یا اقلیت جس طرف دلائل کی قوت اور مملکت کی مصلحت زیادہ نظر آئے اس کو اختیار کرے؟ قرآن وحدیث اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے تعامل سے یہ امر ثابت نہیں ہوتا کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اکثریت رائے کے فیصلہ کا پابند ومجبور ہے، بلکہ قرآن کریم کے بعض اشارات اور حدیث اور تعامل صحابہؓ کی تصریحات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ اختلاف رائے کی صورت میں امیر اپنی صواب دید کے مطابق کسی ایک صورت کو اختیار کر سکتا ہے، خواہ اکثریت کے مطابق ہو یا اقلیت کے، البتہ امیر اپنا اطمینان حاصل کرنے کے لئے جس طرح دوسرے دلائل پر نظر کرے گا اسی طرح اکثریت کا ایک چیز پر متفق ہونا بھی بعض اوقات اس کے لئے سبب اطمینان بن سکتا ہے۔

آیت مذکورہ میں غور فرمایئے، اس میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ کا حکم دینے کے بعد فرمایا گیا ہے، **فاذا عزمت فتو کل علی الله.** یعنی مشورہ کے بعد آپ جب کسی جانب کو طے کر کے عزم کرلیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کیجئے، اس میں **عزمت** کے لفظ میں عزم یعنی نفاذ حکم کا پختہ ارادہ صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کیا گیا، عزمتم نہیں فرمایا جس سے عزم وتنفیذ میں صحابہ کی شرکت معلوم ہوتی۔ اس کے اشارہ سے ثابت ہوتا ہے کہ مشورہ لینے کے بعد نفاذ اور عزم صرف امیر کا معتبر ہے۔ حضرت عمر بن الخطابؓ بعض وقت دلائل کے لحاظ سے اگر عبداللہ بن عباسؓ کی رائے زیادہ مضبوط ہوتی تھی تو ان کی رائے پر فیصلہ نافذ فرماتے تھے، حالانکہ مجلس میں اکثر ایسے صحابہ موجود ہوتے تھے، جو ابن عباسؓ سے عمر اور علم اور تعداد میں زیادہ ہوتے تھے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت مرتبہ حضرات شیخین صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی رائے کو جمہور صحابہؓ کے مقابلہ میں ترجیح دی ہے، حتیٰ کہ یہ سمجھا جانے لگا کہ آیت مذکورہ صرف ان دونوں حضراتؓ سے مشورہ لینے کے لئے نازل ہوئی۔ حاکم نے مستدرک میں اپنی سند کے ساتھ ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے۔ ﴿ابن کثیرؒ﴾

کلبی کی روایت اس سے بھی زیادہ واضح ہے،

عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ نَزَلَتْ فِىْ اَبِىْ بَكْرٍ وَعُمَرَ وَكَانَا حَوَارِيَّهٗ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم وَوَزِيْرَيْهِ وَاَبَوَى الْمُسْلِمِيْنَ. ﴿ابن کثیرؒ﴾

''ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابو بکرؓ وعمرؓ سے مشورہ لینے کے بارے میں نازل ہوئی ہے، یہ دونوں حضراتؓ جناب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص صحابیؓ اور وزیر تھے، اور مسلمانوں کے مربی تھے۔''

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ حضرات شیخینؓ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

"جب تم دونوں کسی رائے پر متفق ہو جاؤ تو میں تم دونوں کے خلاف نہیں کرتا۔"

اہل سنت کا عقیدہ:

حافظ ابن تیمیہؒ نے عقیدہ واسطیہ میں فرمایا ہے کہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کے درمیان جو اختلافات اور قتل وقتال ہوئے ہیں ان میں کسی پر الزام واعتراض کرنے سے باز رہیں۔ وجہ یہ ہے کہ تاریخ میں جو روایات ان کے عیوب کے متعلق آئی ہیں ان میں بکثرت تو جھوٹی اور غلط ہیں جو دشمنوں نے اڑائی ہیں اور بعض وہ ہیں جن میں کمی بیشی کر کے اپنی اصلیت کے خلاف کر دی گئی ہیں اور جو بات صحیح بھی ہے تو صحابہ کرامؓ اس میں اجتہادی رائے کی بناء پر معذور ہیں۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ
اگر اللہ تمہاری مدد کرے گا تو کوئی تم پر غالب نہ ہو سکے گا اور اگر
يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْ
مدد نہ کرے تمہاری تو پھر ایسا کون ہے جو مدد کر سکے تمہاری
بَعْدِهٖ ۗ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾
اس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسہ چاہئے مسلمانوں کو

اللہ سب پر غالب ہے:

پہلے آپ کو فرمایا تھا "بھروسہ کر اللہ پر" یہاں بتلایا کہ بھروسہ کے لائق ایسی ہی ذات ہو سکتی ہے جو سب سے زبردست اور غالب ہو سب مسلمانوں کو اس کی امداد پر توکل کرنا چاہئے۔ گویا مسلمانوں کی تقصیر خود معاف کرنے اور اپنے پیغمبر سے معاف کرا دینے کے بعد ان کو نصیحت کی جاتی ہے کہ کسی کے کہنے سننے میں نہ آئیں، خالص خدا پر بھروسہ رکھیں، اس کی مدد ہوگی تو کوئی طاقت تم پر غالب نہیں آ سکتی، جیسے "بدر" میں دیکھ چکے، اور کسی مصلحت سے وہ مدد نہ کرے تو پھر کوئی مدد نہیں کر سکتا، جیسے "احد" میں تجربہ ہو گیا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۗ وَمَنْ يَّغْلُلْ
اور نبی کا کام نہیں کہ کچھ چھپا رکھے اور جو کوئی
يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ
چھپاویگا وہ لائیگا اپنی چھپائی چیز دن قیامت کے پھر پورا
نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾
پاویگا ہر کوئی جو اُس نے کمایا اور اُن پر ظلم نہ ہو گا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عصمت وامانت:

اس سے غرض یا تو مسلمانوں کی پوری طرح خاطر جمع کرنا ہے، تا یہ وسوسہ نہ لائیں کہ شاید حضرت نے ہم کو بظاہر معاف کر دیا اور دل میں خفا ہیں پھر کبھی خفگی نکالیں گے؟ یہ کام نبیوں کا نہیں کہ دل میں کچھ اور ظاہر میں کچھ، یا مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ حضرت کی عظمت اور عصمت وامانت کو پوری طرح مستحضر رکھیں، آپؐ کی نسبت کبھی کوئی لغو اور بیہودہ خیال نہ لائیں، مثلاً یہ گمان نہ کریں کہ غنیمت کا کچھ مال چھپا رکھیں گے؟ (العیاذ باللہ) شاید یہ اس واسطے فرمایا کہ وہ تیرانداز غنیمت کے لئے مورچہ چھوڑ کر دوڑے تھے، کیا حضرتؐ ان کو حصہ نہ دیتے؟ یا بعض چیزیں چھپا رکھتے؟ اور بعض روایات میں ہے کہ بدر کی لڑائی میں ایک چیز (چادر یا تلوار) غنیمت میں سے گم ہو گئی تھی، کسی نے کہا شاید حضرت نے اپنے واسطے رکھی ہوگی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

بہر حال مسلمانوں کو سمجھانا ہے کہ اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نرم خوئی اور خوش خلقی سے تمہاری غلطیوں کو معاف کرتے ہیں تو تم کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان اور عصمت ونزاہت کا بہت زیادہ پاس رکھنا چاہئیے، کسی قسم کا کمزور اور رکیک خیال مومنین کے پاس نہ آنے پائے۔ دوسری طرف چونکہ آپ کی شفقت ونرم دلی یاد دلا کر جنگ احد کے متعلق مسلمانوں کی کوتاہی کو معاف کرایا جا رہا تھا اسی ذیل میں ایک دوسری کوتاہی بھی یاد دلا دی جو بدر سے متعلق تھی کہ آپؐ اپنی نرم خوئی سے اس پر بھی کچھ دھیان نہ کریں۔

مال غنیمت میں خیانت کا مسئلہ:

(تنبیہ) "غلول" کے اصل معنی غنیمت میں خیانت کرنے کے ہیں لیکن کبھی مطلق خیانت کے معنی میں آتا ہے بلکہ بعض اوقات محض ایک چیز کے چھپا لینے پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جیسے ابن مسعودؓ نے فرمایا غَلُّوْا مَصَاحِفَكُمْ۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

خیانت کی سزا:

ابو داؤد میں ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب مال غنیمت آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت بلالؓ کو حکم دیتے اور

وہ لوگوں میں منادی کرتے کہ جس جس کے پاس جو جو ہو لے آئے۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس کے بعد بالوں کا ایک گچھا لے کر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس یہ رہ گیا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو نے حضرت بلال کی منادی سنی تھی؟ جو تین مرتبہ ہوئی تھی۔ اس نے کہا ہاں۔ فرمایا پھر تو اس وقت کیوں نہ لایا؟ اس نے عذر بیان کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میں ہرگز نہ لوں گا، تو ہی اسے لے کر قیامت کے دن آنا۔ ﴿ابن کثیرؒ﴾

﴿وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾

اور جو خیانت کرے گا قیامت کے دن چرائے ہوئے مال کے ساتھ آئے گا (ملزم مال کے ساتھ پکڑا ہوا آئے گا) کلبیؒ نے کہا دوزخ کے اندر اس چرائی ہوئی چیز کی ہم شکل کوئی شئ بنادی جائے گی اور اس خائن سے کہا جائے گا جا اتر کر اسکو لے لے۔ وہ اتر کر اس چیز کو پشت پر اٹھا کر لے آئے گا۔ جب اپنی جگہ آ جائے گا تو وہ چیز چھوٹ کر پھر اندر گر پڑے گی اور اس شخص کو حکم دیا جائے گا کہ اتر جائے اور اس چیز کو لاد کر لے آئے وہ ایسا کرے گا اور یہی معاملہ اس کے ساتھ (خدا جانے کب تک) ہوتا رہے گا۔

مدعمؓ کا واقعہ:

حضرت ابو ہریرہؓ کا بیان ہے کہ خیبر کے سال ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب نکلے وہاں سونا چاندی کچھ لوٹ میں ہاتھ نہیں آیا صرف اونٹ کپڑے اور سامان ملا۔ یہاں سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وادی قری کا رخ کیا۔ ایک حبشی غلام جس کا نام مدعم تھا رفاعہ بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہبہ کیا تھا (وہ بھی ساتھ تھا) جب ہم وادی قری میں پہنچ گئے اور مدعم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اونٹ کا کجاوہ اتارنے لگا تو اچانک ایک نامعلوم تیر اس کے آلگا۔ معلوم نہیں کس نے مارا اس تیر سے وہ مر گیا لوگوں نے کہا اس کو جنت مبارک ہو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ چھوٹی کمبلی جو اس نے خیبر کی جنگ میں مال غنیمت سے لے لی تھی اور اس کے حصہ میں نہیں آئی تھی وہ اس کے اوپر آگ بن کر بھڑک رہی ہے۔ یہ بات سن کر ایک شخص ایک یا دو تسمے لے کر آیا اور خدمت گرامیؐ میں پیش کر دیئے۔ فرمایا ایک یا دو تسمے بھی آگ کے ہیں (یعنی اگر داخل نہ کئے جاتے تو مرنے کے بعد یہ آگ کے ہو جاتے) ﴿رواہ البغویؒ﴾

صحیحین کی روایت میں بحوالہ حضرت ابو ہریرہؓ حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ کسی شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک غلام جس کا نام مدعم تھا بطور ہدیہ بھیجا تھا۔

نقلی موتیوں کی خیانت:

حضرت یزید بن خالد جہنی کی روایت ہے کہ خیبر کے دن ایک شخص کا انتقال ہو گیا لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا۔ آپؐ نے فرمایا، تم اپنے ساتھی کی نماز نہ پڑھو یہ سن کر لوگوں کے رنگ فق ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ساتھی نے راہ خدا میں خیانت کی ہے۔ ہم نے اس کا سامان کھول کر دیکھا تو اس میں یہودیوں سے لوٹے ہوئے کچھ نقلی موتی (پوتھ) ملے جو دو درہم کی قیمت کے ہونگے۔ رواہ مالکؒ ونسائی۔

مُحَصِّلِ زکوٰۃ کا واقعہ:

حضرت ابوحمید ساعدی راوی ہیں کہ قبیلہ ازد کا ایک شخص تھا جس کا نام ابن اللتبیہ تھا اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وصول صدقہ کا آفیسر بنا کر بھیجا جب وہ مال زکوٰۃ وصول کر کے واپس آیا تو (کچھ مال پیش کر کے) کہنے لگا یہ تمہارا ہے اور یہ مجھے ہدیہ میں دیا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور حمد وثنا کے بعد فرمایا اما بعد! اللہ نے جن امور کا مجھے مہتمم بنایا ہے میں ان میں بعض کاموں کا ناظم تمہارے بعض اشخاص کو بنا دیتا ہوں پس وہ آ کر کہتے ہیں کہ یہ (مال تو اے مسلمانو) تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں دیا گیا ہے آخر وہ اپنی اماں اور اپنے ابا کے گھر کیوں نہیں بیٹھ رہتا کہ اگر وہ سچا ہے تو اس کا ہدیہ (گھر بیٹھے) اس کے پاس آ جاتا خدا کی قسم جو شخص بھی تم میں سے کوئی چیز ناحق لے گا وہ ضرور جب اللہ کے سامنے جائے گا تو وہ چیز اپنے اوپر لادے ہو گا پس میں کسی کو ایسا نہ پاؤں کہ اللہ کی پیشی کے وقت بلبلاتے اونٹ کو یا دھاڑتی گائے کو یا منمناتی بکری کو اپنے اوپر لادے ہوئے لائے۔ ﴿متفق علیہ﴾

دوسری روایت میں آیا ہے کہ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے اللہ! کیا میں نے (تیرا حکم) پہنچا دیا۔ اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا۔

ایک سوئی کی چوری:

حضرت عدیؓ بن عمیرہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا کہ ہم نے جس کسی کو تم میں سے کسی کام پر مقرر کیا اور اس

نے ہم سے ایک سوئی یا اس سے زیادہ کوئی چیز چھپالی تو یہ چوری ہوگی جس کو ساتھ لیکر قیامت کے دن اس کو آنا ہوگا۔ رواہ مسلم۔

سب سے بڑا جرم:

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ (خطاب کرنے) کھڑے ہوئے اور (مال زکوٰۃ یا مال غنیمت کی) خیانت کو بڑا جرم بتایا اور فرمایا خوب سن لو قیامت کے دن تم میں سے کسی کی ایسی حالت میں مجھ سے ملاقات نہ ہو کہ اس کی گردن پر بلبلاتا اونٹ سوار ہو اور وہ کہہ رہا ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دہائی ہے اور میں کہوں اللہ کے مقابلہ میں تیرے لئے کچھ نہیں کر سکتا میں تو تجھے حکم پہنچا چکا تھا پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کا ذکر کیا جس کی گردن پر گھوڑا اور بکری اور سونا چاندی لدا ہوگا اور اس سے آگے وہی فریاد کرنے اور مدد نہ کرنے کا تذکرہ فرمایا۔ بخاری و مسلم

زمین کی چوری:

حضرت ابو مالکؓ اشعری کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کے نزدیک سب سے بڑی خیانتی چوری گز بھر زمین کی ہے کسی زمین یا مکان میں اگر دو شخص ہم جوار (شریک) ہوں اور ایک دوسرے کے حق کی ایک گز زمین کاٹ لے تو قیامت کے دن اللہ اس کو سات زمینوں کا طوق پہنائے گا۔ حضرت معاذ بن جبلؓ نے فرمایا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عامل بنا کر) یمن کو بھیجا اور فرمایا میری اجازت کے بغیر کوئی چیز نہ لے لینا کیونکہ وہ خیانتی چوری ہوگی (وَمَنْ يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ) جو شخص خیانتی چوری کرے گا وہ قیامت کے دن اس خیانتی مال کے ساتھ آئے گا۔

خائن کا سامان:

عمرو بن شعیبؒ کے دادا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ نے خیانتی چور کا سامان جلوادیا اور اس کو مارا۔ رواہ ابوداؤد

ایک عباء کی خیانت:

حضرت عبداللہؓ بن عمرو نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان پر ایک شخص مقرر تھا جس کو کرکرہ کہا جاتا تھا۔ کرکرہ مر گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دوزخ میں ہے۔ لوگ اس کا سامان دیکھنے گئے تو اس میں ایک عبا ملا جس کی اس نے خیانت کی تھی۔ رواہ البخاری۔

حضرت ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا خیبر کے دن صحابہؓ کی ایک جماعت آئی اور کہنے لگی فلاں شہید ہوا۔ فلاں شہید ہوا یہاں تک کہ ایک آدمی کے جنازے کی طرف سے گذرے اور بولے فلاں شہید ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اس کو آگ میں دیکھا ہے ایک چادر کی خیانت کرنے کی وجہ سے یا فرمایا ایک عبا کی خیانت کی وجہ سے۔ پھر فرمایا اے خطاب کے بیٹے جا اور تین بار لوگوں میں منادی کردے کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے حسب الحکم میں نے باہر نکل کر تین بار لوگوں میں منادی کردی کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے۔ رواہ مسلم ☆تفسیر مظہریؒ☆

حضرت ابورافع فرماتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً نماز عصر کے بعد بنو عبدالاشہل کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً مغرب تک وہیں مجلس رہتی تھی۔ ایک دن مغرب کے وقت وہاں سے واپس چلے، وقت تنگ تھا تیز تیز چل رہے تھے، بقیع میں آکر فرمانے لگے تف ہے تجھے تف ہے تجھے۔ میں سمجھا آپؐ مجھے فرمارہے ہیں، چنانچہ میں اپنے کپڑے ٹھیک ٹھاک کرنے لگا اور پیچھے رہ گیا۔ آپؐ نے فرمایا، کیا بات ہے؟ میں کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کے اس فرمان کی وجہ سے میں رک گیا۔ آپؐ نے فرمایا! میں نے تجھے نہیں کہا بلکہ یہ قبر فلاں شخص کی ہے اسے میں نے فلاں قبیلے کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا اس نے ایک چادر لے لی، وہ چادر اب آگ بن کر اس کے اوپر بھڑک رہی ہے۔ ☆مسند احمد☆ ☆تفسیر ابن کثیر☆

مال غنیمت میں خیانت:

طبرانی نے کبیر میں باوثوق سند سے حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچھ لشکر کہیں بھیجا مگر اس کا جھنڈا (ناکام) واپس آیا۔ پھر بھیجا تو پھر واپس آگیا اور وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ہرن کے سر کے برابر سونے کی خیانت کر لی تھی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ☆تفسیر مظہریؒ☆

أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطٍ

کیا ایک شخص جو تابع ہے اللہ کی مرضی کا برابر ہو سکتا ہے اُسکے جس

مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ (۱۶۲)

نے کمایا غصہ اللہ کا اور اُس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور کیا ہی بُری جگہ پہنچا

یعنی پیغمبر جو ہر حال میں خدا کی مرضی کا تابع بلکہ دوسروں کو بھی اسکی مرضی کا تابع بنانا چاہتا ہے کیا ان لوگوں کے ایسے کام کر سکتا ہے جو خدا کے غضب کے نیچے اور دوزخ کے مستحق ہیں۔ ممکن نہیں۔

هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا
لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے جو
يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶۳﴾
کچھ کرتے ہیں

مقامِ نبی:

یعنی نبی اور سب (هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ) الخ خلقت میں برابر نہیں، طمع وغیرہ کے پست اور ذلیل کام نبیوں سے نہیں ہو سکتے حق تعالیٰ سب کو جانتا ہے کہ کون کس درجہ کا ہے اور سب کے کام دیکھتا ہے کیا وہ ایسی پست طبیعت والوں کو منصب نبوت پر سرفراز فرمائے گا؟ العیاذ باللہ! (تفسیر عثمانی)

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ
اللہ نے احسان کیا ایمان والوں پر جو بھیجا
فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ
اُن میں رسول اُنہی میں کا

اللہ کا مسلمانوں کو احسان جتلانا:

یعنی انہی کی جنس اور قوم میں کا ایک آدمی رسول بنا کر بھیجا جس کے پاس بیٹھنا، بات چیت کرنا، زبان سمجھنا اور ہر قسم کے انوار و برکات کا استفادہ کرنا آسان ہے، اس کے احوال، اخلاق، سوانح زندگی، امانت و دیانت خداترسی اور پاکبازی سے وہ خوب طرح واقف ہیں، اپنی ہی قوم اور کنبے کے آدمی سے جب معجزات ظاہر ہوتے دیکھتے ہیں تو یقین لانے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے۔ فرض کرو کوئی جن یا فرشتہ رسول بنا کر بھیجا جاتا تو معجزات دیکھ کر یہ خیال کر لینا ممکن تھا کہ چونکہ جنس بشر سے جداگانہ مخلوق ہے شاید یہ خوارق اس کی خاص صورت نوعیہ اور طبیعت ملکیہ وجنیہ کا نتیجہ ہوں ہمارا اس سے عاجز رہنا دلیل نبوت نہیں بن سکتا بہر حال مؤمنین کو خدا کا احسان ماننا چاہئے کہ اس نے ایسا رسول بھیجا جس سے بے تکلف فیض حاصل کر سکتے ہیں وہ باوجود معززترین و بلندترین منصب پر فائز ہونے کے ان ہی کے مجمع میں نہایت نرم خوئی اور ملاطفت کے ساتھ گھلا ملا رہتا ہے۔ (تفسیر عثمانی)

قریش پر خصوصی احسان:

بعض اہل تفسیر کے نزدیک المؤمنین سے مراد ہیں صرف حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان (قریش) کے مومن۔ کیونکہ نعمت بعثت اگرچہ تمام مومنوں کے لئے عمومی ہے لیکن قریش کو زیادہ فائدہ حاصل ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے خصوصی بزرگی ملی۔ اس لئے قریش پر یہ اللہ کو خصوصی احسان تھا کہ ان میں سے اللہ کا پیغمبر مبعوث ہوا۔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ لوگ قریش کے تابع ہیں (عام) مومن قریشی مومنوں کے اور (عام) کافر قریشی کافروں کے۔ متفق علیہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ امر یعنی خلافت ہمیشہ قریش میں رہیگی جب تک ان میں سے دو شخص باقی رہینگے (یہ خبر بمعنی امر ہے یعنی خلافت قریش میں رہنی چاہئے لیکن یہ حکم بشرط صلاحیت وتقویٰ ہے فاسقوں اور ظالموں کے خلیفہ بنانے کے لئے امر نہیں ہے)

عرب پر احسان:

بعض علماء کا خیال ہے کہ المومنین سے عرب کے تمام مومن مراد ہیں کیونکہ بنی تغلب کے علاوہ باقی ہر عربی قبیلہ کا قریش سے کچھ نہ کچھ نسبی تعلق ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ (الامیین سے عام عرب مراد ہیں اس لئے المومنین سے بھی عام عربی مومن مراد ہونا چاہئے)

مِنْ اَنْفُسِهِمْ سے مراد ہے مِنْ جِنْسِهِمْ یعنی اللہ نے رسول کو عربوں کی جنس کا بنایا تا کہ آسانی سے اس کا کلام سمجھ لیں اور اس کی صداقت وامانت کی حالت سے واقف ہوں اور اس کی وجہ سے حامل فخر ہو جائیں۔ حضرت سلمانؓ کا بیان ہے کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے بغض نہ رکھنا (یعنی نفرت نہ کرنا) ورنہ دین سے الگ ہو جائے گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیسے نفرت کر سکتا ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے ذریعہ سے تو اللہ نے ہم کو ہدایت فرمائی ہے۔ فرمایا عرب سے بغض رکھے گا تو مجھ سے بغض رہے گا۔ یہ حدیث ترمذی نے نقل کی ہے اور اس کو حسن کہا ہے۔ (تفسیر مظہری)

يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ
پڑھتا ہے اُن پر آیتیں اُسکی اور پاک کرتا ہے انکو یعنی شرک وغیرہ
الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ
سے اور سکھلاتا ہے اُن کو کتاب اور کام کی بات اور وہ تو پہلے سے
لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۱۶۴﴾
صریح گمراہی میں تھے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان:

اس مضمون کی آیت سورہ بقرہ میں دو جگہ گزر چکی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی چار شانیں بیان کی گئیں

(۱) تلاوت آیات (اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا) جن کے ظاہری معنی وہ لوگ اہل زبان ہونے کی وجہ سے سمجھ لیتے تھے اور اس پر عمل کرتے تھے۔ (۲) تزکیۂ نفوس (نفسیاتی آلائشوں اور تمام مراتب شرک و معصیت سے ان کو پاک کرنا اور دلوں کو مانجھ کر صیقل بنانا) یہ چیز آیات اللہ کے عام مضامین پر عمل کرنے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور قلبی توجہ و تصرف سے باذن اللہ حاصل ہوتی تھی (۳) تعلیم کتاب (کتاب اللہ کی مراد بتلانا) اس کی ضرورت خاص خاص مواقع میں پیش آتی تھی۔ مثلاً ایک لفظ کے کچھ معنی عام تبادر اور محاورہ کے لحاظ سے سمجھ کر صحابہ کو کوئی اشکال پیش آیا، اس وقت آپ کتاب اللہ کی اصلی مراد جو قرائن مقام سے متعین ہوتی تھی بیان فرما کر شبہات کا ازالہ فرما دیتے تھے، جیسے (اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ) الخ اور دوسرے مقامات میں ہو (۴) تعلیم حکمت (حکمت کی گہری باتیں سکھلانا) اور قرآن کریم کے غامض اسرار و لطائف اور شریعت کی دقیق و عمیق علل پر مطلع کرنا، خواہ تصریحاً یا اشارۃً۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی توفیق و اعانت سے علم و عمل کے ان اعلیٰ مراتب پر اس درماندہ قوم کو فائز کیا جو صدیوں سے انتہائی جہل و حیرت اور صریح گمراہی میں غرق تھی۔ آپ کی چند روزہ تعلیم و صحبت سے وہ ساری دنیا کے لئے ہادی و معلم بن گئی، لہٰذا انہیں چاہیئے کہ اس نعمت عظمیٰ کی قدر پہچانیں اور کبھی بھولے سے ایسی حرکت نہ کریں جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل متالم ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

(وَیُزَکِّیْهِمْ) اور انکو پاک کرتا ہے یعنی ان کے دلوں کو غلط عقائد اور اللہ کے سوا دوسروں کے ساتھ لو لگانے سے پاک کرتا ہے نفوس کو رذیل خصائل سے طاہر بناتا ہے اور اجسام کو نجاستوں گندگیوں اور برے اعمال سے صاف کرتا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِیْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ
کیا جس وقت پہنچی تم کو ایک تکلیف کہ تم پہنچا چکے ہو اُس سے دو
مِّثْلَیْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ
چند تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی

ربط: پہلے سے احد کا قصہ چلا آتا تھا، درمیان میں جو کوتاہی ہوئی تھی اس کے عفو کا ذکر ہوا اور اسی کی مناسبت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و حقوق یاد دلائے گئے۔

مسلمانوں کو تنبیہ:

اب پھر احد کے قصہ کی طرف عود کیا جاتا ہے یعنی جنگ احد میں جو تکلیف اور نقصان اٹھانا پڑا کیا اس پر تم تعجب سے کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں آ گئی، ہم تو مسلمان مجاہد تھے جو خدا کے راستہ میں اس کے دشمنوں سے لڑنے نکلے تھے۔ خدا تعالیٰ پیغمبر کی زبانی نصرت و امداد کا وعدہ فرما چکا تھا، پھر یہ مصیبت ہم پر کیونکر اور کدھر سے نازل ہوئی۔ ایسا کہتے وقت سوچنا چاہیئے کہ جس قدر تکلیف تم کو پہنچی اس سے تو دو چند تکلیف ان کو تم سے پہنچ چکی ہے احد میں تمہارے تقریباً ستر آدمی شہید ہوئے بدر میں ان کے ستر مارے جا چکے اور ستر تمہارے ہاتھ قید ہوئے جن پر تم کو پورا قابو حاصل تھا، چاہتے تو قتل کر ڈالتے۔ پھر احد میں بھی ابتداء ان کے بیس سے زائد قتل ہو چکے ہیں۔ اگر تھوڑی دیر کے لئے تم کو ہزیمت ہوئی تو "بدر" میں ان کو تباہ کن ہزیمت مل چکی اور احد میں بھی جب تم جم کر لڑے وہ منہزم ہوئے۔ پھر آخر میں میدان چھوڑ کر چلے گئے۔ ایسی صورت میں انصافاً تم کو اپنی تکلیف کا شکوہ کرنے اور زیادہ بددل ہونے کا موقع نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

امام احمد، بخاری، مسلم اور نسائی نے حضرت براءؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن مشرکوں نے ہمارے ستر آدمی مارے اور بدر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ نے ایک سو چالیس مشرکوں پر مصیبت ڈالی۔ ستر کو قتل کیا اور ستر کو قید۔ میں کہتا ہوں قیدی کو بھی اللہ نے مقتول کے حکم میں قرار دیا کیونکہ مسلمان ان کو قتل کر سکتے تھے اور ان کو قتل کر ڈالنے کی ہی اللہ کی مرضی تھی۔ فدیہ لے کر قتل نہ کرنا (اور رہا کر دینا) تو مسلمانوں کی اپنی رائے سے ہوا (جو اللہ کی مرضی کے خلاف ہوا)

اسرار و معارف:

اَوَلَمَّا کا تعلق قُلْتُمْ سے ہے۔ اَنّٰى هٰذَا یعنی تعجب سے تم نے کہا کہ یہ شکست اور قتل کی مصیبت ہم پر کہاں سے پڑی ہم تو مسلمان ہیں اور اللہ کا رسولؐ ہم میں موجود ہے۔ اولما میں ہمزہ استفہام انکاری کے لئے ہے یعنی تم کو ایسا کہنا نہ چاہیئے تھا۔ اس جملے کا عطف یا آیت (لَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ) پر ہے یعنی اللہ نے جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ پورا کیا اور تم کہتے ہو کہ یہ مصیبت کہاں سے آ گئی یا (اسْتَزَلَّهُمُ الشَّیْطٰنُ) پر

عطف ہے یا لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ پر عطف ہے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا موجود ہونا تو تم پر اللہ کا احسان ہے اور تم مصیبت کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کرتے اور کہتے ہو کہ ان کی وجہ سے یہ مصیبت آئی۔

یا محذوف جملہ پر عطف ہے کلام اس طرح تھا کہ اللہ نے تم سے فتح کا وعدہ صبر رکھنے اور تقویٰ اختیار کرنے کی شرط پر کیا تھا تم نے صبر نہیں کیا اور مصیبت پڑی تو کہنے لگے یہ کدھر سے آ گئی۔ یا اس طرح کلام تھا کہ تم نے باہمی اختلاف رائے کیا اور رسول کی نافرمانی کی اور بزدل بن گئے اور جب مصیبت پڑی تو ایسی بات کہنے لگے۔ وغیرہ ﴿تفسیر مظہری﴾

قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ
تو کہہ دے یہ تکلیف تم کو پہنچی تمہاری ہی طرف سے

اگر غور کرو تو تم خود ہی اس مصیبت کا سبب بنے ہو۔ تم نے جوش میں آ کر پیغمبر کی اور بہت سے تجربہ کاروں کی رائے قبول نہ کی، اپنی پسند اور اختیار سے مدینہ کے باہر محاذ جنگ قائم کیا، پھر باوجود نہی شدید کے تیر اندازوں نے اہم مورچہ چھوڑ کر مرکز خالی کر دیا اور ایک سال پہلے جب اساریٰ بدر کے متعلق تم کو اختیار دیا گیا تھا کہ یا انہیں قتل کر دو یا فدیہ لے چھوڑ دو، اس شرط پر کہ آئندہ اتنے ہی آدمی تم سے لئے جائیں گے تو تم نے فدیہ کی صورت اختیار کی اور شرط کو قبول کر لیا۔ اب وہ ہی شرط پوری کرائی گئی تو تعجب و انکار کا کیا موقع ہے یہ چیز تو خود اپنی طرف سے تم قبول کر چکے تھے (اساریٰ بدر کا پورا قصہ سورۂ انفال میں آئے گا) ﴿تفسیر عثمانی﴾

بدر کے قیدیوں کا فدیہ:

بعض علماء نے کہا کہ (مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ) سے مراد یہ کہ تم نے بدر کے قیدیوں کا فدیہ لینا پسند کیا اور یہ تمہارا ذاتی فعل تھا اس سے یہ مصیبت پڑی۔ ابن ابی حاتم نے حضرت عمر بن خطابؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن مسلمانوں کو اس حرکت کی سزا دی گئی جو انہوں بدر کے دن کی تھی کہ قیدیوں کا فدیہ لے لیا تھا (ستر کو فدیہ لے کر رہا کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ احد کے دن ستر مسلمان مارے گئے اور صحابہؓ کو شکست ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اگلا دانت شہید ہو گیا اور سر مبارک پر خود ٹوٹ (کرگر) گیا اور چہرہ مبارک پر خون بہنے لگا اور اللہ نے آیت اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ ...... الخ نازل فرمائی۔

بغوی نے حضرت علیؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جبرئیلؑ نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا آپ کی قوم کی یہ حرکت اللہ کو ناپسند ہوئی کہ قیدیوں کا معاوضہ لے لیا حالانکہ اللہ نے آپ کو یہ حکم دیا تھا کہ آپ ان کو دو باتوں میں سے ایک بات پسند کر لینے کا اختیار دیدیں یا تو وہ آگے بڑھ کر قیدیوں کی گردنیں ماردیں یا فدیہ لے کر چھوڑ دیں مگر اس صورت میں ان قیدیوں کی تعداد کے برابر مسلمانوں کا شہید ہونا لازم ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا تذکرہ مسلمانوں سے کیا انہوں نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یہ ہمارے قبیلہ والے ہیں، بھائی بند ہیں ہم ان سے فدیہ لے لینگے اور اس مال سے دشمن کے مقابلہ کے لئے طاقت فراہم کر لینگے ہم میں سے ان کی تعداد کے برابر شہید ہو جائیں گے تو ہو جائیں (ہم اس پر راضی ہیں) چنانچہ احد کے دن بدر کے قیدیوں کی تعداد کے برابر ستر مسلمان شہید ہوگئے آیت (هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ) کا یہی مطلب ہے۔

شہدائے اُحد کی تفصیل:

سعیدؒ بن منصور نے ابوالضحیٰ کی روایت سے مرسلاً نقل کیا کہ احد کے دن ستر شہید ہوئے چار مہاجر حضرت حمزہؓ، حضرت مصعب بن عمیرؓ، حضرت عبداللہ بن جحشؓ، حضرت شماسؓ بن عثمان اور باقی (۶۶) انصاری لیکن ابن حبان اور حاکم نے حضرت ابی بن کعبؓ کا قول نقل کیا ہے کہ احد کے دن ۶۴ انصاری اور چھ مہاجر شہید ہوئے (چار تو وہی تھے جن کا ذکر ابوالضحیٰ کی روایت میں آ چکا ہے اور) بقول حافظ پانچویں مہاجر شہید حضرت حاطب بن بلتعہ کے آزاد کردہ غلام سعد تھے اور چھٹے ثقیف بن عمرو اسلمی تھے بخاری نے قتادہ کا قول نقل کیا ہے کہ انصار سے زیادہ شہداء عرب کے کسی قبیلہ کے ہم کو معلوم نہیں ہم سے حضرت انسؓ نے فرمایا تھا کہ احد کے دن ستر انصاری شہید ہوئے اور بیر معونہ کے دن ستر اور جنگ یمامہ میں ستر۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَآ
بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو کچھ تم کو پیش آیا اُس دن کہ ملیں
اَصَابَكُمْ یَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ
دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور اس واسطے کہ معلوم کرے
وَلِیَعْلَمَ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ نَافَقُوْا
ایمان والوں کو اور تاکہ معلوم کرے اُن کو جو منافق تھے

احد کی صورت حال میں اللہ کی حکمت:

جس کو جب چاہے غالب اور جب چاہے مغلوب کر دے۔ مغلوب

کرنا اس لئے نہیں کہ وہ اس وقت غالب کرنے پر قادر نہ تھا، بلکہ اس لئے ہے کہ تمہارے کسب و اختیار سے صورت حال ایسی پیدا ہوگئی کہ کلی غلبہ عطا کرنے میں مصلحت نہ تھی بہر حال جو کچھ ہوا اس کے حکم و مشیت سے ہوا جس کا سبب تم تھے اور حکمت یہ تھی کہ ایک طرف ہر مومن مخلص کے ایمان و اخلاص کا اور دوسری جانب ہر منافق کے نفاق کا درجہ ظاہر ہو جائے، کھرے کھوٹے اور کچے پکے میں کسی کو کچھ التباس نہ رہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ
اور کہا گیا اُن کو کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں
اللّٰهِ أَوِ ادْفَعُوا
یا دفع کرو دشمن کو

منافقین پر اتمام حجت:

جنگ شروع ہونے سے پہلے جب رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی تین سو آدمیوں کو ساتھ لے کر واپس جانے لگا، اس وقت کہا گیا تھا کہ عین موقع پر کہاں بھاگتے ہو، آؤ اگر دعوائے اسلام میں سچے ہو تو اللہ کی راہ میں لڑو۔ ورنہ کم از کم دشمن کو دفع کرنے میں حصہ لو یعنی مجمع میں شریک رہو تا کثرت تعداد کا اثر دشمن پر پڑے، یا یہ کہ خدا کی راہ میں دین کی خاطر نہیں لڑتے تو حمیت وطنی و قومی یا اپنے اموال و اولاد کی حفاظت کے لئے دشمن کی مدافعت کرو۔ کیونکہ دشمن اگر کامیاب ہوا تو انتقام لینے میں مومنین و منافقین کی تمیز نہ کرے گا۔ عام مسلمانوں کی طرح تم بھی نقصان اٹھاؤ گے، غرض ان پر ہر طرح ان کے مذاق کے موافق اتمام حجت کیا گیا۔ تا جو کچھ دلوں میں ہے علانیہ ظاہر ہو جائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ
بولے اگر ہم کو معلوم ہو لڑائی تو البتہ تمہارے ساتھ رہیں

منافقین کا عذر لنگ:

یعنی لڑائی ہوتی نظر نہیں آتی، خواہ مخواہ کا ڈھونگ ہے اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی ہونے والی ہے تو ضرور تمہارے ساتھ چلتے، جب لڑائی دیکھیں گے، شامل ہو جائیں گے یا یہ مطلب تھا کہ کوئی ڈھنگ کا مقابلہ ہوتا تو ساتھ رہتے۔ بھلا یہ کوئی مقابلہ ہے کہ ایک طرف تین ہزار کا لشکر اور دوسری طرف صرف ایک ہزار بے سرو سامان آدمی۔ یہ لڑائی کیا ہے کہ محض اپنے کو ہلاکت میں ڈالنا ہے۔ یا (لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا) سے یہ ظاہر کرتے تھے کہ صاحب! ہم فنون جنگ اور لڑائی کے قاعدوں سے واقف ہوتے تو آپ کے ساتھ رہتے گویا دل میں طعن دیا کہ ہمارے مشورہ پر چلے نہیں اور وں کی رائے پر عمل کیا۔ تو ہم کو لڑائی کے قاعدوں سے ناواقف سمجھے اور آپ واقف بنے، پھر ہمیں ساتھ کیوں لیتے ہو؟ بہر حال جھوٹے حیلے حوالے کر کے چلے گئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ
وہ لوگ اُس دن کفر کے قریب ہیں بہ نسبت
لِلْإِيمَانِ
ایمان کے

حقیقت حال:

منافقین دل سے کافر اور زبان سے ایمان کا اظہار کرتے تھے اور اسی زبانی اسلام کی بناء پر مسلمانوں میں ملے جلے رہتے تھے۔ اس روز عین موقع پر پیغمبرؐ اور مسلمانوں کو چھوڑ کر چلے جانے اور جھوٹے حیلے تراشنے سے اچھی طرح نفاق کی قلعی کھل گئی اب ظاہر میں بھی بہ نسبت ایمان کے کفر سے زیادہ قریب ہو گئے اور اپنے فعل سے مسلمانوں کو نقصان اور کافروں کو تقویت پہنچائی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

یعنی منافق ایمان و کفر کے درمیان چکر میں تھے جیسے اجنبی بکری دو گلوں کے درمیان ہوتی ہے اگر اسلام میں ان کو کچھ دنیوی فائدہ مل گیا تو اطمینان سے رہے اور اگر کچھ دکھ پڑ گیا تو کفر کی طرف پلٹ گئے۔ جنگ احد میں مصیبت آ پڑی تھی اور یہ آزمائش تھی پس منافق اس روز کفر سے زیادہ قریب ہو گئے یہی پہلا دن تھا جس میں ان کا کفر اور نفاق ظاہر ہوا۔ یا یہ مطلب ہے کہ بہ نسبت اہل ایمان کے کافروں سے انکی مدد زیادہ قریب تھی کیونکہ مسلمانوں سے ان کا بچھڑ جانا اور مندرجہ بالا الفاظ کہنا اہل شرک کی قوت اور مسلمانوں کے ضعف کا باعث ہوا۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِم مَّا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ
کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں انکے دل میں
وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿١٦٧﴾
اور اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ چھپاتے ہیں

یعنی زبان سے (لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنٰكُمْ) کہتے ہیں اور جو دل میں ہے صاف نہیں کہتے۔ دل میں یہ تھا کہ اچھا ہے مسلمان مغلوب و ذلیل ہوں اور ہم خوشی سے بغلیں بجائیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اَلَّذِیْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا

وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کو اور آپ بیٹھ رہے ہیں اگر وہ

مَا قُتِلُوْا ط

ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے

یعنی خود نامرد بن کر بیٹھ رہے اور اپنی برادری کے بھائیوں (انصار مدینہ) کو کہتے ہیں کہ ہماری بات مان کر گھر میں بیٹھے رہتے تو مارے نہ جاتے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ

تو کہہ دے اب ہٹا دیجو اپنے اوپر سے موت

كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۶۸﴾

کو اگر تم سچے ہو

عزت کی موت:

یعنی اگر گھر میں بیٹھ رہنے سے جان بچ سکتی ہے تو دیکھیں موت کو گھر میں کس طرح نہ آنے دینگے۔ اگر یہاں رہ کر بھی موت پیچھا نہیں چھوڑتی تو پھر بہادروں کی طرح میدان میں عزت کی موت کیوں نہ مریں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

سیرۃ محمد بن اسحاق میں ہے کہ ایک ہزار آدمی لے کر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میدان احد کی جانب بڑھے آدھے راستے میں عبداللہ بن ابی ابن سلول بگڑ بیٹھا اور کہنے لگا اوروں کی مان لی اور مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور میری نہ مانی۔ خدا کی قسم ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس فائدہ کو مدنظر رکھ کر اپنی جانیں دیں؟ لوگو کیوں جانیں کھو رہے ہو۔ جس قدر نفاق اور شک وشبہ والے لوگ تھے اس کی آواز پر لگ گئے اور تہائی لشکر لے کر یہ پلید واپس لوٹ گیا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ

اور تو نہ سمجھ اُن لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں

اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾

مردے بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس

فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ

کھاتے پیتے خوشی کرتے ہیں اس پر جو دیا اُن کو اللہ نے اپنے فضل سے

وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ

اور خوش وقت ہوتے ہیں اُن کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے

مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ

اُن کے پاس اُن کے پیچھے سے اس واسطے کہ نہ ڈر ہے

يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ

اُن پر اور نہ اُن کو غم خوش وقت ہوتے ہیں

اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ

اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

مزدوری ایمان والوں کی

شہادت کی موت:

یعنی گھر میں بیٹھ رہنے سے موت تو رک نہیں سکتی، ہاں آدمی اس موت سے محروم رہتا ہے۔ جس کو موت کے بجائے حیات جاودانی کہنا چاہیئے۔ شہیدوں کو مرنے کے بعد ایک خاص طرح کی زندگی ملتی ہے جو اور مردوں کو نہیں ملتی، ان کو حق تعالیٰ کا ممتاز قرب حاصل ہوتا ہے۔ بڑے عالی درجات ومقامات پر فائز ہوتے ہیں۔ جنت کا رزق آزادی سے پہنچتا ہے جس طرح ہم اعلیٰ درجہ کے ہوائی جہازوں میں بیٹھ کر ذرا سی دیر میں جہاں چاہیں اڑے چلے جاتے ہیں، شہداء کی ارواح "حواصل طیور خضر" میں داخل ہو کر جنت کی سیر کرتی ہیں۔ ان "طیور خضر" کی کیفیت کو اللہ ہی جانے، وہاں کی چیزیں ہمارے احاطۂ خیال میں کہاں آسکتی ہیں۔ اس وقت شہداء بے حد مسرور و مبتہج ہوتے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے دولت شہادت عنایت فرمائی، اپنی عظیم نعمتوں سے نوازا اور اپنے فضل سے ہر آن مزید انعامات کا سلسلہ قائم کر دیا، جو وعدے شہیدوں کے لئے پیغمبر کی زبانی کئے گئے تھے انہیں آنکھوں سے مشاہدہ کر کے بے انتہا خوش ہوتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کی محنت ضائع نہیں کرتا بلکہ خیال اور گمان سے بڑھ کر

بدلہ دیتا ہے۔ نہ صرف یہ کہ اپنی حالت پر شاداں و فرحاں ہوتے ہیں۔ بلکہ اپنے ان مسلمان بھائیوں کا تصور کر کے بھی انہیں ایک خاص خوشی حاصل ہوتی ہے جن کو اپنے پیچھے جہاد فی سبیل اللہ اور دوسرے امور خیر میں مشغول چھوڑ آئے ہیں کہ وہ بھی اگر ہماری طرح اللہ کی راہ میں مارے گئے یا کم از کم ایمان پر مرے تو اپنی اپنی حیثیت کے موافق ایسی ہی پر لطف اور بے خوف زندگی کے مزے لوٹیں گے۔ نہ انکو اپنے آگے کا ڈر ہوگا نہ پیچھے کا غم، مامون و مطمئن سیدھے خدا کی رحمت میں داخل ہو جائینگے۔

شہدا کی عجیب تمنا:

بعض روایات میں ہے کہ شہدائے احد یا شہدائے بیر معونہ نے خدا کے ہاں پہنچ کر تمنا کی تھی کہ کاش ہمارے اس عیش و تنعم کی خبر کوئی ہمارے بھائیوں کو پہنچا دے تا کہ وہ بھی اس زندگی کی طرف جھپٹیں اور جہاد سے جان نہ چرائیں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ میں پہنچا تا ہوں۔ اس پر یہ آیات نازل کیں اور ان کو مطلع کر دیا گیا کہ ہم نے تمہاری تمنا کے موافق خبر پہنچا دی اس پر وہ اور زیادہ خوش ہوئے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مؤمن کی روح:

مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتی پھرتی ہے یہاں تک کہ قیامت کے دن جب کہ اللہ تعالیٰ سب کو کھڑا کرے تو اسے بھی اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا۔ اس حدیث کے راویوں میں تین جلیل القدر امام ہیں جو ان چار اماموں میں سے ہیں جن کے مذاہب مانے جارہے ہیں۔ ﴿ابن کثیر﴾

حضرت جابرؓ کے والد:

ابو بکر ابن مردویہ میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور فرمانے لگے جابرؓ کیا بات ہے کہ تم مجھے غمگین نظر آتے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد شہید ہو گئے جن پر بار قرض بہت ہے اور میرے بہن بھائی بہت ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن! میں تجھے بتاؤں، جس کسی سے خدا نے کلام کیا پردے کے پیچھے سے کلام کیا لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے بات چیت کی، فرمایا مجھ سے مانگ، جو مانگے گا دوں گا۔ تیرے باپ نے کہا خدا یا میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں دوبارہ بھیجے اور میں تیری راہ میں دوسری مرتبہ شہید ہو جاؤں۔ رب عز وجل نے فرمایا، یہ بات تو میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ کوئی لوٹ کر دوبارہ دنیا میں نہیں جائے گا۔ کہنے لگے پھر خدایا میرے بعد والوں کو ان مراتب کی خبر پہنچا دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت (وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ قُتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا) نازل فرمائی۔ بیہقی میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت عبداللہؓ نے فرمایا میں تو خدایا تیری عبادت کا حق ادا نہیں کر سکا۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

(بَلْ اَحْیَآءٌ) ...... بلکہ وہ زندہ ہیں۔ ابوالعالیہ نے اس فقرہ کی تشریح میں کہا کہ وہ سبز پرندوں کی شکلوں پر ہیں۔ جنت کے اندر جہاں چاہتے ہیں اڑتے ہیں۔ رواہ ابو حاتم۔ بغوی نے لکھا ہے کہ روز قیامت تک ہر رات عرش کے نیچے انکی روحیں رکوع اور سجدے کرتی رہینگی۔

نصف صدی بعد شہداء کی تر و تازہ حالت:

بیہقی نے اپنی سندوں سے اور ابن سعد و بیہقی نے دوسرے طریقوں سے اور محمد بن عمرو نے اپنے مشائخ کی سند سے نقل کیا ہے کہ حضرت جابرؓ نے فرمایا جب معاویہؓ نے چشمہ (نہر) جاری کرایا تو ہم اپنے شہداء احد کے مزاروں پر چیختے ہوئے پہنچے اور ان کو باہر نکالا تو دیکھا وہ تر و تازہ ہیں اور ان کے ہاتھوں اور پاؤں میں (زندوں کی طرح) لچک ہے محمد بن عمرو کے مشائخ کا بیان ہے کہ لوگوں نے حضرت جابرؓ کے والد کو ایسی حالت میں پایا کہ ان کا ہاتھ اپنے زخم پر رکھا ہوا تھا۔ جب ہاتھ زخم سے الگ کیا گیا تو خون ابلنے لگا مجبوراً ہاتھ کو پھر اسی جگہ لوٹا دیا گیا تو خون ختم ہو گیا۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے میں نے اپنے باپ کو قبر کے اندر دیکھا معلوم ہوتا تھا کہ سو رہے ہیں اور جس دھاریدار کمبلی کا ان کو کفن دیا گیا تھا وہ بھی ویسی ہی تھی۔ حالانکہ اس کو چھیالیس برس ہو چکے تھے۔ ان شہداء میں ایک شخص کی ٹانگ میں (زمین کھودتے وقت) پھاوڑہ لگ گیا تو اس سے خون ابل پڑا مشائخ نے کہا یہ حضرت حمزہؓ تھے۔ حضرت ابو سعیدؓ خدری نے فرمایا اس کے بعد کوئی منکر (حیات شہداء کا) انکار نہیں کر سکتا۔ لوگ (ان مزاروں کی) مٹی کھودتے تھے جب تھوڑی سی ہی مٹی کھودتے تھے تو مشک کی خوشبو مہکنے لگتی تھی۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

حیاتِ شہداء:

بغوی نے حضرت عبید بن عمیر کا بیان نقل کیا ہے کہ احد سے واپسی کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر حضرت مصعبؓ بن عمیر (شہید احد) کی طرف سے ہوا مصعبؓ شہید ہو چکے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس کھڑے ہو گئے اور ان کے لئے دعا کی پھر یہ آیت پڑھی (مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَیْهِ فَمِنْهُمْ مَّنْ) پھر فرمایا میں

شہادت دیتا ہوں کہ قیامت کے دن یہ سب اللہ کے نزدیک شہید ہونگے۔ متنبہ ہو جاؤ تم ان کے پاس آیا کرو ان کی زیارت کیا کرو اور ان کو سلام کہا کرو۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے قیامت تک جو کوئی ان کو سلام کرے گا وہ ضرور اس کے سلام کا جواب دیں گے۔

حاکم اور بیہقی کی روایت میں ہے کہ اس کے بعد ارشاد فرمایا میں نے تجھے مکہ میں دیکھا تھا کہ تجھ سے زیادہ مکہ میں نہ کوئی خوش لباس تھا نہ حسین بالوں والا (یعنی نہ تجھ سے زیادہ خوش جمال اور آج اللہ کی راہ میں تیری یہ حالت ہوگئی کہ تجھے مثلہ کیا گیا)

سوال: کیا شہید کے مرتبہ کو کوئی اور پہنچ سکتا ہے؟

جواب: ہاں پہنچ سکتا ہے شہداء کے فضائل جو کچھ بیان کئے گئے ہیں ان کا اقتضاء یہ نہیں کہ دوسرے وہاں تک نہ پہنچیں۔ ابوداؤد اور نسائی نے حضرت عبید بن خالدؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں میں بھائی چارہ کرادیا ان میں سے ایک راہ خدا میں شہید ہو گیا۔ پھر تقریباً ایک جمعہ کے بعد دوسرا بھی مر گیا لوگوں نے اس کی نماز پڑھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے (نماز میں اس کے لئے) کیا کہا لوگوں نے عرض کیا ہم نے اللہ سے دعا کی کہ اللہ اس کی مغفرت فرمادے اس پر رحم کرے اور اس کو اس کے ساتھی تک پہنچا دے (یعنی اس کو بھی شہید کا درجہ مل جائے) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تو پھر اس کی نمازوں کے بعد اس کی نمازیں اور اس کے اعمال کے بعد والے اس کے اعمال یا فرمایا اس کے روزوں کے بعد والے اسکے روزے کہاں جائیں گے۔ ان دونوں کے درمیان (مرتبہ) کا فاصلہ تو اتنا ہے جتنا آسمان زمین کا (یعنی بعد کو مرنے والا پہلے شہید ہونے والے سے مرتبہ میں بہت اونچا ہے اس کی نمازیں اور روزے اس سے زائد ہیں) انبیاء شہداء صدیقین اور مومنین کے مقامات کا بیان ہم نے سورہ المطففین میں کیا ہے۔ اور حیٰوۃ شہداء کا مسئلہ سورہ بقرہ کی آیت (وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ) کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کردیا ہے۔ (تفسیر مظہری)

شہداء کا قرب:

عِنْدَ رَبِّهِمْ۔ اپنے رب کے پاس یعنی اللہ کے قرب میں جو بلا کیف ہے (جسمانی اور مکانی نہیں انضمامی ادغامی اور کسبی نہیں ان سب سے الگ ایک ایسا قرب ہے جس کی کیفیت بیان نہیں کی جاسکتی نہ سمجھی جا سکتی ہے یعنی قرب اعزازی ہے)

شیخ شہید نے فرمایا جو میرے شیخ و امام تھے (غالباً حضرت مولف قدس سرہ کی شیخ شہید سے مراد حضرت مرزا مظہر جانؒ جاناں کی ذات مبارک ہے) کہ شہداء پر تجلیات ذاتیہ کی بارش کو کشف کی آنکھوں سے دیکھا جاتا ہے کیونکہ ان لوگوں نے اللہ کی راہ میں اپنی جانیں دیدیں اور اللہ نے فرمایا ہے: (وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ) پس ان لوگوں نے اپنے لئے اپنی ذاتیں (ہستیاں) خرچ کردیں لہٰذا اللہ بھی ان کو خالص تجلیات ذاتیہ عطا فرمائے گا۔

شہداء کی خواہش:

عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ شہیدوں کی روحیں سبز پرندوں کی طرح ہوتی ہیں (بہر حال) ان پرندوں کے لئے سونے کی قندیلین (پنجرے) عرش سے آویزاں ہیں وہ جنت میں جہاں چاہتی ہیں سیر کرتی ہیں۔ پھر لوٹ کر قندیلوں میں آجاتی ہیں۔ اللہ ان کو ایک بار جھانکتا ہے اور فرماتا ہے کیا تم کچھ چاہتے ہو ایسا (روزانہ) تین بار کرتا ہے دوسری روایت میں آیا ہے کہ اللہ فرماتا ہے مجھ سے مانگو جو کچھ چاہو وہ جواب دیتے ہیں، اے رب! ہم کیا مانگیں جس جنت میں ہم چاہتے ہیں سیر کرتے ہیں جب وہ دیکھتے ہیں کہ بغیر مانگے ان کو نہیں چھوڑا جاتا تو عرض کرتے ہیں کہ ہماری روحوں کو ہمارے جسموں کے اندر دوبارہ لوٹا دیا جائے تاکہ ہم ایک بار اور تیرے راستے میں جہاد کریں (اللہ فرماتا ہے میں لکھ چکا ہوں کہ دوبارہ دنیا میں لوٹنا نہیں ہوگا) آخر جب اللہ دیکھتا ہے کہ ان کی کوئی ضرورت (باقی) نہیں تو ان کو (ان کی حالت پر) چھوڑ دیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا شہداء کو خوش کرنا:

(وَيَسْتَبْشِرُوْنَ) ...... اور وہ بشارت پائیں گے یعنی مسرور و خوش ہوں گے کہ شہراہ پر زندہ بھائیوں کی طرف سے کچھ اندیشہ نہیں یعنی بھائیوں کے حقوق جو شہداء کے ذمہ رہ گئے تھے ان کا کوئی اندیشہ نہیں کیونکہ اللہ شہداء کی طرف سے اہل حقوق کو راضی کردے گا اور دعوے سے دست بردار کردے گا۔

میں کہتا ہوں یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ شہداء کے بھائی بند اور دوست جو مرتبہ میں شہداء کے درجہ کو نہیں پہنچے شہداء ان کے معاملہ میں بشارت پائیں گے اور خوش ہوں گے کہ ان کے بھائی بندوں کو بھی عذاب کا کچھ اندیشہ نہیں اور نہ ان کو رنج ہوگا کیونکہ اللہ نے شہداء کو اپنے بھائی بندوں کی شفاعت کرنے کا حق عطا فرمایا ہے۔

شہداء کی شفاعت:

ابوداؤد اور ابن حبان نے حضرت ابودرداء کا قول نقل کیا ہے کہ میں نے

خود سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے تھے شہید اپنے ستر گھر والوں کی شفاعت کرے گا۔ احمد اور طبرانی نے حضرت عبادہ بن صامتؓ کی روایت سے اور ترمذیؒ وابن ماجہؒ نے حضرت مقدام بن معد یکربؓ کی روایت سے بھی ایسی ہی حدیث نقل کی ہے۔ ابن ماجہؒ اور بیہقیؒ نے حضرت عثمان بن عفانؓ کی روایت سے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن انبیاء شفاعت کریں گے پھر علماء پھر شہداء۔ بزار نے بھی یہ حدیث لکھی ہے اور آخر میں اتنا زائد لکھا ہے، پھر مؤذن۔ میں کہتا ہوں حدیث میں جن علماء کو شفاعت میں شہداء پر سبقت عطاء فرمائی ہے شاید ان سے مراد وہ علماء راسخین ہیں جو حقیقت کے عالم ہیں۔ (تفسیر مظہری)

مجاہد فی سبیل اللہ کی فضیلت:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص راہ خدا میں جہاد کرے اور صرف جہاد فی سبیل اللہ (کا خیال) اور کلمۃ اللہ کی تصدیق ہی اس کے گھر سے نکلنے کا سبب ہو تو اللہ نے اس کے متعلق ذمہ لیا ہے کہ (اگر مر گیا تو) اس کو جنت میں داخل کرے گا یا اس گھر میں جس سے وہ نکلا ہے ثواب اور مال غنیمت کے ساتھ واپس لے آئے گا۔ قسم ہے اسکی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جو کوئی راہ خدا میں زخمی ہوگا اور اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ کون اس کی راہ میں زخم کھاتا ہے (اور کون نام آوری اور شہرے کے لئے زخمی ہوتا ہے) جب وہ قیامت کے دن (سامنے) آئے گا تو اس کے زخم سے خون ابلتا ہوگا جس کا رنگ تو خون کا ہوگا اور خوشبو مشک کی۔ (رواہ البغوی)

شہادت کی تکلیف کی مثال:

حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شہید قتل کا دکھ بس اتنا (اتنی دیر) پاتا ہے جتنا (یعنی جتنی دیر) تم چیونٹی کے کاٹنے سے پاتے ہو۔ (رواہ الدارمی والترمذی)

ستر حفاظ صحابہؓ کی شہادت کا سانحہ:

محمد بن اسحاق اور عبداللہ بن ابی نے حضرت انسؓ وغیرہ کی روایت کی بناء پر اس طرح بیان کی ہے کہ عامر بن مالک بن جعفر عامری جس کا لقب ملاعب الاسنہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور دو گھوڑے اور دو اونٹنیاں ہدیہ میں پیش کیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور فرمادیا میں مشرک کا ہدیہ قبول نہیں کروں گا۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میں تمہارا ہدیہ قبول کرلوں تو مسلمان ہو جاؤ۔ وہ مسلمان نہیں ہوا لیکن اسلام سے دور بھی نہیں گیا (یعنی نفرت کا اظہار بھی نہیں کیا) اور بولا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جس چیز کی تم دعوت دیتے ہو، وہ ہے تو اچھی خوبصورت پس اگر تم اپنے ساتھیوں میں سے کچھ لوگوں کو اہل نجد کے پاس (دعوت دینے کے لئے) بھیج دو تو مجھے امید ہے کہ وہ تمہاری دعوت کو قبول کر لیں گے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اہل نجد کی طرف سے اپنے آدمیوں کا خطرہ ہے۔ ابو براءؓ بولا میں ان کی پناہ کا ذمہ لیتا ہوں چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت منذر بن عمر ساعدی کو ستر منتخب انصاری صحابہؓ کا سردار بنا کر سب کو بھیج دیا، ان ستر آدمیوں کو قاری کہا جاتا تھا (یعنی یہ سب قاری اور عالم قرآن تھے) انہی میں حضرت ابو بکرؓ کے آزاد کردہ غلام حضرت عامر بن فہیرہ بھی تھے۔ یہ روانگی ماہ صفر ۴ھ میں ہوئی، غرض یہ لوگ چل دیئے اور بیر معونہ پہنچ کر پڑاؤ کیا، بیر معونہ کی زمین بنی عامر کی زمین اور بنی سلیم کے پتھریلے علاقہ کے درمیان واقع تھی یہاں پہنچ کر ان لوگوں نے حضرت حرامؓ بن ملحان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نامہ مبارک دے کر بنی عامر کے کچھ آدمیوں کے ساتھ عامر بن طفیل کے پاس بھیجا، حضرت حرامؓ نے پہنچ کر کہا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قاصد ہوں تمہارے پاس آیا ہوں شہادت دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے بندے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں لہٰذا تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آؤ، حضرت حرامؓ کی تبلیغ کے بعد ایک شخص نیزہ لے کر گھر کی جھونپڑی سے برآمد ہوا اور آتے ہی حضرت حرامؓ کے پہلو پر برچھا مارا جو دوسرے پہلو سے نکل گیا۔ حضرت حرامؓ فوراً بول اٹھے، اللہ اکبر، رب کعبہ کی قسم میں کامیاب ہو گیا اس کے بعد عامر بن طفیل نے بنی عامر کو ان صحابیوںؓ کے خلاف چیخ کر آواز دی بنی عامر نے اس کی بات قبول کرنے سے انکار کر دیا اور بولے ابو براء کی ذمہ داری کو نہ توڑو، عامر بن طفیل نے بنی سلیم کے قبائل عصیہ، رعل اور ذکوان کو پکارا انہوں نے آواز پر لبیک کہی اور نکل کر صحابہؓ پر چھا گئے اور فرودگاہ پر آکر سب کو گھیر لیا، صحابہؓ نے مقابلہ کیا یہاں تک کہ سب شہید ہو گئے، صرف کعبؓ بن زید بچ گئے اور وہ بھی اسی طرح کہ کافران کو مردہ سمجھ کر چھوڑ گئے تھے مگر ان میں کچھ سانس باقی تھے اس لئے زندہ رہے اور آخر خندق کی لڑائی میں مارے گئے۔ (تفسیر مظہری اردو جلد ۲)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر پہنچی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ تک صبح کی نماز میں دعائے قنوت پڑھی جس میں کچھ قبائل عرب یعنی رعل ذکوان عصیہ اور بنی لحیان کیلئے بد دعا کی۔

مسئلہ: اجماع علماء ہے کہ شہید کو غسل نہ دیا جائے کیونکہ احد کے شہداء کو غسل نہیں دیا گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ان کے ہتھیار اور چمڑے (کا سامان) تو اتار لئے جائیں باقی خون اور کپڑوں سمیت دفن کر دیا جائے۔ رواہ ابوداؤد وابن ماجہ عن ابن عباس۔

نسائی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت عبداللہ بن ثعلبہؓ کی روایت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا ہے کہ ان کو خون سمیت چھپا دو کیونکہ اللہ کی راہ میں جو شخص زخمی ہوگا وہ قیامت کے دن خون سمیت آئے گا۔ اس کے خون کا رنگ تو خون کا سا ہوگا اور اسکی خوشبو مشک ہوگی۔ اسی مبحث کی ایک حدیث حضرت جابرؓ کی روایت سے آئی ہے کہ ایک آدمی کے سینہ میں تیر لگا جس سے اس کی موت ہوگئی اس کو انہی کپڑوں میں اور اسی طرح لپیٹ دیا گیا (اور دفن کر دیا گیا) اور ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہم رکاب تھے۔ رواہ ابوداؤد باسناد علی شرط مسلم۔

مسئلہ: اگر جنابت کی حالت میں کوئی شہید ہو جائے تو کیا غسل دیا جائے؟

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حضرت حنظلہؓ بن ابی عامر کا قصہ ماخذ استدلال ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا تھا۔ میں نے دیکھا کہ فرشتے حنظلہؓ بن ابی عامر کو آسمان وزمین کے درمیان سفید ابر کے پانی سے چاندی کے برتنوں میں غسل دے رہے تھے ابواسید ساعدی کا بیان ہے ہم نے جا کر حنظلہؓ کی نعش کو دیکھا تو ان کے سر سے پانی ٹپک رہا تھا میں نے واپس آکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی اطلاع دی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی بیوی کے پاس دریافت حال کے لئے آدمی بھیجا بیوی نے کہا وہ جنابت کی حالت میں باہر گئے تھے۔ حنظلہؓ کی اولاد کو اسی لئے غسیل الملائکہ (فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے) کی اولاد کہا جاتا ہے۔

سید الشہداء:

حضرت جابرؓ کی حدیث میں آیا ہے کہ جب لوگ لڑائی سے (واپس) آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حمزہؓ کو نہ پایا۔ ایک شخص کا بیان ہے کہ میں نے اس درخت کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا جب حمزہؓ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر پڑی اور ان کو مثلہ کئے ہوئے دیکھا تو چیخ پڑے اور رو دیئے۔ ایک انصاری نے اٹھ کر حضرت حمزہؓ پر چادر ڈال دی پھر میت کو لایا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی نماز پڑھی۔ پھر دوسرے شہید کو لا کر حمزہؓ کے برابر رکھ دیا گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی نماز پڑھی پھر دوسرے شہداء کو اٹھایا جانے لگا لیکن حمزہؓ (وہیں) چھوڑ دیا گیا آخر تمام شہداء کی نماز حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھی اور فرمایا قیامت کے دن اللہ کے نزدیک حمزہؓ سید الشہداء ہوں گے۔

اس حدیث کو حاکم نے نقل کر کے صحیح الاسناد کہا ہے مگر اس کی سند میں ایک شخص مفضل بن صدقہ ہیں کہ عطاء بن مسلم اس کو ثقہ جانتے تھے۔ بہر حال یہ حدیث حسن کے درجے سے گری ہوئی نہیں ہے۔ ستر آدمیوں کی نمازیں پڑھیں اور ہر ایک کی نماز میں حمزہؓ کی میت شامل تھی۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ
جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے
اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ
کہ پہنچ چکے تھے اُن کو زخم جو اُن میں نیک ہیں
وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ
اور پرہیزگار اُن کو ثواب بڑا ہے جن کو کہا
النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ
لوگوں نے کہ مکہ والے آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کو سو
فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ
تم اُن سے ڈرو تو اور زیادہ ہوا اُن کا ایمان اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا
الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾
خوب کارساز ہے

ابوسفیان جب احد سے مکہ کو واپس گیا تو راستہ میں خیال آیا کہ ہم نے بڑی غلطی کی، کہ ہزیمت یافتہ اور زخم خوردہ مسلمانوں کو یونہی چھوڑ کر چلے آئے۔ مشورے ہونے لگے کہ پھر مدینہ واپس چل کر ان کا قصہ تمام کر دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو اعلان فرما دیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمان مجاہدین باوجودیکہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے، اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پکار پر نکل پڑے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان مجاہدین کی جمعیت لے کر مقام حمراء الاسد تک (جو مدینہ سے آٹھ میل ہے) پہنچے۔ ابوسفیان کے دل میں یہ سن کر کہ مسلمان اس کے تعاقب میں چلے آرہے ہیں، سخت رعب و دہشت طاری ہوگئی، دوبارہ حملہ کا ارادہ فسخ

کر کے مکہ کی طرف بھاگا۔ عبدالقیس کا ایک تجارتی قافلہ مدینہ آ رہا تھا۔ ابو سفیان نے ان لوگوں کو کچھ دے کر آمادہ کیا کہ وہ مدینہ پہنچ کر ایسی خبریں شائع کریں جن کو سن کر مسلمان ہماری طرف سے مرعوب و خوفزدہ ہو جائیں، انہوں نے مدینہ پہنچ کر کہنا شروع کیا کہ مکہ والوں نے بڑا بھاری لشکر اور سامان مسلمانوں کے استیصال کی غرض سے تیار کیا ہے۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دلوں میں خوف کی جگہ جوش ایمان بڑھ گیا اور کفار کی جمعیت کا حال سن کر کہنے لگے'' (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) '' ساری دنیا کے مقابلہ میں اکیلا خدا ہم کو کافی ہے۔ اسی پر یہ آیات نازل ہوئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ جنگ احد تمام ہونے پر ابوسفیان نے اعلان کیا تھا کہ اگلے سال بدر پر پھر لڑائی ہے، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول کر لیا۔ جب اگلا سال آیا حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو حکم دیا کہ جہاد کے لئے چلو۔ اگر کوئی نہ جائے گا تب بھی اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم تنہا جائے گا۔ ادھر سے ابوسفیان جو فوج لے کر مکہ سے نکلا تھوڑی دور چل کر کمر ہمت ٹوٹ گئی۔ رعب چھا گیا، قحط سالی کا عذر کر کے چاہا کہ مکہ واپس جائے، مگر صورت ایسی ہو کہ الزام مسلمانوں پر رہے۔ ایک شخص مدینہ جاتا تھا، اس کو کچھ دینا کیا کہ وہاں پہنچ کر اس طرف کی ایسی خبریں مشہور کرنا جن کو سن کر مسلمان خوف کھائیں، اور جنگ کو نہ نکلیں۔ وہ مدینہ پہنچ کر کہنے لگا کہ مکہ والوں نے بڑی بھاری جمعیت اکٹھی کی ہے، تم کو لڑنا بہتر نہیں۔ مسلمانوں کو حق تعالیٰ نے استقلال دیا۔ انہوں نے یہ ہی کہا کہ ہم کو اللہ کافی ہے۔ آخر مسلمان حسب وعدہ بدر پہنچے، وہاں بڑا بازار لگتا تھا، تین روز رہ کر تجارت کر کے خوب نفع کما کر مدینہ واپس آئے اس غزوہ کو بدر صغریٰ کہتے ہیں۔ اس وقت جن لوگوں نے رفاقت کی، اور تیار ہوئے ان کو یہ بشارت ہے کہ احد میں زخم کھا کر اور نقصان اٹھا کر پھر ایسی جرأت کی۔ مسلمانوں کی اس جرأت و مستعدی کی خبر سن کر مشرکین راستہ سے لوٹ گئے۔ چنانچہ مکہ والوں نے اس مہم کا نام ''جیش السویق'' رکھ دیا یعنی وہ لشکر جو محض ستو پینے گیا تھا، پی کر واپس آ گیا (تنبیہ) یہ جو فرمایا (لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا) محض ان کی مدح سرائی اور تنویہ شان کے لئے ہے ورنہ وہ سب کے سب ایسے ہی تھے۔ (تفسیر عثمانی)

غزوۂ حمراء الاسد

مشرکین کا مشورہ:

فریابی، نسائی اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ جب مشرک احد سے واپس چلے گئے تو آپس میں کہنے لگے تم نے بڑی غلطی کی نہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کر سکے نہ نوجوان عورتوں کو (لوٹ کر) اپنی پشت کے پیچھے سوار کر کے لائے۔ اب لوٹ پڑو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بات سنی تو مسلمانوں کو بلوایا سب نے دعوت پر لبیک کہی (اور حاضر ہو گئے) الخ

صفوان بن امیہ کی رائے:

محمد بن عمرؓ کی روایت ہے کہ جب سنیچر کے دن ۱۵ تاریخ کو احد سے لوٹے تو دشمن کے لوٹ پڑنے کے اندیشہ سے خزرج اور اوس کے سرداروں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر ہی رات گزار دی۔ ۱۶ تاریخ اتوار کے دن کی فجر نکلی تو بلالؓ نے اذان دی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار کرنے لگے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برآمد ہوئے تو ایک مزنی شخص نے اطلاع دی کہ مشرک جب روحا پر پہنچے تو ابوسفیان نے کہا (مدینہ کو) لوٹ چلو تاکہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ہم ان کا جڑ سے صفایا کر دیں۔ صفوان بن امیہ نے انکار کر دیا اور کہنے لگا لوگو ایسا نہ کرو وہ لوگ شکست کھا چکے ہیں اب مجھے اندیشہ ہے کہ خزرج کے جو لوگ رہ گئے تھے وہ تمہارے خلاف جمع ہو جائیں گے۔ اگر لوٹ کر جاؤ گے تو مجھے خطرہ ہے کہ کہیں تمہاری فتح شکست سے نہ بدل جائے لہٰذا (مکہ کو ہی) واپس چلو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صفوان سیدھے راستہ پر تو نہیں ہے مگر اس رائے میں وہ سب سے زیادہ صائب تھا۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان لوگوں پر برسنے کیلئے تو (غیبی) پتھر نامزد کر دیئے گئے تھے اگر وہ لوٹ پڑتے تو گزرے ہوئے دن کی طرح گئے گزرے ہو جاتے (انکا نشان بھی باقی نہ رہتا)

مسلمانوں کو تعاقب کا حکم:

پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکرؓ و حضرت عمرؓ کو بلوالیا اور اس خبر کا تذکرہ ان سے کیا دونوں نے جواب دیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کا تعاقب کیجئے کہیں وہ ہمارے بال بچوں پر سر نہ اٹھائیں۔ اس شورہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا کہ منادی کر دو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دشمن کا تعاقب کرنے کا تم کو حکم دیتے ہیں لیکن ہمارے ساتھ آج وہی لوگ نکلیں جو کل لڑائی میں حاضر تھے۔

حضرت اُسید بن حضیر وغیرہ زخمی صحابہ:

اسید بن حضیر جن کے نو زخم لگے تھے اور وہ ان کا علاج کرنا چاہتے تھے اس نداء کو سن کر بولے بسر و چشم ہم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر حاضر ہیں۔ حضرت اسید زخموں کے علاج کی طرف مائل بھی نہ

ہوئے (اور حاضر ہوگئے) خاندان بنی سلمہؓ کے چالیس زخمی نکل کھڑے ہوئے۔ طفیلؓ بن نعمان کے ۱۳ زخم لگے تھے خراشؓ بن صمہ کو دس، کعب بن مالک کو کچھاو پر دس اور عطیہؓ بن عامر کو نو۔ غرض مسلمانوں نے اپنے زخموں کے علاج کی طرف توجہ بھی نہ کی اور دوڑ کر اسلحہ اٹھا لئے۔

عبداللہ بن اُبی کو جواب:

ابن عقبہؒ راوی ہیں کہ عبداللہ بن ابی نے عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہم رکاب چلوں فرمایا نہیں۔

حضرت جابرؓ کو اجازت ملنا:

ابن اسحاق اور محمد بن عمرؒ راوی کی روایت ہے کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہ نے حاضر ہو کر عرض کیا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپؐ کے منادی نے ندا کی ہے کہ صرف وہی لوگ ہمارے ساتھ آج نکل کر چلیں جو کل جنگ میں شریک تھے۔ میرا قصہ یہ کہ میں جنگ میں شریک ہونے کا بڑا خواہشمند تھا لیکن میرے والد نے مجھے اپنی جگہ میری سات یا نو بہنوں کا نگران مقرر کیا تھا اور کہا تھا کہ ان عورتوں کو بغیر کسی مرد کی سرپرستی کے یونہی چھوڑ جانا نہ تیرے لئے مناسب ہے نہ میرے لئے اور میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد پر جانے کے لئے تجھے اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔ شاید اللہ مجھے شہادت نصیب فرما دے (تو میری جگہ تو ان کی نگرانی رکھے گا) اور میں شہادت کی تمنا رکھتا ہوں۔ اس مجبوری کی وجہ سے میں لڑکیوں کا نگران ہو کر شرکت جہاد سے رہ گیا اور باپ مجھے نگران چھوڑ کر شہید ہو گئے۔ اب یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! مجھے اپنے ہمرکاب جانے کی اجازت دے دیجئے۔

اس درخواست پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جابر کو اجازت دے دی۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے بہت سے ان لوگوں نے جو گزشتہ دن جہاد میں شریک نہیں ہوئے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس روز نکلنے کی درخواست کی مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار کر دیا اور گزشتہ دن کے غیر حاضروں میں سے سوائے میرے کوئی نہ جا سکا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ستر آدمیوں کو ساتھ لے کر مدینہ سے نکلے۔ ان لوگوں میں حضرت ابوبکرؓ حضرت عمرؓ حضرت عثمانؓ حضرت علیؓ حضرت طلحہؓ حضرت زبیرؓ حضرت سعدؓ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ حضرت عبداللہؓ بن مسعودؓ حضرت حذیفہؓ بن یمانؓ اور حضرت ابوعبیدہؓ بن جراح بھی شامل تھے۔

حمراء الاسد:

مدینہ سے نکل کر حمراء الاسد کے مقام پر پہنچے۔ یہ مقام مدینہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر راستہ سے بائیں ہاتھ کو ذوالحلیفہ جاتے ہوئے پڑتا ہے۔ سعدؓ بن عبادہ نے تمیں اونٹ سواری کے لئے دیئے تھے اور کچھ جانور ذبح کرنے کے لئے۔ اس جگہ پہنچ کر پیر کے دن ۱۷ تاریخ کو اور منگل کے دن ۱۸ تاریخ کو اونٹ ذبح کئے گئے (اور قیام کیا گیا)۔

دن میں لکڑیاں جمع کرنے کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے دیا تھا۔ شام ہوئی تو آگ جلانے کا حکم دیا۔ حسب الحکم ہر شخص نے آگ روشن کی اور کل پانچ سو جگہ آگ روشن کی گئی (تاکہ کافروں کو دور سے دیکھ کر مسلمانوں کی کثرت محسوس ہو)

معبد خزاعی کی ملاقات:

معبد خزاعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملا۔ بنی خزاعہ کے مسلمان اور کافر سب تہامہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میل جول رکھتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا معاہدہ تھا۔ وہ تہامہ کی کوئی بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوشیدہ نہیں رکھتے تھے۔ معبد خزاعی نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) جو مصیبت آپؐ پر اور آپؐ کے ساتھیوںؓ پر پڑی اس کا ہم کو بڑا دکھ ہوا۔ ہماری دلی خواہش تھی کہ اللہ (اس سے) آپ کو بچائے رکھتا۔

معبد کی ابوسفیان کو رپورٹ:

اس کے بعد یہاں سے نکل کر معبد ابوسفیان کے پاس روحاء میں پہنچا۔ مشرکوں نے لوٹ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے ساتھیوں اور لیڈروں کو تو ہم ختم کر چکے ہیں اب لوٹ کر باقی لوگوں پر حملہ کر کے انکی طرف سے بالکل بےغم ہو جائیں گے۔ ابوسفیان نے جو معبد کو دیکھا تو پوچھا ادھر کی کیا خبر ہے معبد نے کہا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور ان کے ساتھی اتنی بڑی فوج لے کر تمہاری تلاش میں نکلے ہیں کہ اتنی فوج میں نے کبھی نہیں دیکھی۔ وہ تم پر دانت پیس رہے ہیں۔ جو لوگ اس روز جنگ میں شریک نہیں ہوئے تھے وہ اب ان کے ساتھ اکٹھے ہو گئے ہیں اور اپنی گزشتہ حرکت پر پشیمان ہیں۔ ان کے اندر تمہارے اوپر اتنا شدید غصہ ہے کہ میں نے کبھی ایسا غصہ نہیں دیکھا ابوسفیان نے کہا ارے تیرا برا ہو، کیا کہہ رہا ہے۔ معبد نے کہا خدا کی قسم میرے خیال میں تم کوچ کرنے بھی نہ پاؤ گے کہ گھوڑوں کی پیشانیاں تم کو نظر آ جائیں گی۔ ابوسفیان نے کہا، خدا کی قسم ہم تو یہ فیصلہ کر چکے تھے کہ لوٹ کر ان پر حملہ کر دیں تاکہ ان کے باقی لوگوں کو بھی جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ معبد نے کہا میں تم کو اس حرکت سے روکتا ہوں۔

معبد کے اس قول نے صفوان کے مشورہ کے ساتھ مل کر ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کا رخ موڑ دیا اور تعاقب کے ڈر سے وہ جلد جلد لوٹ پڑے۔

ابوسفیان کا پیغام:

اسی اثناء میں ابوسفیان کی طرف سے عبد القیس کے کچھ سوار گزر رہے۔ ابوسفیان نے پوچھا کہاں کا ارادہ ہے۔ سواروں نے کہا مدینہ کو غلہ لینے جا رہے ہیں۔ ابوسفیان نے کہا کیا تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو میری طرف سے ایک پیام پہنچا دو گے۔ اگر تم اس کام کو پورا کر دو گے تو میں کل عکاظ میں تمہارے اونٹوں پر کشمش لادوں گا۔ سواروں نے کہا ہاں۔ ابوسفیان نے کہا جب تم محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پاس پہنچو تو اس (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اطلاع دینا کہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اسکے ساتھیوں پر حملہ کریں گے تاکہ جو لوگ باقی رہ گئے ہیں ان کی بیخ کنی کر دیں۔ یہ پیام بھیجنے کے بعد ابوسفیان مکہ کو چلا گیا اور سواروں نے جا کر مقام حمراء الاسد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اطلاع دے دی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جواب:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جگہ ۱۷، ۱۸، اور ۱۹ یعنی پیر، منگل اور بدھ تک قیام کیا اور اللہ نے آیت (۲، ۱۷۳، ۱۷۲) ذیل نازل کی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اسباب ظاہرہ و دنیویہ بھی خدا تعالیٰ کا انعام ہیں، ان کو ترک کر دینا اس کی ناشکری ہے، ترک اسباب کر کے توکل کرنا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہے، کوئی مغلوب الحال ہو تو وہ معذور سمجھا جا سکتا ہے، ورنہ صحیح بات یہی ہے کہ ۔ برتوکل زانوئے اشتر بہ بند

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ایک واقعہ میں اسی آیت (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے:

عوف بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخصوں کا مقدمہ آیا۔ آپ نے ان کے درمیان فیصلہ فرمایا۔ یہ فیصلہ جس شخص کے خلاف تھا اس نے فیصلہ نہایت سکون سے سنا، اور یہ کہتے ہوئے چلنے لگا کہ (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس شخص کو میرے پاس لاؤ، اور فرمایا

"یعنی اللہ تعالیٰ ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانے کو ناپسند کرتا ہے بلکہ تم کو چاہئے کہ تمام ذرائع اختیار کرو پھر بھی عاجز ہو جاؤ اس وقت کہو" (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) "

توکل کے فوائد:

مشائخ و علماء نے (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) پڑھنے کے فوائد میں لکھا ہے کہ اس آیت کو ایک ہزار مرتبہ جذبہ ایمان و انقیاد کے ساتھ پڑھا جائے اور دعا مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ رد نہیں فرماتا، ہجوم افکار و مصائب کے وقت (حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ) کا پڑھنا مجرب ہے۔ ﴿معارف القرآن﴾

تقویٰ کی تعریف

تقویٰ کی تعریف متعدد تعبیرات سے کی گئی، لیکن سب سے زیادہ جامع تعریف وہ ہے جو حضرت ابی بن کعبؓ نے حضرت عمرؓ کے سوال کرنے پر فرمائی۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تھا کہ تقویٰ کیا ہے؟ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ امیر المؤمنین! کبھی آپ کا ایسے راستہ پر بھی گزر ہوا ہوگا جو کانٹوں سے پر ہو۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، کئی بار ہوا ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا، ایسے موقع پر آپؐ نے کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ دامن سمیٹ لئے اور نہایت احتیاط سے چلا، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ بس تقویٰ اسی کا نام ہے، یہ دنیا ایک خارستان ہے، گناہوں کے کانٹوں سے بھری پڑی ہے۔ اس لئے دنیا میں اس طرح چلنا ور زندگی گزارنا چاہئے کہ دامن گناہوں کے کانٹوں سے نہ الجھے، اسی کا نام تقویٰ ہے، جو سب سے زیادہ قیمتی سرمایہ ہے۔

حضرت ابودرداءؓ یہ شعر اکثر پڑھا کرتے تھے۔

يَقُوْلُ الْمَرْءُ فَا ئِدَتِيْ وَ مَالِيْ
وَتَقْوَى اللّٰهِ اَفْضَلُ مَا اسْتَفَادَا

"یعنی لوگ اپنے دنیوی فائدے اور مال کے پیچھے پڑے رہتے ہیں، حالانکہ تقویٰ سب سے بہتر سرمایہ ہے" ﴿معارف القرآن﴾

فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ فَضْلٍ لَّمْ

پھر چلے آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل

يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّ اتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ

کے ساتھ کچھ نہ پہنچی اُن کو بُرائی اور تابع ہوئے اللہ کی مرضی کے

وَ اللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ۝۱۷۴

اور اللہ کا فضل بڑا ہے

اللہ کا فضل عظیم:

یعنی اللہ کا فضل دیکھو نہ کچھ لڑائی کرنی پڑی نہ کانٹا چبھا، مفت میں ثواب کمایا، تجارت میں نفع حاصل کر کے اور دشمنوں پر دھاک بٹھلا کر خدا تعالیٰ کی خوشنودی لئے ہوئے صحیح سلامت گھر واپس آ گئے۔ (تنبیہ) بدر صغریٰ کی طرح غزوہ حمراء الاسد میں بھی ایک تجارتی قافلہ کے ساتھ سامان کی خرید و فروخت ہوئی تھی اور مسلمانوں نے بھاری نفع کمایا تھا۔ غالباً و فضل سے یہی مالی نفع مراد ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ
یہ جو ہے سو شیطان ہے کہ ڈراتا ہے اپنے دوستوں سے
فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ
سو تم اُن سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر
مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾
ایمان رکھتے ہو

صرف اللہ کا خوف رکھو:

یعنی جو ادھر سے آ کر مرعوب کن خبریں پھیلاتا ہے وہ شیطان ہے یا شیطان کے اغواء سے ایسا کر رہا ہے جس کی غرض یہ ہے کہ اپنے چیلے چانٹوں اور بھائی بندوں کا رعب تم پر بٹھلا کر خوفزدہ کر دے، سو تم اگر ایمان رکھتے ہو (اور ضرور رکھتے ہو جس کا ثبوت عملاً دے چکے) تو ان شیطانوں سے اصلاً مت ڈرو صرف مجھ سے ڈرتے رہو۔

ہر کہ ترسید از حق و تقویٰ گزید
ترسد از وے جن و انس و ہر کہ دید

﴿تفسیر عثمانی﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر مانگو تو اللہ سے مانگو اور مدد چاہو تو اللہ سے چاہو اور جان رکھو کہ اگر سب لوگ ملکر نفع پہنچانا چاہیں گے تو بس اتنا ہی پہنچا سکیں گے جتنا اللہ نے تمہارے لئے لکھ دیا ہے اور سب مل کر تم کو کچھ ضرر پہنچانا چاہیں گے تو بس اتنا ہی پہنچا ئیں گے جو اللہ نے تمہارے لئے مقدر کر دیا ہے۔ قلم اٹھا لئے گئے اور کاغذ خشک ہو گئے۔ رواہ احمد والترمذی عن ابن عباسؓ۔ ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِى الْكُفْرِ
اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو دوڑتے ہیں کفر کی
اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا
طرف وہ نہ بگاڑیں گے اللہ کا کچھ اللہ چاہتا ہے
يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِى الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ
کہ اُن کو فائدہ نہ دے آخرت میں اور اُن کیلئے
عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾
عذاب ہے بڑا

منافقوں سے ہرگز نہ ڈریں:

یعنی شیطان کی دھمکیوں سے مومن نہیں ڈرتے ہاں منافق اس کی باتیں سن کر کفر کی طرف دوڑتے ہیں آپ ان ملعون منافقوں کی حرکات سے کچھ غمگین اور فکر مند نہ ہوں۔ یہ اللہ کے دین اور اس کے پیغمبر کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، اپنا ہی نقصان کرتے ہیں۔ ان کا حد سے زیادہ نفاق و شقاق پتہ دے رہا ہے کہ حق تعالیٰ انہیں انجام کار حقیقی کامیابی اور فوائد سے محروم رکھے گا اور بہت سخت سزا دے گا۔ جو لوگ ایسے معاند اور شریر رو ہوں اللہ کی عادت ان کیساتھ یہی ہے۔ ایسوں کے غم میں اپنے کو زیادہ گھلانے کی ضرورت نہیں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ
جنہوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ نہ بگاڑینگے
يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۷﴾
اللہ کا کچھ اور اُن کے لئے عذاب ہے درد ناک

بدفطرت لوگ:

یعنی جنہوں نے ایمانی فطرت کو بدل کر کفر اختیار کیا، خواہ یہود و نصاریٰ ہوں یا مشرکین، یا منافقین، یا کوئی اور وہ سب مل کر بھی اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، ہاں اپنے پاؤں پر خود اپنے ہاتھ سے کلہاڑی مار رہے ہیں جس کا نتیجہ دردناک عذاب کی صورت میں بھگتنا پڑے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ

اور یہ نہ سمجھیں کافر کہ ہم جو مہلت دیتے ہیں اُنکو کچھ بھلا ہے اُنکے

خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۭ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا

حق میں ہم تو مہلت دیتے ہیں انکو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں

اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۷۸﴾

اور اُن کے لئے عذاب ہے خوار کرنیوالا

کافر خوش نہ ہوں:

یعنی ممکن ہے کافروں کو اپنی لمبی عمریں خوشحالی اور دولت وثروت وغیرہ کی فراوانی دیکھ کر خیال گزرے کہ ایسے مغضوب ومطرود ہوتے تو ہم کو اتنی فراخی اور مہلت کیوں دی جاتی اور ایسی بھلی حالت میں کیوں رکھے جاتے؟ سو واضح رہے کہ یہ مہلت دینا ان کے حق میں کچھ بھلی بات نہیں۔ مہلت دینے کا نتیجہ یہ ہی ہوگا کہ جن کو گناہ سمیٹ کفر پر مرنا ہے وہ اپنے اختیار اور آزادی سے خوب جی بھر کر ارمان نکال لیں اور گناہوں کا ذخیرہ فراہم کر لیں۔ وہ سمجھتے رہیں کہ ہم بڑی عزت سے ہیں، حالانکہ ذلیل وخوار کرنے والا عذاب ان کے لئے تیار ہے اب سوچ لیں کہ مہلت دینا ان جیسوں کے حق میں بھلا ہوا یا برا۔ نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ

اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اُس حالت پر جس پر

اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ

تم ہو جب تک کہ جُدا نہ کر دے ناپاک کو پاک سے

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ

اور اللہ نہیں ہے کہ تم کو خبر دے غیب کی

وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠

لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں میں جس کو چاہے

کھرا کھوٹا الگ ہو کر رہے گا:

یعنی جس طرح خوشحالی اور مہلت دینا کفار کے حق میں مقبولیت کی دلیل نہیں۔ اسی طرح اگر مخلص مسلمانوں کو مصائب اور ناخوشگوار حوادث پیش آئیں (جیسے جنگ احد میں آئے) یہ اس کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے نزدیک مغضوب ہیں، بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس گول مول حالت پر چھوڑنا نہیں چاہتا جس پر اب تک رہے ہیں۔ یعنی بہت سے کافر از راہ نفاق کلمہ پڑھ کر دھوکہ دینے کے لئے ان میں ملے جلے رہتے تھے جن کے ظاہر حال پر منافق کا لفظ کہنا مشکل تھا۔ لہٰذا ضرورت ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے واقعات وحالات بروئے کار لائے جو کھرے کو کھوٹے سے اور پاک کو ناپاک سے کھلے طور پر جدا کر دیں۔

حکمتِ الٰہی:

بے شک خدا کو آسان تھا کہ تمام مسلمانوں کو بدون امتحان میں ڈالے منافقوں کے ناموں اور کاموں سے مطلع کر دیتا لیکن اس کی حکمت و مصلحت مقتضی نہیں کہ سب لوگوں کو اس قسم کے غیوب سے آگاہ کر دیا کرے۔ ہاں وہ اپنے رسولوں کا انتخاب کر کے جس قدر غیوب کی یقینی اطلاع دینا چاہے دے دیتا ہے۔ خلاصہ یہ ہوا کہ عام لوگوں کو بلا واسطہ کسی غیب کی یقینی اطلاع نہیں دی جاتی۔ انبیاءؑ کو دی جاتی ہے۔ مگر جس قدر خدا چاہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

جیسا کہ اپنے پیغمبر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقوں کے احوال پر بنور فراست مطلع فرما دیا۔ اسی کی مثل ہے سورت جن کی یہ آیت

﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۙ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ﴾

علم غیب کی تشریح ہم نے سورہ جن کی اسی آیت کے ذیل میں کی ہے۔

امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی حالت:

بغوی نے بروایت سدی لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے میری امت اپنی شکلوں میں طینی (خمیر کی) حالت میں لائی گئی جیسے آدم کے سامنے (ان کی تمام نسل) لائی گئی تھی اور جو لوگ مجھ پر ایمان لانے والے ہیں اور جو مجھ پر ایمان نہیں لانے والے ہیں، سب مجھے بتا دیئے گئے۔ اس فرمان کی اطلاع منافقوں کو پہنچی تو وہ مذاق کرتے ہوئے بولے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ ہے کہ جو لوگ ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے ان میں کون مومن ہوگا اور کون غیر مومن: دگا۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ان سب سے واقف ہیں اور ہم ان کے ساتھ رہتے ہیں اس کے باوجود وہ ہم کو نہیں پہچانتے۔

منافقوں کے اس قول کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ممبر پر کھڑے ہو کر اللہ کی حمد وثناء کے بعد فرمایا لوگ

کس وجہ سے میرے علم پر طنز کرتے ہیں تم اپنے زمانہ سے قیامت تک کی جو چیز مجھ سے پوچھو گے میں بتاؤں گا (پوچھ دیکھو) اس پر عبداللہ بن حذافہ سہمی نے کھڑے ہو کر پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میرا باپ کون تھا؟ فرمایا حذافہ۔ اس کے بعد فوراً عمرؓ کھڑے ہو گئے اور عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! ہم اللہ کے رب ہونے پر، اسلام کے دین (بر حق) ہونے پر، قرآن کے امام (یعنی واجب التسلیم والعمل کتاب) ہونے پر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر رضا مند ہیں (یعنی دل سے مانتے ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمکو معاف فرما دیجئے۔ اللہ آپ کو معاف فرمائے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کیا تم باز آ گئے کیا تم باز آ گئے۔ پھر ممبر سے اتر آئے اور اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

شیخ جلال الدین سیوطیؒ نے لکھا ہے کہ اس روایت کی مجھے اطلاع نہیں۔ میں کہتا ہوں کہ بر تقدیر صحت روایت، آیت سے اس حدیث کی مناسبت اس طرح ہوگی کہ آیت میں رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مجتبیٰ اور غیب پر مطلع ہونے کی صراحت ہے اور حدیث میں ان (منکرین) کے قول کو رد کیا گیا ہے، کیونکہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے یہ امر جائز نہیں کہ بغیر اللہ کی اجازت کے دوسروں کو غیبی علم میں شریک بنا لے۔ پس پیغمبر کافروں کے کفر سے واقف ہیں لیکن ظاہر نہیں کرتے، کیونکہ ان کا غیبی علم شخصی ہے (دوسروں کو بغیر اذن خداوندی مطلع کرنے کا حق نہیں ہے) ﴿تفسیر مظہریؒ﴾

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا

سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اسکے رسولوں پر اور اگر تم یقین پر رہو

وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ۝۱۷۹

اور پرہیز گاری پر تو تم کو بڑا ثواب ہے

اپنی حد میں رہو:

یعنی خدا کا جو خاص معاملہ پیغمبروں سے ہے اور پاک و ناپاک کو جدا کرنے کی نسبت جو عام عادت حق تعالیٰ کی رہی ہے، اس میں زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں، تمہارا کام یہ ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں پر یقین رکھو اور تقویٰ و پرہیز گاری پر قائم رہو، یہ کر لیا تو سب کچھ کما لیا۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ

اور نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اُس چیز پر جو اللہ نے اُن کو

اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۭ بَلْ هُوَ

دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے اُنکے حق میں بلکہ یہ بہت

شَرٌّ لَّهُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ

بُرا ہے انکے حق میں طوق بنا کر ڈالا جائیگا اُنکے گلوں میں وہ مال

يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ

جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن

بخل کا برا انجام:

ابتدائے سورت کا بڑا حصہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) سے متعلق تھا۔ درمیان میں خاص مناسبات و وجوہ کی بناء پر غزوہ احد کی تفصیلات آ گئیں۔ انہیں بقدر کفایت تمام کر کے یہاں سے پھر اہل کتاب کی شنائع بیان کی جاتی ہیں، چونکہ ان میں سے یہود کا معاملہ بہت مضرت رساں اور تکلیف دہ تھا، منافقین بھی اکثر ان ہی میں سے تھے، اور اوپر کی آیت میں آگاہ کیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ اب خبیث کو طیب سے جدا کر کے رہے گا۔ سو یہ جدائی جس طرح جانی و بدنی جہاد کے وقت ظاہر ہوتی تھی اسی طرح مالی جہاد کے وقت بھی کھرا کھوٹا اور کچا پکا صاف طور پر الگ ہو جاتا تھا۔

کھرے کھوٹے کی کسوٹی:

اس لئے بتلا دیا کہ یہود منافقین جیسے جہاد کے موقع سے بھاگتے ہیں، مال خرچ کرنے سے بھی جی چراتے ہیں لیکن جس طرح جہاد سے بچ کر دنیا میں چند روز کی مہلت حاصل کر لینا ان کے حق میں کچھ بہتر نہیں، ایسے ہی بخل کر کے بہت مال اکٹھا کر لینا بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتا۔ اگر دنیا میں فرض کرو کوئی مصیبت پیش نہ بھی آئی تو قیامت کے دن یقیناً یہ جمع کیا ہوا مال عذاب کی صورت میں ان کے گلے کا ہار بن کر رہے گا۔

مسلمانوں کو تنبیہ:

اس میں مسلمانوں کو بھی کھٹکھٹا دیا کہ زکوٰۃ دینے اور ضروری مصارف میں خرچ کرنے سے کبھی جی نہ چرائیں۔ ورنہ جو شخص بخل و حرص وغیرہ رذیل خصلتوں میں یہود منافقین کی روش اختیار کرے گا، اسے بھی اپنے درجہ کے موافق اسی طرح کی سزا کا منتظر رہنا چاہئے۔ چنانچہ احادیث صحیحہ سے ثابت ہے کہ مانعین زکوٰۃ کا مال سخت زہریلے اژدہے کی صورت میں متمثل کر کے ان کے گلے میں ڈالا جائے گا۔ نعوذ باللہ منہ۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

زکوٰۃ نہ دینے کا عذاب:

صحیح بخاری میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسے خدا مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر، جس کی آنکھوں پر دونشان ہوں گے، طوق کی طرح اس کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کی باچھوں کو چیرتا رہے گا اور کہتا جائے گا میں تیرا مال ہوں میں تیرخزانہ ہوں۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت، ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ﴾ ...... الخ کی تلاوت فرمائی۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ بھاگتا پھرے گا اور وہ سانپ اس کے پیچھے دوڑے گا پھر اسے پکڑ کر طوق کی طرح لپٹ جائیگا اور کاٹتا رہے گا۔ مسند ابویعلی میں ہے جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ کر مرے وہ خزانہ ایک کوڑھی سانپ کی صورت میں جس کی دونوں آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے اس کے پیچھے دوڑے گا، یہ بھاگے گا اور کہے گا تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں جسے تو اپنے پیچھے چھوڑ کر مرا تھا یہاں تک کہ وہ اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا، پھر باقی جسم بھی۔ ﴿ابن کثیر﴾

وَلِلّٰهِ مِيرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
اور اللہ وارث ہے آسمان اور زمین کا

حقیقی ملکیت: یعنی آخر تم مرجاؤ گے اور سب مال اسی کا ہو رہیگا، جس کا حقیقت میں پہلے سے تھا۔ انسان اپنے اختیار سے دے تو ثواب پائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

یعنی مخلوق کے فنا ہونے کے بعد اللہ باقی رہنے والا ہے، سب مر جائیں گے، مال چھوڑ جائیں گے، اللہ جس کو چاہے گا ان کا مال دے گا، خواہ وارث ہوں یا غیر اور مرنے والوں کی گردن پر [illegible] کا عذاب رہے گا اور (مرتے وقت) مال چھوڑ جانے کی حسرت ہوگی [illegible] بخل کرتے ہیں اور راہ خدا میں مال خرچ نہیں کرتے۔

وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ
اور اللہ جو کرتے ہو سو جانتا ہے

یعنی بخل یا سخاوت جو کچھ کرو گے اور جیسی نیت کرو گے خدا تعالیٰ سب کی خبر رکھتا ہے اسی کے موافق بدلہ دے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ
بیشک اللہ نے سُنی اُن کی بات جنہوں نے کہا کہ

فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ
اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار

یہودیوں کی گستاخی:

یعنی محض اتنا ہی نہیں کہ یہود انتہائی بخل کی وجہ سے پیسہ خرچ کرنا نہیں جانتے، بلکہ جب خدا کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم سنتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں اور حق تعالیٰ کی جناب میں گستاخانہ کلمات بکنے سے بھی نہیں شرماتے۔ چنانچہ جب آیت:

﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ نازل ہوئی، کہنے لگے اللہ ہم سے قرض مانگتا ہے تو اللہ فقیر محتاج ہے اور ہم غنی مالدار ہیں، حالانکہ ایک غبی اور کوڑھ مغز بھی سمجھ سکتا ہے کہ انفاق فی وجوہ الخیر کو قرض سے تعبیر فرمانے میں انتہائی رحمت وشفقت کا اظہار تھا۔ ظاہر ہے کہ خدا اپنا دیا ہوا مال ہم سے ہماری مصالح میں ہمارے ہی دنیوی واخروی فائدہ کے لئے خرچ کراتا ہے، اس کو ہمارے خرچ سے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا اور بفرض محال پہنچے بھی تو مال اور ہر چیز اسی کی مملوک ہے۔ پھر حقیقی معنی میں اس کو قرض کیسے کہہ سکتے ہیں۔ یہ اس کا کمال کرم واحسان ہے کہ اس خرچ کا بہترین معاوضہ دینا بھی اپنے ذمہ لازم کر لیا اور اس کو لفظ قرض سے ادا کر کے اس لزوم کو بے حد موکد ومسجل کر دیا۔ مگر یہود اپنی کور چشمی اور خبث باطن سے احسان ماننے کے بجائے ان لفظوں کی ہنسی اڑانے لگے اور اللہ تعالیٰ کی جناب رفیع میں مسخراپن کرنے سے باز نہ رہے، اس کو فرمایا کہ اللہ نے تمہاری یہ باتیں سن لیں۔ اس پر جو کارروائی ہوگی اس کے منتظر رہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم نامہ بدست صدیق اکبرؓ:

محمد بن اسحاق ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے حضرت ابن عباسؓ کی روایت سے لکھا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو ایک تحریر دے کر بنی قینقاع کے یہودیوں کے پاس بھیجا اور تحریر میں ان کو اسلام لانے نماز پڑھنے زکوٰۃ ادا کرنے اور اللہ کے لئے قرض حسنہ دینے کی دعوت دی۔ حسب الحکم ایک روز حضرت ابو بکرؓ یہودیوں کے مدرسہ میں گئے۔ وہاں آپؓ نے دیکھا کہ بہت سے یہودی ایک شخص کے پاس جمع ہیں۔ یہ شخص فنحاص بن عازورا تھا جو یہودیوں کے علماء میں سے تھا اور اس کے ساتھ ایک اور عالم بھی تھا جس کا نام اشیع تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے فنحاص سے فرمایا اللہ سے ڈرو اور مسلمان ہو جاؤ۔ خدا کی قسم تم خوب

جانتے ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں جو اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ آئے ہیں ان کا ذکر تمہارے پاس توراۃ میں لکھا ہوا موجود ہے۔لہٰذا ان پر ایمان لے آؤ ان کی تصدیق کرو اور اللہ کو قرض حسنہ دو۔ اللہ تمکو جنت میں داخل کرے گا اور دوہرا ثواب دے گا۔فخاص نے کہا ابو بکر تم کہتے ہو کہ ہمارا رب ہم سے ہمارا مال قرض مانگتا ہے۔قرض تو فقیر غنی سے مانگتا ہے، پس اگر تمہاری بات صحیح ہے تو اللہ فقیر ہوا، اور ہم غنی۔اللہ تم کو تو سود (دینے) سے منع کرتا ہے اور خود ہم کو دے گا۔اگر وہ غنی بھی ہوتب بھی ہم کو سود نہیں دے گا۔یہ سن کر حضرت ابو بکرؓ کو غصہ آیا اور فخاص کے منہ پر آپؓ نے زور سے ضرب رسید کی اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، اگر ہمارا تجھ سے معاہدہ نہ ہوتا تو اللہ کے دشمن میں تیری گردن مار دیتا۔فخاص، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچا اور عرض کیا دیکھو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تمہارے ساتھی نے میرے ساتھ کیسی حرکت کی۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا تم نے ایسی حرکت کس وجہ سے کی۔حضرت ابو بکرؓ نے عرض کیا اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس دشمن خدا نے بہت بڑی بات کہی تھی۔اس نے کہا تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔مجھے یہ سن کر غصہ آیا اور میں نے اس کے منہ پر مارا۔فخاص نے حضرت ابو بکرؓ کے اس قول کا انکار کر دیا (اور حضرت ابو بکرؓ کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا) اس پر اللہ نے فخاص کے قول کی تردید کی اور حضرت ابو بکرؓ کی تصدیق میں یہ آیت نازل فرمائی۔ کذا قال عکرمۃ والسدی۔ (تفسیر مظہری)

سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

اب لکھ رکھیں گے ہم انکی بات اور جو خون کئے ہیں

حَقٍّ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾

انہوں نے انبیاء کے ناحق اور کہیں گے چکھو عذاب جلتی آگ کا

یہ گستاخیاں لکھی ہوئی ہیں:

ف۔ یعنی عام ضابطے کے موافق یہ ملعون اور ناپاک اقوال تمہارے دفتر سیئات میں درج کرائے دیتے ہیں۔ جہاں تمہاری قوم کے دوسرے ملعون اور ناپاک افعال درج ہیں۔مثلاً معصوم نبیوں کا ناحق خون بہانا کیونکہ جس طرح یہ نالائق جملہ ایک نمونہ ہے تمہاری خداشناسی کا، وہ نالائق کام نمونہ ہے تمہاری تعظیم انبیاء کا۔جب یہ پوری مسل پیش ہوگی اس وقت کہا جائے گا کہ لو اپنی شرارتوں کا مزہ چکھو۔اور جس طرح تم نے طعن وتمسخر کیا اولیاء اللہ کے دل جلائے تھے، اب عذاب الٰہی کی بھٹی میں جلتے رہو۔ (تفسیر عثمانی)

ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ

یہ بدلہ اُس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا

بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

اور اللہ ظلم نہیں کرتا بندوں پر

یعنی جو کمایا سامنے آیا۔خدا کے یہاں ذرہ برابر ظلم نہیں۔ (اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ) (نساء رکوع ۶)

اگر بفرض محال ظلم کرنا خدا کی صفت ہوتی تو اس کی صفات کی طرح وہ بھی کامل ہی ہوتی۔اس لئے اگر معاذ اللہ خدا کو ظالم فرض کیا جائے تو پھر "ظالم" کیا "ظلام" ہی کہنا پڑے گا۔اس کا ایک رتی ظلم بھی پہاڑوں سے کم نہیں ہو سکتا۔ گویا "ظلام" کا صیغہ لاکر متنبہ کر دیا کہ اس کی بارگاہ میں ادنیٰ سے ادنیٰ ظلم تجویز کرنا، انتہائی ظالم قرار دینے کا مراد ہے۔(تعالی اللّٰہُ عمّا یقولُ الظالمونَ علوًّا کبیرًا) (تفسیر عثمانی)

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا

وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ یقین نہ

نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ

کریں کسی رسول کا جب تک نہ لاوے ہمارے پاس قربانی کہ کھا

تَاْكُلُهُ النَّارُ ؕ

جائے اُس کو آگ

یہود کی بدخوئی:

بعض رسولوں سے یہ معجزہ ظاہر ہوا تھا کہ قربانی یا کوئی چیز اللہ نام کی نیاز کی، تو آسمان سے آگ آکر اس کو کھا گئی، یہ علامت تھی اس کے قبول ہونے کی، چنانچہ موجودہ "بائبل" میں بھی حضرت سلیمانؑ کے متعلق ایسا واقعہ مذکور ہے۔اب یہود بہانہ پکڑتے تھے کہ ہم کو یہ حکم ہے کہ جس سے یہ معجزہ نہ دیکھیں اس پر یقین نہ لاویں اور یہ محض جھوٹے بہانے تھے، اس قسم کا کوئی حکم ان کی کتابوں میں موجود نہ تھا، نہ آج موجود ہے اور نہ ہر ایک نبی کی نسبت یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ اس کو یہ معجزہ ملا تھا۔ہر پیغمبر کو حق

تعالیٰ نے اوقات واحوال کے مناسب معجزات دیئے ہیں۔ لازم نہیں کہ ہر نبی ایک ہی معجزہ دکھلائے تو سچا ثابت ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ
تو کہہ تم میں آچکے کتنے رسول مجھ سے پہلے
بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ
نشانیاں لے کر اور یہ بھی جو تم نے کہا پھر ان کو
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝
کیوں قتل کیا تم نے اگر تم سچے ہو

یہود کا جواب:

یعنی اگر واقعی اپنے دعوے میں سچے ہو اور اسی خاص معجزہ کے دکھلانے پر تمہارا ایمان لانا موقوف ہے تو پہلے ایسے نبیوں کو تم نے کیوں قتل کیا جو اپنی صداقت کی کھلی نشانیوں کے ساتھ خاص یہ معجزہ بھی لے کر آئے تھے۔ تمہارے اسلاف کا یہ فعل جس پر تم بھی آج تک راضی ہو، کیا اس کی دلیل نہیں کہ یہ سب تمہاری حیلہ سازی اور ہٹ دھرمی ہے کہ کوئی پیغمبر جب تک خاص یہی معجزہ نہ دکھلائے گا ہم نہ مانیں گے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ
پھر اگر یہ تجھ کو جھٹلاویں تو پہلے تجھ سے جھٹلائے گئے بہت
قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ
رسول جو لائے نشانیاں اور صحیفے اور کتاب
الْمُنِيْرِ ۝
روشن

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی:

آپ کو تسلی دی جاتی ہے کہ ان ملعونوں کی کج بحثی اور ہٹ دھرمی سے ملول و دلگیر نہ ہوں اور نہ دوسرے مکذبین کی پرواہ کریں۔ آپ سے پہلے کتنے رسول جھٹلائے جا چکے ہیں جو صاف نشانیاں (معجزات) چھوٹے صحیفے اور بڑی روشن کتابیں لے کر آئے تھے۔ انبیاء صادقین کی تکذیب معاندین کی قدیم عادت رہی ہے۔ آپ کو کچھ انوکھی بات پیش نہیں آئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ
ہر جی کو چکھنی ہے موت اور تم کو
اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ
پورے بدلے ملیں گے قیامت کے دن

موت یقینی ہے:

یعنی موت کا مزہ چکھنا ہے، اس کے بعد قیامت کے دن ہر جھوٹے سچے مصدق و مکذب کو اپنے اپنے کئے کا پورا بدلہ مل رہیگا۔ ''پورے'' کا یہ مطلب کہ کچھ تھوڑا سا ممکن ہے قیامت سے پہلے ہی مل جائے مثلاً دنیا میں یا قبر میں۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

اہل بیت کو حضرت خضرؑ کی تسلی:

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی آرہا ہے۔ پاؤں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا۔ اس نے آکر کہا اے اہل بیت! تم پر سلام ہو اور خدا کی رحمت و برکت، ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے۔ تم سب کو تمہارے اعمال کا بدلہ پورا پورا قیامت کے دن دیا جائے گا۔ ہر مصیبت کی تلافی خدا تعالیٰ کے پاس ہے ہر مرنے والے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا حاصل کر لینا ہے، اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ رکھو اسی سے بھلی امیدیں رکھو، سمجھ لو کہ سچ مچ مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے تم پر خدا کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں (ابن ابی حاتم)۔ حضرت علیؓ کا خیال ہے کہ یہ خضرؑ تھے۔ ﴿ابن کثیر﴾

زمین کی شکایت:

بغوی نے لکھا ہے کہ حدیث میں آیا ہے جب اللہ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا تو زمین نے اللہ سے شکوہ کیا کہ میرا ایک جز لیا گیا اور اس سے آدم کو بنایا گیا۔ اللہ نے زمین سے وعدہ کر لیا کہ جو کچھ تجھ سے لیا گیا ہے، وہ تجھے واپس کر دیا جائے گا۔ چنانچہ جو شخص بھی جس مٹی سے بنا ہے وہ اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ
پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں اس کا

فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ

کام تو بن گیا اور نہیں زندگانی دنیا کی مگر پونجی دھوکے کی

دُنیا پرستی:

یعنی دنیا کی عارضی بہار اور ظاہری ٹیپ ٹاپ بہت دھوکہ میں ڈالنے والی چیز ہے جس پر مفتون ہو کر اکثر بے وقوف آخرت سے غافل ہو جاتے ہیں۔ حالانکہ انسان کی اصلی کامیابی یہ ہے کہ یہاں رہ کر انجام کو سوچے اور وہ کام کرے جو عذاب الٰہی سے بچانے والا اور جنت تک پہنچانے والا ہو۔

(تنبیہ) آیت میں ان بعض متصوفین کا بھی رد ہو گیا جو دعویٰ کیا کرتے ہیں کہ ہمیں نہ جنت کی طلب، نہ دوزخ کا ڈر۔ معلوم ہوا کہ دوزخ سے دور رہنا اور جنت میں داخل ہو جانا ہی اصل کامیابی ہے۔ کوئی اعلیٰ ترین کامیابی جنت سے باہر رہ کر نصیب نہیں ہو سکتی۔ وفی الحدیث حولھا ندندن۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل ورحمت سے ہم کو بھی یہ کامیابی عنایت فرمائے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ

البتہ تمہاری آزمائش ہو گی مالوں میں اور جانوں میں

مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ

اور البتہ سنو گے تم اگلی کتاب والوں سے

وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ

اور مشرکوں سے بد گوئی بہت اور اگر تم

تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ

صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کام ہیں

مسلمانوں سے خطاب:

یہ خطاب مسلمانوں کو ہے کہ آئندہ بھی جان و مال میں تمہاری آزمائش ہو گی اور ہر قسم کی قربانیاں کرنی پڑیں گی۔ قتل کیا جانا زخمی ہونا، قید و بند کی تکلیف اٹھانا، بیمار پڑنا، اموال کا تلف ہونا اقارب کا چھوٹنا، اس طرح کی سختیاں پیش آئیں گی۔ نیز اہل کتاب اور مشرکین کی زبانوں سے بہت جگر خراش اور دل آزار باتیں سننا پڑیں گی۔ ان سب کا علاج صبر وتقویٰ ہے، اگر صبر واستقلال اور پرہیزگاری سے ان سختیوں کا مقابلہ کرو گے تو یہ بڑی ہمت اور اولوالعزمی کا کام ہو گا۔ جس کی تاکید حق تعالیٰ نے فرمائی ہے۔

صبر واستقلال:

(تنبیہ) بخاری کی ایک حدیث سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ آیت بدر سے پہلے نازل ہوئی، قتال کا حکم اس کے بعد ہوا، تاہم صبر وتقویٰ کا حکم مشروعیت قتال کے باوجود بھی فی الجملہ باقی ہے جس پر اخیر تک عمل ہوتا رہا ہے۔ ہاں صبر وعفو اور تغلیظ وتشدید کے مواقع کا پہچاننا ضروری ہے جو نصوص شرعیہ سے معلوم ہو سکتے ہیں۔ اس آیت کو یہاں رکھنے سے شاید یہ غرض ہے کہ تم ان کفار ومنافقین کی گستاخیوں اور شرارتوں پر حد سے زیادہ طیش مت کھاؤ۔ ابھی بہت کچھ سننا پڑے گا۔ تکلیفیں اٹھانی پڑیں گی۔ صبر واستقلال سے ان کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار رہو۔ نیز دنیا کی زندگانی میں پڑ کر جو محض دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ اس بات سے غافل نہ ہونا کہ خدا تعالیٰ جان اور مال دونوں میں تمہاری آزمائش کرنے والا ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کعب بن اشرف:

عبدالرزاق نے بروایت زہری عبداللہ بن کعب بن مالک کا قول نقل کیا ہے کہ اس آیت کا نزول کعب بن اشرف کے حق میں ہوا۔ یہ شخص اپنے اشعار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجا کرتا تھا۔ مسلمانوں کو گالیاں دیتا تھا اور مشرکوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہؓ کے خلاف بھڑکاتا تھا۔

میں کہتا ہوں یہ قصہ واقعہ بدر کے بعد کا ہے۔ کعب نے جب اسلامی حکومت دیکھی سرداران قریش بھی اس کی نظر کے سامنے مارے گئے تو مکہ کو خود گیا کہ مشرکوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لئے جمع کرے اور جب قریش نے اس سے پوچھا کہ ہمارا مذہب زیادہ ہدایت کا ہے یا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا دین تو کعب بن اشرف نے کہا تمہارا دین۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے حضرت حسانؓ نے اس کی ہجاء کی تھی۔

کعب بن اشرف کے قتل کا واقعہ:

صحیح روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کعب بن اشرف نے اپنے اشعار میں اللہ اور اس کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچایا ہے اور ہمارے خلاف مشرکوں کو طاقت بہم پہنچائی ہے۔ میرے لئے کون اس کا کام تمام کر سکتا ہے۔ محمد بن مسلمہؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ خدمت کروں گا وہ میرا ماموں ہے، میں اس کو قتل کر دوں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تم سے ہو سکے تو ایسا کر دو۔ محمد بن مسلمہؓ (گھر) لوٹ کر آئے لیکن تین روز تک سوائے اتنی غذا کے کہ سانس باقی رہے، نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ اس کا تذکرہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا گیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محمد بن مسلمہؓ سے دریافت کیا تم نے کھانا پینا کیوں چھوڑ دیا۔ ابن مسلمہؓ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! میں ایک بات کہہ تو گذرا لیکن معلوم نہیں کہ پورا بھی کر سکوں گا یا نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے ذمے کوشش کرنا ہے۔ سعدؓ بن معاذ سے مشورہ کرو۔ محمد بن مسلمہؓ نے سعدؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے فرمایا تم اس کے پاس جاؤ اپنی ضرورت کا اس سے شکوہ کرو اور کچھ غلہ قرض دینے کی اس سے درخواست کرو۔

غرض اس کے بعد محمد بن مسلمہؓ اور عبادؓ بن بشر اور ابو نائلہؓ سلکان بن سلامہ جو کعب بن اشرف کے رضاعی بھائی تھے اور حارثؓ بن ابس حارث بن اوس بن معاذؓ جو حضرت سعدؓ بن معاذ کے بھتیجے تھے اور چچا نے ان کو بھیجا تھا اور ابوعبس بن حبر ایک جگہ جمع ہوئے اور خدمت گرامی میں عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اس کو قتل تو کر دیں گے مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کو اجازت دے دیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق اگر کچھ (نازیبا) باتیں ہم آپس میں کہیں (تو قابل مواخذہ نہ قرار دیئے جائیں) فرمایا جیسا سمجھو ویسا کہو، تم کو آزادی ہے۔ اس کے بعد سب نے ابو نائلہ کو آگے بھیجا۔ ابو نائلہ کعب کے پاس گئے، اس سے کچھ باتیں کیں اور آپس میں شعر سنانے لگے۔ کیونکہ ابو نائلہ بھی شعر کہا کرتے تھے (اور کعب بن اشرف بھی شاعر تھا)۔ پھر ابو نائلہؓ بولے ابن اشرف میں ایک کام سے تیرے پاس آیا تھا۔ میں اس کا ذکر تو تجھ سے کرتا ہوں، مگر شرط یہ ہے کہ ظاہر نہ کرنا۔ ابن اشرف نے کہا بیان کرو۔ ابو نائلہ نے کہا ہمارے ملک میں اس شخص کا آنا ہمارے لئے مصیبت بن گیا ہے، تمام عرب ہمارا دشمن ہو گیا اور ہمارے مقابلہ میں ایک کمان بن گیا۔ ہمارے (سفر کے) راستے سارے کٹ گئے یہاں تک کہ بال بچے بھوکے مرنے لگے اور ہم سخت دشواریوں میں پڑ گئے کعب نے کہا میں نے تو تم کو پہلے ہی بتا دیا تھا کہ آخر یہی ہوگا۔ ابو نائلہ نے کہا میرے ساتھ میرے کچھ ساتھی ہیں ہم سب چاہتے ہیں کہ تم ہمارے ہاتھ کچھ غلہ فروخت کر دو (اور قیمت کے عوض اس وقت) ہم تمہارے پاس کچھ رہن رکھ دیں گے اور تمہارا اعتماد کرا دیں گے۔ تم ہم سے اتنا سلوک کر دو۔ کعب نے کہا اپنے بچے میرے پاس رہن رکھ دو۔ ابو نائلہ نے کہا کہ ہم کو شرم آتی ہے کہ اپنی اولاد کو گروی ہونے کی عار میں مبتلا کریں کہ آئندہ لوگ کہیں یہ ایک وسق کے عوض گروی تھا اور یہ دو وسق کے عوض۔ کعب نے کہا تو اپنی عورتیں رہن رکھ دو۔ ابو نائلہؓ نے کہا عورتوں کو کیسے رہن رکھ دیں تم عرب کے حسین ترین شخص ہو ہم تمہاری طرف سے بے خطرہ نہیں ہیں تمہاری خوبصورتی کو دیکھ کر کون عورت تم سے بچ سکتی ہے۔ البتہ ہم اپنے اسلحہ تمہارے پاس رہن رکھ سکتے ہیں اور تم واقف ہی ہو کہ ہم کو اسلحہ کی کتنی ضرورت ہے۔

کعب نے کہا اچھا بے شک اسلحہ پر (ادائے قیمت کا) پورا اعتماد ہے۔ ابو نائلہؓ نے چاہا کہ کعب ہتھیاروں کو دیکھ کر کہیں انکار نہ کر دے اس لئے اس سے دوبارہ آنے کا وعدہ کر کے لوٹ آئے اور اپنے ساتھیوں کو آ کر اطلاع دیدی۔ سب نے بااتفاق رائے طے کر لیا کہ شام کو مقررہ وعدہ کے مطابق کعب کے پاس جائیں گے پھر رات کو آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس تدبیر اور گفتگو کی اطلاع دیدی۔

محمد بن اسحاق اور امام احمد نے بسند صحیح حضرت ابن عباسؓ کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان لوگوں کو رخصت کرنے بقیع غرقد تک ان کے ساتھ گئے پھر ان کو بھیج کر فرمایا جاؤ اللہ کے نام پر۔ اے اللہ! ان کی مدد فرما۔ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاندنی رات میں جو دن کی طرح تھی اپنے گھر کو لوٹ آئے۔ یہ چاندنی ماہ ربیع الاول کی چودھویں رات کی تھی۔ ادھر وہ لوگ چلے گئے اور رات کو ابن اشرف کی گڑھی پر پہنچے۔ ساتھیوں سے ابو نائلہ نے کہا میں کعب کے سر کے بال ہاتھ سے بٹو نگا اور جب تم دیکھو کہ میں نے اس کے سر کے بال مضبوطی سے قابو میں کر لئے تو اپنا کام کرنا اور تلواروں سے اس پر حملہ کرنا۔ گڑھی کے پاس پہنچ کر ابو نائلہؓ نے آواز دی۔ ابن اشرف کی شادی نئی نئی ہوئی تھی، آواز سن کر وہ چادر لپیٹے ہی اٹھ کھڑا ہوا۔ بیوی نے چادر کا کونہ پکڑ لیا اور کہنے لگی آپ جنگی آدمی ہیں اور جنگی آدمی ایسے وقت نہیں اترا کرتے (اس وقت باہر نکلنے میں آپ جیسے لوگوں کے لئے خطرہ ہے) میں ایسی آواز سن رہی ہوں جس سے خون ٹپک رہا ہے۔ آپ گڑھی کے اوپر ہی سے ان سے گفتگو کر لیں۔ کعب نے کہا میں نے وعدہ کر لیا ہے اور یہ تو میرا بھانجہ محمد بن مسلمہؓ اور رضائی بھائی ابو نائلہؓ ہے۔ اگر یہ لوگ مجھے سوتا پائیں گے تو بیدار کر لیں گے اور شریف آدمی کو اگر رات میں نیزوں کی طرف بلایا جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔ غرض کعب چادر گلے میں ڈالے نیچے اتر آیا، چادر سے خوشبو مہک رہی تھی۔ تھوڑی دیر تک ان لوگوں سے باتیں کرتا رہا۔ کچھ دیر ہو گئی تو ان لوگوں نے کہا ابن اشرف چلو شعب عجوز تک ٹہلتے ہوئے چلیں۔ وہاں پہنچ کر باقی رات باتیں کریں گے۔ کعب نے کہا اگر چاہتے ہو تو چلو۔ سب پیدل ٹہلتے ہوئے چل دیئے۔ کچھ دیر ہی چلے تھے کہ ابو نائلہ نے کہا مجھے تمہاری طرف سے خوشبو کی مہک آ رہی ہے۔ کعب نے جواب دیا، فلاں عورت جو عرب کی عورتوں میں

سب سے زیادہ معطر رہنے والی ہے، میری بیوی ہے۔ ابو نائلہؓ نے کہا کیا مجھے سونگھنے کی اجازت ہے کعب نے کہاہاں۔ ابو نائلہ نے اپناہاتھ کعب کے سر کے بالوں میں ڈالا پھر اپنے ہاتھ کو سونگھااور کہا آج کی رات کی طرح میں نے (کبھی کوئی) خوشبو نہیں سونگھی۔

کعب حسین اور گھونگریالے بالوں والا شخص تھا۔ مشک کو پانی میں گھس کر اور عنبر ملا کر دونوں کنپٹیوں پر گوند کی طرح جمالیا کرتا تھا۔ ابو نائلہ کچھ دیر اور چلتے رہے۔ پھر لوٹ کر وہی عمل کیا جو پہلے کیا تھا، یہاں تک کہ کعب کو پورا مطمئن کر دیا اور ابو نائلہ کا ہاتھ کعب کے بالوں میں پھرنے لگا۔ آخرکار لوٹ کر اس کے سر کی لٹیں پکڑ لیں اور خوب قابو میں لے کر اپنے ساتھیوں سے کہادشمن خدا کو مارو۔ فوراً تلواریں چلیں مگر کچھ نتیجہ نہ نکلا۔ محمد بن مسلمہؓ کا بیان ہے کہ مجھے ایک خنجر یاد آیا جو تلوار (کی نیام) میں میں نے رکھا تھا۔ فوراً میں نے وہ خنجر ہاتھ میں لے لیا۔ دشمن خدا نے ایک زور کی چیخ ماری۔ چیخ کے ساتھ ہی ہمارے گرداگرد جتنی گڑھیاں تھیں سب پر آگ روشن کر دی گئیں۔ میں نے خنجر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا اور خنجر پر دباؤ ڈال کر پیڑو کی ہڈی تک پہنچا دیا اور اللہ کا دشمن گر پڑا۔

ابن سعدؒ کی روایت میں آیا ہے کہ ابو عبسؓ نے کعب کے پہلو میں برچھا مارا پھر ان لوگوں نے اس کا سر کاٹ لیا۔ حارثؓ بن اوس بن معاذ کے سر پر ہماری ہی کسی تلوار سے چوٹ آ گئی تھی۔ ہم پہرہ دار یہودیوں کے ڈر سے وہاں سے نکل کر تیزی سے بھاگے، مگر ہمارا ساتھی حارثؓ بن اوس سر کی چوٹ اور خون نکل جانے کی وجہ سے پیچھے رہ گیا اور اس نے ساتھیوں کو پکار کر کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میرا اسلام کہہ دینا۔ آواز سن کر لوگ اس کی طرف مڑے اور اٹھا لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے چل دیئے۔ آخر رات میں بقیع غرقد پر پہنچ کر سب نے تکبیر کہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھڑے نماز پڑھ رہے تھے۔ بقیع میں تکبیر کی آواز سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی تکبیر کہی اور سمجھ گئے کہ کعب کو قتل کر دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ لوگ دوڑتے آئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد کے دروازے پر کھڑا پایا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چہرے بامراد ہوں۔ آنے والوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کا چہرہ بھی بامراد ہو۔ آنے والوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کعب کا سر ڈال دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے قتل پر اللہ کا شکر کیا۔ لوگوں نے اپنے ساتھی حارثؓ کو پیش کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے زخم پر تھتکارا، جس کی وجہ سے پھر زخم نے تکلیف نہیں دی اور لوگ اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔

صبح کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو یہودی مرد تمہارے ہاتھ لگے اس کو قتل کر دو۔ شفینہ ایک یہودی تاجر تھا، جس کا مسلمانوں سے اختلاط تھا اور مسلمانوں سے خرید وفروخت کرتا تھا۔ محیصہ بن مسعودؓ نے اس کو قتل کر دیا۔ محیصہ کا ایک بڑا بھائی خویصہ تھا اور اس وقت تک مسلمان نہیں ہوا تھا۔ خویصہ نے محیصہؓ کو مارا اور کہا اللہ کے دشمن تو نے اس کو قتل کر دیا۔ حالانکہ خدا کی قسم تیرے پیٹ کے اندر جتنی چربی ہے اس کا بیشتر حصہ اسی کے مال سے پیدا ہوا ہے۔ محیصہؓ نے کہا خدا کی قسم جس نے مجھے اس کے قتل کا حکم دیا تھا اگر وہ مجھے تیرے قتل کرنے کا حکم دے دیتا تو میں تیری بھی گردن مار دیتا۔ خویصہ نے کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تجھے میرے قتل کا حکم دیدیں تو مجھے بھی تو قتل کر دے گا۔ محیصہؓ نے کہاہاں۔ خویصہ نے کہا جس دین نے تجھے اس حد تک پہنچا دیا، خدا کی قسم وہ تو عجب دین ہے۔ اس کے بعد خویصہ بھی مسلمان ہو گیا۔ کعب کے قتل کے بعد یہودی ڈر گئے پھر ان کے بڑے لوگوں میں سے کسی نے گردن نہیں اٹھائی اور کچھ نہ بولے۔ انکو اندیشہ ہو گیا کہ ابن اشرف کی طرح کہیں ان کو بھی رات کو قتل نہ کر دیا جائے۔

ابن سعد کا بیان ہے کہ یہودی خوف زدہ ہو گئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر انہوں نے کہا ہمارے سردار کو نامعلوم طور پر قتل کر دیا گیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کعب کی حرکتوں کا تذکرہ کیا اور بتایا کہ وہ کس کس طرح سے بھڑکاتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑنے کی ترغیب دیتا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھ پہنچاتا تھا اس کے بعد ان کو دعوت دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور ان کے درمیان ایک صلح نامہ لکھ دیا جائے۔ چنانچہ صلح نامہ لکھا گیا اور وہ تحریر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کے پاس رہی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ

اور جب اللہ نے عہد لیا کتاب والوں سے کہ اُس کو بیان کرو گے

لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ فَنَبَذُوْهُ

لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے پھر پھینک دیا انہوں نے

وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا

وہ عہد اپنی پیٹھ کے پیچھے اور خرید کیا اُس کے بدلے تھوڑا سا مول

فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿۱۸۷﴾
سو کیا برا ہے جو خریدتے ہیں

یہودی علماء:

یعنی علمائے اہل کتاب سے عہد لیا گیا تھا کہ جو احکام و بشارات کتاب اللہ میں ہیں انہیں صاف صاف لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور کوئی بات نہیں چھپائیں گے، نہ ہیر پھیر کر کے ان کے معنی بدلیں گے، مگر انہوں نے ذرہ برابر پروانہ کی اور دنیا کے تھوڑے سے نفع کی خاطر سب عہد و پیمان توڑ کر احکام شریعت بدل ڈالے۔ آیات اللہ میں لفظی و معنوی تحریفات کیں جس چیز کا ظاہر کرنا سب سے زیادہ ضروری تھا یعنی پیغمبر آخر الزماں کی بشارت، اسی کو سب سے زیادہ چھپایا، جس قدر مال خرچ کرنے میں بخل کرتے اس سے بڑھ کر علم خرچ کرنے میں کنجوسی دکھائی۔ اور اس کنجوسی کا منشا بھی مال و جاہ اور متاع دنیا کی محبت کے سوا کچھ نہ تھا۔

یہاں ضمناً مسلمان اہل علم کو متنبہ فرما دیا کہ تم دنیا کی محبت میں پھنس کر ایسا نہ کرنا۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

علم چھپانے کی سزا:

حضرت ابو ہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر کسی شخص سے کوئی ایسی علم کی بات پوچھی جائے جس کو وہ جانتا ہو اور وہ چھپائے رکھے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی لگام دی جائے گی۔ رواہ احمد و الحاکم بسند صحیح ابن ماجہ نے یہ حدیث حضرت انسؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔

حسن بن عمارہ اور امام زہری کا واقعہ:

بغوی نے لکھا ہے کہ حسن بن عمارہؒ نے بیان کیا کہ میں زہری کے پاس اس زمانہ میں گیا جب انہوں نے حدیث بیان کرنا چھوڑ دیا تھا۔ میں نے ان کو دروازہ پر پایا اور کہا اگر آپ مناسب سمجھیں تو مجھ سے کوئی حدیث بیان کریں۔ بولے کیا تم کو معلوم نہیں کہ میں نے حدیث بیان کرنی چھوڑ دی ہے۔ میں نے کہا یا تو آپ بیان کریں یا پھر میں آپ سے ایک حدیث بیان کروں۔ بولے تم بیان کرو۔ میں نے کہا مجھ سے حکم بن عیینہ نے یحییٰ جزار کے حوالے سے بیان کیا۔ جزار نے کہا کہ میں نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے سنا، آپ فرما رہے تھے کہ اللہ نے جاہلوں سے علم سیکھنے کا عہد اس وقت تک نہیں لیا جب تک علماء سے علم سکھانے کا وعدہ نہ لے لیا۔ پھر زہری نے مجھ سے چالیس حدیثیں بیان کیں۔ ثعلبی نے اپنی تفسیر میں یہ حدیث حارث کی سند سے ابو اسامہ کی روایت سے لکھی ہے اور مسند الفردوس میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے یہ حدیث مرفوعاً منقول ہے۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّ يُحِبُّوْنَ
تو نہ سمجھ کہ جو لوگ خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر
اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ
اور تعریف چاہتے ہیں بن کئے پر سو مت سمجھ
بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ
اُن کو کہ چھوٹ گئے عذاب سے اور اُن کے لئے عذاب ہے
اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾
دردناک

یہود کی فریب کاری:

یہود مسئلے غلط بتاتے، رشوتیں کھاتے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات و بشارات جان بوجھ کر چھپاتے تھے۔ پھر خوش ہوتے کہ ہماری چالاکیوں کو کوئی پکڑ نہیں سکتا اور امید رکھتے کہ لوگ ہماری تعریف کریں کہ بڑے عالم اور دیندار حق پرست ہیں۔

منافقین کا حال:

دوسری طرف منافقین کا حال بھی ان کے مشابہ تھا۔ جب جہاد کا موقع آتا گھر میں چھپ کر بیٹھ رہتے اور اپنی اس حرکت پر خوش ہوتے کہ دیکھو کیسے جان بچائی۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاد سے واپس تشریف لاتے تو غیر حاضری کے جھوٹے عذر پیش کر کے چاہتے کہ آپؐ سے اپنی تعریف کرائیں، ان سب کو بتلا دیا گیا کہ یہ باتیں دنیا و آخرت میں خدا کے عذاب سے چھڑا نہیں سکتیں۔ اول تو ایسے لوگ دنیا ہی میں فضیحت ہوتے ہیں اور کسی وجہ سے یہاں بچ گئے تو وہاں کسی تدبیر سے نہیں چھوٹ سکتے۔

مسلمانوں کو تنبیہ:

(تنبیہ) آیت میں گو تذکرہ یہود یا منافقین کا ہے لیکن مسلمانوں کو بھی سنانا ہے کہ برا کام کر کے خوش نہ ہوں، بھلا کر کے اترائیں نہیں اور جو اچھا کام کیا نہیں اس پر تعریف کے امیدوار نہ رہیں، بلکہ کرنے کے بعد بھی مدح سرائی کی ہوس نہ رکھیں۔ ﴿تفسیر عثانی﴾

سببِ نزول:

شیخینؒ نے حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے لکھا ہے کہ کچھ منافق ایسے تھے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد پر جاتے تھے تو وہ رہ جاتے تھے، جہاد پر نہیں جاتے تھے اور اپنے بیٹھ رہنے سے خوش ہوتے تھے۔ لیکن جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم واپس آتے تھے تو یہ لوگ قسمیں کھا کر معذرت پیش کرتے تھے اور نا کردہ نیکی پر تعریف کے خواستگار ہوتے تھے۔ اس پر آیت (لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا) ...... الخ نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

وَ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اللّٰهُ
اور اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمان اور زمین کی اور اللہ
عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ۠
ہر چیز پر قادر ہے

جب آسمان و زمین میں اسی کی سلطنت ہے تو مجرم بھاگ کر پناہ کہاں لے سکتا ہے اور جو ہر چیز پر قادر ہے اس کے نفوذ و اختیار سے کون باہر ہو سکتا ہے۔

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ
بیشک آسمان اور زمین کا بنانا
الَّیْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الْاَلْبَابِ ۚۙ
اور رات اور دن کا آنا جانا اس میں نشانیاں ہیں عقل والوں کو

عقل والوں کے لئے سامانِ عبرت:

یعنی عقلمند آدمی جب آسمان و زمین کی پیدائش اور ان کے عجیب و غریب احوال و روابط اور دن رات کے مضبوط و محکم نظام میں غور کرتا ہے تو اس کو یقین کرنا پڑتا ہے کہ یہ سارا مرتب و منظم سلسلہ ضرور کسی ایک مختار کل اور قادر مطلق فرمانروا کے ہاتھ میں ہے، جس نے اپنی عظیم قدرت و اختیار سے ہر چھوٹی بڑی مخلوق کی حد بندی کر رکھی ہے۔ کسی چیز کی مجال نہیں کہ اپنے محدود وجود اور دائرہ عمل سے باہر قدم نکال سکے۔ اگر اس عظیم الشان مشین کا ایک پرزہ یا اس کارخانہ کا ایک مزدور بھی مالک علی الاطلاق کی قدرت و اختیار سے باہر ہوتا تو مجموعہ عالم کا یہ مکمل و محکم نظام ہرگز قائم نہ رہ سکتا۔ (تفسیر عثمانی)

(لِّاُولِی الْاَلْبَابِ) ان لوگوں کے (جاننے اور ماننے کے) لئے جن کی دانش و فہم توہمات کی آمیزش سے پاک اور شیطانی وسوسوں سے منزہ ہے۔ حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا افسوس ہے اس پر جو یہ (آیت) پڑھتا ہے اور اس پر غور نہیں کرتا۔ اخرجہ ابن حبان فی صحیحہ۔

الَّذِیْنَ یَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ
وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے
عَلٰى جُنُوْبِهِمْ
اور کروٹ پر لیٹے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل:

یعنی کسی حال خدا سے غافل نہیں ہوتے۔ اس کی یاد ہمہ وقت ان کے دل میں اور زبان پر جاری رہتی ہے، جیسے حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت عائشہ صدیقہؓ نے فرمایا کان یذکر اللہ علی کل احیانہ۔ نماز بھی خدا کی بہت بڑی یاد ہے، اسی لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو کھڑا ہو کر نہ پڑھ سکے بیٹھ کر اور جو بیٹھ نہ سکے لیٹ کر پڑھ لے۔ بعض روایات میں ہے کہ جس رات میں یہ آیات نازل ہوئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے، بیٹھے، لیٹے، ہر حالت میں اللہ کو یاد کر کے روتے رہے۔ (تفسیر عثمانی)

ہر حال میں نماز:

حضرت عمران بن حصینؓ نے فرمایا مجھے بواسیر تھی۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مریض کی نماز کے متعلق پوچھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کھڑا ہو کر نماز پڑھ۔ کھڑا نہ ہو سکتا ہو تو بیٹھ کر (پڑھ) اور بیٹھ بھی نہ سکے تو پہلو پر لیٹ کر (پڑھ)۔ اخرجہ البخاری و اصحاب السنن الاربعہ۔

نسائی نے حدیث کے آخر میں اتنا زائد نقل کیا ہے کہ اگر (کروٹ سے لیٹ کر) نہ پڑھ سکے تو چت لیٹ کر (پڑھ) اللہ کسی کو طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔

عقل والوں کے اوصاف:

یہ اولی الالباب کی صفت ہے کیونکہ ذکر فکر تسبیح، استغفار، دعا تضرع اور ایمان عقل کا تقاضا ہے جو ان صفات سے متصف نہیں وہ جانور ہے بلکہ چوپایوں سے بھی زیادہ گمراہ کیونکہ چوپائے بھی کسی نہ کسی طرح تسبیح میں مشغول رہتے ہیں۔ (تفسیر مظہری)

حدیث ابن عباس:

چنانچہ بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر رات گزاری، یہ مائی صاحبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ تھیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب آئے تو تھوڑی دیر تک تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت میمونہؓ سے باتیں کرتے رہے پھر سو گئے جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ الخ سے آخر سورۃ تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں پھر کھڑے ہوئے مسواک کر کے وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز ادا کی، حضرت بلالؓ کی صبح کی اذان سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں پڑھیں پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ صحیح بخاری میں یہ روایت دوسری جگہ بھی ہے کہ بستر کے عرض میں تو میں سویا اور لمبائی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ صاحبہ ام المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا لیٹیں، آدھی رات کے قریب قریب کچھ پہلے یا کچھ بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اپنے ہاتھوں سے آنکھیں ملتے ہوئے ان دس آیتوں کی تلاوت کی پھر ایک لٹکی ہوئی مشک میں سے پانی لے کر بہت اچھی طرح کامل وضو کیا اور نماز کو کھڑے ہو گئے۔ میں نے بھی کھڑے ہو کر اسی طرح سب کچھ کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتدا میں نماز کے لئے کھڑا ہو گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر میرے کان کو پکڑ کر مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور دو دو رکعتیں کر کے چھ مرتبہ یعنی بارہ رکعتیں، پڑھیں پھر وتر پڑھا اور لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن نے آ کر نماز کی اطلاع کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر دو ہلکی رکعتیں ادا کیں اور باہر آ کر صبح کی نماز پڑھائی، ابن مردویہ کی اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں مجھ سے میرے والد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ تم آج کی رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آل میں گزارو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کی نماز کی کیفیت دیکھو رات کو جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر چلے گئے میں بیٹھا رہا۔ جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم جانے لگے تو مجھے دیکھ کر فرمایا کون عبداللہ؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیوں رکے ہوئے ہو؟ میں نے کہا والد صاحب کا حکم ہے کہ رات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر گزاروں، تو فرمایا بہت اچھا آؤ، گھر آ کر فرمایا بستر بچھاؤ، ٹاٹ کا تکیہ آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سر رکھ کر سو گئے یہاں تک کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم جاگے اور سیدھی طرح بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر تین مرتبہ سبحان الملک القدوس پڑھا پھر سورۂ آل عمران کے خاتمہ کی آیتیں پڑھیں۔

دُعاء: اور روایت میں ہے کہ آیتوں کی تلاوت کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا پڑھی اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ فِیْ قَلْبِیْ نُوْرًا وَّفِیْ سَمْعِیْ نُوْرًا وَّفِیْ بَصَرِیْ نُوْرًا وَعَنْ یَّمِیْنِیْ نُوْرًا وَعَنْ شِمَالِیْ نُوْرًا وَمِنْ بَیْنَ یَدَیَّ نُوْرًا وَمِنْ خَلْفِیْ نُوْرًا وَمِنْ تَحْتِیْ نُوْرًا وَاَعْظِمْ لِیْ نُوْرًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (ابن مردویہ، تفسیر ابن کثیرؒ)

وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ
اور فکر کرتے ہیں آسمان اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے
رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ
رب ہمارے تو نے یہ عبث نہیں بنایا تو پاک ہے سب عیبوں سے
فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾
سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے

تصور آخرت:

یعنی ذکر و فکر کے بعد کہتے ہیں کہ خداوندا! یہ عظیم الشان کارخانہ آپ نے بیکار پیدا نہیں کیا، جس کا کوئی مقصد نہ ہو یقیناً ان عجیب و غریب حکیمانہ انتظامات کا سلسلہ کسی عظیم و جلیل نتیجہ پر منتہی ہونا چاہئے، گویا یہاں سے ان کا ذہن تصور آخرت کی طرف منتقل ہو گیا، جو فی الحقیقت دنیا کی موجودہ زندگی کا آخری نتیجہ ہے اسی لئے آگے دوزخ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی دعاء کی، اور درمیان میں خدا تعالیٰ کی تسبیح و تنزیہ بیان کر کے اشارہ کر دیا جو احمق قدرت کے ایسے صاف و صریح نشان دیکھتے ہوئے تجھ کو نہ پہچانیں یا تیری شان کو گھٹائیں یا کارخانہ عالم کو محض عبث و لعب سمجھیں، تیری بارگاہ ان سب کی ہزلیات و خرافات سے پاک ہے۔

غور و فکر:

اس آیت سے معلوم ہوا کہ آسمان و زمین اور دیگر مصنوعات الٰہیہ میں غور و فکر کرنا وہ ہی محمود ہو سکتا ہے جس کا نتیجہ خدا کی یاد اور آخرت کی طرف توجہ ہو، باقی جو مادہ پرست ان مصنوعات کے تاروں میں الجھ کر رہ جائیں اور صانع کی صحیح معرفت تک نہ پہنچ سکیں، خواہ دنیا انہیں بڑا محقق اور

سائنسدان کہا کرے، مگر قرآن کی زبان میں وہ اولوالالباب نہیں ہو سکتے، بلکہ پرلے درجہ کے جاہل اور احمق ہیں۔ ﴿تفسیر عثمانیؒ﴾

حسن بصریؒ کا قول ہے کہ ایک ساعت غور وفکر کرنا رات بھر کے قیام کرنے سے افضل ہے۔ حضرت فضیلؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؒ کا قول ہے کہ غور وفکر اور مراقبہ ایک ایسا آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کر دے گا، حضرت سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں غور وفکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا پرتو ڈالے گا اور بسا اوقات یہ بیت پڑھتے

اِذَا الْمَرْءُ کَانَتْ لَهٗ فِکْرَةٌ ۔۔۔ فَفِیْ کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ عِبْرَةٌ

﴿تفسیر ابن کثیرؒ﴾

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا (آیات قدرت پر) غور کرنے کے برابر کوئی عبادت نہیں، اخرجہ البیہقی فی شعب الایمان وابن حبان فی الضعفاء بیہقی اور ابن حبان دونوں نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص اپنے بستر پر چت لیٹا ہوا اوپر کو منہ تھا اچانک اسکی نظر آسمان اور ستاروں پر پڑی تو اس نے کہا میں شہادت دیتا ہوں کہ تیرا ایک مالک اور خالق ہے، اے اللہ مجھے بخش دے اللہ نے اس کی طرف رحمت کی نظر فرمائی اور بخش دیا۔ (رواہ ابوالشیخ ابن حبان والثعلبی)

(اہل منطق کے نزدیک) فکر کا معنی ہے نامعلوم چیز کو جاننے کے لئے معلوم چیزوں کو دماغ کے اندر مناسب ترتیب دینا، قاموس میں ہے کہ کسی چیز کو جاننے کے لئے غور سے کام لینا فکر ہے جوہری نے صحاح میں لکھا ہے کہ فکرۃ وہ قوت جو معلوم تک پہنچنے کے لئے علم کا راستہ بتاتی ہے اور تفکر کا معنی ہے قوت فکری کی حرکت جو عقلی نظر کے موافق ہو اور یہ صرف انسان کی خصوصیت ہے دوسرے حیوان تفکر سے محروم ہیں کیونکہ کسی حیوان کو قوت عقلیہ نہیں ملی حیوان کے پاس صرف حس ہے۔ تفکر کا تعلق صرف انہی چیزوں سے ہوتا ہے جن کی صورت دماغ میں آنا ممکن ہو اسی لئے روایت میں آیا ہے کہ اللہ کی نعمتوں پر غور کرو اللہ کی ذات میں غور نہ کرو، کیونکہ اللہ کی ذات ہر صورت سے پاک ہے۔

اللہ کی ذات میں غور نہ کرو:

میں کہتا ہوں حدیث میں آیا ہے کہ ہر شے میں غور وخوض کرو مگر اللہ کی ذات میں غور نہ کرو کیونکہ ساتویں آسمان سے اللہ کی کرسی تک سات ہزار نور ہیں اور اللہ اس سے بھی بالا ہے۔ رواہ ابوالشیخ فی العظمۃ عن ابن عباسؓ۔

حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت کے یہ الفاظ ہیں خلق میں غور کرو خالق کی ذات میں غور نہ کرو کیونکہ تم اس کا اندازہ کر نہیں سکتے، حضرت ابو ذرؓ کی روایت بایں الفاظ ہے کہ اللہ کی خلق میں غور کرو اللہ کی ذات میں غور نہ کرو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔ ابونعیم نے حلیہ میں حضرت ابن عباسؓ کی روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے کہ اللہ کی مخلوق میں غور کرو اللہ کی ذات میں غور نہ کرو۔ طبرانی نے الاوسط میں اور ابوالشیخؒ نے اور ابن عدیؒ نے اور بیہقی نے ضعیف سند سے یہ الفاظ نقل کئے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں غور کرو۔ اللہ میں غور نہ کرو۔

ان تمام احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کی ذات میں غور کرنا منع ہے صرف افعال خدا صفات خدا اور اسماء خدا پر غور کیا جا سکتا ہے۔

اللہ ہمارے نفس سے بھی زیادہ ہم سے قریب ہے شدت قرب نے ہی اس کو ہمارے لئے نامعلوم بنا دیا ہے پس وہ وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے پھر وراء الوراء ہے مگر اس کا وراء الوراء (پردہ در پردہ) ہونا بعد کی جانب نہیں ایسا نہیں کہ انتہائی دوری کی وجہ سے وہ مستور ہو بلکہ قرب کی جانب ہے یعنی انتہائی قرب کی وجہ سے وہ مجہول غیر مرئی غیر معقول اور مخفی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس غور وفکر کو افضل عبادت فرمایا ہے۔ ﴿ابن کثیر﴾

غور وفکر کی کثرت:

حضرت وہب بن منبہؒ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص کثرت سے غور فکر کرے گا تو حقیقت سمجھ لے گا، اور جو سمجھ لے گا اس کو علم صحیح حاصل ہو جائے اور جس کو علم صحیح حاصل ہو گیا وہ ضرور عمل بھی کرے گا۔ ﴿ابن کثیر﴾

عبرت کے خزانے:

حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فرمایا کہ ایک بزرگ کا گذر ایک عابد زاہد کے پاس ہوا، جو ایسی جگہ بیٹھے ہوئے تھے کہ ان کے ایک طرف قبرستان تھا اور دوسری طرف گھروں کا کوڑا کباڑ وغیرہ تھا، گذرنے والے بزرگ نے کہا کہ دنیا کے دو خزانے تمہارے سامنے ہیں ایک انسانوں کا خزانہ جسے

قبرستان کہتے ہیں، دوسرا مال و دولت کا خزانہ جو فضلات اور گندگی کی صورت میں ہے یہ دونوں خزانے عبرت کے لئے کافی ہیں۔ ﴿ابن کثیر﴾

حضرت عبداللہ بن عمرؓ اپنے قلب کی اصلاح و نگرانی کے لئے شہر سے باہر کسی ویرانہ کی طرف نکل جاتے تھے، اور وہاں پر پہنچ کر کہتے اَیْنَ اَھْلُکَ یعنی تیرے بسنے والے کہاں گئے؟ پھر خود ہی جواب دیتے (کُلُّ شَیْءٍ ھَالِکٌ اِلَّا وَجْھَہٗ) ۔یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر چیز ہلاک ہونے والی ہے (ابن کثیر) اس طرح تفکر کے ذریعہ آخرت کی یاد اپنے قلب میں مستحضر کرتے تھے۔

گناہوں کا علاج:

حضرت بشر حافیؒ نے فرمایا کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت میں تفکر کرتے تو اس کی معصیت و نافرمانی نہ کرسکتے۔

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: اے ضعیف الخلقت آدمی! تو جہاں بھی ہو خدا سے ڈر، اور دنیا میں ایک مہمان کی طرح بسر کر، اور مساجد کو اپنا گھر بنالے، اور اپنی آنکھوں کو خوف خدا سے رونے کا اور جسم کو صبر کا اور قلب کو فکر کا عادی بنادے اور کل کے رزق کی فکر نہ کر۔

ہمہ اندر زمن تراز مین است کہ تو طفلی و خانہ رنگین است

اور اسی بے بصیرتی کو حضرت مجذوبؒ نے اس طرح بیان فرمایا۔

کچھ بھی مجنوں جو بصیرت تجھے حاصل ہو جائے
تو نے لیلیٰ جسے سمجھا ہے وہ محمل ہو جائے

حکماء کا قول:

بعض حکماء نے فرمایا ہے جو شخص کائنات عالم کو عبرت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا تو بقدر اس کی غفلت کے اس کے قلب کی بصیرت مٹ جاتی ہے آج کی سائنٹفک اور حیرت انگیز ایجادات اور ان میں الجھ کر رہ جانے والے موجدین کی خدا تعالیٰ اور اپنے انجام کار سے غفلت حکماء کے اس مقولہ کی کھلی شہادت ہے کہ سائنس کی ترقیات جوں جوں خدا تعالیٰ کی کمال صنعت کے رازوں کو کھولتی جاتی ہیں، اتنا ہی وہ خدا شناسی ......اور حقیقت آگاہی سے اندھے ہوجاتے ہیں، بقول اکبر مرحوم۔

بھول کر بیٹھا ہے یورپ آسمانی باپ کو
بس خدا سمجھا ہے اس نے برق کو اور بھاپ کو

تخلیق ارض و سما کے باطل اور بیکار نہ ہونے کا علم چاہتا ہے کہ ثواب کی امید اور عذاب کا خوف ہو لہٰذا ضروری ہے کہ عذاب سے بچنے کی درخواست اور ثواب کی طلب کی جائے۔

(فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ) : پس ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے یعنی اگر ہمارے تفکر اور غور میں کوئی خرابی ہو جائے اور ہم غور و فکر کا تقاضا پورا نہ کرسکیں اور عذاب کے مستحق قرار پائیں، تو ہم کو عذاب سے محفوظ رکھ۔ ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

حق و باطل کا معنیٰ:

باطل حق کی ضد ہوتا ہے (قاموس) حق کا اطلاق تین معانی پر ہوتا ہے۔

(۱) وہ موجود جو کہ اصلی ہو خود بخود ہو وہ اپنے وجود اور تحقیق بلکہ کسی چیز میں دوسرے کا محتاج نہ ہو۔ بایں معنی حق صرف اللہ ہے۔

(۲) وہ موجود جس کا وجود محض وہمی تراشیدہ اور خیالی نہ ہو بلکہ ذہن سے باہر واقع میں بھی ہو خواہ وہ اپنے تحقق میں موجود حق بمعنی اول سے خوشہ چیں ہوں (جیسے آسمان زمین ہوا پانی انسان حیوان نباتات وغیرہ)۔

(۳) وہ موجود جس کا وجود پر حکمت پر مصلحت اور مفید ہو بے کار بے فائدہ بے حکمت اور بیہودہ نہ ہو۔

حق کے یہ تین معانی ہیں اور ہر معنی کے مقابل لفظ باطل آتا ہے اول معنی کے اعتبار سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ سب سے اچھا قول لبید (بن ربیعہ) کا قول ہے الا کل شئی ما خلا اللہ باطل آگاہ ہوجاؤ کہ اللہ کے سوا ہر چیز باطل ہے یعنی اپنے وجود لوازم وجود اور ہر وصف میں محتاج ہے کسی چیز کا وجود اصلی اور خود بخود نہیں ہے باطل کا دوسرا معنی بھی شعر میں مراد ہوسکتا ہے یعنی اللہ کے سوا ہر معبود کی معبودیت وہمی زائدہ اور خیالی تراشیدہ ہے واقعی نہیں تیسرے معنی کے لحاظ سے باطل اور اطلاق شیطان پر ہوتا ہے اللہ نے فرمایا (لَا یَاْتِیْهِ الْبَاطِلُ مِنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهٖ) اس کے آگے پیچھے (کسی طرف) سے شیطان نہیں آتا۔

آیت (رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا) میں باطل بمعنی دوئم اور بمعنی سوئم مراد ہوسکتا ہے اگر باطل بمعنی دوئم مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ یہ آسمان و زمین بے حقیقت نہیں ان کا وجود واقعی خارجی ہے محض خیال و وہم

نہیں۔ اہل حق (اشاعرہ) نے صانع کے وجود کو ثابت کرنے کے لئے اسی مسئلہ کو اساس قرار دیا ہے اور صراحت کی ہے کہ حقائق اشیاء (یعنی کائنات ارضی و سماوی کی حقیقتیں) ثابت ہیں صرف وہم کی آفریدہ اور خیال کی تراشیدہ نہیں ہیں، اور ان کا علم واقعی ہے محض فرضی اور اختراعی نہیں ہے ہاں سوفسطائیہ کا قول اس کے خلاف ہے ان کے نزدیک سارا عالم ایک فریب اور وہم ہے کسی چیز کی کوئی واقعی حقیقت اور خارجی وجود نہیں۔ اس آیت میں اہل حق کے قول کی صراحت ہے۔ اور اگر آیت میں باطل بمعنی سوم مراد ہو تو آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ اے رب تو نے اس کو بیکار اور محض کھیل نہیں بنایا بلکہ اس کی تخلیق میں تیری حکمت عظیمہ کارفرما ہے اس کا وجود تیری معرفت کی دلیل اور تیری شکر و طاعت کا موجب ہے۔

(مَا خَلَقْتَ هٰذَا): میں اشارہ آسمان اور زمین کی طرف ہے اسم اشارہ مذکر اس لئے لایا گیا کہ آسمان و زمین کے مجموعہ سے مراد ہے ان کا وجود جس پر اولی الالباب غور کرتے ہیں یا اس لئے کہ ان کا مجموعہ مخلوق ہے یا اشارہ خلق کی طرف ہے اور خلق بمعنی مخلوق ہے یا خلق بمعنی تخلیق ہے (پیدا کرنا) یہ بھی ممکن ہے کہ آسمان و زمین کے ہر جزء کی پیدائش کی طرف اشارہ ہو۔ (سُبْحٰنَكَ): تو پاک ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ
اے رب ہمارے جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا سو اس کو رسوا کر دیا

جو شخص جتنی دیر دوزخ میں رہے گا اس قدر رسوائی سمجھو، اس وعدہ سے دائمی رسوائی صرف کفار کے لئے جن آیات میں عامہ مومنین سے خزی (رسوائی) کی نفی کی گئی ہے وہاں یہی معنی سمجھنے چاہئیں۔

حضرت جابرؓ نے فرمایا مومن کو رسوا کرنے سے مراد ہے ادب آموزی۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾
اور نہیں کوئی گناہ گاروں کا مدد گار

ظالم: یعنی جس کو خدا دوزخ میں ڈالنا چاہے، کوئی حمایت کر کے بچا نہیں سکتا۔

مسئلہ شفاعت:

ہاں جن کو ابتداء میں یا آخر میں چھوڑ نا اور معاف کر دینا ہی منظور ہوگا (جیسے عصاۃ مومنین) ان کے لئے شفعاء کو اجازت دی جائے گی کہ سفارش کر کے بخشوائیں، وہ اس کے مخالف نہیں، بلکہ آیات و احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

نصرت کا معنی ہے قوت سے دفع کرنا قہار کے مقابلہ میں طاقت سے دفع کرنے کا تصور ہی نہیں ہو سکتا، ورنہ قہار کا عاجز ہونا لازم آئے گا اور عاجز ہونا صفت ربوبیت کے منافی ہے لیکن اس سے شفاعت کی نفی نہیں ہوتی (کیونکہ شفاعت سے دفعہ مصیبت قوت کے ساتھ نہیں ہوتا) ﴿تفسیر مظہری﴾

رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ
اے رب ہمارے ہم نے سنا کہ ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان
اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ
لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر

ایمان کا منادی:

یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جنہوں نے بڑی اونچی آواز سے دنیا کو پکارا۔ یا قرآن کریم جس کی آواز گھر گھر میں پہنچ گئی۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

میں کہتا ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا متواتر فرمان سننا ہی ایسا ہے جیسے کسی نے خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا (یعنی رودررو ہو کر سننا جس طرح مفید یقین ہوتا ہے اسی طرح اگر کوئی فرمان تواتر کے ساتھ کسی کے پاس پہنچے تو وہ بھی خود زبان مبارک سے سننے کی طرح مفید یقین ہے، پکارنے والے کو سنا، فرمایا پکارنے والے کے قول کو سنا نہیں فرمایا۔ کیوں؟ سننے کی قوت بتانے کے لئے پہلے منادیا کو نکرہ ذکر کیا، منادی کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے پھر اس کی ندا کو ایمان کے ساتھ مقید کیا۔ منادی اور ندا کی مزید عظمت بیان کرنے کے لئے کیونکہ ایمان کے لئے پکارنے والے سے زیادہ با عظمت منادی اور ندائے ایمانی سے بڑھ کر کوئی ندا ممکن نہیں۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

فَاٰمَنَّا ۖ
سو ہم ایمان لے آئے

ایمان عقلی اور سمعی:

پہلے ایمان عقلی کا ذکر تھا، یہ ایمان سمعی ہوا جس میں ایمان بالرسول اور ایمان بالقرآن بھی درج ہو گیا۔ (تفسیر عثمانی)

فقط دعوت ایمان پر ایمان لانا بتا رہا ہے کہ ایمان کی بناء عقلی دلیلوں پر نہیں ہے بلکہ صرف شارع کی طرف سے دیئے ہوئے حکم پر ہے۔

مسئلہ: اس آیت سے شیخ ابو منصورؒ ماتریدی نے استدلال کیا ہے کہ ایمان میں استثناء باطل ہے یعنی یہ کہنا غلط ہے کہ میں ان شاء اللہ مومن ہوں۔ بلکہ اس طرح کہنا واجب ہے کہ میں یقینی مومن ہوں۔ (مظہری)

رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا
اے رب ہمارے اب بخش دے گناہ ہمارے اور دور کر دے ہم سے
وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿۱۹۳﴾
بُرائیاں ہماری اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کیساتھ

یعنی ہمارے بڑے بڑے گناہ بخش دے اور چھوٹی موٹی برائیوں پر پردہ ڈال دے اور جب اٹھانا ہو نیک بندوں کے زمرہ میں شامل کر کے دنیا سے اٹھالے۔

رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا
اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں
تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ
کے واسطہ سے اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن

وعدہ الٰہی:

یعنی پیغمبروں کی زبانی، ان کی تصدیق کرنے پر جو وعدے آپ نے کئے ہیں مثلاً دنیا میں آخر کار اعداء اللہ پر غالب و منصور کرنا اور آخرت میں جنت و رضوان سے سرفراز فرمانا، ان سے ہم کو اس طرح بہرہ اندوز کیجئے کہ قیامت کے دن ہماری کسی قسم کی ادنیٰ سے ادنیٰ رسوائی بھی نہ ہو۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

قیامت کے دن معافی اور ستاری:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا قیامت کے دن اللہ بندہ کو اپنے قریب بلوا کر اس پر اپنا ہاتھ رکھے گا اور مخلوق سے چھپا کر اس کے سامنے اس کا اعمالنامہ لا کر فرمائے گا اپنا اعمالنامہ پڑھ۔ حسب الحکم بندہ پڑھے گا اور نیکی کو لکھا دیکھ کر اس کا چہرہ چمک جائے گا اور دل خوش ہو گا اللہ فرمائے گا میرے بندے کیا تو اسکو پہچانتا ہے بندہ عرض کرے گا ہاں پروردگار پہچانتا ہوں اللہ فرمائے گا میں نے تیری نیکی قبول کی بندہ فوراً سجدہ میں گر پڑے گا اللہ فرمائے گا اپنا سر اٹھا اور اپنے اعمالنامہ کو (اور آگے) پڑھ حسب الحکم بندہ پڑھے گا اور بدی لکھی دیکھ کر اس کا چہرہ سیاہ اور دل خوف زدہ ہو جائے گا اللہ فرمائے میرے بندے کیا تو اس کو پہچانتا ہے بندہ عرض کرے گا ہاں میرے رب پہچانتا ہوں اللہ فرمائے گا میں تجھ سے زیادہ اسکو جانتا ہوں مگر میں نے تجھے یہ گناہ معاف کیا۔ اسی طرح بندہ پڑھتا جائے گا نیکی کو پڑھے گا اور اللہ کی طرف سے قبول ہونے کا فرمان سن کر سجدہ کرے گا اور بدی کو پڑھے گا اور معافی کا حکم سن کر سجدہ کرے گا مگر مخلوق کو کچھ معلوم نہ ہو گا کہ واقعہ کیا گذر رہا ہے فقط اس کا سجدہ کرنا دکھائی دے گا۔ اس لئے بعض لوگ آپس میں چپکے چپکے کہیں گے بشارت ہو اس بندہ کو جس نے کبھی اللہ کی نافرمانی نہیں کی کسی کو معلوم نہ ہو گا کہ اللہ کا اور اس کا کیا معاملہ گذرا۔ رواہ عبداللہ بن احمد فی الزوائد واخرج البیہقی عن ابی موسیٰ نحوہ۔ حضرت ابن عمرؓ کی روایت سے صحیحین میں بھی ایسی ہی حدیث آئی ہے۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۱۹۴﴾
بیشک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا

توفیق کی درخواست:

یعنی آپ کے ہاں تو وعدہ خلافی کا احتمال نہیں، ہم میں احتمال ہے کہ مبادا ایسی غلطی نہ کر بیٹھیں جو آپ کے وعدوں سے مستفید نہ ہو سکیں۔ اس لئے درخواست ہے کہ ہم کو ان اعمال پر مستقیم رہنے کی توفیق دیجئے جن کی آپ کے وعدوں سے متمتع ہونے کے لئے ضرورت ہے۔ (تفسیر عثمانی)

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ
پھر قبول کی انکی دعاء انکے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا
عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ
محنت کسی محنت کرنے والے کی تم میں سے مرد ہو یا عورت تم

مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ
آپس میں ایک ہو

مرد وعورت:

یعنی مرد ہو یا عورت ہمارے ہاں کسی کی محنت ضائع نہیں جاتی، جو کام کرے گا اس کا پھل پائے گا۔ یہاں عمل شرط ہے نیک عمل کر کے ایک عورت بھی اپنی استعداد کے موافق آخرت کے وہ درجات حاصل کر سکتی ہے جو مرد حاصل کر سکتے ہیں۔ جب تم مرد وعورت ایک نوع انسانی کے افراد ہو، ایک آدم سے پیدا ہوئے ہو، ایک رشتہ اسلامی میں منسلک ہو، ایک اجتماعی زندگی اور امور معاشرت میں شریک رہتے ہو تو اعمال اور انکے ثمرات میں بھی اپنے کو ایک ہی سمجھو۔

سببِ نزول:

روایات میں ہے کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا تھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! قرآن میں کہیں ہم عورتوں کی ہجرت وغیرہ اعمال حسنہ کا بالتخصیص ذکر نہیں آتا۔ اس کا جواب اس آیت میں دیا گیا۔ (تفسیر عثمانی)

فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ
پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور نکالے گئے اپنے گھروں
وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا
سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے
لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ
البتہ دُور کروں گا میں اُن سے برائیاں اُن کی اور داخل کروں گا
جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ
اُن کو باغوں میں جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں

مہاجرین ومجاہدین:

یعنی جب کسی عمل کرنے والے کا چھوٹا موٹا عمل بھی ضائع نہیں ہوتا، پھر ان مردان خدا کا تو پوچھنا ہی کیا ہے جنہوں نے کفر وعصیان چھوڑنے کے ساتھ دارالکفر بھی چھوڑ دیا وطن، خویش واقارب، اہل وعیال اور مال ومتاع سب کو خیر باد کہہ کر دارالاسلام کی طرف نکل کھڑے ہوئے کفار نے ان پر وہ ظلم وستم توڑے کہ گھروں میں ٹھہرنا محال ہوگیا، وطن چھوڑنے اور گھر بار ترک کرنے پر بھی دشمنوں نے چین نہ لینے دیا، طرح طرح کی ایذائیں پہنچاتے رہے، اور یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ وہ میرا نام لیتے تھے اور میرا کلمہ پڑھتے تھے ﴿يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ﴾ (الممتحنہ رکوع ۱) ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (بروج رکوع ۱) آخر وہ میرے راستہ میں لڑے اور لڑ کر جان دیدی۔ یہ بندے ہیں جن کی تمام تقصیرات معاف کر دی گئیں، اور جنت ان کا انتظار کر رہی ہے۔ (تفسیر عثمانی)

ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ
یہ بدلہ ہے اللہ کے ہاں سے اور اللہ کے
حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾
ہاں ہے اچھا بدلہ

اچھا بدلہ

یعنی اچھا بدلہ تو خدا ہی کے پاس ہے اور کہیں سے نہیں مل سکتا۔ یا یہ مطلب ہو کہ اس بدلہ سے بھی اچھا بدلہ خدا کے پاس ہے یعنی اس کا دیدار مبارک۔ (تفسیر عثمانی)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا

انصار کا بیان ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلی مہاجرہ عورت جو ہودج میں آئیں۔ حضرت ام سلمہؓ ہی تھیں۔ مائی صاحبہؓ سے یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت سب سے آخر میں اتری ہے۔

قرض معاف نہ ہوگا:

صحیحین میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر میں صبر کے ساتھ نیک نیتی سے اور دلیری سے پیچھے نہ ہٹ کر راہ خدا میں جہاد کروں اور پھر شہید ہو جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرما دے گا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ہاں''۔ پھر دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے سوال کیا کہ ''ذرا پھر کہنا تم نے کیا کہا تھا؟'' اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرا دیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں! مگر قرض معاف نہ ہوگا۔ یہ بات جبرئیلؑ مجھ سے ابھی کہہ گئے۔

حضرت شدادؓ کی نصیحت:

حضرت شداد بن اوسؓ فرماتے ہیں لوگو! اللہ تعالیٰ کی قضا پر غمگین اور بے صبر نہ ہو جایا کرو۔ سنو مومن پر ظلم و جور نہیں ہوتا اگر تمہیں خوشی اور راحت پہنچے تو خدا تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر کرو اور اگر برائی پہنچے تو صبر و سہار کرو اور نیکی اور ثواب کی تمنا رکھو اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین بدلے اور پاکیزہ ثواب ہیں۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي
تجھ کو دھوکا نہ دے چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں
الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ
یہ فائدہ ہے تھوڑا سا پھر اُن کا ٹھکانہ دوزخ ہے
وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾
اور وہ بہت بُرا ٹھکانہ ہے

کفار کی بودوباش سے دھوکہ نہ کھاؤ:

یعنی کفار جو ادھر ادھر تجارت وغیرہ کر کے دولت کماتے اور اکڑتے پھرتے ہیں، مسلمان کو چاہئے کہ ان سے دھوکہ نہ کھائے یہ محض چند روز کی بہار ہے، اگر ایک شخص کو چار دن پلاؤ، قورمے کھلانے کے بعد پھانسی یا حبس دوام کی سزا دی جائے تو وہ کیا خوش عیش ہوا، خوش عیش وہ ہے جو تھوڑی سی محنت اور تکلیف اٹھا کر ہمیشہ کے لئے اعلیٰ درجہ کی راحت و آسائش کا سامان مہیا کر لے۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

کافروں کا عذاب:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی عاجز (کی راحت اور اچھی حالت دیکھ کر اس پر رشک نہ کرو تم کو نہیں معلوم کہ مرنے کے بعد اس کے سامنے کیا آئے گا اللہ کے نزدیک اس کے لئے ایک ایسا مارڈالنے والا متعین ہے جو (خود) کبھی نہیں مرے گا یعنی دوزخ۔ ﴿رواہ البغوی فی شرح السنۃ﴾

دنیا و آخرت

حضرت مستورؓ بن شداد راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی ہے جیسے تم میں سے کوئی اپنی انگلی سمندر میں ڈال کر نکال لے پھر اپنی انگلی کو دیکھے کہ اس پر کتنی (تری لگ کر) لوٹی ہے۔ رواہ مسلم (مظہری)

لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ
لیکن جو لوگ ڈرتے رہے اپنے رب سے انکے لئے باغ ہیں
تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا
جن کے نیچے بہتی ہیں نہریں ہمیشہ رہینگے اُن میں

اب اس عیش و کامیابی کا اس چند روزہ بہار سے مقابلہ کرو کہ یہ بہتر ہے یا وہ؟ (تفسیر عثمانی)

اہل نحو کے نزدیک لکن کا استعمال استدراک کے لئے ہوتا ہے یعنی گذشتہ کلام سے جو مقصود کے خلاف وہم پیدا ہوسکتا ہے اس کو دفع کرنے کے لئے لکن سے دوسرا کلام شروع کیا جاتا ہے یہاں بھی یہ وہم پیدا ہوتا تھا کہ حب دنیا میں آسائش کے ساتھ رہنے والوں کی متاع قلیل ہے تو اہل تقویٰ کی متاع اس سے بھی قلیل ہوگی کیونکہ وہ تو ویسے ہی لذتوں سے دست کش ہو چکے ہیں اس وہم کو دور کرنے کے لئے اللہ نے فرمایا کہ جن متقیوں نے دنیا میں ایسی کمائی کر لی جو آخرت کی نعمتوں کے حصول کا وسیلہ اور ذریعہ ہے تو حقیقت میں انہوں نے ہی دنیا سے ایسا بیش بہا فائدہ اٹھا لیا کہ اس سے زیادہ ہو ہی نہیں سکتا۔ علماء معانی کے نزدیک لکن کا استعمال مخاطب کے خیال کو رد کرنے کیلئے ہوتا ہے اس صورت میں کافروں کے اس خیال کا رد ہو جائے گا کہ ہم ہی دنیا میں لذت اندوز اور بہرہ یاب ہیں اور مسلمان سراسر گھاٹے میں ہیں۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد دوم﴾

نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ
مہمانی ہے اللہ کے ہاں سے

مہمانی اس لئے کہا کہ مہمان کو اپنے کھانے پینے کی کچھ فکر کرنی نہیں پڑتی، عزت اور آرام سے بیٹھے بٹھائے ہر چیز تیار ملتی ہے۔

متقیوں کا اعزاز

نزل مہمانی کا وہ سامان جو کسی آنے والے مہمان کے لئے تیار کیا

جاتا ہے۔ نزلا کا لفظ اہل تقویٰ کے مرتبہ کی بلندی کو ظاہر کر رہا ہے کہ اللہ نے ان کو اپنا مہمان بنایا اور کریم میزبان اپنی استعداد و قدرت کے مطابق بہترین ضیافتی سامان مہمان کے لئے مہیا کرتا ہے پس اللہ اپنے مہمانوں کے لئے اپنی لامحدود قدرت اور محیط کل کرم کے موافق سامان ضیافت پیش فرمائے گا۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد۲﴾

وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾ وَاِنَّ

اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیک بختوں کے واسطے

مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ

اور کتاب والوں میں بعضے وہ بھی ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر

وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ

اور جو اترا تمہاری طرف اور جو اُترا ان کی طرف عاجزی کرتے

خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ

ہیں اللہ کے آگے نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا ایسی

ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ

ہیں جن کے لئے مزدوری ہے اُن کے رب کے ہاں

اہل کتاب کے متقی:

اوپر عام متقین کا حال بیان ہوا تھا۔ اب اہل کتاب میں جو متقی ہوں ان کا خصوصیت سے ذکر فرماتے ہیں یعنی جو اہل کتاب اللہ پر ٹھیک ٹھیک ایمان لائے قرآن کو مانا اور چونکہ خود قرآن تورات و انجیل کی تصدیق کرتا ہے ان کو بھی مانا، مگر اس طرح نہیں جیسے دنیا پرست احبار مانتے تھے کہ تھوڑے سے دنیوی فائدہ کی خاطر آیات اللہ کو چھپا لیا یا بدل ڈالا، بلکہ خدا کے آگے عاجزی اور اخلاص سے گرے اور جس طرح اس نے کتابیں اتاری تھیں ٹھیک ٹھیک اسی اصلی رنگ میں ان کو تسلیم کیا۔ نہ بشارات کو چھپایا، نہ احکام کو بدلا۔ ایسے پاکباز حق پرست اہل کتاب کے لئے اللہ کے ہاں مخصوص اجر ہے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کی تصریحات سے ثابت ہے کہ ایسے اہل کتاب کو دوہرا اجر ملے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سادگی:

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں بالا خانہ پر خدمت گرامی میں حاضر ہوا میں نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک کھری چٹائی پر استراحت فرما ہیں۔ سر کے نیچے چمڑے کا تکیہ تھا جس میں پوست کھجور کے ریشے بھرے ہوئے تھے قدموں کے پاس کچھ پکا چمڑا تہ کیا رکھا تھا سرہانے کچی کھال لٹک رہی تھی اور چٹائی کے نشان پہلو مبارک پر پڑ گئے تھے میں یہ دیکھ کر رونے لگا فرمایا کس وجہ سے روتے ہو۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسریٰ اور قیصر اس (عیش کی) حالت میں ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور (اس تنگ حالی میں ہیں) فرمایا کیا تم اس پر رضامند نہیں کہ ان کے لئے دنیا ہو اور ہمارے لئے آخرت۔ دوسری روایت میں آیا ہے کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرمائیے کہ اللہ آپ کی امت کو کشائش فرما دے کیونکہ اللہ نے فارس و روم والوں کو کشائش عطا فرمادی ہے حالانکہ وہ خالص اللہ کی عبادت بھی نہیں کرتے فرمایا اے ابن خطابؓ کیا تم اس خیال میں تھے کہ اس قوم کو تو اللہ نے دنیاوی زندگی میں ہی ان کی پسند کی چیزیں فوری طور پر دیدی ہیں۔

دُنیا اور مومن:

صحیحین حضرت عبداللہ بن عمرو (بن عاص) راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کال (کا زمانہ) ہے جب وہ دنیا چھوڑتا ہے تو قید خانہ اور کال کے زمانہ سے چھوٹتا ہے۔ رواہ البغوی فی شرح السنۃ۔ حضرت قتادہ بن نعمانؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ کسی بندہ سے محبت کرتا ہے تو دنیا سے اس کو بچاتا ہے جیسے تم اپنے بیمار کا پانی سے پرہیز کراتے ہو۔ (احمد والترمذی)

حضرت نجاشی کی فضیلت:

حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا یہ آیت نجاشی کے متعلق نازل ہوئی۔ ﴿رواہ الحاکم فی المستدرک﴾

بغوی نے لکھا ہے کہ جس روز نجاشی کی وفات ہوئی اسی روز حضرت جبرئیل نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وفات کی اطلاع دیدی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ

سے فرمایا شہر سے باہر نکل کر اپنے بھائی نجاشی کی نماز پڑھو اس کا انتقال دوسرے ملک میں ہو گیا ہے۔ چنانچہ بقیع کو تشریف لے گئے آپ کے سامنے سرزمین حبش تک پردہ ہٹا دیا گیا اور نجاشی کا جنازہ آپ نے خود آنکھوں سے دیکھ کر نماز جنازہ پڑھی جس میں چار تکبیریں کہیں اور دعاء مغفرت کی۔ منافق کہنے لگے ان کو تو دیکھو ایک حبشی عیسائی کافر کی نماز پڑھ رہے ہیں جو ان کے دین پر نہیں تھا۔ نہ اس کو کبھی انہوں نے دیکھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ ﴿تفسیر مظہری اردو جلد ۲﴾

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نجاشی کے انتقال کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحابؓ کو دی اور فرمایا کہ تمہارا بھائی حبشے میں انتقال کر گیا ہے اس کے جنازے کی نماز ادا کرو اور میدان میں جا کر صحابہؓ کی صفیں مرتب کر کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔

ابوداؤد میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نجاشی کے انتقال کے بعد ہم یہی سنتے رہے کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے۔

بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملتا ہے جن میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لایا اور مجھ پر بھی ایمان لایا۔

اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾
بے شک اللہ جلد لیتا ہے حساب

حساب:

یعنی حساب کا دن کچھ دور نہیں، جلد آنے والا ہے اور جب حساب شروع ہوگا تمام دنیا کا پائی پائی حساب بہت جلد بیباق کر دیا جائے گا۔ ﴿تفسیر عثمانی﴾

روایت میں آیا ہے کہ اللہ تمام مخلوق کا حساب آدھے دن کی بقدر مدت میں طے کر دے گا اور آدھا دن بھی دنیا کے ایک دن کے آدھے کے برابر۔ آیت کا مقصود یہ ہے کہ جس اجر کا وعدہ کیا گیا ہے وہ بہت جلد ملنے والا ہے۔ سرعت حساب سے مجاز اً مراد ہے جلد بدلہ دینا۔ (مظہری)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا
اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو

وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾
اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم اپنی مراد کو پہنچو

جامع مانع نصیحت

خاتمہ پر مسلمانوں کو ایک نہایت جامع و مانع نصیحت فرما دی جو گویا ساری سورت کا ماحصل ہے یعنی اگر کامیاب ہونا اور دنیا و آخرت میں مراد کو پہنچنا چاہتے ہو تو سختیاں اٹھا کر بھی طاعت پر جمے رہو، معصیت سے رکو، دشمن کے مقابلہ میں مضبوطی اور ثابت قدمی دکھلاؤ، اسلام اور حدود اسلام کی حفاظت میں لگے رہو، جہاں سے دشمن کے حملہ آور ہونے کا خطرہ ہو وہاں آہنی دیوار کی طرح سینہ سپر ہو کر ڈٹ جاؤ،

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَعَدُوَّكُمْ (انفال رکوع ۸)

اور ہر وقت ہر کام میں خدا سے ڈرتے رہو۔ یہ کر لیا تو سمجھو کہ مراد کو پہنچ گئے۔ اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مُفْلِحِيْنَ وَفَائِزِيْنَ بِفَضْلِكَ وَرَحْمَتِكَ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ اٰمِيْن۔ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کے لئے اٹھتے تو آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دس آیتیں (اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) سے ختم سورۃ تک تلاوت کرتے تھے۔ (تفسیر عثمانی)

(وَصَابِرُوْا): اور شدائد جنگ پر دشمنوں سے زیادہ جمے رہو کیونکہ تمہاری طرح زخموں کا اور بھوک پیاس تھکان وغیرہ کا ان کو بھی دکھ ہوتا ہے۔ مگر نتیجہ میں ان کو جزاء آخرت اور جنت کی کوئی امید نہیں ہوتی اور تم اللہ سے امید رکھتے ہو۔ اصبروا میں عام صبر کا حکم دیا گیا اور صابروا میں خاص قسم کے صبر کا۔

جس طرح کفار کے مقابلہ میں جہاد اصغر کرنے پر صبر ہوتا ہے اسی طرح نفس کے مقابلہ جہاد اکبر کرنے کا حکم ہے نفس دنیا اور دنیا کی خواہشات کی طلب میں بڑی بڑی تکلیفیں اور دکھ برداشت کرتا ہے اور کبھی ابدی نعمات جنت کو حاصل کرنے کے لئے بھی دکھ اٹھاتا ہے پس صوفی پر لازم ہے کہ ان سب سے زیادہ مولیٰ کی طلب کے لئے شدائد برداشت کرے۔

(وَرَابِطُوْا) اور مقابلہ کے لئے مستعد رہو۔ یعنی سرحدوں پر دشمنوں سے لڑنے کے لئے خود بھی تیار رہو اور گھوڑوں کو بھی تیار رکھو، یا یہ مراد ہے کہ اپنی

جانوں کو اپنے دلوں کو اور اپنے بدنوں کو اللہ کے ذکر وطاعت اور مسجدوں کے اندر ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار اور ذکر کے حلقوں کے لئے تیار رکھو۔

ربط کا لغوی معنی ہے باندھنا۔ مراد سرحدوں پر گھوڑے باندھے رکھنا اس کے بعد ربط کے مفہوم میں مزید توسیع کی گئی اور معنی ہو گیا سرحدوں پر ہر مقیم کا دشمن کو دفع کرنے کے لئے مستعد رہنا خواہ اس کے پاس گھوڑا ہو یا نہ ہو۔ ﴿تفسیر مظہری﴾

صحیح مسلم شریف اور نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو میٹ دیتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے۔ تکلیف ہوتے ہوئے کامل وضو کرنا دور سے چل کر مسجدوں میں آنا ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے یہی مرابطہ ہے یہی خدا تعالیٰ کی راہ کی مستعدی ہے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰنؒ فرماتے ہیں کہ یہاں رابطوا سے مطلب انتظار نماز ہے لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ فرمان حضرت ابو ہریرہؓ کا ہے واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رابطوا سے دشمن سے جہاد کرنا اور اسلامی ملک کی حدود کی نگہبانی کرنا اور دشمنوں کو اسلامی شہروں میں نہ گھسنے دینا۔

مسند احمد میں ہے کہ ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر جو شخص خدا تعالیٰ کی راہ کی تیاری میں ہو اور اسی حال میں مر جائے تو اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور اسے فتنۂ قبر سے نجات ملتی ہے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک کے اشعار:

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۷۰ یا ۱۷۷ھ میں شہر طرسوس میں حضرت محمد بن ابراہیم ابن ابی سکینہ کو جب کہ وہ ان کی وداع کے لئے آئے تھے اور یہ جہاد کو جا رہے تھے یہ اشعار لکھوا کر حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو بھجوائے:

یا عابد الحرمین لو ابصرتنا	لعلمت انک فی العبادة تلعب
من کان یخضب خده بدموعه	فنحورنا بدمآئنا تتخضب
او کان یتعب خیله فی باطل	فخیولنا یوم الصبیحة تتعب
ریح العبیر لکم ونحن عبیرنا	رھج السنابک والغبار الاطیب
ولقد اتانا من مقال نبینا	قول صحیح صادق لا یکذب
لا یستوی غبار خیل اللہ فی	انف امری و دخان نار تلھب
ھذا کتاب اللہ ینطق بیننا	لیس الشھید بمیت لا یکذب

ترجمہ: اے مکہ مدینہ میں رہ کر عبادت کرنے والے! اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو بالیقین تجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری عبادت تو ایک کھیل ہے ایک وہ شخص ہے جس کے آنسو اس کے رخساروں کو تر کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں جو اپنی گردن راہ خدا میں کٹوا کر اپنے خون میں آپ نہا لیتے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا باطل اور بے کار کام میں تھک جاتا ہے اور ہمارے گھوڑے حملے اور لڑائی کے دن ہی تھکتے ہیں۔ اگر کی خوشبوئیں تمہارے لئے ہیں اور ہمارے لئے اگر کی خوشبو گھوڑوں کے ٹاپوں کی خاک اور پاکیزہ گرد وغبار ہے۔ یقین مانو ہمیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث پہنچ چکی ہے جو سراسر راستی اور درستی والی بالکل سچی ہے کہ جس کسی کے ناک میں اس خدائی لشکر کی گرد بھی پہنچ گئی اس کے ناک میں شعلے مارنے والی جہنم کی آگ کا دھواں بھی نہ جائے گا اور لو یہ ہے خدا تعالیٰ کی پاک کتاب جو ہم میں موجود ہے اور صاف کہہ رہی ہے اور سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں۔''

محمد بن ابراہیمؒ فرماتے ہیں کہ جب میں نے مسجد حرام میں پہنچ کر حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ کو یہ اشعار دکھائے تو آپ پڑھ کر زار زار روئے اور فرمایا ابوعبدالرحمٰن نے خدا کی رحمتیں ان پر ہوں۔ صحیح اور سچ فرمایا اور مجھے نصیحت کی اور میری بے حد خیر خواہی کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت:

جناب رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا اے معاذ! جہاں بھی ہو اللہ کا خوف دل میں رکھو اور اگر تجھ سے کوئی برائی ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی بھی کر لے تاکہ وہ برائی مٹ جائے اور لوگوں سے خلق و مروت کے ساتھ پیش آیا کر۔ ﴿تفسیر ابن کثیر﴾

جہاد پر پہرہ داری:

حضرت سہل بن سعد ساعدی کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کی راہ یعنی جہاد میں سرحد پر ایک دن کی چوکسائی دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے اور جنت کے اندر ایک کوڑے کی برابر تم میں سے کسی کی جگہ دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے اور جو بندہ ایک شام یا ایک صبح کو راہ خدا میں نکلتا ہے وہ اس کے لئے دنیا اور دنیا کی ہر چیز سے بہتر ہے۔

(رواہ البغوی من طریق البخاری) اس حدیث کا پہلا حصہ صحیحین میں حضرت سہل کی روایت سے اور تیسرا ٹکڑا حضرت انسؓ کی روایت سے بھی آیا ہے۔

حضرت سلمانؓ الخیر کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اللہ کی راہ میں ایک دن اور ایک رات کی چوکسائی سرحد پر کی اس کو حالت اقامت میں ایک ماہ کے روزوں کا ثواب ملے گا اور جو سرحد پر چوکسائی کرنے کی حالت میں مرگیا اس کے لئے قیامت تک یہ عمل اور اس کا جیسا اجر جاری رکھا جائے گا اور شہیدوں کی طرح اس کو رزق ملتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنہ سے مامون رہے گا۔ ﴿رواہ البغوی﴾

حضرت فضالہ بن عبیدؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر میت اپنے عمل پر ختم ہو جاتی ہے یعنی ہر شخص کا عمل مرنے سے ختم ہو جاتا ہے سوائے اس کے جو راہ خدا میں سرحد پر چوکسائی کرتا ہوا مرتا ہے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہے گا اور وہ قبر کے فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ رواہ الترمذی و ابوداؤد۔ دارمی نے یہ حدیث حضرت عقبہ بن عامرؓ کی روایت سے نقل کی ہے۔ حضرت عثمان کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راہ خدا میں سرحد پر ایک دن کی چوکسائی دوسرے مقامات پر ہزار دنوں کی چوکیداری سے بہتر ہے۔ ﴿رواہ الترمذی والنسائی﴾

نماز کا انتظار: بغوی نے ابوسلمہ عبدالرحمٰن کا قول نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کبھی کوئی جہاد ایسا نہیں ہوا کہ اس میں سرحد پر چوکسائی کی گئی ہو بلکہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار ہی چوکسائی تھا اور یہی آیت میں مراد ہے۔ اس تفسیر کا ثبوت حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث سے ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسا عمل بتاؤں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹاتا اور درجات اونچے کرتا ہے، وہ ہے پورا پورا وضو کرنا باوجود مکروہات کے یعنی سخت سردی، برفباری وغیرہ کے پورا پورا وضو کرنا اور مسجدوں تک جانے کے لئے اپنے قدموں سے زیادہ مسافت طے کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں لگا رہنا یہی تمہارا رباط ہے یہی تمہارا رباط ہے یہی تمہارا رباط ہے۔ ﴿رواہ البغوی و مسلمؒ والترمذیؒ نحوہ عن ابی ہریرہؓ﴾

وَاتَّقُوا اللّٰهَ: اور اللہ سے ڈرو

ایک دن کا رباط:

اور صحیح مسلم میں بروایت سلمانؓ مذکور ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ایک دن رات کا رباط ایک مہینہ کے مسلسل روزے اور تمام شب عبادت میں گذارے سے بہتر ہے۔ اور اگر وہ اسی حال میں مرگیا تو اس کے عمل رباط کا روزانہ ثواب ہمیشہ کیلئے جاری رہے گا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا رزق جاری رہے گا، اور وہ شیطان سے مامون (سے محفوظ رہے گا) ﴿معارف القرآن جلد دوم﴾

رباط میں موت: ابن ماجہ میں باسناد صحیح حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

مَنْ مَاتَ مُرَابِطًا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُجْرِيَ عَلَيْهِ اَجْرُ عَمَلِهِ الصَّالِحِ الَّذِيْ كَانَ يَعْمَلُهٗ وَاُجْرِيَ عَلَيْهِ رِزْقُهٗ وَاَمِنَ مِنَ الْفَتَّانِ وَبَعَثَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اٰمِنًا مِّنَ الْفَزَعِ. ﴿تفسیر قرطبی﴾

''جو شخص حالت رباط میں مرجائے تو وہ جو کچھ عمل صالح دنیا میں کیا کرتا تھا ان سب اعمال کا ثواب برابر جاری رہے گا اور اس کا رزق بھی جاری رہے گا اور شیطان سے (یا سوال قبر سے) محفوظ رہے گا، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو ایسا مطمئن اٹھائیں گے کہ محشر کا کوئی خوف اس پر نہ ہوگا۔''

ہزار سالہ صیام وقیام:

حضرت ابی بن کعبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسلمانوں کی کمزور سرحد کی حفاظت اخلاص کے ساتھ ایک دن رمضان کے علاوہ دوسرے دنوں میں کرنے کا ثواب سو سال کے مسلسل روزوں اور شب بیداری سے افضل ہے، اور رمضان میں ایک دن کا رباط افضل و اعلیٰ ہے ایک ہزار سال کے صیام وقیام سے (اس لفظ میں راوی نے کچھ تردد کا اظہار کیا ہے) پھر فرمایا اور اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو صحیح سالم اپنے اہل و عیال کی طرف لوٹا دیا تو ایک ہزار سال تک اس پر کوئی گناہ نہ لکھا جائے گا، اور نیکیاں لکھی جاتی رہیں گے اور اس کے عمل رباط کا اجر قیامت تک جاری رہے گا۔ ﴿قرطبی﴾

وللّٰہ الحمد اولہ و آخرہ

بحمد اللہ تمّ